مدیر: عبدالماجد
پتہ: دریاباد، ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبدالقوی
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کیجائے

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں مراسلت منیجر

صدق لکھنؤ

نمبر (۱) دوشنبہ ربیع الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ۴ مئی ۱۹۴۲ء جلد ۸

سچی باتیں

ویونڈ فارسٹر کا انگریزی "تاریخی جغرافیہ عرب" (ہسٹاریکل جیاگرفی آف عربیا) ایک مشہور کتاب ہے۔ جلد دوم کے صفحہ پر ابن ہشام کے حوالہ سے لکھتے ہیں :-

حفر سیل عن قبر بالیمن فیہ امراۃ فی عنقہا سبع مخانق من درّ وفی یدیہا ورجلیہا من الاسورۃ والخلاخیل والدمالج سبعۃ سبعۃ وفی کل اصبع خاتم فیہ جوہرۃ مثمنۃ وعند راسہا تابوت مملوء مالا۔

ملک یمن میں سیلاب کے اثر سے ایک قبر کھل گئی۔ لاش ایک عورت کی نظر آئی۔ گلے میں موتیوں کے گلوبند سات تھے۔ ہاتھوں اور پیروں میں بازوبند، کڑے اور چھڑے بھی سات سات تھے۔ ہر ہر انگلی میں ایک انگوٹھی بیش قیمت نگینہ کی تھی۔ اور سر پر ایک صندوقچہ تھا زر ومال سے لبریز۔

ظاہر ہے کہ ایسی خاتون کوئی امیر کبیر ہی ہو سکتی ہیں۔ عجب نہیں کہ ملک یمن کی ملکہ رہی ہوں —— عورت کی حکمرانی اور فرماں روائی تہذیب جدید کی ایجاد نہیں۔ اسلام سے قبل، ایران میں، رومہ میں، سب ہی کہیں عورت بادشاہ رہ چکی ہے۔ یمن میں بھی کوئی ملکہ رہی ہو تو کچھ عجب نہیں۔

قیاس وگمان کی حاجت نہیں۔ اتفاق سے ایک کتبہ بھی قبر ہی میں موجود تھا۔

لوح فیہ مکتوب باسمک اللّٰہم الٰہ حمیر

اور ایک تختی ملی جس پر یہ لکھا تھا تیرے نام سے، اے خدا! اے خدائے حمیر۔

یادگار اسلام سے بہت قبل کا۔ جب دنیا خدائے رب العالمین کے تخیل ہی سے آشنا نہ ہوئی تھی۔ ہر قوم کا ایک قبائلی خدا جدا تھا۔ کتبہ پر پانچ شعر بھی کندہ ہیں۔ مفصل ذکر کتاب ہی میں دیکھئے۔ یہاں صرف ترجمہ درج ہو رہا ہے۔

۱۔ میں تاجہ بنت ذو شفر ہوں، میں نے اپنے شاہی دارو غہ کو یوسف کے پاس بھیجا۔ پھر جب واپسی میں دیر ہوئی تو میں نے اپنی
۲۔ چاندی کی ایک مقدار دے کر، کہ ایک مد آٹا لائے۔ پھر جب وہ نہ مل سکا تو پھر میں نے سونا دے کر
۳۔ جب اس سے بھی نہ پا سکا، تو پھر میں نے موتی بھیجے۔ جب نہ مل سکا تو میں نے ان موتیوں کو پسوا ڈالا۔
۴۔ وہ کسی کام نہ آسکے۔ سو اب میں یہاں دفن ہوئی ہوں، جو خبر پائے، اسے چاہیے کہ میرے اوپر ترس کھائے۔
۵۔ اور اگر کوئی عورت میرے ان زیوروں پر طمع کر کے انھیں پہنے تو اسے میری ہی جیسی موت نصیب ہو!

حضرت یوسفؑ (سال وفات غالباً ۱۶۳۵ ق م) کے زمانہ میں جو عظیم الشان قحط پڑا تھا، اس کا ذکر قرآن مجید میں بھی ہے اور توریت میں بھی۔ عرب کا شمال، علاقۂ فلسطین تک تو اس سے متاثر تھا ہی، عرب کے جنوب علاقۂ یمن تک بھی اس کا اثر پہونچ گیا ہو، تو کچھ بعید نہیں۔ قحط تھا ہی اسقدر اہم وعظیم الشان، کہ قرآن مجید نے اس کی تاریخ محفوظ رکھی۔ کتبہ سے جہاں قرآن پاک کے بیان پر تائید وتوثیق کے رنگ میں روشنی پڑ رہی ہے، وہاں یہ بھی آپ نے دیکھ لیا، کہ روپیہ، اشرفیاں، زرو جواہر حقیقۃً کتنی بے قیمت چیزیں ہیں! ملکہ کا خزانہ خالی نہیں بھرپور تھا۔ چاندی، سونا، موتی، سب کچھ موجود۔ زیورات سے جسم لدا ہوا! لیکن بھوک کی تسکین تو غلہ اور آٹے ہی سے ہو سکتی تھی، وہ نہ میسر نہ ہوا تو کسی نے کچھ کام نہ دیا! —— کاش ہم چیزوں کی صحیح قدر وقیمت سمجھ لیں! یہ جان لیں کہ کتنا قیمتی ہے پیٹ بھر آٹا! اور کیسے ہیچ اور محض نمائشی ہیں سونے اور چاندی اور لعل ویاقوت کے خزانے!

تاریخ کا اعادہ

نظامی کا سکندر نامہ، فارسی کی رزمیہ نظم کی ایک مشہور کتاب ہے۔ اس میں ایک موقع پر دارا، شہنشاہ ایران کی زبان سے یہ شعر ادا کیا ہے ؎

فلک می چہ ظلم آشکارا کند
کہ اسکندر آہنگ دارا کند!

صورت حال یہ ہے کہ ایران کی عظمت دنیا کی نظر میں مسلّم ہے۔ ایران کو خود اپنی قوت کا زعم ہے۔ یونان (قدیم اصطلاح میں روم) اسکے مقابلہ میں ایک ناچیز کی حیثیت رکھتا ہے۔ اسکا نوجوان فرماں روا سکندر، دارا جیسے عظیم الشان تاجدار کو چیلنج دینے کی ہمت کرتا ہے، اسکے مقابلہ کی ہمت کرتا ہے! دارا فلک پیر کی اس ستم ظریفی پر ہنستا ہے۔ سکندر کا پیام مبارزت اہل دربار کے سامنے پیش کرکے کہتا ہے کہ ذرا تماشہ دیکھو! سکندر اور مجھ سے مقابلہ کا خیال دل میں لائے! آخر اسکو اسکی جراءت ہی کیسے ہوئی!—
دارا کے اس زعم باطل کا انجام جو کچھ ہوا، تاریخ کے صفحات پر خون کی روشنائی سے ثبت ہے۔ لیکن یہ زعم کی سرنگونی کی کیا کوئی پہلی یا آخری مثال ہے؟ دنیا میں کتنی بار یہ تجربہ دوہرایا نہیں جا چکا ہے، کتنی مرتبہ، پُرقوت اپنے اقتدار کے نشہ میں پست قوموں کو ہیچ سمجھ کر زیر و زبر ہو کر نہیں رہی ہیں؟ تازہ ترین مثال فرانس کی ہے۔ کیا کیا دعوے تھے؟ کیسی کیسی تیاریاں تھیں، مجینو لائن پر کیسا غرہ تھا۔ اس سلسلہ کے قلعے کتنے ناقابل تسخیر تھے! جرمن اسکے مقابلہ میں دارائی و خسرو تو دولت ہی تھا۔ گشتی شروع ہوئی تو دنیا نے آناً فاناً کس کو گرتے اور پچھڑتے دیکھا؟
ولله الکبریاء فی السمٰوات والارض۔

لکھنؤ روس میں

روس کے مشہور ادیب و رہنما میکسم گورکی کے نام سے اب اردو خواں بھی ناآشنا نہیں رہے ہیں۔ گورکی کی قلمی تصویر انکے ایک ہندی معتقد اور جہاں گرد سیاح ایک رسالہ میں یوں کھینچتے ہیں:۔

"ایک روز میں اپنے کمرے میں بیٹھا سمندر کی سیر کے ارادہ سے لباس تبدیل کرنے لگا۔ اتنے میں میری نظر سامنے کے چمن کی طرف گئی تو دیکھا کہ ایک بڈھا، آرام کرسی پر دراز، اخبار پڑھ رہا ہے۔ اسکی وضع ظاہر کر رہی تھی کہ وہ یورپین نہیں ہے۔ وہ کرتے پاجامے میں ملبوس تھا۔ کرتے کے گلے کی پٹی اور سامنے کے حصے پر کشیدے کا کام تھا۔ یہ کشیدہ ویسا ہی تھا جیسا لکھنؤ کی دوپلی ٹوپیوں پر ہوتا ہے۔ اور پاجامہ دھاریدار مہین کپڑے کا تھا، جیسا ہمارے ملک کے مسلمان خانساماں کبھی کبھی پہنتے ہیں۔" (رسالہ اردو۔ جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۱۱۱)

ان صاحب نے کبھی کسی "صاحب" کو لکھنؤ کے لباس میں کب دیکھا تھا؟ قدرۃً یہ سمجھے کہ گورکی کی عدم موجودگی میں شاید انکا بیرا جی آرام کرسی پر لیٹا ہے۔ "ہندوستانی" بن گیا! کہنا یہ ہے کہ گورکی بابا ہیں!——
لکھنؤ کی کشیدہ کاری کا کرتا، اور مسلمان خانساماؤں کی وضع کا پاجامہ یقیناً تو ہے کہ اب اس واقعہ کے بعد اتنا ذلیل و خوار ہو جائے، جتنا اسکے قبل تھا!

ترقی پسند ادب

اردو میں "ترقی پسند ادب" اور "ترقی پسند مصنفین" کا غلغلہ ہم آپ سب چند سال سے سن رہے ہیں۔ اس اجمال کی شرح آج خود ایک "ترقی پسند" ادیب کی زبان سے سنئے۔ یہ "ترقی پسند" ادیب خواجہ غلام السیدین، ایم اے، ایڈ، ڈائرکٹر تعلیمات ریاست کشمیر ہیں۔ آپ اقبال کو ایک ترقی پسند ادیب کی حیثیت سے پیش کرتے ہیں۔ اور اسکے ضمن میں فرماتے ہیں:۔

"ہندوستان میں "ترقی پسند ادب" کی اصطلاح چند ہی سال میں اس قدر راندۂ درگاہ ہوئی ہے، اور اسکو اسقدر غلط معنی پہنائے گئے ہیں کہ بعض سنجیدہ ادبی حلقوں میں اسکے خلاف ایک قسم کا تعصب پیدا ہو گیا ہے۔ ترقی پسند ادب کی تحریک گزشتہ جنگ عظیم کے بعد اکثر مغربی ممالک میں پیدا ہوئی اور بڑی تیزی کے ساتھ پھیلی۔ اس کی بدولت ادب اور زندگی میں ایک نیا اور زندہ رشتہ قائم ہو گیا۔ لیکن ہندوستان کے بعض نوجوان ادیبوں نے اس کی اصلی معنویت کو نہیں سمجھا۔ بلکہ محض اسکی بعض خارجی اور سطحی علامتوں کو نقل کرکے انھوں نے یہ خیال کر لیا کہ وہ ترقی پسند ادیب بن گئے ہیں، اور انھیں حق حاصل ہے کہ وہ اور تمام لوگوں پر ادبی کفر یعنی رجعت پسندی کا فتویٰ لگا دیں۔ انھوں نے چند الفاظ کو انقلابی خیالات اور جذبات دونوں کا بدل سمجھ لیا اور اپنی نظم و نثر میں انقلاب، دھواں، آگ، شعلے، بھوک، کسان، مزدور کے الفاظ کو بچوں کے کھلونوں کی طرح بے جا اور بیجا استعمال کرنا شروع کر دیا۔۔۔۔
ظاہر ہے کہ اقبال کا شمار ان غلط اور اوچھے قسم کے ترقی پسندوں میں نہیں ہو سکتا۔" (رسالہ اردو ادب دہلی جنوری ۱۹۴۲ء صفحہ ۲۴-۲۵)

خدا بھلا کرے خواجہ صاحب کا۔ وہ چشم بد دور، خود ترقی پسندوں کے طبقہ میں ہیں، گھر کے بھیدی ہیں، محرم اسرار ہیں، جو چاہیں کہہ لیں۔ ورنہ اور کسکی ہمت تھی، کہ ترقی پسندی کی ایک قسم غلط اور اوچھی بھی قرار دے! اور کیسے کیسے ہونہار اور روایت نواز نوجوانوں کو اسی طبقہ میں شمار کر ڈالے!

سرکاری طائفہ نوازی

"ہم نے کوشش کی کہ سال بھر بہتر سے بہتر اور دلچسپ پروگرام اپنے سننے والوں کو سناتے رہیں۔ اس میں ہماری بہت سی بہنوں نے مدد کی۔۔۔۔ [چنانچہ] بی زہرہ ممتاز نے جو اودے شنکر کے کلچر سنٹر کی ایک آرٹسٹ ہیں ہمارے ہاں سے اس پر بات چیت کی کہ ہیں زندگی وہ ناچ ہیں] کیونکہ ہوئی آدم یہ بات چیت بہت پسند کی گئی۔"

لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن کی لیڈی اناؤنسر نے ۱۹۔ اپریل کی شام کو زنانہ پروگرام کی تیسری سالگرہ کے جشن کے موقع پر کہا۔ اور فخر و اطمینان کی سانس لی —— گویا ارباب نشاط کی دلالی اور طائفہ نوازی ایک خاص خدمت اور

امتحان کا امتحان

امتحانات ظاہر ہے کہ ہر یونیورسٹی، ہر کالج، ہر چھوٹے بڑے اسکول کا لازمی اہم جزو ہیں۔ یہی طلبہ کی قابلیت کا معیار، انھیں کے نتیجوں پر انکی قسمت کا مدار۔ حال میں مسلم یونیورسٹی کے صدر رہ (یس چانسلر) اور صدر شعبۂ تعلیمیات اور دو اور اُستادوں نے مل کر خود امتحان کا امتحان لینا شروع کر دیا ہے۔ اور جو نتیجہ اب تک نکلا ہے وہ مسلم یونیورسٹی گزٹ میں شایع بھی کر دیا ہے۔

ہائی اسکول کے امتحان کی دو کاپیاں، انگریزی، جامیٹری، اور تاریخ کے مضمون کی رجسٹرار سے حاصل کر کے دو، مختلف تجربہ کار، ادر صاحب لیاقت ممتحنوں کی خدمت میں اس طرح پیش کی گئیں کہ کسی ایک ممتحن کو دوسرے کی فیصلہ کا پتہ نہ چلا۔ پہلے دور میں ممتحنوں سے کہا گیا کہ کاپیوں کی تقسیم صرف چار طبقوں میں کر دیں، فیل، پاس، اچھے نمبر، بہت اچھے نمبر۔ دوسرے دور میں نمبر بھی دلوائے گئے۔

پہلے دور میں، انگریزی کے امتحان میں ۱۵ میں ۷ طالب علم ایسے نکلے، جنھیں ادر پرچہ تین مختلف طبقوں میں جگہ ملی! جامیٹری کے پرچہ میں ایک طالب علم ایسا ہے جسے ایک ممتحن صاحب نے فیل کر دیا، ۶ صاحبوں نے اسے پاس کیا، ۲ صاحبوں نے اچھے نمبر کے طبقہ میں رکھا، اور دو صاحبوں نے "بہت اچھے" نمبر کے طبقہ میں۔ یہ تین طلبہ ایسے نکلے جنھیں تین ممتحنوں کے ہاتھوں "فیل" کے طبقے میں بھی جگہ ملی، "پاس" میں بھی، اور "اچھے نمبروں" میں بھی!

دوسرے دور میں، جامیٹری کے ایک طالب علم کو ایک ممتحن کے ہاتھ سے ۱۷/۱۸ نمبر ملے، اور دوسرے کے ہاتھ سے ۲/۶!۔ گویا فرق ۱۵ فی صدی کا رہا! اسی طرح انگریزی امتحان میں فرق ۴۳ فی صدی اور تاریخ میں ۳۶ فی صدی کا نکلا!

سوال صرف اتنا ہے کہ جو پیمانہ خود اتنا ناقابل اعتبار ثابت ہو رہا ہے، اُسکے بھروسہ پر جو اب تک لاکھوں کی قسمتوں کا فیصلہ ہوتا رہا ہے اور بالیقیں قابلیت جانچی جاتی رہی ہے، سو ان بیچاروں کا اب کیا حشر ہوگا ہے؟ —— زلف کا وزن بانٹوں سے کرتے ہیں لیکن بانٹ خود ہی جب بُھو کر کی ٹکی ثابت ہوں، جب؟

پُرانا مال اور نئی قدر

ہوائی حملوں سے بچاؤ کے ایک اعلان کا اقتباس

"مکانات کے اندر بھی خندقیں کھودی جا سکتی ہیں۔ ... خندق کے اوپر ایک مضبوط تخت رکھا جائے، تاکہ اگر کوئی چیز اس پر گر جائے تو یہ وزن سنبھال سکے۔ خندق اس طرح کھودی جائے کہ تخت کے چاروں پائے زمین ہی پر رہیں۔ ...

خیال ہو سکتا ہے کہ تخت یا لکڑی کے تختوں کی ڈھکی ہوئی یا لکڑی کی بنی ہوئی ایسی کوئی چیز آپ کو بم کے اثرات سے محفوظ نہیں رکھ سکتی۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ انگلستان میں ہوائی حملوں کے دوران میں بہت سے لوگ میز دار پلنگ کے نیچے پناہ گزیں ہو کر بچ گئے۔ لیکن یاد رکھیے کہ کوئی میز یا پلنگ ہندوستان کے تخت سے زیادہ کارآمد و مضبوط نہیں ہوتا!"

اللہ اللہ! یہ زمانے اور تخت! مشرقی تمدن کے باقیات، مٹی ہوئی تہذیب کے کھنڈر، آج انکے دن بھی پھرے! یہ زمانے تو پُرانی حویلیوں کے لازمی جزو ہوتے تھے۔ سول لائنس اور ماڈل کی کوٹھیوں میں انکا گزر کہاں! اب مدتوں کے بعد پھر انکی قسمت جاگی، انکی یاد ہوئی۔ تخت تو فرش و قالین کے ساتھ مشرقی معاشرت کے جزو لاینفک تھے۔ مدت ہوئی کہ میز اور کرسیاں اور کوچ ادر صوفے انھیں بے دخل کر چکے تھے۔ اب جا کر پھر انکی نصیبہ بیدار ہوا، "صاحب" کی زبان پر انکا نام آیا!——

خرابی میں تعمیر پیدا ہوتا اسے کہتے ہیں۔ دوسری قوموں اور سلطنتوں کی طرح نقشن کی دنیا میں بھی خدا اسلام کتنے مقبولوں کو متروک اور کتنے متروکوں کو مقبول بنا رہی ہے!

مسلم لیگ کی قوت

ضمنی انتخابات نے بعض وقت مکر تو کی نسبتیں پلٹ دی ہیں۔ اور فضلو کے ضمنی انتخاب کا نتیجہ بھی کوئی معمولی نتیجہ نہیں۔ مسلم لیگ کے امیدوار کو ۴۴۸۰ ووٹ ملے، اور فضل الحق صاحب والے امیدوار کو کل ۸۲۰۔ پھر اب تک اس نشست پر فضل الحق صاحب ہی کا فریق قابض تھا، اور یہ ایک نمونہ و مثال قرار دے کر دونوں فریق اپنی اپنی فتح یقینی سمجھ رہے تھے۔ دونوں میں عظیم الشان فرق ظاہر ہے، اور یقینی ہے کہ اگلی انتخاب میں فضل الحق پارٹی کا مسلم بازو بالکل ہی شکست کھا کر رہیگا۔" (اسٹیٹسمین۔ دہلی۔ ۱۹ اپریل ۴۶ء)

مسلم لیگ کا کوئی اور کارنامہ اس چار پانچ سال کی مدت میں ہو یا نہ ہو، لیکن یہ بجائے خود کیا کم ہے، کہ مسلمانوں کی بہت بڑی اکثریت کو اس نے ایک نقطے پر جمع کر دیا۔ اور تفرق و انتشار کی کیفیت، کہ ہر شخص کی الگ ٹولی ہے، ایک بڑی حد تک دور کر دی۔ کاش لیگ کے لیڈر اس مرکزیت اور اجتماعیت سے کوئی خاص نفع حاصل کرتے۔ اور اس جوش و خروش کو کسی ٹھوس اور تعمیری کام میں لگا دیتے۔ اصلاح دین کے لیے مسلہ، اور وہ بھی غیر انقلابی، کوئی ایک دو نہیں ڈھیر سا پڑا ہوا ہے!

گزارش

ناظرین صدق سے التماس ہے کہ وہ صدق کی توسیع اشاعت پر خاص توجہ مبذول فرمائیں کیونکہ جنگ کی وجہ سے نہ صرف کاغذ غیر معمولی گراں ہے بلکہ صدق کو بہت سے خریداروں کی سرپرستی سے بھی محروم ہونا پڑا ہے۔

"مہتمم"

بعض قدیم مسائل

جدید روشنی میں

(از عبد الماجد)

[مقالہ جو رضا[*] اکاڈمی رامپور کے جلسہ میں ۱۰ دسمبر ۱۹۴۰ء کو پڑھا گیا اور اب بعد نظر ثانی و اضافہ یہاں درج ہو رہا ہے]

نمبر (۱)

قرآن مجید کلام الٰہی ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ دنیا کی ایک اہم ترین علمی کتاب بھی۔ مطالعہ کے قابل مسلم کے لیے بھی، غیر مسلم کے لیے بھی۔ ان میں پاروں کی مختصر سی کے اندر، اللہ اکبر، کیا کچھ بھرا ہوا ہے؟ توحید و رسالت کے عقیدے ہیں، روح و جزائے عمل کے مسئلے ہیں۔ فقہ و قانون کی دفعات ہیں، معاشرت و اخلاق کی تعلیمات ہیں، سیاسیات کے ضابطے ہیں، معاشیات کے قاعدے ہیں۔ اگلوں کی حکایتیں ہیں۔ پچھلوں کے لیے ہدایتیں ہیں۔ اشخاص کے تذکرے ہیں، اعمال پر تبصرے ہیں ——— ایک بے علم و بے مایہ خادم قرآن جب اپنی بساط کے لائق کئی سال سے لگا لپٹا ہوا، جب ایسی آیتوں پر پہونچا جنکا تعلق نظر آیا اسی دنیا کے گزرے ہوئے واقعات سے، اسی کائنات کے اشخاص و مقامات سے، تو طبیعت میں کرید قدرۃً یہ پیدا ہوئی کہ یہ تذکرہ کب کا ہے؟ کہاں کا ہے؟ یہ شخص کون ہے؟ یہ قوم کون سی ہوئی ہے؟ یہ واقعہ پیش آیا، کس کیفیت کے ساتھ پیش آیا؟ تاریخ اپنی روشنی کی کوئی کرن ان واقعات پر ڈالتی ہے؟ جغرافیہ کوئی پتہ نشان ان مقامات کا اپنے نقشہ پر بتاتی ہے؟ ——— سوالات کے جوابات جو ملے، انکا ایک مختصر سا حصہ اس مجلس علمی کے روبرو پیش ہو رہا ہے۔ مقالہ کسی محقق کا اپنے ہمسروں اور ہمعصروں کے سامنے نہیں، آموختہ ایک ادنیٰ طالب علم کا اہل علم کے سامنے، وہ بھی کچھ کچا کچھ پکا۔

قرآن کا خطاب ہے دنیا کی ساری قوموں سے۔ لیکن ذکر ایک خاص قوم کا۔ اور ذکر بھی اُس پر الطاف خداوندی کی بارش کا، اس تفصیل اور اس تکرار کے ساتھ آتا ہے کہ گویا وہ قوم جوہر ہے، دوسری قومیں عرض۔ وہ اصل ہے اور دوسری فرع۔

یہاں تک کہ اس قوم کو مخاطب کرکے صاف صاف ارشاد ہو گیا ہے کہ

وَاَنِّیْ فَضَّلْتُکُمْ عَلَی الْعٰلَمِیْنَ ｜ ہم نے تمھیں دنیا جہان والوں پر فضیلت دے رکھی تھی

آخر اس قوم کا دعویٰ اسرائیل ——— تاریخ دانی نے کان کھڑے کیے۔ طبیعت کے کھوج نے سوال کیا کہ دعوے پر دلیل؟ ذوق تجسس نے بیدار ہو کر پوچھا کہ بیان کا کوئی ثبوت؟

آثار قدیمہ کے ماہر کا بیان ہے کہ اسرائیل لقب ہے یعقوب بن اسحٰق کا۔ خدا کے بھیجے ہوئے پیغمبر اسلامی عقیدہ میں، مسیحی عقیدہ میں، یہودی عقیدہ میں۔ نام لفظ ہے عبرانی زبان کا۔ لغوی معنی خدا کے بندے کے، یا خدا کے پہلوان کے۔ پوتے تھے حضرت ابراہیم پیغمبر کے۔ سال پیدائش ۲۰۰۰ ق م۔ یعنی آج سے ۳۹۴۱ سال قبل۔ وطن فلسطین، یا قدیم بولی میں کنعان۔ اُس وقت ملک شام کا ایک سرسبز صوبہ۔ دو بیاہ ہوئے، یا چار، دو شرعی یا قانونی۔ اولاد کل ملا کر بارہ بیٹے ہوئے۔ ان سے جو عظیم الشان نسل چلی تیزی کے ساتھ پھیلی اور بڑھی۔ اسی کا نام بنی اسرائیل پڑا۔ دنیا کے اُتار چڑھاؤ جس طرح سب دیکھتے ہیں، انھوں نے بھی اپنی تاریخ میں دیکھے۔ کبھی گرے، کبھی اُبھرے۔ آج جیتے، کل ہارے۔ ابھی محکومت کی، ابھی حکومت بھی۔ اس حیثیت سے انکی تاریخ ویسی ہی جیسے دنیا کی اور ساری قوموں کی۔ اور اس معنی میں انھیں کوئی فضیلت کسی پر نہیں۔ لیکن عروج و زوال کے سارے چکروں کے باوجود ایک چیز انکی ہمیشہ قائم رہی۔ نبوت کی شمع جو اُنکے خاندان میں ایک بار جل چکی تھی، کبھی نہیں برابر روشن رہی۔ نبی انکے ہاں مسلسل پیدا ہوتے رہے۔ انبیاء تعداد میں اتنے ہوئے ہیں کہ آج اس نبی کو جان سے مار ڈالا، کل اُس نبی کو وطن سے نکال دیا۔ لیکن نفس نبوت کے قائل برابر رہے عمل میں باغی، فرداً کیسے ہی ثابت ہوئے ہوں، لیکن عقیدہ میں مسلم نبوت۔

سامی قومیں، ترقی کرنے والی قومیں، دولت و حکومت والی قومیں، پڑھی لکھی قومیں، مصر میں بھی تھیں اور ہندوستان میں بھی، عراق میں تھیں اور ایران میں بھی۔ انکے کان رسول کے پیام اور نبی کے کلام سے ناآشنا رہے۔ انکے ہاں "اوتار" آتے رہے۔ یعنی بھگوان خود کسی نہ کسی قالب میں ظاہر ہوتا رہا۔ کسی مخلوق کے جسم کے اندر حلول کرتا رہا۔ اس ساری مدت میں یہی ایک قوم ایسی رہی جسمیں برابر نبی پر نبی اور رسول پر رسول آتے رہے۔ محض پیام بر تھے۔ کسی کا پیام لاتے رہے، کسی کا کلام سناتے رہے ——— جو خود بلند تر ہے زمین کی ساری وسعتوں سے، آسمان کی ساری بلندیوں سے۔ منزہ ہے جسم سے، جان سے، مکان سے، ممکن اس کی شان کے لیے یہ کیونکر ہے کہ وہ اپنے کو قالبوں میں منتقل کرتا رہے! ——— یہی راز ہے اس کا کہ یہی ایک قوم بحیثیت قوم جمی رہی عقیدۂ توحید پر اور بچی رہی شرک سے، عناصر پرستی سے، شجر پرستی سے، حجر پرستی سے۔ بخلاف مصر و کلدانیہ کے، ایران و ہندوستان کے، اور آخر میں یونان کے۔ ان سب کے درمیان انھیں سے گھری ہوئی، لیکن ان سب سے الگ تھلگ، یہی ایک قوم ایسی رہی، جو تنزیہ کا کلمہ پڑھتی رہی اس حال میں کہ ہمعصر قومیں تشبیہ اور تجسیم کے بھنور میں پھنسی ہوئی تھیں۔ یہ کوئی گرتی گئیں، اور توحید کا جھنڈا اسی کے ہاتھ میں لہراتا رہا۔ تنزیہ و توحید کا ہے ہی چولی دامن کا ساتھ۔

---

[*] واضح رہے کہ رضا اکاڈمی مذہبی نہیں ایک علمی ادارہ ہے۔ ان کے مقالہ

تنقید مضمون حقوق الزوجین

(۲)

(از جناب مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی)

مودودی صاحب نے حقوق الزوجین میں جو خیالی عمارت قائم کی ہے اُسکا سنگ بنیاد انکا یہ خیال ہے کہ فقہاء کا قانون نہایت سخت ہے۔ اور وہ اپنی سختی کی وجہ سے عورتوں کی زندگیوں کو تباہ کرنے والا – انکو بداخلاقیوں کا شکار کرنے والا – اور انکو مرتد بنانے والا ہے – اس لیے وہ فقہاء کا قانون غیر اسلامی ہوسکتا – اسکو دیکھنا یہ ہے کہ انکا یہ خیال کہاں تک صحیح ہے – سو ہم کہتے ہیں کہ انکا یہ خیال سراسر غلط ہے – جسکی وجہ یہ ہے کہ یہ قانون اُن لوگوں کا مرتب کیا ہوا ہے جن کی نیک نیتی اور قانونی مہارت تمام عالم اسلامی کے نزدیک مسلم ہے – اور جو قانون ایسے حضرات کا بنایا ہوا ہو وہ ہرگز غیر اسلامی نہیں ہوسکتا – اور جبکہ وہ غیر اسلامی نہیں ہوسکتا، تو نہ وہ سخت ہوسکتا ہے نہ عورتوں کو بداخلاق بنانے والا اور نہ انکو مرتد کرنے والا – لہٰذا مودودی صاحب کا یہ خیال سراسر باطل اور محض بیہودہ ہے – اور اس باطل بنیاد پر جو خیالی عمارت قائم کی گئی ہے وہ محض بے بنیاد اور سراسر غیر اسلامی ہے – اب سوال یہ ہوتا ہے کہ اگر ان مفاسد کی بنیاد قانون کی سختی نہیں تو اور کیا چیز ہے؟ تو اسکا جواب یہ ہے کہ ان مفاسد کا اصل منشا مسلمان مردوں اور عورتوں کا قانون الٰہی کے احترام کو ترک کردینا اور کسی ایسی قوت کا نہ ہونا ہے جو انکو اسکے احترام پر مجبور کرسکے – اسکی ناقابل تردید دلیل یہ ہے کہ بداخلاقی اور ارتداد کچھ عورتوں کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ یہ دونوں باتیں جس طرح عورتوں میں پائی جاتی ہیں – یوں ہی مردوں میں بھی پائی جاتی ہیں – اور یہ ظاہر ہے کہ مردوں کی بداخلاقی اور ارتداد کا سبب کسی قانون کی سختی نہیں بلکہ انکا منشا خود مردوں کی بےدینی ہے – تو پھر کیسے یہ نہ کہا جائے کہ عورتوں کی بداخلاقی اور ارتداد کا سبب بھی قانون کی سختی نہیں بلکہ انکا منشا خود مردوں کی بےدینی ہے – مودودی صاحب کی دلیل یہ ہے کہ مرد عورتوں کی خواہشات نفسانی کو پورا نہیں کرسکتے یا نہیں کرسکتے یا اُن پر دوسرے قسم کے مظالم کرتے ہیں۔ اور عورتیں ایسے نکارہ یا ظالم شوہروں سے قانون کے ذریعہ سے نجات حاصل نہیں کرسکتیں اس لیے یا تو مرتد ہوکر پیچھا چھڑاتی ہیں یا انکی قید میں رہ کر بداخلاقی کی مرتکب ہوتی ہیں یا مختلف قسم کی تکالیف میں مبتلا رہتی ہیں – اسکا جواب یہ ہے کہ اول تو یہ ہی مسلم نہیں کہ جو عورتیں بدکار دو آوارہ ہوتی ہیں یا مرتد ہو جاتی ہیں اُنکے ارتداد و بدچلنی کا سبب ہمیشہ مردوں کا ناکارہ یا ظالم ہونا ہوتا ہے – کیونکہ انکی بدکاری اور ارتداد کے وہ اسباب بھی ہوتے ہیں جو مردوں کی بدکاری اور ارتداد کے ہوتے ہیں – لہٰذا ہم اس قاعدہ کو کلیہ ہونے کی حیثیت سے تسلیم کرسکتے ہیں اور نہ اکثریہ ہونے کی حیثیت سے – لیکن اگر اسکو کلیہ ہونے ہی کی حیثیت سے تسلیم کرلیں تب بھی ہم اسکو تسلیم نہیں کرسکتے کہ انکی بداخلاقی اور ارتداد کا ذمہ دار قانون ہے – کیونکہ قانون اگر مرد و عورت کے درمیان عورت کی خواہش کے موافق تفریق نہیں کرتا – تو وہ ناکارہ مردوں کو اس پر بھی مجبور نہیں کرتا کہ تم عورتوں کو اپنی قید میں رکھو – اور نہ وہ ظالم مردوں کو اس پر مجبور کرتا ہے کہ تم ان پر ظلم کرو – بلکہ اسکے خلاف وہ انکو اخلاقی طور پر تاکید کرتا ہے کہ تم عورتوں کو بلاوجہ تکلیف نہ دو – اور اسکی خلاف ورزی پر وہ انکو سزا کی دھمکی دیتا ہے – اب اگر مرد اسکی پرواہ نہیں کرتے ہیں تو یہ انکی بےدینی ہے – پھر جس مرد اس قانون کا احترام نہیں کرتے تو قانون عورتوں کو صبر کی تلقین کرتا ہے – اور اس صبر کے لیے [illegible] کا وعدہ کرتا ہے – اور ان کالیف سے متاثر ہوکر بداخلاقی یا ارتداد کے ارتکاب سے نہایت سختی کے ساتھ روکتا ہے – اور انکو دنیوی و اخروی سزاؤں کی دھمکی دیتا ہے – اب اگر عورتیں ان ہدایتوں پر عمل نہیں کرتیں اور وہ وعدہ وعید کی پرواہ نہیں کرتیں اور باوجود اسکے کبھی وہ بداخلاقی یا ارتداد کی مرتکب ہو جاتی ہیں تو یہ انکی بےدینی ہے – پس ثابت ہوا کہ ان مخصوص صورتوں میں بھی عورتوں کی بداخلاقی یا ارتداد کی ذمہ داری خود مردوں اور عورتوں کی بےدینی ہی پر ہے نہ کہ قانون الٰہی پر – آخر یہ قانون آج تو نہیں بنا یہ تو صدیوں سے چلا آرہا ہے – پھر یہ بداخلاقی اور ارتداد آج کیوں پیدا ہوئے – اگر اسکا منشا قانون کی سختی تھی تو انکو اسی وقت سے موجود ہونا چاہیے تھا – جس وقت سے یہ قانون رائج ہوا ہے – اس سے معلوم ہوا کہ عورتوں کی بداخلاقیوں اور انکے ارتداد کی ذمہ داری قانون پر ڈالنا سراسر ناانصافی ہے – اور اسی لیے ان مفاسد کا علاج قانون کا بدلنا نہیں ہے – بلکہ اسکا علاج مردوں اور عورتوں کی بےدینی کو دور کرنا ہے اور انکے اندر قانون کے احترام کا جذبہ پیدا کرنا ہے – اور اس سے معلوم ہوا کہ نہ مودودی صاحب کی تشخیص صحیح ہے نہ تجویز – جسکی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس فن کو کسی ماہر فن سے حاصل نہیں کیا بلکہ انہوں نے قانون کا خود مطالعہ کیا ہے – اور وہ بھی اسلامی ذہنیت کے ماتحت نہیں بلکہ فرنگی ذہنیت کے ماتحت – کیونکہ جس وقت انکو ہوش آیا ہے اور انکو اسلام کی تحقیق کا خیال پیدا ہوا ہے – اُس وقت اُنکے دماغ پر فرنگیت پورا تسلط کرچکی تھی، اس لیے وہ اسی ذہنیت کے ساتھ اسلام کا مطالعہ کرنے کے لیے مجبور تھے – اگر وہ اس فن کو کسی ماہر فن سے حاصل کرتے تو ممکن تھا کہ وہ ذہنیت بالکلیہ زائل ہو جاتی – اور یہ بھی ممکن تھا کہ وہ گرد کاں پر گندہ ثابت ہوتی – اس سے ثابت ہوا کہ قانون اسلامی درحقیقت وہی ہے جو فقہاء کا مرتب کیا ہوا ہے – اور جو قانون مودودی صاحب نے اپنی اجتہادی قابلیت اور فرنگی ذہنیت کے ساتھ حقوق الزوجین میں مرتب کیا ہے وہ سراسر غیر اسلامی اور انکا خود ساختہ ہے – اس جگہ یہ بات بھی ظاہر کردینی چاہیے کہ [illegible] احکام پر صرف یہی خرابی نہیں ہے کہ اسکا [illegible] ناقص ہے [illegible]

اسکے نقصان کو تسلیم کر لیا جائے) بلکہ اس میں اور بھی بہت سی خرابیاں ہیں جنھوں نے آج خدا کے دین کو یہود و نصاریٰ کے دین سے بدتر بنا رکھا ہے۔ پھر کیا وجہ ہے کہ وہ ان تمام خرابیوں کو چھوڑ کر اپنی خرابیوں کی اصلاح پر زور دیتے ہیں۔ جنکا تعلق عورتوں سے ہے۔ سو اسکی وجہ وہی آزادیٔ نسواں کا فرنگی تخیل ہے جسکو اُنھوں نے یورپ سے حاصل کیا ہے۔ یورپ کے اثر سے اس تخیل نے انکے نزدیک وہ اہمیت حاصل کر لی ہے جو دین کے کسی حصہ کو حاصل نہیں ہے۔ اس لیے وہ تمام خرابیوں کو نظرانداز کرکے ان خرابیوں کی اصلاح کو اہم سمجھتے ہیں جو عورتوں کی آزادی پر اثرانداز ہوتی ہیں۔ چنانچہ سب سے پہلے اُنھوں نے پردہ کے مسئلہ کو اُٹھایا اور اس میں بظاہر پردہ کے حامی بن کر اندرونی طور پر اسکی بیخ کنی کر دی۔ اسکے بعد حقوق الزوجین تصنیف فرمائی۔ جسمیں مرد کی قوامیت کو مٹا کر عورتوں کی قوامیت قائم کر دی۔ اور گو وہ مردوں کے ہاتھ سے حق طلاق کو نہیں چھین سکے۔ مگر اپنی مخصوص تشریح کے ساتھ خلع کا ہتھیار اُنکے ہاتھ میں دے کر انکو بھی طلاق کا مالک بنا دیا۔ اور جو مصلحتیں شریعت نے مرد کی قوامیت اور عورت سے حق طلاق کو سلب کرنے میں پیش نظر رکھی تھیں اُن سب پر پانی پھیر دیا۔ آپ نے اسکا نام عورتوں اور مردوں کے حقوق میں صحیح توازن رکھا ہے۔ لیکن ابھی تک وہ پورے طور پر عورتوں اور مردوں کے حقوق میں صحیح توازن قائم کرنے میں کامیاب نہیں ہو سکے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ وہ ابھی زمین ہموار کر رہے ہیں۔ جب یہ بات مسلمانوں کے اچھی طرح ذہن نشین ہو جائیگی کہ عورتوں اور مردوں کے حقوق کے درمیان صحیح توازن یہ ہے کہ عورتوں اور مردوں کے بالکل مساوی حقوق دیے جائیں۔ تو اب وہ مردوں سے چار عورتوں سے نکاح کا حق سلب کر لیں گے یا عورتوں کو چار مردوں سے نکاح کا حق دینگے۔ کیونکہ اسکے بغیر عورتوں اور مردوں کے حقوق میں صحیح توازن قائم نہیں ہو سکتا۔ آپ شاید حیران ہونگے کہ مودودی صاحب ایسا کیونکر کرینگے۔ لیکن حقوق الزوجین میں جو اصول اجتہاد اُنھوں نے قائم کر دیے ہیں، انکو دیکھنے کے بعد یہ بات کچھ مشکل نہیں معلوم ہوتی۔ صرف زمین کے ہموار ہونے کی دیر ہے۔ جہاں زمین ہموار ہوئی اور یہ اجتہاد نافذ ہوا۔ مثلاً یہ کہ وہ فرمائینگے کہ حق تعالیٰ فرماتے ہیں "ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ" یعنی خدا ذرہ برابر کسی پر ظلم نہیں کرتا۔ اور اسکی تائید اپنی طرف سے یہ مقدمہ لگائیں گے کہ یہ صریح ظلم ہے کہ مرد تو اپنی خواہش کے مطابق چار عورتوں سے شادی کر سکے اور عورت بیچاری اپنی ضرورت پوری کرنے کے لیے بھی ایک سے زائد شادی نہ کر سکے۔ اور اس قیاس سے یہ نتیجہ حاصل کرینگے کہ یہ ظالمانہ قانون خدا و رسول کا قانون نہیں ہو سکتا یہ صرف مجتہدوں کے اجتہادات ہیں۔ پھر وہ کہیں گے کہ اجتہاد کوئی وحی نہیں ہے۔ لہٰذا اس غلط اجتہادات کو دوسرے صحیح اجتہاد سے بدلا جا سکتا ہے۔ اور اگر بالفرض یہ وحی بھی ہو۔ تو اس کو آنکھ بند کرکے ہر ملک اور ہر قوم اور ہر زمانہ کے لیے حجت بنانا ایسا ہی ہے جیسا کہ ایک جاہل عطار بقراط اور جالینوس کے نسخوں کو بلا لحاظ موسم اور بلا لحاظ مزاج و آب و ہوا وغیرہ ہر جگہ برتنا شروع کر دے، یا ایک ڈاکیہ ایک ہی مُہر کو ہر جگہ چلانا شروع کر دے۔ لہٰذا یہ استعمال سراسر غلط ہے۔ لہٰذا یہ استعمال سراسر غلط ہے۔ جس زمانہ کے لیے یہ قانون بنا ہوگا وہ ہمارے زمانہ سے بہت مختلف تھا۔ اسی لیے اسکو ہمارے زمانہ میں استعمال کرنا سراسر نادانی ہے۔ اس لیے ہماری تجویز ہے کہ اگر مرد ایک عورت پر قناعت کرے تو اُسکی عورت کو یہ حق نہ ہوگا کہ وہ ایک سے زیادہ شوہر رکھے۔ لیکن اگر ایک مرد ایک عورت سے زیادہ رکھنے کی خواہش کرے تو اُسکی عورت کو قانوناً یہ حق ہوگا کہ وہ ایک شوہر سے زیادہ شوہر رکھے۔ اسی کا نام توازن حقوق ہے اور یہی عین انصاف ہے اور یہی قانون اسلام کی اسپرٹ ہے۔ لیکن افسوس ہے کہ مجتہدین اسلام نے ان چیزوں کی کوشش نہیں کی۔ اور دنیائے اسلام میں یہ قانون جو سراسر غیر اسلامی ہے نافذ ہو گیا۔ اُسکے بعد جوں جوں زمین ہموار ہوتی جائیگی۔ تمام احکام اسلامیہ مودودی صاحب کے اجتہاد کی زد میں آکر ختم ہوتے جائیں گے اور اس طرح دنیا میں ایک نیا اسلام رونما ہوگا۔ اور اگر خود مودودی صاحب کو اتنا وقت نہ مل سکا کہ وہ اپنی زندگی میں اسلام کو ختم کر سکیں تو اُنھوں نے حقوق الزوجین لکھ کر اپنے جانشینوں کے لیے اسلام کی تباہی کا اتنا مواد فراہم کر دیا کہ وہ بہت آسانی سے اسکو ختم کر سکتے ہیں۔ ہمارے اس بیان سے یہ بات اچھی طرح ظاہر ہو گئی کہ یہ رسالہ حقوق الزوجین اور اسکا مصنف اسلام کے لیے کس قدر خطرناک ہے۔

مرتبہ پر ٹھہرا دیا جو اُنکے دعاوی میں سب ہی ادنیٰ درجہ کا تھا۔ ہمارے اس مدلل اور مبرہن بیان سے یہ حقیقت واضح ہوگئی کہ اخبار مسلمان لاہور مورخہ ۱۵ - مارچ میں جو شذرہ بہ عنوان دینداروں کی دیانتداری شائع ہوا ہے - وہ سراسر سخن شناس نۂ دلبرا خطا اینجاست کا مصداق ہے۔

یہ ہم نہیں سمجھتے کہ جب مودودی صاحب منصب اجتہاد کے کھلے لفظوں میں مدعی ہیں۔ تو منصب تجدید جو کہ اس سے کم ہے - اسکے مدعی ہونے میں کیا استبعاد ہے۔ اور اس بارے میں انکی صفائی کی سعی لاحاصل کا کیا نتیجہ ہے جبکہ انکے دعاوی کی نوعیت ظاہر ہوگئی۔ تو اب ہم کہتے ہیں کہ اس حقیقت کو وہ خود بھی تسلیم کرتے ہیں کہ کسی انسان کو قانون سازی کا حق نہیں۔ اگرچہ عملًا وہ اسکو تسلیم نہیں کرتے اور قانون سازی کو عمل میں لاکر خود اپنے دعوے کی تکذیب کر رہے ہیں اس لیے اسکے متعلق تو زیادہ کہنے کی ضرورت نہیں۔ اب رہ گیا دعوئے تجدید و اجتہاد سو اسکے متعلق معروض ہے کہ انکے یہ دعوے بھی سراسر اصل ہیں کیونکہ ہم قبل کہہ چکے ہیں کہ مجدد کا کام یہ ہے کہ وہ اُن باتوں کو اسلام سے جدا کرے جو جاہلوں اور بدعتیوں نے اسلام میں شامل کر دی ہیں۔ اُسکا کام یہ نہیں ہے کہ وہ مجتہدین کے مستخرجہ و مستنبط مسائل کو غیر اسلامی قرار دے کر انکو مٹانے کی کوشش کرے۔ علیٰ ہذا مجتہد کو یہ تو حق ہو سکتا ہے کہ کسی مختلف مسئلہ میں کوئی خاص رائے اختیار کرلے۔ لیکن یہ حق اسکو بھی نہیں کہ اجماع مجتہدین کی مخالفت کرے یا کسی مجتہد کی رائے کو غیر اسلامی قرار دے کر اسکو مٹانے کی کوشش کرے۔ اس سے معلوم ہوا کہ مودودی صاحب کو اب تک تجدید اور اجتہاد کے معنی بھی معلوم نہیں جسکی وجہ یہ ہے کہ انھوں نے کسی ماہر فن سے علم دین کو حاصل نہیں کیا۔ بلکہ محض خود مذہبی کتابوں کے تراجم وغیرہ کا مطالعہ کرکے اسلام کے متعلق کچھ غلط کچھ صحیح معلومات حاصل کرلی ہیں۔ اور ایسی حالت میں نہ انکا دعوئے تجدید صحیح ہو سکتا ہے اور نہ دعوئے اجتہاد اور اس بنا پر وہ اس بنا پر وہ اس سلسلہ میں جو قدم بھی اُٹھائینگے وہ لامحالہ غلط ہوگا۔ اور وہ القوا بغیر ہم فضلوا و اضلوا کا مصداق ہونگے۔ اس حقیقت کو مودودی صاحب بھی تسلیم کرتے ہیں کہ اجتہاد بے علم موجب گمراہی ہے۔ مگر وہ اپنے کو عالم سمجھے ہوئے ہیں۔ لیکن یہ بھی انکی غلطی ہے۔ کیونکہ اب تک انکو یہ بھی معلوم نہیں کہ علم کسے کہتے ہیں۔ اُنھوں نے جہل کا نام علم رکھ لیا ہے۔ اور اس بنا پر وہ اپنے کو عالم سمجھ گئے ہیں۔ وہ مجھے ایک خط میں لکھتے ہیں کہ جو کتابیں تم نے پڑھی ہیں۔ اب اگر تم ان کتابوں کو پڑھ کر عالم بن سکتے ہو تو میں انھیں کتابوں کو پڑھ کر عالم کیوں نہیں بن سکتا۔ لیکن خود انکا یہ استدلال ہی ان کی بے علمی کی دلیل ہے۔ اولًا اس لیے کہ انکا یہ کہنا غلط ہے کہ انھوں نے وہ کتابیں پڑھی ہیں۔ یہ ممکن ہے کہ انھوں نے انکا ادھورا اور ناقص مطالعہ کیا ہو۔ تو اسکو پڑھنا نہیں کہتے۔ ثانیًا اس لیے کہ اگر اسکو تسلیم کر لیا جائے کہ انھوں نے وہ کتابیں پڑھی ہیں تو یقینًا انھوں نے انکو سمجھ کر نہیں پڑھا ہے۔ پھر بے سمجھے پڑھنے سے کیا فائدہ۔ اور ثالثًا اس لیے کہ جب میں ان کتابوں کو پڑھ کر مجتہد نہیں ہو سکا۔ تو وہ ان کتابوں کو پڑھ کر کیونکر مجتہد بن گئے۔ پس ثابت ہوا کہ انکی اس دلیل سے انکا عالم ہونا ثابت نہیں ہوتا۔ بلکہ اس سے بھی انکی بے علمی ثابت ہوتی ہے۔

پس جبکہ انکا بے علم ہونا ثابت ہوگیا تو اب اگر وہ اجتہاد کرینگے تو لامحالہ وہ اجتہاد بلا علم ہوگا۔ اور اجتہاد بلا علم کا موجب گمراہی ہونا خود انکو مسلم ہے۔ تو اب انکے اجتہاد کا نتیجہ سوا گمراہی کے اور کیا ہو سکتا ہے۔ اسی وجہ سے انکا رسالہ حقوق الزوجین شروع سے آخر تک گمراہیوں سے لبریز ہے۔ جب ہم نے اس رسالہ کا مطالعہ کیا اور اُسکو گمراہیوں سے لبریز پایا۔ تو اب ہمارے لیے دو صورتیں تھیں۔ ایک یہ کہ ہم اسکے مضامین کی غلطیاں ظاہر کریں اور دوسری یہ کہ ہم ان غلطیوں کے منشا کو دور کرنے کی کوشش کریں۔ پہلے طریق کو ہم نے چنداں مفید نہیں پایا۔ کیونکہ ہم نے سمجھا کہ اگر ہم نے ان غلطیوں کو دور کرنے کی کوشش کی اور انکے منشا کو دور نہ کیا تو اگر وہ دور بھی ہو جائیں تو کچھ مفید نہیں۔ کیونکہ جب انکا منشا موجود ہے تو اس قسم کی اور غلطیاں پیدا ہو سکتی ہیں۔ ہم انکو دور کرنے کی کہاں تک کوشش کریں گے۔ اس لیے ضرورت اسکی ہے کہ انکے منشا کو دور کیا جائے اگر وہ منشا دور ہو جائے تو آئندہ کے لیے ایسی غلطیوں سے امن ہو سکتا ہے۔ اور چونکہ انکی تمام غلطیوں کا منشا انکا یہ خیال باطل ہے کہ وہ دین سے واقف ہیں۔ اور وہ اس واقفیت میں درجۂ اجتہاد کو پہنچے ہوئے ہیں۔ اس لیے ہم انکو اس زعم باطل کو دور کرنے کی کوشش کرتے ہیں اور یہ ثابت کرنا چاہتے ہیں کہ انکو دین سے مجتہدانہ واقفیت تو درکنار اتنی واقفیت بھی نہیں ہے جتنی کہ ایک طالب علم کو ہوتی ہے۔ اگر یہ بات مودودی صاحب کی سمجھ میں آجائے تو انکی تمام غلطیاں دور ہو سکتی ہیں۔ اور اگر وہ اپنے دعوے اجتہاد پر مصر رہیں تو پھر انکی اصلاح کی کوئی صورت نہیں۔

یہ غلطی خود مودودی صاحب کے ساتھ مخصوص نہیں بلکہ عام طور پر روشن خیال حضرات اسی بلا میں مبتلا ہیں۔ اور انکا یہ مرض بڑھ کر اس زمانہ کے علماء تک بھی متعدی ہوگیا ہے۔ اور وہ بھی اسی خبط میں مبتلا ہوگئے ہیں کہ وہ اپنے زمانہ کے مجتہد ہیں۔ ان دونوں جماعتوں کے اس غلط تخیل نے دین الٰہی کو جو نقصان پہنچایا ہے وہ نہایت شدید ہے اور اس نقصان سے کہیں زیادہ کہ جو پہلے زمانوں کے دعیوں نے پہنچایا ہے جنکی پیدا کردہ خرابیوں کی اصلاح کیلئے مختلف اوقات میں مجددین آتے رہے ہیں اس لیے سب سے زیادہ ضرورت اس بات کی ہے کہ ان حضرات کے دماغ سے اس غلط تخیل کو نکالنے کی امکانی کوشش کی جائے۔ لیکن مودودی صاحب آگے چل کر ہر شخص کو اسکا یقین دلانا چاہتے ہیں کہ اسکے اندر اجتہادی شان موجود ہے۔ لہذا اس تقلید کو ترک کرکے اجتہاد کا جھنڈا بلند کر دینا چاہیے اور جسقدر دین مجتہدین اسلام کی کوششوں اور تقلید کی برکت سے ہم تک بھی پہنچ سکا ہے اسکو بھی اپنے جہل کے ذریعہ سے فنا کر دینا چاہیے۔ اس سے زیادہ گمراہ اور مسلمین کیا ہو سکتا ہے

(باقی آئندہ)

"آج" کی مشکلات کا حل "کل" کے آئینے میں

(از جناب مولانا مناظر احسن صاحب مدظلہٗ جامعہ عثمانیہ)

"کہہ دیجیے تم کو "فرار" ہرگز نفع نہیں پہنچا سکتا اگر تم موت یا قتل سے بھاگو گے، تو تمتع حاصل کر سکو گے ایسی صورت میں لیکن بہت کم۔ کہہ دیجیے کون ہے جو بچا لیگا تمہیں اللہ سے اگر چاہے اللہ تمہارے لیے کوئی برائی، یا چاہے مہربانی فرمانا، نہ پائیں گے اپنے لیے اللہ کے سوا کوئی پشت پناہ اور نہ مددگار۔ اللہ جانتا ہے تم میں سے ان لوگوں کو جو روک پیدا کر رہے ہیں، اور انھیں بھی جو اپنے بھائیوں سے کہتے ہیں آؤ ہماری طرف، یہ لوگ جنگ کی سختی کے پاس نہیں آتے لیکن کم تمہارے ساتھ تنگدلی دکھاتے ہیں، پھر جب خوف اور ڈر کی صورت پیدا ہو جاتی ہے تو تم دیکھو گے کہ دیکھتے ہیں تم کو دو آنکھیں انکی چکرا رہی ہیں، اس طریقہ سے جیسے موت کسی پر چھا جائے۔ پھر جب ڈر کا وقت گزر جائے تو مجروح کرتے ہیں تمہیں اپنی تیز زبانوں سے بھلائی اور مال کے حاصل کرنے میں تمہارے سامنے سخت حرص اور لالچ کا اظہار کرتے ہیں۔ یہ وہ لوگ ہیں جو ایمان نہیں رکھتے ہیں، پس برباد کر دیا خدا نے انکے اعمال کو اور یہ بات خدا پر آسان ہے۔ خیال کرتے ہیں کہ گھیرنے والے غول ابھی ٹلے نہیں ہیں، اور اگر دشمنوں کا غول آ جائے تو چاہتے ہیں کہ دیہاتوں میں جا کر دہقانیوں میں مل جائیں اور تمہارے متعلق خبروں کی ٹوہ لگاتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ اگر تم میں ہوتے بھی تو لڑائی نہ کرتے لیکن کم"

یہ قرآن مجید کی سورۂ احزاب کے دوسرے رکوع کی آیتوں کا حاصل ترجمہ ہے۔ جی چاہے تو خود اس مقام کو قرآن میں پڑھ لیجیے۔ میری غرض اسکے پیش کرنے سے دراصل اسکے بعد کی آیتوں کی طرف توجہ دلانی ہے۔ مسلمان بکثرت "اسوۂ حسنہ" "اسوۂ حسنہ" کے الفاظ اس زمانہ میں سنتے ہیں اور بولتے بھی ہیں۔ میں یہ بتانا چاہتا ہوں کہ قرآن مجید میں "اسوۂ حسنہ" یا سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے نمونہ کو پیش کر کے اسی کی روشنی میں مسلمانوں کو اپنی اپنی راہ بنانے کا جو حکم دیا گیا ہے اگرچہ ہے تو عام بات لیکن قرآن نے جس موقع پر اسکو استعمال کیا ہے وہ زندگی کی کون سی پیچیدگی ہے، میں نے جن آیتوں کا ترجمہ اوپر نقل کیا ہے اُسے بار بار غور سے پڑھیے اور سوچیے کہ یہ آیتیں مشکلات حیات کی کس شکل پر زیادہ منطبق ہیں۔ اور اسی کے بعد اب سنیے، ارشاد ربانی ہے:

لقد کان لکم فی رسول اللّٰہ اسوۃ حسنۃ لمن کان یرجوا اللّٰہ والیوم الاٰخر وذکر اللّٰہ کثیراً۔	تحقیق تمہارے لیے اللہ کے رسول میں بہترین نمونہ ہے اُن لوگوں کے لیے جو اللہ اور پچھلے دن کی امید کرتے ہیں اور یاد کیا اُنھوں نے اللہ کو بہت۔

قاضی بیضاوی اسی "اسوۂ حسنہ" والی آیت کی تفسیر میں لکھتے ہیں

ای خصلۃ حسنۃ من حقہا ان یؤتسی بہا کالثبات فی الحرب ومقاساۃ الشدائد	یعنی (رسول اللہ کی) یہ اچھی خصلت اس بات کی مستحق ہے کہ اُسکو اپنے لیے نمونہ اور مثال بنایا جائے (وہ اچھی خصلت یا اسوۂ حسنہ کیا ہے) جیسے لڑائی کے موقعوں پر ثبات قدمی اور تکلیفوں کا برداشت کرنا۔

جسکا یہی مطلب ہوا کہ گو سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کا ہر شعبہ اہل ایمان کے لیے اپنے اندر بہترین نمونے رکھتا ہے لیکن خصوصیت کے ساتھ اُن لوگوں کے لیے جو اللہ کو مانتے اور جانتے ہیں کہ موجودہ زندگی ہی پر انسانی زندگی ختم نہیں ہو جاتی بلکہ آج کا دن کسی کل اور الیوم الاٰخر کی راہ رہا ہے، اور اپنے ہر معاملہ میں تمام اسباب سے پہلے (مسبب الاسباب یعنی) اللہ کو یاد کرتے ہیں، ایسے لوگ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی میں اُس وقت جب جنگ کی دہشت پیدا ہو، اور کڑیوں کے جھیلنے کا وقت آئے، رسول اللہ کی زندگی میں اپنے لیے پاکیزہ اور بہترین تسلی بخش، تشفی آمیز، سکینت و طمانیت ریز نمونے پائیں گے۔

مہینہ اسی رسول پاک کی ولادت باسعادت کا ہے۔ قدرتاً یہ مہینا کا جہاں اپنے محبوب پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف بڑھ جاتا ہے کم و بیش ہر مومن اور مسلم کو اس مہینے میں موقع ملتا ہے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی زندگی کے واقعات کے سننے اور سنانے کا، پڑھنے پڑھانے کا۔ چاہتا ہوں کہ اس وقت مختصر لفظوں میں "حیات طیبہ" کے ایک خاص رخ کو پیش کروں کہ "کل" کے آئینہ میں حلقہ بگوشان نبوت اور نیازمندان رسالت کو "آج" کے مشکلات کا اگر حل مل سکتا ہو تو کیا سے اُبھرے جو چیز سامنے گھر گیا ہے خدارا چند لمحات اسکے لیے بھی وقف کیجیے عمل کیجیے نہ کیجیے لیکن اللہ کے لیے جہاں بیسیوں مشورے آپ سن چکے ہیں سن رہے ہیں سنتے رہیں گے، ایک دیوانہ کی بھی سن لیجیے۔ آپ ہی کی بات ہے جو آپ کو سنانا چاہتا ہے کہ اسکا تعلق بھی ان واقعات سے وہی ہے جو آپ کا ہے۔ اب سنیے جو کچھ آپ کو سنایا جائے۔ لیکن ابتداء کی پہلی شرط وہی ہے کہ آپ کا دل اللہ کی جانب میں بھی کچھ امید رکھتا ہو، نظر میں اتنی وسعت ہو کہ اس زندگی کی واپسیں سانس کو دار فنا کی دم واپسیں اور آخری سانس نہ یقین کرتا ہو، اپنی ضرورتوں میں اسکی جستجو کا پہلا قدم اللہ ہی کی طرف اُٹھتا ہو، اُسکو سب سے پہلے، معوذ عماد، اُسی کی یاد، اُسی کا ذکر سب کی یاد، سب کے ذکر پر غالب رہتا ہو جن میں یہ شرطیں پائی جاتی ہیں اُن ہی کو اللہ کے رسول کے اسوہ میں حیلیوں اور خوبیوں کے چشمے چھلکتے معلوم ہوں گے، پردہ پو غافل سے لوٹ کر صرف مخلوقات میں ڈوبا ہو، اتنا تنگدل اور تنگ سینہ ہو کہ اس زندگی کے پیچھے زندگی کا خیال اسکی تنگ نگاہوں میں صرف افسانہ ہو، مصیبت و بلا کے وقت بجائے مادی اسباب اور محسوس تدبیروں کے مفر کی جستجو کچھ الہٰی اور ہو تو نہ نظر آتی ہو، ظاہر ہے کہ ایسوں کے لیے رسول اللہ کی زندگی میں نہیں، بلکہ ابوجہل، ابولہب، عبداللہ بن سلول جیسے منافقین کی زندگیاں ہی اپنے اندر بہترین نمونے رکھتی ہیں، چاہیے کہ اپنے ان ہی بزرگوں کی تبرک کر دیں، ان ہی کے نمونوں کو تلاش کریں۔ اور اب دیکھیے

از مذہب من گبر ومسلماں گلہ دارد

(از عبدالماجد)

پنجاب کے ایک سرگرم و پرجوش اور بڑے صوبے کے مذہبی حلقوں میں تمامتر معروف، مسلمان اپنے تازہ عنایتنامہ میں لکھتے ہیں:-

"مدح صحابہ کے جلوس کے بارے میں آپ نے جو کچھ ارشاد فرمایا وہ ہم غریب سنیوں کے لیے کافی حوصلہ افزا تھا۔ آپ یار جنگ کا خطبہ شائع کر رہے ہیں۔ یہ یادگار حسینی کیا چیز ہے؟ اور بہادر یار جنگ کب سے قائد ملت بن گئے؟ کیا کبھی فاروقی یادگار بھی قائم ہوئی؟ کیا کبھی کسی صحابی کی بھی سیزدہ صد سالہ برسی منائی گئی؟ آپ روافض کی بدعت کو فروغ دینا چاہتے ہیں، اور مشرقی کے نائب بہادر یار جنگ کو ملت کا قائد تسلیم کرکے زخموں پر نمک پاشی کر رہے ہیں۔ بہادر یار جنگ فرقہ مہدویہ کا ایک فرد ہے۔ اسکا مسلمانوں سے کوئی تعلق نہیں۔ وہ مشرقی کا چیلا ہے۔ لہذا سیزدہ صد سالہ اسلام کا دشمن ہے۔ صدق جیسے پرچہ میں اس کے نام ولقب کا پروپیگنڈا کسی طرح جائز نہیں۔ یہ سطور جذبۂ اخلاص کی بنا پر تحریر کی گئی ہیں"

نفس کی اصلاح، تادیب واحتساب کے لیے اس قسم کے خطوط کا ورود ایک بڑی نعمت ہے، اور میں اس لحاظ سے خوش قسمت ہوں کہ ہر ہفتہ ڈاک میں جہاں متعدد خطوط داد وتحسین اور حوصلہ افزائی کے ہوتے ہیں، ہاں دو ایک اسطرح ملامت وسرزنش کے بھی ضرور موجود رہتے ہیں۔ اکثر نام سے اور کبھی گمنام بھی!—— ہر ہفتہ اگر نہیں، تو ہر مہینے تو یقیناً خدا معلوم کتنی دوستیاں ختم ہوتی رہتی کتنے تعلقات ٹوٹتے رہتے، اور کتنی عداوتیں محبتوں میں تبدیل ہوتی رہتی ہیں، اگو!

ٹیڑھا لگا ہے قط قلم سرنوشت کو!

یہ قلم کچھ واقع ہی ہوا ہے ایسا دوست آزار، دشمن نواز، مخلصوں معتقدوں کے حق میں صبر آزما، کہ اہل اخلاص کے ہاتھ سے عنان ضبط وتحمل بار بار چھوٹ جاتی ہے

از پنجۂ عشق چاک گریباں گلہ دارد!

ان وچالوں کی مختصر شرح بھی اگر تحریر ہونے لگے، تو یقین کیجیے کہ مضمونچہ، بحر طویل کی ایک غزل بن کر رہے! لہذا اس داستان ناتمام کو بس تمام ہو جانے دیجیے، البتہ صرف ایک تازہ مثال سنتے چلیے۔ پچھلے دنوں معاصر رہبر دکن کے مسلمان دل، مسلمان دماغ، مسلمان قلم اڈیٹر کا جو اچانک انتقال ہوا، اس پر صدق نے متاثر ہو، دو تین ماتمی نوٹ دیے۔ کسی کے وہم میں بھی یہ بات آسکتی تھی، کہ یہ بھی کوئی اختلافی ونزاعی مسئلہ ہے؟ لیکن سنیے، کہ چند ہی روز بعد ایک طویل ملامت نامہ "انڈیر (دکن) سے موصول ہوا۔ اس میں اُس مرحوم کے حق میں جیسے جیسے "شریفانہ" کلمات تھے وہ تو تھے ہی، ایک جگہ مدیر صدق کو مخاطب کرکے یہ گل افشانی کی گئی تھی "تم جیسا خوشامدی جاہل"! اور یہ ایک نمونہ، صرف ایک نمونہ ہے، اسی اور اسی طرح معاش قسم کی افشا گری کا!

کیا بات ہے ہماری روشن خیال بہنوں کی! مصر قدیم کی مشہور روشن خیال خاتون زلیخا کے بعد سے آج تک کسی دکھیاری کو یہ کیوں سوجھی ہوگی کہ اپنے اصلی یا خیالی دکھ درد کی سرگزشت کو نشر (Broadcast) کرنے کے لیے یہ طریقہ دعوت و ضیافت کا اختیار کرے! —— زنانِ ہندِ جدید کا قدم کون کہتا ہے کہ ذہانت، صفائی، جدت دماغی میں زنانِ مصر قدیم سے پیچھے ہے؟

پتھروں کی بارش

لکھنؤ کے ایک روزنامہ کا اقتباس:-

"لکھنؤ، ۱۲ رمئی۔ آج شام کو انتہائی گرمی اور تپش کے بعد ایک سخت قسم کی ژالہ باری ہوئی جس میں بہت بڑے بڑے اور کافی وزنی مقدار میں اولے گرے جو بالکل خشک تھے۔ اور جس وقت وہ اولے گر رہے تھے تو ان کی آواز میں ایک ایسی خشک کھڑکھڑاہٹ تھی کہ جس نے تھوڑی دیر کے لیے لوگوں کو بہت زیادہ خوفزدہ کر دیا تھا۔ یہ اولے تقریباً دس منٹ تک بالکل خشک صورت میں جس طرح کنکر پھینکے گئے ہیں گرتے رہے۔ اولے باری کے بعد چند منٹ تک ترشح بھی ہوتا رہا لیکن اس سے گرمی میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔"

خیر! اس سے کم از کم اتنا تو معلوم ہو گیا کہ وہ غیبی قدرت، جس نے پچھلی سرکش قوموں کو آسمان سے پتھر برسا کر ہلاک کر ڈالا ہے، معطل اور بے جان اب بھی نہیں ہوئی ہے۔ اور بارش کے اولوں کو دم کے دم میں خشک ہولناک کنکر پتھر بنا دینا اللہ میاں کے لیے آج بھی کچھ مشکل نہیں ہے!

عورت کا راج

علیگڈھ سے ایک سہ روزہ از ہفتہ وار نکلتا ہے "سرگزشت"، یکم مئی کے پرچے کے پہلے صفحہ پر ایک طویل و نمایاں عنوان ہے:

"پیشکش اہلیۂ ...... بہ تقریب عقد ثانی ڈاکٹر ......"

(نام کے بجائے نقطے یہاں بڑھائے گئے ہیں — سرگزشت میں یونیورسٹی کے ایک استاد کے نام کی تصریح ہے) اور پورا صفحہ اسی پیشکش یعنی شاعرہ خاتون صاحبہ کی نظم کی نذر ہے، مع ایک تمہیدی اڈیٹوریل نوٹ کے! —— یہ گویا اعلان ہے خاتون جدید کی طرف سے، کہ وہ مرد کی حاکمیت کے نظریہ سے باغی ہے۔ کہ اب وہ محکوم ہی نہیں، آمر ہے۔ اور اب وہ خود تو پردہ میں کیا رہیگی، جو باتیں پردہ میں رکھنے کی ہیں انھیں بھی پردہ میں نہ رہنے دیگی۔ اور خانگی زندگی کے ہر راز کو طشت از بام کر کے رہیگی!

عقل کا فتوے تھا اور شریعت کی ہدایت، کہ میاں بیوی کے معاملات گھر کے اندر رہنے کی چیز ہیں۔ اس نے نکاح کیا، یا اس نے طلاق دی، پبلک کو اس سے بحث نہ سروکار۔ لیکن یہ فتوے اور ہدایتیں تو اس دور قدیم کی ہیں، جب حاکمیت مرد کی تھی اور پیر مرد ہوا کرتے تھے۔ نظام نو میں عورت اپنے ہر معاملہ کو ایک عصبی چیخ کے ساتھ پبلک میں لائیگی۔ ریڈیو پر آئیگی، اخبارات میں چھپ جائیگی! —— شریعت کے مجرم آزادانہ کھلے بندوں پھرینگے، مجال نہیں کہ کسی کی شرابخواری پر احتساب ہو سکے۔ کسی کی حرامکاری پر انگلی اٹھ سکے، کسی کی سود خواری عرض تشہیر پر لائی جائے، کہ یہ سب "ذاتی" اور "شخصی" معاملات ہیں۔ لیکن کوئی بدنصیب شوہر اگر اپنی کسی ضرورت یا مصلحت کی بنا پر اس حق سے فائدہ اٹھانا چاہے جو اسے شریعت نے پورے طور پر دیا ہے، تو یہ "جرم" اتنا شدید ہے کہ اس کی رپورٹ تو پولیس کپتان کے اخبار کے صفحات میں تو ضرور ہی نکل کر رہے! —— گویا عورت کے راج (Era of woman) میں ایک نیا فریضہ مرد کے ذمہ یہ عائد ہوتا ہے کہ جب وہ نیا نکاح کرنا چاہے تو اسباب و دواعی کی ایک فہرست بھی شائع کر دیا کرے!

مطالعۂ جرم سے ارتکابِ جرم!

"بمبئی، ۲ رمئی۔ شہر کے ایک ہوٹل میں چوریوں کا سلسلہ عرصے سے جاری تھا۔ ایک روز ایک بیگم صاحب کا ایک بہت قیمتی کاغذ چوری ہو گیا۔ دو دن بعد بیگم صاحبہ کو گمنام خط ملا کہ اس کاغذ کی واپسی اگر منظور ہو تو اس کی قیمت مثلاً ادا کرو اور اپنی رضامندی کا اعلان کسی روزنامہ کے "ذاتی" کالموں میں کر دو۔ خاتون نے پولیس کو اطلاع دیدی۔ بڑی تدبیروں کے بعد آخرکار مجرم صاحب پکڑے گئے۔ ایک خوش پوش یوروپین نوجوان ہیں۔ ایک جہاز پر بیکاری کا کام کرتے ہیں۔ مکان کی تلاشی لی گئی، تو کوئی پانچ سو کے قریب ناول جرائم سے متعلق نکلے!" (پاینر – ۷ مئی ۳۶ء، لکھنؤ)

پانچ سو کی تعداد میں مجرمانہ ناولوں کا مطالعہ بہرحال ایک دن کا کام تو نہیں۔ پڑھنے میں برسوں لگے ہونگے ۔۔۔ اور قسمت کہ اتنے طویل مطالعہ کے بعد جب علم پر "عمل" کا وقت آیا، تو گردش تقدیر نے بے رحم پولیس کے پنجے میں جا پھنسایا!

صاحبِ کشفِ حیوانات

انجمن ترقی اردو (دہلی) نے مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کے شعبۂ حیوانات کے ایک استاد سے ایک مفید اور دلچسپ کتاب لکھوا کر "حیوانی دنیا کے عجائبات" کے نام سے ابھی حال میں شائع کی ہے۔ اس میں ایک باب جانوروں کی پیش بینی و پیش دانی پر ہے، ذیل میں اس سے چند اقتباسات درج کیے جاتے ہیں:-

"پہاڑی جانوروں میں موسمی حالات کو قبل از وقت معلوم کرنے کا مادہ بہت زیادہ پایا جاتا ہے۔ اس کی مثالیں پہاڑی ہرنوں، پہاڑی خرگوشوں اور دوسرے بہت سے پہاڑی جانوروں سے مل سکتی ہیں۔ اکثر دیکھا گیا ہے کہ پہاڑوں کی اونچائیوں سے ہرن اتر کر نیچے گئے ہیں، حالانکہ موسمی اعتبار سے کسی طوفان کی امید نہیں کی جا سکتی تھی۔ آسمان بھی صاف ہوتا تھا اور بادپیما (بیرومیٹر) میں پارہ بھی اونچا ہی رہتا تھا۔ لیکن ان کے اترنے کے چند گھنٹوں کے بعد اور بعض اوقات ایک دن کے بعد وہاں سے ان کے اترنے کا سبب ظاہر ہو جاتا ہے۔" (ص۱۸)

گویا سائنس کی [illegible]

بعض قدیم مسائل

جدید روشنی میں

(از عبد الماجد)

نمبر (۳)

بنی اسرائیل سے مفصل تعارف، کچھ قبل ہو چکا۔ اب آیئے، کچھ دیر انکا ساتھ ان کی دشت نوردیوں میں بھی دے لیں۔ ولادت مسیح سے کوئی ڈیڑھ ہزار سال قبل کا زمانہ ہوگا، یا سر چارلس مارسٹن کے جدید تخمینہ کے مطابق ۱۴۴۷ ق، م، کہ اس قوم نے اپنے وطن اختیاری یعنی ملک مصر سے نکل ہجرت کی اپنے ملک آبائی شام کی طرف۔ مصر میں چین کے ساتھ چارساڑھے چار سو برس سے رہتے چلے آ رہے تھے، حضرت یوسفؑ کے وقت سے۔ مگر اب فرعونی راج کی سخت گیریوں سے تنگ آ چکے تھے۔ فرعون نام کسی فرد واحد کا نہیں، لقب ہے اس عصر کے مصری ملوک و سلاطین کا۔ جیسے اب شاہ مصر 'خدیو' کہلاتے ہیں، یا کچھ روز قبل روس کے تاجدار "قیصر" اور روس کے "زار" کہلاتے تھے۔ فرعون کے لفظی معنی مصری زبان میں تھے 'راع' دیوتا کے اوتار کے، اور 'راع' یا انگریزی املا میں Ra' مصر کا سب سے بڑا دیوتا تھا ہندوستان کے سورج دیوتا اور ایران اور روم کے Mithra دیوتا کے مرادف۔ بہرحال اسرائیلی اب مصر سے چلے۔ حضرت موسیٰ بن عمران پیغمبر انکے رہبر و رہنما ہوئے۔ تعداد ان کی حسب روایت توریت ۶ لاکھ تھی۔ بوڑھے، بچے، مرد، عورت سب ملاکر۔ سڑکیں کچھ اس زمانہ میں آجکل کی سی صاف، شفاف آئینہ کی طرح بڑی چمکتی ہوئی تو تھیں نہیں۔ پھر رات کا وقت۔ اور تعاقب کی دہشت اس پر مستزاد۔ چلے تو راستہ بھول گئے۔ اور بجائے اسکے کہ شمال کی طرف ابھی اور بڑھتے چلے جاتے، اور اسکے بعد اپنے داہنے ہاتھ کو، یعنی مشرق کی طرف مڑتے، اور اس طرح خشکی ہی خشکی فلسطین پہنچ جاتے، یہ پہلے ہی سے مغرب کی طرف مڑ گئے۔ اب سامنے سمندر تھا۔ سمندر سے مراد دریا نیل نہیں، دراصل اسرائیلی آبادی کے علاقہ جاشان سے مغرب جانب تھا۔ بلکہ مراد ہے بحر قلزم۔ یا اور زیادہ صحیح پتہ جاننا چاہیے تو بحر قلزم کے شمالی سرے کا وہ مغربی دو شاخہ جسکے بعد اب نہر سویز شروع ہو جاتی ہے۔ اور اس وقت خشکی تھی۔

یہاں پہونچے ہی تھے کہ پیچھے سے امپیریل فوج کے دستوں نے آلیا۔ مصریوں کا پورا لشکر جرار موجود، اور خود ہز امپیریل مجسٹی فرعون بسر اس کے کماندار۔ گھوڑوں کے فوجی رتھ اور گھوڑے اس وقت کے خاص جنگی سامان تھے، یہ سب حاضر۔ اسرائیلی اسی حیص بیص میں تھے کہ اب کیا کریں اور کہاں اپنے کو چھپائیں، کہ اشارۂ غیبی پا، انکے رہبر اور رہنما پیغمبر حضرت موسیٰ نے مخلص قوم سمندر میں ڈال دیا، اور آپ کے نقش قدم پر آپ کی ساری قوم 'بھیڑ کی بھیڑ' ہولی۔ سمندر نے راستہ دیدیا۔ پانی پھٹ کر بیچ میں خشکی ہو گئی۔ اب بھی زلزلوں کے اثر سے دریا کا پانی کئی کئی فٹ تک بالکل غائب ہو جاتا ہے۔ بہرحال جو سبب ہوا کوئی اور سبب اس سے بھی خفی تر، مسبب الاسباب کی تائید غیبی سے قوم اسرائیل سمندر پار کر گئی۔ لیکن جب اسکی تقلید فرعونیوں نے کرنی چاہی، تو وہی پانی کی کھڑی ہوئی دیواریں پھر آپس میں مل گئیں، اور جسطرح پچھلی جنگ میں مشہور جہاز .... Hampshire باوجود ہر قسم بیرونی احتیاط کے غرقابی سے نہ بچ سکا تھا، فرعون اور فرعونیت کا سفینہ بھی ڈوب کر رہا! فلسطین ابھی دور تھا۔ لیکن اسرائیلی اب جزیرہ نمائے سینا میں پہونچ چکے تھے۔ یہ وہ علاقہ ہے، جو ملک عرب اور بحر روم اور مصر اور فلسطین کے بیچ میں واقع ہے۔ اور اسرائیلی اسی علاقہ میں سالہا سال اپنے خیمے ڈیرے لیے ہوئے، آج یہاں، کل وہاں خانہ بدوش اور بدویانہ تمدن کے ساتھ زندگی بسر کرتے رہے۔ اس قسم کی متمدن زندگی میں کھانے پینے کے سارے انتظامات کہاں ممکن تھے؟ حالانکہ مصر میں رہ کر یہ خوگر انھیں کے ہو چکے تھے۔ لیکن قدرت کے انتظامات ہر تدبیر پر غالب اور ہر انسانی عقل سے ماوراء ہی ہوتے ہیں۔ اس علاقہ کا ایک خاص پرندہ بٹیر ہے۔ بڑی کثرت سے پایا جاتا ہے۔ گرمی میں شمال کی طرف چلا جاتا ہے۔ جاڑے میں جنوب کی طرف پھر آتا ہے۔ زیادہ اونچا نہیں، بہت نیچا رہتا ہے۔ زیادہ اڑنے کا نام بھی نہیں رکھتا، تھک کر نیچے گر جاتا ہے۔ غرض شکار کر لینا اسکا ہر حیثیت سے آسان۔ شمالی سفر اسکا مصر سے فلسطین کی طرف عموماً مارچ میں ہوتا ہے، اور جنوبی سفر فلسطین سے مصر کی طرف عموماً نومبر میں۔ عربی میں اسی جانور کو سلویٰ کہتے ہیں۔ اسرائیلیوں کو یہ نعمت گھر بیٹھے ملنے لگی۔ نہ طویل سفر کی دقتیں، نہ سامان شکار تیار رکھنے کی زحمتیں۔ آرام سے اپنے پڑاؤں میں بیٹھے ہوئے ہیں کہ بٹیر آکر خود بخود گرنے لگے۔ اور یہ لگے انھیں پکڑنے اور بھون بھون کر کھانے۔ مارچ واپریل میں اپنی شمالی پرواز پر آتے کے وقت ہوتے تھے۔ سمندر کی تیز ہواؤں کے تھپیڑے انھیں بآسانی اسرائیلی کیمپ تک پہونچا دیتے۔ گوشت انکا چربیدار ہوتا۔ دیکھنے سے جلد خراب ہو جاتا، تازہ ہی کھانے کے قابل ہوتا۔ اس مزیدار گوشت کے ساتھ ساتھ ایک اور انتظام بھی انکے لیے قدرت کے مطبخ سے ایک خاص قسم کی روٹیوں کا ہو گیا۔ ایک چیز ہوتی ہے منّ۔ یہی نام عربی میں بھی ہے اور یہی اسرائیلیوں کی زبان میں بھی۔ سفید سفید دیکھنے میں گوندکی سی۔ لیکن مزے میں بہت اچھی۔ رات کو اوس کے بعد یہ بھی درختوں پر گرتی، اور صبح کو پتوں پر اسکی ٹکیاں جمی جمائی کھانے کو ملجاتیں۔ یہ چیز بالکل نایاب اب بھی نہیں ہوئی ہے۔ ان علاقوں میں کچھ نہ کچھ اب بھی مل جاتی ہے۔

سینا کا علاقہ زیادہ متمدن اور سرسبز تو کہیں بھی نہ تھا۔ لیکن بعض خطے تو بالکل ہی بے آب و گیاہ تھے، خشک محض۔ چلتے چلتے ایک بار قیام ایک ایسی منزل پر ہوا، جہاں کھانا تو کھانا، پانی تک نظر نہ آتا۔ پیاس کی شدت جیسی کچھ ہوئی ہوگی، ظاہر ہے۔ تاہم اس مقام کا نام توریت میں ...

"آج" کی مشکلات کا حل "کل" کے آئینہ میں

(۲)

(از مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہٗ ۔ جامعہ عثمانیہ)

قرآن میں مجازیوں اور یہودیوں کے متحدہ قبائل کی تعبیر "الاحزاب" سے کی گئی ہے۔ آغاز مضمون میں قرآن کی جن آیتوں کا ترجمہ نقل کیا گیا ہے، ان کا تعلق "الاحزاب" کے ان ہی اتحادیوں سے ہے۔ بیس دن تک مدینہ منورہ کا کامل محاصرہ رہا۔ چاروں طرف سے کمانوں سے زہر میں بجھے ہوئے تیر اور گوپھنوں سے پتھر کی بارش مسلمانوں پر ہو رہی تھی۔ اس حالت کا نقشہ قرآن میں یہ ایسے الفاظ کھینچا گیا ہے:

اذ جاؤکم من فوقکم ومن اسفل منکم واذ زاغت الابصار وبلغت القلوب الحناجر وتظنون باللہ الظنونا۔ ہنالک ابتلی المومنون وزلزلوا زلزالاً شدیداً	جب احزاب والے آئے تمہارے اوپر سے اور تمہارے نیچے سے، جب کہ نگاہیں پھر گئیں اور لوگوں کے قلوب حنجروں (حلق) کے پاس آ چڑھے اور تم لوگ اللہ کے متعلق طرح طرح کے خیالات میں مبتلا ہو گئے۔ یہی وقت تھا جب جانچے گئے اور ہلائے گئے مسلمان خوب اچھی طرح سے۔

تو ذرا یہ پیدا ہوتا ہے کہ دہشت کی باتوں سے دہشت زدہ ہونا انسان کی فطرت ہے، احساس نہ ہو تو آدمی پھر جانور ہو جانے ڈرنے کی باتوں سے وہ ہر حال ڈرتا ہے۔ پیغمبر موجود ہیں اور صحابہ پر یہ حال طاری ہوتا ہے اور پیغمبر ہوں یا غیر ادنیٰ، انکی طرف زعمہ "زلزال شدید" ہی کے بعد توجہ ہوتی ہے۔ اس میں شک نہیں کہ اللہ سے جنکی امیدیں صرف زبانوں تک محدود تھیں، سو جو وہ زندگی کے بعد آنے والی زندگی جنکے خیال میں "خیال اچھا ہے" سے زیادہ وقعت نہ رکھتی تھی جنکا سارا بھروسہ ان ہی اسباب پر تھا جنہیں آنکھیں دیکھ سکتی ہیں، کان سن سکتے ہیں، ہاتھ چھو سکتے ہیں۔ انکی پست ذہنیت اس سے آگے بڑھ کر اسباب کے نادیدہ نظام کو پا نہیں سکتی تھی۔ مدینہ کے تین ہزار فوجیوں کی میثیت متحدہ احزاب کی افواج جنکی تعداد دس ہزار تک بتائی جاتی ہے کیا جیت سکتی تھی۔ ایمان کے ان مفلسوں نے تو فیصلہ کر دیا، جیسا کہ ایسے موقعوں پر انکو کرنا چاہیے اور نہ کرتے تو بدعقلی ہے، صرف زبانی، رازی اور غلط بے بنیاد بکری ہے۔ ان ہی آیتوں کے بعد قرآن میں ہے

واذ یقول المنافقون والذین فی قلوبہم مرض ما وعدنا اللہ ورسولہ الا غروراً	اور جب کہنے لگے ارباب نفاق اور وہ لوگ جنکے دلوں میں روگ تھا، نہیں وعدہ کیا تھا اللہ نے اور اللہ کے رسول نے لیکن فریب

صرف نام نہاد یا رسمی اشتراک کی بنا پر مسلمانوں میں جو شریک ہیں، یا مسلمان تو ہیں لیکن انکا دل شک یا بے اعتمادی کے مرض کا شکار ہے، اس وقت بھی ان پر یہی حال طاری ہوا تھا، اور ہمیشہ ان سکینوں کا یہی کہنا پڑتا ہے کہ مذہب صرف ایک ادہم یا انہم کی چٹکی ہے۔ قدیم تاریخ ہے جسے نئے لفظوں میں نئی بے تاریخوں میں یہ بھرتے ہیں۔ لیکن جو صادق تھے، جنکی روح جنگی

دل صحت مند چاق تھا، کوئی شبہ نہیں کہ اسی ہلچل اور "زلزال شدید" نے انسان کی ساری چھپی ہوئی امنگوں اور ولولوں کو باہر نکال دیا تھا، سو آدمیوں پر جو بھاری تھا، عمرو بن ود گھوڑا اڑا کر خندق کو پھلانگ کر اس پار آ گیا۔ "آ لے میرے مقابلہ پر کوئی؟" مبارزت دینے لگا "تب مجھے اجازت دی جائے" ایمان سے معمور ایک نوجوان نے رسول اللہ کی خدمت میں عرض کیا۔ آپ نے منہ پھیر لیا۔ لیکن پچیس سالہ نوجوان اصرار کرتا ہے۔ اصرار کرتا چلا جاتا ہے

دعنی یا رسول اللہ فانا بین حسنیین اما ان اقتلہ فیدخل النار واما ان یقتلنی فادخل الجنۃ۔	چھوڑیے مجھے اے اللہ کے رسول میرے لیے دو ہی امیدیں ہیں یا اسے قتل کروں گا تو وہ جہنم رسید ہوگا یا مجھے وہ مار ڈالیگا تو میں جنت میں چلا جاؤنگا۔

عم زاد بھائی اور داماد، جسکی شادی ہوئے کچھ دن ہوئے تھے یہ اسکا ایما تھا، جو اصرار کر رہا تھا۔ اجازت مل گئی۔ اور پہلی امید کہ عمرو جہنم رسید ہوا، پوری ہوئی۔

لیکن سوال یہ ہے کہ جو اللہ سے امیدوں کو وابستہ کرتا ہے، وہ کیا خدا ہی کے بنائے ہوئے قانون کو ٹھکراتا ہے؟ یا جسکی نظر پہلے دن پر ہے وہ زندگی کے اگلے دنوں کی حفاظت ضروری نہیں سمجھتے۔ یا پھر ہر ضرورت اور حاجت میں جنہیں خدا پہلے یاد آتا ہے، تو وہ خدا ہی کے مقرر کیے ہوئے قانونوں کو بھول جاتے ہیں۔ خدا کی یاد سلاتی نہیں بیدار کرتی ہے۔ خدا کی باتوں اور خدا کے قانونوں کو وہی بھولتے ہیں جو خدا کو بھول چکے ہیں۔ اسلام کا خدا اسی کی تعلیم دیتا ہے۔ اسلام کا رسول یہی نمونہ پیش کرتا ہے۔ عرب جس خندق کو دیکھ کر حیران تھے کہ یہ کیا ہے۔ ابوجہل کے عکرمہ نے گھوڑا بڑھا کر اپنے آپ کو جب اس عجیب خندق کے کنارے کھڑا پایا، تو بولا

ان ہذہ المکیدۃ ما کانت تکیدہا العرب (السیرۃ)	یہ تو وہ چال (گہری چال) ہے، عرب تو اس مکیدہ (حربی تدبیر) سے واقف نہ تھے

یہ سامان تو ایسے ہی لوگوں کی حفاظت کے لیے کیا گیا لیکن بچوں عورتوں یا جو لڑائی کے کام کے نہ تھے کیا انکو یوں ہی لاوارث چھوڑ دیا گیا، شاید عام لوگوں کو معلوم نہیں لیکن حدیثوں میں تو موجود ہے

لما کان یوم الخندق لم یکن حصن احصن من حصین بنی حارثۃ فجعل النبی صلی اللہ علیہ وسلم النساء والصبیان والذراری فیہ۔	جب خندق کے دن تھے تو اس زمانہ میں کوئی گڑھی بنی حارثہ کی گڑھی سے زیادہ مضبوط و محفوظ نہ تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس میں عورتوں، لڑکوں، بچوں کو بھیج دیا۔

بس اللہ سے بھی آس لگائے رکھنی، آج کی زندگی کے ساتھ کل کی زندگی پر ایمان، اور اللہ کے ذکر اس کی یاد کی کثرت کے ساتھ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اسوۂ حسنہ پر چلنے والے وہی لوگ ہیں جو خندقیں بھی کھودتے ہیں، عورتوں اور بچوں کے لیے محفوظ ترین پناہ گاہیں بھی مہیا

بھی کھڑے ہیں، زخمیوں کے لیے مسجد نبوی کے بیرونی صحن میں خیمہ بھی نصب کرتے ہیں، جو زخمی ہوئے ہیں، اُنکی تیمارداری بھی کرتے ہیں۔ (سعد بن معاذ رضی اللہ تعالیٰ عنہ اس جنگ میں بُرے زخمی ہوئے تھے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے مسجد نبوی میں تیمارداری کے لیے خیمہ نصب فرمایا۔ بخاری وغیرہ میں اسکی تفصیل دیکھیے) بلاشبہ اسکے لیے وہی ہے جو حیدر کرار کرم اللہ وجہہ نے فرمایا تھا کہ اکامی [illegible] کی طلب میں وخلال ہی نہیں، ایک خندق کی جنگ میں دیکھنے والوں نے جب کہا تھا کفی اللہ المومنین القتال اللہ ہی کافی ہوگیا ایمان والوں کی طرف سے لڑائی میں۔

تیس ہزار کا یہ مجمع واپس ہوگیا بلکہ اس طور پر واپس ہوگیا کہ مشکل سے ان میں سے ایک آدمی زخمی اور بعض ضعیف روایتوں میں ہے کہ دو ایک شہید ہوئے، آدمیوں ہی کی آنکھوں نے اس کرشمہ کا تماشہ اسی آسمان کے نیچے اسی زمین پر کیا ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ المومنین پھر اسی کے اعادہ کی توقع کیوں نہ کریں۔ ایمان والوں کے لیے جو خدا اُسوقت کافی ہو رہا تھا وہی خدا اب بھی موجود ہے، وہی ایمان پیش کیا جائے تو کوئی وجہ نہیں ہو سکتی کہ اب بھی کافی ہونے کے لیے وہ تیار نہ ہو۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدیٰ (رہبر دکن)

(بقیہ صفحہ ۳)

ابھی حیوانات سے بہت پیچھے ہیں! اور خود یہ سائنٹفک ترقیاں نام ہی حیوانی احساس کی ترقیوں کا ہے!

"اسی طرح بہار کے موسم میں بعض جانوروں کو دیکھا گیا ہے کہ وہ اپنے بچوں کو ایسے مقامات میں محفوظ جگہوں سے نکال کر کھلے ہوئے پہاڑ پر لے گئے ہیں جبکہ موسمی حالات بہت خراب ہوتے ہیں اور ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ابھی سورج نکلنے کی کئی دن تک امید نہیں لیکن ان کے نکلنے کے چند ہی گھنٹوں کے بعد دیکھا گیا کہ حالات بہتر ہوگئے اور سورج نکل آیا ...... اسی طرح پہاڑی خرگوشوں کو بھی موسمی اطلاع بہت پیشتر سے ہو جاتی ہے ...... اسی طرح بہت سی چڑیوں کی بھی مثالیں مل سکتی ہیں جو بہت سی آئندہ کی باتیں خاص کر موسمی حالات معلوم کر لیتی ہیں۔" (ص۱۸)

حیوانی پیشگوئی اور پیش دانی کے یہ واقعات سائنس کا غرور خاک میں ملا دینے کو کافی ہیں یا نہیں؟

"نارفوک کے ایک پرانے مکان میں ایک عورت رہتی تھی۔ ایک شام کو اس مکان کے چوہوں میں غیر معمولی دوڑ دھوپ دیکھی۔ کچھ دیر بعد بالکل خاموشی طاری ہو گئی معلوم ہوا کہ تمام چوہے مکان چھوڑ کر چلے گئے۔ ایک گھنٹہ کے بعد ایک ہوائی جہاز اس مکان کے اوپر سے گزرا اور اُس نے ایک بم گرا دیا۔ ... دریائے [illegible] کے کنارے ایک مرتبہ بہت زبردست آگ لگی۔ معلوم ہوا کہ آگ لگنے سے کچھ قبل اس کنارے کے تمام عمارتوں کے چوہے دریا پار دوسری طرف چلے گئے تھے۔"

بعض لوگوں نے کشف کو اصل بزرگی کی اور علامت روحانیت [illegible] سمجھ لیا ہے وہ غور کریں کہ جہاں تک کشف کونی کا تعلق ہے ادنیٰ ادنیٰ حیوانات تک کیسے کیسے صاحب کشف پڑے ہوئے ہیں!

تنقید مضمون حقوق الزوجین

(۴)

(از جناب مولانا حبیب احمد صاحب کیرانوی)

ہمارا یہ مطلب نہیں کہ جواز یا عدم جواز کی نفس [illegible] جرم ہے مگر یہ اسی لوگوں کے لیے جرم نہیں ہے جو اسکا [illegible] ہوں، لیکن اگر کوئی نااہل اسکا دعویٰ کرے تو اُسکے لیے اسکے جرم ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔ اور بعض حالات میں تو یہ جرم دعوے نبوت سے بھی بڑھ جاتا ہے مثلاً ایک مدعی کا دعویٰ نبوت کا ہے، مگر وہ دین میں کوئی ناجائز تصرف نہیں کرتا۔ تو اسکا خطرہ اس مدعی اجتہاد سے کم ہوگا جو اپنے باطل اجتہادوں کے ذریعہ سے دین ہی کو بدل دیتا ہے۔ اور حرام کو حلال اور حلال کو حرام بنا دیتا ہے۔ اسلئے اس غلطی کی اصلاح کی سخت ضرورت ہے۔ اور اسکی اصلاح کی اسکے سوا کوئی صورت نہیں کہ ایسے مدعیوں کی نا قابلیت کو دلائل و براہین سے ثابت کیا جائے۔ اسی لیے ہم اس پر زیادہ زور دیتے ہیں۔ چنانچہ خود مودودی صاحب نے بھی جس موقع پر مصنفین [illegible] کے نقصانات کو ثابت کرنے کی کوشش کی ہے اُس موقع پر یہی طریق اختیار کیا ہے کہ خود ان مصنفین کی نا قابلیت کا دعویٰ کیا ہے اور اُنکے اجتہادوں سے بحث نہیں کی ہے۔ گویا اُنھوں نے اس موقع پر اس اصول کو تسلیم کر لیا ہے کہ کسی تصنیف پر تنقید کا ایک طریقہ یہ بھی ہے کہ اُسکے مصنف کی نااہلیت کو ثابت کیا جائے۔ پس خود اُنکی یہ تسلیم ہمارے طرز عمل کے جواز کے لیے کافی حجت ہے، بالخصوص ایسی حالت میں جبکہ ہم مودودی صاحب کی طرح محض دعوے پر اکتفا نہیں کرتے۔ بلکہ ہم جو دعوے کرتے ہیں اُس کو ناقابل تردید دلائل سے ثابت بھی کرتے ہیں۔ بعض حضرات کو یہ دھوکا ہوگیا ہے کہ مودودی صاحب کا طریق تفکر وہ ہے جو شاہ ولی اللہ صاحب کا تھا۔ اس لیے ہم اس مغالطہ کو دور کرنا بھی ضروری سمجھتے ہیں اور کہتے ہیں کہ شاہ ولی اللہ صاحب قدس سرہٗ جنکو روشن خیال حضرات مجدد بھی مانتے ہیں اور مجتہد بھی، اعتقادیات کے متعلق اپنا نظر نظریہ اس طرح بیان فرماتے ہیں۔ اگر خالص [illegible] نظر کی جائے تو اسکا مقتضا یہی ہے کہ سلف کی طرح سے کسی مذہبی مسئلہ میں چون و چرا نہ کی جائے۔ (آیات اللہ الکاملہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ) اور فقہیات کے متعلق ارشاد ہے سن لو کہ میں ایسی گفتگو سے بالکل بری ہوں جو کسی آیت قرآنی یا حدیث نبوی کے مخالف ہو یا اجماع امت کے خلاف ہو جسکو مجتہدین نے اختیار کیا ہو۔ یا [illegible] کی جماعت کثیرہ نے اُسکو قبول کر لیا ہو۔ اگر مجھ سے کہیں اس قسم کی [illegible] ہو تو اُسکو بالکل خطا سمجھنا چاہیے، جو شخص مجھ کو خواب غفلت سے بیدار کرے خدا کی رحمت اُس پر ہو۔ (آیات اللہ الکاملہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ)

اب شاہ صاحب کے اُن خیالات کو جو [illegible]

بنیادیں۔ مودودی صاحب کے تجدید اور اجتہاد سے ملاکر دیکھیے اور
بتلایئے کہ کیا یہ دونوں ایک ہیں۔ ہم یقین کرتے ہیں کہ جسکو ذرا سی
بھی عقل ہوگی وہ یہی کہیگا کہ ان دونوں میں وہی فرق ہے جو ایک
جاہل اور ایک عالم، یا ایک خدا پرست دقیانوسی اور ایک روشن
خیال فرنگی المشرب کے خیالوں میں ہوا کرتا ہے۔ اور اس لیے یہ کہنا
کسی طرح صحیح نہیں ہے کہ مودودی صاحب کا طریق تفکر وہی ہے جو
حضرت شاہ صاحب یا شیخ الاسلام ابن تیمیہ یا امام محمد غزالی کا تھا۔
ہمیں حیرت ہے کہ یہ حضرات جو اس قسم کے دعوے کرتے ہیں وہ اس
بات کو کیوں نہیں دیکھتے کہ جن مسائل فقہیہ کو آج قانون اسلام کی
حدیث کے خلاف اور سراسر غیر اسلامی، اور عقلاً و نقلاً ہر طرح قابل
اعتراض قرار دیا جا رہا ہے۔ وہی مسائل ان حضرات کے زمانہ میں
بھی موجود تھے۔ پھر ان حضرات نے ایسی جرأت کیوں نہ کی۔ کیا یہ
اسکی کھلی ہوئی دلیل نہیں ہے کہ مودودی صاحب کا طریق تفکر ان
حضرات کے طریق تفکر سے بالکل مختلف ہے۔ جسکی وجہ صاف ظاہر
ہے کہ انھوں نے ماہرین فن سے اس علم کو حاصل کیا تھا۔ برخلاف
مودودی صاحب کے کہ انکے پاس جو کچھ ذخیرہ ہے وہ انکی ذاتی
جد و جہد کا نتیجہ ہے۔ پھر ان حضرات کے دماغوں پر دقیانوسیت
چھائی ہوئی تھی۔ برخلاف مودودی صاحب کے کہ انکے دماغ پر
روشن خیالی کا استیلاء ہے۔ اچھا اور سنیے۔ تقلید کے متعلق حضرت
شاہ صاحب کا خیال یہ ہے۔ امت محمدیہ یا ان لوگوں نے جو امت
میں قابل اعتبار ہیں ان پر اتفاق کیا ہے کہ ان مذاہب اربعہ کی تقلید
جو مدون ہو چکے ہیں اور تحریروں میں آچکے ہیں فی زمانا جائز اور
درست ہے۔ اس تقلید میں بہت سی مصلحتیں ہیں۔ خاصۃً اس زمانہ
میں جس میں لوگ نہایت ہی قاصر الہمت ہو گئے ہیں اور نفسوں
میں خواہشیں جم گئی ہیں اور ہر شخص اپنی ہی رائے پر ناز کرتا ہے۔ اسکے
بعد ابن حزم کا کلام نقل کرکے اسکے جوابات دیے ہیں۔ انھیں جوابات
کے ضمن میں تقلید شخصی کے جواز کی طرف اس طرح اشارہ فرمایا ہے
آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ سے مسلمانوں میں فتوے لینے اور
فتوے دینے کا طریقہ جاری ہے اور اس میں کچھ فرق نہیں ہے کہ ایک
شخص سے ہمیشہ مسئلے پوچھا کرے یا کبھی اس سے دریافت کرلیا اور
کبھی اس سے۔ اسکے بعد آپ نے اپنے قول اس تقلید میں بہت سی مصلحتیں
ہیں الخ میں اسکے وجوب بالجزم کی طرف اشارہ فرمایا ہے اور اسکے بعد
اپنے قول خاصۃً اس زمانہ میں الخ سے بتادیا کہ اجتہاد و تقلید کا حکم تغیر
زمانہ سے مختلف ہو سکتا ہے۔ اور یہ کہ حکم شرعی بدلتا نہیں ہے کیونکہ
حکم شرعی یہ ہے کہ جس شخص کے اندر اجتہاد کی اہلیت ہو اسکے لیے اجتہاد
جائز ہے اور جسکے اندر اہلیت نہ ہو اسکے لیے اجتہاد جائز نہیں بلکہ اسپر
مجتہد کی تقلید واجب ہے۔ پس جس وقت تک لوگوں میں اہلیت رہی
اس وقت تک اجتہاد جائز رہا۔ جب یہ اہلیت باقی نہ رہی تقلید
واجب ہو گئی

پھر تقلید کی حقیقت بیان فرماتے ہیں۔ ہم کسی فقیہ پر ایمان
نہیں لاتے کہ خدا تعالیٰ نے اسکو فقہ کی وحی بھیجا ہے اور خدا نے
اسکی اطاعت ہم پر فرض کردی ہے۔ اور وہ بالکل معصوم ہے۔ اگر ہم کسی
فقیہ کا اتباع کرتے ہیں تو صرف اس واسطے کرتے ہیں کہ وہ قرآن اور
حدیث سے واقف ہے۔ اسکا قول یا قرآن و حدیث کا صریح حکم
ہوگا یا کسی طریقہ سے اس نے قرآن و حدیث سے اپنے قول کو مستنبط
کیا ہوگا الخ (آیات اللہ الکاملہ ترجمہ حجۃ اللہ البالغہ) شاہ صاحب
نے اس کلام میں مطلق تقلید اور تقلید شخصی دونوں کے جواز کی تصریح
فرمائی ہے اور تقلید کی حقیقت بھی بتلادی ہے۔ آپ شاہ صاحب
کے اس بیان کو مودودی صاحب کے ان خیالات سے ملاکر دیکھیے جو
انھوں نے علمائے زمانہ کو قانون سازی کی دعوت دیتے ہوئے تقلید کے
بارے میں ظاہر فرمائے ہیں۔ دونوں میں آپ کو زمین و آسمان کا
فرق معلوم ہوگا۔ پھر انھوں نے مذاہب اربعہ کی تقلید کے جواز کا
فتوے دے کر انکے مسائل کے اسلامی ہونے پر رجسٹری کردی ہے۔ اس
میں مودودی صاحب کے اس دعوے کی صراحۃً تکذیب ہے کہ فقہاء
نے جو قوانین ازدواج بیان کیے ہیں وہ اسلامی نہیں ہیں اور اسلامی
قوانین وہ ہیں جو مودودی صاحب کے خود ساختہ ہیں۔ پس یہ مودودی
صاحب کے حقوق الزوجین کے سراپا گمراہی ہونے پر ایک مجدد و مجتہد
کی ناقابل رد شہادت ہے۔ ایک بات اس جگہ قابل تنبیہ ہے کہ حجۃ اللہ
البالغہ مودودی صاحب کی نظر سے پوشیدہ نہیں ہے۔ اس لیے انھوں
نے اس میں وہ مضمون بھی پڑھا ہوگا جس میں شاہ صاحب نے تقلید
کی حقیقت ظاہر فرمائی ہے اور فرمایا ہے کہ ہم فقیہ کو نہ صاحب وحی
سمجھتے ہیں اور نہ معصوم۔ اور نہ ہم اس کی اطاعت اس لیے کرتے ہیں
کہ خدا نے ہمیں اسکی اطاعت کا حکم دیا ہے۔ بلکہ اسکی اطاعت اس لیے
کرتے ہیں کہ ہم جانتے ہیں کہ وہ ماہر قانون ہے۔ اور ہمارے اندر صلاحیت
موجود نہیں ہے۔ اس لیے ہمارے اوپر لازم ہے کہ قانون کی جو تشریح
وہ کرتا ہے ہم اسکو صحیح سمجھیں اور اسکی تشریح کے مطابق قانون پر عمل
کریں۔ پس ہمارا مقصود کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ پر عمل کرنا ہوتا ہے
نہ کہ خود اسکی رائے پر۔ اور ہم اسکے فتاوے پر تنقید سے اس لیے
نہیں احتراز نہیں کرتے کہ ہم انکو ناقابل تنقید سمجھتے ہیں بلکہ اسکی
وجہ یہ ہوتی ہے کہ ہم اپنے اندر تنقید کی اہلیت نہیں دیکھتے۔ اور ایسی
حالت میں کے فتاوے پر تنقید کرنا بالکل ایسا ہی ہے کہ جیسا
کہ ایک جاہل عطار کا ایک طبیب حاذق اور امام فن کے نسخوں پر یا
ایک غیر قانون داں شخص کا ہائیکورٹ اور پریوی کونسل کے فیصلوں پر تنقید
کرنا۔ لیکن باوجود اسکے بھی وہ فرماتے ہیں کہ مقلدین کے تقلید کے معنی یہ
سمجھے ہیں کہ اپنے مذہب فقہی کو بمنزلہ دین اور اس مذہب کے امام
کو بمنزلہ نبی اور اس مذہب کے مسائل کو نصوص کتاب کی طرح اٹل
سمجھا جائے۔ اور یہ بات عقیدہ کے طور پر دل میں بٹھالی جائے کہ اس

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر :- عبدالماجد

پتہ :- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

نائب :- (حکیم) عبدالقوی

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر کے نام ہے

صدق

لکھنؤ

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو :-

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ

ششماہی ۲ؕ

ممالک غیر سے ۸ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۱ر
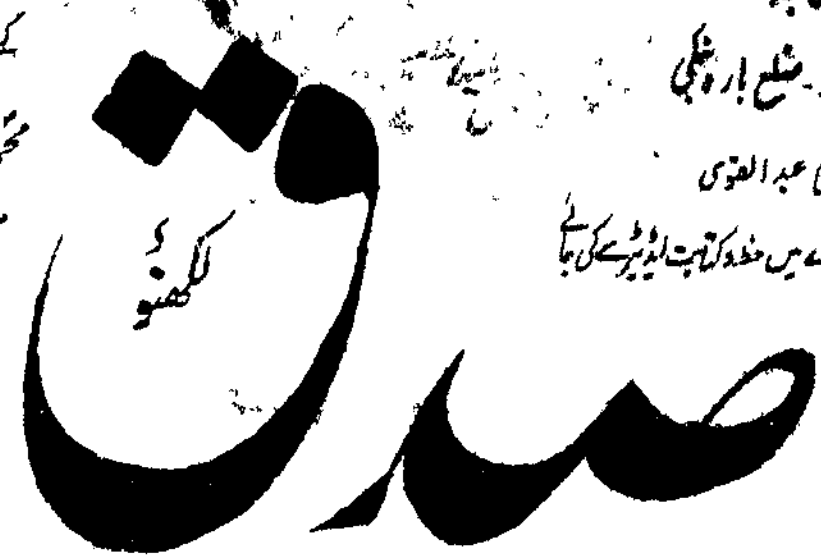
نمبر ۴ | دوشنبہ - ۹ - جمادی الاول ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۵ - مئی ۱۹۴۲ء | جلد ۸

اقبالؒ کے آخری لمحے

(ڈاکٹر شفیع صاحب کے قلم سے انگریزی ہفتہ وار ڈان (دہلی) سے ملخص و مقتبس)

اقبالؒ کی موت ۲۱ - اپریل ۱۹۳۸ء کو ۵ بجے صبح واقع ہوئی - جس وقت پر کل تین آدمی موجود تھے - ایک علی بخش قدیم خدمتگار، دوسرے دیوان علی، مالش کرنے والے، اور تیسرے یہ خاکسار - حالت ۲۴ گھنٹے قبل سے ردی ہو چکی تھی اور سارا گھر تشویش میں مبتلا تھا، بجز خود حضرت اقبالؒ کے - آج وہ کبھی اداس ہو جاتے کبھی چاق، اور کبھی سوچ میں پڑ جاتے - لیکن ہمت و جرأت ہر حال میں رفیق تھی - نیند کا پتہ رات بھر نہ ملا - ایک بجے شب کو جب پشت میں درد زیادہ بڑھا، تو میں نے نیند لانے والی ڈاکٹری دوا پیش کی - بولے "اسے تو ہرگز نہ پیونگا - اس میں افیون کا جزو ہے - جان ہوش و حواس کے ساتھ دینا چاہتا ہوں" ----

پانچ بجنے سے کل ۱۰ منٹ قبل فروٹ سالٹ کا پورا گلاس نوش فرمایا، اور بس چند ہی منٹ بعد قلب کے مقام پر اپنا ہاتھ رکھ کر زور سے آہ کی - علی بخش نے مستعدی کے ساتھ اٹھ کر اپنی گود میں بٹھا لیا، اقبال نے کہا "معلوم ہوتا تھا کسی نے قلب میں خنجر بھونک دیا ہے"۔

اسکے بعد اقبالؒ نے اپنی آنکھیں کھول دیں، چھت کی طرف دیکھا، اور زبان سے نکلا "اللہ" - یہ آخری لفظ تھا، جو اس شاعر اسلام کی زبان سے نکلا - علی بخش نے اپنی گرفت ڈھیلی کر دی، اور اقبال کو پلنگ پر چت لٹا دیا - شاعر کا سر ہوں ہی تکیہ پر پہنچا، کہ منہ قبلہ کی طرف پھر گیا - اب معاملہ منٹوں کا نہیں، سکنڈوں کا تھا - چند ہی سکنڈ میں روح قالب سے بالکل پرواز کر چکی تھی - انا للہ ----

صبح وفات کی شام کو شاعر کی چھوٹی بچی باتو سلما کرتے ہیں باپ کے پاس آئی تھی - باپ کی بے نور آنکھوں نے اسکی طرف دیکھا، اسکے سر پر ہاتھ پھیرا - اور جب وہ چلی گئی، تو ہم لوگوں سے کہا کہ دیکھو بچی کا دل خود بخود گواہی دے رہا ہے کہ اب وہ یتیم ہونے کو ہے۔ سید مغرب زمانہ اسلامیہ کالج کی پرنسپل فاطمہ بیگم حاضر خدمت ہوئیں - اقبال دیر تک ان سے یہ کہتے رہے کہ مسلمان طالبات کو قرآن کا علم خوب حاصل کرنا چاہیے - ۱۱ بجے شب کو جب تکلیف بہت بڑھ گئی تھی، خادم قدیم علی بخش نے سامنے آکر رونا شروع کر دیا - اقبالؒ بولے "بیچارہ بیہ فرو رہے، جانتا ہے کہ ۴۰ سال کی رفاقت ختم ہو رہی ہے"۔

آدھی رات کو سب دوست احباب رخصت ہو گئے اسکے بعد طبیعت بہت بگڑی - کچھ دیر بعد دیوان علی نے پنجابی میں صوفی بزرگ بلھے شاہ کا کلام سنانا شروع کیا - اقبال پر وقت طاری ہو گئی، آنسو بہ کر رخسار پر آگئے - ۳ بجے حالت اور نازک ہوئی - میں سائیکل پر حکیم صاحب کو لینے گیا - وہاں سب سو رہے تھے، کسی نے میری آواز نہ سنی - مایوس لوٹا چند منٹ بعد دیکھتا کیا ہوں کہ اقبال خود اپنی رباعی گنگنا رہے ہیں :-

سرود رفتہ باز آید کہ ناید نسیمے از حجاز آید کہ ناید
سر آمد روزگار ایں فقیرے دگر دانائے راز آید کہ ناید

۵ بجے جسم و روح کی آخری کشمکش شروع ہوئی اور ختم ہوئی - آفتاب طلوع ہو رہا تھا، اور شاعر اسلام کا آفتاب زندگی غروب - خودمندی کا مطلق نام و نشان نہ تھا - آخری سانس جسم سے نکلی، آخری لفظ لب پر اللہ تھا!

پشاور اور سرحد کے نو مسلموں میں بہرحال غیرتِ اسلامی اب بھی باقی ہے، اور اسی کے خوف سے یہ "شیر دل" ڈاکٹر اب پبلک سے اپنا منہ چھپانے پر اپنے کو مجبور پا رہا ہے۔ کاش حکومت اسلامی ہوتی! اُس وقت اس دماغ کے باپ بیٹے دونوں کو نظر آ جاتا کہ شریعتِ اسلام سے تمسخر اتنا آسان نہیں ہے!

"تہذیب" کے کرشمے

"لاہور - ۲۴ - مئی کی شام کو ایک نوجوان شریف عورت ایمپرس روڈ اور نکلسن روڈ کے چوراہے کے پاس گزر رہی تھی، کہ یکایک چند فوجی گورے اُس پر حملہ آور ہوئے اور اُسے گود میں اٹھا ایک قریب کے ہوٹل میں لے گئے۔ عورت کی چیخ پکار سُن کر دوسرے راہگیر ہوٹل کی طرف لپکے۔ اور قبل اسکے کہ گورے کسی شیطانی حرکت کا موقع لیں ادھ ننگی غشی و زبردستی کے بعد عورت کو چھوڑ ڈالنے - پانچ سات گورے بھاگ نکلے، لیکن پبلک نے انھیں پکڑ لیا۔ اور اب وہ اسپتال میں ہیں۔ .. شہر بھر میں اس واقعہ سے غصہ کی لہر دوڑ گئی۔ طلبہ نے جلوس نکالا، اخبارات نے سخت مضامین لکھے، پبلک میٹنگ میں کہا گیا کہ یہ حرکت ان لوگوں کی جنکا کام ہماری جان اور عزت کی نگہبانی ہے! ... ۲۷ مئی کو گورنر پنجاب نے ایک سرکاری اعلان میں اس واقعہ پر اظہار افسوس کیا۔ اور پبلک کو اطمینان دلایا کہ تفتیش پوری طرح کی جائیگی، اور بعد تحقیق و ثبوت مجرموں کو انکے کیے کی پوری سزا ملیگی۔"

"ترقیوں" کے یہ نمونے، جو آج اگر لاہور میں رونما ہوتے ہیں تو کل بمبئی میں، کبھی ہمارے دور میں بھی پیش آئے تھے؟ اپنوں اور دوستوں کے ملکوں کو چھوڑیے، دشمنوں کے ملک میں بھی؟ عرب کے بھی "جاہل" "اجڈ" "خونخوار" سپاہی، جب کبھی آتش پرست ایران کے حدود میں فاتحانہ قدم رکھتے، اور کبھی تثلیث پرست روم کے حدود میں تو بھی کرتے، کیا ان جلتی شریف عورتوں کو گود میں اٹھا لے جاتے؟ شریف عورتوں کو نہ سہی، بدمعاش پیشہ ور عورتوں کو بھی بری نظر سے دیکھتے؟ کبھی انکی طرف نگاہِ التفات بھی کرتے؟ سیکڑوں نہ سہی، بیسیوں نہ سہی، کوئی ایک واقعہ بھی ہماری تاریخ میں ایسے ملیں گے؟ —— لیکن وہ عمر اور خالد اور سعد اور ابو عبیدہ کے سپاہی "مہذب" تھے ہی کب؟ کسی کو لے بھاگتے تو تعجب ہی نہیں۔ انکی "تہذیب" "شائستگی" مستند ہوئی کب؟

حیوانیت کی ترقیاں

"آج کل انسان نے لڑائی کے لیے نئے نئے حیلے ایجاد کرلیے ہیں۔ لیکن کچھ عرصہ پہلے اسکے پاس سوائے تلوار یا تیر کے کچھ بھی نہ تھا .... آج کل کے تعجب انگیز اور حیرت کن ایجادات سے وہ بالکل ناواقف تھا۔ لیکن اُس وقت بھی بہت سے ایسے جانور جنھیں وہ اپنے سے بہت کمتر سمجھتا ہے ایسے حربات کا استعمال شروع کر چکے تھے۔ زہریلی گیس کا استعمال بہت سے چھوٹے چھوٹے پتنگوں میں پایا جاتا ہے۔ ایک پتنگا جسے چھچھوندیا کہتے ہیں (جسکے اوپر سونٹ پر چند زرد گول نشان ہوتے ہیں) خطرہ کے وقت اسی گیس کا استعمال کرتا ہے" (حیوانی دنیا کے عجائبات۔ شایع کردہ انجمن ترقی اردو - ص۲۲)

لیجیے، فنِ حرب کی "ہنر" شناسی "ترقیوں" کا اتنا غلغلہ بلند تھا، انکی کائنات کل اتنی نکلی! زیادہ سے زیادہ مقدار میں اور زیادہ سے زیادہ بے پناہ زہریلی گیس کے ایک "ہم ہنر" ہونے کے دعوے پر فخر و ناز کی کس بلند آہنگی سے ابھی ابھی اہلِ سائنس اپنے اپنے ملک کے حق میں کر رہے تھے! اب معلوم ہوا کہ اس کمالِ فن اور "ہنر" کا فخر حقیر سے حقیر کیڑے کوڑوں، پتنگوں کو حاصل ہے! —— سائنس کے دعووں کی اتنی رسوائی خود سائنس کی زبان سے کبھی کیوں ہوئی ہوگی؟

کالوں کا خون

"الہ آباد کی اطلاع ہے کہ کانپور کے تین فوجی گوروں کو ہائیکورٹ سے دائم الحبس (عمر قید) کی سزا ہو گئی، جن پر ادھم بہاری لال کے قتل اور دوسرے ہندوستانیوں کو زخمی کرنے کا الزام تھا" (ایک خبر)

انقلاب زندہ باد! کالوں کے خون کے جرم میں گوروں کو پھانسی نہ سہی، عمر قید کی سزا سہی، یہ [illegible] ہند کی تاریخ میں یقیناً ایک حد تک ایک نادر واقعہ کی حیثیت رکھتا ہے! ... ورنہ اب تک کوئی پنکھا قلی کسی گورے کی ٹھوکر سے مرتا ہی کب تھا، موت تو ہمیشہ تلی ہی پھٹ جانے سے واقع ہوتی تھی! اب تو ہندوستانیوں کی تلیاں کچھ زیادہ مضبوط ہو گئی ہیں، یا پھر گوروں کی ٹھوکروں اور گھونسوں میں کچھ زیادہ قوت آ گئی ہے!

کامیابی کا راز

ایک اردو روزنامہ کے افتتاحیہ کا اقتباس:-

"ہمیں غور کرنا چاہیے کہ آخر اسکی کیا وجہ ہے کہ ہماری فوجیں کہیں بھی جاپانیوں کے مقابلہ میں کامیاب نہ ہوئیں۔ ایک انگریز مبصر نے جو اسکا سبب بتایا ہے ہمارے خیال میں وہی صحیح ہے۔ اُس نے لکھا ہے کہ اول تو جاپانی قسمت کے بڑی سختی سے قائل ہوتے ہیں یعنی ایک جاپانی بلا تامل یہ سمجھ کر آگ میں پھاند پڑیگا کہ اگر اُسکی موت اسی طریقے سے لکھی ہے تو وہ اسکو روک نہیں سکتا اور اگر اُس کی زندگی ہے تو پھر کوئی قوت اُسکو ہلاک نہیں کرسکتی - دوسری وجہ یہ ہے کہ وہ بڑے بے خوف اور جان دینے میں بڑے حاتم ہوتے ہیں۔ اس لیے اُن کے مقابلہ میں وہی سپہ سالار اور وہی فوج کامیابی حاصل کرسکتی ہے جسمیں ایسا ہی جذبہ ہو"

یہ دو اسباب جو الگ الگ کرکے لکھے گئے ہیں، حقیقۃً دو نہیں ایک ہی ہیں۔ یعنی دوسرا سبب تو خود فرع ہے پہلی اصل کی۔ توکل و تفویض کے بعد تو موت سے بے خوفی خود بخود بطور نتیجہ کے لازم آجائیگی۔ لیکن

بعض قدیم مسائل

جدید روشنی میں

(از عبد الماجد)

(۴)

اسرائیلیوں کے ساتھ وحشت پیدائی سے طبیعت ملول ہوگئی ہوگی۔ اس قوم کے عہد ترقی و تمدن کی طرف آئیے۔ قرآن مجید اس قوم کو مخاطب کرکے کہتا ہے

ولقد علمتم الذین اعتدوا منکم فی السبت فقلنا لھم کونوا قردۃ خاسئین	تم اپنے لوگوں میں سے ان لوگوں سے تو خوب واقف ہی ہو جنھوں نے سبت کے بارے میں احکام سے تجاوز کیا تھا۔ سو ہم نے انھیں حکم دیا کہ بنجاؤ ذلیل بندر۔

سبت کہتے ہیں ہفتہ کے ساتویں دن شنبہ یا سنیچر کو۔ شریعت یہود میں یہ ایک بڑا مقدس دن تھا۔ اور تقدس کے معنی یہ تھے کہ اس روز سارا دنیوی کاروبار بند رہے (اور اس میں شکار کھیلنا بھی آگیا) اور دن تمامتر عبادت الٰہی کے لیے وقف رہے۔ یہود اس قانون کو بار بار توڑتے تھے۔ مچھلی کا شکار ایک حیلہ کے ساتھ اس روز بھی کیا کرتے تھے۔ آخر جب انھیں اپنی اس قانون شکنی کا خمیازہ بہ صورت عذاب بھگتنا پڑا۔ آیت قرآنی میں تذکرہ اسی عذاب کا ہے۔ لیکن تفصیل اس کی نہ قرآن میں درج ہے نہ تاریخ میں نظر سے گزری۔ روایتوں سے اتنا پتہ چلتا ہے کہ واقعہ حضرت داؤدؑ کے زمانہ کا ہے۔ وہ نبی بھی تھے اور بادشاہ بھی۔ انکا سال وفات ۹۶۲ ق م ہے۔ انکے عہد کی مفصل و مکمل تاریخ محفوظ نہیں۔ اس لیے اگر اور بہت سے واقعات کی طرح اسکا تذکرہ بھی گم ہوگیا ہو، تو کوئی ایسی حیرت کی بات نہیں۔

روایتوں میں ذکر مچھلی کے شکار کا بار بار آیا ہے۔ اس سے قیاس ہوتا ہے کہ مقام کوئی لب سمندر ہوگا۔ اور قیاس کی حاجت بھی نہیں۔ خود قرآن نے بھی دوسری جگہ کانت حاضرۃ البحر کہکر اسے صاف کردیا ہے۔ حضرت داؤدؑ کا رقبۂ سلطنت تاریخ کے طلبہ کو معلوم ہے کہ بحر روم (Mediterranean Sea) اور بحر قلزم (Red Sea) دونوں کے شرقی ساحلوں تک پھیلا ہوا تھا۔ اس لیے وہ مقام بھی جہاں یہ واقعہ پیش آیا یہیں کہیں ہوگا۔ اسلامی روایتوں میں نام ایلہ کا آیا ہے اور توریت میں ذکر ایلات (Elath) کا آتا ہے۔ یہ ایک بندرگاہ تھا خلیج عرب کا علاقۂ ادوم میں۔ اور یہ واضح رہے کہ خلیج عرب خود نام ہے بحر قلزم کے شمال شرقی شاخسانہ کا۔ اب نقشہ میں ان ناموں کا کوئی شہر نہیں ملتا۔ نہ ہمارے مفسرین کے ایلہ کا، نہ بائبل کے ایلات کا۔ جغرافیہ کی اصطلاح میں بھی کچھ تغیرات بے نہیں ہوتیں۔ ۲۹ صدیوں کے بعد جغرافی نام اگر اپنی قدیم صورتوں میں قائم نہ رہ سکیں تو کوئی تعجب کی بات نہیں۔ اب نقشہ پر جو نظر دوڑائیے تو اس میں بحر قلزم کے شمالی حصہ کا جو شرقی ریشہ ہے اُسکے شرقی ساحل پر ایک مشہور بندرگاہ عقبہ نظر پڑے گی۔ یہی عقبہ پرانی ایلہ یا ایلات تھا۔ درمیان میں رومیوں کے عہد حکومت میں کچھ اور نام بھی رہ چکا ہے۔

زمان و مکان کے اس تعین کے بعد قدرۃً سوال نفس واقعہ کی کیفیت وقوع سے متعلق پیدا ہوتا ہے۔ یعنی آیا مسخ جسمانی ہوگیا تھا، جیسا کہ قرآن کی ظاہر عبارت سے مترشح ہوتا ہے اور عموماً اہل تفسیر نے اسی پہلو کو اختیار کیا ہے، یا مسخ ذہنی و اخلاقی حدود تک رہا تھا، جیسا کہ مجاہد تابعی کا قول شروع سے نقل ہوتا چلا آرہا ہے۔ سو اسکے جواب میں قرآن کے متعلق کچھ زیادہ کدوکاوش کی حاجت ہی نہیں۔ قرآن واقعہ کے نفس واقعہ کے نفس وقوع کی خبر دیکر اپنی ذمہ داری پوری کر رہا ہے۔ صرف ایک مسلم و متعارف واقعہ کی یاد اپنے مخاطبین کو کرا رہا ہے۔ جرم سے اشارہ اُسکے ایک پہلے اور انتہائی جرم کی جانب کر رہا ہے۔ طرز بیان ملاحظہ ہو۔ لقد علمتم۔ علمتم خود ہی کافی تھا۔ یعنی تم تو علم رکھتے ہو، واقعہ تمہارا جانا بوجھا ہوا ہے، کوئی سنی سنائی روایت یا افسانہ نہیں۔ پھر اس پر تاکید اور وہ بھی دوہری، لام کے ساتھ بھی اور قد کے ساتھ بھی! یعنی وہ واقعہ جس سے تم خوب اچھی طرح واقف ہو۔ جس سے انکار کیا معنی، شک و شبہہ کی بھی گنجائش نہیں۔۔۔ بس اب اس سے زیادہ تفصیل کسی کو بحث کیا، وہ جس صورت اور جس کیفیت کے ساتھ بھی پیش آیا ہو، بہرحال تاریخ اسرائیل کا کوئی معلوم و معروف واقعہ تھا اور اسی سے تو قرآن کے معاصرین کو اس پر زبان کھولنے کا حوصلہ نہ ہوا!

داؤد نبی کے فرزند و جانشین سلیمانؑ نبی کی طرف آئیے۔ سال وفات ۹۳۲ ق م۔ قرآن انکے بارے میں کہتا ہے، جیسے کسی اہم واقعہ کی خبر دے رہا ہو، کہ

وما کفر سلیمان ولکن الشیاطین کفروا	کفر سلیمان نے تو نہیں کیا، البتہ شیطان کفر کیا کرتے تھے۔

لیکن یہ بات کیا ہوئی؟ قرآن تو خود ہی انکے نبی اور برگزیدہ ہونے کی شہادت بار بار صاف صاف دے رہا ہے۔ اور اب یہ کہہ رہا ہے کہ وہ کافر نہ تھے۔ نبی کو جو کافر سمجھے وہ خود ہی کافر۔ اور بالکل ظاہر ہے کہ جو منصب نبوت سے سرافراز ہوگا، اُسے کفر سے نسبت کیا؟ یہ تو کچھ ایسی ہی بات ہوئی کہ شاہ انگلستان کسی کو وائسرائے ہندوستان کا بنا کر بھیجیں، اور پھر یہ بھی اعلان کرنے لگیں کہ وہ باغیوں اور غداروں میں نہیں!۔۔۔ تو کیا قرآن نے حشو بھی اپنے اندر جائز رکھا ہے؟

اس منزل پر پہنچکر اس حقیقت کو یاد کرلیجیے کہ قرآن سے قبل دو اور قومیں نبوت کا کلمہ پڑھتی ہوئی اس دنیا میں آباد ہوئی تھیں، اور اُسوقت تک آباد تھیں۔ ایک یہود، دوسرے نصرانی۔ ان دونوں نے ایک طرف تو سلیمانؑ بن داؤدؑ کا شمار انبیاء میں کیا، انکے نام کے صحیفے کو اپنے صحائف آسمانی کے مجموعہ میں جگہ دی۔ اور دوسری طرف اُنکی بدکرداری اور فسق کا معاملہ اس زور سے چلایا، کہ انھیں دائرۂ ایمان و حلقۂ توحید ہی سے

تنقید مضمون حقوق الزوجین

(۵)

(از جناب مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی)

اور کسی مسئلہ میں اس مذہب کے کسی جزئیہ کو چھوڑ کر کسی دوسرے مذہب فقہی کے کسی جزئیہ پر عمل کرنا زمانہ اجتہاد یعنی چوتھی صدی تک تو حلال تھا مگر اسکے بعد حرام ہو گیا۔ لیکن اس طرح کی تقلید زمانہ سلف میں کسی کی بھی ثابت نہیں اور نہ اسکے لیے کوئی شرعی ثبوت کسی سے مل سکتا ہے۔

اب آپ غور فرمائیں کہ یہ مقلدین پر کس قدر عظیم الشان افترا ہے۔ ہم بتلا چکے ہیں کہ نہ کوئی مقلد تقلید کے یہ معنی سمجھتا ہے۔ ورنہ ایسی تقلید کے جواز کے لیے کسی دلیل شرعی کی ضرورت ہے۔ تقلید کے جو معنی وہ سمجھتا ہے اسکا ثبوت شاہ صاحب خود دے چکے ہیں۔ اور اگر زیادہ ثبوت کی ضرورت ہوگی تو اسکے لیے ہم حاضر ہیں۔ لیکن ہم مودودی صاحب سے دریافت کرتے ہیں کہ اجتہاد کے معنی جو جناب نے سمجھے ہیں کہ ایک شخص جو قانونی مہارت اور صائب رائے اسلامی ذہنیت سے محروم ہونے کے باوجود قانون میں غور کرے۔ اور اس غور کرنے سے اسکا مقصود یہ نہ ہو کہ وہ صاحب قانون کا اصلی منشا معلوم کرنے کی کوشش کرے بلکہ اسکا منشا سر بسر یہ ہو کہ وہ کس طرح اسکو اپنے جذبات اور ذاتی خیالات پر منطبق کرے۔ اسکا ثبوت سلف میں کہاں سے ملتا ہے۔ اور قرآن و حدیث سے اسکا ثبوت کیا ہے۔ اور کیا آپ سلف میں اسکی کوئی نظیر بتا سکتے ہیں کہ کسی نے کسی پر کوئی حکم شرعی نافذ کرتے ہوئے اس امر کا لحاظ رکھا ہو کہ جس اسلامی جماعت میں اسکو نافذ کیا جا رہا ہے۔ اسکی اخلاقی، تمدنی، معاشرتی اور معاشی حالت کیا ہے۔ اور اسکے اجتماعی حالات اور خصائل اور رسم و رواج کس قسم کے ہیں اور کس ماحول میں وہ رہتے ہیں۔ اور اس ماحول کے ان پر کیا اثرات ہیں اور انکی سیرت اور انکے معاملات میں اسلام کا اثر کس قدر قوی اور ضعیف ہے اور بیرونی اثرات سے انکے اسلامی خصائص میں کسقدر فرق واقع ہوا ہے۔ اور عام تمدنی حالات سے معاملات کی فقہی حیثیت میں کیا تغیر رونما ہوے ہیں اور کیا انھوں نے کسی خاص مقدمہ کا فیصلہ کرتے ہوے فریقین کی سیرت عمر تعلیم جسمانی حالات معاشی و تمدنی حیثیت گزشتہ تاریخ خاندانی روایات اور ان کے طبقہ کی عام حالت۔ ان تمام چیزوں کو پیش نظر رکھنا ضروری سمجھا ہے! قرآن و حدیث میں کہیں کوئی ایسی ہدایت کی گئی ہے کہ تم خدا کے احکام کو نافذ کرنے میں ان چیزوں کو پیش نظر رکھا کرو۔ اگر یہ بھی جانے دیجیے۔ آپ ہمیں اتنا بتلا دیجیے کہ کیا امام غزالی اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ صاحب نے ان چیزوں کے لحاظ رکھنے کے متعلق کوئی ہدایت جاری کی ہے۔ جب نہ کتاب اللہ میں اسکا کوئی ثبوت ملتا ہے اور نہ حدیث نبوی میں اور نہ عمل سلف میں اور نہ امام محمد اور شیخ الاسلام ابن تیمیہ اور شاہ ولی اللہ صاحب کی تصنیفات میں۔ اسکا اگر کچھ پتہ ملتا ہے تو جسٹس گارتھ کے فیصلے میں ملتا ہے۔ جسکو ہم پہلے نقل کر چکے ہیں۔ یہ کس کی جرأت ہے کہ وہ اس طریق اجتہاد کو اسلامی کہ سکے یا اس انتہائی اصول پر کتاب و سنت اور فقہ میں اجتہاد کر سکے بجز ان لوگوں کے جنکو نہ خدا کا خوف ہے اور نہ قیامت کی بازپرس کا۔ نیز کیا آپ بتا سکتے ہیں کہ اگر دنیا میں ابو بکر صدیق اور عمر فاروق کو واپس کر دیا جائے تو کیا وہ ان شرائط کی پابندی کرتے ہوے کسی ایک مقدمہ کا بھی شرعی فیصلہ کر سکتے ہیں۔ جبکہ انکو ان باتوں کا کوئی علم ہی نہیں جنکا فیصلہ میں لحاظ رکھنا ضروری ہے۔ ناواقف اور نافہم لوگ شاہ صاحب کے طرز عمل سے یہ نتیجہ نکالتے ہیں کہ شاہ صاحب اجتہاد کے مدعی تھے۔ لیکن انکا یہ خیال سراسر غلط ہے۔ اور اصل حقیقت یہ ہے کہ شاہ صاحب نے تقلید کی دو قسمیں بتلائی ہیں۔ ایک تقلید شخصی اور دوسرے تقلید غیر شخصی۔ اور آپ نے دونوں کو جائز قرار دیا ہے۔ مگر خود آپ کا عمل تقلید غیر شخصی پر تھا۔ کسی مسئلہ میں وہ ایک امام کے قول پر عمل کرتے تھے اور کسی میں دوسرے کے قول پر۔ کیونکہ جو شخص بھی کسی مجتہد کی تقلید کریگا وہ لامحالہ کسی نہ کسی وجہ سے اسکے قول کو دوسرے مجتہدوں کے اقوال پر ترجیح دیگا۔ تو آپ نے اپنے نزدیک وجہ ترجیح یہ اختیار فرمائی تھی کہ جسکے قول کو وہ اپنے نزدیک اقرب الی الکتاب والسنۃ سمجھتے تھے اسکو اختیار فرماتے تھے۔ خواہ انکا خیال صحیح ہو یا غلط کیونکہ اسکی کوئی ضمانت نہیں کہ جو شاہ صاحب نے سمجھا ہے وہ لامحالہ صحیح ہے اور جسکو وہ اقرب الی الکتاب والسنۃ سمجھا ہے وہ واقع میں بھی ایسا ہی ہے۔ سو یہ درحقیقت تقلید ہی ہے نہ کہ اجتہاد۔ مگر نا فہموں نے اسکو اجتہاد سمجھ لیا۔ اور اس سے یہ غلط نتیجہ نکالا کہ ہمارے لیے اجتہاد جائز ہے۔ حالانکہ وہ بنیاد ہی غلط ہے جس پر اس تخیل کی عمارت قائم کی گئی ہے۔ اور چونکہ تقلید غیر شخصی کا طرز عمل انھوں نے اپنے نزدیک اقرب الی التقوی سمجھ کر اختیار فرمایا تھا اس لیے اسکے یہ معنی نہیں ہو سکتے کہ وہ اس کوشش کو اسکی اجازت دیتے ہیں۔ کیونکہ نہ ہر شخص کے اندر وہ علم ہے اور نہ وہ تقوی۔ تو وہ ہر شخص کو اسکی اجازت کیسے دے سکتے ہیں۔ پس شاہ صاحب کے اس طرز عمل سے کسی کو اسکا یہ حق نہیں کہ وہ تقلید شخصی کو چھوڑ کر تقلید غیر شخصی کو اختیار کرے۔ بجز اس صورت کے کہ وہ شاہ صاحب کا سا علم اور انکا سا تقوی رکھتا ہو۔ چہ جائیکہ وہ بلا علم دین کے مجتہد بن بیٹھے۔ اور مجتہدین اسلام کے مذاہب فقہیہ کو غیر اسلامی بتا کر ان پر ناروا طعن و تشنیع کرے اور دوسروں کو اجتہاد باطل کی دعوت دے کر اور خود غلط اجتہاد کر کے خود بھی گمراہ ہو اور دوسروں کو بھی گمراہ کرے۔ اور افتوا بغیر علم فضلوا واضلوا کا مصداق بنے۔ شاہ صاحب کا یہ طرز عمل گو فی نفسہ صحیح تھا لیکن ہم یہ ضرور کہیں گے کہ آپ نے اسکے مفاسد کی طرف پوری توجہ نہیں فرمائی اور اگر وہ اس میں مزید تدبر سے کام لیتے تو شاید وہ ایسا نہ کرتے۔ کیونکہ اس میں مصلحت قوی نہیں اور مفسدہ بہت زیادہ ہے اس لیے انکو ایسا کرنا مناسب نہ تھا۔

(باقی آیندہ)

مسائل حاضرہ
تعلیمات محمدی کی روشنی میں
(نواب بہادر یار جنگ کی تین تقریریں)

(۱)

قائد ملت نواب بہادر یار جنگ بہادر نے جلسہ میں اپنی تین تقریروں میں سے پہلی تقریر کی۔ آپ نے تعلیمات محمدی اور حیات نبوی کا ایک اجمالی خاکہ پیش کرتے ہوئے تین مقدمات قائم فرمائے۔ آپ نے فرمایا کہ میں ان مقدمات کو تفصیل سے اپنی دیگر تقریروں میں بیان کرونگا۔ اور میری آخری تقریر منتجہ ہوگی اس کڑی کا۔

قائد ملت نے تقریر شروع کرتے ہوئے کہا کہ زمانہ تیزی سے آگے بڑھ رہا ہے اور ہم اپنی کمزوریوں کی وجہ سے پیچھے رہ رہے ہیں۔ آج ہم جس جوش عقیدت کے ساتھ محمدی حیات طیبہ کے تذکار عالیہ سے اپنے دل و دماغ کی بالیدگی کے سامان مہیا کر رہے ہیں اس سے ہر زمانہ نے سرور محبت اور درس خودی حاصل کیا اور اس دنیا و دین کو جنت سے بہتر بنا دیا۔ تاریخ کے ہر دور میں خدا کے ایسے بندے پیدا ہو جنہوں نے انسانیت کے اعلیٰ تخیل اور مثالی کردار سے دنیا کو واقف کیا۔ ان کا ہر عالم اور خدا کے برگزیدہ بندوں میں ختمی مرتبت آقا اور جہاں سرور عالم کا مرتبہ سب سے بلند اور معراج کمال پر پہونچا ہوا ہے۔ جو ہمارے تخیل اور تصور سے ارفع و اعلیٰ ہے۔ خدا نے اپنے اس نوری جلیل القدر نبی کو اس طرح مکمل کیا اور دنیا کے لیے ایسا نمونہ بنایا کہ پھر دنیا میں اس جیسا نہ پیدا ہو سکتا ہے نہ پیدا ہوگا۔ اور نہ پیدا ہوا۔ وہ قیامت تک پیدا ہونے والوں کے لیے حقیقی نمونہ ہے۔

قائد ملت نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا کہ آج جبکہ دنیا سخید حادثہ ہے اور تلاطم خیزیاں عین شباب پر ہیں آج جبکہ پریشانی و ہراسانی نے دنیا کو دم بخود کر دیا ہے آج جبکہ سیاہ بادل ہمارے سروں پر منڈلا رہے ہیں آج جبکہ ہر دل اپنے اندر دھڑکن محسوس کر رہا ہے آج جبکہ ہر دماغ ماؤف ہو چکا ہے اور آج جبکہ انسانی کاوشوں اور کوششوں کی بنائی ہوئی دنیا آبگینے کی طرح پارہ پارہ ہو رہی ہے ——— آؤ اسی کے دامن میں پناہ لیں جس نے اللہ کے اولیاء کو بے خوف و ہراس بنا دیا۔ آؤ اسی کے دامن میں پناہ لیں جسکے غلاموں نے قیصر و کسریٰ کے تخت و تاج کو بے نور بے چراغ کر کے توحید سے روشن کر دیا۔ آؤ اسکے اسوۂ حسنہ کو اپنے لیے نمونہ بنائیں جس نے غار حرا سے نکل کر کوہ صفا پر کھڑا ہو کر پیام حق سنایا تھا۔ اور جس نے آج طبق عالم پر چالیس کروڑ مسلمان چھوڑے ہیں۔

تمہید ختم کرتے ہوئے قائد ملت نے فرمایا کہ سیرت طیبہ کا خلاصہ صرف تعلیمات محمدیہ ہیں۔ جنکی زندگی نگاہوں سے دائم ہے [illegible] اسوقت تعلیمات کے بنیادی اجزا کو آپ کے ذہن نشین کرانے ہوئے انسانوں کی حیات میں محمدی تعلیمات نے جو نقوش چھوڑے ہیں اسے بتلاتے ہوئے اپنی دوسری تقریر میں اسکی وضاحت کرونگا۔

پہلا اور بنیادی نظریہ جو محمدی تعلیم کا ہے۔ جماعت اور فرد کا فرد کی انفرادی حیثیت ہے ——— مذہب کی ختمی مرتبت نے دوجہاں کے لیے فرد کا مقام اور جماعت کا مقام بتایا ہے [illegible] اس دوران تقریر میں کہا کہ یہ پہلا مقدمہ ہے [illegible] اس سلسلہ میں پیش کرنا چاہتا ہوں۔ کہ تعلیمات محمدی سے [illegible] کی حالت میں [illegible] کیا۔ لیکن جماعت سے خارج ہو کر فرد کا کوئی مقام نہیں ——— یہی مقام [illegible] نظریہ ہے جسکو ذہن نشین کرنے کی ضرورت ہے۔ سبھوں نے اپنے اپنے زمانہ حیات میں سب کچھ بتایا ہوگا لیکن اس نظریہ سے دنیا خالی تھی۔ جسکا قرآن ہر وقت تکرار کے ساتھ [illegible] زور دیتا ہے۔ فرد نفس سے اسکو کبھی سعادت نہیں ملا جا سکتا۔ اسی سے محمد رسول اللہ نے صاف فرما دیا کہ اپنے گھروں کو قبرستان نہ بناؤ۔ اسکا مطلب یہی ہے کہ اپنے فرائض سے غافل نہ رہو اور [illegible] اور نماز الٰہیہ سے اپنے گھروں کو منور کرو۔ لیکن جماعت کے نظریہ سے یہ مقام اور بلند ہو جاتا ہے یہی وجہ ہے کہ فرد کی نماز سے جماعت کی نماز کو خاص مقام دیا گیا ہے۔ جماعت [illegible] وقت کوئی بھی فرد اور [illegible] جماعت سے [illegible] ہونے کی صورت میں تعلیمات محمدی سے نظریہ سے [illegible] اسی طرح اگر فرد جماعت میں گم ہو جائے تو فرد کا ہر تخیل جماعت کا تخیل بن جاتا ہے۔ فرد کا مال جماعت کا مال بن جاتا ہے فرد کی موت جماعت کی موت اور فرد کی حیات جماعت کی حیات بن جاتی ہے۔ لیکن فرد جماعت سے خارج اور علٰحدہ ہو تو فرد کی موت جماعت کی موت نہیں فرد کی حیات جماعت کی حیات نہیں اور فرد کا نظریہ جماعت کا نظریہ نہیں رہتا ؎

زندگی کیا ہے عناصر میں ظہور ترتیب
موت کیا ہے انہیں اجزا کا پریشاں ہونا

قائد ملت نے دوسرے مقدمہ کا اجمالی طور پر خاکہ کھینچتے ہوئے کہا کہ دوسری چیز جسکو میں بیان کرنا چاہتا ہوں وہ انسان کی زندگی میں رنج و غم اور خوشی و مسرت کا اجتماع ہے۔ حیات انسانی میں خوشی اور غم دونوں توام ہیں۔ انسان کی زندگی مجموعہ ہے رنج و الم، غم و اندوہ، مسرت و انبساط، عیش و راحت کا ——— کہیں جگر پاش مصیبت اور پریشانیاں، سختیاں کٹھن منازل ہیں تو کہیں نقارے، عیش و عشرت کے سامان اور شراب و کباب اور شباب کی رنگ رلیاں۔ اسی زینہ سے ہم کہیں مسرتیں خوشی دیکھتے ہیں تو کہیں غم و مصیبت۔ حقیقت یہ ہے حیات انسانی قہقہوں اور آنسوؤں سے مل کر بنی ہے۔ ذوق نے خوب کہا ہے ؎

ہنسی کے ساتھ یاں رونا ہے مثل قلقل مینا
کسی نے قہقہہ اے بے خبر مارا تو کیا مارا

(باقی)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، یہی لوگ پرہیزگار رہیں)

ایڈیٹر عبدالماجد
پتہ - دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب: (حکیم) عبدالقوی
مضامین کے لیے خط و کتابت ایڈیٹر سے کیجئے

چندہ اور انتظامی امور
کے لیے مراسلات اس پتہ پر کیجیے:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
〃 ششماہی ۔۔۔
بیرون ہند سے سالانہ ۔۔۔
قیمت فی پرچہ ۔۔۔

صدق
لکھنؤ

نمبر ۷ | دوشنبہ - ۲۹ - جمادی الاول ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۵ - جون ۱۹۴۲ء | جلد ۸

سچی باتیں

”بارہ بنکی - آج سٹرکٹ اینڈ سیشن، ایڈیشنل سول جج کے اجلاس سے تعلقہ ... کے مقدمہ کا فیصلہ ہوگیا - مسماۃ ... کا دعویٰ انکے بھائی چودھری ... تعلقدار کے خلاف، خارج ہوگیا - عدالت نے فیصلہ یہ کیا کہ تعلقہ کی جائداد ناقابل تقسیم ہے، اور لڑکے کی موجودگی میں قانون رواج کے بموجب لڑکیاں حصہ پانے سے محروم ہیں -

مدعیہ کی طرف سے پیروکار ... [صوبہ کے مشہور ترین مسلمان ایڈوکیٹ] اور مدعی علیہ کی جانب سے [ایک دیندار مسلمان ایڈوکیٹ]“ (پانیر - ۵ - جون ۱۹۴۲ء)

ایک اور شکست! رواج خاندانی کے مقابلہ میں شریعت اسلامی کو ایک اور شکست! ناکامیوں اور شکستوں کی طویل فہرست میں ایک اور عنوان کا اضافہ! ——— قرآن کی تعلیم، رسولؐ کے ارشاد کو ٹھکرانے، پامال کرنے کا ایک اور اعلان، کسی غیر مسلم کے نہیں، ایک مسلمان کی زبان سے!

دعوے مسلمان بہن کا تھا مسلمان بھائی پر، آبائی جائداد کے حصہ کے لیے - مدعیہ اور مدعی دونوں مسلمان، وکیل اور پیروکار مسلمان - مسلمان بہن نے کہا کہ میری کتاب ہدایت کے مطابق میرا حصہ مجھے دلوایا جائے - لِلذَّکَرِ مِثْلُ حَظِّ الْاُنْثَیَیْنِ - مرد کے دو حصے اور عورت کا ایک حصہ - کسی مجتہد کا قیاس، کسی فقیہ کا استنباط نہیں، کتاب اللہ کی صاف و صریح، قطعی اور غیر اختلافی نص ہے ——— مسلمان بھائی نے جواب دیا، چوری چھپے نہیں، عدالت میں علانیہ پکار کر شرم و جھجک کے بغیر کہ ہم تو پابند رواج کے قانون کے ہیں - اور خاندانی رواج ہم لوگوں کے ہاں، ہم تعلقہ داروں کے ہاں، یہی ہے کہ بھائی کے ہوتے بہن کو کوئی حصہ نہیں ملتا - ہمارا عملدرآمد آج سے نہیں پشتہاپشت سے اسی پر ہے - ہمارے ہاں کی ”واجب العرض“ دیکھ لی جائے - ہمارے معتبر مسلمان گواہوں سے دریافت کر لیا جائے، تحقیق کر لی جائے ——

گواہیاں گزریں، ثبوت پیش ہوئے - اور آخرت کی عدالت میں فیصلہ جو کچھ بھی ہو، دنیا کی عدالت نے یہ حکم سنایا کہ یہاں تو رواج دستور اور عملدرآمد کو بہرحال کتابی شریعت پر مقدم رکھا جائیگا، اور جو جائداد لڑکیوں کو کبھی نہیں ملی ہے، اور آئندہ بھی نہ ملیگی - فیصلہ سنانے والا غیر مسلم تھا - لیکن کوئی مسلمان جج ہوتا، جب بھی اسکا عدالتی فیصلہ کیا اس سے کچھ مختلف ہوتا؟

جس صوبہ میں یہ فیصلہ صادر ہوا ہے، وہاں مسلم لیگ اتنا وا شد زوروں سے قائم ہے - اور سنتے ہیں کہ جمعیۃ العلماء کی کوئی شاخ بھی موجود ہے - عجب نہیں کہ احرار بھی زندہ و سلامت ہوں - اور فرنگی محل اور ندوہ اور دوسرے دینی ادارے تو بہرحال وجود رکھتے ہی ہیں - لیکن دین و شریعت کی اتنی کھلی ہوئی توہین پر شاید کسی کو ... ... کی ضرورت نہیں! ——— کیا فرق ہے بیسویں صدی کے مجوزہ ... ذہنیت اور اِنَّا وَجَدْنَا عَلَیْهِ اٰبَآءَنَا اور اِنَّا عَلٰٓی اٰثٰرِهِمْ مُّقْتَدُوْنَ (ہم نے تو اپنے باپ دادا کو اسی روش پر پایا، اور ہم تو انھیں کے رواج دستور پر چلنے والے) سکتے والوں کی ذہنیت میں؟ ——— ”معقول سوال“

کی سلطنت بھی صوبہ میں کسی درجہ … ہو سکے کم نہیں۔ حقوق نسواں کے معنی اگر مدت سے محض یہ … کہ اب تو خیر … پھر یہ کیا ہے کہ حقوق نسواں میں ایسا بنیادی حق قانون اسلام کو قانون جاہلیت سے خاص طور پر ممتاز کرنے والا … آنکھوں سے صریح پامال ہوتے دیکھا جا رہا ہے اور … حلقۂ نسواں میں احتجاج کی حرکت نہیں پیدا ہوتی!

زہر کا تریاق

برٹرنڈ رسل Russell برطانیہ کے مشہور مفکرین میں سے، مفکر و فلسفی ہونے کے ساتھ … بھی ہیں۔ ان کی ایک مشہور مستند و ضخیم کتاب "آزادی و تنظیم: ۱۸۱۴ء – ۱۹۱۴ء" Freedom & Organisation ہے۔ جس میں یورپ کی پوری ایک صدی کی بین الملکی سیاسی زندگی پر تبصرہ ہے اور دکھلایا ہے کہ کس طرح آہستہ آہستہ قدم اٹھاتے ۱۹۱۴ء والی جنگ عظیم ناگزیر ہو گئی تھی۔ خاتمہ کے قریب اس جنگ عظیم کی قیامت خیزی کی بحث کو یوں لپیٹا ہے:—

"فرانس کے مشہور انقلاب کے بعد کوئی سی بھی حکومت جنگ کی خواہشمند نہ تھی، جس طرح کوئی بدمست موٹر ڈرائیور حادثہ کا آرزومند نہیں ہوا کرتا۔ تاہم ہر حکومت اپنے قومی نفع کو صلح و امن پر مقدم رکھتی ہے۔ بعض ایسی صورتیں ہیں … کہ ذمہ داری فلاں پر عائد ہوتی ہے … حادثہ کی ذمہ داری فلاں پر عائد کرتا ہے۔ ویسے ملک ایسے جہاں گذرگاہوں کے لیے کوئی قواعد ہی مقرر نہیں، کسی بین الاقوامی حکومت کے نہ ہونے نے ہر ہر قوم کو اپنے معاملہ میں خود ہی مالک و مختار بنا دیا تھا۔ اور یہی چیز اب بھی وقتاً فوقتاً جنگہائے عظیم کے وقوع کو تقریباً یقینی بنائے ہوئے ہے۔ ہر ریاست کے غیر محدود اقتدار کی تہ میں ایک تو وہی بادشاہوں کا غرور کارفرما تھا، اور دوسرے اصول قومیت کا ابھرا ہوا جذبہ۔ ان قومی خودی و خودداری کی حد سے بڑھی ہوئی مطلق العنانی باعث ہوئی تھی قدرتی طور پر ۱۹۱۴ء کی جنگ عظیم کی، اور یہی باعث ہوتی رہیگی وقتاً فوقتاً دوسری جنگوں کا جب تک کوئی ایسا فوق الاقوام اقتدار قائم نہیں ہو جاتا جس کے آگے سب سر تسلیم خم کریں۔" (ص ۵۲۳)

گویا ساری خرابیوں کی اور مصیبتوں کی جڑ یہ ہے کہ ہر قوم کی قومی عصبیت مطلق العنان ہے۔ تشریح ہمارے … ایک ایسا … ہے جسکا ایوان برباد ہو چکا ہے۔ یورپ کا مفکر کہتا ہے کہ اس حاکم کے اوپر ایک بین الاقوامی حاکم ہونا چاہیے۔ حالانکہ وہ بھی بہرحال انسان ہی ہوگا اور ساری بشری کمزوریوں اور عصبیتوں میں مبتلا! … مذہب کی اصطلاح میں اسی حاکم اعلیٰ اور حاکم اصلی کا نام خدا ہے۔ اسی کا خوف، اسی کے سامنے حاضری اور جوابدہی کا ڈر، بس ایسی چیز ہے جو انسان کو مطلق العنان نہیں ہونے دیتا، اور ہر سرکش کو قابو میں رکھتا ہے۔ رکھ سکتا ہی نہیں، خلافت راشدہ کے زمانہ میں تو اسکا روم و فارس جیسی زبردست سلطنتوں کے ناخنوں کے مقابلہ میں عملاً تجربہ ہو چکا ہے۔ ان عملی مثالوں کا وجود تو مخالف و موافق سب کو تسلیم ہے۔

قومیت کی پوجا

بیسویں صدی عیسوی کے پہلے دہے، اور جنگ عظیم ۱۹۱۴ء سے ذرا قبل کا یہ منظر:—

"سائنسی اور صنعتی ایجادوں نے طریق جنگ میں ایک انقلاب برپا کر دیا تھا۔ اور جنگ میں شرکت اور سامان حرب کی تیاری کے لیے اس سے کہیں بڑی آبادی کو وقف کر دیا تھا جتنا نپولین کے زمانہ میں جہاں سوزی کے لیے ممکن تھا۔ نقل و حرکت کی تیز رفتاریوں کے باعث اب مختصر نوٹس پر دھاوا بول دینا پہلے سے کہیں زیادہ تیزی کے ساتھ ممکن ہو گیا۔ نتیجہ یہ ہوا کہ اب ہر قوم پہلے سے کہیں زیادہ دوسری قوم سے ڈرنے لگی۔

اور اس خوف اور بدگمانی نے ہر قوم میں قومیت کے احساس کو قوی تر کر دیا۔ اور قومیت کے نشہ کی اس تیزی نے خوف و بدگمانی کو مزید ترقی دیدی، اور ہمسایہ قوم کہیں زیادہ چوکنی رہنے لگی۔ قومیت، اور خوف باہمگر اثر و تاثر سے ایک دوسرے کو بڑھاتے ہی رہے، اور جنگ کے لیے فوجی تنظیم کو ترقی دیتے رہے، خصوصاً فوری اور دفعۃً جنگ کے لیے۔ اب یہ کہ اب جو قوم اپنی فوج کو جس سرعت سے حرکت پذیر کر سکتی تھی، وہی اپنی فوج تعیین کے ساتھ … کے مقابلہ کے لیے آ سکتی تھی۔ محکمۂ بری، محکمۂ بحری، اور صیغۂ خارجہ اب مرتب … دوش بدوش کام کرنے لگے، اور مثل اُن لوگوں کے تھے، جو دوڑ کے لیے میدان میں کمربستہ کھڑے ہوئے ہوں، اور دوڑ پڑنے کے لیے صرف آخری اشارے کے منتظر ہوں۔" (برٹرنڈ رسل کی کتاب "فریڈم اینڈ آرگنائزیشن ۱۸۱۴ء تا ۱۹۱۴ء" ص ۴۹۵، ۴۹۶)

جس "قومیت" (نیشنلزم) یا وطنیت کے راگ آج ہندوستان میں اس طرح گائے جا رہے ہیں کہ گویا وہ دولت بے بہا اور نعمت عظمیٰ ہے، اس کی کارفرمائیاں خود یورپ میں آپ نے دیکھ لیں؟ اور اسکے نتائج ایک ایک معتمد فرنگی مفکر کی زبان سے سُن لیے؟ — جو آگ یورپ میں بار بار لگ چکی ہے، اور وہاں کے خرمن امن و تمدن کو جلا کر خاک سیاہ کر چکی ہے، خدا کا قہر ہے کہ اسی کو ہم ہوا دے دے کر اپنے گھروں میں پال رہے ہیں، جلا رہے ہیں، بھڑکا رہے ہیں!

غلطیہائے مضامیں مت پوچھ!

ماہنامہ ندیم (گیا) میں مولانا شبلی پر ایک مضمون کے درمیان سے:—

"… شاگردوں میں مولانا ضیاء الحسن و مولانا نیاز فتحپوری کے

ارتباط خاص سے شبلی کے خیالات میں وسعت، کشادگی
پیدا ہو گئی تھی"

کیا ایک ناواقف دنیا کی رہنمائی کے لیے ازراہ کرم ارشاد ہوگا کہ "مولانا" نیاز فتحپوری کو مولانا شبلی مرحوم سے نسبت تلمذ کس زمانہ میں، کتنے دنوں تک، کس فن میں حاصل رہی ہے؟ شبلی کی صحبت میں بیٹھنے والے تو ابھی ایک دو نہیں، بیسیوں کی تعداد میں بحمد اللہ موجود ہیں، ان میں سے کتنے اس "ارتباط خاص" کے گواہ ہیں؟ ارتباط خاص نہیں، ارتباط عام ہی کس نے دیکھا ہے؟ کس نے سنا ہے؟ کس کے علم میں ہے؟ مکاتیب شبلی و خطوط شبلی کے نام سے ایک نہیں، دو دو جلدیں شایع ہو چکی ہیں، ان میں کتنے خط "مولانا" نیاز فتحپوری کے نام ہیں، کتنوں میں ان بزرگ کا ذکر خیر ہے — حیات شبلی، سوانح شبلی پر متعدد مستند و مبسوط تحریریں نکل چکی ہیں، کن کن سوانح نگاروں نے شبلی اور "مولانا" نیاز کے "ارتباط" کا ذکر کیا ہے؟ یا "نیاز کے اثر سے شبلی کے خیالات میں وسعت و کشادگی کا پیدا ہونا" محض تخیل کی اسی بلند پروازی کی ایک دنیا طلسم ہے — جسے کون کہتا ہے کہ ہمارے اہل قلم سے اب رخصت ہو چلی، باقی نہیں رہی؟

قدیم ترکی

پچھلے ہفتہ اتفاق سے لکھنؤ کے ایک مشہور قدیم ہفتہ وار کی پرانی فائلیں نظر سے گزریں۔ ایک پرچہ پر تاریخ ۳ اکتوبر ۱۹۰۸ء کی پڑی تھی۔ اس میں ایک انگریز سیاح کے قلم سے ٹرکی خلیفۃ المسلمین والی ٹرکی مرحوم کے چشم دید حالات درج ہیں۔ اس تحریر کا ایک اقتباس:۔

"میں ترکوں کو وحشی جانتا تھا۔ اب میں بلند آواز سے کہہ سکتا ہوں کہ وہ یہی قوم ہے جو بگڑی حالت میں بھی دوسروں سے بہتر ہے یہ قسم نہیں کھاتے، اور جب کھاتے ہیں، تو اُن پر پابندی فرض ہو جاتی ہے .... ایک دن میں نے دیکھا ہر ایک ترک اپنی دکان سے اٹھ کر چل گیا۔ نہ کوئی محافظ دکان نگہبان، لاکھوں کا مال کھلا ہوا رکھا ہے۔ گھبرا کر میں نے سبب پوچھا، معلوم ہوا کہ نماز کو جا رہے ہیں، اور مال و اسباب کی ذمہ دار گورنمنٹ ہے۔ اگر مہینوں دکانیں کھلی ہوئی پڑی رہیں، کوئی آنکھ اٹھا کر نہیں دیکھ سکتا .... یہاں حسن بلا کا ہے پر ہوس زنا کا مقدمہ نہیں ہوتا۔ چوری اور ڈاکہ زنی سے قسطنطنیہ بالکل محفوظ ہے۔"

اس ۴۰-۴۵ سال کے عرصے میں "ترقیوں" کا قدم کہاں سے کہاں پہنچا؟ "حسن بلا کا ہے"۔ لیکن پہلے اسکا قدردان ہی کون تھا؟ حسن گھروں کے اندر، چادر و دیواریوں میں بند، یا برقع و نقاب میں چھپا پڑا رہا کرتا تھا۔ اب البتہ نظارہ سر بازار کا علی الاعلان عام ہے! ظاہر ہے "زنا کا مقدمہ نہیں ہوتا"، لیکن خود زنا کاری، جب تک اس میں جبر و تشدد کی آمیزش نہ ہو، آخر کوئی جرم ہی قابل تعزیر کیوں قرار پائے؟ "شہر چوری اور ڈکیتی سے بالکل محفوظ ہے۔ لوگ سارا بازار کھلا چھوڑ کر نماز کو چلے جاتے ہیں"۔

صدیوں قبل کے لیے باعث وحشت ہو تو ہو، اس بیسویں صدی کے تمدن کے لیے کس قدر ناموزوں و بے محل! ایسی جگہ جاپان اور مردہ دلی سوسائیٹی بھی کوئی سوسائیٹی ہے؟

ترقیوں کی ایک جھلک

بمبئی کی مشہور انگریزی دوا ساز کمپنی پارک ڈیوس اینڈ کو کے زیر اہتمام ایک طبی رسالہ "تھراپیوٹک نوٹس" Therapeutic Notes کے نام سے نکلتا ہے۔ اسکے جنوری نمبر کے مضمون "آتشک بحالت حمل" کا ایک اقتباس:۔

"پیدائشی آتشک ایک ایسا مرض ہے جسکا دفعتہً روکا جا سکتا ہے اور اسکا علاج عام طور پر معروف ہے، تاہم کوئی ۶۰ ہزار بچے آتشک لیے ہوئے ہر سال پیدا ہوتے رہتے ہیں، اور کوئی ۵ ہزار حمل یا تو ساقط ہو جاتے ہیں، یا اولاد مردہ پیدا ہوتی ہے۔ امریکہ میں زچگی کے قابل عمر میں کم از کم ۱۰ لاکھ کی تعداد میں ایسی عورتیں ضرور ملینگی جو آتشک میں مبتلا ہیں یا مبتلا رہ چکی ہیں، اور انکے بچوں میں آتشک منتقل ہو جانا بالکل اغلب و قرین قیاس ہے؟"

علاج کی اتنی صورتیں اور سہولتیں اور انسداد کی اتنی تدبیریں نکل آنے کے بعد بھی اب تک اینکے تخمینہ کے مطابق ۱۰ لاکھ آتشک زدہ خواتین کا وجود! —— اعداد بدچلنی یا حرام کاری کے نہیں، صرف اسکے ایک اور صرف ایک ظاہر ہونے والے نتیجہ کے ہیں! —— حق ادا کر دیا "روشن خیال" امریکہ نے آزادی نسواں کا، مخلوط تعلیم co-education کا، دوسرے مساوات مرد و زن کا! اور سبق دے دیا ہندوستان کو کہ باوجود اپنی کنواری ماؤں، باوجود بے حیا و بے نقاب رنگین ساڑیوں والی "ریجوینیٹ" خاتونوں، باوجود زرق برق لباس اور چمکتے ہوئے لپ اسٹک والی سنیما ایکٹرسوں کے ابھی اسکا قدم "ترقی" کی بلند ترین منزلوں سے کتنا پیچھے ہے!

(بقیہ صفحہ ۷)

شرم و ندامت سے جھک جاتا ہے۔ کسی افغان کے متعلق یہ وہم و گمان بھی نہ ہو سکتا تھا کہ وہ اپنی لڑکی کسی غیر مسلم کے قبضہ میں دیکھ کر امن و چین کی زندگی بسر کر سکتا ہے۔ پوری تاریخ افاغنہ اس قسم کی بے غیرتی کا ایک واقعہ بھی پیش کرنے سے قاصر ہے۔

سرخ پوشوں کے وہ لیڈران عظام جو قرآن کو آزاد کرانے کے دعوے کیا کرتے تھے۔ آج خود قرآن سے آزاد ہو رہے ہیں۔ ان میں عصبیت نام کو باقی نہیں رہی۔ اور غیرت و حمیت کے جنازہ میں ملت افاغنہ کے ان ناخلف بچوں نے وہ آخری کیل لگا دی ہے کہ جسے نہ صرف آئندہ نسلیں دیکھ دیکھ کر ان پر ملامتیں بھیجیں گی بلکہ انکے بزرگوں کی روحیں بھی قبروں میں تڑپ تڑپ کر اس فعل پر ماتم کناں نظر آ رہی ہوں گی۔

(سرحد - پشاور)

بعض قدیم مسائل

جدید روشنی میں

(۷)

(از عبد الماجد)

قرآن بیان کرتا ہے، اور تاریخ شہادت دیتی ہے کہ اسلام سے قبل جتنے بھی پیمبر آئے، سب اپنی یا دوسری کسی ایک ہی قوم کی جانب، اپنے یا دوسرے کسی ایک ملک کے لیے۔ بائبل میں بھی ذکر صرف اسرائیلی انبیاء کا آتا ہے جو قوم اسرائیل کے لیے آئے، اور پھر ان چند انبیاء کا جو اس قسم کے اصلاحات اور سرحدوں یا عزیزوں میں تھے۔ حضرت ہودؑ صرف قوم عاد کے نبی تھے، ہندوستان سے انھیں کوئی سروکار نہ تھا، حضرت یونسؑ نینوا والوں کے لیے تھے، چین سے انھیں علاقہ نہ تھا۔ حضرت مسیحؑ کا حلقہ رسالت یہود تک محدود تھا، جین اور پارسی، بودھ اور ہندو مذہب اُنکے حلقہ سے باہر تھے۔ اسلام نے پیمبر عرب اور رہبر عالم کے پیکر میں آکر اس عام قاعدہ کو توڑ دیا۔ اور قرآن نے آکر صاف صاف دعویٰ کر دیا کہ میرا پیام کل دنیائے انسانیت کے لیے ہے، میرا مخاطب ساری نسل آدم ہے۔ لیکن اسلام تو خود مدعی انبیاء قدیم کی سنت پر چلنے اور قائم رہنے کا ہے۔ پھر اس اہم ترین باب میں خود دائرہ دعوت کے باب میں یہ جدت، یہ ندرت، یہ بدعت کیسی؟ چاہیے تو یہ تھا کہ اُسکی بھی دعوت مخصوص رہتی اہل حجاز یا زیادہ سے زیادہ اہل عرب کے ساتھ، اور اسکا پیام محدود رہتا نسلِ اسمٰعیل کے لیے!

مسئلہ کے سمجھنے کے لیے ایک اجمالی نظر دنیائے قدیم کے نقشہ پر کر جائیے۔ ہر ملک دوسرے ملک سے کٹا ہوا، ہر قوم دوسری قوم سے بچھڑی ہوئی۔ ہر سرزمین اپنے مخصوص جغرافی، طبعی حدود کے اندر سمٹی ہوئی، سکڑی ہوئی۔ پہاڑ ہیں تو ناقابل گزر، دریا ہیں تو ناقابل عبور۔ ندی نالوں تک کو پار کرنا دشوار، اگر برسات کے موسم میں تو کہنا چاہیے کہ محال۔ اور بحر، بحیرہ، سمندر کا تو خیر نام ہی نہ لیجیے۔ کوئی ایسا ہی شدید سبب دشمنی کا اور قومی محرک فوج کشی کا پیدا ہو گیا، جب تو مجبوری ہے، ورنہ ہر خطۂ زمین کی جو قدرتی چار دیواری ہو گئی، بس وہ قوم اُسی کے اندر محصور، اور گویا نظربند[1]۔ مسافروں کا آنا جانا تو الگ رہا، باہر سے خبروں کے آنے کا انتظام نہیں، اور ڈاک کا موجودہ مفہوم تو گویا کسی کے ذہن ہی میں نہیں۔ مہینوں میں کوئی باہمت قافلہ برسوں میں کوئی جیوٹ والا سیاح آنکلا، تو ایک نعمت ہاتھ آ جاتی۔ اور تھوڑی بہت خبریں آس پاس کے ملکوں کی معلوم ہو جاتیں۔ مشرق و مغرب کا فاصلہ رکھنے والے، اور دریا

[1] بلکہ مستقل سعی بعض ترقی یافتہ قوموں نے تو اس علٰحدگی اور کنارہ کشی میں غلو و مبالغہ سے کام لیکر اپنے افراد کے لیے باہر کا سمندری سفر حرام کر دیا تھا، مثلاً اہل ہند نے۔

ملک تو اتنے سہارے سے بھی محروم! خود ایک ہی ذرا بڑے ملک کے اندر، ایک سرے سے دوسرے سرے تک جانا، وہاں کی خبریں لانا، وہاں پیام پہونچانا کام تھا صرف ہمت والوں کا، سفینہ والوں کا! اور تو اور کسی باقاعدہ سڑک کا وجود بھی ۳۰۰ق م سے قبل کم از کم یورپ میں تو نہیں ملتا۔

اس صورت حال کو وضاحت کے ساتھ ذہن میں لاکر سوال کیجیے کہ کسی عالمگیر پیام نبوت کے امکانات ہی اُسوقت کیا تھے؟ عالمگیر تو یہی ایک براعظم کی بھی دوسرے براعظم سے ملانے والی، جوڑنے والی اُسوقت کونسی راہیں، سڑکیں تھیں؟ براعظم کو بھی چھوڑ لیے، ہندوستان، چین، روس جیسے لق و دق کسی ایک ہی ملک کے ایک گوشہ کو دوسرے گوشہ سے جوڑے رکھنے کی صورت تھی؟ ——— اُسوقت تو حالات تکوینی کے لحاظ سے بھی تقاضا تھا حکمت تشریعی کا، کہ پیام اور پیامبری کو محدود رکھا جاتا چھوٹے چھوٹے خطوں، مختصر علاقوں کے اندر۔ اور یہی ہوا۔

لیکن رفتہ رفتہ اسی دنیا کے موسم نے پلٹا کھایا۔ مشینی دور کا آغاز ہوا اور اس نے گویا ملکوں اور اقلیموں کی طنابیں کھینچ کر رکھ دیں۔ فاصلہ کا لفظ اب بے معنی ہو گیا، اور کوئی مقام پرانے معیار سے اب کہنا چاہیے کہ کہیں سے دور نہیں رہا۔ پہلے باقاعدہ سڑکیں بننا شروع ہوئیں، تیز رفتار گھوڑوں، سانڈنیوں کی نسلیں پرورش پانے لگیں۔ ڈاک اور ہرکارے کے تصور سے دماغ آشنا ہونے لگے۔ نئی نئی سواریاں، بگھیوں، ٹمٹموں، شکرم گاڑیوں کے نام سے وجود میں آنے لگیں۔ پھر اسی خشک زمین پر ریل کی پٹریاں بچھنے لگیں۔ پہلے دخانی، اور پھر برقی قوتوں کے قابو میں آ جانے سے ریل، لاری، ٹرام، موٹر سائیکل، خدا جانے کتنی اور کیسی کیسی صبا رفتار سواریاں وجود میں آگئیں۔ اُدھر ڈونگیاں کشتیوں نے پہلے بادبانی اور پھر دخانی جہازوں کی شکلیں اختیار کرنا شروع کیں۔ اور بڑے بڑے عظیم الشان جہاز سمندر کا جگر چیر چیر کر رکھنے لگے۔ مشرق کے میوے مغرب کی منڈیوں میں ڈھیر ہونے لگے، اور شمال کے میوے جنوب میں بکنے لگے۔ ڈاک نے سیکڑوں میل پر بسنے والوں کی خیریت دنوں بلکہ گھنٹوں میں سنا دی۔ تار نے ہزاروں میل کی خبر منٹوں میں منگا دی۔ ٹیلیفون نے جنوب کے ڈانڈے شمال سے ملا دیے، اور ریڈیو نے مشرق کی آواز مغرب میں پہونچا دی۔ غرض اب ہر ملک کھنچ کر دوسرے سے اتنا قریب آ گیا کہ گویا ایک بڑے شہر کے دو محلے ہیں۔ دنیا کا رقبہ گویا سمٹ گیا۔ کرہ کا قطر گویا سکڑ گیا۔ پریس کی ایجاد نے کتابوں، رسالوں، اخباروں کی بھرمار نے، سینما کی گرم بازاری نے، ریڈیو کی محفل آرائی نے، ایک نئی قسم کی وحدت میں گوروں اور کالوں کو، زنگیوں اور فرنگیوں کو، حبشیوں اور تاتاریوں کو جکڑ دیا۔ جو بچھڑے ہوئے تھے، مل گئے۔ جو بکھرے ہوئے تھے، جڑ گئے۔ ایک نئی قسم کی یگانگی کی لہریں یہاں سے وہاں تک دوڑ گئیں۔ انسانیت کی مستقل تقسیم اب ملکوں اور قوموں کی ٹکڑیوں ٹولیوں میں باقی نہیں رہی، نسل انسانی ایک ہی قبیلہ، ایک ہی خاندان بن گئی۔ مختلف ملکوں میں تقاضا! حکمت کاملہ کا عین تقاضا اس دور کے لیے یہی تھا کہ پیام مختلف قوموں، قبیلوں کے بجائے اب صرف ایک آئے سارے عالم انسانی

کے لیے۔ اور پیمبری دعوت کی مخاطب اب نہ قوم عرب ہے نہ قوم عجم نہ بنی اسرائیل نہ بنی اسمٰعیل، بلکہ ساری نسل آدم ہو! قدرت کے انتظامات گرمی کے زمانہ میں کچھ اور ہوتے ہیں سردی کے وقت کچھ اور۔ بہار کی رُت میں کچھ اور خزاں کی فصل میں کچھ اور۔ نظامِ تکوینی کا ردوبست، موسم کی ہر گردش کے ساتھ، آفتاب یا زمین کے ہر چکر کے ساتھ خود بھی بدلتا رہتا ہے ——— عالم اور اہل عالم کے ذہن کے اتنے عظیم الشان انقلاب کے بعد لازمی تھا کہ طریق پیام و پیامبری بدلے، اور تشریعی دعوت اس تکوینی نظام سے مطابقت اختیار کرے! گویا یہی قانونِ حکمت جس کا تقاضا مدت دراز تک، ہزارہا سال تک یہ رہا کہ نبوت، نسلی، قومی، ملکی ہوا کیے، ٹھیک اسی قانونِ حکمت کے ماتحت یہ لازمی ہو گیا کہ اب جو پیمبری ہو عالمگیر ہو۔ اور اب جو کتاب اور جو پیام آئے، وہ نوعِ انسان کے کسی جزو کے لیے نہیں نوعِ انسان کے لیے ہو!

لیکن قدرت کے نظامِ تکوینی کا ایک دستور یہ بھی ہے کہ اصل ضرورت کے پیش آنے اور محسوس ہونے سے قبل ہی اسکے متعلق انتظامات ہر طرح کے ہو جاتے ہیں۔ پیاسا انسان بعد کو پیدا ہوا۔ بہتے ہوئے دریا، اُبلتے ہوئے چشمے اُسکی پیاس بجھانے کو مدتوں قبل سے وجود میں آ چکے تھے۔ دیکھنے والی آنکھ بعد کو کھلی، روشنی پیدا کرنے والی، روشنی پھیلانے والی کرنیں بہت قبل سے اندھیرے کو اجالا بنانے ہوئے تھیں۔ دوڑنے کی مشتاق انسانی ٹانگوں نے بہت بعد کو کی، پیشوائی کے لیے کھلے ہوئے میدان مدتوں قبل سے حاضر تھے۔ انسان کے پتلے کے لیے مٹی کا خمیر بھی ابھی تیار نہیں ہوا تھا کہ سورج اور چاند، ہوا اور ستارے، دریا اور پہاڑ، چرند و پرند سب اُسکی خدمت کے لیے مستعد اور کمربستہ، خلعت وجود سے مشرف خدا معلوم کتنی صدیوں اور کتنے قرنوں قبل سے ہو چکے تھے!

مخلوق کی ضرورتوں کا اندازہ داں خالق سے بڑھکر اور مظاہرِ فطرت کے لیے وقت و ساعت کا شناس فاطر کائنات سے زیادہ اور کون ہو سکتا ہے؟ ریل اور تار کی ایجاد میں ابھی صدیوں کا عرصہ باقی تھا، ٹیلیفون اور ریڈیو کے خوابوں سے بھی ابھی بشر کا دماغ بیگانہ تھا، چین اور عرب ابھی اپنے درمیان بُعد المشرقین ہی سمجھ رہے تھے کہ ندا کرنے والے نے بے رکاب پکار دیا الیوم اکملت لکم دینکم واتممت علیکم نعمتی ورضیت لکم الاسلام دینا۔ وقت آ گیا اے آدم کے فرزندو خدائی پروگرام میں، کہ تمھیں ایک کامل و مکمل دین، ہر ضرورت کے لیے کافی اور ہر احوال کے مطابق دیدیا جائے، چنانچہ دیا جا رہا ہے۔ اور تم سب کے ہاتھ میں بلا امتیاز رنگ و نسل، بلا تفریق حال و مستقبل، ایک نظام نامہ پہنچایا جا رہا ہے، زندگی کے ہر شعبہ ہر پہلو سے متعلق، جامع، مکمل، ہمہ گیر اور ناقابل نسخ و تبدیل! ہر آب و ہوا کے لیے، ہر طول البلد کے لیے، ہر عرض البلد کے لیے۔ یہ قائم رہیگا قیامت تک، اور اسی چشمۂ ہدایت سے استفادہ کرتے رہینگے، غلام و آزاد، شہری و دیہاتی، مشرقی اور مغربی، گورے اور کالے! ——— الیوم والی آیت بڑے دعوے کا اعلان ہے۔ انسان کی بنیادی وحدت کا اعلان ہے، اور اُس وقت جبکہ یہ حقیقت مخفی تھی۔ وقت کے بڑے بڑے مفکروں، فلسفیوں، حکیموں، سب کی نظر سے۔

قرآن والوں کو اس سے جھجکنا نہیں اس پر فخر کرنا چاہیے۔ اور داد دینا چاہیے اُس یہودی کی حقیقت سنجی کو، جو آیت کو سُن کر بول اُٹھا تھا کہ کہیں ہماری کتاب میں ایسی آیت نازل ہوئی ہوتی تو ہم تو اس دن کو یوم عید، یوم جشن بنا لیتے!

مراسلہ

تنقید پر تنقید

السلام علیکم۔ کچھ عرصہ سے صدق میں "تنقید مضمون حقوق الزوجین" شائع ہو رہا ہے۔ آخری پیش نظر پرچہ میں اسکا پانچواں نمبر سامنے ہے۔ مگر اب تک نہیں معلوم ہو سکا کہ جناب مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی کو تنقید مودودی صاحب کے مضمون پر کرنا ہے یا کہ خود اُنکی ذات پر کیونکہ ظاہر ہے کہ کسی مضمون (مراد مذہبی مسائل سے ہے) پر تنقید کرتے وقت لازم ہے کہ مضمون کے اقتباسات درج کیکے اُن پر بحث کی جاوے۔ اُنکے غلط یا درست ہونے کے متعلق رائے قائم کرکے اسکو دلائل سے ثابت کیا جاوے۔ اور دلائل بھی خود ساختہ نہیں بلکہ قرآن پاک، حدیث نبوی و اقوال و اعمال سلف صالحین سے اخذ کردہ ہوں مگر جو انوکھا طریقہ ان مولوی صاحب نے اختیار کیا ہے اُس سے کیا حاصل۔ چاہیے تو یہ تھا کہ جس طرح مضمون نگار نے قرآن و حدیث سے مثالیں دیکر مسائل کو پیش کیا ہے اُسی طرح مولوی صاحب موصوف بھی قرآن و حدیث سے مثالیں دے کر مسائل کو پیش کیا ہے اُسی طرح مولوی صاحب موصوف بھی قرآن و حدیث سے احکام لے کر جو تفسیر و تعبیر اول الذکر نے کی ہے اُسکو غلط ثابت فرماتے اور درست کو نادرست سے ممیز کرتے لیکن یہاں تو مقصود کچھ اور ہی نظر آتا ہے۔ اور تو اور تنقید کی رسائی مودودی صاحب سے گذر کر حضرت شاہ ولی اللہؒ تک جا پہنچی ہے۔ میرا کہنا یہ نہیں ہے کہ مودودی صاحب یا حضرت شاہ صاحبؒ کی ذات تنقید سے بری ہے، لیکن ان ذاتی عقائد کو "تنقید مضمون حقوق الزوجین" کے ذیل میں لانا آپ ہی فرما دیں کہ کہاں تک درست ہے۔ کسی قول کو یہ کہکر رد نہیں کیا جا سکتا کہ اسکے قائل میں فلاں فلاں عیب ہے بلکہ اُس قول کی نامعقولیت کو دلائل سے ثابت کرنے سے ہی اصل مطلب حاصل ہو سکتا ہے۔ مثلاً کسی منکر خدا کو یہ کہکر خاموش نہیں کیا جا سکتا کہ وہ دہریہ ہے، شرابی ہے یا اسی قسم کا کوئی اور اعتقادی یا اخلاقی عیب اس میں ہے بلکہ خدا کی ہستی کے ثبوت و شواہد پیش کرکے ہی اسکی زبان بند کی جا سکتی ہے۔

طالب دعا، احقر رشید احمد نیر عفی عنہ مقیم بنگلور

صدق۔ صاحب تنقید کو شروع ہی میں [illegible] تنقید پر توجہ دلائی گئی تھی۔ مگر انھوں نے ارشاد فرمایا کہ جزئیات کو لیکر ان پر گفتگو کرنے کے معنی یہ ہوئے کہ مودودی صاحب کا منصب اجتہاد مسلّماً تسلیم کر لیا گیا۔ ورنہ خاکسار یہ دکھانا چاہتا ہوں کہ ان میں سرے سے اس منصب کی اہلیت ہی [illegible] (ادکا کال) بہر حال اب مراسلہ کا [illegible] تھوڑے ہی صبر سے [illegible]

گداگری اور اسکی شرعی حیثیت

(مولوی محمد علی صاحب کچرا، جامعہ عثمانیہ)

حیدرآباد میں گداگروں کی کثرت ہم حیدرآبادیوں کو ملک کی طرح مدت سے کھٹکتی رہی ہے اور اسکے انسداد کا احساس تھا لیکن اس کے مسئلہ کے حل کے لیے کوئی ٹھوس عملی شکل اختیار نہیں کی گئی تھی۔

بڑی خوشی کی بات ہوئی اگر ہم اس موقع پر عالیجناب مولوی سید عبدالعزیز صاحب صدر المہام عدالت و امور مذہبی کے شکر گزار نہ ہوں جنھوں نے اپنی عدالت، قابلیت اور حسن تدبیر سے اس گتھی کو سلجھا دیا۔ انسداد کی تدابیر کے سلسلہ میں جو لائحہ عمل مرتب فرمایا ہے وہ کچھ ایسا پسندیدہ ہے کہ اس کو قدر کرنے پر سارا ملک آمادہ دکھائی دیتا ہے۔ خدا چاہے وہ دن دور نہیں کہ عذاب کی یہ شکل جو عرصہ سے ہم پر مسلط ہے ناپید ہو جائے۔

اس سلسلہ میں بعض چند پڑھے لکھے حضرات سے گفتگو میں شرکت کا موقع ملا۔ مجھے معلوم ہوا کہ بعض حضرات کی بحثوں کا رُخ کچھ بدلا ہوا سا ہے۔ قرآن و حدیث سے جو شبہات پیدا کیے گئے تھے وہ میری دانست میں تصور صحیح پر مبنی نہ تھے۔ نیتوں میں گو خلوص اور صداقت تھی لیکن فہم مسائل میں کچھ لغزشیں ہو رہی تھیں۔

(۱) کسی نے خیال ظاہر کیا کہ قرآن عزیز میں تصریح ہے کہ "وفی اموالھم حق للسائل والمحروم" انسداد گداگری سے انکا یہ حق آزادی زائل ہو جائیگا۔

(۲) کسی نے ابوداؤد شریف کی یہ روایت سنائی کہ "للسائل حق وان جاء علی فرس" یعنی اس گداگر کا بھی ہمارے مال میں حصہ ہے جو بظاہر غنی معلوم ہوتا ہے۔ انسداد گداگری کی صورت میں اسکو اسکے جائز حق سے محروم کرنا ہے۔

(۳) کسی نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ مسلمانوں کے بعض کے بعض فرقے اپنے لیے بھیک مانگنا حسن عمل اور عبادت تصور رکھتے ہیں اور سمجھتے ہیں کہ جو قانون پاس ہوا ہے اسکے نفاذ سے ایک نوع کی مداخلت فی الدین ہوگی۔

(۴) کچھ یہ بھی سننے میں آیا کہ قرآن پاک کی یہ آیت "واما السائل فلا تنھر" میں فقیر کو کچھ نہ کچھ دینے کی طرف اشارہ ہے اور اس امر کی تصریح ہے کہ اسکو ڈانٹنا نہ چاہیے۔ جبکہ زجر و توبیخ سے روکا گیا تو ایسی صورت میں اسکے لیے بعض حالات میں چھ ماہ کی سزائے قید کب روا ہو سکتی ہے۔

ان شبہات پر غور کرنے سے قبل مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اولاً غنی اور فقیر، مسکین اور سائل کے معانی اور مطالب کا تعین اسلامی نقطۂ نظر سے کر دیا جائے تاکہ قرآن اور احادیث کی مراد اور انکے مفاہیم سمجھنے میں کوئی الجھاؤ نہ پیدا ہو۔

غنی: بحرالرائق اور محیط میں غنی کے اقسام بیان کیے گئے ہیں۔ جن میں ایک قسم غنی کی یہ بھی ہے کہ جس کے پاس ایک دن کی روزی کا سامان اور بقدر ستر عورت کپڑا ہو۔ اور وہ بھی غنی ہے جو ایک دن کی روزی کمانے کی قدرت رکھتا ہو۔ ایسا شخص اسلام کی نظر میں غنی سمجھا جائیگا اور اُس پر سوال کرنا حرام ہوگا۔ (شرح نقایہ)

امام شافعی رحمۃ اللہ علیہ نے غنی کی یہ حد بیان کی ہے جسکے پاس پچاس درہم کے بقدر مال ہو (جسکے کم و بیش بارہ روپئے ہوتے ہیں) یہ دونوں قسم کی ہیں جو اختلاف اقوال پر محمول ہیں۔ امام غزالی رحمۃ اللہ علیہ نے احیاء العلوم میں یہ لکھا ہے کہ قوت یوم ولیلۃ والی روایت حق میں مجرد اور منفرد کے ہے اور پچاس درہم والی روایت صاحب عیال کے بارے میں ہے۔

فقیر: والفقیر من له ادنیٰ شیٔ (ہدایہ) یعنی فقیر کا شمار اس حد تک متصور ہوگا جب تک وہ مذکورہ بالا غنی کی حد کو نہ پہونچے۔

مسکین: والمسکین من لاشیٔ له (ہدایہ) یعنی جسکے پاس کچھ نہ ہو۔ اسی طرح امام اعظم ابو حنیفہؒ سے منقول ہے اور یہی مذہب اصحاب لغت میں سے اخفش اور فراء کا ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ اور اصحاب شافعی رحمۃ اللہ علیہ میں سے ابو اسحٰق مروزی بھی اسی کے قائل ہیں۔

سائل: غنی کی ضد ہے جسکا اطلاق حقیقی حاجتمند پر آتا ہے۔ غنی کا مصداق متعین ہو جانے کے بعد "سائل" کے مفہوم اور معنی کی خود بخود تعیین ہو جاتی ہے۔ ان اجزاء و معانی کے ذہن نشین کرنے کے بعد سوچنے اور سمجھنے کی یہ بات ہے کہ اسلام جو نوع انسانی کا بیحد احترام کرتا ہے اور جس نے اسکو خودداری کی تعلیم دی اور عزت نفس کے سبق پڑھائے اسکے مفہوم سے وہ سارے طریقے خارج ہیں جن سے عزت نفس کو ٹھیس لگے اور نفس انسانی کی تحقیر و تذلیل لازم آئے۔ حضور اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ ہدایت فرمائی کہ کسی مسلمان کے لیے یہ بات زیبا نہیں کہ وہ اپنے نفس کو ذلیل و خوار کرے۔ سوال کرنا ذلت بتایا گیا۔ صحابہ کرام سوال کرنے کو اس درجہ معیوب خیال فرماتے تھے کہ اگر راہ میں انکا کوڑا گر جاتا تھا تو خود سواری سے اُتر کر اسکو اٹھا لیتے تھے کسی راہرو سے اُٹھا کر دینے کی خواہش کا اظہار سوال کا ہم معنی سمجھتے تھے۔ آپ نے یہ بھی ارشاد فرمایا کہ جو شخص باوجود غنی ہونے کے سوال کرے وہ روز قیامت اس طرح پیش ہوگا کہ اسکا منہ چھلا ہوا ہوگا۔ آپ نے یہ بھی بتایا کہ وہ شخص مسکین نہیں جو در بدر ایک ایک دو دو لقمے مانگتا پھرتا ہے۔ شرح نقایہ میں ہے کہ "واذا کان الفقیر کسوبا قویا لا یحل له السوال" یعنی جو جو تندرست قوی اور بشرہ کے اعتبار سے توانا و تندرست ہو اسکے لیے بھیک مانگنا جائز نہیں۔ بھیک مانگنے کی مذمت اور برائی میں ایک دو نہیں دس پانچ نہیں کثرت احادیث مروی ہیں۔ کیا اسکے بعد یہ تصور کیا جا سکتا ہے کہ اسلام نے گداگری کو جائز رکھا۔ کیا یہ پیشہ ور گداگر فقیر یا مسکین یا سائل کی تعریف میں آسکتے ہیں جن کا حال کم و بیش سب ہی کو معلوم ہے کہ جنکی گودڑیوں میں غنا کا استر لگا ہوتا ہے۔ ایسے گداگروں کو دینا ثواب نہیں معصیت ہے اور جو لوگ انکی مدد کرتے ہیں وہ بجائے نیکی کے جرم شرعی کے مرتکب ہو رہے ہیں۔ ایسے ہی سائلوں کی بابت الاشباہ و النظائر میں یہ مسئلہ لکھا ہے کہ "ان السائل والمعطی آثمان اذا اثم المعطی فلکم نہ معیناً عن الحرام" (الاشباہ) جن احادیث و آیات سے سائلوں کو دینے کی ترغیب

(شرح نقایہ)

ظاہر ہوتی ہے یا ان سے اجازت سوال سمجھ میں آتی ہے وہ وہ سائل نہیں ہیں جنکو ہم اپنی اصطلاح میں سائل اور فقیر سمجھتے ہیں۔ حقیقی سائل وہ حاجتمند ہے کہ جسکے پاس اسوقت نہ کھانے کو ہے نہ پہننے کو۔ نہ اسکے پاس کچھ اثاثہ موجود ہو نہ سرمایہ۔ ایسے سائل کو مجبور کن ناگزیر حالت میں سوال کی اجازت ملی ہے اور اسکو کچھ نہ کچھ دینے کی ترغیب بھی۔ پیشہ ور گداگر سائل نہیں مسکین نہیں بلکہ غنی ہیں۔ اغنیاء کی شرعی تعریف ان پر صادق آتی ہے تا وقتیکہ یہ پیشہ ور گداگروں کے لیے بنا ہے نہ کہ حالت اضطرار میں اتفاقیہ طور پر کسی حقیقی حاجتمند سوال کنندہ کے لیے۔ وفی اموالہم حق للسائل والمحروم۔ یہ سورۂ الذاریات کی آیت ہے حق سبحانہ تعالیٰ نے متقین کے صفات بیان فرماتے ہوئے مومن کی اس صفت کا بھی اظہار فرمایا ہے کہ انھوں نے زکوٰۃ کے علاوہ اپنے مال میں سے شرعی سائلوں اور ایسے مجبور جو مانگتے نہیں پھرتے حصہ بھی مقرر کر رکھا تھا اس سے زیادہ سے زیادہ یہ کہ حقیقی محتاجوں کے لیے اظہار حاجت کی رخصت سمجھ میں آتی ہے نہ کہ بھیک مانگنے کی اجازت عامہ۔

یہی حال ان جار حلی فرتی روایت کا ہے کہ کوئی مجہول الحال شخص گھوڑے پر سوار اپنی حاجت کا اظہار کر رہا ہے تو تم خواہ مخواہ بدگمانی نہ کرو تا وقتیکہ اسکا پیشہ ور اور نا مستحق نہ ہو جانے یہ حسن ظن فطرت مسلمہ کا اقتضاء ہے۔ ہو سکے تو اسکی حاجت پوری کرو اسکی ظاہری حالت کو دیکھتے ہوئے غنی سمجھ کر ہاتھ نہ روک لو۔ ہو سکتا ہے کہ باوجود گھوڑے پر سوار ہونے کے مصیبت میں مبتلا ہو گیا ہو کہ اسوقت اسکے لیے سوائے سوال کرنے کے کوئی چارہ کار رہی نہ ہو۔ ایسے اتفاقیہ واقعات اس دنیا میں پیش آتے رہتے ہیں۔

اسلام پیشہ گداگری کا استیصال کرنا چاہتا ہے اور اسکو مسلمانوں کی عظمت و وقار کے منافی سمجھتا ہے۔ جو لوگ گداگری کو کسب دولت کا ذریعہ بنائے ہوئے ہیں ان کے لیے جو انسدادی تدابیر اختیار کی جا رہی ہیں وہ مسلمانوں کی تعمیری خدمت ہے۔

اگر کوئی جماعت مسلمان ہونے کا دعویٰ کرتے ہوئے پیشہ گداگری کو عبادت سمجھتی ہے تو وہ اسلامی نقطۂ نظر سے اسکی مستحق ہے کہ اسپر سزائے تعزیری جاری کی جائے۔ محبت صرف خدائے برتر اور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی بات ہو سکتی ہے۔ کسی فرقہ اور جماعت کا خود تراشیدہ عمل یا اعتقاد اسلام نہیں۔ عبادت کے طریقوں کی تعیین کرنے کا حق معبود حقیقی کو حاصل ہے۔ عابد کو یہ حق نہیں کہ وہ اپنے کسی مفروضہ کو عبادت قرار دے۔

والسائل فلا تنہر سے یہ استدلال کہ جسکو جھڑکنا روا نہیں تو اسکے لیے سزائے قید تجویز کرنا اس سے بھی زیادہ سخت ہے حقیقت یہ ہے کہ اس آیت کریمہ میں گفتگو اور تخاطب کا ادب اور سلیقہ سکھایا گیا ہے کہ اگر تم کسی حقیقی حاجتمند کو کسی وجہ سے کچھ دے نہیں سکتے تو نرم کلامی سے اسکو جواب دے کر اپنی خوش اخلاقی کا ثبوت پیش کرو لہجہ میں سختی اور رخشونت ڈانٹنے کا شیوہ ایک شائستہ مسلمان کی شان کے خلاف ہے۔ ہاں اگر کوئی لپٹ جائے اور اڑ کر لگا کر بیٹھ جائے تو ایسے کو ڈانٹنے میں کوئی حرج نہیں۔ تفصیل درکار ہو تو تفسیر روح المعانی کو دیکھیے۔ رہا اس آیت سے دینے کا مسئلہ نکالنا فہم قرآن سے دوری کی علامت ہے۔ البتہ بعض گداگر دو ہی بعض حقیقی حاجتمند مستحق امداد اور لائق دستگیری ہیں معذور ہیں اپاہج ہیں۔ کچھ ایسے بھی ہیں جنھیں اکتساب معاش پر مطلقاً قدرت نہیں۔ ایسے ضعفاء اور عاجزوں کی پرورش اور انکی تربیت و نگہداشت کے لیے انسداد گداگری کی اسکیم میں ہر قسم کی سہولتوں کا انتظام کیا جا رہا ہے اور چندہ دینی قابل رحم اور نادار جماعت کے لیے مانگا جا رہا ہے اور قانون پیشہ ور گداگری کے لیے بنا ہے جو شرعی انفرادی قومی ملکی مفاد کے مدنظر بے حد ضروری تھا۔

انسداد گداگری کی تحریک اسلام کے کسی فرقہ کے لیے مداخلت فی الدین نہیں ہے مداخلت فی الدین تو یہ ہے کہ اس راہ میں روڑے اٹکائے جائیں۔ مودبانہ گزارش ہے کہ اب تک اسلام پر جتنا ظلم ہوا اس سے زیادہ نہ ہونے دیں اور اپنی سارا عی حاکم کے ساتھ تعاون عمل فرمائیں۔

([illegible])

بے حمیتی کی ایک مثال

ڈاکٹر خان صاحب کی دختر اختر نے کسی جسونت سنگھ کی آغوش میں زندگی بسر کرنے کا آخری فیصلہ کر ہی لیا، اور ملت اسلامیہ نے جس ناپاک شادی کو روکنے کی سعی کی تھی وہ رک نہ سکی۔ ڈاکٹر خان صاحب اور انکے برادر خرد عبد الغفار خاں نے بیحیائی و بے شرمی کا سہرا باندھتے ہوئے تاریخ میں ایک ایسے عہد باب کا اضافہ کر دیا جسکی مثال اس سے قبل تاریخ افاغنہ پیش کرنے سے قاصر ہے۔ مختلف الخیال مسلمانوں نے ڈاکٹر خان صاحب کو سمجھانے کی کوشش کی۔ عبد الغفار خاں سے اسلام اور شریعت اسلامیہ کے نام پر اپیلیں کی گئیں۔ صوبہ سرحد اور بیرون سرحد کے مسلمان اس ناپاک شادی کو روکنے کی انتہائی کوشش کرتے رہے، حتیٰ کہ حضرت مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب صدر جمعیۃ العلمائے ہند نے عبد الغفار خاں کے نام ایک خط لکھ کر انھیں حکم خدا و رسول سے آگاہ کیا حضرت مولانا ابو الکلام آزاد نے انھیں سمجھانے کی کوشش کی لیکن افسوس کہ ان لوگوں پر نہ تو کسی انسانی اپیل کا اثر ہوا نہ شریعت اسلامیہ کے احکام اثر انداز ہو سکے اور نہ ہی افغانی غیرت انھیں مجبور کر سکی کہ وہ ایک افغانی لڑکی کو کسی جسونت سنگھ کے آغوش میں جانے سے روک سکتے۔ ڈاکٹر خان صاحب نے ہر موقع پر "انفرادی آزادی" کے تحفظ کی آڑ لے کر اپنی لڑکی کو مبارکباد کے پھولوں کے ساتھ جسونت سنگھ کے حوالہ کیا تو عبد الغفار خاں مسلمان شدہ کے نام سے ہر شخص کو اس شادی کی مخالفت سے روکنے میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔

اس خبر کو سن کر آج ہر مسلمان کا سر الم اور ہر افغان کا [illegible]

تنقید مضمون حقوق الزوجین

(از مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی)

(۶)

... بات کہ حضرت مجدد الف ثانیؒ نے خوب سمجھا تھا۔ اسی وجہ سے ... نے تقلید شخصی کا ترک کرنا پسند نہیں فرمایا۔ اسکی تفصیل سے ... حضرت شاہ صاحب ... ... صاحب کے دونوں میں فرق بھی معلوم ہوگیا۔ اور یہ بھی معلوم ہوگیا کہ شاہ صاحب کی خود مودودی صاحب ... تھا۔ اور انکے اجتہاد اور انکے حقوق الزوجین کے متعلق ... خیالات ہیں۔

... کتاب سے کے حال سے کتاب کے حال پر استدلال تھا، اب براہ راست کتاب کی حالت دکھلائی جاتی ہے ... کہا جاتا ہے کہ جس قدر کسی صاحب علم کے کلام پر تبصرہ آسان ہے اسی قدر کسی بے علم کے کلام پر تبصرہ مشکل ہے۔ کیونکہ صاحب علم اگر کوئی غلطی کریگا تو اس کی غلطی بھی کسی اصول کے ماتحت ہوگی۔ جب اس اصول کی غلطی بتادی جائیگی مقصد حاصل ہو جائیگا۔ لیکن بے علم کی غلطیاں کا کوئی اصول ہی نہیں ہوتا، اس لیے ان پر تبصرہ نہایت دشوار ہوتا ہے پھر جبکہ بے علمی کے ساتھ غرض بھی شامل ہو جاتی ہے تب تو یہ دشواری اور بھی بڑھ جاتی ہے۔ کیونکہ آپ نے سنا ہوگا صاحب الغرض مجنونٌ اور ہر شخص جان سکتا ہے کہ کسی مجنونانہ گفتگو پر تنقید کسقدر کٹھن اور دشوار ہے۔ حقوق الزوجین میں چونکہ یہ دونوں باتیں جمع ہوگئی ہیں، اس لیے اس پر تبصرہ میں جسقدر دشواری ہم کو پیش آرہی ہے اسکا اندازہ خود آپ کو ہو سکتا ہے۔ لیکن زمانہ کی حالت ہمیں مجبور کرتی ہے کہ اس زحمت کو گوارا کیا جائے اور جس طرح بھی ہو سکے اور جسقدر بھی ممکن ہو اس پر تبصرہ کیا جائے۔ اس لیے کیا جاتا ہے۔ اسکی مفصل حالت تو اس پر تفصیلی تبصرہ سے معلوم ہو سکتی ہے۔ مگر مختصراً اتنا کہا جاتا ہے۔ کہ اس میں مسلمانوں کی گمراہی کا اسقدر سوادجمع کردیا گیا ہے کہ اسکے ذریعہ سے تمام دین کو درہم برہم کیا جا سکتا ہے۔ اب ہم اپنے اس دعوے کو چند مثالوں کے ذریعے ثابت کرنا چاہتے ہیں۔

(۱) وہ کہتے ہیں کہ مسائل فقہیہ میں اختلاف مسالک نہ گمراہی ہے نہ فساد فی الدین۔ گو یہ انکی غلط فہمی ہے۔ انھوں نے کسی کتاب میں لکھا ہوا دیکھ لیا ہے، اور بغیر اسکو سمجھے ہوئے رٹنا شروع کردیا ہے۔ لیکن اگر تھوڑی دیر کے لیے اسکو صحیح تسلیم کرلیا جائے تو اسکا مقتضا یہ ہے کہ کسی فقہی مسئلہ میں کوئی خاص مسلک رکھنے والے کسی شخص پر کوئی اعتراض نہ کیا جاوے۔ لیکن جب انکی کتاب حقوق الزوجین کو دیکھا جاتا ہے تو وہ تمام کی تمام انھیں حضرات پر ناروا حملوں سے بھری ہوئی ہے۔ جو مسائل فقہیہ میں انکے خلاف مسلک رکھتے ہیں۔ حالانکہ کسی ... مجتہدین اسلام و صحابہ و تابعین پر حملوں کی نوعیت بھی کوئی معمولی نہیں بلکہ اس قدر سخت کہ انکے تصور سے بھی بدن میں لرزہ پیدا ہو جاتا ہے۔ اب یہ کس قدر بے اصولی ہے کہ جس چیز کو اصولی طور پر صحیح مان لیا جاتا ہے اسی کی صحت سے انکار کردیا جاتا ہے اور جس چیز کو اپنے لیے گمراہی اور فساد فی الدین نہیں سمجھا جاتا ہے۔ اب ہم کو کوئی تبلائے کہ اسکا نتیجہ اسکے سوا کیا ہو سکتا ہے کہ جو شخص دین کو تباہ کرنا چاہتا ہے وہ مودودی صاحب کی اس بے اصولی کو اصول بناکر اپنے لیے مسائل فقہیہ میں ہر قسم کے اختلاف کی گنجائش پیدا کرے۔ اور اپنے مخالفین کو گمراہ اور مفسد قرار دیدے اگر وہ چاہے تو نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کی فرضیت کا منکر ہو جائے اور اگر وہ چاہے تو زنا، شراب خواری اور دوسرے محرمات کی حرمت کا انکار کردے اور یہ کہے کہ یہ مسائل فقہیہ ہیں اور مودودی صاحب فرما چکے ہیں کہ مسائل فقہیہ میں انکے مخالفت والے ... گمراہ اور گمراہ کن قرار دیا ہے۔ اسلیے مجھے بھی حق ہے کہ میں ان تمام مسلمانوں کو جو فرضیت نماز، روزہ وغیرہ اور حرمت زنا و شراب وغیرہ کے قائل ہیں گمراہ اور گمراہ کن قرار دوں۔ الغرض یہ غلط اصول اسقدر خطرناک ہے کہ اسسے تمام دین کو برباد کیا جا سکتا ہے۔ اب ہم یہ بتلاتے ہیں کہ جن لوگوں نے کسی مقام پر یہ فقرہ استعمال کیا ہے اسکا کیا مطلب ہے اسکا مطلب یہ ہے کہ مسائل فقہیہ میں مجتہدین کا اختلاف باہمی گمراہی اور فساد فی الدین نہیں اور اسکی بناپر ان میں سے کسی کو گمراہ نہیں کیا جا سکتا۔ کیونکہ وہ جانتے ہیں کہ کونسا مسئلہ قابل اختلاف ہے اور کونسا قابل اختلاف نہیں ہے۔ اس لیے وہ اسی میں اختلاف کرینگے جس میں وہ اختلاف کی گنجائش دیکھیں گے۔ اور جس میں وہ گنجائش نہ دیکھیں گے۔ اس میں اختلاف ہی نہ کرینگے۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ فقہ کے کسی مسئلہ میں بھی خواہ وہ قطعی ہو یا ظنی کسی شخص کا اختلاف خواہ وہ اختلاف کا اہل ہو یا غیراہل گمراہی نہیں۔ لیکن مودودی صاحب نے اسکو غلط معنی پہنا کر اپنے لیے اختلاف کی گنجائش نکال لی۔ پھر ان غلط معنی پر بھی قائم نہ رہے۔ اور اپنے مسلم اصول کے خلاف مجتہدین کے مسائل پر گمراہی کا حکم لگا کر انکے تخریب کے درپے ہوگئے۔ اسکی وجہ سوا بے علمی کے اور ہوا پرستی کے اور کوئی نہیں ہو سکتی۔

(۲) مودودی صاحب فرماتے ہیں۔ قانون میں سب سے اہم چیز اسکا مقصد ہے۔ مقصد ہی کو پورا کرنے کے لیے اصول مقرر کیے جاتے ہیں۔ اور ان اصول کے ماتحت احکام دیے جاتے ہیں۔ اگر کوئی مقصد کو سمجھے بغیر احکام نافذ کریگا تو بہت ممکن ہے کہ کسی جزئی مسئلہ میں وہ ایسا حکم نافذ کردے جس سے قانون کا اصل مقصد ہی فوت ہو جائے۔ اسی طرح جو قانون کے مقصد سے واقف نہ ہوگا وہ قانون کی صحیح اسپرٹ کے مطابق اتباع نہ کرسکیگا۔ لہذا ہم پہلے اُن مقاصد کی تشریح کرینگے جنکے لیے اسلام میں ازدواجی معاملات کے لیے قانون ... گیا ہے۔ (باقی آیندہ)

نمبر ۹ | دوشنبہ ۱۴ جمادی الثانی ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۹ جون ۱۹۴۲ء | جلد ۸

سچی باتیں

پروفیسر وائز مین (Weizmann) کا نام آپنے سنا ہے؟ سنا ہو یا نہ سنا ہو، بہرحال اپنی چشم تصور کو ۲۵-۲۶ سال قبل کی طرف پھیریئے۔ ۱۹۱۶ء ہے، برطانیہ، جنگ عظیم کے عذاب الیم میں گرفتار ہے۔ لڑائی بگڑی جا رہی ہے۔ اور برطانیہ مع اپنے اتحادیوں کے بُری طرح گھرتا جا رہا ہے۔ جنگ اسوقت دراصل انسان کی انسان سے نہیں، بلکہ سائنس کی سائنس سے ہے۔ جرمنی اپنی سائنسی ایجادات میں شہرۂ آفاق، انھیں تدبیروں سے اپنے حریفوں پر غلبہ پاتا جا رہا ہے۔ اُسے زیر کرنے کی کوئی تدبیر بجز اسکے نہیں، کہ اسی میدان میں اُسے نیچا دکھایا جائے۔ مانچسٹر یونیورسٹی میں کیمسٹری کے اُستاد، پروفیسر وائز مین ہیں۔ لائڈ جارج وزیر اعظم اور دوسرے وزراے سلطنت اُنھیں کا دامن پکڑتے ہیں۔ وہ ایجاد ایک نئی چیز کرتے ہیں۔ لکڑی سے الکحل تیار کرتے ہیں۔ اصطلاحی زبان میں اسکا نام Actone ہے۔ ایک خاص قسم کا سرکہ یا کیمیاوی مادہ!

نئی ایجاد، لڑائی کا رُخ پلٹ دیتی ہے۔ جو ہار رہا تھا، وہ جیتنے لگتا ہے۔ جو غالب تھا، مغلوب نظر آنے لگتا ہے۔ لڑائی ابھی ختم نہیں ہوتی، لیکن اتحادیوں کے حوصلے بڑھ جاتے ہیں اور فتح انھیں یقینی نظر آنے لگتی ہے۔ پُرانے بادشاہ جب کسی پر مہربان ہوتے تھے، تو اس سے پوچھتے تھے، "مانگ، کیا مانگتا ہے"؟ اور جو انعام وہ مانگتا اُسی سے اُسے مالا مال کر دیا کرتے۔ برطانیہ کے وزیر اعظم نے بھی سرخوشی کے عالم میں Actone کے موجد سے پوچھا، "مانگ، کیا مانگتا ہے" — وائز مین جواب دیتا ہے کہ "انعام اپنی ذات کے لیے نہیں، اپنی قوم کے لیے چاہتا ہوں۔ میری قوم آوارہ و بے وطن ہے، خدا کی سرزمین پر خانہ بدوش ہے۔ اُسے اپنے کا وطن کہنے کو سرزمین عطا ہو"—— وائز مین نسباً یہودی، نسلاً اسرائیلی تھا۔ وطن اپنی قوم کے لیے طلب کیا—— درخواست کے قبول ہونے میں دیر کیا تھی۔ تحریک صیہونیت میں جان پڑ گئی فلسطین "وطن الیہود" قرار پا گیا—— ۱۹۱۷ء کی کوئی تاریخ تھی، کہ برطانیہ کے وزیر خارجہ لارڈ بالفر کی زبان سے وہ تاریخی اعلان شائع ہو گیا، جو تاریخ میں اعلان بالفر کے نام سے مشہور ہے۔

دنیا بھر کے بچھڑے بچھڑائے یہود اب جوق جوق فلسطین کی طرف رُخ کرنے لگے۔ اور اپنی دولت کے زور سے عربوں سے بڑی بڑی زمینیں خریدنے لگے۔ اُن میں بسنے لگے۔ اور عربوں کی جان پر طرح طرح کے ستم ٹوٹنے لگے۔ کہاں یہود کی آبادی پوری ایک لاکھ کی بھی نہ تھی، کہاں اب پانچ لاکھ تک پہونچ گئی!—— چھوڑیے اس سارے سیاسی قصہ کو۔ کام کی بات ہمارے آپکے لیے صرف اُس یہودی فرد کا ایثار ہے اپنی قوم و ملت کے لیے! اپنے آپ کو کس طرح مٹایا! اپنی ذات کو کس طرح دبایا! اپنی قوم کو کس طرح بڑھایا، چمکایا! اپنی ملت کی فلاح کو کس طرح مقدم رکھا! ایسے ایسے فرد جس قوم میں پڑے ہوں، حیرت کیوں کیجیے، کہ وہ ترقی کر رہی ہے، اقبالمندی سے بہرہ ور ہو رہی ہے؟ اور جو قوم ایسے ایسے افراد کے وجود سے خالی ہو، حیرت کیوں کیجیے، کہ دنیا کے ہر معرکہ میں ہار رہی ہے، پٹ رہی ہے، اور تنزل و ادبار کے غار میں گرتی جا رہی ہے!

نئی دنیا کا آمد و خرچ

نیویارک (امریکہ) میں ایک سٹرک ایسی ہے، جہاں دس دس ہزار پونڈ (دو دو لاکھ روپیہ ماہانہ) سالانہ آمدنی رکھنے والوں کا

شمار غریبوں مفلسوں میں ہوتا ہے!

اسی سڑک پر کوئی چار ہزار گھر گھرانے ایسے ہیں جنکے مجموعی مصارف ۵ کروڑ ۶۰ لاکھ پونڈ تک پہونچتے ہیں!

اس اجمال کی چند تفصیلی مدیں ملاحظہ ہوں:-

۲½ ہزار پونڈ	روزانہ	پھولوں پر -
۴۵ ہزار پونڈ	روزانہ	زنانہ پوشاک پر- (سموری لباس کے علاوہ)
۳۲ لاکھ پونڈ	سالانہ	نئی نئی وضع کی ٹوپیوں پر
۸ لاکھ پونڈ	سالانہ	حسن افزا دواؤں اور سامان پر
۱۰ لاکھ پونڈ	سالانہ	تھیٹر وغیرہ کھیل تماشہ پر
۳۰ لاکھ پونڈ	سالانہ	شراب پر -
۳۰ لاکھ پونڈ	سالانہ	سیر و سفر پر -

سی، ای، ام، جوڈ (C. E. M. Joad) وقت کے مشہور برطانوی مفکرین اعداد و معلومات بالا انہیں کی تازہ کتاب دیو جانس Diogenes or the Future of Leisure ص۵۱ سے ماخوذ ہیں — آپ کہینگے کہ خانوں اور خاندانوں نے اسراف کے رستے کیسے کیسے نکالے ہیں! لیکن اسے بھی تو پیش نظر رکھیے کہ آمدنی کے ذریعہ کون سے صاف، طاہر، حلال اور پاک تھے! جو مال ٹھیک حرام کے راستوں سے آئے، اسکی نکاسی بھی بجز حرام کے دروازوں سے اور کدھر سے ہو سکتی ہے!

مذہب کی ناگزیری

برطانوی مفکر سی، ای، جوڈ اور انکی تازہ تازہ کتاب کا ذکر ابھی اوپر کے نوٹ میں آچکا ہے۔ اس کتاب میں ذرا آگے بڑھ کر کہتے ہیں:-

"..... اس پر حیرت نہ کرنا چاہیے کہ حصول مسرت کے یہ طریقے پوری طرح کامیاب نہیں ہوتے۔ نوع انسانی بہ حیثیت مجموعی ابھی ارتقاء کی اس منزل پر پہونچی بھی نہیں ہے کہ بالکل اپنی ذمہ داری پر خیال اور عمل کرکے مصیبت میں پڑنے سے بچی رہے"
(ص۸۱)

برطانوی مفکر جس حقیقت کا اظہار ان لفظوں میں کر رہا ہے، مذہب نے اسکو اپنی زبان میں یوں ادا کیا ہے: ما اوتیتم من العلم الا قلیلا۔ انسان کا علم ہی کتنا؟ وہ بیچارہ اس قابل ہے کہاں کہ اپنا فلسفۂ حیات اپنا نظام زندگی آپ مرتب کر سکے؟ جب کبھی کریگا، قدم قدم پر ٹھوکریں کھائیگا، ایک فساد کو روکیگا، دس فساد اور کھڑے ہو جائینگے۔ امن و فلاح کی راہ صرف یہ ہے کہ جہاں تک قوانین، شرائع اور کلی ضابطوں کا تعلق ہے، اپنے کو تمامتر وحی الٰہی کے، "عقل بہتر" کے سپرد کر دے!

عورت کے نادان دوست

تعدد ازدواج ایک اہم قومی مسئلہ ہے جسکے رواج کے متعلق مسلمانوں کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے۔ چالیس سال قبل مصر میں بھی عورتوں کے حقوق اور ناموس کے متعلق ایسی صورت حال پیدا ہو گئی تھی۔ تجدد نوازی اور قدامت پسندی میں تصادم نے ایک خطرناک صورت اختیار کر لی تھی۔ خوش قسمتی سے مصر میں ایک روشن خیال عالم علامہ قاسم امین نے اس مسئلہ کو قومی نقطۂ نگاہ سے دیکھا، اور اپنی زندگی عورتوں کے حقوق کی حمایت میں صرف کرکے مصری قوم کو ایک خطرۂ عظیم سے بچا لیا۔ آج ہم علامہ قاسم امین کی رسالہ تعدد ازدواج کے متعلق اس اشاعت میں درج کرتے ہیں" (سرگزشت، علیگڈھ ۱۰ جون ۱۹۵۳ء)

لیکن یہ "ایک اہم قومی مسئلہ" جسکے رواج کے متعلق مسلمانوں کو سنجیدگی کے ساتھ غور کرنا چاہیے" تنہا تعدد ازدواج ہی کیوں؟ قربانی، غلامی، معجزات انبیاء، مرد کی حاکمیت، تقسیم ترکہ، جہاد، طلاق، حجاب، وغیرہ غرض وہ تو بہت سے اسلامی مسئلے ہیں جن پر "صاحب" نے ہندوستان میں قدم رکھتے ہی مضحکہ کیا تھا، وہ سبھی تو "سنجیدگی کے ساتھ قابل غور" ہو گئے ہیں! اور انکی تعداد یقیناً ایک یا دو نہیں، فہرست خاصی طویل ہے!

اور ان پر "نظر ثانی" کی تاریخ کا آغاز چالیس! پینتالیس! پچاس سال قبل کیوں تعیین کے ساتھ کیجیے، صاف لفظوں میں یہ بھی کیوں نہ فرما دیجیے کہ بس اُسی دن سے، جب سے مشرق کی روح اور عقل و فراست پر مغرب کا قبضہ ہوا!

جان سپرد ڈاکٹر، مال سپرد آنجناب
عقل سپرد ماسٹر، روح سپرد وارڈن!

"خوش قسمتی سے مصر کے ایک روشن خیال عالم علامہ قاسم امین نے اس مسئلہ کو قومی نقطۂ نگاہ سے دیکھا" - یہ مصر کے "روشن خیال" عالم "علامہ" کس فن میں ماہر تھے؟ فقہ میں، حدیث میں، علوم قرآنی میں؟ جانے دیجیے علوم اسلامیہ کو، علوم حاضرہ میں کس فن میں انھیں تبحر حاصل تھا؟ فلسفہ میں، منطق میں، سائنس کی کسی شاخ میں؟ انکی "علامیت" کی کل کائنات تو یہی انکا "روشن خیال" رسالہ "تحریر المرأۃ" جسکا اردو ترجمہ بھی علیگڈھ ہی سے ایک زمانہ میں شایع ہوا تھا؟ اور اُس رسالہ کے بھی پرزے پرزے کرکے مصر ہی کے دوسرے اور ان سے کہیں مشہور تر عالم فرید وجدی بک نے المرأۃ المسلمۃ میں رکھ دیئے تھے! یہ رسالہ بھی اردو میں مولانا ابوالکلام آزاد کے قلم کی وساطت سے، وکیل بک ایجنسی (امرتسر) کے ذریعہ سے منتقل ہو چکا ہے —— اگر مسئلہ پر حکم (authority) کی حیثیت ہر مصری "روشن خیال" اہل قلم رکھ سکتا ہے، تو آخر یہ رسے ہی نہ "روشن خیالوں" نے کیا قصور کیا ہے؟ اور فضیلۂ ناطق صادر کرنے کے لیے ہماری زبان کے ایک مرحوم ادیب سید سجاد حیدر یلدرم کیا بُرے ہیں؟

غلط بحث

صدق کے ایک پچھلے شذرہ کے جواب میں:-
"اس نے نکاح کیا، یا اُس نے طلاق دی، یا ایک کو اس نے

بحث نہ مردکار“ یہ نظریہ اگر صحیح مان لیا جائے تو ہم معزز ایڈیٹر صدق سے دریافت کرتے ہیں کہ ڈاکٹر خان صاحب کی صاحبزادی کی شادی کو آپ نے کیوں اس قابل سمجھا کہ اپنے اخبار صدق کی ۵ء- مئی کی اشاعت میں اسکے متعلق اس شدت کے ساتھ رائے ظاہر کی گئی، اور ”خان زادی“ کے ارتداد کو تشہیر دی گئی- بظاہر اسکی وجہ یہ ہے کہ جب کوئی شخص ڈاکٹر خان کی طرح پبلک ناقف میں ممتاز درجہ رکھتا ہو ضرور پڑتا ہے- اور پبلک کو یہ حق حاصل ہے کہ اُسکے کردار کے ساتھ دلچسپی کا اظہار کرے- بجنسہ یہی حالت یونیورسٹی کے ایک ”... (سرگزشت- علیگڈھ ۹- جون ۳۶ء)

سوال معقول ہے- لیکن جواب جو فرض کرلیا گیا، وہ صحیح نہیں- اصل فرق اس شذرہ کے عنوان ہی سے ظاہر ہو رہا ہے، یعنی ”خان زادی کا ارتداد“ محض عملی فسق، خواہ کتنے ہی بڑے شخص سے صادر ہو رہا ہو، عام حالات میں ہرگز اس قابل نہیں ہوتا کہ اخبارات میں اُسکی اشاعت کی جائے یا زبانوں پر اُسکے چرچے خواہ مخواہ لائے جائیں ---- ہم میں کون ہے جو عملی فسق کی کسی نہ کسی صورت کا اپنی اپنی جگہ مرتکب نہیں ہوتا رہتا؟ ---- شریعت وعقل دونوں کی ہدایت ایسے موقعوں پر پردہ داری کی نہیں پردہ داری کی ہے- لیکن جہاں گناہ محض گناہ نہ ہو، کسی عملی کمزوری کا نتیجہ نہ ہو، بلکہ اعتقادی گمراہی ہو، قانون اسلام سے غفلت نہیں بلکہ بغاوت کا اعلان ہو، اور ناموس اسلام خطرہ میں پڑ رہی ہو، اور اس کے باعث دین وشریعت میں رخنہ پڑ رہا ہو، وہاں خاموشی گناہ ہو جاتی ہے- خان زادی کا جرم، ڈاکٹر خان کی اعانت وشرکت کے ساتھ، اسی آخری قسم کا تھا- گویا وہ محض عنداللہ نہ تھا، جرم ملت اسلامیہ کے خلاف بھی تھا- ایسے موقع پر ہر غیرتمند فرزند ودختر اسلام کی غیرت کا حرکت میں آنا لازم تھا- علیگڈھ کا واقعہ اس سے کوئی مناسبت ہی نہیں رکھتا، کوئی جرم سرے سے تھا ہی نہیں، نہ شریعت کے خلاف نہ ملت کے خلاف- میاں ایک مرد نے وہ عمل کیا، جو اصلاً اُسکے لیے بالکل جائز تھا- اگر اجازت سے فائدہ ناجائز اُٹھایا گیا، تو صرف میاں بیوی کے آپس کا معاملہ تھا- ایک شریف گھرانے کے اندر کا بالکل خانگی معاملہ تھا-

اس میں پبلک کا دخل دینا ایسی ہی بدذوقی اور بے غیرتی ہے جیسے کوئی میاں بیوی کی خلوت کو جھانکنا شروع کردے یا کم از کم یہ کہ گویا بزعم خود Social Worker کا پارٹ ادا کرنے لگے!

”بے وفا اور ناشکرگزار“

”... ایک لڑکی کے ساتھ نکاح کرلیتے ہیں- اور پہلی بیوی کی طرف سے منہ موڑ لیتے ہیں- بیوفا اور ناشکرگزار، شوہر کی اس ناانصافی سے قدیم رفیق کی جیا کا دامن صبر ہاتھ سے چھوٹ جاتا ہے- .... کیا یہ عورت کی تحقیر نہیں کہ خود شوہر اپنی زوجہ کے واقعی یا مصنوعی مراق کی شکایات لوگوں میں کرتا پھرے- اور اگر زوجہ اپنے بے وفا شوہر کے عقد ثانی کرنے پر دلی جذبات کا اظہار ایک نظم کی صورت میں کرے، تو اُسے قابل اعتراض سمجھا جائے“

سرگزشت نے اپنے ایک لمبے چوڑے اڈیٹوریل میں کہانی اگویا کل تک تو محض ایک رپورٹ پولیس میں درج ہوئی تھی- آج محض اس استغاثہ کی بنا پر، بغیر فریق ثانی کا بیان لیے، بغیر فریقین کی گواہیاں گزرے، بغیر بیانات پر جرح ہوئے، فیصلہ ناطق بھی یکطرفہ صادر ہوگیا! ”عورت کی تحقیر“ کی وسیع وہمہ گیر دفعہ کے ماتحت ”شوہر بے وفا“ اور ”ناشکرگزار“ اور ”ناانصاف“ سب کچھ قرار پاگیا! ---- تجدد کی معدلت گاہ میں انصاف کے یہی معنی ہیں!

تاریخ سے بے نیازی

ایک مصری ”علامہ“ کے مضمون کا ترجمہ سرگزشت میں:-

”جو قوم تعدد زوجات کی عام طور پر خوگر ہے، اس میں بھی ہم دیکھتے ہیں کہ جب کوئی شخص بہ لحاظ اپنی کمال عقل کے اس درجہ پر پہونچ جاتا ہے کہ وہ اپنے اہل وعیال واولاد میں اپنی عورت کے مرتبہ کو سمجھنے لگتا ہے اور اس بات کو معلوم کرلیتا ہے کہ شریعت اور فطرت کے مطابق جس مرتبہ کی وہ مستحق ہے اُس پر پہونچانا اُسکا ایک اہم حق ہے، تو وہ صرف ایک ہی زوجہ پر اکتفا کرتا ہے“

”ہم دیکھتے ہیں“ کا دعویٰ کرگزرنے والے نے یہ گرہ نہیں کھولی کہ یہ اجرا کہاں اور کب پیش آیا ہے؟ تاریخ کے کس دور میں یہ ہو رہا ہے؟ دنیا کے کس خطہ میں یہ صورت پیش آئی ہے؟ کیا ہزاروں سال قبل کے ہندوستان میں جب رامچندرجی کے والد راجہ دسرتھ ایک وقت میں تین تین رانیاں رکھتے تھے؟ جب یدھشٹر کے والد راجہ پانڈو ایک سے زائد رانیوں کے شوہر تھے؟ جب کرشن جی کی گوپیاں ایک دو کی نہیں بہت بڑی تعداد میں ہوتی تھیں؟ کیا چار ہزار سال قبل کے عراق میں، جہاں ابراہیم خلیل اللہ کے تین تین زوجات مبارکہ تھے؟ کیا ۳ ہزار سال قبل کے شام میں، جہاں یعقوب علیہ السلام تین تین بیویوں کے شوہر تھے؟ کیا ۳۵ سو سال قبل کے مصر میں جہاں موسیٰ علیہ السلام کی شریعت میں تعدد زوجات ممنوع نہیں، دلیل فضیلت تھی؟ کیا تین ہزار سال قبل کے فلسطین میں، جہاں داؤدؑ اور سلیمانؑ کے محلات مبارک کی تعداد صیغہ واحد میں یقیناً نہ تھی؟ کیا ساڑھے تیرہ سو سال قبل کے عرب میں، جہاں رسول اللہ صلعم کے ازواج مبارک کا تعدد آج تک فرنگیوں اور فرنگی زدوں کا ہدف ملامت بنا ہوا ہے؟ کیا ابوبکرؓ اور عمرؓ اور عثمانؓ اور علیؓ اور حسنؓ کا طرزعمل تائید میں پیش کیا جا سکتا ہے؟ ---- تجدد نام ہی شاید عقل ونقل، شریعت وتاریخ سے بے نیازی کا ہے!

مسیحیت کی ناکامی

”مسیحیت کی تاریخ پر نظر کرجایئے، دو ہزار سال سے، ایک لاکھ گرجا کے منبروں سے، دس لاکھ وعظ یہی ہوتے چلے آرہے ہیں کہ انسان پر لازم ہے کہ خاکساری

فروتنی، شفقت، بے غرضی اختیار کرے۔ طلب متاعِ دنیوی کی نہیں، آسمانی چیزوں کی کرے، بدی کا بدلہ بدی سے نہیں نیکی سے دے، اپنے ہمسایہ کا خیال اپنے نفس سے زیادہ رکھے، خدا کے حقوق مخلوق کے حقوق سے برتر رکھے۔ لیکن اس وعظ و تلقین کا نتیجہ؟ دو ہزار سال کے اس وعظ و نصیحت کے بعد بھی جدید لندن، بلکہ جدید نیویارک تک کی آبادی اخلاقی حیثیت سے بس اسی منزل پر ہے جہاں قدیم ایتھنز کی آبادی تھی! بعض جزئیات کے اعتبار سے بہتر ہی، لیکن دوسرے جزئیات کے لحاظ سے بدتر"۔ (سنڈے ٹائمز، ۲۳ مئی ۱۹۴۳ء)

برطانوی سفیر، پروفیسر سی، ای، ایم، جوڈ نے حال میں امریکہ سے اپنے ایک نشریہ میں کہا —— آفریں ہے دینِ مسیحی کے مبلغوں کو۔ اپنے گھر کا یہ حال سیاں صدیوں سے مشاہدہ کرتے چلے آرہے ہیں، اور اس پر بھی ہمت ہے ہندوستان اور مشرق کو اپنے دین میں لانے کی!

تو برونِ در چہ کردی کہ درونِ خانہ آئی؟

جنگ اور موسم

اخبارات میں یہ خبر گشت کر رہی ہے کہ ڈیوک آف گلوسٹر اس وقت ہندوستان میں وارد ہیں۔ بادشاہ سلامت جارج ششم کے حقیقی بھائی ہیں۔ آنجہانی جارج پنجم کے بیٹے۔ یہ جون کا مہینہ ہے، گرمیوں کے شباب کا زمانہ، اور ابکی گرمی پڑ بھی معمول سے کچھ زائد ہی۔ انھیں انگلستان چھوڑے ہوئے ہفتوں ہو چکے۔ افریقہ کا صحرائے لیبیا اس وقت کرۂ جہنم بنا ہوا ہے۔ وہاں انھوں نے کئی روز کا زمانہ صرف کیا۔ عراق کی تپتی ہوئی سرزمین اسی موسم میں انھوں نے گزاری۔ اور اب دلی، کراچی وغیرہ کی تمتاتی ہوئی زمین اسی بادِ سموم میں طے کر رہے ہیں۔

زیادہ دنوں کی نہیں، ابھی پچھلے ہی سال کی بات ہے کہ وائسرائے جاڑے گرمیوں کا زمانہ دہلی میں بسر فرما چکے۔ شملہ کی کوہستانی چوٹیوں پر تشریف لے گئے۔ ہندوستان ہی کی کمائی کا ہزارہا ہزار روپیہ صرف کرکے اور تنہا وائسرائے نے تھوڑے ہی اس تکلف کو روا رکھا، وزیرِ قانون، وزیرِ فوج، وزیرِ مال، اور سارے دوسرے وزراء باج اپنے اپنے محکمہ کے سکرٹریوں، اُنکے نائبوں، اُنکے مددگاروں کے، دفتر کا عملہ بیسیوں کی نہیں، سیکڑوں کی تعداد میں! اور اُن میں انگریز ہی نہیں، بکثرت ہندوستانی بھی! اور تنہا دلی ہی کیوں؟ اُن بڑے لاٹ صاحب کی طرح لکھنؤ کے چھوٹے لاٹ صاحب بھی کیا اپنے سامنے "قدم رنجہ" کے کب گرمی کی تاب لا سکے تھے؟ اُن سے اگر شملہ نہیں، تو ان سے نینی تال کب چھوٹ سکا تھا؟ —— اُف، یہی جنگ کی گرماگرمی، جس نے صاحب کے احساسِ موسمی میں آگ لگا دی!

بعض قدیم مسائل

جدید روشنی میں

(۹)

(از عبدالماجد)

وللہ المشرق والمغرب۔ ارشاد ہوتا ہے کہ اللہ ہی کے ہیں مشرق اور مغرب۔ لیکن اللہ کے نہیں، تو اور کس کے ہوتے؟ اتنی کھلی ہوئی اور صاف حقیقت کو اتنی صراحت سے بیان کرنے کی کیا ضرورت تھی؟

ضرورت تھی۔ صاف اور کھلی ہوئی حقیقت تو یہ اب قرآن کے نزول کے بعد، اور قرآن کے ماننے والوں کو معلوم ہوئی ہے۔ اس سے پہلے یہ کھلی ہوئی حقیقت تھی ہی کب؟ مصری، ہندی، رومی، قوموں نے کہا کہ مشرق، سورج دیوتا کے طلوع کی جگہ ہے، اس لیے یہ جہت خود بھی مقدس ہے۔ رومیوں کی تقلید میں مسیحی بھی آفتاب پرستی کے دوسرے عنصروں کی طرح مشرق کے تقدس کے قائل ہوگئے۔ اور مشرق رخی Orientation وغیرہ مسئلے اپنے ہاں گڑھ لیے۔ وللہ المشرق والمغرب ان سب کے خلاف اعلانِ جہاد ہے۔ ارشاد ہوتا ہے کہ ان میں تقدس اور شانِ الوہیت ہوتا تو کیا، دوسروں کا حاجت روا ہونا تو الگ رہا، جہت مشرق و جہت مغرب خود اپنی جگہ پر بھی تو آزاد و مطلق العنان خود مختار نہیں۔ اللہ کے مخلوق ہیں، مغلوب ہیں، محکوم ہیں۔ اپنے وجود میں اُسکے محتاج، اپنی بقا میں اُسکے محتاج، اپنے قیام میں اُسی کے قاعدوں ضابطوں کے تابع! —— نام انھیں دو سمتوں کا صراحت کے ساتھ اس لیے لیا گیا کہ یہی دو سمتیں سب سے زیادہ شرک پرور رہی ہیں، مشرکانہ عقائد کی سب سے بڑی آماجگاہیں رہی ہیں؟

فاینما تولوا فثم وجہ اللہ۔ سوائے خدائے واحد کے پرستار اور شرک و شبہِ شرک سے بیزار، مسلمانو! کہیں یہ نہ سمجھ لینا کہ خدا بھی پابند ہے کسی سمت کا، مقید ہے کسی جہت کے ساتھ۔ تم جدھر بھی اپنا منہ کرو، نماز، دعا، عبادت کے لیے، بس خدا اُسی طرف ہے۔ وہ پاک ہے ہر سمت سے، منزہ ہے ہر جہت سے۔ اُسکی ذاتِ پاک کی تجلیات ہر طرف ہیں۔ سب کہیں ہیں۔ جدھر بھی رخ کرو، جلوہ اُسی کا پاؤگے۔ کون سی جہت، کونسا مکان، کونسا گوشہ اس سے خالی ہے؟——

یہ سب تردید ہو رہی ہے عقیدۂ تجسیم (Anthropomorphism) کی۔ وہی عقیدۂ تجسیم، جو جزوِ لاینفک رہا ہے نہ صرف وحشی قوموں کے مذہبوں کا، بلکہ جہاں تک پتہ چلتا ہے انگریزی میں لکھے ہوئے تذکرۃ الادیان سے، چینی مذہب کا، مصری مذہب کا، کلدانی مذہب کا، ہندی مذہب کا، یونانی مذہب کا، رومی مذہب کا، مسیحی مذہب کا، خصوصاً اسکی لاطینی شاخ کا، اور سب سے بڑھ کر حیرت یہ ہے کہ خود اسرائیلیوں کے بھی مذہبِ توحید کا!

آیت کے خاتمہ کے الفاظ ہیں ان اللہ واسع علیم - اللہ تو خود ہی انتہائی وسعت رکھنے والا ہے، ہر شے پر وسعت رکھنے والا ہے - ساری وسعتیں خود اسکے اندر سمائی ہوئی ہیں، وہ کس وسعت کے اندر سما سکتا ہے - ساری سمتوں، جہتوں کو تو وہ خود ہی احاطہ میں لیے ہوئے ہے، اسکا احاطہ کون سمت، کون جہت کر سکتی ہے، وہ کس طرح کسی جہت سے مقید، کسی سمت سے محدود ہو سکتا ہے - ساتھ ہی وہ انتہائی علم والا بھی ہے - کامل علم رکھنے والا ہے مخلوق کی ہر ضرورت کا، کائنات کی ہر مصلحت کا، وہ اپنے اس علم کامل کے لحاظ سے جس مکان کو چاہے قبلہ مقرر کر دے، جس عمارت کو چاہے مرکز توجہ ٹھہرا دے سارے عبادت گزاروں کا - اسی مرکزیت و یکسوئی کے تعین میں سوال ہی نہیں ہے کسی جہت کے تقدس کا، کسی سمت کے خدائی ہونے کا!

آیت ۱۱۵ ختم ہو گئی سورۂ بقرہ کی۔ سلسلہ وہی صفات خداوندی کا چل رہا ہے۔ آیت ۱۱۶ میں ارشاد ہوتا ہے: وقالوا اتخذ اللہ ولداً سبحنہ، لوگ کہتے ہیں کہ خدا نے بنا رکھا ہے ایک بیٹا - یہ کہنے والے اس قول کے قائل کون ہیں؟ ویسے معنی میں بہت سے اہل باطل مراد ہو سکتے ہیں، کہ خداوند تعالیٰ کی فرزندی کا عقیدہ بہت سی قوموں میں عام و مشترک ہے۔ لیکن خصوصی معنی میں مراد انھیں سے ہے جو اپنے کو مسیحی کہتے ہیں - وہ کہتے ہیں کہ خدا نے ایک بیٹا بنا لیا ہے۔ "خدا کے ایک بیٹا ہے" الفاظ قرآنی ہیں اتخذ اللہ ولداً، خدا نے بنا رکھا ہے ایک بیٹا ——— قرآن آخر خدا کا کلام ہے، غریب مفسر، غریب شارح، ہر ہر ارشاد، ہر ہر ترجیح کو کہاں تک اپنے فہم و ادراک کی گرفت میں لا سکتا ہے! ——— مسیحیوں کا عام عقیدہ جو اس باب میں ہے معلوم و معروف ہے - یعنی یہ ایک خدا ہے، اور ایک خدا کا بیٹا ہے - وہ بھی قدیم، یہ بھی قدیم، وہ بھی غیر مخلوق، یہ بھی غیر مخلوق، وہ بھی ازلی، یہ بھی ازلی، لیکن انھیں مشرک مسیحیوں کے اندر، گو نسبتہً ان سے محدود تر، ایک فرقہ قدیم و زبردست مسیحیوں کا ایسا بھی گزرا ہے، جو کہتے تھے، کہ عیسیٰ نہ اصلاً خدا نہ تھے، اپنی سرشت کے لحاظ سے انسان ہی تھے، جیسے ہم آپ ہیں۔ البتہ روح القدس کی روحانیت کا فیضان ان پر شروع سے تھا۔ اور اس کی شدت اس درجہ ہوئی کہ وہ ہمہ تن تقدس کے رنگ میں ڈوب گئے - اور خدا نے جب ان میں خدائی رنگ اس نوبت پر پایا تو انھیں اپنا بیٹا بنا لیا، اپنی خدائی میں شریک کر لیا، اپنی ابنیت سے مشرف کر دیا۔ انگریزی میں اصطلاحی نام اس عقیدہ کا Adoptionism ہے - اسکا ترجمہ "تبنیت" ہو سکتا ہے اور اس فرقے کو انگریزی میں Adoptianists کہتے ہیں - مسیحیت کی قدیم تاریخیں اس فرقہ کے تذکرہ سے لبریز ہیں، مسیحیت کی ابتدائی صدیوں میں اس فرقہ کا خاصہ زور تھا - حال میں جرمن محقق Harnack نے اپنی "تاریخ العقیدہ" History of Dogma میں تفصیل سے ذکر کیا ہے کہ ۱۸۵ء میں تھیوڈوٹس نامی شخص نے اس عقیدہ کو روم میں خاص طور پر چمکایا تھا - خود اس پر ۱۹۵ء میں حکم تکفیر لگ گیا۔ لیکن اسکے شاگرد آرٹیمن نے اس تعلیم کو جاری رکھا - اور مشرق میں بیرلس، بسطروی اور پولوس سموسطوی اسکے علمبردار ہو گئے - یہاں تک کہ بادی النظر میں بھی Arius اور نسطوریس Nestorius کے واسطے سے ظہور اسلام تک کا دم خم قائم رہا - اور آٹھویں صدی اور بارہویں صدی عیسوی میں پھر اسکا ابھار ہوا۔ بہرحال - شرک تثلیثی کی اور صورتوں سے نسبتہً یہ صورت خفی ہے - قرآن نے اشارہ اسی فرقہ کے عقائد کی جانب کیا۔ اور قرآن کی بلاغت معنوی کی داد دیجیے، کہ ایک لفظ اتخاذ ولد لا کر تاریخ مسیحیت کے کتنے اہم و وسیع باب کو اپنے اندر سمیٹ لیا!

سبحنہ۔ یعنی سبحان، خدائے پاک ہے اس قسم کی مادی قرابتوں، رشتہ داریوں سے - اسے ایک طرف خدا بھی کہے جاتے ہو، اسکی قدرت کا کلمہ پڑھتے ہو اور پھر محتاج سمجھتے ہو - کہ اسکا کردہ دنیا کے لاولد لوگوں اور لاولدی کے نقصانات محسوس کرنے والے انسانوں کی طرح، کسی کو گود لیکر اپنی لاولدی کی تلافی کرے! یہ کیا لغو خیالی اور کیسی پریشان دماغی ہے۔ بل لہ ما فی السموات والارض۔ اسکا تو سب ہی کچھ ہے، اعلیٰ و ادنیٰ جو کچھ بھی آسمانوں اور زمین میں ہے - صحیح رشتہ اسکے اور اسکی مخلوقات کے درمیان ملک کا ہے - وہ مالک ہے، سب اسکے مملوک، جس سے جو چاہے، کام لے - اسے ضرورت کیا کسی کو اپنا بیٹا بنانے کی! ملک کا تعلق تو فرزندی و تبنیت کے تعلق سے کہیں زیادہ قوی ہے - آخر اسکے لیے ممکن ہی کونسا امر ہے کہ اسکے پورا کرنے کے لیے کسی کو متبنّیٰ بنانے کی حاجت پیش آئے!

کل لہ قانتون - سب اسکے آگے گردن جھکائے ہوئے ہیں۔ بڑے سے بڑے گردن کش بھی اطاعت اضطراری طبعی پر مجبور - احکام شریعت نہ سہی، قوانین تکوینی کی فرماں برداری سے تو کسی کو بھی چارہ نہیں۔ بدیع السموات والارض اور یہ شاندار آسمان اور لق و دق زمین - کہ بیسیوں قوموں کی پیشانیاں انھیں کے آگے جھک گئیں، یہ دیوتا، یہ دیویاں ہیں نہ دیوتا - نہ صاحب اختیار، نہ صاحب تصرف - یہ تو خود مخلوق، مجبور، بے کس و بے اختیار ہیں - اللہ موجد ہے ان سب کا - لفظ 'بدیع' خیال میں رہے - وہ انھیں نیست سے ہست کرنے والا ہے - عدم محض سے وجود میں لانے والا ہے - بغیر کسی آلہ کی مدد کے، بغیر کسی سابق الوجود مادہ کے، بغیر کسی سابق الوجود نمونے کے! وہ محض صانع یا کاریگر نہیں کہ ایک نمونہ کو دیکھ کر اسکی نقل اصل سے ملا دی۔ کوئی مادہ پہلے سے موجود تھا، اسے اپنی ترتیب اور ترکیب سے ایک خاص صورت دیدی ہے! ——— اس ایک لفظ میں رد آ گیا ان سارے مشرکانہ مذہبوں کا، جو خدا کو محض ایک صناع یا کاریگر کا درجہ دیتی ہیں - اور تردید ہو گئی ان سارے منکر فلسفیوں کی جو ایک طرف خدا کو خدا بھی مانے جاتے ہیں اور دوسری طرف اسکے ساتھ ساتھ روح کو قدیم اور مادہ کو غیر حادث قرار دیے جاتے ہیں! قرآن کے اس قسم کے چھوٹے چھوٹے فقروں، سطروں، لفظوں کی پوری قدر جبھی ہوتی ہے، جب دنیا کی باطل پرستیوں کی مثالیں اور نمونے تفصیل کے ساتھ نظر کے سامنے ہوں!

ہماری شاعری

دہلی کے مشہور ماہنامہ رسالہ "عصمت" میں ایک بی اے خاتون کے قلم سے

ہندوستانی معاشرت کا تقاضہ تو یہ تھا کہ یہاں کی عورتیں الفت و محبت کی پتلا ہوں نہ دغا و فریب بھی کبھی غیر کی جانب نظر اٹھاتیں مگر خدا معلوم کورانہ تقلید مغرب کا نتیجہ خیال فرمائیے یا ہندوستانی ذہنیت کا خمیازہ کہیے ہندوستانی خواتین پر تعلیم کا اثر بجائے خوشگوار پڑا۔ انھوں نے جہاں برقع اور پردہ کو بالائے طاق رکھا، وہاں حیا اور شرم کو بھی دور سے سلام کیا اور "لیڈیز فرسٹ" کا نعرہ لگاتی ہوئی یہ خواتین جب حرم سرا سے باہر تشریف لائیں تو مردوں کے بھی کان کاٹ لیے۔ کانگریس کا پلیٹ فارم، موسیقی کا نفرنسیں، تھیاسوفیکل سوسائٹی کے اجلاس، اسٹیج اور فلم کے پردے، پرائیویٹ ڈرامے اور ایٹ ہوم، غرض کوئی چیز ان سے محفوظ نہ رہ سکی۔ شوہر صاحب بیچارے اپنی اقتصادی اور معاشرتی حالت کا اندازہ لیے بیٹھے رہے، بیوی صاحبہ آزادی کے نعرے لگاتے دکھائی دیں۔ نتیجہ یہی ہوا جو اب تک مردوں کا ہوا تھا کہ ایک دوسرے مرد کا میدان بھی پیدا ہوگیا۔ جہاں تک ادب کا تعلق تھا وہاں بھی عورتیں کسی سے پیچھے نہ رہیں۔ یہاں تک غزل گوئی کی اور اس شان سے کہ اشعار پڑھ کر کہنا پڑتا ہے کہ جب سچائی اور حسن مل جاتے ہیں تو شیریں جام ہے مگر اردو شاعری کا پورا آدم ہی نرالا ہے۔ یہاں کے شعرا نے بھی سچائی اور اظہار و تعدی کی طرف رخ ہی نہ دیا۔ بلکہ غلو اور جھوٹ کو بھی ایک صنف قرار دے کر خوبیوں میں داخل کرلیا۔ اور اسکے بعد وہ جھوٹ بولا کہ توبہ ہی بھلی۔ اسی کا اثر خواتین پر بھی پڑا۔ اور انکی بھی شاعری تمام تر جھوٹ بن کر رہ گئی۔ مثلاً

شراب:۔ ہماری ہر شاعرہ کے لیے شرابی ہونا ضروری ہے خواہ اس نے عمر بھر شراب کی شکل بھی نہ دیکھی ہو، مگر وہ ہمیشہ اور دن رات گلابی منہ سے لگائے رہنے کی دعویٰ رہیگی۔ اسکو اپنے دوست کی آنکھیں شراب کے دو جام نظر آئیں گے۔ اور ناصح اور محتسب کو گالیاں دینا اسکا فرض عین ہوگا۔

دیوانگی:۔ شراب کی طرح دیوانہ ہونا بھی اردو شاعری کے لیے ضروری ہے۔ جب تک وہ مجنوں اور فرہاد کو زک نہ دیدے اس وقت تک وہ شاعرہ کہلانے کی مستحق نہیں۔ چنانچہ وہ دوست کی تلاش میں جنگل جنگل ماری ماری پھرتی ہے، کانٹے اسکے دامن میں الجھے ہیں، پیروں میں آبلے پڑ جاتے ہیں، مگر اس پر بھی سودا بڑھتا ہے لوگ اسکو قید خانے میں ہتھکڑی اور بیڑی ڈال کر باندھ دیتے ہیں اور وہ دیواروں سے سر ٹکراتی ہے۔ اس کے کپڑے تار تار ہو جاتے ہیں، وہ جیب و گریباں (جسکے صحیح معنی بھی ہماری بہت سی شاعرات نہیں جانتیں) اسے ہمیشہ الجھتی رہتی ہے۔ اسکی آنکھوں سے جیحون جاری ہو جاتے ہیں، جب وہ وحشت میں نعرہ لگاتی ہے تو اسکی آہ سے اتنا دھواں نکلتا ہے کہ بادل بنجاتا ہے اور فلک پر اسکی آہ کی سوزش سے آگ لگ جاتی ہے۔ مجنوں اور فرہاد اسکے شاگرد ہوتے ہیں۔

چڑیا باری:۔ شاعری بغیر چڑیا باری اختیار کیے آ ہی نہیں سکتی۔ عورت اور مرد دونوں اپنے کو چڑیا خیال کرتے ہیں۔ صیاد انکا گھونسلا پھونک دیتا ہے۔ بجلی بار بار اسی شاخ کو جلا دیتی ہے جہاں انکا گھونسلا ہوتا ہے، کبھی چڑیا پکڑ بھی لیجاتا ہے اور پنجرے میں بند کردیتا ہے پھر وہ پر نوچ کر آزاد کردیتا ہے اور چڑیا شاعر یا شاعرہ اپاہج بن کر لوٹ آتی ہے۔ اسی پنجرہ میں اپنا لہو پیتی اور جگر کھاتی ہے۔

قصائی:۔ شاعر کی طرح شاعرہ کا دوست بھی قصائی ہوتا ہے جو اپنے ہر دوست کو قتل کرکے اسکے دل و جگر اپنے تلواروں سے کاٹتا ہے۔ سیکڑوں نذر اور رہادر اسکی نگاہوں کے تیروں سے جہنم رسید ہو جاتے ہیں اور ان کے لہو سے ہولی کھیلی جاتی ہے۔

گورکنی:۔ شاعری کی ضروریات میں "ناہر مرگھٹ" ہونا بھی ضروری ہے۔ جب تک ساری شاعرہ دو چار دفعہ زندہ گاڑ دی جاتی اور برباد کی لاش نہ تھوڑی سی کسر پاکر اصلی لاش قبر سے نکال کر گھوڑے پر چیل کوؤں کی غذا کے لیے ڈال دی جاتی جب تک مکمل امتحان نہیں ہوتی مرگھٹ پر وہ بھوت بن کر گھوم سکتی ہے۔ باتیں کرتی ہے، راہگیروں کو بلاکر درد دل بیان کرتی ہے۔ اسکے بعد جب اسکا دوست ادھر سے گزرتا ہے تو وہ سرمہ بن کر اس کی آنکھوں میں سما جاتی ہے، کبھی گرد بن کر اسکے دامن سے لپٹ جاتی ہے۔ وغیرہ

معیار حسن:۔ شاعر کی طرح اسکا دوست بھی ہرن جیسی آنکھیں رکھتا ہے۔ جس میں شراب ابلتی نظر آتی ہے۔ اسکے منہ کے بجائے "نقطۂ دہن" ہوتا ہے۔ اسکی انگلیاں لکھنؤ کی ککڑیاں ہوتی ہیں۔ اسکی چال ہاتھی کی طرح مست ہوتی ہے۔ اسکے ہر قدم پر سیکڑوں ہنگامے ہوتے چلتے ہیں۔ اسکے کمر نہیں ہوتی۔ اسکے بالوں کی لمبائی دو چار میل تو کیا بلکہ لا انتہائی ہوتی ہے، جو تارکول سے زیادہ سیاہ ہوتے ہیں جسم اتنا نازک اور خستہ ہوتا ہے کہ چھوتے ہی ٹوٹ جاتا ہے اور چاندنی پڑ جانے سے میلا ہو جاتا ہے

شمع و پروانہ:۔ ہماری شاعرہ کے یہاں اب بھی اٹھارویں صدی کی چیزیں رائج ہیں۔ اسکو گھر کی بجلی کا قمقمہ شمع نظر آتا ہے۔ جہاں سیکڑوں پتنگے سر کٹانے آتے ہیں۔ مگر وہ انکو حقارت سے دیکھتی ہے اور اپنی سیکڑوں جانیں آن واحد میں اسکے اشارۂ ابرو پر نچھاور کردیتے ہیں۔

محفل:۔ اسکے دوست کا گھر گویا میونسپلٹی کی کچہری یا شفاخانہ ہوتا ہے۔ جہاں سیکڑوں لاوارث موجود رہتے ہیں۔ اور وہ دن بھر بوالہوسوں اور لاوارثوں کی شکایتوں کے باعث بھری محفل میں "رسوائی" کے ساتھ نکالی جاتی ہے۔ کبھی اسکو جوتوں کے پاس جگہ ملتی ہے، کبھی دربان صاحب کی مار کھانا پڑتی ہے اور دنیا کی تمام ذلتیں صرف اسکے لیے

(باقی صفحہ پر)

تنقید مضمون حقوق الزوجین

(از مولوی حبیب احمد صاحب کیرانوی)

(۸)

اس طریقہ سے اُنھوں نے مرد کی حاکمیت کو خاک میں ملا دیا کیونکہ جس وقت مرد کو یہ معلوم ہوگا کہ عورت کے ہاتھ میں خلع کا بے پناہ حربہ ہے تو اب اُسکی یہ مجال نہ ہوگی کہ وہ اپنے کسی جائز اختیار کو کام میں لاسکے - ضرب اور ہجر بلکہ مضاجع ترک کرنا، وعظ و نصیحت پر بھی عمل نہ کر سکیگا، کیونکہ اُسے اندیشہ ہوگا کہ مبادا اُسے نصیحت بھی ناگوار ہو - اور وہ جاکر خلع کا دعوٰی کر دے - اس سبب سے حاکمیت مرد کے ہاتھ سے نکل کر عورت کے ہاتھ میں آ جائیگی اور خدمت کا حکم بالکل بدل جائیگا اور وہ حکمتیں جو اس حکم میں تھیں تمام کی تمام فوت ہو جائینگی - اور بحکم لن یفلح قوم ولوا امرھم امرأۃ تمام نظام خانگی درہم برہم ہو جائیگا اور اسکے بعد نظام اسلامی درہم برہم ہو جائیگا - اور چونکہ نظام حکومت مرد کے ہاتھ سے نکل کر عورت کے ہاتھ میں آ جائیگا اس لیے نہ مساوات قائم ہوگی اور نہ توازن حقوق قائم ہو سکے گا جسکے لیے یہ تمام کھیڑ قائم کیا جا رہا ہے - فرق اتنا ہوگا کہ پہلے نامساوات عقل اور انصاف کے مطابق تھی کیونکہ حکومت اُسکے ہاتھ میں تھی جو اسکا اہل اور اسکا مستحق تھا - اور اب حکومت اُسکے ہاتھ میں ہوگی جو نااہل اور غیر مستحق ہے - ایسی حالت میں کون کہہ سکتا ہے کہ خلع کا جو اختیار انھوں نے عورت کو دیا ہے وہ خدا و رسول کا حکم اور اسلامی قانون ہے - ہرگز نہیں - بلکہ یہ سراسر احمقانہ قانون ہے - اور خدا اور رسول اس سے بالکل بری ہیں - آپ کو اسکا انتظار ہوگا کہ وہ تحریفات کیا ہیں جو انھوں نے اس مسئلہ میں کی ہیں - اس لیے ہم اختصار کے ساتھ اسکو بیان کرتے ہیں - مودودی صاحب فرماتے ہیں قرآن مجید کی جس آیت میں خلع کا قانون بیان کیا گیا ہے اُسکو پھر پڑھیے فان خفتم ان لا یقیما حدود اللہ فلا جناح علیہما فیما افتدت بہ اس آیت میں زوجین کا ذکر تو غائب کے صیغے میں کیا گیا ہے، لہذا خفتم کے مخاطب وہ نہیں ہو سکتے اب لامحالہ یہ ماننا پڑیگا کہ اسکے مخاطب مسلمانوں کے اولی الامر ہیں۔

اور حکم الٰہی کا منشا یہ ہے کہ اگر خلع پر زوجین میں تراضی ہو تو اولی الامر کی طرف رجوع کیا جائے اھ سو یہ قرآن کی ایسی کھلی ہوئی تحریف ہے جسکو معمولی عربی داں بھی سمجھ سکتا ہے - کیونکہ اول تو اس آیت میں اسکی کوئی دلیل نہیں کہ خفتم کے مخاطب اولی الامر ہیں اور جو دلیل اُنھوں نے بیان کی ہے وہ سراسر لغو ہے - کیونکہ یہ مضمون اس طرح شروع ہوا ہے لا یحل لکم ان تاخذوا مما آتیتموھن شیئا الا ان یخافا ان لا یقیما حدود اللہ فان خفتم الخ اور لا یحل لکم میں بھی صیغہ خطاب ہے اور الا ان یخافا میں بھی صیغۂ غائب ہے - اور ظاہر ہے کہ لا یحل کے مخاطب ازواج ہی ہیں، نہ کہ اولی الامر، تو خفتم کے مخاطب بھی ازواج ہی ہونگے نہ کہ اولی الامر اور جس طرح الا ان یخافا کا غائب ہونا اسکا مقتضی نہیں کہ مخاطب ازواج نہ ہوں - اسی طرح فان خفتم میں الا ان یخافا کا غائب ہونا اس کو مقتضی نہ ہوگا کہ خفتم کے مخاطب ازواج نہ ہوں - پس واقعہ یہ ہے کہ دونوں جگہ مخاطب ازواج ہی ہیں، نہ کہ اولوا الامر - کیونکہ آیت بھی ایک ہی ہے اور سیاق بھی ایک ہی ہے - پھر کوئی وجہ نہیں کہ ایک جگہ ازواج کو مخاطب بنایا جائے اور دوسری جگہ اولی الامر کو لیکن اگر ہم اسکو بھی مان لیں تو اس سے یہ مضمون کسی طرح مفہوم نہیں ہوتا کہ اگر زوجین میں خلع پر تراضی نہ ہو سکے تو قاضی کے یہاں مقدمہ لیجایا جائے اور وہ خاوند کو خلع پر مجبور کرے - اور اگر وہ خلع نہ دے تو قاضی خود خلع دیدے - یہ صراحۃً قرآن کی تحریف ہے - اس سے زیادہ سے زیادہ اتنا ثابت ہو سکتا ہے کہ جس وقت خاوند اور بیوی باہمی رضامندی سے خلع کر لیں تو حکام اس میں مداخلت نہ کریں کیونکہ یہ صورت لا یحل لکم ان تاخذوا مما آتیتموھن شیئا سے مستثنٰی ہے جیسا کہ ہم پہلے بتلا چکے ہیں - لیکن جو مضمون مودودی صاحب نے اس سے ثابت کرنا چاہا ہے وہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا - اگر وہ مضمون اس سے ثابت ہو سکتا تو کیا تمام مجتہدین جاہل تھے کہ کوئی بھی اس سے یہ مطلب نہ سمجھا ہو جس سے تحقیقاً و تقلیداً دونوں طرح ثابت ہو گیا کہ مودودی صاحب کی سراسر تحریف ہے - یہ حالت تو قرآن کی تھی - اب ذرا احادیث کی حالت سنیے - اس بارے میں مودودی صاحب نے دو واقعے پیش کیے ہیں - ایک حبیبہ بنت ابی بن سلول کا، اور دوسرا حبیبہ بنت سہل کا - حبیبہ کے واقعہ میں تصریح ہے کہ وہ خلع کا دعوٰی لیکر نہ آئی تھیں بلکہ اُنکے شوہر نے ان کے نشوز کا دعوٰی کیا تھا - اسکی جوابدہی کے لیے حبیبہ کو طلب کیا گیا تھا - جب اُنھوں نے یہ عذر کیا کہ مجھے انکی صورت ناپسند ہے - تو اسکے خاوند نے خلع کی درخواست کی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جمیلہ سے پوچھا کہ تم خلع پر راضی ہو؟ اُنھوں نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی - اور دونوں کی رضامندی سے خلع ہو گیا - اس میں نہ عورت کی طرف سے خلع کا دعوٰی ہے نہ مرد کی طرف سے انکار، نہ قاضی کی طرف سے جبر اور نہ قاضی کی طرف سے تفریق جبری - پس یہ واقعہ کسی درجہ میں بھی مودودی صاحب کی تائید نہیں کرتا اگر مودودی صاحب اُس میں تحریف کرکے اُسکو اپنے موافق بنانا چاہتے ہیں اور جمیلہ کو مدعی خلع اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیصلہ کو قضائے قاضی اور تفریق کو جبری بتا رہے ہیں - ابن جریر میں ہے، کان ابن عباس یقول ان اول خلع کان فی الاسلام اخت عبداللہ بن ابی انہا اتت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم فقالت یا رسول اللہ لا یجمع راسی وراسہ شیء ابدا انی رفعت جانب الخباء ...... قال

ؔلہ مودودی صاحب نے اس روایت کا آخیر انی حصہ نقل کیا ہے اور آخری حصہ کو اپنے خلاف سمجھ کر چھوڑ دیا ہے - یہ ایک نمونہ ہے اُن کی دیانت داری کا -

زوجہا یا رسول اللہ انی اعطیتہا افضل مالی حدیقۃ فلتردہا علی حدیقتی فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ما تقولین قالت نعم وان شاء زدتہ ففرق بینہما

(ابن جریر - ج ثانی صفحہ) اس روایت میں صاف مذکور ہے کہ عورت خلع کی مدعی ہو کر نہیں آئی تھی - بلکہ خلع کی درخواست خود شوہر نے کی تھی - اسکے بعد آپ نے عورت سے پوچھا اُس نے بھی اپنی رضامندی دیدی - اسوقت خلع ہوا ہے - نیز ابن جریر ہی میں ہے - عن حبیبہ بنت سہل انہا کانت عند ثابت بن قیس فضربہا فاتت النبی صلی اللہ علیہ وسلم فقال یا حبیبہ اکرہت من ثابت الخ اس سے ثابت ہوا کہ وہ خود شکایت کرنے ہی نہ آئی تھیں بلکہ انکو شوہر کی جور و ستم کے لیے بلایا گیا تھا - ان واقعات کو پیش نظر رکھنے کے بعد ملاحظہ فرمایئے کہ مودودی صاحب نے کس طرح واقعہ کی صورت بدل کر بد ترین تحریف کا ارتکاب کیا ہے - پس ثابت ہوا کہ حبیبہ کے خلع کا واقعہ تو سراسر انکے خلاف ہے - اب رہا حبیبہ بنت سہل کا واقعہ - سو وہ بھی کسی طرح انکی تائید نہیں کرتا - کیونکہ اس میں کہیں یہ مذکور نہیں کہ وہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس خلع کا دعویٰ لیکر آئی تھیں - بلکہ اس میں صرف اتنا ہے کہ وہ اس ضرب شدید کی شکایت کرنے آئی تھیں جو ثابت کی طرف سے انکو پہونچی تھی - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خود اپنی طرف سے ثابت کو خلع کا مشورہ دیا - اور ثابت نے اسکو قبول کرلیا پس آپ کا یہ ایک مربیانہ مشورہ تھا - نہ کہ قضاے قاضی - مودودی صاحب نے اس میں یہ تحریف کی کہ عورت کو خلع کا مدعی بنایا اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے مربیانہ مشورہ کو قضاے قاضی بنایا - اس قسم کے مربیانہ مشوروں کی اور بھی نظیریں موجود ہیں لیکن مودودی صاحب یا تو اپنے جہل کی وجہ سے اُن سے واقف نہیں یا وہ اپنی غرض کی وجہ سے اُنکو قصداً چھپانا چاہتے ہیں - وہ نہیں جانتے کہ قضاے قاضی کے لیے دعوے پہلے شرط ہے جو کہ یہاں مفقود ہے - اس لیے یہ قضاے قاضی کسی طرح نہیں ہو سکتا - رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے احکام کی نوعیت مختلف ہوتی تھی - کبھی وہ محض مشورہ کی حیثیت رکھتے تھے اور کبھی صرف فتوے کی اور کبھی قضاے قاضی کی وغیرہ وغیرہ اور یہ سمجھنا کہ اس موقع پر اس حکم کی کیا نوعیت ہے یہ مجتہدین کا کام ہے اور ہر جاہل کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ اجتہاد کرکے اسکی نوعیت تجویز کرلے اور ظاہر ہے کہ کسی مجتہد نے اُنکو قضاے قاضی نہیں سمجھا تو یہ حضرت مودودی صاحب کا ایک من گھڑت اختراع ہوگا جو کسی درجے میں بھی قابل اقتداء نہیں ہوسکتا - اسکے بعد آپ نے حضرت عمرؓ اور حضرت عثمانؓ کے فیصلوں سے استدلال کیا ہے - لیکن اس میں بھی سراسر تحریف سے کام لیا ہے - چنانچہ حضرت عمرؓ کا واقعہ یہ ہے کہ ایک عورت کے خاوند نے اپنی بیوی کے نشوز کی شکایت کی - حضرت عمرؓ نے اُسکو پکڑوا بلوایا - اور اُسکو سمجھایا کہ وہ نشوز سے باز آجائے مگر وہ نشوز سے باز آنے پر راضی نہ ہوئی - حضرت عمرؓ نے اسکو دو دن کی سزا میں قید کردیا - مگر اس پر بھی وہ نشوز سے باز نہ آئی وتب حضرت عمرؓ نے خاوند کو مشورہ دیا کہ وہ اُس سے خلع کرلے - خاوند نے اسکو قبول کرلیا - کذا فی ابن جریر - سو اس واقعہ میں بھی نہ عورت خلع کی مدعی ہوکر آئی تھی - اور نہ حضرت عمرؓ کا حکم قضاے قاضی تھا - مگر مودودی صاحب نے زبردستی عورت کو مدعی اور حضرت عمرؓ کے مشورہ کو قضاے قاضی بنا دیا - جو کھلی ہوئی تحریف ہے - اسکے بعد حضرت عثمانؓ کے فیصلے کے بیان میں تو تحریف کی انتہا کردی - چنانچہ آپ فرماتے ہیں - ربیع بنت معوذ بن عفراء نے اپنے شوہر سے اپنی تمام املاک کے معاوضہ میں خلع کرنا چاہا - شوہر نہ مانا حضرت عثمانؓ کے پاس مقدمہ پیش ہوا - حضرت عثمانؓ نے اُسکو حکم دیا کہ اسکی چوٹی کا موباف تک لے لے اور اسکو خلع دیدے - (عبد الرزاق) حالانکہ یہ واقعہ جس شکل سے بیان کیا گیا ہے بالکل غلط ہے - ابن جریر میں خود عبد الرزاق ہی کی سند سے اس واقعہ کو یوں بیان کیا ہے کہ ربیع نے اپنے خاوند سے اپنی تمام املاک کے عوض میں خلع کرنا چاہا - خاوند نے منظور کرلیا - لیکن ربیع کے چچا نے اسے منظور نہ کیا اور حضرت عثمانؓ کے یہاں مقدمہ لے گئے - حضرت عثمانؓ نے خاوند اور بیوی کے باہمی فیصلے کو بحال رکھا اور اُنکے چچا کے دعوے کو خارج کردیا - اب آپ غور فرمائیں کہ یہ مودودی صاحب کی کس قدر عظیم الشان تحریف ہے - (باقی)

عہ مودودی صاحب نے اس روایت کو اپنے خلاف سمجھ کر بالکل چھوڑ دیا ہے - یہ دوسرا نمونہ ہے اُنکی دیانتداری کا -

سہ ابن ماجہ کی روایت میں حجاج ارطاۃ سی الحفظ ہے اس نے غلطی سے جمیلہ کے واقعہ کو حبیبہ کی طرف منسوب کردیا - مودودی صاحب کو اُن کی غلطی سے فائدہ اُٹھانے کا موقع مل گیا - اور اُنھوں نے فرماد یا کہ واقعہ یہ بھی ہے کہ اُنکو بھی ثابت کی بدصورتی کی شکایت تھی - حالانکہ یہ بالکل غلط ہے - اور صحیح یہی ہے کہ وہ ضرب شدید کی شکایت کرنے آئی تھیں - یہ تیسرا ثبوت ہے اُنکی دیانت کا -

---

(بقیہ صفحہ ۴۲)

رفت ہو جاتی ہیں -

لیلی مجنوں وغیرہ - وہ نہیر لیلی مجنوں - فرہاد اور شیریں وغیرہ کے نام لیے زندہ نہیں رہ سکتی - وہ اب بھی اسے جنگلوں میں لیجاتے ہیں اور ہماری شاعرہ انکو رازکی باتیں بتا دیتی ہے - حضرت موسیٰ اسکے نزدیک طفل مکتب ہوتے ہیں - وہ اب بھی اونٹ پر سفر کرتی ہے - سارنگی اب بھی اُسکو ملتی ہیں آوازیں اب بھی اسکے لیے مضراب کا کام کرتی ہیں وہ کاروان سے اکثر بچھڑ جاتی ہے اور چٹانوں سے سر ٹکرایا کرتی ہے - اُسکے پاس دل دجگر نہیں ہوتے - آنکھوں سے دریا جاری رہتے ہیں خون اور پیپ اس کی آستین کی زینت رہتے ہیں - لاحول ولا قوۃ - خدا خیر کرے - اُسکا دوست تو خیر مرد ہوتا ہے - مگر وہ تو مرد بنکر اظہار دوستی کرتی ہے وہ اپنے کو عورت کہتے ہوئے شرماتی ہے - وغیرہ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

صدق

ایڈیٹر - عبدالماجد

پتہ :- دریاباد - ضلع بارہ بنکی

نائب :- (حکیم، عبدالقوی)

مضامین کے بارے میں مراسلت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ و انتظامی امور کے لیے مراسلت اس پتہ پر ہو :-

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

آبادی بلیس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ

" ششماہی ہا

بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ
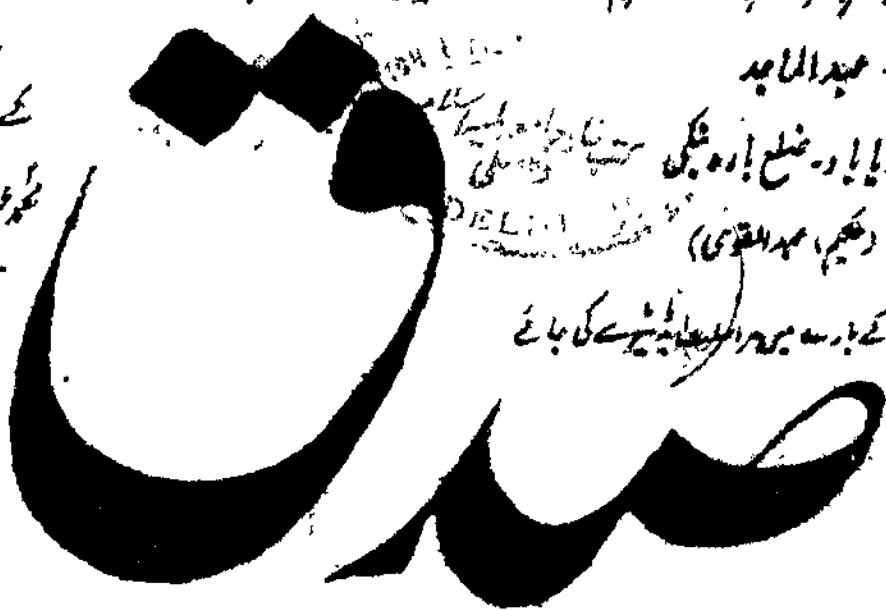
نمبر ۱۱ | دوشنبہ - ۲۸ - جمادی الثانی سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۳ - جولائی سنہ ۱۹۴۲ء | جلد ۸

سچی باتیں

ووصینا الانسان بوالدیہ حملتہ امہ وہنا علی وہن وفصالہ فی عامین ان اشکرلی ولوالدیک الی المصیر (لقمان - آیت ۱۴)

اور ہم نے انسان کو اسکے والدین کے حق میں (خدمت و اطاعت کی) تاکید کی، اسکی ماں نے ضعف پر ضعف اٹھا کر اسے (پیٹ میں) اٹھائے رکھا، اور دو برس میں اسکی دودھ بڑھائی ہوتی ہے - اور ہم نے حکم دیا کہ) میری اور اپنے والدین کی شکر گزاری کیا کر - میری ہی طرف سب کو لوٹ کر آنا ہے -

مقصود والدین یعنی باپ اور ماں دونوں کے مرتبہ کی اہمیت کا بیان ہے لیکن شان اہتمام کے ساتھ ذکر صرف ماں ہی کی منزلت کا ہو رہا ہے، کہ دیکھو تو وہ انسانیت کو جنم دینے کے لیے نو نو مہینے تک کیسے دکھ پر دکھ سہتی ہے، کیسے ضعف پر ضعف اٹھائے جاتی ہے، اور پھر دو دو برس تک رضاعت کی کیسی کیسی صبر آزما منزلوں سے ہو ہو کر گزرتی ہے! ---- عورت کی عزت یوں ہی نہیں رکھ دی گئی ہے - دنیا میں جتنے بھی قابل عزت انسان گزرے ہیں آخر سب اسی کے فرزند تو ہوئے ہیں، سب اسی کی کوکھ سے پیدا ہوئے ہیں، سب نے اسی کی چھاتیوں سے دودھ پیا ہے - ہر مرد کی گردن اسکے احسان سے جھکی ہوئی ہے!

اسلام نے عورت کی عزت کا حکم دیا ہے - جی ہاں، اسی دین فطرت نے جہاں بیوی کو شوہر کے زیر دست اور شوہر کو اسکا نگراں، اس پر حاکم، اس پر قوام بنایا ہے، وہاں عالم انسانیت کو ماں کے آگے جھکنے کا، اس کی مادریت کی عظمت کا حق ادا کرنے کو بھی بتایا ہے، اسکے قدموں کے نیچے جنت کی بشارت دی ہے - اسلام نے عورت کی عزت کے معنی یہ نہیں سمجھے ہیں کہ بازاروں میں اسے کھلے ہوئے چہرہ کے ساتھ، کھلے ہوئے بازوؤں کے ساتھ، کھلے ہوئے سینہ کے ساتھ پھرا یا جائے - کلبوں اور ہوٹلوں میں مرد کے ساتھ نچایا جائے - اس نے عورت کی عزت کے حق یہ لیے ہیں کہ مرد اسے اپنی زندگی کا لازمی جزو سمجھے، اپنی راحت و تسلی کا سرمایہ اسکی ذات سے حاصل کرے - اور

جو تو ہے تو ہی میں زدل

کا مصداق اسکو قرار دے --- قرآن کی آیت نے کھول دیا کہ عورت کو یہ مرتبہ آپ ہی آپ حاصل نہیں ہو گیا، انسانیت کی تخلیق و تربیت میں محنت بھی اسے کیسی شدید کرنی پڑتی ہے - اسے گھلا کیسا کیسا گھلانا، کیسا کیسا گھلانا پڑتا ہے - عضویات (فزیالوجی) یا اولیٰ رحمانیات کی کتابوں میں دوران حمل و رضاعت کی جو دردناک و مفصل تشریح لکھی رہتی ہے، یہ سب بجائے خود تفسیر ہے قرآن کے وہنا علی وہن وفصالہ فی عامین کی!

محمد علی مرحوم اپنا لطیفہ بیان کرتے تھے کہ ۱۹۱۳ء میں جب میں کانپور کے سلسلہ میں بھاگ کر لندن پہنچا، تو یہی وہ زمانہ تھا ولایت میں suffragist movement (عورتوں کی تحریک حریت و حقوق) کا، اخبار والوں نے مجھ سے بڑھ بڑھ کر پوچھنا شروع کیا کہ تمہاری کیا رائے ہے اس معاملہ میں؟ میں نے جواب دیا کہ بھلا میرا جیسا شخص کبھی بھی عورت کے حقوق کا مخالف ہو سکتا ہے؟ ایک نہیں آٹھ دلیلیں رکھتا ہوں، ان میں سے چار بڑی دلیلیں major reasons ہیں، اور چار چھوٹی دلیلیں minor reasons چار بڑی دلیلوں

کے نام سنیے، ایک ماں، دو بہنیں، ایک بیوی، چار پھوپھی زاد بہنیں، چار بیٹیاں تھے ـــــ مقصد مرحوم کے لطیفہ کا یہ تھا کہ جس مسلمان کو ان آٹھ عورتوں کے شرعی حقوق ادا کرنے ہوں، وہ حقوق اللہ کی طرف سے غافل ہو کیسے سکتا ہے؟ اور اگر کوئی اتنا خوش قسمت نہیں کہ آٹھوں یا ان سے کچھ کم و بیش والا ہو، جب بھی کم از کم ایک بڑی دلیل سے تو کوئی فرزند آدم آج تک محروم رہا ہی نہیں ہے، یعنی اپنی ماں کے وجود سے۔ اور وہی ایک دلیل مسلمان کے لیے بالکل کافی ہے!

کام کی رفتار

یہ سطریں عالمِ علالت میں لکھی جا رہی ہیں۔ ان سطور کی تحریر کے وقت تک ایک عشرہ بخار کو ہو چکا ہے۔ بعض دن اتنا شدید کہ ساری ساری رات تڑپ کر صبح ہوئی ہے۔ اس کا اثر قدرۃً کلام مجید کے کام پر بھی پڑا، اور اس ہفتہ اردو خدمتِ قرآن کا کام تا سترہ کا ہے ـــــ تاہم بحمد اللہ اس وقت تک ۸ - ۹ پاروں کا ابتدائی مسودہ ہو گیا۔

انگریزی کام کے سلسلہ میں مدت دراز کے بعد تاج کمپنی کا خط موصول ہوا کہ حاشیوں میں جو عربی الفاظ اور عبارتیں جا بجا آ گئے ہیں انھیں بعینہ عربی خط میں (نہ کہ رومن خط میں جیسا کہ مولوی محمد علی لاہوری کے ترجمہ میں ہے) رکھنے کے لیے ضرورت عربی ٹائپ کی تھی۔ جس کے لیے ان کو بمبئی وغیرہ کی ایک ایک دکان چھاننا پڑی۔ اور اسی میں چھپائی اب تک نہ شروع ہو پائی۔ اب الحمد للہ کہ ٹائپ مل گیا ہے، اب ان شاء اللہ پاروں کے چھپنے میں دیر نہ ہوگی۔ composing شروع ہو گیا ہے۔

یہ بھی اطلاع ہے، پشاور کالج سے ایک مخلص کے ہاں ہر مہینے باقاعدہ مقرر کی رقم وصول ہوتی رہتی اور قبول ہوتی رہتی ہے۔

"اب بحمد اللہ مریض کی طبیعت اچھی ہے"

شیطانی صنعتوں کو اطمینان

"لندن ـــــ اب یہ امر صاف ہو گیا ہے کہ اس ملک میں تھیٹروں کی طرح سینما کی فلمیں بھی منجملہ تفریحات کی دوسری صورتوں کے بڑی حد تک سرکاری مداخلت اور تخفیف کے اثر سے بچ جائیں گی۔ اور امریکہ میں پریسیڈنٹ روزولٹ نے تو اس کا پورا فلسفہ ہی بیان کر دیا، جبکہ انھوں نے اپنے بیان میں کہا کہ عام تفریحات کو زمانۂ جنگ میں بیشک ختم ہو کر رہنا چاہیے۔ لیکن فلموں کی صنعت تو ایک بہترین اور ضروری جزو ہے کوشش دماغ کا اور جنگ کا۔ جو طبائع پر پیدا ہو جاتا ہے اسے دور کرنے کی حیثیت سے اجلے کار جنگ کا بہترین ذریعہ ہے۔"

(سنڈے اسٹیٹسمین - ۲۸ - جون ۱۹۴۳ء)

چلیے، اب اطمینان ہو گیا۔ کپڑا جتنا بھی گراں ہوتا جائے، غلہ کی دوکانوں پر دوکانیں بند ہوتی جائیں، ہندوستان جیسے ملک میں گھی مٹی کا تیل وغیرہ کمیاب سے نایاب ہوتے چلے جائیں، کوئی سے بھی پیٹے تنتے رہیں، کوئی ہے جس کا رنا بے ٹوٹنے رہا، سینما اور تھیٹر تو آخر تک کوئی آنچ نہ آنے پائی! نہ امریکہ و انگلستان میں اور نہ پھر ہندوستان میں! ـــــ فسق کو یہ آزادی آج سے قبل کب میسر تھی؟ فسق نظامِ زندگی کا جزو اس سے قبل کب اس طرح بن چکا تھا!

دو منظر

لکھنؤ میں حال میں اہل سنت کے ایک مشہور و معروف عالم و عارف بزرگ مولانا عین القضاۃ حیدرآبادی ثم لکھنوی گزرے ہیں۔ ۱۹۲۵ء میں وفات پائی۔ اس سے قبل ۱۹۰۸ء وغیرہ میں سنیوں نے حفاظت خود اختیاری کی جو جو کارروائیاں کیں، مولانا بھی ان میں شریک و شامل رہے۔ کہنے کا مطلب یہ ہے کہ اُنکے مرتبۂ علم و عرفان کی طرح اُنکی سنیت بھی ہمیشہ نمایاں رہی۔ اُنکے ایک شاگرد عزیز تھے لکھنؤ کے مشہور خوشگو شاعر مرزا محمد ہادی عزیز! سُنی نہیں، شیعہ۔ (اعلوم میں شیعہ طلبہ سنی اساتذہ سے اور سنی طلبہ شیعہ اساتذہ سے اُسوقت تک مستفید ہوتے رہتے تھے) ـــــ اور آج کس کو یقین آئیگا کہ اس "مدحِ صحابہ" والے شہر میں اس متعدد اہل سنت کے لوح مزار پر قطعہ تاریخ اخلاص و عقیدت کی ترجمانی کر رہا ہے، وہ صد ہا عقیدتمند سنی شاعروں کے بجائے اُسی شیعہ شاعر کا ہے!

یہ تخیل دل کو اکثر مزہ دیتا رہتا۔ پچھلے ہفتہ ذیل کی تصریحات ایک مستند مقالہ میں نظر سے گزر کر روح کو تازہ کر گئیں:—

"اُس زمانہ [دوسری صدی ہجری کا وسط اول] میں رواج تھا کہ ہر بڑا عالم بیسیوں اساتذہ کے درس میں شریک رہتا، اور اُنکی تربیت سے فیضیاب ہوا کرتا ـــــ امام ابوحنیفہ کے نہایت گہرے دوستانہ تعلقات نہ صرف زیدیہ مذہب کے بانی امام زید بن علی بن زین العابدین سے تھے، بلکہ امامیہ مذہب کے بانی جعفر صادق اور انکے والد محمد باقر کے بھی کہتے ہیں وہ بہت دنوں تک شاگرد رہے۔" (ڈاکٹر حمید اللہ مدظلہ، اُستاد جامعہ عثمانیہ کا مقالہ "ابوحنیفہ کی تدوین قانون اسلامی")

نئی "تخویفِ مجرمانہ"

صدق کے بیانات پر پیام کے تبصرے یقینی ہے کہ سبق آموز ثابت ہوں یا صحافت کے روزمرہ میں "بصیرت افروز":—

"جرم اب بدکاری نہیں۔ فحش و بدکاری تو روز بروز پروان چڑھ رہی ہے" (صدق)

"کیا یہ مسلمان خواتین پر بہتان باندھا جا رہا ہے؟" (پیام)

"اور بدکاری بازار سے گزر کر گھر میں آگ لگاتی رہے" (صدق)

"کیا مولانا مسلمانوں کے گھروں کا ذکر فرما رہے ہیں؟" (پیام)

"بلکہ اب جرم مرد و عورت کے تعلق کی صرف عادلانہ رضامندی صورت کو قرار دیا جائے" (صدق)

"بیچارے مسلمانوں کو مولانا کا شکریہ ادا کرنا چاہیے کہ انھوں نے انکی زندگی کی کیا کیا تصویر اسعد رنگ قلم سے بنائی ہے!" (پیام)

گویا اگر شریعت نے تخویفِ عاکانہ کی صورت یہ قائم رکھی ہے، کہ جو مسلمان،

بھی اہل اسلام، مرد یا عورت، بدکاری میں مبتلا ہو، اُسے اتنا سنگسار کیا جائے کہ جسم میں جان باقی نہ رہ جائے، تو متجددین بھی اُسکے جواب میں "تعزیت مجرمانہ" قائم کر سکتے ہیں کہ جو کوئی بدبخت مسلمان بھائیوں بہنوں کے اندر، فسق عملی کے وجود کا ذکر نہ کرے، ذکر کرے تو ناظرین، اصلاح و علاج کی غرض سے خود اُسی کا حلقہ اس طرح بند کر دیا جائے کہ آئندہ کبھی پھر سے دکھ ہی کو زبان پر لانے کی ہمت نہ ہو! ——— مرض سے بچنے کا کتنا سستا اور کیسا دلچسپ ہے یہ نسخہ کہ مرض کے ازالہ کی تدبیروں کے بجائے، مرض کے وجود ہی سے انکار کر دیا جائے، اور جو طبیب بن کر آئے اُسی کو معہ اُن چیخ کے ساتھ کوٹنا شروع کر دیا جائے!

تحریک و تجدید

ترجمان القرآن جلد ۲۰ عدد ۲ یعنی تازہ نمبر میں:-

"اہل عقل کا کام یہ نہیں ہے کہ الفاظ و عبارات کو خوردبین لگا کر دیکھیں اور شبہات و اعتراضات کی گنجائش ڈھونڈیں، انہیں مدعا کو دیکھنا چاہیے اور مدعا اگر برحق ہو تو محض اس بنا پر کہ ایک حق بات کی مخالفت نہ کرنی چاہیے کہ اسے بیان کرنے کے لیے وہ طریقہ نہیں اختیار کیا گیا جو انکے مذاق کے مطابق ہوتا۔"

اسی عبارت کو یوں بھی لکھا جا سکتا تھا کہ

"اہل حق کا کام یہ نہیں کہ اپنی ایجاد کی ہوئی تعبیرات پر اصرار کیے جائیں، اپنے مخلص سے مخلص رفیقوں کی تنقیدوں سے بے پروا رہیں، اخلاص و صداقت کا اجارہ دار صرف اپنے ہی کو سمجھے رہیں، اور چونکہ انکی تحریک کے متعدد اجزا صحیح و صالح ہیں، اس لیے نتیجہ یہ نکال لیں کہ باقی سب اجزا بھی سالم و صالح ہی ہونگے۔ اور جو کوئی ان آخری اجزا کی تصحیح کا مشورہ دیتا ہے، وہ لازمی طور پر ہمارے مقصد کے چھلکے پر گفتگو کر رہا ہے!"

انشاے اشرفی

ملک کے مشہور فاضل مولانا سید سلیمان ندوی کی صاحبزادی کی شادی ابھی چند ماہ ہوئے مولوی محمد عیسیٰ صاحب الہ آبادی کے ایک مسترشد سے اُنھیں کے حسب مشورہ مہر فاطمی پر ہوئی۔ مولانا نے اسکی اطلاع اپنے اور اُنکے دونوں کے شیخ حضرت مولانا تھانوی کو دی۔ حضرت کا مذاق یہ ہے اور تحقیق بھی یہی کہ مہر فاطمی محض سنت ہے، بخلاف اسکے مہر مثل (دستور خاندانی کے مطابق) کی رعایت لڑکی کے دل کے ذمے فرض ہے۔ ان فقہی حقیقتوں کو دیکھیے، مولانا اپنے جواب میں کتنے بلیغ ادبی رنگ میں ادا فرماتے ہیں:-

"اس میں ایک جزو یعنی واقعہ مہر قابل تفصیل ضروری رہ گیا۔ اس رہ جانے کا سبب زہد عیسیٰ ہے، جسکو ملک سلیمان نے ایثار کر کے اپنے اوپر ترجیح دیدی۔ اس سے اس خاص محل میں رعیت سلیمان کا ایک حق کم ہوگیا۔ جسمیں رعیت کی رضا ہے

اعتراض بھی نہیں رہا، لیکن فی نفسہ کمی ہوگی"۔

یہ وہی مولانا سے تھانوی ہیں جو اپنی مولویانہ خشک نویسی کے لیے بدنام ہو گیا!

کتنا غلط یہ حرف بھی مشہور ہوگیا!

انشاے اشرفی پر کئی ماہ قبل شذرات ان صفحات میں نکل چکے ہیں۔ ضرورت ہے کہ کوئی صاحب تھوڑی سی محنت گوارا کر کے کام کی تکمیل کر دیں۔—

"غلامانہ ذہنیت"

"یہ شکست خوردگی و پسپائی ایک علامت ہے غلامانہ ذہنیت کی"۔ صوبۂ آسام کے گورنر نے شیلانگ میں اپنی ایک تازہ تقریر میں ارشاد فرمایا! ——— لیکن غلاموں سے خطاب کرتے وقت اس غلامانہ ذہنیت کے نشو ونما پر افسوس کی کیا بات ہے! لاٹ صاحب کو تو اور خوش ہونا چاہیے کہ انھیں کا اور انھیں کے ہم قوموں کا لگایا ہوا درخت اب خوب تناور ہو چکا ہے، اور خوب پھل پھول لا رہا ہے۔ سارا سرکاری ماحول آخر تھا کس دن کے لیے!

سید ظہور احمد مرحوم

جون کی کوئی آخری تاریخ تھی کہ لکھنؤ کے پرانے اور ایک زمانہ کے نامور لیڈر بیرسٹر سید ظہور احمد بی اے، ایل ایل بی نے وفات پائی۔ اور عبرت کی آنکھ کو دنیوی جاہ و حشم کی بے ثباتی کی ایک اور مثال ہاتھ آئی۔ مرحوم رہنے والے ضلع الہ آباد کے تھے، اپنے عزیز قریب سید نبی اللہ بیرسٹر لکھنؤ کے ساتھ کمسنی میں لکھنؤ آگئے، یہیں تعلیم لکھنؤ کیننگ کالج میں پائی۔ اور اسی وقت سے اپنی بصیرت و مذاق کے موافق قومی تحریکوں میں بڑے جوش و خلوص کے ساتھ حصہ لینے لگے۔ وکالت یہیں کی جوڈیشل کمشنری اور پھر چیف کورٹ میں شروع کی۔ علیگڑھ کی تحریک کے روح و رواں تھے۔ مذہب سے بھی لگاؤ اُسی وقت سے تھا۔ اور اسکی علامت یعنی داڑھی نوعمری ہی سے نظر آنے لگی۔ لکھنؤ ہی کی نہیں صوبہ کی بھی جتنی چھوٹی بڑی تحریکیں شروع ہوئیں، انکا ان میں نمایاں حصہ لازمی تھا۔ ایک زمانہ میں آل انڈیا مسلم لیگ کی سکریٹری شپ اُنکے ہاتھ میں آئی اور عرصہ تک رہی۔ مرحوم مہاراجہ بہادر محمود آباد کے زمانہ میں خدا معلوم کتنی شخصیتیں ابھریں اور ابھر کر گریں، سید صاحب اپنی سلامت روی کی بنا پر افراط و تفریط سے الگ رہے۔ آخر زمانہ میں مشغولیت کا خاص مرکز ندوہ اور دارالعلوم ندوہ رہ گیا تھا۔ ارکان انتظامیہ میں سب سے زیادہ وفادار رکن مرحوم ہی تھے۔ امیر الدولہ اسلامیہ اسکول کو انٹرمیڈیٹ کالج کے بھی بڑے آرزومند تھے۔ اور اسکول اسی ہفتہ سے کالج میں تبدیل ہے۔ انتقال حرکت قلب کے بند ہونے سے کہنا چاہیے کہ دفعتاً ہوا، بیماری اور موت کی خبر زیادہ پھیلنے نہ پائی۔ خلق سے تعلقات یوں بھی ٹوٹ چکے تھے۔ جنازہ کے ہمراہ بس گنتی کے چند عزیز یا مخلص تھے اور اللہ کے فرشتے! ——— انھیں کے ایک [illegible] خاندان نے چند سال یونیورسٹی میں اپنا نام غیر مسلم کی حیثیت سے درج کرا کے مرحوم کا دل توڑا

اسی طرح ایک مدت سات دن کی بھی نقل ہوئی ہے ــــــ بہرحال ان کی کوئی محدود و متعین مختصر ہی سی مدت۔

بلکہ بعض یہودی ماخذوں سے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ گویا اسرائیلی اپنے آپ کو آتشِ دوزخ کی زد سے بالکل ہی باہر اور محفوظ سمجھ رہے تھے۔
چنانچہ جیوش انسائیکلو پیڈیا میں یہ عقیدہ یوں نقل ہوا ہے:
"آتشِ دوزخ گنہگاران قوم یہود کو چھوئیگی بھی نہیں اس لیے کہ وہ جہنم پر پہنچتے ہی اپنے گناہوں کا اقرار کرینگے اور خدا کے پاس واپس آجائینگے" (جلد ۵۔ ص۵۸۳)
اور یہود کے مقدس نوشتہ تالمود کے انتخابات کا جو مجموعہ انگریزی میں **Everyman's Library** کے مرتب کیے **Series** میں شائع ہوا ہے اس میں یوں آتا ہے:
"قیامت کے دن ابراہیم در دوزخ پر تشریف رکھتے ہونگے اور کسی مختون اسرائیلی کو اس مرتبہ میں نہ جانے دینگے" (ص۴۰۴)
"جہنم کی آگ اسرائیلی گنہگاروں پر کوئی قدرت نہیں رکھتی" (ص۴۰۴)
حاصل یہ کہ بنی اسرائیل اپنی قوم کو خدا کی لاڈلی اور دلاری سمجھے ہوئے تھے اور اس پر حد سے زیادہ نازاں تھے۔

۲۳۴ (اے پیغمبر ان یہود سے) بطور الزام
۲۳۵ یہود سے سوال ہو رہا ہے، کہ اپنی قوم کی محبوبیت کا، عذاب آخرت سے محفوظیت کا، عدم مسئولیت کا عقیدہ و آخر تم نے کہاں سے گڑھ رکھا ہے؟ آیا یوں ہی اپنے دل سے؟ یا اسکی کوئی سند بھی اپنے مقدس نوشتوں میں دکھلا سکتے ہو؟
۲۳۶ تالی کا صلہ جب علیٰ آتا ہے جیسا کہ تقولون علی اللہ میں ہے تو معنی ہوتے ہیں کسی پر کوئی چیز جوڑ لینا یا بہتان باندھنا
تال علیہ اے افتریٰ (تاج)
۲۳۷ نجات و عدم نجات کا اصل قانون اب بیان ہو رہا ہے۔ اسے نسل و قوم کو کوئی واسطہ ہی نہیں۔
۲۳۸ نقصدا بدی کی راہ اختیار کرنا اور معصیت سے پوری طرح گھر جانا کہ توبہ کے لیے گنجائش ہی باقی نہ رہ جائے صرف انھیں کے حق میں ممکن ہے جو سرے سے اہلِ باطل ہوں، اور انکی موت کفر و شرک ہی پر آئے۔ مومن کیسا ہی بدعمل سہی بہرحال احاطت بہ خطیئتہ کا مصداق تو نہ ہوگا۔ کم از کم اقرار باللسان اور تصدیق بالقلب کی صفت تو اس میں موجود رہی ہوگا۔
سلہ الشرک باللہ ومات علیہ (ابن عباسؓ) والسیئۃ الکفر والشرک قالہ ابن عباسؓ
مجاہد (بحر) المومنون لا یدخلون فی حکم ہذہ الآیۃ (حاکم۔ عن الواحدی) فسرالسلف الکفر (بیضاوی)
۲۳۹ خلود کے معنی اگرچہ مدتِ طویل کے بھی ہیں، لیکن اہلِ دوزخ اور اہلِ جنت کے سلسلہ میں جہاں جہاں اس لفظ کا استعمال قرآن مجید میں ہوا ہے، اہلِ سنت کا اجماع ہے کہ مراد اس سے دوام یا ہمیشگی ہے، اور اسی کی تاکید و تائید میں قرآن میں خالدین فیہا کے ساتھ ساتھ جا بجا ابداً بھی آیا ہے۔
۲۴۰ دونوں آیتوں میں نجات کا پورا قانون ایجاز و اختصار کے ساتھ بیان کر دیا ہے کہ نجات کو نسل و قوم سے کوئی تعلق نہیں۔ کوئی اپنے قصد و اختیار سے بدعقیدگی و ...

تنقید مضمون حقوق الزوجین

نمبر (۱۰)

(از مولانا حبیب احمد صاحب کیرانوی)

پھر وہ یہ بھی نہیں سوچتے کہ اس قانون کی موجودگی میں تہذیب و تمدن کے مقاصد کیسے پورے ہوسکتے ہیں۔ کیونکہ اس صورت میں خود نکاح کا بقا ہی خطرہ میں پڑ جائیگا، جو کہ ذریعہ تھا تمدن و تہذیب کا۔ تو پھر تمدن و تہذیب کہاں۔ اگر کہا جائے کہ یہ خطرہ تو اس وقت بھی ہے جبکہ مردوں کو طلاق کا اختیار رہے، کیونکہ اسکی وجہ سے نکاح کا بقا ہر وقت خطرہ میں ہے۔ تو اسکا جواب یہ ہے کہ اسوقت جو خطرہ ہے تو وہ اکہرا ہے، اور جب طلاق کا اختیار عورت کے ہاتھ میں آجائیگا اسوقت یہ خطرہ دوہرا ہو جائیگا۔ پھر تجربہ سے یہ بات ثابت ہو چکی ہے کہ مرد اپنے اس اختیار کے استعمال میں اس قدر محتاط واقع ہوئے ہیں کہ وہ جائز طور پر بھی اسکو کام میں لانے میں دریغ کرتے ہیں چنانچہ مردوں کے اسی بخل کی وجہ سے مودودی صاحب کو حقوق الزوجین تصنیف کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ لیکن عورتوں کی یہ حالت نہیں ہے چنانچہ خود مودودی صاحب نے اقرار کیا ہے کہ جسوقت یورپ میں زنا کی بنا پر فسخ نکاح کا قانون پاس ہوا ہے، تو عورتوں کی طرف سے فسخ نکاح کے اس قدر دعوے دائر ہوئے کہ عدالتیں انکی سماعت سے عاجز آگئیں۔ اب اگر قانون خلع اس شکل میں نافذ ہو جائے جس شکل میں مودودی صاحب اسکو رائج کرنا چاہتے ہیں، تو کیا کوئی کہہ سکتا ہے کہ کسی مسلمان کا گھر آباد رہ سکتا ہے۔ اگر نہیں تو اس سے تہذیب و تمدن اور تحفظ اخلاق کیونکر ممکن ہے؟ ایسی حالت میں ان تمام چیزوں کو نظر انداز کرکے اپنے مخترع قانون خلع کی حمایت کرنے کا منشا، بجز اسکے کچھ نہیں ہو سکتا کہ انکے سر پر یورپین تہذیب و تمدن کا بھوت سوار ہے۔ اور وہ اسلام کے دوست بن کر اسلامی تہذیب و تمدن کو مٹانا چاہتے ہیں۔ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر قوانین عنین وغیرہ کی وجہ سے اور قانون خلع کے نہ ہونے کی وجہ سے کوئی عورت زنا کا ارتکاب کر لیتی ہے یا مرتد ہو جاتی ہے، تو وہ اسکو اتنی اہمیت دیتے ہیں کہ ان قوانین کو غیر اسلامی قرار دے کر انکے بجائے دوسرے اسلامی قوانین بنانے کی دعوت دیتے ہیں۔ لیکن ان قوانین سے قطع نظر کرکے جو زنا کاریاں اور اغلام بازیاں اور ارتداد اور دیگر فواحش کا ارتکاب ہو رہا ہے اسکی انکو کوئی پروا نہیں۔ کیا اسکی وجہ اسکے سوا کچھ اور ہو سکتی ہے کہ ان پر یورپین تہذیب و تمدن کا غلبہ ہے
اس جگہ یہ بات بھی قابل غور ہے کہ اگر اسلام میں خلع کا قانون اسی شکل میں ہوتا جس شکل میں مودودی صاحب اسکو ثابت کرنا چاہتے ہیں تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم و خلفائے راشدینؓ کے زمانہ میں نشوز وغیرہ کے واقعات ہی نہ پیش آتے۔ مثلاً اگر جمیلہ کو

معلوم ہوتا کہ اسلام میں خلع کا قانون ہے، تو وہ نشوز کی مرتکب نہ ہوکر
عدالت میں مجرمانہ حیثیت سے نہ پیش ہوتیں، بلکہ براہ راست خلع کا
دعوے کرکے اپنے کو قید نکاح سے آزاد کرا لیتیں - علیٰ ہذا اگر حبیبہ
بنت سہل کو معلوم ہوتا کہ مجھے خلع کا حق ہے، تو وہ خاوند کی ضرب
شدید کی شکایت نہ کرتیں - بلکہ خلع کا دعوے کرکے اپنا پیچھا چھڑا لیتیں -
اسی طرح اگر اس عورت کو جو نشوز کے الزام میں گرفتار ہوکر حضرت عمرؓ
کے روبرو پیش ہوئی تھی یہ معلوم ہوتا کہ مجھے خلع کا حق ہے، تو وہ نشوز
کی مرتکب ہوکر سزائے قید نہ بھگتتی، بلکہ براہ راست خلع کا دعویٰ کرکے
اپنا پیچھا چھڑا لیتی - اگر ربیع بنت معوذ کو معلوم ہوتا کہ مجھے خلع کا حق
ہے تو وہ اپنی تمام املاک دے کر خاوند کو راضی کرنے کی ضرورت نہ
سمجھتیں، بلکہ حضرت عثمانؓ کے یہاں خلع کا دعوے کرکے صرف مہر کے
عوض میں خلع کرا لیتیں - اگر اس عورت کو جس کا مقدمہ حضرت علیؓ کے
یہاں پیش ہوا تھا، یہ معلوم ہوتا کہ مجھے خلع کا حق ہے تو وہ حضرت
علیؓ کے یہاں آکر خلع کا دعوے کر دیتی - اور حضرت علیؓ کو مقدمہ کو
حکمین کے سپرد کر دینے کی ضرورت نہ ہوتی - علیٰ ہذا اس قانون کی
موجودگی میں قوانین عنین، خیار بلوغ، مفقود وغیرہ کی ضرورت نہ
ہوتی - مثلاً اگر کسی عورت کا خاوند نامرد ہوتا، تو وہ براہ راست خلع
کا دعویٰ کر سکتی تھی اور اسکی ضرورت نہ تھی کہ وہ شوہر کی نامردی کا
دعویٰ کرتی، اور نہ اسکی ضرورت ہوتی کہ عورت کو ایک سال تک
معلق رکھا جائے، جس میں وہ مودودی صاحب کے اصول پر تین مرتبہ
زنا کے لیے مجبور ہو سکتی ہے - علیٰ ہذا اگر کسی عورت کا شوہر گم ہو جاتا
تو وہ براہ راست خلع کا دعوے کرکے اپنا پیچھا چھڑا سکتی تھی - اور
اسکی ضرورت نہ تھی کہ اسکو چار سال تک معلق رہنے پر مجبور کیا جائے،
جس میں وہ مودودی صاحب کے قاعدہ کے موافق ۱۶ دفعہ زنا کے
ارتکاب پر مجبور ہو سکتی ہے، کیونکہ انھوں نے ایلا کی بحث میں تسلیم کیا
ہے کہ عورت چار مہینے کے بعد زنا کے لیے مجبور ہو جاتی ہے - الغرض
یہ تمام واقعات اور دلائل اس امر کی واضح دلیل ہیں کہ مودودی
صاحب کا قانون خلع ہرگز قانون اسلامی نہیں ہے اور وہ اسلامی سماج
کے لیے نہایت خطرناک - اور انتہا درجہ کی گمراہی ہے - اب ہمکو مودودی
صاحب کی قوت عقلیہ کا جائزہ لینا ہے - اگرچہ گزشتہ مباحث سے
بھی اس بحث پر کافی روشنی پڑ سکتی ہے - اس لیے کہا جاتا ہے کہ
اگر خدا انکو عقل دیتا تو وہ سمجھتے کہ صرف قانون خلع انکے اس مقصد
کو پورا کر سکتا ہے اور انکو مذاہب فقہا اور دوسرے قوانین پر
دست درازی کی ضرورت نہیں ہے - اس لیے انکو چاہیے تھا کہ وہ
دوسرے مسائل کو ہاتھ نہ لگاتے اور صرف زور دینا تھا وہ اسی قانون
کے اثبات پر زور دیتے - اس سے انکے جرائم میں بہت کچھ کمی آسکتی
تھی - لیکن یہ انکی عقل کا قصور ہے کہ وہ بیک وقت تمام قوانین
ازدواج پر حملہ کر رہے ہیں - اور ان سب کو بدل کر انکے بجائے
اپنے موضوعہ قوانین جاری کرنا چاہتے ہیں - ایسی حالت میں ہماری
خیر خواہانہ رائے یہ ہے کہ اگر مودودی صاحب خود بھی مسلمان رہنا اور دوسروں کو
بھی مسلمان رکھنا چاہتے ہیں تو انکا سب سے پہلا فرض یہ ہے کہ وہ اپنے دماغ سے
انگریزی ذہنیت کو نکالیں اور اپنے اجتہاد کے جاہلانہ تخیل کو دور کریں - اسکے بعد
وہ کسی ماہر فن سے صحیح طور پر اسلام کو سمجھیں اور اسکو صحیح طور پر عمل کر کے دوبارہ
تجدید اسلام کریں اور صحیح معنی میں مسلمان بنکر صحیح طور پر اسلام کی اور مسلمانوں
کی خدمت کریں اسوقت انکی یہ خدمت عند اللہ مشکور ہوگی ورنہ اس حالت میں
جو کچھ بھی وہ اسلام کے نام سے کرینگے وہ محض یہود کی دوستی ہوگی - وہ انما نحن
مصلحون کہینگے اور حق تعالیٰ کی طرف سے الا انہم ہم المفسدون ولکن لا یشعرون
جواب ہوگا - ہم انکو دلائل کے ذریعہ سے اسکا اطمینان لانے کی کوشش کر چکے
ہیں اور اگر وہ چاہیں تو اسکے لیے مزید کوشش کر سکتے ہیں کہ ان میں اجتہادی
قابلیت تو درکنار ابھی انکے اندر طالبعلمانہ استعداد بھی نہیں ہے اور نہ
وہ اب تک یہ سمجھ سکے ہیں کہ اسلام کیا چیز ہے - اس لیے انکو چاہیے
کہ وہ اپنی اجتہادی قابلیت کے تخیل کو دماغ سے نکالیں،
ورنہ انکا علاج ناممکن ہوگا اور وہ ہمیشہ افتوا بغیر علم فضلوا و اضلوا کا
مصداق رہینگے - یہ تنقید حقوق الزوجین پر صرف اجمالی ہے - اور اس
میں بھی اختصار کو بہت کچھ پیش نظر رکھا گیا ہے اور بہت سے ابواب
کے چھوڑ دیے گئے ہیں - اس سے آپ اندازہ کر سکتے ہیں کہ اگر حقوق الزوجین
پر تفصیلی تبصرہ کیا جائے تو اس میں ہم کو کس قدر زحمت برداشت
کرنی پڑیگی اور کتاب کس قدر مسودہ ہو جائیگی - اس لیے اسوقت ہم اسی
قدر پر اکتفا کرتے ہیں - اور حق تعالیٰ سے دعا کرتے ہیں کہ وہ مسلمانوں
کو توفیق دے کہ وہ ہدایت اور گمراہی میں امتیاز کرکے ہدایت کو اختیار
کریں اور ہر قسم کی گمراہی سے اجتناب کریں - جن میں سب سے بڑی گمراہی جہل
مرکب ہے - یہ وہ مرض ہے جو علاج کم قبول کرتا ہے - مگر اس زمانہ میں
یہ مرض وبا کے طور پر تمام عالم میں پھیلا ہوا ہے - اسی وجہ سے
اسوقت عام اصلاح قریب قریب ناممکن ہو رہی ہے - اور اسکے ساتھ
اتباع ہوی نے مل کر اسکو اور بھی خطرناک بنا دیا ہے - اسی وجہ سے
حدیث میں آیا ہے - اذا رأیت شحا مطاعا و ہوی متبعا و اعجاب کل ذی رای
برایہ فعلیک بخاصۃ نفسک ودع عنک امر العامۃ - اسی مرض میں بنی
اسرائیل مبتلا ہوگئے تھے - جبکہ علاج سے مایوس ہوکر اس زمانہ کے
اہل حق کی ایک جماعت نے دوسری جماعت سے کہا تھا لم تعظون
قوما اللہ مہلکہم او معذبہم عذابا شدیدا - جسکے جواب میں انھوں نے کہا
تھا معذرۃ الی ربکم ولعلہم یرجعون - اب وہی حالت امت محمدیہ کی
ہوگئی ہے - اور اسی وجہ سے اہل حق کی ایک جماعت مایوس ہو کر گوشہ نشین
ہو گئی ہے - اور کوئی کوئی معذرۃ الی ربکم ولعلہم یرجعون پر عمل پیرا ہو کر اس
موہوم امید پر ہاتھ پاؤں مار رہا ہے - اب نتیجہ خدا کے ہاتھ میں ہے - والسلام

اپنے مراسلہ نگاروں سے

حکیم انصاری صاحب (گونڈا) درج مقالہ بابر پر کافی بحث صدق
میں ہو چکی - مقالہ مرسلہ کی اشاعت سے معذوری ہے - از سر نو ایک
بحث و مباحثہ کا قائم ہو جائیگا -

اسلام نظامِ حیات ہے

(از مولوی سید عبد القادر صاحب مبلغ دیندار انجمن حیدرآباد دکن)

سادھو کا دھونی رمائے بیٹھنا۔ رات کو دن کر دینا۔ کبھی اعضائے جسم کا سکھا دینا۔ پارسی کی شعلہ نوازیاں۔ عیسائی کی کلیسائی دعائیں۔ راہب کی رہبانیت۔ مسلم کے سجدے اور دالہانہ مناسک حج۔ کیا یہ ایسی چیزیں ہیں جو نظر انداز کر دی جائیں؟ کیا یہ اس امر کا ثبوت نہیں کہ انسانیت ماورائی ہستی کی تلاش ہے۔ گویا وہ اسے کھو چکی ہے اور اسکی دھن میں گداز ہوا جاتی ہے اور اپنا سب کچھ کھو کر اپنے محبوب حقیقی کو حاصل کرنا چاہتی ہے کائنات کی ہر چیز کا انسان سے نذر عقیدت حاصل کرنا کیا اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ انسانیت اپنے گم شدہ محبوب کی تلاش کر رہی ہے؟ کیا یہ محض پروپگنڈہ ہے؟ کیا انسانیت باوجود اختلاف ملک و ملت و نسل و زبان اس ایک چیز پر متفق نہیں؟ کیا زمانۂ قدیم میں ایسے وسائل تھے کہ اقوام عالم ہر بات میں مختلف ہونے کے باوجود مل کر آپس میں تبادلۂ خیالات کر کے اس عقیدہ پر متفق ہو جائیں؟ اگر نہیں تھے تو کیا ایسا عظیم الشان اجماع اس بات پر دلالت نہیں کرتا کہ انسان کی فطرت میں یہ عقیدت ودیعت ہے؟

مذہبی احساس کے اسقدر ہمہ گیر اور عالمگیر ہونے کے باوجود مفہوم مذہب کے مختلف نظریے ہیں۔ بعضوں نے انسان کو اتنا ذلیل سمجھا کہ اسکی فطرت میں گناہ ہے اور وہ موروثی گناہگار ہے۔ وہ کسی صورت میں گناہ سے بچ نہیں سکتا۔ وہ کسی خیر کے قابل نہیں۔ اس پست نظری ہے اسکی نجات اسی وقت ہو سکتی ہے جبکہ وہ مسیح کے کفارہ پر ایمان لائے۔ اس تخیل نے عمل کو ہیچ سمجھا اور انسانوں کے ایک گروہ کثیر کو عملی دنیا سے الگ کر دیا۔ بعضوں کا یہ خیال ہے کہ انسان اپنی ہستی کے قابل نہیں۔ اسکا نروان (نجات) اسی میں ہے کہ خود کو ہلاک کر دے۔ ہند فلسفہ میں انسان کی ہر قسم کی جسمانیات کو روحانی ترقی کی روک سمجھا گیا۔ یہی وجہ ہے کہ اس میں طرح طرح کی جانگداز تکلیف دہ ریاضتوں کی تعلیم دی گئی۔ فلسفۂ یونانی نے مذہب کی بنیاد "اعیان نا شہود" پر رکھی جو معلق الشانہ طور پر انسانی زندگی پر عائد کیے گئے ہیں۔ انسان ذاتی جدوجہد سے اپنی زندگی میں کوئی تغیر پیدا نہیں کر سکتا۔ قدیم ایرانیوں نے انسان کو خانقاہ یزدان و اہرمن (خیر و شر) کے ہاتھ میں کٹھ پتلی سمجھا۔ انہیں تخیلات مذہب نے جابجا نفس کشی اور ناقابل برداشت ریاضتیں پیدا کر دیں۔ جسکے نتیجہ میں انسان مادی زندگی سے گریز کرنے لگا اور مذہب صرف روحانی زندگی کا نام ہو گیا۔ مادی دنیا سے علیحدگی ہی عین مذہب سمجھی جانے لگی۔ جسکی وجہ سے پیروان مذاہب مادی و جسمانی ترقیات سے محروم ہو گئے۔ فلسفۂ جدیدہ نے ان سابقہ تخیلات کے نتیجہ کی وجہ سے مذہب کا مفہوم ہی بدل دیا۔ اسکے نزدیک مذہب صرف خدا و بندہ کے تعلق کا نام ہے۔ اس لیے مذہب کو انفرادی و پرائیوٹ حیثیت دی گئی۔

مفہوم مذہب کے جدید تخیل کا علمبردار سیکولرازم ہے، جس نے ان کے نظریۂ "ثنویت روح و مادہ" کو بلا تنقید قبول کر لیا۔ جسکے نتیجہ میں یہ تخیل پیدا کیا گیا کہ روح کا تعلق اللہ تعالیٰ سے ہے اور مادہ کا دنیوی زندگی سے ہونا چاہیے یہی وجہ ہے کہ اس نے مذہب کی اجتماعی حیثیت سے انکار کر دیا۔ اور مذہب کو سیاست سے جدا رکھنے کی تعلیم دی۔ اس نے صاف صاف کہا کہ مملکت کو مذہب اخلاق سے بالاتر ہونا چاہیے اور ہندوستان میں قانوناً مذہبی آزادی کا بھی حکومت کے نزدیک یہی مفہوم ہے۔ زمانۂ حاضرہ میں یہ خیال بالکل عام ہو گیا ہے کہ مذہب ایک انفرادی چیز ہے عبادت گاہ اور گھر تک محدود رہنا چاہیے۔ اور دنیوی معاملات میں مذہب کو دخل نہ دینا چاہیے۔ چنانچہ جواہر لال نہرو نے ایک مرتبہ کہا

"اب یہ ناممکن ہوگا کہ کوئی ایسا نظام حکومت قائم کیا جائے جسکی بنیادیں مذہب پر ہوں۔ اب وقت آ چکا ہے کہ ہم اس امر کا اعتراف کریں اور اسے اچھی طرح ذہن نشین کر لیں کہ منبر مذہب، خدا کو اسکے مناسب مقام یعنی آسمان کی بلندیوں پر رکھ دیا جائے اور انہیں خواہ مخواہ زمین کے معاملات میں گھسیٹ کر نہ لایا جائے۔" (ہندوستان ٹائمز۔ مورخہ ۵ ۹/۴۸ ۶)

اگر اس تخیل کے پس منظر کا بنظر غائر مطالعہ کیا جائے تو معلوم ہوگا کہ یہ تخیل سابقہ مذاہب کی تعلیمات کا نتیجہ ہے۔ کیونکہ مذاہب درحقیقت لوگوں کے لیے بطور نسخہ ہوتے ہیں۔ جس طرح ایک ہی طبیب مختلف بیماروں کی حالت کے مطابق مختلف نسخہ تجویز کرتا ہے اسی طرح اللہ تعالیٰ بھی لوگوں کے مختلف حالات کے مطابق نسخہ تجویز کرتا رہا۔ جبکہ پہلی صدی عیسوی سے پیشتر تعلقات بین الاقوام نہ تھے۔ ایک قوم دوسری قوم سے جدا تھی، ایک ملک دوسرے ملک سے علیحدہ تھا۔ اس لیے جتنے مذاہب درحقیقت ہوئیں وہ عالمگیر اور ابدی نہ تھیں۔ اس لیے اقتضائے زمانہ کے مطابق تعلیمات نازل کی گئیں مثلاً جب بنی اسرائیل عرصہ دراز تک محکوم و کر بے عزت ہو گئے تو اسوقت غلامی سے نجات کے لیے خداوند نے یہ نسخہ بھیجا کہ تم ہر شرارت کا انتقام لو۔ کان کے بدلے کان، ناک کے بدلے ناک، آنکھ کے بدلے آنکھ۔ اسی طرح پر دوسری تحریکوں سے ان میں جوش انتقام پیدا کیا گیا۔ جب چند سو برس کا لمبا عرصہ گزر گیا اور حضرت مسیح کا زمانہ آیا تو بنی اسرائیل نہایت انتقام گیر اور کینہ توز تھے۔ اسوقت انکے لیے یہ نسخہ دیا گیا کہ کوئی اگر تیرے داہنے گال پر تھپڑ مارے تو بایاں گال بھی اسکے آگے کر دے۔ چونکہ یہ مذاہب وقتی اور محدود المقام تھے۔ اس لیے اسوقت مخاطب اقوام کی زندگی کا جو شعبہ بھی بگڑ چکا تھا صرف اسی کی اصلاح کی گئی۔ اور کسی مذہب کی بھی تعلیم انسانی زندگی کے تمام شعبوں پر مشتمل نہ تھی۔ لیکن جب ان مذاہب کے پیروں نے انکو باقی رکھنے کی کوشش کی تو بجائے ترقی کے تنزل کی طرف جانے لگے۔ چنانچہ سولھویں

صدی عیسوی تک جبکہ یورپ پر عیسائیت کا کامل تسلط رہا - اقوام یورپ سے پیچھے ترقی کی راہ میں مسدود رہیں - جسکی وجہ سے بیکیاؤلی نے مذہب کے تمام ہیئت ہونے سے انکار کر دیا - کیونکہ اسکے پیش نظر سولہویں صدی عیسوی کی عیسائیت تھی - جس میں کسی ہوشمند انسان کے لیے روحانی تسکین کا سامان مشکل ہی سے مل سکتا تھا - اسکے پیش نظر عیسائیت کی دائمی جنگ اور خود کلیسائی گروہوں کا انتشار بھی تھا۔

اور حقیقت یہ ہے کہ تیرہویں صدی عیسوی میں تعلقات بین الاقوام کی راہیں کھلی تھیں - جبکہ ایران اور رومائی تربیتی حکومت کی بیوگی نے انکو بھی راستہ فتح کرنے اور توسیع مملکت پر مجبور کیا - جسکے نتیجہ میں ایک ملک دوسرے ملک سے متعلق اور ایک قوم دوسری قوم سے قریب ہوگئی - لیکن یہاں انسانیت ایک ایسے جول کے فراق بڑھ رہے تھے وہیں مرا زمانہ کے سبب مذاہب کی تعلیمات اصل حیثیت میں باقی نہ تھیں - اور تمام اقوام اخلاقی بندھنوں کو توڑ چکے ہو - سر اکرح کے روحانی امراض میں پھنس چکے تھے - اور انسانی زندگی کا کوئی شعبہ ایسا نہ تھا جو بگڑ نہ چکا ہو - تب ایک عالمگیر اور اکمل ہدایت اسلام نامی لیا گیا - جسکی تعلیمات انسانی زندگی کے ہر شعبہ کے لیے ہیں یا انسانی زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں جسکے متعلق اسلام نے مکمل تعلیم نہ دی ہو۔

اسلامی فلسفہ نے ثنویت روح اور مادہ کو ایک بڑی فلسفیانہ کشمکش قرار دیا - کیونکہ اسلام ایک ناقابل تقسیم وحدت ہے - مگر روح و مادہ میں تقسیم کرنے کے بعد اسکی اصل حیثیت باقی نہیں رہ سکتی - کیونکہ جسم کے بغیر روح بیکار ہے اور روح کے بغیر جسم ایک بےجان چیز ہے - روح و مادہ انسانی زندگی کے لیے لازم و ملزوم ہیں - ہماری ظاہری زندگی باطن سے عبارت ہے - اور باطن جو سرچشمہ اعمال ہے گندلا ہو جائے تو ظاہر صاف نہیں رہ سکتا - ظاہر کا اثر باطن پر اور باطن کا اثر ظاہر پر پڑتا ہے - مثلاً ہمارے جسم کو چوٹ لگے تو حالانکہ ہمارے باطن کو مار نہیں لگی اگر پھر بھی ہمیں باطنی روحانی تکلیف ہوتی ہے - ہمارا غصہ اور انتقال کراہنے اس سے باطنی تکلیف ہوتی ہے - مگر ظاہر پر یہ اثر ہوتا ہے کہ چہرہ کدر و غم آلود ہو جاتا ہے اور بے ساختہ آنکھوں سے آنسو نکل آتے ہیں - ہمارا باطن و ظاہر ایک دوسرے سے متعلق ہے۔

یہی وجہ ہے کہ اسلام جہاں باطن کے لیے ہدایت دیتا ہے وہیں ظاہر کے لیے بھی اس میں تعلیم موجود ہے - مذہب محض جذبہ نہیں بلکہ وہ شعوری و وجدانی کیفیت ہے - جذبہ مادی حرکت کا نتیجہ ہوتا ہے اور وجدان و شعور مادہ نہیں - کیونکہ مادہ زمان و مکان میں محدود ہوتا ہے اور شعور زمان و مکان میں محدود نہیں - جذبہ و وجدان میں فرق یہ ہے کہ جذبہ صرف اپنے تک محدود ہوتا ہے دوسرے جذبات کو ابھار نہیں سکتا - غصہ ایک جذبہ ہے جو رحم کے جذبہ کو پیدا نہیں کرسکتا - وجدان مختلف اوقات میں مختلف جذبات پیدا کرتا ہے - ہمارے بعض جذبات کو ابھار دیتا ہے اور بعض کو دبا دیتا ہے - وجدانی کیفیت میں جذبات کی دھوپ چھاؤں ہوتی ہے - عشق ایک وجدانی کیفیت ہے جس میں مختلف جذبے پیدا ہوتے ہیں - کبھی محبوب کی بے التفاتی رنج و غم کا باعث ہوتی ہے - کبھی ادنیٰ سی توجہ بھی انبساط پیدا کرتی ہے - اور کبھی رقیبانہ تعلقات غصہ و انتقام کے جذبہ کو ابھارتے ہیں - چونکہ مذہب شعور و وجدان سے ہے تو ہماری زندگی کا ایک شعبہ نہیں ہو سکتا - وہ ہیئت اجتماعی ہے جو ہماری زندگی کے مختلف پہلوؤں پر مشتمل ہے - وہ ایک نظام حیات ہے جو ہماری زندگی کے ہر شعبہ پر حاوی ہے - اسلام میں مذہب کا تصور یہ نہیں ہے کہ وہ بندے اور خدا کے تعلق کا نام مذہب ہے اس لیے ہماری زندگی کا شعبہ ہے بلکہ اسلامی نظریہ یہ ہے کہ انسان کا اللہ تعالیٰ و کائنات سے تعلق کا نام مذہب ہے - حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا گیا کہ اسلام کیا ہے ؟ ارشاد ہوا ، الطاعۃ لامر اللہ والشفقت علیٰ خلق اللہ - اللہ تعالیٰ کے احکام کی پابندی اور اسکی مخلوق پر شفقت - یہی وجہ ہے کہ اسلام ہماری زندگی کے ہر شعبہ کے متعلق تعلیم دیتا ہے - وہ ہیئت اجتماعیہ انسانیہ کا اکمل مذہب ہے - جس سے انسانی زندگی کا کوئی شعبہ باہر نہیں رہ سکتا - تمدن ، معاشرت ، سیاست ، معاشیات ، اقتصادیات - غرض کوئی پہلو ایسا نہیں جسکے متعلق اسلام نے تعلیم نہ دی ہو - یہی وجہ ہے کہ مسلمان کی زندگی کا کوئی شعبہ غیر مذہبی نہیں ہو سکتا - کیونکہ اسکا مذہب نظام حیات ہے - جو اسکی دنیوی زندگی سے علیحدہ نہیں - اور نہ انفرادی و پرائیویٹ ہے - اگر مسلمان کی سیاست مذہب سے آزاد ہو گئی تو وہ سیاسی غیر مسلم ہوگا - اگر اسکی معاشی زندگی اسلامی نہ ہوئی تو وہ معاشی غیر مسلم کہلائے گا۔

خریداران صدق کی خدمت میں

مندرجہ ذیل خریداروں کی میعاد خریداری اسی ماہ جولائی ۱۹۴۳ء میں تمام ہو رہی ہے ، براہ کرم سال آئندہ کے لیے چندہ ارسال ہو - اور اگر خدانخواستہ کسی صاحب کو آئندہ خریداری منظور نہ ہو تو دفتر کو ایک کارڈ لکھدیں تاکہ آخر ہفتہ اگست کو وی-پی نہ روانہ کیا جائے ورنہ غریب دفتر کو بلاوجہ مصارف وی-پی کا نقصان برداشت کرنا ہوگا

نمبر ۶۲	۹۲	۱۱۰	۱۱۳
۱۲۷	۲۶۳	۲۶۵	۲۶۹
۳۶۹	۴۰۵	۴۵۳	۵۲۹
۵۲۰	۵۳۸	۵۴۶	[illegible]
۸۲۶	۸۲۸	۸۳۵	۸۳۶
۱۰۳۲	۱۰۳۳	۱۰۳۶	۱۰۳۷
۱۰۳۸	۱۰۳۹		(مہتمم)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِي جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهِ أُولَٰئِكَ هُمُ الْمُتَّقُونَ (اور جو سچی بات لیکر آیا، اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد، ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبدالقوی
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے:۔
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ۔

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی ؏
بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱ار

صدق

نمبر ۱۲ | دوشنبہ - ۱۲ - رجب المرجب سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۷ - جولائی سنہ ۱۹۴۲ء | جلد ۸

سچی باتیں

تقویم شمسی کے لحاظ سے جون ۶۳۶ء تھا، کہ خلیفۂ برحق عمر فاروقؓ کے عہد میں اور صحابی رسول سعد بن وقاصؓ کے زیر قیادت، عرب فوجیں ایران کے پایۂ تخت اور اکثر شہروں میں فاتحانہ داخل ہو گئیں۔ ایران صدیوں سے آریائی تہذیب و تمدن کی نمائندگی کرتا چلا آ رہا تھا، دنیا کی دوسری بڑی شہنشاہی روم سے برابر ٹکروں پر ٹکر لے رہا تھا، اور اپنے تکلفات اور نفاستوں کے لحاظ سے گویا دنیائے قدیم کا فرانس یا امریکہ تھا۔ عرب فاقہ مست، اور تمدن ناآشنا عرب آکر اسے فتح کرتے ہیں —— فاتحوں کی سادگی کی کیفیت کا اندازہ کر لیجیے، زرد رنگ کی دھات (سونا) کو بے تکلف سفید چاندی (چمکدار) سے بدل لیتے ہیں، اور جب میدہ کی چپاتیاں عمر میں پہلی بار دیکھتے ہیں، تو بے اختیار پکار اٹھتے ہیں، ہٰذا والرقاع البیض ؟ یہ سفید سفید کاغذ کیا چیز ہیں؟ —— یہ فاتح پوچھ رہے ہیں، بے تکلفی سے سوال کر رہے ہیں، اپنی ہی مفتوح رعایا سے!

یہ منظر ساتویں صدی عیسوی کے ثلث دوم کا تھا۔ دوسرا منظر چند صدیاں پھاند کر اٹھارویں اور انیسویں صدی عیسوی کا دیکھیے:۔

"نادی الملک غازی الدین حیدر شاہ اودھ کو پراٹھے پسند تھے۔ ان کا رکابدار ہر روز چھ پراٹھے پکاتا۔ اور فی پراٹھا پانچ سیر کے حساب سے ۳۰ سیر گھی روز لیا کرتا۔ ایک روز وزیر سلطنت آغا میر نے پوچھا کہ ارے بھئی یہ تیس سیر گھی کیا ہوتا ہے؟ کہا "حضور پراٹھے پکاتا ہوں"۔ کہا "بھلا میرے سامنے پکاؤ"۔ جتنا گھی کھپا کھپایا، اور جو باقی بچا پھینک دیا۔ اور کہا "اب یہ گھی بالکل تیل ہو گیا۔ اس قابل تھوڑے ہی ہے کہ کسی اور کھانے میں لگایا جائے" (شرر، "گزشتہ لکھنؤ" ص۲۴۲)

"مرزا ولی شاہ، اودھ کے ہمراہ مٹیابرج میں ایک امیر تھے، جنکا منشی السلطان بہادر خطاب تھا۔ بچپن میں چھ سات برس تک میں انہیں کے ساتھ رہا، اور انکے دسترخوان پر برابر شریک ہوتا رہا۔ میں نے انکے دسترخوان پر تیس چالیس قسم کے پلاؤ اور بیسیوں قسم کے سالن کھائے۔ جن میں بعض ایسے تھے کہ پھر کبھی کھانے نصیب نہ ہوئے" (ص۲۴۲)

[پلاؤ کے سلسلہ میں یہ اور سن لیجیے کہ] "شوقین امیروں کیلیے مرغ مشک و زعفران کی گولیاں کھلا کھلا کے تیار کیے جاتے، یہاں تک کہ انکے گوشت میں ان دونوں چیزوں کی خوشبو سرایت کر جاتی، اور ہر رگ و ریشہ معطر ہو جاتا۔ پھر انکی یخنی نکالی جاتی، اور اس یخنی میں چاول دم دیے جاتے" (ص۲۴۰)

لکھنؤ کا دسترخوان تو صرف نمونہ کے طور پر پیش کیا گیا۔ دلی کا، رامپور کا، بھوپال کا، رامپور کا، مرشد آباد کا، کہاں کا دسترخوان اس سے کچھ گھٹ کر رہا ہے۔ ذکر صرف شاہی دسترخوان کا نہیں، امیروں کے، وزیروں کے، اونچے عہدیداروں کے، اودھ کے ایک ایک رئیس و تعلقدار کے دسترخوانوں کا کیا رنگ انیسویں صدی میں رہا ہے، اور اس بیسویں صدی میں کیا ہے؟ متوسط طبقہ بھی اس رنگ سے کہاں تک غیر متاثر رہا ہے؟ جنکے بزرگ نان اور پیاز کی شکل تک سے بیگانہ تھے، انھیں کی اولاد، محض پلاؤ کی تیس تیس چالیس چالیس قسموں کی اور سالن کی بیسیوں قسموں کی

جدید قصص الانبیاء

چند باب

نمبر (۲)

پھر ایک اور گوشہ سے روشنی اس حقیقت پر ڈالیے۔ ایک اور زاویہ سے اسے جانچیے۔ ایک اور پیمانہ سے اسے ناپیے۔ آفرینش تو جس طرح آدمؑ کی ہوئی ہے اسی طرح آخر ساری مخلوق کی ہوئی ہے۔ جمادات رحیوانات کی بھی، ملائکہ اور جنات کی بھی، عرش کی بھی، کرسی کی بھی۔ لیکن اور کسی کے بھی ابداء تخلیق کا ذکر قرآن نے اہتمام کے ساتھ کیا ہے؟ یہ فخر تو صرف خلقت آدم کے موضوع کو ملا۔ اور کیوں نہ ملتا؟ نائب السلطنت کا ورود اور عوام الناس کی نقل وحرکت کہیں ایک درجہ کی چیزیں ہیں؟ —— اللہ اللہ! خاک کے پتلے کا یہ شرف و مرتبہ! مذاہب شرکیہ کا تو ذکر ہی کیا، انسان کے شرف و احترام کا یہ مقام، یہودیت نے کب جانا ہے، مسیحیت نے کب پہچانا ہے؟ اہل کتاب کی کتاب کا حوالہ ابھی اوپر گزر چکا ہے۔

اچھا اب پھر آ جائیے اصل قصہ کی طرف۔ آدم Designated خلیفہ نامزد ہو چکے۔ اب فرشتے بلائے گئے، کہ وہی مخلوقات میں سب سے داناتر، عالم تر، کامل تر تھے۔ ارشاد ہوا کہ اچھا، اشیاء کائنات کے خواص تو بیان کرو۔ نہ بیان کر سکے، کہ اس علم سے کورے تھے۔ اس علم سے کام انھیں پڑنے والا ہی نہ تھا —— ذکر و شغل میں لگے جیسے صوفیوں اور زاہدوں کو حدیث کے نقد سے، رجال کی جرح سے، فقہ کے فتاویٰ سے قانون کے احکام سے آخر واسطہ ہی کیا؟ —— اشارہ آدمؑ کو ہوا۔ آپ نے سبق فرفر سنا دیا۔ تسبیح و تقدیس کرتی رہنے والی معصوم مخلوق بے اختیار نعرہ لگا اٹھی:—

پاک ہیں آپ اے ہمارے سرکار، پاک ہیں اس سے کہ آپ کا کوئی بھی فعل حکمت سے خالی ہو، مصلحت سے عاری ہو، ہمیں علم ہی کیا ہے؟ اس اس وہی	سُبْحٰنَكَ لَا عِلْمَ لَنَآ اِلَّا مَا عَلَّمْتَنَا ۭ اِنَّكَ اَنْتَ الْعَلِيْمُ الْحَكِيْمُ۔

تھوڑا بہت جو آپ ہی نے ہمیں عطا کر رکھا ہے۔ ہمارے علم جزئی کو آپ کے علم کلی سے نسبت کیا؟ حقیقۃً علم والے تو آپ ہیں، کہ آپ کے لیے حاضر و غائب، قریب و بعید، ماضی و مستقبل سب یکساں۔ عالم کل آپ ہر مخلوق کے ظرف کے، استعداد کے، صلاحیت طبع کے! اور حکمت والے بھی آپ ہی، کہ بشر و ملک ہر مخلوق میں تقسیم علم اسی کی استعداد کے مطابق، اسی کے ظرف کے متناسب کر دی!

یہ منظر برخاست اب پردہ دوسرے منظر سے اٹھتا ہے۔ آدمؑ کے سر پر اب خلافت الٰہی کا تاج ہے۔ حکم فرشتوں کو ملتا ہے کہ ہمارے اس نائب کے آگے جھکو، نذرانۂ عقیدت اسکے سامنے پیش کرو۔ اُسْجُدُوْا لِاٰدَمَ میں سجدہ اپنے لغوی معنی میں ہے۔ سَجَدَ لہ خَضَعَ۔ نماز کا اصطلاحی سجدہ مراد نہیں۔ اس سجدہ کو بھی سجدہ اس لیے کہتے ہیں کہ وہ تذلل اور تواضع کا بہترین مظہر ہے۔ اور پھر اہل تحقیق کی یہ تصریح بھی موجود ہے کہ لآدم میں صرف لام معنی میں ہے الیٰ یا سمت و جہت کے۔ سجدہ آدم کو نہیں، صرف سمت آدم میں تھا۔ آج عالم اجسام میں، تکلیفات شرعیہ کے پورے ظہور کے وقت بھی، سجدہ کعبہ کو نہیں، رب کعبہ کو کیا جاتا ہے۔ کعبہ صرف سمت ہے۔ ٹھیک اسی طرح عالم ارواح میں جب تکلیفات شرعیہ کا آغاز بھی نہیں ہوا تھا۔ مسجود آدم نہیں آدم آفریں ہی تھا۔ پیکر آدم صرف سمت سجدہ تھا۔

بہرحال حکم اظہار اطاعت کا فرشتوں کو ملا۔ اور جب فرشتوں کو ملا تو ظاہر ہے کہ ان سے ادنیٰ مخلوق کو پہلے ہی سے مل چکا۔ (اور یہ بات ایسی کھلی ہوئی اور اتنی موٹی ہے کہ اس کی صراحت قرآن مجید نے ضروری نہ سمجھی) خیر۔ حکم کی تعمیل سب نے کی۔ ایک نہ کی تو آگ کے بنے ہوئے ایک جن ابلیس نامے نے۔ انانیت کی آگ سے جل کر بولا "میں آتشی ہو کر خاکی کے آگے جھکوں؟ ادنیٰ کے آگے اعلیٰ اپنے کو جھکائے، گرائے؟ ناممکن!" اپنی عقل پر نازاں بے وقوف، اتنا نہ سوچا کہ خود اسی کی کیا دلیل ہے، عقلی یا نقلی۔ کہ آگ بہرحال میں خاک سے افضل ہی ہے۔ اور بالفرض ہو بھی، تو یہ کس قاعدہ سے ثابت ہے، کہ کسی خاص مصلحت سے، کسی مخصوص حکمت کی بنا پر بھی بڑا چھوٹے کے آگے نہ جھکے؟ غرض اس منطق ابلیس کے صغرے، کبرے دونوں غلط۔ نکالا گیا ملاء اعلیٰ سے، پھینکا گیا آسمان سے، حکم کی نافرمانی کی علت میں۔ حکم بھی کس کا؟ حاکم برحق کا۔ حکیم مطلق کا!

ابلیس نکلنے کو تو نکلا، لیکن اکڑ کے ساتھ۔ اکڑ وہی جسکا نام آج کی ادبی بولی میں پندار تفوق ہے۔ کہتا ہوا نکلا کہ "میں تو جا رہا ہوں لیکن اپنے ساتھ اور بھی تیرے بہت سے بندوں کو لیے مرونگا"۔ ارشاد ہوا، چل دور ہو۔ جو تیری راہ چلنا چاہیں گے، وہ اپنا کیا ہوا خود ہی بھگتیں گے۔ باقی جو لوگ اپنے ارادہ و اختیار سے صحیح کام لیتے رہیں گے اور ہمارے نازل کیے ہوئے پیمبروں کی راہ پر قائم رہیں گے، ان پر تیرا جادو نہ چل سکے گا۔ تیرے پاس قوت ہی کونسی ہے بجز وسوسہ اندازی کے"۔ ادھر یہ ہوا، ادھر آدمؑ اپنی صاحبہ حواؑ کے مزے چین سے جنت میں رہنے بسنے لگے۔ ممانعت صرف ایک خاص درخت کے پاس جانے کی تھی۔

دونوں قابل اسی عیش میں تھے۔ کہ موقع مل گیا ابلیس کو داؤ کھیلنے کا۔ ابلیس کا صفاتی نام اب شیطان تھا۔ پٹی ایک روز یہ پڑھائی کہ مزے سے جائیے اس درخت کے پاس، وہ ممانعت جو ہوئی تھی، وہ تو عارضی تھی۔ اس وقت آپ کے قویٰ میں پختگی نہیں آئی تھی، اب آپ ہر طرح پختہ ہو چکے، جائیے اور بے تکلف کھائیے پھل اس درخت کے۔ اور سنیے، کان ادھر لائیے، بات کان میں کہنے کی ہے۔ اس پھل میں تاثیر ہے کہ ایک بار زبان پر رکھ لیجیے تو بس سمجھ لیجیے کہ ہمیشہ ہمیش کے لیے جنت کے ہو گئے۔ بس یہیں تھم گئے؟ آپ کو میری بات کا اور میری خیر خواہی کا یقین کیوں آنے لگا، تو لیجیے میں قسم کھا کر کہتا ہوں اپنے اور آپ کے پروردگار کی، او ناسپ تو عاشق ٹھہرے اُنکے نام کے۔

عاشق محبوب کا نام سن کر اچھل پڑا۔ اسکا ظاہر فکر بیان تک نہیں پہنچ ہی نہیں سکتا کہ اُسکے محبوب کا نام کوئی بے وقعتی یا بے قدری کے ساتھ لے سکتا ہے۔ حضرت آدمؑ حریص تو تھے ہی دل وجان سے مقام قرب حق میں قیام کے۔ ادھر وہ کہہ ہی رہا ہے کہ گیا کہ کہنے والا ہے کون؟ اور کس نیت سے یہ افسوں پھونک رہا ہے؟ بس اسکے بہکاوے میں پھل کھا بیٹھے۔ پھل کا کھانا تھا کہ عمل کے طبعی اثرات ظاہر ہونے لگے۔ برہنگی اب تک چھپی ہوتی تھی، اب ظاہر ہو گئی۔ اور گزری جو کچھ گزری۔ اب احساس ہوا غلطی کا، اور دَور شروع ہوا توبہ کا، ندامت کا، استغفار کا۔ بس یہ قصور معاف ہوا۔ مرتبۂ مقبولیت پر بحال ہوئے۔ لیکن بہرحال طبعی اثرات، گناہ و عمل جانے کے بعد قانون تکوینی کے ماتحت ظاہر کر ہی دیتے ہیں۔ سکھایا گیا کہ توبہ و ندامت میں غرق ہو جانے سے تو کشتی کا گناہ ممکن ہے معاف ہو جائے، لیکن جسم پر بُوت کے مادی اثرات تو طاری ہو کر ہی رہیں گے۔ جنت کی آب و ہوا کے ناموافق اور وہاں کی فضا کے لیے غیر مناسب و غیر صالح غذا کھا کر وہاں مزید قیام کی گنجایش نہ تھی۔ حکم ہوا "میاں بیوی دونوں زمین پر اُتر جاؤ۔ اب وہیں تمہارے پاس رہے بسے گی۔ ہر ایک کے لیے ایک مقدار عمر کی مقرر ہو گی۔ اسکے بعد ہماری طرف واپس آنا ہو گا۔ وہاں ہماری ہدایتیں ہمارے قاصدوں کے ذریعہ سے پہنچتی رہینگی۔ جو کوئی ہمارے قانون کے مطابق گزر بسر کریگا وہ یہاں آکر ہر طرح آرام پالے گا — ورنہ کھینچی ہے اور یہ حسرت حاصل گشت!"

انھیں خدائی قاصدوں کا نام پیمبر پڑا۔ اور سب سے پہلے پیمبر حضرت آدمؑ ہی ٹھہرے۔ وہی سب سے پہلے انسان بھی ہیں جو زمین پر آئے۔ وہی سب سے پہلے انسان بھی ہیں جو زمین پر آسکے۔ اور وہی سب سے پہلے نبی ہیں، جو خدا کا قانون زمین پر لائے — آدم کا زمانہ تاریخ کی پیدایش سے قبل کا زمانہ ہے، بعد ہمارا آسمانی نوشتہ انکی اپنی زندگی کے متعلق بے نتیجہ تفصیلات میں نہیں پڑتا۔ بعض روایات میں آتا ہے کہ وہ روئے زمین پر ملک سر سب میں آباد ہوئے۔ آج اسی کو سیلون کہتے ہیں۔

اہل فن کے قرائن و قیاسات یہ کہتے ہیں کہ سب سے پہلے انسانی آبادی کی بنا ملک عراق، یا دجلہ و فرات کے دوآبہ میں پڑی۔ اولادیں آپ کی حضرت حوا کے بطن سے متعدد ہوئیں۔ توریت میں نام تین بیٹوں کا آتا ہے۔ قابیل۔ ہابیل۔ شیث۔ اور یہ حضرت شیثؑ آگے چل کر پیمبر بھی ہوئے۔ توریت ہی کی روایت ہے کہ آپ نے عمر ۹۳۰ سال کی پائی۔ واللہ اعلم بالصواب۔

سرگزشت حیات نبی اول کی ختم ہو گئی۔ قرآن مجید نے چند سبق جو اس سادہ روداد حیات کے ذریعہ سے دیے ہیں، کچھ ضمناً اور کچھ مستقلاً وہ سب اسے خود اس قابل ہیں کہ ایک اُن پر کبھی ہوتی رہے۔ پہلی بصیرت تو یہ حاصل ہوتی ہے کہ انسان کی ہستی ذات باری سے بالکل جدا اور متمائز ہے۔ اور وہ ذات پاک اس سے بالکل منزہ ہے کہ انسان اُسکے ساتھ کوئی رشتہ شارکت یا مجانست کا رکھے۔ آدم بس آدمی ہی تھے۔ خدا یا ہوتا، معبود اکبر یا معبود اصغر کسی معنی میں بھی نہ تھے۔ لیکن یہ کیا بات ہوئی؟ کیا کسی نے انسان کو خدا یا جزو خدا بھی سمجھا ہے؟ جی ہاں اس دنیا میں ایسے دانشمند بھی آباد ہیں۔ قوموں کی قومیں مشرکوں کی ایسی گزر چکی ہیں جنکے نزدیک انسان اول جو تھا، دیوتا ہی تھا۔ اب بھی قبیلے در قبیلے ایسے ہیں، جو انسان کے جد اول کی پرستش میں لگے ہوئے ہیں۔ قرآن نے آفرینش آدم کا قصہ بیان کرکے اس مشرکانہ عقیدہ پر ضرب کاری لگا دی اور تعلیم عام کر دی کہ مخلوق اور خالق کے درمیان رشتہ داری کیسی، آدم اور آدم آفریں کے درمیان بجز وجود کوئی بھی مشترک ہی نہیں۔

دوسری تعلیم یہ ملتی ہے کہ آدمؑ مخلوق ہوئے ہیں۔ نیست سے ہست ہوئے ہیں۔ عدم سے وجود میں آئے ہیں۔ یہ نہیں کہ پہلے سے کوئی مادہ موجود تھا، آدمؑ کا قالب اُس سے ترکیب دے لیا گیا۔ نہ یہ کہ پہلے سے حیوانی نوعیں موجود تھیں۔ ان میں سے سب سے زیادہ ترقی یافتہ نوع کے سب سے ترقی یافتہ فرد کا نام آدمؑ ٹھہرا لیا گیا۔ عقیدہ اُن دونوں گمراہیاں پہلے بھی عام رہ چکی ہیں، اور آج بھی خدا معلوم کتنے مشرک دماغ کتنے مشرک مزاج انھیں گمراہیوں کے شکار ہیں۔

تیسرا سبق یہ ملتا ہے کہ آدمؑ اللہ کے عبد اور خلیفہ تھے۔ اُسکے مظہر یا اوتار نہ تھے۔ قوانین تکوینی کے پابند، احکام شرعی کے مکلف، بالکل اسی طرح جیسے آپ کے بعد سے سارے آدمزاد آج تک چلے آ رہے ہیں۔ مشرک قوموں کے نزدیک انسانیت اور الوہیت گویا ایک ہی سلسلہ کی دو کڑیاں ہیں۔ فرق صرف ادنیٰ اور اعلیٰ کا ہے۔ قرآن نے شرک کی یہ ریڑھ کی ہڈی توڑ کر رکھ دی۔

چوتھی ضرب اس قصہ نے ملائکہ پرستی پر لگا دی۔ مشرک قومیں اپنے عقیدہ میں دیوتا انھی ہستیوں کو کہتی تھیں۔ اور انھیں عالم میں متصرف اور کائنات کے مختلف شعبوں میں حاکم سمجھتی تھیں۔ اسلام نے آکر بتایا کہ قوت تصرف اور قدرت تو الگ رہی، ملائکہ کا علم بھی کامل نہیں۔ انسان کی طرح وہ بھی قیاس اور فراست ہی سے کام لے سکتے ہیں، اور انسان ہی کی طرح انکا علم بھی خدائی تصحیح کا محتاج رہتا ہے۔

پانچواں علم یہ حاصل ہوا کہ بشر کی ہستی اپنے خالق کے مقابلہ میں اس سے بھی زیادہ حقیر و پست ہے۔ جتنی آفتاب کے مقابلہ میں ذرہ کی ہوتی ہے۔ تاہم مخلوقات میں بشر کا مرتبہ سب سے افضل سب سے اعلیٰ ہے۔ یہاں تک کہ ملائکہ کو حکم ہوا ہے اسکی تعظیم کا۔ اسکا جھکنا ملائکہ پرستی کی جانب، عناصر پرستی کی جانب، کواکب پرستی کی جانب، اصنام پرستی کی جانب۔ ذہن کی پستی کا انتہا کے انحطاط کا آخری نقطہ ہے۔

چھٹا پہلو یہ ہے کہ کوئی انسان بڑے سے بڑا بھی خطا و میلان طبیعیاں سے محفوظ نہیں۔ اجتہادی لغزشیں پیمبروں تک سے ممکن ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ جسکا تعلق اس سے جتنا زیادہ جڑا ہوا اور مضبوط ہوتا ہے اُسی نسبت سے جلد تر وہ سنبھل جاتا ہے، اور نبی کو معصیت پر جمنے نہیں دیا جاتا۔

(باقی آیندہ)

مناظرۂ عزرائیل و ابلیس

از توفیق الحکیم مصری — ترجمہ لفٹنٹ خواجہ عبدالرشید آئی۔ ایم۔ ایس

(۲)

عزرائیل۔ تجھ کو مُنکے ساتھ بولنے کی اجازت نہیں ہے۔
ابلیس:۔ سنو تو سہی کیا کہ رہا ہے؟
[عمر بن خطاب لوگوں سے مخاطب ہوتے ہیں]
عمر:۔ میں کسی کو یہ کہتے سننا نہیں چاہتا کہ محمد صلعم فوت ہوگئے ہیں، وہ تو خدا کے پاس چلے گئے ہیں جس طرح موسیٰ گئے تھے۔ خدا کی قسم اگر کہتے سُن پایا تو اُسکے ہاتھ پاؤں کاٹ دونگا۔
عزرائیل:۔ (حیران ہوکر) یہ کیا کہ رہے ہیں؟
ابلیس:۔ دیکھا؟ انھیں بھی موسیٰ کی طرح بنا دیا!
عزرائیل:۔ تو جھوٹ بولتا ہے۔ اور یہ تیری عادت ہے۔
ابلیس:۔ ذرا چپ تو رہو۔ سنو، ایک اور آدمی کچھ کہنا چاہتا ہے۔
[ان میں سے ایک آدمی بولتا ہے]
ایک آدمی:۔ اللہ کا رسول عیسیٰ کی طرح چلا گیا ہے۔ اور وہ پھر آئینگے۔
عزرائیل:۔ خدایا میں کیا سُن رہا ہوں۔
ابلیس:۔ دیکھا! انھوں نے بھی اُنکو عیسیٰ کی طرح بنا دیا؟
عزرائیل:۔ میں ہرگز سُنی بات پر یقین نہیں کرتا۔
ابلیس:۔ تم کو تو پہلے ہی میں نے بتا دیا تھا کہ میں ان لوگوں کو تم سے بہتر جانتا ہوں۔
عزرائیل:۔ اے خدا تمہارا نور کہاں ہے؟ ان لوگوں کو کیا ہوگیا ہے؟
ابلیس:۔ آج کتنا ہی اچھا دن ہے۔ واہ دوست۔ ذرا اب میرا گانا تو سنو۔

ذھب عدوی الی الفناء -
الیوم عیدی فالی الغناء

عزرائیل:۔ آہ اگر تجھکو میں موت مار ڈالوں تو؟
ابلیس:۔ ہوں اگر میری روح کو قبض کرنا تمہارے لیے مشکل ہے تو مار ڈالو!
عزرائیل:۔ تجھ میں تو روح ہے ہی نہیں جسکو قبض کیا جائے
ابلیس:۔ مجھ میں روح تو ہے مگر تمہارے نازک ہاتھ اُسکو قبض کرنے سے لاچار ہیں۔
عزرائیل:۔ ہاں یہ درست ہے کہ میرے ہاتھ نہیں کر سکتے۔ مگر ایک بچے کے ہاتھ ضرور کر سکتے ہیں۔ تیری روح تو روزمرہ ہزاروں مرتبہ قبض کی جاتی ہے۔ ہر مومن کے دل میں تیری روح مرتی ہے۔ تیری روح ایک دھوئیں کی طرح ہے جسکو ایک بچہ ایک برتن میں بند کر سکتا ہے۔
ابلیس:۔ مگر میں تو مرتا نہیں اور نہ ہی دُکھی دنیا میں ہو چکا ہوں۔ یہ اس لیے ہے کہ میں اس جہان میں روحوں کا بادشاہ ہوں۔ اور جب تک اس دنیا میں عبادت نہ کرا دونگا چین سے نہیں بیٹھونگا۔
عزرائیل:۔ جہاں مرضی ہو رہو، مگر تو اپنے دشمن پر غلبہ نہ پا سکیگا۔
ابلیس:۔ تم اتنے حیران کیوں ہو؟ ابھی دیکھا نہیں میں نے محمدؐ کے پیغام کا مقصد بدل دیا ہے۔ کیا یہ محمدؐ نے نہیں کہا تھا کہ وہ اُن ہی کی طرح ایک انسان ہے جسکو خدا نے اپنا پیغام دے کر ان میں بھیجا، اور وہ اُنھیں کی طرح رہتا تھا، اور مرا بھی۔ اُسکا مذہب زندگی کا ایک اعلیٰ ترین قانون ہے۔ اور اس دنیا کے لیے بہترین خوراک ہے۔ نہ صرف یہ بلکہ انسانی فطرت کے لیے ایک ایسے سانچے کا کام دیتا ہے جس میں وہ ڈھل کر اپنا نشوو ارتقا منشاء الٰہی کے مطابق بنا سکتی ہے۔ ایسا نہیں ہے کہ جس طرح مسیح کو عیسائیوں نے اپنا خدا بنا لیا تھا اور اُسکی مرنے کی جگہ کو بھی پرستش کرنے لگ گئے تھے۔ کیا یہی مطلب ہے اس دین کا؟
عزرائیل:۔ ان لوگوں نے تو کوئی تبدیلی نہیں کی۔ تو نے جو کچھ عمر بن خطاب کی تقریر سے اخذ کیا ہے تو اس میں کچھ شک نہیں ہے کہ جو اُنھوں نے کہا ہے وہ سب درست ہے۔ اور وہ سب اس لیے تھا کہ کہیں لوگ محمدؐ کے مرجانے کے بعد غافل نہ ہو جائیں۔
ابلیس:۔ تو پھر یہ کیوں اسقدر ڈر گئے کہ لوگ غافل ہو جائیں گے؟
عزرائیل:۔ اے میرے خدا تو اپنا نور لوگوں کے دلوں میں ساڑ دے۔ اور اُنکے دل دین الٰہی سے منور ہو کر، آزروشنی کی طرح چمکنے لگ جائیں۔
ابلیس:۔ معاف کیجیے حضرت۔ یہ جو وسوسہ ان لوگوں کے دلوں میں ہے یہ ایک قدرتی امر ہے۔
عزرائیل:۔ لعنت ہو تجھ پر۔ تو اب لاچار ہو گیا ہے۔ دیکھو — دیکھو —
ابلیس:۔ کیا؟ کیوں۔ کون آرہا ہے وہ؟
عزرائیل:۔ یہ ابوبکر صدیق ہیں، اور لوگوں کو مخاطب کر رہے ہیں — ذرا سنو تو؟
[ابوبکر لوگوں سے مخاطب ہوتے ہیں]
ابوبکرؓ:۔ لوگو! تم میں سے جو لوگ محمدؐ کو خدا بناتے تھے تو وہ سن لیں کہ محمدؐ فوت ہوگئے ہیں۔ اور وہ لوگ جو خدا کو خدا سمجھتے تھے اور محمدؐ کو پیغمبر، تو سمجھ لو کہ اُنکا خدا موجود ہے!
عزرائیل:۔ سنا کیا کہتے ہیں؟ میں کسقدر خوش ہوں۔ میری خوشی کی کوئی انتہا نہیں۔
ابلیس:۔ ؟ ؟ ؟
عزرائیل:۔ یہ بھی دیکھو — یہ عباسؓ آرہے ہیں — دیکھو کیا کہتے ہیں۔
[عباسؓ لوگوں سے مخاطب ہوتے ہیں]
عباس:۔ لوگو! خدا کی قسم، اُس رب العرش کے سوا کوئی معبود نہیں۔ اُسکا پیغمبر مرگیا ہے اور اُسکو دفنا دو۔ اور تمام جو کچھ اُس نے تمہارے تک پہونچانا تھا پہونچا دیا ہے اور تمہارا دین مکمل ہو چکا ہے۔ اُس نے تم کو حلال اور حرام کی شناخت بتا دی ہے۔ اُس نے شادیاں کیں، جنگیں لڑیں، دوستانہ تعلقات پیدا کیے۔ وہ تم سب میں تمہاری ہی طرح ہو کر رہا۔ اور تمہاری ہی

کا انسان تھا۔

[عزرائیل غالباً نہ آواز سے ابلیس کو پکارتے ہیں]

عزرائیل :- اب تو کیا چاہتا ہے۔ بہتر ہے کہ اس جگہ کو چھوڑ دے۔ تیری یہاں گنجایش نہیں۔ مذہب کا مفہوم اب تو بہت نمایاں ہو گیا ہے اور اس قدر نمایاں ہے کہ اسکی روح چمکنے لگ گئی ہے۔

حکومت کی مشکلات اس خصوص میں، اتنا نظرانداز نہیں کی جاسکتیں جن مضامین کے پڑھانے کے لیے اُستانیاں بہ دست نہ ہو سکتی ہوں انکے لیے وہ اُستاد نہ رکھے تو کیا کرے؟ مگر اس طرح سے جو مفسدے پیدا ہو رہے ہیں انکو بھی ہم نظرانداز نہیں کرسکتے اور نہیں چاہتے کہ ان حقائق کو نظرانداز نہیں کرسکتے اور نہیں چاہتے کہ ان حقائق کو حکومت اور عوام سے پوشیدہ رکھ کر یہ غلط احساس پیدا کرادیں کہ جو کچھ اس خصوص میں ہو رہا ہے وہ سب ٹھیک ہے، اور تعلیمی نقطۂ نگاہ سے قابل اطمینان ہے۔

مرد کچھ ارزنانہ کالج میں

ناگپور ۱۵-۱۲

سال سے جب سے کہ لڑکیوں نے سائنس کے مضامین کیمیا و طبیعات کی طرف توجہ مبذول کردی ہے شعبہ سائنس کے ایسے کامیاب نوجوانوں کو زنانہ کالج میں بحیثیت اُستاد مقرر کیا جاتا ہے۔ اسکی وجہ یہ بتائی جاتی ہے کہ ملک میں ابھی ان مضامین کی تعلیم دینے والی خواتین فراہم نہیں ہو سکی ہیں اور کچھ دنوں میں جب اس طریقہ سے کچھ خواتین ان مضامین کی تعلیم دینے کے قابل فراہم ہو جائیں گی تو پھر اسکو مسدود کردیا جائیگا۔ اور تعلیم کا کام انہیں سے لیا جائیگا۔ مگر اس سلسلہ میں ہمارے پاس ایک مراسلت وصول ہوئی ہے۔ جس سے واضح ہے کہ اس طرح نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں کے ایک جا ہونے سے جو مذموم نتائج فطرتاً برآمد ہونے چاہییں وہ برآمد ہونے لگے ہیں۔ اس مراسلہ میں ایسے چار نتائج مذموم درج ہیں اور انکی شرمناک تفصیلیں بھی بیان کی گئی ہیں۔ چونکہ ان تفصیلات کا اظہار بھی شرمناک ہے، اسلیے اس مراسلہ کا ایک حصہ سنا دینا کافی ہے کہ اس جزوقتی کچہری سے تو مخلوط تعلیم بہتر ہے۔ تاکہ طلبا کے حقوق اساتذہ کی دست درازیوں سے محفوظ رہیں۔

ہم یہ دیکھ رہے ہیں کہ جس طرح سائنس کی تعلیم ہندوستان اور ہماری جامعہ میں مردوں کی ہو رہی ہے اس نے ملک ہماری زندگی کے حرفتی و صناعتی پہلو میں کچھ بھی درست نہیں پیدا کی ہے۔ ہم حیران ہیں کہ جو تعلیم خود مردوں کے لیے غیر مفید ہوئی ہے اسکو عورتیں کیوں حاصل کررہی ہیں۔ انکی کیمیا و طبیعات دانی قومی زندگی میں کیا سرخاب کے پر لگادیگی لیکن اگر اس سے قطع نظر بھی کرلیا جائے تو بھی اس خرابی کے مقابلہ میں جو نوجوان مردوں کی زنانہ کالج میں جزوقتی کچہری سے پیدا ہو رہی ہے، کیا یہ واقعہ ہے کہ ان مضامین کی تعلیم دینے والی خواتین کہیں باہر سے بھی نہیں مل سکتیں؟ (رہبر دکن)

نقیب الحادے

(از حضرت جگر مرادآبادی، بہ واسطہ "مدینہ")

دیجئے خدا کو گالیاں خوب پیے پلائے جا — کہہ کے سلام دوزخیہ دست ہوس بڑھائے جا

قوم و وطن کے مدعی کون و مکاں پہ چھائے جا — فکر و عمل کی وسعتیں تنگ نہ کر بڑھائے جا

تیری تمام خلوتیں شاہد و مطرب و شراب — بزم میں انقلاب کا شور مگر مچائے جا

تو کہ ہے ننگ زندگی درس ترا ہے زندگی — زندگی و درندگی یوں نہ بہم ملائے جا

ہے کہ ہے تیری ذہنیت ساختۂ فرنگیاں — خوب فریب کھا چکا اب نہ فریب کھائے جا

تیرے فریب کے لیے کم نہیں پست دوقیاں — بھر کے ہر ایک زر و سیم سے تو دکھلائے جا

تجھکو خدا سے کیا غرض چھوڑ خدا کا تذکرہ — مارکس کا تو غلام ہے مارکس کے گیت گائے جا

تیری نگاہ و فکر میں عصمت حسن کچھ نہیں — اپنی مگر یہ بزدلی مصلحتاً چھپائے جا

جہل ترا تری سرشت علم ترا ستاع غیر — حکمت و شعر کہہ کے تو سب کو یقین لائے جا

اہل و دل کے سامنے دست ہوس تراد راز — ہٹ کے وہاں سے گالیاں انکو مگر سنائے جا

اینٹھ کے دوسروں کا مال نوحۂ مفلسی سنا — کھا کے پلاؤ قورمہ بھوک کے گیت گائے جا

جب تری مضحکات پر بزم کی بزم ہنس پڑے — داد سمجھ کے اپنا سر ناز سے تو ہلائے جا

جناب مدیر صدق کی تصانیف

جن میں سے ہر کتاب اپنے مبحث پر ایک گوہر بے بہا ہے۔ حسب ذیل پتہ سے مل سکتی ہیں :-

منیجر دارالمصنفین - اعظم گڈھ - یوپی

طلباء کے لیے گانا بجانا لازمی

مولانا عبدالماجد کے ایک گرامی نامہ سے ہمیں سررشتہ تعلیم یوپی کے ایک سرکلر کا علم ہوا جسکا منشا یہ بتایا جاتا ہے کہ سال رواں سے صوبہ کے سرکاری اسکولوں میں تیسرے درجے سے پانچویں درجہ تک تمام طالبعلموں کے لیے گانے اور طبلہ بجانے کی تعلیم لازمی ہوگی۔ اسکے معنی یہ ہیں کہ جس طرح اب تک ہر طالبعلم زبان، تاریخ، جغرافیہ، حساب وغیرہ پڑھتا تھا اور اس میں امتحان دیتا تھا، اب گانا اور طبلہ بجانا بھی سیکھے گا اور اسکا بھی امتحان دیگا۔ ہمیں محکمہ تعلیم کے اس سرکلر پر سخت حیرت ہے۔ ہماری سمجھ میں مطلق نہیں آتا کہ گانے بجانے کو "لازمی مضمون" قرار دینے کی کونسی ضرورت داعی ہوئی اور کب پبلک نے کوئی ڈیپوٹیشن بھیجا تھا اور کب کوئی یادداشت یا مطالبہ پیش کیا تھا کہ اسکولوں میں گانا بجانا لازمی قرار دیا جائے۔ ہندو مذہب اور ہندو تہذیب میں بلاشبہ گانے بجانے کو ایک اہمیت حاصل ہے لیکن مسلمانوں کے مذہب اور تہذیب و معاشرت میں "فن موسیقی" کی کوئی گنجایش نہیں۔ کوئی مسلمان بھی اس بات کو گوارا نہیں کر سکتا کہ اسکے بچے اسکے سامنے تال سُر نکالیں اور اسکول میں اسکی تعلیم حاصل کریں۔ مسلمانوں کے نزدیک اسکولوں میں گانے بجانے کی تعلیم کے معنی اسکے سوا کچھ نہیں کہ انکے بچوں کے اخلاق کی تخریب کا سامان مہیا کیا جائے۔ ہم محکمہ تعلیم کو متنبہ کرنا چاہتے ہیں کہ وہ اس سرکلر کو واپس لے لے۔ ورنہ اس سے مسلمانوں میں سخت ناراضی پیدا ہوگی۔ اگر حکومت سرکاری اسکولوں میں مذہبی تعلیم کا انتظام نہیں کر سکتی اور طلبار کے اخلاق و کردار کی درستی کے لیے مسلمانوں کے مطالبہ مطالبہ کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہے تو اسے ہرگز وہ طریقہ اختیار نہیں کرنا چاہیے جس سے مسلمانوں کو نئی شکایات پیدا ہوں اور جس سے اسکولوں میں انکی تہذیب اور مذہب کا استخفاف ہوتا ہو۔ ہم مسلم تعلیمی کانفرنس، مسلم لیگ، جمعیۃ العلماء اور ہر ہوشمند مسلمان کو حکومت یوپی کے مذکورہ سرکلر اور اسکے اجراء و نفاذ کے نتائج کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ اور امید کرتے ہیں کہ وہ اسکو منسوخ کرنے کے لیے احتجاج و ناراضگی کا مناسب مظاہرہ کریں گے۔ (مدینہ)

(بقیہ صفحہ ۴)

نہیں لاتا۔ اگر مجبوراً کوئی ملازمت کرتا بھی ہے تو ملازمت کو محض ایک ذریعہ خیال کرتا ہے۔ مقصود اصلی تجارت ہی کو بنائے رکھتا ہے۔

یہاں کی یہ تمام باتیں دیکھ کر اور سن کر جو میرے لیے بالکل نئی ہیں، اب مجھے بھی یقین ہو گیا ہے کہ کوئی کام کرنے کا ہے تو وہ تجارت ہی ہے۔ اور اب مجھے آپ کی اس ہدایت کی قدر ہوئی جو آپ نے فرمائی تھی، کہ مسلمان کے لیے بہترین راہیں تجارت اور زراعت کی ہیں، اور ملازمت تو ادنیٰ درجہ کی چیز اور حالت مجبوری کی ہے۔ اسکی حقیقت اب جاکر مجھ پر کھلی۔ اس لیے میری بھی طبیعت اب دوسرے مشاغل کو چھوڑ کر تجارت ہی کی طرف آمادہ ہوئی ہے۔"

ملازمت کو ذریعہ فلاح و ترقی کا سمجھنا افسوس ہے کہ انھیں علاقوں میں بہت زیادہ پھیلا ہوا ہے جو مسلم حکومت کے مرکز رہ چکے ہیں، یا اب تک ہیں۔ مثلاً نواح دہلی، صوبہ اودھ، ملک دکن۔ یہاں مسلمان شرفا اور شریف زادوں کی سمجھ میں کوئی اور راہ بجز ملازمت یا زمینداری کے نہیں آتی! بمبئی وغیرہ جو علاقے نسبۃً آزاد رہے ہیں، وہ بحمداللہ اسی جذبے سے آزاد اور بالکل صحیح طور پر تجارت ہی کی طرف مائل ہیں۔ قومی اور شخصی ہر قسم کی فلاح کا اصلی راز تجارت ہی ہے، اور اس سے اُتر کر زراعت۔

اپنے مراسلہ نگاروں سے

مولوی عبدالحفیظ صاحب، بریلی۔ ایسے مادی اور شوخ چشم مجرا کے حق میں بہتر ہوگا کہ آپ اللہ ہی سے دعا کریں۔

اسکولوں میں راگ باجے کی تعلیم

ایک محترم بزرگ لکھتے ہیں:—

"پانیر ۸ جولائی کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ اگلی سال سے اسکول کلاسوں میں راگ باجے کی تعلیم لازمی [illegible] قرار پاگئی ہے! اسکے بعد اب ناچ ہی کا قدم باقی رہ جاتا ہے۔ یہ اسلامی تہذیب پر ہندو اور فرنگی تہذیبوں کا متحدہ حملہ ہے۔ یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں ہے۔ اس لیے سارے اسلامی پریس کو اس تجویز کے خلاف پُرزور طریقے سے لکھنا چاہیے۔ مسلم لیگ، جمعیۃ وغیرہ سب اس محاذ پر متحد ہو سکتے ہیں۔"

پانیر کا یہ اعلان ہماری نظر سے نہیں گزرا، ورنہ ہم اس سے قبل ہی لکھتے۔ بہرحال ہمیں اپنے محترم بزرگ کی رائے سے بالکل اتفاق ہے کہ یہ کوئی نزاعی مسئلہ نہیں ہے۔ جمعیۃ العلماء اور مسلم لیگ دونوں کو اور بالخصوص اول الذکر کو اسکے خلاف موثر قدم اٹھانا چاہیے!!

(حقیقت)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

سچی باتیں

خدانخواستہ اگر کوئی آپ سے یہ سوال کر بیٹھے، کہ آپ کے خاندان میں شرابی کتنے ہوئے ہیں؟ یا یہ کہ آپ کے کنبہ میں چور اور زانی کتنے گزرے ہیں؟ یا یہ کہ حرام کاری کے باب میں آپ کے بزرگوں کا ریکارڈ کیا رہا ہے؟ یا یہ کہ جعلسازی میں آپ کا گھرانا کیسا ممتاز رہا ہے؟ تو سنجیدگی وتفصیل سے جواب دینا الگ رہا، آپ ان سوالات کو صبر وتحمل سے سن بھی سکتے ہیں؟ بس چلنے پر آپ سوال کرنے والے کو بے مار چھوڑیں گے؟ ——— اور پھر فرض کیجیے کہ یہ سوالات آپ سے تنہائی میں نہیں، بند کمرے میں نہیں، سرِ عام، بھرے مجمع میں، دوست ودشمن موافق مخالف سب کے سامنے ہو رہے ہیں! آپ کے غصہ، اشتعال، ناگواری کی کوئی حد رہیگی؟
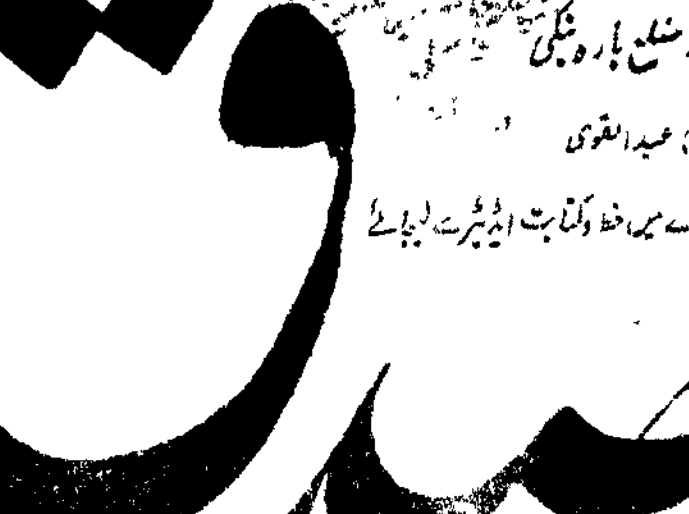
لیکن اتنی ناگواری کیوں؟ محض اسی لیے نہ، کہ سائل نے بعض ایسی چیزیں آپ کے بزرگوں کی جانب منسوب کرنا چاہیں، جنکے ارتکاب کے محض امکان ہی کو آپ اپنی حد درجہ توہین سمجھتے ہیں۔ لیکن پھر یہ کیا ہے، کہ بھری عدالت کے کھلے ہوئے کمرہ میں، دوست دشمن سب کے روبرو جب وکیل آپ سے سوال کرتا ہے، کہ بتائیے، لڑکیوں کو ترکہ دینے میں، بہنوں کو حصہ فرض دینے میں، آپ کا خاندانی رواج کیا ہے، آپ کے بزرگ اونہیں یہ حصے دیتے رہے ہیں یا کاٹ لیتے ہیں؟ تو آپ کوئی ناگواری کوئی غصہ اپنے اندر نہیں محسوس کرتے، بلکہ بڑے اطمینان وسکون قلب کے ساتھ سوال کا جواب دینے میں الگ جاتے ہیں ——— کسی اہل حق کا حق مار دینا، کسی شرعی حصہ دار کا حصہ کاٹ لینا، اپنے نفس حرام ہونے کے لحاظ سے، اللہ اور رسول کی نگاہ میں قابلِ نفرت ہونے کے لحاظ سے کچھ کم ہے شراب خواری سے، جعلسازی سے، زناکاری سے، چوری کا مال لانے سے، کسی کے گھر کی دیوار پھاند سے؟

فرق صرف یہ ہے کہ جن چیزوں کو، رواج نے بھی معیوب قرار دیا ہے، آپ کے دل میں نفرت صرف انھیں سے باقی رہ گئی ہے، تمام مرشد انھیں سے آتی ہے —— باقی جو چیزیں شریعت کے نزدیک قطعی حرام ہیں، لیکن دوسری قوموں کی صحبت کے اثر سے، مشرکوں اور کافروں کی ہمسایگی کے اثر سے آپ کے ہاں بھی چل چکی ہیں، اور آپ کی سوسائٹی میں معیوب نہیں رہی ہیں، اُن سے متعلق آپ کی حس مردہ ہوچکی ہے اور اُنکے بارے میں کوئی سوال واستفسار آپ کی غیرت وحمیت میں حرکت نہیں پیدا کرتا، بلکہ اُلٹے آپ خوش ہوتے ہیں، اور فخر کیساتھ عدالتوں میں جواب وہی کہتے ہیں، کہ ہم آج سے نہیں پشتہا پشت سے غاصب اور لٹیرے چلے آرہے ہیں، یہ دیکھیے ہمارے ہاں کی واجب الارض ہے، ہمارے گاؤں کی کھیوٹ ہے، یہ رہا پکا ثبوت ہے اسکا، کہ ہمارے باپ دادا خوب خوب حرام کا مال کھاتے رہے ہیں، خوب خوب گلا اپنی سگی بہنوں، اپنی حقیقی بیٹیوں کا کاٹتے رہے ہیں، اور ہم ناخلف ہونگے اگر ہم انھیں کی روش پر نہ چلے!

صدق کو قادیانی بحث و مباحثہ سے نہ کوئی خاص دلچسپی ہے، نہ وہ کسی مناظرہ میں پڑنا چاہتا ہے، لیکن مندرجہ بالا عقائد منجملہ اُن ۱۴ عقائد کے ہیں جنکی فہرست مرزا صاحب نے خود اپنے دستخط اور اپنے ذیل میں دستخط سے ۱۶ نومبر ۱۸۹۸ء کو گورداسپور کی فوجداری عدالت میں ایک مقدمہ کے دوران میں داخل کی تھی۔ (رسالہ فرقان قادیان - جولائی ۱۹۴۲ء صفحہ ۵) دوسروں کی زبان سے ان عقائد کی نقل سُن کر ہمیشہ حیرت ہوتی تھی۔ اور دل بعض بے اعتباری کے کانوں سے سنتا تھا، لیکن اب یہ تصریحات تو مرزا صاحب کے خود اپنے قلم کی ہیں!

ہر اپنی چشم شوق کو الزام خاک دوں
تیری نگاہِ شرم سے کیا کچھ عیاں نہیں!

دین دار اور بے دین کی دنیا امریکہ کی کولمبیا یونیورسٹی کے استادوں کے کالج کے استاد، ڈاکٹر گڈون واٹسن کے حوالے سے ایک رسالہ نوید صحت (دہلی) جولائی نمبر میں لکھتا ہے:—

"ڈاکٹر واٹسن طویل مطالعہ اور تحقیق و تفتیش کے بعد اس نتیجہ پر پہونچے ہیں کہ .... جو لوگ تجرد کی زندگی گذارتے ہیں یا جن پر کسی اور کی ذمہ داری نہیں ہوتی، اُن پر وہ لوگ اخلاقی حیثیت سے بہت فوقیت رکھتے ہیں جو شادی شدہ ہوتے ہیں یا جن پر اپنے لواحقین کی پرورش و پرداخت کی ذمہ داریاں ہوتی ہیں۔ پھر جو لوگ کسی مذہب پر ایمان رکھتے ہیں انکے اخلاق اور حوصلے اُن لوگوں سے بلند ہوتے ہیں جو کوئی مذہب نہیں رکھتے"۔

گویا مذہب محض آخرت کے کام کی نہیں، اس دنیا کے بھی بہت کام کی چیز ہے! اور یہ شہادت اب انکی زبان سے ادا ہو رہی ہے، جنکی قوم حبِّ دنیا، دنیا طلبی، دنیا پرستی میں شاید سب سے بڑھی چڑھی ہے۔

ایک غیر مفید تنقید ایک صاحب نے جو عالم دین اور ایک مذہبی درسگاہ کے صدر المدرسین ہیں اپنے ۱۲ جولائی کے عنایت نامہ میں لکھے ہیں:—

"دو ہفتے ہوئے کہ بیک وقت صدق کے ذریعہ رنج و خوشی کی خبروں سے واقف ہوا تھا۔ رنج کی خبر آپ کی علالت کی خبر تھی۔ خوشی کی خبر (حالی نہ کہ نفلی) تنقید حقوق الزوجین والے سوقیانہ اور مغالطات سے بھرپور مضمون کے ختم کی خبر تھی۔ اُس دن سے باوجود بارہا ارادہ کے آج نوبت خط لکھنے کی آرہی ہے"۔

مولانا بڑا ہی کرم ہوتا اگر "سوقیانہ اور مغالطات سے بھرپور مضمون" کی کچھ تشریح کم علموں کے استفادہ کے لیے کر دی گئی ہوتی۔ یا کم از کم اسکی سوقیت اور مغالطہ پروری کی ایک ہی دو مثالیں دے دی گئی ہوتیں! اصل مضمون حقوق الزوجین میں ائمہ فقہ کے خلاف جس بغاوت کا اظہار تھا، اُسکے لحاظ سے اسکی توقع تو ہو نہیں سکتی کہ مولانا، صاحب مضمون کے ہم نوا اور ہم مسلک ہونگے۔ لیکن جب وہ اور اُن جیسے دوسرے حضرات تنقید کے لیے وقت نہ نکال سکے، تو لامحالہ یہ فرض کفایہ ایک ایسے صاحب نے ادا کیا جو اپنی خوش تحریری کے لیے ممتاز نہیں۔ یہ تو کچھ عجیب سی بات ہے کہ مفید تنقید نہ خود کی جائے، اور نہ دوسرے کی لکھی ہوئی تنقید کو گوارا کیا جائے! بلکہ اُس تنقید پر خود ایک ایسا نقد کر دیا جائے، جو کسی کے بھی کام نہ آسکے!

زاہد نہ خود پیو نہ کسی کو پلا سکو
کیا بات ہے تمہاری شراب طہور کی!

ایک مقدمہ کی واپسی لکھنؤ میں فحش نویسی کی بنا پر اُردو کے ایک افسانہ نویس پر مقدمہ چلنے کا ذکر صدق میں آ چکا ہے۔ مقدمہ مصنف پر نہیں حسب ضابطہ ناشر پر تھا۔ بڑی مسرت کا مقام ہے کہ ناشر نے معذرت نامہ داخل کر دیا، اور گورنمنٹ نے اسے قبول کر کے مقدمہ اُٹھا لیا۔ ناشر کے معذرت نامہ بنام ڈپٹی سکریٹری انفارمیشن ڈپارٹمنٹ صوبہ متحدہ کا ترجمہ حسب ذیل ہے:—

"بہ سلسلہ میری درخواست مورخہ ۵ جولائی جو کتاب 'شرمناک افسانے' کے باب میں میرے اوپر مقدمہ چلنے سے متعلق تھی، میں اُس کتاب کی اشاعت پر اپنا تاسف عرض کرتا ہوں۔
اسکے علاوہ میں وعدہ کرتا ہوں کہ شائع شدہ کتابوں میں سے جو واپس لینا ممکن ہوگی، میں واپس لے لونگا۔
آخری عرض یہ ہے کہ میں نہ اس کتاب کو دوبارہ شائع کرونگا نہ اسکے مضامین کی اشاعت کسی دوسری صورت میں کرونگا۔
مہربانی کر کے اب مقدمہ اُٹھا لیا جائے۔ جسکے لیے میں ہمیشہ آپ کا ممنون رہونگا"۔

اپنی غلطی پر ندامت و معذرت کا اظہار ہرگز دلیل ذلت کی نہیں، دلیل عزت کی ہے۔ اور یہ بار نہیں، عین عبادت ہے۔

منکسر، سچید، متواضع - اتباع سنت اور پابندی شریعت میں ممتاز تھے۔ انکی نماز خضوع و خشوع اور سکون و طمانیت کی تصویر ہوتی تھی۔ دارالعلوم کی مدرسی کے زمانہ میں لکھنؤ کے اکثر اہل علم انکے معترف و مداح تھے۔ اور مسائل میں انکا فیصلہ قول فیصل کا حکم رکھتا تھا۔ اللہ تعالیٰ اس مجموعۂ خوبی کو اپنے فضل و کرم سے نوازے، اور مدارج عالی عنایت فرمائے۔

(معارف)

اسکولوں میں موسیقی

سُنا ہے - یو - پی کے محکمۂ تعلیم نے ایک سرکلر جاری کیا ہے - جسکی بنا پر سال رواں سے تیسری چوتھی اور پانچویں جماعت تک کے طالب علموں کو گانا اور طبلہ بجانا سکھایا جائیگا - اور یہ مضمون اختیاری نہیں بلکہ لازمی ہوگا - اور تاریخ - جغرافیہ اور حساب کی طرح ہر لڑکے کو اس میں بھی پاس ہونا پڑیگا - یعنی اگر کوئی لڑکا باقی تمام مضامین میں پاس ہوگا، اور طبلہ نہیں بجا سکیگا، تو فیل کر دیا جائیگا۔

سچ یہ ہے کہ کسی قوم کی زینت و عظمت کا معیار اُسکا "آرٹ" ہے اور موسیقی کو فنون لطیفہ میں جو رتبہ حاصل ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ اسکے علاوہ آج کل ہندوستان میں فلم کمپنیوں اور ریڈیو اسٹیشنوں کی بھرمار ہے - اور گانے بجانے والوں کے لیے معاش کے کئی دروازے کھل رہے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ہماری درس گاہیں طلبہ کو ہر اعتبار سے روٹی کمانے کے قابل بنائیں - آخر دستکاریاں بھی حصول معاش کے لیے سکھائی ہی جاتی ہیں - پھر گانا اور طبلہ بجانا کیوں نہ سکھایا جائے۔ جن لڑکوں کو پڑھے ہو کر کسی فلم کمپنی یا ریڈیو اسٹیشن پر کام نہ مل سکے گا وہ کسی طوائف کے طبلچی بن کر ہی چار پیسے پیدا کر لیں گے۔ اگر یہ موقع بھی میسر نہ ہوگا تو گا بجا کر بھیک مانگنا تو کہیں گیا ہی نہیں۔

ذرا مقابلہ کیجیے - دوسرے ملک تو اپنے بچوں کو اسکولوں ہی میں بندوق چلانا، مشین گن استعمال کرنا، اور ہوائی جہاز چلانا سکھاتے ہیں۔ لیکن ہمارے ہاں "سارے گا ما پا دھا نی" اور "تا تھک دھنا" کی "تعلیم" دی جاتی ہے - اس سے ظاہر ہے کہ ہندوستان آرٹ اور اہنسا کا گھر ہے۔ اور یہ وہ دولت ہے جسے کوئی دشمن بھی چھین نہیں سکتا۔

چونکہ یہ - پی کے محکمۂ تعلیم کا یہ حکم آرٹ، تہذیب، اقتصادیات کے اعتبار سے بہت مفید ہے اس لیے ہندوؤں اور مسلمانوں کو حکومت کا دلی شکریہ ادا کرنا چاہیے - آیندہ انکے بچے گا بجا کر پیٹ پال لیا کرینگے اور بھوکے نہیں مرینگے۔

ہمارے نزدیک بڑی جماعتوں میں بھی موسیقی کا انتظام ہونا چاہیے اور اس علم کی بھی ڈگریاں ملنی چاہییں - مثلاً درجہ بدرجہ تانی - ڈوم کلاونت - طبلہ نواز جنگ بہادر کے القاب بہت موزوں رہیں گے۔ لڑکیوں کے اسکولوں میں تو اکثر رقص اور موسیقی کی تعلیم دی جاتی ہے اور آجکل کی تعلیم یافتہ لڑکیوں میں ناچ اور گانے کی بڑی بڑی ماہر موجود ہیں - یقین نہ ہو تو پنجاب لٹریری لیگ کے کسی کانسرٹ میں جا کر شریف زادیوں کا نخرہ اپنی آنکھوں سے ملاحظہ فرما لیجیے - اب لڑکے بھی گانا اور طبلہ بجانا سیکھ لیں - تو وہ اُستاد جی ہونگے، اور ان کی بہنیں "بائیاں" ہوں گی - گویا ہر گھر میں ایک مستقل "طائفہ" مہیا ہو جائیگا۔

رنڈیوں اور میراسیوں کو اب کوئی اور کام اختیار کرنا چاہیے۔ کیونکہ ناچ اور گانے کی تعلیم اسکولوں میں شروع ہو گئی ہے - اور ہر شریف گھرانے کا "ڈرائنگ روم" بزم نشاط بن چکا ہے - جب لڑکوں کو گھر بیٹھے ہی اور ہیرا منڈی سے بہتر سامان عیش میسر ہوگا تو وہ بھلا بازار میں کیوں بھٹکتے پھریں گے۔ بے نقصان اید دگر شماتت ہمسایہ۔

(انقلاب)

خریداران صدق کی خدمت میں

سلسلہ نمبر ذیل خریداروں کی میعاد خریداری اسی ماہ اگست ۱۹۴۲ء میں ختم ہو رہی ہے - براہ کرم سال آیندہ کیلیے چندہ ایسے وقت میں روانہ کر دیا جائے کہ ختم ماہ سے پہلے پہلے دفتر کو وصول ہو جائے ورنہ یکم ستمبر ۴۲ء کو حسب معمول وی پی روانہ ہوگا۔

نمبر ۱۲۹ و ۱۳۰ و ۱۳۸ و ۱۴۰
و ۱۴۳ و ۲۸۲ و ۲۸۸ و ۲۹۰
و ۵۴۹ و ۵۶۲ و ۶۲۵ و ۶۳۶
و ۷۳۸ و ۸۵۷ و ۸۵۶ و ۸۶۱
و ۸۶۶ و ۸۶۸ و ۸۶۹ و ۸۷۰
و ۸۶۲ و ۸۶۵ و ۱۰۱۳ و ۱۰۳۲
و ۱۰۴۳ و ۱۰۴۲ و ۱۰۴۵ و ۱۰۴۶
و ۱۰۴۸ و ۱۰۴۹ و ۱۰۵۰ و ۱۰۵۱
و ۱۰۵۲ و ۱۰۵۳ و ۱۰۵۵ و ۱۰۶۹
۱۱۰۷

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق - مرشد آباد بلڈنگ گولا گنج لکھنؤ سے شایع کیا)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ۔ (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، یہی لوگ پرہیزگار ہیں)

مدیر: عبد الماجد
پتہ: دریاباد، ضلع بارہ بنکی
نائب: حکیم عبد القوی
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:-
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
,, ششماہی ؎
بیرون ہند سے سالانہ [illegible]
قیمت فی پرچہ ۱؍

صدق
لکھنؤ

نمبر ۲ | دوشنبہ۔ ۳؍ رمضان المبارک سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۴؍ ستمبر سنہ ۱۹۴۲ء | جلد ۸

۲۵ اگست۔ لندن کی بجلی یوں خبر سناتی ہے: ڈیوک آف کنٹ شاہ برطانیہ کے حقیقی چھوٹے بھائی، ہوائی فوج کے ایک اعلیٰ افسر، مع اپنے رفیقوں کے، فوجی مہم پر اسکاٹ لینڈ سے آئس لینڈ روانہ ہوئے، بہترین ہوائی جہاز پر۔ جہاز شاید ساٹھ میل گیا تھا کہ گرا۔ غالباً پہاڑ سے ٹکرا کر۔ شمالی اسکاٹ لینڈ کے ایک بالکل ویرانہ میں۔ اور جہاز کے فولادی جسم کے ساتھ ساتھ شاہی جہاز نشین کا انسانی جسم بھی پاش پاش ہو کر رہ گیا! —— ڈیوک کی عمر پورے چالیس سال کی بھی نہ تھی۔ تندرستی و توانائی اپنے شباب پر تھی۔ دنیا کے سب سے بڑے بادشاہ کے محبوب و عزیز بھائی تھے۔ خود بھی اعلیٰ فوجی عہدہ دار تھے۔ جہاز لق و دق، ۸۵ فٹ کا لمبا، پر ملا کر ۱۱۲ فٹ چوڑا، ۳۴ فٹ بلند، بہترین قسم کا تھا۔ ایک انجن نہیں، چار چار انجن رکھتا تھا۔ ہوا پر اٹھارہ اٹھارہ گھنٹے رہ سکتا تھا۔ عام [illegible] ۱۸۰۰ میل کا تھا۔ گنجائش ۲ ہزار میل تک کی تھی۔ اٹلانٹک سے جیسے بحر اعظم کو عبور کیے ہوئے تھا۔ جہاز پر فن ہوا بازی کے بہتر سے بہتر ماہرین موجود۔ غرض انسانی کاریگری، صنعت، دانائی، تدبیر و پیش بینی حد پرواز تک پہونچی ہوئی۔ مرنے کی نہ ابھی عمر نہ صحت، پر موت اپنے وقت پر آئی، تو تدبیر کے سارے قلعوں کو توڑتی پھوڑتی ہوئی آئی۔ حفاظت و پیش بندی کے تند و تند سمندروں کو چیرتی پھاڑتی، بھاگتی ہوئی آئی! اور عظیم الشان محل اور پر تکلف قصر میں رہنے والے کے پاس بھی اسی طرح آئی، جس طرح جنگل میں ان پر گزر کرنے والوں، ٹوٹی پھوٹی جھونپڑیوں میں بسر کرنے والوں کے پاس آتی ہے!

---

۲۹ اگست۔ آج ونڈسر کے شاہی قبرستان میں نقل و حرکت ہو رہی ہے۔ میت بادشاہ کے بھائی کی آرہی ہے۔ جنازہ کو کاندھا محکمۂ ہوائی کے اعلیٰ افسر دیے ہوئے ہیں۔ جنازہ کے پیچھے بادشاہ سلامت خود ہیں اور انکی والدہ ملکۂ میری، اور ڈیوک کی بیوہ (شادی کو ابھی چند ہی سال تو ہوئے تھے) سب کے سب سیاہ پوش۔ اور انکے پیچھے اور سے بادشاہ (ناروے، یوگوسلاویہ، ہالینڈ) ایک نہیں چار چار ملکوں کے بادشاہ۔ ادھر جنازہ کے اوپر پہننے والے کی فوجی ٹوپی رکھی ہوئی۔ میت تابوت کے اندر سے نکالی گئی، اور ڈیوک کی بیوہ فرط غم سے زمین پر گر گئیں۔ ملکۂ سلامت نے سنبھالا۔ اب میت قبر میں اتاری جارہی ہے۔ بیوہ کا دل ڈوبنے لگا۔ اسے دیکھیے، دوبارہ غش آگیا۔ نعش قبر کے اندر پہونچ گئی، اور بادشاہ سلامت مٹی دیتے جاتے ہیں، اور ان آنکھوں سے زار و قطار آنسو جاری ہیں! —— بادشاہ کے آنسو بھی ہا! کیا بادشاہ کا دل پتھر کا ہو جاتا ہے؟ —— اب پادری صاحب کی باری آئی۔ دعاے جنازہ شروع ہوئی، اور بآواز بلند یہ کلمے دہرائے:-

"مٹی کو مٹی سے، راکھ کو راکھ سے، خاک کو خاک سے ملایا جا رہا ہے"

بیوہ کی حالت پھر غیر ہوئی۔ انکی بے اختیار چیخیں مار مار کر رونے لگیں۔ پادری کی دعا ہے کہ ختم ہونے کو نہیں آتی، اور بیوہ کی نظر ہے کہ سر جھکائے ہوئے، پتھر بنی ہوئی، آنکھوں سے آنسو مل رہے ہیں، اور زبان پر اپنے عقیدہ و ایمان کے موافق دعائیں مغفرت کی ہیں!

زور اور قوت والوں کو، عاجزوں اور بیکسوں کی طرح اتنی کسی نے روتے گڑگڑاتے دیکھا ہوگا؟ آج نظارہ سب کے سامنے عیاں تھا: پہلے پردہ تھا لِمَنِ الْمُلْكُ الْيَوْمَ کا! اور محسوس ہو رہا تھا کہ حکومت اور قوت کسی کی ہے! —— پادری صاحب کی دعا جب ختم ہوئی۔ اب شاہی نقیب نے شہزادہ کے القاب و خطابات کی، جاہ و منصب، بحری و فوجی عہدوں کی، منصب و اعزاز کی طویل فہرست سنانی شروع کی۔ اور سادہ شاہی

جواب "اسٹرائک" ہیں۔ وہ اور رفقی اور سب سے بڑھ کر استاد جگر اگر ہمت و استقلال کے ساتھ اگر مقابلہ کریں، تو یقین ہے کہ باطل کا زعم وہ موجودہ دونوں پاش پاش ہوکر رہ جائیں۔ ضرورت صرف دو باتوں کی ہے ایک یہ کہ یہ اصلاحی اور ترقی تنظیمیں اشاعت زیادہ سے زیادہ باقی رہیں، اور ان کی پہنچ بڑے سے بڑے حلقوں تک ہوتی رہے، دوسرے یہ کہ شخصی مذکرے حتی الامکان نہ چھڑنے پائیں، اور مطلع صرف خیالات و تنقیحات پر ہوتے رہیں!

بعض تفسیری حقائق

ایک ندوی متعلم قرآن صدق سے پڑھ کر لکھتے ہیں:-

"آپکی صدق میں مولانا گیلانی کے نکات قرآنی پڑھ کر جی بہت ہی خوش ہوا۔ اسی سلسلہ کی ایک چیز ادر یاد پڑگئی یعنی عشرہ پر ابن ہبیرہ حنبلی (م ۵۶۰ھ) کی کتاب الافصاح جو تفسیر ہے، ضرور وقت دیکھ رہا تھا۔ شروع میں مصنف کے حالات میں ایک نفس اُنکے استنباط آیات قرآن پر تفکر کی اور طبیعت جیسے پھڑک اٹھی۔ آیت یہ ہے لَا قُوَّةَ إِلَّا بِاللّٰهِ۔ لکھا ہے کہ اسکے تین معنی ہوسکتے ہیں، ایک یہ کہ کہنے والا اپنی قوت سے انکار کرتا ہے، اور سب کچھ خدا کے سپرد کرتا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ اقرار کرتا ہے کہ مخلوق میں جو کچھ بھی طاقت ہے وہ منجانب اللہ ہے۔ اس لیے اصل خوف کی مستحق مخلوق نہیں بلکہ خالق ہے۔ تیسری چیز یہ ہے کہ یہ ٹکڑا اُن فلاسفہ کی تردید میں ہے جو اشیاء میں بالطبع قوت کے قائل ہیں۔"

یہ تینوں استنباطات تو خیال پڑتا ہے کہ کسی مشہور تفسیر میں بھی نظر سے گزر چکے ہیں، باقی اصلی خوشی اسکی ہے کہ ہم سوادنیے، سعتاباً نامہ سیاہ جس قسم کے استنباطات کا عادی ہے اُس کی سند بزرگان سلف میں سے بھی ایک بزرگ کے ہاں مل گئی ——— اُس نیم طبیب، ناکردہ حاذق کی مسرت کا کیا پوچھنا، جسکی تجویز کی ہوئی دوا کسی مستند و حاذق طبیب کے نسخے سے لڑ جائے!

یہ دیوبند ہے!

مولانا محمد طیب صاحب مہتمم دارالعلوم دیوبند کے ایک تازہ بیان کے چند اقتباسات:-

"۹ اگست کے بعد جبکہ ملک میں نئی تحریک شروع ہوئی، طلبہ کا جوش و جذبہ ادھر منتقل ہونے لگا .... یہاں تک کہ تحریری امتحان کا وقت آپہونچا۔ طلبہ نے درخواست کی کہ انکے امتحان میں تخفیف کی صورتیں پیدا کی جائیں۔ اسے منظور کیا گیا۔ اور آئین میں رہکر جتنی سہولتیں دی جاسکتی تھیں وہ دے دی گئیں۔ لیکن طلبہ کی بھاری تعداد .... یہ درخواست لے کر پہونچی کہ امسال چار امتحان بالکل ساقط کردیا جائے .... دائرہ اہتمام کی طرف سے اُن سے کہا گیا کہ ہم اس مسئلہ پر غور کررہے ہیں اور اسکا فیصلہ تیسرے دن ہوجائیگا .... لیکن طلبہ باوجود وعدہ کرلینے کے لئے اتنی دیر کے لیے بھی اس وعدہ پر قائم نہ رہ سکے ....

طلبہ کی طرف سے دوپہر ہی کو ایک جلسہ کا اعلان کیا گیا و گھنٹہ بجا کر انھیں جمع کیا گیا۔ جس میں یہ طے ہوا کہ اس حساب دورہ کے بھی امتحان کو ہرگز قبول نہ کیا جائے۔ اور کوئی ایک طالب علم بھی امتحان نہ دے۔ حتیٰ کہ اس جلسہ میں منجملہ اور نعروں کے ایک نعرہ یہ بھی ایجاد کیا گیا کہ "امتحان نہیں دینگے!" .... چنانچہ جب دائرۂ اہتمام کے ارکان دارالحدیث پہونچے تو یہ نعرہ انکی آمد پر بھی پورے زور شور سے لگایا گیا ....

اس فیصلہ کے سوا چارہ کار نہیں رہا کہ طلبہ کی درخواست کے پیش نظر ان خصوصی حالات کے تحت امتحان نہ لیا جائے .... طلبہ نے اتنا ہی جوش مسرت سے بڑی بلند آوازی کے ساتھ خوشی کے نعرے لگائے اور مدرسہ میں تعطیل عام ہوگئی"!

گویا مبتدا اتھا تحریک کانگریس کے سلسلہ میں طلبہ کا جوش و خروش اور خبر تھی امتحان کی موقوفی اور تعطیل عام! یہ ہے آپ کا دیوبند! یہ ہے آج کا دیوبند ——— طلبہ کا پُرجوش طلبہ "وقت کے پیام پر لبیک کہنے والے" طلبہ، نعرے لگا لگا کر امتحان کو موقوف اور مدرسہ کو بند کرا دینے والے "طالبین علم" سے تو کس کی مجال ہے کہ کچھ عرض کیا جاسکے، اُنکے زہرہ شگاف نعرے یوں ہی صدہا میل کے فاصلہ سے دلوں کو ہلائے دے رہے ہیں۔ البتہ یہ "دنیا نویسی مہتمم و سرپرستِ مہتمم" یہ "جمعیت پسند" مجلس انتظامیہ و مجلس علمیہ و مجلس شوریٰ! آخر انھیں سوجھی کیا ہے کہ جبر دیوبند کو قدیم دیوبند بنائے رکھنے پر اصرار کے چلے جارہے ہیں! ——— "تجدد" اور "ترقی" کی خواہش کو رہ ہتا ہے کہ انگریزی اسکولوں، کالجوں، یونیورسٹیوں، ہندی پاٹھ شالاؤں، سنسکرت ودیالیوں تک محدود رہے!

کرنے کا کام

پنجاب سے ایک نوجوان گریجویٹ لکھتے ہیں:-

"میرے ذہن میں ایک اور صورت خدمت قرآن کی آئی ہے۔ جسکی اسوقت اشد ضرورت ہے۔ اقبال نے سچ فرمایا تھا کہ دنیا میں سب سے زیادہ مظلوم قرآن ہے۔ مسلمانوں نے قرآن پر یہی ظلم نہیں کیا کہ اسکو نظرانداز کردیا، بلکہ قرآن کی آیات کو توڑ مروڑ کر غلط تاویلات کرکے بیسیوں فرقے اپنی اپنی رکھدی مجھے بندی کی۔ اور میں اپنے تجربہ کی بنا پر کہہ سکتا ہوں کہ سرعام مسلمان کو جو محض ترجموں سے استفادہ کرتے ہیں، بہت سے مقامات پر اشکالات پیش آتے ہیں۔ تو ایسی آیات کی جن سے غیر مذاہب اور فرقہائے باطلہ مثل قادیانی، شیعہ، باطنی، قادیانی، مشرکین وغیرہ نے فائدہ اٹھایا ہے، انکی شرح و تفسیر ایک الگ کتاب کی صورت میں شائع کی جائے یہ تجویز نشر الطیب کی اُس فصل کو دیکھ کر ذہن میں آئی، جس میں مولانا تھانوی نے ..... وغیرہ بعض

آیات کو صاف کیا ہے۔ کیا ہی اچھا ہو کہ یہ کام بھی آپ ہی سرانجام دیں۔ یا صدق ہی میں یہ سلسلہ شروع کردیا جائے"۔

تجویز ہر طرح معقول و مناسب ہے۔ دراصل یہ کام تھا تو مولانا تھانوی ہی جیسے محقق کے کرنے کا۔ لیکن اکابر جب کسی نہ کسی سبب سے معذور ہو جاتے ہیں تو قدرت حق وہ کام چھوٹوں ہی سے لے لیتی ہے۔ زندگی، صحت و فرصت نے اگر ساتھ دیا تو ان شاء اللہ اس خدمت کی سعادت بھی انھیں بزرگوں کی تحقیق کی روشنی میں صدق کو حاصل ہو جائیگی۔ بہت مدت ہوئی، غالباً سنہ ۱۹۲۶ء میں سچ میں ایک تمہیدی مضمون "پاکوں کی سرشت" کے عنوان سے عصمت انبیاء پر نکلا تھا۔ اسکے بعد سچ اور پھر صدق میں صدیق کی عصمت، نبی کی عصمت، خلیل کی عصمت، وغیرہ کے عنوان سے اور متعدد مضامین بھی اس سلسلہ میں شائع ہو چکے ہیں۔ حضرت یوسفؑ، حضرت داؤدؑ، حضرت ابراہیمؑ پر جو مشہور و متداول اعتراضات یہود کے زمانہ سے چلے آ رہے ہیں، بحمد اللہ انھیں ان مضامین میں صاف کر دیا گیا ہے۔ مخلصوں کی دعائیں اور اللہ کا فضل اگر شامل رہا تو ان مضامین کی نظرثانی اور باقی مضامین کی تکمیل کا سامان ان شاء اللہ ہو جائیگا۔

گانے بجانے کی تعلیم

مولوی خیرالدین صاحب وکیل [illegible] حیدرآباد دکن سے اس عنوان کے ماتحت لکھتے ہیں:—

"صوبہ متحدہ کی حکومت کے محکمہ تعلیم نے موسیقی کی تعلیم کا اپنے مدارس میں انتظام کرکے اپنے علاقہ کی رعایا کو پریشان کر رکھا ہے اور صدق میں اسکی نسبت ایک سے زیادہ مرتبہ شکایت آچکی ہے۔ آج [illegible] ایسی سلطنت کے ایک شعبے کا حال لکھ رہا ہوں جو [illegible] اسلامی سلطنت ہے۔ حیدرآباد کی نظامت نشریات [illegible] کے پروگرام میں ہفتہ ایک گانے کا سبق [illegible] شروع کیا ہے۔ بچوں کی دلچسپی کے لیے فلمی گانوں [illegible]

"[illegible] دوزخ سے نزدیک کیا کم زہریلے تھے جو اب گانوں کے سبق بھی شروع کرا دیے گئے۔ جب خطوط سے اس قسم کے امور کی شکایت ہوتی ہے تو ہر جگہ کے ریڈیو اسٹیشن سے یہ جواب ملتا ہے کہ ہم کو ہر قسم کے لوگوں اور ہر قسم کے خیالات کا لحاظ رکھنا پڑتا ہے۔ یہ جواب بالکل صحیح نہیں ہے، نشریات کا انتظام سرکار کی جانب سے ہوتا ہے جو اپنی رعایا کی ہمدرد اور ہر طرح خیرخواہ ہے اور اسکو ہر برے راستہ سے روکنے کی ذمہ دار ہے۔ ہر مقام کی نشرگاہ میں ان امور کا لحاظ نہایت ضروری ہے"۔

آل انڈیا ریڈیو کے متعدد اسٹیشن تو گویا وقف ہی ہیں ارباب نشاط کی دلالی کے لیے۔ دکن کی نشرگاہ بھی آخر ان سے کہاں تک ممتاز رہ سکتی ہیں۔

دور گردوں کی جہاں تک کوئی آیا تو ہو!

لیکن دکن میں تو جذبہ اسلامی ماشاء اللہ اب بیدار ہو گیا ہے۔ انجمن اتحاد المسلمین کے ذریعہ سے اگر منظم کوششیں وہاں کے محکمہ ریڈیو کی اصلاح کے لیے جاری رہیں، تو کوششوں کا کارگر ہو جانا کچھ ایسا دشوار نہیں۔

محمد علی کی خود نوشتہ سوانح عمری کا کچھ حصہ

(۲)

تیسرے باب کا عنوان "میری مشکلات اور انکا علاج" ہے۔ محمد علی مرحوم کی قومی زندگی کا آغاز صحافت نگاری سے ہوتا ہے لیکن انکی بےباک صحافت نگاری نے ان کو بلاؤں میں گرفتار کر دیا۔ جنگ بلقان میں ترکوں پر ظلم و ستم کے پہاڑ توڑے جا رہے تھے۔ محمد علی مرحوم اپنی تحریر کے ذریعہ مسلمانوں کی سیاست میں ایک طوفان بپا کرنا چاہتے تھے۔ لیکن پریس ایکٹ کی پابندیاں انکے حوصلوں کو [illegible] رہی تھیں۔ حکومت کی بندشوں اور انکے جذبات کی آزادی میں تصادم ہوا اور وہ پہلے مہرانلی پھر لینسڈاؤن اور پھر چھندواڑہ میں نظربند کر دیے گئے۔ یہ تمام واقعات کل اٹھائیس صفحوں میں ختم ہوگئے ہیں۔ محمد علی مرحوم جیل کی کوٹھریوں میں بیٹھ کر جیلر کی نگرانی میں یہ حالات قلمبند کر رہے تھے، اس لیے ظاہر ہے کہ وہ دل کھول کر اپنے جذبات کو کاغذ پر منتقل نہیں کر سکتے تھے۔ لیکن جملوں اور سطروں کے درمیان وہ تمام چنگاریاں موجود ہیں جن سے انکی آتشیں طبیعت کی تشکیل ہوئی تھی۔

چوتھے باب کی سرخی "انکشاف" ہے۔ مولانا محمد علی چھندواڑہ میں ساڑھے تین سال نظربند رہے۔ یہاں کی "فرصت" اور "اطمینان کلی" میں وہ حقانیت کے ایسے سرچشمے میں غرق ہوگئے، جو تیرہ سو سال کے گرد و غبار سے نہ آلودہ ہوا ہے اور نہ خشک ہو سکا ہے۔ (صفحہ ۹۸) پورا باب کلام پاک کے محاسن پر ہے۔ کہیں ذاتی تاثرات بیان کیے گئے ہیں، کہیں یورپین اہل قلم کے اعتراضات کے دندان شکن جوابات دیے گئے ہیں، کہیں کلام پاک کے رموز و نکات آشکارا کیے گئے ہیں، کہیں عیسائی مذہب کے مقابلہ میں اسلام کی خوبیاں دکھائی گئی ہیں۔ تحریر کا انداز بہت ہی والہانہ ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جام الست کا سرشار بیخودی میں لکھ رہا ہے۔ کلام اللہ کے مطالعہ سے جو اثرات محمد علی کے قلب پر مترتب ہوئے، اسکے لطف و اثر کا اندازہ تو اصل انگریزی ہی سے ہو سکتا ہے۔ ہم صرف اسکا مطلب پیش کرنے کی کوشش کرتے ہیں:—

"میں نے خدا کو پا لیا، اس نے بنی نوع انسان کو جو پیام دیا تھا، اسکو پڑھنے کے بعد میں نے اپنے کو پا لیا، میری زندگی میں نئے معنی پیدا ہو گئے۔ زندگی کا اصلی راز مجھ کو معلوم ہو گیا، جسکا احساس دھندلا سا ابھرا تھا۔ [illegible] میری گذشتہ زندگی جو میرے نزدیک فرض [illegible]

جدید قصص الانبیاء

چند باب

(از عبد الماجد)

نمبر (۷)

یہی ذبیح اللہ جب ذرا اور بڑے ہوئے، تو باپ اور بیٹے دونوں نے مل کر دنیا کے شرکستان میں خدائے واحد کی عبادت کا گھر تعمیر کیا۔ آپ کی نگاہ کشف نے دیکھ لیا کہ تجلیات جمالی و کمالی کا مرکز بیت المعمور کے مقابل روئے زمین پر عرب کے ملک میں حجاز کے علاقے میں وادی مکہ ہے۔ بیٹے کو ساتھ لے، بغیر انجینیروں اور معماروں اور ھندسوں کی مدد کے ایک مربع نما مستطیل عمارت کھڑی کر دی۔ وہی عمارت کعبہ کہلاتی ہے۔ آج تک ہر ابراہیمی کا قبلہ، ہر توحید والے کا قبلہ، عمارت کیا، بس ایک عظیم الشان کمرہ ہے۔ کوئی ۵۰ فٹ لمبا، ۴۰ فٹ چوڑا، اور ۳۰-۳۵ فٹ اونچا۔ اسمٰعیل کی عمر اسوقت اگر ۲۰ سال کی فرض کی جائے، تو اس بنائے ابراہیمی کی تاریخ کوئی ۲۰۵۵ ق م قرار پاتی ہے۔ یعنی آج سے کوئی چار ہزار سال قبل۔ یہ محض تخمینہ ہے۔ باقی نفس قدامت اس بیت العتیق کی تو اسکے مخالفین میں دونصاریٰ تک کو مسلم ہے۔

[1] مزدوروں کو اکثر دیکھا ہوگا، جب کام کرتے ہیں تو کچھ گنگناتے بھی جاتے ہیں۔ اللہ کے گھر کے مزدور حضرت اسمٰعیل، اللہ کے گھر دنیا میں بنا رہے تھے، دیواریں کھڑی کر رہے تھے، تو زبانوں پر مہر لگے ہوئے نہ تھے۔ جسکا ذکر نہ ہو سکتا، کچھ مانگتے بھی جاتے تھے۔ ہاتھ مشغول تعمیر میں بیت کے، اور دل یاد میں رب البیت کے، دل میں جسکی یاد، زبان پہ اسی کا نام۔ بے آب و گیاہ سرزمین کی چلچلاتی دھوپ میں، دنیا کی کسی طرح کے بغیر، پتھر پر پتھر جوڑتے جاتے تھے، اور دل کے سوز و گداز کے ساتھ تو یقیناً، اور آنکھوں کی تراوٹ کے ساتھ غالباً، زبانیں اسی ذکر میں مشغول تھیں:

رَبَّنَا تَقَبَّلْ مِنَّا إِنَّكَ أَنْتَ السَّمِيعُ الْعَلِيمُ اے رب ہمارے، ہم سے قبول فرما ہماری یہ خدمت قبول فرما! بے شک تو ہی ہے سننے والا (منہ سے نکلے ہوئے بولوں کا) اور جاننے والا (دلوں کی نیتوں کا) اللہ اللہ! یہ شان ہوتی ہے اللہ پر قربان ہونے والوں کی! اللہ کے خلیل کہلانے والوں کی! اپنے کو مٹا چکے ہیں، مٹا رہے ہیں، پھر بھی یہی دھڑکا لگا ہوا، کہ دیکھیے اپنے کو مٹانا بھی قبول ہوتا ہے یا نہیں!

دنیا کے کس مزدور نے وہ مزدوری مانگی جو بیت اللہ کے اس بڑے مزدور نے مانگی؟ کس نے وہ مزدوری پائی جو بیت اللہ کے اس بڑے مزدور کے حصہ میں آئی؟ مزدوری کی طلب مزدوروں کو تنہا اپنے لیے نہ تھی، ہمارے لیے تھی، آپ کے لیے تھی، ان سب کے لیے تھی، جو آج اپنا کوئی بھی کام بغیر اس شاہ مزدور پر درود و سلام بھیجے نہ تمام کر سکتے ہیں۔ رَبَّنَا وَاجْعَلْنَا مُسْلِمَيْنِ لَكَ وَمِنْ ذُرِّيَّتِنَا أُمَّةً مُسْلِمَةً لَكَ وَأَرِنَا مَنَاسِكَنَا وَتُبْ عَلَيْنَا إِنَّكَ أَنْتَ التَّوَّابُ الرَّحِيمُ۔ اے پروردگار ہمارے، ہم دونوں کو اپنا فرمانبردار بنائے رکھ، اپنا کر لے اور ہماری اولاد سے ایک امت پیدا کر اپنی فرمانبردار، اپنی مسلم، اور ہمیں ہمارے حج کے احکام بتا، اور ہم پر رحمت بہ توجہ فرما۔ بیشک تو ہی تو ہے بڑا توبہ قبول کرنے والا۔ (ماضی میں) اور بڑا رحم کرنے والا (مستقبل میں)۔ ابراہیم کی دعا کہیں خالی جا سکتی تھی؟ مزدور کو تو جو مزدوری ملی، اسکا کمال وہ خود جانے، یا اسکا دینے والا۔ البتہ اسی گھر کا طواف کرنے والوں کو، اسکی محبت و عظمت کو دل میں جگہ دینے والوں کو کیا کچھ نہیں مل سکتا؟ کیا کچھ نہیں مل جاتا؟ کیا کچھ نہیں مل چکا ہے؟

گھر کی عزت اور عظمت کو، برکت و رحمت کو، سب دیکھتے ہیں، دوست مانتے ہیں، دشمن صرف جانتے ہیں۔ کم لوگ یہ ذہن میں رکھتے ہیں کہ بنانے والے کا خمیر کس اخلاص و روحانیت کی مٹی سے بنا تھا۔ روم کا مشہور و معروف عارف کہتا ہے:

کعبہ را کہ ہر دمے عزت فزود — آں ز اخلاصات ابراہیم بود
فضل آں مسجد ز خاک و سنگ نیست — لیک در بنایش حرص و جنگ نیست

اور بالکل سچ کہتا ہے۔ کعبہ کی عزتیں اور فضیلتیں جو تم ہر سال بڑھتی دیکھتے ہو، یہ ابراہیم کے اخلاص و صدق نیت کا ثمرہ ہے۔ ورنہ پتھر اور روڑی تو آج ہر شہر اور ہر قصبہ میں ہیں، تو کیا ہوئے؟ اسکے علاوہ اس میں کوئی اور ہی چیز نہیں۔ نئی چیز یہی ہے کہ اسکا بنانے والا نہ کوئی انجینیر تھا نہ کوئی ھندس، نہ کوئی بادشاہ نہ امیر، وہ تھا جو خودی کو مٹا چکا تھا، اپنے کو خدا کا بنا چکا تھا۔

تصوف کی ان لطافتوں سے اور ملاحتوں سے پھر آ جایئے تاریخ کی ٹھوس خارجیت کی طرف، جامد و قطعیت کی طرف۔ حضرت سارہ کی عمر جب ایک سو ستائیس سال کی ہوئی تو حسب روایت توریت انھوں نے انتقال فرمایا۔ اور ہبرون میں مدفون ہوئیں۔ اب اسی کو خلیل الرحمن یا صرف الخلیل کہتے ہیں۔ بیت المقدس سے کوئی ۲۰ میل کے فاصلہ پر جنوب و مغرب میں ایک چھوٹا سا شہر کوئی ۱۸ ہزار کی آبادی کا ہے۔ انکے انتقال کے بعد آپ نے ایک شادی بی بی قطورہ کے ساتھ کی۔ ان سے چھ اولادیں ہوئیں، اور انکی نسل سے ۱۶ قبیلے چلے۔ قرآن نے جنھیں ... مدین کہا ہے، وہ انہی میں لوگ تھے۔

قرآن مجید میں حضرت ابراہیم کا ذکر بیس اور اکثرت سے اور اتنے موقعوں پر آیا ہے کہ سب کو سمیٹنا مختصر سے مختصر صحبت میں بھی ممکن نہیں

[1] یہاں سے لے کر تین پیروں تک کا بیشتر حصہ ماخوذ ہے راقم سطور کے سفر حجاز ص ۲۲۱ و ص ۲۲۵ سے۔ (مطبوعہ دار المصنفین، اعظم گڑھ)

احادیث اور تفسیری روایات کا جو ذخیرہ ہے وہ اسکے علاوہ۔ قرآن مجید میں ایک جگہ آیا ہے کہ ہم نے امتحان لیا ابراہیمؑ کا چند باتوں میں (وَاِذِ ابْتَلٰی اِبْرٰھِیْمَ رَبُّہٗ بِکَلِمٰتٍ) وہ باتیں کون سی تھیں اور امتحان کی نوعیت کیا تھی، تفصیلات مندرج ہیں، نہ انکے معلوم ہونے کی ضرورت۔ سب امتحانات میں پورے اترے۔ فَاَتَمَّھُنَّ ۔ انعام یہ ملا، عالم انسانیت کی امامت انکے سپرد کر دی گئی۔ اِنِّیْ جَاعِلُکَ لِلنَّاسِ اِمَامًا ۔ اور امامت بھی اللہ اللہ کیسی امامت! ساڑھے چار ہزار سال گزر چکے، بابل و نینوا کا نام و نشان تک مٹ چکا، اور اہل توحید ہیں کہ دنیا کے کسی گوشہ میں ہوں، نماز کی نیت جب باندھینگے، منہ کرینگے ابراہیمؑ کے بنائے ہوئے کعبہ کی طرف۔ سالانہ قربانی جہاں کہیں پیش کرینگے، حوالہ زبان پر ابراہیمؑ ہی کے نام کا لائینگے (کما تقبلت من خلیلک ابراہیم) حج کرنے جائینگے تو سجدہ کرینگے مقام ابراہیمؑ پر، نماز کے آخر میں سلام و رحمت بھیجتے ہیں، تو نام اپنے رسول سے بھی پہلے لیتے ہیں، اُنکے یعنی پدر مکرم کا۔ اور اسکیلئے اہل توحید ہی نہیں، یہود بھی اپنی بگڑی ہوئی توحید، اور عیسائی بھی اپنی ہوئی تثلیث کا کلمہ پڑھ رہے ہیں، دم بھر رہے ہیں۔ اللہ کے اسی برگزیدہ بندہ کا! ——— کوئی حد ہے انعام کی؟ اور کیوں نہ ہو؟ جب بندہ کی طرف سے کچھ ہو! علی صداقت ہوں، تو بولنے کی طرف سے کوئی کسر کیوں اٹھا رہے انعامات میں!

حد یہ ہے کہ قرآن میں یہ آ گیا ہے وَاتَّخَذَ اللّٰہُ اِبْرٰھِیْمَ خَلِیْلًا ۔ اللہ نے ابراہیمؑ کو اپنا خلیل بنا لیا۔ خلیل کا ترجمہ دوست سے کرنا، منصب کے مرتبہ کو بہت ہلکا کر دینا ہے۔ توریت میں بھی ایک نہیں، دو مقامات پر لیکن دونوں جگہ صفائی، ابراہیمؑ کو خدا کا دوست کہا ہے۔ (یسعیاہ ۴۱: ۸ اور ۲۔ تواریخ ۲۰: ۷) اور اسی پر انجیل والوں کا بھی ایمان ہے ——— خالق اپنے مخلوق کو نعوذ علی الاعلان اپنے بندوں کو اپنا خلیل کہکر پکارے! سرافرازیوں اور عزت افزائیوں کی بس انتہا ہے! خود قرآن ہی میں نہ آ گیا ہوتا تو کوئی بندہ اپنی طرف سے ایسا لقب تراشنے کی جرأت بھی نہ کر سکتا!

فیاضی، مہمان نوازی، نرم دلی، شفقت خلق کی روایتوں اور حکایتوں سے یہودی اور اسلامی لٹریچر دونوں لبریز ہیں۔ قرآن مجید ایک دوسرے قصہ کی ضمن میں تصریح ہے کہ فرشتے انسانی لباس میں آپ کے پاس آئے۔ آپ کے لئے وہ اجنبی محض تھے۔ لیکن فوراً آپ سامانِ ضیافت میں لگ گئے۔

سنہ ۱۹۸۵ ق۔م میں بیٹوں اور پوتوں کی موجودگی میں سکینت اور اطمینان کے ساتھ ۱۷۵ سال کی عمر میں جان، جان آفریں کے سپرد کی۔ اور اب الخلیل کے مقبرہ میں حضرت اسحٰقؑ، حضرت یعقوبؑ، حضرت یوسفؑ وغیرہم کے ساتھ زیر خاک آسودہ ہیں۔ یہ تربتیں ایک تہ خانہ کے اندر ہیں، اور غار کا دروازہ بند ہے! وہاں ایک روایت مشہور ہے، کہ ترکوں کے عہد حکومت میں ایک نے غریب عقیدت سے اندر اترنا چاہا۔ جانے کو تو

چلا گیا، لیکن باہر آیا تو اپنے حواس میں نہ تھا۔ کسی نے مجذوب قرار دیا، اور کسی نے کہا معلوم ہوتا ہے عالم برزخ کا کچھ حصہ مشاہدہ میں آ گیا۔

جدید قصص الانبیاء ان شاء اللہ ایک بڑی ضخیم کتاب ہوگی۔ اسکے ابتدائی چند ابواب آپ کی خدمت میں پیش کر دیئے گئے ہیں۔ آپ ہی کی تحریک پر خود اس موضوع کا خیال آیا۔ عجب نہیں کہ آپ ہی کی دعائیں تکمیل کا بھی سامان بہم پہونچا دیں۔ ارادہ تھا کہ کم از کم ایک نبی کا حال تو اس سلسلہ میں پیش کر دیا جائے، اور اسکے لیے انتخاب بھی حضرت موسیٰ علیہ السلام کے اہم گرامی کا کر لیا تھا۔ لیکن وقت کے حدود کا بھی لحاظ رکھنا بہر حال ضروری تھا۔ اب تحقیقت تصدیہ۔ السّلام علیکم۔

(بقیہ صفحہ ۴)

(یعنی ہندوستان) میں بہت شنوائی گزری تھی، بالکل نمایاں اور بے کیف معلوم ہوئی۔

پانچواں باب "یورپ کا دنیاوی رنگ" کے عنوان سے شروع ہوا ہے۔ اس میں رینوو اور ایچ۔ جی۔ ویلز کی بعض تصانیف پر ناقدانہ نگاہ ڈالی گئی ہے اور یہ بتایا گیا ہے کہ عیسائیت مذہبیت اور روحانیت سے دور ہو کر کس طرح دنیاوی آلائشوں سے آلودہ ہو گئی ہے، حالانکہ شروع میں عیسائی مذہب کی تعلیم دی تھی جو پیغمبر خدا صلی اللہ علیہ وسلم نے از سر نو پیش کی۔ لیکن عیسائی مذہب یونانی خیالات سے ملوث ہو کر اپنے اصلی سرچشمہ سے دور ہو گیا۔ اسلام پر بھی یہ دور آیا، لیکن سوائے فلسفیوں کی ایک خاص جماعت پیدا ہو جانے کے خدا کے آخری نبیؐ کا پیغام اسکے اثرات تمام خطرات سے محفوظ ہیں (باقی آئندہ)

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعاد خریداری اسی ماہ ستمبر ۱۹۳۲ء میں تمام ہوتی ہے۔ براہ عنایت اپنا چندہ جلد روانہ فرما دیں۔ اور اگر خدا نخواستہ آئندہ سلسلۂ خریداری جاری رکھنا منظور نہیں ہے تو ایک کارڈ لکھکر اطلاع دیدیں۔ تاکہ یکم اکتوبر ۱۹۳۲ء کو حسب معمول وی۔پی نہ روانہ کیا جائے ورنہ بلا وجہ دفتر کا نقصان ہوگا۔

خریدار نمبر ۶۱ ——— و نمبر ۱۵۹ ——— و نمبر ۱۷۵ ——— و نمبر ۲۱۱
و نمبر ۳۴۳ ——— و نمبر ۵۵۴ ——— و نمبر ۵۵۵ ——— و نمبر ۶۳۹
و نمبر ۸۷۹ ——— و نمبر ۹۰۰ ——— و نمبر ۹۰۳ ——— و نمبر ۹۰۵
و نمبر ۹۱۰ ——— و نمبر ۹۹۰ ——— و نمبر ۱۰۵۶ ——— و نمبر ۱۰۵۰
و نمبر ۱۰۵۹ ——— و نمبر ۱۰۶۰ ——— و نمبر ۱۰۶۱ ——— و نمبر ۱۰۶۲
و نمبر ۱۰۶۳ ——— و نمبر ۱۰۶۴ ——— و نمبر ۱۰۶۵ ——— و نمبر ۱۰۰۵
و نمبر ۱۰۰۸ ——— و نمبر ۱۰۱۲ ——— و نمبر ۱۰۱۳ ——— و نمبر ۱۰۵۹

(منیجر)

رویتِ ہلال

(مجلس علماء دکن میں ڈاکٹر حمید اللہ کی بصیرت افروز تقریر)

مولانا سید محمد بادشاہ حسینی قادری معتمد مجلس علماء دکن نے مجلس کا حسب ذیل بیان جو مجلس کے اجلاس ۱۵ صفر ۱۳۸۶ھ میں زیر صدارت مولانا سید شاہ محمد صاحب شطاری دیا گیا، بغرض اشاعت روانہ کیا ہے۔

"رویت ہلال کا مسئلہ بہت دیر تک ارکان میں زیر بحث رہا۔ اور متفقہ طور پر یہ طے ہوا کہ امور مذہبی کی یہ تجویز کہ تمام ہند میں عید ایک ہی دن منائی جایا کرے شرعاً ممکن نہیں۔ البتہ اس نتیجہ پر پہنچنے کے استدلال متوقعت دلائل کے مختلف تھے بعض ارکان نے یہ فرمایا کہ مطلع کا کوئی لحاظ نہیں اور ایک جگہ کی رویت باقی پوری دنیا پر پابندی عائد کر دیگی لیکن ایک جگہ کی رویت ہو چکنے کا دوسری جگہ شرعی ثبوت حاصل ہونا آسان نہیں۔ کیونکہ تار اور لاسلکی پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ بعض دیگر ارکان نے شہادت و ثبوت کے نکتے کو تسلیم کرتے ہوئے بتایا کہ مطلع کا بھی لحاظ ضروری ہے۔

اس بارے میں ڈاکٹر محمد حمید اللہ صاحب معزز رکن نے فرمایا۔ اور انکے بیان سے بعد میں واقف ہو کر حضرت مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی سابق صدر شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ نے اس سے کامل اتفاق ظاہر فرمایا کہ

مطلع کا فرق

حیدرآباد کی رویت کا پابندی اور باقی ہند کو پابند کرنا ہم سے تعلق نہیں رکھتا۔ بحث اس امر میں ہے کہ بلاد ہند کی رویت کی اطلاع سے حیدرآباد پابند ہو سکتا ہے یا نہیں۔ تمام دنیا میں ایک ہی دن عید کا منایا جانا کوئی شرعی ضرورت نہیں ہے۔ اب بھی افطار اور نماز کے اوقات دنیا کے مختلف حصوں میں مختلف ہیں۔ کیونکہ قدرت خود تنوع چاہتی ہے۔ حتیٰ کہ دن بھی تمام دنیا میں ایک نہیں ہوتا۔ سلفِ صالحین میں عہد صحابہؓ کے متعلق صحیح احادیث سے ثابت ہے کہ ملک شام کی رویت کی موثق اطلاع ملنے کے باوجود وہ مدینہ منورہ میں بے اثر قرار دی گئی۔

زمین کی گولائی کے اثرات

زمین کا گول ہونا تقریباً ہزار سال سے مسلمان مفسرین و فقہاء کے نزدیک مسلمہ ہے۔ اس گولائی کے باعث زمین کے ایسے مقامات آباد بھی ہیں۔ اور اب سمندر میں سفر کرتے وقت ہر روز مشاہدہ بھی ہوتا ہے کہ ایک خاص خط طول بلد کو عبور کریں تو مسافر کو پورے چوبیس گھنٹوں کا فرق ہو جاتا ہے اور اسی خط کے ایک رخ مثلاً جمعہ کا دن دوپہر ہو تو دوسرے رخ چند ہی گز کے فاصلہ پر عین اسی وقت جمعرات کا دن دوپہر یعنی پورے ایک دن کا فرق ہوتا ہے زمین کا محیط جو خلیفہ مامون کی پیمائش سے اب تک چوبیس ہزار اور کچھ میل مانا جاتا ہے۔ اسکے باعث اگر کوئی شخص ہوائی

ہوائی جہاز کے سفر کے مشاہدات

جہاز پر کم و بیش ایک ہزار میل فی گھنٹہ کی رفتار سے خط استواء پر مشرق سے مغرب یا مغرب سے مشرق کے لیے سفر کرے تو زمین کی گولائی اور ساتھ ہی محوری گردش کے باعث ایک رخ میں سفر کریں تو یہ ہوگا کہ وہ قبل زوال نکلا تھا تو چاہے کتنی ہی دیر تک کیوں نہ اسی دن وہ پرواز کرتا رہے زوال آفتاب نہیں ہوگا۔ گویا ظہر کا وقت نہیں آئیگا اور دوسرے رخ میں اسی طرح پر اڑنے کا اثر یہ ہوگا کہ ۲۴ گھنٹوں میں سورج دو مرتبہ طلوع اور دو ہی مرتبہ غروب ہوا کریگا۔ حالانکہ ہم لوگوں کو چھوڑ کر کسی جگہ بھی ہوں تو چوبیس گھنٹوں میں سورج کا طلوع و غروب ایک ہی مرتبہ ہوتا ہے۔ یہ تو خط استواء پر پرواز کا اثر ہے اور دوسرے علاقوں میں پرواز کے سلسلہ میں مناظر قدرت کے اور بھی مشاہدے ہوتے ہیں۔

قطبین پر طولِ اوقات

کرۂ زمین کے شمالی اور جنوبی علاقوں میں دن اتنا چھوٹا ہو جاتا ہے کہ معتدل علاقوں کے اوقات نماز وغیرہ وہاں بالکل کام نہیں دیتے۔ اور قطبین پر تو ایک دن کا سلسلہ چھ مہینے سورج ڈوبے بغیر نظر آتا رہتا ہے۔ اور ایک دن کا سلسلہ چھ مہینے سورج ڈوبا ہوا اور رات رہتی ہے۔

دنیا میں ہر جگہ رویت یکساں نہیں ہوتی

اسی طرح رویت ہلال کے متعلق بھی مشاہدہ ہے کہ چند مقامات پر نظر آتا ہے اور چند مقامات پر نہیں۔ یہ امر اصول میں بودہ قانون قدرت سمجھا جاتا ہے۔ ایک تیسرا قوانین مستند مصدر کے ماہر نے مجھے بتایا کہ رویت کے مقام کے مغرب کے مقاموں پر رویت ہوئی ضروری ہے۔ بجز اسکے کہ بادل وغیرہ مانع ہوں۔ اور رویت کے مقام مغرب کے جملہ مقاموں پر رویت کے مقام کے مشرق ایک محدود فاصلہ کے سوا دوسرے مقاموں پر اسی دن رویت نہیں ہو سکتی۔ چنانچہ اگر انتیس تاریخ کو ہلال زیادہ سے زیادہ اونچائی پر ہو تو اسے پانچ سو میل مشرق میں دیکھ سکتے ہیں۔ اور اگر زیادہ سے زیادہ پست ہو تو صرف رویت کے مقام کے مشرق میں اس دن رویت نہیں ہو سکتی۔ اور یہ کہ مشرق و مغرب کی طرح مقام رویت کے شمال اور جنوب کا بھی رویت پر بہت اثر پڑتا ہے۔ یہ ایک مشاہدہ ہے اور ناقابل انکار حقیقت سے انکار معقول نہیں۔

حضرت امام ابو حنیفہؒ یا کسی اور امام نے صراحت سے ہرگز نہیں فرمایا کہ تمام دنیا کا مطلع ایک ہے۔ یہ محض اتہام ہوگا۔ اصل میں بعض متاخرین نے یہ نتائج اخذ کیے۔ اور ان متاخرین میں خود باہم اتفاق نہیں۔ اگر کسی نے یہ فرمایا کہ ایک جگہ کی رویت سب لوگوں پر پابندی عائد کر دیتی ہے تو انکے پیش نظر ہرگز ساری دنیا نہ تھی۔ بلکہ انھوں نے اپنی مملکت کو محدود ذہنی بنا کر یہ رائے دی تھی۔ اگر کسی نے یہ فرمایا کہ اہل مشرق کی رویت تمام اہل مغرب کے لیے واجب التعمیل ہے تو یہ علم ہیئت کے لحاظ سے بالکل صحیح ہے۔ لیکن بالعکس اہل مغرب کی رویت تمام اہل مشرق کے لیے لازمی قرار دینی غلط ہوگی۔ مزید براں اسلام عزیمت اور عوام کی آسانی کا حکم دیتا ہے جو حدیث شریف کے مصداق

نمبر ۳۶ | دوشنبہ ۲۲۔ شوال المکرم ۱۳۶۱ھ مطابق ۲۔ نومبر ۱۹۴۲ء | جلد ۸

سچی باتیں

آپ اگر نوعمر ہیں جب تو خیر، لیکن اگر مسن ہیں، اور بچپن اپنا کسی کسی قدیم طرز کے کتب یا مدرسہ میں گزار چکے ہیں، تو ممکن نہیں کہ "یوسف زلیخا" کے نام سے واقف نہ ہوں۔ پچاس برس ادھر تعلیم عام تھی اس کی ہر شریفانہ کتب، اور خانگی مدرسہ میں، اور بچے بارہ بارہ تیرہ تیرہ برس کے مجبور کیے جاتے تھے اسکے پڑھنے پر، سمجھنے پر، یاد کرنے پر۔ کتاب تاریخ کی نہیں، ادب کی تھی۔ افسانہ کے طول طویل پلاٹ کا مختصر خلاصہ یہ تھا، کہ یوسف پیغمبر اور پیغمبرزادے تھے، حسن میں بے نظیر، جمال میں بےعدیل، بچپن میں باپ اور بھائیوں سے جدا ہوئے، بک کر مصر میں آگئے۔ ایک کی کی بیوی فریفتہ ہوگئی۔ نوجوان حسین نازنین کے ایک ایک عضو کے حسن کی تشریح، سراپا کا مکمل نقشہ، فریفتگی کی تفصیل۔ عورت نے کام کا جال پھیلایا، یوسف بچے رہے۔ قید کے پیچھے جھیلے۔ انقلابات ہوئے۔ آخر یوسف خود بادشاہ ہوئے۔ زلیخا سے شادی ہوئی۔ شادی کے بعد وصل و وصال کے ایک ایک جزئیہ کا چرچہ!

کتاب فارسی میں تھی، کہا یہ جاتا تھا کہ اسکے پڑھنے سے فارسی آجائیگی، اور سمجھا یہ جاتا تھا کہ اس سے اخلاق درست ہوجائیں گے۔ اخلاق درست ہوجائینگے، وصل و وصال کے متعلقات کی عریاں گندی تفصیلات میں جانے سے! ایسی تفصیلات جو کوئی شریف نہ اپنے لیے جائز رکھ سکتا تھا نہ اپنی بیوی کے لیے، نہ بہن کے لیے، نہ بیٹی کے لیے۔ بے تکلف جائز سمجھ لی گئی تھیں ایک پیغمبر اور اُنکی حرم محترم کے لیے ـــــ پیغمبر کے حرم اگر زمرہ نسواں کے سب سے بلند مرتبہ رکھتے ہیں، تو گویا خود اپنی ماں کے لیے! ـــــ لڑکے یہ سبق بڑی بڑی ڈاڑھی والے اُستادوں سے پڑھتے تھے، اور لڑکوں کے باپ اس میں کوئی مضائقہ نہیں خیال کرتے تھے! وہی چیزیں جو آج کسی معمولی شخص سے متعلق بھی علانیہ بیان کی جائیں تو وہ آگ بگولا ہو جائے، بے تکلف پڑھی اور پڑھائی جاتی تھیں ایک عصمت مجسم اور پیکر حیا رفیع الشان پیغمبر برحق اور اُنکے حرم محترم سے متعلق! اور بڑے بڑے دیندار ان مولویوں کا اور اس طور فضیحتے کا تماشا دیکھتے رہتے تھے! ـــــ تو وہ کیا؟ وجہ یہی کہ تصنیف "ملا جامی" کی تھی، اور بھلا ممکن ہے کہ جامی کی کسی بات پر گرفت ہو سکے! جامی معمولی نہ تھے "بزرگ" تھے، صاحب دل تھے، اور سب سے بڑھ کر یہ کہ پانچ صدی قبل کے آدمی تھے، مجال تھی کسی ناقدری، جو اپنے کسی متقدم پر نکتہ چینی کی جرأت کرسکے؟

اخلاق اور غیرت کا خون ہوتا تھا، ہوا کرے۔ پیغمبر کی توہین ہورہی تھی، ہوتی رہے۔ پیغمبر کی توہین کے بعد خود اپنا ایمان خطرہ میں پڑ رہا تھا، پڑنے دیجیے۔ یہ سب گوارا، لیکن بھلا کسی "مقدس" محترم شخصیت کو کوئی ٹوک سکتا ہے؟ اسکے کسی فعل پر اعتراض کا خیال بھی دل میں لا سکتا ہے؟ ـــــ "تقدس" کی جگہ ہم نے افعال کے ساتھ، اعمال کے ساتھ باقی ہی کب رکھی ہے؟ تقدس تو ہمارے عقیدہ میں شخصیتوں کا مستقل اور غیر منفک جزو ہے! علماء رجال اپنے زمانہ کی بہتر سے بہتر، پاکیزہ سے پاکیزہ شخصیتوں پر تنقید کر گئے ہوں، کرلینے دیجیے۔ رسولؐ کے معاصرین میں مثال شراب نوشی کی ملتی ہو، ملا کرے۔ صحابی تک پر آپؐ نے حد زنا جاری کی ہو، ہوا کرے۔ یہ سارے واقعات ہم پڑھ لیں گے، اور آنکھیں بند کر لیں گے۔ فرط عقیدت سے ہم صدائیں لگاتے جائیں گے کہ حق پابند ہے رجال کا، اور اشخاص کا۔ اشخاص و رجال حق کے پابند نہیں!

یہ پہلی یونیورسٹی ہے جو عربی کے مضمون میں عطا ہوئی ہے۔ موصوف دو سال سے شیخ عبد العزیز میمن کی رہنمائی میں ولسریچ اسکالر کی حیثیت سے کام کر رہے تھے، اور مقالہ کا موضوع مہلب بن ابی صفرہ تھا۔ جو پہلی صدی ہجری کا مشہور عرب جنرل گزرا ہے ——— یونیورسٹی اور طالب علم دونوں کی خدمت میں مخلصانہ ہدیۂ تبریک پیش ہے۔ اللہ دونوں کو صحیح علمی و دینی خدمت کی توفیق دے۔

جرائم کا ریکارڈ "شکاگو ۔ ۱۹ اکتوبر۔ مشہور جرائم پیشہ اردن کیپڈنس یالا فر آج گرفتار کیا۔ یہ پہلے دنیا کے متحدہ کی فوج میں تھا۔ لیکن یہ چھوڑ کر بھاگ کھڑا ہوا۔ اسکے جرائم کی فہرست، کل سات مہینوں کی مجرمانہ زندگی کے اندر حسب ذیل ہے۔

دغا کی واردات	۱
ڈاکہ زنی کی واردات	۳
ڈاکے	۱۶
موٹروں کی چوریاں	۱۶

(اسٹیٹسمین، ۲۱ ۔ اکتوبر ۱۹۴۲ء)

یہ کرتوت صرف ایک بدمعاش کے ہیں، اور وہ بھی سال دو برس کے نہیں، کل ۷ مہینے کے اندر! یہ حضرت امریکہ کی فوج کے سپاہی تھے! اللہ اللہ! کیسے کیسے بدمعاش فوج میں داخل ہو جاتے ہیں! یا یوں کہیے کہ فوجیوں میں بھی کیسے کیسے بدمعاش بھرے ہوتے ہیں! ——— سچ ہے بڑوں کی باتیں بڑی ہوتی ہیں! ہمارے یہاں کے پاسیوں، گوجروں، منگتوں، کنجڑوں، نٹوں کو بھلا یہ کارنامے کہاں نصیب!

بے پناہ پروپیگنڈا "ہماری ۲۶ سال کی لگاتار کوششوں اور دو کروڑ ۳۴ لاکھ کی رقم پروپیگنڈہ پر بے دریغ صرف کر ڈالنے کا نتیجہ یہ ہوا ہے کہ ملک میں چائے کی سالانہ کھپت کی مقدار ۲ کروڑ ۵ لاکھ پونڈ سے بڑھ کر اب ۱۱ کروڑ ۵۰ لاکھ پونڈ تک پہونچ گئی ہے" (اسٹیٹسمین، ۱۳ ستمبر)

یہ مسٹر ڈبلیو۔ ایچ۔ مائلز نے کلکتہ روٹری کلب میں اپنی تقریر میں کہا، اور یہ نہ کہا کہ چائے کے اس سیلاب کا اثر ملک والوں کی صحت پر، قوی پر، زندگیوں پر کیا پڑا، اور اعصاب پر، دل پر، دماغ پر، معدہ پر، گردہ پر، مثانہ پر کیا گزر رہی! دو دو ڈھائی ڈھائی کروڑ روپیہ جب بے دریغ پروپیگنڈا پر بہایا جانے لگے تو وہ قطعاً بے پناہ ہو جاتا ہے۔ اسکے مقابلہ کی سکت اعلانیہ جیسی قوت کی کسی اخلاقی پند و موعظت میں باقی رہ جاتی ہے؟

اپنے مراسلہ نگاروں سے

۔۔۔ صاحب وکیل ناندیڑ (دکن) آپکا مراسلہ بابۂ تحقیق ہلال عید ملاحظہ ہوا۔ مدیر صدق اس کو پڑھنے کا بالکل نااہل ہے۔ اس کی خود کوئی تحقیق نہیں۔ وہ مشورہ دیتا ہے کہ بہتر ہوگا کہ آپ اپنے یہاں کے محکمۂ امور مذہبی کو دوبارہ توجہ دلا کر مجلس علماء دکن کو متوجہ کرکے اس مسئلہ کو حل کرائیں۔

سورۂ بقرہ ۔ رکوع (۱۱)

(بہ سلسلۂ صدق ۲۲ ماقبل)

از عبد الماجد

۸۸ ۔ وَقَالُوا قُلُوبُنَا غُلْفٌ بَلْ لَعَنَهُمُ اللّٰهُ بِكُفْرِهِمْ فَقَلِيلًا مَا يُؤْمِنُونَ ۔	اور وہ کہتے ہیں کہ ہمارے قلوب محفوظ ہیں (نہیں) بلکہ اللہ تعالیٰ نے ان پر لعنت کر رکھی ہے انکے کفر کے باعث ۔ اور وہ ایمان بہت ہی تھوڑا رکھتے ہیں
۸۹ ۔ وَلَمَّا جَاءَهُمْ كِتَابٌ مِنْ عِنْدِ اللّٰهِ مُصَدِّقٌ لِمَا مَعَهُمْ وَكَانُوا مِنْ قَبْلُ يَسْتَفْتِحُونَ عَلَى الَّذِينَ كَفَرُوا فَلَمَّا جَاءَهُمْ مَا عَرَفُوا كَفَرُوا بِهِ فَلَعْنَةُ اللّٰهِ عَلَى الْكَافِرِينَ ۔	اور جب پہونچ گئی انکے پاس کتاب اللہ کے پاس سے اُس کی تصدیق کرنے والی جو کچھ انکے پاس پہلے سے موجود ہے، اور اسکے قبل (خود ہی) بیان کرتے تھے ان لوگوں سے جو کافر ہیں ۔ سو جب وہ آگیا اُنکے پاس جسکو وہ (خوب) پہچانتے تھے تو اُسی سے کفر کر بیٹھے ۔ سو اللہ کی لعنت ہو کافروں پر ۔

۲۸۵ (دعوت اسلام ہمارے اوپر کچھ اثر نہیں کر سکتی) یہود فخریہ اور علانیہ کہتے تھے کہ یہ نئے پیمبر، جو کچھ بھی کر ڈالیں، ہم انکے کہے میں نہیں آنے کے۔

غُلف کو بعض مفسرین نے غلاف کی جمع قرار دے کر معنی یہ کیے ہیں کہ ہمارے قلوب گنجینۂ علوم ہیں، معارف و سوتی سے لبریز ہیں۔ ہمیں ضرورت کسی نئی تعلیم کے قبول کرنے کی نہیں۔ ہی جمع غلاف (راغب) اے ہی ادعیة للعلم تنبیها انا لا نحتاج ان نتعلم منك فلنا غنیة بما عندنا (راغب)

دوسری ترکیب یہ بیان کی گئی ہے کہ غلف جمع ہے اغلف کی، قبیل ہو جمع اقلف (راغب) اور اقلف کہتے ہیں غیر مختون کو، اسے جسکا ختنہ نہ ہوا ہو۔ مستعارا عن الاغلف الذی لم یختن (کشاف) قیل ہو مسلہ ذو القلفة الذی لم یختن۔ (روح) اپنے کو نامختون کہنے کا محاورہ یہود کی زبان پر خاص طور پر چڑھا ہوا تھا۔ اور توریت میں بار بار استعمال ہوا ہے، تاکہ کہیں کہیں انجیل میں بھی :—

"پس میں جو نامختون ہونٹ رکھتا ہوں، فرعون میری کیونکر سنیگا"

(خروج ۔ ۲ : ۱۲)

"تب دل کے نامختون اور جسم کے نامختون اجنبی زادوں کو میرے مقدس میں لائے" (حزقی ایل ۔ ۴۴ : ۹)

"اے گردن کشو، اور دل اور کان کے نامختونو! تم ہر وقت روح القدس کی مخالفت کرتے ہو" (اعمال ۔ ۷ : ۵۱)

قرآن کا یہ انداز بیان بھی ایک اعجازی پہلو رکھتا ہے، کہ جب یہود کا قول نقل کیا، تو زبان بھی اُنھیں کی اختیار کی۔

۲۸۶ قرآن مجید یہود کے فخریہ کے جواب میں کہتا ہے کہ جس "محفوظیت" پر انھیں اسقدر غرہ ہے، یہ تو کوئی فخر و مباہات کی چیز نہیں۔ بلکہ یہ تو ایک نشان ہے

نئی کتابیں

(۱) **معلم القرآن** (پہلا پارہ) ترجمہ مختصر تفسیر قرآن - از مولوی مظہر احمد اویسی۔ صفحات ۱۱۰ قیمت ۸ محصول ڈاک ۲ مصنف کے پاس سے ہائر سیکنڈری جہانگیریہ اسکول - بھوپال سے ملیگا۔

قرآن مجید کے ترجمے اور عام ترجمے بڑی کثرت سے نکل چکے اور نکل رہے ہیں۔ اس تفسیری ترجمہ میں خاص بات یہ ہے کہ پرائمری اسکولوں کے کلاسوں کے لیے تیار کیا گیا ہے اور ریاست بھوپال کے اسکولوں کے لیے منظور بھی ہو چکا ہے۔

اس تفسیر کی ترتیب یہ ہے کہ ہر سورۃ کی پہلے شان نزول لکھی ہوئی ہے پھر ایک ایک لفظ بلکہ حرف کے معنی الگ الگ دیے ہوتے ہیں۔ اس کے بعد مقابل صفحات پر متن کے مقابل آیتوں کا ترجمہ درج ہوتا ہے اور آخر میں تفسیری نوٹ ہوتے ہیں۔ ترجمہ و تفسیر کا بیشتر حصہ حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کی تفسیر بیان القرآن سے ماخوذ ہے اس لیے اس کے استناد میں کلام کی گنجائش نہیں۔ زبان بھی ایسی ہے جو نویں اور دسویں کلاسوں کے لیے تو یقیناً موزوں ہے۔ البتہ اس سے نیچے درجہ والوں کی استعداد سے ممکن ہے کہیں متجاوز ہو۔

سب سے آخر میں قدیم قوموں کا جن کا ذکر قرآن مجید میں آچکا ہے ایک رنگین نقشہ درج ہے۔ یہ جدت ہر طرح مفید و مستحسن ہے۔ البتہ اس کی صفائی و صحت کا اہتمام اور زیادہ رکھنا تھا۔ تاکہ مقامات اور سنین کے پڑھنے میں دقت کہیں بھی نہ ہوتی۔ جس مقام پر حجر رکھا گیا ہے وہاں سے قوم ثمود کے مسکن کا فاصلہ بھی نہ زیادہ ظاہر ہو رہا ہے۔ حالانکہ ثمود کے دارالحکومت ہی کا نام حجر تھا۔ اور مصنف نے خود ہی حاشیہ پر اس کا ذکر کیا ہے۔ شان نزول کی روایتیں عموماً بہت قوی اور مستند نہیں ہیں۔ اس لیے ان کی جانب اتنے زیادہ اعتنا کی ضرورت نہ تھی۔ اصل ضرورت کی چیز تو تفسیر ہے۔ کہ بہترین انداز میں مخاطبین کی ذہنیت کے اور زیادہ مطابق رہنا چاہیے۔

کتابت کی غلطیاں جابجا افسوسناک ہیں۔ ابھی تو ۲۹ پارے باقی ہیں۔ امید ہے کہ ان شاء اللہ یہ باقی پارے اور بھی بہتر صورت میں نکلینگے۔ مصنف کی کوشش ہر طرح حوصلہ افزائی کی مستحق ہے۔

(۲) **رسول کی باتیں** (حصہ اول) ۱۴۱ صفحے - قیمت ۱۲ روپیہ ناشر موتمر المصنفین، بیت السعید، کوچہ چیلان - دہلی۔

دہلی کے مشہور واعظ شیریں بیان اور جمعیۃ العلماء کے سابق ناظم مولانا احمد سعید صاحب نے موتمر المصنفین کے نام سے جو اشاعتی ادارہ حال میں قائم کیا ہے، اس کے ۱۲ تازہ مطبوعات میں سے یہ رسالہ ہے۔ یہ حدیث کی مشہور و مستند کتاب مشکوٰۃ کے ابتدائی حصہ کا گویا تشریحی ترجمہ ہے۔ ترجمہ مشکوٰۃ کا مکمل و مفصل اس سے قبل بھی ہو چکا ہے۔ لیکن اب اس کی زبان سو برس کی پرانی ہو چکی ہے۔ یہ ترجمہ موجودہ محاورہ میں ہے۔ اور اس حصہ اول کا تعلق صرف عقائد سے ہے۔

شروع میں فہرست مضامین کا نہ ہونا بہت کھل رہا ہے۔ کتاب میں یہ بھی صاف طور پر نہیں کھلتا ہے کہ کہاں سے اصل ترجمہ شروع اور ختم ہوتا ہے اور کہاں کہاں شارح کا اضافہ ہے۔ دونوں کے درمیان امتیاز کا ملحوظ رکھنا لازمی تھا۔ باقی خدمت دینی کی سعی محمود میں کسے شبہ ہو سکتا ہے۔

(۳) **ہماری ریلیں اور سڑکیں** - از ڈاکٹر مظفر حسین صاحب (استاد معاشیات جامعہ عثمانیہ) ۱۲۸ صفحے۔ تقطیع ۲۰ × ۲۶ قیمت عہ مرتبہ انجمن ترقی اُردو - دہلی۔

ہندوستان کے ذرائع حمل و نقل پر انگریزی میں جتنا بھی ذخیرہ موجود ہو، اُردو میں تو اب تک بمنزلہ صفر کے تھا اور اُردو داں غریب اس معاملہ میں بالکل اندھیرے میں تھا - انجمن ترقی اُردو قابل مبارکباد ہے کہ اس نے اس موضوع کے لیے ایک اچھے اور البتہ صاحب نظر و اہل قلم کا انتخاب کیا اور اس سے ایک خاصی اور متوسط ضخامت کی دلچسپ مفید پُر معلومات کتاب لکھوا دی۔

راستوں اور سڑکوں کی ابتدا، ہندوستان میں سڑکوں، شاہراہوں، آبی راہوں کی تاریخ اور ان پر تبصرہ، ریل کی ایجاد، رواج و ترقی، ہندوستان میں ریلوں کی سرگزشت، اس پر تبصرہ، ہندوستان کے ہوائی رستے، جدید ذرائع نقل و حمل کی اہمیت، ان کے معاشی اثرات، ریلوں سے نقصانات، ان میں سے ہر سلسلے سے متعلق آپ کو مفصل و مستند معلومات اور صحیح تر رائیں ان صفحات میں مل جائیں گی - ان کی تلاش میں فراہمی۔ انگریزی کے ہزاروں اوراق آپ کو الٹ پلٹ کرنا ہوتے اور پھر بھی ... بیان شاید اس

(۴) قرونِ وسطیٰ میں علماء عرب و عجم کی علمی تحقیقات — از عبدالرحمٰن خاں صاحب (سابق صدر جامعہ عثمانیہ)

(۵) کائنات کا ارتقا — از ڈاکٹر رضی الدین صاحب صدیقی، ڈی فل (پرانز والے)

(۶) تعلیمِ نو کا نظامِ تعلیم (ترجمۂ انگریزی) — از پروفیسر میر احمد علی خاں صاحب

فہرست سے ظاہر ہے کہ اکاڈمی نے مذہبی اور سائنسی دونوں قسم کے عنوانات کو قابلِ توجہ سمجھا ہے۔ اور مقالہ نگار بھی اپنے اپنے فن کے ماہر ہیں۔ نمبر (۲) و (۳) الگ رسالوں کی شکل میں نکل چکے ہیں۔ اور نمبر (۲) پر ریویو ان صفحات میں اس کے قبل ہی نکل چکا ہے۔ مضامین سب کے سب جی لگا کر لکھے گئے ہیں اور پڑھنے کے قابل ہیں۔

(۷) خلق و حق — از ڈاکٹر میر ولی الدین ایم اے پی ایچ ڈی (استاد فلسفہ، جامعہ عثمانیہ) ۴۸ صفحات، تقطیع کلاں، قیمت اور پتہ درج نہیں، غالباً مصنف ہی سے مل سکے۔

حق کیا ہے، اور خلق کیا ہے؟ اور دونوں میں باہمی نسبت کیا ہے؟ اعتقاد او جود جو صوفیہ کی چلائی ہوئی ایک اصطلاح ہے، اس کا محل شرعی کیا ہے؟ رویت باری اس عالم عنصری میں ممکن ہے؟ یہ اور اس قسم کے بیسیوں سوالات کے جوابات، اور متعدد آیات قرآنی مثلاً والاول والآخر والظاہر والباطن کی تفسیر نیز متعدد احادیث نبوی مثلاً کنت سمعہ الذی یسمع بہ الخ وغیرہ کی شرح، اور نفی و اثبات کا صحیح مفہوم اگر ایک مختصر رسالہ کے اندر اور سلیس زبان میں اگر دیکھنا ہو تو اس فلسفی کے اس رسالہ کو ملاحظہ کر لیا جائے۔ اصطلاحات تصوف، شریعت اور آیات قرآنی، احادیث نبوی اور کلام صوفیہ کی کثرت کے باوجود رسالہ ہے اتنا دلچسپ کہ ایک بار شروع کرنے کے بعد پھر چھوڑنے کو جی نہ چاہیگا — اور متوسط درجہ کی استعداد کے لوگ بھی اس سے استفادہ کر سکتے ہیں —— ڈاکٹر میر ولی الدین کے اور بھی متعدد رسالوں پر تبصرہ ان صفحات میں ہو چکا ہے۔ یہ رسالہ بھی انھیں رسائل کے معیار کا ہے۔ اور اسرار شریعت و تصوف کے ہر مذاق رکھنے والے کے ہاتھوں میں جانے کے قابل۔

رسید کتب

(۱) صحابہ رسول — از عبدالماجد دریابادی۔ ۱۵ صفحے قیمت ار

پچھلی صدی میں فرانس میں ایک مشہور مستشرق گارساں دتاسی گزرا ہے۔ اس کی خاص توجہ اردو پر تھی۔ اور ایسے وقت میں جب کوئی اردو کو بہت کم قابل توجہ سمجھتا تھا۔ اس کے خطبات وغیرہ تو ترجمہ کے ذریعہ اس سے قبل اردو میں منتقل ہو چکے ہیں، لیکن خود اس کے کارناموں پر ایک اردو میں کوئی کتاب نہ تھی۔

اردو زبان کے مشہور خدمت گزار ڈاکٹر زور نے آج سے ۱۰-۱۲ سال قبل اسی موضوع کو اپنے مطالعہ کے لیے لیا۔ اور ایک خاصہ رسالہ اردو کے اسی محسن اردو کی شخصیت اور خدمات زبان پر تیار کر دیا۔ پہلا ایڈیشن ۱۹۳۱ء میں نکلا تھا۔ تازہ ایڈیشن اب نکلا ہے۔ لیکن پہلے سے کہیں بہتر، اور کیفیت و کمیت دونوں میں کہیں بڑھ کر۔ اور اب یہ رسالہ تنہا گارساں دتاسی ہی کا تذکرہ نہیں بلکہ اس کے ہمعصر مستشرقین میں سے اسپرنگر، بیمز، شیکسپیر، فیلن، فوربس، ڈاکٹر ایلراند، گلکرسٹ وغیرہ کا جو اخوانِ اردو اس کے متعدد شاگرد ہوں . . . . ان کے معاصر شائقانِ اردو، اور یورپ میں اردو درسگاہوں پر ایک دلچسپ اور خاصہ مفصل تبصرہ بھی ہے —— اردو زبان و ادب کے ہر طالب علم کے لیے یہ رسالہ ایک قیمتی تحفہ ہے۔ اور طالب علم سے مراد صرف مبتدی نہیں ہوتے، متوسط اور منتہی سب اس میں شامل ہیں۔

(۲) مجموعہ مقالاتِ علمیہ (نمبر ۲) ۱۹۶ صفحات۔ قیمت درج نہیں

پتہ: حیدرآباد اکاڈمی۔ حیدرآباد دکن۔

حیدرآباد اکاڈمی جو "اعلیٰ علمی و تحقیقی مذاق کی پرورش و حفاظت کے لیے چند سال سے قائم ہوئی ہے، اور جس کا ایک مقصد اپنے ارکان کی تحقیقات کو سادہ علمی زبان میں انھیں کی زبانی عوام تک پہنچانا ہے" اس نے اپنا علمی ہفتہ نومبر ۱۹۴۱ء میں منایا تھا۔ یہ مجموعہ ان مقالات کا ہے جو اس ہفتہ میں پڑھے گئے تھے۔ عنوانات حسب ذیل ہیں:

(۱) عدم نسخ قرآن — از مولانا عبدالقدیر صاحب صدیقی حیدرآبادی۔

(۲) قرآن اور سیرت سازی — از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب

(۳) امام ابو حنیفہ کی تدوین قانون اسلامی — از ڈاکٹر حمید اللہ صاحب

مسیح موعود کہاں ہے!

(۲)

(مولانا سید شاہ محمد شاہ قادری شطاری۔ خانقاہ جیلانیہ مسعود پورہ حیدرآباد دکن کے قلم سے[2])

یہ وہ آواز ہے جو اس فقیر کے کانوں تک جناب مدیر صدق کے ریڈیو سے الاال پہنچی ہے۔

جہاں تک اس فقیر حقیر کا خیال ہے اس سوال کا جواب مرحوم "پیغام صلح" کے پرانے مضمون "یورپ اور اسلام پر چند" کی سال تک اخبار مذکور میں چھپتا رہا، دیا گیا ہے۔

مجھے اس وقت تاریخ اشاعت و نمبر پرچہ یاد نہیں۔ مگر اس قدر ضرور یاد ہے کہ میں نے اس سوال کے جواب میں کہ "جب آپ نے المسیح الدجال کو پہچان لیا ہے تو ضرور ہے کہ المسیح ابن مریم موعود کو بھی ضرور پہچان لیا ہوگا" یہ عرض کی تھی کہ اُن صاحب ہی نے جس طرح مسیح دجال کو پہچانا ہے اسی طرح المسیح المہدی موعود کو بھی بقول پہچان لیا ہے کہ وہ عالم نمیرزا صاحب مرحوم نہیں بلکہ وہ محمد نام اہلبیت رسالت سے ایک شخص یعنی فاطمی ہوگا بلکہ حسب تصریح بعض احادیث و بعض محققین علمائے کرام وہ حسنی ہوگا کیونکہ حضرت ابراہیم کی آل کو حضور انور صلی اللہ علیہ وعلیٰ آلہ وسلم کی آل سے تشبیہ دی گئی ہے۔ قرآن پاک کے اس ارشاد پر کہ صلوا علیہ وسلموا تسلیما صحابہ نے عرض کی کہ عرفنا السلام علیک فکیف الصلوٰۃ علیک۔ اس سوال کے جواب میں یہ درود ابراہیمی سکھایا گیا۔ اور اسی کو نماز کے تشہد میں پڑھنے کا حکم دیا گیا۔ حضرت امام شافعیؒ کے یہاں تو درود فرض ہے نماز اسکے بغیر نہیں ہوتی۔

غرض مطلب عرض کرنے کا یہ ہے کہ درود کیا ہے؟ درحقیقت دعا ہے کس بات کی بجز اس بات کی کہ حضرت ابراہیمؑ اور انکی آل اسحاقی فرزند اصغر اور آل اسماعیلی فرزند اکبر پر جس طرح تو نے اپنی خاص عنایتیں مبذول فرمائیں کہ رشد و ہدایت و تبلیغ دین اللہ اور توحید و نبوت و مدارج قرب و ولایت سے اور خلافت و امامت سے سرفراز و ممتاز فرمایا۔ اسی طرح محمد رسول اللہ اور انکی آل حسنی سبط اکبر و آل حسینی سبط اصغر کو ویسی ہی پیشوائی و ارشاد و ہدایت و تبلیغ دین اللہ و مدارج قرب و ولایت و معارف و اسرار دین اللہ کے فضائل و مناقب سے سرفراز فرما۔

یہ واقعہ ہے کہ حضرت ابراہیم کی نسل اسحاقی یعنی بنی اسرائیل کو نبوت و خلافت (امامت کے ساتھ ظاہری اقتدار حکومت جیسے داؤدؑ و سلیمانؑ) اور محض امامت (جیسے دیگر انبیائے بنی اسرائیل) سے نیز تمام کمالات رشد و ہدایت و مدارج پیشوائی دینی سے سرفراز و مخصوص فرمایا گیا (و فضلنا کم علی العالمین) یہ سلسلہ رشد و ہدایت حضرت عیسیٰؑ پر ختم ہو گیا جنھیں المسیح کہا گیا یعنی نجات دہندہ "کیونکہ انکو تعلیم یعنی ملکوت کی تعلیم دینا در ملکوت السماء (حکومت آسمانی یعنی خلافت و امامت یعنی وہ حکومت جس میں بادشاہت کا کوئی لگاؤ نہ ہو بلکہ وہ دینی پیشوائی کا ادارہ ہو جو خدا کا نائب بنکر اسکے بندوں پر اور اسکی زمین پر اسکی مرضی کو اور حکومت کو چلانے کا نام ہے)" کی منادی کرنے بھیجا گیا تھا کہ بنی اسرائیل کی بار بار کی شرارتوں اور آخر نعوذ باللہ کو سولی پر چڑھوا دینے (بزعم خود) کا نتیجہ یہ ہوا کہ ہمیشہ کے لیے اس نسل اسحاقی سے امامت و خلافت کا دفتر و مناصب اُٹھا لیا گیا۔ اور فرزند اکبر اسمٰعیل کی اولاد کو چن لیا گیا یعنی عرب قریش میں اس نبی کو پیدا کیا گیا جو تمام انبیائے نسل اسحاقی سے افضل و اعلیٰ اور انکی تمام فضیلت و معارف رشد و ہدایت کا جامع و مانع تھا۔

(کما صلیت علی ابراہیم وآل ابراہیم)

درود کا مطلب یہ دعا کرنا ہے کہ بالکل اسی طرح حضور محمد صلعم کی نسل حسنی و حسینی میں اُن تمام امور و معارف و اسرار رشد و ہدایت اور امامت و پیشوائی و خلافت کے صیغوں کو جمع کر دیا جائے جو نبوت تو نہیں مگر اسکی وراثت و نیابت ہوں۔

یہ امر واقعہ ہے کہ تمام دنیائے اسلام کو تعلیمیت و رشد و ہدایت و قرب و ولایت و معارف و اسرار دین سکھانے والے اولیاء اللہ وارثان انبیاء ائمہ حق سب اسی نسل حسینی سبط اصغر سے ہوا انکے خلفاء علیہم خلیفہ ہوتے چلے آئے مگر سبط اکبر سیدنا الامام حسن المجتبیٰ علیہ السلام کی اولاد میں سوائے چند حضرات (مثلاً حضرت امام محمد بن عبد اللہ نفس زکیہ علیہ وعلیٰ آبائہ الصلوٰۃ والسلام کہ امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ منصور عباسی کے خلاف انکے بیعت ہو چکے تھے اور اسی وجہ سے جیل میں ڈالے گئے تھے اور روزانہ کوڑے کھا کھا کر انتقال فرمایا۔ نیز امام مالک بھی انہیں کی وجہ سے معتوب حکومت منصور ہوئے۔ نیز کئی لوگ صالحین نے تو انہیں امام مہدی سمجھا اور غالباً واللہ اعلم حدیث نام امام مہدی کردہ محمد ابن عبد اللہ ہے انہیں کے لیے بنا لی گئی یا ان پر چسپاں کی گئی!) ایسے مشہور و معروف اور کوئی نہ ہوئے۔ اب ایک شخص ہوگا اسی نسل سے ہوگا جو ان تمام ائمہ و اقطاب و ابدال سب علوم و معارف و اسرار میں بڑا ہوگا۔ یہ خاص ہدایت یافتہ منجانب خدا ہے۔ اس واسطے اسے "مہدی" کا خاص لقب دیا گیا اور اسکی تعلیم سے [illegible]

---

[1] پیغام صلح (لاہور) کے جواب میں۔

[2] مقالہ نگار جواب پہلی بار اپنے نام کے ساتھ بزم صدق میں جلوہ فرما ہو رہے ہیں علاوہ پیغام مرحوم میں ایک فرضی نام سے ایک طویل سلسلہ مضامین یورپ اور اسلام اور مسائل متعلقہ پر لکھ چکے ہیں اور اب بھی دفتر صدق میں انکے مسودات گنجائش کے انتظار میں محفوظ ہیں۔ ان مباحث میں وہ ایک مخصوص نقطۂ نظر رکھتے ہیں اور یہ ہرگز ضروری نہیں کہ وہ مسلک مدیر صدق کا ہو۔ ناظرین اگر شروع ہی سے صبر و تحمل کا ارادہ نہ کرینگے تو درمیان میں جا بجا خفیف اشتعال ناگزیر طبیعت پیدا ہوگی۔ (صدق)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون ۔ اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

رجسٹرڈ نمبر ایل ۳۹۱

ایڈیٹر عبدالماجد

صدق لکھنؤ

نائب حکیم عبدالقوی

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق" مرشد آباد پیلس گولہ گنج لکھنؤ

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ سالانہ للعہ

چندہ ششماہی عاہر

بیرون ہند ۔ سالانہ مختلف

قیمت فی پرچہ ۱؍

نمبر ۲۷ دوشنبہ ۲۹ شوال المکرم سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۹ نومبر سنہ ۱۹۴۲ء جلد ۸

سچی باتیں

فمکث غیر بعید فقال احطت بما لم تحط بہ وجئتک من سبإ بنبإ یقین

(نمل آیت ۲۲)

پھر زیادہ دیر نہیں ہوئی تھی کہ وہ آگیا اور بولا کہ میں ایک ایسا علم لیکر آیا ہوں جو کہ آپ کو معلوم نہیں یعنی میں ملک سبا سے ایک پختہ خبر لے کر آیا ہوں

یہ کہنے والا کون ہے؟ انسان؟ معمولی انسان بھی نہیں، ایک جانور پرندہ چڑیا کی عقل ہی کیا۔ انسان کے مقابلہ میں اس کا علم ہی کیا لیکن یہ دعویٰ اسکی زبان سے ادا ہو رہا ہے، اور قرآن اسے نقل کرکے اس پر کوئی اعتراض نہیں کرتا —— پرندہ کہہ کس سے رہا ہے؟ اس کا مخاطب کون ہے؟ انسان ہی نہیں ایک غیر معمولی انسان اپنے وقت کا پیغمبر۔ دنیاوی اعتبار سے بھی انتہائی جاہ و حشم، عظمت و اجلال رکھنے والا پیغمبر سلیمان ابن داؤد (دونوں پر اللہ کی رحمتیں ہوں) ہاں وہ پیغمبر جس کے لئے چند ہی آیتیں قبل ہی یہ صراحت آچکی ہے کہ وہ "علم" سے ممتاز تھا، ولقد آتینا داؤد وسلیمان علما

پیغمبر یوں ہی اعلم الناس اپنے زمانہ کا عالم ترین انسان ہوتا ہے چہ جائیکہ ایسا پیغمبر جس کا وصف امتیازی ہی اس کا "علم" ہو اس کے علم و معلومات کا ٹھکانا ہی کیا۔ اور پھر ایک تاجدار اعظم ہونے کی حیثیت سے مخبروں کے کتنے ذریعوں کا مالک! اس پر بھی دربار کا ایک مشت پر پرندہ بیدھڑک اس سے کہہ گزرتا ہے کہ مجھے فلاں چیز معلوم ہے جو آپ کے علم میں نہیں۔ اور اس پر نہ خود پیغمبر گرفت کرتے ہیں کہ یہ کیسی گستاخانہ گفتگو ہے اور نہ قرآن ہی اس کی مذمت کرتا ہے! —— "علم" خدا کی دین ہے، کوئی دعویٰ کر ہی نہیں سکتا کہ وہی ہر حیثیت سے دوسروں سے عالم تر ہے اور کسی کو اس باب میں اس پر جزوی فضیلت بھی حاصل نہیں ہو سکتی ہے کہ کسی بھی جزیہ میں مرید شیخ کیا رہنمائی کر دے اور شاگرد استاد کو سبق دے بیٹھے، سلف سے حسن اعتقاد بے شک ایک اچھی چیز ہے! بزرگوں کی بزرگ داشت یقیناً واجب ہے! اکابر کا احترام قطعاً لازم ہے لیکن اس تعظیم و احترام کو سلف پرستی کے درجہ تک پہنچا دینا، اکابر کو عملاً معصوم سمجھ لینا، اور بعد کے آنے والوں سے پہلے گذر جانے والوں پر تنقید کا حق ہی سلب کر لینا نہ مذہب کی تعلیم کے مطابق ہے نہ شہادت کے تجربہ کے، نہ عقل کے موافق ہے نہ نقل کے،

بات سوئی اور معمولی سی ہے لیکن اسی ایک حد کے نہ ملحوظ رکھنے سے کتنی خرابیاں ملت میں پیدا ہو گئی ہیں! ہر متقدم کا فعل ہر متاخر کے لئے پتھر کی لکیر بن گیا ہے اور آیت و حدیث کا حکم رکھنے لگا ہے۔ مفاسد پر مفاسد روز مرہ مشاہدہ میں آتے ہیں لیکن مجال نہیں کہ زبان ہل سکے کہ اس سے فلاں بزرگ پر اعتراض لازم آتا ہے، فلاں بزرگ کی تنقیص نکلتی ہے! —— بزرگوں کی تعظیم کیجئے یقیناً کیجئے، اکابر کے کسی قول یا فعل سے انکار کرنے میں جلدی ہرگز نہ کیجئے خوب اچھی طرح غور و فکر کر لیجئے، ان کی شخصیتوں سے متعلق بہتر سے بہتر تاویل کر لیجئے، لیکن ان ساری احتیاطوں اور پیش بندیوں کے بعد بھی ان کی کوئی راہ خدا و رسول کی راہ سے الگ، اور اس کی مخالف نظر آئے تو آپ اپنی آنکھیں بھی بند نہ کر لیجئے، جو معصوم نہیں ہیں انہیں معصوموں کے درجہ پر نہ رکھئے، اور اللہ والوں سے اللہ ہی کے واسطے لڑ پڑیئے

غلط فہمیاں

"ایک مخلص نوجوان لاہور سے لکھتے ہیں :- لوگ کہتے ہیں کہ مولانا مودودی جب تک محض باتیں ہی باتیں بناتے رہے تو مولانا عبدالماجد صاحب اور مولانا سید سلیمان صاحب ان کو سراہتے تھے، اُن کی تعریف میں قصائد پر قصائد باندھے چلے جاتے تھے، مگر جونہی عملی قدم اٹھایا، ان سب حضرات نے علی الاعلان ان کی مخالفت شروع کر دی، ان کی طرف سے بدگمانیاں پیدا کرنے کی کوششیں کیں، حالانکہ وہ جانتے تھے کہ مولانا کا نصب العین وہی ہے جو ہمارا ہے تو کیوں نہ انہوں نے حضرت مودودی کا ساتھ دیا۔ اچھا مان بھی لیا جائے کہ اُن کی مخالفت حق بجانب ہے تو کیوں نہیں مولانا عبدالماجد اور سید سلیمان میدان میں آئے اور کہتے کہ آپ کو مودودی جس طرف لئے جا رہا ہے وہ غلط راستہ ہے اور صحیح راستہ یہ ہے، یہ ہے ہمارا پروگرام اور ہم اس کو اسی طرح کرنا چاہتے ہیں اور یہ صورت عین اسلامی ہے۔ اگر مولانا مودودی کچھ بھی نہ کرتے محض تصانیف چھوڑ جاتے تو یہی حضرات ان کی وفات پر آنسو بہاتے اور یہ کہتے کہ فلاں ذہن کار ہے والا بہت اچھا مکھی آدمی مجاہد صاحب علم و بصیرت تھا، خدا مغفرت کرے۔"

خط گو ایک مخلص کے قلم سے نکلا ہے لیکن نمونہ ہے اس پریشان دماغی کا جس میں ساری قوم مبتلا ہے یعنی صحیح تنقیحات سے گریز، مغز سخن کی طرف سے بے التفاتی، مسائل کے اندر خلط مبحث اور حق کے ساتھ باطل کی آمیزش ـــــ "جب تک مولانا مودودی محض باتیں ہی باتیں بناتے رہے"، "اگر مولانا مودودی کچھ نہ کرتے محض تصانیف چھوڑ جاتے" اس قسم کے فقرے جملے کس ذہنیت کے غماز ہیں؟ اس کے کہ مسائل اسلام کی توضیح، حقائق دین کی تشریح، عقائد و کلام پر گفتگو، معاندین حق کے بہتر جوابات، قرآن و سنت کی صحیح ترجمانی، یہ سب لایعنی بے معنی مشاغل ہیں ان کا دوسرا نام محض باتیں بنانا ہے، اور تصنیف و تحریر "عمل کی دنیا" میں ہر قدر و قیمت سے محروم ہے! اس ذہنیت کی پرزور تردید تو کی جا سکتی ہے لیکن اپنے تبصرہ میں اس ذہنیت کی رعایت رکھنا، اس کی پاسداری کرنا ممکن نہیں، نہ مدیر صدق کے لئے نہ مدیر معارف اور نہ خود مولانا مودودی کے لئے!

مراسلہ کا آخری جزو بالکل صحیح ہے، مولانا مودودی کی جن خدمات کا اعتراف صدق ہمیشہ کی طرح آج بھی ہے، وہ ان کی کلامی خدمات ہیں، انہوں نے جانشینی کا حق ادا کر دیا غزالی اور رازی اور باقلانی اور اشعری اور ولی اللہ دہلوی کی۔ "متکلم اسلام" انہیں خدمات کی بنا پر صدق نے انہیں لکھنا شروع کیا تھا۔ اب اگر ملک میں ایک جماعت ایسی موجود ہے جس کی نظر میں وقعت ان خدمات کی کچھ بھی نہیں، اور وہ محض انجمن سازی کو، اور سیاسی روزمرہ میں اس کے "پروگرام سازی" کو اصل کام سمجھ رہی اور "میدان میں آنے" کے مرادف قرار دے رہی ہے، تو یقیناً اسے اپنے کو صدق کی حقیر و ناچیز ہمدردیوں سے محروم سمجھنا چاہئے ـــــ "جب نصب العین ایک ہے تو ساتھ کیوں نہ دیا" سوال بجائے خود مغالطہ آمیز ہے۔ لیکن باوجود اس کے بھی مسلمانوں کے اندر بیسیوں پارٹیاں، بیسیوں مسالک بیسیوں انجمنیں ایک دوسرے کے مقاصد سے مختلف موجود ہیں، مقاصد کا اختلاف، طریق کار کا اختلاف، بلکہ محدود معنی میں خود نصب العین کا اختلاف کیا کوئی چیز ہی نہیں؟ صدق نے تو مولانا مودودی کا ساتھ اس وقت تک برابر دیا، جب تک اس کے خیال کے مطابق وہ صراط مستقیم پر قائم رہا اور ان کے قلم سے اصلاحی مقالات نکلتے رہے، لیکن جب اسے اپنی بصیرت کے مطابق نظر آیا کہ غلو اور افراط پسندی انہیں حدود سے تجاوز پر لئے جا رہی ہے، تو وہ اکیلا کی خانگی سعی اہتمام و تنظیم کے بعد ساتھ چھوڑ دیا کہ اب تعاون رکھنا تعاون علی الاثم والعدوان تھا، اور ساتھ دینا حق کا نہ تھا بلکہ ایک خاص شخصیت کا تھا۔

صدق و معارف سے کسی نئے "پروگرام" کی اشاعت کی فرمائش بھی عجیب ہے، کم از کم صدق غریب کے پاس تو یقیناً کوئی نیا پروگرام نہیں وہی قدیم پروگرام ساڑھے تیرہ سو قبل والا ہے اور اس کے مختلف اجزا تو نئے نئے عنوانات کے ساتھ ہر ہفتہ ان صفحات میں پیش ہوتے رہتے ہیں۔

مولانا مودودی کی تحریریں اب بھی حقائق و معارف سے یکسر خالی نہیں ہوتیں۔ تمام تر دجل کا نمونہ ہرگز نہیں، ان کی تفسیر میں بہت سے مقاصد تدبر و نکتہ اب بھی موجود ہوتے ہیں۔ لیکن اب مفاسد کے پہلو بھی ان کی تحریروں میں مخفی بلکہ غیر نمایاں نہیں، اور اب رفتہ رفتہ وہ اثمھما اکبر من نفعھما کی مصداق ہوتی جا رہی ہیں۔ بلکہ ان کے بعض نادان معتقد، غلو و بے اعتدالی میں ان سے بھی کہیں آگے نکل گئے ہیں (چنانچہ لکھنؤ میں ایک صاحب نے تو ایک ضخیم کتاب انہیں کے رنگ میں ان سے کہیں آگے قدم بڑھا کر لکھ ڈالی ہے، اس لئے اس فتنہ کی بقدر استطاعت روک تھام گویا اس طرح فرض ہو گیا ہے جس طرح وقت کے دوسرے مفاسد و فتن کا ہے (فرض کے لئے اس کا خوشگوار ہونا ہرگز ضروری نہیں لیکن ناخوشگوار ترین فرض بھی بہرحال فرض ہی ہوتا ہے) لیکن انہیں کی جماعت کے بعض نمایاں افراد اب بھی احتیاط اعتدال توازن کی روش اختیار کئے ہوئے ہیں، ان کی تحریروں سے صدق کو مطلق اختلاف نہیں ـــــ دعا فرمائیں مراسلہ کے کاتب اپنے حق میں بھی اور مکتوب الیہ کے حق میں بھی کہ حق کی دوستی ہر دوستی پر، حق کا تعلق ہر تعلق پر غالب رہے، زندگی میں بھی اور زندگی کے خاتمہ پر بھی۔

دیوانوں کی عید

عیدیاں بہت سی دیکھنے اور سننے میں آچکی ہوں گی۔ ایک عیدی "نغمۂ زندگی" جناب فضلی کے کلام میں بھی موجود ہے ؎

شمع پر جل مرنا ہے جس طرح پروانوں کی عید۔ عظمت اسلام پر مٹنا مسلمانوں کی عید
زیر خنجر ہوتی ہے جن کی نماز عشق ادا۔ عید ہر ہاں عید تو ایسے ہی دیوانوں کی عید
کل انہیں دیوانوں کے ہاتھوں میں تھا جام حیات۔ آج اک پیالہ سوئیوں کا مسلمانوں کی عید

ان اشعار کا حوالہ دیکر آئی سی ایس کے ایک عہدہ دار اپنے ضمانت نامہ میں لکھتے ہیں :-

"یہاں جام حیات کہاں، وہ نوک کا افیاء چھین کیا لے گئے، بگڑا نکلے گا کہ نکو

دونوں ہاتھوں سے کس طرح نکل گیا، اس کی ہوش خبر نہ ہوئی۔ الغرض یہاں
بھی ایک ٹکڑوں کے پیالہ رہی پر اکتفا کرنی پڑی اور مزہ نہ آیا ـــــ جی
چاہتا تھا کہ روزے کچھ دن تک اور چلیں جب تک کچھ اور تزکیہ
نفس نہ ہو جائے اور روح میں اتنی طاقت نہ پیدا ہو جائے کہ پھر جام
حیات [illegible] کے اس وقت مولانا روم کا وہ شعر یاد آگیا ؎
یک دست جام بادہ و یک دست زلف یار۔ رقصے چنیں میانۂ میدانم آرزوست
جب میں یہ شعر پڑھتا ہوں تو عرض نہیں کر سکتا کہ کیا کیفیت پیدا
ہوتی ہے کائنات کی لا متناہی وسعت میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روح
عالم وجد اور اضطرار میں پاتے کو یاں ہے اور ابد الآباد تک
اسی عالم میں رہے گی۔ اس شاعرانہ بلندی پر دنیا کے کم شاعر پہنچے ہیں"
مکتوب بالا کا تھا۔ کاتب صاحب کی بغیر اجازت اتنا جزو شائع
کیا جا رہا ہے۔ جی نہ چاہا کہ جو مکتوب اتنی اسلامیت سے لبریز ہو اس کے
لطف میں ناظرین کو نہ شریک کیا جائے ـــــ اور یہ ایک بار پھر یاد
کر لیجئے کہ خط کسی مولوی ملا نے "مذہبی" ادارہ کا نہیں، آئی سی ایس
کے اعلیٰ عہدہ دار کا ہے! ذالک فضل اللہ یوتیہ من یشاء۔

بے عصمتی کی ہوا

ڈاکٹر ہرمان مینہیم (Manheim) لندن کے
اسکول آف اکنامکس اینڈ پولیٹیکل سائنس میں علم الجرائم کے استاد
ہیں اور اپنے فن کے محقق۔ حال میں ایک ضخیم کتاب اس موضوع پر تیار
کر دی ہے کہ گزشتہ جنگ عظیم اور موجودہ جنگ کے درمیانی زمانہ میں انگلستان
میں جرائم کی رفتار کیا رہی اور اس کے معاشری اثرات کیا پڑتے رہے
کتاب کا نام ہے

Social Affects of crimes Between the wars

اس میں ایک جگہ پیشہ ور بیسواؤں کی تعداد کی کمی کے سلسلہ میں لکھتے ہیں
"تجربہ کار محققین کا اس پر اتفاق ہے کہ پیشہ ورانہ بیسوائی گھٹی ہے
اس کا سبب وہ شدید مقابلہ ہے جو شوقیہ بیسوائی سے کرنا پڑا ہے"
(صفحہ ۲۵۲)

ارکاٹ وغیرہ دوسرے فضلاء عصر و محققین کے اقوال اس مضمون کے
دو ایک سال قبل ان صفحات میں نقل ہو چکے ہیں۔ یہ سب اس متفقہ نتیجہ
تک پہونچے ہیں کہ بدکاری روز افزوں ہے البتہ فرق یہ ہو گیا ہے کہ
پہلے یہ جرم بڑی حد تک مخصوص و محدود تھا۔ پیشہ ور بیسواؤں تک اب
جب سے اچھی خاصی پڑھی لکھی شریف و مہذب خاتونیں خود اس میں بڑی کثرت
سے مبتلا ہونے لگیں تو قدرۃً بازاریوں کا بازار سرد پڑ گیا ـــــ اور یہ
"ترقیات" عین اس وقت ہوتی رہیں جب "تعلیم" و "تہذیب" کو ترقی ہوتی
رہی۔ جب نئے نئے سینما ہال کھلتے رہے۔ نئی نئی آرٹ گیلریاں قائم
ہوتی گئیں نئے نئے کالج عورتوں کے اور عورتوں اور مردوں کے مخلوط کھلتے
گئے!

بھائیو اور بہنو! انگلستان کو نہ کوسو۔ اس میں قصور نہ انگلستان کا ہے
نہ اور کسی ملک کا، جو ملک اور جو قوم بھی وہ فرنگی تمدن و معاشرت اختیار
کرے گی لازمی نتیجے یہی نکلیں گے یہی نکل چکے ہیں یہی نکل رہے ہیں۔ روک کی اصل
چیز شرم و حیا اور جھجک ہے۔ جب "تعلیم" اور "تہذیب" اس کو قابل مضحکہ
بنا دے اور شرافت و عصمت کا مشرقی تخیل ہی دل سے مٹا دے تو مصر ہو
ہندوستان، دہلی ہو یا دکن، پنجاب ہو یا بنگال، ایران ہو یا افغانستان،
کوئی کب تک اور کیسے ان سے محفوظ رہ سکتا ہے۔ اپنے کو اس چھوت
سے بچائے رکھ سکتا ہے؟ بے عصمتی کی گندگی پھیلانے کے لئے کسی
اور محرک خارجی کی ضرورت کیا ہے۔ صرف نئی تعلیم اور نئی تہذیب
بالکل کافی ہیں ؎

ایک ناقوس اٹھا لاؤ ابھی، کھلا دیا
دیر تکتی نہیں کعبہ کو کلیسا ہوتے

مفسر کے آداب

صدق نمبر ۴۲ میں ایک مراسلہ نگار کے مراسلہ پر تبصرہ کے ذیل میں جدید مصنفین
قرآن پر جو کچھ لکھا گیا تھا اس پر انہیں مراسلہ نگار کا ایک مکتوب بغرض
موصول ہوا ہے۔

"صدق میں میرے خط کے اقتباس پر تنقید کے متعلق بھی کچھ عرض
کرنا چاہتا ہوں یہ اپنے کام کرنے والوں پر نکتہ چینی کا شوق نہیں بلکہ اپنے
میں اس کام کرنے والوں کی کمی کا رونا ہے اس قحط الرجال پر آنسو بہانا ہے
اور آپ کی تنقید سے ایسا ظاہر ہوتا ہے کہ قرآن کریم کی ترجمانی کیلئے محض عربی
و انگریزی کا جاننا کافی ہے۔ حالانکہ یہ حقیقت سے بعید ہے محض عربی دانی
یا انگریزی دانی پر قرآن کریم کی ترجمانی کا انحصار نہیں ایسے مترجم کا تو معمولی سی
معمولی چیزوں پر ٹھوکریں کھانا بھی بعید از قیاس نہیں۔ علامہ سیوطیؒ نے اتقان
میں قرآن کریم کی تفسیر وغیرہ کے لئے ۱۴ علوم کا جاننا ضروری لکھا ہے
اب آپ کا کیا ارشاد ہے۔ یہی بنیادی فرق ہے آپ برادر علامہ موصوف
میں کہ آپ حدیث، فقہ، اصول، کلام وغیرہ کے متعلق کافی واقفیت کے
مالک ہیں اور علامہ موصوف کو ان سے علاقہ نہیں"۔

اصل اور بنیادی سوال صرف یہ ہے کہ آپ شخصیات کی بحث میں سرے
سے پڑتے ہی کیوں ہیں؟ آپ کام کو دیکھتے ہیں یا کام کرنے والے کو؟ کام میں
جو بھی نقص آپ کو نظر آئے اسے یقیناً برملا کہئے، لیکن کام کرنے والوں کی
شخصیت کے پیچھے آپ کیوں پڑے ہوئے ہیں؟ کسی کو کسی کے پورے
جزئی تفصیلات کے ساتھ حالات معلوم ہی کب ہو سکتے ہیں؟ غلطیاں ہونا
ٹھوکریں کھانا "بعید از قیاس" نہیں اسی "بعید از قیاس" والی ذہنیت کو تو دنیا
اس ذہنیت کو تو مٹانا ہے۔ سوال قرین قیاس و بعید از قیاس ہونے کا ہرگز نہیں،
صرف واقعہ کا ہے۔ حسن ظن و سوء ظن دونوں سے خالی الذہن ہو کر [illegible] کے
(بقیہ صفحہ ۶)

سُورَۃُ البَقَرَہ

رکوع ۱۱

(بسلسلۂ صدق ۲۶ ماقبل)

از عبدالماجد

۹۱۔ واذا قیل لھم اٰمنوا بما انزل اللہ قالوا نؤمن بما انزل علینا ویکفرون بما وراءہ وھو الحق مصدقا لما معھم قل فلم تقتلون انبیاء اللہ من قبل ان کنتم مؤمنین

اور جب ان سے کہا جاتا ہے کہ ایمان لاؤ اس (کلام) پر جو اللہ نے نازل کیا ہے ۲۹۹ تو کہتے ہیں ہم ایمان تو رکھتے ہیں اس پر جو نازل کیا گیا ہمارے اوپر ۳۰۰ اور یہ کفر کرتے ہیں اس کے ساتھ جو اس کے علاوہ ہے ۳۰۱ درانحالیکہ وہ (خود بھی) حق ہے ۳۰۲ (اور) تصدیق کرنے والا (بھی) اس (کلام) کا جو ان کے پاس ہے ۳۰۳ آپ کہئے کہ پھر تم کیوں قتل کر ڈالتے تھے انبیاء کو قبل کے زمانہ میں، اگر تم (واقعی) ایمان رکھنے والے تھے ۳۰۴؟

۹۲۔ ولقد جاءکم موسیٰ بالبینات ثم اتخذتم العجل من بعدہ وانتم ظالمون

اور بالیقین موسیٰ تمہارے پاس آئے کھلے ہوئے نشانوں کے ساتھ ۳۰۵ اس پر بھی تم نے تجویز کر لیا گوسالہ ۳۰۶ کو ان کے پیچھے ۳۰۷ اور تم ہی ہو ظالم ۳۰۸

۹۳۔ واذ اخذنا میثاقکم ورفعنا فوقکم الطور خذوا ما اٰتینٰکم بقوۃ واسمعوا قالوا سمعنا وعصینا واشربوا فی قلوبھم العجل بکفرھم قل بئسما یامرکم بہ ایمانکم ان کنتم مؤمنین

اور (یاد کرو وہ وقت) جب ہم نے تم سے قول و قرار لیا تھا ۳۰۹ اور تمہارے اوپر کوہ طور کو بلند کیا تھا ۳۱۰ (کہ) جو کچھ ہم نے تمہیں دیا ہے ۳۱۱ اسے مضبوطی کے ساتھ پکڑو اور سنو ۳۱۲ (اسی وقت) انہوں نے کہا تھا کہ (ہاں) ہم نے سن (تو) لیا مگر ہم نے مانا نہیں ۳۱۳ اور ان کے دلوں میں گوسالہ بہ سبب ان کے کفر (سابق) کے پیوست ہو گیا تھا ۳۱۴ آپ کہئے (کہ بس) بری ہے وہ بات جس کا حکم دے رہا ہے تمہارا ایمان تم کو اگر تم ہو ایمان والے ۳۱۵

---

۲۹۹ (اپنے بندہ اور آخری رسول محمدؐ پر)

ذکر وہی بنی اسرائیل کا چل رہا ہے انہیں سے کہا جاتا تھا کہ ایمان آخری کتاب الٰہی قرآن پر لاؤ۔

۳۰۰ (اور وہ ہمارے لئے بالکل کافی ہے)

"ہمارے اوپر" سے مراد ہے ہماری قوم و نسل کے اوپر۔ یہود کا کہنا یہ تھا کہ ہم کوئی سرے سے وحی یا مسئلہ رسالت کے منکر تھوڑے ہی ہیں ہم بھی تو مومن ہی ہیں اور اپنی نسل اسرائیلی کے انبیاء کے قائل ہیں

---

۳۰۱ یہ یہود کے قول بالا کا تتمہ ہے۔ قرآن نے یہ اضافہ کر دیا کہ وہ لوگ اپنے سلسلۂ اسرائیلی کے باہر کسی اور کے قائل نہیں۔

ایک عرصہ دراز تک الطاف و عنایات الٰہی کے مورد خاص بنے رہنے اور انبیاء کے لگاتار اسی نسل کے اندر پیدا ہوتے رہنے سے بنی اسرائیل کے دل پر یہ جم گیا تھا کہ نبوت خاندان اسرائیل سے باہر کیسی؟

۳۰۲ (اور اس کی حقانیت دلائل سے ثابت اور شواہد سے روشن ہے)

ھو کی ضمیر قرآن یا کلام الٰہی کی جانب ہے

۳۰۳ یعنی کتاب توریت کا، اور انبیاء اسرائیل کے دوسرے صحیفوں کا

قرآن نے یہود کے مقابلہ میں اپنے دو وصف بیان کئے ہیں

(۱) ایک یہ کہ قرآن فی نفسہ حق ہے اس کی حقانیت دلائل سے ثابت ہے اس لئے اس پر ایمان لانا بجائے خود واجب ہے۔

(۲) دوسری بات یہ کہ توریت اور دوسرے صحف بنی اسرائیل کے ساتھ تعلق منافات کا نہیں رشتہ اتحاد و تصدیق کا ہے۔

۳۰۴ تیسری بات قرآن نے بنی اسرائیل سے یہ کہی کہ خود یہی دعویٰ تمہارا کب صحیح ہے کہ ہم اپنی قوم کے انبیاء پر ایمان رکھتے ہیں؟ ایمان و تصدیق تو الگ رہی تم نے اس زور و شور سے ان کی تکذیب کی اور ان کی مخالفت و عداوت پر اس حد تک اتر آئے کہ انہیں قتل تک کر کر ڈالا۔ تمہاری قومی تاریخ تو رنگین ہے قتل انبیاء سے

قتل انبیاء اسرائیل پر مفصل حواشی رکوع (۷) کے ذیل میں گزر چکے ہیں ایک حوالہ بائبل کا اور ملاحظہ ہو۔ نحمیاہ نبیؑ کے زمانہ میں بنی اسرائیل خود اپنی زبان کو مناجات یوں کرتے ہیں

"تیرے نبیوں کو جو ان کو نصیحت دیتے تھے کہ انہیں تیری طرف پھیر لاویں قتل کیا اور انہوں نے اپنے کاموں سے تجھے غصہ دلایا" (نحمیاہ ۹ : ۲۶)

۳۰۵ (اور ان کھلے ہوئے نشانوں کا اثر طبعی طور پر یہ ہونا چاہئے تھا کہ تم سچے دل سے لگ جاتے خدا کی طاعت اور نبی کی طاعت میں)

حضرت موسیٰؑ کے کھلے ہوئے نشانات اور معجزات جو فرعون کے مقابلہ میں تھے وہ تو مشہور ہی ہیں عصا ید بیضا وغیرہا۔ اس آیت میں ضمیر کم سے معلوم ایسا ہوتا ہے کہ حضرت موسیٰؑ کے کھلے ہوئے نشان یا معجزات خود بنی اسرائیل کے سامنے بھی تھے۔

۳۰۶ (پرستش کے واسطے) یہ ہے تمہاری توحید کی کل کائنات!

گوسالہ پر مفصل حواشی رکوع ۶ میں گزر چکے۔

۳۰۷ ثم یہاں محض تاخر زمانی کے اظہار کے لئے نہیں بلکہ یہ بھی ظاہر کرنے کے لئے کہ تم کیسی پستی میں اتر گئے (ثم للتراخی الرتبۃ، والدلالۃ علی نہایۃ قبح ما صنعوا (ابو سعود)) اور یہ کہ تم نے یہ اس وقت کیا جب تمہارے پاس دلائل و شواہد اس کے خلاف پہنچ چکے تھے۔ (۔۔۔ بعد قیام الحجۃ علیکم (فتح القدیر))

۳۰۸ یعنی حضرت موسیٰؑ کی عارضی غیر حاضری کے زمانہ میں۔

حضرت موسیٰؑ اس وقت اپنی قوم کو میدان میں چھوڑ کر مختصر منتخب افراد کے ہمراہ کوہ طور پر گئے ہوئے تھے۔ تفصیلات کے لئے ملاحظہ ہوں حواشی رکوع ۶

۳۰۹ (اپنے حق میں) تمہاری تاریخ خود گواہ ہے کہ تم اپنی جانوں پر، اپنی روحوں پر ظلم

کرنے کے کیسے عادی ہو!

یہ گویا جوابات سابق کا تتمہ ہے۔ اور اسرائیلیوں سے ارشاد ہو رہا ہے کہ اور زمانوں میں تو خیر جو کچھ بھی تم نے کیا، کیا ہی۔ شرک تو تم نے خود حضرت موسیٰؑ ہی کے زمانہ میں شروع کر دیا تھا، اور شرک بھی کیسا شرک جلی، گوسالہ پرستی کا! اور وہ بھی ان کی عارضی غیر حاضری سے فائدہ اٹھا کر! تمہارے یہ لائق نہ ان کے لائے ہوئے کھلے نشانات بن سکے، اور نہ یہ امر کہ وہ تو ابھی زندہ و سلامت موجود ہیں! غرضیکہ نافرمانیوں میں دلیر تو تم آج سے نہیں شروع سے ہو۔

ﷺ (تمہارے اوپر نزول شریعت کے وقت) لاحظہ ہو حواشی رکوع سات

ﷺ اس پر بھی مفصل حواشی رکوع، میں گزر چکے

ﷺ یعنی یہ احکام و شرائع جو ابھی تم پر نازل کئے گئے ہیں۔

ﷺ (گوش دل سے ان احکام و شرائع کو) قال لما تریدی یعنی اسمعوا وافہموا وقیل اعملوا (کبیر)

ﷺ مفسر تھانوی مدظلہ کا خیال ہے کہ یہود کا یہ آخری قول عَصَیْنَا حرف زبان حال سے تھا اور اس سے ملتا ہوا خیال ابو مسلم اصفہانی کا بھی۔ امام رازی نے نقل کیا ہے۔ قال ابو مسلم وجائز ان یکون المعنی سمعوہ فتلقوہ بالعصیان فیعبر عن ذلک بالقول وان لم یقولوہ (کبیر)، اور یہ قول بھی نقل ہوا ہے کہ قول یہاں بطور مجاز زبان حال کے معنی میں استعمال ہوا ہے، نطق لسانی مراد نہیں۔ قیل یعبر بالقول للشئی عما یفہم بہ من حالہ وان لم یکن نطق (بحر) لیکن اگر زبان سے بھی ان سرکشوں اور گستاخوں نے یہ لفظ نکالا ہو، تو ان کی عادی اور مسلسل نافرمانیوں کو دیکھتے ہوئے تعجب ذرا سا بھی نہیں۔

یرمیاہ نبی کے صحیفہ میں ایک تصریح بالکل اس سے ملتی جلتی، ایک دوسرے موقع کے لئے موجود ہی ہے

"خداوند یوں کہتا ہے کہ راہوں پر کھڑے ہو اور دیکھو، اور پرانے رستوں کی بابت پوچھو کہ بھلی راہ کہاں ہے۔ اس میں چلو کہ تم اپنے جیوں میں آرام پاؤ گے پھر انہوں نے کہا کہ ہم اس میں نہ چلیں گے، اور میں نے تمہارے اوپر نگہبان بھی ٹھہرائے اور کہا کہ نرسنگے کی آواز سنو، پھر انہوں نے کہا کہ ہم نہ سنیں گے

(یرمیاہ ۶: ۱۶ و ۱۷)

ﷺ چنانچہ بیل کے تقدس کا اعتقاد اسرائیلی قوم میں مدت دراز تک قائم رہا

اشربوا سے مراد یہ ہے کہ گوسالہ کی محبت ان کی رگ رگ میں بس گئی تھی جس طرح پانی رگ رگ میں پہنچ کر جزو بدن بن جاتا ہے۔ اور یہ محاورہ اہل عرب کی زبان پر عام ہے۔ وان من عادتہم اذا ارادوا العبارۃ عن مخامرۃ حب او بغض استعاروا الیٰ اسم الشراب اذ ہو ابلغ انجاع فی البدن (راغب)، یا جس طرح رنگ کپڑے کے ریشہ ریشہ میں پیوست ہو جاتا ہے۔ کما یداخل الثوب الصبغ (کشاف)

بکفرھم میں باء سببیہ ہے الظاہر ان الباء للسبب ای الحامل لہم علیٰ عبادۃ العجل ہو کفرہم السابق (بحر)

ﷺ طنز ہے بنی اسرائیل کے مقابلہ میں۔ گویا قرآن کا کہنا یہ ہے کہ واہ کیا کہنے ہیں تمہارے ایمان کے! دعویٰ تو یہ کہ ہم صاحب ایمان و توحید ہیں اور عمل یہ ہے کہ گوسالہ کی تنزیہ و تقدیس میں لگے ہوئے ہو! کیا اچھا تمہارا ایمان ہے!

ذکر صحابہؓ کی بندش

ہمعصر حقیقت (لکھنؤ) میں بشیر الدین انصاری صاحب (قرول باغ دہلی) کی طرف سے اطلاع ذیل شائع ہوئی ہے:۔

"۲۳ اکتوبر کو پونے سات بجے شام کو آل انڈیا ریڈیو دہلی سے دیہاتی پروگرام کے سلسلہ میں اصحاب رسول حضرت ابوبکر صدیق" پر ہندوستانی میں تقریر ہونے والی تھی لیکن آج لکھنؤ سے شیعہ صاحبان کا ایک وفد دہلی آیا اور اس نے آل انڈیا ریڈیو کے کارپردازان سے مل کر اس تقریر کو رکوا دیا جس سے یہاں اور دیگر مقامات پر عام مسلمانوں کو بڑی کوفت ہوئی ہے۔ افسوس ہے کہ لکھنؤ کی شیعہ سنی چپقلش کا اثر اب دہلی تک پہونچ گیا ہے۔

خبر اگر صحیح ہے تو نہایت افسوسناک بھی ہے، اور مسلمانوں کے سواد اعظم کے لیے نہایت اشتعال انگیز بھی۔ لکھنؤ کے جلوس مدح صحابہ کی ایک بالکل مخصوص صورت تھی، لیکن اسکی نظیر سے کام لیکر نفس تذکرۂ صحابہ کی بندش کی کوشش کرنا، وہ بھی ریڈیو پر، ایک سر تا سر غلط ہی نہیں، ناپاک کوشش ہے۔ ریڈیو پر تو ہر مذہب و ملت کے اکابر کے حالات، محکمہ کی قائم کی ہوئی حدود کے اندر برابر بیان ہوتے رہتے ہیں۔ ہرگز یقین نہیں آتا، کہ محکمہ نے لکھنؤی وفد سے متاثر ہو کر ایسی کوئی کارروائی کی ہوگی۔ قیاس غالب یہی ہے کہ خود حقیقت کے وقائع نگار ہی کو کوئی غلط فہمی ہوئی ہوگی، لیکن اگر خدانخواستہ خبر صحیح ہے، اور شیعہ جماعت عاقبت اندیشی سے اسقدر محروم ہو چکی ہے، تو ظاہر ہے کہ اہل سنت کو اس فتنہ کی دفاع میں اپنی پوری قوت صرف کر دینے کا حق ہے، حق ہی نہیں ہے، ان پر فرض ہے!

ایک ہندو ادیب کی وفات

ہمعصر ہماری زبان (دہلی) میں

یہ خبر پڑھ کر افسوس ہوا کہ پنڈت امرناتھ ساحر دہلوی تقریباً اسی سال کی عمر میں، اسی ستمبر کے وسط میں رحلت کر گئے۔ اردو سے آپ کو محبت نہیں عشق تھا۔ عمر بھر اسی زبان کی خدمت کرتے رہے۔ صاحب دیوان و کلیات، شاعر تھے۔ بزم سخن کے نام سے ایک ماہانہ مشاعرہ کی طرح ڈالی تھی۔ اپنے دولتکدہ پر خاص اہتمام کے ساتھ اسے منعقد کرتے رہے۔ صوفیانہ ذوق کے شخص تھے۔ سنسکرت اور ہندی سے متعدد کتابیں اردو میں ترجمہ کی ہیں۔ فسانۂ توحید، اسرار حقیقت، جلوۂ جہاں نما وغیرہ کے نام سے۔ موضوع سب کے ویدانت یا تصوف ہیں۔ یہی اوڑھنا بچھونا تھا۔ ہمعصر دہلوی نے خوب لکھا، کہ آپ کی تصنیفی زندگی خود اس امر کا ثبوت ہے کہ

"اردو زبان ہندو دھرم کی اشاعت اور ترجمانی کی کتنی استعداد رکھتی ہے"

اردو کا جو تعلق مسلمانوں اور اسلامی تہذیب سے ہے، بالکل ظاہر ہے۔ پنڈت صاحب مرحوم ان چند لوگوں میں تھے، جو اردو زبان کے گہرے تعلق کو ہندی علوم اور ہندو قوم کے ساتھ واضح کیے ہوئے، اور سنبھالے ہوئے تھے۔ دیا شنکر نسیم

(بقیہ بر صفحہ ۸ پر)

(صفحہ ۳ کا بقیہ)

خود جانچنے کا ہے شخصیتوں کے کھوج میں جتنا پڑئیے گا کمزوریاں ہی کمزوریاں ابھرآتی رہیں گی۔ (بحیثیت راوی و ناقل کے جو تنقید شخصیت پر ناگزیر ہوتی ہے ظاہر ہے کہ وہ ایک بالکل الگ چیز ہے) اور مزید صدق جسکو محض حسن ظن کی بنا پر خدا معلوم کیا کچھ سمجھا جا رہا ہے اس کی شخصیت تو کمزور ترین ہی نکلیگی تفسیر قرآن کا معیار زمانے کے اقتضاء سے بدلتا ہی رہتا ہے کسی قدیم مفسر کی رائے کوئی نص کی طرح قطعیت تو رکھتی نہیں۔ خود وہ اکابر جو ہماری آپ کی نظر میں اکابر تھا اپنے معاصرین کی نظر میں اور خود اپنے معیار سے کب اکابر تھے؟ کسی مفسر نے ساڑھے تین سو چارسو سال قبل کے معیار کے لحاظ سے جو ۱۴ علوم لکھے ہیں تو ان میں سے متعدد علوم آج کے مفسر کیلئے غیر ضروری ہوگئے ہیں لیکن ساتھ ہی متعدد علوم کا اضافہ بھی اس فہرست میں ضروری ہوگیا ہے محض زبان دانی ظاہر ہے کہ نہ پہلے کبھی کافی تھی نہ اب ہے۔ خدا معلوم مراسلہ نگار نے اس رائے کا انتساب بھی صدق کیجانب کیسے کر دیا۔ صدق کے پچھلے نوٹ میں اگر اسے اہمیت دی بھی گئی تھی تو محض اس بنا پر کہ مراسلہ میں زور اسی پر تھا محض اسماء الرجال پر آنسو تو ہر زمانہ میں بہائے گئے ہیں۔ کوئی دور ایسا نہیں گذرا جس کی اہلیت کو معاصرین نے کافی سمجھا ہو۔ کام بہرحال ہمیشہ ہوتا ہی آیا ہے

"ابن اللہ" کی تصویر!

۱۶۔ اکتوبر کا ۱۰۰ سے چلا ہوا ریوٹر کا تار:

اٹلی کے مشہور اخبار "جیورنیل ڈی اٹالیا" کے حوالہ سے خبر دیتا ہے کہ میڈیم میریا الفونس ڈیلا دلیرا کے ذخیرۂ تصاویر میں ایک قلمی تصویر حضرت مسیح کی برآمد ہوئی ہے جو اتنی قدیم ہے کہ عجب نہیں کسی معاصر مصور کے قلم ہی کی ہو۔ تصویر آخری وقت کی ہے۔ آپ صلیب پر چڑھے ہوئے ہیں اور اپنی والدہ کی طرف نظر ڈالے ہوئے ہیں ایک گوشہ میں سینٹ جان بھی ہیں!

(اسٹیٹسمین۔ ۱۸۔ اکتوبر ۳۲ء)

تار سے مقصود اگر کسی اطالوی خاتون کے ذخیرۂ نوادر کی قدر و قیمت کو بڑھانا اور اُسکا اشتہار دینا ہو۔ تب تو مضائقہ نہیں ورنہ حضرت مسیح کی تصویریں تو کوئی ندرت اب باقی ہے نہیں۔ مسیحی آرٹ اپنے تخیل سے یک سو قلمی تصویریں "ابن اللہ" کی تیار کر چکا ہے! مصور کی معاصرت کا دعوے بھی عجیب ہے۔ کوئی یہودی تو اسکا خیال بھی نہیں کر سکتا۔ اور مسیحی اس وقت گنے چنے تھے ہی کتنے۔ اور جو تھے بھی وہ مصیبت کے مارے ہوئے غریب بھلا اتنی ہمت کہاں سے لا سکتے تھے۔ رہے لے دے کے مشرک المذہب رومی، سو اُنکے دل میں ایک "مجرم" اور "قابل دار معمولی مجرم" کی کسی قسم کی بھی وقعت یا عزت ہی کب تھی، جو وہ تصویر کھینچ کر اس کی اہمیت کا اعتراف کرتے!

دکن کی جدید تربیت گاہ نسواں

(حسب تجویز بیگم صاحبہ سرلبند جنگ بہادر مرحوم)

موجودہ سرکاری نسوانی تعلیم میں دو بڑے نقص ہیں۔ ایک تو یہ کہ ان کا نصاب بالکل مردانہ نصاب ہے اور اگر کچھ ان میں گھریلو زندگی سے متعلق نصاب شامل بھی ہے تو بطور کار زائد اور غیر امتحانی۔ جس کی کوئی اہمیت لڑکیوں کے دل میں پیدا نہیں ہو سکتی، دوسرے انکے مدرسے ان کے گھر کے ماحول سے بہت دور ہوتے ہیں اور اُن کا اتنا وقت ان کے گھر سے اور مدرسوں میں صرف ہو جاتا ہے کہ گھر سے انہیں کوئی مناسبت پیدا ہی نہیں ہوتی اور منزلی زندگی سے متعلق انہیں مل ہی نہیں سکتے۔ لڑکیوں کو صبح سے شام تک گھر سے باہر مدرسوں میں مردانہ نصاب کے ساتھ مصروف رہنا پڑتا ہے۔ نسوانی فرائض کے متعلق اگر کچھ نصابی تعلیم ہو بھی جاتی ہے تو انہیں اس کے عملی انطباق کا کوئی موقع نہیں آتا اور وہ جب زندگی میں شریک ہوتی ہیں تو نسواں نہیں تو ۹۰ فی صدی ضرور نا کام رہتی ہے انہیں بھی جلسے کرنے، جلوس نکلوانے، ظہرانوں عصرانوں عشائیوں میں شریک ہونے، بارنگوں میں ڈوبنے، آرائش و زیبائش پر روپیہ صرف کرنے، کلبوں کو آباد کرنے، سینماؤں میں راتیں گزارنے اور نامحرموں کے ساتھ اپنی پوری آرائشوں کے ساتھ "قومی کام" بیرون خانہ انجام دینے لئے آپ کو مرد کے برابر سمجھنے، شوہر بلکہ مرد کو زنانیا زمستا تا ذر رکھنے کا کچھ ایسا شوق ہو جاتا ہے کہ انہیں پھر اپنے فرائض یاد ہی نہیں رہتے اور معاشرہ میں صدہا خرابیاں راہ پا جاتی ہیں۔ محترمہ بیگم صاحبہ کی تربیت گاہ کا یہ فائدہ یقینی ہے بشرطیکہ جاری مذکورہ بالا شرط کی تکمیل ہو رہی ہو کہ ایک طرف تو نظری طور پر وہ علوم پڑھتی رہیں جو ذہن کو وسیع کرنے اور کردار کو اسلامی و مشرقی سانچہ میں ڈھالنے کے لئے ضروری ہیں اور ساتھ ہی ساتھ تربیت گاہ کے ایک مثالی گھر کی حیثیت سے فائدہ اٹھاتی ہوئی گھریلو معاملات میں عملی تجربے حاصل کرتی چلیں گی۔ ان دنوں بڑے بڑے ماہرین تعلیم کی بھی یہی رائے ہے کہ درسگاہ کو عملی زندگی سے مطابق ہونا چاہئے۔ اس سے بے سکھائے پڑھائے بھی بہت کچھ مفید چیزیں حاصل ہو جاتی ہیں۔

محترمہ بیگم صاحبہ کی یہ تربیت گاہ ایسی نہیں ہے جس سے مغربی ممالک بالکل ہی ناآشنا ہوں اس جنگ کے آغاز سے قبل ہی مغربی ممالک نے یہ اچھی طرح محسوس کر لیا تھا کہ عورت اور مرد کی تعلیم کی یکسانی اور عورت کی معاشی آزادی کے خیال نے معاشرہ کی ساری بنیادیں کھوکھلی کر دی اور نوع انسانی میں ایک ایسے نقص کی تعمیر کر دی ہے جو فرحت اندوزی بشاشت خیزی کے سیکڑوں مصنوعی ذرائع کے باوجود حقیقی مسرتوں سے محروم لوگ اندوہگیں اور زندگی بیزار رہا کرتا ہے جس کی وجہ سے قومی اور بین الاقوامی گتھیاں کھلنے کے بجائے اور الجھتی جاتی [illegible] لئے کہیں تو "ترک مستورات" کی انجمنیں قائم ہوگئیں تاکہ عورتیں اپنے صحیح مقام کی طرف پلٹ جائیں اور کہیں اس قسم کی تربیت گاہیں قائم ہوئیں جہاں

مسیح موعود کہاں ہے؟

(۲)

(از مولانا سید شاہ محمد شاہ صاحب قادری شطاری خانقاہ جیلانیہ حیدرآباد دکن)

وہ اُس زبردستی فرض کردہ نجات دکفارہ کی صلیب کو دنیا سے توڑ پھینکے گا جس نے اربوں کھربوں انسانوں کا صفایا کر دیا۔ یکسر الصلیب۔ وہ دنیا سے جنگ وجدال کو ہمیشہ کیلیے مٹا دیگا یضع الحرب۔ دنیا سے گداگری جیسے روزگاری کو کافور کر دیگا۔ یفیض المال فیضًا فلا یقبلہ احد۔ وہ تمام مذہب وملل میں حق وانصاف کا فیصلہ کریگا۔ وہ دودھ کا دودھ پانی کا پانی علٰحدہ کر دیگا۔ ہر مذہب وملت میں دودھ وپانی ملا ہوا ہے حق کے ساتھ ساتھ باطل بھی مخلوط ہے۔ اگرچہ ہر فرقہ اپنے ہی مذہب وملت کو حق وصدق کا اجارہ دار سمجھ رہا ہے مگر یہ خیال بالکل غلط ہے۔ مسیح ومہدی یہ فیصلہ کر ڈالیگا اور بالکل نصوص قرآنی سے ہا کہ ہر مذہب کی کون کون باتیں حق وصدق ہیں اور کون کون ایجاد بندہ۔

"ینزل فیکم حکمًا عدلًا مقسطًا (یعنی تمہارے درمیان اسے عزیز! مسیح فردکش ہوگا مذاہب کا فیصلہ کرتے ہوئے عدل وانصاف سے حق کی گواہی دیتے ہوئے) غرضکہ جو بھی عربی علوم کا عالم جید ہو جب وہ احادیث متعلقہ مسیح مہدی پر تحقیق وغور ونکر سے نظر ڈالیگا اور بغیر کسی دینی مذہبی عصبیت کے انکا مطالعہ کریگا۔ پھر اسکے ساتھ قرآن پاک اور سابقہ صحف انبیا کے اشارات ورموز پر بھی غور کریگا اُسے انشاء اللہ علانیہ یہ بات واضح ہو جائیگی کہ آنے والا منتظر خلیفۃ اللہ امام اعظم ومصلح اکبر ایک ہی شخص ہے دو شخصیتیں نہیں ہیں جیسا کہ معتقدہ عامہ ہے اور اسکے خاص کردار وہی ہیں جو اوپر مختصرًا بیان ہوئے ہیں۔

ان خصائص پر نظر ڈالنے والا صاف معلوم کر لیتا ہے بشرطیکہ وہ جامد مقلد آباد واکابر اصنمین نہ ہو کہ مسیح مہدی کی پیشین گوئی درحقیقت اُس انقلاب عظیم کی پیشین گوئی ہے جو دنیا کا آئندہ نظام قائم کرنے والا ہے۔

تعمیر بعد تخریب

ظاہر ہے بلکہ اظہر کہ ہر تعمیر جدید، تخریب کلی کے بعد ہوا کرتی ہے۔ پہلی عمارت مع بنیاد کے جب تک توڑ نہ دی جائے نئی عمارت کبھی قائم نہیں ہو سکتی۔ جب حسب تصریح حدیث ابن ماجہ ومستدرک لا المھدی الا عیسی بن مریم مہدی وعیسٰی درحقیقت ایک ہی ذات کے دو مختلف لقب وصفت ہیں تو لازم آیا کہ یہ شخص واحد مصلح اعظم درحقیقت کرۂ زمین کی انسانی اقوام کی حیات اجتماعیہ کی کوئی نئی عظیم تر عمارت تعمیر کرنے آ رہا ہے جو پہلے کبھی دیدہ شنید یعنی وہ آسمانی بادشاہت قائم کرنے آ رہا ہے۔ جسکی حضرت عیسٰی ویحیٰی منادی کرتے پھرتے تھے اور دونوں حضرات اسی جرم میں مارے گئے۔ حضرت یحیٰی تو ظاہر ہے مگر حضرت عیسٰی جو نفخۂ روح القدس وکلمۃ من اللہ تھے اور جو ہمیشہ اپنا روپ بدلکر نظروں سے غائب ہو جاتے اور یہود کے غضب آلود جمع سے ہمیشہ بچ جایا کرتے تھے۔ آخر یہ کلمۃ اللہ ونفخۂ روح القدس یہود سے اُٹھا لیا گیا اور بنی اسماعیل قریش میں منتقل کر دیا گیا۔ عرب میں ہلچل شروع ہو گئی۔ اور دعائے خلیل ونوید مسیحا نار تقلید نسل نجاشی دہندہ بنکر حضور سید المرسلین نبی قریشی کی شکل میں ظاہر ہوئی۔ حضور اقدس اور پھر آپ کے صحیح جانشینوں "خلفائے راشدین" نے دنیا میں پہلے پہل جس طرز حکومت خلافت علی اللہ وامامت عظمٰی کی داغ بیل ڈالی وہی تھی ملکوت السمٰوٰت جو دنیا بھر کے لیے ایک انوکھی اور اچھوتی چیز تھی جسکی نظیر کبھی بنی نوع انسان نے نہ دیکھی نہ سنی۔ اور بظاہر مادی عقل کے ادراک سے باہر بھی ہے۔ کیونکہ مادی عقل جمع بین الضدین کی قائل نہیں۔ ادھر فوجی وسیاسی اقتدار اعلٰی کی وہ شان کہ فرعون ونمرود وکیان ایران کو بھی حاصل نہ تھی اور اُدھر درویشی وفقیریت وترک دنیا اور فقر کی وہ شان کہ الفقر فخری۔ بڑے بڑے تارک الدنیا بھی اُنکے مقابلے سے عاجز۔ کیا یہ اجتماع بین الضدین نہیں ہے۔ حضرت مسیح کا انہماک معجزات پر سر دُھننے والے اندھے بہرے چشم بینا اور گوش شنوا حاصل کریں اور دیکھیں کہ حضرت مسیح کے سارے معجزات عجیبہ وغریبہ کو ایک پلڑے میں رکھ دیا جائے اور دوسرے پلڑے میں حضور محمد رسول اللہ کا فقط یہی ایک معجزہ رکھ دیا جائے کہ اُنھوں نے مثال کو نہ فقط ممکن بلکہ عملًا واقع کر دکھایا اس طرح کہ انتہائے فقر ودرویشی وفقیریت وتکلیف دنیا کو، ظاہری انتہائی وعلٰی اقتدار سیاسی وفوجی کے ساتھ جمع کر دیا۔ .... کیا اسکے بعد بھی کوئی شبہ کریگا کہ ان ترازو کے دو پلڑوں میں سے کون سا جھک رہا ہے اور کون سا اُٹھ رہا ہے؟

ملکوت السماء کا قیام

ہی ہے

اصل مدعائے اسلام

جب آپ معلوم کر چکے کہ اصل مقصود اسلام جسکی منادی یحیٰی وعیسٰی کرتے تھے اور جسے حضور اقدس اور اُنکے خلفائے راشدین نے (خواہ ابتدائی طور پر ہی سہی) دنیا میں عملًا واقع کر دکھا دیا۔ وہ ملکوت سماوی اور خلافت وامامت والا اقتدار عظمٰی والا ادارہ آلیہ ہے جسکے فقدان کو آنحضرت نے میتۃ جاہلیہ فرمایا کما فی صحیح مسلم وغیرہ۔ اور حسب پیشگوئی شاید اقدس عربوں نے جنکا خمیر ذہنی بنی اسرائیل ہی سے اُٹھا جاتا تھا) بنی اسرائیل ہی کی راہ پر پڑکر اس ملکوت سماوی کو نہ سمجھا اور خلافت وامامت کی جگہ ملک عضوض وملک جباریت قائم کر لیا۔ اور اس طرح وہ خود اپنے آپ بھی تباہ ہوئے اور تمام امت پر (امامت وخلافت کے فقدان کے باعث) تفرقہ واختلاف وتمذہب وتحزب کی بلائیں نازل کر دیں اور آج امت کا شیرازہ اس طرح بکھرا ہوا ہے کہ ؎

مانے نہ کبھی کہ مد ہے ہر جزر کے بعد
دریا کا ہمارے جو اُترنا دیکھے

اسی بلا کو دور کرنے اور پھر از سر نو ملکوت سماوی قائم کرنے یعنی خلافت علیٰ منہاج نبوت قائم کرنے کے لیے وہ مصلح اعظم مسیح مہدی آ رہا ہے جس کی پیشین گوئیاں قرآن پاک اور صحف سابقہ الہامیہ، کتب احادیث میں بھری پڑی ہیں وہ حسب حدیث فاطمی حسنی ہے محمد نامی۔

ظاہر ہے اور ہر شخص عقل سلیم والا غور کر سکتا ہے کہ اتنا بڑا انقلاب عالم یوں ہی چپکے چپکے کیسے آ سکتا تھا۔ لہذا ضروری تھا کہ حسب فطرت الٰہیہ اس کے اسباب پیدا کیے جائیں اور اس کے پہلے چند عظیم انقلاب آویں جو اس انقلاب اعظم کی راہ صاف کریں۔

المسیح الدجال

پہلا انقلاب مسیح دجال یعنی نجات دہندۂ پُر فریب کا ہے۔ یہ اس طرح پیدا ہوا کہ جب عرب بادشاہت نے اسپین کو فتح کر کے علوم و فنون اور تمدن و تہذیب کا تخم یورپ میں ڈالا تو یہ زمین اس کے لیے مناسب ثابت ہوئی وہ بڑھا اور پھلا پھولا مگر اسی شاہد اقدس نے تمام دو دنیا میں دکھ لیا تھا کہ وہ کعبۂ فطرت کے گرد گھوم رہا ہے مگر سیدھی آنکھ (دینی دروحانی) کا اندھا ہو کر۔ چنانچہ یورپ نے عربوں سے قرآنی اور اسلامی تعلیم فطرت سیکھی تو ضرور مگر محض مادی ترقی کے متعلق۔

عمومیت و جمہوریت

لہذا وہ ترقی و تہذیب کی آنکھ کھلتے ہی عمومیت و جمہوریت کی طرف جھکا اور اسی کو دنیا کی نجات کا واحد ذریعہ سمجھا۔ حالانکہ آج اُسے تجربہ سے ثابت ہو گیا کہ عمومیت و جمہوریت اشتراکیت دنیا کی نجات وشکم چین اور امن وامان کے لیے مفید نہیں۔ یہ ایک پُر فریب سیمیائی پردہ سے زیادہ وقعت نہیں رکھتا اگرچہ اس اثنا میں انسانی زندگی کے سیکڑوں مشکلات کے لیے وہ نجات دہندہ مسیحا ثابت ہوا۔ لہذا اسے حدیث میں جہاں فرمایا گیا لفظ المسیح الدجال نہ فرمایا گیا بلکہ فرمایا گیا المسیح کے لفظ کے ساتھ اور کبھی المسیح الاعور فرمایا گیا یعنی کانا نجات دینے والا یعنی محض مادی۔ غرضیکہ مسیح کا لفظ اُس کا جزو اہم ہے۔ اس کے بغیر محض لفظ دجال کا کوئی مطلب ہی نہیں ہے درحقیقت یہ لفظ صفت تقابلی ہے یعنی ایک حقیقی ہدایت یافتہ نجات دہندہ ہے المسیح المہدی۔ اور اس کے بالمقابل ایک مسیحا ہے اعور مادی ہے۔ اس کی نجات محض دھوکہ کی ٹٹی ہے۔ بنی نوع انسان کو اس کی دلفریب خوشنما آرام دہ (گمراہیاں کیش) نئی روشنی اور عمومیت وجمہوریت و اشتراکیت سے کبھی حقیقی نجات، شکم چین، اور فلاح وبہبود حاصل نہ ہو سکے گی۔

چنانچہ یہی ہوا۔ اور دنیا دیکھ رہی ہے کہ یہ ناکام ثابت ہوئی حتی کہ خود یورپ میں اس کا ردعمل شروع ہو گیا۔ مفکرین و مصلحین اس کے خلاف آوازے کسنے لگے۔ اب یہ پردۂ دجل و فریب اُٹھ رہا ہے اور دوسرا پردہ پُر ہیبت فوجی ساحر کے ساتھ گر رہا ہے اور ایک نظام جدید ساتھ لا رہا ہے۔

یاجوج و ماجوج

یہ میری جدید تحقیق اور غالباً (میرے حد علم تک) سب سے پہلی ہے کہ یہ لفظ دراصل قدیم ایرانی لفظ گُرگ یعنی گرگ کا معرب ہے کا معرب ہے یعنی بھیڑیا اور بڑا بھیڑیا۔ قدیم ایران میں منگولین مقدم جاپان وغیرہ اور تاتاریوں کو بھیڑیا کہتے تھے۔ کیونکہ نہایت سخت اور خونخوار اقوام تھے۔ اور اس کے دوسرے مغرب میں جو اقوام یورپ بستے تھے انھیں یہ مہ گرگ کہتے تھے مثلاً جرمن و انگریزی وغیرہ بولنے والی اقوام۔ چنانچہ سنا کہ لندن کے بلدیہ کے سالانہ جلوس میں یہ دونوں نام کے پُتلے نکالے جاتے ہیں اور ایک پہاڑی میگاگ ہِل کے نام سے مشہور ہے۔

غرضیکہ انتہائے مشرق کے جاپانی ومنگولی وتاتاری وترکی ہمہ اقسام نسلیں جن کی سب سے بڑی حکومتیں آج مشرق و شمال میں روس وجاپان ہیں، یہ ہیں سب گوگ جسے عرب نے اپنے اوزان پر لا کر یاجوج[1] بنا لیا تھا۔ اور اب رہے معمورۂ زمین کے شمال غربی اور بالکل مغربی اقوام مثلاً جرمن، بلجیم، انگلش، ڈلنڈیز (ہالینڈ) ڈچ۔ نارمن گاتھ (عرب انھیں قوط کہتے تھے اور صاحب تاریخ اسپین نفح الطیب فی اندلس الرطیب نے انھیں ماجوج سے قرار دیا ہے دیکھو تاریخ مذکور) یہ ہیں سب ماجوج معرب مہاگورگ۔

(باقی آیندہ)

[1] گوگ مہاگوگ کو بنی اسرائیل کی عبرانی وسریانی زبانوں میں پہلے جوج و ماجوج کہا گیا۔ پھر عرب جب سے آرمینیا کے لوٹنے پر شمال و شمال شرقی میں کردستان و آرمینیا تک اور تمام شام وعراق میں بس گئے اور نصرانی ہو گئے مثلاً قبائل کلب وتغلب وربیعہ وغسان وغیرہ تو اس لفظ کو اپنی عربی اوزان پر معرب کر کے یاجوج ماجوج بنا لیا۔ اور اس قدر فصیح عربی ہو گیا کہ ہمارے اکثر و بیشتر علما کو اس کے عربی ہونے کا شبہہ ہونے لگا اور اس کے وہ اشتقاق کرنے لگے۔ ۱۲

بقیہ صفحہ ۵

رتن ناتھ سرشار، نوبت رائے نظر، برج نرائن چکبست، بشن نرائن آبر، جوالا پرشاد برق، دوارکا پرشاد افق، کشن پرشاد شاد کے جو اس سلسلہ کی ایک اہم کڑی، یہ حضرت ساحر ہی سے تھے۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق مرشد آباد پیلس گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ○ اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا یہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر عبدالماجد دریابادی

نائب
حکیم عبدالقوی

رجسٹر نمبر اے ۳۹۱

صدق
لکھنؤ

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو
محمد عبدالمعافی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ گولہ گنج لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ ششماہی ۓ
بیرون ہند سالانہ ۷ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱۰

مضامین کے بارہ میں خط و کتابت ایڈیٹر سے ہونا چاہئے

نمبر ۲۸ دوشنبہ ۷ ذیقعدہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۱۶ نومبر ۱۹۴۲ء جلد ۸

سچی باتیں

حدیث کی حجت دینی ہونیکے آپ خدانخواستہ منکر بھی ہوں جب بھی رسول اکرمؐ کے دنیا میں سب سے بڑے حکیم، سب سے بڑے عارف، سب سے بڑے عالم ہونیکے تو بہرحال قائل ہوں گے، اس اعلم الناس، اعرف الناس، اشرف الناس کا قول حضرت علیؓ کے واسطہ سے حدیث کے ایک مشہور مجموعہ **جامع ترمذی** میں یہ درج ہے۔ کہ جب میری امت میں یہ پندرہ خصلتیں عام ہوجائیں [خصلت اسے نہیں کہتے کہ کوئی شے کبھی اتفاق سے واقع ہوجائے] تو اس پر آفت یا مصیبت نازل ہوجائے گی۔ حَلَّ بِھَا الْبَلَاءُ۔ ان پندرہ خصلتوں کی تفصیل حسب ذیل ہے انہیں پڑھتے جائیے اور اس آئینہ میں اپنا چہرہ دیکھتے جائیے۔

اِذَا کَانَ الْمَغْنَمُ دُوَلًا | جب مال غنیمت جو جہاد میں کافروں سے ہاتھ آتا ہے وہ خود دولت یا سرمایہ بنجائے اور انسان یہ سمجھنے لگے کہ یہ کو میری ذاتی ملک ہے اور اسمیں کسی کا حصہ نہیں

وَالْاَمَانَۃُ مَغْنَمًا | اور امانت میں خیانت ہونے لگے

وَالزَّکٰوۃُ مَغْرَمًا | اور خدائی ٹیکس زکوٰۃ کو مثل تاوان وجرمانہ کے لوگ اپنے اوپر بار سمجھنے لگیں۔

وَاَطَاعَ الرَّجُلُ زَوْجَتَہٗ | اور مرد و زن کے درمیان جو صحیح فطری رشتہ ہے، اسے چھوڑکر مرد بجائے اپنی بیوی پر حاکم، سردار، قوام ہونے کے الٹی اس کی اطاعت میں لگ جائے۔

چار علامتیں ہوگئیں اور پانچویں نمبر پر یہ ہو کر،

وَعَقَّ اُمَّہٗ | حقوق نسواں کے ہنگامہ میں ماں کے حقوق بالکل غائب ہوجائیں اور لڑکا کھلی نافرمانی اپنی والدہ کی کرنے لگے، ماں کو کوئی حق و اختیار جوان بیٹے کے معاملات و مشاغل میں نہ رہ جائے

وَبَرَّ صَدِیْقَہٗ | اور معاشرہ کا مذاق اتنا بگڑ جائے کہ عزت و محبت دوست احباب کی، کلب والوں کی، رفیقوں، جلیسوں کی تو قائم ہوجائے۔ اور باپ کی بے توقیری دلوں میں جگہ پاجائے

وَجَفَاہُ اَبَاہُ | باپ سے علانیہ مقابلہ ہونے لگے۔

وَارْتَفَعَتِ الْاَصْوَاتُ فِی الْمَسَاجِدِ | اور مسجدیں جو خشیت الٰہی کی اور طبیعت میں نرمی و انکسار پیدا کرنے کی جگہیں ہیں، الٹی طوفان بے تمیزی کا مرکز بن جائیں وہیں ہنگامہ اور جھگڑے ہونے لگے، عبادت کی جگہ رعونت، اور خود خفائی کی جگہ خودنمائی لے لے۔

وَکَانَ زَعِیْمُ الْقَوْمِ اَرْذَلَھُمْ | اور جو اپنے کردار کے لحاظ سے بدترین ہو، اپنے خصائل و اعمال کے اعتبار سے رذیل و خوار ہوں وہ قوم کے لیڈر بن جائیں اور ملت کی نمائندگی کا دعوی کرنے لگیں۔

وَاُکْرِمَ الرَّجُلُ مَخَافَۃَ شَرِّہٖ | اور تعظیم کا معیار یہ نہ رہ جائے کہ فی الواقع وہ شخص قابل عزت ہے بلکہ محض یہ ڈر ہوجائے کہ اگر تعظیم میں کمی کی گئی تو وہ شخص نقصان پہونچائے گا۔

وَشُرِبَتِ الْخُمُوْرُ | اور شرابیں چھپ کر بھی اور علانیہ بھی گھروں میں ہوٹلوں میں، دعوتوں میں، جلسوں میں، اصلی ناموں یا بدلے ہوئے لیبلوں کے ساتھ پی جانے لگیں

وَلُبِسَ الْحَرِیْرُ | اور مردوں کو ریشمی لباس پہننے میں کوئی جھجک نہ باقی رہ جائے۔

وَاتُّخِذَتِ الْقِیَانُ وَالْمَعَازِفُ | اور گانے والیوں اور باجے گاجے کا دور دورہ ہوجائے کوئی شرم و رسوائی ان دلچسپیوں میں باقی نہ رہے۔ یہ دلچسپیاں معاشرہ کا جزو بن جائیں۔

ولعن آخر ھذہ الامۃ اولھا | اور اس امت کا پچھلا حصہ اپنے پہلے حصہ پر لعنت کرنے لگے' بعد کی نسلوں کی زبان اپنے اسلاف کی مذمت و ہجو پر بے تکان چلنے لگے' اور کوئی دقیقہ بڑوں کی عیب چینی کا چھوٹوں کی زبانیں اٹھا نہ رکھیں ! ---

نقشۂ "مستقبل" کا جو کھینچا گیا تھا "حال" اس پر لفظ بہ لفظ منطبق ہو رہا ہے یا نہیں ؟ پیشین گوئی کا کون سا جزو صادق آنے سے رہ گیا ہے ؟

ترقی پسندوں کی رجعت

:- پٹنہ کیم دسمبر - طلبہ کی شورشوں کے مسئلہ پر حکومت صوبہ بہار کے ایک تازہ ریزولیوشن کا اقتباس :-

"اسکولوں کے انسپکٹر جن سے مشورہ لیا گیا تھا ان سب نے متفقہ رائے یہی دی ہے کہ جسمانی سزا کو پھر سے جاری کیا جائے . . . . .

حکومت صوبہ بہار نے جو نئے ضابطے جاری کئے ہیں ان میں علاوہ جرمانہ' اخراج وغیرہ کے جسمانی سزا کی بھی منظوری دی ہے' البتہ انسپکٹروں کو اس کا نگران قرار دیا ہے کہ کہیں اس میں بہت زیادتی نہ ہو جائے"

پائنیر ۱۷ جولائی سنہ ۴۳ء کے صیغۂ مراسلات میں ایک ماہر تعلیم کے طویل مراسلہ کا اقتباس :-

" میں کیسا ہی دقیانوسی خیال کا اور جمود پسند ہی کیوں نہ قرار دیا جاؤں لیکن میں یہ کہنے سے باز نہیں رہ سکتا کہ ڈسپلن کے معیار میں موجودہ انحطاط بڑی حد تک نتیجہ ہے اس کا کہ محکمہ نے جسمانی سزا کا حق استادوں سے سلب کر لیا ہے مجرم کے لئے فہمائش' جرمانہ وغیرہ کی سزائیں سب غیر موثر و ناکافی ہیں' اس پر اگر اثر ہو سکتا ہے تو بید ہی کا ۔ انگلستان اور امریکہ تک میں یہ ان بہ ترقی و تمدن اسکولوں میں بید بالکل ممنوع نہیں قرار پا گیا ہے . . . . .

" میں جدید نظریات تعلیم سے واقف بھی ہوں اور ان کا حامی بھی لیکن اس کا ہرگز قائل نہیں کہ بید کی سزا کو بالکل ہی ممنوع قرار دیدیا جائے . . . . ہیڈ ماسٹر کو اس کا اختیار تمیزی ہونا چاہئے ۔ بید کا خوف بجائے خود ایک مانع کا کام دیتا ہے' چنانچہ دیکھ لیجئے کہ اسکولوں میں ڈسپلن کی حالت سزائے بید کے اجرا کے زمانہ میں کیا تھی' اور اس سزا کی منسوخی کے بعد سے کیا ہو گئی ہے "

اور اس کی تائید پائنیر ۲۰ اگست ہی میں ایک انٹرمیڈیٹ کالج کے پرنسپل نے کی ہے ----- تو خلاصہ یہ کہ ماہرین تعلیم کی جدید ترین تحقیق اب پھر اسی قدیم تعلیم کی طرف لوٹ رہی ہے کہ لڑکوں کی تادیب کے لئے ان پر جسمانی سختیاں جرم اور حرام نہیں ۔ اور "جور استاد" کوئی ویسا ہوا نہیں جیسا کچھ روز پہلے افراط روشن خیالی سے فرض کر لیا گیا تھا

مولوی کی سادہ دلی

:- مولانا ابو الوفا ثناء اللہ صاحب امرتسری فرقۂ اہلحدیث کے ایک ممتاز و نامور عالم دین ہیں اپنے جریدہ اہلحدیث میں اپنے نام کے ساتھ ایک نوٹ "جنگ کے متعلق ایک لمحۂ فکریہ" کے عنوان سے حال میں تحریر فرمایا ہے وہ حسب ذیل ہے ۔

" مجھے کئی دنوں سے ایک خیال پریشان کر رہا ہے کہ یورپ کی جنگ میں جتنا وقت لگے گا اس میں شک نہیں کہ یہ مصیبت کا زمانہ ہوگا ایسی مصیبت اور بے چینی میں زن و مرد کا ملاپ کیسے ہو سکتا ہے ۔ کیونکہ ملاپ مذکور خاص فرحت اور مسرت پر مبنی ہے ۔ پس اتنے لمبے عرصہ تک نسل انسانی کی ترقی رکنے سے یورپ کی آئندہ مردم شماری پر کیا اثر ہوگا کچھ قلت سے کچھ عدم ولادت سے ۔ فاعتبروا یا اولی الابصار "

مولانا کی اس دردمندانہ تحریر سے صاف عیاں ہے کہ خدا شناسی میں ان کا مرتبہ جو کچھ بھی ہو' لیکن شیطان شناسی میں یقیناً وہ کورے ہیں ! انہوں نے جو صورت حال اپنی سادہ دلی سے فرض کی ہے' واقعہ اس کے بالکل برعکس ہے ۔ جنگ کے زمانہ میں شرح ولادت گھٹتی نہیں اور بڑھ جاتی ہے کم از کم یورپ کا تجربہ تو یہی ہے' البتہ حرام حلال کی بحث میں نہ پڑئیے' اور اس کا کھوج نہ لگائیے کہ ولادتیں ناجائز کتنی ہوتی ہیں اور جائز کتنی "بن بیاہی مائیں" یہ اصطلاح تو خاص تحفہ ہے گزشتہ جنگ عظیم کا ۔ اور ایسی ماؤں کی پوری پوری آبادیاں ہر ملک میں موجود ہو گئیں ۔ باقاعدہ فوج کے ساتھ ساتھ ایک دوسری باقاعدہ فوج پیشہ ور بیسواؤں کی چلتی ہے' اور بیسوائیں بھی کیسی' ذلیل ترین قسم کی ایسی کہ تفصیلات سنیئے تو جی مالش کرنے لگے' اور فوج کی وردی تو ایسی جنسی کشش رکھتی ہے کہ ہر وردی پوش سپاہی پر عورتیں ٹوٹ ٹوٹ کر گرتی ہیں !

پھر جنگ نے تمدن مغرب کی جو نئی نئی صورتیں پیدا کر دی ہیں مثلاً راتوں میں روشنی کا گل ہونا (بلیک آوٹ) یا پناہ گاہوں میں مردوں عورتوں کی یکجائی' ان سب چیزوں نے تو مل ملا کر یورپ کی بہیمانہ نفس پرستوں پر جو تھوڑے بہت بند باقی تھے' انہیں بھی توڑ پھوڑ کر الگ کر ڈالا ہے ۔ اب شیطان اور یورپ کے درمیان کوئی ہلکی سی آڑ بھی حائل نہیں ۔

یوم حسین

حیدر آباد دکن سے ایک مخلص لکھتے ہیں :-

" اخبار مدینہ جلد ۱۳ نمبرہ ۰ میں یادگار حسینی سے متعلق جو طویل مضمون خانقاہ تھانہ بھون کی طرف سے شایع ہوا ہے اس میں آپ کو بھی لپیٹا گیا ہے - اسکے متعلق آپ صاف اعلان کر دیں کہ یادگار حسینی کی اس ہیئت کذائی سے آپ کو بھی ہرگز اتفاق نہیں "

جس مضمون کا حوالہ دیا گیا ہے' وہ ایک تو اصل فتوے ہے تھانہ بھون کا تحریک یادگار حسینی سے متعلق ۔ اسکے اکثر و بیشتر اجزاء سے تو صدق کو تمام تر اتفاق ہی ہے' اور بعض اجزا ایسے ہیں جنکے باب میں صدق کوئی رائے نہیں رکھتا ۔ بہرحال مخالفت اسکے کسی جزو سے بھی نہیں ۔ لیکن اس فتوے کی تمہید میں جو عبارت نوٹ (ملے) کے عنوان سے الحاق کی گئی ہے' اور جو یقیناً نہ جزو فتوے ہے' اور نہ مفتی کے قلم سے ہے'

وہ ایک نمونہ ہے تلبیس اور افترا پر جرأت کا! اس الحاقی عبارت کا مزید اقتباس ملاحظہ ہو:۔

"مدیر صدق عرصہ سے اپنے اخبار کے ذریعہ شیعوں کی یادگارِ حسینی کی مخالفت میں پروپیگنڈہ فرما رہے ہیں۔ حتیٰ کہ ۱۸ مئی ۱۹۴۲ء کے صدق میں تو اُنھوں نے اپنے مخصوص نوٹ میں یادگارِ حسینی کی پُرزور توصیف فرمائی ہے ..... انشاء اللہ مدیر صدق نے اس خبیث گندگی کو اپنے اخبار کے ذریعہ جتنا اُچھالا ہے، اور امت کی تخریب جس قدر فرمائی ہے، اب اُس کے کفارہ میں کم از کم اتنی اشاعتوں میں اپنے مخصوص مضامین سے تعمیری اور تبلیغی خدمات انجام دیں گے ..... اور بالاعلان اپنے نظریات کی تردید فرمائیں گے، اور یادگارِ حسینی سے اپنی برأت شائع کریں گے"

یہ تسلیم کہ انسان جب خدا و آخرت سے بالکل بے خوف ہی پر آمادہ ہو جائے، تو یقیناً اس سے بھی زیادہ جرأت "تصنیف" اور "اختراع" اور "خلاقی" کی لا سکتا ہے، لیکن اسکی مثال تو شاید تلاش سے بھی نہ مل سکے کہ حضرت شیخ زمانہ محقق یگانہ "حکیم الامت" کے ساتھ انتہائی خلوص و عقیدت کا دعوے رکھ کر بھی قلم اتنا بیباک اور دیانت و صداقت سے اس حد تک بے نیاز ہو!

اس "شیعی گندگی" کو آخر صدق میں کب کب اُچھالا گیا ہے؟ اسکی پُرزور موافقت میں "پروپیگنڈا" اور وہ بھی "عرصہ تک" صدق کی کن کن اشاعتوں میں ہوا ہے؟ "حتیٰ کہ" ۱۸ مئی کے پرچہ میں اسکی "پُرزور تعریف" عام و مطلق طور پر کن الفاظ میں کی گئی ہے؟ —— کیا ملک کو فرقۂ شیعہ کا نوحہ پڑھنے والوں کے لیے ضروری ہے کہ خود وہ بھی اُسی رنگ میں رنگ جائیں؟

۱۸ مئی کے پرچہ میں تو صرف یہ تھا، اور وہ بھی ایک مراسلہ نگار کے متعین سوالات کے جواب میں، کہ

"تحریک اگر صحیح اصول پر چلتی رہے اور کارکُن اُسے اچھے ملے رہیں، تو یہ تو عین بدعاتِ محرم کو مٹا دینے والی ہے۔ حسینؓ روافض کے کہاں سے ہو گئے؟ وہ تو خاص الخاص ہمارے ہیں ..... حسینؓ کی یادگار تو عین صحابیِ رسول کی یادگار ہے۔ آخر اکابر اہلِ سنت نے حضرتؓ کا ذکر صحابہ ہی کی فہرست میں لیتان اخیار کے ساتھ کیا ہے۔ ملاحظہ ہو اسد الغابہ وغیرہ"

یہ عبارت انتہائی نمونہ ہے صدق کی "موافقتِ تحریک" کا (جیسا کہ گمنام حسینوں کے لفظ "حتیٰ کہ" سے واضح ہے)۔ لیکن اس میں بھی کون سا لفظ منافی ہے عقائد اہلِ سنت کے یا مولانا تھانوی کے؟ —— بہرحال یہ الحاقی تمہید تو جس حد تک قابلِ خطاب و التفات ہے، بالکل ظاہر ہے۔ البتہ خود حیدرآباد کے مخلص مراسلہ نگار کی اطلاع کے لیے ایک بار پھر عرض ہے کہ یومِ حسینؓ اُسی درجہ کی چیز ہے جیسے یومِ صدیقؓ، یومِ فاروقؓ وغیرہ۔ اگر صحیح طریق عمل قائم رکھا جائے (جیسا کہ حیدرآباد کے جلسوں اور تقریروں سے ظاہر ہو رہا تھا) تو یہ یوم بھی اُنھیں ایام کی طرح بڑا مفید و بابرکت ہو سکتا ہے، لیکن اگر اس میں اُن شرکا نہ خرافات و فرنگیانہ بدعات کا اضافہ کر دیا گیا، جنکا ذکر مولانا تھانوی میں ہے (اور جو مدیر صدق کے علم میں قطعاً اسوقت تک نہ تھیں) تو ظاہر ہے کہ علمائے اہلِ سنت کا ذکر نہیں، خود ضعیفوں کا صاحبِ علم و فہم طبقہ اس سے تبرّی و بیزاری کے اظہار کے بغیر نہیں رہ سکتا۔

مغرب کی شرقیت

"حریتِ نسواں کے علم برداروں کو اس بڑھ کر غصہ دلانے والی چیز اور کوئی نہیں۔ چاہے اس حقیقت کو کیسے ہی نرم الفاظ میں ادا کیجیے کہ باپ کی سب سے پہلی ذمہ داری یہ ہے کہ اپنی لڑکی کی شادی کر دے"

(ص ۲۶ مستقبلِ نسواں Future of women)

الفاظ کسی دقیانوسی مشرقی کے نہیں، جدید و جدت نواز فرنگی کیپٹن اے ایم لڈوویسی (A. M. Ludovici) کے ہیں! لڑکی کے لیے شوہر ڈھونڈھنا یہ تو اب تک خاص مشرقی انداز فکر تھا۔ یہ کیا کہ فرنگی والدین بھی اسکو اپنے سارے فرائض پر مقدم رکھنے لگے —— کالج تعلیم، آزادانہ تربیت، خود لڑکی کی آزادانہ قوتِ انتخاب، ان سب پر!

ذکرِ صحابہؓ پر بندش

روزنامہ حقیقت (لکھنؤ) کے ایک مراسلہ نگار کے حوالہ سے ایک افسوسناک خبر مع تبصرہ کے صدق ۲۶ میں "ذکرِ صحابہؓ پر بندش" کے زیرِ عنوان درج ہوئی تھی۔ اب حقیقت ہی میں ایک دوسرا مراسلہ علی حسن کے نام سے حسبِ ذیل شائع ہوا ہے:۔

"جناب من۔ ۲۶ اکتوبر کے حقیقت میں ایک مراسلہ شائع ہوا ہے، جس میں ظاہر کیا گیا ہے کہ دہلی میں شیعوں کا ایک وفد گیا اور ریڈیو کے منتظمین سے مل کر مدحِ صحابہ کا پروگرام منسوخ کرا دیا۔ یہ خبر سراسر غلط ہے۔ لکھنؤ سے شیعوں کا کوئی وفد نہیں گیا۔ نہ ریڈیو کے منتظمین سے شیعوں کا کوئی وفد یا فرد ملا"

خدا کرے یہ تردید لفظاً و معناً ہر طرح صحیح ہو۔ ایک بڑا فتنہ جو پیدا ہو رہا تھا بحمداللہ اس تردید سے دب گیا —— ذکرِ صحابہؓ اپنے برادرانِ اہلِ سنت سے ایک بار پھر یہ ادب عرض ہے کہ ذکرِ رسولؐ ہی کی طرح، گو اس سے ایک درجہ اُتر کر، بڑی ہی لذیذ و مفید چیز ہے، اور جس طرح ہمارا فرض یہ ہے کہ پیکرِ حقیقت اور صداقتِ مجسم رسولؐ کے واقعاتِ زندگی کو بہترین اور دلچسپ ترین انداز کے ساتھ غیر مسلموں تک پہونچائیں، اُسی طرح ہمارا یہ فرض بھی ہونا چاہیے کہ رسول کے ایثارِ مجسم، پیکرِ اخلاص صحابیوں اور فدائیوں کے تذکرہ کو ایسا خوشگوار بنا دیں کہ اغیار و اجانب اس سے بیزار نہیں، خود بڑھ بڑھ کر اسکے سننے کی تمنا کریں!

[یہ شذرہ پریس میں جا ہی رہا تھا کہ اہلِ سنت میں سے کسی گمنام صاحب کا صدق کے پچھلے نوٹ کے شکریہ میں ایک شیعہ اخبار کے ایک تراشہ کے ہمراہ پہونچا، جس میں خود اس تردید کی تردید ہے! گویا اب حقیقت پھر مشتبہ ہو گئی۔ مکتوب نگار کو قدرۃً غصہ بہت آیا ہے۔ لیکن اُنکی خدمت میں عرض ہے کہ اشتعال انگیزی کا علاج اشتعال پذیری نہیں، بلکہ ہوشمندی سے فتنہ کے ...

"شہادۂ حسینی"[1]

(مولانا سید مناظر احسن گیلانی مدظلہٗ کا نشریہ نشرگاہ حیدرآباد)

[مولانا کا یہ مقالہ ایک مدت سے گنجائش کے انتظار میں رکھا ہوا تھا۔ اسلئے اداراتی مقالہ کو روک کر اسے شائع کیا جا رہا ہے]

بسمہ

محرم کی ۱۰ تاریخ جسے عربی میں یوم عاشورہ کہتے ہیں اگرچہ اس عجیب دن میں موسیٰ و قوم موسیٰ کو فرعون سے نجات ملی روزہ اس کی یادگار ہے جسے حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے خود رکھا اور اُمت سے چاہا کہ اس دن روزہ رکھیں۔ اپنے ہتھیاروں کے کرتب حبشیوں نے مسجد نبوی کے صحن میں جیسا کہ امام محمد کی موطا میں ہے۔ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو اسی دن دکھایا اس یاد میں مسلمان شاید ہمیشہ سے اسی دن ورزشی کرتبوں کی مشق کو تازہ کرتے ہیں اہل و عیال کے کھلانے پلانے میں فراخی سے کام لیا جائے بعض روایتوں میں جن کی بعض محدثین نے تحسین بھی کی ہے اس کا ذکر ہے۔ حلیم شاید اس کی یادگار ہے تاکہ ہر چیز میں برکت ہو سال بھر میں عموماً جو چیزیں کھائی جاتی ہیں سب ہی کو ملا کر پکاتے ہیں

لیکن نہ صرف اسلامی تاریخ بلکہ عالم کی تاریخ میں جس زہرہ گداز جاں گسل روح فرسا۔ ہوش ربا جگر خراش سانحۂ فاجعہ نے اس دن کے امتیاز کو اپنی خاص نوعیت کے اعتبار سے دوسرے دنوں کے مقابلہ میں نمایاں کر دیا ہے وہ وہی سانحۂ عظمیٰ ہے جسے سب جانتے ہیں سب مانتے ہیں لیکن سمجھ میں نہیں آتا ہے کہ کیسے جانتے ہیں کیسے مانتے ہیں۔ آج عقل نے تاریخ سازی بلکہ تاریخ تراشی کا جو معیار قائم کیا ہے شاید اس معیار کی بے معیاری کے لئے یہی واقعہ کافی ہے جو کچھ چاہے وہی ہو اور جس کے چاہنے سے سب کچھ ہو رہا ہے وہ نہو کر بھلا کے بعد بھی عقل کا یہ نعیدہ کیا عقلی ہی فیصلہ باقی رہتا ہے۔ مجھے آج اس داستان الم حدیث درد کے متعلق کچھ عرض کرنا ہے۔ واقعات زیادہ تر الطبری اور ابن قتیبہ دینوری، الفخری جیسی معتبر تاریخوں سے ماخوذ ہیں جن میں الطبری و ابن قتیبہ کا تاریخ ہی نہیں حدیث و فقہ میں بھی پایہ بہت بلند ہے۔

کُرۂ زمین پر قیامت تک باقی رہنے والے اور ہر زمانہ ہر عصر کے ماحول پر منطبق ہونے کی صلاحیت رکھنے والے "الدین" کے ساتھ عرب عراق شام و مصر افریقہ ایران ترکستان وغیرہ عظیم الشان ممالک و اقالیم والی "الدنیا" کے دینے والے سارے جہان کے سب سے بڑے پیغمبر (صلی اللہ علیہ وسلم) کی روپوشی پر بمشکل پچاس سال گذرے تھے کہ (۱) مسلمانوں کی کمائی ہوئی دولت ان سے چھین لی گئی جن کا مال تھا وہ بھوکے مرتے تھے اور جس کا حصہ اس مال میں ایک معمولی مسلمان سے زیادہ نہ تھا اس کے کتوں کو سونے کے زیور پہنائے جاتے تھے زرنگار طوق بندروں کے گلوں میں باندھے جاتے تھے ہر کتے اور ہر بندر کی خدمت کے لئے ایک ایک مستقل خدمتگار نوکر تھا۔ (الفخری)

(۲) رسول کے پاک شہر مدینہ کو لوٹنے کے لئے مسلمانوں کے اس مال سے ایک فوج بھیجی گئی اتنی بڑی فوج جس کی رسد کا سامان صرف دس ہزار اونٹوں پر لدا ہوا تھا۔ (الامامۃ والسیاسۃ الدینوری)

(۳) کیا یزید بن امیرالمؤمنین کے ہاتھ پر اور جو بھی ان کے بعد ان کا جانشین ہو اس شرط کے ساتھ بیعت کرتے ہو کر تمہاری ساری جائداد اور سارا مال تمہارا خون تمہاری اور تمہارے بال بچوں کی ساری جانیں سب یزید کے تصرف میں ہوں گی وہ جو چاہیں اس کے متعلق فیصلہ کریں اسی مطالبہ کے ساتھ مدینۃ الرسول کے دروازے پر فوج آکر کھڑی ہوگئی (الامامۃ والسیاسۃ ص ۲۳۸ ج ۱)

(۴) پھر رسول کا پاک شہر مدینہ قتل عام کے اعلان کے ساتھ مسلسل تین دن تین رات تک لوٹا گیا جس میں دس ہزار عام مسلمان اور اسّی افراد رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کے ان پاک صحابیوں کے تھے۔ جن کو موسیٰ پیغمبر (علیہ السلام) نے اپنی کتاب میں ملائکہ قدوسیوں کا نام دیا تھا اور محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے قرآن میں جن کے ساتھ اللہ نے اپنی رضامندی کا اعلان کیا تھا۔ گھروں سے گھسیٹ گھسیٹ کر صحابیوں کی اولاد نکالی جاتی تھیں اور سر قلم کیا جاتا تھا۔ فتح مکہ کے دن جس صحابی کے ہاتھ میں فتح کا پرچم تھا ان کو ستو پلایا گیا اور پھر یہ کہتے ہوئے "ما تبولھا من خاتنک ابدا" اپنے خاتمہ سے لئے پیشاب بنا کر تو نکال نہیں سکیگا اور گردن اڑادی گئی اس لئے کہ ابوسعید خدری مشہور صحابی رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے اپنے گھر کا اثاثہ حوالہ نہیں کیا تھا اس بوڑھے صحابی کی داڑھی نوچی گئی منہ پر تھپڑ مارے گئے اور اس کمرے جو انکے گھر میں تھا لوٹ لیا گیا۔ کبوتر کا ایک جوڑا تھا، ظالموں نے اُسکو بھی نہیں چھوڑا۔ فی سر انعام کا اعلان تھا۔ کٹ کٹ کر مسلمانوں کے سر گرنے تھے اور انعام تقسیم ہوتا تھا۔ سعید بن المسیب ابھی تنہا آدمی تھے جو مسجد نبوی میں نماز اُس وقت ادا کرتے جب جا و وقت الاذان اذ ا تار طرح من قبل القبر الشریف رسول اللہ

[1] اس عنوان سے مدت ہوئی میرا ایک مضمون شائع بھی ہو چکا ہے اور مختلف صورتوں میں لوگ اسے کبھی کبھی چھاپتے بھی رہتے ہیں وہ مضمون بہت طویل ہے۔ بندہ و منٹ کی ریڈیو کی اس تقریر میں ظاہر ہے کہ بسط کا موقع کیا تھا۔ اہم حق تعالیٰ کا شکر ہے کہ واقعات کربلا اور اسکے لوازمات کے متعلق بحث سے خیال تھا کہ صحیح تاریخی دستاویز جمع کیے جائیں۔ اس مضمون کی بڑی خصوصیت یہی ہے کہ چند نمایاں چیزیں ایک خاص ترتیب سے اس میں جمع ہو گئی ہیں۔ اسوا اسکے شہادت حسین علیہ السلام سے صرف حق و باطل کے مقابلہ کے ایک ہی نتیجہ کو بار بار دہرایا عبرت و بصیرت کے جو گوناگوں پہلو اس واقعہ سے پیدا ہوتے ہیں انکو چھوڑ دینا مناسب نہیں ہے باوجود اختصار تام کے بحمد اللہ ان پہلوؤں کی بھی چند نمایاں امثلات اس مضمون میں آ گئی ہیں۔ کوئی صاحب الگ رسالہ کی شکل میں شائع کریں تو کر سکتے ہیں

صلی اللہ علیہ وسلم کے روضۂ پاک کی طرف سے اذان کی آواز اذان کے وقت آتی (الامامۃ والسیاسۃ ص ۲۲۸ ج ۱)

(۵) اس کارنامہ کی خبر ان الفاظ کے ساتھ بھیجی گئی "امیر المومنین کے کسی آدمی کو چشم زخم نہ پہنچا، دشمن یعنی مدینہ والوں کو ظفر کے بعد قابو میں کر لیا گیا لیکن جی بھر کر قتل عام اور شدید خون ریزی کے بعد ہم نے تلواریں ان پر چھوڑ دیں۔ جس نے جہاں کہیں اسے ختم کر لیا گیا۔ اور تین دن تک ہم نے خوب لوٹ مار مچائی" (الامامۃ۔ ص ۲۳۳ ج ۱) خط کے ساتھ شرفائے مدینہ کے سروں کا تحفہ بھی بھیجا گیا۔ جب سروں کا ڈھیر سامنے پیش ہوا تو (لیت اشیاخی ببدر شہدوا جزع الخزرج من وقع الاسل لاہلوا واستہلوا فرحا۔ ولقالوا یا یزید لا تشل) کاش بدر میں جو ہمارے بزرگ شہید ہوئے، وہ آج اس تماشہ کو اگر دیکھتے تو خوشی کے مارے اچھل پڑتے اور کہتے کہ یزید تیرا ہاتھ کبھی پست نہ ہو (بر حاشیہ کتاب الامامۃ والسیاسۃ) آج جو ان اشعار کے ساتھ پا کوباں و دست افشاں غزلخوانی میں مصروف ہے اسی کے ہاتھ پر بیعت کرنے کے لیے مطالبہ کیا گیا تھا۔ لیکن رسول کے شہر پر قبل اس کے کہ ظلم کا یہ پہاڑ ٹوٹے وہ یہاں نہیں تھا۔ جس کی زبان مبارک سے ایک جگہ نہیں تقریباً ہر منزل اس راہ کی ہر منزل پر جہاں جانے کے لیے وہ تیار ہو چکا تھا سنا جا رہا تھا۔

(۱) لوگو۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے حکومت پر جب ایسی ہستی قابض ہو جائے جس کا کام صرف جور و ظلم ہو، اللہ نے جن باتوں کو حرام کیا ہے انہیں اس نے حلال کر لیا ہو، اللہ کے عہد کو توڑ چکا ہو، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی راہ چھوڑ چکا ہو، اللہ کے بندوں کے ساتھ صرف زیادتی اور ظلم کا برتاؤ کر رہا ہو، ایسی صورت میں پھر جو اپنے کردار سے یا اپنے گفتار سے مٹ نہ جائے تو خدا کا قانون ہے کہ اسے اسی نتیجہ تک پہونچا دے جس کا وہ مستحق ہے۔ دیکھو! شیطان کی پیروی پر وہ اصرار کر رہے ہیں، "الرحمن" کی فرماں برداری کو چھوڑ چکے ہیں، بگاڑ اور فساد کے چہروں سے نقاب الٹ چکے ہیں، اللہ کے مقررہ حدود و قوانین کو معطل کر بیٹھے ہیں اور مسلمانوں کی آمدنیوں کو اپنا ذاتی مال بنا لیا ہے، حرام کو حلال اور حلال کو حرام کر چکے ہیں۔ میں اسکا زیادہ مستحق ہوں کہ اس حال کو بدل دوں، میں حسین بن علی اور فاطمہ بنت رسول کا بیٹا ہوں" (الطبری ص ۲۲۹ ج ۲) علیہم الصلوات والتسلیمات)

(۲) لوگو! میں اللہ کی کتاب اور تمہارے نبی کی راہ کی طرف بلا رہا ہوں، نبی کی سنت اور طریقہ کا گلا گھونٹ دیا گیا ہے، خود تراشیدہ طریقے زندہ کیے گئے ہیں۔ پس اگر میری بات سنو گے اور میرا حکم مانو گے تو تمہیں سوجھ کی راہ پر لے چلوں گا (الطبری)

(۳) راستی اور حق پر عمل نہیں ہو رہا ہے، باطل اور جھوٹ سے لوگ نہیں رک رہے ہیں، ... راستبازی اور حق کی حمایت کرتے ہوئے چاہیے کہ ایمان والے اور بارالٰہی کی باریابی کا شوق دلوں میں

جدا کریں، لقاء اللہ کی طرف راغب ہوں، میرے خیال میں صرف شہادت (اور دربار الٰہی کی حضوری) ہے اور جرائم پیشہ ظالموں میں رہنے کا انجام صرف ندامت اور شرمندگی ہے (الطبری)

(۴) الزام دیا گیا ہے کہ "تم مسلمانوں کو باہم جدا کرتے ہو، اگر باز آجاؤ تو تمہیں امن دیا جائیگا۔" گورنر مکہ کی اس چٹھی کا جواب دیا گیا:-
اللہ اور رسول سے وہ قطعاً جدا نہیں ہو سکتا جو اللہ ہی کی طرف لوگوں کو بلا رہا ہو اور مسلم ہوتے ہوئے صالح کام کرتا ہو۔ جن لوگوں نے اپنے تئیں اللہ کے سپرد کر دیا ہے ان ہی میں میں آپ کو بھی یقین کرتا ہوں تم نے امن کا لالچ دیا ہے اور پناہ دی ہے بہتر امان اور خدا کی پناہ ہو قیامت کے دن اسی کے لیے پناہ نہیں ہے جو دنیا میں خدا سے نہ ڈرا۔ میری خدا سے التجا ہے کہ دنیا میں اپنا خوف عطا کرے کہ قیامت کے دن امن و حفاظت کی ضمانت صرف یہی ہے۔ (الطبری)

(۵) وہی مہینہ جس میں ابراہیم کو بھی اپنے بیٹے کی قربانی کا حکم دیا گیا تھا، محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے جن دو نواسوں کو بیٹا کہکر پکارا تھا، ان ہی میں سے ان کا ایک بیٹا ابراہیم کی قربانی سے دو دن پہلے سے جسے یوم الترویہ کہتے ہیں، فطاف الحسین بالبیت وبین الصفا والمروۃ وقص من شعرہ وحل من عمرتہ ثم توجہ نحو الکوفۃ وتوجہ الناس الی منی (الطبری۔ ص ۲۱۷ ج ۱) طواف کیا حسینؓ نے بیت اللہ کا اور صفا و مروہ کا، بال ترشوائے اور عمرہ اپنا کھول دیا۔ پھر وہ کوفہ کی طرف روانہ ہوئے اور لوگ منیٰ کی طرف)

(۶) راہ میں روکنے والوں نے روکنا چاہا۔ کبھی ارشاد ہوتا کہ جو کچھ تم کر رہے ہو تب بھی یہی سمجھتا ہوں، ولکن اللہ لا یغلب علی امرہ۔ ص ۱۲۶ طبری (لیکن خدا کی بات پر کوئی غالب نہیں آسکتا) یہ بھی ارشاد ہوا اگر ان کیڑے مکوڑوں کے کسی سوراخ میں جا کر چھپ جاؤں تو خدا کی قسم ہے مجھے اس سوراخ سے بھی یہ کھینچ کر نکالیں گے اور اپنی خواہش پوری کریں گے اسی طرح جیسے یہود نے سبت کے دن کے احترام پر حملہ کیا۔

(۷) جب زیادہ اصرار کیا گیا تو ارشاد ہوا میں نے خواب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو دیکھا ہے، جس میں مجھے ایک امر کا حکم کیا گیا ہے، امرت فیہا بامر انا ماض لہ" مجھے چاہیے کہ اسے کر گزروں پوچھا گیا کیا خواب ہے؟" میں نے آج تک اس خواب کا کسی سے ذکر نہیں کیا اور نہ آئندہ تذکرہ کروں گا تاکہ اپنے رب کے لقا اور وصال سے سرفراز ہو جاؤں (الطبری۔ ص ۲۱۹ ج ۶)

(۸) سواری مبارک صحرا کو قطع کرتی ہوئی آگے بڑھتی چلی جا رہی ہے۔ اقبل الحسین مغذا لا یلوی علی شیئ (حسینؓ جیسے سیلاب بڑھا چلا آرہا تھا۔ اور وہ کسی طرف مڑ کر بھی نہیں دیکھتے تھے) راستہ میں فرزدق مشہور کوفہ کا شاعر ملتا ہے پوچھتے ہیں تیرے پیچھے کیا حال ہے؟ "دل آپ کے ساتھ ہیں، تلواریں بنی امیہ کے ساتھ" فرزدق جواب دیتا ہے۔ ارشاد ہوا "بات پتے کی ہے، سب اللہ کے ہاتھ میں ہے جو چاہتا ہے کرتا ہے۔ میرا مالک ہر دن نئی شان میں ہے۔"

تعلیم و اشاعت قرآن
(۱)

(ماہنامہ دارالاسلام کے استفسار کے جواب میں مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ کا مقالہ۔ صدق [illegible] کا مشتہرہ تحریک قرآنی پیش نظر کر لیا جائے)۔

جناب محترم مدیر صاحب مجلہ دارالاسلام تکلم اللہ تعالیٰ وعافاکم۔

السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ موسم گرما کی طویل چھٹیوں میں خاکسار اپنے وطن گیلانی (بہار) میں گیا ہوا تھا۔ گشت کرتا ہوا آپ کا پرچہ "دارالاسلام" آپ کے ایک عنایت نامہ کے ساتھ گیلانی ہی میں ملا تھا۔ لیکن بعض مشغولیتوں نے جواب کا موقع نہ دیا۔ نیز کچھ ان امور میں مشورہ دینے کا اپنے آپ کو مستحق بھی نہیں سمجھتا۔ قلت اہلیت سے سوا زیادہ خوف ان معاملات میں لِمَ تَقُوْلُوْنَ مَا لَا تَفْعَلُوْنَ کا ہے جس کا مقت رب رحمٰن کے پاس آپ جانتے ہیں غیر معمولی اہمیت رکھتا ہے لیکن جب آپ کا دوسرا پرچہ آیا اور اس میں دیکھا کہ چند ارباب بصیرت کے ساتھ بعض اکابر دین کی طرف سے آپ کو جواب دیا گیا ہے تو خیال آیا کہ جواب نہ دینا شاید بزرگوں کی راہ سے ہٹنا ہے۔ اس لیے جو خیالات اس سلسلہ میں رکھتا ہوں، وہ عرض کرتا ہوں۔ وباللہ التوفیق۔

برادرانِ محترم! ادھر کچھ دنوں سے ہندوستان کے مختلف گوشوں سے قرآن قرآن کی صدائیں مختلف لب و لہجہ کے ساتھ اُٹھائی جا رہی ہیں۔ ذاتی تجربات کی بنیاد پر خصوصاً حیدرآباد میں رہنے کی وجہ سے ان تجربات کا زیادہ موقعہ ملتا رہتا ہے۔ عموماً ان آوازوں کے پیچھے مجھے کلمۂ حق اُرید بہا الباطل کا راز چھپا ہوا ملا۔ اور الباطل بھی ادنیٰ درجہ کا۔ نو کروڑ مسلمانانِ ہند کے متعلق عموماً یہ خیال گزرتا ہے کہ باایں ہمہ جہل و غفلت پھر بھی ان کی بڑی تعداد ناظرہ قرآن اور اُردو پڑھنے کا سلیقہ اپنے اندر رکھتی ہے اس لیے صرف یہی نہیں بلکہ قرآنی تحریکات کے بانیوں سے معلوم ہوا کہ کتابوں کی تجارت میں اس وقت بھی سب سے زیادہ فائدہ کی توقع قرآن اور قرآنی پاروں کی اشاعت میں ہے۔ پڑھے لکھے مسلمانوں میں مشکل ہی سے کوئی ہوگا جو اپنی زندگی میں اپنے لیے ایک دو قرآن اپنے لیے، اپنے بال بچوں کے لیے، اپنے لڑکوں کے لیے، لڑکیوں کے لیے نہ خریدتا ہو۔ جہاں تک مجھے باور کرایا گیا ہے، یہی معلوم ہوا کہ زیادہ تر ان بلند آہنگیوں کے پیچھے کتابی تجارت کا ہی سیکرٹ (بھید) مستور ہے۔ آپ یقین کیجئے کہ ان تجربات نے اب مجھے اتنا بدگمان کر دیا ہے کہ جب قرآن کا نام لیکر کوئی اُٹھتا ہے تو خدا معاف کرے میرا ذہن اسی سوءِ ظنی کے مرض کا شکار ہو جاتا ہے۔ نہ کہ اب یہ تجویز سوجھی ہے کہ سننا ہی چھوڑ دوں۔ کم از کم اس کا اتنا فائدہ تو ہوگا کہ مسلمانوں کے متعلق بدگمانی میں مبتلا ہو کر خواہ مخواہ معصیت کا وبال خریدار تو نہ بنوں گا۔ جس کا یہ حال ہو شاید وہ معاف کیا جائے۔ اگر ان تحریکات سے الگ رہنا چاہتا ہو۔ سچ پوچھیے تو آپ کے چھیڑنے کے باوجود ارادہ یہی تھا کہ حسب دستور دم سادھے رہوں۔

لیکن وہی بات۔ بعض مخلصین کی طرف سے جب نظر پڑی کہ آپ کو جواب دیا گیا ہے تو خیال آیا کہ شاید آپ کی تحریک کو اس بدگمانی سے الگ ہی رکھنا چاہیے جس میں میرے تجربات نے مجھے مبتلا کیا ہے۔

بہرحال مجھے اس پر تعجب ہوا کہ قرآن کی اشاعت [illegible] کے لیے آپ کو مولانا محمد علی نور اللہ مرقدہ کے کلام سے حجت پیش کرنے کی ضرورت پیش آئی۔ کیا یہ مسئلہ بھی محتاج حجت و استدلال ہے؟ مولانا مرحوم جیسا کہ اُن کا حال تھا وقتی جذبات سے متاثر ہو کر جس وقت جو خیال ان پر مسلط ہو جاتا تھا، جس تعبیر میں بھی ہو، لیکن اخلاص ہی کے تحت اس کا اظہار فرما دیتے۔ ابھی ابھی میری نظر سے ایک خط گزرا جو صدق لکھنؤ کے ۱۱-جنوری سنہ [illegible] میں شائع ہوا ہے۔ مولانا پر اشاعت اسلام کا جذبہ مستولی ہو کر یہ ارقام فرماتے ہیں:۔

"کیسے ارادے؟ اب دھن تو صرف ایک ہے کہ سب چھوڑ کر [illegible] اور گھر گھر تبلیغ اسلام کروں"

گویا زندگی کے سارے سیاسی، علمی پروگرام کو تہ کر کے اسوقت جس وقت یہ خط لکھ رہے ہونگے، ارادہ ہو گیا کہ سب پر لات مار کر یورپ پہنچوں اور گلے میں کفنی ڈالے محمد محمد یورپ کی گلیوں میں پکارتا پھروں۔ جہاں تک میں خیال کرتا ہوں کمال اخلاص اور راسخ عزم کے ساتھ اس وقت ان کا یہ فیصلہ بھی ہوگا۔ لیکن دیوانوں کا وہ گروہ جس سے اس مسلم صادق کا تعلق تھا مشکل ہے کہ کسی ایک خیال پر ان کو قیام ہو سکے۔ ارمانوں کے ہجوم آرزوؤں کے ہنگامہ زار میں جو پھنسا دیا گیا ہو اس کا یہی حال ہوتا ہے ؎

ہزاروں خواہشیں ایسی کہ ہر خواہش پہ دم نکلے
بہت نکلے مرے ارمان لیکن پھر بھی کم نکلے

لیکن باوجود ان تلونات کے ان دیوانوں کو تمکین کا مقام جس چیز پر حاصل ہوتا ہے وہ وہی مقام ہے جو بحمد اللہ مولانا مرحوم کو حاصل ہوا۔ ان لوگوں کا حال کیا پوچھتے ہیں ؎

گر بیائیم زندہ بر دوزیم — دامنے کز فراق چاک شدہ
گر بمیریم عذر ما بپذیر — اے بسا آرزو کہ خاک شدہ

فرحمۃ اللہ علیٰ ہولاء العشاق۔ رومی نے اس مقام پر اپنا نالہ شروع کیا ؎

بشنو از نے چون حکایت می کند — وز جدائیہا شکایت می کند
ہر کسے از ظن خود شد یار من — از درون من نجست اسرار من

عشق و محبت کے بندۂ صادق تھے، آئے اور گئے وعدہ فردا لے کر۔

مولانا کا یہ کلام بھی جذب کے اُسی مقام کا کلام ہے، ورنہ اُن جیسا غیور ناظر و بصیر یورپ کے انجیل خوانوں سے مسلمانوں کو شرمانے؟ یہ سچ ہے کہ یورپ میں انجیل پڑھی جاتی ہے، خوب پڑھی جاتی ہے۔ لیکن اُسی جذبہ کے ماتحت جس کے زیر اثر ایک ہندی نوآموز مسلمان غالب کا کلام پڑھتا ہے یا عصر حاضر کے تعلیم یافتہ مسلمانوں کی بغل میں اس [illegible] کی کتابیں دبی رہتی ہیں۔ جنکے کلام کو سب پڑھتے ہیں، لیکن کوئی نہیں پڑھتا۔ وہ تنہا ہی آیا تھا اور تنہا ہی چلا گیا۔ میری مراد خدا کی اس حجت سے ہے جس کا نام شیخ اقبال سیالکوٹی تھا۔ [illegible]

کو مجلس میں آگئے۔ جیسے آپ دادوں نے محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سا قصور کے میدان میں دیا تھا ۔ لیکن جب احد کی باری آئی تو۔

اذ تصعدون ولا تلوون علی احد والرسول یدعوکم فی اخراکم | جب تم چڑھے ہی چلے جاتے تھے کہ کسی طرف پلٹ کر بھی نہیں دیکھتے اور رسول تمہیں پیچھے پکار رہا ہے۔

بہرحال مولانا مرحوم یورپ کی انجیل خوانی کی اصلی حقیقت سے خوب واقف تھے۔ وہ ان لوگوں میں نہ تھے جنکے نزدیک ہر چیز جو یورپ میں ہے قابل رشک تھی ۔ آخر آپ ہی بتائیں کہ اگر مسلمانوں کو قرآن اسی شکل میں پڑھنا منظور ہے جس شکل میں یورپ نے انجیل پڑھی یا پڑھ رہا ہے ۔ تو کیا ایسی قرآن خوانی کی ضرورت بھی ہے ؟ بلکہ شاید اتمام حجت کی وجہ سے تو میرا خیال ہے کہ معاملہ بالعکس نہ ہو ۔ آج تو کہنے والے کہہ بھی سکتے ہیں ۔ اگرچہ کتنا غلط ہے کہ ہم نے قرآن نہیں پڑھا تھا ۔ اپنے جہل کو عذر بنا کر اسوقت پیش کر سکتے ہیں جب پیش کرنے کا وقت آئیگا لیکن مغربی طرز کی انجیل خوانی تو اس عذر لنگ کو بھی لنگڑا کرکے رکھدیگی ۔ الا میں نے جو یہ کہا کہ یہ کہنا غلط ہے اسکی وجہ بھی ہے جسکی طرف اشارہ کرچکا ہوں ۔ ہرلباس اور ہر بھیس میں آنے والے اسی عہد اسیری و غلامی میں آنے رہے ہیں ، انھوں نے تعبیر کے پیرایوں میں وہ سب کچھ پہونچا دیا ہے جسے قرآن پہونچا دینا چاہتا ہے ۔ نئی زبان پرانے لباس ، نقل و علم کے پرانے معیار اردو زبان کو قرآنی مطالب سے جتنا بھر اہے اسکی تو حد ہے نہ ۔ اب اردو میں کیا نہیں ہے ؟ قرآن کے تراجم نہیں ہیں ، تفسیریں نہیں ہیں ، حدیثیں نہیں ہیں ، حدیثوں کے شروح اور حواشی نہیں ہیں ۔ اب اسکو یا لغۃ نہ فرمائیں کہ " اسلامیات " کے متعلق جتنا علم اور تبیینی ذخیرہ اردو زبان میں اسوقت تک مہیا ہو چکا ہے ۔ عربی کے سوا دنیا کی کوئی دوسری اسلامی زبانیں اسکی نظیر نہیں پیش کر سکتیں ۔ بلکہ سچ تو یہ ہے کہ اردو میں اسلامی حقائق و مسائل کے شعبوں کے متعلق بعض کتابیں ایسی بھی پائی جاتی ہیں ضرورت ہے کہ عربی میں انکا ترجمہ کیا جائے ، اور یہ تو آپ سن چکے ہیں کہ سیرۃ النبی (صلی اللہ علیہ وسلم) مرتبہ دار المصنفین کا ترجمہ عربی زبان میں شروع ہوگیا ہے ۔ لوگوں کو معلوم نہیں ہے اور اردو زبان کی قدامت بیچ میں آڑ آرہی ہے ورنہ حضرت مولانا محمد قاسم بانی دارالعلوم کی بعض کتابیں ایسے اجتہادی مسائل سے معمور ہیں کہ میں نہیں جانتا عربی زبان کی کسی کتاب میں وہ مل سکتے ہیں ۔ اور یہ تو کیفیت کا حال ہے کمیت و تعداد کے لحاظ سے سیدنا حکیم الامۃ تھانوی مدظلہ کی تالیفات وانفہ ان کی جہاں تک میں جانتا ہوں شمار میں شاید ہزار کے عدد سے متجاوز ہو چکی ہیں حضرت والا کی کتابوں میں اخلاقیات و نفسیات کے متعلق اسلام کے نادر پہلوؤں کی طرف عمیق اشارات ملتے ہیں ، جہاں تک میری رسائی ہے عربی زبانوں میں کہہ سکتا ہوں کہ انکا ملنا آسان نہیں ہے ۔ اردو غزالی کی احیاء اور کیمیا تک کے تراجم ہو چکے ہیں ۔ شیخ اکبر کے فصوص بلکہ شاید فتوحات کے بعض حصوں کا بھی ترجمہ چھپ چکا ہے ۔ رازی مفتی عبدہ کی تفسیر اردو کا لباس پہن چکی ہیں ۔ حجۃ اللہ البالغہ ، ازالۃ الخفا تک شاہ ولی اللہ کی اکثر کتابیں اور رسائل اردو زبان میں منتقل ہو چکی ہیں ۔ آپ ہی بتائیں کہ اب اردو میں کیا نہیں ہے ۔ ابواکبر عارف رومی کا وہ کارنامہ نہ ہی جسکے ایک ایک مصرعہ میں حقائق و معارف کے جہان پوشیدہ ہیں اردو میں ایک سے زائد اسکی شرحیں ملتی ہیں ۔ تو اب اردو میں اور کیا چاہا جا رہا ہے ۔ اور ان کتابوں کے متعلق تو شاید مسلیہ جو طبائع یہ بھی کہہ سکتے ہیں کہ مولویانہ عبارتوں نے انکی دلچسپیوں کو کم کردیا ہے لیکن اعظم گڈھ کے دار المصنفین نے خواجہ حسن نظامی کے ادارہ نے ، دلی کے بعض اداروں ، پنڈی بہاء الدین ، ملک جنوں دین ، وغیرہ کے اشاعتی اداروں نے تو اس اعتراض کو بھی دور کردیا ہے ۔ سیرۃ النبی صلعم کے سوا معروف صحابہ کے جو مجلدات جدید قالب میں دار المصنفین نے پیش کیے ہیں جاننے والے جانتے ہیں کہ ابن سعد ، ابن حجر ، ابن اثیر ، ابن عبد البر وغیرہ کی ان ساری کتابوں کی وہ قائم مقامی کرتے ہیں جو سیر صحابہ میں عربی زبان کی مستند اور عام کتابیں ہیں ۔ ماسوا جب ڈاکٹر اقبال و مولانا ابوالکلام ، مولانا محمد علی ، مولانا عبد الماجد (کثر اللہ امثالہم) جیسے اصحاب نثر و نظم میں اسلام کی ترجمانی بہ زبان اردو کرچکے ہیں ۔ کیا اسکے بعد تعبیری تو توڑ کی کمی کی شکایت اردو کے متعلق کر سکتا ہے ۔ اسکو میں اتمام حجت کہتا ہوں ۔ لوگوں نے جس شکل جس قالب میں مانگا محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا پیغام انکو دیاگیا اور دیا جارہا ہے ، نوجوانوں میں مولانا ابوالاعلیٰ کا قلم کیا کم کام کر رہا ہے ۔ یقیناً کہنے کی حد تک لکھنے کی حد تک اسلام کے متعلق جو کچھ کہا جا سکتا تھا جو کچھ لکھا جا سکتا تھا اردو میں سب کچھ کہا جا چکا اور لکھا جا چکا ہے ۔ کہا جارہا ہے ، لکھا جا رہا ہے ۔ رسائل نکل رہے ہیں ، کتابیں چھپ رہی ہیں ، مواعظ ہو رہے ہیں ، لکچر ہو رہے ہیں ، منبر و محراب بھی گونج رہے ہیں ، پنڈال اور اسٹیج سے بھی کافی خطاب کیا گیا ہے ، منقول و معقول کے جامعوں سے بھی کہلایا گیا ، اور ڈاکٹروں اور پی ایچ ڈیوں سے بھی سنوایا گیا ۔ ؟

نہ حالی کی مناجاتوں کی پروا کی زمانے نے
نہ اکبر کی ظرافت سے رکے یاران خود آرا

اٹھنے والے اٹھنے ہیں ۔ کامیاب نشتر کا اعلان کرکے اٹھتے ہیں کہ ؂

خوشی ہے سب کو کہ آپریشن میں خوب نشتر یہ چل رہا ہے
کسی کو اسکی خبر نہیں ہے مریض کا دم نکل رہا ہے

(باقی آئندہ)

محمد اسد نومسلم

چند سال ہوئے جب علامہ اقبال مرحوم زندہ تھے تو مولانا حسین احمد مدنی کے اس فقرہ پر دیر تک بحث کا سلسلہ جاری رہا تھا کہ " قومیں اوطان سے بنتی ہیں " ۔ یہ بحث بالآخر اس اتفاق رائے پر ختم ہوئی تھی کہ اسلامی نقطۂ نگاہ سے مسلمان کا کوئی مخصوص وطن نہیں ، بلکہ وہ دنیائے اسلام کا شہری ہے ۔ مگر یہ کتنی المناک حقیقت ہے کہ بدقسمتی کے نقطۂ نگاہ میں

اس بحث سے کوئی نتیجہ برآمد نہ ہوا اور اس نے اسلام کے ان دو جلیل القدر علماء کی اتفاق رائے سے بھی کوئی اثر قبول نہ کیا۔ اس نے قوموں کے اوطان ہی سے منسوب کرنے کا عقیدہ قائم رکھا۔ اور اسی کے مطابق مسلمانوں سے سلوک کیا۔ اس کتابچہ کی شرح یہ ہے کہ حاجی محمد اسد نو مسلم جو آج سے ۱۵ برس پہلے مدینہ منورہ میں مسلمان ہوئے تھے اور کئی برس سے ہندوستان میں مقیم تھے جنگ چھڑتے ہی محض اس لیے نظربند کیے گئے کہ وہ وطنی اعتبار سے آسٹریا کے رہنے والے ہیں۔ مسلمان ہونے کے بعد انکی کوئی ہمدردی جرمنی یا آسٹریا کے ساتھ نہیں رہی تھی اور ہندوستان میں مقیم ہونے کے باعث سیاسی اعتبار سے بھی انکے رجحانات کسی مخصوص قوم کی طرف نہیں تھے۔ لیکن چونکہ انکی وطنیت آسٹرین تھی لہذا حکومت ہند نے انھیں نظربند کر دیا۔ اور لطف یہ ہے کہ وہ پنجاب سے گرفتار کیے گئے مگر "اسلامی حکومت" نے انکی اسلامیت کی کوئی پروا نہ کی اور نہ مداخلت کرکے انکی رہائی کا بندوبست کیا۔ سب سے زیادہ عجیب بات یہ ہے کہ مسلم لیگ کے ارباب بست وکشاد نے بھی اس نومسلم کی دادرسی نہ کی جو علم وفضل کے اعتبار سے بہت بلند پایہ رکھتا ہے اور جسکا محبوب ترین شغل بخاری شریف کو نہایت نفیس وزیب وزینت انداز میں بلند پایہ شرحوں کے ساتھ انگریزی زبان میں شائع کرنا تھا۔ اب حاجی محمد اسد کی نظربندی پر تین سال گزر رہے ہیں۔ پھر کیا سیاسی رہنما انکے مسئلہ کو ہاتھ میں لیکر انکی دستگیری نہیں کریں گے؟ (مسلمان)

گاندھی جی کا ایک خط

بمبئی سے ایک مسلمان خاتون نے حال ہی میں ایک ہفتہ وار پرچہ اتحاد کے نام سے نکالا ہے۔ مسلک نام سے ظاہر ہے، یعنی ہندو مسلمانوں میں اتحاد۔ خاتون موصوفہ گاندھی جی کی بڑی معتقد ہیں۔ پہلے نمبر کے پہلے صفحہ پر "گاندھی جی کا ایک خط" انکی "ان بیٹی" کے نام چھپا ہے۔ آخری سطریں حسب ذیل ہیں:-

"مسلم لیگ والوں سے ملنا، انکی باتیں سننا، ان سے محبت کرنا تیرا فرض ہے۔ میں مانتا ہوں کہ ان کو چھوڑ کر ہندو مسلمان ایکا نہیں بن سکتا۔ خدا تیرا راستہ صاف کرے۔ ایشور ہی ایک رہنما ہے، اور تو، میں، ہم اسکے بندے ہیں، باقی سب جھوٹ ہے۔"

جن کی یہی اعلیٰ اخلاقی اور توحیدی تعلیم تھی جس نے ۲۲-۱۹۲۰ء میں انھیں تحریک خلافت کے سلسلہ میں مسلمانوں کی نظر میں محبوب بنا رکھا تھا، اس رنگ کی جھلک اب سالہا سال کے بعد نظر آئی۔ ہاں اب دیکھنا یہ ہے کہ اس تعلیم پر عمل اسکے ماننے والے، اور انکی جماعت کے لوگ کس تعداد میں کرتے ہیں۔ اسی فیصدی اور ستر فیصدی کا ذکر نہیں، بیس فی صدی اور دس فی صدی کو بھی چھوڑیے، دو فی صدی، ایک فی صدی بھی؟

ایک خادم اردو کی وفات

شروع نومبر کی ایک افسوسناک خبر یہ ہے کہ اردو کے مشہور اور قدیم رسالہ زمانہ (کانپور) کے مالک و مدیر [illegible] ہوا خواہوں کو ایک پختہ کار خادم اردو کا ماتم کرنا پڑا۔ زمانہ ایک زمانہ میں چوٹی کا اردو رسالہ تھا، اور اب بھی بہت سے دوسرے رسالوں سے ممتاز، شرافت و متانت کی روایات کو قائم رکھے ہوئے تھا۔ رسالہ کو نکلتے ہوئے بھی کوئی چالیس سال تو ہو چکے ہونگے، اردو رسائل کی تاریخ میں یہ قدامت بھی کچھ کم اہم نہیں۔ شروع شروع میں [illegible] سے نکلا تھا، پھر کانپور سے نکلنے لگا، اور اس وقت سے برابر ایک مدت تک قائم رہا۔ اور اب سالہا سال سے منشی صاحب موصوف ایک اردو ہفتہ وار بھی آزاد کے نام سے نکال رہے۔ ان مستقل خدمات کے علاوہ بھی موصوف ترقی و اشاعت اردو کی ہر تحریک میں عملی دلچسپی اور سرگرم حصہ لینے کو تیار رہتے تھے۔ چنانچہ صوبہ متحدہ میں جو سرکاری ادارہ "ہندوستانی اکاڈمی" کے نام سے ۱۹۲۶ء سے قائم ہے، خود اس ادارہ کے بنانے میں، اور پھر اسکے چلانے میں موصوف کا ایک اہم و نمایاں حصہ رہا کیا۔ اپنی وضعداری، سلامت روی، اور مشرب صلح کل کے لیے خاص طور پر مشہور تھے۔ قدیم مشرقی شرافت اور ہندوستانی تہذیب کا ایک نمونہ۔ ایک لڑکے، آئی سی ایس ہو کر ایک بڑے عہدہ پر مقرر ہوئے۔ تو باپ کی یہی تاکید رہی کہ اپنے باپ کے ملنے والوں سے جب ملو، تو اپنے کو حاکم نہ سمجھو، اپنے کو خورد اور انکا بھتیجا، اور انکو اپنا بزرگ اور چچا سمجھتے رہو۔ اور اس میں کوئی قید ہندو مسلمان کی نہ تھی۔ مسلمان اہل قلم کی خدمت و اعانت سے ذرا بخل نہ تھا، بلکہ اکثر اپنے اثر رسوخ، و حکام رسی سے انکی مدد کیا کرتے تھے۔ ملکی معاملات میں ہندو مسلم اتحاد کے دل سے قائل اور متمنی تھے۔ ایک عرصہ سے خانگی مصائب کا شکار رہتے، اور صحت بھی مستقل طور پر جواب دے گئی تھی۔ تاہم کسی کو یہ خیال نہ تھا کہ اتنی جلد رخصت ہو جائیں گے۔ انکی وفات سے خدمتگزاران اردو کی بزم کا ایک بڑا رکن اٹھ گیا۔

پچھلے نمبر کی غلطیاں

ناظرین نے محسوس کیا ہوگا کہ پچھلے نمبر سے دفتر میں انتظامات کی تبدیلیاں ہوئی ہیں۔ کاغذ، کتابت، طباعت سب کی طرف اصلاح کا قدم اٹھایا جا رہا ہے، اور دفتر امیدوار ہے کہ ان شاء اللہ عنقریب یہ انتظامات مکمل ہو جائیں گے [اللہ ان ایثار پیشہ صدق نوازوں پر دین و دنیا کی بے اندازہ رحمتیں نازل فرمائے، جنھوں نے ایک بہت بڑی رقم پیش کرکے دفتر کو اس قابل بنا دیا، اور جنکو اپنے گمنام رہنے پر شدید اصرار ہے!] لیکن کتابت کی غلطیاں وہ بلا ہے، جس سے اس نمبر نے بھی پیچھا نہیں چھوڑا۔ اور ناظرین کو یقیناً اس کا اندازہ نہیں ہو سکتا کہ ایک نمبر میں نہیں، ہر نمبر میں کیسا شدید ظلم اسکے اوپر اس سلسلہ میں ہوتا رہتا ہے۔ ترکیبیں غلط ہو کر، فقرے مسخ ہو کر، الفاظ بالکل کچھ سے کچھ ہو کر، ہر ہفتہ نکلتے رہتے ہیں، اور اکثر تو مطلب ہی بالکل خبط ہو جاتا ہے۔ پچھلے نمبر کی صرف ایک غلطی محض بطور مثال و نمونہ عرض ہے۔ صا کالم کے آخر میں اصل میں عبارت یہ تھی:-

"سوال پیچیدہ ہے جو مغالطہ آمیز ہے۔ اتنی نصب العین تو سارے مسلمانوں کا ایک ہی ہے، لیکن باوجود اسکے بھی مسلمانوں کے

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر: عبد الماجد
پتہ: دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب: (حکیم) عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجئے
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد دہلیں۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ للعہ
ششماہی عہ
بیرون ہند سالانہ
قیمت فی پرچہ ۱ر

ہفتہ وار
صدق
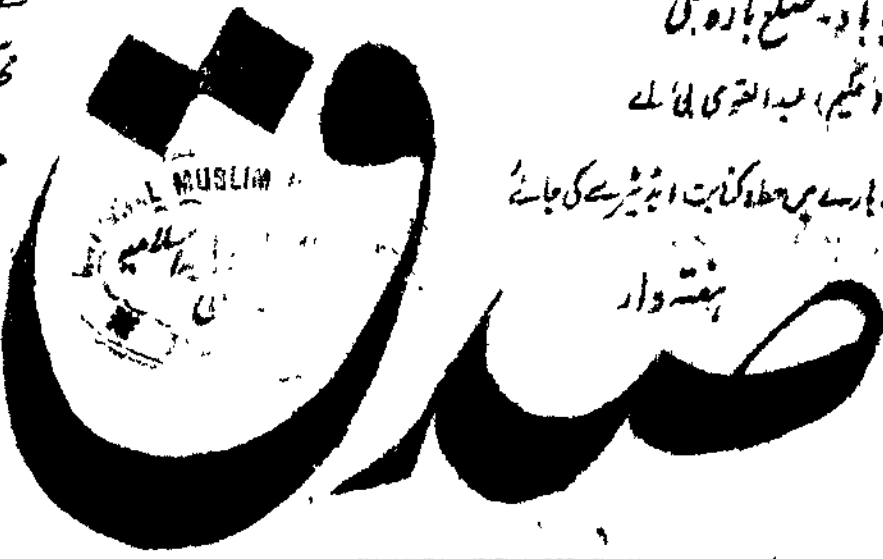
نمبر ۳۰ | دوشنبہ ۔ ۲۱ ذیقعدۃ الحرام ۱۳۶۱ھ مطابق ۳۰ ۔ نومبر ۱۹۴۲ء | جلد ۸

گندہ ذہنی کا ایک نیا مظاہرہ

"ایک زمانہ تھا جب مظلوم انسانیت اپنی روح کی فلاح کے لیے ہی نہیں، بلکہ اپنی تمام مادی وجسمانی ضرورتوں کے لیے بھی پیغمبران دین کی طرف آنکھیں اُٹھاتی تھی۔ کرشن، بدھ، زرتشت، موسیٰ، عیسیٰ، محمد کی طرف دُنیا کھنچ آتی تھی ..... یہ سب پیغمبر سیاسی باغی تھے۔ اور غور کرو تو سب کے سب لامذہب تھے۔ لیکن کل تک جو کچھ حال رہا ہو، آج یہ حال ہے کہ ان پیغمبروں کا مذہب آجاسکتا ہے نہ انکی لامذہبیت ہمارے کام آسکتی ہے۔ انکا قائم کردہ نظم زندگی آج بے فیض ہی نہیں، ضرررساں ہے۔ خدا کی عمر کتنی ہوچکی اسکا بھی لحاظ کرنا چاہیے۔ خدا اور خدا والوں کو اب دُنیا کے بالاتفاق فیصلہ سے پنشن دے دینا چاہیے۔ انھوں نے بہت دن دنیا کی خدمت کی۔ اب آرام کریں۔ اب ذرا لامذہبیت کو موقع دیں۔"

جسکے قلم نے یہ غلاظت اُگلی ہے، وہ ایک ہندو الشی مشرک ہے، اور انگریزی تعلیم حاصل کرنے کے بعد ملحد۔ اُسکا نہ شرک قابل التفات نہ اسکا الحاد قابل اعتناء۔ لیکن یہ ساری گندگی شائع ہوئی ہے ایک ایسے "ادبی" رسالہ کے نومبر نمبر میں (ص ۲۱ پر) جو ایک مسلمان کی ادارت میں دہلی سے نکل رہا ہے! اور اسکے پڑھنے والے بھی یقیناً ہندوؤں سے کہیں زیادہ مسلمان ہی ہونگے! ——— سوال اس مسلمان ایڈیٹر سے ہے، اُسکی برائے نام اسلامیت سے ہے، اُسکی غیرت دینی سے ہے، اُسکے احساس شرافت سے ہے! یہ سوال اس رسالہ کے صدہا مسلمان کہلانے والے ناظرین سے ہے۔ وہ کیا سمجھ کر اب تک خاموش رہے؟ کیا سوچ کر وہ اب تک بے حس بنے رہے؟

دہلی مسلمانوں کا شہر ہے۔ اسلامی علوم کا، اسلامی تمدن کا مرکز ہے۔ صدر مقام آل انڈیا مسلم لیگ کا ہے، جمعیۃ العلماء ہند کا ہے، بڑے بڑے عالموں، فاضلوں، دین کی حمیت رکھنے والوں، خدا و رسول کے ناموس پر کٹ مرنے والوں کا شہر ہے۔ بڑے بڑے پُر جوش دیندار، دین کی خدمت کرنے والے، احساس ملی رکھنے والے، اخبارات و رسائل کا شہر ہے ——— سوال ان سب سے ہے۔ ان سب کے احساس فرض سے ہے، بالکل کھُلے ہوئے احساس فرض سے ہے۔ علمی دلائل کا جواب دلائل سے دیا جاسکتا ہے۔ سنجیدہ شبہات کو سنجیدگی سے دور کیا جاسکتا ہے، لیکن بازاری پھبتیوں اور طنز و تمسخر کے جواب میں، کوئی بتائے کہ اس دنیا میں کس کے ہاتھ میں کونسی طاقت ہے، بجز حکومت وقت کے شکنجے کے! رائے عامہ کے آواز کے۔ توہین مذہب کے جرم کا اطلاق اگر ایسی عبارتوں پر بھی نہیں ہوتا، تو خدارا بتلایئے آخر کس عبارت پر ہوگا؟ (اور یہ تو اس گندہ مضمون کے صرف ایک ٹکڑے کا اقتباس ہے، باقی مذہب پر ملے تو مضمون میں شروع سے آخر تک ہیں!)

ایڈیٹر اس گندہ ذہنی کو صرف چھاپنا ہی نہیں، اسکی داد بھی دینا چاہتا ہے۔ اپنے اڈیٹوریل میں اسے "پُر مغز" بتاتا ہے۔ (ص ۳)

اور امید ظاہر کرتا ہے کہ اسے بعض اور مضامین کے ساتھ بہت دلچسپی سے پڑھا جائیگا ـــــ کیا کہنے ہیں اُس دلچسپی کے جو اپنے باپ دادے کی نہیں، بعض کسی قوم و ملت کے مقتدوں اور بزرگوں کے نہیں، بلکہ خود حق تعالیٰ کے ساتھ بھانڈوں کی طرح کا تمسخر کرکے حاصل کی جائے!

نقشہ کا رقبہ "آل انڈیا" ہے۔ ہر وہ شہر اور قصبہ جہاں اُردو کے اس رسالہ کی پہونچ ہو سکتی ہے، اور اس لحاظ سے اس پر ذمہ سارے اسلامی ہندوستان پر فرض ہے۔ لکھنؤ اور لاہور، پنجاب اور دکن، بہار اور یوپی، سب ہی کہیں کے اخبارات اور اسلامی اداروں کے ذمہ ہے۔ لیکن اصلی اور سب سے بڑی ذمہ داری ظاہر ہے کہ خود دہلی ہی کے ذی اثر و غیر تمند افراد، اور اخبارات اور اداروں پر ہے ـــــ کیا خدا نخواستہ تغافل اب بھی قائم رہیگا؟

<u>جاہلانہ دعوے</u> "کرشن، بدھ، زرتشت، موسیٰ، عیسیٰ محمد، ..... یہ سب پیغمبر سیاسی باغی تھے" اور غور کرو تو "سب کے سب لا مذہب تھے"۔

مزدک کے ایک جدید پیرو نے رسالہ ساقی (دہلی) کے دسمبر نمبر (صلا) میں کہا۔ اور یہ کہکر گویا روشن خیالی اور جدت طرازی کا آخری ہفتخواں سر کرلیا! ـــــ اس جاہل دریدہ قلم سے کوئی پوچھے کہ ان چھ ناموں میں سے پہلے تین کی پیمبری کا کیا ثبوت اُسکے پاس ہے؟ ثبوت دلائل نہیں ادنیٰ ہی سہی۔ ان تینوں نے پیمبری کا دعوے کب اپنی زبان سے کیا ہے؟ اور خود انکے پیرو، کب انھیں پیمبری کے مفہوم میں اپنا پیشوا اور بزرگ مانتے ہیں؟

پیمبری کا دعوے پچھلے تینوں نے بیشک کیا۔ اپنے دعوے کے ثبوت دیے۔ دنیا نے اُنکی پیمبری تسلیم کرلی۔ ہر دور میں منکروں ملحدوں، مزدکیوں کے باوجود، اُنکی پیمبری تسلیم کی۔ اور آج بھی کروڑہا انسان اُنکی پیمبری کے قائل ہیں۔ لیکن یہ تینوں "سیاسی باغی" جس معنی و مفہوم میں آج یہ لفظ بولے جاتے ہیں، کب رہے ہیں؟ لفظ کے گستاخانہ اور بد تمیزانہ پہلو کو چھوڑیے۔ محض واقعہ کے لحاظ سے، تاریخ سے دریافت کرکے، جو اب عنایت ہو۔ موسیٰ علیہ السلام جب سے صاحب شریعت نبی ہوئے، اور توریت کا قانون اپنی امت کے لیے لائے، کب اُنھیں کسی سے بھی سیاسی بغاوت کی ضرورت پیش آئی؟ حاکم تو وہ خود ہی تھے، وہ "سیاسی بغاوت" کرتے بھی تو کس سے کرتے؟ نوع الگ رہا، اسکا امکان ہی کیا تھا؟ رہے حضرت عیسیٰؑ، تو انکی ساری نزاع اپنے ہی فرقہ و قوم بنی اسرائیل کی دینی و اخلاقی زندگی سے تھی۔ حکومت وقت (رومن گورنمنٹ) سے انھیں کوئی سروکار ہی نہ تھا، اور انجیل میں لکھا ہوا اُنکا یہ مشہور فقرہ تو آج ہر انگریزی تعلیم یافتہ کی زبان پر ہو کر "خدا کو وہ دو جو خدا کا حق ہے، اور قیصر کو وہ دو جو قیصر کا حق ہے" آخر میں اُنکے دشمن یہود نے اُنکے مقدمہ کو سیاسی رنگ دینا چاہا بھی، تو اُنکا جھوٹ بھی فوراً کھل گیا، اور عدالت کے سامنے یہ فریب کچھ دیر بھی نہ چل سکا۔ دو نام یہ ہو چکے، اب تیسرا اور آخری نام ہمارے آقا و سردار کا آتا ہے، سو آپ نے کیا حجاز یا عرب کی حکومت چاہی تھی؟ کیا آپ نے مکے کی جمہوریت اُلٹ کر کوئی اور "پت" (xxxx) سیاسی نظم کی قائم کرنے کی فکر کی تھی؟ کیا آپ کی نزاع قریش سے آئینی، دستوری، قانونی مسائل پر تھی؟ کیا آپ کے بڑے سے بڑے دشمن و معاند نے بھی آپ کی حیثیت اپنے سیاسی حریف کی سمجھی تھی؟ ـــــ اور پھر ان جیسی مذہب مجسم ہستیوں کو "لا مذہب" کہہ مارنا اگر سوشلزم اور مزدکیت کے ادبیات میں کوئی "صنعتِ تضاد" ہے، جب تو خیر، ورنہ کوئی صحیح الحواس اُردو نویس تو اپنے قلم سے ایسی "نفی اثبات" کے گڑھ کالنے کی جرأت نہیں کر سکتا!

<u>لکھنؤ ریڈیو کا مذاق</u> حقیقت (لکھنؤ) مذہبی معاملات میں بہت معتدل اور ٹھنڈے قسم کا روزانہ ہے، اسکا حسب ذیل اڈیٹوریل نوٹ ہر مسلمان کے خون کو گرما دینے کے لیے کافی تھا:-

"آل انڈیا ریڈیو لکھنؤ میں حال میں ایک مشاعرہ ہوا جس میں جناب جوش ملیح آبادی نے ایک ایسی نظم پڑھی جسکے متعلق بہت سے لوگوں نے ہم سے شکایت کی ہے کہ اس میں الحاد کی تعلیم ہے، اور مذہب پر سخت حملے کیے گئے ہیں۔ یہ نظم ہم نے خود نہیں سُنی، لیکن چند اشعار جو ہم کو سُنائے گئے، وہ یقیناً قابل اعتراض اور مسلمانوں کے لیے اشتعال انگیز تھے۔ ریڈیو کے ذمہ داروں کو آئندہ احتیاط کرنا چاہیے، ورنہ اس قسم کے مذہب شکن پروپیگنڈا کو مسلمان برداشت نہیں کر سکینگے"

لیکن الحمد للہ کہ مقامی (لکھنؤ) مسلم لیگ کے جاری کردہ ایک بیان سے ایک حد تک تسکین بھی ہو گئی۔ بیان خلاصۃً یہ ہے:-

"ہماری مجلس عاملہ کا ایک جلسہ ۱۰ - نومبر کو اس غرض سے منعقد ہوا تھا کہ لکھنؤ ریڈیو کے خلاف ایک باضابطہ تحریک منظور کرے۔ مگر اُسی دن لکھنؤ ریڈیو کے ذمہ دار افسران مسلم لیگ پارٹی کے لیڈر چودھری خلیق الزماں صاحب سے ملے۔ اور کہا کہ "ہم کو علم ہوا ہے کہ ۵ - نومبر کے مشاعرہ کی بعض نظموں سے مسلمانوں میں اضطراب پیدا ہوا ہے۔ ہماری نہ تو یہ نیت تھی، اور نہ مشاعرہ کا یہ مقصد تھا، مگر پھر بھی اضطراب پیدا ہوا۔ اسکا ہمیں افسوس ہے۔ اور ہم آپ کو یقین دلاتے ہیں کہ آئندہ اس قسم کے معاملات میں مزید احتیاط سے کام لیا جائیگا"۔ اسکے بعد مزید کارروائی غیر ضروری سمجھی گئی۔ امید ہے کہ آئندہ کوئی ایسی ناگوار صورت نہ پیش آئیگی۔ اور منتظمان ریڈیو اپنے وعدہ پر قائم رہیں گے"

مسلم لیگ اگر اسی طرح بروقت اپنی بیداری اور احساس فرض کا ثبوت

دینی معاملات میں دیتی رہے، تو یہ بھی ایک بڑی اہم خدمت ہے۔ اور بے عملی کا الزام اس پر سے کچھ تو ہٹ کر رہے۔ چودھری خلیق الزماں صاحب کے علاوہ مسلم لیگ کی مجلس کے دو نوجوان رکن بھی مستحق مبارکباد ہیں، جنھوں نے مشاعرہ ہوتے ہی اس فتنہ کا مقابلہ پوری قوت کے ساتھ شروع کر دیا تھا۔

راگ راگنی کی کرامت

"ہم مندرجہ ذیل اقتباس سید عبداللہ بریلوی صاحب کی صدارتی تقریر سے نقل کر رہے ہیں، جو موصوف نے مرحوم خاں صاحب عبدالرحمن خاں کی سالگرہ کے موقع پر فرمائی:-

"لیکن ہندوستان میں موسیقی کو ایک اہمیت حاصل تھی۔ صدیوں تک راگ کے ماہر استادوں نے ہندو مسلم اتحاد کے پیدا کرنے میں جس قدر اہم و اعظم حصہ لیا شاید ہی ہماری تاریخ کے کسی دوسرے طبقہ نے ایسا حصہ لیا ہو۔ ہندوؤں اور مسلمانوں کی گیارہ سو برس پرانی تاریخ ایسے بیشمار اثرات ہمارے سامنے پیش کرتی ہے جو ہندو مسلم اتحاد و یکجہتی کو پیدا کرنے میں ممد و معاون ہوئے لیکن ان سب سے زیادہ قوی و موثر موسیقی تھا۔" (اتحاد۔ بمبئی)

حدیث میں غنا (موسیقی) کے لیے آتا ہے (انہ یورث النفاق) کہ اس سے طبیعت میں منافقت پیدا ہوتی ہے۔ اور منافقت مترادف ہے ایمان کی اس کمزوری کے جو ایمان کے فقدان تک پہنچا دے۔ مضمون حدیث کی یہ تشریح آج ساڑھے تیرہ سو سال کے بعد روزنامہ بمبئی کرانیکل کے اڈیٹر کی زبان سے سننے میں آئی کہ ہندی مسلمانوں کے ایمان کو کمزور کرنے، اسے مومن سے منافق بنانے میں سب سے زیادہ موثر قوت موسیقی کی رہی ہے! —— حدیث کی تشریح بھی اور تصدیق بھی!

پرانے شہروں کی آبادیاں

"پرانے شہروں میں نینوا چودہ میل لمبا اور آٹھ میل چوڑا اور ۴۶ میل کے رقبے میں تھا۔ اسکی فصیل ۱۰۰ فیٹ بلند تھی۔ اسکی چوڑائی اتنی تھی کہ اس پر تین رتھ ایک ساتھ چل سکتے تھے۔ بابل فصیل کے اندر ۵۰ میل تک پھیلا ہوا تھا۔ اسکی فصیل ۱۰۰ فٹ بلند اور فٹ چوڑی تھی۔ اس میں ۱۰۰ پھاٹک تھے۔ کارتھیج ۲۹ میل کے رقبہ میں تھا۔ ایتھنز کا طول ۲۵ میل تھا۔ جس میں ۳ لاکھ ۵۰ ہزار شہری اور ۴ لاکھ غلام آباد تھے۔"

بابل اور نینوا آج سے ساڑھے چار ہزار سال قبل کے شہر ہیں۔ انکے یہ ۳۶، ۴۶، ۵۰، ۶۰ میل کے رقبے پکار پکار کر کہہ رہے ہیں کہ لندن اور پیرس اور برلن اور نیویارک کی آبادیاں اور رقبے، دنیا کی تاریخ میں بالکل انوکھے اور بے نظیر نہیں۔ ان سے ملتی جلتی مثالیں پرانی دنیا، بہت پرانی دنیا کی آنکھیں بھی دیکھے ہوئے ہیں۔

سگریٹ کا زہر

ایک انگریزی طبی رسالہ کے ایک مقالہ کا ترجمہ:-

"ہم نے صحت پر تمباکو کے اثر کے متعلق بڑی محنت سے تحقیقات کی اور قیمتی معلومات حاصل کی ہیں.... ڈاکٹر جارج ٹامسن نے اپنے تجربہ سے دیکھا کہ سگریٹ نہ پینے والے ماں باپ کی اولاد میں ۴ سال کے اندر مر جانے والی تعداد فی ہزار صرف ۱۵۳ تھی۔ اور اسکے مقابلہ میں سگریٹ پینے والوں کی اولاد کے ایک ہزار میں سے ۲۲۷ ہلاک ہوئے۔ گویا فی ہزار ۷۴ کا زائد نقصان ہوا۔ اگر اس عدد کو فی ہزار کی نسبت سے لاکھوں اور کروڑوں کی آبادی پر ضرب لگا کر دیکھا جائے تو غور کیجیے کہ کتنے لاکھ بلکہ کتنے کروڑ صرف سگریٹ پینے کی وجہ سے اپنی عمر کے چوتھے سال بلکہ پہلے ہی ہلاک ہو جاتے ہیں؟"

(صحت عامہ۔ حیدرآباد دکن۔ سالنامہ)

"صاحب" کی سگریٹ نوشی کے بعد "میم صاحبہ" کی سگریٹ نوشی کے اثر سے سگریٹ نوشی کی جو وبا اب ہماری "روشن خیال" خواتین میں پھیلتی جا رہی ہے، اسکے لحاظ سے ضروری ہو گیا ہے کہ افسانوں کے ساتھ ساتھ اس قسم کی حقیقتیں بھی کبھی کبھی "ڈاکٹروں" کی زبان سے سن لی جایا کریں!

مولوی عبدالقادر قصوری مرحوم

اخبارات میں خبر شائع ہوئی ہے کہ پچھلے ہفتہ لاہور میں مولوی عبدالقادر قصوری کا انتقال ہو گیا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ مرحوم ایک زمانہ میں اپنے پیشہ وکالت میں نامور رہ چکے تھے۔ دین و ملت کی خدمت کا ولولہ اس وقت سے رکھتے تھے۔ نامور ایڈوکیٹ سے نامور لیڈر ہو گئے۔ لیکن "لیڈری" کے جن لوازم نے بدنام کر رکھا ہے، ان سے ہمیشہ بچتے رہے۔ تحریک خلافت کے زمانہ میں اسکے بڑے زبردست خادم، اور پنجاب میں بڑے مخلص کارکن رہے۔ صوبہ خلافت کمیٹی کے صدر تھے۔ اور مرکزی کمیٹی کے بھی نائب صدر رہے۔ بڑی خاموشی اور متانت سے ٹھوس کام کرنے والے تھے، اور مذہبی جذبہ بہت بیدار رکھتے تھے۔ مسلک اہلحدیث کا تھا، لیکن حنفیوں سے شیر و شکر۔ اپنے بعض صاحبزادوں کو خالصۃً تبلیغی کاموں کے لیے وقف رکھا۔ آخر میں کانگریسی سیاسیات میں شریک ہو گئے تھے۔ اور ادھر کئی سال سے گوشہ نشینی کی زندگی بسر کر رہے تھے۔ اللہم اغفرہ وارحمہ۔

اور حضرت یوحنا بیٹے دونوں قابل و تعلیم یافتہ شخص تھے۔ اور عہد نامۂ جدید کے دوسرے مصنفین بھی لکھ پڑھ سکتے تھے، گو ان میں سے غالباً کسی کی بھی وہ مادری زبان نہ تھی۔

عہد نامۂ جدید کے مصنفین نے اگرچہ زبان ایسی اختیار کی جو علمی نہ تھی، تاہم جیسا کہ ہمارے (انگریزی کے) مستند ترجمہ سے ظاہر ہوتا ہے، وہ اکثر اونچے معیار فصاحت تک پہونچ جاتے تھے۔ اس زمان کے ساتھ وہ ایک عظیم الشان پیام پہونچا رہے ہیں، انکی تحریروں میں آمد اور بے تکلفی ہے۔ حضرت مرقس کی یونانی ناشستہ ہے، تاہم جیسے اختصار کے ساتھ انھوں نے تذکرہ کی ضرورت کو بڑے پرقوت اور جیسے پُراثر انداز سے پورا کر دیا ہے۔ حضرت پولس اپنے خطوط ایک کاتب کو بول کر لکھاتے تھے۔ ان خطوط میں، تمام فقرے بیچ سلتے ہیں اور پیچیدہ دلائل بھی، اور تیز انتقال خیالات بھی۔ انکے پڑھتے وقت پولس مبلغ کی تصویر ہمارے ذہن کے سامنے آ جاتی ہے۔ انکے مطالعہ کے وقت ہم دنگ رہ جاتے ہیں انکے دماغ کی نکتہ آفرینی پر، انکی وقت نظر پر اور انکی قوت تخلیق پر۔ اور کہیں کہیں تو وہ فصاحت بیان کے اس معیار پر پہونچ جاتے ہیں کہ اسکی نظیر لٹریچر میں کہیں نہیں ملتی۔

حال کے ایک فاضل نے حضرت یوحنا کی تحریر کے متعلق لکھا ہے کہ

"صرف و نحو تو خیر اصلی صحیح ہے، لیکن اسکی سادگی بھی خشکی کی حد تک پہونچی ہوئی ہے۔ اور محاورہ کی تو اس میں چاشنی ہی نہیں"،

بادنیہ اگرچہ انکو اس زبان کے لکھنے میں بڑا زور لگانا پڑا ہے، جو انکی اپنی نہیں، تاہم انکی چوتھی انجیل اور انکا مکتوب اول ادبیات کے دو شاہکار ہیں۔ وہی الفاظ دہرا دہرا کر آتے ہیں۔ چھوٹے چھوٹے سیدھے سادے جملے ایک دوسرے کے بعد ملتے ہیں۔ کسی طرح کی ان میں صنعت گری نہیں ہے۔ ہر چیز "پوست و استخوان" نظر آتی ہے۔ ایسی حالت میں توقع تو ناکامی محض کی ہوتی ہے، لیکن واقعۃً بہترین جمال جھلکتا نظر آتا ہے۔ اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک صوفی اور فلسفی بچہ کی زبان میں گفتگو کر رہا ہے۔ اور کسی دوسرے نے انسان کی فہم و دماغ کو اتنا مالا مال نہیں کیا ہے۔ عہد نامۂ جدید کے مصنفین میں سب سے زیادہ خوش قلم حضرت لوقا ہیں۔ انکی انشاء کی شگفتگی و روانی، انکی وسیع المشربی، انکی نزاکت احساس سب آج کے مذاق کے مطابق ہیں۔ انکی قوت بیانیہ غضب کی ہے اور اسکا ثبوت انکے قلم سے نکلے ہوئے حضرت پولس کے واقعۂ تباہی جہاز سے ملتا ہے۔ اور اگر کسی صاحب کو انکے کمال ادبی میں شبہ ہے، تو وہ بطور خود مسرف بیٹے کی حکایت کے لکھنے کی کوشش کر کے دیکھ لیں۔ یہ حکایت تو سیدھے، تفریحی اختصار کے ساتھ نقل ہوئی ہے، اور یسوع کی تعلیم کے ادبی پہلوؤں کو نظر انداز کرنا ممکن نہیں۔ (باقی)

صدق :- مقالہ طویل ہے۔ اسکی قسط میں بہت ہی تھوڑا دیا جا سکا آئندہ قسطیں غالباً اس سے بڑی ہوں۔ اصل چیز جو اسکے ذریعہ سے مسلمانوں تک پہونچانا مقصود ہے، وہ وہ عظیم الشان فرق ہے جو کتاب الٰہی کے اسلامی اور مسیحی تخیل کے درمیان ہے۔ لفظاً بیشک معلوم ہوتا ہے کہ وحی و الہام کے قائل مسلمان بھی ہیں اور مسیحی بھی "کتاب الٰہی" پر ایمان انکا بھی ہے انکا بھی لیکن حقیقۃً یہ لفظی اشتراک ایک بہت بڑے مغالطہ کا ذمہ دار ہے۔ دونوں مذہبوں کے اس معتقدات میں کوئی مناسبت ہی نہیں۔ مسیحیوں کی "کتاب الٰہی" کا کوئی جزو بھی، انھیں کے عقیدہ کے مطابق، آسمانی نہیں۔ وہ تو سر تا سر انسانوں کے ہاتھ کی لکھی ہوئی کتابوں کا مجموعہ ہے۔

عوام کی زیادہ سے زیادہ تعداد تک پہونچنے کے لیے، کون موزوں ترین زبان مسیح کے حواریوں، شاگردوں یا شاگردوں کے شاگردوں کو مل سکتی تھی!!—

گویا ہمارے اس سوال کو نظر انداز کر دیں کہ قرآن کا نزول کس زبان میں ہوا تھا، اسکو بھی بھول جائیں، کہ جس پر نازل ہوا تھا، اسکی زبان کیا تھی! اور بحث صرف اس سے رکھیں کہ صحابیوں بلکہ تابعین کو ملک در ملک تبلیغ کے لیے سہولت کس زبان میں تھی! فارسی میں، پہلوی میں، روسی میں، اردو میں، ہندی میں، یا عربی میں؟ کیا اردو ہی زبان (نعوذ باللہ) اب قرآن کی زبان ہو!!

سینٹ پال۔ تاریخ مسیحیت کی سب سے زیادہ مشہور و اہم شخصیت۔ کہنا چاہیے کہ موجودہ تثلیثی مسیحیت کے بانی۔ مسیح کے صحابی یا حواری یقیناً نہ تھے۔

دوسرے انجیل نگاروں کی طرح انکے حالات و سوانح بھی تاریخ کی تاریکی میں مخفی ہیں۔

سینٹ جان لیوک۔ ملاحظہ ہو حاشیہ نمبر [illegible] سینٹ جان، حضرت مسیح کے بارہ حواریوں میں ایک نام انکا بھی آتا ہے۔ چار مستند انجیلوں میں سے آخری انجیل انھیں کے نام سے منسوب ہے۔

(بقیہ صفحہ ۶)

مسلمانو! یہ وہی قرآن کریم اور احادیث نبویہ اور کتب فقہ ذکر کی گئی ہیں۔ جن سے آپ حلت لحم بقر اور چار نکاحوں کا جواز وغیرہ اپنے منافع تلاش کرتے ہو اور اپنے مقاصد پورے کرنے کے لیے انکو مستند یقین کرتے ہو۔ یہ ان ہی مجموعہائے قوانین کا ایک سنگین قانون ہے۔ کیا تم وہ تو نہیں ہو گئے جنکو نزول عذاب سے پہلے یہ کہا گیا تھا۔ افتؤمنون ببعض الکتاب وتکفرون ببعض۔ مسلمانو! اپنی غیرت، فطرت کا مطالعہ کرو۔ تم تو وہ ہو کہ تمہارے لیے اس کسب حرام کی اجرت لینا حرام ہے بلکہ ایسی مجلس میں کھانا تناول کرنا بھی حرام ہے۔ وہ مسلمان بہنیں جنکو اسلام نے شیشے کی طرح ہر ٹھیس سے محفوظ رکھا انکی آواز تک عورت قرار دیا وہ آج بر ملا ناچنا اور گانا سیکھ کر اپنے اسلام کا ثبوت دے رہی ہیں۔ تاریخ انکے یہ کارنامے درج کرنے کو بے تاب ہو گی۔ ہاں وہ زبیدہ و صولت نساء دین کہ جو ہر آشنا کا ساکر سے تو انکی صدائے الحذر جیسے سید کائنات میں آتشہ کے لیے سبزہ زار لیکر کائنات کو سحر کرتی رہیگی۔ الیس منکم رجل رشید۔

گانا بجانا

شریعت اسلام میں

(از جناب قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب ادارۂ اشاعت التبلیغ شمس آباد ضلع اٹک)

صوبۂ یو۔پی میں خصوصاً اور ہندوستان میں عموماً گانے بجانے کی جو سکیمیں زیر عمل ہو رہی ہیں اور مسلمان جس خوش جذبے سے ان کا استقبال کر رہے ہیں، وہ باخبر لوگوں سے مخفی نہیں۔ اخبارات، رسائل، انجمنیں متعدد تحریکوں یہ تجاویز پاس کر کے گورنر صوبۂ یو۔پی اور وزیر تعلیم وغیرہ کے پاس بھیج رہے ہیں۔ میں بھی ایک رزولیوشن قرآن مجید، احادیث رسول علیہ السلام، فقہائے امت کی طرف سے مسلمانوں کی خدمت میں پیش کرتا ہوں۔ یہ وہ تجویز ہے جسے حضور سرور عالم اور سردار کائنات صلی اللہ علیہ وسلم اور علمائے اسلام نے ہر زمانے میں ہر ملک میں پاس فرمایا اور عرب و عجم میں اسے رائج کیا۔ میں آج بھی اسی اہمیت کو تازہ کرتے ہوئے کسی رکن حکومت کے پاس بھیجنے کی بجائے بطور اتمام حجت لا الہ الا اللہ محمد رسول اللہ پڑھنے والوں کے پاس ارسال کرتا ہوں۔ اس لیے کہ از ماست کہ بر ماست۔ یہ محمدی کہلانے والے سیچے بجائیں تو کون ہے جو اس نور الٰہی کا مقابلہ کر سکے۔ مگر بات تو یہ ہے ؎

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم کہ با من ہر چہ کرد آں آشنا کرد

مختصر طور پر اسلامی احکام کا بیان کیا جاتا ہے۔ فیصلہ مسلمانوں کے ہاتھ ہے۔ فاقول

قرآن کریم میں ہے واستفزز من استطعت منہم بصوتک۔ آواز ابلیس علیہ اللعنۃ سے مراد باتفاق ائمۃ التفسیر غنا و مزامیر ہے۔ دوسری آیت میں ہے ومن الناس من یشتری لہو الحدیث الآیۃ حضرت ابن عباس اور عبداللہ ابن مسعود رضی اللہ عنہم قسمیہ فرماتے تھے کہ آں حضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے۔ لہو الحدیث سے مراد گانا ہے۔ تیسری آیت میں ہے وانتم سامدون (اے لاہون اور متکبرو! المغنون) بیضاوی وغیرہ۔ جن تفاسیر نے ان آیات مذکورۃ الصدر کے یہ معنی بتائے ہیں انکے نام میں حسب علم حقیر درج کرتا ہوں: جلالین جمل برجلالین۔ صاوی۔ عباسی۔ بیضاوی۔ روح المعانی۔ دار البیان۔ کبیر۔ کشاف۔ روح البیان۔ روح المعانی۔ خازن۔ مدارک۔ اتقان۔ احمدی۔ در منثور۔ ابن کثیر۔ ابن جریر۔ اکلیل۔ بے نقاط۔ حسینی۔ معالم التنزیل۔ جامع البیان۔ ابو السعود۔ اصبہانی۔ نیل المرام۔ شہاب علی البیضاوی۔ اسباب النزول۔ تیسیر الرحمٰن۔ البحر المحیط۔ تاج التفاسیر۔ احکام القرآن۔ جواہر الحسان۔ آلالی۔ سراج المنیر۔ تفسیر مفتی عبدہٗ۔ مراح لبید۔ تفسیر عزیزی۔ تفسیر قادری۔

احادیث نبویہ میں گانے بجانے کی حرمت مختلف طریقوں پر بیان کی گئی ہے اور مسلمانوں کو اس سے باز رہنے کی شدت سے تلقین کی گئی ہے۔ مسند ابن ابی الدنیا میں ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشاد کا مطلب یہ ہے کہ بعض لوگ میری امت کے مردوں کے لیے ریشمی لباس اور شراب اور باجوں کو حلال جانیں گے۔ انکو اللہ تعالیٰ زمین میں دھنسا دیگا اور انکی شکلیں مسخ فرما دیگا جو سور اور بندر کی طرح ہونگے۔ اگرچہ کلمۂ شہادت اور نماز پڑھیں گے اور روزہ رکھتے ہونگے۔ حج ادا کرینگے۔

جن احادیث کو مصنفین نے جمع کر کے اپنی اپنی کتابوں میں ذکر کیا ہے ان سے بعض کے نام درج کرتا ہوں:۔ بخاری۔ عینی شرح بخاری۔ فتح الباری۔ قسطلانی۔ مواہب اللدنیہ۔ زاد المعاد۔ ترمذی۔ ابوداؤد۔ طبرانی۔ شرح معانی الآثار۔ مصنف ابن ابی شیبہ۔ موطا امام مالک۔ موطا امام محمد۔ نسائی۔ نووی بر مسلم۔ معجم کبیر۔ زرقانی۔ سیرت حلبیہ۔ دارقطنی۔ منہاج السنۃ۔ ابن حبان۔ دارمی۔ شرح مذاہب آثار امام محمد۔ شرح المواہب۔ مسند امام محمد۔ ابو یعلیٰ۔ طبرانی صغیر۔ صحیح ابن خزیمہ۔ صحیح حاکم۔ سنن سعید بن منصور۔ معجم اوسط۔ حلیۂ ابونعیم۔ ابن ماجہ۔ مسند الفردوس المزاری۔ دیلمی۔ نوادر الاصول۔ مقاصد الحسنہ۔ مختارہ۔ سفر السعادۃ۔ جمع الجوامع۔ جامع الاصول۔ تاریخ خطیب بغدادی۔ تاریخ بخاری۔ بیہقی۔ شعب الایمان۔ ابوداؤد طیالسی۔ امالی ابن منصور۔ تاریخ ابن عساکر۔ مسند ابن ابی الدنیا۔ شرح منہاج۔ مسند ابی بکر ابن ابی شیبہ۔ رزین۔ تیسیر للمناوی۔ مناوی بر جامع صغیر للسیوطی۔ رحمہم اللہ تعالیٰ۔

فقہائے امت کا فیصلہ یہ ہے کہ تردید الصوت بالحان فی الشعر والضمام التصفیق ومناسبۃ التصفیق لہ فہو من انواع اللعب وکبیرۃ فی جمیع الادیان حتی یمنع المشرکون من ذلک۔ اھ

فقہائے ملت اسلامیہ نے تو اس حد تک فیصلہ کر دیا ہے کہ گانا بجانا اتنا حرام ہے کہ مشرکوں کو اس سے منع کیا جاوے۔ جسکا مطلب یہ کہ اگر اسلامی حکومت میں مشرک آباد ہوں اور وہ گانا بجانا کریں تو مسلمان فرماں رواؤں کو انکا اس معاملہ میں لحاظ اور رواداری نہ کرنی چاہیے۔ بلکہ انکو منع کرنا چاہیے۔ اس ممانعت سے انکے عدل و عدالت پر کوئی دھبہ نہ آئیگا۔ افسوس کہ آج مسلمان فرماں روا ایسے محرم فی الادیان کو جاری کرنا فخر سمجھتے ہیں۔

مختصراً ان کتب فقہ کا ذکر کیا جاتا ہے کہ جن میں اسکی حرمت کا شدت اور تاکید سے حکم نافذ کیا گیا ہے۔ وہ یہ ہیں:۔ شرح وقایہ۔ ابو المکارم۔ برجندی۔ جامع الرموز۔ چلپی۔ نصیح الدین۔ ہراتی۔ کنز۔ عینی۔ ملا مسکین۔ ابو السعود۔ کشف الحقائق۔ بحر الرائق۔ سرخانی۔ زیلعی۔ ہدایہ۔ کفایہ۔ عنایہ۔ بنایہ۔ نہایہ۔ فتح القدیر۔ سعدی۔ تنویر الابصار۔ درمختار۔ شامی۔ طحطاوی۔ مراقی الفلاح۔ طحطاوی در المختار۔ خلاصۃ الفتاویٰ۔ خانیہ۔ تاتارخانیہ۔ لسان الحکام۔ معین الحکام۔ کشف الغمہ۔ الدر المنتقیٰ۔ مبسوط سرخسی۔ فتاویٰ قاضی خاں۔ بزازیہ۔ عالمگیری۔ وغیرہا کتب فقہ جنکی تعداد میرے معلومات میں تقریباً چار سو ہے۔ (باقی صفحہ ۵ پر ملاحظہ ہو)

نمونۂ پاکستان

ڈاکٹر بابر مرزا، ایم اے، ڈی ایس سی - صدر شعبۂ حیوانات پرووسٹ آفتاب ہال مسلم یونیورسٹی کا خطاب ارکان آفتاب ہال کو

... اکثر طلبا و خواہش ظاہر کر رہے ہیں کہ میں اپنے خیالات کو واضح کر دوں - میں نڈر انسان ہوں اور سچ میں اپنے خیالات کا اعلان کرتا ہوں۔

میں نے اس اسلامی ادارہ میں تعلیم پائی - میں ایک اسلامی ریاست کا باشندہ ہوں - میں نے ریاست میں ملازمت کی - میری روح اسلامی ہے، میرے خیالات اسلامی ہیں - میں مغل ہوں، اور باشندہ ہوں اُس ریاست کا جو نمونہ ہے سلطنت مغلیہ کا - مجھے فخر ہے اپنے آقا حضور سلطان العلوم خسرو دکن پر، جو آج ہمارے چانسلر ہیں - میں ناز کرتا ہوں اُس سرزمین پر جہاں میں پیدا ہوا اور میری پرورش ہوئی، اور اُس ریاست پر جہاں ہر شخص سے خواہ وہ ہندو ہو یا مسلمان، سکھ ہو یا عیسائی، ہر ایک سے ایک ہی سلوک کیا جاتا ہے - میں طالب علم ہوں اس مادر درسگاہ کا جہاں اسکے قیام سے لیکر اب تک ہم ہر مذہب کے طالب علم سے ایک ہی سلوک کرتے ہیں - جس وقت میں نے ریاست نظام میں علیگڈھ کی خاطر اپنی ملازمت کو ترک کیا تھا - میں نے خیال کیا تھا کہ میں ایک پاکستان سے دوسرے پاکستان جا رہا ہوں - علیگڈھ پاکستان کا ایک اصلی نمونہ ہے - مجھے ہنسی آتی ہے اُن پر جو پاکستان میں رہ کر پاکستان کی روح توڑ کر پاکستان کی مخالفت کریں - میں قائل ہو جاؤنگا اُن اشخاص کی سیرت کا جو پاکستان کے مخالف ہوں اور اس پاکستان کو ترک کر دیں۔

علیگڈھ اور بنارس

بہتر تو یہ ہوگا کہ میں علیگڈھ کے پاکستان کا مقابلہ بنارس کے ہندوستان سے مختصر الفاظ میں کروں - ہم یہاں کسی غیر مذہب والے سے بُرا سلوک نہیں کرتے اور انکی تعظیم کرتے ہیں جسکی مثال بنارس ہم کو نہیں دے سکتا - جب ہمارے ہاں کھانے پینے کے جلسے ہوتے ہیں ایک دو اینٹ کا مندر الگ کھڑا ہو جاتا ہے ہم اپنی اس مقدس جگہ مندر بنانے کی بھی اجازت دیتے ہیں - ہمارے دل کشادہ ہیں اور ہمیشہ کشادہ رہیں گے - یہ ہماری قوم کی ایک بہت بڑی خصوصیت ہے جو قیامت تک مٹ نہیں سکتی۔

میں ۱۹۲۱ء میں فرگسن کالج پونہ میں طالب علم تھا - یہاں ڈاکٹر پرانجپے پرنسپل تھے - چھ مہینے سے زیادہ میں اس جگہ نہ ٹک سکا - یونیورسٹی کے احاطہ میں میں نے ایک کمرہ کرایہ پر لیا تھا - مجھکو گھر والے نے نہ تو کنوئیں سے پانی لینے کی اجازت دی اور نہ گھر میں گوشت ہی لاکر پکا سکتا تھا - مجھکو گھر کے کمپاؤنڈ میں بھی نہانے کی اجازت نہ تھی - اور یہ وہ زمانہ تھا جبکہ یہ کہا جاتا تھا کہ ہندو مسلمان میں پورا پورا اتحاد ہو گیا ہے۔

۱۹۳۲ء میں مجھے بحیثیت ممتحن کے بنارس ہندو یونیورسٹی جانا ہوا تھا - وہاں اس زمانہ میں تین ہزار ڈھائی سو طلبا تھے جن میں مشکل سے چھ مسلمان طالب علم تھے ان میں سے دو کو بورڈنگ میں رہنے کی اجازت دیدی گئی تھی اور مجھ سے وہاں کے ایک نہایت ہی سینیر پروفیسر صاحب نے کہا تھا کہ ان طلباء کو یونیورسٹی کے احاطہ میں گوشت لانے کی بالکل اجازت نہ تھی لیکن بمشکل تمام اجازت یوں دی گئی کہ انکے کمرہ تک ایک سڑک ڈالی گئی جس پر کوئی ہندو نہیں چلتا ہے - یہ تصویر ہے ہندوستان کی کہ مسلمانوں کے ساتھ کس قسم کا سلوک کیا جائیگا۔

یورپ کا سوشلزم

میں یورپ کئی بار گیا - اور ایک نہیں بلکہ کئی ممالک دیکھے یورپ سیر سپاٹے ہی کے لیے نہیں جایا کرتا تھا یا جاؤنگا بلکہ حصول تعلیم کے لیے - اور میرا تو خیال ہے کہ اگر آپ کسی نالائق کو بھی بھیجیں تو وہ تجربہ حاصل کرکے دانا ہو جائیگا - یہاں پر مجھکو کوئی ایسا شخص نظر نہیں آتا جو یورپ کے مختلف ممالک میں اسقدر گھوما ہو جتنا کہ میں گھوما ہوں - میں نے یورپ کے ان ممالک کا تمدن کتابوں ہی سے حاصل نہیں کیا، بلکہ ذاتی تجربہ سے تھیوری اور پریکٹس دو بالکل مختلف چیزیں ہیں - کتابوں میں جو باتیں لکھی ہیں آپ انکو پڑھکر صحیح اندازہ نہیں لگا سکتے - حقیقت کا پتہ اُسی وقت چلیگا جبکہ آپ خود یورپ جائیں گے۔

جتنا سوشلزم ہمارے مذہب میں ہے میں نے کسی مذہب یا قوم میں اب تک نہیں دیکھا - وہ مسلمان جو یورپ میں پھیلے ہوئے مختلف قسم کے سوشلزم کی نقل کر رہے ہیں - میری رائے میں وہ اپنے مذہب کو بالکل بھول گئے ہیں اور نقل کرنے سے نتیجہ یہ ہوگا کہ کوا ہنس کی چال چلا اپنی بھی بھول گیا۔

اب میں اس عمر پر پہونچ گیا ہوں کہ جب انسان کے خیالات پختہ ہو جاتے ہیں - میں آپ کو جو رائے دونگا وہ آپ کی بھلائی کے لیے - آپ عمل کریں یا نہ کریں یہ آپ کی ذمہ داری ہے - آپ اسکول میں نہیں کہ جہاں کان کھینچ کر عمل کرایا جاتا ہے۔

قوم بغیر ڈسپلن کے قوم نہیں بنتی - ہمارا فرض ہے کہ ہم اسکو پسند کریں یا نہ کریں ہم اپنا فرض ادا کرتے رہیں گے - انشاء اللہ تمام میرے ساتھی وارڈن آپ کے ہوسٹل میں کم از کم ہفتہ میں تین مرتبہ ایک دو گھنٹے آپ کے ساتھ گزاریں گے - میں خود مثال پیش کر رہا ہوں جب مجھے موقع ملتا ہے میں کسی نہ کسی ہوسٹل میں چلا جاتا ہوں اور جو خوشی مجھے طلبا سے ملکر ہوتی ہے مجھے یقین ہے کہ میرے ساتھی بھی اسی خوشی کے خواہاں ہونگے - یہ ہال نہیں بلکہ ایک کالج ہے - اس میں ۵۰۰ سے زیادہ طلبا مقیم ہیں - کام کی کوئی حد نہیں پھر بھی میں کوشش کرتا رہونگا کہ جس قدر طلبا سے مل سکوں ملتا رہوں - میری خوشی اسی میں ہے کہ آپ مجھے اپنے پر فخر و ناز کرنے کا موقع دیں۔

تہذیب و تمدن کا درس

سابق پرووسٹ صاحب نے اپنی الوداعی دعوت میں یہ فرمایا تھا کہ چونکہ میں نے محمدن اینگلو اورینٹل کالج میں تعلیم پائی ہے - میں آپ کو پُرانی روایات کی یاد دہانی کرتا رہونگا - میری عمر کا آدھے سے زیادہ حصہ علیگڈھ میں گزرا ہے۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

صدق لکھنؤ — ہفتہ وار

اڈیٹر — عبدالماجد

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

چندہ سالانہ: للعہ — ششماہی: ؏ — بیرون ہند سے سالانہ: ۸ شلنگ — قیمت فی پرچہ: ۱ر

نمبر ۳۱ | دوشنبہ — ۲۸ — ذیقعدۃ الحرام سنہ ۱۳۶۱ھ مطابق ۷ — دسمبر سنہ ۱۹۴۲ء | جلد ۸

سچی باتیں

سیحی جنتری کے حساب سے ساتویں صدی کا ثلث اول ختم ہو چکا ہے، ... مدینہ "تخت" پہ نہیں مسجد نبوی کے فرشِ خاک کی زینت عمر فاروقؓ کے دم سے ہے۔ وہ "جلالۃ الملک" نہیں، امت کا خادم، اور مسلمانوں کا خلیفہ ہے۔ مقابلہ وقت کی زبردست و پرقوت سلطنت (ایران) زیر ہو رہا ہے۔ مسلمانوں کے قدم بڑھتے چلے جا رہے ہیں، ایرانی علاقہ کے شہر کے شہر فتح ہوتے جا رہے ہیں۔ بادشاہ سلامت جہاں پناہ یزدگرد بنفس نفیس مع ارکان دولت بھاگ کھڑے ہوئے۔ جب بھاگے ہیں تو یہ ایں ہمہ سرابیگی و ہوش باختگی،

"... ہمراہ ایک ہزار باورچی تھے، ایک ہزار گویے، ایک ہزار چیتوں کے محافظ، ایک ہزار باز دار، اور بہت سے دوسرے لوگ، اور یہ تعداد بھی اسکے نزدیک کم تھی" (ایران بعہد ساسانیاں" مترجمہ ڈاکٹر شیخ محمد اقبال ص ۲۹۱ — انجمن ترقی اردو)

یہ ایک ہزار باورچی محض اُسوقت جہاں پناہ کی خدمت میں رہا کرتے تھے، جب رعایا فاقے کر رہی تھی! — یہی جہاں پناہ ایک بار پھر ایک اور مقام سے بھاگے ہیں، تاریخ کا بیان ہے کہ

"اُسوقت اُسکے ہمراہ ۴ ہزار آدمی تھے، جن میں ذکر باورچی، فراش، خادمین اور مسکری تھے۔ اسکے علاوہ اُسکی بیویاں، کنیزیں، اور اُسکے گھر کے بچے اور بوڑھے تھے، لیکن سپاہی ایک بھی نہ تھا" (ص ۳۰۵)

ایسا بادشاہ کیے دن تخت حکومت پر بیٹھنے کے قابل تھا؟

(پیرسل (شاہی) فوج کو بڑا ناز بلکہ زعم اپنے طلسمی جھنڈے درفش کاویانی پر تھا۔ یہ جھنڈا بھلا کہیں نیچا ہو سکتا تھا؟ اس پر نجوم، جوتش سحر کی رو سے طلسمی نقش جو بنے ہوئے تھے! یہ "ناقابل تسخیر تھا"! اہل ایمان ہر جنگ پر فتح پانے کے بعد،

"آرایش کے لیے اس پر جواہرات چڑھا دیتے تھے، اور حقیقت میں وہ سارے کا سارا سونے اور چاندی اور جواہرات اور موتیوں سے بھرا ہوا تھا۔ ... بادشاہ اس جھنڈے کو فال دولت سمجھتے تھے اور زر و جواہرات کے ساتھ اسکی تزئین میں ایک دوسرے کے ساتھ رقابت کرتے تھے ... ابتدا میں یہ جھنڈا شیر کی کھال کا تھا۔ بعد میں ایرانیوں نے اسے سونے اور دیبا کے کپڑے سے تیار کیا" (ص ۶۲۸ — ۶۲۹)

سارا جھنڈا گویا ایک متحرک خزانہ تھا۔ قیمت کا تخمینہ ۱۲ لاکھ اشرفیوں کا ہے، اور دوسرا تخمینہ ۲۰ لاکھ اشرفیوں کا! — مسلمانوں نے اس جھنڈے کو چھینا، گرایا، پھاڑا — جی ہاں پھاڑا، چاک کر کے، ٹکڑے کر کے، خلیفہ عمر فاروقؓ کے حکم سے آپس میں تقسیم کر لیا! کیسے ناقدرے لوگ تھے!! اسکی صنعت گری کی، آرٹ کی، ذرا قدر نہ کی! —

اور تنہا اسی جھنڈے پر موقوف نہیں۔ یہی گت ان "وحشیوں" کے ہاتھوں مہذب، متمدن، آرٹ نواز ایران کے مشہور ریشمی و زربفتی، یاقوت اور موتیوں سے مرصع، لمبے چوڑے قالین "بہار خسرو" کی بنی، ٹکڑے پارچے کر کے، اسے بھی تقسیم کیا گیا۔ حضرت علیؓ کے حصہ میں جو ٹکڑا آیا، اکیلے اُسکی قیمت ۲۰ ہزار درہم لگی۔ مال غنیمت میں سے خلیفہ کا پانچواں نکال کر سعدؓ کے لشکر کے ۶۰ ہزار سپاہیوں میں برابر برابر تقسیم کیا گیا، ایک ایک سپاہی کو ۱۲ — ۱۲ ہزار درہم ہاتھ آسکے!

فتح ایسی قوم کو نہ حاصل ہوتی، تو پھر کس کو ہوتی؟ تاسید غیبی کے

تی مسلمان بھی نہ ہوتے تو اور کون ہوسکتے تھے ؟ دنیا کی تاریخ میں زیتون
ں طرف سے اتنا بے پروا اور کون ہوا ہے ؟ اقبال، تسلط، اور غلبہ کا جو
کا "مذاق" بیشک تھا، لیکن اس نشۂ خداوندی کے کھنچ لینے پر اپنی
ضرورت سے زیادہ لینے سب دخل ان بندوں کے نسب ذرا اختیار کا بھی کچھ
کم تھا ؟ —— صداقت درویشوں کی یہ قوم جب ناتماشا نہ طاقِ
کسریٰ کے مقابل قصر شاہی میں داخل ہوئی ہے، تو
"... بہت سے سر بمہر کمرے دالان میں ملے جن میں ہر قسم کی سونے
چاندی کی چیزیں تھیں۔ ان کے علاوہ بیش بہا لباس جواہرات
بیش بہا قالین، متبرک روایات، نفیس عطریات......
خسرو دوم کا تاج اور اس کی قبا تھی جو زربفت کی بنی ہوئی تھی
اور موتی اور جواہرات ٹکے ہوئے تھے۔ اس کے
علاوہ اور بھی کپڑے زربفت کے تھے۔ خسرو کا تاج
حضرت عمرؓ کے پاس بھیج دیا گیا، جنھوں نے اُسے کعبہ میں
لٹکا دیا۔" (ص ۲۹۳)
اللہ کا حکم جب آتا ہے تو اُس دار کی روک بڑے سے بڑے خزانوں کی
سپر بھی کر سکتی ہے ؟

جامعہ عثمانیہ کی دینی خدمات "بڑے رنج وافسوس
کے ساتھ اسکا اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ اُردو دا اُردو کے ہنگاموں
میں عثمانیہ یونیورسٹی نہیں، بلکہ الجامعۃ العثمانیہ کی جو سب
سے بڑی خصوصیت ہے، عموماً عوام کو اسکی بالکل خبر نہیں
..... انٹرمیڈیٹ سے طلبہ کو اسلامی مضامین کے ساتھ
بی اے تک شعبۂ فنون کے طلبہ کے ساتھ انگریزی ادب
اور عربی ادب کا پڑھنا اور ان میں امتحان دینا ضروری ہے
بی اے کے بعد اسلامیات کے مضامین چارگانہ (تفسیر،
حدیث، فقہ، کلام) میں سے کسی ایک مضمون میں ایم اے
اور ایم اے کے بعد ڈاکٹریٹ کی ڈگری کے لیے ریسرچ
کلاس (تحقیقاتی درجہ) میں تعلیم حاصل کرنے کا باضابطہ
نظم کیا گیا ہے۔ حکومت نے پوری فیاضی کے ساتھ ہر قسم
کی ضروریات و لوازم اساتذہ و طلبہ کے لیے فراہم کردیے
ہیں۔ ظاہر ہے کہ جامعہ عثمانیہ کا یہ ایک ایسا امتیاز ہے
ہندوستان تو ہندوستان آج مصر و قسطنطنیہ، ایران و
افغانستان جیسے اسلامی ممالک میں بھی اسلامی علوم
کی تعلیم کا جہاں تک مجھے معلوم ہے اس خاص عصری
طرز کے ساتھ انتظام نہیں کیا گیا ہے" (فاضل گرامی
مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی کی تمہید اپنے ایک شاگرد
کے ایک اہم دینی مقالہ پر)
بیشک یہ ایک اہم اور بڑی خوشگوار حقیقت ہے، گو عوام تو عوام خواص
ملک کی بھی نظروں سے چھپی ہوئی تھی۔ علوم جدیدہ میں سے ہر ایک سے وقیع
اور اعلیٰ سے اعلیٰ علم کی تعلیم و تدریس کے ذریعہ اردو زبان کو بنا دینا یہ تو بقول
فاضل گیلانی، بجائے خود عثمانیہ کا ایک اولوالعزمانہ اور تجدیدی
کارنامہ ہے — ہندوستان ہی کے لیے نہیں سارے مشرق کے لیے
باعثِ فخر۔ لیکن اس ادبی و علمی کارنامے سے بھی کہیں بڑھ کر ہم مسلمانوں
کے نقطۂ نظر سے، وہ اہم دینی خدمات ہیں جو جامعہ عثمانیہ کے شعبۂ
دینیات کے ذریعہ سے ظہور میں آرہی ہے۔ ان بلند پایہ تحقیقی مقالات
کا ایک نمونہ وہ تھا جو جنایات بر جائداد کے نام سے، ایک خاصی ضخیم
کتابی صورت میں عرصہ ہوا نکل چکا ہے۔ اور اس پر ریویو بھی ان
صفحات میں شائع ہو چکا ہے۔ اور ایک تازہ نمونہ امام طحاوی کی پر دہ
تحقیقاتی مقالہ ہے، جو رسالۂ برہان (دہلی) میں شائع ہونا شروع ہوا ہے
اور بشرطِ گنجایش عجب نہیں کہ صدق میں بھی شائع ہوتا رہے۔

ایک "غیر تجارتی" محکمہ "ہمیں تو سابقہ ہر مذاق کے
لوگوں سے پڑتا ہے، اور ہمیں ہر طبقہ کو راضی رکھنا پڑتا ہے
اور اس لیے نت نئے پروگرام تراشنے پڑتے رہتے ہیں"
(پاینیر - ۲۲ نومبر ۴۲ء)
لکھنؤ ریڈیو اسٹیشن کے ڈائرکٹر نے اپنی ایک تازہ تقریر میں کہا —— اور
پھر کہا:—
"نشری ادارے بھی دو طرح کے ہوتے ہیں۔ ایک تجارتی، دوسرا
غیر تجارتی۔ تجارتی کی مثال امریکہ کا محکمۂ نشریہ ہے، جس کی
آمدنی کا بڑا ذریعہ اسکے اشتہارات ہیں۔ جسکا اطلاق ہمارے
آل انڈیا ریڈیو یا لندن کی بی بی سی پر نہیں ہوتا"
گویا ہندوستان کا محکمۂ ریڈیو ایک غیر تجارتی ادارہ ہے، لیکن اسکے باوجود
ابھی اوپر گزر چکا ہے، کہ اسکا کام اپنے زیادہ سے زیادہ سامعین اور
قدر دانوں کو خوش رکھنا ہی ہے —— کون کہتا ہے کہ خریداروں کی
رضا جوئی، گاہکوں کی نگاہ پہچانتے رہنا بھی کوئی تجارتی ملکہ اور کاروباری
عادت ہے !
اور پھر آگے ارشاد ہوا:—
"ہمارے روزانہ پروگراموں کا جزو اعظم ہندوستانی موسیقی ہے۔
یہی سب سے زیادہ دلپسند ہے، اور عجب نہیں کہ ہماری
مقبولیت و غیر مقبولیت کا مدار بھی سب سے زیادہ اسی پر
نکلے۔ ہندوستان کے سارے ریڈیو اسٹیشن مجموعی طور پر روزانہ
۹۰ گھنٹے نشر کرتے رہتے ہیں۔ اس وقت میں سے تقریباً ۵۵
گھنٹے ہندوستانی موسیقی کے لیے مخصوص رہتے ہیں"
سرکاری اور پھر "غیر تجارتی" ادارہ سے توقع ہو سکتی ہے تو یہی کہ ملک
کی اخلاقی حالت سدھارے، سنوارے۔ یہاں خود اسی سرکاری "غیر
تجارتی" کا ایک ذمہ دار افسر فخریہ اعلان کررہا ہے کہ ہم ۹۰ میں سے
۵۵ گھنٹے لوگوں کو گانا سنا کر (اور یقیناً مردانہ سے کہیں بڑھ کر زنانہ)

سنا سکتے ہیں! اور باقی ۲۳ گھنٹوں میں ہند و بیرون ہند کی خبریں، پبلک پر تبصرے، انگریزی، اردو، ہندی میں تقریریں وغیرہا ——— انگریزوں کے دماغ میں بھی رعایا پروری، رعیت نوازی کی یہ صورتیں بھلا کہاں آسکتی تھیں!

ایک مخلصانہ گزارش

ایک مسلمان صحافی پُرجوش مخلص، جنکا جوشِ ایمانی یقیناً غیر مشتبہ ہے، اپنے سہ روزہ پرچہ میں "اسلامستان کے معارف" کا عنوان دے کر لکھتے ہیں :-

"جالندھر میں مسلم اسٹوڈنٹس کانفرنس کے صدر استقبالیہ میاں بشیر احمد بیرسٹر مدیر ہمایوں لاہور ہیں نے جو خطبہ پڑھا وہ اپنے مضامین کے اعتبار سے نہایت پاکیزہ ہے۔ اسکا بنیادی موضوع اسلام اور آج کی سیاست ہے۔ میاں صاحب نے دنیا کو یقین دلایا ہے کہ پاکستان کی زندگی اسلامی زندگی ہوگی، اور یہی اسکا نصب العین ہے۔ اگر ہماری اطلاع درست ہے تو ہم اس طرزِ فکر پر دلی مسرت کا اظہار کرتے ہیں۔ مگر میاں صاحب اور انکے ساتھیوں، تکمیں اور مخاطبین کرام سے یہ پوچھنا چاہتے ہیں کہ اسلام سے مراد صرف عقائد نویسی ہے یا اسکی تعلیم پر عمل؟ اگر اسلام سے مراد صرف آدھا اسلام اور وہ اسلام کا نعرہ ہے، یا اسلام کے محاسن پر چند دلکش مقالے تو یقیناً میاں صاحب اور انکے مخاطبین نے پاکستان میں ابھی سے اسلامستان قائم کر دیا ہے۔ لیکن اگر اسلام اپنی تعلیمات پر عمل کا بھی طالبگار رہے تو ۔ ۔ ۔

میاں صاحب معاف فرمائیں، انکا یہ راخطبہ نفاق اور ریاکاری پر مبنی ہے، اس لیے کہ ہم انکی اور انکے ساتھیوں کی زندگیوں کا کوئی پہلو اسلام کے مطابق نہیں پاتے۔ اور انکا اسلام اسلام کا نہایت گھٹیا اور بدترین ہے"

لفظی اقتباس میں تصرف صرف اتنا کیا گیا ہے کہ اصل عبارت پورے ایک پیراگراف میں مسلسل تھی، یہاں اسے دو حصوں میں تقسیم کر دیا گیا ہے۔ جزو اوّل تمام تر صحیح تھا۔ کیا ہرج تھا اگر تبصرہ کو اسی پر ختم کر دیا گیا ہوتا ——— اس جزو کا بالکل آخری لفظ "تو" ہے۔ عبارت وہیں ختم کی جا سکتی تھی اسکے آگے کچھ نقطے دے کر اور سوالیہ نشان بنا کر۔ اس سے یقیناً اصلاح حال کی توقع کسی درجہ میں قائم ہو سکتی تھی ——— مخاطبین کم از کم وقتی طور پر تو ندامت محسوس کرتے۔

لیکن دوسرا پیراگراف؟ "نفاق" اور "ریاکاری" اور "بد ترین" سوائش لکھنے سے قبل ان الفاظ کا وزن (و) کا ثقل محسوس کرایا گیا ہوتا! العرض کیا یہ صحیح ہوں، جب بھی اس طرزِ نگارش سے آخر حاصل کیا؟ مخاطبین کی اس سے کسی درجہ میں بھی اصلاح ہوگی؟ یا بجائے ندامت و انفعال کے، آتشِ ضد اور غصہ پیدا ہو جائیگا، اور طبیعت الزامی جواب پر متوجہ ہو جائیگی؟ مگر ان جیسوں کو روا و رزشت کیسے سمجھا جائے لیکن مرزا بشیر احمد

اور مرزا بشیر احمد کے ذاتی اعمال کے علانیہ احتساب کی رَو اگر چل گئی تو امت کے غیر معصوموں میں سے کس کا پردہ ڈھکا رہ سکتا ہے؟ کس کا دفترِ عمل سیاہیوں کے داغ دھبوں سے خالی ہے؟ کسی میں کمزوریاں ایک قسم کی، کسی میں دوسرے قسم کی۔ اور اسکا علم صرف عالم الغیب ہی کو ہو سکتا ہے کہ سیاہ کس کا ہے اور سیاہ تر کس کا۔ قل کل یعمل علیٰ شاکلتہ فربکم اعلم بمن ہو اہدیٰ سبیلاً ——— یہ ایک مخلصانہ مشورہ ہے، جو ان دونوں پیراگرافوں کے لکھنے والے کی خدمت میں، انکے اخلاص کے اعتماد پر ڈرتے ڈرتے پیش کیا جا رہا ہے۔

سر محمد یعقوب مرحوم

پچھلے ہفتہ اخبار میں ناظرین سر محمد یعقوب کی اچانک وفات کی خبر پڑھ چکے ہوں گے۔ مرحوم علیگڑھ کے بہت مشہور "اولڈ بوائے" تھے۔ طالب علمی ہی کے زمانہ میں اپنی قومی خدمت کے جذبہ و ولولہ کے لیے مشہور کیا، یوں کہیے کہ بدنام ہو گئے۔ ساتھیوں میں لقب "قوم" پڑ گیا، اسی نام سے پکارے جانے لگے۔ اول اول شاہجہانپور میں وکالت شروع کی (ایل ایل بی ہونا اس وقت وکالت کے لیے لازمی نہ تھا) بولنے کی مشق تو تھی ہی، علمی مضامین بھی کبھی کبھی علیگڑھ میگزین میں لکھنے لگے۔ کچھ روز بعد اپنے وطن مراد آباد میں منتقل ہو آئے۔ اور قومی، سیاسی تحریکوں میں نمایاں حصہ لینے لگے۔ مدتوں اسمبلی کے ممبر رہے، اور ڈپٹی اسپیکر بھی۔ چند روز وائسرائے کی ایگزیکیٹو کونسل میں رہے، اور اب حیدرآباد دکن میں مشیر اصلاحات آئینی تھے۔

ایک زمانہ میں مسلم لیگ میں بہت ممتاز تھے۔ اور علیگڑھ کا تو چھوٹا بڑا کوئی کام ہی ایسا نہ تھا، جس میں دخیل نہ ہوں۔ جوشیلے حلقوں میں بہت مطعون اور بار بار بدنام ہوئے۔ "ٹوڈی" اور "سرکار پرست" کہلائے۔ ان شاء اللہ یہ ساری بدنامیاں اور رسوائیاں آج لغزشوں اور گناہوں کا کفارہ و تلافی ہونگی۔ قریب کا سابقہ رکھنے، اور علیگڑھ کی بڑی چھوٹی مختلف کمیٹیوں میں ساتھ رہنے سے پتہ چلا، کہ دل بڑا اچھا پایا تھا۔ اور جہاں تک عقائد کا تعلق ہے، پورے اور پختہ مسلمان تھے۔ یونیورسٹی کورٹ کی ایک میٹنگ میں ایک "روشن خیال" مراد آبادی ممبر کے جواب میں اسلامی معاشرت و آداب حجاب کی حمایت پورے زور و قوت کے ساتھ کی۔ دینی تعلیم کی اصلاح و تنظیم کے لیے بڑی کوشش کرکے ایک تحقیقاتی کمیٹی قائم کرائی۔ اور بعض بڑے بڑے ہمت شکن حالات کے باوجود اپنی والی پوری سعی اصلاح نصاب وغیرہ کی کرڈالی۔ مسلمانوں کے شریک و ہمدرد ہر حال میں رہتے اور امت کی فلاح و بہبود کے خواہاں۔ انفرادی و اجتماعی دونوں صورتوں میں رہا کرتے[1]۔ اپنی ذات سے جتنا بھی زیادہ سے زیادہ فائدہ اہل ملت کو

---

[1] عصبیت کی ایک مثال یاد پڑ گئی۔ ۱۹۳۰ء کے نصف آخر میں مسٹر وٹھل بھائی پٹیل کو نکالی (اسپیکر اسمبلی) نے واڈرٹ کو "ریٹ ہوم" دیا، اور گاندھی جی بھی ان دنوں بڑے سے بڑے کانگریسی لیڈران کو اس میں مدعو کیے وہ شریک نہ ہوئے (مولانا) یعقوب مرحوم نے زور دیا، جھٹ خود بھی ایک ریٹ ہوم اسی کو دینے کا جلد اذن انتظام کر لیا، اور اس میں مسلمانوں کے سب سے بڑے لیڈر، مولانا

تعلیم و اشاعتِ قرآن

(نمبر ۲)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

اب کچھ دنوں سے "قرآن پڑھوایا جائے" "مسلمانوں کو قرآن سنایا جائے" کی آوازیں بلند ہو رہی ہیں۔ حالانکہ یہ نہیں جانتا کہ اس سے پہلے جو کچھ ہوتا رہا، کیا وہ قرآنی تعلیمات ہی کی اشاعت نہ تھی۔ ان لوگوں سے تو بحث نہیں، جنکے سامنے کوئی "تجارتی سیکرٹ" "ورز بزنس کا راز" ہے، لیکن ارباب اخلاص سے میرا سوال ہے کہ وہ مرض و اسبابِ مرض کی تشخیص کے وقت ذرا اپنی نظر اُن اسلامی ممالک کی طرف کیوں نہیں پھیرتے جہاں کی مادری زبان قرآن کی زبان ہے۔ عرب والے، مصر والے، الجیریا، ٹیونس والے مسلمان تو بلے پڑھے بھی قرآن کو سمجھتے ہیں، لیکن ہندی مسلمانوں کے مقابلہ میں وہ کن سے اچھے نمونے پیش کر رہے ہیں۔ بلکہ کتنے راویوں سے سنتا ہوں کہ اُن ممالک کے مقابلہ میں ہندوستان کا مسلمان، مسلمان ہونے کے لحاظ سے شاید سراہنے کا مستحق ہے۔ قرآن سے متاثر ہونے کے لیے جن شرائط کی ضرورت ہے اُن سے قطع نظر کر کے صرف "قرآن پڑھو اور پڑھاؤ" کی دعوت میں نہیں جانتا کہ کس حد تک اسکے ساتھ اچھے توقعات قائم کیے جا سکتے ہیں۔ ہمیں سوچنا چاہیے کہ الفاظ اور انکے معانی کی حد تک تو قرآن کو ابوجہل بھی سمجھتا تھا، بلکہ قریش کا یہ سردار اور خالص حجازی عرب جسقدر عربی زبان کی نزاکتوں کو پا سکتا تھا ظاہر ہے کہ اس زمانہ کا بڑے سے بڑا ادیب بھی اُس کیفیت کو حاصل نہیں کر سکتا۔ لیکن باوجود اسکے وہ ابوجہل کا ابوجہل ہی رہا۔ ہمیں سوچنے کی جو چیز ہے وہ یہ نہیں کہ قرآن مسلمانوں تک کیسے پہونچایا جائے، بلکہ سوچنے کی بات یہ ہے کہ مسلمان قرآن تک کیسے پہونچ سکتے ہیں۔ آپ قرآن کو الٹتے ہیں پلٹتے ہیں، کبھی ترجمہ کرتے ہیں، کبھی تفسیر لکھتے ہیں، کوئی صاحب نزولی ترتیب کی تلاش میں سرگرداں ہیں، کوئی مطالب القرآن کی تبویب و تفصیل کے درپے ہیں۔ ترجمۃ القرآن کی جگہ "قرآن کی ترجمانی" کی راہ کسی جگہ بنائی جا رہی ہے۔ الغرض سارا زور قرآن کے بدلنے پر خرچ ہو رہا ہے۔ لیکن جنکے بدلنے کی ضرورت ہے اُس کی طرف کم نگاہیں پہونچ رہی ہیں۔ اور کیا عرض کروں۔ مجھے قرآن پڑھنے والوں کے اس گروہ کے متعلق بالکلیہ بدگمانی بھی نہیں ہے۔ ان میں ایک بڑی تعداد مخلصین و صادقین کی ہے۔ لیکن باوجود اسکے ان میں زیادہ تر ایسے حضرات ہیں جن میں خود کوئی تبدیلی نہیں ہوئی ہے۔ اور جو خود غیر مبدل ہو، وہ دوسروں کو کیا بدل سکتا ہے۔

خفتہ را خفتہ کے کند بیدار

دین ایک زندہ پیغام ہے، جسے زندوں ہی سے حاصل کیا جا سکتا ہے —— اب سنئے صاحب، اگر آپ واقعی سننا چاہتے ہیں یا سنوانا چاہتے ہیں۔ قرآن ایک خاص قسم کی کتاب ہے۔ آدمیوں کی نہیں ہے کہ آپ اسکو انسانی نوشتوں کی طرح استعمال کریں۔ اس کا ایک حال تو یہ ہے کہ پڑھتے چلے جائیے، آپ کو سوائے چند محدود باتوں کے جنھیں مسلسل بار بار دہرا دہرا کر بیان کیا گیا ہے، اور کچھ نہ ملیگا۔ اسی لیے قرآن کی سطروں سے جو چاہتا ہے کہ جیسے انسانی کتابوں میں ہر سطر ایک نیا معلوم عطا کرتی ہے، قرآن بھی اسے نئے نئے معلومات فراہم کرتا چلا جائے۔ تو پڑھئے! ان کا جو گروہ اس وقت میرے سامنے ہے اُسکو سخت ناکامی ہوگی۔ وہ اکتا جائیگا کہ آخر ایک ہی بات کو کہاں تک پڑھتا جاؤں۔ اور یہی حال اُن لوگوں کا جنکے لیے قرآن کو الٹا پلٹا جا رہا ہے یہی ہے۔ لوگ چاہتے ہیں کہ عوام کی اس طلب کو قرآن سے پوری کریں۔ لیکن نہیں کر سکتے۔ اسی لیے رنگ بدلتے ہیں، لہجہ بدلتے ہیں، الغرض تصنیفی چابکدستیوں کے سارے کرتب خرچ ہو رہے ہیں لیکن بات نہیں بن پڑتی۔

مگر اسی قرآن کا ایک اور حال ہے۔ ان لوگوں کے لیے جو بدل چکے ہیں۔ انکے لیے قرآن کے صفحات ہی نہیں سطریں بھی نہیں بلکہ شاید ہر فقرہ ہر آیت ایک جہان نو عطا کرتا ہے۔ میں اسکی مثال اللہ میاں کے کام سے دیا کرتا ہوں۔ آپ چلیے، اللہ میاں کی بنائی ہوئی اس زمین پر چلیے۔ آپ کو ہر جگہ وہی خاک وہی دھول، وہی مٹی، وہی چند روئیدگیاں، تھوڑی تھوڑی دور پر کچھ پہاڑ کچھ ندیاں کچھ نالے، کہیں کہیں دریا سمندر نظر آئیں گے۔ مگر ان چند چیزوں میں بھی وہی تکرار کا عارضہ ہے۔ گنتی کی چند چیزیں ہیں، وہی دکن میں بھی ملتی ہیں، جھانسی میں بھی، پنجاب میں بھی، یوپی میں بھی، بہار میں بھی، بنگال میں بھی۔ بسا اوقات دل کے تازہ واردوں کو اکثر سیاحت کا خبط سا ہوتا ہے۔ خدا جانے دل میں کیا کیا دعوے بنائے ہیں کہ ہر شہر ہر گاؤں ہر صوبہ ہر ملک میں انکو خدا جانے کیا کیا نئی نئی چیزیں نظر آئیں گی، لیکن دو تین چکروں کے بعد ہی معلوم ہو جاتا ہے کہ یہاں بھی مٹی وہاں بھی مٹی یہاں بھی پہاڑ، وہاں بھی پہاڑ، یہاں بھی پانی کا تھوڑی تھوڑی دور پر ذخیرہ، وہاں بھی یہی۔ اکتا جاتی ہے طبیعت۔ اور بجز ضدیوں کے سیاحت کا یہ خبط دلوں سے نکل جاتا ہے۔ اسی لیے ضدی طبیعت والے بھی اپنی تسلی کے لیے ڈھونڈ ڈھونڈ ڈھونڈ کر چاہتے ہیں کہ کوئی انوکھی چیز حاصل کریں۔ نہیں ملتی ہے تو باتوں کے زور سے اُسے نئی بنا لیتے ہیں، اور اپنی سیاحتی مصیبتوں کی قیمت انھیں گپوں کے ذریعہ سے حاصل کرتے ہیں، جنکے متعلق سعدی کا قدیم شعر ع جہاندیدہ بسیار گوید دروغ۔ اور وہی بات کہ دو چمچہ آب ست ایک چمچہ دوغ۔ پنجاب کی لسی کا حال، کہ ایک چمچہ دہی اور بیس گلاس پانی۔

مگر اسکے مقابلہ میں زمین کے اسی کرہ پر کچھ وہ لوگ بھی آباد ہیں کہ جو ایک ایک کھیت، اور کھیت کی ایک ایک کیاری سے عجائب

اور طرح طرح کے پھل رکھتی بھی، دودھ بھی، شکر بھی، ترشی بھی، تلخی بھی، گوشت بھی، نمکین بھی۔ الغرض وہ سب کچھ جسکی آدمی کو ضرورت ہے، اسی خاک دھول کے مجموعہ سے سب کچھ [illegible] کائنات روحانی کے نام سے ایک چھوٹی سی کتاب قرآن کے ان ہی

[illegible] دیکھ کر میں نے لکھی تھی ۔ دراصل وہ حضرت علی کرم اللہ
[illegible] ایک مشہور حدیث کی شرح تھی ۔ معلوم نہیں اب یہ رسالہ کہیں ملتا بھی ہے
یا نہیں [illegible] پریس دیوبند سے شائع ہوا تھا ۔ غالباً مولوی منظور نعمانی
[illegible] پاس کچھ نسخے ہوں ۔ تفصیل مقصود ہو تو اس مختصر رسالہ کو
پڑھ لیجیے ۔

[illegible] ذاتی تجربات کی بنا پر مجھے قرآن میں دو الگ الگ کیفیتیں محسوس
ہوئیں [illegible] جن کی دوسری شکل قرآن سے ہر شخص کا کام نہیں مثلاً یہ
[illegible] سکتا ہے جو قرآن کا واقعی عالم ہو ۔ زندگی کا ایک معتدبہ حصہ ان
[illegible] کے ساتھ جو اس استفادہ کے لیے ضروری ہیں قرآن کے
مطالعہ میں اس نے صرف کیا ہو بلکہ کثرت [illegible]
پیش ہوئی ۔ اسکو مطالب قرآن کی کلید مل جاتی ہے ۔ اور جس وقت
دیکھتا ہے وہ جز قرآن سے نکال لیتا ہے جو اس میں مستور ہے ۔ ظاہر ہے
کہ اگر ترجمہ وغیرہ کا کام ان لوگوں کے لیے کیا جاتا ہے تو فضول ہے کہ
اسلئے یہی ابتدائی خبر طلب ہے کہ اسلام کے فروع و اصول کا ماہر ہو
آج اس مادی دنیا (یا خدا کے کام) سے بھی تو ہر شخص وہ نتائج پیدا
نہیں کر سکتا جو ایک ماہر سائنٹسٹ کے ساتھ مخصوص ہے ۔

اب ہمارے عوام جن بیچاروں کو بجز چند گنی گنائی باتوں کے قرآن
کی سورتوں میں اور کچھ نہیں ملتا ۔ انکے لیے قرآن کے استعمال
کا دوسرا طریقہ ہے ۔ اب میں کیسے سمجھاؤں ۔ تاہم مثال سے شاید
سمجھ میں آئے ۔ دواؤں میں آپ نے سنا ہوگا کہ بعض دوائیں بہ طور
امرت دھارا کے ہوتی ہیں ۔ بعضوں کا کام یہ ہے کسی دوسری دوا کو
زود اثر بنا دے ۔ اطباء ان کو بدرقہ کہتے ہیں ۔ یا یوں سمجھیے کہ غذاؤں
کے ساتھ جو پانی کا حال ہے کہ بدن کے تحلیل ہونے والے اجزا کی
تکمیل و تلافی تو غذا سے ہوتی ہے ۔ لیکن غذا کو ہضم کرانے اور رقیق کرنے
جسم کے گوشہ گوشہ ریشہ ریشہ میں پہونچانے کا کام پانی انجام دیتا ہے
بس کچھ یوں ہی سمجھیے کہ وہی چند باتیں جو کھلی کھلی قرآن میں ملتی ہیں اور
جن پر ابا نجات کا دار و مدار ہے ۔ جسے آپ جس زبان میں چاہیں
چند الفاظ میں لوگوں کو سمجھا سکتے ہیں ۔ لیکن ان ہی چند باتوں کے
ہضم صحیح کے لئے ضرورت ہے کہ بار بار قرآن کا بدرقہ اسے دیا جائے ۔
تجربہ یہ بتاتا ہے کہ عوام کے لیے قرآن سے بڑھ کر ایمانی حقائق کو مومن
کے دل میں جذب کرانے کی کارگر تدبیر دوسری نہیں ہو سکتی ۔ اگرچہ
بعض صوفیہ اسکے لیے سماع سے بھی کام لیتے ہیں ۔ اور اس میں شبہ
نہیں کہ شعر خصوصاً نغمہ اور موسیقی کے ساتھ خیالات کے جاں گزیں
کرانے میں خاص اثر رکھتا ہے ۔ لیکن سوڈا واٹر بھی واٹر ہی ہے اور
بظاہر قدرتی پانی سے زیادہ تیز بھی معلوم ہوتا ہے لیکن قدرت نے ہضم
کی جو خاصیت پانی میں رکھی ہے وہ بات اس غریب سوڈا واٹر میں
کہاں ۔ ہاں اگر کسی نے اپنا معدہ اتنا بگاڑ لیا ہے کہ قدرتی چیزوں سے
اسے مناسبت نہیں رہی ہے وہ بیچارہ تو معذور ہے کہ صحت کے حاصل کرنے
تک مصنوعی پانی (سوڈا واٹر) وغیرہ استعمال کرے ۔ لیکن یہ مرض کی علامت
ہے ۔ لیکن قرآن میں زود تاثیری یا زود ہضمی کی جو کیفیت ہے کیا آپ اسکو
اردو میں منتقل کر سکتے ہیں ؟ تیرہ سو سال کا تجربہ ہے کہ یہ ناممکن ہے ۔ آپ
ان مطالب کا ترجمہ دوسری زبان میں ادا کر سکتے ہیں جو قرآن کے ظاہر الفاظ
سے پیدا ہوتے ہیں ۔ لیکن یہ تو بیچ ہی کر رہ گئے ۔ ایسی باتیں ہونگی جن سے
بجائے نفع کے ممکن ہے کہ پڑھنے والے الٹ جائیں ۔ ایمانی حقائق کو
اعمال روح تک پہونچا دینا کہ جڑ پکڑ لے ۔ ایسی مضبوط جڑیں کہ آسمان و
زمین کی ساری قوت اگر انکے اکھاڑنے پر آمادہ ہوں تو ان جڑوں کا ہلنا
ناممکن ہو جائے ۔ بلاشبہ بالخاصیت قرآن کی تاثیر ہے لیکن اس تاثیر
کو آپ کسی دوسری زبان میں لفظاً منتقل نہیں کر سکتے ۔ آج تجربہ صدیوں پر
صدیوں پر انسانی قومیں ختم ہوئی ہیں ۔ انہوں نے بھی آزمایا ۔ لیکن آزمانے کے
ساتھ نتیجہ کچھ نہ نکلا ۔ یہ حضرات پھر آزمودہ را آزمودن کے میدان
میں آتے ہیں ۔ دوسرے میدانوں میں سرپٹ جانے والے ٹٹو اگر
معلوم ہو جائے کہ قرآنی میدان میں بھی وہ کامیاب ہوگا، تو تجربہ سے
پہلے یہ دعویٰ کا محل نہیں ہے ۔ کہ تجربہ خود بتا دیگا کہ

نہ ہر جائے مرکب تواں تاختن
کہ جاہا سپر باید انداختن

میری گفتگو طویل ہو گئی ۔ لیکن میں تو چپ تھا اور چپ ہی رہتا
لیکن جو ہم بھرے بیٹھے تھے تو نے ہمیں ناحق چھیڑا ۔ جب چھیڑ
چکے تو اب سنیے اور طوالت کا گلہ نہ کیجیے ۔ اب آمدم بر سر مطلب ۔
جب قرآن کے متعلق میرا یہ خیال ہے کہ جس لحاظ سے وہ عوام کے حق
مفید ہے یہ فائدہ عوام کو ترجمے کے ذریعہ سے نہیں پہونچایا جا سکتا
اور قرآنی حقائق سے جو لوگ نفع اٹھا سکتے ہیں وہ آپ کے ان ترجموں
سے مستغنی ہیں ۔ تو پھر اس ہنگامے سے کیا نفع ۔ ایک حد تک نیم پختہ
مولویوں وغیرہ کے لیے یا یوں ہی کسی کا جی چاہے کہ میں ترجمہ بھی
دیکھتا چلوں ۔ چند بزرگوں کے ترجمے اردو میں شائع ہو چکے ہیں جو
کافی و وافی ہیں ۔ لیکن سو سال کے تجربات بتا رہے ہیں کہ ان ترجموں
سے عوام کو بدرقہ کا وہ فائدہ نہیں پہونچ سکتا ۔ حالانکہ عام استعمال
اسکا بھی ہے ۔ میرا ادراک سے چونکہ یہی خیال ہے اس لیے بجائے
اسکے کہ قرآن کو بدلا جائے یا دوسرے لفظوں میں یوں کہیے کہ اللہ میاں
کو نیچے اترنے کا مشورہ دیا جائے، یہ زیادہ بہتر ہے کہ خود اللہ کے بندے
ہی کچھ تکلیف فرمائیں ۔ یعنی اتنی عربی سیکھ لیں کہ براہ راست جسکی
بدولت قرآن سے متاثر ہونے کا انکو موقع مل جائے ۔

(باقی آئندہ)

سلہ یہ عجیب بات ہے کہ ان لوگوں کے سامنے قرآن اپنی ان بے پایانیوں کے ساتھ رونما ہوتا ہے ۔ ان کے لیے قرآنی مطالب کا سمیٹنا ناممکن ہو جاتا ہے ۔ اسی میں
اس حقد کی کوئی تفسیر نہیں ملتی ۔ [illegible] مقامات [illegible] میں نظر پڑی کہ شیخ اکبر کی تفسیر (۶۰) جلدوں میں [illegible] اب تک مصر میں موجود تھی ۔ باقی عام تفسیریں عوام
کے لئے لکھی گئی ہیں ۔ [illegible] گویا عربی زبان ہی میں قرآن کے اردو تفصیلی و تشریحی تراجم ہیں ۔
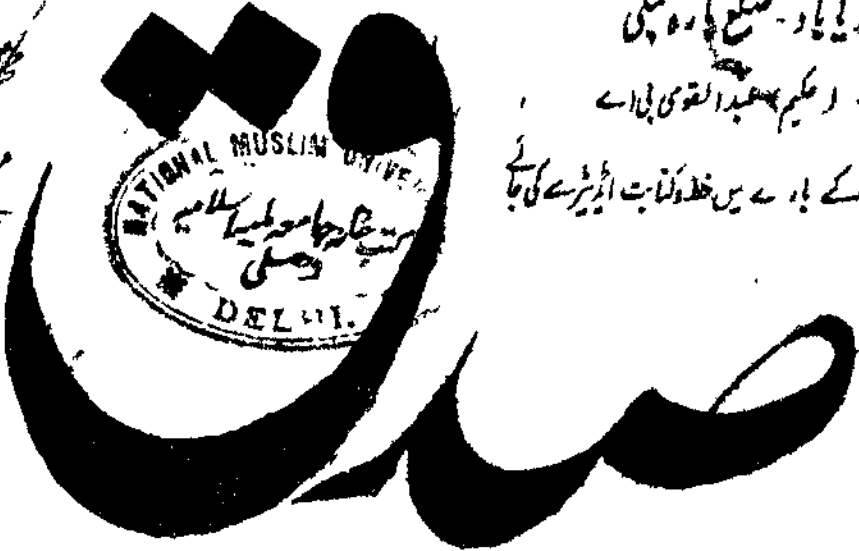
سچی باتیں

حال میں ایک وناہیے سفر کا اتفاق ہوا تھا، واپسی میں سہارن پور اسٹیشن سے ایک نوعمر سکھ کا ساتھ اسی درجہ میں ہوا۔ الہ آباد وہ ایک انگریزی امتحان کی شرکت کے لیے جا رہا تھا۔ اسٹیشن تک انگریز ٹیوٹر پہونچانے آیا تھا۔ راستے میں اپنے ایک ہندو ساتھی سے فرفر انگریزی میں، اور ہم مسلمان ہمسفروں سے شستہ شستہ اردو میں باتیں کرتا رہا۔ لڑکا ۲۰ ہی سال کا ہوگا، لیکن صورت سے کئی سال زائد معلوم ہو رہی تھی۔ یہ اس لیے کہ چہرہ پر پوری داڑھی تھی! داڑھی؟ جی ہاں داڑھی! لڑکا ایک اونچے امتحان کے لیے جا رہا ہے، اور چہرہ پر مونچھیں ہی نہیں، داڑھی بھی موجود، داڑھی بھی ایسی جس کا ایک بال بھی قینچی کا زیر بار احسان نہیں! ـــــ مسلمان طلبہ اس خبر پر یقین کرینگے؟ اس خبر اور اس روایت کو تو ممکن ہے کہ غلط بھی سمجھ لیں۔ لیکن خود اپنے مشاہدہ کو کیا کرینگے؟ جس مقابلہ اور غیر مقابلہ کے امتحان میں جائیں، سکھ امیدواروں کو دیکھ لیں، یہی شکل ملیگی۔ اپنی آنکھوں کو کہاں تک جھٹلائینگے؟ داڑھی انکے مذہب کا حکم ہے، اور وہ اپنے مذہبی حکم کی پابندی کر رہے ہیں۔ یہ "آزاد خیالی" تو بیچارے ہمارے ہی حصہ میں آئی ہے!

اتنا ہی نہیں کہ چہرہ پر داڑھی تھی۔ سر پر سکھوں والی پگڑی بھی تھی! نہ ہیٹ تھی نہ سر ننگا تھا۔ سر پر پگڑی بھی تھی، اور بالوں میں کنگھی گھسی ہوئی۔ غرض یہ کہ سکھ نوجوان، اپنی انگریزی قابلیت کے باوجود، پوری طرح سکھ تھا۔ باطن میں بھی سکھ اور ظاہر میں بھی، دیکھنے والا جب دیکھے سکھ ہی سمجھ سکے! ـــــ اسے یہ جرأت نہ ہوا کہ دوسری قوم والے اسکی وضع قطع پر ہنسینگے، اسے یہ دغدغہ نہ محسوس ہوا کہ انگریز ہم جماعت، انگریز معلم اسکی داڑھی اور پگڑی کو دیکھکر بری رائے قائم کر لینگے، دل میں ذلیل کریں گے۔

وہ خود اعتمادی کی نعمت سے مشرف تھا۔ اسے اعتقاد اور یقین تھا اپنے مذہب کی سچائی پر، اور اپنے مذہب کی بتائی ہوئی معاشرت کی سچائیوں پر، اسکا دل و دماغ مفلوج، اور غیروں سے مرعوب نہ تھا۔ اپنی داڑھی اور پگڑی کو وہ حقیر نہیں، عزیز رکھتا تھا ـــــ غیروں کے غلام، زر خرید غلام بننے کی، اور ہر عقلی، اخلاقی، اعتقادی غلامی پر فخر کرنے کی، اسے اپنی "روشن خیالی" کی سند، اور "آزاد خیالی" کی دستاویز سمجھ کر پیش کرنے کی لعنت تو ہمارے ہی حصہ میں آئی ہے!

اسلام کا دارومدار یقیناً نہ داڑھی پر ہے نہ پگڑی پر۔ نہ سر و چہرہ کی کسی خاص وضع پر، نہ بالوں کی کسی خاص قطع پر۔ اور جو کوئی انھیں ارکان دین کے درجہ میں رکھتا ہے، وہ یقیناً بہت زیادتی پر ہے۔ لیکن دوسری طرف یہ بھی حقیقت ہے کہ ہمارا دین زندگی کے حق میں ایک ہمہ گیر دین ہے۔ اس نے غذا، لباس، مکان، وضع و قطع، معاشرت، زندگی کے کسی ادنیٰ سے ادنیٰ شعبہ کو بھی اپنی گرفت سے باہر نہیں چھوڑا ہے۔ ہر ہر شعبہ سے متعلق اسکے احکام ہیں، قوانین ہیں، حلال و حرام کے ضابطے ہیں، اور ان سے اتر کر کراہت و استحباب کے آداب ہیں، پسندیدگی ہے، ناپسندیدگی ہے، سفارشیں ہیں، قومی و ملی تشخص کی تاکیدیں ہیں، ترغیبیں ہیں۔ غیروں کے اثر سے بچنے کی ممانعتیں ہیں۔ منکروں اور معاندوں کے علمی، ذہنی، تمدنی غرض کسی قسم کے بھی رعب میں آ جانے کی مخالفتیں ہیں۔ توحید سے انکار کرنے والوں، رسالت کے جھٹلانے والوں، آخرت کے نہ ماننے والوں کے تمدن و معاشرت میں ضم ہو جانے پر وعیدیں ہیں تہدیدیں ہیں ـــــ حیف ہے کہ مسلمان آج

خود اپنے وجود سے شرمندہ اپنی اسلامیت پر خجل، اپنے شعار قومی و ملی کو عیب سمجھ کر بے دھڑک اور بے تحاشا غیروں کی نقالی پر اتر پڑا ہے، اور اللہ کی باندھی ہوئی حدود کو ادھا دھند توڑتا چلا جا رہا ہے!

حکومتِ الٰہیہ کا داعی!

مولانا مودودی کے ایک معتقد لیکن اپنے ایمان کو تا بہ ہر بشری عقیدت پر غالب رکھنے والے صاحب لکھتے ہیں:-

"ایک دل شکن خبر آپ کو سناتا ہوں۔ ۱۸ دسمبر کے انڈین لسنر میں حضرت مولانا مودودی مدظلہ العالی کا فوٹو نکلا ہے۔ یہ فوٹو جس قدر گمراہی کا سبب بن سکتا ہے، بالکل ظاہر ہے۔ مگر تحقیق سے پہلے اظہار خیال کرنا مولانا کی ذات پر ظلم کرنا ہوگا۔"

لیکن تحقیق کس امر کی؟ کیا ایسکی کہ ریڈیو والوں نے (انڈین لسنر ریڈیو کے ہندوستانی انگریزی رسالہ کا نام ہے) سربراہ جماعت اسلامی کی تصویر کسی جبر سے یا مکر سے بغیر انکے علم و اجازت کے شایع کر دی؟ کوئی سرکاری حلقہ ایسی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور ریڈیو والے تو اس باب میں بہت محتاط ہیں۔ وہ فوٹو کی فرمائش تو اپنے ہر آرٹسٹ، ہر گویئے، ہر مقرر سے کرتے ہیں، اور جب کوئی انکار کر دیتا ہے، تو بس خاموش ہو جاتے ہیں۔ اس آرٹ نوازی کے مظاہرہ میں ان لوگوں پر ملامت کی تو کوئی گنجائش ہی نہیں ——— لیکن ان معتقد صاحب نے اسے "گمراہی کا سبب" خواہ مخواہ کیوں قرار دے لیا جبکہ مولانا انشاءاللہ خود صاحب رائے و اجتہاد ہیں، اور خاص و کامل مومنین کی جماعت کے امیر، وہ ہم کمزور ایمان والوں کی طرح حدیث کے لفظ کو پکڑے ہوئے، رسول، صحابہ، تابعین کے تعامل اور اسوۂ عمل کو پکڑے ہوئے، تصویر کشی کو تہذیب اسلامی کے منافی سمجھنے ہی کیوں لگے؟ کیا آخر انکے قبل "روشن خیال" علماء نے اسکے جواز کا فتویٰ نہیں دے دیا ہے؟ حکومت اسلامی کے اس داعی کے اجتہادات تو اس سے کہیں بڑھے چڑھے ہوئے ہیں، یہ تصویر کشی کا مسئلہ تو پھر نسبتہً بہت ہلکا ہے۔ [یہ شذرہ پریس میں جا ہی رہا تھا، کہ مولانا کی تصویر ریڈیو کے اردو رسالہ آواز میں بھی آگئی! مولانا مائکروفون کے سامنے ننگے سر بیچ سے کھلی ہوئی مانگ، جھکی ہوئی آنکھوں، بند ہونٹوں کے ساتھ گویا بیٹھے ہی اس غرض سے ہیں، کہ تصویر کھنچوانا ہی مقصود ہے! اب اسکے آگے رسالہ آواز کے ایڈیٹر صاحب کی ستم ظریفی ہے کہ مولانا کو وسط میں کر کے داہنی طرف لاہور کے ایک گویئے کو جگہ دی ہے، اور بائیں طرف لکھنؤ کی ایک ناچنے گانے والی کو!]

"لندن کی ایک رات"

اس عنوان کے ماتحت، ہوائی حملوں کی زد میں آئے ہوئے ۔۔۔ والے لندن میں بسنے والے ایک ہندوستانی صاحب اپنی آپ بیتی سناتے ہیں:-

"... اس رات ہم سب دوست احباب کئی دن اور کئی رات کے متواتر حملوں سے تنگ آکر ایک نہایت پرتکلف ملی جلی ہندوستانی انگریزی دعوت کے انتظام میں مصروف تھے۔ مالکہ مکان نے اپنا باورچی خانہ اور اسکا سب سامان ہمارے حوالہ کر دیا تھا۔ اور اوپر کا بڑا کمرہ بھی ناچ کے لیے خالی کر دیا تھا کوئی ۵۰ عورتیں اور مرد... سب نے مل کر اپنے ہاتھ سے کھانا پکایا۔ کھانا کھا کر ہم لوگ ناچ رہے تھے کہ یکایک خطرہ کا سائرن بجا۔ پہلے تو ایک دم سب خاموش ہو گئے۔ مگر ناچ بند کیے بغیر۔ پھر ایک بولا، کیا صلاح ہے؟ ایک لڑکی نے جواب دیا، "ناچتے رہیں گے۔" چنانچہ ہم سب ناچتے رہے اور گانوں اور قہقہوں سے سارا مکان تو کیا سارا محلہ گونجنے لگا۔" (ہوائی حملے۔ مصنفہ آغا محمد اشرف ایم اے۔ شایع کردہ حالی پبلشنگ ہاؤس۔ دہلی)

اسی اقتباس سے کچھ اوپر کی سطریں:-

"تھوڑے دن کے بعد یہ معمول ہو گیا تھا کہ روز شام کے ساڑھے آٹھ بجے سائرن بجتا۔ دشمن کے ہوائی جہاز کی گھڑگھڑاہٹ سنائی دینے لگتی سرچ لائٹ کا جلتا ہوا جال آسمان پر بچھ جاتا۔ توپیں دغنے لگتیں۔ اور زمین آسمان ہل جاتے۔ اسوقت اگر سنیما ہوتا تو تصویر کا سلسلہ تھوڑی دیر کے لیے بند ہو جاتا اور پردہ پر یہ لفظ آ جاتے "ابھی ہوائی حملہ شروع ہوا ہے مگر یہ تصویر جاری رہیگی۔ جو لوگ پناہ خانہ میں جانا چاہیں انکا راستہ نیچے بائیں طرف کو ہے" مگر سب بیٹھے رہتے اور تصویر پھر جاری ہو جاتی (ص۸۳)

محمد شاہ غریب کا بس یہی قصور تھا، نہ، کہ نادر شاہ کے حملہ اور چڑھائی کی خبر سنتا رہا اور حملہ کی سرکاری رپورٹ کو "ایں دفتر بے معنی غرق مے ناب اولیٰ" پڑھ کر بدستور اپنے رنگ رلیوں میں لگا رہا؟ اور اسی قصور پر آپنے اسے "رنگیلے" کا خطاب دے ڈالا، اور خدا معلوم کیا کچھ کہہ ڈالا! حالانکہ نادر شاہ کی فوج اسوقت واقعی اچھے خاصے فاصلہ پر تھی ——— اب جا کر پتہ چلا کہ دشمن کی پیش قدمی کی خبر سن کر نہیں، عین بمباری کے وقت عین جانسوزی کے وقت (جبکہ بم کا ہر گولہ نادر کی ساری جانسوزیوں سے بڑھ کر جانسوز ہے) سنیما دیکھتے رہنے کے، گانے میں نہیں، ناچ میں مشغول رہنے کے، مرد و زن کے مشترک دھم دھم ناچ میں مصروف رہنے کے، جدید، فرنگی، و ترقی یافتہ تصور کے مقابلہ میں وہ قدیم مشرقی تصور بھی کسقدر ادنیٰ اور پست تھا!

ادب کے نام سے بے ادبیاں

معزز معاصر صداقت لکھتا ہے، اور کتنا سچ لکھتا ہے:-

"آجکل عریاں نویسی کا نام ادب لطیف اور غریبوں اور مزدوروں کے مرثیہ کا نام نیا ادب رکھا گیا ہے، اور کہا یہ جا رہا ہے کہ یہ نئے انقلاب کی بنیاد بنیگا۔ اس نئے ادب میں ہر پرانی چیز سے بے ادبی پہلا اصول ہے۔ اس بنا پر مذہب سے جو انسان کا سب سے پرانا سرمایۂ روح ہے، بے ادبی ناگزیر ہے۔ چنانچہ ہندو نوجوانوں کی دیکھا دیکھی مسلمان نوجوانوں نے بھی تفریح طبع کی خاطر اس بے ادبی سے دل بہلانے کی طرح طرح کی صورتیں نکالی

کی ہیں۔ کہیں ظرافت، کہیں تمسخر، کہیں شاعری اور کہیں معاشرت کے مسائل میں بذلہ سنجی کی جاتی ہے اور عموماً اس مشغلہ میں بے روزگار اہل قلم مصروف ہیں۔ دلی کے ایک نئے ادب کے رسالہ میں ابھی اسی بے ادبی کا نیا مظاہرہ کیا گیا ہے۔ یہ رسالہ اس دادا کے پوتے کی ادارت میں نکلتا ہے جو ندوی مرحوم کے بقول "مذہب کے بغیر لقمہ بھی نہیں توڑتے تھے"

ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بکجا!

پھر کیا مسلمان اس پر صرف افسوس کرکے رہ جائیں؟

سگرٹ اور معدہ کے زخم

دہلی کے مشہور طبی رسالہ ہمدرد صحت سے:—

"ڈاکٹر آرتھر ہرسٹ جو ایک نامور برطانوی طبیب ہیں، انکے تجربہ میں آیا ہے کہ اثنا عشری (معدہ سے ملحقہ آنت) کے زخم کے مریضوں کی ایک بہت بڑی تعداد ایسی تھی جو سالہائے دراز سے سگرٹ نوشی کے عادی تھے اور بکثرت پیتے تھے۔ چونکہ لوگ اس بات کو ماننے کے لیے تیار نہیں ہوتے کہ تمباکو معدہ اور امعاء کے لیے سخت مضر ہے، اس لیے نیو یارک (امریکہ) کے ڈاکٹر اے ٹن ایبرنفیلڈ اور ڈاکٹر نیلیس اشرنوبنٹ نے بطور خود تحقیقات شروع کی …… اب اس بات کی شہادتیں بکثرت مل گئی ہیں کہ سگرٹ نوشی کی وجہ سے معدہ کی تیزابی کیفیت میں اضافہ ہو کر معدہ کے زخم رونما ہو سکتے ہیں۔ اور یہ بھی کہ اسکی وجہ سے معدہ کے زخموں کے اچھا ہونے میں رکاوٹ پیدا ہوتی ہے۔" (دسمبر نمبر ۴۲ء)

جہاں سے یہ بلا آئی ہے، اب وہیں کے ڈاکٹر، ڈاکٹر اس زہر کے نتائج کے اعلان کرنے میں لگے رہتے ہیں!

جنگ کے بعد وبا

شکاگو (امریکہ) ۳۰۔ دسمبر۔ شکاگو یونیورسٹی کے صدر شعبۂ علم الامراض (پیتھالوجی) ڈاکٹر پال آر، کینن نے اعلان کیا ہے کہ یورپ پر عنقریب سخت وبائیں نازل ہونے والی ہیں۔ وہ فرماتے ہیں کہ غلط تغذیہ کے نتیجے عنقریب جنگ بھر کے علاقوں میں رونما ہو کر رہیں گے۔ یورپ کا جتنا علاقہ اسوقت تک مسخر ہو چکا ہے، اس میں استسقاء کا مرض پھیل چکا ہے، اور بچوں کے سوکھنے کی بیماری اور فساد خون (دااکعنز) کی نوبت خوفناک حدود تک پہنچ چکی ہے۔ امراض سارئیہ سے بھی موتیں ہر جگہ اضافہ پر ہیں، اور میعادی "ٹائیفائڈ" اور طاعون برابر بڑھ رہے ہیں۔" (رایٹر کی تار برقی)

اس متن کی شرح ایک دوسرے انگریز ڈاکٹر سیسل وی سیکنز کی زبان سے سنیے:—

"پناہ گزینوں کے انبوہ کے ساتھ ساتھ ٹیریا، ٹائیفس (بری تپ محرقہ) اور پیچش کے امراض کا وبائی شکل میں ایک ملک سے دوسرے ملک کو منتقل ہوتے رہنا لازمی ہے۔ پھر جو فوجیں اپنے ملک کو واپس ہوتی ہیں وہ اور جو قیدیان جنگ بادلہ میں چھوٹ کر اپنے وطن کو واپس پہنچتے ہیں وہ سب ان امراض کے پھیلانے والے ہوتے ہیں …. گذشتہ جنگ عظیم کے بعد صرف روس میں ایک مرض ٹائیفس سے مرنے والوں کی تعداد ۳۰ لاکھ کی تھی! اور ۱۹۱۹ء اور ۱۹۲۲ء کے درمیان تین برس کی مدت میں وادی دریائے والگا کی پوری چوتھائی آبادی لیریا کی نذر ہو گئی"

(تبصرۂ کتاب "میڈیکل ریلیف ان یورپ" سنڈے ہندو، مدراس ۲۹۔ نومبر ۴۲ء)

یہ گویا نوٹس ہے کھلے اور صاف لفظوں میں ہلاک جنگ کے بعد ہلاک تر دیا کا!—— اس دور ترقی سے بیشتر چشم انسانیت نے ہلاکتوں کے یہ طریقے کبھی کیوں دیکھے سنے ہونگے؟

جاپانی تعدد ازدواج

"ٹنگ کانگ۔ ۱۹۔ دسمبر۔ جاپان کی آخری مردم شماری جو اپریل میں ہوئی تھی اسکے اعداد سے معلوم ہوا کہ جاپان کی شہری آبادی (یعنی غیر فوجی) آبادی میں مرد و زن کا تناسب ایک اور پندرہ کا رہ گیا ہے۔ حکومت جاپان نے اس صورت کا علاج یہ سوچا ہے کہ شادیوں اور ولادتوں پر انعامات اور قرضوں کا سلسلہ جاری کرے" (رایٹر کی تار برقی)

ایک مرد کے لیے پندرہ عورتیں! ایک مرد کے لیے چار چار بیویوں کے مسئلہ جواز کو عورت کی توہین سمجھنے والے، فطرت نسوانی کے منافی قرار دینے والے "روشن خیال" اب قدرت کے ان ٹھوس مادی حقائق کی تبیان کو کیا کریں گے؟

سود در سود کی برکتیں

بنگال کی آئی ہوئی ایک خبر:—

"قصبہ کرتو میں …. فقیر نے سیٹھ …. ساہوکار سے ۱۵ روپیہ قرض لیے اور طے پایا کہ ۶ فی صدی ماہانہ سود در سود لگایا جائیگا۔ ۱۱ سال بعد جب شرائط کے ماتحت حساب لگایا گیا، تو معلوم ہوا کہ ۲۷ ہزار سے کچھ اوپر رقم واجب الادا ہے! اگر …. فقیر کی کچھ بھی حیثیت ہوتی تو ساہوکار صاحب پوری رقم کی وصولی کے لیے سرتوڑ کوشش کرتے، لیکن انھوں نے اسکی ناداری کے پیش نظر صرف تین سو روپیہ کا دعویٰ کیا۔ مولوی عبد العزیز صاحب نے صرف … فی صدی سود اور خرچہ شامل کرکے ۴۰ روپیہ کی ڈگری دیدی۔ گویا ساہوکار صاحب پھر بھی اصل سے "ڈھائی گنی" سے زیادہ رقم وصول کر لیگئے!"

یہ مثال تو پھر بہت ہلکی ہے۔ کلکتہ ہائی کورٹ میں تو ایک نظیر اسی ماہ ہوا اسکی مل چکی ہے، کہ اصل قرضہ کی رقم کُل ۲۲۵ روپیہ کی تھی، اور دعویٰ چند سال کا سود در سود ملا کر ہوا تھا ۲ لاکھ اور کچھ ہزار کا! مسلمان "روشن خیال" مسلم "سود سند" کانفرنس کے بانی اور ارکان، اب بھی چیخیں، ہیں کہ قوم جبتک "جواز سود" کی قائل اور قائل ہی نہیں، اس پر عامل بھی نہ ہو جائیگی، اسکا "روشن مستقبل" اس سے دور ہی رہیگا؟—— مثال کوئی نئی اور نظیر کوئی انوکھی یا اتفاقی تھوڑی ہی ہے۔ گھر کے گھر، خاندان کے خاندان، قوموں کی قومیں

اس سو دو سو کی چاکری کی نذر ہو چکے ہیں!

اُلٹی داد "مجھے تاریخ اسلام کی تدوین کے لیے وقت نہیں مل سکا۔ لیکن یہ ضرور ہے، اس کام کی اہمیت ہر وقت میرے پیشِ نظر رہی۔ بحمد اللہ کہ اس باب میں برادرِ محترم عبد الوحید خاں صاحب نے ہمت کی، اور انکی کوشش کے نتائج ہمارے پیشِ نظر ہیں۔۔۔۔ عوام کے جذبات کے بہاؤ کے ساتھ ساتھ چلنے والی تالیفات کی ترتیب نہ زیادہ مشکل ہوتی ہے نہ انکی مقبولیت مشکوک۔ لیکن مقبولیتِ عام کے جادہ سے نگاہ گوشہ سے ہٹا کر صرف حقیقت کو پیش کرنا بڑی آزمائش کا پڑتا ہوتا ہے۔" (ملخص)

یہ جدید و ضخیم تالیف "تاریخ انقلاب و سیاسیات اسلامی" کے ایک تقریب نویس پرویز صاحب نے اپنی تقریب میں فرمایا۔ کتاب اپنی سلیقیت، شفقان الحجری، کثرتِ تلمیحات، اور نقد سامانی کے لحاظ سے اپنی نظیر آپ ہی ہے۔ اور تاریخ صاحب کا دیباچہ دوسرے دیباچوں سے بہت غنیمت اور نسبۃً معتدل ہے۔ اس پر بھی انھوں نے یہ فرماکر کہ آپ گویا زمانہ کی ہوا کے مخالف ہے، کتاب کی کیسی نا قدری کر دی! اور مصنف کو کیسی اُلٹی داد دیدی! تقریب کے اس بحرانی دور میں انقلاب، بغاوت، اور آزادی تک اس ہیجانی ہنگامہ میں اس سے بڑھکر مقبولِ طبائع اور "مخالفتی" چیز تو کوئی اور اس دور سے بڑھکر ہو ہی نہیں سکتی کہ خلفاء راشدین کے بعد سے اسلام کو کوئی صحیح سمجھا ہی نہیں تھا، مفسروں نے یہ یہ غلطیاں کیں، محدثین نے یوں یوں ٹھوکریں کھائیں، صوفیہ یوں اور یوں بھٹکے، متکلمین نے فلاں فلاں حماقتیں کیں، ہر جماعت ایک احمقوں کی جماعت رہی ہے، عقل و دانش، حکمت و فرزانگی تو صرف میری کتاب کے صفحات میں ملیگی! کتاب کی "اشتہاریت" حیثیت تو اتنی واضح و صریح ہے کہ اب کتاب ہر خارجی اشتہار سے بالکل مستغنی ہے! مصنف کو محض داد ہی دینا منظور تھی، تو صحیح داد یہ بھی تو ہو سکتی تھی کہ مصنف نے زمانہ کی نبض خوب پہچانی، اور اپنے استاد سے بھی قدم آگے بڑھاکر امت اسلام اور خود تحریک اسلام کی شدید ناکامی کی ایسی تاریخ لکھ ڈالی جسکی بین تنا ہی میں اہلِ باطل کے سارے گروہ بیٹھے ہوئے تھے!

مُدیرِ "ساقی" کا معذرت نامہ

۲۔ جنوری کے سہ پہر کو جبکہ صدق کی تقریباً آخری کاپی لکھی جا چکی تھی، مُدیر رسالۂ ساقی کا ایک طویل رجسٹرڈ مکتوب موصول ہوا ہے۔ جس میں نومبر نمبر کے اس گندے مضمون پر اظہارِ معذرت ہے گو کسی قدر کمزور الفاظ میں۔ پورا مکتوب آیندہ ہی نمبر میں درج ہو سکتا ہے۔ مگر اس مکتوب سے زیادہ اہم اور ضروری تو خود رسالۂ ساقی ہی میں مُدیر موصوف کی طرف سے معذرت اور آیندہ کے لیے احتیاط و اصلاح کا وعدہ شایع ہونا تھا۔

سورۂ بقرہ، رکوع ۱۲

سلسلۂ صدق، ۲۱

(از عبد الماجد)

آیت	ترجمہ
۹۷۔ مصدقا لما بین یدیہ وھدی وبشری للمؤمنین۔	(وہ) تصدیق کرنے والا اس (کلام) کا جو اسکے قبل سے ہے اور ہدایت ہے اور خوشخبری ہے ایمان والوں کے لیے ۳۲۴
۹۸۔ من کان عدوا للہ وملٰئکتہ ورسلہ وجبریل ومیکال فان اللہ عدو للکافرین	جو کوئی مخالف ہو اللہ کا ۳۲۵ اور اسکے فرشتوں کا اور اسکے پیمبروں کا اور جبرئیل کا اور میکائیل کا ۳۲۶، سو اللہ (بھی) بیشک مخالف ہے (ایسے) کافروں کا ۳۲۷
۹۹۔ ولقد انزلنا الیک اٰیٰت بینٰت وما یکفر بہا الا الفٰسقون۔	اور بالیقین ہم نے آپ پر روشن نشانات ۳۲۸ اتارے ہیں، اور ان سے کوئی (بھی) انکار نہیں کرتا بجز نافرمانوں کے ۳۲۹

۳۲۴ یہاں کلام مجید نے اپنے تین خصوصیات متعین طور سے بیان کیے ہیں:- ایک یہ کہ وہ گزشتہ انبیاء، پچھلے صحیفوں کی تصدیق کرتا ہے۔ اُسکا پیام کوئی نرالا اور انوکھا نہیں، وہی توحید کا پرانا سبق ہے، جو سارے سلسلۂ وحی میں مشترک رہا ہے۔ دوسرے یہ کہ وہ بذات خود ایک ہدایت نامہ ہے۔ تیسرے یہ کہ وہ اہل ایمان کے حق میں ایک بشارت ہے۔

۳۲۵ عدو، بہ لحاظ مصدر ضد ہے دوستی و محبت کا۔ منافاۃ الالتیام (راغب) اور عدو بہ حیثیت اسم، مقابل ہے دوست کا۔ العدو شخص ضد الصدیق۔ (روح)۔ اسکے مفہوم میں انکار، نافرمانی، حق ناشناسی، سب داخل ہیں۔ مطلب یہ ہے کہ جو شخص بھی اللہ تعالیٰ کے ساتھ ایسا رشتہ و تعلق رکھے جو منافی ہے اُسکی محبت کے۔

۳۲۶ میکال یا میکائیل بھی جبرئیل کی طرح ایک فرشتۂ مقرب کا نام ہے۔ مشہور روایتوں میں آیا ہے کہ انکے سپرد مخلوق کی رزق رسانی اور بارش ہے۔ گویا جس طرح احکام تشریعی کے واسطۂ خاص حضرت جبرئیل ہیں، احکام تکوینی کے واسطۂ خاص میکائیل ہیں۔ پہلے کا تعلق خاص بارگاہ الوہیت سے ہے، دوسرے کا بارگاہ ربوبیت سے۔ توریت میں انکا ذکر بڑے تعظیمی لہجہ میں ہے۔ یہود نے اپنے سارے تعلقات انھیں سے جوڑے رکھے تھے۔ اور انھیں اپنا قومی محافظ سمجھتے تھے۔ یہود نے جب حضرت جبرئیل کے حامل وحی ہونے سے انکار کیا تھا (ملاحظہ ہو حاشیہ ۔۔) تو اپنی عداوت و رغبت کا اظہار انھیں دو فرشتوں کا نام لے کر کیا تھا۔ اسی مناسبت سے جواب میں بھی تصریحاً انھیں دونوں کے نام کی ہے۔ اور ساتھ ہی ایک عام قاعدہ تمام معصوموں (یعنی انبیاء و ملائکہ) سے متعلق بیان کر دیا گیا۔

اہل لغت نے لکھا ہے کہ حرف واوٗ ہمیشہ جمع ہی کے لیے نہیں آتا، کبھی معنی "یا" کے بھی دیتا ہے تکون بمعنی او (قاموس)

چنانچہ اس آیت میں چاروں جگہ اسی معنی میں ہے۔ یعنی ان اسماء کا

"افکار و سیاسیات اسلامی"

(از جناب مولانا عبد[illegible] صاحب قادری بدایونی کے قلم سے)

محبی و مخلصی جناب مسٹر عبدالوحید خاں صاحب بی اے اُن نوجوانوں میں ہیں جن کی اکثر توجہ اسلامی علمی و سیاسی کتب کی ترتیب و تصنیف میں صرف ہوتی رہتی ہے۔ اُنکی پہلی کتاب "جنگ آزادی" ایک ایسا نقش اوّل تھا جس سے بعد کے لکھنے والوں نے بہت کچھ استفادہ کیا۔ یہ کتاب دوبارہ طبع ہوئی اور ارباب فکر و نظر میں کافی مقبول ہوئی اور ملک کا بیشتر حصہ اُنکی علمی محنت، کاوش اور مسائل کی تحقیق کا معترف ہو گیا۔ موصوف نے ایک سال کی پیہم محنت و خاموشی کے بعد ایسے زمانہ میں جبکہ کاغذ کمیاب ہو گیا ہے "افکار و سیاسیات اسلامی" کے نام سے ۸۹۵ صفحات کی ضخیم کتاب طباعت و کتابت کی پوری دل آفرینیوں کے ساتھ طبع کرا کر پیش فرمائی۔ ایک جلد مجھے بھی اپنے تلطفات مودت کے باعث عنایت کی۔ میں نے پنجاب کے سفروں میں ۲۶ نومبر سے ۱۵ دسمبر تک کتاب کا اکثر و بیشتر حصہ پڑھا۔ اس میں شک نہیں کہ مولف نے جس موضوع پر یہ کتاب لکھی ہے وہ اپنی بعض خصوصیات کے لحاظ قابل تعریف ہے۔

ملوکیت ملوکیت اور مسلم سلاطین کی شہنشاہیت پر جو تبصرہ کیا گیا ہے وہ الحق مرّ کے مصداق کڑوا اور گراں معلوم ہوتا ہے مگر ارباب تنقید کے نزدیک حقائق سے چشم پوشی کرنا جرم اور شان تبصرہ کے منافی ہے۔ بلا شبہ ہمارے سلاطین اور شہنشاہوں نے اپنی اغراض کی خاطر عام طور پر اسلامی فرائض و احکام کو پس پشت ڈال کر خلافت راشدہ کی روح کو مردہ کر کے اُس شہنشاہیت کی بنیاد ڈالی جسکے عواقب تیرہ صدیاں گزر جانے کے باوجود آج تک عالم اسلامی بھگت رہا ہے اور سرچشمۂ قرآنی سے بعید ہو چکا ہے۔ لیکن یہ شہنشاہیت مغرب کی شہنشاہیت کے مقابلہ میں کہیں زیادہ بہتر تھی۔ اس بحث کے تحت مؤلف نے حضرت سیدنا امیر معاویہؓ پر جو کڑی نکتہ چینی کی ہے وہ ایک ایسے صحابی رسول ہونے کے لحاظ سے جسکا مقام صحابیت حضور انور صلی اللہ علیہ وسلم کے صریح الفاظ میں نمایاں ہو چکا ہو مقام ادب و احترام سے بعید ہے۔ محققین و مفکرین اسلام کے نزدیک سیدنا امیر معاویہ رضی اللہ عنہ کا یزید جیسے فاسق کو اپنا جانشین کر دینا ایک بشری خطا کہی جا سکتی ہے۔ کیونکہ غیر نبی معصوم نہیں لیکن درجۂ صحابیت کے لحاظ سے اُن کی اہانت صحیح نہیں ہو سکتی۔

تنزیل قرآن اور مفسرین و محدثین مولف نے تاریخ تنزیل قرآن و تفسیر و تدوین حدیث کے ابواب میں جو بحثیں کی ہیں اُنکا انداز بیان بھی بڑی حد تک نازیبا بلکہ مفسرین و محدثین کی خدمات جلیلہ پر بے جا حرف گیری کے مصداق ہے۔ یہ ناگزیر زمانہ سرکار رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم میں فن تاریخ مدون نہ ہونے کے باعث بعد کے مفسرین نے کہیں کہیں اسرائیلیات کو داخل و شامل کر دیا لیکن بحیثیت مجموعی اُنکی خدمات تفسیر و حدیث کو فراموش کر دینا ایک ایسے طبقہ پر ظلم عظیم ہے جسکے احسانات دنیائے اسلام کسی طرح نہیں بھول سکتی۔ محدثین نے فن اسماء الرجال کے جو اصول مدون فرمائے اور ہزاروں صحابیوں کے حالات قلمبند فرما کر ایک ایسا تاریخی ذخیرہ فراہم کر دیا کہ آج کا موجودہ دور ابتدا سے اسی پر ہی قائم ہے۔ روایت کی صحت و عدم صحت کے لیے جو کتابیں مرتب کیں اُنکے مطالعہ سے شبہات کا آسانی سے ازالہ ہو سکتا ہے۔ چند کتابوں کے تراجم یا بعض اقوال کے سطحی استنباط سے مفسرین و محدثین پر نقد و تبصرہ صحیح نہیں ہو سکتا۔ اعتراض سے قبل کتابوں کا علم و عبور ضروری ہے۔

فقہ اسلامی اور فقہا پر تنقید فقہ اسلامی اور فقہا کے تذکرہ میں بھی مولف نے جگہ جگہ غلطیاں کی ہیں اور تقلید شخصی کو تقلید جامد کی حیثیت سے جس تصور کے ساتھ پیش کیا ہے وہ بھی قابل اصلاح و ترمیم ہے۔ مجھے اس کتاب کے خاص خاص عنوانات پر اشارات ہی میں نقد کرنا ہے اس لیے چند الفاظ میں چند عنوانات پر لکھ رہا ہوں اگر مستقبل قریب میں کاغذ کی کچھ سہولتیں پیدا ہو گئیں تو ممکن ہے کہ تفصیلی بحث کر سکوں۔

صحیح راہ عمل بہتر ہوتا کہ ہمارے مخلص نوجوان مسٹر عبدالوحید خاں صاحب اپنی اس ترتیب کے وقت اسکا خیال کر لیتے کہ موجودہ مسلمانوں کو تعلیم جدید اور مغرب کے جراثیم نے کہاں تک متاثر کر دیا ہے اس ایک صدی کے اندر مسلمانوں کے سامنے اُنکے اسلاف اور نفس اسلام کا تاریک پہلو پیش کر کر دماغوں کو پہلے ہی مختل اور دلوں کو مجروح کیا جا چکا ہے ان حالات میں ضرورت تو اسکی داعی ہے کہ ملت کے سامنے قرآن کریم وہ ارشادات جو تاقیامت قدرت کی غرض و اساس ہیں پیش کیے جائیں اور خلافت راشدہ کا وہ پاکیزہ دور جسنے دنیا کا قلب ماہیت کر دیا بہترین اسلوب کے ساتھ پیش کیا جائے۔ کسی طویل کتاب میں صرف تاریک پہلو پیش کرنا اور محاسن ترک کر دینا تنقید نہیں بلکہ تنقیص محض ہے۔ ایک ناقد کا فرض اولین یہ ہے کہ وہ تصویر کے ہر پہلو پر سیر حاصل بحث کرے۔

علما پر تنقید یا مجلس مناظرہ کی گرم بازاری مولف نے علمائے متکلمین وغیرہم کی مجالس مناظرہ یا فروعی مسائل کے اختلافات پر زور دیا ہے مگر خود وہی طریقہ اختیار کیا ہے جو اُنکے نزدیک مذموم تفریق کا حامل ہے۔ مجتہدین کے مابین جو رائے کا اختلاف ہوا اُس میں کفر و دین کا کوئی تعلق نہیں یہ ہر دور میں ہوا اور ہو رہا ہے کہ ہر امام و ہادی کے پیرو یا مقلدین اپنے امام کی تقلید میں غلو کرتے ہوئے افراط و تفریط میں پڑ گئے۔ کیا فقہا و مجتہدین کے چند اختلافات کے معنی یہی ہیں کہ فقہ اسلامی ہی کو بدنما انداز میں پیش کیا جائے اور نفس تقلید سے انکار کیا جائے؟ کسی شاعر کی شہرت اور اُسکا کلام اس باب میں حجت و برہان نہیں ہو سکتا۔ اگر فقہائے کرام نے فقہ کی تدوین نہ کی ہوتی تو آج دنیا کا ہر مسئلہ ہزاروں اختلافات کا مجموعہ بنا ہوتا اور ملت اسلامیہ کی اپنی کوئی

معتزلی و جوتی اور نہ مسائل کیجا ہوتے۔

اس دور میں اسلام کے مخالفین بھی فقہائے کرام کی محنتوں کی قدر ہی ہی نہیں بلکہ ان سے استفادہ کرنا باعث فخر جانتے ہیں اور اپنی اپنی قوموں کے لیے فقہ اسلامی سے بہت کچھ حاصل کرنے کی کوشش کر رہے ہیں۔

صوفیائے کرام یا رہبانیت مؤلف نے مسئلہ تصوف اور صوفیائے کرام کے متعلق جسقدر بحثیں کی ہیں، وہ بھی بڑی حد تک حقائق سے دور ہیں۔ صوفیائے کرام کو رہبان کی حیثیت سے پیش کرنا گویا انکی حیات سے عدم واقفیت کا نتیجہ ہے۔ ان حضرات نے ایک طرف تو زہد و اتقا اور فنائیت وخشیت الٰہی و تزکیہ قلوب میں اپنے اوقات صرف فرمائے تو دوسری جانب میدان کارزار میں کفر کی سرکوبی کے لیے جوہر دکھلائے۔ وہ جس طرح رشد و ہدایت کے سجادہ تھے ویسے ہی بہترین واعظ و خطیب بھی اور اسلام کی بقا و عزت کے سب سے بڑے محافظ۔ اگر ان خدمات سے آنکھیں بند بھی کرلی جائیں تو انکی تبلیغی زندگی، حلقہ اسلام کی توسیع کی عظیم الشان خدمات کسی حق پسند کے نزدیک قابل فراموشی نہیں ہوسکتیں۔ خانقاہی نظام دراصل اسلامی تبلیغ کے مراکز تھے۔ جہاں مبلغین کو تعلیمات دین کے ساتھ ریاضتیں کراکر خدمت و تبلیغ دین کے لیے سچا جذبہ و جذبات پیدا کرکے ملک کے ہر گوشہ میں مامور کیا جاتا تھا۔ صوفیائے کرام اگر تبلیغ نہ فرماتے تو آج دنیا میں اسقدر مسلمان نظر نہ آتے۔ یہ وہ کام تھا جسے سلاطین کی تلواریں بھی نہ کرسکیں۔ ان عظیم الشان خدمات کو مولف نے یک لخت نظر انداز کرکے ابن تیمیہ اور عبدالوہاب نجدی اور اس قبیل کے دوسرے حضرات سے استنباط کرکے جو مواد پیش کیا وہ ایک شرذمۂ قلیلہ کے خاص عقائد و خیالات کا آئینہ دار ہے۔

میرے نزدیک عصر حاضرہ میں یہ تمام بحثیں جو اس کتاب میں پیش کی گئی ہیں وہ ملت اسلامیہ میں تفریق و تشتت کا باعث ہونگی اور یقیناً اسکی محتاج ہیں کہ جلد از جلد کتاب کے آیندہ اڈیشن میں ان سے اجتناب کیا جائے۔ ورنہ نتیجہ یہ ہوگا کہ مستقل بحث کا دروازہ کھل جائیگا۔

از مدیر صدق ۔ مولانا بدایونی کی مرسلہ تنقید بعینہٖ انھیں کے الفاظ میں اوپر درج کردی گئی۔ مجھے بھی اسکے ۹۹ فی صدی حصہ سے اتفاق ہے۔ صرف خاتمہ سے ذرا قبل کی دو ایک سطریں ہیا دوسرے رنگ میں لکھتا۔ کتاب کے طبع شدہ فرمے، اشاعت سے قبل مصنف صاحب نے مجھے اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کو مقدمہ یا دیباچہ کی غرض سے عنایت کیے تھے۔ میں بخوشی تعمیل فرمایش کے لیے حاضر ہوا۔ لیکن جب کتاب پڑھنا شروع کی تو ایک عالم ہی دوسرا نظر آیا! العظمۃ للہ! اختلاف ہی نہیں بارہا غصہ آکر رہا کہ کیا لم سے ٹھیک بیرونی انداز سے واقعات کو کیسا مسخ کرکے پیش کیا ہے! اور کچھ ایسا ہی اثر جناب سید صاحب پر بھی پڑا۔ بہر حال کتاب کے وہ اجزاء میں نے واپس ہی کردیے۔ کتاب چھپنے کے بعد اب تک تو صدق میں ریویو کے لیے موصول نہیں ہوئی ہے۔ آیندہ اگر مل گئی تو ان شاء اللہ دل پر جبر کرکے ایک ناخوشگوار فرض کو ادا کرنا ہوگا۔ سردست تو صرف

مبارکباد مولانا مودودی کو دینا ہے۔ تخریبی رنگ میں جو کمی ان سے کچھ ہوئی تھی، وہ انکے شاگرد رشید کے قلم نے پوری کردی بغیر انکے تعمیری اور اصلاحی پہلو کا کوئی بھی حصہ لیے ہوے! انا للہ۔

ہماری تعلیم گاہیں

پنجاب یونیورسٹی میں لڑکیوں کو گانے کی تعلیم دی جاتی ہے۔ اور ارباب ذوق اس کی تعمیم پر زور دے رہے ہیں۔ انشاء اللہ عنقریب بیسیوں اضافہ بھی ہوکر رہیگا۔ ہم جیسے دقیانوسی خیالات کے لوگ اپنے آپکو ان کے حالات کے ساتھ مطابق نہیں کرسکتے۔ اس لیے جی ہی جی میں گھونٹ زبان و ستے زیادہ "افکار" میں جلے دل کے پھپھولے پھوڑ لیتے ہیں۔ لیکن کیا کیجے؟ ؎

جناب حضرت اکبر ہیں حامی پردہ
مگر وہ کب تک اور انکی رباعیاں کب تک

لیکن بعض قدیم الخیال لوگ اب آہستہ آہستہ قدامت کا چولا اتار رہے ہیں اور ان میں باجی رشیدہ لطیف بھی شامل ہیں۔ آپ ۸ جنوری کو عورتوں کے اُس جلسہ کی صدر ہونگی جس میں لڑکیوں کے گانے بجانے اور ستار کا مقابلہ ہوگا

اللہ اللہ کہاں وہ دین اور شریعت اور اسلام کے دعوے اور کہاں یہ نغمۂ و رنگ کی نسوانی محفل۔ لیکن آہ تہذیب مغرب کی ہمہ گیری ؎

اس کشمکش سے تیری حالی بچا ہوا تھا
اُسکے بھی دل پہ آخر تیرکا لگا کے چھوڑا۔

(انقلاب)

"دہلی کے ایک رسالہ کی شرارت"

دہلی سے ایک ماہوار رسالہ "ساقی" کے نام سے شایع ہوتا ہے۔ اگرچہ رسالہ مذکور ہمارے دیکھنے میں نہیں آیا۔ مگر معاصر "نقیب" اپنی ۱۴۔ دسمبر کی اشاعت میں لکھتا ہے:

دہلی کے رسالہ "ساقی" کے نومبر نمبر میں ایک غیر مسلم کا نہایت ہی ناپاک مضمون شائع ہوا ہے جسنے حضرت موسیٰ حضرت عیسیٰ اور سرور کائنات حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی شان اقدس میں گستاخیوں کے ساتھ اللہ عزوجل کی شان میں بھی گستاخی کرکے اپنی گندہ ذہنی کا مظاہرہ کیا ہے

ہم نہیں سمجھتے کہ ایسے بے لگام رسالہ کے خلاف حکومت نے ابھی تک کوئی موثر تدبیر کیوں نہیں اختیار کی۔ صوبائی حکومتیں بڑی تیزی اور پھرتی سے سیاسی معاملات میں قانون کا استعمال کرتی ہیں لیکن نفرت انگیزی کے معاملہ میں دہلی کی حکومت بالکل خاموش ہے۔ چند ہی دنوں کا ذکر ہے کہ حکومت پنجاب نے ایک آریہ سماجی اخبار "پرکاش" کے اڈیٹر پر نفرت انگیز مضمون کے خلاف رغبت حرکات کے الزام میں مقدمہ چلایا اور عدالت نے پانچ سال قید بامشقت کی سزا کا حکم سنایا۔ دہلی کی حکومت کو چاہیے ا

نمبر ۳۶ | دو شنبہ ۱۱ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۸ جنوری ۱۹۴۳ء | جلد ۸

سچی باتیں

سر سکندر حیات مرحوم کی ختم حیات کی خبر آپ نے اخبارات میں پڑھ لی؟ ماتم کی صدائیں جو ملک بھر میں گونجیں، وہ بھی سُن لیں؟ صوبہ اور پنجاب جیسے زبردست صوبہ کے وزیر اعظم تھے۔ اپنے اثر و اقتدار کے لحاظ سے سارے ہمسروں سے بڑھ چڑھ کر۔ تدبر و فرزانگی میں لاجواب۔ سوجھ بوجھ میں، فہم و دانش میں اپنی نظیر آپ۔ عملاً وزیر نہیں تاجدار تھے۔ نائب نہیں خود مختار تھے۔ ماتحت نہیں سالار تھے۔ بڑھ چلے تھے بڑھ رہے تھے اور خود تو بڑھ ہی رہے تھے، اوروں کو بڑھا رہے تھے۔ اچانک اور حسرتناک موت کی خبر سننے کے لیے دوست دشمن کوئی بھی تیار تھا؟ اس کا گمان بھی تھا؟ اچھے خاصے چنگے، تندرست، توانا، مضبوط۔ چہرہ گل تر کی طرح شگفتہ، صحت فصل بہار کی طرح شاداب و تازہ۔ موت عین شادی کے گھر میں عین شادمانی کی گھڑی میں آئی! پوتے اور نواسے، چھوٹے لخت جگر کے سہرے کے کھلے ہوئے پھول اس کو، ڈھلی ہوئی، مسلی ہوئی، کچلی ہوئی۔ پھر کوئی جنگل بیابان نہیں، شہر، بیابان نہیں، لاہور جیسا مرکز تمدن۔ بہتر سے بہتر حکیم، حاذق سے حاذق ڈاکٹر بلانے کے لیے ٹیلیفون، آنے کے لیے موٹر۔ سکنڈوں میں خبر گئی اور منٹوں میں ڈاکٹر آئے۔ موت کے فرشتہ کی رفتار دونوں سے تیز تر نکلی ——— جو ہستی مجسم حیات تھی، جس کی رگ رگ میں زندگی اور قوت کی تیز نبضیں اچھل رہی تھیں، آناً فاناً مجبور گئی، ختم ہو گئی، قبل اسکے کہ علاج و تدبیر کوئی ادنیٰ سے ادنیٰ بھی ہو سکے!

دنیا ایک اور بھی اسی سکندر نام کی تاریخی شخصیت سے بھی واقف ہے۔ اقبالمند اور دنیوی خوش بختی کے لحاظ سے ان مرحوم سے بھی کہیں برتر۔ یعنی دنیا کا فاتح اعظم تھا۔ سارا یونان فتح کیا، ایران کو مسخر کیا، دارا کے تخت عراق میں، توران میں اپنا جھنڈا لہرایا۔ خراسان کو، شمالی ہندوستان کو زیر کیا، بلخ کو، بخارا کو، ترکستان کو تابع فرمان کیا۔ عین ——— زمانہ شباب میں، عالم مسافرت میں خود اپنا وقت موعود آپہنچا تو زور آوری ختم تھی، اور ساری کوششیں، تدبیریں بے اثر۔ مقررہ گھڑی ایک سکنڈ کے لیے، ایک منٹ کی ایک ہی باریک کسر کے لیے، نہ آگے بڑھ سکی نہ پیچھے ہٹ سکی!

جاہ و حشم کی، خوش تدبیر بانی، طبیبوں کی حذاقت، تیمارداروں کی دلسوزی، اگر کہیں بھی سپر بن سکتی، تو ماضی میں سکندر یونانی اور حال میں سکندر پنجابی یقیناً موت کی گرفت سے باہر رہے ہوتے! غفلت کے بندو، عبرت کی آنکھ اب بھی بند ہی رکھوگے؟ خودی کے متوالو، ہوش اب بھی نہ آئیگا؟

سکندر مقدونی کا انجام تو اللہ کو معلوم۔ سکندر پنجابی کا حال اللہ کے کرم و رحم پر آپ پر سب پر روشن ہے۔ الحمد للہ کہ مسلمان تھا۔ سراپا ایمانی تھا۔ توحید کا قائل، رسالت کا معتقد، اسلام کا کلمہ گو، محمدؐ کی امت میں شامل، نماز کا پابند، روزہ کا شدت سے پابند۔ کلام الٰہی کی اشاعت کا حامی۔ اپنی بصیرت کے مطابق امت محمدی کی فلاح کا داعی۔ اپنے کو عمر بھر مسلمان کہا، مسلمان سمجھا، اور ظرف و احوال بساط کے موافق اپنے کو مسلمان بنایا اور رکھا ——— نیلگوں فضا ڈیول کے پیام، مانٹ آنریبل چرچل کے سلام، فوج کی سلامیاں، لاٹ صاحب اور بڑے لاٹ صاحب کے اس کی حاضر باشیاں، سب جسم کی کشائشیں تھیں، جو زیر زمین دفن ہو گئیں، روح عرفانی لطافتوں کے پانی سے دُھل کر، اور نکھر کر، ان آلائشوں سے پاک ہوئی، اور ان قیدیوں سے آزاد، ایمان کے بازوؤں سے اُڑی، اور یقین و اعتقاد کے پروں سے عالم بالا کی سمت میں بلند ہوئی، ہزاروں دلوں کے دل دعاؤں کے ساتھ، ہزاروں آنکھوں سے بہتے ہوئے آنسوؤں کے ساتھ۔ ع تو مپنداری کہ تنہا می روی!

۱۸۔ مستضئ بامر اللہ — کن من اللہ علی حذر مسلم
۱۹۔ مستنجد باللہ — من احب نفسہ عمل لہا
۲۰۔ مستضئ باللہ — من فکر فی المال عمل للاستقلال
۲۱۔ ناصر الدین اللہ — برجائی من اللہ عوذہ
۲۲۔ ظاہر بامر اللہ — راقب العواقب
۲۳۔ مستنصر باللہ — المعقوب اولی

یہ جن لوگوں کے خاتم سلطانی کے کتبے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ ملوک وسلاطین تھے۔ انکا شمار نہ صحابہ میں ہے نہ تابعین میں، نہ اولیاء امت میں (بجز ایک عمر ثانی کے استثناء کے)، کھلم کھلا دنیا دار بادشاہ تھے۔ اس پر بھی بہت کو اپنے خدا کو اپنی عبدیت کو بھولے نہ تھے۔ استغنا رشد یہ کیسے اعراض ابن ثابت پر بقرے لندہ کراپلے تھے! — یہ وہی گروہ ہے، جسے حال میں ایک نازہ "محقق" کی بارگاہ تکفیر سے عدو اللہ فرعون کی صف میں کھڑا کیا گیا ہے (صفحہ)۔ اور نہ صرف انھیں بلکہ اپنے بے پناہ قلم کی زد میں سلطنت کے سارے علماء، فقہاء، متکلمین وصوفیہ کو بھی لے لیا گیا ہے۔ صرف ایک نمونہ ملاحظہ ہو:—

"اس فرعونی نظام اور شیطانی احوال کے نہ تو صرف عام مسلمان وقت تعاون میں مصروف تھے، بلکہ ارباب قیل وقال، صحابہ، عامہ، وعیبہ و دستار کے تمام گروہ اور بوریہ اپنے اختلاف ذات باہمی کے سکوت تحت الکفر قبول باطل پر متفق تھے۔ <u>فقہا وعلماء کی تمام جماعتیں</u> .... <u>ان رعوب صنادر کے سامنے سجدہ ریز رہنے</u> کو جائز سمجھتی تھیں" (صفحہ، تاریخ افکار وسیاسیات اسلامی از عبد الوحید خاں)

واقعی احساس ذمہ داری ہو تو ایسا تو ہو!

<u>طبع زاد تاریخ نویسی!</u> "دینی ودنیوی نظام کی تقسیم بنی اسرائیل میں قبل از اسلام موجود تھی۔ جس شخص کی ذات سے دینی امور وابستہ تھے، وہ کاہن کہلاتا تھا .. جس طرح مسلمانوں میں خلیفہ کے لیے قریشی ہونا ضروری ہوگیا تھا، اسی طرح کاہن کے لیے بھی شرط تھی کہ وہ حضرت ہارون علیہ السلام کی اولاد سے ہو کیونکہ حضرت موسیٰ کے کوئی اولاد نہ تھی .... کاہن دنیوی امور ... کا عقیدہ تھا۔ لیکن اسلام نے آتے ہی پاپائیت اور شاہنشاہیت کا خاتمہ کرکے دین وسیاست کو ایک رشتہ میں منسلک کردیا تھا، جیسا کہ علامہ اقبال نے لکھا ہے" (صفحہ ۱۲۳)

محقق مجدد ومجتہد العصر عبد الوحید خاں صاحب میرٹھی نے اپنی تازہ تالیف میں فرمایا — "تالیف جس کا صحیح نام" کتاب شالب شرارت" ہونا چاہیے تھا — اس سے قطع نظر کیجیے، کہ جو نظام عمل ... بنی اسرائیل میں ... بطور دستور اور معمول چلے رہا ہو، اور اسکی منسوخی کی کوئی نص شریعت اسلامی میں موجود نہ ہو، آیا وہ اس قابل ہے کہ اسکی تحقیر وتضحیک کی جائے اور اسے ابلیسیت کی نقل بتایا جائے؟ اس سوال کو بھی سردست چھوڑ دیجیے کہ آیا خلافت کے لیے قریشیت کی شرط تمامتر "قیاس" کی طبعزاد ہے؟ اس بحث میں بھی نہ پڑیے، کہ آیا کسی حکم اسلامی کے اثبات کے لیے بجائے قرآن یا حدیث کے صرف اقبال یا کسی برگزیدہ شاعر کا شعر پڑھ دینا کافی ہے؟ ان سوالات سے بالکل الگ ہوکر ان محقق صاحب سے بادب صرف اسقدر گزارش ہے کہ حضرت موسیٰ کا لاولد ہونا جناب نے عربی، انگریزی، عبرانی، فارسی، اردو کی کس تاریخ کے کس صفحہ اور سطر میں ملاحظہ فرمایا ہے؟ —— یا ائمہ تفسیر اساتذہ فقہ وائمہ حدیث، شیوخ تصوف وراسخین کلام کی سلسل جو گوئی اور ان پر اتہام طرازی کرتے کرتے طبع مبارک "طبع زاد اوریجنل" تاریخ سازی پر بھی مائل ہوگئی ہے؟

<u>نیا ادب</u> "نئے ادب" کے افسانوں کا تذکرہ ایک ایم اے بی ایچ (آکسفورڈ) آئی سی ایس ہی کی زبان سے:—

"افسانہ لکھنے کیلئے بڑی شرط یہ ہے کہ وہ دلچسپ ہو، اپنے افسانہ کو دلچسپ بنانے کے لیے افسانہ نویس صاحب سکے ہاتھ میں سب سے سہل اور مجرب نسخہ یہ ہے کہ وہ اس میں کچھ کوک شاستر کی قسم کی چیزیں تحریر فرمادیں، گویا بجائے پنڈت کوکا کے ویو فرائڈ کا دم پاجائے۔ افسانہ بھی دلچسپ ہوگیا اور پڑھنے والے پر رعب بھی پڑ گیا۔

شاید ایک بات اور بھی ہے جو جنسیات یوں کو فحش نگاری پر اکساتی ہے۔ وہ یہ کہ اس طرح سستی شہرت جلد ہاتھ آجاتی ہے۔ جتنا زیادہ کھل کھیلئے اور عریانیات پر اتر آئیے، اتنا ہی زیادہ پڑھنے والوں کی رغبت کی نظر پڑنے کا امکان ہے۔ اگر کسی نے ٹوکنے کی جرأت کی تو فوراً جواب موجود ہے کہ "تم دقیانوسی لوگ کیا جانو۔ یہ خالص ترقی پسند ادب ہے اور ہم ترقی پسند ادیب" حوالہ کے لیے ترقی پسند کے نام موجود ہیں، جنھوں نے انھیں ادیب شہیر وغیرہ کے قسم کے لقب سے یاد فرمایا ہے، اور انکی عریاں نگاری کو سراہا ہے۔ اب کس کے منہ میں زبان ہے کہ جو کچھ کہہ سکے" (ساقی، دہلی، دسمبر نمبر صفحہ ۹)

نئے ادب کی نثر کا تعارف ہوچکا۔ اب نئے ادب کی شاعری کا بھی اصل نمونہ ملاحظہ ہو وہ بھی ایک ایم اے کے قلم سے:—

"طرز نو کی شاعری میں ہر جزو بحر شعر
اُف غضب۔
ایک مصرعہ نیل زنجیر کی زندہ مثال
دوسرا اُشتر کی دم۔
طرز نو کی شاعری کی کوئی کل سیدھی نہیں
شہر بھر میں اونٹ بیچارہ عبث بدنام ہے
آہ اونٹ بڑ" (ساقی، دسمبر نمبر صفحہ ۵۵)

ان حقائق اور ان لطائف پر کچھ تبصرہ کرنا، انکے لطف کو کم کردینا ہے —

<u>اسلامیہ کالج الہ آباد</u> مسلم اسلامیہ انٹر کالج الہ آباد سے متعلق ایک

نیا ساقی نامہ

(از عبدالماجد)

جناب شاہد احمد صاحب مدیر رسالہ ساقی (دہلی) کے کرم نامہ کا ذکر پچھلے نمبر میں آچکا ہے۔ آج وہ پورا مکتوب اس وعن درج ہو رہا ہے۔ ساقی کے اس کا عنوان "ساقی نامہ" سے بڑھ کر اور کیا ہو سکتا ہے۔ جواب مکتوب کے خاتمہ پر مکتوب الیہ کی طرف سے کاتب کے نام درج ملیگا:۔

حضرت محترم سلام مسنون۔ نومبر کے ساقی میں پروفیسر فراق کے مضمون "باتیں" میں دو فقرے ایسے شایع ہوگئے جنکی اشاعت کا مجھے افسوس ہے۔

اور میں اپنے اس سہو نظر پر نادم ہوں۔ معلوم ہوا ہے کہ آپ نے صدق میں انھیں دو فقروں پر گرفت کی ہے۔ صدق چونکہ میرے پاس نہیں آتا اس لیے مجھے علم نہیں کہ آپ نے کس پیرایہ میں ان پر اظہار خیال فرمایا ہے تاہم چند اخبارات بالخصوص مقامی مسلم اخبارات کے دیکھنے سے معلوم ہوا کہ آپ نے مسلم پریس کو توجہ دلائی ہے کہ میرے خلاف سخت کارروائی کی جائے۔ چنانچہ بعض اخبارات نے مجھ سے توبہ نامہ کا مطالبہ کیا ہے اور بعض نے تعزیری کارروائی کرنے کے لیے حکومت سے اپیل کی اور بعض نے جنھیں کسی نامعلوم وجہ کی بنا پر مجھ سے ذاتی پرخاش ہے اس سلسلہ میں تمام اخلاقی حدود کو نظر انداز کردیا۔

اب میں آپ سے اصل واقعات بیان کرنا چاہتا ہوں:۔

"باتیں" کے زیر عنوان مشہور ادیب ساقی میں اظہار خیال کرتے ہیں۔ فراق صاحب کی قابلیت کے معترف میں غالباً میں منفرد نہیں ہوں۔ انھوں نے اس سے پہلے جو باتیں لکھی تھیں ان میں بھی کچھ جواب طلب باتیں تھیں جنکے جوابات دوسرے ادیبوں نے ساقی ہی میں دیدیے۔ اسی طرح نومبر کی باتیں بھی جواب طلب تھیں، جنکے جواب جناب فضل احمد کریم فضلی اور انصار ناصری صاحب نے جنوری کے ساقی میں دیے ہیں جو آج شایع ہوا ہے۔ لیکن اس سے پہلے کہ ساقی ہی میں تردیدی مضمون شایع ہوں آپ کے توجہ دلانے پر مسلم اخبارات نے ہنگامہ طرازی شروع کردی اور بعض کو اپنے ذاتی عناد کا یہ موقع اچھا مل گیا۔ دیانتداری کا تقاضا تو یہ تھا کہ مجھے اس قسم کی تحریریں جن سے مسلمانوں کی دلآزاری ہونے کا اندیشہ ہو شایع نہ کرنے کا حکم دیا جاتا۔ اگر میں اس حکم سے سرتابی کرتا تو یقیناً اس تعزیر کا مستحق ہوتا۔ آپ کا مرتبہ ادیب، فلسفی اور مذہبی پیشوا کی حیثیت سے مسلم ہے اور میں آپ کے ارشاد کی تعمیل سے کبھی گریز نہ کرتا۔ لیکن آپ نے اسکی ضرورت نہیں سمجھی۔ اسکا مجھے شکوہ ہے اور ہونا بھی چاہیے۔

میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں بفضلہ مسلمان ہوں اور دانستہ مسلمان تو مسلمان کسی غیر مسلم کی دلآزاری بھی پسند نہیں کرتا۔ اگر آپ کی اور آپ کی طرح اوروں کی دلآزاری ہوئی ہے تو میں اتنا ہٹ دھرم نہیں ہوں کہ آپ حضرات سے معافی کا خواستگار نہ ہوں۔ اپنی کسی لغزش پر نادم ہونے سے مجھے عار نہیں ہے۔ مجھے بہت افسوس ہے کہ ساقی کی تیرہ سال کی زندگی میں ان دو فقروں کی لغزش ہوگئی ورنہ اس سے پہلے کبھی ایسا سہو نہیں ہوا۔ امید ہے کہ آپ میری اس معذرت کو قبول فرمادیں تاکہ ساقی کی طرف سے اور میری طرف سے جو شکوک پیدا ہوگئے ہیں وہ دور ہو جائیں۔ اور اگر اس سے بھی تلافی ممکن نہ ہو تو میں ساقی کی آیندہ مہینے سے اشاعت ہی بند کیے دیتا ہوں تاکہ آیندہ کسی اندیشہ کا احتمال ہی نہ رہے۔

خاکسار شاہد احمد

آپ کے اس خاصے طویل مکتوب میں کُل دو عبارتیں ایسی ہیں، جو آپ کے حق میں شفیع ہو سکتی ہیں، اور خوش آیند اور امید افزا کہی جا سکتی ہیں۔ ایک آپ کا یہ اقرار کہ "میں آپ کو یقین دلاتا ہوں کہ میں بفضلہ مسلمان ہوں" دوسرے آپ کا یہ اعتراف کہ "دو فقرے ایسے شایع ہوگئے ہیں، جنکی اشاعت کا مجھے افسوس ہے، اور میں اپنے اس سہو نظر پر نادم ہوں"۔ بس ان دو عبارتوں کے علاوہ اور آپ کے سارے خط سے تو کچھ ایسا ٹپکتا ہے کہ گویا آپ مظلوم ہیں! اور آپ کے ظلم شدہ پر فریاد کرنے والے ظالم! —— پرانی مثل کہ "الٹا چور کوتوال کو ڈانٹے" کی صحیح مثال اس سے بڑھکر اور کیا ہوگی؟

شیطاں کو رجیم کہہ دیا تھا اک دن

اک شور اُٹھا خلاف تہذیب ہے یہ!

یاروں نے کہا کہ شیطان کی شیطنت سے ہمیں کیا بحث، ہم تو یہ دیکھتے ہیں، کہ اس مہذب زمانہ میں اس نے "رجیم" جیسا غیر مہذب کلمہ اپنی زبان سے نکالا کیسے؟

جیسا آپ نے تحریر فرمایا ہے، ساقی کا تبادلہ صدق سے نہیں اس لیے دیکھنے کا بھی اتفاق نہیں ہوتا۔ البتہ ادھر عرصہ سے صدق کے ناظرین کی طرف سے خطوط آنے لگے، دہلی سے بھی اور دہلی کے باہر سے بھی کہ ساقی کی روش بڑی تکلیف دہ اور مسلم آزار ہوگئی ہے۔ یہ اطلاع میں پاکر دل تو یقیناً بہت کڑھتا رہا (راسے نذیر احمد کا پوتا اور بشیر احمد کا بیٹا، اور دین وملت کے مخالفوں کے کیمپ میں!) لیکن پرچہ منگا کر پڑھنے کی نوبت نہ آئی۔ یہاں تک کہ نومبر میں "نغمۂ زندگی" والے آئی، سی، ایس، مفضل کے بعض مضمونوں کی تلاش میں ساقی کے پرچے باہر سے منگانے پڑے۔ اور اپریل، جون، اکتوبر، نومبر کے پرچے موصول ہوگئے۔ آپ کا ریکارڈ، آپ کو یاد ہوگا، اس حیثیت سے یوں بھی بہت اُجلا اور غیر مشتبہ نہیں۔ چھ سات سال قبل ایک سخت قابل اعتراض کتاب کی طبع ثانی کے بارہ میں جس حد تک آپ کی شرکت واعانت پائی گئی تھی، اسکا ذکر صدق کی ابتدائی جلدوں میں محفوظ ہے۔ بہرحال ان چاروں پرچوں پر اب جو نظر پڑی تو معلوم ہوا کہ مراسلہ نگاروں کی شکایتیں بیجا نہ تھیں۔ ساقی اپنی لغزشوں میں، بدمستیوں کے لحاظ سے فضلی ہی کی زبان میں پورا مست قلندر، اور اپنے اخلاقی و مذہبی نقش ونگار کے اعتبار سے گھمنڈی کے نگار کا نقش ثانی! —— گویا استاد غالب کے مشہور قطعہ کا یہ مصرعہ

"ساقی" بہ جلوہ دشمنِ ایمان و آگہی!

اسکے حق میں شاعری نہیں، ایک بہ حقیقت اور بے تکلف سچ ہے۔ بیچ کہ اسکے صفحات میں گندہ وگندہ مضامین کے پہلو بہ پہلو اچھے، شستہ، پاک، پاکیزہ مضامین بھی موجود۔ لیکن لطیف وکثیف کے مجموعہ پر لطیف کا، اور پاک و ناپاک کے مخلوطہ پر پاک کا اطلاق تو بہرحال نہیں ہو سکتا!

لہ ایک [illegible] زبان سے "[illegible]" [illegible] ساقی" [illegible]

یہاں تک کہ تو دوسرے نمبر کی "باتیں" تو بالکل ناقابلِ برداشت نکلیں - دلآزار صرف میرے اور میری ہی طرح کے اوروں کے لیے نہیں (جیسا کہ آپ نے اپنے مکتوب میں فرض کر لیا ہے) بلکہ اشتعال انگیز غصہ سے بھر دینے والی جوش سے بیخود کر دینے والی ہر مسلمان کے لیے، ہر کلمہ گو کے لیے - حیرت ہے اور حیرت سے زیادہ عبرت، کہ آپ کا جو بدتمیز مضمون نگار اپنی خوش تمیزی کے مظاہرہ ایک ساقی کے رسالہ میں یوں کرتا ہے کہ دنیا کی کرم ترین محترم ترین شخصیتوں کے نام بغیر کسی معمولی سے بھی تعظیمی لقب کے، "محض" موسیٰ، عیسیٰ، محمد" لکھ مارتا ہے، انھیں "سیاستدان باغی" اور سب کے سب لا مذہب" کا فرمولے کا نمونہ بے تکلف اور بے محابا دے ڈالتا ہے، اور یہ کہنے کی ڈھٹائی رکھتا ہے کہ "انکا نام کردہ نظر نہ ٹی" یعنی انکا لا یا ہوا پیام اور انکا پھیلایا ہوا مذہب" آج بے فیض ہی نہیں مضر رساں ہے" آپ کو اس خط میں بھی معذرت و ندامت کے وقت بھی یہی اصرار ہے کہ اسکی "قابلیت" کا لوہا تو ہر حال مان لیا جائے، اور اسکا مرتبہ حیثیت "ادیب" بلکہ مشہور ادیب" تو تسلیم ہی کر لیا جائے! "ادیب اور مشہور ادیب" ہونا الگ رہا، مجھے تو آپ کے صفحات کے اس "باتونی" کے بلوغ عقلی و بلوغ ادبی دونوں ہی میں شبہ پڑ گیا ہے!

اتنا ہی نہیں، اُسکے قلم نے یہ گند گی بھی تو بکھیر اوراق پر کھیری ہے:-

"خدا کی عمر کتنی ہو چکی ہے اسکا بھی لحاظ کرنا چاہیے - اب اُس سے خدائی کا بوجھ نہیں سنبھل سکتا" - خدا اور خدا والوں کو اب دنیا کے باتفاق فیصلہ سے پنشن دے دینا چاہیے، انھوں نے بہت دنوں دنیا کی خدمت کی، اب آرام کریں!"

عقائد سے بالکل قطع نظر کر بھی لیجئے" ادب" اور داد قابلیت کے ہیں تو کیوں نہ ازراہِ قدردانی ادب ریتذال نوشتگی، ایسے نقادوں اور رہنماؤں کو، چھوٹے بڑے ادبی شہدوں اور بھانڈوں کو اوراق ساقی کی زینت بننے کی چھوٹ دیجیے! "زبان بگڑی تو بگڑی تھی خبر لیجیے دہن بگڑا!" سوال ساقی کے عقائد سے زیادہ ساقی کے ذوق ادب کا ہے! اس تسفل کی، اس ابتذال کی برداشت آپ سے ہوئی کیسے؟

آپ نے اپنے کو "بفضلہ مسلمان" کہا ہے - کوئی نام کا مسلمان بھی حق تعالیٰ کی شان میں یہ تمسخر یہ استہزاء، ایک لمحہ کے بھی گوارا کر سکتا ہے؟ خدانخواستہ کوئی بازاری لفنگا آپ کے محترم والد ماجد یا قابلِ صد احترام جد امجد کے حق میں گالیاں یا پھبتیاں لکھ کر بھیج دیتا، تو آپ کسی حال میں اُسکی اشاعت کے روادار ہوتے؟ یہ چھاپ لینے کے بعد صرف اس معذرت کو کافی سمجھتے کہ دوسرے نہیں تیسرے نمبر میں محلہ کے فلاں فلاں بھلے آدمی ایک سنجیدہ و شریفانہ جواب لکھ بھیجیں گے! —— یہ ہے کہ آپ کے اسلامی ضمیر اور انسانی ضمیر نے یہی قبہ سے دے رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ کی عزت و ناموس آپ کے بزرگان خاندان کی عزت و ناموس سے کمتر ہے، حقیر تر ہے، ناقابلِ التفات تر ہے؟

آپ کا جرم یہیں ختم نہیں ہوتا - آپ اس خرافات کی پوٹ کو اپنے ان ذہنیت چھاپتے ہیں بلا کسی ہلکی سی ہلکی تردید کے، اور اسے خوشی خوشی سیکڑوں ہزاروں مسلمان ناظرین تک پہنچاتے ہیں بلکہ اُسے چٹکاتے ہیں سراہتے ہیں، اپنے قلم سے تحریر فرماتے ہیں کہ یہ باتیں "پر مغز ہیں" اور آس لگاتے ہیں کہ فلاں فلاں مضمون کے ساتھ یہ مضمون بھی "بہت دلچسپی سے پڑھا جائیگا"!!

تامل اگر رقیب ہے تو تم گواہ ہو!

"شاہد" کے لیے "گواہ" بھی شاعر کے الہامِ غیبی سے کم نہیں! لیکن آپ کی حیثیت محض گواہ کی رہی کب؟ آپ تو خود شریکِ جرم، معاونِ جرم ٹھہر رہے ہیں! ——

کاش آپ کو اب بھی اپنے جرم کی بھاری اہمیت کا احساس ہو! انگریزی قانون اور اس حیثیت عرفی کا ما حال تو آپ کو معلوم ہی ہوگا، کہ مصنف سے بڑھ کر ذمہ داری ناشر کی ہوتی ہے -

آپ فرماتے ہیں کہ" دیانتداری کا تقاضہ تو یہ تھا" کہ پہلے آپ کو "اس قسم تحریریں شائع نہ کرنے کا حکم دیا جاتا" لیکن اسی تقاضائے دیانت کے توسل سے اور اسی کے دامن کا سہارا لیکر عرض ہے کہ آخر یہ حکم کون دیتا؟ کس حق سے دیتا؟ کس توقع پر دیتا؟ اور سب سے بڑھ کر یہ کہ کب دیتا؟ چھپنے سے قبل یا چھپنے سے بعد؟ جبکہ تو اپنی طرف سے آپ کا اتنا لحاظ رکھا کہ ساقی کا نام تک ۳۰ نومبر والے نوٹ میں نہ آنے دیا - آپ بھی اسوقت خاموش رہے، اُسی وقت نہیں لکھنؤ کا سچ، لاہور کے انقلاب و مسلمان، بمبئی کا خلافت، وغیرہ یہ سب لکھتے رہے، اور آپ نے ذرا بھی ضرورت معذرت کی نہ محسوس فرمائی - یہاں تک کہ جب خاص آپ کے پڑوس کے ریاست اور ملاپ دونوں نے اپنے فرائض ادا کرنے شروع کر دیے، جب آپ کے قلم کو جنبش ہوئی، اور وہ بھی ساقی میں نہیں، تمدن میں، اور وہ بھی اپنے کمزور و ناکافی الفاظ میں —— قصور معاف، یہ دور محمد شاہی کا سا تغافل تو کچھ انگریزی بیوروکریسی ہی کو زیب دیتا ہے! یا یہ کہ آپ نے یہ "مدہوشی" کی روش محض ساقی سے ساتھ لفظی مناسبت نباہنے کے لیے قائم رکھی ہے؟ ع نہ کھینچو تم جو اپنے کو کشاکش درمیاں کیوں ہو!

آپ نے یہ بھی لکھا ہے کہ آپ کے متعدد معاصرین کو آپ سے "ذاتی پرخاش" ہے - واقعہ ممکن ہے کہ صحیح ہو، لیکن میری نظر سے اب تک وہاں کے جو اقتباسات گزرے ہیں، اُن میں میں نے صرف اصولی گرفتیں دیکھیں -

اب آپ کی خدمت میں نہایت درجہ مخلصانہ، خیرخواہانہ، نیازمندانہ، بلکہ دست بستہ اور عاجزانہ گزارش یہ ہے کہ اب کھلی ہوئی راہ آپ کے لیے یہ ہے کہ

(۱) گزشتہ پر معذرت و تاسف اور آئندہ کے لیے احتیاط کلی کا وعدہ نہایت صاف و صریح الفاظ میں ہو، بغیر جرم کی ہلکی سی ہلکی بھی پردہ پوشی کے -

(۲) یہ کھلی ہوئی معذرت خود ساقی ہی کے صفحات پر نمایاں طور پر نکلے -

غلطیاں بڑے بڑوں سے ہو جاتی ہیں - شرافت اور اسلام دونوں کا تقاضا یہ ہے کہ غلطی کی تلافی بھی غلطی کے ہم وزن و ہم درجہ ہو -

[مقالہ بالا پریس میں جا رہا تھا کہ پیام (دہلی) میں ساقی جنوری نمبر کے اقتباسات نظر سے گزرے - ان سے اندازہ ہوا کہ شاہد صاحب کی روش خود اپنے شمارہ کے اندر اب بھی بالکل دوسرے ہی قسم کی ہے! انا للہ]

اعلانِ تعطیل

عاشورہ محرم الحرام میں دفتر صدق بند رہتا ہے اس لیے ۲۵ جنوری کا صدق شائع نہ ہو سکیگا - ناظرین کرام انتظار نہ فرمائیں - (منیجر صدق)

تعلیم و اشاعت قرآن

(۳)

(مسلسلۂ صدق)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

اگرچہ عربی کی دشواری کا افسانہ اب فرسودہ ہو چکا ہے، اور لوگ سمجھ چکے ہیں کہ عربی سیکھنے کے لیے دس دس سال فقط صرف و نحو کی تعلیم جو ضروری تھی، خصوصاً پنجاب میں تو صرف شرح جامی اور اسکے حاشیہ عبدالغفور و عبدالحکیم ہی میں کئی سال الجھ جاتے تھے۔ یہ صرف پیشۂ علمی کا ایک سیکرٹ (راز) تھا۔ اسی سلسلہ میں ایک بات یاد آ جاتی ہے۔ میرے گاؤں گیلانی میں ہندوؤں کا ایک پاٹھ شالہ ہے۔ ایک گرو جی پہاڑے وغیرہ بچوں کو اس میں سکھایا کرتے تھے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ سے شاید پانچ روپے ماہوار پاتے تھے۔ دو سال تک دو تک گیارہ بارہ تک کے پہاڑے اس بچوں کو پڑھاتے تھے۔ میں نے ایک دن گرو جی سے پوچھا کہ دو سال گرو جی اور بارہ تک کے پہاڑے؟ آپ یہ کیا کرتے ہیں، یہی زبانی لینے لگے کہ بابو یہ پہاڑے تو مہینہ دو مہینہ میں ختم کیے جا سکتے ہیں، لیکن اسکے بعد میری تنخواہ بھی تو ختم ہو جائیگی۔ اسوقت سیالکوٹ کے حضرت ملا عبدالحکیم کے قول کا مطلب سمجھ میں آیا کہ انھوں نے ایک منطق کی کتاب خیالی کی شرح لکھی۔ کہتے ہیں وہ پانی ہو گئی۔ شاہجہاں بادشاہ نے ملا صاحب کے مکان پر امتیازی جھنڈا نصب کرایا کہ یہ وہ ہے جس نے خیالی کو حل کر دیا۔ اور منطق کی آسان ترین سادہ کتاب قطبی کا ملا صاحب نے ایسا حاشیہ لکھا ہے کہ ایک ایک سطر کے سمجھنے میں گھنٹے خرچ ہوتے ہیں۔ لوگوں سے ملا صاحب نے فرمایا "سنگ را موم کردم موم را سنگ" پیشۂ علمی کے یہ سب کرتب ہیں۔ قدیم مدارس میں ابھی یہی ہوتا ہے اور جدید کالجوں میں تو اسکے سوا کچھ ہے ہی نہیں۔

خیر! عربی زبان کی وہ دشواریاں کہ جس سے لوگوں کی چربی پگھلتی تھی، ثابت ہو چکا ہے کہ بے بنیاد بات تھی۔ لیکن میں اس پر کچھ اضافہ کرنا چاہتا ہوں۔ میرے نزدیک عربی زبان کی کتابوں میں جو زبان استعمال کی گئی ہے اسکی دو مستقل قسمیں اب پیدا ہو گئی ہیں۔ ایک قسم تو وہ ہے جس میں ایام جاہلیت کے شعراء کا کلام ہے یا عربی زبان کے دواوین اور ادبی بلند پایہ کتابیں ہیں۔ اور دوسری قسم وہ ہے کہ جس میں اسلامی ادبیات ہیں۔ اسلامی ادبیات سے میری مراد قرآن، حدیث، فقہ، کلام، تصوف اور انکے ذیلی فنون ہیں۔ میری ذاتی رائے ہے کہ سابق الذکر ذخیرہ کی عربیت کو اگر چہ بنی نکالیے، انھیں تو عام طور پر اجنبی زبان کا جو حال دوسری زبان کے بولنے والوں کی نسبت سے ہوتا ہے وہی حال اس عربی کا ان لوگوں کے لیے ہے جنکی زبان اردو ہے۔ لیکن عربی زبان کا وہ سرمایہ جس میں اسلامی ادبیات ہیں انکی نوعیت بالکل دوسری ہے۔ تقریباً وہ ساری زبانیں جنھیں دنیا کے مسلمان بولتے ہیں۔ مثلاً فارسی، ترکی، اردو یہ واقعہ ہے کہ عربی زبان کے اس سرمایہ کے قریب قریب اسی نوے فیصدی الفاظ کسی نہ کسی شکل میں ان اسلامی زبانوں میں منتقل ہو گئے ہیں یا کم از کم اردو کا تو یہی حال ہے۔ میں مثال سے سمجھاتا ہوں۔ قرآن کی پہلی سورۃ الفاتحہ ہے۔ دو آدمی فرض کیجیے۔ ایک تو وہ جسکی مادری زبان اسلامی نہیں ہے۔ مثلاً انگریزی یا چینی ہے۔ اور دوسرا وہ جسکی مادری زبان مثلاً اردو ہے۔ اب دونوں سے اس سورہ کے الفاظ پوچھے جائیں دیکھیے

حمد (مثلاً) للہ (مثلاً) رب عالمین (عالم کی جمع) الرحمن الرحیم مالک یوم دین نعبد (مادہ عبادت) نستعین (مادہ استعانت) اھدنا (مادہ ہدایت) صراط المستقیم انعمت (مادہ انعام) غیر مغضوب (مادہ غضب) الضالین (مادہ ضلالت) یقیناً جسکی مادری زبان اردو ہے وہ براہ راست ان قرآنی الفاظ یا انکے مادہ سے اس لیے واقف ہے کہ وہ خود اسکی زبان کے الفاظ ہیں۔ بخلاف عربی زبان کے دوسرے حصہ کے کہ اسکے لیے تقریباً ہر لفظ اسکا طالب ہوگا کہ اسکے معنی بتائے جائیں۔ خیال کیجیے کہ ایک پوری سورہ کے انہیں الفاظ جس شخص کو اس لیے معلوم ہوں کہ وہ اسکی مادری زبان کے الفاظ ہیں، اب اسکے لیے اسی سورہ کے بمشکل پانچ الفاظ یعنی ایاک اھدنا الذین علی ھم نہیں معلوم ہیں۔ کیا اس کتاب کی زبان کا سیکھنا اسکے لیے کسی اجنبی زبان کا سیکھنا ہے۔ صرف یہی نہیں ایک اور امر قابل لحاظ ہے۔ یہ چند الفاظ سورۂ فاتحہ کے جو ایسے نکلے ہیں جنھیں اردو داں آدمی نہیں جانتا، انکی نوعیت پر ذرا غور کیجیے۔ میں یہ کہنا چاہتا ہوں کہ ان الفاظ کی ایک قسم تو وہ ہے جنھیں الفاظ تامہ کہہ سکتے ہیں مثلاً حمد مآب وغیرہ کے الفاظ ہیں کہ فقرہ اور ہر جملہ میں ظاہر ہے کہ انکا استعمال ضروری نہیں، اور دوسری قسم الفاظ کی وہ ہے جسے الفاظ عامہ کہہ سکتے ہیں۔ مثلاً ھو علی ایاک وغیرہ کے الفاظ، کہ یہ سارے الفاظ ایسے ہیں، جنھیں تقریباً بار بار جملوں میں آنا ہی پڑتا ہے۔ کیونکہ یہ اسماء ضمیر یا ربط کے حروف، مطلب یہ ہے کہ یہ چند گنے چنے الفاظ ہیں۔ یعنی ضمیر، اسماء اشارہ، حروف ربط، اسم موصول، حروف استفہام وغیرہ۔ بمشکل انکی تعداد سو سے متجاوز ہو سکتی ہے۔ میرا تجربہ ہے کہ دس دس الفاظ کے حساب سے ان الفاظ عامہ کو یاد کر لیا جائے تو اسکے یہ معنی ہیں کہ جو قرآنی الفاظ ایک اردو داں کے لیے غیر مفہوم رہ جاتے ہیں ان میں اسی فی صدی کی اجنبیت کا ازالہ تو اسی سے ہو جاتا ہے، پھر بار بار یہی علی الذین ھم ھو وغیرہ آتے رہیں گے۔ اور انکو میں احتیاطاً کہہ رہا ہوں کہ اردو میں نہیں آئے ہیں ورنہ انہی وغیرہ میں ہو دی ہو کی ایک شکل ہے۔ ہم کا لفظ اردو میں کون نہیں بولتا، علیٰ ہذا کس کی زبان پر نہیں چڑھے ہوئے ہیں۔ تاہم ان الفاظ کو باضابطہ انکی تمام مذکر مونث شکلوں کے ساتھ یاد کرا دینا چاہیے۔

اب اسکے بعد میری تلاش نے مجھے اس نتیجہ پر پہنچایا ہے کہ بمشکل دو ڈھائی سو[1] الفاظ قرآن کے (۷۷۹۳۴) الفاظ میں ایسے رہ جاتے ہیں

---

[1] ہمارے آبا و اجداد اور اسلاف کی قوت عمل کا یہ حال تھا کہ جس ملک میں پہنچے وہاں کی مادری زبان انھوں نے وہی بنا دی جو قرآن کی زبان ہے۔ اور اگر کسی وجہ سے یہ ممکن نہ ہوا تو اس ملک کی مقامی زبان میں ان الفاظ کو بھرنے کی

دیریا جانا چاہیے"

مسلور بھی اپنی سفاکی و دل آزاری کے لیے محتاج تشریح نہیں ہے سب سے زیادہ افسوس اسکا ہے کہ مدیر ساقی ایک مسلمان اور مسلمانوں کے ایک مشہور گھرانے کے فرد "ناصور اسلاف کے خلف رشید" شاہد احمد ہیں وہ اپنے اداری تبصرہ میں اس مضمون کو دلچسپ اور پُر مغز بتاتے ہیں۔ انا لله وانا الیہ راجعون۔

ہمارا ہی نہیں بلکہ دنیائے اسلام کا متفقہ و متحدہ فیصلہ ہے کہ جو مسلمان اللہ اور اُسکے رسول کی توہین و تذلیل کو دلچسپ فرماتے وہ اسلام و مسلمانوں سے کوئی دور کا بھی واسطہ نہیں۔ مدیر ساقی کو یاد رکھنا چاہیے کہ تعزیرات ہند میں توہین مذاہب کی دفعہ صرف "پرکاش" "ہتیشی" "کالی چرن" وغیرہ کے لیے ہی مخصوص نہیں اور ساقی اور اسکا مدیر اس وجہ سے اسکی زد سے نہیں بچ سکتا کہ اسکا نام اسلامی ہے۔

سب سے پہلے ہم مسلمانان ہند سے اپیل کرتے ہیں کہ وہ ساقی کے اس گندہ و ناپاک مضمون کے پیش نظر ہر مقام پر جلسے کرکے ساقی اور مضمون نگار کے خلاف تجاویز پاس کرکے حکومت ہند اور حکومت دہلی کو توجہ دلائیں کہ وہ ایسے گستاخوں کے منہ میں جلد سے جلد لگام دے اور ساتھ ہی ہر وہ مسلمان جو ساقی کا خریدار ہے طے کرے کہ جب تک مدیر ساقی اپنے اس اقدام کی غیر مشروط و واضح معافی پیش نہ کرے اُس وقت تک ساقی کا کلیتہً بائیکاٹ کیا جائے۔ اگر مسلمانان ہند کی حمیت مذہبی باقی ہے تو وہ سرگرمی کے ساتھ اپنے دینی لگاؤ اور خدا و رسول کی محبت کا ثبوت دے کر مدیر ساقی کو مجبور کریں کہ وہ اپنے اس غلط قدم سے جلد تائب ہو اور تمام ہندوستانیوں سے معافی خواہ ہو۔

اسی کے ساتھ ہم خصوصیت سے اپنے دہلوی معاصرین سے درخواست کرینگے کہ اب وقت حقیقی امتحان کا آیا ہے۔ ایک طرف مراسم مودت ہیں، دوستی ہے، تعلقات ہیں اور دوسری طرف اللہ و رسول کی عزت و حرمت کا سوال ہے۔ سوچیے اور اللہ و رسول کی حرمت و عزت کے تحفظ و بقاء کے لیے متحدہ آواز اٹھا کر اور احتجاج سے حکومت کو مجبور کر دیجیے کہ وہ ساقی اور اسکے مضمون نگار کو آئینی زنجیروں میں جکڑ کر اس عظیم ترین دل آزاری کی سزا دے۔ ہمیں دیکھنا ہے کہ کون کون معاصر ہماری اس صدائے حق کی تائید کے لیے لبیک کہتا ہے۔ اگر آج ہم نے اس دوا نگی فرض میں کوتاہی کی تو کل قیامت کے دن ہمارا شمار بھی ہمارے سکوت کی وجہ سے اس مضمون کی تائید میں ہی سمجھا جائیگا۔ خصوصیت کے ساتھ ہم معاصر "انجام" "پیام" "عادل" "الصفا" وغیرہ کو اس اہم مقصد کی طرف توجہ دلاتے ہیں۔ (از صدق ستار)

(بقیہ صفحہ ۳)

... خواہ اطلاع دیتے ہیں:۔

"آپ کو یہ سنکر یقیناً خوشی ہوگی کہ ہمارے کالج میں نئے پرنسپل جناب منیر حسن صاحب کے آجانے سے اسلامیات اور دینیات کے کاموں میں کافی سرگرمی پیدا ہوگئی ہے۔ چنانچہ اب روزانہ کالج شروع ہونے سے پہلے کلام مجید کی تلاوت اور ترجمہ اور تفسیر ہوتی ہے۔ ہر جمعہ کو سیرت پاک پر مقالے اور تقریریں ہوتی رہتی ہیں۔ علاوہ اگلی جنوری کے دوسرے ہفتہ میں اہتمام کے ساتھ یوم اسلامیات اور یوم سیرت منانے کا ارادہ ہے"

مجیدیہ کالج کا ذکر خیر اسکے قبل بھی اسی ہوا ان صفحات میں آچکا ہے۔ نئے پرنسپل صاحب کا حال تو اب اس مراسلہ سے معلوم ہوا۔ لیکن ظفر احمد صاحب ایم اے (علیگ) اُستاد منطق تو شروع ہی سے وہاں موجود ہیں اور انکی اسلامیت علیگڈھ ہی کے زمانہ سے معلوم و معروف چلی آتی ہے۔ انگریزی کالجوں میں یہ تھوڑی بہت اسلامیت جو کچھ بھی نظر آتی ہے ہر طرح مستحق حوصلہ افزائی ہے۔

خریداران صدق کی خدمت میں

مندرجۂ ذیل اصحاب کی میعاد خریداری جنوری ۱۹۴۳ء میں ختم ہو رہی ہے۔ عنایت کرکے اپنا چندہ جلد بھیجدیں۔ یا اگر خدا نخواستہ آئندہ کیلئے خریداری منظور نہ ہو تو اطلاع دیدیں ورنہ یکم فروری کو وی پی روانہ ہونگے۔

خریدار نمبر ۳۰ ، ۳۳۳ ، ۵۹۱ ، ۱۳

۵۹۳ ، ۵۹۵ ، ۶۱۲ ، ۶۱۹ ، ۶۳۰

۶۳۴ ، ۶۴۰ ، ۶۴۱ ، ۶۴۴ ، ۶۴۷

۹۳۰ ، ۹۴۱ ، ۹۴۷ ، ۹۵۰ ، ۹۷۷

۹۹۹ ، ۱۰۵۴ ، ۱۰۹۵ ، ۱۰۹۷ ، ۱۰۹۹

۱۱۴۱ ، ۱۱۴۲ ، ۱۱۶۴ ، ۱۱۳۹ ختم

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرکے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

نمبر | دوشنبہ - ۲۵ محرم الحرام ۱۳۶۲ھ مطابق یکم فروری ۱۹۴۳ء | جلد ۸

سچی باتیں

اسلامی سال شروع ہوگیا، اور آج اسے شروع ہوئے تین ہفتے ہو چکے۔ یہ بھی کچھ خیال ہے کہ اسلامی سال شروع تاریخ امت کے کس اہم ترین واقعہ سے ہوتا ہے؟ کیا کربلا کے مشہور حادثہ سے؟ جی نہیں، وہ تو کہیں ۱۰ تاریخ کو پیش آیا۔ اور سنہ اسلامی تو اس سے پورا ایک عشرہ قبل شروع ہو جاتا ہے۔

ضرور ہے کہ وہ کوئی ایسا واقعہ ہو، جو محرم کی عین پہلی ہی کو پیش آیا ہو۔ واقعہ کے جاننے سے قبل ذیل کی حدیث کو اپنے حافظہ میں تازہ کر لیجئے، جو اپنے اصل الفاظ کے ساتھ صحیح بخاری اور صحیح مسلم اور جامع ترمذی میں محفوظ ملیگی۔ حضرت حذیفہؓ صحابی بیان کرتے ہیں کہ حضرت عمرؓ ایک روز مجھ سے پوچھنے لگے کہ آخر زمانہ کے فتنۂ عظیم سے متعلق تو بتاؤ جو کچھ رسول اللہ صلعم فرما گئے ہیں۔ میں نے عرض کیا، کہ آپ کو اس فتنۂ عظیم سے کیا سروکار؟ آپ کے اور اسکے درمیان تو ایک دروازہ حائل ہے۔ اس پر بولے کہ اچھا، تو وہ دروازہ کھولا جائیگا یا توڑا جائیگا؟ میں نے عرض کیا کہ جی نہیں، کھولا نہیں جائیگا، توڑا جائیگا! وہ دروازہ، جو امت کو پیش آنے والے شدید ترین فتنوں کی روک تھا، محدثین بیان کرتے ہیں، شارحین حدیث لکھتے ہیں، اور خود حذیفہؓ صحابی راوی حدیث روایت کرتے ہیں کہ خود حضرت عمرؓ ہی تھے۔ اور یہ بھی اضافہ کرتے ہیں کہ عمرؓ اسے جانتے بھی قطعی طور پر تھے!

یہ دروازہ، جو فتنوں کا دروازہ امت سے بند کیے ہوئے تھا، بالآخر اپنے وقت موعود پر ٹوٹا۔ قدرتی اور طبعی طور پر کھلا نہیں، ٹوٹا، توڑا گیا، اسے توڑا گیا۔ ظلم و شقاوت کے حربوں سے اسے ہیر آلیا، توڑا گیا، توڑ کر کھولا گیا۔ وہ زندہ شخصیت جو حائل تھی امت اور فتنوں کے درمیان، اس نے وفات اپنی طبعی موت سے نہیں پائی۔ اسے مارا گیا، قتل کیا گیا، عین حالت نماز میں شہید کر ڈالا گیا۔ عمرؓ جیسے محسن شہید ہوئے، ایک مجوسی غلام کے ہاتھوں شہید ہوئے! سیلاب کا بند ٹوٹا، فتنوں کا دروازہ نہیں، پھاٹک کھلا، خانہ جنگی کی لعنت امت پر مسلط ہوئی۔ شہید کا خون رنگ لایا۔ عثمان غنیؓ شہید ہوئے، علی مرتضیٰؓ شہید ہوئے، جنگ جمل برپا ہوئی، جنگ صفین میں مسلمانوں کی صفیں مسلمانوں کی جانیں لینے لگیں، حادثۂ کربلا پیش آیا۔ حسنؓ کی جان گئی، حسینؓ کے حلق پر شمشیر چلی۔ شہید ہونے والے صحابیوں کی تعداد سیکڑوں سے گزر کر ہزاروں تک پہونچی۔ امت کا شیرازہ جو بکھرا، وہ آج تک نہ جڑا! دروازہ کے ٹوٹنے کی، فتنوں کی بنیاد پڑنے کی تاریخ آپ کو یاد ہے؟ یکم محرم سنہ ۲۴ھ! یہی اسلامی سنہ کی پہلی، ٹھیک پہلی تاریخ! اس سے بڑی ٹریجڈی، اس سے بڑھ کر سانحہ امت کے لیے ممکن کون سا تھا؟

راویان حدیث میں سے ایک کا بیان ہے کہ میں (عبدالرحمن بن یسار) اس دن موجود تھا جب حضرت عمرؓ کا انتقال ہوا ہے۔ اس روز سورج میں گرہن پڑا۔

عن عبدالرحمن بن یسار قال شہدت موت عمر فانکسفت الشمس یومئذ (مجمع الفوائد۔ مناقب عمر بن الخطابؓ)

علما و فقہا کہتے ہیں، اور بالکل بجا فرماتے ہیں، کہ یہ محض اتفاق تھا، ورنہ سورج گرہن، چاند گرہن کو کسی کی موت و زیست سے کیا تعلق؟ بیشک کوئی تعلق نہ ہوگا۔ لیکن عرض یہ ہے کہ رسول کی وفات کے بعد دنیا کے لیے جو سب سے بڑے حادثہ کا دن ہو سکتا تھا، جو امت سے اقبال کے

کے تجربہ کا وقت بھی یہی ہے کہ جب کوئی عالم نہ ہو جب کوئی رب نہ ہو، جنہیں حکومت کا دعویٰ تھا وہ محکومیت میں پناہ لیے ہوئے ہیں۔ جو خود رب بنے ہوئے تھے وہ رب کو ڈھونڈھ رہے ہیں۔ آدمی اگر اس وقت بھی اپنے حقیقی آقا اور حقیقی رب کا تجربہ نہ کریگا تو کب کریگا؟

اور اسی مکتوب میں چند سطریں قابل تحریر ہیں :۔

"آج جو ہر چیز نے مل کر وہ آگ بھڑکائی ہے کہ جنگ کے شعلوں سے ربع کا سارا کرہ جل اٹھا ہے۔ ناناواتی والا بہروا والا راجپوت اب تو نسبتاً سکون ہے، ورنہ ہم پاری کا ابتدائی ہفتہ خصوصاً کلکتہ کے مضافاتی علاقوں کے لیے قیامت کا ہفتہ گزر گیا۔ ہمارا بھی مضافات کلکتہ ہی میں ہے۔ خدا ہی جانتا ہے کہ کیا ہونے والا ہے۔ انا للہ۔ اگر اس دنیا کا کوئی رب قیوم نہ ہوتا، وہ پاک بستہ نہ نہ چھوٹا ہوتا تو ہم۔ تو کم از کم ایسی چلے سری دنیا میں میرا تو دم ہی نکل جاتا۔ وہ تو بہرحال معلوم ہے کہ حاکم کی حکومت قائم ہے۔ ازل سے ابد تک جو کچھ ہو رہا ہے انہیں کے اذن و فرمان سے ہو رہا ہے۔ ایسے داعوں کی نفسیت میری سمجھ سے باہر ہے جو اس زمانہ میں بھی اس دنیا میں بغیر خدا کے جیتے ہیں۔ ان لوگوں کا ایسی دنیا میں جی کیسے لگتا ہے جسکی باگ کسی کے ہاتھ میں نہ ہو۔ ان مجازی ہاتھوں کا بھی پردہ فاش ہو چکا ہے جو بندے اور اُسکے مالک کے درمیان حائل ہوکر اپنی حاکمانہ قوتوں سے لوگوں کو دھوکا دے رہے تھے۔ اب تو صرف اللہ ہی کی حکومت ہے، بندے اللہ کے ہیں، اور پالنے والا بہرحال انکو پال رہا ہے۔"

بیشک اگر کسی کا ذوق سلیم باقی ہو، اور اُسکی فطرت مسخ نہ ہو چکی ہو، تو وہ وقت کی شیطانی جہانسوزیوں سے سبق حکمت، معرفت و بصیرت کے ویسے ہی لے سکتا ہے، جیسے مولانا نے لیے ہیں۔ رہے اہل زیغ، سو وہ تو ان واقعات و حوادث سے گمراہ تر ہی ہوتے جا رہے ہیں۔ یضل بہ کثیرًا و یہدی بہ کثیرًا وما یضل بہ الا الفاسقین ۔

پٹنہ یونیورسٹی سے

بہار کا قومی پندرہ روزہ اور امارت شرعیہ کا جریدہ نقیب اپنی تازہ اشاعت میں لکھتا ہے :۔

"آج ہم کو ایک فوٹو دیا گیا ہے جس میں حضرت سرور کائنات پر حضرت جبرئیلؑ کا نزول دکھایا گیا ہے۔ اور یہ فوٹو تاریخ ایران مصنفہ پی۔ ایم سائکس میں ہے، جسکے متعلق معلوم ہوا ہے کہ وہ پٹنہ یونیورسٹی کے ایم۔ اے کے نصاب میں داخل ہے۔ اور شاید دوسری یونیورسٹیوں میں بھی رائج ہے۔"

غیر مسلم، خصوصاً مغربی مصنفین تو اپنی گرم بازاری کےلیے ایسے ایسے لغو، دلآزار و اشتعال انگیز فوٹو شایع ہی کرتے رہتے ہیں۔ ان سب کی روک تھام بغیر شدید جدوجہد کے ممکن نہیں۔ البتہ ایسی کتاب کا کسی ہندوستانی یونیورسٹی کے نصاب میں داخل ہو جانا یقیناً قابل اعتراض اور بالکل ناقابل برداشت ہے۔ یونیورسٹی میں نصاب تاریخ کی جو مجلس ہوگی، اُسکے اکثر ارکان تو غیر مسلم ہی ہونگے، ایک دو شاید مسلمان بھی ہوں، اُن میں اتنی فرض شناسی، دور اس نوعیت کی حمیت کا احساس بھلا کیوں ہونے لگا! بہرحال اب بھی موقع ہے کہ پٹنہ یونیورسٹی کے ذمہ دار افسر اس کتاب سے کم از کم ایسی اشتعال تصویریں تو نوچ کر الگ ہی کردیں۔ اور بہار کے غیور و تعلیم یافتہ مسلمانوں پر فرض ہے کہ مسلم ارکان یونیورسٹی کورٹ کے ذریعہ سے اس کھلے ہوئے فرض کو جلد سے جلد انجام دے ڈالیں۔

"صاحب" کی غیرت

ایک "صاحب رسیدہ" دوست نے امریکہ کے ایک فوجی اخبار [illegible] کے دو تصویری تراشے ارسال فرمائے ہیں۔ ایک تصویر میں ہالی وڈ دنیا کے سب سے بڑے سینمائی مرکز کی ایک نوعمر ایکٹرس کو اس حال میں دکھایا گیا ہے کہ ٹانگوں کا تقریباً سارا حصہ یعنی تقریباً کُنج ران تک برہنہ ہے، علیٰ ہذا اوپر کے حصہ میں گلا اور شانہ اور بازو تو تمامتر اور سینہ کا بھی بڑا حصہ برہنہ۔ باقی یعنی کُل جسم کے نصف حصہ سے بھی بہت کم ملبوس دستور۔ تصویر کے نیچے کی عبارت کا خلاصہ یہ ہے کہ یہ "محب وطن" ایکٹرس۔ اباس کم پہن کر کپڑے کو فوجی ضروریات کےلیے پیش کر دیا ہے، اور پولیس کا قانون حب وطن کے جوش میں قصداً توڑ رہی ہے!

—— عورت ننگی یا تقریباً ننگی ہو کر سینما میں ناچنے لگے، اور پولیس کے قانون کے ساتھ خدا کا قانون توڑنے پر بھی دلیر ہو جائے۔" جوش حب وطن" کا یہ تخیل اب تک کسی مشرقی کے ذہن میں کیوں آیا ہوگا؟

دوسری تصویر ایک ۱۸ سال کی عمر کی حسینہ کی ہے۔ تصویر کا عنوان ہے Sweet heart جسکا اردو میں ترجمہ "معشوقہ" ہی ہو سکتا ہے خیال رہے کہ یہ تراشہ ایک فوجی اخبار کا، سپاہیوں کے اخبار کا ہے—اور تصویر کے نیچے یہ عبارت درج ہے کہ انگلستان اور آئرستان میں اسوقت جو امریکی فوج مقیم ہے، اُس نے اس حسینہ کو امریکی امدادی فوج کی سرکاری "معشوقہ" منتخب کیا ہے! تصویر کے ساتھ "صاحب رسیدہ" مشرقی دوست کا جو خط ہے اب وہ ملاحظہ ہو :۔

"آپ اس official sweetheart کے تخیل میں فسادِ غیرت کی پوری پامالی ملاحظہ فرمائیں گے۔ ایک عورت ساری رجمنٹ [ایک ہی رجمنٹ کیوں، خدا معلوم کتنی ہزاروں کی تعداد میں فوج ہوگی! مترجم] کی معشوقہ! میں نے ایک امریکن سے پوچھا بھی کہ آپ لوگوں کی یہ کیا جدت ہے؟ بولے کہ اول تو یہ سب سے بڑی عزت ہے جو رجمنٹ کسی کی کر سکتی ہے، دوسرے کسی بکری یا مرغی کو . . . . بنانے سے تو ایک [illegible] لڑکی کا انتخاب بہرحال بہتر ہے۔ میں نے کہا کہ ان لوگوں میں حیا و غیرت نام کا تخیل ہی نہیں، جو ہم میں ہے۔ اور حصول حظ سب کا مطمح نظر ہے، اور جنکا وہ [illegible] کے لیے ہر چیز جائز ہے۔"

لیکن اس حیا سوز نظارہ میں آخر اتنی حیرت کی بات ہی کون سی ہے؟

نئی کتابیں

(۱) **دودھ کی قیمت اور دوسرے افسانے**۔ از منشی پریم چند آنجہانی۔ (طبع دوم) شایع کردہ عصمت بکڈپو۔ دہلی۔ قیمت ۸/

منشی پریم چند آنجہانی کے مختصر افسانوں کے متعدد مجموعے شایع ہو چکے ہیں۔ یہ مجموعہ انکے ۹ افسانوں پر مشتمل ہے، جو سب کے سب رسالہ عصمت دہلی میں شایع ہو چکے ہیں، جیسا کہ منشی صاحب کے قلم سے توقع بھی تھی۔ یہ افسانے سبق آموز اور موثر ہیں۔ آجکل کے "ترقی پسند" ادیبوں کی طرح انکے افسانوں میں نہ عریانیت و رومانیت ہے اور نہ مذہب و اخلاق پر حملے۔ دیہاتی معاشرت (بالخصوص ہندوؤں کی) کے گہرے سبق سامنے رکھے گئے ہیں۔ اس مجموعہ کے اکثر افسانوں میں انکی یہی خصوصیت نمایاں ہے۔ عیدگاہ والے افسانے میں انھوں نے مسلمانوں کی معاشرت کا بھی اچھا اور سچا نقشہ کھینچا ہے۔ عید کا چاند دیکھ کر بچوں کی خوشی، عیدگاہ میں نماز باجماعت کا منظر، میلہ کی دھوم دھام، سویوں کا اہتمام، وغیرہ چیزیں ایک غیر مسلم کے قلم کی معلوم ہی نہیں ہوتیں۔

کتاب کی عبارت صاف اور سلیس اردو میں ہے۔ جا بجا عربی فارسی کے الفاظ بھی آئے ہیں اور ترکیبیں بھی — جن سے اس دعوے کی تردید ہو جاتی ہے کہ اردو خالص مسلمانوں کی زبان ہے۔ عصمت بکڈپو نے اچھا کیا کہ ان بکھرے ہوئے موتیوں کو یکجا کر دیا۔ (ع۔ ق)

(۲) **نجمہ**۔ از نذر سجاد حیدر صاحبہ۔ شایع کردہ عصمت بکڈپو۔ دہلی۔ قیمت ۱۲/

نذر سجاد حیدر صاحبہ تعلیم یافتہ صاحب تالیف خواتین میں مرتبہ قدامت رکھتی ہیں۔ نسوانی رسائل میں انکے مضامین کو نکلتے ہوئے ایک عمر ہو گئی۔ اور اس سے قبل انکی چند کتابیں بھی شایع ہو چکی ہیں۔ نجمہ نامی افسانہ رسالہ عصمت دہلی میں قسط وار نکل چکا ہے، اور اب یہی بار کتابی شکل میں منظر عام پر آیا ہے۔

افسانہ میں اگرچہ تجدد پسندی اچھی خاصی نمایاں ہے، لیکن ساتھ ہی عورتوں کی حد سے زیادہ آزادہ روی اور مغرب پسندی کو نہ صرف ناپسند کیا گیا ہے، بلکہ اسکا برا انجام بھی موثر پیرایہ میں دکھایا گیا ہے۔ بچپن میں مذہبی و اخلاقی تعلیم کا فقدان جن خرابیوں کی طرف لیجاتا ہے اسکی متعدد مثالیں اس افسانہ میں موجود ہیں۔

یہ تو افسانہ کا روشن پہلو تھا، لیکن بحیثیت مجموعی اسکے مطالعہ سے بہت سی مغربی رسوم کی تائید و تحسین ہی نکلتی ہے۔ اگرچہ انداز بیان بہت ہی سنبھلا ہوا ہے۔ افسانے میں مکالمے کثرت سے ہیں، لیکن ان میں بجائے اردو کے متعارف طرز کے انگریزی طرز اختیار کیا گیا ہے یعنی قائل پر مقولہ کی تقدیم۔ اس سے اکثر جگہ عبارت کی روانی میں فرق آگیا ہے۔

(۳) **ہوائی حملے**۔ از آغا محمد اشرف صاحب ایم اے وہیڈ پبلیسٹی آفیسر بی بی سی لندن۔ شائع کردہ حالی پبلشنگ ہاؤس کتاب گھر دہلی۔ قیمت ۱۲/

موجودہ جنگ میں ہوائی حملوں سے ہندوستان بھی محفوظ نہیں رہا ہے۔ اس موقع پر اس کتاب کی اشاعت وقت کی ایک اہم ضرورت کو پورا کرتی ہے۔ یعنی بمباری کے وقت اور بمباری کے اندیشہ کے دوران میں جو جو تدبیریں لندن وغیرہ میں عمل میں آ چکی ہیں، مختصراً وہ سب اس رسالہ میں موجود ہیں، اور ہندوستان کے لحاظ سے ضروری مشوروں کا اضافہ بھی ہے۔ جس طرح وبائی امراض ہیضہ، طاعون وغیرہ کے پھیلنے سے قبل حفاظتی تدابیر سے واقف ہونا ضروری ہے اسی طرح اس نازک گھڑی میں جبکہ ہوائی حملے کا خطرہ سروں پر منڈلا رہا ہے، ہر ہندوستانی کے لیے اس کتاب کا مطالعہ ضروری ہے تاکہ وقت پڑنے پر ہاتھ پیر پھول نہ جائیں، اور حفاظت جان و مال کے لیے بروقت کچھ کیا جا سکے۔

کتاب میں لندن کے ہوائی حملوں کی چند آپ بیتیاں بھی بہت دلچسپ انداز میں درج ہیں۔ ایک اور دلچسپ چیز ضمناً اس کتاب کے مطالعہ سے معلوم ہوئی، وہ یہ کہ ڈاکٹر اگھور ناتھ آنجہانی (جو انتقال سے پہلے وائسرائے کی ایگزیکٹیو کونسل میں . . . . کے ممبر تھے، اور اس سے قبل صوبہ متوسط کے وزیر اعظم اور تھوڑی مدت کے لیے گورنر بھی رہ چکے تھے) نے لندن کے دوران قیام میں اردو سیکھنے کا ارادہ کیا، اور کتاب کے مرتب آغا محمد اشرف صاحب نے . . . انکو اس قابل کر دیا کہ وہ اردو میں خط لکھنے لگے۔ اردو ہم کو خط . . . سکنے اور سمجھنے والے، اس واقعہ کو . . . امید ہے کہ اپنی راے پر نظر ثانی کریں گے۔ ناشرین نے بہرحال ایک دلچسپ و مفید مجموعہ اوراق شایع کر دیا ہے۔ (ع۔ ق)

(۴) **مثنوی عائشہ صدیقہ**۔ از جناب وقار رانقی صاحب۔ شایع کردہ عصمت بکڈپو دہلی۔ عصمت بکڈپو دہلی کی یہ مختصر سی کتاب خواتین کے سامنے . . . میں ایک بیش بہا خزانہ کی حیثیت رکھتی ہے۔ ام المومنین حضرت عائشہ صدیقہ کی حیات طیبہ کے ضروری حالات ایام طفولیت سے وفات تک۔ سب کے سب اس میں موجود ہیں۔ واقعات عموماً مستند ہیں، صرف ایک جگہ (ص ۹۱) ذرا عقیدت . . . حقیقت پر غالب آگئی ہے۔ کتاب کے بارے میں فاضل مقدمہ نگار کی یہ رائے بالکل صحیح ہے کہ "یہ مثنوی اس قابل ہے کہ لڑکیوں کے نصاب میں داخل کی جائے" (ع۔ ق)

(باقی آئندہ)

فضل باری

علاقہ بنگال سے ایک صاحب ورود بمباری کے زمانہ میں لکھتے ہیں:

"اخبارات میں آپ پڑھ رہے ہونگے کہ کلکتہ پر بمباری شروع ہو گئی ہے۔ گیہوں کے ساتھ گھن بھی پس رہے ہیں۔ اور پسنا ہی چاہیے لیکن ڈر یہ ہے کہ گیہوں سے زیادہ گھن نہ پس جائیں۔ اگر اسکے ساتھ ساتھ مسلمانوں میں جو گھن لگا ہے وہ بھی پس جائے تو اس بمباری کو فضل باری سمجھنا چاہیے۔ خدا کرے ایسا ہی ہو۔ عدو شرے برانگیزد کہ خیر ما دراں باشد۔"

فضل باری کی اس دعا پر بجز اسکے کیا کہا جائے کہ اللّٰہم آمین!

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں

صدق

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
" ششماہی تین روپیہ
ممالک غیر سے ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر

جلد ۸	دوشنبہ - ۲۰ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۶ اپریل ۱۹۴۳ء	نمبر ۴۹

شر میں خیر

برطانیہ میں پورے گیہوں یعنی بغیر چھنے ہوئے آٹے کی روٹی پکانا قانوناً لازمی قرار دیا جانے والا ہے۔ ان دنوں برطانیہ میں جو ڈبل روٹی ملتی ہے وہ پورے گیہوں کی روٹی نہیں ہوتی، بلکہ اس میں ۷۶ فی صدی گیہوں کا آٹا ہوتا ہے۔ لیکن اب سو فی صدی گیہوں ہوگا۔ اسوقت تک انسان یہ غلطی کرتا چلا آیا ہے کہ وہ گیہوں کا ۷۶ فی صدی حصہ سفید آٹے یا میدے کی صورت میں اپنے استعمال کے لیے رکھ لیتا ہے اور باقی ۲۴ فی صدی بھوسی کی صورت میں مویشیوں یا دوسرے جانوروں کو کھلا دیتا ہے۔ لیکن اب معلوم ہوا کہ مردانہ گندم کے اسی ۲۴ فی صدی جزو میں گیہوں کے تقریباً وہ تمام حیاتین موجود ہوتے ہیں جو مجموعۂ حیاتین ب کے ضروری جزاء ہیں۔ مثلاً حیاتین ب جو بیری بیری کے مرض کو روکتا ہے۔"

(ہمدرد صحت۔ دہلی۔ اپریل نمبر)

کچھ خیال ہے کہ یہ بے چھنا ہوا آٹا کس کی مستقل غذا تھی؟ کس کا معمول تمام تھا؟ مستقلیوس اور بقراط، جالینوس اور بوعلی سینا کا نہیں۔ معجون اور مربے، کشتے اور خمیرے، ایجاد کرنے والے اور استعمال کرنے والے، حاذق طبیبوں، اور ریسرچ کرنے والے امور ڈاکٹروں کا نہیں۔ دنیا کے معلم، عرب کے امی کا تھا! ——— قدرت کی عجیب کرشمہ سازی ہے کہ جس کے نام سے اور پیام سے زمانہ اسقدر بغاوت پر تلا ہوا ہے، عین اسی کی سنت کے اتباع پر اپنے کو اضطراراً مجبور پا رہا ہے۔ ایک اسی معاملہ میں نہیں، چھوٹے بڑے خدا معلوم کتنے معاملات میں! دانستہ زبان پر کلمے ارتداد والحاد کے جاری رہیں گے، اور نادانستہ قدم اسلام ہی کی طرف اٹھتے رہیں گے۔

بڑے مکان کا مکین

کوئی اگر آپ سے پوچھے کہ ہندوستان کے ایک شہر میں ایک محل اتنا بڑا اور لق ودق ہے "جو بصیغۂ حال "تھا" بصیغۂ ماضی نہیں) کہ اس میں نو وارد راستہ بھول بھول جاتے ہیں، اور اسکے اندرونی راستوں اور پیچ در پیچ ٹکڑوں کا مجموعی طول ۶ میل تک جو پہنچتا ہے! اُس محل کے مستقل خدمتگاروں کی تعداد ۴۳۲ ہے۔ اور چپراسیوں، ہرکاروں، پیادوں، پہرہ داروں کی ایک فوج کی فوج اسکے علاوہ! محل میں جو باغ بانغہ ہے، اُس میں مالی بہیئوں کی تعداد میں کام کرتے رہتے ہیں، اور ہر روز ۲۰۰ گلدان تازہ پھولوں سے سجائے جاتے ہیں! (ہندو، مدراس، ۴ اپریل ۴۳ء) تو آپ ایسے مکان اور ایسے مکین کی نسبت کیا رائے قائم کریں گے؟

رائے جو چاہیے قائم کیجیے، صرف اتنا سن لیجیے، کہ یہ ذکر کسی راجے مہاراجے، کسی نواب نواب زادے کی شبستان عشرت کا نہیں، ہندوستان کے وائسرائے بہادر، برطانیہ کے نائب السلطنت، بڑے لاٹ صاحب کی کوٹھی کا ہے!

بے غیرتوں کی غیرت

"بمبئی - ۱۱ر اپریل - بمبئی کی پارسی قوم میں ان دنوں سخت ہیجان اس امر پر پھیلا ہوا ہے کہ بہت سی پارسی عورتیں پارسی مردوں کے علاوہ اب غیر پارسی مردوں کے ساتھ اسٹیج پر ناچنے اور ایکٹنگ کرنے لگی ہیں۔ چنانچہ زرتشتی دھرم رکشک سبھا کے ایک جلسہ میں اس امر پر سخت ناراضگی اور نفرت کا اظہار کیا گیا اور ان پارسیوں کے خلاف سخت کارروائی کرنے کی دھمکی دی گئی جو ناٹکوں اور اس قسم کے دیگر اسٹیجوں پر آکر غیر پارسی مردوں کے ساتھ ناچتی ہیں

ایک مختصر سا پیام

"یوم اکبر" منانے والوں کے نام

[عالم پور (دکن) میں ایک دکیل اُردو کے خوش فکر صاحب دیوان، داکھو چندرائڈو صاحب، نوشاب ہیں۔ انکی کراگزاری دی طاہرہ ہی سے ۹ مارچ کو یوم اکبر انکے شہر نیا ہندم سے منایا گیا۔ اور میں گزشتہ انکی طرف سے اکبر کے کلام اور نام کے نشر و اشاعت کی جاری ہیں۔ ذیل کا پیام اسی موقع کے لیے لکھ کر بھیج دیا گیا تھا۔ صدق]

سنہ ۱۹ء ہے اور مہینہ غالباً اپریل کا۔ لکھنؤ تب ابھی نو تراشیدہ ہیں، سرنت انگریزی طرح ہے۔ ایک طالب علم بی اے کا امتحان دے لکھنؤ سے الہ آباد پہونچتا ہے۔ اور پہلی فرصت میں ہی وہ نوجوان انگریزی اور اُردو کی صورت میں مشہور ادیب و شاعر کے گھر ہے چل کر اشتیاق کے ساتھ پہنچا۔ "عشرت منزل" جا حاضر ہوتا ہے۔ پیر طریقت کا سن کوئی ۶۶ سال کا، جسم لاغر و نحیف، چہرہ گول۔ اور اس گول چہرہ پر جھریاں۔ لباس سادہ، وضع و معاشرت سادہ، ایک دبیز پہ آمدہ۔ آسمانی ایک آرام کرسی پر نشست۔ آنکھوں پر عینک، آنکھیں عینک کے اندر سے بھی چمکتی ہوئی۔ قدرتی نہیں، ڈاکٹر کے ہاتھ کی قدح کی ہوئی۔ اس پر بھی گفتگو لطیفوں سے پُر، ظرافت سے معمور، بشرہ سے ذہانت کا ظہور، خود کم ہنستے ہیں، ہنساتے زیادہ ہیں۔ فقرے گویا ڈھلے ہوئے، پہلے سے سوچے ہوئے جنچے ہوئے، منہ سے نکل رہے ہیں۔ جو ملنے آیا ہے، وہ سن میں انکی اولاد سے بھی کہیں چھوٹا ہے، لیکن باتیں اس سے یوں گھل مل کر کر رہے ہیں جیسے وہ انکا کوئی پرانا دوست ہے، ہم سن ہم جلیس ہے —— ان پیر طریقت کو آپ نے پہچانا؟ یہ تھے الہ آباد کے مشہور واعظ و شاعر اور میرے عقیدہ میں حکیم و عارف، حضرت اکبر۔ اور سنہ ۱۹ء کے اس نو رسیدہ نوجوان کو آپ نے جانا؟ وہ نامہ سیاہ ہے آپ کے ارشاد کی تعمیل میں بزم اکبر کے لیے پیام نویس!

سنہ اب یاد نہیں اور مقام کا اظہار کچھ ضروری نہیں۔ بہرحال اودھ کا ایک چھوٹا سا ضلع ہے۔ حضرت اکبر کے صاحبزادہ، سید عشرت حسین صاحب ("عشرت منزل" کا نام آپ ابھی سن چکے ہیں، یہ انھیں کے نام پر ہے) وہاں ڈپٹی مجسٹریٹ ہیں۔ اکبر صاحب بھی وہیں مقیم ہیں۔ شہر کے کچھ لوگ، غالباً رئیس یا وکیل، ڈپٹی صاحب سے ملنے آتے ہیں۔ ڈپٹی صاحب اتفاق سے موجود نہیں ہوتے، وہ حضرات اُنکے بجائے حضرت اکبر کو جلوہ افروز پاتے ہیں۔ لیکن پہچان کر بھی کچھ التفات نہیں کرتے۔ اتنے میں ڈپٹی صاحب باہر سے آ جاتے ہیں۔ اور حاضرین سے کہتے ہیں کہ "آپ لوگوں نے پہچانا نہ ہوگا، یہ میرے والد ماجد ہیں"۔ اب کیا تھا۔ وہی حضرات تعظیم کے لیے سروقد کھڑے ہو جاتے ہیں، اور فرماتے ہیں کہ "معاف کیجیے گا، ہمیں اس رشتہ کی خبر نہ تھی"۔ اکبر نے فرمایا، "نہیں، اس میں مضائقہ ہی کیا۔ . . . . . . ایک بار یورپ میں کیا ہوا، کہ اللہ میاں مجسم ہو کر تشریف لائے، گرجا میں جا کر ایک ایک سے کہا کہ میں تمہارا خدا ہوں، خالق ہوں، پروردگار ہوں۔ کوئی مخاطب نہ ہوا۔ پھر فرمایا ارے مجھے پہچانتے نہیں ہو؟ میں ہوں تمہارے عیسیٰ مسیح کا باپ! بس اس تعارف کی دیر تھی۔ اس رشتہ کو سنتے ہی سب دوڑ پڑے، سب کے سر تعظیم کے لیے جھک گئے!" —— یہ تھا اکبر کی برجستہ لطیفہ گوئی کا ایک نمونہ!

سنہ غالباً ۱۹۱۸ یا ۱۹۱۹ ہے۔ اکبر لکھنؤ میں امین آباد پارک کے ایک بالاخانہ پر مقیم ہیں۔ ایک صاحب "صاحبانہ" سلف و خیال کے ملنے تشریف لاتے ہیں۔ گفتگو کچھ عورتوں کی تعلیم و آزادی پر چلتی ہے۔ آپ نے کہا کہ "ہم تو اپنے زمانہ میں آزاد خیالوں کا امام سید احمد خاں کو سمجھتے تھے لیکن عورتوں کی آزادی تو انھیں بھی سخت ناپسند تھی"۔ وہ صاحب بھرے بیٹھے تھے۔ بات کاٹ کر بولے کہ "سر سید احمد کی رائے اس معاملہ میں قابل ترمیم تھی"۔ اکبر نے برجستہ جواب دیا کہ "جی، کیوں نہیں۔ ایک اسی معاملہ میں کیا، خدا معلوم کتنے معاملوں میں سخت قابل ترمیم تھی۔ وہ خود ہی قابل ترمیم تھے، دیکھو نہ، زمانہ نے اُنھیں کی ترمیم کر دی اور اُنکے بجائے آپ کو پیدا کر دیا!" —— یہ ایک ہلکی سی جھلک تھی اکبر کی اصلاحی و تبلیغی طرز گفتگو کی۔ اصلاح و تبلیغ کے کام میں تو وہ ہمہ وقت لگے رہتے لیکن مجادلہ و مکابرہ کیا معنی، رسمی مناظرہ و مباحثہ کی بھی نوبت کبھی نہ آنے دیتے۔ اور خشونت تو اُنکے لہجہ کو کبھی چھو بھی نہیں گئی تھی۔ شعر میں کہہ بھی تو گئے ہیں ؎

مذہبی بحث میں نے کی ہی نہیں   فالتو عقل مجھ میں تھی ہی نہیں!

انکار "مذہبی بحث" سے کیا ہے۔ بحث و مباحثہ کا رنگ کبھی نہ آنے دیا، ان جیسے شیریں اور میٹھے بولوں میں مذہب کی تبلیغ تو چپکے چپکے ہر وقت کرتے رہتے۔ مجھ سے ایک روز فرمانے لگے، جس زمانہ میں یہ بد مغربی الحاد میں غرق تھا، کہ "کیوں صاحب، آپ نے کالج میں عربی لی تھی نہ"؟ عرض کیا "جی ہاں"۔ فرمایا "تو پھر اب قرآن آپ کبھی پڑھتے ہیں؟ مذہبی کتاب سمجھ کر نہ سہی۔ مگر اسکی اعلیٰ لٹریری حیثیت سے تو آپ کو بھی انکار نہ ہوگا۔ کیا حرج ہے اگر عربی ادب سے اپنا تعلق قائم رکھنے کے لیے اُسے کبھی کبھی پڑھتے رہیے۔ آخر انگریز بھی تو اسے پڑھتے رہتے ہیں۔ آپ کے لیے کوئی قید باوضو ہونے، قبلہ رُخ، بیٹھنے کی نہیں، باوضو بے وضو، جب جی چاہے کچھ پڑھ لیا کیجیے، اور جو آیت پسند آ جائے، اُسے ذرا دو ایک بار دہرا لیا کیجیے، جیسے اچھے شعر کو دو چار بار پڑھ لیا جاتا ہے"۔ بس یہ حکیمانہ طریق تھا اُنکی تبلیغ کا۔ ایک روز اور میرے اسی دورِ الحاد میں مجھ سے فرمانے لگے کہ

کیوں صاحب آپ کو کبھی اپنے منکر ہونے میں بھی شک ہوا ہے؟ وجود باری کے مسئلہ کو الگ رکھیے، ذات و صفات کے مسئلوں میں اچھے اچھوں کی عقل چکر کھا جاتی ہے۔ یہ تو صرف اتنا پوچھتا

ہوں کہ آپ کو اپنے بندہ ہونے میں تو شک نہیں؟ عرض کیا "نہیں، اس میں تو نہیں"۔ بولے "بس پھر بیڑا پار ہے۔ اپنی بندگی ہی کا احساس کرتے رہیے۔ آپ کے اسی قدر کافی ہے۔ اللہ کی معرفت کا دعوے کون کر سکتا ہے سب کی یافت بس اپنے اپنے مقام تک رہی ہے۔ میرا ایک شعر سن لیجیے ؎

درد تو موجود ہے دل میں شفا ہو یا نہ ہو
بندگی حالت سے ظاہر ہے خدا ہو یا نہ ہو"

اپریل ۱۹۱۳ء کی وہ گھڑی اور ستمبر ۱۹۲۱ء میں یوم وفات پورے ۸ برس میرے تعلقات نیازمندی برابر قائم رہے اور روز بروز بڑھتے گئے۔ اس مدت میں میں نے بہت کچھ سیکھا، بہت کچھ پایا اکبر کے کلام سے بھی اور اکبر کی ذات سے بھی۔ خوش نصیب تھا میں کہ اتنی مدت تک موقع استفادہ کا ملا۔ بدنصیب تھا میں کہ اس مہلت سے پورا فائدہ نہ اٹھایا۔ اپنے عقائد و خیالات کی اصلاح میں میں نے حضرت اکبر کا بھی اثر شعوری طور اور غیر شعوری طور پر کام کرتے ہوئے پایا۔ وہ ابھی زندہ ہی تھے کہ میں بحمد اللہ مسلمان از سر نو ہو چکا تھا۔ نیاز نامہ حضرت اکبر کے ساتھ اداکی، اس وقت انکی خوشی کا کیا پوچھنا، یہ معلوم ہوتا تھا کتنی بڑی دولت تو انھیں کو مل گئی ہے! ——— توحید کے عاشق تھے۔ اور غیرت عشق کا ایک لازمہ ہے۔ توحید کی غیرت اتنی تھی، کہ کوئی دوسرا تذکرہ یہاں تک کہ اہل اللہ کا بھی، زیادہ دیر تک سن ہی نہیں سکتے۔ جھٹ موضوع بدل، توحید پر آجاتے۔ اور آخر آخر تو فنا اور توحید ہی در محبوب موضوع رہ گئے تھے۔ سنہ ۲۱ء وسط ۱۹۲۱ء میں عارف روم کی مشہور و معروف مثنوی کی دھن میرے اوپر سوار تھی۔ اکبر کی خدمت میں اسکا ذکر کیا۔ ایک بار کیا، دو بار کیا۔ جب تیسری بار کیا، تو تڑ سے بول اٹھے کہ "اچھا یہ تو فرمائیے، اللہ میاں بڑے ہیں یا مولانا روم؟" میں نے کھسیا نے ہوکر کہا کہ "اللہ میاں"۔ بولے "میں تو آپ کی گفتگو سے یہی سمجھا تھا کہ شاید مولوی روم بڑے ہیں۔ جب سے آپ آئے ہیں، بار بار انھیں کا ذکر کر رہے ہیں، اللہ میاں کا نام میں نے ایک بار بھی نہ سنا۔ میں تو سوچ میں پڑ گیا تھا کہ اللہ نے آپ کی رہنمائی مثنوی تک کی، یا مولوی روم آپ کو اللہ تک لے آئے؟" انتہا یہ ہے کہ جب ذکر رسولؐ شروع ہوتا تو اُسے بھی دو ہی چار منٹ بعد حضرت اکبر اپنے اس فقرہ پر ختم کر دیتے، کہ جی ہاں، ہمارے اللہ کی کارگیری کا کیا کہنا۔ ایک انسان بے نظیر اور ایسا جامع صفات و کمالات پیدا کر دیا"! لا یہ حد تھی غایۂ توحید کی!

اکبر بڑے پُرگو تھے، اور بڑے زودگو۔ جو دیوان چھپ چکے ہیں، وہ تین ہیں۔ اور جو کلام اب تک نہیں چھپا ہے، وہ سب چھاپ دیا جائے، تو اگر پوری دو جلدیں نہیں، تو ڈیڑھ جلد تو ضرور ہی تیار ہو سکتی ہے۔ اکبر کا پیام تقریباً وہی تھا، جو اقبال کا تھا۔ یعنی خودی و خودداری کا سبق۔ مشرقی کو مشرقی اور مسلمان کو مسلمان رہنے کی تلقین۔ راہیں الگ تھیں، ایک چہروں کو ہنساتا ہوا چلا، دوسرا دلوں کو گرماتا ہوا بڑھا، لیکن منزل کے لحاظ سے اکبر و اقبال دونوں ایک۔ اکبر کی زندگی تو اس حقیقت کا ایک سبق ہے کہ انسان ظرافت زندہ دلی اور شگفتہ مزاجی کی راہ سے بھی کیسی کیسی خدمتیں قوم و ملت کی انجام دے سکتا ہے!

عربی زبان اسلام میں

(از مولوی قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب، دارالاشاعت شمس آباد ضلع اٹک)

مضمون تو مدت سے میری ایک مبسوط کتاب منزل القرآن میں لکھا ہوا تھا اور ارادہ بھی یہی تھا کہ یہ مضمون اسی کتاب میں شائع ہو جسکے لیے لکھا گیا ہے مگر صدق میں فاضل گرامی مولانا مناظر احسن گیلانی مدظلہ کے مضمون اشاعت قرآن کا آخری حصہ پڑھا، جس میں آپ نے تحریر کردہ نقشہ یہ ہے (مسلمان) اتنی عربی سیکھ لیں کہ براہ راست جسکی بدولت قرآن سے متاثر ہونے کا انکو موقع مل جائے۔

چونکہ مولانا کا ارشاد ہر لحاظ سے قابل عمل ہے، اس لیے دل نے چاہا کہ اس پر اگر مضمون کی بنیاد رکھ دی جائے اور مضمون کو صدق کے کالموں میں دیدیا جائے تو امید کہ اہل علم اسے ملاحظہ فرمائیں گے۔

قرآن کریم سے ظاہر ہے کہ عربی زبان سب زبانوں سے زیادہ واضح اور صحیح ہے۔ قرآن کا ارشاد ہے۔ بلسان عربی مبین۔ ایک مسلمان کے لیے اس کتاب کے حکم سے زیادہ اور کوئی مستند دلیل نہیں ہو سکتی بلکہ کسی عقل انسان کو بھی ایسی کتاب کی دیانت اور جامعیت میں کسی قسم کا شبہ پیدا ہونا خود اسکے ادراک کے قصور کی علامت ہے کہ آج دنیا کے اسی کروڑ انسانوں کا اس پر ایمان ہے۔ اور ایمان بھی ایسا کہ دنیا رشک کرے۔

یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کا تقریباً اسی پر عقیدہ ہے کہ خداوند تعالیٰ نے تمام انبیاء علیہم السلام کو عربی ہی میں الہام فرمایا۔ آگے انھوں نے حسب موقع اپنی اپنی اقوام کو انھیں کی زبان میں سمجھایا۔ بخاری کی شرح عینی اور قسطلانی کے چند اقتباسات درج ذیل ہیں:۔

صالح اور شعیب علیہما السلام عربی زبان میں کلام فرماتے تھے۔ آدم علیہ السلام عربی زبان میں کلام فرماتے تھے، زمین پر آنے سے زبان بگڑ گئی مگر قبول توبہ کے بعد پھر عربی ہو گئی۔ کعب فرماتے ہیں کہ سب سے پہلے جس نے عربی بولی وہ جبرئیل ہیں اور انھوں نے عربی زبان کو نوح علیہ السلام کی زبان پر القاء کیا۔ حضرت سفیان ثوریؒ فرماتے ہیں کہ تمام انبیاء علیہم السلام پر الہام عربی زبان میں ہوا۔ انھوں نے اپنی قوم کو انھی کی زبان میں ترجمہ کر کے ارشاد فرمایا۔ (عینی جلد اول صفحہ [illegible] وقسطلانی جلد اول صفحہ [illegible])

جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا ہے احبوا العرب لثلاث انا عربی والقرآن عربی ولسان اہل الجنۃ عربی (او کما قال) اور ایک حدیث میں ہے جو عربی بول سکتا ہے وہ عجمی میں کلام نہ کرے۔

اس لیے کہ عجمی زبان نفاق پیدا کرتی ہے۔ مسلمانوں نے اس پر عمل کرنے کے لیے اپنے ابتدائی دور میں متعدد طریقوں سے عربی زبان دینے کی

قومی امانت

(از ناز کالج کی سکریٹری شپ سے استعفا کا سلسلہ)

(۳) ماہنامہ ضیا (لکھنؤ)

" فلم ایکٹریسیں" ضیا کے رنگین کالموں میں بارہا سنیما اور سنیمائی عادت بد بینی ہوئی مقبولیت و مصروفیت کی مذمت کی جا چکی ہے۔ غالباً اب تو کوئی شہر ایسا باقی نہ ہوگا جہاں اس وبا کے مستقل قدم نہ جم چکے ہوں اور کوئی گھرانا ایسا نہیں جس کے رہنے بسنے والوں میں دو ایک شخص اسکے دلدادہ اور شیدائی نہ ہوں۔ شروع شروع میں تو صرف مرد ہی اسکے شائق تھے، لیکن اب مردوں سے بھی زیادہ عورتوں اور لڑکیوں میں سنیما بینی کا شوق عام طور پر زور پکڑتا جا رہا ہے۔ اور اگر اسکی پیدا کردہ خرابیوں، تباہ کاریوں اور زبوں حالیوں سے چند سے اور چشم پوشی کی جاتی رہی تو پھر یہ سیلاب عظیم یہ ہلاکت آفریں طوفان کسی کے روکے نہ رک سکیگا۔ جہاں تک سنیما بینی کا تعلق ہے اسکا نفع نقصان تو اسی حد تک ہے کہ کوئی شخص اگر اپنا پیسہ اپنا عزیز وقت اس فضول کام میں گنوانا چاہتا ہے تو گنوائے لیکن اب تو اس وقت میں ایک دوسری قسم کا گھن لگنا شروع ہوگیا ہے یعنی ہماری بہو بیٹیوں کو فلم ایکٹرسوں کی شہرت و دولت دیکھ کر انہیں جیسا بننے کا شوق ہوتا جا رہا ہے۔ یہ آگ اگر بھڑکی تو نتائج اسکے ظاہر ہیں کہ ہماری موجودہ اور آیندہ نسلوں کے لیے کہاں تک فخر و مباہات کے موجب بن سکیں گے۔ یہ خوف بے دلیل نہیں ہے، علیگڑھ میں کوئی خاندان ہمارے یہاں ہے جسکی بیٹی اور بہو دونوں نے اس قابل نفرت پیشے کو اختیار کر لیا ہے۔ جسکی عقدہ کشائی روزنامہ حق مورخہ ۲۶ مارچ ۴۳ء میں ہفتہ وار صدق لکھنؤ کے حوالے سے ایک اپیل کی صورت میں کی گئی ہے۔ یہ اپیل اور اصل مقالہ کہاں تک قابل توجہ ہے اسکا اندازہ ہماری بہنیں پڑھکر ہی کر سکیں گی۔ حق کا "افتتاحیہ" اور صدق کا مقالہ دونوں حرف بحرف نذر ناظرین ہیں۔ یہ تو صرف ایک اونچے خاندان کی دو لڑکیوں کی مثال ہے ورنہ خدا جانے غیر معروف گھرانوں کی کتنی لڑکیاں اب تک فلم اسٹار بن چکی ہونگی اور کتنی سونے کی چڑیا بننے کے لیے ابھی پر تول رہی ہونگی امید ہے کہ ان دونوں مضامین کو پڑھکر اہل بصیرت اور صاحب ہوش خواتین اسکا انتظام کرینگی کہ نہ وہ خود کبھی اس طرف رخ کریں اور نہ اپنی بہو بیٹیوں کو سنیما بینی کی اجازت دیں۔

(اسکے آگے حق و صدق کے مضامین بجنسہ درج ہیں)

(۴) وحدت (دہلی)

نئی تہذیب، تعلیم کیا کیا نئے شگوفے کھلا رہی ہے، اور اپنے زہریلے اثرات اور مسموم جراثیم سے جو جو خانہ خرابیاں ہی نہیں بلکہ علم، مذہب، معاشرت اور تمدن سے بُعد و دوری پیدا کر رہی ہے اسکے عبرت انگیز و ہولناک واقعات روزانہ منظر عام پر نمایاں ہوتے رہتے ہیں۔ اگر دیگر اقوام "تہذیب جدید" کی کرم فرمائیوں سے سرشار ہوکر تجدد و فوازی میں سابقت و اولیت حاصل کرنے کی سعی کریں تو ہمیں نہ تعجب کا مقام ہے اور نہ فکر کی، کیونکہ انکے سامنے کوئی مضبوط اور مکمل قانون حیات نہیں۔ لیکن ہم بڑے الم اور قلبی ملال سے یہ چیز دیکھ رہے ہیں کہ مغربی تعلیم اور نئی تہذیب رفتہ رفتہ بجائے خود آزاد خیال اور نام نہاد مستورات مسلمانوں کو بھی انتہائی گمراہ ہی نہیں بلکہ مذہب، تہذیب، حیا اور عصمت و عفت تک سے بیگانہ کر رہی ہے اور "آرٹ" کے پردے میں دنیا کی ہر مغرب چیز فن کی زینت حاصل کرکے اسلامی تعلیمات پر ضربیں لگا رہی ہے۔ آج ملت کی رہنمائی کی تدبیریں ہیں، آج سیاسی حقوق طلبی کے لیے گرما گرمی ہے مگر افسوس کہ ہمارے علماء، ہمارے لیڈر، ان بنیادی خرابیوں اور تباہ کن اعمال اور رجحان پر بادی مغربی تقالید کے اثرات کو دور کرنے اور مسلمانوں کو اس سے بچانے میں یکسر غافل ہیں۔

اب حالات نہایت نازک ہو چکے ہیں، حد ہو چکی ہے کہ اعلیٰ مسلم گھرانوں کی تعلیم یافتہ لڑکیاں خورشید و قمر جیسے نام کے بجائے "نینا" اور "رینو" جیسے خطابات کو پسند کر کے بجائے زینت خانہ ہونے کے "رونق بزم" ہوتی جا رہی ہیں۔ ان ہی بڑھتی ہوئی خرابیوں سے متاثر ہوکر محترم معاصر "صدق" نے حسب ذیل مقالہ سپرد قلم فرمایا ہے۔ جسکی اہمیت کے پیش نظر ہم لفظاً ناظرین وحدت کی خدمت میں پیش کرتے ہیں۔ معاصر صدق رقمطراز ہے :- (صدق ملا کا پورا مضمون نقل ہے) ان حالات کے انکشاف کے بعد کون سا مسلم قلب ہے جو مضطرب نہ ہوگا اور کونسی آنکھ ہوگی جو اس تباہی خیز منظر پر آنسو نہ بہائیگی۔ ابھی وقت ہے کہ اس فتنے کو ابتدا میں ختم کردیا جائے ورنہ آیندہ چل کر یہ ایک ایسا مہلک اور رسوا کن عمل ثابت ہوگا جو مسلمانان ہند کی پیشانی پر کبھی نہ مٹنے والا کلنک کا ٹیکہ لگا دیگا۔

(۵) انقلاب (بمبئی)

عورت اور مرد کا اختلاط آگ اور تیل کا ملاپ سمجھا جاتا تھا۔ غیر عورت اور غیر مرد میں شناسائی، ربط و ضبط اور رسم راہ کا کوئی امکان ہی نہیں رہا تھا۔ بلکہ اسکا تصور بھی نہیں کیا جا سکتا تھا۔ کون بے غیرت باپ اسے گوارا کر سکتا تھا کہ اسکی لڑکی غیروں کی زینت آغوش بنے؟ کون بھائی اسکا تصور کر سکتا تھا کہ اسکی بہن دوسروں کے ساتھ ہنسنے بولنے، کھیلنے کودنے، عیش و طرب کے جلسوں میں شریک ہو؟ کون خوددار شوہر اسکا تصور بھی کر سکتا تھا کہ اسکی بیوی "فن کاروں" کے ساتھ ناچنے گانے، انکی رفیقۂ حیات بنے، انکے عشق میں (وہ وقتی ہی سہی) سرد آہیں بھرے؟ انکے ساتھ انکی روشنی میں پہلو سے پہلو ملا کر بیٹھے اور رات کی تاریکی میں وہ پارٹ کرے جو "آرٹ" کے پردہ میں چشم تماشا کو دعوت نظارہ دے۔

رہی سہی کسر فلموں نے پوری کر دی۔ اب تک اس لائن میں زیادہ تر وہ عورتیں آتی تھیں جنکے سابقہ روایات اور حال کے واقعات حقائق کے آئینہ میں سب کے سامنے ہیں۔ شریف لوگ فلمیں دیکھتے تھے، فلم سازی بھی کرتے تھے۔ لیکن فلم کاری سے علیحدہ رہتے تھے۔ لیکن ترقی یہیں پر ختم نہیں ہوگئی، اب تو شریف خاندانوں کی بہو بیٹیاں بھی اپنی حرم سرا سے باہر نکل آئیں اور تماشہ گاہ میں جا پہنچنے لگیں۔ اب نہ پردہ ہے، نہ حجاب ہے، نہ حیا!

سعی کی۔

(بقیہ صفحہ ۵)

سعی کی جسکا مختصر سا نقشہ درج ہے۔

(۱) ہر ایک مسلمان روزانہ کم از کم پانچ مرتبہ عربی میں نماز پڑھتا ہے۔
(۲) انکی اذان واقامت عربی میں ہے
(۳) مسلمانوں کا خطبۂ نکاح عربی میں ہے۔
(۴) جمعہ و عیدین و استسقاء و صلوٰۃ خوف عربی میں ہے۔
(۵) مسلمانوں کا کلمہ عربی میں ہے
(۶) اقرار ایمان کے شروط عربی میں ہے۔
(۷) میت کی نماز جنازہ عربی میں ہے
(۸) وہ دعا جلد قبول ہوتی ہے جو عربی میں ہو۔
(۹) قرآن مجید آج تک عربی میں پڑھا جاتا ہے۔
(۱۰) مسلمانوں کا رشتہ اخوت کا عنوان (السلام علیکم) عربی میں ہے۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ارشادِ گرامی نے تو فیصلہ فرما دیا ہے کہ عربی ہی وہ زبان ہے جو اولاً و آخراً کام آنے والی ہے اور جسے تمام کائنات کے افضل ترین مراکز میں استعمال کیا جاتا ہے۔ اسی بنا پر فقہا و امت مسلمہ نے اس پر خوب زور دیا ہے کہ روزمرہ کی بول چال بھی عربی میں ہونی چاہیے انکے فیصلہ کے اجزاء درج ہیں۔

(۱) امام شافعیؒ فرماتے ہیں جو عربی جانتا ہو اسکے لیے غیر عربی میں کلام کرنا مکروہ ہے۔

(۲) عربی لغت کا جاننا فرائض دین سے ہے کہ قرآن کا سمجھنا اسی پر موقوف ہے۔

(۳) حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہ کو حکم فرمایا کہ عربی میں مہارت پیدا کرو۔

(۴) حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں اعرابی کلام سیکھو کہ تمہارے دین سے ہے۔ (اقتضاء الصراط المستقیم لابن تیمیہ)

غیروں کا اعتراف

پروفیسر نائیڈ اے نکلسن ایم اے فارسی لکچرار کیمبرج یونیورسٹی و فیلو ٹرنٹی کالج نے کہا ہے،

"عربی ساری دنیائے اسلام کی مشترک زبان بن گئی۔ اور یہ یقینی طور پر قرآن کا اعجاز تھا قرآن نے عربی زبان وروایات پر تحیر خیز اثر ڈالا۔ متن قرآن کو اسکی تحریف سے بچانے کے لیے اور اسکی ناقابل فہم آیات کی توضیح و تشریح کے لیے مسلمانوں نے نحو اور لغت ایجاد کی اور زمانہ قبل کے ادبیات اور زمانہ قبل اسلام کی ادبیات و روایات کو جمع کرکے انکو ہلاکت انکو ہلاکت سے بچا لیا۔"

چیمبرز انفرمیشن فار دی پیپل ص۲۲۱ میں ہے

"قرآن کی زبان انتہا درجہ کی خوبصورت اور خالص ہے۔ کسی اور کتاب کا اتنا احترام نہیں کیا جاتا جتنا کہ مسلمان قرآن کا کرتے ہیں" (پیام امین)

اس مختصر سی تحریر کے بعد یہ معلوم ہوا کہ مسلمانوں کو عربی زبان کی اشاعت کرنی چاہیے۔ اور قرآن کو اپنی زبان پر تابع کرنے کے بجائے اپنی زبان کو قرآن کے تابع کریں۔ اسکا طریقہ کار کیا ہونا چاہیے۔

"اولوا الامر" انکا بڑا کام فرض ہے۔ مگر اتنا ضرور قابل عرض ہے کہ جب تک کسی مرکز سے اسکی اشاعت کا انتظام نہ ہو زیادہ موثر نہ ہو سکے گا۔ دارالعلوم دیوبند، مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کو خاص توجہ کرنے کی ضرورت ہے، اور سلطان العلوم کی توجہ گرامی نے جس طرح اُردو کو اُردو سے سلجھا یا اور آج ہندوستان بلکہ تمام ممالک مشرق اسکی خوبی سے شناسا ہو چکے ہیں، اگر اسی طرح عربی پر پڑے تو مجھے امید ہے کہ کئی کام اسے اہم ترقی پر پہنچا دینگے اور ہندوستان کے مسلمان تھوڑی ہی مدت میں اس فریضہ سے سبکدوش ہو جائیں گے۔ (قوم اتجولی ابدکر اِلی سبیل الرشاد)

ایک عبرتناک واقعہ

لکی مروت (علاقہ بنوں) کے ایک گاؤں احمد خیل کا واقعہ ہے کہ وہاں ایک مسافر جو کابلی پٹھان تھا، فوت ہو گیا۔ چونکہ لاوارث تھا۔ اس لیے گاؤں والوں نے اسکی تکفین و تدفین کے لیے چندہ جمع کیا لیکن جب غسل دینے کے لیے اسکے کپڑے اتارے گئے تو اسکی جیب سے پانسو روپے کے نوٹ برآمد ہوئے۔

بھولے بھالے دیہاتیوں نے گاؤں کے مُلّا صاحب سے استفتا کیا کہ اس رقم کو کیا جائے۔ مُلّا صاحب نے نہایت غور و خوض کے بعد یہ فتویٰ دیا کہ اس مسافر کی تکفین و تدفین کے بعد جو روپیہ بچے وہ قبر میں اسکے سرہانے رکھ دیا جائے۔ چنانچہ گاؤں والوں نے فتوے کی تعمیل میں کچھ کم پانسو کی رقم میت کے سرہانے رکھ کر اوپر مٹی ڈال دی اور فاتحہ پڑھ کر گھروں کو واپس آئے۔ جب دن گزر گیا اور رات ہوئی تو حضرت مُلّا صاحب لوگوں کی نظروں سے بچتے بچاتے قبرستان میں جا پہنچے اور مسافر کی قبر کو سرہانے کی طرف کھودنا شروع کیا جب بہت سی مٹی نکال چکے تو اپنا سر اس گڑھے میں ڈال کر ہاتھ کو میت کے سر تک پہنچانے کی کوشش کی۔ خدا کا کرنا کیا ہوا۔ جب مُلّا صاحب اس حالت میں سر بہ قبر تھے تو قبر کی تازہ کھدی ہوئی مٹی ہر طرف سے گر پڑی۔ مُلّا صاحب کا سر قبر کی تہ تک پہنچ گیا اور ٹانگیں اوپر کھڑی ہو گئیں۔

مُلّا صاحب نے بہتیرے ہاتھ پیر ہاتھ پاؤں مارے ہونگے اور آواز دینے کی کوشش بھی کی ہوگی۔ لیکن ایک تو قبر کی تہ تک پہنچ چکا تھا دوسرے آدھی رات کا وقت سنسان قبرستان میں ہوکا عالم آواز کون سنتا۔ آخر اسی حالت میں مُلّا صاحب کی جان نکل گئی اور ٹانگیں اوپر اپنے سر نیچے آنکھیں دیر تک اپنے خالق حقیقی کے حضور میں پہنچ گئے۔

صبح ہی صبح ایک دیہاتی ادھر سے گزرا۔ اور ایک انسان کی ٹانگیں قبر سے باہر نکلی ہوئی دیکھ کر لرزہ براندام ہو گیا۔ بھاگا بھاگا گاؤں میں پہنچا اور لوگوں سے کہنے لگا ارے بھائیو۔ تم نے جس کابلی پٹھان کو کل دفن کیا تھا، وہ تو قبر سے باہر نکلا جا رہا ہے۔ پہلے تو لوگوں نے یقین نہ کیا لیکن جب اس نے قسمیں کھائیں تو وہ تمام قبرستان میں پہنچ گئے۔ ایک شخص نے ہمت کرکے باہر نکلی ہوئی ٹانگوں کو پکڑ کر جو کھینچا تو کابلی پٹھان کے بجائے حضرت مُلّا صاحب قبلہ مرحوم و مغفور برآمد ہو گئے اور سارا راز فاش ہو گیا۔ جس پر کیا تھا بجائے دعائے مغفرت کے ہر طرف سے لعنتوں کی بوچھاڑ پڑنے لگی۔ پولیس کو اطلاع دیگئی جس نے آکر قبر کھدوائی اور رقم پر قبضہ کر لیا تاکہ کوئی دوسرا حریص اپنی جان نہ گنوا بیٹھے۔

(انقلاب)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

فالذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبدالقوی دریابادی
مضامین کی بابت میں خط کتابت اڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشدآباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ۔

چندہ سالانہ: پانچ روپیہ
ششماہی تین روپیہ
ممالک غیر: ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ آنہ

نمبر (۱) | دوشنبہ - ۲۷ ربیع الثانی ۱۳۶۲ھ مطابق ۲ - مئی ۱۹۴۳ء | جلد ۹

سچی باتیں

(از عبدالماجد)

"۱۰ دسمبر ۱۹۲۱ء۔ شب میں سننے میں آیا کہ کھدر پوشوں کی گرفتاریاں دریاباد اسٹیشن پر اور ضلع کے دوسرے اسٹیشنوں پر ہو رہی ہیں۔ اور کھدر پوش جانے نہیں پاتے۔ سن کر بڑی کلفت ہوئی۔ ارادہ کر لیا کہ کل اپنے اوپر آزمائش کرونگا۔" ——— اقتباس ناچیز راقم سطور کی ذاتی ڈائری کا ہے۔ ایک زمانہ میں شوق باقاعدہ ڈائری لکھنے کا تھا۔ شوق کئی سال تک قائم رہا، دوسری ڈائریاں تو جلا کر ضائع کر دیں۔ یہ ۱۹۲۱ء والی ڈائری اتفاق سے باقی رہ گئی۔ اقتباس اسی سے ہے۔ ۱۹۲۱ء میری زندگی میں خاص اہمیت رکھنے کے علاوہ ہندوستان کی سیاسی تاریخ میں بہت اہم ہے۔

تحریک خلافت و ترک موالات کا پورا شباب اسی سنہ میں تھا۔ محمد علی شوکت علی اسی زمانہ میں گرفتار اور سزایاب ہوئے تھے۔ دسمبر میں پرنس آف ویلز ہندوستان آئے ہوئے تھے، اور بڑے بڑے شہروں کا دورہ کر رہے تھے۔ گورنمنٹ تلی ہوئی تھی، کہ ہر جگہ انکا دھوم دھام سے استقبال ہو، اور انکے شایان شان جلوس نکلے۔ کانگریس اور خلافت کمیٹی کا حکم تھا کہ ہر جگہ جلوس کا بائیکاٹ کیا جائے۔ یہ گرفتاریاں اسی سلسلہ میں تھیں۔ ——— خیر اقتباس بلا تشریحی اضافوں کے آگے پڑھیے

"۱۱ دسمبر۔ دوپہر کو دو میل پیدل اسٹیشن گیا۔ حسب معمول سر سے پیر تک کھدر میں۔ ٹرین آگئی، تو سب انسپکٹر پولیس میرے پاس آئے (ہندو تھے، ذات کے ٹھاکر) مجھے سفر سے روکنا چاہا۔ میں نے کہا کہ آخر کوئی جرم؟ [illegible] گرفتاری کا وارنٹ ملا ہے؟ آخر یہ ہے کیا؟ اسکا کچھ جواب اُن سے نہ بن پڑا۔ آج مجھے سفر کی کوئی اور ضرورت تو تھی نہیں، محض اس بت کو توڑنے کے لیے لکھنؤ کا ٹکٹ لیا، اور سوار ہو گیا۔ سب انسپکٹر نے ایک نمبر دو کے کانسٹبل کو نگرانی کے لیے ساتھ کر دیا۔ یہ مسلمان تھے۔ انھوں نے بہت کچھ اپنی دال اور نمک مرچ مجھے سمجھائی۔ ٹکٹ ضبط کر لینے والا تھا۔ بارہ بنکی اسٹیشن پر بہت سی پولیس تھی۔ مگر مجھ سے کوئی بولا نہیں۔ لکھنؤ پہونچا۔ یہاں بھی اسٹیشن سے پیدل ہی چلا۔ اور دو میل کی مسافت طے کرکے بجائے گھر جانے کے سیدھا ہوم ممبر مہاراجہ محمودآباد کے پاس پہونچا۔ یہ گورنر کے بعد صوبہ کے سب سے بڑے حاکم ہیں۔ اطلاع کرائی۔ فوراً بلا لیا۔ میں نے کہا "آپکے عہد حکومت میں کیا اندھیر ہو رہا ہے؟ خواہ مخواہ بے قصوروں کو تقصیروار سمجھا جا رہا ہے"۔ تفصیل بیان کی۔ بولے "اطمینان رکھیے، اب نہ ہونے پائیگا۔ گورنر کو ابھی لکھے دیتا ہوں"۔ یہ کہکر اپنے اسٹینوگرافر کو ایک پر زور نوٹ گورنر کے نام اُسی وقت املا کرا دیا۔ خیر یہ مرحلہ طے ہوا۔ کہیں قریب شام کے گھر پہونچا۔ گھر کے سب لوگ آجکل یہیں لکھنؤ میں ہیں۔ اب کل دریاباد پہونچکر، ڈپٹی کمشنر ضلع کو بھی احتجاج نامہ لکھنا ہے"۔

۲۱-۲۲ سال پیشتر کے "نامہ اعمال" کی چند سطریں پڑھ کر گزری ہوئی زندگی کا نقشہ نظر کے سامنے پھر گیا۔ اور بھولے بسرے واقعات کی یاد تازہ ہو گئی۔ اسے

اس وقت کی فضا، اور جوانی کے زمانہ کا جوش! جوش اور پھر سیاسی اندھا اور ایک رنگ پیدا ہوتا ہے۔ دل کہہ رہا ہے کہ اگر اب پھر ویسا موقع پیش آجائے تو قدم اس اقدام عمل کی طرف اس تیزی اور بے تکلفی سے نہ اٹھ سکیگا۔ ذہن کے سامنے بیسیوں دوسرے سوالات آجائیں گے۔ آخر صدق کا توسط کام کرتا ہے، اسے زندہ رکھنا ہے۔ اسکی ہفتہ وار پابندیاں ہیں، ذمہ داریاں ہیں۔ قرآن مجید کے کام کا ایک ایک لمحہ قیمتی ہے، دوسری ساری خدمتیں اسکے مقابلہ میں بہت ہیچ ہیں۔ اور فلاں اور فلاں اور بعض تو ضروری کام ہیں۔ پھر یہ تو شاید اقدام دیکھئے ختم کہاں ہو۔ درمیان میں کون کون سی منزلیں پیش آئیں۔ جماعتیں توقعاً چھوٹی موجب نہیں، جو نمازیں ہی قضا ہونے کی نوبت آجائے ——— غرض ایک نہیں بیسیوں "دور اندیشیاں" اسی قسم کی اب حائل راہ ہونگی۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ اسکے نزدیک بہتر حالت کونسی ہے، اس نو عمری کے "جوش" کی، یا اس پختہ عمری کے "ہوش" کی!

پیامِ اقبالؒ

حیدرآباد دکن کی بزم اقبال نے حسب معمول یوم اقبال ۲۱ اپریل کو منایا تھا۔ ذیل کا پیام مدیر صدق کی طرف سے سنایا گیا:-

"اقبال کا اور پیام ہی کیا تھا بجز اسکے کہ مسلمان ہو، مسلمان ہو۔ زندگی اقبال کی قابل رشک ہو یا نہ ہو لیکن موت تو اقبال کی یقیناً قابل رشک تھی۔ اللہ ہم سب کو اقبال کا پیام سننے اور اس پر عمل کرنے کی توفیق دے۔ ہمارے بچوں کو بھی، جوانوں کو بھی، ادھیڑوں کو بھی، بڑے بوڑھوں کو بھی"۔

ایک وفات

لکھنؤ کے مشہور مسلمان رئیس منشی احتشام علی کاکوروی نے بالآخر ایک طویل علالت کے بعد جمعرات ۲۳ اپریل کو وفات پائی۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ کاکوری مرحوم کا وطن لکھنؤ کا ایک مشہور و مردم خیز قصبہ ہے۔ شریف مسلمانوں کی خاص آبادی۔ وہیں کے علوی خاندان سے متعلق تھے۔ منشی امتیاز علی مرحوم مشہور وزیر بھوپال کے صاحبزادے تھے۔ اب چند سال سے خانہ نشین ہوگئے تھے۔ مگر اس سے قبل لکھنؤ کا شاید ہی کوئی پبلک کام ہو، جس میں منشی صاحب نمایاں حصہ نہ لیتے ہوں۔ مسلمانوں کے چھوٹے بڑے ہر کام میں پیش پیش، اور ندوہ کی خدمت تو گویا انکا حصہ ہو چکی تھی، ذاتی طور پر بھی اور وراثۃً بھی۔ سالہا سال سے اس کے معتمد مال (فنانشل سکریٹری) چلے آرہے تھے۔ اسکی کمیٹیاں انھیں کی کوٹھی پر ہوتی رہتی تھیں۔ بڑے شریف، بڑے وضعدار، بڑے پاکباز تھے۔ عمر اب ۷۵ سال سے متجاوز تھی۔ جوانی بھر ورزش کا شوق رہا تھا، اسلیے صحت مرض الموت سے قبل تک بہت اچھی چلی آرہی تھی۔ حرم محترم کا انتقال مدت ہوئی ہو چکا تھا۔ باقی ساری عمر، باوجود ہر طرح کی فراغت و وسعت کے، تجرد میں بڑی احتیاط کے ساتھ گزار دی۔ بات کے پکے، اپنے اصول و قواعد زندگی میں اٹل تھے۔ سلسلۂ بیعت اودھ کے مشہور نقشبندی بزرگ، مولانا فضل رحمن گنج مرادآبادی سے تھا۔ مشرقی شرافت و اسلامی وضعداری کا ایسا نمونہ اب کیوں دیکھنے میں آئیگا! اللّٰھم اغفرہ وارحمہ۔

مشاہداتِ دار المصنفین

دار المصنفین اعظم گڈھ کے دیکھنے کی نوبت ایک مدت دراز کے بعد آئی۔ رکن انتظامیہ ہونے کے باوجود اتفاق وہاں جانے کا کئی کئی سال نہیں ہوا ——— اور اسے فرصتی ہی یہ کوتاہیاں! ایک تنہا اسی پر کیا موقوف ہے، زندگی کے ہر شعبہ ہی میں یہی حال ——— ادارہ فرطِ شہرت و سعادۂ کارکردگی سے محتاج کسی تعارف کا نہیں۔

قیام دو دن اور تین رات رہا۔ مہمان خانہ کے نام سے ایک مستقل عمارت بھی اب بن گئی ہے۔ ناظم ادارہ مولانا سید سلیمان ندوی اپنے علم و فضل کے لیے، اور مولوی مسعود علی صاحب ندوی اپنی قوت عمل کے لیے جیسے مشہور ہیں۔ اب ان خصوصیات میں اضافہ کثرت نوافل اور اذکار و اشغال کا ہوگیا ہے۔ حضرت مولانا تھانوی مدظلہ سے بیعت تو کچھ روز ہوئے ہو چکی تھی، اجازت و خلافت حال میں ملی ہے۔ پر اسکے لحاظ سے اب زیادہ تر عالم استغراق میں رہتے ہیں۔ دو اور مصنفین مولوی شاہ معین الدین احمد (سیر الصحابہ والے) اور مولوی سید ریاست علی (تاریخ صقلیہ والے) برابر اپنے اپنے کام میں لگے رہے۔ تیسرے مصنف مولوی محمد اویس ندوی نگرامی کے کام کی دیکھ بھال کا موقع زیادہ ملا۔ یہ جوان صالح و سعید معارف کے مضامین کے علاوہ، خاص طور پر خدمت قرآن میں مصروف ہے، اور ایک نہیں تین تین مستقل و قابل قدر کام اسکے ہاتھوں انجام پا رہے ہیں:

(۱) عربی زبان میں جو کتابیں معانی و بلاغت پر ہیں نیز محاضرات کی کتابیں مثلاً امالی سید مرتضیٰ، طراز، المثل السائر وغیرہ۔ ان میں جابجا آیات قرآنی اور انکے مفردات کی تشریح ادبی حیثیت سے جابجا ملتی ہے۔ مولف نے ان سب کو پڑھ کر، ہر آیت قرآنی کے تحت میں انھیں نظم و سلیقہ کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ کام دو جلدوں میں ہو گیا ہے۔

(۲) وجوہ اعجاز قرآن یعنی اسکے دلائل و شواہد، ہر زمانہ میں علمائے اہل قلم کا ایک محبوب موضوع رہا ہے۔ البتہ ہر عہد میں نئے نئے نقطۂ نظر سامنے آتے گئے ہیں۔ یہاں مولف نے یہ کیا ہے، کہ تفسیر، کلام، ادب و محاضرات وغیرہ کی کتابوں میں، ہر ہر عہد سے متعلق جو کچھ مل سکا ہے، بکھرے ہوئے موتیوں کو ایک جگہ سمیٹ دیا ہے۔

(۳) علامہ ابن تیمیہ، حافظ ابن قیمؒ، شاہ ولی اللہ دہلویؒ نے قرآن مجید سے متعلق اپنی مختلف کتابوں میں بہت کچھ لکھا ہے۔ مولف یہ کر رہے ہیں کہ ان حضرات کی متفرق تصانیف میں جہاں جہاں بھی کسی آیت قرآنی سے متعلق کچھ مل سکا ہے، سب کو یکجا کر رہے ہیں کہ پڑھنے والے کے ہاتھ میں یک وقت یہ اچھے اچھے تفسیری مجموعے آجائیں۔ اخذ و استنباط، جمع و تالیف کا بھی کام بجائے خود پوری اہمیت رکھتا ہے، اور تصنیف کے کام سے کچھ کم قابل قدر نہیں۔ انشاء اللہ اور

ورنہ کسی صورت میں دونوں کے بہت ادارہ زندگی میں برکت عطا فرمائے۔

نقل کی اصل! " مولانا سید سلیمان کے قبضہ میں ہے۔ دارالعلوم ہے، مولانا سلیمان کو حضرت اسیر گمشدہ کا آلہ بنانے کی کوشش ہو رہی ہے۔ خالی ملا ہی نہیں۔ اسی ملا کو ہندوستان کے سب سے بڑے زندہ فتنہ مولانا اشرف علی تھانوی کا بھی مُرید اکم سے کم ہم خیال ہونے پر مجبور کیا جاتا ہے۔"

یہ بریلی کی جماعت رضائی سنی نہیں، ملیح آباد کے جوانِ دیوانہ پٹھان، صداقتِ مجسم دارِ سب سے شال، ایڈیٹر ہند تھے اپنے تازہ مقالہ افتتاحیہ میں فرمایا! —— بیشک، گھوڑے اور سہرگھٹے ملاؤں پر مذہبی دیوالیہ اور پھر وہ بھی ایک دینی درسگاہ کے عدود کے اندر، مختصر داڑھی صاف اور مونچھ صاف، "اپ ٹو ڈیٹ" فیشن کے، سکرٹری نشی" فلائیٹ" تو ہوگا، تو اور کس کو آئیگا! —— بریلی کو مبارک کہ جانشین ملیح آباد میں خوب ہاتھ آگیا! جانشین کیسی، یہ کہیے کہ وہ بروایت تو محض نقشِ اول تھی نقشِ ثانی اب جاکر پیدا ہوا!

اور پھر دنیا کو خبر دی اسی محقق نے لکھنؤ سے چھ سو اچھ سو میل دور کلکتہ میں بیٹھ کر:—

"پبلک کو معلوم نہیں، مگر واقعہ یہ ہے کہ باطنی مذہب والوں کی طرح ایک گروہ ہندوستان میں بھی پیدا ہو گیا ہے، اور اس گروہ کے سرغنہ ہیں، مولانا سید سلیمان، مولانا مسعود علی، مولانا عبدالماجد دریابادی، مولانا عبدالباری بارہ بنکوی، انکے ساتھ کچھ اور بھی خردماغ ہیں۔"

یہ نہ معلوم ہو سکا کہ اس نادر ریسرچ کی داد مملکت عالیہ روس کی کسی یونیورسٹی نے بھی کچھ دی؟ لیکن مزدک کے بزرگوں کا مقام تو سنا ہے کہ اس سے بھی بہت بلند ہے۔ اور پھر ارشاد ہوا انکا، اور رجز کے لہجہ میں!—

"ہم جب جون کے مہینے میں، اپنے وطن ملیح آباد یعنی لکھنؤ جائینگے تو ندوہ کو اس بلا سے بچانے کی کوشش بھی کریں گے۔ حالانکہ ہم جانتے ہیں کہ " اشرفی جتھا پولیس کی مدد لے کر ہمیں دارالعلوم کے احاطہ میں آنے سے بھی روکیگا، مگر ہم تو کسی نہ کسی طرح پہنچ ہی جائینگے۔ ..... جون کے مہینے میں ہم ذاتی طور پر دخل دینگے ..... ملیح آبادی عرض کرتا ہے کہ دوایا ..... جون سے وہ لکھنؤ میں ہوگا۔ ملیح آبادی اکیلا ہوگا۔ اشرفی جتھا اپنی پوری فوج کو جمع رکھے ..... ملیح آبادی کو گرفتار کرانے والے مولانا سلیمان اور مولانا مسعود علی اور انکے گرگے ہوں گے۔"

اس متن کی شرح آپ کے ذہن میں آئی؟ اس پہیلی کو آپ بوجھ سکے؟ مطلب یہ ہے کہ جب اپنے قلمی باغ اور آم کھانے کے سلسلہ میں یہ خاں صاحب اپنے وطن کو یاد فرمائیں گے، تو دارالعلوم ندوہ میں عین اسی زمانہ میں یعنی جھانٹ کر نزول اجلال فرمائیں گے، جب مدرسہ تعطیلات گرما میں بند ہوگا، ہوسٹل میں قفل پڑا ہوگا، لڑکے اپنے اپنے گھروں پر چھٹیاں منا رہے ہونگے۔ لکھنؤ سے ڈیڑھ سو میل اور اعظم گڑھ میں مولانا سلیمان تصنیف تالیف میں مشغول ہونگے، اور "استبداد مجسم" دفتر اور پریس کے انتظام میں! مولانا عبدالباری بارہ سو میل دور حیدرآباد میں جامعہ عثمانیہ میں درس تفسیر میں مصروف ہونگے، اور خاں صاحب کے اصلی حریف و رقیب مولانا عمران خاں ندوی (مصر کی سیاحت کر کے خالی ہاتھ آئے ہیں، تخصیص کی ڈگری لانے والے ازہری) بھی سیکڑوں میل دور بھوپال میں ہونگے۔ عین اس وقت یہ سوشلزم کا شیر لینن کا نام جپتا ہوا، مزدک کی جے پکارتا ہوا، ندوہ کے بچے ہوئے قالین پر نازل ہوگا۔ کچھ دیر برآمدے میں بیٹھے، بدل بدل کر پریڈ کریگا، اور مقفل دروازوں کو اپنی شانِ جلالی و نشانِ حیدری" دکھاتا ہوا، اپنی شجاعت و مردانگی کا فخریہ پڑھتا ہوا رخصت ہو جائیگا! اسکے بعد یہ کارنامۂ ہند کے افتتاحیہ میں پھر ایک نئی داستان امیر حمزہ (امیر حمزہ یا عمرو عیار؟) سنائیگا! —— کون کہتا ہے کہ سرشار کے لکھے ہوئے فسانۂ آزاد کا دلچسپ ترین کردار "خوجی" (لا ابری قزلی" والا خوجی) محض زورِ تخیل کا نتیجہ تھا؟ کون کہتا ہے کہ اس نقل کی اصل اب غائب ہو گئی ہے؟

مکتوب بنام خان بہادر شیخ عبداللہ صاحب وکیل علیگڑھ [ذیل کا خط اخباری قسم کا "کھلا خط" نہیں۔ نج کا بند خط ہے، بند لفافہ میں ۱۹ فروری کو شیخ صاحب کی خدمت میں روانہ کیا گیا۔ ہفتوں تک جواب کے انتظار کے بعد جب صدق میں قلم ایڈیٹوریل پر لکھا گیا۔ اس وقت تک اس مضمون کو اتنے پرچے اسکے مع اپنے مختصر یا مفصل "ابد کے شائع کر چکے ہیں:— حق (لکھنؤ) حقیقت (لکھنؤ) وحدت (دہلی) زمیندار (لاہور) مدینہ (بجنور) ماہنامہ منیا (لکھنؤ) اور انقلاب (بمبئی) ماہنامہ عصمت (دہلی) ؛ طور خود لکھ چکے ہیں۔ بہرحال اس خط پر شیخ صاحب نے مطلق التفات نہ فرمایا، اُسکی نقل بجنسہ درج ذیل ہے]

کرم گستر۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ۔ یہ خط آپ کو بڑے پس و پیش کے بعد لیکن بڑی امیدوں کے ساتھ لکھ رہا ہوں۔ محض اُسی اسپرٹ میں پڑھیں جس میں یہ لکھا جا رہا ہے۔

حال میں میرے پاس بہ حیثیت ایڈیٹر صدق پہلے لاہور سے اور پھر لکھنؤ و علیگڑھ سے آپ کی ایک شادی شدہ صاحبزادی اور پوتے سے متعلق ایسی اطلاعیں معتبر ذرائع سے موصول ہوئیں، جو اسلامی تہذیب و شرافت کے نقطۂ خیال سے نہایت درجہ افسوسناک ہیں۔ اگر وہ اطلاعیں غلط ہیں تو انکی تردید سے بڑھ کر میرے لیے خوشگوار چیز اور کیا ہو سکتی ہے۔ اور پھر آگے ظاہر ہے کہ کوئی سوال ہی نہیں رہتا۔

لیکن اگر وہ خدانخواستہ صحیح ہیں، تو آپ سے بحیثیت ایک باپ اور خسر کے میں کچھ نہیں کہتا کہ وہ آپ کا خانگی معاملہ ہے۔ لیکن آپ سے بحیثیت سکرٹری زنانہ مسلم کالج علیگڑھ و سکرٹری مسلم فیمیل ایجوکیشن سوسائٹی شاید یہ ضرور عرض کرنے کا حق رکھتا ہوں کہ اس صورت حال کے بعد آپ نے اپنی پبلک حیثیتوں پر غور فرما لیا ہے؟ کیا ایسی حالت میں منافی

میری نئی کتابیں

(از عبدالماجد)

"وہ تبصرہ نہ سہی، شائی تجارت سہی، لیکن بہرحال اپنی ہی کتابوں کا، اپنے ہی قلم سے "اپنے اخبار میں"! ——— "خود کوزہ، خود کوزہ گر، خود گِلِ کوزہ۔" "خود ستائی" کی ایک زندہ تفسیر!

خدا خدا کرکے ادارۂ اشاعت اردو، حیدرآباد دکن کی مرتب کی ہوئی اور چھاپی ہوئی تینوں کتابوں کی شکل اب دیکھنے میں آئی۔ مختصر عرض حال تینوں سے متعلق سن لیجیے:۔

(۱) مردوں کی مسیحائی۔ ضخامت تین سو صفحات سے زائد۔ مجلد مع گردپوش۔ قیمت (رف پیپر) عہ (اعلیٰ کاغذ) ہے/

سچ، صدق کے نقش اول کا نام ہے۔ ۱۹۲۵ء سے ۱۹۳۳ء تک جاری رہا۔ یہ اسی کے بعض مقالات کا مجموعہ ہے۔ کل مضامین کی تعداد ۷۱ ہے۔ مضامین زیادہ تر سیرت نبوی ہی سے متعلق ہیں، بعض ایسے بھی لے لیے گئے ہیں، جو سیرت سے تعلق تو دور کا رکھتے ہیں، لیکن بہرحال ہیں شریعت اسلامی ہی کے سلسلہ پر۔ ضرورت تھی کہ کتابی شکل میں آنے سے قبل مصنف سے نظرثانی کرالی جاتی۔ اور جابجا حواشی کا بھی اضافہ کردیا جاتا۔ کاغذ، کتابت، طباعت، سب جمیل و لطیف۔ کتاب حسن ظاہری کے لوازم سے آراستہ۔ گو اغلاط طبع سے بالکل محفوظ یہی نہیں۔

(۲) مضامین عبدالماجد دریابادی۔ ضخامت ۲۵۵ صفحات۔ مجلد مع گردپوش۔ قیمت ہے/ تقطیع ۱۸×۲۲

سچ اور صدق کے سلسلے ۲۸ مضامین کا مجموعہ۔ کاغذ، طباعت وغیرہ حسن ظاہری کے لحاظ سے یہ بھی قابل اطمینان۔ لیکن کتابت کی غلطیاں سرسری نظر میں جابجا محسوس ہوئیں، اور معنوی حیثیت سے تو کمی ہی نہیں۔ سب سے بڑی کمی اسکی، کہ مصنف کی نظرثانی اور توضیحی حواشی کے اضافہ کے بغیر ہی یہ مجموعہ چھپ گیا۔ مزید نشاندہی کے لیے ہاتھ تو جابجا ترمیم و اصلاح کی ضرورت تھی ہی، بڑی بات یہ کہ نفس مسائل میں بھی اب مزید تحقیق سے بڑا نقطۂ نظر بدل دیا ہے۔ (مثلاً مضمون "پردہ کے حدود" میں) وہاں ترمیم ضروری تھی۔ پھر ہفتہ وار میں جس وقت مضمون سپرد قلم ہوتا ہے، اکثر سیاق خود بہت سی چیزوں کو واضح کردیتا ہے۔ وہ اب کتابی صورت میں، بغیر توضیحی نوٹ کے، بالکل مبہم اور نامکمل ہیں۔ "خوش نصیب گول کیپر" کو کوئی کتاب میں سمجھے گا بھی نہیں کہ یہ تھے کون؟ سچ میں جب یہ تعزیتی مضمون نکلا ہے تو تصدق احمد خاں شروانی کے نام سے ایک ایک شخص واقف تھا۔ ساری فضا انکے ماتم سے گونج رہی تھی۔ جو چیز اسوقت بالکل کھلی ہوئی اور معروف تھی، وہی اب بالکل مجہول اور محتاج وضاحت ہوگئی ہے۔ یہ صرف ایک مثال بتائی گئی۔ کل کتاب میں ایسی مثالیں کثرت سے ملیں گی۔

(۳) محمد علیؒ۔ ضخامت ۱۰۴ صفحے۔ تقطیع ۱۸×۲۲ مجلد مع گردپوش۔ قیمت عہ/

سچ میں محمد علی کی وفات کے بعد میں نے اپنے ذاتی تاثرات و مشاہدات اس بزرگ ہستی سے متعلق لکھنے شروع کیے تھے۔ ابھی چند ہی نمبر نکلے تھے کہ سلسلہ بند ہوگیا۔ یہ انھیں تمام مضامین کا مجموعہ ہے۔ اسکی تصحیح نہیں ہے کہ بے توجہی سے ہوئی، اور غلطیاں رہیں خاصی، وگنجلک ہیں۔ بالکل یہ کتاب مصنف کی نظرثانی کی بہت زیادہ محتاج تھی۔ اور ناشرین نے اگر ادارہ ہی سے اطلاع کردی ہوتی تو شبہ نہ تھا کہ اسکا بہت شاید کتاب کا تکملہ بھی ہو جاتا۔۔ انکی عجلت بیجا سے خود انھیں کو نقصان پہنچا!۔ مثلاً محمد علی کے خطوط کے سلسلہ میں چند "خطوط ان صفحات میں نقل ہو چکے ہیں" ظاہر ہے کہ کتاب میں "ان" سے اشارہ قریب کا مشارٌ الیہ کتاب ہی کے صفحات سمجھے جائیں گے۔ حالانکہ کتاب میں ایک خط بھی نقل نہیں ہوا ہے! نقل تو سچ کے صفحات میں ہوے تھے۔ اسی طرح بیسیوں مقامات مضحک ہو کر رہ گئے ہیں۔

تینوں کتابوں پر دیباچہ مولوی غلام دستگیر رشید ایم اے کے قلم محبت رقم سے ہے۔ جامعہ عثمانیہ کے قدیم طلبہ میں ہیں۔ اب ماشاءاللہ نظام کالج میں خود استاد ہیں۔ شروع ہی سے بڑے محبت رکھنے والے، حسن ظن کو حد غلو تک پہونچا دینے والے۔ مصنف کے باب میں اچھے خاصے شاعر، انکی شاعری نے دیباچہ کو "باب المناقب" بنادیا۔ اور مجھے تو اتنا شرمندہ کردیا، کہ لفظاً لفظاً انکی تحریر کو پڑھ بھی نہ سکا۔ ترتیب، تصحیح وغیرہ کے باب میں انکی جانفشانی پر بے حد شکریہ سے بالاتر۔ لیکن مجھے نظرثانی کا موقع نہ حاصل ہونے سے جو خامیاں رہ جانا ناگزیر تھیں، انکی تلافی ان کا "رشد" بھی نہ کر سکا، اور نہ انکی "دستگیری" ہی کام آسکی۔

ہو غم ہی جانگداز تو غمخوار کیا کریں!

سچ اور صدق میں بارہا یہ تجربہ ہوا کہ کوئی مضمون چھپ جانے کے بعد پھر کوئی بات اسی سے متعلق خیال میں آئی، تو اسے بعد کے کسی نمبر میں بطور اضافہ یا ترمیم درج کردیا گیا۔ ان کتابوں میں وہ مقامات بھی رہ گئے۔

خریداران صدق کی خدمت میں

سلسلہ ذیل خریدار صاحبان کی معیاد خریداری ماہ مئی میں ختم ہورہی ہے۔ براہ کرم سال آئندہ کے لیے اپنا چندہ سالانہ ارسال فرما کر شکرگزار بنائیں۔ ۳۰ مئی تک ضرور روانہ ہو جانے، ورنہ دفتر میں بروقت نہ پہونچا تو یکم جون کو وی پی روانہ کیا جائیگا۔ اس صورت میں ۵ر کا زیادہ خرچ ہے۔

۲۰۶، ۲۴۶، ۲۵۹، ۲۹۲، ۵۰۴

۸۰۳، ۸۰۵، ۸۱۶، ۱۰۲۲

۱۰۲۴، ۱۱۱۱، ۱۱۱۸، ۱۱۱۹

۱۱۲۰، ۱۱۲۱، ۱۱۳۶، ۱۱۶۹

(مہتمم صدق)

ایک مختصر سا پیام
فیض آباد کے "اردو ڈے" منانے والوں کے نام

[۸ جنوری ۱۹۵۷ء کو شہر فیض آباد کی ایک ادبی انجمن "اردو ڈے" منایا۔ — حکم دریاباد کے گوشہ نشین کو پہنچا، زبانی بھی، تحریری بھی، کہ خود نہیں پہنچ سکتا تو کم از کم اپنا "پیام" تو بھیج۔ تعمیل کردی گئی۔ نقل حاضر ہے]

جو شہر "آباد" ہی "فیض" سے ہو، زبان اس کے فیض سے کیسے محروم رہ سکتی ہے؟ — اردو کا تعلق فیض آباد سے آج کا نہیں، نسلوں اور قرنوں کا ہے۔ فخر لکھنؤ میر انیس اسی خاک سے تھے، نازش مثنوی میر حسن اسی سرزمین سے اٹھے، یکجہت پہلے لکھنؤ جاکر پیدا ہوئے۔ یہیں پر رہے تھے۔ پھر آپ کا شہر دارالحکومت بھی تو تھا ملک اودھ کا۔ اور یہ معلوم ہے کہ دو دن کی سرپرستی حصہ رہ چکا ہے۔ بادشاہوں کا، اردو زبان کی نوازش نوازش، ذکر پاک حصہ میں آ چکی ہے — شاہی بیگمات کے — حق تھا کہ آپ کا شہر اردو کی نشر و اشاعت کا علم بلند کرے اور اردو کی خدمت میں کسی دوسرے شہر سے پیچھے نہ رہے!

لیکن آپ کا فرض اس پر ختم نہیں ہو جاتا ہے کہ سال میں ایک بار جلسہ کی چہل پہل دکھا ڈالی، باہر سے شاعروں، ادیبوں کو بلا لیا، جاکر گشت کرا دیا، کچھ نعرے لگا دیے، کچھ تقریریں سن ڈالیں۔ یہ تو ادائے فرض کی صرف تمہید ہوئی، کتاب کا محض دیباچہ ہوا، عمارت کی محض نیو ڈالی گئی۔ اصل شے ہے صالح لٹریچر، "ادب شریف" کی تیاری، فراہمی، ترویج، اور اشاعت۔ ادب شریف سے مراد ہیں نثر اور شعر کی وہ ادبی خدمات، جنھیں شریف مرد اور شریف بیویاں، شریف بچے اور شریف بچیاں، ہر ملت اور ہر قوم کی پڑھ سکیں، پڑھا سکیں، سن سکیں، سنا سکیں — شریف سے مراد وہ نہیں جنکے باپ دادا شریف تھے، مراد وہ ہستیاں ہیں جنکی خود ذات و شخصیت پر شرافت کو ناز ہو، بلحاظ انکے اقوال کے، اعمال کے، اخلاق کے، اطوار کے، رفتار کے، گفتار کے۔

بہ خدا اسکو ٹھانیے، صفائی کو، ستھرائی کو، پاکیزگی کو عیاں یہ ہے۔ گندگی کے سیلاب میں بہنے سے اپنے کو اور دوسروں کو بچائیے۔ اردو کا کتب خانہ قائم کیجیے۔ اچھے اچھے خوش مذاق اہل قلم کی کتابیں کیجیے شرافت کی روح ان کتابوں کے مطالعہ سے بیدار ہو۔ آپ کی جوہر شناسی کی ہر طرف پکار ہو۔

اردو کو مسلمان اپنی زبان کہتے ہیں اور سمجھتے ہیں۔ انکی تو یقیناً ہے لیکن انکی ہی یقیناً نہیں۔ ایک اعتبار سے اگر انکی ہے تو دوسرے اعتبار سے ہندوؤں کی ہے۔ زبان کے اسم اگر بہت سے عرب و ایران سے چل کر آئے ہیں تو اس کے فعل اور حرف ربط کہنا چاہیے کہ سب کے سب اسی دیس کے ہیں اور زبان کی ترکیب میں اسماء سے بھی کہیں بڑھ کر اہمیت رکھتے ہیں۔ یہی افعال و حروف ربط۔ اور پھر اسم بھی سب کے سب باہر کے کہاں؟ خاصی بڑی تعداد تو انکی بھی اسی دیس کی۔

بس اس حقیقت کو خود بھی سمجھ لیجیے اور دوسروں کو بھی سمجھا دیجیے۔ ملک کی سب سے بڑی اردو انجمن کے صدر آج بھی ایک ہندو ہی ہیں، سر تیج بہادر سپرو، خالص اردو پسند، اور دوبرے جید جہاری زبان کے لیڈر بھی ایک ہندو ہی ہیں، پنڈت برجموہن دتاتریہ کیفی۔ صوبے کے رسالوں میں اردو کا سب سے پرانا اور سنجیدہ خادم ایک ہندو صحافی کے ہاتھ میں رہا اور اب بھی ہے۔ یعنی زمانہ (کانپور) اردو شاعروں کا سب سے زیادہ ضخیم و مفصل تذکرہ ایک ہندو ہی کے قلم کا رہین منت ہے۔ یعنی لالہ سری رام ایم۔ اے دہلوی کا "خمخانۂ جاوید"۔ دیا شنکر نسیم، رتن ناتھ سرشار، نوبت رائے نظر، جوالا پرشاد برق، درگا پرشاد نادر، جوالا، کشن پرشاد شاد، دیا نرائن نگم، پریم چند، مہاراجہ حیدرآبادی، برج نرائن چکبست، منشی پیارے لال شاکر، تلوک چند محروم، آنند نرائن ملا، وغیرہ وغیرہ — نام کوئی کہاں تک گنائے چلا جائے؟ انکی خدمات اگر کوئی نظر انداز کرتا ہے تو گوشت کو ناخن سے جدا کر دیتا ہے۔ اور یہ نام تو صرف نمونہ کے طور پر پیش کر دیے گئے۔ پوری فہرست سنانے پر کوئی آئے تو آپ یقیناً پکار اٹھیں کہ یہ "اردو ڈے" ہے یا "ہندو ڈے"؟

آج اہل سیاست اس فکر میں پڑے ہوئے ہیں کہ ہندو مسلمانوں کے درمیان کوئی معاہدۂ اتحاد ہو جائے۔ لیکن یہ اردو زبان تو خود ایک بنا بنایا مشترکہ پلیٹ فارم چلا آ رہا ہے، نسلوں سے، قرنوں سے، صدیوں سے۔ اس زبان کا نفس وجود ہی ایک مستقل معاہدہ ہے ہندو مسلم اتحاد کا، ہمجہتی اشتراک کا، کاغذی معاہدوں سے کہیں زیادہ پائدار اور سیاسی دستاویزوں سے کہیں زیادہ جاندار! — جب ملک بھر کی زبان ایک، تو سبھی کچھ ایک۔ جب سارا ملک "ہم زبان"، "یک زبان"، تو اب اور رہ ہی کیا گیا؟ زبان ٹھہری دل کی ترجمان۔ زبان ایک تو دل ایک!

خوب ہو جو اس دلی اور زبانی "معاہدہ" کی یاد ہر سال منائی جائے۔ بھولے ہوؤں کو حقیقت کی یاد بار بار دلائی جائے۔ اردو کی محبت دلوں میں رچائی جائے۔ اور جو آگ ادھر کبھی سی ہو رہی ہے، وہ پھر سے بھڑک اٹھے جائے!

اردو کی خدمت آج زبان ہی کی نہیں، علم کی ہے، ملک کی ہے، قوم کی ہے، ملت کی ہے۔ اور خدمت بھی کیسی؟ ٹھوس اور قیمتی، بڑی اور اونچی! بس یہی ایک پیام ہے جو آپ کے ارشاد کی تعمیل میں ایک گمنام گوشہ نشین آپ تک پہنچا رہا ہے۔ آپ کا "ہم ملک" نہ سہی، آپ کا "ہم قسمت" تو بہرحال[1]۔

---

[1] دریاباد، فیض آباد ہی کی کمشنری (قسمت) میں ہے۔

کرتے تھے — اس لیے کوئی وجہ نہیں ہے کہ اس آیت سے "تلقیح اشجار" کا مفہوم لیا جائے۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو تفسیر المنار ج اول ص۲۰)

۴- زراعت کے خشک کرنے میں بھی ہواؤں کے چلنے کو دخل ہے جیسا کہ قزوینی نے عجائب المخلوقات ص۱۲۹ میں اور حافظ ابن قیمؒ نے مفتاح دار السعادۃ ج اول ص۲۱۱ میں بیان کیا ہے۔ لیکن اس سلسلہ میں قرآن پاک کی ایک آیت بھی قابل توجہ ہے۔

ثم یخرج بہ زرعاً مختلفاً الوانہ — پھر نکالتا ہے اس سے کھیتی کئی رنگ کی
ثم یہیج فتراہ مصفراً (زمر ۲) — پھر آئے اس پر تیاری تو تو دیکھے اس کا رنگ زرد پڑا۔

غور طلب یہ ہے کہ اس آیت میں یہیج کا مطلب کیا ہے؟ ہیج کے معنی بننا اور خشک ہونا دونوں ہیں۔ صاحب روح المعانی نے اس آیت کے تحت میں لکھا ہے کہ اہل لغت کے ظاہر کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ ہیج کے حقیقی معنی خشک ہونے کے ہیں۔ لیکن بعض مفسرین کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اصلی معنی حرکت کرنے کے ہیں اور خشک ہونا مجازی معنی ہیں (روح المعانی ج ۲۳ ص۲۴۳) بہرحال اگر ہیج کے معنی خشک ہونے ہی کے لیے جائیں تو مطلب یہ ہوگا کہ جب غلہ تیار ہو جاتا ہے تو ہوائیں چلتی ہیں جن سے کھیتی خشک ہوتی ہے۔ اہل عرب کا محاورہ یہی ہے اہاجت الریح النبت ہوا نے کھیتی کو خشک کر دیا (لسان العرب ج ۳ ص۲۸۱)

(۵) بعض ہوائیں ایسی چلتی ہیں جن سے نباتات کو غذا اور قوت پہنچتی ہے (مفتاح دار السعادۃ اول ص۲۱۱) ہوا مٹی کو اڑا کر نباتات کے پاس لے جاتی ہے اس سے وہ قوت پاتے ہیں (الحکمۃ فی مخلوقات اللہ ص۳۱)

مناسب ہوگا اگر اس موقع پر علامہ ابو زکریا یحییٰ بن محمد اشبیلی کی کتاب الفلاحۃ جو خاص طور سے فن زراعت پر لکھی گئی ہے اور جس کا ترجمہ مولانا ہاشم صاحب ندوی نے اردو میں کیا ہے اس کے اقتباسات یہاں درج کر دیے جائیں۔ جلد دوم ص۲۴۵

"نباتات کے لیے عام طور پر گرم اور مرطوب ہوا موافق ہوتی ہے۔ یہ خاصیت جنوبی ہوا کی ہے۔ کھجور کے لیے بہت مفید ہوتی ہے۔ شمال مشرقی اور مغربی ہوا بھی نباتات کے لیے مفید ہوتی ہے۔ وہ پودے جن میں تنہ نہیں ہوتا ہے جیسے کدو، خربوزہ، ککڑی کے لیے پروا ہوا زیادہ موافق ہوتی ہے۔ جنوبی ہوا بھی کوئی نقصان دہ نہیں ہوتی ہے..... تمام ترکاریاں اور غلے جو کھائے جاتے ہیں یا انہیں کے جیسے جو ہر سکنے والے نباتات کے لیے شمالی اور مغربی ہوا مفید ہوتی ہے...... وہ نباتات جو زمین کے اندر پھیلتے ہیں مثلاً شلجم، گاجر، لہسن اور مولی وغیرہ کے لیے مشرقی ہوا مفید ہوتی ہے........ جنوبی ہوا سے اترج کا درخت بڑھتا ہے، اس میں خوشبو زیادہ ہوتی ہے۔ امرود و شفتالو کے لیے ہر قسم کی معتدل ہوا مفید ہوتی ہے۔ آلو بخارا، عناب، توت، انار وغیرہ کے لیے مغربی ہوا مفید ہوتی ہے۔ اس سے انار میں عرق زیادہ ہوتا ہے اور پوست باریک ہوتا ہے۔ مشرقی ہوا بھی اس کے لیے مفید ہے۔ اس سے درخت بڑا ہوتا ہے اور پھل زیادہ آتے ہیں بلکہ مشرقی یعنی پروا ہوا تمام خوشبودار درختوں اور پودوں کے لیے مفید ہے۔"

سورج اور نباتات

نباتات کو سورج سے اس قدر شدید تعلق ہے کہ بقول علامہ قزوینی نباتات کی پیدائش اور افزائش اسی جگہ پر ہوتی ہے جہاں آفتاب کے اثرات پہنچتے ہیں، جہاں یہ اثرات نہیں پہنچتے ہیں وہاں یہ چیزیں نہیں ہوتی ہیں۔ (عجائب المخلوقات ص۲۳۲)

آفتاب ہی کی وجہ سے فصلیں بنتی ہیں۔ چنانچہ بہار کے موسم میں درختوں اور دوسرے نباتات میں گرمی پیدا ہوتی ہے جس سے پھلوں کا مادہ تیار ہوتا ہے۔ ربیع میں کھیتی اگتی ہے، درختوں میں پھل لگتے ہیں۔ اور گرمی کے موسم میں یہ چیزیں پک کر تیار ہو جاتی ہیں۔ (تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو جاحظ کی کتاب الدلائل والاعتبار اور امام غزالی کی الحکمۃ فی مخلوقات اللہ)

کتاب الفلاحت جلد دوم ص۲۴۳ میں ہے، آفتاب کی شعاع جب کسی چیز میں نفوذ کرتی ہے تو اس میں وسعت پیدا کر دیتی ہے خصوصاً زمین اور اس کے ذرات میں تو بہت کشادگی پیدا ہو جاتی ہے جس سے زمین میں نباتات کو غذا پہنچانے کی قوت پیدا ہو جاتی ہے!......

یہ تو معلوم ہی ہے کہ پھلوں کا پکنا اور غلہ کا تیار ہونا آفتاب کی حرارت کا نتیجہ ہے۔ اب قرآن پاک کی اس آیت پر غور کیجیے:-

انظروا الی ثمرہ اذا اثمر و ینعہ (انعام ۱۲) — جب وہ پھلیں تو ان کے پھل اور پکنے کو دیکھو۔

اس آیت میں اللہ تعالیٰ نے پھلوں کے پکنے اور تیار ہو جانے پر غور کرنے کے لیے ارشاد فرمایا ہے تاکہ اس کی قدرت کاملہ کا اظہار ہو اور (سخر لکم الشمس) کا مشاہدہ!

چاند ستارے اور نباتات

چاند اور ستارے اندھیری راتوں میں مشعل کا کام دیتے ہیں۔ اور کاشتکار ان کی روشنی میں ہل چلاتے ہیں اور کھیتی کے دوسرے کام انجام دیتے ہیں۔ امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عموماً تاروں سے زراعت اور درختوں کے لگانے کے اوقات معلوم کیے جاتے ہیں (الحکمۃ ص۶)

ان امور سے قطع نظر نفس زراعت پر ان چیزوں کے عجیب و غریب اثرات پڑتے ہیں۔ مثلاً

جب چاندنی راتوں میں درخت لگائے جاتے ہیں تو وہ بہت تیزی سے بڑھتے ہیں اور اگر چاندنی میں روشنی کم ہو تو نباتات کے بڑھنے میں کمی ہوتی ہے بلکہ وہ خشک ہو جاتے ہیں (عجائب المخلوقات)

کتاب الفلاحت اول ص۱۳۵ میں ہے۔

مہینہ کی ابتدا میں نہ درخت لگائیں نہ زراعت کریں نہ کوئی

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر۔ عبدالماجد

پتہ:۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب:۔ حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور

کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشدآباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ: سالانہ پانچ روپیہ

ششماہی تین روپیہ

قیمت فی پرچہ ۲ آنہ

صدق

نمبر (۲) | دوشنبہ ۔ ۵ جمادی الاول [illegible]ھ مطابق ۱۰ ر مئی ۱۹۴۸ء | جلد ۹

سچی باتیں

ہنری ولیس، ولایات متحدہ امریکہ کے نائب صدر ہیں۔ ۲۴ اپریل کو آپ نے امریکہ میں پریس کانفرنس کے موقع پر اپنی تقریر میں فرمایا کہ پیرو اور اکویڈر کے درمیان جنگ کا جو سلسلہ سو برس سے قائم ہے، وہ اب ازسرنو شروع ہونے والا ہے!

جن دو سلطنتوں کے نام لیے گئے، یہ دونوں جنوبی امریکہ کے ملک ہیں، ایک دوسرے کے ہمسایہ۔ اور جنوبی امریکہ کا شمار ظاہر ہے کہ افریقہ کی وحشی اور ایشیا کی نیم وحشی قوموں میں نہیں، یورپ اور شمالی امریکہ کی طرح، مہذب، متمدن، ترقی یافتہ ملکوں میں ہے۔ انکی جنگ مہذبوں کی باہمی آویزش ہے۔ اسی قسم کی، گو اس سے بہت چھوٹے پیمانہ پر، جیسی آج برطانیہ، امریکہ، روس اور جرمنی، اٹلی، جاپان کے درمیان برپا ہے! — جنگ ان دونوں کے درمیان چھڑنے والی ہے، وہ جنگ جسکی آگ کو سلگتے ہوئے، سال دو سال نہیں، سو برس گزر چکے ہیں!

جنگ اور سو برس کی جنگ۔! العظمۃ للہ! —— لیکن اس میں ایسی زیادہ حیرت کی کونسی بات ہے؟ "تہذیب" و "شائستگی" کا دامن اب اور کس زمانہ میں اس داغ دھبے سے پاک رہا ہے! انگلستان و فرانس کی جنگ، جرمنی و روس کی جنگ، روس و جاپان کی جنگ، برطانیہ، فرانس، امریکہ، اٹلی جاپان کی جرمنی آسٹریا سے جنگ، ماضی کے کس مورخ اور حال کے کس مبصر کی نظروں سے پوشیدہ ہیں! چار سالہ جنگ عظیم، ہفت سالہ (Seven Years' War) سی سالہ جنگ (Thirty Years War) صد سالہ جنگ Hundred Years War مہذب و شائستہ یورپ کے اگر نہیں، تو کیا کسی اور کی تاریخ کے جلی عنوانات ہیں؟ —— بدنام و قابل حقارت، جاہلیت اولیٰ ہے، یہ نیکنام و معزز جاہلیت حاضرہ آخر کس لحاظ سے ممتاز رہتے ہیں؟

جاہلیت عرب کے بیان اوصاف تو آپ نے پڑھے ہیں نہ، کہ وہ لوگ بڑے زندہ خو تھے۔ ہمیشہ آپس میں لڑتے مرتے رہتے۔ مستقل و دیرپا امن کبھی بھی نصیب نہ ہوتا۔ پھر شہوانی بیماریوں میں بھی بُری طرح مبتلا تھے۔ بیحیائی عام تھی۔ بے ستری فیشن میں داخل، اور بدکاری کوئی جرم ہی نہیں، عین ہنر۔ اور تیسری بات تھی آخرت سے بے تعلقی، خدا و رسول کے احکام سے بیزاری —— تینوں خصوصیات: زندگی میں فساد، حیات شہوی میں فساد، نظام عقلی میں اختلال ایک ایک کرکے گن لیجے، اندھے بانٹ پوری طرح لے لیجے، آج ان سب میں ترقی ہے یا نہیں؟ اور ترقی بھی کیسی، کئی گنی نہیں، کئی سوگنی زیادہ پھیلی جاہلیت اگر نقش اول تھی، تو یہ جدید جاہلیت فرنگ اسکا نقش ثانی!

مسلم گرلز کالج

مسلم یونیورسٹی کورٹ کے ایک ذی اثر ممبر اور قوم کے ایک ممتاز بزرگ اپنے عنایت نامہ میں لکھتے ہیں:۔

"روزنامہ حقیقت کا تراشہ مل گیا۔ صدق جدید ایک افتتاحیہ اس پر شائع کرچکا تھا، اور صدق کا پورا مضمون نقل کرچکا تھا۔ میں نے وہ تراشہ اپنے نوٹ کے ساتھ مجھے

کے سلسلہ میں پیش نظر صرف بنی اسرائیل کو رکھا ہے، اور رومیوں سے کوئی واسطہ ہی نہیں رکھا ہے، نہ قریب کا نہ بعید کا۔ یہ تو صرف تاریخ کا بیان ہے کہ آپ کے زمانہ میں، ایک مشرک قوم رومیوں کی بھی آباد تھی، اور آپ کے ملک شام پر حکومت اسی قوم کی تھی، اور اسی کے ایک فرد پیلاطوس کی عدالت میں آپ کا مقدمہ سڈیشن یعنی حکومت کے خلاف بغاوت کے جھوٹے الزام میں پیش ہوا تھا۔ قرآن مجید نے اس سارے قضیہ کو تمامتر نظرانداز کر دیا ہے، اور جہاں یہ آیت ہے، اسکے سیاق میں صراحت و وضاحت ہے کہ یہ خطاب بنی اسرائیل سے تھا، جو نہ رومیوں کے ہم مذہب تھے، نہ ہم قوم، نہ ہم نسل، نہ ہم زبان! اور تاریخ بھی یہ ہرگز نہیں کہتی کہ آپ نے مخاطب اپنی زندگی میں بجز اسرائیلیوں کے کسی غیر اسرائیلی کو بھی کیا تھا! حضرت مسیحؑ کا کوئی پیام رومیوں کو سنانا تمامتر "طبع زاد" مضمون ہے!

نادان دوست کتاب وحید خانی کی چند اور سطریں:-

"انبیاء کرام کے سامنے اگر صرف یہی ["یہی" سے مراد ہے کلمۂ توحید کا اقرار کرانا۔ صدق] مقصد ہوتا تو ملوک وقت سے جنگ کرنے کی کیا ضرورت تھی؟ ... حضرت موسیٰؑ کو ابتلاء اور آزمائش میں ڈالنے، حضرت ابراہیمؑ کو آگ میں گرانے، اور حضرت مسیحؑ کو صلیب پر لٹکانے کی کیوں ضرورت پیش آئی۔ پھر یہ قرآن کی آیات بینات سے بالکل ظاہر و واضح ہے کہ یہ تمام کفار و مشرکین خالق السموات والارض کی حیثیت سے خدا کے وجود کے قائل تھے...... یہ آیات محکمات کسقدر واضح اور صاف ہیں"
(صفحہ ۸۱)

آیات محکمات بیشک صاف و واضح ہیں، لیکن "آیات بینات سے بالکل ظاہر و واضح" یہ ہرگز نہیں ہوتا ہے کہ "تمام کفار و مشرکین" موحد تھے۔ وہ توحید ہی کے قائل ہو گئے ہوتے تو پھر جنگ ہی کیا تھی۔ انکا جرم یہی تو تھا کہ وہ ایک بڑے خدا کے اقرار کے ساتھ ساتھ، متعدد دوسرے دیویوں دیوتاؤں یا اوتاروں کے قائل تھے۔ مورتیوں کو پوجتے تھے، اور خدا کی بیوی بیٹوں اور بیٹیوں کے معتقد تھے! خلاصہ انکے عقیدہ کا شرک تھا۔ جہاد جو بھی تھا، انکے اسی شرک، اور اصرار بر شرک کے مقابلہ میں تھا۔ حضرت موسیٰؑ کے "ابتلاء و آزمائش" (ان ہی الا فتنتک) کا ذکر جہاں قرآن مجید میں آیا ہے، گوسالہ پرستی والے شرک کے سلسلہ میں آیا ہے۔ حضرت ابراہیمؑ کو مشرک بادشاہ نے اسی لیے آگ میں ڈالا، کہ آپ اسکی بت پرستی کے خلاف وعظ کہتے رہتے تھے۔ حضرت عیسیٰؑ سے بھی دشمنی یہود کو اسی لیے پیدا ہو گئی، کہ آپ کی دعوت، خالص توحید و طریق انبیاء کی طرف تھی۔ غرض جو سوال خاں صاحب نے از خود قائم کیا ہے، یعنی یہ کہ انبیاء کرام کو ملوک وقت سے جنگ کرنے کی ضرورت کیا تھی؟ اسکا جواب قرآن کے طالب علم اور تاریخ کے طالب علم کی زبان پر صرف ایک ہی آسکتا ہے۔ یعنی ان ملوک کی ہٹ اور ضد، شرک و کفر کی حمایت میں! ——— نظام سیاسی دین کا صرف ایک جزو ہے، اسے دین کا مرادف قرار دیدینا، جزو کو کل کا مرادف بنا دینا ہے، اور بالکل ایسی ہی بات ہے، جیسے کوئی یہ کہنے لگے، کہ رسول اللہ صلعم کی بعثت کی غرض شراب نوشی کی بندش کرانا تھی، یا آپ محض اس لیے پیمبر ہو کر آئے تھے کہ رسم دختر کشی کی اصلاح کر جائیں!

دوستوں سے!

(از عبدالماجد)

صدق [illegible] (۱۲-اپریل) کے حوالہ سے ایک معزز کرم فرما لکھتے ہیں:
"آپ نے اپنی سنیما بینی کا تذکرہ صدق میں کیا کر دیا کہ ایک بڑا ہنگامہ برپا ہو گیا۔ صوبہ کے ایک صاحب بولے کہ مولانا تھانوی نے اسی لیے تو مولانا عبدالماجد کو خلافت نہ دی کہ وہ سنیما سے محتاط نہیں۔ سید صاحب کی [illegible] خلافت کا چرچا اس طرف اچھا پھیلا ہوا ہے۔"

جی ہاں، اس "ہنگامہ" کی خبریں صرف اسی صوبہ سے نہیں، متعدد صوبوں اور شہروں سے آ چکی ہیں، زبانی بھی، تحریری بھی، نجی حلقوں سے بھی، پبلک تحریروں سے بھی ——— گو دوسری طرف قبول عام بھی ان چند سطروں کو حاصل رہا۔ ایک نہیں، تین تین روزناموں نے انھیں اپنے صفحات میں نقل کیا۔

"ہنگامہ" میں ایک عنصر تو بعض "مہربانوں" کا ہے۔

ہمارے بھی ہیں مہرباں کیسے کیسے!

ان حضرات کو تو گویا منہ مانگی مراد مل گئی۔ کھلا انکے قلم نے جو کچھ بھی وہ لکھ سکا۔

ہر گردن او بماند و بر ما گذشت!

ایسے حضرات سے تو کچھ عرض معروض کرنے سے بالکل معذوری ہے۔ البتہ مخلصوں، دوستوں سے کچھ عرض کرنا ہے۔

مسئلہ کے دو مختلف پہلو ہیں۔ خلط مبحث نہ ہونا چاہیے۔ ایک پہلو محض ذاتی ہے۔ اور اوپر کے خط میں غالباً اسی نقطۂ نظر کی ترجمانی ہے۔ دوستوں کا کہنا یہ ہے کہ اس شخص کو اس وضع و قطع کے ساتھ ایسی کھلی ہوئی معصیت یعنی سنیما بینی کی جسارت ہوئی کیسے! ——— گویا اس گروہ کے نزدیک مدیر صدق کا شمار بھی طائفۂ مقدسین میں ہے۔

اسکا اصولی جواب تو یہ ہے کہ خود طائفۂ مقدسین ہی کو معصیت یا گناہ کبیرہ سے بھی کیوں ارفع و منزہ سمجھ لیا گیا ہے؟ اور اس حسن ظن ہی کی کون سی دلیل شرعی، عقلی، یا نیچرل تام ہے؟ معصیت سے منزہ تو مخصوص ہے صرف انبیاء کرام کے ساتھ۔ بڑے بڑے اتقیاء و اولیاء کے لیے بھی عصمت کا عقیدہ ہرگز اہل سنت کا مسلک نہیں۔

اور پھر مجھ جیسی لغزش مجسم ہستی کا شمار، تو پورے مبالغہ شاعرانہ کے بعد بھی گروہ اتقیاء و اولیاء میں نہیں ہو سکتا۔ سنیما بینی تو پھر نسبۃً بہت ہلکی چیز ہے۔ میں تو بلا شائبۂ انکسار عرض کرتا ہوں، کہ اس سے کہیں زیادہ سنگین جرائم کا مجرم رہ چکا ہوں، اب بھی ہوں اور بظاہر آئندہ بھی کوئی

[illegible] کی مثیں ـــــ جو تنزل بجا سے ایک قدر گھٹتا ہو، اُس سے اس کی شکایت کیوں کیجیے کہ اُس نے پنج مروڑ دیا۔ اور جو شراب کی بوتلیں خالی کر ڈالتا ہو اس پر گرفت اسکی کیا، کہ اسے کبھی کبھی افیون سے شغل کرتے پایا گیا!

مولانا تھانوی مدظلہ اور خلافت کے تذکرے اس سلسلہ میں لانا بھی ایک عجب ذہنیت کے ترجمان ہیں۔ حضرت مولانا جس مسند ارشاد پر ہیں، اسکی خلافت کی صلاحیت تو حضرت اکبر، حضرت اقبالؒ، اور محمد علی رحمۃ اللہ علیہ میں بھی نہ تھی، تو اُن اکابر کے سامنے اس "اصغر الاصاغر" کا ذکر ہی کیا!

صائب چہ خیال ست شوی ہمچو نظیری
عرفی بہ نظیری نرسانید سخن را!

یہاں تو بیعت تک کو (اُسکے رواجی معنی میں) اپنے لائق ہونا سمجھتا ہوں، خلافت کی ذمہ داری کا تو خواب بھی نہیں دیکھ سکتا! اور اس فیصلہ کیلئے حضرت مولانا جیسے مبصر کی ضرورت کیا، اُن سے بدرجہا کم بصیرت رکھنے والا بھی اسی نتیجہ تک پہونچیگا ـــــ انقیاد کامل و اتباع مطلق کے وصف سے محرومی تو صدق کے صفحہ صفحہ سے عیاں ہے۔

ہر حال یہ بھی تو آپ بیتی کے سلسلہ میں صدق ہی میں ان شاء اللہ بہت کچھ لکھنا ہے۔ بہتر ہوگا، کہ اپنے "خوش عقیدہ" حضرات ایک ہی بار اپنے سارے حسن ظن کو واپس لے لیں۔ میں تو وہی رہونگا جو ہوں۔ "معتقدین" و مخلصین کا حسن ظن قائم رکھنے، انھیں اپنے سے خوش رکھنے کے لیے کہاں تک رنگ بدلتا رہ سکتا ہوں!

مسئلہ کا دوسرا پہلو پبلک ہے۔ یعنی اچھا اگر اس فسق کا ارتکاب کیا تھا، تو اسے شایع کرنے، اور دوسروں کو اسکی طرف ترغیب دلانے، اور اس گناہ کو ہلکا کر دکھانے کی کیا ضرورت تھی؟

جواب میں گزارش ہے کہ سوال میں جو کچھ فرض کر لیا گیا ہے، اسی کی واقعیت سے تو انکار ہے۔ مضمون ہرگز ان لوگوں کیلیے نہیں لکھا گیا تھا، جو پہلے ہی سے سنیما بینی سے محتاط ہیں، اور اس میں کسی نوع کی بھی شرکت و اعانت کو فسق سمجھے ہوئے ہیں۔ نہ یہ مقصد کہیں دور کا بھی تھا، کہ ایسے حضرات کی پختہ عزمی میں کچھ کمی پیدا ہو، انکے تقویٰ میں کچھ ضعف آجائے۔ انھیں سنیما ہال کی طرف قدم بڑھانے کی کچھ بھی ترغیب ہو۔ جس مختصر سے مضمون میں تصریح اس مشغلہ کے "فسق" ہونے "حرام" ہونے، "عمل شیطانی" ہونے کی ہو، ایک بار نہیں بار بار ہو۔ کھلے لفظوں میں یہ موجود ہو کہ

"غلط فہمی نہ ہو۔ سنیما بازی و فلم سازی کی حوصلہ افزائی ہرگز مقصود نہیں، جو چیز حرام ہے وہ ہر صورت حرام ہی رہیگی"

حیرت ہے کہ اسکو کسی درجہ میں بھی سنیما بینی کی تشویق کا باعث قرار دیا جائے اور از عجب ہے کہ اس سے سنیما کے جواز کا کوئی بعید پہلو بھی نکال لا جائے!

مضمون کا مخاطب تو صرف وہ طبقہ تھا، جو سنیما ہر حال و ہر صورت دیکھتا رہتا ہے۔ انکی اصلاح کی کوئی صورت اگر تھی تو یہی کہ انکی شراب کی بوتلوں میں پانی زیادہ سے زیادہ ملا دیا جائے! فقہاً یہ شراب بھی شراب ہی رہیگی، لیکن شیشہ جزئیات فقہیہ سے قطع نظر اگر حکمت تشریع کے قواعد کلیہ کے اعتبار

دیکھیے، تو ان مشروبات میں، شراب ہونے کے باوجود بھی! ہم زمین و آسمان کا فرق ہوگا!

اور الحم اور ریحیٰ پیتے رہنے والے تندرستوں کو کیا خبر کہ مریضوں اور روگیوں کو تندرستی کی راہ پر لانے کے لیے ناتوانوں میں توانائی پیدا کرنے کے لیے ضرورت کبھی کبھی افیون اور حلال گوشت ایک سنکھیا تک کی آپڑتی ہے! زہر کا زہر ہونا اپنی جگہ بالکل مسلم، لیکن قانون رد بہت ہی کی بعض خفی دفعات کے ماتحت زہر سے کام تریاق کا لیا جا سکتا ہے! ـــ مشاہدہ اطباء کا ہے، جسم کے علاج میں بھی، اور روح کے علاج میں بھی۔

اور پھر صدق کی تو ساری اسپرٹ ہی یہ ہے کہ ـ سر سکندر مرحوم کی ساری انگریز دوستی پر خاک ڈال کر انکی زندگی کے صرف اسلامی عنصروں کو چن لیا گیا۔ ایک عزیزہ آنریری مجسٹریٹ ہیں۔ مولانا تھانوی کی بہت بڑی معتقد ـ انکے بہشتی زیور کو بار بار پڑھے ہوئی۔ اسکے باوجود مجسٹریٹی قبول کرنے میں انھیں عذر نہ ہوا۔ جس قضات (مجسٹریٹی) کو عورت کے لیے ناجائز سمجھا ہوا (غیر اسلامی حکومت میں مردوں ہی کے لیے کب جائز ہے؟) لیکن اس فتوے پر عمل رہنا انکے سامنے بالکل بے اثر تھا ـ آخر شوہر پر دباؤ کرنا ہی پڑا ہے زیر حال ذاتی حیا و حجاب کی احتیاط پوری طرح برقرار رہے۔ ہاتھوں میں دستانے رہیں، پیروں پر پائتابے، جسم برقع میں چھپا ہوا وقس علیٰ ہذا۔

اسی طرح جو عزیز برطانوی حکومت میں عہدوں پر ہیں، یہاں تک کہ فوجی عہدوں پر ہیں، اور بہ اور دست ایک کافرانہ نظام کی اعانت و حضرت کا سبب بن رہے ہیں، انکے بھی جہاں تہاں کے اسلامی ہی پہلوؤں کو پیش کیا جاتا ہے تاکہ ایسے حضرات سے کوئی خاص فتنہ یا رخنہ دین میں نہ پڑا ہو۔ سو اسی عام مسلک کے ماتحت وہ ذکر بھی ان صفحات میں تھا۔

یہ مضمون یہاں تک پہونچا تھا کہ تازہ الفرقان موصول ہوا۔ مولانا کی برہمی سر آنکھوں پر۔ لیکن جس طرح وہ غیظ دینی اور بغض فی اللہ میں معذور ہیں (عجب نہیں کہ ماجور بھی ہوں) اسی طرح ہم دنیا دار بھی اپنے تجربہ و مشاہدہ کی بنا پر ایک خاص راہ اختیار کرنے پر عجب نہیں کہ عند اللہ معذور ثابت ہوں۔ مولانا جس عالم میں ہیں، انھیں کیا خبر کہ خدا رسی اور خدا شناسی کے علاوہ (اس سے گھٹ کر بھی) ایک چیز شیطان شناسی بھی ہے ـــ برطانیہ کی عام سیاسی مصلحتوں اور عمومی پالیسی مقرر کرنے کا حق یقیناً چرچل اور انکی اسمبلی اور ایڈن ہی کو ہے۔ لیکن ہزاروں میل دور افریقہ کے میدان جنگ میں عین موقع پر نقشہ جنگ کی تبدیلی کی ذمہ داری ان پر نہیں۔ انگریز جنرل اور کمانڈر ہی پر ہے!

مقدس حضرات تو شاید یہ سننا بھی برداشت نہ کر سکیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ لکھنؤ کی فضا میں (شہر کی فضا میں جہاں قدم قدم پر سنیما کی ترغیبات تھیں) میں اپنے خاندان کے نوجوان لڑکوں بلکہ لڑکیوں کو خود سنیما لیکر گیا ہوں ایک خاص تیاری کے بعد، سنیما کے طبی، اخلاقی، معاشرتی نقصانات سب انکے دل پر بٹھا کر۔ نتیجہ یہ ہوا کہ انھیں ہمیشہ کے لیے سنیما سے بیزاری ہو گئی۔ دل خود اُس طرف سے ہٹ گیا۔ یہاں تک کہ خود وہ تماشہ بھی دیکھنا انھیں شاق ہو گیا۔ گویا ہمیشہ کے لیے ٹیکہ ہو گیا! ـــــ ٹیکہ کے معنی بھی یہی ہیں

(بقیہ آئندہ)

(۲) جی ہاں ۔ بالکل

(۴) وہ حکومت جو خدائی قانون کے مطابق و ماتحت ہو۔ مکمل کامل ترین نمونہ اسکا بیشک خود رسول اللہ صلعم کے عہد میں اور پھر خلفائے راشدینؓ کے دور میں گزر چکا ۔

(۵) خلفائے راشدینؓ کے بعد کوئی حکومت مکمل اسلامی حکومت نہیں کہی جا سکتی ۔ اسلامیت کی کوششیں مختلف ادوار میں ہوتی رہیں بعض اصل نمونے سے نسبۃً قریب رہیں، بعض بہت دور جا پڑیں ۔ اسوقت نسبۃً قریب کی مثال سلطان حجاز ابن سعود کی حکومت ہے ۔

(۶) جواب اوپر آ چکا ۔

قومی اہانت

، "مسلمان" (لاہور)

معاصر صدق کا بیان ہے کہ وہ مسلمان خانوادوں کی بیٹیاں جنہیں اب دنیا رینوکا دیوی اور نیتا آسمان سینما کے وہ چاند ستارے سمجھتی ہیں اور جذبات کی قوس قزح اور شہوات کی کہکشاں نے جنہیں سب کچھ بھول کر بارِ رسوائی و وارفتگی کا مظاہرہ کرتی ہیں ۔ خیال کیجیے جب شیدان کی اولادوں کی عریانیوں اور بیہایوں کو دو دو چار آدمیوں میں خرید کر تالیاں بجاتی ہوں گی تو انکے ماں باپ اپنی اولاد کے ترقی یافتہ ہونے پر کیا جامہ میں پھولے سماتے ہونگے ۔

لیکن رینوکا دیوی نینا اور ان جیسی دوسری نالکوں کا کیا قصور ؟ قصور تو اُن مردوں کا ہے، جو حُسنِ عریاں سے دستی پھرتے والی عورتوں کی قیمتیں چڑھانے جا رہے ہیں اور محض ماں بہن بن کر رہ جانے والی خواتین سے خلاف نفرت کا ایک طوفان اٹھا رہے ہیں ۔ عورت تو جدید زمانہ کی جنسی بربادی کی مظلوم ہیروئن ہے ۔ مرد ہی کے مجبور کرنے سے وہ حیلوں کی تیلیاں توڑتی ہے مرد ہی اسکا نقاب نوچتا ہے، مرد ہی اسے رقص سکھا کر تلی کا ناچ نچاتا اور مرد ہی اسے لباس سے محروم کرتا ہے، مرد ہی اسے گانے پر مجبور کرتا ہے اور مرد ہی اسے فلم ایکٹرس یا ریڈیو سنگر بنا کر عوام کی شہرت کی بھینٹ چڑھاتا ہے ۔

مشرق کی عورت ! اور پھر مسلمان عورت ! ——— سورج اور چاند کی کرنیں بھی اسکا سراغ پانے سے مدتوں محروم رہیں، حیرانی ہوتی ہے کہ مرد اسے کس طرح عصمت کی بلندیوں سے بےحیائی کی پستی پر گرانے میں کامیاب ہو گیا ۔ خدا کی یہ عفت مآب بیٹیاں تہذیبِ جدید کے حمام میں ننگی ہونے کے لیے تیار نہ تھیں ۔ مرد نے انکے کانوں میں یہ افسوں پھونکنا شروع کیا کہ تمہیں ہم مردوں نے سالہا سال سے جبر و ظلم کا تختۂ مشق بنا رکھا ہے ۔ تم انسانیت کا نصف "بہتر" ہو کر گھروں کی چار دیواری میں قید رہو ۔ یہ تو انتہا درجہ کی گراوٹ ہے ۔ یہ آواز سن کر عورت سراسیمہ ہو گئی ۔ پھر مرد ہی نے اسے بتایا کہ پردہ کے بندھن سے تم معاشی استحکام حاصل کر لوگی سیاسی تحریکوں کو تم سے قوت ملیگی اور نسائی آزادی اور نہ سیرت کا اثر اولاد پر بہت اچھا پڑیگا ۔ پھر جب سوسائٹی میں بےاطمینانی کا زور ہو گیا تو مرد ہی نے آگے بڑھ کر اسے سمجھایا کہ سوسائٹی کو راستے سے کس طرح ہٹایا جا سکتا ہے ۔

پھر جب عورت تہذیب فرنگی کے عالم میں قلعہ سے باہر نکلی تو تہذیب تمدن کے عفریت نے بڑھ کر اسے اپنی گرفت میں لے لیا اسے ہوٹلوں کی زینت دی ۔ دوستی پیدا کرنے کے طریقے سکھائے، آرائش کے فن میں طاق کیا، برتھ کنٹرول کے ذرائع سے آشنا کیا ۔ اخباروں، اشتہاروں، رسالوں، ہوٹلوں اور دکانوں کی زینت بنایا ۔ سینما گھروں اور رقص گاہوں کا راستہ دکھایا اور ادب کے تجربہ خانوں میں بٹھا کر عورت کی زندگی کے ایک ایک مخفی پہلو کو ننگا کیا ۔

اب خود عورت ان لذائذ میں ایسی مست ہو گئی ہے کہ وہ قدم آگے بڑھانا چاہتی ہے، پیچھے نہیں ہٹنا چاہتی ۔ کیونکہ جذبات اور بالخصوص جنسی جذبات کا یہ خاصہ ہے کہ جب وہ آدمی کو گھوڑا بنا لیتے ہیں تو پھر اسے کہیں رکنے نہیں دیتے، تازیانہ برستا ہے اور ایڑ پر ایڑ لگائی جاتی ہے ۔ تا آنکہ یہ گھوڑا دوڑتے دوڑتے تباہی کے کسی کھڈ میں گر جائے یا حادثہ کی کسی چٹان سے ٹکرا جائے

... یہ سب کچھ کسی حقیقی ضرورت کے ماتحت نہیں کیا گیا بلکہ محض جذبۂ تقلید کے جوش میں آ کر کچھ لوگوں نے ایک پختہ عمارت کو توڑ ڈالا اور نقشے پر ریت کا نیا محل کھڑا کر دیا ۔ جذبۂ تقلید کے پیچھے بھی دراصل جنسی جذبہ ہی کام کر رہا تھا، جو لوگوں کو اس پر اکسا رہا تھا کہ وہ دوسروں کی ماؤں، بہنوں، بیویوں اور بیٹیوں کی آتشِ حسن سے آنکھیں سینکنے کی قیمت میں اگر اپنی ماؤں، بیٹیوں کی عصمت دینی پڑے تو یہ سستا سودا ہے ۔ اس جذبہ کو اجتماعی حدود نے غیر معتدل ہو جانے سے کسی قدر روک رکھا تھا ۔ لیکن جب جدید فلسفہ اور تہذیب نے رنگا رنگ عقلی دلائل سے اسے حق بجانب ٹھہرایا اور سوسائٹی کی بندشوں کو ناواجب ثابت کر دکھایا، تو پھر یہ بپھرا ہوا جذبہ بند توڑ کر بہنے لگا ۔

معاشرتی تبدیلی کو برحق ثابت کرنے کے لیے جن دلائل سے وہ بظاہر بڑے وزنی تھے اور انھیں سن کر ایسا ہی معلوم ہوتا تھا کہ یورپ کی تہذیب "بدتہذیبی" کی خوبیاں اور فائدے تو ہم حاصل کر لینگے ۔ لیکن اسکے نقصانات کو یورپ کے لیے خاص کر دینے پر فطرت رضامند ہو جائیگی "عجب خبر" کی شدت میں کسی اس فطری قوت کا اندازہ نہ ہو سکا ۔ جو اس ظاہری فیرنگی گاڑی میں سوار ہو کر آنے والا تھا چنانچہ جب معاشرتی انقلاب کا عملاً آغاز ہوا، تو جلد ہی ایک بہت بڑے فریب خوردہ طبقہ کو معلوم ہو گیا کہ انکی توقعات غلط تھیں اور قوانین فطرت کسی کے ساتھ رعایت کرنے پر تیار نہیں ہیں ۔ کیونکہ یہ جس سیلاب کا بند کھول دیا گیا تھا وہ اب رک نہیں سکتا تھا ۔ وہ بہا لیے جانے لیے جا رہا ہے ۔ اب بہانے والے دنیا و مافیہا سے غافل ہیں ۔ وہ مدیر "صدق" کی آواز کو کیا سنیں گے انکے لیے تو قرآن کی آیات اور احادیث کے احکام بھی غیر موثر ہیں ۔ لیکن بہرحال ہمیں اپنے فرض سے عہدہ برآ ہونا ہے ۔

بقیہ صفحہ

کہ مرض کا زہر ایک بار جسم میں داخل کر کے مستقل نجات مرض سے حاصل کر لی جائے،

بہرحال اپنا اپنا اجتہاد اور اپنی اپنی بصیرت ہے ۔ اگر ... بصیرۃ ۔ اگر میں غلطی پر ہوں، تو مولانا اور انکے سب ہم خیال میرے حق میں دعا فرمائیں، کہ اللہ جلد اس غلطی سے نجات دے ۔

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ، گولہ گنج- لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی تین روپیہ
بیرونِ ہند سے سالانہ ... شلنگ
قیمت فی پرچہ ... آنہ

صدق

نمبر ۱۳ | دوشنبہ- ۲۶- جمادی الاولیٰ ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۴- مئی ۱۹۴۲ء | جلد ۹

سچی باتیں

۱۹۴۲ء کے آخری مہینہ کا آخری ہفتہ ہے۔ لکھنؤ میں مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا سالانہ جلسہ دھوم دھام سے ہو رہا ہے۔ سارا علیگڈھ کھنچ کر آگیا ہے۔ "کانفرنس" یوں بھی اُسوقت پڑھے لکھے مسلمانوں کی سب سے بڑی مجلس تھی۔ کانفرنس کے ممبر ہر جگہ ہاتھوں ہاتھ لیے جا رہے ہیں، اور کانفرنس کے صدر اور سکرٹری تو گویا آنکھوں پر بٹھائے جا رہے ہیں —— لکھنؤ ہی میں امریکن مشن کے ماتحت ایک مسیحی زنانہ کالج (ازابیلا تھابرن کالج) ہے، اس کا ایک روز شام کے لیے "ایٹ ہوم" کا دعوت نامہ اس کالج کی طرف سے کانفرنس کو پہونچتا ہے۔

سہ پہر کا آخر وقت ہے، اور کالج کے لان (سبزہ زار) پر چاء اور دیگر لوازمات کا شغل جاری۔ مسیحی پادریوں، انگریز حاکموں اور مسلمان "جنٹلمینوں" کا ملا جلا مجمع کتنی سج کا۔ مسلمان سب داڑھی منڈے، ترکی ٹوپی اور سوٹ والے، اپنی "صاحبیت" اور "روشن خیالی" پر فخر کرنے والے۔ اتنے میں شام ہوئی اور شاید دور کی مسجدوں سے اذانِ مغرب کی آواز بھی کسی کسی کے کان میں پڑی —— ایک بھاری بھرکم "مشین" جوان، طعام و کلام دونوں کو چھوڑ کر یک بیک بیچ سے اُٹھ کھڑا ہوتا ہے، اور ممبروں کے قریب آکر ایک ایک سے کہتا ہے بھائی، نمازِ مغرب کی نماز جماعت سے ہوگی، ابھی ہوا ہے ... ہیں! —— کہنے والے کہتے ہیں اور جھنجھلاتے ہیں کہ کیسے کی باتیں کرتے ہو، بھلا یہاں وضو کا کیا موقع ہے اور یہاں وضو کر کے یہاں آیا کون ہے؟" لیکن دھن کا پکا شوکت سے پھرتے، ایک ایک کو اُکساتا جاتا ہے، اور کان میں کہتا جاتا ہے، "گزرے بھیا، وضو بے وضو کی بحث کا موقع نہیں، تمہیں تو ان کافروں پر شوکتِ اسلام قائم کرنا ہے"۔ بہرحال اکثر تو وضو کر ہی لیتے ہیں، اور شریکِ جماعت تو سب ہی ہو جاتے ہیں۔ جماعت کھڑی ہو جاتی ہے، اور انگریز اور امریکی ایک دم سے مسلمانوں کے شمولِ عبادت ہو جانے کے موثر نظارہ سے متاثر ہو کر رہتے ہیں! وہ منظر جس کی نظیر کسی دوسری امت میں موجود نہیں!

یہ سب کو "جماعتی" نماز پر لا کھڑا کرنے والا، خود بھی اُس وقت تک نماز کا کچھ ایسا پابند نہیں۔ اور کوئی باقاعدہ عالمِ دین ہونا الگ رہا، اُسوقت تک نام اور لقب کے لحاظ سے بھی "مولانا" نہیں۔ محض علیگڈھ کا ایک "نیچری" ہے، دل بریاں، چشم گریاں رکھنے والا، حمیتِ اسلامی کا متوالا، عزت ملی کا دیوانہ۔ چہرہ پر داڑھی تک نہیں۔ داڑھی تو اسکے بعد رکھی، اور "مولانا" کا لقب رکھے کئی سال بعد جزو نام ہو گیا، اُسوقت تو "مسٹر شوکت علی" تھا —— یہ شوکت فہم ... کے ماتحت اب عالمِ برزخ میں ہے۔ اسوقت کیا اُس سے یہ سوال ہو رہا ہوگا؟ فقہ کے رسالۂ فلاں، متنِ فلاں، مفسرِ فلاں کے حوالہ سے کہ اس نے لوگوں کو بے وضو نماز پڑھوا کر گناہگار کیوں کیا؟ اور وہ اس جرم میں ماخوذ و معذب ہو رہا ہوگا؟ یا اسکے برعکس، اُسی حاکمِ اعلیٰ کی عدالت میں جو ہر فقیہ، ہر محتسب سے بڑھ کر دانا و بینا اور عالم و عادل تر ہے، آج یہی ایک شاد ... سے اعمال متعدد ... مقبول ترین ہو رہی ہوگی! آج یہی ایک معصیت کتنی طاعتوں پر بھاری ثابت ہو رہی ہو گی؟

خونِ شہیدان را ز آب اولیٰ ترست
این خطا از صد صواب اولیٰ ترست

پان

(طبی نقطۂ نظر سے)

... [illegible] ... نقصان و فوائد ... فائدہ سے خالی نہیں ہیں۔ پھر انہیں مضر کیوں ... [illegible] ... کی وجہ یہ ہے کہ ان ادویات کو خدا نے انسان کی حاجت ... استعمال کرنے کے لیے پیدا کیا ہے ... کی حالت میں انکا استعمال بجائے فوائد کے نقصان دہ ہو جاتا ہے۔

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ دانتوں کے ذریعہ غذا ... ہوتی ہے ... کے غدود سے پیدا ہونے والی رطوبت اسکو نرم بنا دیتی ہے ... جسم کو ... بڑی مدد دیتی ہے۔ اگر دانت کمزور ہو جائیں یا ٹوٹ جائیں یا لعاب پیدا کرنے والے غدود ناقص ہو جائیں تو اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ ہاضمہ خراب ہو جائیگا اور نظام جسمانی میں فتور واقع ہوگا۔ پان کتھا اور چونا یا ان غدود ... کی تقطیع پیدا کرتے ہیں ... زیادہ ... کو ایک قسم کی تحریک پیدا کر کے ... جسکی وجہ سے لعاب دہن زیادہ پیدا ہونے لگتا ہے۔ چنانچہ آپ نے دیکھا ہوگا کہ ہر پان کھانے والا کثرت سے پیک تھوکنے پر مجبور رہتا ہے اور اس طرح ایک کارآمد شے بیکار رہ جاتی ہے۔ پان کے مسلسل استعمال سے یہ غدود کمزور ہو جاتے ہیں۔ چنانچہ کھانا کھاتے وقت یا دوسرے اوقات میں جبکہ پان منہ میں نہیں ہوتا لعاب دہن کم ہو جاتا ہے جسکی وجہ سے اسکا فعل اچھی طرح انجام نہیں پاتا۔ دیکھا جاتا ہے کہ قبض کی شکایت عام طور سے زیادہ پان کھانے والوں میں پائی جاتی ہے۔ اور یہ لوگ اور [illegible] استعمال کرنے پر مجبور ہو جاتے ہیں جس سے آنتیں غیر طبعی تحریک اور زیادتی کی وجہ سے کمزور ہو جاتی ہیں اور اپنا کام انجام نہیں دیتیں۔

پان کے اجزا میں چونا اور تمباکو سب سے زیادہ مضرت رساں ہیں۔ چونے میں خشکی اور خراش پیدا کرنے کے علاوہ نفوذ کرنے کی بڑی زبردست قوت موجود ہے۔ چنانچہ یہ کثرت استعمال کی صورت میں مسوڑھوں اور دانتوں کے درمیان جم جاتا ہے اور مسوڑھے کے بالائی حصے نیچے کی طرف دبتے چلے جاتے ہیں۔ جب آپ غذا کھاتے یا مسواک کرتے ہیں تو یہ گڑھا پیدا ہوتی ہے جس سے دانتوں کی جڑ کمزور ہو جاتی ہیں، دانت ہلنے لگتے ہیں اور وقت سے پہلے گر جاتے ہیں۔ دانتوں کی کمزوری یا ان کے ٹوٹ جانے سے ہاضمہ میں جو خرابی پیدا ہو جاتی ہے وہ محتاج بیان نہیں۔

تمباکو دراصل ایک زہر ہے جسکو زیادہ مقدار میں استعمال کرنے سے ہلاکت کا امکان ہے۔ اور اسکی تھوڑی مقدار بھی مسلسل استعمال کی جائے تو زندگی کو کم کرنے کا سبب بنتی ہے۔ ڈاکٹر فلک نے بہت سے تمباکو خواروں کا معائنہ کیا تھا انکے تجربات سے یہ ثابت ہوا کہ انسان کے حلق، دانت اور گلے کے تمام عوارض کے لیے تمباکو کا استعمال قطعی مضر ہے اور یہ سرطان کے پیدا کرنے کا موجب بھی ہو سکتا ہے۔ ڈاکٹر باکر نے ۳۵۰ تمباکو کھانے والوں کے خون کا امتحان کر کے یہ نتیجہ اخذ کیا کہ خون کے دباؤ کا مرض زیادہ تر تمباکو کھانے والوں میں پایا جاتا ہے۔ ڈاکٹر مذکور نے بتلایا کہ تمباکو کا زہر رفتہ رفتہ اعصاب کو ماؤف کرتا ہے اور آخر کار تمام نظام جسمانی پھیلادی ہو جاتا ہے اسکا پہلا حملہ جگر پر ہوتا ہے۔ خون کا دوران تیز، دل کی حرکت کمزور اور اعصاب کی قوت و طاقت مضمحل ہو جاتی ہے اور طرح طرح کے امراض شاملا شروع کر دیتے ہیں۔ غرض تمباکو کے مضر صحت ہونے میں کسی کو شک نہیں۔ محققین کی تحقیق ہے کہ جو زہر تمباکو میں پایا جاتا ہے وہ اتنا ہلاک ہوتا ہے کہ اگر اسکو تمباکو سے علیحدہ کر کے ایک قطرہ بھی کبوتر کی چونچ پر لگا دیا جائے تو وہ فوراً ہلاک ہو جائیگا۔ جو اصحاب روز و شب اس قاتل زہر کو "راحت" سمجھ کر کھاتے ہیں انکو یاد ہوگا کہ جب انہوں نے تھوڑا سا تمباکو کھایا تو انکی کیا حالت ہو گئی تھی۔ ہچکیاں آنے لگی ہونگی، دل دھڑکنے لگا ہوگا، سر چکرانے لگا ہوگا اور سارے جسم میں کمزوری اور سستی پیدا ہو گئی ہوگی۔ ان سب برائیوں کے باوجود کون کہہ سکتا ہے کہ آیا کہ اس قابل ہے کہ اسکو روز و شب کھایا جائے۔ لیکن کسی نے سچ کہا ہے کہ "[illegible] بھی زیادہ مزا ہے" جیسے افیونی دنیا کی ساری نعمتیں چھوڑ سکتا ہے لیکن افیون جیسی تلخ شے نہیں چھوڑ سکتا۔ اور جیسے شرابی ہر چیز کو ٹھکرا سکتا ہے لیکن شراب ترک نہیں کر سکتا۔ یہی حال تمباکو کھانے والوں کا ہے اور طرفہ یہ کہ تمباکو طرح طرح کے مخصوص طریقوں اور ترکیبات کی صورت میں استعمال کیا جاتا ہے۔

اسی طرح چھالیہ اور کتھا بھی جسم انسانی پر مضر اثرات پیدا کرتے ہیں جنکی وجہ سے معدہ کی کمزوری، قبض کی شکایت اور دیگر امراض پیدا ہو جاتے ہیں۔

غرض پان کے کثرت استعمال سے دانتوں کو سخت نقصان پہنچتا ہے دل کے امراض پیدا ہو سکتے ہیں، اختلاج کی شکایت لاحق ہوتی ہے دماغ کمزور ہو جاتا ہے، اعصاب ضعیف ہو جاتے ہیں اور ہضم میں خرابی پیدا ہو جاتی ہے، دق و سل جیسے موذی امراض پیدا ہونے کے امکانات زیادہ بڑھ جاتے ہیں۔

یہاں تک تو سرسری پان کے نامناسب استعمال سے نقائص بیان کیے گئے اب "ہنرش نیز بگو" کا سوال پیدا ہوتا ہے۔ کیونکہ دنیا کی کوئی چیز ایسی نہیں ہے جس میں ضرر کے ساتھ نفع کا پہلو نہ ہو۔ ہلاک ترین زہر بھی اگر مناسب موقع سے استعمال کیا جائے تو فائدہ ہو سکتا ہے۔ اسی طرح اگر پان بموقع اور اعتدال سے کھایا جائے تو بری چیز نہیں ہے۔ کبھی کبھی کھانے کے بعد پان کا استعمال مناسب ہے۔ اس بات کی تحقیق دقت سے پتہ چلتا ہے کہ خود پان میں زہریلے اثرات کو زائل کرنے والا مادہ پایا جاتا ہے جو کاربولک ترشہ سے پانچ گنا زیادہ موثر ہوتا ہے۔ یہ مادہ ان جراثیم کو مارتا ہے جو ہمارے معدہ میں کھانے کے ساتھ چلے گئے ہوں۔ پان کی اسی خصوصیت کی بنا پر اسکو بعض امراض میں بطور دوا کے استعمال کیا جاتا ہے۔ مثلاً اگر غدود بڑھ جائیں تو پان کو گرم کر کے باندھنے سے ورم زائل ہو جاتا ہے۔ اگر عورت کی چھاتی سے دودھ زیادہ بہنے لگے تو پان کو گرم کر کے باندھنے سے دودھ کا بہنا موقوف ہو جاتا ہے۔ کھانسی میں لوگ سینے پر گھی مل کر پان سے سینکتے ہیں تو بہت فائدہ ہوتا ہے ڈاکٹر تھیسن اس طریقہ علاج کو بہت پسند کرتے ہیں اگر زخم پر پان کی پٹی

ایمان کا سودا

(از عبد الماجد)

نہ قرن اولیٰ کا نہیں، قرن وسطیٰ کا نہیں، زمانہ ہجرت کی پہلی صدی کا نہیں، تیرہویں صدی کا ہے، اور نہ چودھویں صدی عیسوی کا، اور مقام حجاز کا، نہ کسی مقدس زمین کا، لکھنؤ، بدعت زدہ لکھنؤ کی سرزمین ہے۔ وہی دور، ہاں وہی نہیں، دنیوی وجاہت و اقتدار بھی، مسلمانوں کے ہاتھ سے رخصت ہو چکا ہے، اور دو چار برس ادھر کی ایک برائے نام کی اسلامی "سلطنت" گزشتہ عظمت و اقبال کی نوحہ خواں، بچی کھچی، گھٹی پٹی باقی رہ گئی تھی، وہ بھی "صاحب" کے قبضہ میں جا چکی ہے۔

ایک شمع رہ گئی تھی سو وہ بھی خموش ہے!

زمانہ سنہ [illegible]ھ و سنہ [illegible]ء کا ہے۔ یعنی وہ تاریخ اودھ کے مشہور ہنگامہ ۱۸۵۷ء کو فرو ہوئے ابھی پانچ ہی چھ سال ہوئے ہیں، ہر دل میں اقبال فرنگ کا نقش بیٹھا ہوا، ہر زبان سرکار رفیع الدار کی عظمت کا کلمہ پڑھتی ہوئی ——— فرنگی محل کے ایک گوشہ میں فقر و فاقہ کے بوریہ پر ایک صاحب بیٹھے نظر آ رہے ہیں۔ نام محمد یوسف ہے، [illegible]۔ کسی زمانہ میں عالم صاحب اختیار تھے، ہنگامہ ... اسی طرح گھر بار کچھ نہ رہا، مفتی صاحب زوال سے "فارغ البال" ہو گئے۔ دل میں داعیہ حج کا تھا۔ وقت وہ آ گیا، کہ نہ حج فرض رہا نہ زکوٰۃ۔ اب صبر و تسلیم کی منزلیں ہیں، اور یہ خانہ نشیں، گوشہ گزیں مولانا۔

ایک روز کیا ہوتا ہے، کہ ایک صاحب بہادر، حکومت انگریزی کے بہت بڑے با اختیار عہدہ دار صوبہ کے فنانشل جوڈیشل کمشنر (اس اودھ کے چیف کمشنر کے بعد سب سے بڑا عہدہ دار یہی تھا) پوچھتے پوچھتے فرنگی محل پہنچتے ہیں، اور بعد اجازت مولانا کی خدمت میں حاضر ہوتے ہیں۔ "بعد اجازت" کا لفظ یاد رکھیے۔ پرانے وقت کا یہ مولوی ملا، ملازمت کی تلاش میں نہیں نکلا، عہدہ و منصب خود اسے تلاش کرتا ہوا اس تک پہنچا ہے۔ اور بیٹھے مولانا جب تک اجازت نہیں دے لیتے، انگریز بہادر کی ہمت سامنے آنے کی نہیں ہوتی ——— روایت ساری کی ساری ایک چشم دید، فرنگی محل ہی کے خاندان کے ایک نوجوان کی دیکھی ہوئی، اور بڑھاپے میں بیان کی ہوئی۔ اور راوی بھی کون؟ کوئی گمنام و مجہول نہیں، مولوی شرافت اللہ مرحوم پنشنر ڈپٹی کلکٹر۔ ابھی تو انکے دیکھنے والے اور ملنے والے سیکڑوں کی تعداد میں موجود ہیں۔ انھوں نے اپنے صاحبزادہ مفتی عنایت اللہ مرحوم (صدر مدرسہ عالیہ نظامیہ) سے بیان کیا۔ اور انھوں نے اپنے تذکرۂ علمائے فرنگی محل (صفحہ ۲۰۰، ۲۰۹) میں لے درج کر دیا۔ [illegible] وفات تو ابھی کل کی بات ہے۔

سامنا "صاحب" کا ہوا۔ وقت وہ تھا کہ انگریز کا ہر چپراسی حاکم وقت تھا۔ اور پھر یہ انگریز تو واقعی صوبہ کا تقریباً سب سے بڑا افسر تھا۔ شکستہ حال، غربت زدہ مولوی بوسیدہ چٹائی پر بیٹھا ہوا کچھ لکھنے میں مشغول تھا۔ کہاں کا ڈر، آتنک، رعب اور کہاں کے کچھ اور جھوٹے۔ حاکم وقت حاکم صوبہ کو اجازت ایک ٹوٹے ہوئے بوسیدہ مونڈھے پر بیٹھنے کی ملی۔ آنے والے نے کچھ سوالات کیے، شریعت کے معاملات قانونی (نکاح، طلاق وغیرہ) سے متعلق۔ جوابات مفصل ملے۔ اب سوال ہوا کہ جناب کی بسر اوقات کی کیا صورت ہے؟ جواب ملا کہ اسباب ظاہر تو کچھ نہیں، بسر عسرت سے ہوتی ہے۔ فاقہ زدہ مولوی نوکری پر نہیں گر رہا ہے، سند اور سفارشیں پیش کر رہا ہے، سفارشوں کے پشتارے بغل میں نہیں دبائے ہوئے ہے۔ نوکری خود اس خوددار مولوی پر گر رہی ہے۔ سوال و جواب آگے سنیے۔

"تو میں آپ کو سرکاری ملازمت دلا دوں گا"

"لیکن میں نے تو مدتوں فتوے احکام شریعت کے دیے ہیں۔ خدا سے شرم آتی ہے کہ اب احکام خلاف شرع صادر کروں۔ انگریزی کی ملازمت میں یہ ہونا لازمی ہے۔"

انگریز افسر، نوکری دینے اور دام دینے ہی آیا تھا۔ رخصت ہوا، چلتے چلاتے یہ الفاظ کہتا ہوا:

"جی نہیں۔ آپ کے لیے ایسا انتظام کر دیا جائیگا کہ نہ آپ کو احکام صادر کرنا پڑیں، اور نہ کوئی امر خلاف شریعت آپ سے متعلق کیا جائے گا۔"

دوسری صبح کا طلوع ہوا۔ تو انگریز افسر پھر موجود۔ اور آج ایک مسلمان منشی بھی ہمراہ۔ مفتی فرنگی محل کے لیے عہدہ رجسٹراری کا تجویز ہوا۔ اس رجسٹراری کو آج کی سب رجسٹراری پر قیاس نہ کیجیے گا۔ شروع انگریزی میں ایک معزز ترین عہدہ تھا۔ کہیں یہ خدمت کلکٹر سے لی جاتی تھی اور کہیں ڈسٹرکٹ جج سے۔ مشاہرہ چھ سات سو ماہوار سے بھی اوپر تھا۔ رقم کا خیال فرمایا آپ نے؟ دس بیس پچاس نہیں، کہ وہ بھی ایک ملا کے لیے بہت تھے، بلکہ چھ سات سو! اور وہ بھی اس زمانہ کے! آج کی شرح سے تو اب سے کوئی ڈھائی ہزار کا مشاہرہ!

کہ آگ لینے کو جائیں پیمبری مل جائے!

اور یہ تو آگ لانے کے لیے اپنی جگہ سے ہلے تک نہ تھے! جاہ و دولت کی پیمبری خود ہی چل کر انکے پاس آ گئی تھی ——— ملا سے سعدی اب بھی فرط مسرت سے بےخود نہیں ہو جاتا، صاحب کے قدموں سے لپٹ نہیں جاتا، درجہ و حیثیت کے قصیدے نذر گزرانے کی فکر نہیں کرتا۔ سکون و وقار کے ساتھ پوچھتا ہے کہ یہ رجسٹراری ہے کیا چیز؟ صاحب سمجھاتے ہیں اور کہتے ہیں، کہ

"آپ کو زحمت کچھ بھی نہ ہوگی، نہ کہیں آنا جانا، نہ کاغذات کا لکھنا پڑھنا۔ آپ کی کچہری آپ کے مکان میں رہیگی۔ ایک کمرہ اس کے لیے کر دیجیے۔ یہ اپنا کام کرتے رہیں گے۔ یا سب کاغذات آپ کے سامنے پیش کر دیا کریں گے۔ آپ کا کام صرف دستخط کر دینا ہوگا۔"

ایسی بے مشقت نوکری آج تک کسی کو کیوں ملی ہوگی!

فرنگی محلی کی فرنگی ملازمت کا پہلا دن شروع ہوا۔ منشی نے دن میں کام کیا۔ سہ پہر کو کاغذات مفتی صاحب کے پاس دستخط کے لیے پیش کیے۔ آپ نے دستاویزوں کو پڑھنا چاہا۔ منشی نے کہا کہ اس زحمت کی کیا ضرورت ہے، کاغذات میرے دیکھے ہوئے جانچے ہوئے ہیں، آپ صرف دستخط فرما دیجیے۔" ارشاد ہوا کہ "یہ کیونکر ممکن ہے؟ دستخط تو بمنزلہ میری شہادت کے ہیں۔ بغیر پڑھے شہادت کیسے دیدوں؟" رجسٹر کھلا، اور آپ نے کاغذات پڑھنے شروع کیے۔ اتفاق دیکھیے کہ پہلی ہی دستاویز سودی قرضہ سے متعلق تھی! —— آگے کیا گزری، اسے خود راوی ہی کی زبان سے سنیے:—

"چہرۂ مبارک غصہ سے سرخ ہوگیا۔ رجسٹر اٹھا کر دور پھینک دیا۔ منشی سے کہا ابھی نکل جاؤ۔ اور فوراً نکالا دیا!

منشی غریب روتا دھوتا، داد فریاد کے لیے "صاحب" کے پاس پہونچا۔ دوسرے دن صاحب خود وارد ہوئے، منشی کو ساتھ لیے ہوئے۔ اب پھر روایت کے الفاظ راوی ہی سے سنیے:—

"آپ نے صورت دیکھتے ہی اسکو بھی ڈانٹنا شروع کیا اور فرمایا کہ کافر سے سوا اسکے اور کیا امید ہوسکتی ہیں۔ میری ہی غلطی تھی جو کافر کے کہنے میں آگیا۔ اور زار و قطار رونا شروع کیا"

پھر فرمایا، کہ یہ منشی

"سودی دستاویز پر میرے دستخط کرا رہا تھا، جو گویا میری شہادت ہے۔ حدیث شریف میں سود کے متعلق لکھنے والے اور گواہ سب پر لعنت آئی ہے۔ ابھی تھوڑے زمانہ تک تو میرے دستخط خدا و رسول کے احکام پر ہوتے تھے۔ اب میرے دستخط سودی دستاویز پر ہونگے"!

انگریز حاکم نے ایک بار پھر معافی مانگی، تلافی کر دینا چاہی۔ اور کہا کہ "بیشک مجھ سے غلطی ہوئی۔ اب میں ایسی صورت رکھونگا کہ یہ بھی زحمت نہ رہے، اور کسی امر خلاف شریعت کی صورت نہ پیش آنے" اور عہدہ پر برقرار رہنے پر "بیحد اصرار" کیا۔ لیکن جو زبان ایک بار انکار پر کھل چکی تھی، پھر کسی ترغیب اور کسی ترکیب سے نہ پلٹی۔ اور آپ عمر بھر فرنگیت کے سایہ سے بھی بچے رہے!

عمر کا بڑا حصہ مسلم، شرح سلم، ملا حسن، شمس بازغہ، طبیعیات شفا وغیرہ خرافات "معقولات" کی حاشیہ نویسی میں گزرا، لیکن شاید اسی تقوی و استغناء ایمانی کی برکت تھی کہ چند سال بعد، جب مدرسہ جونپور سے تعلق کے بعد نوبت حج کے پاسداری کی آئی تو ماہ رمضان مبارک، مکہ معظمہ میں گزار کر عین قرب حج میں وفات مدینہ منورہ میں پائی، اور جنت البقیع میں حضرت ابراہیم اور پاکبازوں کے جوار میں جگہ پائی! اور فرنگی محل کے مشہور معروف عالم و عارف مولانا عبدالحی نے اپنے قلم سے یہ شہادت اپنی نا تمام ناموس الفقہ میں دی کہ کان جامعا للفروع والاصول حاویا للمعقول والمنقول صاحب الریاضات والمجاہدات جمیع البرکات والفیوضات حسن الصورۃ کاسمہ لطیف السیرۃ فی خلقہ (سعایہ فی کشف ما فی شرح الوقایہ، جلد اول، مقدمہ، ص ۱۴)

آج کا نوجوان مسلمان، فرنگی نوکری کا بھوکا، اپنے ماضی قریب کی نہیں، ماضی قریب کی اس سچی حکایت کو سن رہا ہے؟ اور اس پر یقین کرے گا؟

(بقیہ صفحہ ۳)

علامہ اقبال کے کلام کی جو بے حرمتی ان دنوں بڑے پیمانہ پر جاری ہے اور خدا جانے یہ سلسلہ ابھی کب تک جاری رہیگا۔ اقبال اور خدا۔ اقبال اور رسول، اقبال اور جمہوریت، اقبال اور شیطان، غرض ہزارہا عنوانات سے مقالے لکھے اور پڑھے جا چکے ہیں۔ اور اقبال کا کلام کچھ ایسا "معان حق" کا ٹھیکہ ہو گیا ہے کہ یہ لوگ اسی سے سب کچھ نکال لیتے ہیں۔

کوئی کہتا ہے اسلام جمہوریت کا معلم ہے۔ اور اقبال بھی جمہوریت کی تعلیم دیتا ہے۔ کسی کا دعوی یہ ہے کہ اقبال جمہوریت کا سخت مخالف ہے۔ کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ اقبال اشتراکی ہے، کسی کو اس پر اصرار ہے کہ اقبال پاکستان کا بانی ہے اور کوئی کہتا ہے کہ اقبال ہندوستان کی آزادی کا علمبردار تھا۔ اور لطف یہ ہے کہ ہر شخص اپنے دعوے کا ثبوت اقبال ہی کے کلام سے پیش کر دیتا ہے۔ اب انصاف سے کہیے کہ ان مقالات کے سننے اور پڑھنے والوں کی ذہنیت کیا ہوتی ہوگی۔

کچھ مدت سے اس قسم کے موضوع تلاش کیے جا رہے ہیں۔ اقبال اور زمان و مکان، اقبال اور اضافیت، اقبال اور ٹرگنامیٹری، اقبال اور الجبرا!

اللہ تعالی علامہ مرحوم کی روح کو راحت ابدی عطا فرمائے۔ جب وہ دیکھتے ہونگے کہ میرا کلام اس طرح بازیچۂ اطفال بنایا جا رہا ہے تو انکی روح پر کیا گزرتی ہوگی۔

لیکن جب مسلمانوں نے کلام الہی کو بے سر و پا تاویلات کا تختۂ مشق بنانے سے پرہیز نہ کیا۔ تو بیچارے اقبال کے اشعار کی کیا حیثیت ہے۔

(انقلاب)

معذرت

جس مشین پر صدق چھپ رہا تھا، اس میں دفعتہ ایسی خرابی پیدا ہوگئی کہ تقریباً ایک ہفتہ اسکی مرمت کی نذر ہوگیا۔ اس لیے اس پرچہ کی اشاعت میں تاخیر ہوگئی۔ ناظرین کرام معاف فرمائیں۔ کوشش کی جائیگی کہ آئندہ صدق کے دو نمبر ایک ساتھ شائع کر دیے جائیں تاکہ پرچہ اپنے وقت پر نکلنے لگے۔

(خاکسار مہتمم)

الفاظ میں کسی سینما بینی، بے اصولی، زندہ مشرب کے ہوئیں حضرت مولانا تھانوی مدظلہ کے ہیں ـــــ اصلاح کا عملی تجربہ چاہیے وہ اپنے فرصت و سہولت کے وقت کتنا ہی محدود و مختصر سہی جو کوئی بھی رکھتا ہے، وہی مولانا کے ارشاد کی قدر دل سے کر سکتا ہے۔

ایک مکتوب کا جواب ـ ایک مولوی صاحب کے خط کے جواب میں حسب ذیل وضیعہ پچھلے ہفتہ لکھوا گیا ہے ـ جواب سے اصل مکتوب کا مضمون بھی واضح ہوا جاتا ہے ـ اس لیے اسے درج کرنے کی ضرورت نہیں سمجھی گئی ـــ

”وعلیکم السلام ـ موعظہ حسنہ کا شکریہ ـ لیکن میں آپ کی طرح مردم شناسی کا قائل ہوں، شیطان شناسی کا معتقد نہیں ـ اور اب تو معلوم ہوا کہ آپ ملحد شناس بھی نہیں!

آپ کا نقطۂ آغاز یہ ہے کہ آپ کو اس بات کا کہ ایک چھوٹے پیمانہ پر مولانا اشرف علی تھانوی سمجھے ہوئے ہیں ـ یہ کیسا ظلم شدید ہے ـ مولانا پر بھی اور مجھ پر بھی! صدق کو مطالعہ کا شرف آپ برسوں بخشتے رہے ہیں اور چہل آج تک آپ کی سمجھ میں یہ نہ آیا، کہ سمان نہ النور ہے ـ نہ اس کا ضمیر نہ اس کا مشتی ـ برا یا بھلا جیسا بھی ہو، اپنا ایک مستقل سایہ مستقل روش رکھتا ہے اور دونوں کے صوافق سے بالکل بیگانہ۔

جن بزرگوں کے نام آپ نے گنائے ہیں، کیا وہ بھی میری طرح بھی عام طور پر تقریریں کرتے ہیں، اور انھیں اپنے پرچوں میں چھاپتے ہیں؟ کیا وہ بھی خالص ادبی کتابوں، ناولوں، افسانوں کو چھپنے اور ان پر ریویو کرنے رہتے ہیں؟ وہ کیا کسی مشاعرہ کی صدارت کرتے ہیں؟ اسٹیج پر خطبہ تیار کرنے ہیں؟ وہ بھی انگریزی کے فلمی رسالے پڑھتے رہتے ہیں؟ اور کسی فلمی رسالہ کا مطالعہ بغیر ننگی تصویروں پر نظر ڈالے ممکن ہے؟ کیا وہ بھی ریڈیو کے مختلف پروگرام سنتے رہتے اور اس کے ساتھ آواز کو پڑھتے رہتے اور اس کے کارکنوں کو اپنے تاثرات سے مطلع کرتے رہتے ہیں؟ کیا رسالہ سائی بر گرفت (جسکی آپ بھی حوصلہ افزائی فرما چکے ہیں) کیا بغیر اس قسم کے رسالوں کو پڑھے ہوئے ممکن ہے؟ کیا ”نئے ادب“ کی گندگی پر احتساب بغیر خود ان گندگیوں کو مطالعہ میں لائے ہوئے کسی صورت سے بھی ممکن ہے؟

ـــــــ ان میں سے کون سی چیز آپ کے لیے راز یا نا معلوم تھی؟

آپ نے از راہ حسن ظن تحریر فرمایا ہے کہ صدق ایک دینی پرچہ ہے اُسے ان خرافات سے کوئی واسطہ نہ ہونا چاہیے ـ ارشاد کا پہلا جزو بجا ہے ـ صدق اصلاً یقیناً دین ہی کا خادم ہے ـ لیکن یہ کیا ضرور ہے کہ خود خدمت دین ہی کو اسی تنگ دائرہ میں محدود رکھا جائے، جو آپ اور آپ جیسے اور مقدس حضرات کے ذہن میں ہے؟ جگر اور ماہر کی شاعری کو، خواجہ شفیع کی افسانہ نگاری کو مذہب سے یقیناً کوئی قریب کا اور براہ راست تعلق نہیں، اور اگر آپ صرف ادبیات اور مفتاح الجنۃ کی عینک سے دیکھینگے، تو یقیناً سرے ہی سے دور کا تعلق نہ ملیگا ـ لیکن آپ کو کیا خبر کہ ہم اہل دنیا کہاں کہاں سے خفی سا خفی تعلق بھی ڈھونڈ نکالتے ہیں۔

اور خیر یہ لوگ تو پھر بھی بچارے مسلمان ہیں ـ انھیں کی داد و تحسین صدق کے صفحات میں کیا ہے، جب بھی غنیمت ہے، صدق کو اپنی لباط پر جیب غیروں کی ضرورت ہوتی ہے ـ وہ تو سرشار کے فسانۂ آزاد اور برق کے مسنوفہ فرنگ سے بھی کام لینے سے نہیں چوکتا!

آپ میری ذاتی زندگی سے بھی خوب تو نہیں لیکن ایک حد تک واقف ہی ہیں ـ سینما سے ذوق (اور کام شریعت سے قطع نظر) مجھے ابتدا بھی نہیں، لیکن میں نے اپنے کام کے لیے اس سے اندرونی طور پر باخبر رہنے کی ضرورت محسوس کی ـ کوئی ۱۰ سال کے عرصہ میں چار بار سینما رہا ہے، وہ بھی مرا رادہ توان ڈرتے ہوئے اور قدم قدم پر انقباض محسوس کرتے ہوئے (گویا اوسط ساڑھے پانچ سال کے اندر ایک کا پڑا) ـ بخلاف اسکے تمہاری سے کسی دن مفر نہیں ـ نوکروں چاکروں پر بیجا غصہ گرمی، تیوری ـ بھائی برادری، بیوی بچوں کے واجب حقوق میں غفلت، دونا ـ ان میں سے ہر معصیت سینما بینی سے اشد ہے ـ خصوصاً جبکہ محض تقاضائے نفس سے ہو، بلا کسی اصلاحی خیال کے شائبہ کے ـ حیرت ہے کہ آپ نے ان چیزوں پر ذرا بھی نا صحت ادا کرنے کا خیال کبھی نہ فرمایا ـ اور جسکے ٹوکنے کو کا بھی، تو ایسی چیز پر جو سستہ کہیں بلکی ہے! تلک اذاً قسمۃ ضیزیٰ

آپ تو ریڈیو پر تلاوت و تجوید کو لعب کے حکم میں لاتے ہونگے آپ میرے اس خیال سے بھلا کیا ہمدردی کر سکتے ہیں، کہ چاہتا ہوں کہ دہلی، پشاور، کلکتہ کی طرح ہندوستان کے ہر ریڈیو اسٹیشن سے ہفتہ وار تلاوت مع ترجمہ و تفسیر جاری ہو جائے ـ نیز یہ تقریریں بکثرت سے ہوا کریں اور ادبی، علمی تقریروں، ڈراموں، افسانوں ـــ میں کوئی نہ کوئی اصلاحی و تبلیغی پہلو حتی الامکان ضرور آ جایا کرے ـــ ! جہاں تک بن پڑتا ہے، کوشش بھی اپنی سی حد تک کبھی ان چیزوں کی ایجاد میں کرتا رہتا ہوں ـ آپ اپنا فریضہ جو نصیحت اور کر چکے ـ اب میرے حق میں دعا فرمائیں کہ اگر میں گمراہی میں ہوں تو اللہ اس سے نجات دے ـ“

اقبالیات

مصیبت سب سے بڑی یہ ہے کہ یہ امت کی امت ”قوال“ بنا رہی ہے ـ جسکے سنئے خطیب اور لکچرار، اور طول طویل اور (بھی) ہوتی ہیں تقریریں کرتا ہی اسلام کی خدمت خیال کرتے ہیں ـ ہر وہ شخص جسے قرآن مجید کے جستہ جستہ آیات اور ڈاکٹر اقبال کے بعض اشعار یاد ہیں اپنے آپ کو علامہ جمال الدین افغانی سے کم نہیں سمجھتا ـ اور فرد و ملت کے فلسفہ پر وہ دھواں دھار تقریر کرتا ہے، کہ نوجوان منہ دیکھتے رہ جاتے ہیں، نہ مقرر کچھ سمجھانا چاہتا ہے نہ سمجھانے کی اہلیت رکھتا ہے نہ سننے والے کچھ سمجھتے ہیں، نہ سمجھنے کے خواہشمند ہوتے ہیں ـ دو گھڑی کی دلچسپی ہوتی ہے اور بس ـ اخیر تھا اسپاٹ ہے کمر گھروں کو واپس چلے جاتے ہیں۔

(بقیہ ص ۔۔۔ پر ملاحظہ ہو)

مطابع حیدرآباد پر کوتوالی حیدرآباد کی اتنی بھی نگرانی نہیں رہی کہ قابل اعتراض مواد یہاں طبع نہ ہوتے پائیں" (۱۰ رسطر) ایک یورپیہ نے ایک بیل پر حملہ کیا مگر بیل قوی اور جری تھا اس نے یورپیہ (مینڈو) ہلاک کر دیا اس پر نوٹ لکھا " خدا کی شان دنیا بدل گئی درندے چرندے ہو گئے "

اداریہ لکھنا ہر اڈیٹر کا فرض ہے روزانہ اسکا لکھا جانا ضروری ہے خواہ کوئی اہم یا قابل لحاظ واقعہ ہوا نہ ہو - مرحوم صرف ضرورت پر لکھتے اور خوب لکھتے - چنانچہ چند سال قبل حیدرآباد میں آبکاری کا مسئلہ زیر بحث تھا - مولوی صاحب نشہ کی خرید و فروخت اور اسکی آمدنی کو اسلامی حکومت میں پسند نہ کرتے تھے - مولوی صاحب نے لکھا تھا کہ اگر حکومت آمدنی کے کم کرنے کی فکر کرے گی تو یہ مسئلہ کبھی حل نہ ہو گا - خدائی احکام کی تعمیل میں اقتصادی معاملات کو نظر انداز کر دینا چاہیے حکومت پہلے آبکاری کو بند کرنے کا مصمم ارادہ کر لے پھر کسی اور جائز ذریعہ سے اسکی پابجائی کی جا سکتی ہے - چنانچہ مولوی صاحب نے صابن سازی وغیرہ سگریٹ، شکر سازی اور دیگر مصنوعات کے جاری کرنے کی رائے دی تھی یہ مسئلہ ابھی کا ہے (افسوس کہ اداریہ دستیاب نہ ہوسکے) مولوی صاحب اداریہ ہمیشہ باسمہ سبحانہ سے شروع کرتے جنگ کے متعلق تو آپ نے سیکڑوں اڈیٹوریل پڑھے ہونگے اسی مضمون کو مولوی صاحب کی زبانی سنیئے -

"باسمہ سبحانہ

خدا جسکو چاہے اُسے ملک دے
یہ دعویٰ ہے ثابت اسی جنگ سے (اکبر علی)

(اسکے آگے ایک طویل اقتباس بالکل مذہبی رنگ کا درج تھا - (صدق)
(۱۳ر فروری ۱۹۴۰ء) آپ نے اس قسم کے مضامین اخبارات میں شاید پڑھے ہوں لیکن روزانہ اخبار میں شاید ہی آپ کو اسکی نظیر ملے -

مولوی صاحب مرحوم کی خدمت میں حقیر نذر ہے - مولوی صاحب کے علم سے انکے اخبار کے ذریعہ . . . حسب ظرف استفادہ کیا - اس قحط الرجال میں جبکہ اسلام کے شیدا اسلامیان خال خال ہیں - جو ہیں وہ گوشہ نشین - ان میں سے ایک ایسے شخص کو جو اس گوشہ سے نکل کر ہم میں آ نکلا تھا جس نے اس بے راہ روی کے زمانہ میں جب ہر ایک اپنی ہی ذات کو اہم تصور کرتا ہے مولوی صاحب نے صداقت اور حق پسندی کی مثال قائم کی - وہ اب خدا کے فضل سے بکثرت ہیں اور اسکی ضرورت تو مرحوم کو نہیں رہا - بڑے بڑے رہنماؤں کو ہم بھلا بیٹھے ہیں - انکی یاد ابھی تازہ ہے اس لیے اگر ہم فاتحہ کا ہدیہ اور خراج عقیدت نذر کریں تو بے موقع نہیں - اس سے زیادہ ہم کر ہی کیا سکتے ہیں -

---

ترجمہ یوں بھی اتنا آسان نہیں، جتنا اسوقت اخباری پروپگنڈے کے اثر سے سمجھا جانے لگا ہے -

نیا درس قرآن

مقام مسرت ہے کہ مسلمانوں میں دینی احساس پیدا ہو رہا ہے اور کتاب و سنت سے واقفیت کا شوق عام ہوتا جا رہا ہے - اس سلسلہ میں جا بجا ترجمہ قرآن مجید کے حلقے قائم ہو رہے ہیں - کہیں کہیں حدیث مبارک کا ترجمہ بھی سنایا جاتا ہے - لیکن زیادہ تر وعظ و پند سے کام لیا جاتا ہے - عربی زبان سے واقفیت اور اصول و قواعد کی رو سے ترجمہ کا کام عربی مدارس کے سوا شاید کہیں بھی نہیں ہوتا - اس لیے کہ عربی زبان کو عموماً بہت مشکل سمجھا جاتا ہے اور یہ خیال کیا جاتا ہے کہ برسوں کی محنت کے بعد بمشکل اتنی استعداد پیدا ہو سکتی ہے کہ قرآن مجید کا ترجمہ کیا جا سکے - لیکن یہ خیال صحیح نہیں ہے - ایک اوسط درجہ کا اردو داں زیادہ سے زیادہ دس دن میں اتنی صلاحیت پیدا کر سکتا ہے کہ باقاعدہ قرآن مجید کا ترجمہ شروع کر سکے - اس طرح تقریباً ڈیڑھ ماہ میں سورۂ بقر ختم ہو جاتی ہے اور اسکے بعد آسانی سے پانچ چھ ماہ میں پورے قرآن مجید کا ترجمہ ضروری تشریحات کے ساتھ ختم ہو سکتا ہے - ترجمہ میں چونکہ عربی زبان کے قواعد و اصول کا خیال رکھا جاتا ہے اور کسی قدر ادب و انشا کا کام بھی ساتھ ساتھ ہوتا رہتا ہے اس لیے قرآن مجید ختم کرتے کرتے اتنی عربی آ جاتی ہے کہ حدیث، فقہ، اور تاریخ کی آسان غیر معرب کتابیں آسانی سے پڑھی اور سمجھی جا سکتی ہیں -

ہمارے اس بیان کو کسی مبالغہ پر محمول نہ کیا جائے - دس بارہ برس کے مسلسل اور کامیاب تجربہ کے بعد ہم یہ بیان دے رہے ہیں - اکتوبر ۱۹۳۱ء اور اگست ۱۹۳۲ء کے الندوہ کے شذرات میں ہم نے اس قسم کا اعلان بھی کیا تھا - اس سلسلہ میں دوستوں کی رائے ہوئی کہ اس قسم کا ایک حلقۂ درس قائم کیا جائے تاکہ لوگوں کو عملاً اس طریقہ سے واقفیت اور فائدہ ہو - چنانچہ الحمد للہ کہ یہ اسکیم بروئے کار آ گئی اور امین آباد پارک نمبر ۲۳ میں ادارۂ تعلیمات اسلام کے نام سے ایک مرکز قائم ہو گیا ہے - جہاں روزانہ صبح و شام مذکورۂ بالا اصول پر قرآن مجید پڑھایا جاتا ہے (۲) ہر جمعہ کو بعد مغرب درس تفسیر (۳) ہر شنبہ کو بعد مغرب درس حدیث مبارک اور (۴) ہر اتوار کو بعد مغرب سیرت نبوی پر مسلسل تقریر ہوتی ہے -

ہر شخص کو عموماً اور جدید تعلیم یافتہ حضرات کو خصوصاً شرکت کی دعوت دی جاتی ہے - مزید واقفیت کے لیے پتہ ذیل پر تشریف لائیں -
(درس کے سلسلہ میں کسی قسم کی فیس یا معاوضہ نہیں لیا جاتا ہے)

عبد السلام قدوائی - ندوی - ادارۂ تعلیمات اسلام نمبر ۲۳ امین آباد پارک لکھنؤ -

صدق - مراسلہ میں جو دعوے کیا گیا ہے کہ زیادہ سے زیادہ دس دن کے اندر معمولی اردو خوان کو باقاعدہ ترجمۂ قرآن مجید پر قدرت ہو جاتی ہے - یقیناً حیرت انگیز ہے اور مزید تحقیق و تصدیق کا محتاج - قرآن فہمی ...

والذی جاء بالصدق وصدق به أولئك هم المتقون | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب:- (حکیم) عبدالقوی (بی اے)

مضامین کے متعلق خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے بارے میں مراسلت اس پتہ پر ہو
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی [illegible]
بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲؍

صدق

نمبر ۸ | دوشنبہ ۱۷ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۱ جون ۱۹۴۳ء | جلد ۹

ایک صحابی پر حملہ ایک شیعہ اخبار کا اقتباس اس مفہوم کا نظر سے گذرا، کہ حضرت خالدؓ نے ایک مسلمان مالک بن نویرہ کو اس کی بیوی پر فریفتہ ہو کر قتل کر ڈالا، اور حسین بیوی سے (نعوذ باللہ) اسی شب میں متمتع ہوئے وغیرہ — یہ صرف خلاصہ درج ہوا۔ اصل مضمون میں الفاظ کہیں زیادہ گراں ہیں۔ اور مضمون تمام تر اس نسبت سے اہل سنت کے لیے اشتعال انگیز ہے ——— حضرت خالدؓ کا شمار صحابیوں ہی میں نہیں، ممتاز صحابیوں میں ہے۔ "سیف اللہ" آپ کا لقب خود رسول اللہ صلعم کا بخشا ہوا ہے۔ آپ کی توہین بھی شیعی نقطۂ نظر سے ناقابل برداشت ہے۔

اتنے سنگین اور گندے الزامات، بلا ثبوت و تحقیق، ایک ادنیٰ مسلمان کے حق میں، خصوصاً اسکی وفات کے بعد، قابل تحمل نہیں، چہ جائیکہ ایک ممتاز صحابی رسول کے حق میں! ——— الزام کوئی نیا ادھر پیدا نہیں، بارہا پیش ہو چکا ہے۔ چنانچہ ابھی چند سال ہوئے یعنی اگست ۱۹۳۳ء میں ایک فرنگی (غالباً لوئیس نامی) نے ٹائمس آف انڈیا کے مصور ہفتہ وار (السٹریٹڈ ویکلی) میں ایک باتصویر مضمون اسی موضوع پر نہایت گندہ تحریر کیا تھا، اور اسکا جواب بھی منجملہ دوسرے جوابات کے، ناصحانہ اور محققانہ رسالہ معارف کے اکتوبر نمبر میں اسی سال نکل گیا تھا ——— اتہام وافتراء بہرحال الزام وافتراء ہی رہتا ہے، اسے کتنے ہی بار دہرایا جائے اور شیعہ اخبار نویس کا تازہ جرم اس سے ہلکا بالکل بھی نہیں ہوتا۔

مالک بن نویرہ نہ اپنے قتل کے وقت مسلمان تھا (کم از کم حضرت خالدؓ کے علم میں) اور نہ اسکا قتل آپ کے حکم سے ہوا تھا۔ وہ قتل ہوا ضرور، لیکن حضرت خالدؓ کے حکم سے نہیں، بلکہ آپ کے الفاظ سے بدویوں نے اپنے مخصوص محاورہ کے ماتحت ایک بالکل دوسرے معنی پیدا کر لیے، اور حضرت خالدؓ کی لاعلمی میں مالک اور اسکے ساتھ کے قیدیوں کو قتل کر ڈالا — اسکی بیوہ سے نکاح کر لینا کوئی جرم یقیناً نہ شرعی تھا نہ اخلاقی۔ دربار خلافت میں واقعہ کی تحقیق ہوئی۔ زمانہ حضرت ابوبکرؓ صدیق کا تھا۔ حضرت عمرؓ تک برنبائے احتیاط، خالدؓ کو ملزم قرار دیتے تھے، لیکن بالآخر بعد تحقیق آپ بری ہوئے، اور اس صدیقی فیصلہ کے بعد اب قطعاً کسی کو حق نہیں، کہ اس بجھے ہوئے فتنہ کو بیدار کرنے کی ازسرنو کوشش کرے!

ہند جدید کی ایک جھلک ترکی وفد صحافت کے ایک رکن، نجم الدین صادق کے قلم سے، استنبول کے اخبار Ak Saam مورخہ ۹ مارچ ۱۹۴۳ء میں:—

"ہندی عورتیں جو اپنے قدیم (ہندو) مذہب پر قائم ہیں، لہنگے پہنا ہوئے اور ماتھے پر اپنی لال بندیا کو برقرار رکھے ہوئے ہیں، انگریزی خوب بول لیتی ہیں۔ انھیں میں ایسی بھی ملتی ہیں، جو انگریزوں سے سخت ناخوش اور سوراج کی خواہاں ہیں۔ ایک روز شام کے بعد ہم لوگ دہلی کلب میں مدعو تھے، اور وہیں ایسی دو خاتونیں ملیں۔ ایک ان میں سے بہت ہی پرجوش تھیں۔ مجھ سے بولیں، کہ ہندوستان کا اصلی منظر کلب وغیرہ سے کہیں تھوڑے ہی نظر آسکتا ہے۔ ہم نے جواب دیا، کہ رفتہ رفتہ ہم سب ہی چیزوں کو دیکھ لینگے۔ اس پر بولیں کہ "اگر آپ کو آزادی سے دیکھنا اور لکھنا منظور ہوتا تو آپ مہمان بن کر نہ آتے۔ آپ تو مہمان کی حیثیت سے خود ہی آزادی سے دست بردار ہو کر آئے ہیں"" ——— چند ہی منٹ اس گفتگو کو گزرے تھے، کہ میں نے ان پرجوش انگریز بیزار وطن پرست

خاتون کو، کیا کہ ایک انگریز افسر کے ساتھ رقص میں مشغول ہیں۔

آزاد خیال، حریت دوست، وطن پرست، انقلاب پسند ہندوستان کا یہ منظر کوئی اپنی نوعیت میں انوکھا، اپنی قسم کا پہلا ہے؟

انگریزی ترجمۂ قرآن پر تنقید

ایک معزز ایڈوکیٹ صوبہ پنجاب سے لکھتے ہیں:—

"آپ کے انگریزی ترجمۂ قرآن کے بارہ (اوّل) پر ... کے انگریزی روزنامہ مورخہ ۲۹ر و ۳۰ مئی و یکم جون کے پرچہ میں جو تنقید نکلی ہے، وہ ملاحظہ سے گزری ہوگی، نہ گزری ہو، تو اب وہ پرچہ منگا کر ضرور ملاحظہ فرمائیں۔"

خیار نامہ کو نظر سے نہیں گزرا۔ اس خاص مضمون کا ایک نمبر یعنی ۳۰ر مئی کے پرچہ کا تراشہ، ایک کرم فرما نے لاہور سے ارسال فرمادیا تھا۔ اس ایک نمبر سے تینوں نمبروں کا اندازہ ہوگیا، اور سارا مضمون پڑھنے کی نہ ضرورت باقی رہی نہ ہمت۔ مضمون "تنقید" نہیں ہے "تنقیص" ہے، اوّل سے لیکر آخر تک۔ کوشش اپنی طرف سے برابر یہ رہی ہے کہ ہر معترض کی زبان سے کچھ باتیں کام کی بھی حاصل ہو جائیں۔ بارہا یہ کوشش ناکام بھی رہی ہے۔ چنانچہ اسکی ایک تازہ مثال یہی نام کی "تنقید" ہے —— "تنقید نگار" پنجاب کے انگریزی حلقہ میں ایک معروف شخص ہیں۔ عرصہ ہوا انکے ایک انگریزی ترجمہ پر صدق میں تبصرہ نکلا تھا، جو تمامتر مداحانہ نہ تھا۔ اس پر انکا ایک طویل خط انگریزی میں بہت ہی برہمی و بیزاری کا وصول ہوا تھا۔ اور اب انکے قلم کو موقع "انتقام" کا پوری آزادی کے ساتھ ہاتھ لگ گیا!

تنقید نگار نے، اس زیر نظر نمبر میں تفسیر کو تو سرے سے شاید قابل اعتناء ہی نہیں سمجھا ہے۔ توجہ صرف ترجمہ کی زبان پر رکھی ہے، اور اسے ہدفِ انتہائی ملامت کا رکھا ہے۔ خطا و نسیان، غلطی و لغزش سے تو ظاہر ہے کون انسان کسی درجہ میں بھی محفوظ رہنے کا دعویٰ کرسکتا ہے؟ البتہ اس قدر گزارش ضروری ہے کہ انگریزی ترجمہ میں حتی الامکان کوئی ایک لفظ، کوئی ایک ترکیب بھی ایسی آنے نہیں پائی ہے، جسکی سند پہلے کسی اہل زبان کے ہاں تلاش نہ کرلی گئی ہو۔ بلکہ کام میں دیر ہونے کی ایک خاص وجہ یہی رہی ہے —— تنقید نگار نے جن جن ترکیبوں کو قابل اعتراض قرار دیا ہے، وہ تقریباً سب کی سب اتفاق سے صحیح ہی ہیں، اور مستند اہل زبان کے استعمال میں رہی ہیں۔ صرف دو اعتراضات صحیح ہیں، اور وہ دونوں غلطیاں ترجمہ کی نہیں، صرف سہوِ طباعت و کتابت ہیں۔ —— سب سے بڑا اور اہم اعتراض یہ ہے کہ ظلمات (صیغۂ جمع) کا ترجمہ انگریزی کے صیغۂ جمع darknesses سے کیوں کیا گیا ہے۔ انگریزی گرامر کے عام قاعدہ کے لحاظ سے، جسکا علم ہر مبتدی کو ہو جاتا ہے کہ Abstract nouns کی جمع نہیں آتی۔ گرفت صحیح ہے، لیکن ترجمہ میں صیغۂ جمع نہ صرف ایڈنبرا یونیورسٹی کے استاد ڈاکٹر بل (Bell) نے استعمال کیا ہے، بلکہ کیمبرج یونیورسٹی کے پروفیسر پامر (Palmer) نے بھی سورۂ ق آیت ۱۶ کے ترجمہ میں! اور جن دوسرے ہندوستانی فاضلوں اور ادیبوں (مثلاً نواب عمادالملک سید حسن بلگرامی) نے استعمال کیا ہے، انکا تو ذکر ہی نہیں! ڈاکٹر بل کے ہاں اسکا استعمال سورۂ زمر میں بھی ملتا ہے! باقی جن لفظوں اور جن ترکیبوں پر گرفت کی گئی ہے، وہ خود تنقید نگار کی تنگ نظری و بےخبری کی غماز ہیں!

اختلاف کے حدود

ایک طویل مراسلہ کی تلخیص:—

"مولانا سید ابوالاعلیٰ مودودی نے اپنے ماہنامہ ترجمان القرآن اور دوسرے رسائل سے اسلام کی جو خدمات انجام دیں اور مسائل دینی جس مدلل طریقہ سے لکھے، اُسکی داد سب سے پہلے اور سب سے زیادہ مستحق ہی نے دی تھی، اور صدق ہی نے انکے سیاسی مشکل اسلام کا لفظ لکھنا شروع کیا تھا۔ مگر بعد کو ایسے حالات پیش آئے، کہ جناب کا اور انکا توافق قائم نہ رہا۔ بلکہ بعض اوقات تو افسوسناک محرون تلخی کی نوبت آگئی۔ ...

حال میں انکی "جماعت اسلامی" کے ایک پرجوش رکن اور ایک مشہور اسلامی درسگاہ کے طالب علم نے مجھ سے انھیں مسائل پر گفتگو کی۔ انھوں نے فرمایا کہ جتنے مسلمان بادشاہ گزرے ہیں، خواہ وہ ہند کے ہوں یا شام، عراق، حجاز، مصر وغیرہ کے، ان میں سے کسی کا بھی نظام حکومت اسلامی نہ تھا۔ اُن میں اور غیر مسلم فرمانرواؤں میں اصلا فرق نہیں۔ یہ صرف نام کے مسلمان ہوئے ہیں۔ ان نسلی مسلمانوں اور کافروں میں قطعاً کوئی فرق نہیں اسلامی نقطۂ نظر سے دونوں یکساں ہم سطح ہیں۔ وقس علیٰ ہذا

مجھے تو اپنے فہم ناقص کے مطابق یہ خیالات بہت ہی زیادتی کے معلوم ہوئے۔ ملتجی ہوں کہ صحیح مسلک سے صدق میں مطلع فرمایا جائے۔ نیز اپنے اور مولانا مودودی کے اختلافات کے حدود پر بھی اپنے قلم سے روشنی ڈالی جائے۔"

ان مسائل پر تو ایک سے زیادہ بار ان صفحات پر لکھا جاچکا ہے۔ خیر، آج اس مراسلہ کی خاطر ایک بار اور سہی۔

مولانا مودودی کی دو مختلف حیثیتیں ہیں۔ ایک مصنف، اہل قلم، مقالہ نگار کی۔ اور یہ حیثیت انکی یقیناً بہت روشن و ممتاز ہے۔ مسائل پر انھوں نے خوب خوب لکھا۔ اور بعض دینی حقائق کی تعبیر انھوں نے عصر حاضر کے مطابق جس خوش اسلوبی سے کی، وہ انھیں کا حصہ ہے۔ انکی یہ خدمات دینی اپنی جگہ پر قائم ہیں۔ صدق نے انھیں خدمات کی بنا پر انھیں متکلم اسلام لکھوا چلا فرض خیال کیا۔ اور آگے اپنی اس رائے میں ایک ترمیم کی کوئی وجہ معلوم نہیں ہوتی۔

دوسری حیثیت انکی، ایک باضابطہ جماعت کے لیڈر یا قائد کی ہے —— اس حیثیت میں انھوں نے بعض مسائل اور بنیادی مسائل میں اسقدر غلو سے کام لیا، کہ صدق کو انکا ساتھ چھوڑنا پڑا۔ بلکہ انکی بعض افراط پسندیوں اور بے اعتدالیوں پر زور و قوت سے ٹوکنا پڑا۔ اسکی ابتدا بالکل شروع سے بحمداللہ برابر رہی کہ دونوں حیثیتوں میں باہم خلط نہ ہونے پائے۔ اور مثال شروع ہی میں دیدی گئی تھی کہ ممکن ہے کہ ایک شخص صاحب باطن، بلکہ صاحب ارشاد، بزرگ ہو، لیکن محدثانہ معیار سے اسکی روایتیں بالکل ہی ناقابل قبول ہوں، یا ایک شخص اپنے عقائد کی گہرائیوں کے لحاظ سے

جہمیہ یا جماعت یا معتزلی یا شیعہ ہوں یا سنیہ، انکے باہم مشترک مذاہب اسلام بھی قابل قدر ہوں —— ان داوری احتیاطوں کے باوجود تلخیاں اور یہ قلم حواسہ نگاروں کے، افسوسناک تلخیاں پیدا ہو کر رہیں۔ کچھ تو صدق کے ایک مضمون نگار شاہ نذیر احمد کی آتش زبانیوں اور اشتعال انگیزیوں سے، اور کچھ ایسے کہ مولانا نے صدق کے مضمون نگار کی جو دلآزاریاں جو صدق کے کالموں میں نکل دیں اور اختلافات کو اس سے بہت زیادہ بڑھا کر دکھایا، جتنا صدق کو اُن سے واقعۃً تھا، اور ہے۔

غلو و افراط کا ایک ثمرہ یہ بھی ہے، جسکا نمونہ اس سلسلہ میں جماعت اسلامی کے ایک پُرجوش رکن (اور کون رکن اس جماعت کا "پُرجوش" نہیں ہے) کی گفتگو کے سلسلہ میں درج ہے۔ مولانا کی طرز دعوت و دعایت کا اثر قدرۃً (خصوصاً نوعمر طالبوں پر) یہ پڑا کہ دین بجائے دین کے، بجائے اصلاً ایک روحانی، اخروی باطنی، اصلاحی، انفرادی دعوت کے ایک دنیوی، اجتماعی، قومی فلاح کی تحریک نظر آنے لگی۔ توجہ تعمیر و اصلاح سے کہیں زیادہ، تخریب و تنقید پر مائل ہوگئی۔ طبیعت احتساب نفس کے بجائے احتساب ..... پر متوجہ ہوگئی۔ اور بجائے اسکے کہ اپنی نماز بہتر ہونے لگتی، اپنی نماز میں شکستگی بڑھ جاتی، گفتگو دن رات زور و شور کے ساتھ اس پر جاری رہنے لگی، کہ فلاں اور فلاں نماز کے فلسفہ سے جاہل ہیں، . . . . نماز کو پوجا پاٹ کی قسم کی چیز سمجھ رہے ہیں! اور اسی ہنگامہ آرائی میں خود اپنی نمازیں بُری بھلی جیسی بھی تھیں، غائب ہوگئیں! —— حمید خاں غریب کی ساری کتاب اسی ذہنی تعلیم کا ثمرہ ہے۔ تیرہ سو برس بیت گئے! اسلام کو کوئی سمجھا ہی نہیں۔ بڑے بڑے متکلمین، مفسرین، محدثین، فقہا، صوفیہ، ان میں سے کوئی دین کی حقیقت تک پہونچا ہی نہیں، سب ظواہر، زوائد، "ایجمی منافات" میں پھنس کر رہ گئے۔ رہے ملوک و سلاطین، تو وہ سب سے بڑے مجرم، ہر طرح گشتنی و گردن زدنی! —— یہ تعلیم من بولے نفس کے مطابق بھی، اور زمانہ کی ہوا کے مطابق بھی۔ نتیجہ کے اعتبار سے مشرقی صاحب کی تعلیم سے کس قدر مشابہ! تعجب اسکی مقبولیت و مرغوبیت پر کیوں کیجیے۔

حکومت اسلامی کا نصب العین تنہا مولانا مودودی کا نہیں۔ صدق بھی اپنی حقیر و کمزور آواز سالہا سال سے اسی کی تائید میں اٹھا رہا ہے۔ لیگ، جمعیۃ العلماء، مجلس احرار، وغیرہ جتنی بھی جماعتیں اسوقت کام کرتی نظر آرہی ہیں۔ اسلام کامل ان میں سے کسی کا بھی نہ نصب العین ہے، نہ طریق کار۔ اور اس پہلے اسکے ناکافی سمجھنے میں صدق تمامتر مولانا مودودی کا ہمنوا ہے۔ البتہ اسکے آگے فرق یہ ہو جاتا ہے کہ صدق کے نزدیک خود ان میں باہم فرق مراتب ہے، اور جسکے مقاصد میں اسلامیت زیادہ ہے، وہ اسلام کامل کے نصب العین سے نسبۃً قریب تر ہے۔ اور مولانا مودودی اس اضافی فرق کے قائل نہیں۔ انکے نزدیک گویا دوسرے درجہ کا اسلام (اور کس کا اسلام بجز انبیاء کے اعلیٰ دوسرے درجہ کا نہیں؟) اور کفر، مقام ہم سطح ہیں۔ یہ محض ایک مثال ہے۔ اس سے یقین ہے کہ نقطہ خیال کا پورا فرق واضح ہوگیا ہوگا —— مولانا کے اس تحریک کی غلو و افراط پسندی سے اگر قطع نظر کر لی جائے، تو باقی عام مذاق اسلام کے لحاظ سے انکی تحریریں پہلے بھی بہت قابل قدر تھیں، اب بھی قابل قدر ہیں۔

نیازمندانہ "انتقام"

"اگر ایڈیٹر نگار سے توبہ کا مطالبہ حق بجانب ہو سکتا ہے، تو ایڈیٹر "صدق" اس سے کیوں گریز کر سکتا ہے!"

(مدینہ۔ بجنور۔ ۹ جون)

جب تو پھر بالکل ٹھیک ہے۔ ۱۳-۱۴ کالم کی نازک خیالیاں، یا بدگمانیاں ہمیں قصداً نہ بھولیں۔ یہ نظر کہ ... ایڈیٹروں کی طرح ناکس کے بعد نقل! جب قصور یہ ٹھہرا کہ ۱۳ سال قبل بارگاہ "نیاز" میں گستاخی کی گئی تھی، اور آتش انتقام ایک ... گمنام پمفلٹ کی اشاعت کے بعد بھی نہ بجھی، تو کیوں نہ اب یقین کیجیے کہ ... محفوظ ... عرصہ گزر ... ۱۲ سالہ قبل والا نگار باقی نہ رہا ... انگریزی محاورہ میں بلی کا تھیلے سے باہر نکل پڑنا! اردو محاورہ ... صدق غریب اس علم تک کہاں پہونچ سکتا تھا! —— ... کا غذ ہی ہے، جو اصلی اور قابل صد ہزار تعظیم ... ہے، خود وہاں بھی یاران شاطر نے اسلام کے ہمدرد رہ کر، خواہ بن کر، کمین گاہ میں بیٹھ کر، کوئی کسر اسلام دشمنی میں اٹھا رکھی تھی! ومن اہل المدینۃ مردوا علی النفاق۔ مبارک ہوں سادہ دل پروپیگنڈہ ... صاحب ... کہ ان بھولی بھالی "نیاز" صاحب کی "تیمتی" خدمت اور یہ نوٹ پریس پہونچ چکا تھا کہ "نگار" کا جون نمبر نظر پڑ گیا۔ (مدینہ سے کہیں زیادہ شریفانہ روش تو اسکی رہی)

تمت بالخیر

عبدالحمید خاں صاحب کی ضخیم کتاب "تاریخ افکار و سیاسیات اسلامی" کے مختلف پہلوؤں اور گوشوں پر جستہ جستہ تنقید خوشی کے ساتھ نہیں، تلخی و افسوس کے ساتھ، صدق کے کوئی ... نمبر میں نکل چکی ہے، اور یقین ہے کہ کتاب کے جتنے تاریک پہلو تھے، وہ سب اب اچھے خاصے روشنی میں آگئے۔ کوئی صفحہ بھی تلبیس حق بالباطل، کتمان حق، ناقص و مغالطہ پرور تحقیقات، غلط معتقدات، غلط تر نتائج سے شاید خالی ہو۔ کچھ کم چھ سو صفحات کی کتاب پر اگر تفصیلی تنقید کی جائے، تو صدق کے صفحات سالہا سال تک گویا اسی کام کی نذر ہو جائیں۔ ائمہ تفسیر، حدیث، فقہ، سلوک، کلام، عام خاندان دین، اور مظلوم و بدنام طبقہ ملوک و سلاطین، سب پر کہنا چاہیے کہ شدید لائبل کتاب میں اول سے آخر تک موجود ہیں۔ اور ہر ایک کی صورت حال بالکل مسخ ہی ہو کر پیش ہوئی ہے۔ مصنف کی نیت کیسی ہی نیک، اور انکا مقصد کیسا ہی پاک ہو، بہرصورت کتاب ایک مجموعہ اغلاط و مغالطات ہو کر رہ گئی ہے، اور ساتھ ہی سخت اشتعال انگیز و صبر آزما بھی۔ لیکن

عیب مے جملہ بگفتی ہنرش نیز بگو

جب جوئے اور شراب جیسی قطعی حرام بھی اپنے اندر منفعتوں کے ساتھ کچھ پہلو منفعت و مصلحت کے بھی رکھتی ہیں، اور دنیا میں شر کے ساتھ خیر کا لزوم چولی دامن کا سا ہے، تو اس پر حیرت نہ کیجیے، کہ یہ فتنہ انگیز کتاب کچھ روشن پہلو بھی رکھتی ہے —— خارستان کے اندر کچھ پھول!

ذاتی حملے

مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی اڈیٹر صدق نے اپنے اخبار میں دو مشہور نوجوان مسلم خواتین کے سینما میں کام کرنے پر غیرت اسلامی سے متاثر ہو کر نکتہ چینی کی تھی - جن میں سے ایک کے متعلق کہا گیا ہے کہ وہ خان بہادر شیخ عبداللہ سکرٹری مسلم یونیورسٹی گرلس کالج کی صاحبزادی اور دوسری انکی بہو ہیں - مولانا کی نکتہ چینی اتنی ہی سخت تھی جتنی کہ ایک غیرتمند مسلمان کی ہونا چاہیے - لیکن ہمیں تعجب ہے کہ انکی تائید کرنے کے بجائے بعض معاصرین نے اسکے جواب میں انکی ذات پر بہت ہی ناشائستہ حملے شروع کر دیے ہیں - ہمارے پاس بھی کئی مراسلے آئے ہیں اور انھیں پڑھ کر ہم کو حیرت ہوتی ہے کہ اڈیٹر صدق نے اگر دو مسلمان لڑکیوں کو انکی بے حجابی اور بے غیرتی پر ٹوکا تو کیا قصور کیا - فرض کیجیے کہ مولانا عبدالماجد صاحب خود سرتاپا فسق و فجور میں مبتلا ہوں تو کیا اس بنا پر انکا مسلمان لڑکیوں کو انکی بے حیائی اور بے غیرتی پر ٹوکنا معیوب ہوگا - ہم نہیں سمجھتے کہ ایسا کرنے میں انھوں نے شرعاً و اخلاقاً کیا قصور کیا ہے؟

آج کی ڈاک سے زبیر احمد صاحب صدیقی سکرٹری انجمن اصلاح العوام اردو بازار گورکھپور کا بھی ایک مراسلہ بغرض اشاعت موصول ہوا ہے - اس میں بھی مولانا عبدالماجد صاحب کی ذات پر سخت نکتہ چینی کی گئی ہے - لیکن سوال یہ ہے کہ جو اعتراض انھوں نے کیا تھا اسکا جواب یہی ہے کہ انکی ذات پر حملے کیے جائیں؟ اگر مولانا موصوف کے اعتراض کا جواب دیا جائے، تو ہم اسکو بخوشی شائع کر دیں گے، لیکن کسی کی ذات پر حملہ کرنا ہم ہرگز پسند نہیں کرتے - اس لیے ہم اس قسم کے مضامین کی اشاعت کرنے سے معذور ہیں!! (حقیقت)

عجیب صحافت

مولانا عبدالماجد صاحب مدیر صدق نے اپنے اخبار میں علیگڈھ کے ایک مشہور خان بہادر کی صاحبزادی اور بہو کے سینما میں شریک ہونے پر غیرت و شرافت اسلامی سے متاثر ہو کر جو احتجاج کیا تھا، اس سے معاصر مدینہ اسقدر چراغ پا ہو گیا کہ اس نے اپنے پورے دو صفحے مولانا موصوف کی ہجو میں رنگ ڈالے - جن میں انکی ذات پر نہایت ہی نازیبا حملے کیے گئے تھے -

ایک نامہ نگار صاحب نے جو مدینہ کے خریدار ہیں ہمارے اڈیٹر صاحب سے دریافت کیا ہے کہ مدینہ کی اس قدر برہمی کا سبب کیا ہے اور کیوں خان بہادر صاحب کی صاحبزادی اور بہو کی حمایت کرنے میں اسقدر غلو ہے کہ اس نے مولانا عبدالماجد صاحب کی ذات پر رکیک سے رکیک حملے کرنے میں بھی ذرا تامل نہیں کیا - اسکا جواب ہم یہی دے سکتے ہیں کہ ہمارے کرم فرما نے سوال غلط شخص سے کیا ہے - اڈیٹر مدینہ کی کسی تحریر کا جواب اڈیٹر حقیقت کیونکر دے سکتا ہے؟

(تاہم ہمیں یہ بھی معلوم ہے کہ مدینہ کے ان مضامین کو عام طور پر ناپسند کیا گیا ہے - چنانچہ بمبئی کے اخبار انقلاب نے لکھا ہے :-

ایک دوست نے ہمیں مدینہ کا وہ پرچہ دکھایا جسے اگر عبدالماجد نمبر کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا - ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مدینہ کے مدیر محترم منتظر بیٹھے تھے کہ انھیں موقع ملے اور وہ مولانا کے "پس منظر" کی آڑ میں اپنی قابل ملامت ذہنیت، اپنے انشائی خبث نیت اور اپنے صد درجہ پست اور لائل خیالات کا مظاہرہ کریں - مولانا عبدالماجد کے جیسے جیسے دن پر آستین چڑھائی جا رہی ہے اگندہ دہنی اور بد زبانی کا کمال منظر عام پر لایا جا رہا ہے اسکو پڑھ کر شرافت روپوش ہو جاتی ہے اور صحافت کانوں میں انگلیاں دے لیتی ہے - اگر کوئی ذاتی پرخاش کا جرم ہوتی تو شاید یہ حضرات ماں، بہن کی گالیاں بھی دور روش میں دے دیتے - ورنہ چند بند الفاظ میں انھوں نے کوئی کسر نہیں اٹھا رکھی"-

لیکن یہ بات تو پھر بھی معمہ ہی رہی کہ آخر مدیر مدینہ کو اس قدر غصہ کیوں آیا؟ مدیر مدینہ اور انکے ایک نامہ نگار خصوصی مولانا صاحب سے ہم کو خدانخواستہ اس معاملہ میں اور نہ کسی قسم کی بدظنی نہیں ہو سکتی اور نہ ہے - کہ آخر انکو دو فلم ایکٹرسوں سے اتنی ہمدردی کیوں ہے - لیکن اتنی بات ہم بھی معلوم کرنا چاہتے ہیں کہ مدینہ کی نظر میں مولانا کا جرم "اتنا سنگین کیسے بن گیا کہ اسکی پاداش میں انکی پچھلی زندگی کے "سیاہ اوراق" کی ورق گردانی کرنا ضروری سمجھا گیا ہے - حالانکہ سچ بات یہ ہے کہ مولانا عبدالماجد صاحب کی پچھلی زندگی اور انکے کیرکٹر کی یہ ایک قابل تعریف خصوصیت ہے کہ سخت ظلمت و تاریکی میں بھٹکتے رہنے کے بعد وہ بالآخر روشنی کی منزل تک پہنچ گئے جہاں سے اب وہ دوسروں کی رہنمائی کر رہے ہیں!! (حقیقت)

بازاری صحافت

کل ہم نے معاصر "مدینہ" کی سینما دشمنی پر کچھ روشنی ڈالی تھی جو اس نے صرف مولانا دریابادی سے اپنی پرانی عداوت کا انتقام لینے کے لیے شروع کی ہے - مگر آج ایک صاحب نے بتایا کہ خود مدینہ میں بھی تصویریں شائع ہوتی ہیں چنانچہ جس پرچہ میں تصویروں کے خلاف آتنا وعظ کہا گیا ہے اسی میں ایک صابن کا اشتہار ہے جس میں ایک نیم عریاں عورت کی تصویر بھی ہے - اسکے علاوہ ایک سگرٹ کا اشتہار تصویر سے مزین ہے - وہ دریافت کرتے ہیں کہ یہ معاصر تصویر دشمن ہونے کے باوجود خود تصویریں کیوں شائع کرتا ہے؟ ممکن ہے کہ معاصر موصوف اسکا یہ جواب دے کہ چونکہ ان اشتہاروں کی اجرت ملتی ہے اس لیے انکو شائع کیا جاتا ہے - ہو سکتا ہے کہ کوئی اس بات کو مانے یا نہ مانے، مگر ہم تو ضرور مان لینگے - بلکہ ہم تو یہاں تک ماننے کو تیار ہیں کہ اگر معاصر کے مدیر صاحب کے ہاتھ کہیں سے کچھ رقم لگ جائے تو وہ بھی پہلی فرصت میں بمبئی آ کر ایک سینما کمپنی کھولنے کی کوشش کرینگے - آخر تجارت ہی تو ہوگی نا؟ (خلافت)

دار العلوم دیوبند

(از مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی)

(۲)

احقر (صدر مہتمم) دوسرے حضرات کی امداد اور مشوروں سے اس ترقی پذیر صورت حال کی تا بحد امکان روک تھام اور مضرت کو محدود کرتا رہا جو بحمد اللہ بڑی حد تک کامیاب رہی۔ حالات ذرا قابل سکون ہوئے تھے کہ اوائل اگست میں کانگریسی لیڈر گرفتار کر لیے گئے، اور ملک میں تخریبی تحریکات کا زور بلند ہو گیا۔ اس سے طلبہ میں جوش کی پھر ایک لہر دوڑ گئی۔ وہ انگریزی اسکولوں کے ہندو طلبہ کو لیکر پھر میدان میں نکل آئے۔ ہڑتالیں کرائیں، جلوس نکالے۔ جلسے کرائے تقریریں کیں۔ اور یہ سب کچھ ایسے انداز میں ہوا کہ حکومت کی دست اندازی اور اُس سے تصادم کے آثار صاف طور پر نمایاں تھے۔ ہم کو اعتراف کرنا چاہیے کہ اس نازک موقع پر مقامی حکام نے بھی دانشمندانہ تدبر و دوراندیشی سے کام لے کر مسلمانوں کی اس سب سے بڑی مذہبی تعلیم گاہ کے مسئلہ میں ہمدردانہ رویہ سے کام لیا اور معاملہ کو حد سے بڑھنے نہیں دیا۔ اس اثنا میں طلبہ نے امتحان سالانہ معاف کرانے کی تحریک کھڑی کر دی۔ اور نہایت پُرشور بلکہ بعض اوقات تشدد آمیز مظاہرے اس مطالبہ کو منوانے کے لیے شروع کر دیے جس کے نتیجہ میں مجلس انتظامیہ و مجلس علمیہ کے مشترک اجلاس سے التواء امتحان کی تجویز منظور ہوئی تعطیل عام کا اعلان کر دیا گیا۔ طلبا کے عزائم بہت کچھ تھے۔ مگر اس اعلان نے اُن کی جمعیت کو منتشر کر دیا۔ اور وہ سخت ترین صورت حالات پیش نہ آئی جو اگر پیش آ جاتی تو دارالعلوم کے لیے انتہائی خوفناک بلکہ تباہ کن ہوتی۔

اس تمام شورش اور ہنگامہ آرائی کے جواز میں پوری بلند آہنگی کے ساتھ مولانا مدنی کی والہانہ محبت و عقیدت اور اُن کے سیاسی مشن کو سامنے لایا گیا جس نے عامۂ طلبہ بلکہ بہت سے بڑے آدمیوں کی زبانیں بھی اُن کے مقابلہ میں بند کر دیں۔

ذمہ داران اہتمام نے پند و نصیحت اور تقریر و بیان سے اصلاح حال کی کوشش کی اور موقع بہ موقع احوال کو قابو میں رکھنے کی غرض سے مؤثر تدابیر اختیار کیں۔ جو بحمد اللہ کامیاب بھی رہیں۔ مگر ایسے سخت واقعات کے مقابلہ میں جس قسم کے سخت اقدامات کی ضرورت تھی، وقتی دقتیں اور مولانا مدنی کے نام اور کام کے پروپیگنڈا پر نظر کرتے ہوئے کسی دانشمند نے اُن کے اختیار کرنے کی رائے نہیں دی اور یہی مناسب معلوم ہوا کہ فی الوقت عظیم نقصانات کی روک تھام کے ساتھ امکانی حد تک اغماض سے کام لیا جائے۔ بعدہٗ مناسب موقع آنے پر اہتمام نے اپنے حدود اختیار کے اندر چند طلبہ کا اخراج کیا۔

اور کچھ طلبہ کا داخلہ آیندہ سال کے لیے احتیاطاً روک دیا جو مذکورہ شورش، بلوہ۔ اور آئین شکنی اور بے تہذیبی کے ارتکاب میں پیش پیش رہے تھے۔ جو اہتمام کے فرائض کی انجام دہی میں عملاً مانع اور مزاحم ہوئے اور جن کے وجود سے مستقبل میں اسی طرح کے مسموم واقعات کے اعادہ کا امکان تھا۔

ان مخرجین طلبہ نے دوسرے لوگوں کی امداد اور حوصلہ افزائی سے دائرۂ اہتمام کے خلاف محاذ قائم کر دیا۔ مولانا محمد طیب صاحب (مہتمم دارالعلوم) جو ابتدائی مراحل میں میرے ہمنوا بلکہ بعض امور میں مجھ سے آگے تھے، شورش پسندوں کی قوت سے مرعوب ہو کر اپنے خصوصی مقاصد کے ماتحت مجھ سے علیحدہ ہو گئے۔ اور صدر مہتمم تنہا تمام شورش پسندوں کے تیروں کا ہدف بنا دیا گیا۔

مجلس شوریٰ میں جو ارکان بکثرت شریک ہوتے ہیں اُن کی اکثریت اپنے سیاسی و جماعتی رجحانات کے پیش نظر اُن طلبہ کی حامی نکلی۔ اور اجلاس شوال ۶۱ھ کے موقع پر انہوں نے مجھ پر انتہائی زور ڈالا کہ تمام خارج شدہ طلباء کو بلا استثناء و بلا تاخیر داخل کر لیا جاوے قانونی حیثیت سے طلبہ کے حق میں اہتمام کا فیصلہ آخری ہوتا ہے۔ میں نے مجلس ارکان شوریٰ کا یہ مطالبہ قبول کرنے سے اس بنا پر انکار کر دیا کہ ایسے مفسدین کا بلا استثناء و بلا تاخیر داخل کرنا برہم زن نظم و انضباط ہے اور ایسا کرنے سے آیندہ انتظام کا استقرار رہنا سخت دشوار ہو جائیگا بہت سی گرما گرم گفتگو کے بعد میں نے اُن کے آخری اصرار کے مطابق یہ قبول کر لیا کہ فیصلہ پر نظر ثانی کر لی جائیگی۔ چنانچہ بعد میں کی گئی۔ اور میں نے اُن کی حاکمانہ سفارش کا پاس کرتے ہوئے بہت سے طلبہ کو داخل کر دیا۔ مگر ان حضرات کے نزدیک اس معاملہ میں ادنیٰ تامل و توقف یا انکار یا استثناء ناقابل معافی جرم قرار پا چکا تھا۔ چنانچہ اُسی وقت انہوں نے دوسرا غیر معمولی اجلاس تشکیل دستور اساسی کا نام رکھ کر دو ماہ بعد منعقد کرنے کی تجویز کی۔ یہ دستور اساسی کا مسئلہ کوئی آٹھ دس سال سے زیر بحث ہے۔ مگر اس وقت اس کی اتنی اہمیت بڑھ گئی تھی کہ عام قاعدہ کے موافق اجلاس کو [illegible] پر بھی محوّل نہیں کیا جا سکتا تھا۔ چنانچہ وہ اجلاس ۲۰ ذی الحجہ ۱۳۶۱ھ کو منعقد ہوا۔ ایجنڈا میں بجائے دستور اساسی کے مہتمم صاحب نے بے مجھے دکھلائے۔ بدون (رپورٹ دائرۂ اہتمام متعلق دستور اساسی) کا لفظ رکھ دیا۔ دائرۂ اہتمام میں صدر مہتمم سب سے پہلے شامل ہے مگر مجھے اجلاس کے وقت تک اس رپورٹ کی ہوا بھی نہیں دی گئی۔ صرف مہتمم کی رپورٹ دائرۂ اہتمام کے نام سے قبول کر لی گئی۔

رپورٹ دستور اساسی سے متعلق ہونی چاہیے تھی۔ لیکن جلسہ میں بجائے عام اصولی مسائل کے موجودہ صدر مہتمم (یعنی احقر) کے شخصی مسئلہ پر بحث چھیڑ دی گئی۔ گویا یہی فی الحقیقت انعقاد اجلاس کی غرض و غایت تھی۔ میں نے پہلے سے ارکان کے تیور دیکھ کر اجلاس میں شرکت نہیں کی اور تحریری معذرت بھیج دی۔ آخری نتیجہ یہ ہوا کہ طلبہ کی مذکورہ بالا غیر آئینی حرکات پر تو ایک حرف ملامت و بیزاری کا اس سبب سے نہ

[illegible] الصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون — اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں۔

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبدالقوی (بی اے)
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مہدی آباد پیلس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ ۵ روپیہ
ششماہی ۳ روپیہ
بیرون ہند سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱ آنہ

صدق

(ہفتہ وار)

نمبر [illegible] | دوشنبہ۔ رجب المرجب ۱۳۶۲ھ مطابق ۵- جولائی ۱۹۴۳ء | جلد ۹

سچی باتیں

خلفائے عباسیہ کا دور، اسلام میں "فنون لطیفہ" کی ترقی کا دور تھا، خصوصاً گانا بجانا۔ یہ بجانے گانے کے فن کا انعام واکرام کی بارش [illegible] اسی طائفہ پر ہوتی۔ ایک ایک ڈوم ڈھاڑی کو خلیفہ نے خوش ہوکر بعض اوقات تین تین لاکھ درہم بخش دیے ہیں! اور خاندان وزارت برامکہ کی داد و دہش تو اس سے بھی کچھ بڑھی ہوئی! ——— عین اسی دور میں ہارون الرشید کے عہد حکومت میں ایک "بزرگ" اسحٰق موصلی کا ظہور ہوتا ہے۔ عالم وفاضل، نحو میں شاگرد فراء وکسائی کا، لغت میں اصمعی وابو عبیدہ کا، حدیث میں سفیان بن عیینہ اور ابو معاویہ ضریر کا۔ الغرض اس انتساب کے علاوہ ذاتی قابلیت وجامعیت کا یہ حال کہ

"ایک روز قاضی یحییٰ بن اکثم (عہد مامون الرشید) کی مجلس میں حاضر ہوا۔ یہاں ہر علم وفن کے باکمال جمع تھے۔ اسحٰق نے اول متکلمین سے مناظرہ کیا۔ پھر فقہاء سے مخاطب ہوا۔ اخیر میں شعر ولغت میں گفتگو کی، اور ان جملہ علوم میں کامیاب ہوا۔ اسکے بعد قاضی صاحب سے مخاطب ہوکر دریافت کیا، کہ حضور بہ نظر انصاف فرمائیں کہ میں نے کسی مسئلہ میں غلطی تو نہیں کی ہے؟ ارشاد ہوا کہ ہرگز نہیں (الابرار کوفت)

لیکن اس علم وفضل، ان کمالات کے باوجود یہ "علامہ" وقت علامہ نہیں کہلاتا۔ علماء میں اسکا شمار نہیں ہوتا۔ اسکا علم وفضل اسکے کچھ کام نہیں آتا۔ وہ حقیر منتی، ذلیل گویا، بے وقر ڈھاڑی ہی رہتا ہے۔

یہ وہ داغ ہے کہ حکومت بھی باوجود کوشش کے نہ مٹا سکی، اور اسحٰق کی زندگی کا یہ واقعہ اہل علم کے لیے عبرت ہے۔ ایک مرتبہ اسحٰق نے مامون الرشید سے درخواست کی کہ مجھے دربار میں علماء کا لباس پہن کر آنے کی اجازت ہو۔ مامون نے کہا، اسحٰق اگر تو مغنی کے ذلیل لقب سے مشہور نہ ہوتا تو میں تجھکو منصب قضا پر ممتاز کرتا ..... اسحٰق کو تمام عمر اپنے کمال موسیقی پر رنج رہا، اور محض غلبۂ موسیقی کے سبب سے وہ طبقۂ علماء میں داخل نہ ہوسکا۔" (ص ۳۰۹)

خوب غور کرکے دیکھ لیجیے۔ ذکر اسکا نہیں جو محض گویا ہے، خالی ڈوم ڈھاڑی ہے۔ وہ عالم ہے، فاضل ہے، فقیہ ہے، لغوی ہے، نحوی ہے، علوم وفنون کے ساتھ ہی اتفاق سے موسیقی کا بھی ماہر ہے۔ یہ ایک عیب سارے کمالات پر پانی پھیر دیتا ہے۔ ایک داغ اسکے سارے ہنر داغدار کر دیتا ہے ——— پیاز کی ایک آنڈی کی تیز بو، عطر کے پورے شیشہ کی خوشبو پر غالب آجاتی ہے!

اسلامیت نام کی بھی ہو، بڑی پردہ پوش ہوتی ہے۔ حکومت "اسلامی" یقیناً نہ تھی۔ لیکن بہر حال نام کی تو اسلامی تھی۔ فسق کی اشاعت کو، ترویج کو، کامیابی کو نہ روک سکی۔ فسق کے اعزاز واکرام کی راہ میں وہی حائل بن گئی! ——— دَور فرنگ ہوتا، تو یہی اسحٰق "سر اسحٰق" ہوتے۔ مہر کے خطاب سے سرافراز۔ کسی میوزک کالج کے پرنسپل، یا کسی میوزک اکاڈیمی کے صدر! حکومت کے منظور نظر، پبلک میں معزز، اور عجب نہیں کہ حکمۂ

سورۂ بقرہ رکوع (۱۳)

بسلسلہ صدق بعد ماقبل

(از عبدالماجد)

۱۰۷	الم تعلم ان اللہ لہ ملک السموات والارض وما لکم من دون اللہ من ولی ولا نصیر	کیا تجھے خبر نہیں کہ اللہ ہی کے لیے ہے سلطنت آسمانوں اور زمین کی۔ اور کوئی نہیں ہے اللہ کے سوا تمھارے لیے یار و مددگار
۱۰۸	ام تریدون ان تسئلوا رسولکم کما سئل موسی من قبل، ومن یتبدل الکفر بالایمان فقد ضل سوآء السبیل۔	تو کیا تم چاہتے ہو کہ اپنے رسول سے سوال کر ڈالو، جیسے کہ (اسکے) قبل موسیٰ سے سوال کیے جا چکے ہیں؟ اور جو کوئی ایمان کے بدلے میں کفر اختیار کریگا، سو وہ یقیناً سیدھی راہ سے بھٹک گیا۔

(اے مخاطب!) اور اُسی کو ہرطرح کا انتہائی کمال اور تصرف مطلق حاصل ہے) خطاب یہاں عام ہے ' اے ذا الحصت ایہا المخاطب (بحر) اور یہ بھی کہا گیا ہے کہ رسول کے واسطے سے امت سے ہے۔ الخطاب للنبی والمراد ہو وامتہ (بیضاوی)

(اے بنی آدم!)

آیت ایک درس ہے توحید کامل کا: ملک، ولایت ونصرت، سب اللہ ہی کے لیے مخصوص ہے۔

(یہاں اور خنادو اعتراض)۔

مخاطب یہاں غالباً یہود ہیں۔ نزلت فی الیہود (معالم) اور اقوال بھی نقل ہوئے ہیں، لیکن ترجیح اسی قول کو ہے۔ اختلفوا فی ان المخاطب علی وجوہ احدہا انہم المسلمون والقول الثانی انہ خطاب لاہل مکۃ والقول الثالث المراد الیہود وہذا القول اصح (کبیر) ورجح انہم الیہود (بحر)

رسولکم سے مراد اس صورت میں رسول وقت سے ہوگی۔ مسلمان بھی اگر مخاطب سمجھے جائیں تو یہ تہدید جائز ہوگا۔

ام یہاں ہمزہ کا مرادف اور سوالیہ نہیں، منقطعہ ہے، بل کا مرادف۔ ام ہہنا منقطعۃ والتقدیر بل تریدون (کبیری) ام [illegible] والتقدیر بل تریدون (مدارک) ام اے بل (جلالین)

حضرت موسیٰ علیہ السلام سے جیسے جیسے گستاخانہ سوالات اور بیہودہ فرمائشوں کی بھرمار بنی اسرائیل کرتے رہے، انکے تذکرہ سے تاریخ اسرائیل اور خود بائبل کے صفحات لبریز ہیں۔ قرآن کا اس جانب اشارہ کرنا اسکے مرادف ہے کہ صاحب قرآن اس سے خوب واقف تھا۔ اور اس امر کی دلیل ہے کہ قرآن ایک ان پڑھ انسان کا کلام ہو ہی نہیں سکتا۔

(اور یہ رسول سے گستاخانہ و معاندانہ سوالات کرتے رہنا اسی گمراہی کی ایک شکل ہے)

تبدل الکفر بالایمان کے معنی ہی یہ ہیں کہ ایمان کے بدلہ اور مقابلہ میں راہ کفر کو اختیار کیا۔ اے یختارہ ویأخذہ لنفسہ بالایمان بدلا منہ وبمقابلتہ (ابو مسعود)

۱۰۹	ود کثیر من اہل الکتاب لو یردونکم من بعد ایمانکم کفارا، حسدا من عند انفسہم من بعد ما تبین لہم الحق، فاعفوا واصفحوا حتی یاتی اللہ بامرہ۔ ان اللہ علی کل شیء قدیر۔	بہت سے اہل کتاب تو دل ہی سے چاہتے ہیں کہ تمھیں ایمان (لے آنے) کے بعد پھرسے کافر بنا دیں، حسد کی بنا پر جو انکے نفسوں میں ہے، بعد اسکے کہ ان پر حق واضح ہوچکا۔ سو معاف کرتے رہو تاآنکہ اللہ اپنا حکم بھیج دے، یقیناً اللہ ہر چیز پر قادر ہے

سیاق میں ذکر یہود کا ہے۔ اس لیے انھیں کے صحیفۂ یسعیاہ نبی کا ایک اقتباس بے محل نہ ہوگا:۔

"سنو اے آسمانو، اور کان لگا اے زمین کہ خداوند یوں فرماتا ہے کہ لڑکوں کو میں نے پالا پوسا، پر اُنھوں نے مجھ سے سرکشی کی۔ بیل اپنے مالک کو پہچانتا ہے، اور گدھا اپنے صاحب کی چرنی کو۔ بنی اسرائیل نہیں جانتے۔ میرے لوگ کچھ نہیں سوچتے، آہ خطاکار گروہ، ایک قوم جو گناہ سے لدی ہوئی ہے۔ بدکاروں کی نسل خراب اولاد کہ جنھوں نے خداوند کو ترک کیا۔ اسرائیل کے قدوس کو حقیر جانا۔ اُس سے بالکل پھر گئے" (یسعیاہ۔ ۱:۱-۴)

(اے ایمان والو)

شان نزول کے ایک خاص واقعہ کی بنا پر مفسرین نے عموماً یہاں اہل کتاب سے مراد یہود، یا احبار یہود لی ہے۔ لیکن لفظ قرآنی تو بہرحال عام ہے۔ اور یہود و نصاریٰ دونوں اسکے عموم میں یکساں شامل ہیں۔

مسیحیوں کی طرف سے جو کھلا ہوا اور زبردست اور علماء یہود کی طرف سے نسبۃً ہلکا، پروپیگنڈہ عقائد اسلام کے خلاف، اسلامی آبادیوں کے درمیان جاری رہتا ہے، وہ سب اسی کے مظاہر ہیں۔ غایت ان ساری کوششوں اور سرگرمیوں کی یہی رہتی ہے کہ مسلمان، دین یہود و دین نصاریٰ کو قبول کریں یا نہ کریں، بہرحال اپنے دین سے ضرور بدگمان و برگشتہ ہوکر رہیں۔

یعنی یہ کوششیں اور سرگرمیاں بھی اخلاص و خیرخواہی سے ناشی نہیں، رشک و حسد سے پیدا ہوتی رہتی ہیں

یہود کا حسد خود اپنے نبی کے بھائی سے رہا ہے اور خود عہد عتیق کا بیان ہے:

" انھوں نے خیمہ گاہ میں موسیٰ کے اور خداوند کے مقدس مرد ہارون پر حسد کیا" (زبور ۱۰۶: ۱۶)

اور عہد جدید کی بھی شہادتیں کچھ کم واضح و صریح نہیں:۔

"یہودیوں نے حسد میں آکر بازاری آدمیوں میں سے کئی بدمعاشوں کو اپنے ساتھ لیا، اور بھیڑ لگاکر شہر میں فساد کرنے لگے" (اعمال ۱۷: ۵)

ستاروں کے آگے جہاں اور بھی ہیں!

خدا کی خدائی ہر وسعت وقت سے وسیع تر، ہر مفتی کے دارالافتاء سے وسیع تر ہے۔ جسکا قانون سنکھیا کو کبھی دارو سے شفا بنا دیتا ہے، اُس کے قانون سے یہ بھی کیا بعید ہے، کہ "زہرِ عشق" کو "تریاقِ عشق" میں تبدیل کردے! ذکر و عبادت کی جگہ صرف مسجد و خانقاہ ہی نہیں، وسعتِ زمین کا گوشہ گوشہ ہے،

مقاماتِ آہ و فغاں اور بھی ہیں!

نقشِ ثانی!

"قرآن مجید سے افسوسناک تمسخر و استہزاء"

"انبیاء کی شان میں گستاخی"

"شریعت سے بغاوت"

ان سب جرائم عظیم کا مرتکب اور اُن صوفیوں کا ہم مشرب

"جو عشق مجازی اس لیے کرتے ہیں کہ انھیں اصنام انسانی میں شاہدِ حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے۔ گاہ ہنستے ہیں، رنگ رلیاں مناتے ہیں۔ اور کبھی موقع ہوا ہے، تو انا الحق بھی کہہ اُٹھتے ہیں"

آپ سمجھے، کون ہے؟ —— کوئی اور نہیں، صدق و مدیر صدق! یہ سب نقشِ ثانی ہے۔ نقشِ اول یہ تھا، کہ مدیر صدق بُروزہے حسن بن صباح کا، اور نمونہ ہے راسپوٹین روسی کا! زورِ قلم اسے کہتے ہیں۔ لیکن چشمِ بد دُور، ابھی تو نقشِ ثالث کے لیے بہت کچھ گنجائش باقی ہے۔ مثلاً اس قسم کے عنوانات:

"صدق نے کلمہ کی منسوخی کا اعلان کردیا"

"مدیر صدق نے تلیہ سجانے کعبہ کے صنفاء (یمن) کے گرجے کو قرار دیدیا"

"دریابادی نے سیلمۂ کذاب کو رسول برحق تسلیم کرلیا"

"آریوں کے اس خفیہ ایجنٹ نے لات وعزیٰ کی پرستش کا فتوےٰ دیدیا"

بھوپور کی عدالت و صداقت زندہ باد! بھوپور کی امانت و دیانت زندہ باد! —— سنتے ہیں کہ شدتِ غیظ و غضب میں ایک منزل ایسی بھی آجاتی ہے، جب انسان کو نہ حسِ ظرافت باقی رہ جاتی ہے نہ یہ احساس رہ جاتا ہے کہ انتہائی غم و غصہ کا مضمون کہیں محض مسخرہ پن تو نہیں بنا جارہا ہے!

ایک خان بہادر کا خط

ایک قدیم کرم فرما، جو اپنے کالج کے زمانے میں فلسفہ کے اچھے طالب علم تھے، اب محکمۂ تعلیمات میں ایک اچھے عہدہ پر ہیں: پچھلے جون میں انھیں خان بہادری کا خطاب ملا۔ خاں صاحبی پہلے ہی حاصل تھی۔ اس پر اُنکا حسب ذیل عنایت نامہ موصول ہوا۔

"اصل عزت تو مُعزّ مطلق کی دی ہوئی ہوتی ہے۔ لیکن آدمی علائق کی دنیا میں اسی جون میں ایک ایسا واقعہ پیش آیا، جو غالباً باعثِ مسرت ہو۔ یعنی شاہی سالگرہ کے موقع پر مجھے خاں صاحب سے خان بہادر بنا دیا گیا۔ ملاحظہ ہو کہ اخلاقیات کی دنیا میں غرض زمانہ کے مقابلہ میں اتنا "بہادر" ثابت ہوں۔ کہ اس میدان میں آج کل کے میدان جنگ سے بھی زیادہ بہادری دکھانے کی گنجائش ہے۔ افلاطون کے فضائل اربعہ میں تیسرے "شجاعت" کا تصور ہمیشہ میں نے جسمانی شجاعت کے بجائے دماغی شجاعت ہی کا کیا ہے، جو شاید افلاطونی تصور ذہنیت کے عین مطابق ہے۔"

خط خانگی تھا۔ اخبار میں صرف یہ ظاہر کرنے کو درج کیا جارہا ہے، کہ ہر خان بہادر، اور ہر خطاب یافتہ ایک طرح کا نہیں ہوتا۔ اور یہ کہ ایک ہیٹ پوش، فلسفی مزاج، خان بہادر بھی مسلمان کا قلب اپنے پہلو میں رکھ سکتا ہے۔

آپ بیتی کے لیے اصرار

ایک ذی اہل قلم لکھتے ہیں:-

"آپ بیتی کے سلسلہ میں جناب نے ابکی جو کچھ تحریر فرمایا، اُس سے امیدوں کا سارا قلعہ منہدم ہوگیا۔ قافلہ گزرتا ہی رہتا ہے، اور کتے بھونکتے ہی رہ جاتے ہیں۔ معاندین کے ہفوات کی آپ پروا ہی کیوں کریں۔ بس لکھنے والے ہی کے قلم میں سکت ہونا چاہیے، اور وہ خدا کے فضل سے موجود ہی ہے۔ اگر کچھ کان نہیں سننا چاہتے تو نہ سنیں۔ کچھ تو ایسے گل انشائی گفتار کا جوہر دکھانے کے لیے مچل رہی ہیں، تو مچلا کریں۔ اصولاً میں بھی اسکا قائل ہوں کہ خود نوشت سوانحِ عمری ایک آئینہ ہونا چاہیے کہ جس میں صاحبِ کتاب کی زندگی، سیرت، کردار، اور عہد بہ عہد کے انقلابات و تغیرات بالکل نمایاں و واضح ہوں۔ مفید تو ایسی ہی سوانح عمریاں ہوسکتی ہیں۔ آخر گاندھی جی نے "تلاشِ حق" میں اپنے لیے کیا کچھ نہیں لکھ ڈالا ہے؟ لیکن کیا اس سے اُنکی عظمت کچھ کم ہوگئی؟ جو اُنھیں مانتے تھے، وہ پہلے سے زیادہ ہی ماننے لگے، بلکہ مخالفین تک نے اُنکی اخلاقی جرأت کی داد دی۔ خیر، آپ ایسے حصے حذف کردیں (اگرچہ یہ میری ذاتی رائے نہیں) - آپ بیتی صرف انھیں واقعات کا مجموعہ تو نہیں ہوگی، اُس میں تو سب ہی کچھ ہوگا اور وہ سب کچھ کسی نہ کسی پہلو سے، ہر اعتبار سے پڑھنے والوں کے لیے سبق آموز ہی ہوگا۔ آپ سے ایک بار پھر درخواست کرتا ہوں کہ اپنی رائے پر نظرِ ثانی فرمالیجئے، اپنے اس فیصلہ کو قطعی نہ سمجھیے، اور یہ مفید کارآمد سلسلہ جلد از جلد شروع فرما دیجیے"

مطالبہ ایک حد تک بجا سہی۔ لیکن بہرحال فرصت کی ضرورت تو اسکے لیے بھی ہے۔ اور ابھی تو کلام مجید کی مکمل تفسیر اور تفسیر کے علاوہ اور بھی کئی کام قرآن مجید ہی کے سلسلہ کے پیش نظر ہیں۔ بعض دوسری اور نسبۃً چھوٹی، لیکن بہرحال وقت طلب، [illegible] ان پر مستزاد۔

گھٹ چلا ہے، تیزی سے گھٹ چلا ہے! ——— کیا ہوا اگر رنگِ چمن دیکھ کر کبھی بلبل کے دل میں بھی تمنا پیدا ہو جائے، کہ کاش میرا شمار بھی نارِ معلوم، معروف دیدہ زیب و پسند رنگ کے ساتھ ہوتا! قصور بلبل کا نہیں، صرف رنگِ چمن کا ہے!

ارشاد ہوا ہے: خوب! "تجدد" و "بازاری طلبی" کے دم خم کے ساتھ، کہ "پیام نے بے حیائی یا فحش یا فلمی بیسوائی کی حمایت بھلا کب کی ہے؟" —— یقیناً کبھی نہیں، ٹھیک اسی طرح کہ جیسے کوئی مومن ساری عمر توحید کی شہادت دیتا رہے، اور آخر میں کہے، کہ میں نے لات و عزّیٰ کی خدائی سے انکار کب کیا ہے؟ جوپیٹر اور اپالو کی بندگی سے منہ کب موڑا ہے؟ یا عمر بھر رسالتِ محمدی کا کلمہ پڑھتا رہے، اور آخر میں پوچھے کہ میں نے نماز، اور روزہ اور زکوٰۃ اور حج کی فرضیت کا اقرار کب اور کس کے سامنے کیا تھا؟ ——— گزارش یہ ہے کہ مسلکِ تجدد کے اور معنی ہی کیا ہیں؟ بجز اسلامی نام کی تازگی کے ساتھ ساری زندگی کو فرنگی نقطۂ نظر سے دیکھا جانے کے؟ اور تجدد اگر تفرنج کے مرادف نہیں، تو پھر اسکا مفہوم ہی کیا باقی رہتا ہے؟ تجدد کا قدم تو جہاں بھی پہونچیگا، خواہ وہ ترکی ہو یا مصر یا افغانستان یا ہندوستان، جلو میں پہونچیگا ایک طرف اسکول اور کالج، اور ناچ کلب اور ریڈیو، اور لاٹری اور بینک کے، اور دوسری طرف "روشن خیالی" و "آزادیٔ نسواں" کے، کنسرٹ اور آپیرا کے، کارنیوال و سینما کے، تھیٹر کے پردوں اور عورت کی بے پردگی کے، فلمی بے حیائی اور فلمی بیسوائی کے! یہ سب کچھ اگر نہیں، تو تجدد، تجدد ہی نہیں، عین اسلام ہی نہ ہو جائے، اور پیام، پیام کیوں باقی رہے، صدق ہی کا دوسرا نام نہ پڑ جائے! ———

تو حضور والا! اب سوال صفحہ اور سطر، لفظ و حرف کا نہیں رہتا، بلکہ نفسِ مسلکِ پیام و دعوتِ پیام کا رہ جاتا ہے۔ پیام نے اپنی ۱۵ سالہ زندگی کے ہزارہا صفحات میں تبلیغ جتنی بار بھی اپنے مسلکِ تجدد کی کی، یقین فرمائیے، کہ اتنی ہی بار دعوت دی، لاطینی رسمِ خط کی، الغاءِ خلافت کی، بینک سازی اور سود خواری کی، کارنیوال، گھوڑدوڑ اور قمار بازی کی، عورت کی بے حجابی اور بے نقابی کی، اور سب سے اول یا سب سے آخر، اپنے متعلقہ ترتیب میں کسی نہ کسی نمبر پر، فلمی بے حیائی اور سینمائی بیسوائی کی!

صدق نے عرض کیا تھا کہ آخر کس دوسرے لیڈر کی بہو بیٹیاں اسٹیج پر آکر ناچی تھرکی ہیں؟ غیروں سے انکا عشق لاکھوں کیمروں کے سامنے انکی بولتی چالتی تصویروں نے کیا ہے؟ نامحرموں کو اسی بھرے مجمع میں اپنا شوہر کہکر مخاطب کیا ہے؟ اور پھر بھی انکے قبلہ و کعبہ بے خلل و غش، قوم کی لڑکیوں کی تعلیم کی باگ اپنے ہاتھ میں لیے ہوئے ہیں؟ ——— آپ نے سوال کے اہم ترین یعنی آخری جزو کو بالکل حذف کر کے ارشاد فرمادیا ہے کہ

"میرے ساتھ بمبئی کے تاج محل یا دلی کے میڈنس میں کسی ڈانس ہال میں تشریف لے چلیے، اور پھر گنتے جائیے"

گویا رقص کا سے واقفیت حاصل کرنے کے لیے میں نے کوئی سفر دلی یا بمبئی کا کیا تھا! یا اتنا کو جاننے پہچاننے کے لیے میں نے کبھی ہوٹل یا کلب کے پرائیویٹ کمرہ کا شیشہ یا دروازے جا کر جھانکا تھا! ——— یہی کہتے ہیں منطق کی اصطلاح میں قیاس مع الفارق، اور علم محاورہ میں کہتے ہیں، از آسماں جواب از ریسماں

یہ بھی زمین کی، تو کہی آسمان کی!

مسلمان آج اپنے گھروں پر چھپ چھپا کر پینے والے مذہبی مولانا کتنے ہی کیا ان سب کی مولویت اور اس مشہور امام جامع مسجد کی حیثیت، جنکے لڑکے مستقل شراب خانوں کے مالک ہوں، اور اپنی شراب نوشی شراب فروشی دونوں کا اشتہار دھوم دھام سے دے رہے ہوں، تجدد کی عدالت میں ایک ہے؟ کیا جامع مسجد کے ایسے امام صاحب سے یہ فرمائش کچھ بیجا ہوگی، کہ حضرت، آپ لڑکوں کو نہیں روک سکتے تو منصبِ امامت سے علیحدہ ہو جائیے۔ یا اگر اتنا بھی طبیعت پر بار ہو رہا ہے، تو لڑکوں سے اپنی بے تعلقی کا اعلان تو شائع ہی کر دیجیے۔ یا اگر کل یہ جواب سن لیا جائیگا اور قبول کر لیا جائیگا، کہ آپ میرے پیچھے کیوں پڑے ہیں، فلاں شہر اور فلاں قصبہ کے رئیس کے فلاں فلاں لڑکے ہیں تو اپنے اپنے خلوت خانوں میں یہ شغل کر لیا کرتے ہیں؟ ——— کیا کوئی جرم ہو جانا اور چوری چھپے کر گزرنا، اور اس برملا زندگی کو اپنا مستقل پیشہ بنا لینا، اور ان جرائم پر ڈھٹائی کے ساتھ فخر کرنا تجدد کے منطقہ تعزیرات میں ہم سطح اور ہم درجہ ہیں؟

محترم "سادہ لوح" کو کیا خبر کہ کسی کے خانگی یا غیر خانگی شبستانِ عیش، کے اندر، رات کے اندھیرے میں اور بجلی کی روشنی کے اندھیرے میں، کیا کیا ہوتا ہے۔ [illegible] کی رہبری و رہنمائی یقیناً بہت سی نا رفتنی راہوں اور مستورات کو میر[illegible] الفتی بنا سکتا ہے۔ اور یہ بھی صحیح ہے کہ آپ کی پبلیکیشن بہت بلیغ و دلکش۔ لیکن یقین فرمائیے کہ کسی بھی ہوتی فاسقہ فاجرہ کے تجسس کے لیے سفر کرنا خواہ وہ دلی کا ہو یا بمبئی کا، میرے مذہب میں جائز ہی نہیں۔ دلی اور بمبئی، دریاباد سے بہت قریب ہی، لیکن اس غرض و مقصد کے ساتھ سفر کرنے کے لحاظ سے تو دور ہی نہیں، بہت بہت دور ہیں! ——— دریاباد کی "پردہ پوشی اور رواداری کے احساس" کا گلہ، اور پھر عین اسی سطر میں ایک "بے پناہ احتساب کی شدت" پر احتجاج! اگر کوئی ادبی رعایت، کوئی نئی صنعتِ طباق ہے، جب تو خیر، ورنہ مفہوم تو ہم عامی نیاز مندوں کی گرفت سے باہر چلا۔

مقطع کا بند، اور شکایت کا نچوڑ یہ ہے کہ صدق نے ان غلط کار لڑکیوں اور انکے "بھگتاؤ باپ" کا نام خواہ مخواہ اچھال کر "ہزاروں لاکھوں تک پہونچا دیا" ورنہ اب تک تو "شاید تھوڑے ہی لوگوں کو معلوم تھا!" ——— دھیرے میں اگر مبالغہ ہے تو صرف اسی قدر کہ مبتدا کو خبر کر دیا گیا ہے، اور خبر کو مبتدا کے مقام پر رکھ دیا گیا ہے، یا علت و سبب کو نتیجہ قرار دیا ہے، اور جو نتیجہ و معلول تھا، اُسے وجہ و سبب کا دیا ہے۔ یا اچھی حضرت، یہ صدق غریب کے قلم میں قوت کس دن تھی، کہ بھول کو سرو تیز بنا دے؟ اور جسے کوئی نہیں جانتا، اُسے سب کو پہنچا دے! صدق نے تو کھاہی اُس وقت، جب تشہیر ہزاروں لاکھوں تک ہو چکی تھی، جب تاج محل اور

باہم قبلوہ وصدقوہ

انکار نہ کرنا یہ بتاتا ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی باتوں کو وہ قبول کرتے ہیں اور انکی تصدیق کرتے ہیں۔

علامہ السبکی نے اسکے بعد لکھا ہے کہ زیادہ سے زیادہ اس قسم کے لوگوں کو اگر کچھ کہا جا سکتا ہے تو یہی کہا جا سکتا ہے کہ

انہم لم یوفقوا للصواب فی تاویلہ فاخطاؤا فیہ فکان حکمہ حکم من قرب الکفر وقع فی البدعۃ

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کی تاویل یعنی مطلب بیان کرنے میں انکو غلطی لگی اسکی وجہ سے انکا حکم اگر کچھ ہوسکتا ہے تو یہی ہوسکتا ہے کہ ایک دمی کفر سے تو بچا مگر لیکن بدعت میں مبتلا ہوگیا۔

اب لوگوں کو کیا کہیے، اسی یواقیت میں امام احمد سرخسی کے حوالے شعرانی نے اہل السنۃ والجماعۃ کے امام الفقہاء والکلام یعنی امام الحسن اشعری کے متعلق یہ واقعہ نقل کیا ہے،

لما حضرت الوفاۃ ابا الحسن الاشعری فی داری ببغداد ان یجمع امی ثم قال اشھدوا علی انی لا اکفر احدا من اہل القبلۃ بذنب لانی رایتھم کلھم یشیرون الی معبود واحد والاسلام یعمھم ویشملھم۔

امام ابو الحسن اشعری کی وفات کا وقت جب آیا اور وہ بغداد میں میرے مکان میں اسوقت قیام فرماتے تھے تو آپ نے اپنے شاگردوں کو جمع کرنے کا حکم دیا پھر فرمایا کہ لوگ گواہ رہو کہ میں اہل قبلہ میں سے کسی کو بھی کسی گناہ کی وجہ سے کافر نہیں ٹھہراتا۔ کیونکہ کہ سب ہی معبود واحد کی طرف سب ہی اشارہ کرتے ہیں اور اسلام سب کو حاوی و شامل ہے۔ یہی میں نے دیکھا ہے

مذکورہ بالا وصیت میں "بذنب" کے لفظ کی عمومیت کہاں تک پہونچتی ہے قول وفعل ظاہر و باطن کے کن کن غلطیوں کو وہ حاوی ہے اس پر غور کرنے کے بعد سلف کی وسعت نظری اور خلف کی تنگ نگاہی پر حیرت ہوتی ہے۔

اور میں تو سرے سے اس تکفیر کے لفظ ہی کو عجیب خیال کرتا ہوں ہم جو کچھ جانتے ہیں وہ تو صرف یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے نبوت کا دعویٰ پیش کیا، پھر اس دعوے کو جس کسی نے مان لیا وہ مومن اور جس نے نہ مانا کافر۔ مان کر انکار کردیا سو مرتد ٹھہرایا جاتا تھا۔ البتہ ماننے والوں میں سے جو بجائے دل کے صرف زبان سے مانتے تھے انکا نام منافق تھا۔ بس دعوئے نبوت کے پیش ہونے کے بعد انسانوں کی یہی چار قسمیں پیدا ہوگئیں۔ ایک سیدھی سادی بات ہم غریب عام مسلمانوں کی سمجھ میں جو آئی ہے وہ یہی ہے۔ البتہ یہ صحیح ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کی ہوئی چیزوں میں سے بعض چیزیں ایسی ہیں کہ انکا انکار صراحۃً نہیں تو التزاماً آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار بن جاتا ہے۔ قرآن مجید ہی میں تحویل قبلہ کا ذکر فرماتے ہوئے حق تعالیٰ کا ارشاد ہے کہ

کہ مہینوں (تقریباً سترہ ماہ) تک بیت المقدس کو قبلہ بنائے رکھنے کے بعد عرب کے ایک معبد (ہیکل سلیمانی) کا جو قبلہ بنانے کا حکم دیا گیا تھا تو اسکی غرض یہ تھی

لنعلم من یتبع الرسول ممن ینقلب علی عقبیہ

"تاکہ ان لوگوں میں سے جو اپنی ایڑیوں پر واپس پلٹے ہیں معلوم ہو کہ رسول کی پیروی کون کرتے ہیں۔"

گویا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے پیش کیے ہوئے دینی آئین میں سے ایک خاص چیز یعنی قبلہ کو اس بات کی علامت قرار دیا گیا کہ کون پیغمبر کے ساتھ رہتا ہے اور کون اپنی ایڑیوں پر واپس ہوجاتا ہے یعنی ارتداد اختیار کرتا ہے جس سے معلوم ہوا کہ ماننے کے بعد مرتد ہونے کی صورت یہی نہیں ہے کہ نبوت کے جس دعوے کو ماننے والے نے مانا تھا، کھلے بندوں اسکی صداقت کا انکار کردے۔ بلکہ جن جن چیزوں کا انکار آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی نبوت کا انکار بن جاتا ہے۔ وہ بھی آدمی کو مرتد بنا دیتا ہے۔ رہ گئی یہ بات کہ وہ چیزیں کیا ہیں میرے نزدیک قرآن میں "البینات" سے دین کے حقائق کی تعبیر کی گئی ہے یہ وہی ہیں یعنی انسانی احساس و وجدان کے سامنے جن چیزوں کا آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیش کیے ہوئے دین کا جزو ہونا بدیہی ہو علاوہ اسلام جسکی تعبیر دین کے الفاظ سے کرتے ہیں۔ مسامرہ میں ابن ہمام نے لکھا ہے

لما علم بالضرورۃ ان من دین محمد صلی اللہ علیہ وسلم [illegible] علامۃ من غیر [illegible] الی نظر و الاستدلال۔

یعنی جن امور کے متعلق بداہۃً معلوم ہو کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے دین کے وہ اجزا ہیں یعنی اس طور پر معلوم ہو کہ جو عامی آدمی بھی نظر و فکر بحث و دلیل کے ساتھ یہ جانتا ہو کہ آنحضرت کے دین کا وہ جزو ہے۔

میری کتاب "تدوین فقہ" نامی جو عنقریب شائع ہونے والی ہے اس میں بتایا گیا ہے کہ دین کے البینات کو "بینات" کی شکل میں پھیلا دینا یہ پیغمبر کا فریضہ تھا، اسی لیے دین کے جن اجزاء نے بینات کی شکل نہیں اختیار کی ہے تو یہ کوئی تاریخی یا دیگر اتفاقی علل و اسباب کا نتیجہ نہیں ہے بلکہ خود پیغمبر نے عمداً و قصداً انکی تبلیغ کر ایسے رنگ میں فرمائی کہ "البینات" ہونے کی کیفیت ہی ان میں پیدا نہ ہوسکی۔ مثلاً یہی بات کہ مسلمانوں کا قبلہ کعبہ ہے۔ یہ آنحضرت کے دین کا ایسا مسئلہ ہے جسے بغیر کسی دلیل و حجت و بحث و تحقیق کے ہر کوئی جانتا ہے۔ اسی لیے قرآن نے قبلہ کے مسئلہ کو "انقلاب علی العقبیہ" یا ارتداد کی علامت ٹھہرایا۔ اور میں تو سمجھتا ہوں کہ اہل قبلہ کی اصطلاح اہل ایمان و اسلام کے متعلق جو مسلمانوں میں مروج ہوئی شاید اسکا منشا قرآن کا یہی بیان اور اشارہ ہے۔ اور وہ جو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے بعد جب بعض لوگوں نے اسلام کی ایسی چیزوں کا انکار کیا جو بلاشبہ "بینات" میں تھا، تو نبوت محمدیہ کے گو صراحۃً وہ منکر

دجال، مہدی، قیامت

ذیل کا مکتوب پنجاب کے ایک انگریزی تعلیم یافتہ عہدہ دار کا ہے جو بسلسلۂ ملازمت علاقۂ ایران میں ہیں، ایک دوست کے توسط سے کچھ روز ہوئے وصول ہوا تھا:—

کل اتفاق سے الفضل کا ایک پرچہ ہاتھ لگ گیا۔ اس میں ایک مضمون متعلق دجال پر تھا۔ پہلے بھی کئی بار اسکے متعلق پڑھا ہے مگر غور کیے بغیر گزر گیا۔ لیکن کل کچھ اسکے متعلق سوچتا رہا۔ مسند احمد جلد پنجم کی کسی ایک حدیث کا حوالہ تھا۔ دجال انگریزوں کو ثابت کیا ... تھا۔ انگریز کی شکل و شباہت، رنگ روپ، انکی تہذیب اور موجودہ ترقی اسکا ذہنی ارتقا وغیرہم کو دلائل کے طور پر پیش کرتے ہوئے یہ ثابت کوشش کی ہوئی تھی کہ جس دجال کا ذکر مندرجۂ بالا حدیث میں ہے وہ انگریز ہی ہے۔ اسلیے قیامت کا سب سے بڑا آثار رونما ہو چکا ہے۔ یاجوج و ماجوج کے متعلق بھی اشارہ تھا کہ عنقریب وہ بھی دکھائی دینگے

اس حدیث کے کچھ اور حصے امام مہدی کے متعلق بھی تھے گویا کہ ثابت کرنے کی کوشش کی گئی تھی کہ وہ بھی ظاہر ہو چکا ہے۔

خیر یہ تو سب کچھ ہوا۔ میرا یہ خط لکھنے سے مقصد صرف اتنا ہے کہ اس موضوع پر کچھ روشنی ڈلواؤں۔ دراصل مجھے [illegible] اتنی واقفیت نہیں کہ خود کسی نتیجے پر پہونچ سکوں۔ [illegible] جو تھوڑا کچھ پڑھا ہے اسکو مدنظر رکھتے ہوئے مجھے یہ تمام باتیں بہت عجیب سی معلوم ہوتی ہیں۔ قادیانیوں کے اگرچہ اختلافوں سے میں ناواقف نہیں ہوں تاہم جب وہ ایسی باتیں کرتے ہیں تو کبھی کبھی سوچنا پڑ جاتا ہے۔ ترجمان القرآن میں مولانا [ابو الکلام] نے تین چار جگہ قیامت کے ذکر میں حاشیے لکھے ہیں۔ ایک جگہ تو یہاں تک لکھا ہے کہ یہ جو قصے کہانیاں قیامت کے آثاروں کے متعلق گھڑ لی گئی ہیں بالکل جھوٹ ہیں۔ دراصل قیامت کے متعلق قرآن تو کہتا ہے کہ یہ ایک اچانک حادثہ ہوگا۔ لفظ اچانک کا ترجمہ مولانا نے "قاموس" کے مطابق درست کیا ہے۔ اچھا تو اگر یہ حادثہ اچانک ہی نمودار ہونا ہے تو اچانک فعل کے لیے جس طرح مولانا نے لکھا ہے پہلے تنبیہ کرنے کی کیا ضرورت تھی۔ اور اگر تنبیہ کرنا تھا تو حادثہ کو اچانک کہنے سے کیا مراد؟

اگر یہ سب کچھ ہے تو پھر قادیانی اور دیگر فرقے کیوں اس قسم کی حدیثوں کے حوالے دے دیکر تاویلیں کرتے ہیں۔ آخر بے شک تو حدیث یہ نہیں کہہ سکتے۔ حوالہ بھی مسند احمد کا دیا ہے۔ اگرچہ یہ صحاح میں سے نہیں لیکن تاہم اسکا ایک سند کے طور پر مانا جاتا ہے۔ اور پھر امام مہدی والا قصہ کیا ہے اور کہاں ہے۔ اسکے متعلق بھی مجھے یاد ہے۔ مولانا ابو الکلام تذکرہ میں کسی جگہ ذکر کرتے ہیں۔ لیکن ان دلیل رد نہیں کرتے، یعنی اس سے انکار نہیں کرتے۔ گویا اس حدیث میں کچھ حقیقت ضرور ہے۔ صرف یہ کہکر ختم کر دیتے ہیں کہ اگر کوئی آنے والا ہو تو سمجھیں۔ ہمیں اپنے اعتقاد اور اعمال کا نگہبان رہنا چاہیے۔ انکے آنے نہ آنے سے ہمارے ایمان میں کچھ فرق نہیں آئیگا اور نہ ہی نجات پر کچھ اثر پڑیگا۔ لیکن ادھر یہ ہیں کہ منادی کر رہے ہیں کہ اگر ایمان نہ لایا جائے تو نجات حاصل نہیں ہو سکتی۔ عجیب معمہ ہے۔ کل سے عجیب شش و پنج میں ہوں کہ اگر "صحت" توقیف ہوا تو بڑا ہی ناممکن ہے بہتر ہے کہ ابھی سے آگاہ ہو جائیں۔ یہ ہے دراصل میری مشکل جسکی وجہ سے خط ارسال کر رہا ہوں"]

تحریر مجلسہ ایک ندوی فاضل مولوی محمد اویس نگرامی سلمہ (رفیق دار المصنفین، اعظم گڑھ) کے پاس بھیجی گئی تھی۔ موصوف نے جواب میں جو کچھ تحریر فرمایا، اُسے ذیل میں ملاحظہ فرمایا جائے:—

دجال کے متعلق صحیح بخاری، مسلم، ابو داؤد، ترمذی، ابن ماجہ اور مسند احمد کی صرف پانچویں جلد نہیں بلکہ پہلی سے لیکر چھٹی جلد تک ہر جلد میں اسکا تذکرہ موجود ہے۔ استفسار میں پانچویں جلد کا حوالہ ہے۔ اس جلد میں تقریباً ۱۲، ۱۴ جگہ پر دجال اور اسکی ہیئت وغیرہ کا ذکر ہے۔ مسند کی ان احادیث میں زیادہ تر وہی باتیں ہیں جو دوسری کتب احادیث میں بیان فرمائی گئی ہیں۔

اصل یہ ہے کہ دجال، یاجوج ماجوج اور مہدی وغیرہ سے قادیانی نبوت کو بہت گہرا تعلق ہے۔ اسی لیے یہ حضرات ان احادیث بلکہ آیات قرآنی میں بھی تحریف اور تاویل باطل کا پورا زور صرف کر ڈالتے ہیں۔

مرزا غلام احمد قادیانی اپنے کو مسیح موعود کہتے ہیں اور احادیث میں نزول مسیح کا وقت قیامت کے قریب بتلایا گیا ہے۔ دجال یاجوج و ماجوج اور مہدی بھی اسی زمانہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ اسلیے اب جبکہ مرزا صاحب مسیح موعود ہونے کے مدعی ہیں تو دجال یاجوج ماجوج اور مہدی کا ظہور بھی ضروری ہوا۔ ان مشکلات کا انھوں نے یہ حل نکال لیا کہ مہدی کے متعلق فرما دیا کہ مسیح اور مہدی دونوں ایک ہی ہیں۔ یعنی میں ہی مہدی ہوں اور میں ہی مسیح ہوں۔ حالانکہ حدیث سے صراحۃً معلوم ہوتا ہے کہ دونوں الگ الگ جداگانہ شخصیتیں ہیں۔ امام مہدی کے جو فضائل وارد ہیں، اُن سے قطع نظر قابل لحاظ امر یہ ہے کہ مہدی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد سے ہونگے (ابو داؤد)۔ اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام ظاہر ہے کہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی اولاد میں سے نہیں ہیں بلکہ بنی اسرائیل کے ایک پیغمبر ہیں۔ ابن ماجہ کی ایک حدیث میں لا مہدی الا عیسیٰ وارد ہوا ہے، اسکو یہ حضرات اپنے استدلال میں پیش کرتے ہیں۔ حالانکہ اولاً یہ حدیث ضعیف ہے (حجج الکرامہ ص ..) دوسرے بقیہ احادیث کے پیش نظر علماء نے اسکی مختلف توجیہیں کی ہیں۔ مثلاً کمال تشابہ کی بنا پر دونوں ایک معلوم ہونگے۔ وغیرہ۔

مہدی سے یوں چھٹی ملی، دجال اور یاجوج و ماجوج کا حل یوں

ان لوگوں نے یہ نکالا کہ ان دونوں کو بھی ایک قرار دیا اور کہا کہ دجال اور یاجوج ماجوج الگ الگ نہیں ہیں بلکہ ایک ہیں۔ نیز یہ کہ یورپین اسکے مصداق ہیں۔ اس سلسلہ میں آیاتِ قرآنی کو تحریف کا نشانہ بنایا گیا ہے۔ یہ حضرات کہتے ہیں کہ قرآن پاک کی سورۂ کہف میں اصحاب الکہف والرقیم سے مراد انگریز ہیں اور کہف اور رقیم انگریزوں کی دو زندگیوں کی طرف اشارہ ہے۔ کہف اس قوم کی ابتدائی زندگی ہے جبکہ یہ وحشت اور بربریت میں مبتلا تھے۔ اور رقیم سے مراد انکی موجودہ تمدنی زندگی ہے۔ اور یہی لوگ یاجوج ماجوج ہیں۔

یہ استنباط جو کسی دلیل اور قرینے کے بغیر کیا گیا ہے اسکی تردید کی ضرورت نہیں ہے اس لیے کہ ہر صاحبِ فہم پر اس استنباط کی حقیقت خود بخود نمایاں ہے۔ اصحاب الکہف والرقیم کا واقعہ ایک ماضی کا واقعہ ہے۔ آثارِ قدیمہ کے انکشافات اس واقعہ ماضی کی تائید میں پیش کیے جاسکتے ہیں۔

مسند احمد بن حنبل اور دوسری کتب احادیث میں دجال کے متعلق جو کچھ بیان فرمایا گیا ہے، اسکا تعلق ایک متعین شخصیت اور فرد واحد سے ہے (فتح الباری۔ ج ۱۳ ص [illegible]) اور یہ حضرات غلط تاویلات اور تحریفات کے ذریعہ ان علامات کو انگریز قوم پر منطبق کرنا چاہتے ہیں۔ اور اس طرح مرزا قادیانی کی نبوت کو تکمیل تک پہونچاتے ہیں۔

فتنہ دجال کے متعلق کتب احادیث میں جو کچھ مذکور ہے اسکا خلاصہ یہ ہے کہ ایک شخص قوم یہود میں سے ہوگا اسکا لقب مسیح ہوگا۔ داہنی آنکھ کور ہوگی۔ شام اور عراق کے درمیان ظاہر ہوکر نبوت کا دعوےٰ کریگا۔ ستر ہزار یہودی اسکے تابع ہونگے یہ خدائی کا دعوےٰ کر بیٹھے گا۔ اسکے ساتھ ایک آگ ہوگی جسکو یہ دوزخ کہیگا۔ مدینہ منورہ جانے کا قصد کریگا مگر وہاں جا نہ سکے گا۔ اسکے بعد وہ دمشق جائیگا وہاں امام مہدی سے جنگ ہوگی۔ اسکے بعد حضرت عیسیٰ علیہ السلام کا نزول ہوگا۔

مسیح دجال کا بجائے قوم اور جماعت ہونے کے ایک شخص واحد ہونے کی سب سے بڑی دلیل یہ ہے کہ حضرات صحابہ کرام جنہوں نے زبان نبوی صلی اللہ علیہ وسلم سے فتنۂ دجال کے متعلق سنا تھا وہ اسکو شخص واحد ہی سمجھتے تھے۔ چنانچہ ابن صیاد کے متعلق معلوم ہے کہ بعض صحابہ کو شبہ ہوا تھا کہ شاید یہی وہ دجال ہے جسکے متعلق خبر دی گئی ہے!

باقی رہا یہ شبہہ کہ قیامت اچانک آجائیگی، اس لیے قیامت کے یہ علامات اور آثار کیسے؟ تو یہ بات صاف ہے یعنی نفس وقوع قیامت تو اچانک ہوگا۔ البتہ اسکے آثار و علامات متعدد ہیں — جن میں سے اکثر کا ظہور ہو چکا ہے اور اکثر ابھی باقی ہیں۔ اس موضوع پر نواب صدیق حسن خاں مرحوم کی کتابیں حجج الکرامہ فی آثار القیامہ اور الاذاعہ لما کان و یکون بین یدی الساعۃ بہت خوب

تکملہ۔ قرب قیامت کے متعلق آثار صحیح احادیث میں وارد ہیں

صدق۔ احادیث دجال مسیح موعود و مہدی کے متعلق عجیب عجیب خیال آرائیاں اور موشگافیاں ایک عرصہ سے ہو رہی ہیں۔ مولوی محمد ادریس صاحب کا مضمون تحقیقی حیثیت کا ہے اور عقائد اہل سنت کی ترجمانی میں ایک مرتبۂ استناد رکھتا ہے۔ ...

صفاتی و تشبیہی اعتبار سے دجال ہر زمانہ میں خدا معلوم کتنے پیدا ہو چکے ہیں، پیدا ہوتے رہتے ہیں۔ جس کسی میں صفات دجال کا ظہور کسی درجہ میں پایا جائیگا اسے مجازاً دجال کہا جا سکتا ہے۔ البتہ کہنے میں اور اسے وہ متعین شخصیت قرار دینے میں جسکی بابت حدیث میں پیشگوئیاں آئی ہیں، زمین و آسمان کا فرق ہے —— حسن و جمال آج جس میں بھی پایا جائے، اسے یوسف وقت، یوسف ثانی کہہ سکتے ہیں، ہر حاذق طبیب پر مسیح وقت، مسیح الملک کا اطلاق کر سکتے ہیں، ان میں سے کسی کو یوسف بن یعقوب اور پیمبر عیسیٰ بن مریم سمجھ لینا خود اپنی عقل و فہم پر ظلم کرنا ہے۔

"نیا ادب"

نئے ادب کا ایک "اسرافیلی شاہکار" ملاحظہ فرمایئے:—

تیری لہرائی ہوئی زلفوں کے نغموں کی بہار
جیسے آتی ہی ہو دم
باکسی کو سے گئے پر
اور دو کو تا اکر جیسے بڑے پر داز رہے ہے
ساز عشرت [illegible]
اور ترانو [illegible]
مرمریں ساز میں جس طرح ہوں تابان نغمے
اس طرح حسن ترا
گاتا ہے اور روتا ہے
میری حالت پہ تو روتا اسے آتا ہی نہیں
اور جو روتا ہے کیوں؟
کچھ تو مجھکو بھی بتا
کیا مری شاعری جو ساغروں کی ہے شراب
اختر صبح کا ڈر
اور شاہوں کا پچھڑ
کیا اسی پہ ہی بچے آنکھ سے رونا ہر دم
سچ اگر ہے یہ بتا؟
اور گاتا کیوں ہے
کیا ترے گیت میں بھی رو رہا ہے جنوں کی فغاں
مجھکو بھی رو لینے دے
تیری لہرائی ہوئی زلفوں کے نغموں کی بہار

(از مبادا)

مطبوعہ ... پرنٹنگ پریس لکھنؤ و شائع کردہ شوکت حسین منیجر

کہ اس طرف پھر علالت کا سلسلہ ہوگیا ہے - ارشادات محمدیہ پر رحم فرمائیے - یہ دم جتنی گھڑی بھی ہے بس ایک رحمت ہے"

اس میں کیا شک ہے - حضرت مولانا کی علالت اسوقت تک بحمد اللہ کچھ ایسی زائد تو نہیں، لیکن حضرت دامت برکاتہم کی عمر بیش از بیش برکت عطا فرمائے اب عمر کی جن منزل میں ہیں اُس میں ہر معمولی سی علالت بھی ہر وقت خطرناک صورت اختیار کرسکتی ہے - اور سب سے بڑھکر تشویشناک روز افزوں ضعیف ہے - بے بس بندوں کے اختیار میں بجز دعا کے اور ہے کیا - لیکن دعا خود بھی بڑی پُرقوت شے ہے - ہزاروں ہاتھ اگر ایک ہی وقت میں مخلصانہ دعا کے لیے بلند ہو جائیں، تو عجب کیا کہ ہر فانی انسان کے لیے اصل وقت ابھی مدت دراز کے لیے ٹلا رہے!

ملحد کی بلند پروازی!

لاہور کے مشہور ماہنامہ کتاب (جون نمبر) کے مضمون "روس میں مذہب اور لامذہبیت کی کشمکش" کا اقتباس:-

"حکومت کی طرف سے مذہب کے خلاف جو پروپیگنڈہ شروع کیا گیا تھا، وہ زیادہ دلچسپ ہوا - مذہب کی مخالفت میں عام طور پر جو دلیلیں دی جاتی تھیں، وہ اتنی بودی تھیں کہ لوگوں پر انکا کوئی اثر نہ ہوتا تھا - مثال کے طور پر روس کے ایک مشہور اخبار میں ایک ہوا باز کا ایک بیان چھپا کر ہم نے فضا میں اونچا اڑ کر دیکھا، وہاں تو ہمیں کوئی خدا نظر نہیں آیا" (ص۹)

آخری سطریں پڑھکر فرعون کا وہ قول یاد پڑ گیا کہ ہامان ذرا ایک خوب اونچا سا محل تو تعمیر کرا کہ میں اُس پر چڑھکر ذرا دیکھوں تو موسیٰ کے خدا کو! فاوقد لی یا ہامان علی الطین فاجعل لی صرحا لعلی اطلع الی الہ موسیٰ وانی لاظنہ من الکاذبین - اور وہ روایتیں بھی یاد پڑ گئیں جن میں بتایا گیا ہے کہ قرب قیامت میں کچھ لوگ ایمان والے کے مقابلہ میں صف آرا ہو کر آسمان پر تیر چلایا کرینگے، اور آسمان سے انکا تیر خون آلود واپس کر دیا جائیگا، کہ وہ خوب جی بھر کر خوش ہولیں! ——— کتنا قریب آگیا وہ وقت موعود، اور کیسی لوٹ آئی وہ فرعونی اور ہامانی ذہنیت!

غیر معصوم شخصیتیں

عقائد اہل سنت میں ایک مستند و مسلم کتاب مُلا علی قاری کی شرح فقہ اکبر ہے، اور فقہ اکبر خود امام ابو حنیفہؒ کی جانب منسوب ہے - یہ نسبت صحیح ہو یا نہ ہو، بہرحال اُسکی یہ شرح معتبر و مستند ہے - اس میں ایک مقام پر صراحت کے ساتھ ہے،

اعلم ان الصحابۃ رضی اللہ عنہم مع جلالۃ قدرہم ونزاہتہ بواطنہم وطہارۃ قلوبہم کانوا بشرا وکانت لہم نفوس (ص۸۵ مطبع سنفی - بمبئی)

صحابۂ کرام رضی اللہ عنہم باوجود اپنی باطن کی صفائی اور قلب کی پاکیزگی کے بہرحال انسان ہی تھے - نفس آخر انکے بھی تھا -

بات بظاہر معمولی سی ہے اور تقریباً ہر سنی کا یہی عقیدہ ہے - لیکن اسی کا استحضار اگر ذہن کے سامنے رہے تو بیسیوں سوالات ختم ہو جائیں، اور بیسیوں اشکالات کا حل ہوکر رہے ——— معصوم تو صرف ذات حضرات انبیاءؑ کی ہوئی ہے اسکے بعد اگر کسی اور کی ہوسکتی تھی، تو وہ حضرات صحابہ ہی تھے - جب وہی غیر معصوم ہیں، تو بعد کے کسی بزرگ کا کیا ذکر - فلاں ولی اور فلاں عارف، فلاں بزرگ اور فلاں مرشد، سب اپنی اپنی جگہ قابل تعظیم و مستحق تکریم ہیں، لیکن کسی کے لیے زیادہ کرید میں پڑ جانا، کہ اس سے فلاں فلاں فعل کا صدور کیسے ہوا، خود ایک بے معنی سا سوال ہے - لوگ زبان سے تو غیر معصوم کہہ دیتے ہیں، لیکن خوش عقیدگی کی افراط عملاً انہیں معصوموں ہی کے درجہ پر رکھتی ہے - صدق میں کئی بار سوالات اسی قسم کے، بزرگان سلف سے متعلق آچکے ہیں - یہی ذہنیت ان سوالات کے عقب میں کار فرما ہے -

عناد کی انتہا

صدق، مئے (مورخہ ۱۴ جون) میں عبارت ذیل نقل ہوئی تھی :-

لا محذور فی شہود مجامع اہل الباطل لمصلحۃ دینیۃ ولا تسمح بہ نفوس الطالبین للجاہ من علماء الظاہر.

اگر کوئی دینی مصلحت ہو تو اہل باطل کے جلسوں میں جانا بالکل جائز ہے - البتہ بعض طالب جاہ علماء ظاہر اسے (بوجہ مخالفت وضع ہونے کے کبھی گوارا نہیں کر سکتے -

اس پر ایک بڑے "خوش فہم" اور شاید اس سے بھی زیادہ "خوش نیت" بزرگ کا "ادارانہ" تبصرہ :-

"دریا بادی صاحب نے کسی صوفی کا قول بے حوالہ کے نقل کرکے یہ ثابت کرنا کہ وہ شریعت ظاہرہ اور علمائے ظاہر کے پابند نہیں بلکہ انکا مشرب اُن صوفیوں کا مشرب ہے جو عشق مجازی اس لیے کرتے ہیں کہ انھیں اصنام انسانی میں شاہد حقیقی کا جلوہ نظر آتا ہے - وہ گانا سنتے ہیں، رنگ رلیاں مناتے ہیں اور کہیں موقع ہوتا ہے تو انا الحق بھی کہ بیٹھتے ہیں"

اس نہایت "مدبرانہ" تبصرہ پر سلسلہ زنی کی ہمت تو کسے، البتہ اگر گنجایش ہو تو صرف اتنا سن لیا جائے، کہ یہ "کسی صوفی کا قول" اور مستحق صد ہزار ملامت قول، کسی اور کا نہیں، وقت کے سب سے بڑے عالم ربانی اور شیخ طریقت یعنی حضرت مولانا تھانوی مدظلہٗ کا ہے! ——— گویا یہ سارے طعنے اور خطابات جو گردن زدنی مدیر صدق کے لیے تجویز ہوئے تھے، وہ سب خود بخود منتقل ہوگئے حضرت مولانا کی طرف! ——— ضد، بغض، عناد کے یہ آخری حدود ہیں!

واعظ دلیل لائے جو مے کے جواز میں
اقبال کو یہ ضد ہے کہ پینا بھی چھوڑ دے!

ایک بیجا شکایت

پیغام صلح کے تازہ پرچہ سے معلوم ہوا کہ ان حضرات کو بڑی شکایت اسکی ہے کہ اُنکے امیر جماعت مولوی محمد علی صاحب لاہوری کے انگریزی ترجمۃ القرآن کا ذکر مدیر صدق نے اپنے انگریزی ترجمہ کے دیباچہ میں کیوں نہ کیا - اور یہ ذکر نہ کرنا مخالفت ہے اخلاقی جرأت کے

(باقی ص۱۲ پر)

سورۂ بقرۃ ع ۱۳ و ۱۴

(بہ سلسلۂ صدق سلسلہ ماقبل)

بقیہ (۱۱۱) قل ہاتوا برہانکم ان کنتم صادقین۔	آپ کہہ دیجیے، اپنی سند لاؤ۔ اگر تم سچے ہو۔
۱۱۲ بلٰی من اسلم وجہہ للّٰہ وھو محسن فلہ اجرہ عند ربہ ولا خوف علیہم ولا ہم یحزنون۔	ہاں البتہ جو کوئی اپنا رخ جھکا دے اللہ کے آگے، اور وہ مخلص بھی ہو، تو ایسے کے لیے اسکا اجر ہے اسکے پروردگار کے پاس اور ایسوں پر نہ کوئی اندیشہ ہے نہ وہ مغموم ہونگے
۱۱۳ وقالت الیہود لیست النصارٰی علٰی شیء وقالت النصارٰی لیست الیہود علٰی شیء وہم یتلون الکتاب کذلک قال الذین لا یعلمون مثل قولہم فاللّٰہ یحکم بینہم یوم القیٰمۃ فیما کانوا فیہ یختلفون	اور یہود کہتے ہیں کہ نصاریٰ کسی بنیاد پر نہیں، اور نصاریٰ کہتے ہیں کہ یہود کسی بنیاد پر نہیں، درآنحالیکہ یہ سب (ایک ہی) کتاب (آسمانی) پڑھتے ہیں، اسی طرح وہ لوگ بھی کہنے لگے انھیں کا سا قول جو کچھ بھی علم نہیں رکھتے۔ سو اللہ انکے درمیان قیامت کے دن فیصلہ کردیگا اُس بات میں جس میں وہ جھگڑتے رہتے تھے

اپنے اس دعوے میں کہ نجات یہودیت یا نصرانیت کے ساتھ وابستہ ہے)۔

پیمبر علیہ السلام کو یہ ہدایت ہوئی ہے کہ اہل کتاب سے کہیے کہ خالی زبانی دعووں اور خیالی آرزوؤں سے کیا ہوتا ہے، اگر حقانیت کے مدعی ہو، تو اپنی تائید میں کوئی دلیل عقلی یا نقلی لاؤ۔

یعنی نجات کا صحیح قانون یہ ہے جو اب بیان ہو رہا ہے۔

بلٰی نفی و تردید ماسبق کے لیے ہے۔ یعنی تمہارا دعوٰی غلط محض ہے۔ صحیح قاعدہ وہ ہے جو آگے آ رہا ہے۔

یعنی توحید کا پوری طرح قائل ہو جائے بلا آمیزش شرک۔

اسلم وجہہ اخلص نفسہ لہ لا یشرک بہ غیرہ (کشاف)

وجہ کے لفظی معنی چہرے کے ہیں۔ لیکن محاورہ میں اکثر مراد عین ذات شے سے ہوتی ہے۔ ربما عبر من الذات بالوجہ (راغب)

اپنے اس ایمان (واعتقاد) میں۔

یعنی اُسکا عمل بھی اُسکے عقیدہ کے مطابق ہو۔ گویا ایمان و عمل دونوں جمع ہوں

خوف واندیشہ کا تعلق مستقبل سے ہے اور حزن وغم ماضی کے حادثات پر ہوتا ہے۔

ذکر قیامت کا ہے کہ اُس روز اہل ایمان وطاعت نہ اپنے ماضی پر حسرت وتاسف کرینگے نہ آیندہ کے لیے دہشت زدہ رہینگے۔

یعنی انکا دین تمامتر باطل ہے۔ قوم یہود، عقیدۂ بہرحال موحد تھی۔ نصرانیت کا شرک اور تثلیث وہ برداشت ہی نہیں کر سکتی تھی۔ اور نہ اسکی قائل ہو سکتی تھی کہ ایسے گزشتہ ہوئے دین میں کچھ بھی صداقت ہو سکتی ہے

ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی

یعنی انکا دین تمامتر باطل ہے۔ شریعت موسوی و دین یہود سے متعلق "مذکورہ انجیلوں میں الفاظ ذیل میں ملتا ہے:-

"آدمی شریعت کے اعمال سے نہیں بلکہ صرف یسوع مسیح پر ایمان لانے سے راستباز ٹھہرتا ہے" (گلتیوں - ۲ : ۱۶)

"شریعت کے اعمال سے کوئی بشر راستباز نہ ٹھہریگا" (ایضاً ۲ : ۱۶)

"راستبازی اگر شریعت کے وسیلہ سے ملتی تو مسیح کا مرنا عبث ہوتا" (ایضاً ۲ : ۲۰)

ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی)

یعنی صحائف انبیاء اسرائیل۔ انھیں کے مجموعہ کو آج عہد نامہ عتیق کہتے ہیں۔ یہود و مسیحی دونوں اسکے الہامی ہونے کے یکساں قائل ہیں۔

الواو للحال والکتاب للجنس (کشاف)

افسوس اور عبرت کا مقام ہے کہ انھیں گمراہ قوموں کی دیکھا دیکھی مسلمانوں میں سے بھی اہل حق نے گروہ درگروہ ہوکر ایک دوسرے کی تحقیر اور تضلیل شروع کردی ہے۔ شافعیہ حنفیہ کو حقیر سمجھنے لگے اور چشتیہ و نقشبندیہ کے نزدیک ہدایت انھیں کے اپنے اپنے حلقوں میں محدود ہوکر رہ گئی۔

(وحی ونبوت کا) - وہ یہ کہنے لگے کہ اہل کتاب میں سے کوئی بھی حق پر نہیں۔

یہ کہنے والے کون تھے؟ عموماً ان سے مراد مشرکین عرب لیے گئے ہیں۔ اور ہر ایسے مذہب کے پیرو جسکی بنیاد کسی کتاب آسمانی پر نہ ہو، اسکے تحت میں آ جاتے ہیں۔ علم سے آیت میں مراد کتاب آسمانی کا علم ہے۔

من ذلک مشرکی العرب لانہم لم یکونوا اہل کتاب فنسبوا الی الجہل ونفی عنہم من اجل ذلک العلم (ابن جریر) وہم الذین لا علم عندہم ولا کتاب کعبدۃ الاصنام والمعطلۃ ونحوہم (کشاف) وہم مشرکوا العرب فی قول الجمہور (روح)

فیصلہ سے عملی اور حسی فیصلہ مراد ہے۔ ورنہ جہاں تک دلائل وبراہین کا تعلق ہے، حق وباطل، کفر وایمان کے درمیان یقینی فیصلہ تو اس دنیا میں بھی موجود ہے۔

بینہم سے مراد ہے ایک فریق اہل حق وایمان کا، اور دوسرا گروہ اہل باطل وکفر کا۔

فیقضی بین المحق والمبطل (معالم) یحکم بین المحق والمبطل (کبیر)

(جیسا کہ مشرکین مکہ نے عین حرم کعبہ میں ذکر وعبادت الٰہی سے مسلمانوں کو روک دیا تھا۔ خصوصاً واقعۂ حدیبیہ میں - نزلت فی المشرکین حین حالوا بین رسول اللّٰہ صلعم یوم الحدیبیۃ وبین ان یدخل مکۃ (ابن جریر - عن ابن زید)

۱۱۴ ومن اظلم ممن منع مساجد اللہ ان یذکر فیها اسمه وسعی فی خرابها اولئک ما کان لهم ان یدخلوها الا خائفین ۔ لهم فی الدنیا خزی ولهم فی الآخرة عذاب عظیم ۔

اور کون ظالم اس سے بڑھ کر ہوگا جو اللہ کی مسجدوں کو اس سے روک دے کہ ان میں اسکا نام لیا جائے اور اسکی بربادی میں کوشش کرے ۔ یہ لوگ اس لائق ہی نہیں کہ ان میں داخل ہوں مگر (ہاں یوں) ڈرتے ہوئے ۔ انکے لیے دنیا میں (بھی) رسوائی ہے اور آخرت میں (بھی) بڑا عذاب ہے۔

بعض نے مراد بیت المقدس سے لی ہے کہ وہاں ٹائیٹس (طیطاؤس) رومی کے عہد میں رومی مشرکین نے یہود اہل توحید کو یاد و ذکر الٰہی سے روک دیا تھا۔

بہر حال حکم عام ہے ۔ فوری سبب نزول جو کچھ بھی رہا ہو۔

مسجد کے لفظی معنی جائے سجدہ کے ہیں۔ مراد اس سے مسلمانوں کے عبادت خانہ سے ہوتی ہے ۔ اسکے حسن و تاثر کیفیت وپاکیزگی صفائی و سادگی کی شہادت غیر مسلموں کی زبان سے بھی منقول ہے ۔ ملاحظہ ہو حاشیہ تفسیر انگریزی ۔

اظلم یعنی ظالم تر ۔ زیادہ خبیث ۔ زیادہ مجرم ۔

عارفین نے لکھا ہے کہ جب اینٹ اور چونے کی بنی ہوئی عمارت میں ذکر حق روک دینے والوں کے لیے یہ وعید اور عقوبت ہے تو اس قوم یا گروہ یا شخص کے جرم کی اہمیت یا عظمت کا کیا ٹھکانا ہے جو قلوب انسانی کو، کہ وہ معنوی سجدہ گاہ حق ہیں، ذکر حق سے روکے، اسلامی تعلیم کی روک تھام میں سعی کرے، اور اشاعت مذہب میں روڑے اٹکائے!

فقہاء نے تصریح کی ہے کہ منع ذکر و منع داخلہ مساجد اگر مزد رت یا مصلحت شرعی سے ہو تو بالکل درست ہے اگر ایسے موقع پر یہ امور مسجد کی ویرانی و بربادی کا باعث نہیں، بلکہ اصلاح مسجد ہی میں داخل ہیں ۔ فقہاء نے یہ بھی لکھا ہے کہ جس طرح اللہ کے ذکر سے مسجد آباد ہوتی ہے، ممنوعات و بدعات کے ارتکاب سے برباد بھی ہو جاتی ہے ۔ اور وہ تمام امور جو تقلیل جماعت، نماز یا کسی مسجد کی ویرانی کا باعث ہوں، اس آیت کے تحت میں داخل ہو جاتے ہیں ۔

فقہ کے مسائل ذیل بھی آیت کے تحت میں لکھے گئے ہیں

(۱) مسجد میں اذن عام ہونا شرط ہے

(۲) مسجد کا دروازہ کسی مملوک زمین پر نہ ہونا چاہیے۔

ف (مسلمانوں کے رعب و دبدبہ سے) یعنی داخلہ کی اجازت غیر مسلم کو صرف ایسے حال میں ہو سکتی ہے کہ وہ مسلمانوں کا محکوم ہو، اور وہ فلاں اسکا سرکشانہ نہیں، عاجزانہ ہو ۔

یہ ذکر کہاں کا ہو رہا ہے؟ لفظ قرآن میں مساجد صیغہ جمع کا ہے لیکن ایک قول ہے کہ مراد یہاں مساجد سے مسجد حرام یا حرم کعبہ ہی ہے۔ المراد بالمساجد المسجد الحرام وسائر ما هو فی معناها (اس شبہ کا کہ لفظ جمع سے مراد واحد کیونکر ہوئی) جواب یہ دیا گیا ہے کہ محاورہ میں یہ جائز ہے ۔ مثلاً اگر کوئی شخص ایک ہی مرد نیک کو اذیت پہنچائے تو یہ کہنا درست ہوگا کہ نیکوں کو ستانے والا بڑا ظالم ہے ۔ کما تقول لمن اٰذی صالحا واحدا ومن اظلم ممن اٰذی الصالحین (کشاف)

ایک قول یہ بھی ہے کہ آیت سارے کافروں کے حق میں ہے کہ عبادت سے روکنے والے تو سارے ہی کافر ہیں ۔ اور مساجد سے مراد کل روئے زمین ہے ۔ چنانچہ کافروں کو دار الاسلام میں داخلہ کا کوئی حق نہیں، بجز اسکے کہ مسلمانوں ہی کے شرائط پر ہو ۔ اور یہ قول امام ماتریدی کی جانب منسوب ہے (احمدی)

مراد اگر مسجد حرام ہی لی جائے تو قانونی و شرعی حیثیت سے قطع نظر بات واقعاتی رنگ میں بھی بالکل صحیح نکلتی ۔ چنانچہ آج تک مسجد حرام بحمد اللہ مسلمانوں ہی کے قبضہ میں چلی آ رہی ہے ۔

ف عذاب آخرت کا تجربہ تو آخرت ہی میں ہو گا ۔ باقی دنیا میں کتب خانہ ذلت کا مشاہدہ تو چند روز میں سب کو ہو گیا ۔ یہود، مشرکین، منافقین سارے کے سارے اسلام جزیرۂ عرب میں اور اسکی سرحدوں پر دیکھتے دیکھتے نیست و نابود ہو کر رہے، اور قرآن مجید کی پیشگوئی لفظ بہ لفظ پوری ہو کر رہی ۔

(بقیہ صفحہ ۲)

نقصان کے ——— نتائج نکالنے میں ہر شخص آزاد ہے لیکن جہاں تک واقعات کا تعلق ہے، وہ حسب ذیل ہیں:-

۱۔ دیباچہ میں ترجموں کی کوئی مکمل فہرست ہرگز نہیں دی گئی ہے ۔ حافظ نذیر احمد، مرزا ابو الفضل، ڈاکٹر عبد الحکیم کسی کا بھی ذکر دیباچہ میں نہیں

۲۔ ذکر صرف ان تراجم کا کیا گیا ہے ۔ جن سے یہ مترجم کسی درجہ میں مستفید ہوا ہے ۔ یہ استفادہ ان لوگوں سے صرف زبان کی حد تک محدود رہا ۔ مولوی محمد علی صاحب کے ترجمہ کی زبان سے اگر استفادہ کیا گیا ہوتا، یقیناً اسکا ذکر بھی موجود ہوتا ۔

۳۔ اس ترجمہ سے زندگی کے جس دور میں استفادہ ہوا تھا اور اب بھی اس میں جو خوبیاں ہیں، حسب موقع انکے بیان میں اب بھی ان شاء اللہ کوئی بخل نہ ہو گا ۔ لیکن موقع و محل ہو بھی تو ۔

اصلاح ندوہ

ایک ممتاز ندوی اولڈ بوائے لکھتے ہیں :- "آپ کے زیر صدارت جلسہ ندوہ میں ... صاحب کی گفتگو کا حال لکھنؤ میں ... صاحب سے معلوم ہوا تھا ۔ ندوہ کے موجودہ ہنگامہ کے اصل اسباب جو کچھ بھی ہوں اور کسی اور کوتاہی جس کی طرف سے بھی ہو، لیکن اس میں ذرا شک نہیں کہ موجودہ تحریک جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے ان میں زیادہ تر لوگ اسی رنگ اور اسی خیال کے ہیں ۔ ان حضرات کے نزدیک اسلامی زندگی کا وہ تخیل ہرگز نہیں جو ہمارے سلف صالحین کا تھا ۔ زبان سے وہ صاف کہتے ہیں کہ ہم مغربی گرفت سے آزاد ہونا چاہتے ہیں، حالانکہ خود ...

قانون میں مجرم و ملزم کو شبہ کا نفع دیا جائیگا" کے الفاظ میں کی جاتی ہے ہمارے فقہاء نے کیا ہو شائی ہیں۔ جامع الفصولین کے حوالے سے علامہ طحاوی کا یہ بیان نقل کیا ہے

وحکی الطحاوی عن اصحابنا لا یخرج الرجل من الایمان الا بجحود ما ادخله فیه ثم ما تیقن انه ردة یحکم بها وما یشک انه ردة لا یحکم بها۔

ہمارے اصحاب (یعنی امام ابو حنیفہ، امام ابو یوسف، امام محمد وغیرہ) سے طحاوی نے روایت کی ہے کہ ایمان کے دائرہ سے آدمی نہیں نکلتا مگر اسی چیز کے انکار سے جسکی تصدیق سے وہ ایمانی دائرہ میں داخل ہوا تھا۔ پھر جس چیز کے متعلق ارتداد کا یقین ہو جائیگا تو ارتداد کا حکم لگایا جائیگا لیکن جس میں شک ہو اس پر ارتداد والا حکم نافذ نہ ہوگا۔

اور یہی راز ہے اس مشہور قول کا جو ہماری کتابوں میں منقول ہے،

ثبت عن ابی حنیفة والشافعی من عدم التکفیر لاہل القبلة من المبتدعة کلھم شرح فقہ اکبر ملا علی قاری (ص۱۵۱)

امام ابو حنیفہ و امام شافعی سے یہ بات ثابت ہوئی ہے کہ مسلمانوں کے بدعتی فرقے جو اہل قبلہ سے ہوں ان میں سے کسی کی تکفیر نہ کی جائیگی۔

"عدم تکفیر" سے یہاں مطلب وہی "ارتداد" کا ہے۔ یعنی وہی شبہہ کا نفع انکو دیا جارہا ہے۔ اور وہ مشہور بات ہے۔ اور خاکسار نے اپنے عریضہ میں جسکا سرسری طور پر ذکر کیا تھا۔ یعنی ننانوے وجہ کفر کی اور ایک وجہ (پہلو اسلام کا اگر پیدا ہو تو اسلام سے اسکو خارج نہ کیا جائیگا جسکی وجہ سے یہ سارا قصہ چھڑا۔ ملا علی قاری نے اس قول کو نقل کرتے ہوئے یہ لکھا ہے

قد ذکروا ان المسألة المتعلقة بالکفر اذا کان لھا تسع وتسعون احتمالا للکفر واحتمال واحد فی نفیه فالاولی للمفتی والقاضی ان یعمل بالاحتمال النافی (ص۱۹۵)

فقہاء نے ذکر کیا ہے کہ کفر کے فتووں سے جس مسئلہ کا تعلق ہو اگر ۹۹ پہلو اس میں کفر کا ہو اور ایک پہلو کفر کی نفی کا تو مفتی اور قاضی دونوں کیلیے یہی بہتر ہے کہ اسی پہلو پر عمل کریں جس سے کفر کی نفی ہوتی ہو۔

ایسا کیوں کرنا چاہیے، قاری نے اسکی توجیہ اسکے بعد یہ نقل کی ہے،

لان الخطاء فی ابقاء الف کافر اہون من الخطاء فی افناء مسلم واحد (")

غلطی سے اگر ہزار کافر بچا لیے جائیں یہ بات آسان ہے بہ نسبت اس کے کہ ایک مسلمان کو فنا کردیا جائے۔

جسکا کھلا ہوا مطلب یہی ہوا کہ کفر کی نفی کرنے والے پہلو کو ترجیح دینے کی وجہ یہی ہے کہ کفر کا یہ فتوے دراصل ارتداد کا فتوے ہوگا۔ اور ارتداد کے فتوے کے بعد ارتداد کی حد کا قائم کرنا ضروری ہو جاتا ہے۔ اور اب ہمارے فقہاء کی تعبیری مصلحت سمجھ میں آتی ہے کہ ایسے موقعوں پر وہ بجائے فتوے ارتداد کے فتوے کفر کا لفظ کیوں بولتے ہیں۔ بہر حال اگر لوگوں کو فقہاء کی اصطلاح کا علم ہوتا تو آج انکے کفر کے فتووں کو جو عام طور پر بدنام کیا جارہا ہے اور اس میں کوئی شبہ نہیں کہ فقہ کی کتابوں میں جن جن چیزوں پر کفر کا فتوے لگایا گیا ہے ان کی طویل فہرست کو دیکھ کر آدمی پریشان ہو جاتا ہے۔ بیچارے بزرگوں میں ملایانہ تنگ نظری محسوس ہوتی ہے۔ حتی کہ اسی بنیاد پر بعضوں نے زبان تک لکھ دیا کہ

انما ذکروہ بناء علی الامور الهتدیدیة والتغلیظیة (علی قاری ص۱۹۹)

فقہاء ڈرانے، دھمکانے اور بظاہر سختی دکھانے کے لیے اس قسم کے فتوے صادر کرتے ہیں۔

اور بعضوں نے تو بڑھ کر یہ تقسیم قائم کی ہے،

عدم التکفیر مذہب المتکلمین والتکفیر مذہب الفقہاء (")

کفر کا فتوے نہ لگانا اہل قبلہ پر یہ متکلمین کا مذہب ہے اور کفر کا فتوے لگانا، یہ فقہاء کا مذہب ہے۔

اور اسی کے ساتھ یہ بھی لکھتے ہیں کہ

نقل کتب الفتاوی من جہالة قائلہ وعدم اظہار دلائلہ لیس بحجة من ناقلہ۔

فتاوی کی کتابوں میں کفر کے فتوے جو نقل کیے جاتے ہیں چونکہ ان فتووں کے دینے والوں کا بھی کچھ پتہ نہیں ہے اور نہ دلائل ہی انکے بیان کیے جاتے ہیں اس لیے وہ حجت نہیں ہیں۔

لیکن میرے خیال میں حضرات فقہاء کا صحیح نقطہ نظر اس باب میں وہی ہے جو ابن ہمام نے فتح القدیر میں لکھا ہے۔ وہ فرماتے ہیں

اعلم ان الحکم بکفر من ذکرنا من اہل الاہواء مع اثبت عن ابی حنیفة والشافعی من عدم تکفیر اہل القبلة من المبتدعة کلھم محله ان ذلک المعتقد فی نفسه کفر فالقائل به قائل بما ہو کفر وان لم یکفر (منقول از علی قاری)۔

معلوم ہوتا ہے کہ اہل ہوا میں سے جن جن کے متعلق کفر کے فتوے کو ہم نے نقل کیا ہے باوجودیکہ امام ابو حنیفہ اور امام شافعی سے ثابت ہو چکا ہے کہ بدعتی فرقے اہل قبلہ کے کسی کو ایسے ہیں جن پر کفر کا فتوے نہیں لگایا جا سکتا، تو کفر کے ان فتووں کا مطلب یہ ہے کہ وہ بات جسکی وجہ سے کفر کا فتوے لگایا ہے بذات خود کفر ہے، اگرچہ اس کفر کی بات کے قائل پر کفر کا فتوے نہ لگایا جائیگا۔

جسکا حاصل یہ ہے کہ کسی قول یا فعل یا عقیدہ یا نظریہ کا کفر ہونا اور بات ہے، اور اس قول یا فعل یا عقیدہ و نظریہ کے قائل پر کفر کا فتوے لگانا، یا اسے کافر ٹھہرانا، بہ الفاظ دیگر ایمان و اسلام کے بعد اس پر مرتد ہونے کا حکم لگانا، یہ بالکل دوسری بات ہے۔ اور یہی مطلب ہے کہ فقہاء کے کفر کے فتووں کا یعنی وہ اسکو کفر تو قرار دیتے ہیں، لیکن جو اسکا قائل ہو، مرتکب ہے، اسکو کافر نہیں کہتے۔ (باقی آئندہ)

دارالعلوم دیوبند سے متعلق ایک دلچسپ اور مبسوط بیان، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کے جواب میں مولانا محمد طیب صاحب کے قلم سے شائع ہوا ہے۔ متوسط طبع پر پانچ سو ۹۴ صفحے کی ہے۔ سردست تین مضمون تک تو صدق کے صفحات بالکل بھرے ہوئے ہیں، اور باہر کے کسی بڑے مضمون کے لیے قطعاً گنجائش نہیں۔ امید ہے کہ مولانا محمد طیب صاحب اس حقیقی معذوری کو قبول فرمالیں گے۔ جو صاحب یہ بیان پڑھنا چاہیں، وہ براہ راست دیوبند سے طلب فرمالیں۔

مسلم کی نامسلمانی

(از سید عبد الفتاح صاحب۔ ترپ بازار، کوچۂ سید جنگ۔ حیدر آباد دکن)

نیشنل جیوگرافیکل میگزین ایک کثیر الاشاعت امریکن سہ ماہی رسالہ ہے۔ اس میں جغرافیہ اور متعلق مضامین کے متعلق تحقیقی مضامین شایع ہوتے ہیں۔ مضمون نگار ان مضامین کے لیے دور دراز کا سفر کرتے، وضع و گزارا اور مشہور مقامات کے متعلق دلچسپ اور مفید معلومات بہم پہونچاتے ہیں۔ اس رسالہ میں تصویریں بھی بہت ہوتی ہیں۔ ایک مضمون ہند کے متعلق دلچسپ اور معیاری ہے۔ معلومات سے مستفید ہویے۔

"جوتے اتار کر میں شاہ جہاں کی خوبصورت موتی مسجد میں داخل ہوا۔ اس وقت اندر ایک معزز مسلمان خاندان مسجد کے نرم و نازک مرمریں فرش پر فروکش تھا۔ مجھے دیکھ کر انھوں نے کہا کہ اگر ہماری موجودگی آپ کی سیر میں حارج ہو تو ہم دوسری طرف ہٹ جائیں۔ میں نے انکی مہربانی کا شکریہ ادا کیا۔ اور ان سے اس خاندان کا فوٹو بغیر زنانہ چہروں کے لینے کی اجازت چاہی[1]۔ اس پر انھوں نے کہا "کیوں انکی صورتوں نے کیا قصور کیا ہے" فوٹو میں یہ اسی طرح ہیں (فوٹو (صفحہ ۴۹۲) یہ شاہ جہاں کی موتی مسجد ہے۔ انسانی فن کا نفیس نمونہ تعمیر کے حسن سے قطع نظر قدرت کا شاہکار ملاحظہ فرمایئے یہ مسجد آباد ہے۔ خدا کا بندہ مسٹر اشرف علی تابے خانۂ خدا میں موجود ہے اس حال میں کہ مسجد کی نفیس دیوار سے ٹیک لگائے ہوئے نشست کے آرام دہ ہونے کی وجہ سے مسکراہٹ نمایاں ہے، لیکن مراقبہ میں تو نہیں، نگاہیں کسی اور جانب متوجہ ہیں۔ سیدھی طرف چار نو عمر عورتیں بھی فرش پر بے تکلف بیٹھی ہیں۔ اسکول یا کالج کی طالبات معلوم ہوتی ہیں۔ چہروں پر کس قدر حجاب اور جھجک کے آثار نمایاں ہیں۔ شرمائی ہوئی معلوم ہوتی ہیں۔ دوسری طرف کوئی بارہ سال کا لڑکا نیکر پہنے ہوئے ہے۔ بچہ بیچارہ بڑا شرمیلا ہے۔ چہرہ سے پریشانی نمایاں ہے۔ عجب اضطرابی حالت میں ہے۔ غریب کیمرہ کی آنکھ سے بچنا چاہتا ہے، اس گھبراہٹ میں بیٹھا بھی نہیں جاتا۔ ایک معمر خاتون ہر قع میں لپٹی شکاری کیمرہ کی طرف پیٹھ لیے بیٹھی ہیں۔ صاحب خانہ معززین میں سے ہیں جب ہی تو تفریح کے لیے مسجد آسکے ہیں۔

معضمون نگار کا نوٹ" چونکہ مسٹر اشرف علی (نیشنل جیوگرافیکل میگزین سے واقف تھے اس لیے انھوں نے مجھے اس فوٹو کے لینے کی اجازت دی جس میں خواتین بے پردہ ہیں"۔ اسکے متعلق انھوں نے کہا "انکی صورتوں نے کیا قصور کیا"۔

چند صفحہ اور الٹیے۔ یہ جامع مسجد دہلی ہے۔ اور روز جمعہ ہے۔ مسجد نمازیوں سے بھری پڑی ہے۔ ایک طرف خدا کی بندیاں بھی حاضر ہیں۔ پردہ کا معقول انتظام ہے۔ قناتوں کی دیوار سے اس حصہ کو مردوں سے بالکل جدا کر دیا گیا ہے۔ بیبیاں نماز کی تیاری کر رہی ہیں۔ بعض نے دوپٹے اوڑھے ہوئے ہیں، اس طرح دوسرا پردہ ہو گیا ہے۔ مگر اسکے باوجود میں یہ کیسے دیکھ رہا ہوں، دیوار پر سے مضمون نگار صاحب کا کیمرہ اپنا کام کر چکا ہے۔ آپ مسلمانوں سے تو پردہ کا انتظام کرا سکتے ہیں مگر ان مشوروں سے کیونکر بچ سکتے ہیں۔

فوٹو کے جواز و عدم جواز کو چھوڑیے۔ سیر و تفریح سرت و شادمانی کے موقع پر کون فوٹو نہیں اترواتا۔ یہ ان بیہودہ و ناجائز چیزوں میں سے ہیں جنکے ثواب و عذاب کو عام طور پر نظر انداز کر دیا جاتا ہے۔ ان سے اجتناب صرف عالموں اور متقیوں ہی کا حصہ رہ گیا ہے۔ پردہ کو بھی جانے دیجیے۔ یہ فرسودہ بحث صرف کلامی مسئلہ بن گئی ہے۔ ہماری خانگی زندگی میں اب کون اسکا لحاظ کرتا ہے۔ ہماری جاہ و عزت میں جتنی انفرادی آزادی حاصل ہے۔ اتنی شاید ہی کسی دوسری جگہ حاصل ہو۔ کسی کے فعل پر نہ کوئی کسی کو ٹوک سکتا ہے اور نہ کسی کو ٹوکنے کا حق ہی حاصل ہے۔ پھر کیوں تعجب ہو، نہ کچھ کہنے دینے کی بات۔ اور کہنا صرف اتنا ہی ہے کہ مسلمانان عالم عموماً اور مسلمانان ہند خصوصاً ایک نہایت نازک دور سے گذر رہے ہیں۔ اگر اس زمانہ میں مسلمانوں کا اسلام کا پابند ہو گیا تو خیر۔ ورنہ آیندہ مسلمانوں کا اسلام سے شاید ہی کوئی واسطہ رہے۔ ہندی مسلمان بڑے بڑے دعوے پیش کرتے ہیں۔ اب اگر اس قسم کی تصویریں ایسے معیاری رسالوں میں شایع ہوں تو دنیا میں ہمارا کھوکھلا پن ظاہر ہوگا۔ اسکے علاوہ اس فوٹو کو شایع کرنے سے مضمون نگار کا رجحان بھی ظاہر ہوتا ہے۔ چند ہی صفحے قبل مضمون نگار نے تعلب میں ایک ہندو خاندان سے بھی ایک فوٹو حاصل کیا تھا۔ مگر اسکو رسالہ میں جگہ نہ ملی۔ اس فوٹو کو شایع کرنے سے کچھ تو مطلب و مقصد ہوگا۔ اس بات کا خیال رکھیے کہ آپ کا کوئی فعل اپنے کسی قول کی تکذیب نہ کرے۔ اور جب ایک خاص طرز زندگی کے لیے ہم مضطرب ہیں تو اسکے حصول کے لیے جو لائحہ عمل مرتب ہے اسکو نظر انداز نہ کیجیے۔ کیونکہ معینہ راستوں اور طریقوں پر چلے بغیر اسکا حصول خواب ہے۔ اگر کہیں جانا مقصد ہے تو استفول کیوں اختیار کیا جائے۔

[1] مطلب یہ ہے کہ فرنگی مصور نے اسلامی جذبات کا لحاظ کر کے مسلم خواتین کے فوٹو میں انکے چہروں کو ظاہر کرنا نہیں چاہا تھا (صدق)

نمبر ۱۶ | دوشنبہ - ۱۴ - شعبان الم[عظم] ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۶ - اگست ۱۹۴۳ء | جلد ۹

سچی باتیں

آل انڈیا ریڈیو، ایک باضابطہ سرکاری محکمہ ہے - اسی طرح کا سرکاری، جیسے ریل، تار، ڈاک، وغیرہ کے محکمے ہیں۔ پچھلے اپریل میں اس نے اقبال کی تاریخ وفات پر یوم اقبال منایا - یہاں تک ٹھیک تھا، اس نے وہی کیا، جو کرنا چاہئے تھا - دہلی ریڈیو اسٹیشن نے شکوہ وجواب شکوہ کو موضوع قرار دے کر ہندوستان کے چار شخصوں سے پانچ پانچ منٹ کے لیے ان پر تبصرہ کرایا، اور پھر ایک پانچویں صاحب سے ان پانچوں تبصروں پر تبصرہ —— ان پانچ تنقید نگاروں میں دو تو کھلے ہوئے غیر مسلم ہیں، اور تیسرے اس قماش کے مسلمان جنکو ڈالنے میں کچھ بے تکلف محسوس نہیں کرتے، کہ قوم پرستی ووطنیت کے تنگ دائرہ سے نکل کر اقبال نے "ایک دوسرا تنگ دائرہ مذہب وملت کا" اختیار کیا، اور ان نظموں کی شاعری کا

دائرۂ خطاب محدود ہے۔ کاش شاعر اپنے دامن کو ملت کے غبار سے بھی اسی طرح پاک رکھتا جس طرح گرد وطن سے پاک رکھا"

محکمۂ عالیہ نے ان سب تبصروں پر یکساں نوازش کی، اور اپنے پندرہ روزہ اردو رسالہ آواز کی ۲۲ - جولائی کی اشاعت میں از راہ قدردانی سب کو شایع کردیا!

شکوہ اور جواب شکوہ بھی اگر ٹھیٹھ مذہبی اور اسلامی نظمیں نہیں تو آخر ان الفاظ کا اطلاق اور کن نظموں پر ہوگا؟ اور ایسی خاص اسلامی اور مذہبی نظموں پر کسی غیر مسلم کو، وہ ادبی ہی نقطۂ خیال سے سہی تبصرہ کیلئے منتخب کرنا اگر ایک دلآزار قسم کی ستم ظریفی نہیں تو اور کیا ہے؟ اور پھر جب دو غیر مسلموں میں سے ایک آپ الحاد وذاتی مذہب بیزاری اور خدا تعالیٰ کی شان میں دریدہ دہنی کا نمایاں ایسی حال چھاپ کر چکا ہو؟ اس بدزبان نے وہی کیا جسکی توقع اس سے ہو سکتی تھی - قصور اسکا نہیں، قصور تو ان بزرگوں کا ہے، جنھوں نے اس موضوع پر اسے لب کشائی کی دعوت پبلک فنڈ سے دی! ریڈیو کے کارکن مذہبی عقائد میں بے شک "روشن خیال" سہی، لیکن خوش مذاق تو انھیں بہرحال ہونا چاہئے - بدمذاقی، اور ذوق سلیم سے [illegible] کی انتہائی حالت میں بھی گزر سکتے تھے یا! —— محرم کی ۱۰ تاریخ کو یوم حسینؓ کی تقریب میں اگر انیس کے مرثیہ پر ادبی ہی حیثیت سے سہی کسی مشہور خارجی کا انتخاب کسی سیاسی سے بھی روا ہوگا؟ کوئی سا بھی سرکاری محکمہ اسکی جرأت کریگا؟

ہماری قوم کے جو علماء وفقہاء، مفتی کفایت اللہ صاحب دہلوی، مولانا احمد سعید صاحب، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی، مولانا مفتی عنایت اللہ فرنگی محلی مرحوم وغیرہم کی عملی تائید کے باوجود اب تک ریڈیو کے قریب جانے کو بھی معصیت ٹھہرائے ہوئے ہیں، کیا از راہ کرم ارشاد فرمائیں گے، کہ یہ جو الحاد وزندقہ وبے دینی کا زہر ریڈیو کے ذریعہ سے پھیل رہا ہے، اسکے توڑ کی آخر کیا صورت ہے، بجز اسکے کہ دین کے خادم خود بھی کبھی کبھی ریڈیو پر جاتا، اور بعض احتمالاً فسق میں مبتلا ہونا گوارا فرمائیں؟ انکے فتوئے حرمت پر اصرار کا کھلا اور صاف نتیجہ یہ ہے، کہ شیطان کی پکار، ملحد اور خوب ہی بلند ہوتی رہے اور اللہ کے نام کی ایک آدھ آواز بھی اسکے مقابلہ میں کائنات فضائی میں پھیلنے نہ پائے!

جنون الحاد

(اقبال کے شکوہ وجواب شکوہ پر ایک ملحد کا تبصرہ)

تبصرہ کا اقتباس :—

"شکوہ میں شاعر نے مسلمانوں کی طرف سے خدا کو مخاطب کیا ہے۔ اور گزشتہ اسلامی کارناموں کی یاد تازہ کردی ہے۔ جوابِ شکوہ میں خدا نے مسلمانوں سے خطاب کیا ہے۔ ان دونوں صحیفوں میں وہ سامی ذہنیت کارفرما ہے جسکے زیر اثر کچھ قومیں اپنے کو خدا کی منتخب قوم تصور کرتی ہیں۔ ان نظریوں کی فرسودگی سے اب دنیا بہت آگے جا چکی ہے ... اقبال کی ان نظموں میں جنونِ تفلسف کارفرما ہے دنیا بھر کا ایک مذہبی اعتقاد اور دنیا بھر کی ایک مذہبی امت بہت منتشر سا تصور ہے ..... اقبال ایک مہذب و متمدن دنیا کے Setting میں اسلامی دنیا کو پیش نہیں کر سکے" (آواز - ۲۲ - جولائی ۵۵ء صلہ)

مضمون کے اندر لفظ "جنون" (Mania) خوب مل گیا! ایسے خرافات کے لیے عنوان تلاش کے بعد بھی اس سے بہتر اور کون سا ہو سکتا تھا؟

اب پہلا سوال یہ ہے کہ اگر اس کا نام "ادبی تنقید" ہے، تو مذاہبِ "مذہبی" دخل، معقولات کا اطلاق کس چیز پر ہوگا؟ ریڈیو والوں کو اصرار شد ومد کے ساتھ رہا کرتا ہے کہ اور جو کچھ بھی ہو، لیکن ایک وقت کو مذہبی پروپگنڈہ کے لیے بہر حال نہیں استعمال کیا جا سکتا۔ کیا اس دعوے کے اندر حقیقت صرف اتنی ہے کہ مذہب کی تائید و حمایت میں تو بیشک کچھ نہیں کہا جا سکتا، لیکن مذہب کی مخالفت میں ہر کسی کو اس کی ہرزہ سرائی کی اجازت ہے! پروپگنڈہ اگر مذہب کا جرم ہے، تو لامذہبی و الحاد کا اس سے بڑھ کر ہونا چاہیے۔

پھر ارشاد ہوا ہے کہ شکوہ و جوابِ شکوہ دونوں میں
"وہ سامی ذہنیت کارفرما ہے جسکے زیر اثر کچھ قومیں اپنے کو خدا کی منتخب قوم تصور کرتی ہیں"۔

لیکن کیا یہ قومی برتری و نسلی تفوق کا تخیل "سامی" ہے؟ تحقیق کی عدالت سے تو یہ فیصلہ ہو چکا ہے، کہ یہ تخیل خالص آریائی ہے، ہندی ہے، برہمنی ہے! حیرت ہے کہ لکھنے والے نے اپنے وطن (دیش بھومی) کو چھوڑ، عرب و شام تک جانے کی زحمت کیوں گوارا کی؟ —— اور پھر بیوڈکا حال جو کچھ بھی ہو، مسلمانوں نے "قومی" تفوق یا "نسلی" برتری کا دعوی کس دن کیا ہے؟ شکوہ و جوابِ شکوہ دونوں کے کس شعر، کس مصرعہ، کس لفظ میں اس خیال کی ترجمانی ہے؟ اسلام تو اعلانیہ اس کا منکر ہے کہ ذات پات، قوم و قبیلہ، نسل و خاندان کو معیارِ فضیلت قرار دیا جائے۔ قرآن و حدیث دونوں نے ضرب اسی عقیدۂ جاہلی پر بار بار لگائی ہے۔ اُس کے لیے اس کی حوصلہ افزائی کسی درجہ میں بھی ممکن ہی کیونکر ہے؟ اُس کی جانب ایسی بےحقیقت بات منسوب کرنا صرف اُسی کا کام ہو سکتا ہے، جو دین کی طرح دیانت سے بھی بےنیاز ہو چکا ہو۔

اسلام کا تو خود ہی یہ دعوے ہے کہ اصل چیز صحیح فکر و نظریے (ideology) اور پھر صحیح عمل۔ اسکے سوا جو بھی معیار ہے، باطل ہے۔ کیا دنیا، مہذب دنیا، ملحد دنیا، سوشلسٹ کی دنیا کی فکریات "(ideology) اس سے بہت آگے جا چکی ہے"؟ اسکے ٹھیک برعکس کیا گھوم پھر کر، ہار کر، اور تھک کر، الٹی اسی مرکز کی طرف سمٹ سمٹا کر آ رہی ہے؟ —— یا پھر یہ ہے کہ اس "بیمارِ عقل" کو سرے سے فرق ہی "ایک مذہبی امت" (فکر و عقیدۂ اختیاری کی بنا پر منتظم ہونے والی جماعت) اور "ایک قوم و نسل" (محض بخت و اتفاق سے پیدا کیے ہوئے غیر اختیاری تشخصات کی بنیاد پر یکجا ہو جانے والے گروہ) کے درمیان نظر نہیں آتا؟

فرعونی میلہ

مسائل السلوک من کلام ملک الملوک، حضرت مولانا تھانویؒ کی تصنیف، کوئی نایاب کیا معنی، غیر معروف و کمیاب کتاب بھی نہیں۔ اپنے موضوع "سلوکِ قرآنی" پر ایک بہترین و مستند کتاب ہے۔ تصوف کے صدہا مسائل کا اثبات استنباط آیاتِ قرآن مجید سے کیا ہے۔ دونوں جلدیں اردو ترجمہ رفیق السالک کے ساتھ ساتھ شائع ہوئی ہیں۔ جلد دوم، صفحہ ۹ پر ایک عنوان ہے

جواز شہود مجامع اہل الباطل لمصلحۃ دینیۃ	دینی مصلحت سے کفار کے مجمع میں جانا۔

آگے متن اور ترجمہ دونوں ملاحظہ ہوں :—

قولہ تعالی فجمع السحرۃ لمیقات یوم معلوم فی الروح و ہو وقت الضحی من یوم الزینۃ اور کما ہو منصوص فی سورۃ طٰہٰ و ہذا وقتہ موسی علیہ السلام کما قال تعالی موعدکم یوم الزینۃ دل علی ان لا محذور فی شہود مجامع اہل الباطل لمصلحۃ دینیۃ ولا تسمح بہ نفوس الطالبین للحیاء من علماء الظاہر۔	غرض وہ جادوگر ایک معین دن کے خاص وقت پر جمع کر لیے گئے۔ سورۂ طٰہٰ میں اسکی تعیین کی تصریح ہے کہ وہ یوم الزینۃ تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ اہلِ باطل کے ایسے مجامع میں کسی دینی غرض سے جانا جائز ہے، جسکو طالب جاہ علماء بوجہ خلاف و منع ہونے کے کبھی گوارا نہیں کرتے۔

پھر اسکے متصل، اسی صفحہ پر ایک عنوان ہے،

العذر فی سکوت الاکابر علی بعض المنکر۔	بعض اکابر کا کسی امر منکر پر سکوت کرنے کا عذر۔

اور اس سے متعلق متن و ترجمہ حسب ذیل ہیں :—

قولہ تعالی قال لہم موسی القوا ما انتم ملقون فی الروح لم یرد علیہ السلام الامر بالسحر حقیقۃ بل الاذن بتقدیم ما علم بالالہام او فراستہ صادقۃ او من لہا انہم فاعلوہ البتۃ لیتوصل بذلک	موسیٰ نے اُن سے فرمایا کہ تم کو جو کچھ ڈالنا ہو ڈالو۔ ظاہرًا اس میں امر ہے عمل بالسحر کا، لیکن مقصود آپ کا ابطال تھا اُنکے سحر کا، اور وہ موقوف تھا اُنکے اظہار پر، اس لیے اظہار کا اذن دیا جیسے زندیق سے کہا جائے کہ اپنے دعوے باطلہ پر

الى امثاله مما ذكرنا يراد الزنديق تقرر حجته لئلا تقوم قالت وكذلك المسدديا ينقل عن بعضهم من فلس البصري من بعض ما يجب عليه الانكار حيث يكون قصدهم الى بعض المصالح الدينية الخفية ما لا ابو فتوح الآن۔	دلیل قائم کرا اور غرض یہ ہوتی ہے کہ اسکی اقامت کے بعد رد کیا جائیگا۔ پس بعض بزرگوں سے جو بعض منکرات پر چشم پوشی منقول ہے۔ ایسا ہی عذر انکے اس فعل میں ہے کہ مقصود انکا کوئی مصلحت دینی ہوتی ہے، جو اسوقت مخفی ہے اور آیندہ ظاہر ہو جائیگی۔

اس عبارت کی روشنی اگر آنکھ میں کچھ بھی باقی رہ گئی ہے، تو ہر دیکھنے والا دیکھ سکتا ہے کہ

(۱) کسی غرض صحیح و مصلحت دینی کے ماتحت، اہل باطل کے مجمع بیاں محفل میں شرکت، اور ان میں بھی ساتھ مشرکوں کے، یا بلفظ دیگر شرکت کا جواز،

(۲) جن مجمعوں میں شرکت (معصیت و عدم معصیت سے قطع نظر) ثقاہت عرفی اور وضعداری کے خلاف ہے، وہاں جانے سے اہل جاہ علما ظاہر کی جمعیت پر بار ہوتا،

(۳) صریح منکرات کا کسی مصلحت دینی کے ماتحت گوارا کر لینا۔

ان سب نتائج کی اصل ذمہ داری صاحب روح المعانی اور اور حضرت مولانا تھانوی پر ہے، مدیر صدق نے تو بس اتنا کیا تھا کہ انھیں مضامین کو اپنی زبان میں ادا کر دیا تھا۔ اس پر وہ ہنگامہ بلند ہوا کہ بزبان اقبال،

وہ تری گلی کی قیامتیں کہ لحد سے مردے نکل پڑے!

اور اس پر بعض بزرگوں کا یہ فرمانا کہ فرعونی یوم الزینت میں منکرات وغیرہ تھے ہی کہاں، مشرکوں، بیدینوں، جاہلیوں کے ساتھ ایک عجیب و غریب حسن ظن اور عقیدت کا اظہار کرنا ہے!

ایک آیت قرآنی کا ترجمہ

حیدرآباد دکن سے ایک انگریزی تعلیم یافتہ کے مکتوب کی تلخیص:-

"اسوقت میرے سامنے مولوی نذیر احمد، مولانا محمود حسن، اور مولانا ابوالکلام آزاد کے تراجم قرآن ہیں۔ تینوں حضرات نے پارہ ۸ رکوع ۶ آیت اول قل تعالوا اتل ما حرم ربکم الخ میں حرّم کا ترجمہ "حرام کیا ہے" سے کیا ہے۔ اور ایک اور صاحب کا بیان ہے کہ انھوں نے شاہ رفیع الدین صاحب کے اور مولوی محمد علی لاہوری وغیرہ کے متعدد اردو و انگریزی تراجم میں حرّم کا ترجمہ [illegible]

اردو میں جو معنی "حرام" کے ہیں اُسکے لحاظ سے تو گویا آیت کا مضمون یہ ہوا کہ اللہ کے ساتھ کسی کو شریک نہ کرنا (نعوذ باللہ) اللہ نے حرام قرار دیا ہے"

شبہ کی بنیاد یہ ہے کہ آیت میں فوراً ہی بعد جب "لا" کا لفظ بھی آ گیا ہے تو اب لفظی ترجمہ یہ ہوگا:

قل تعالوا اتل ما حرم ربکم علیکم الا تشرکوا به شیئا	کہہ دیجئے کہ تم آؤ میں تمھیں پڑھ کر سناؤں جو حرام کیا ہے تم پر تمھارے پروردگار نے۔ وہ یہ کہ تم

اُسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ کرو۔

اور اس طرح شرک کرنا حرام ٹھہرتا ہے!

قرآنیات کے طلبۂ قدیم کے ذہن میں شبہہ کا جواب شروع سے موجود ہے چنانچہ جوابات مختلف و متعدد دیے گئے ہیں، مثلاً یہ کہ

(۱) الّا میں اَن مفسرہ ہے" یعنی "کے مرادف ان مفسرة بمعنى اى (مغنی) اس ترکیب کو مان کر ترجمہ یہ ہوگا:-

"میں تمھیں وہ پڑھ کر سناتا ہوں جو تمھارے رب نے تم پر حرام کیا ہے۔ یعنی یہ کہ تم اُسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ"

(۲) ربکم پر وقف ہے۔ علیکم سے مستقل فقرہ شروع ہوتا ہے۔ اور علیکم کے معنی لازم پکڑنے کے آتے ہیں۔ الكلام تم عند حرم ربكم ثم ابتدء علیکم ان لا تشرکوا فعلیکم علی هذا اسم فعل بمعنى الزموا (مغنی) اب ترجمہ یوں ہوگا

"میں تمھیں وہ پڑھ کر سناتا ہوں جو تمھارے پروردگار نے حرام کیا ہے۔ تم پر لازم ہے کہ تم اُسکے ساتھ کسی چیز کو شریک نہ ٹھہراؤ"

ماہرین عربیت نے یہ دونوں ترکیبیں فرض کی ہیں۔ اور دونوں اپنی اپنی جگہ بالکل صحیح ہیں۔ لیکن سب سے آسان اور بے تکلف ترکیب یہ ہے کہ حرف لا کو بجائے نافیہ (نفی کے معنی دینے والے) یا ناہیہ (ممانعت کے معنی دینے والے) کے یہاں زائدہ سمجھا جائے۔ لا زائدہ کے معنی یہ نہیں کہ وہ کلام میں بیکار محض حشو کے آتا ہے، بلکہ مراد یہ ہے کہ بجائے نفی یا نہی کے معنی دینے کے مفہوم میں محض زور تاکید پیدا کر دیتا ہے۔ لا الزائدة الداخلة فی الکلام لمجرد تقویته و تاکیده (مغنی) تو اب ترجمہ یوں ہوگا:-

"میں تمھیں وہ پڑھ کر سناتا ہوں جو تمھارے رب نے تم پر حرام کیا ہے۔ یعنی یہ کہ کہیں تم اُسکا شریک کسی چیز کو بنانے لگو"

سیوطیؒ کی مشہور و جامع کتاب اتقان، اور زبیدی کے مشہور عربی لغت تاج العروس دونوں میں اس ترکیب کا ذکر ہے، اور اسکو صحیح مانا ہے۔ اور اور اہل تفسیر نے بھی متعدد نے اسکا ذکر کیا ہے۔

خود قرآن مجید میں یہ ترکیب متعدد مقامات پر آئی ہے۔ مثلاً ما منعک ان لا تسجد (اعراف، آیت ۱۲) ما منعک اذ رأیتهم ضلوا ان لا تتبعن (طٰہٰ۔ آیت ۹۲) لئلا یعلم اہل الکتاب (حدید، آیت ۲۹) وغیرہا۔

معصیت بطور طاعت کے

مولانا عبدالرؤف خاں صاحب صدر مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر (ضلع بستی) سے لکھتے ہیں:-

"آپ کی سینما بینی کے ظاہری پہلوؤں سے متعلق اصحاب ظاہر نے کیسی کیسی گل فشانیاں کیں! باطنی طور پر کسی اسلامی مسئلہ کی ٹھوس عقیدت مندی کی تبلیغ پہلے سے یکسر غافل و بے پرواہ ہو کر لکھنے لگے۔ کعب بن اشرف کے سر کاٹنے کے موقع پر ایک صحابی کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو گالی اور لعن طعن تک سے تعلق رکھنا پڑا۔ حالانکہ شاتم رسول بالاتفاق سیف مسلول کا مستوجب ہے۔ لیکن ایک باطنی خوبی کے پیش نظر یہ بھی گوارا کر لیا گیا۔ یا للعجب۔ قوم مسلم کو اپنی آنکھ کا شہتیر نظر نہیں آتا، دوسرے کے تنکے پر نگاہیں گڑائی جاتی ہیں"

موصوف مستحق شکریہ ہیں، کہ اُنھوں نے بڑے پتہ کی بات یاد دلائی۔ ابو نائلہ صحابی نے اس موقع پر جو الفاظ کہے ہیں، اُنکا تلفظ صحابی کیا معنی کوئی معمولی مسلمان بھی عام حالات میں ہرگز نہیں کرسکتا۔ لیکن جنگ حالات میں، اور جب غرض و مقصد صحیح ہے، وہ الفاظ بولے گئے، اُنھوں نے معصیت شدید کو جائز ہی نہیں، عین طاعت بنادیا۔ تصدیق کی کسی آیندہ اشاعت میں ان شاء اللہ پورے الفاظ سیرۃ ابن ہشام، فتح الباری، وغیرہ کے حوالے سے نقل ہونگے ——— حیرت ہے کہ وقت کے بعض اکابر علماء کے بھی ذہن سے اس حقیقت کا ذہول ہوگیا کہ معصیت کا مفہوم تو خود اضافی ہے، کوئی معصیت شاید ہی ایسی نکلے جو ہر حال میں، ہر سیاق میں، بلا لحاظ ظرف و حال، معصیت ہی رہے۔ معصیت مختلف حالات کے ماتحت کبھی ایک شئ مباح ہوجاتی ہے، اور کہیں کہیں تو عین طاعت بن جاتی ہے۔ سوال یہاں صرف اصول کا ہے۔ زید، بکر، عمرو کے کسی متعین فعل پر بحث، کہ وہ اس قاعدہ کے تحت میں آتا ہے یا نہیں، بالکل علیحدہ ہے۔ مسائل کو صرف مسائل ہی کی حیثیت سے دیکھنا چاہیے۔ شخصیات کی بیزاری سے بالکل قطع نظر کرکے یا ایہا الذین آمنوا لا یجرمنکم شنآن قوم علی ان لا تعدلوا، اعدلوا ہو اقرب للتقویٰ۔ جادۂ عدل پر قائم رہنے کا حکم تو دشمنوں تک کے مقابلہ میں ہے۔

قیاس مع الفارق

ایک مخلص و ممتاز صاحب قلم صوبہ پنجاب سے لکھتے ہیں:—

"شیخ عبد اللہ صاحب پر آپ جو کچھ تحریر یا نقل فرماتے رہے، اُسے بالالتزام پڑھتا رہا۔ لیکن مجھے ایسا معلوم ہوا کہ آپکا طرز عمل لا تزر وازرۃ وزر اخریٰ سے متجاوز ہے۔ انبیاء کرام سے بڑھ کر تزکیۂ قلوب کا ضامن اور کون ہوسکتا ہے۔ لیکن حضرت لوطؑ کی اہلیہ اور حضرت نوحؑ کے فرزند کا معاملہ بالکل واضح ہے۔ کوئی شخص ان اولیاء حق عنہ کے منصب نبوت میں بیوی اور بیٹے کی بنا پر جرح و قدح کی جرأت نہیں کرسکتا"

لیکن حیرت ہے کہ ایک صریح فرق محترم مکتوب نگار کی نظر سے رہ گیا۔ ان مثالوں میں ان حضرات کرام کی رضا کو کسی درجہ میں بھی دخل تھا؟ رضا کیا معنی، اُنھیں تو اس صورت حال کا علم تک نہ ہونے پایا تھا۔ اور جب عین گرفت کا وقت آگیا، جب کہیں حضرت لوطؑ کو فرشتوں کی وساطت سے، اور حضرت نوحؑ کو براہ راست اسکا علم کرایا گیا! باقی عام زندگی ان دونوں انبیاء کی تو تمام تر اُس کفر و شرک کی مذمت ہی کے لیے وقف تھی، جسے ایک کی بیوی اور دوسرے کا فرزند اپنے دلوں میں چھپائے ہوئے تھے۔ ——— شیخ صاحب، ایک بار بھی اپنی بیزاری، بیزاری نہ سہی بے تعلقی، بے اختیاری ہی کا اعلان کردیں، جب بھی غنیمت ہے۔

سورۂ بقرہ رکوع ۱۴

(بسلسلۂ صدق ۱۱۵ و ماقبل)

(از عبد الماجد)

۱۱۵ و للہ المشرق والمغرب فاینما تولوا فثم وجہ اللہ، ان اللہ واسع علیم۔

اور اللہ ہی کا ہے مشرق (بھی) اور مغرب (بھی)، سو تم جدھر کو (بھی) منہ پھیرو، اُدھر ہی اللہ کی ذات ہے۔ اللہ بڑا وسعت والا ہے۔ اللہ بڑا علم رکھنے والا ہے۔

(بحیثیت مخلوق بھی اور بحیثیت مملوک بھی)۔ یعنی انہما ملکہ و خلقہ (ابن جریر) میں لام اختصاص کا ہے۔ نحو میں لام جارہ کی کئی قسمیں بیان کی گئی ہیں، ان میں سے ایک قسم لام اختصاص کی ہے۔ یعنی مشرق و مغرب بس اسی کے ہیں۔ اللام لام الاختصاص لہ ہو خالقہما و مالکہما (کبیر)

امت محمدیہ جو آپ ساری دنیا کے لیے امت عادلہ بناکر بھیجی جا رہی تھی لازمی تھا کہ اسکی مرکزیت و یکجہتی کے لیے ایک قبلہ بھی ہو۔ اور وہ قبلہ اب خانہ کعبہ مقرر ہو رہا تھا۔ اہل کتاب نے اس پر اعتراضات شروع کیے۔ یہ اعتراض و جواب اعتراض کی تمہید ہے۔

دونوں سمتیں، اور انھیں دو پر کیا موقوف ہے، ہر سمت حق تعالیٰ کے لیے یکساں ہے۔ وہ سب کا یکساں خالق ہے، مالک ہے، رب ہے۔ کسی خاص سمت میں کوئی خاص تقدس، کوئی شائبۂ الوہیت، کوئی شان حق تعالیٰ موجود نہیں۔

مذاہب شرکیہ کی تاریخ، انسانی حماقتوں، جہالتوں، وہم پرستیوں کی ایک مسلسل تاریخ ہے۔ ایک مشترک گمراہی تمام مشرک قوموں میں رہی ہے کہ خدا چونکہ جسم ہے اور مجسم ہے، اس لیے لازمی ہے کہ اسکی ہستی کسی نہ کسی متعین سمت یا جہت میں ہو۔ اور اسی لیے وہ سمت یا جہت مقدس ہے۔ مصری، ہندی، رومی، تمام مشرک قوموں نے خدا کو کسی نہ کسی جہت میں فرض کرکے خود اُس جہت کو مقدس مانا ہے۔ اور چونکہ سورج دیوتا کا مرتبہ مذاہب شرکیہ میں عموماً اہم و مقدم رہا ہے، اس لیے شاہ خاور کے طفیل میں سمت مشرق بھی عموماً مقدس سمجھی گئی، اور دنیا کے اکثر علاقوں میں پوجی رہی ہے!

مشرکوں ہی کے اثر سے یہ سمت پرستی کا شرک اہل کتاب میں بھی سرایت کرگیا تھا۔ اور مسیحی مذہب چونکہ بڑی حد تک ایک ورق الوقت رومی مذہب کا ضمیمہ بن گیا ہے، وہ تو کھلم کھلا مشرق پرستی میں مبتلا ہوگیا۔ یہود کہ انھیں اپنی توحید [illegible] پر ناز تھا، وہ بھی تمام تر محفوظ نہ رہ سکے، بلکہ اُنکے بعض فرقے مثلاً Essenes تو پوری طرح اس سمت پرستی میں پڑگئے۔

بعض قوموں نے مشرق کے جوڑ پر مغرب کے تقدس کا کلمہ پڑھنا شروع کردیا، مشرق، اُنھوں نے کہا اگر مظہر حیات ہونے کی بنا پر مقدس ہے، تو مغرب بھی تو مظہر موت و زوال ہونے کی بنا پر قابل حرمت ہے۔ فنا و زوال کا

مسئلۂ تکفیر کے بعض پہلو

(از: مولانا محمد شفیع صاحب۔ صدر مدرسۂ نظامیہ فرنگی محل، لکھنؤ)

صدق ملا۔ جلد ملا میں ایک شذرہ پر استدراک کے عنوان سے میری تحریر نقل کر کے اُس پر جو نوٹ آپ نے تحریر فرمایا ہے اسے دیکھ کر اطمینان ہوا کہ مسئلۂ عدم تکفیر میں دونوں قید دنی والا اختلاف بہت حد تک رفع ہو گیا۔ خدا کرے کہ مولانا گیلانی صاحب بھی پسند فرمائیں۔ ۹۹ احتمالات کفر والے قاعدہ کی امام صاحب کی جانب نسبت کے متعلق جو دریافت کیا گیا تھا اُس پر غالباً آپ نے اس لیے روشنی نہیں ڈالی کہ یہ نسبت مولانا گیلانی صاحب کے کلام میں تھی نہ کہ آپ کے کلام میں۔ غالباً مصنف اس جانب توجہ فرمائیں گے اور افادۂ عام کی غرض سے اس نسبت کی اصل حقیقت تحریر فرمائیں گے کہ اس نسبت پر ایک مشہور لکھنوی کی طرف سے جرح کی جا چکی ہے۔

قول و فعل کی تفریق کا سوال ننانوے احتمالات کفر والے قاعدہ کے سلسلہ میں اٹھا تھا کہ اس کا تعلق صرف قول سے ہے یا قول و فعل دونوں سے (فعل جو قول کے مقابل استعمال ہوتا ہے) اس کے لیے شرح فقہ اکبر کی جو عبارت آپ نے نقل فرمائی ہے جس میں "لم یصدر عنہ شئی من موجباتہ" کے لفظ "لم یصدر عنہ شئی" کی وسعت اور جامعیت کی جانب آپ نے توجہ دلائی ہے اس کا تعلق تکفیر سے ہے نہ کہ مسئلۂ عدم تکفیر سے۔ کیونکہ "لم یصدر عنہ شئی" "مالم یوجد" کے تحت میں ہے یعنی تکفیر نہ کی جائیگی تاوقتیکہ موجبات کفر میں سے کسی کا صدور نہ ہو۔ یعنی موجبات کفر میں سے کسی کا صدور تکفیر کا باعث ہوگا (مفہوم مخالف کا عدم اعتبار عند الاحناف نصوص کے ساتھ مختص ہے) پس اگر "صدور شئی" کی وسعت اور جامعیت تسلیم کر لی جائے تو مطلب یہ ہوا کہ اگر کوئی قول یا فعل موجبات کفر میں سے صادر ہو تو تکفیر کی جائیگی۔ پھر وہ ننانوے احتمالات کفر والا قاعدہ کہاں رہا

اصل یہ ہے کہ شرح فقہ اکبر کی یہ عبارت اور اسی قسم کی فقہاء کی دوسری عبارتیں ہی اس امر کو بتاتی ہیں (تاوقتیکہ اسکے خلاف صراحت نہ مل جائے) کہ ننانوے احتمالات کفر والا قاعدہ قول کے ساتھ مخصوص ہے۔ اور شرح فقہ اکبر کی اس عبارت میں اور اسی قسم کی دوسری عبارات فقہاء میں "صدور شئی" اپنے متعارف و متبادر معنی میں ہے۔ یعنے "ارتکاب فعل"۔ اس صورت میں وہ ننانوے احتمالات کفر والا قاعدہ بھی اپنی جگہ پر رہتا ہے اور ارتکاب فعل موجب کفر سے تکفیر کا قاعدہ بھی اپنی جگہ پر۔ یہ اُس شخص کے اعتبار سے ہے کہ جو ننانوے احتمالات کفر والے قاعدہ کو تسلیم کرتا ہے۔ ماننا ہے کہ فقہاء کا یہ مسلمہ قاعدہ ہے۔ ورنہ اس قاعدہ کو نہ ماننے والے کے اعتبار سے اس توجیہ کی ضرورت نہیں ہے۔ اور ننانوے احتمالات کفر والے قاعدہ کو پیش کرنے والے سے تھا کہ اس نے قول کے ساتھ فعل کو اس قاعدہ میں کس سند کی بنا پر بڑھا دیا۔ اس کے لیے یہ شرح فقہ اکبر کی عبارت کافی نہیں ہے۔ اُس سے بالکل ظاہر ہے کہ وہ قاعدہ عدم تکفیر کے متعلق ہے اور اس عبارت میں "لم یصدر عنہ شئی" کا تعلق تکفیر سے ہے۔ مقصود اعتراض نہیں ہے بلکہ اپنے علم میں اضافہ۔

مادہ کو قدیم ماننا کافر کر دیتا ہے" اسکے متعلق میں نے بالکلیہ انکار نہیں کیا تھا۔ عرض کیا تھا کہ "یہ بھی ذرا محل نظر ہے"۔ اب محل نظر ہونے کی وجہ سنیے۔ محدثین اور صوفیائے کرام قدم نوعی کے قائل ہیں مولانا بحر العلوم شرح فقہ اکبر میں تحریر فرماتے ہیں (مطبوعہ مجتبائی لکھنؤ، صفحہ ۳۰)

"بدانکہ در حدوث عالم سہ مذہب است۔ حکماء میگویند (الیٰ ان قال) ...... و جمہور متکلمین بحدوث از حدوث نوعی و علمائے حدیث و صوفیۂ صافیہ کثرہم اللہ تعالیٰ قائل بقدم نوعی گشتہ اند"

اور قدم نوعی مستلزم قدم مادہ ہے۔ پھر عقیدۂ حدوث مادہ کو ضروریات دین میں سے قرار دے کر قدم مادہ کے ماننے والے کی تکفیر کس طرح کی جا سکتی ہے کہ ان دونوں طبقوں کے مسلک کا اعتبار کرتے ہوئے حدوث مادہ کے عقیدہ کا ضروریات دین میں سے ہونا ہی مشتبہ ہو گیا۔ علاوہ ازیں کیا ان اکابر کی تکفیر کی جرأت کی جا سکتی ہے۔ غالباً اسی لیے مولانا بحر العلوم نے شرح فقہ اکبر میں جہاں تکفیر کے سلسلہ میں آکر اس مسئلہ کا ذکر کیا ہے وہاں قدم کو شخصی سے مقید کر دیا ہے اور قدم شخصی کے انکار کو کفر قرار دیا ہے۔ تحریر فرماتے ہیں

"بدانکہ ماؤل آیات علم الٰہی بعموم اشیاء و قائل قدم شخصی و ماؤل آیات حشر اجساد کافر است چہ آیات علم الٰہی و حشر اجساد قطعی الدلالۃ اند و قابل تاویل نیست و قائل قدم شخصی خارق اجماع است"

اور ظاہر ہے کہ مادہ (من حیث مادہ) امر شخصی نہیں ہے بنا بریں مناسب یہی ہے کہ شرح مقاصد کی پیش کردہ عبارت میں اور دوسری عبارتوں میں قدم عالم سے قدم شخصی مراد لیا جائے تاکہ ان اکابر کی تکفیر بھی لازم نہ آسکے۔ اور دلیل دعوے پر منطبق ہو جائے۔ کیونکہ جو دلیل ہے اُس سے قدم نوعی کا موجب کفر ہونا ثابت ہی نہیں ہوتا۔ اس لیے قدم مادہ کے قائل کی تکفیر محل نظر ہوئی۔ اور اس سلسلہ میں جو عبارتیں آپ نے پیش کی ہیں اُس سے محل نظر ہونا دور نہیں ہوتا۔

صدق۔ فقہ، کلام و اعتقادیات کے باریک جزئیات پر تفصیلی بحث و تدقیق صدق کے موضوع سے خارج ہے۔ آئندہ براہ کرم کوئی صاحب اس بحث پر قلم اُٹھانے کی زحمت گوارا نہ فرمائیں۔

دعائے صحت

حضرت مولانا سید محمد عبد العزیز صاحب خطیب الحاج چھاونی لاہور ۱۲ جولائی سے سخت بیمار ہیں۔ پشت پر شدید قسم کا خطرناک پھوڑا کاربنکل نکلا ہوا ہے۔ دو دفعہ اپریشن بھی ہو چکا۔ حالت سخت کمزور ہو چکی ہے۔ قارئین کرام و احباب کی خدمت میں درخواست دعا ہے۔ والسلام منظور احمد از جامعہ [illegible]

مسئلہ تکفیر و تفریق پر ایک نظر

(۴)

از جناب مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی شیخ الحدیث جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن

مذموم اختلافات قرآن کا نام تفرق اور فرقہ بندی کرنے والا اختلاف ہے، ورنہ صرف اختلاف تو انسان کی فطرت کا نتیجہ ہے، خود عہد صحابہ میں اس اختلاف کو پاتے ہیں اور اچھے پیمانے پر پاتے ہیں، لیکن اس اختلاف کے باوجود ان میں سے کسی نے اپنے بھائی کو دوسرے کے دین سے جدا نہ کیا۔ ان ہی کی تربیت و تعلیم کا نتیجہ ہے کہ مسلمان بعد کو بھی جیسا کہ ملا علی قاری نے لکھا ہے،

علماء الامة کانوا یصلون خلف الفسقة واہل البدعة

علمائے امت فاسقوں اور بدعت والوں کے پیچھے نماز پڑھتے رہتے ہیں۔ شرح فقہ اکبر [illegible]

نووی نے بھی روضہ میں اسی تاریخی بیان کی توثیق کی ہے:

لم یزل السلف والخلف علی الصلوٰة خلف المعتزلة وغیرہم ومناکحتہم واجراء احکام الاسلام علیہم (فتح المغیث [illegible])

معتزلہ اور ان کے سوا دوسرے فرقوں کے پیچھے سلف اور خلف نماز پڑھنے کو ہمیشہ جائز ٹھہراتے رہے ہیں اور یہ کہ ان لوگوں سے شادی بیاہ کا تعلق قائم کرنا جائز ہے، اور ان پر اسلام کا حکم جاری رہے گا۔

لیکن اسلام کا اگر یہ معجزہ ہے کہ انسانیت کے اتنے عظیم حصہ کو یعنی پچاس سے ستر کروڑ کی آبادی کو ایک نقطہ پر جمع کرنے میں وہ کامیاب ہوا ہے تو پروپیگنڈے کے اس جادوگری کی قوت کا بھی انکار نہیں کیا جا سکتا کہ غیر تو غیر خود مسلمان مسلمانوں کے علماء ان کے لیڈر، سربرآوردہ مسلمانوں کی فرقہ بندیوں پر جو تالیاں پیٹتے رہتے ہیں، سن کر کسی بات کو دہرانے سے پہلے ذمہ داری کا اقتضاء تو یہ تھا کہ اپنی آنکھوں سے بھی دیکھنے کی تکلیف گوارا فرماتے۔ میں آپ سے کیا عرض کروں، سیاسی اقتدار کے طوفان کے ساتھ مختلف ذہنی و عقلی مباحث کے جوش و نمائش مسلمانوں کے گھروں میں پھیل گئے۔ اس وقت کی افراتفری میں کوئی شبہ نہیں، کہ ہر گھر سے کچھ دن کے لیے نئی آواز آنے لگی تھی، کہیں فرشتوں کا انکار ہو رہا تھا، مسلمانوں کی جنت ڈھائی جا رہی تھی، جہنم کو بیابان دکھائی جا رہی تھی، غلامی کا انکار ہو رہا تھا، تعدد ازدواج کو قرآن سے لوگ غلط ثابت کر رہے تھے، قبر کے عذاب و ثواب کا مضحکہ اڑ رہا تھا، کہیں فقہ کا کہیں حدیث کا، کہیں قرآن کے بڑے حصہ کو ناقابل عمل ٹھہرایا جا رہا تھا، الغرض جو کچھ ہو رہا تھا وہ آپ کے اور ہمارے سامنے ہو رہا تھا۔ لیکن مسلمانوں کے فہم عامہ کی فطری صحت و سلامتی کو دیکھیے کہ زیادہ دن تک وہ اس حال پر اپنے آپ کو باقی نہ رکھ سکے، بھانت بھانت کی ان بولیوں کا یا تو خاتمہ ہو چکا ہے، یا اگر کہیں ہے بھی تو اس کی حیثیت کسی فرقہ کے خیال کی نہیں، بلکہ شخصی آراء کی ہے، اور سیاسی ہوسناکی کے زمانہ کی اس مذہبی دیوانگی میں جو اختلافات پچھلے دنوں مسلمانوں میں کچھ دن کے لیے پیدا ہو گئے تھے، تو جہاں تک میں نے غور کیا ہے زیادہ تر ان اختلافات کا تعلق بھی غیر تمدنی امور ہی سے تھا۔ آخر اس قسم کے مسائل کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم جیسی ہستی کے پیدا کرنے پر خدا قادر ہے یا نہیں[1]۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے جن غیبی امور کی مثلاً حشر کی، نشر کی، عذاب قبر وغیرہ کی خبر دی ہے، ان کے اعتبار سے آپ کو عالم الغیب کہنا چاہیے یا عالم بالغیبات؟ کیا میلاد کی محفلوں میں ذکر ولادت النبی صلی اللہ علیہ وسلم کے وقت قیام کرنا جائز ہے یا نہیں۔ از قبیل دیگر مسائل۔ نہایۃ العقول میں رازی نے خوب لکھا ہے

المسائل التی اختلف فیہا اہل القبلة لا یخلو اما ان یتوقف صحة الدین علی معرفة الحق منہا او لا یتوقف والاول باطل اذ لو کانت معرفتہا من الاصول من الدین لکان من الواجب علی النبی صلی اللہ علیہ وسلم ان یطالبہم بہذہ المسائل ویبحث عن کیفیة اعتقادہم فیہا فلما لم یطالبہم بہذہ المسائل بل ما جری ذکر فی زمانہ ولا فی زمان الصحابة ولا التابعین علمنا انہا لا یتوقف صحة الاسلام علیہا۔

اہل قبلہ کا جن مسائل میں اختلاف ہے وہ یا ایسے ہوں گے یا ایسے ہوں گے کہ ان میں جو پہلو حق واقع میں ہے اس کے جاننے پر مسلمانوں کا دین موقوف ہوا یا موقوف نہ ہوگا۔ پہلی شق تو اس لیے غلط ہے کہ اگر دین اس پر موقوف ہوگا تو پیغمبر پر واجب تھا کہ مسلمانوں سے ان مسائل کے ماننے کا مطالبہ فرماتے اور پوچھ کیفیت ان کی جانچتے۔ مگر جب کہ پیغمبر نے ان مسائل کے ماننے کا مسلمانوں سے مطالبہ ہی نہیں کیا ہے بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانے میں ان کا ذکر تک نہیں پایا گیا، اور نہ آپ کے صحابیوں کے زمانے میں۔ یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ان مسائل کے جاننے یا ماننے پر آدمی کے اسلام کی صحت موقوف نہیں ہے۔

اسلامی اقتدار کے سیاسی سقوط کے بعد بلاشبہ ہندوستان میں ایک اختلاف ایسا ضرور رونما ہوا تھا جس کی اسلام کے "البینات" پر زد پڑتی ہے، میری مراد قادیانی تحریک سے ہے، ایک جدید نبوت، جدید وحی کا دعویٰ پیش کر کے اسلام کے اس "البینة" یعنی نبوت کا دروازہ ہمیشہ ہمیشہ کے لیے بند ہو گیا۔ وحی کسی پر نازل نہ ہوگی، نبوت ختم ہو چکی ہے۔ تحریک اٹھائی گئی، کہ اسلام کو بھی ادیان سابقہ کی طرح پرانے دینوں، پرانی نبوتوں، پرانی دعوتوں میں شریک کر کے، ایک نئے نبی، نئے دین کی تحریک چلائی جائے، مسلمانوں کو بجائے تازہ امت، نئی قوم کے، پرانی فرسودہ امم بائدہ میں شریک کر دیا جائے۔ بلاشبہ یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو تخت نبوت سے اتار کر دوسروں کو بٹھانے کی کوشش ہے۔ شاید اس سے زیادہ خطرناک فتنوں سے بھری ہوئی تحریک اسلام میں کبھی اٹھی ہو، یہ کھلا ہوا دین محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) سے ارتداد و قطعی ارتداد ہے۔ جس کا ازالہ [illegible]

[1] خدا نے چونکہ خبر دی ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم خاتم النبیین بنائے گئے ہیں، اب اگر آنحضرت کی نظیر خدا پیدا کرے گا تو اس کی خاتمیت باطل ہو جائے گی اس لیے امکان و امتناع کذب کا مسئلہ پیدا ہوا۔

یہ اسلام کے بیّنہ البیّنات کا انکار ہے، اور نبایت بیہودہ انکار۔ اسلام کو بجائے ایک تازہ دین و مذہب کے پرانے فرسودہ ادیان پارینہ کی صف میں ڈھکیل دینے کی ناپاک کوشش ہے۔ ایک لمحہ کے لیے اس اختلاف کے ساتھ کسی قسم کی کوئی رواداری کسی زمانہ میں بھی جائز نہیں ہو سکتی۔ ورنہ اس خبیث تحریک سے اگر قطع نظر کرلیا جائے تو عہد ملکوکیت کے اختلافات جن میں بحمد اللہ بہت بڑے حصہ کا اجتماعی حیثیت سے خاتمہ ہو چکا ہے اب بھی مسلمانوں کی سترکروڑ کی تعداد کی اکثریت غالبہ تا ہنوز ایک ہی اہل سنت والجماعت کے فرقہ کی شکل میں پائی جا رہی ہے، اور اس کی خرد بندیوں کی داستان صرف ایک داستان ہے۔ تقفد

(بقیہ صفحہ ۵)

قانتون اسے منقادون لا یمتنع شئی منہم علی تکوینہ وتقدیرہ ومشیتہ (کشاف) منقادون لا یمتنعون من مشیتہ وتکوینہ (بیضاوی) اور قنوت کے یہ تینوں معنی ہی لیے گئے ہیں کہ وہ جسم کی شہادت کے زبان حال سے اللہ کی عبودیت و طاعت کا اقرار کیا جائے۔ والاولی حمله علی القنوت الطاعة والاقرار بلله عزوجل بالعبودیة بشهادة اجسامهم (ابن جریر)

بڑی یا چھوٹی کس مخلوق کی مجال ہے، جو اللہ کے بتائے ہوئے ان اطوار کے علاوہ کوئی قسمت اپنے لیے پیدا کرسکے؟ اللہ کی مقرر کی ہوئی فضاء کائنات سے باہر کوئی مقام اپنے لیے تلاش کرسکے؟ اللہ نے جو حدود زمان و مکان کے ٹھہرا دیے ہیں، ان سے قدم باہر نکال سکے؟ اس کے نفس کیے ہوئے قانون حرارت و رطوبت سے بے نیاز رہ سکے؟ اس کے باندھے ہوئے قانون کشش اجسام سے بغاوت کرسکے؟ چھوٹے سے چھوٹے موجد، بڑے سے بڑے صناع کا کمال اس کے سوا کیا ہے، کہ اس نے خدائی نظام تکوینی کے تماثیل اور تجاربوں کی مزاج شناسی میں کمال پیدا کرلیا ہے، اور مسبب الاسباب کے حضور میں دوسروں سے بڑھ کر بندۂ قانت ہے؟

مراسلہ — مژدۂ جانفزا

الحمد للہ برادری اور مقامی اہل خیر بزرگوں کے تعاون سے مدرسہ جھنڈے نگر کے لیے کرایہ کی آمدنی کے دو مکان ایک ہزار آٹھ سو پچیس روپیہ کی لاگت سے تیار ہو گئے ہیں۔ اگست ۵۲ء سے ۳۰ روپیہ ماہوار کی آمدنی انشاء اللہ ہوگی۔ اس صدقۂ جاریہ کے ثواب میں اصحاب خیر جیسی جیاجیا کے ساتھ ہمارے دو کرم فرما گمنام مسلم صاحب بھی شریک ہیں جنھوں نے سو روپیہ کی یکمشت امداد دی۔ نیز مخدومی مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی مدظلہ اس مدرسہ کو عطا فرمائی ہے۔ جزاہم اللہ تم جزاہم اللہ

اب تو خریدگی میں جھنڈے سے افتادہ زمین ابھی باقی ہے۔ جو نئے بازار سے اور مدرسہ سے بالکل متصل ہے۔ اصحاب خیر توجہ فرما کر حوصلے مطابق امداد کرکے ثواب حاصل کریں۔

پتہ:- نائب ناظم (مولانا) عبد الرؤف خاں۔ مدرسہ سراج العلوم۔ جھنڈے نگر ڈاکخانہ شہرادت گنج۔ ضلع بستی۔

تعزیت نامے

(۵)

مشہور مزاحیہ نویس شوکت تھانوی صاحب لاہور سے لکھتے ہیں:

"میں نام کا تھانوی ہوں، حضرت مولانا علیہ الرحمۃ سے یہی نسبت رکھتا ہوں۔ لیکن تعزیت کر رہا ہوں ایک دریاباد سے۔ دل کی کوئی وجہ ہوگی جو آپ بھی جانتے ہیں اور میں بھی۔ میں نے تعزیت نامہ ــــ صاحب کو لکھا، نہ کسی دوسرے تھانوی عزیز کو۔ دل چاہتا ہے کہ تعزیت صرف ان بزرگوں سے کروں، خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب اور آپ سے۔ انکا پتہ نہیں معلوم۔ اس لیے آپ ہی کو لکھ رہا ہوں۔ اس قسم کے موقعوں پر جو کچھ کہنے کو جی چاہتا ہے وہ کہا نہیں جاسکتا پھر یہ بھی تو فیصلہ نہیں ہو سکتا کہ میں کس سے ہمدردی کیوں کروں جبکہ خود ہمدردی کا مستحق ہوں۔ آپ کی طرف ذہن منتقل ہوا اور دل چاہا کہ لکھ دوں،

تو ہائے گل پکار میں چلاؤں ہائے دل!

مگر اس چیخ پکار کی ضرورت۔ مگر ہم دونوں کو پیچھے چھوڑے جا رہی ہے۔ پھر بھی یہ معلوم ہوتا ہے، کہ کچھ کھو گیا ہے، جسے ڈھونڈنا چاہتے ہیں۔

کلام پاک کا انگریزی ترجمہ

مولانا عبد الماجد صاحب دریابادی کی ہستی ہندوستان کے علمی طبقہ میں محتاج تعارف نہیں۔ آپ کا شمار اپنی دینی خدمات کے لحاظ سے کی ممتاز ہستیوں میں ہے۔ مولانا موصوف قرآن پاک کے انگریزی ترجمہ میں ایک عرصہ سے منہمک تھے ہمیں یہ معلوم کرکے مسرت ہوئی کہ تاج کمپنی لاہور نے آپ کے ترجمہ کا پہلا پارہ بطور قسط اول شائع کیا ہے۔ کاغذ مناسب ہوتا اگر زیادہ دقت و دشواری نہ پیش آئی تو امید کی جاتی ہے کہ ہر ماہ ایک پارہ شائع ہوتی رہیگی۔ ترجمہ میں اسکا خاص خیال رکھا گیا ہے کہ قرآن کا کوئی لفظ تاکہ کوئی حرف بغیر ترجمہ نہ رہ جائے۔ حواشی میں انگریزی خواں مغربی تعلیم یافتہ گروہ اور مغربی دنیا کو خصوصیت سے پیش نظر رکھا گیا ہے اور یورپ کے علماء و محققین کے حوالجات بکثرت پیش کیے گئے ہیں اور اسلام پر جو اعتراضات مستشرقین نے کیے ہیں ان کے جوابات دیے گئے ہیں اور جا بجا اسلامی تعلیمات کا تقابلی جائزہ بالخصوص مذہب موسوی و عیسوی سے کیا گیا ہے، جو ہر لحاظ سے قابل مطالعہ ہے۔ مشتاق حق انگریزی خواں طبقہ کے پیش نظر یہ اہم ترجمہ رہنا چاہیے۔ تاج کمپنی لاہور نے اسکا ہر ایک پارہ علیحدہ شائع کیا۔

(منسلہ حرم - میرٹھ)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر دفتر صدق سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ جانا یہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد- ضلع بارہ بنکی

نائب:- (حکیم) عبدالقوی- بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

جملہ امور متعلق اشاعت کے لئے (اس پتہ پر ہو)

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق

ارشد آباد پیلس- گولہ گنج- لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ

ششماہی ۔۔۔

بیرون ہند سے سالانہ ۔۔ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ ر

صدق

نمبر ۱۷ | دوشنبہ ۲۱ شعبان المعظم ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۳ اگست ۱۹۴۳ء | جلد ۹

مجددِ ملت

(مولانا عبدالباری صاحب ندوی استاد جامعہ عثمانیہ دکن کے تاثرات)

کیا عرض کروں! حضرت رحمہ اللہ کا سانحۂ رحلت ساری امت کا سانحہ ہے- نافلہ یہ تھا- لیکن سب سے زیادہ محتاج تعزیت امت کا شاید یہ سب سے ناکارہ نام لیوا ہے، جو قدم قدم پر دستگیری کا محتاج وطالب رہتا تھا۔۔۔ عفنا اللہ عنہ حسنتہ"

"زخرف القول" اور "ظن وخرص" کی گرم بازاری نے "صدق وعدل" ایمان وعمل کی راہوں کو ایسا تاریک بنا رکھا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے اگر محض اپنے فضل ــــــ سے حضرت کی علم وحکمت، فہم وفراست، نگرو بصیرت، صلاح وتقویٰ، تعلیم وتربیت، خیرخواہی وشفقت کی جامع اور مصالح ومفاسد پر نظر رکھنے والی "مجدد وقت" ۔۔۔ ذات کے قدموں تک نہ پہونچا دیا ہوتا، تو میرے جیسے بے بصر وبے بصیرت کی "ضلالت وانتزا" سے نجات دشوار تھی-

۱۵، ۱۶ سال کی سالانہ حاضریوں، ہفتوں اور مہینوں کے قیام، خلوت وجلوت کی صحبتوں، مختلف مسائل ومعاملات پر مسلسل مکاتبت اور اصلاح وتربیت کے تعلق؛ تجربہ کی آنکھوں نے جو کچھ بھی تھوڑا بہت دیکھا اور پایا، اس نے بحمداللہ حضرت کے مجدد ہونے میں کسی وسوسہ کی گنجائش نہیں چھوڑی- پھر ختم نبوت کے بعد دین کے مختلف گوشوں میں جو خلل وفساد واقع ہو ـــ اور ہونا ناگزیر ہے ـــ اسکے رفع کے لیے نبی تو آ نہیں سکتا- لہذا دین حق کی بازیافت کا راستہ مجدد وقت کی یافت واتباع کے سوا رہی کیا جاتا ہے- شاہراہ یہی ہے- جزئیات میں البتہ وہ بھی خواص بلکہ اخص الخواص کے ۔۔ اجتہادی اختلافات کی گنجائش ہمیشہ رہ سکتی ہے، مگر اسکے لیے اصلاح وتجدید کے الگ الگ کیمپ کھڑے کرنے کی مطلق حاجت نہیں-

چھوٹے بڑے مختلف سوراخوں سے اصل دین میں جتنے فسادات راہ پاگئے تھے، اللہ تعالیٰ نے حضرت کے قلم تجدید سے سب کا سد باب فرماکر دین کو ترو تازہ اور موبت کو تمام فرما دیا ہے- اب امت محمدیہ (علیہ التحیۃ والتسلیم) خصوصاً اسکے علماء وصلحاء کا کام تھا اور ہے کہ وہ اس وارث نبوت کی میراث علم کے مطالعہ سے اس حقیقت کو پہچانیں، اور امت کو متنبہ ہوا کی گرفت سے چھڑانے کی سعی فرمائیں، ورنہ اگر ڈیڑھ اینٹ کی مسجدوں کا اسی طرح دور دورہ رہا تو اختلاف وتفرق کا انجام کسی کی آنکھوں سے چھپا نہیں! الا ان سیدنا الکبد! کاش امراء ۔۔۔ یاتی اللہ بقوم یحبہم ویحبونہ-

اس ہیچمداں کے تاثرات ہی کیا اور انکا حاصل ہی کیا- البتہ کبھی کبھی مختصراً حضرت کے مقام تجدید کے اعلام کا جی چاہتا ہے لیکن "خوف ضرر" کی وبا کا ہر سمت ایسا زور ہے کہ اخبارات ورسائل کے اکھاڑے میں جھانکنے کی بھی ہمت اس کم ہمت کیلیے مشکل ہے- اس نقار خانہ میں معقولین کے ساتھ وہ بھی اس گمنام کے نام سے اصلاح واستناع کی کیا امید! تاہم اگر طبیعت آمادہ ہوئی اور کچھ بن پڑا اور صدق کے لائق ہوا، تو انشاء اللہ امتثال امر ہوگا-

[...] حضرت علامہ مرحوم کی [...] علیحدہ
ہو سکے تو آپ اپنے قلم سے چند سطر علیحدہ جلد
تحریر فرما دیں۔ عین نوازش ہوگی۔"

یہ خط بطور نمونہ کے درج کیا گیا۔ لکھنؤ، حیدرآباد، امروہہ وغیرہ سے متعدد فرمائشیں وصول ہو چکی ہیں، ناشرین کی طرف سے بھی، اور عام صدق خوانوں کی طرف سے بھی کہ حضرتؒ کی سوانح عمری یا تاریخ مبسوط جلد سے جلد اپنے قلم سے لکھیے۔ جواب میں عرض ہے کہ اسکے لیے اچھا خاصا وقت نکالنے کی ضرورت ہے، اور اس سے تفسیر کے کام، صدق کی ادارت، اور دوسرے ناگزیر مشغلوں کے ہوتے ہوئے بالکل معذوری ہے۔ اس لیے مستقبل قریب میں اسکی امید ہرگز نہ قائم کی جائے۔ البتہ خود صدق ہی میں ان شاء اللہ عنقریب ایک سلسلۂ مضامین اپنے ذاتی تاثرات و مشاہدات کا شروع ہوگا "محمد علی، ذاتی ڈائری" کے انداز پر، جو سچ کے صفحات میں مدتوں نکلتی رہی۔ اور یہی مضامین ممکن ہے آخر میں کتابی صورت اختیار کر لیں۔ باقی یوں حضرتؒ کی ایک مکمل سوانح عمری وقت وفات سے شاید چار ہی چھ سال قبل کے خاتمہ کی، 'اشرف السوانح' کے نام سے تین جلدوں میں، خواجہ عزیز الحسن غوری بی اے، مجذوب، پنشنر انسپکٹر آف اسکولز کے قلم سے موجود ہے۔ اور خواجہ صاحب سے بڑھ کر اب بھی کسی کو حق اس موضوع پر قلم اٹھانے کا نہیں ہے۔

سود کی حرمت

"ساہوکار ملک کے طول و عرض پر بلائے عظیم کی طرح چھائے ہوئے ہیں۔ ہندوستان میں انگریزی انصاف کی عدالتیں فیصد سالی صد، سو دن ہیں اور اسکیں، روپیہ وصول کرکے دیتی ہیں۔ جسکا نتیجہ یہ ہے کہ اس ملک کا زمیندار مہاجنوں کی لوٹ کھسوٹ کا نشانہ بنا ہوا ہے اور اسکا کچھ مر مٹ رہا ہے۔ شرح سود کی حد بندی بالکل بے معنی ہے کیونکہ مہاجن جو رقم کسی کو دیتے ہیں اس سے کئی گنا زیادہ تمسک پر لکھوا لیتے ہیں۔ اس لوٹ کھسوٹ کے انسداد کی صورت ایک اور صرف ایک ہے، اور وہ یہ ہے کہ سودی کاروبار کو ہندوستان کے طول و عرض میں خلاف قانون قرار دیا جائے۔"

یہ رائے کسی اور کی نہیں۔ سر ڈگلس ینگ کی ہے، سابق جج ہائیکورٹ الہ آباد، جو ابھی چند روز قبل پنجاب ہائیکورٹ کے چیف جسٹس تھے! سودی معاملات کا، سودی پیچیدگیوں کا تجربہ ان سے بڑھ کر کس کو ہوگا؟ سودی مقدمے ان سے زیادہ کس کے سامنے پیش ہوئے ہونگے؟ سود کے ساتھ ہمدردی نہ ہونے کی انہیں شخصی، قومی، تعلیمی، تہذیبی کسی بنا پر بھی کوئی وجہ کیا؟ بالفعل وہ جو کہہ رہے ہیں، ہر تدبیر و کوشش کی ناکامی، تحدید شرح سود کی بے اثری کے طویل تجربہ کے بعد اپنے کو یہ کہنے پر مجبور پا رہے ہیں کہ شرح سود کے گھٹانے سے کچھ نہیں ہونے کا۔ دنیا کو اس لعنت سے اگر بچانا ہے تو اسکا طریقہ بس یہی ہے کہ نفس سود ہی کو ممنوع قرار دے دیا جائے! ترقی و روشن خیالی کا نام لے کر وہ سود کی ترویج و تبلیغ نہیں کر رہے ہیں۔ "سود مند" کانفرنسوں کی طرح نہیں بلکہ الٹے ہیں، اُلٹا سود کو حرام قرار دینے کے لیے زور لگا رہے ہیں!

نیا مینا بازار

"سر رشتۂ معلومات عامہ کی ایک اطلاع سے واضح ہے کہ مملکت حیدرآباد کی گرل گائڈ کا دستہ، خیراتی امور اور سرمایۂ جنگ کی امداد کے لیے" بعض مقررہ تواریخ میں مدرسہ محبوبیہ نسواں میں ایک مینا بازار لگا رہی ہے۔ یہ بازار تین روز تک لگیگا۔ آئندہ جمعہ کو اس بازار کا پہلا دن ہوگا۔ اور اس روز "پردہ کا اہتمام نہ ہوگا"۔ ہفتہ کو پردہ کے انتظام کے ساتھ ہوگا اور پھر ایک روز کے وقفہ کے بعد دوشنبہ کو بچوں اور پردہ نشینوں کے لیے مخصوص رہیگا۔"

جس مینا بازار میں فلاں فلاں دن پردہ کا اہتمام نہ ہو، یعنی مردوں کو بھی اس میں آنے جانے، چلنے پھرنے کی آزادی حاصل ہو، اسکے اخلاقی اور دینی پہلوؤں پر گفتگو تو دکن کے اسلامی روزناموں اور اسلامی مجلسوں پر چھوڑیے۔ یہاں گزارش صرف اس قدر ہے کہ ایسے بازار پر "مینا بازار" کا اطلاق ہی کب جائز ہے؟ —— اردو زبان میں اب تک "مینا بازار" کے صرف دو ہی مفہوم تھے۔ ایک یہ کہ وہ مخصوص بادشاہ کی سیر کے لیے لگایا جائے۔ گویا اس معنی میں وہ مرادف ہے "شاہی میلہ" کا۔ اور دوسرا مفہوم یہ کہ وہ خالصۃً عورتوں ہی کا بازار ہو، گویا "زنانہ میلہ" کا مرادف۔ اور یہی معنی اسکے عام طور پر چلے ہوئے ہیں۔ نیّر کے ضخیم و مستند اردو لغت نور اللغات، اور جلال کے سرمایۂ زبان اردو میں سوا انکے کوئی تیسرے معنی درج نہیں۔ اب اگر "مینا بازار" بول کر مردوں کی آمد و رفت جائز رکھی جا سکتی ہے، تو کیوں نہ "زنانہ کالج" بول کر اس میں لڑکوں کا داخلہ، اور "زنانہ کمپارٹمنٹ" کا لیبل لگا کر اس میں مردوں کا سفر بے تکلف جائز رہے؟

شر میں خیر

"حالت یہ ہے کہ جہاں پچاس روپیہ کی آمدنی ہے، وہاں بھی ایک ماما اور ایک چھوکرا ضرور ہوگا۔ آخر کیوں؟ اپنے ہاتھوں کام کرنے میں کیا عیب ہے، خود کام کرکے تو دیکھیے۔ جتنا وقت نوکروں سے سر کھپانے میں ضائع ہوتا ہے، اس سے آدھے میں سارا کام ہو جائیگا۔ گھر پہلے سے دوگنا صاف نظر آئیگا، اور صحت یقیناً بہتر ہو جائیگی۔۔۔۔۔

سنگھاری اشیاء کا استعمال بھی آجکل بہت ہو گیا ہے۔ کریم، پوڈر، لپ اسٹک، اب سب ہی استعمال کرتے ہیں۔ جلد نرم کرنے کے لیے پہلے بیویاں روغن بادام لگاتی تھیں، یا صرف بادام پیس کر لگاتی تھیں۔ معمولی سرسوں کا تیل تک جلد کو نرم کر دینے کے لیے استعمال کیا جاتا تھا۔ پوڈر کا بدل تجویز کرنے میں قاصر ہوں۔ صرف یہ کہہ سکتی ہوں کہ کم لگائیے اور کم سے کم دفعہ لگائیے۔ ویسے بھی زیادہ پوڈر جلد کے لیے بہت نقصان دہ ہے۔ کئی کئی دفعہ صابن سے منہ دھونا بھی جلد کے لیے مضر ہے۔ اسکے بدلے بیسن سے دھوئیے جو مفید بھی ہے۔ اگر زردی یا

تقریر تعزیت

(از مولانا سید مناظر احسن گیلانی، صدر شعبہ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

...... یادگار ہندی مسلمانوں کے دین کا، ایمان کا، علم کا، اخلاص کا، سلامتی فہم، اصابت رائے کا جو آخری نمونہ تھا، آہ کہ وہ ہم سے جدا کر لیا گیا

ایتہا النفس اجملی جزعا
ان الذی تحذرین قد وقعا

واقعہ ناگزیر پیش آ ہی گیا۔ اگرچہ اب کی حیدرآباد سے یہ خیال لے کر دیوبند گیا تھا کہ مجلس شوریٰ سے فارغ ہونے کے بعد ہندوستان کے چودھویں صدی کے "پیر مجیب" کے قدموں کے چومنے کا شرف حاصل کروں گا لیکن دہلی پہنچنے کے بعد معلوم ہوا کہ ایا نیوں کا وہ "محبوب" تقریباً ایک ہفتہ سے "محبوب اعظم" میں مستغرق ہے۔ نواب عبد الباسط خاں صاحب (سابق صوبہ دار حکومت آصفیہ و ناظم عدلیات) جو وظیفہ حسن خدمت پا رہے ہیں اور مجلس شوریٰ دار العلوم کے رکن ہیں۔ وہ ہم سے پہلے دلی پہنچ چکے تھے۔ اور دلی سے وہ سیدھے تھانہ بھون تشریف لے گئے تھے ان ہی سے تفصیلاً معلوم ہوا تھا کہ حضرت والا پر استغراق کی حالت طاری رہی ہے۔ نواب صاحب نے کسی نہ کسی طرح جمال جہاں آرا سے سعادت اندوزی کا آخری موقع حاصل کر لیا تھا فرماتے تھے کہ گاؤ تکیہ سے لگے ہوئے، دونوں ہاتھ زمین ٹیک لگائے آنکھیں بند کئے ہوئے پلنگ پر تشریف فرما تھے۔ سامنے ایک کرسی پر نواب صاحب بیٹھ گئے۔ بند آنکھ والے قدسی چہرے پر نواب صاحب کی آنکھیں جمی ہوئی تھیں، کہ اچانک بند آنکھیں کھل گئیں۔ اور جسے سمجھا جاتا کہ بیہوشی کی حالت میں ہیں۔ مولوی عبد الباسط خاں کی طرف خطاب کرکے "اہاہ نواب صاحب کب تشریف لانا ہوا۔ خیر و عافیت تو ہے" جواب میں صرف یہ کہہ سکے کہ بحمد اللہ اچھا ہوں۔ حضرت کی قدم بوسی کو آ گیا تھا، کہ پھر وارفتگی کا جھونکا آیا۔ کھلی آنکھ پھر بند ہو گئی۔ چند منٹ گزرے تھے کہ پھر حرکت اٹھی۔ اور یہی وہ کہتے تھے دیر تک دار العلوم دیوبند اور اس کے نصب العین، طریقۂ عمل، موجودہ حالات کی تفصیلات کے ساتھ حالیہ پیچیدگیوں کے سلجھانے کے متعلق حضرت والا نے جو کوششیں فرمائی تھیں وہ سب بیان فرمائیں۔ کامل بیداری دماغ کے ساتھ معاملہ کے ایک ایک پہلو پر گفتگو فرمائی۔ مہتمم صاحب دار العلوم مفتی مولنا محمد طیب صاحب جو حضرت والا کے مسترشدین میں ہیں انکے نام پیغام دیا۔ بیچ میں بعضوں کی طرف سے اس مسئلہ کے متعلق کچھ سوال و جواب کا سلسلہ بھی چھڑا۔ تشفی بخش دیں اپنے خاص با معمول الاشرف طریقے سے اسکا جواب عنایت فرمایا گیا۔ اور پھر آنکھیں بند ہو گئیں۔ مولوی عبد الباسط خاں صاحب اٹھ کر چلے آئے۔ دلی میں مجھ سے یہ حالات بیان کئے۔ اسی وقت خطرہ ہوا کہ خطرہ کی گھنٹی بج رہی ہے۔ تاہم یا وجود مجلس یہ امید پیدا ہو گئی کہ زیارت و قدم بوسی سے شاید محروم نہ ہو سکوں گا۔ اسی امید کو سینے کے ساتھ دیوبند پہنچا۔ مجلس کو پہنچا تھا۔ یہ ۱۸ رجب مطابق ۲۰ جولائی کی شب تھی۔ کل مجلس شوریٰ کا جلسہ ہونے والا تھا۔ دار العلوم کے مہمان خانہ میں ٹھہرا گیا تھا۔ تھوڑی تھوڑی دیر بعد وہی خیال کہ مجلس ختم ہو اور آخری زیارت کی تمنا پوری ہو، سامنے آتا اور نکل جاتا تھا۔ تین بجے رات کو آنکھ کھلی۔ وہی خیال مسلط تھا۔ اب وہم تھا یا کیا تھا، کچھ کافور کی خوشبو ناک میں آئی۔ خوشبو کے ساتھ یا وجہ خطرہ آیا، کہ کیا واقعہ پیش آ گیا؟ بمشکل اس خطرہ کو ٹالا، اور پھر سو گیا۔ صبح ہوئی۔ آٹھ بجے دار العلوم میں ارکین جمع ہونے لگے۔ فقیر بھی حاضر ہوا۔ چند ارکین کا انتظار ہو رہا تھا۔ ایک کتاب کی ضرورت تھی، انتظار کے وقت کو غنیمت خیال کرکے کتب خانہ اسی کتاب کی جستجو میں چلا گیا۔ چند منٹ کے بعد واپسی ہوئی، ارکین شوریٰ پر سکوت کا عالم طاری تھا۔ کیا ہوا؟

حضرت تھانوی کا انتقال ہو گیا

بجلی کی طرح یہ خبر کانوں سے گزرتی ہوئی دماغ اور دل پر ٹوٹی۔ بے حس ہو کر بیٹھ گیا۔ میری امید کی دیوار بیٹھ گئی۔ رات کا خطرہ خطرہ ہی نہیں واقعہ کا احساس تھا۔ جلسہ ملتوی کیا جائے، مدرسہ کا کاروبار بند کیا جائے ہر طرف سے یہی تحریک ہونے لگی۔ میں اپنے خیال میں غرق کیا کیا سوچ رہا تھا اور کیا ہو گیا۔ آخر جلسہ ملتوی ہوا۔ مہتمم صاحب دار العلوم مولانا طیب صاحب نے فرمایا چلئے اِز درہ چلئے، وہیں قرآن خوانی اور کلمہ خوانی ہوگی۔ اور مجھ سے فرمایا آخر میں ایک تعزیتی تقریر بھی کرنی ہوگی۔ مجھ سے تو بن پڑے گی میں نے عرض کیا، لیکن اصرار نے مجبور کیا۔ تو درسے کا ہال طلبہ و اساتذہ و متعلقین دار العلوم سے کھچا کھچ بھرا ہوا تھا۔ ہم وہیں کہ وہی انحل کا سماں طاری تھا۔ ان ہی میں ہم سب بھی شریک ہو گئے۔ شاید گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹہ وقت ختم قرآن میں گزرا۔ گزرا تو نہیں گیا، لیکن سیپارہ ختم شاید ہو گئے ہوں۔ اب سب جمع ہو گئے۔ مولنا طیب نے کھڑے ہو کر حضرت والا کی وفات کا اعلان فرمایا، بھرائی ہوئی آواز میں مجھے اشارہ کیا۔ حاضر ہو گیا۔ اور وہی قرآن کی عجیب و غریب آیت جس نے صداری جانشینی تیرہ سو سال کے اس طویل عرصے میں مسلمانوں کے نازک وقتوں میں ٹوٹے ہوئے دلوں کو کتنی دفعہ جوڑا ہے، خاکسار نے تلاوت کی۔ یعنی وما محمد الا رسول، قد خلت من قبلہ الرسل، افائن مات او قتل انقلبتم علی اعقابکم ومن ینقلب علی عقبیہ فلن یضر اللہ شیئا وسیجزی اللہ الشاکرین وما کان لنفس ان تموت الا باذن اللہ کتابا مؤجلا، ومن یرد ثواب الدنیا نؤتہ منہا ومن یرد ثواب الآخرۃ نؤتہ منہا وسنجزی الشاکرین۔ زیادہ تر خطاب علماء سے تھا۔ ترجمہ کی حاجت نہ تھی۔ ابتدا کے چند فقرے بہ مشکل غیر مخلوط عام آواز میں نکلے۔ لیکن زیادہ ضبط ممکن نہ ہوا۔ اب منہ سے الفاظ، آنکھوں سے آنسو، الفاظ بھی اسی رنگ میں ڈوبے ہوئے تھے جن میں دل غرق تھا۔

پھر جو کچھ دیا وہ اسی کا وہ سلسلہ جو قائم ہو گیا جسکے اجسام اگرچہ اپنے باپوں سے پیدا ہوئے تھے لیکن جنکی روحوں نے ایمان کا نور اس شیخ العلم کے گود سے حاصل کیا تھا جنکی بدولت مردوں میں بھی پھیلی اور عورتوں میں بھی، عوام میں بھی خواص میں بھی۔ اسکی بہشتی زیور نے اسلامی خواتین کو اگر سنوارا تو تفسیر القرآن اور کلید مثنوی، التکشف اور عبدیت کے دعوات نے مردوں کو جگایا۔ جسکے قلم نے تقریباً ۵۰ سال تک زمین ہند کے ایمانی ذروں کو چمکائے رکھا چھوٹی سے بڑی کتابوں تک جسکی تصنیفات کی تعداد غالباً ہزار سے متجاوز ہو چکی ہے۔ اور وہ زبان سے متجاوز ہو کر جسکے انفاسِ طیبہ نے سندھی، گجراتی، بنگالی زبانوں تک کا لباس خود اسی کی زندگی میں اختیار کیا۔ پس گو یہ مصیبت مسلمانانِ ہند کی عام مصیبت ہے لیکن لے دارالعلوم دیوبند کے طالب العلمو! تمہارا اور ہمارا تو باپ کیا باپ سے بھی جو زیادہ مشفق رتبہ رکھتا تھا آج اسکا سایہ ہمارے سروں سے ہٹ گیا ہے۔ یقیناً روئیں گے ہم جس قدر رو سکتے ہیں، لیکن یہ تو فطرت کا ایک اضطراری اقتضا ہوگا۔ پر ہمیں ایسے وقت میں بھی عقل اور ایمان کے سررشتہ کو ہاتھ سے دینا نہیں چاہیے۔ الحق آیت تلاوت کی گئی، یہ محکم و قطعی نص کی شکل میں فیصلہ ہے کہ اذن اللہ اور فرمان رب کے بغیر اس عالم میں موت کا ظہور ہو نہیں سکتا، یعنی رحم سے جو بھرا ہوا ہے، حکمت سے جو معمور ہے، اُسکے علم و ارادہ سے گزر کر موت کا حکم اتنی شکل اختیار کرتا ہے۔ اور ایسی چیز غلطاً بیجا نہیں ہے بلکہ بجا ہی ہو سکتی ہے اور آگے کتاباً مؤجلاً اس عام غلط محاورہ کی تغلیط ہے جس میں لوگوں کی موت کو بے وقت کی موت بے وقت کی موت قرار دینے والے قرار دیتے ہیں۔ کتاب ہے، نوشتہ ہے، مقرر ہے، مؤجل ہے، وقت کے ساتھ بندھی ہوئی ہے۔ ہم میں سے ہر فرد کی موت۔ پس یہ تو سوچنے کی بات ہی نہیں ہے کہ جنکا وقت پورا ہو گیا، سو وہ کیوں پورا ہوا۔ اسی لیے پورا ہوا کہ وہ پورا ہو چکا تھا، سراسر رحمت و حکمت کے اذن سے پورا ہوا۔ تسلی کے لیے اور کیا چاہیے۔ البتہ سوچنے کی بات یہ ہے جو اس سے پہلے ہی صبر کا وقت ہے۔ لیکن کہا جاتا ہے، سنجزی الشاکرین شکر کا مطالبہ ہو رہا ہے۔ یہی مقام محل غور ہے۔ میں کہتا ہوں کہ یہی مدرسہ تھا، یہی دارالعلوم، اسکے یہی در و دیوار آج سے ستر پچھتر سال پہلے اسی مدرسہ میں ایک طالب العلم داخل ہوا، اسی قسم کا جیسے تم میں ہر ایک اس مدرسہ میں داخل ہوئے۔ وہ نہ کوئی جن تھا، نہ جن زادہ، نہ فرشتہ نہ فرشتہ زادہ! آدمی اسی قسم کا آدمی جیسے تم آدمی ہو، وہ اسی مدرسہ میں آیا، جس میں تم آئے ہو۔ جماعت میں وہ اسی طرح رہا جیسے تم رہتے ہو، اس نے یہیں سے فائدہ اُٹھایا۔ کچھ لیکر نہیں آیا تھا، لیکن جب باہر ہوا تو اس میں ایک قوت بھر گئی، ایسی قوت کہ وہ تنہا سب میں ہزاروں کے مجمعوں کو تنہا ہم گوش بنا کر وہ پلے اور بگڑوں کو سنبھالے رکھتا تھا۔ اسی دارالعلوم سے حاصل کی ہوئی قوت نے اسکی آنکھیں سے وہ چیزیں دکھا دیں جنھیں بلا مبالغہ کروڑوں نے اگر نہیں تو لاکھوں نے پڑھا، پڑھا ہی نہیں بلکہ ان پڑھنے والوں میں خدا ہی ان نفوس کے اعداد و شمار سے واقف ہے جو خیر محض راہوں سے ہٹ کر سیدھی راہوں پر لگ گئے، شیطان کے جو ساتھی تھے الرحمٰن کے طالب بن گئے، جہنم کی طرف بھاگے جا رہے تھے، جنت کی طرف انکا رخ ہو گیا۔ یہ ہے وہ نقش قدم جو جانے والا آپ کے لیے چھوڑ گیا ہے۔ پس لے دارالعلوم میں داخل ہونے والے طلبہ جو اسی طرح اس مدرسہ میں داخل ہیں جس طرح وہ ہوا تھا، یہی اسکا نقش قدم ہے۔ شکر کے یہی معنی ہیں کہ جس طرح جانے والے نے اپنی توانائیوں کے ہر ہر قطرہ سے خود نفع اُٹھایا، دوسروں کو نفع پہنچایا۔ تم بھی اسکے نقش قدم پر چلنے کی کوشش کرو۔ خدا کی دی ہوئی نعمتوں سے ان قوتوں سے جو تمہارے اندر و باہر بھری گئی ہیں نفع اُٹھاؤ۔ ایسا کروگے تو حق تعالیٰ کا وعدہ سنجزی الشاکرین کا ہے۔ اور اس نقش قدم کو چھوڑ کر اگر تم اپنی ایڑیوں پر واپس جاؤ گے تو فلن یضر اللہ شیئاً خدا کا وہ کچھ بگاڑ نہیں سکتے۔ ہذا و آخر دعوانا ان الحمد للہ رب العٰلمین۔ ربنا اغفر لنا ولاخواننا الذین سبقونا بالایمان۔

ضمیمہ (۱) اس عرصہ میں چند واقعات جو معلوم ہوئے انکا ذکر بھی نامناسب نہ ہوگا (۱) سننے میں آیا کہ وفات کے دن کی صبح سے بار بار دریافت فرماتے رہے کہ آج کون دن ہے۔ جواب۔ دوشنبہ پیر کا دن ہے۔ پھر پوچھتے کون دن ہے، دوشنبہ پیر کا دن ہے۔ اللہ اللہ اس مسرت کا اندازہ کون کرے۔ جسے جانے کا وہی دن ملے جس دن سب سے بڑے جانے والے دنیا سے تشریف لیگئے۔ ظہر سے پہلے سنا گیا کہ استغراقی کیفیت کا انجلاء ہوا "الحمد للہ معاملہ صاف ہو گیا" یہ بشارت سنائی گئی۔ عصر کے بعد امانتوں کے صندوق کا مطالبہ ہوا۔ عورتوں نے عرض کیا کہ کمزوری ہے پھر دیکھ لیجیے گا۔ لیکن اصرار رہا آخر میں فرمایا "ہم جا رہے ہیں" لوگ کانپ گئے۔ صندوق امانت لا کر رکھ دیا گیا۔ ان تودوا الامانات الی اہلہا کا فرض ادا کر دیا گیا۔ مغرب سے کچھ پہلے "دیکھو آج بعد مغرب ہم کہاں رہتے ہیں" اور دس گیارہ کے درمیان آخر زندگی کی وہ گھڑی آگئی جسکے لیے چوراسی سال سے جی رہے تھے۔ فرشتہ اللہ علیہ۔ غسل کے وقت جن کو زیارت کو مشاہدہ کا موقع میسر آیا، وہ کہتے تھے کہ مسکراہٹ چہرہ پر کھیل رہی تھی!

ضمیمہ (۲) دارالعلوم میں جس وقت خبر آئی بجلی سی گری ہوئی تھی۔ کیا پہنچنے کی کوئی صورت ممکن ہے، ہر ایک کی زبان پر یہی سوال تھا۔ لیکن سارے راستے مسدود نظر آتے تھے۔ مگر پھر بھی پچاس ساٹھ طلبہ یوں ہی برستے ہوئے پانی میں کیچڑ، اسباب کسی چیز کی پرواہ کیے بغیر پیادہ پا تھانہ بھون روانہ ہو گئے۔ مغرب کے وقت پہنچے۔ جنازہ کی شرکت کی آرزو اگرچہ پوری نہ ہوئی لیکن انما الاعمال بالنیات سے طوفی کی سعادت تو حاصل ہو گئی۔ بعد کو معلوم ہوا کہ سہارنپور سے ایک اسپیشل ٹرین، اور شاملی سے دوسری اسپیشل صلاۃ جنازہ میں شرکت ہونے کی تمنا رکھنے والوں کو لیکر روانہ ہوئی۔ شاملی والے تو بحمد اللہ ارادہ میں کامیاب ہوئے لیکن سہارنپور والے بعد از وقت پہونچے۔ بارش ہو رہی تھی۔ پھر بھی چار پانچ ہزار تک نماز جنازہ پڑھنے والوں کی تعداد کا لوگوں نے تخمینہ کیا۔

مولانا! میں حیران ہوں۔ دارالعلوم چھوڑے ہوئے تقریباً پچیس چھبیس سال ہوئے۔ ۱۹۱۸ء میں الگ ہوا تھا۔ برسوں کے بعد حاضری میسر آئی تھی لیکن حیران ہوں خدا کی اس شان پر جو دور دراز تا دور تھا، خود حضرت والا کی خدمت گرامی میں میری حاضری وہ بھی ایک یا دو دن کے لیے زندگی بھر میں چار پانچ دفعہ سے زیادہ مشکل ہی سے ہوئی ہوگی۔ لیکن اس غائب کو دارالعلوم میں اس وقت حاضر ہونے کا موقع کیسے مل گیا۔ گو جنازہ میں شرکت میسر آئی نہ اس سے پہلے دیدار کا موقع نصیب ہوا لیکن جس مدرسہ میں داخل ہونے کے بعد

قرآن مجید کی کتابت و طباعت

ایک صاحب جو ہاشمی بزازی خریدنے سرگودھا کو گئے اور اپنے ایک ہم پیشہ خواجہ صاحب کو نیچا دکھانے کی نیت سے پارہ ہائے قرآن مجید بھی وہیں سے خرید لائے۔ کاغذ میلا پتلا، کھردرا، ردی، گتا جسے بچے بھی پتنگ بنانے کے لیے خریدنا پسند نہ کریں۔ روشنائی؟ روشنائی بھی کیسی؟ سیاہی ایسی پھیکی اور گہری ہوئی کہ جسکی مثال کسی ابجد نویس کی تختی بھی پیش نہ کرے۔ چھپائی؟ چھپائی؟ یوں سمجھ لیجیے کہ جو لکھا گیا وہی ساتھ ہی مانو چھپتا بھی گیا ہے۔ یقین نہ آئے تو ایک پارہ مسٹر بان سہا جن سنگھ کے مطبع (سرگودھا) سے منگا کر دیکھا جا سکتا ہے۔ بہت سستا آئے گا۔ اس تقطیع اور اس ضخامت کی اتنی ارزاں کتاب کہیں نہ ملیگی! وشروہ بثمن بخس دراہم معدودۃ وکانوا فیہ من الزاہدین!

دوسرے پاروں کو چھوڑیے پارۂ اول ہی کی تمام اغلاط (جو مقدار سے بھی متجاوز ہیں) پھر کسی موقع پر پیش کی جائیں گی۔ سردست یہاں صرف صفحہ نمبر ۳ کی تین چار آیتیں میں اعراب اور حروف کا تغیر و تبدل کچھ آگے چل کر چار پانچ اور صفحات پر اوقاف، نقاط حرکات تنقیحی اور الفاظ وکلمات کی شکست و ریخت کا ایک ایک نمونہ بھی دیکھ کر اس مطبع کے کارپردازان کتابت و طباعت کی بے احتیاطی خودسری و عقل الحماری کا اندازہ آپ خود لگا لیجیے۔ مختصر سی فہرست اغلاط ملاحظہ ہو:—

نمبر شمار	صفحہ	سطر	غلط	صحیح
۱	۳	۱	ذَالِكَ الْكِتَابُ	ذَالِكَ الْكِتَابُ
۲	۵	۴	يُنْفِقُوْنَ ^۲	يُنْفِقُوْنَ
۳،۴	۶	″	يُوْمِنُوْنَ ^۳	يُؤْمِنُوْنَ
۵	۶	۸	بِمَا اُنْزِلَ عَلَيْكَ	بِمَا اُنْزِلَ اِلَيْكَ
۶	۱۱	۷	هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ	هُمُ الْمُفْلِحُوْنَ
۷	۱۳	۹	ءَ اَنْذَرْتَهُمْ	ءَ اَنْذَرْتَهُمْ
۸	۲۰	۷	ذَالِكَ ^۸	ذَالِكَ
۹	″	۲	يُبَيِّنْ ^۹	يُبَيِّنْ
″	″	۹	″	″
″	۲۱	۱	″	
۱۰	۲۱	۲	تَلْتُمْ ^۱۰	قُلْتُمْ
۱۱	۲۲	۵	اَفَتَطْمَعُوْنَ ^۱۱	اَفَتَطْمَعُوْنَ
۱۲	۳۸	۸	نَعْبُدُ اِلٰهَ اٰبَائِكَ ^۱۲	نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَائِكَ

اس فہرست سے ظاہر ہو گیا ہوگا کہ اعراب کی اوقاف کی اور نقاط کی اغلاط سے علاوہ حروف، الفاظ اور کلمات کی اغلاط تک پیدا کرنے میں پوری سعی اور کوشش عمل میں لائی جا رہی ہے۔

۱ لام پر جزم ندارد ۲ واؤ پر جزم کی بجائے زبر ڈال کر پیش کر کے متحرک کر دیا ۳ نون پر ضمہ لگا دیا تھا اتنا ہی ڈال دی [illegible] بھی نہ ڈالا؟ مرضی کے مالک ہیں جی چاہے تو کچھ ڈال دیں جی چاہے نہ ڈالیں غیر ممکن ہے شراب پی کر قرآن مجید کی کتابت کرنے بیٹھتے ہوں۔ پہلے ہوش کی حالت میں ساکن حروف کو متحرک اور متحرک کو ساکن، مضموم کو مفتوح اور مفتوح کو مضموم بناتے رہتے ہوں اور جب نشے میں چور ہو کر بالکل بے خود ہو جاتے ہوں تو پھر کچھ بھی کر سکتے ہوں! ۵ وہ کیا جانیں کہ کیا لکھا ہے اور اس کا کیا؟ پہلے تو اعراب کو ہی زیر و زبر کرتے رہے اور اب حروف کے پیچھے بھی پڑ گئے ہیں ۶ میم پر پیش کی جگہ جزم نصب کر دیا ہے ۷ بلا تحاشہ واؤ دوبار رکھ دی۔ کسی لفظ میں حروف کی تعداد بڑھا اور کسی میں گھٹا دیتے ہیں۔ انکا قلم انکے دماغ کی خلفشار اور پراگندگی کا پرتو ہے ۸ کاف پر وقف مطلق نہ لکھا اوقاف کی اہمیت وہ کیا جانیں؟ ۹ واعظان کز نیاب جنت محروم است! ۱۰ ایک بار نہیں، دو بار نہیں، تین بار یُبَیِّنْ کو یُبَیِّنْ لکھتے چلے گئے۔ ایک لفظ کو ایک بار جس طرح لکھ دیں پھر اسے ہمیشہ اسی طرح لکھا کرتے ہیں، کبھی باز نہیں آتے۔ صم بکم عمی فہم لا یرجعون! ۱۱ قلتم کی بجائے تلتم لکھا، ایک حرف کے حذف سے معنی ومفہوم ہی کو سرے سے بدل دیا۔ بازیچۂ ہوا و ہوس خدا کا کلام تو۔ قدرت کی بات تاہر ذوالقوۃ المتین!! ۱۲ سجائے دو کے تار پر بالکل پھیر دیے، یہ سہولتیں کاتبوں کی خود رائی اور خود مستیاں ہیں جن سے جا بجا طرح طرح کی بدتمیزیوں کے طوفان اٹھتے ہوئے نظر آتے ہیں! ولعنۃ اللہ [illegible] ۱۲ لکھنا تو تھا نَعْبُدُ اِلٰهَكَ وَاِلٰهَ اٰبَائِكَ اور لکھ دیا نَعْبُدُ اِلٰهَ اٰبَائِكَ۔ خدا کی پناہ! جتنا آگے بڑھتے جائیے اتنا ہی زیادہ خطرناک، زیادہ نقصان دہ اور زیادہ ضرر رساں ہے ہیں۔ اب تو اجزائے کلام کو بھی خورد برد کرنا شروع کر دیا۔ آہ! یہ سلوک کسی انسانی تصنیف کے ساتھ بھی کسی نے ہوتے دیکھا!

فَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا كَتَبَتْ اَيْدِيْهِمْ وَوَيْلٌ لَّهُمْ مِّمَّا يَكْسِبُوْنَ!

یہ کارکردگی کچھ اسی ایک مطبع پر موقوف نہیں، پنجاب بھر میں غیر مسلموں کے ایسے بے شمار مطابع بڑی سرگرمی اور گرمجوشی کے ساتھ چل رہے ہیں جن میں کاتب اور پرنٹر اسی قسم کی اور اس سے بھی کہیں زیادہ بیہودہ تر اور حماقت آمیز تر اغلاط بافراط بہم پہنچا رہے ہیں اور تختۂ مشق اس کتاب مقدس کو بنایا جا رہا ہے جس کے متعلق اللہ جل شانہ فرماتا ہے کہ اس کی کتابت

بِاَيْدِيْ سَفَرَةٍ كِرَامٍ بَرَرَةٍ	پاک لکھنے والوں کے ہاتھوں میں جو سردار نیک (دی گئی)

تفسیر کبیر میں ہے کہ سفرائے کرام آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے کاتبان وحی (نویسندگان وحی) رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین ہیں۔

صحت کتابت وحی کی اس قدر سخت حفاظت اور کڑی نگرانی کی جاتی تھی کہ عبداللہ ابن سرح کو غلط لکھنے پر سرور دو عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے مدینہ منورہ سے شہر بدر کر دیا اور فتح مکہ کے موقع پر اسکے قتل کر ڈالنے کا حکم بھی دربار رسالت سے صادر ہو گیا تھا۔

حضرت عثمان رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی سفارش نے بچا لیا۔

عمرو بن العاص (والیٔ مصر) کا کاتب خصوصی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے نام خط لکھتا ہے جس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم کے سین کو اچھی طرح ظاہر نہیں کرتا تو اُسکو تازیانہ کی سخت سزا دیجاتی ہے؟...

بیچارے دین کا تو ذکر ہی کیا یہاں تو دینداریہ بھی پابندیاں عائد کی گئی ہیں۔ اس کتاب مقدس کے لکھنے پڑھنے یہاں تک کہ چھونے کی بھی اُسی کو اجازت دی گئی ہے جو مسلمان بھی ہو اور پاکباز بھی! بہر جام جمال طہارت کا ہی نگاہ ہست ؛ تو ترقی نگی کو زہ گران بیداری اللہ تعالیٰ نے اس بات کو کھول کر کہدیا ہے۔ ارشاد ہوتا ہے:۔

لا یمسہ الا المطھرون ای لا ینبغی ان یمسہ الا من ھو علی الطھارۃ من الادناس والمراد مس المکتوب (بیضاوی)	اسے وہی چھوتے ہیں جو پاک ہیں اسکے معنی یہ ہیں کہ کسی کو بغیر طہارت کے قرآن مجید ہرگز نہیں چھونا چاہیے۔

روح البیان میں اس آیت شریفہ کی تفسیر اس طرح کی گئی ہے

ای لا ینبغی ان یمسہ الا من کان علی الطھارۃ من الادناس کالحدث والجنابۃ	یعنی کسی شخص کو قرآن مجید ہرگز نہیں چھونا چاہیے جب تک وہ نجاسات (مثلاً حدث وجنابت وغیرہا) سے پاک نہ ہو۔

امام مالک رحمۃ اللہ علیہ مؤطا میں لکھتے ہیں کہ اسمٰعیل بن محمد بن سعد بن ابی الوقاص نے مصعب بن سعد بن ابی وقاص سے روایت کی:۔

قال کنت امسک المصحف علی سعد بن ابی وقاص فاحتککت فقال سعد لعلک مسست ذکرک قال فقلت نعم فقال قم فتوضأ فقمت فتوضأت ثم رجعت۔

اس سے صاف ظاہر ہے کہ کوئی شخص اگر اپنے اندام نہانی کو بھی ہاتھ لگا لے تو پھر جب تک وہ وضو نہ کرلے قرآن شریف کو ہرگز ہاتھ نہ لگائے۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کے اسلام لانے کا واقعہ مشہور ہے۔ جب وہ اپنی بہن اور بہنوئی پر غصہ ٹھنڈا کر چکے تو کہا لاؤ وہ کتاب تو دکھلاؤ جو پڑھی جارہی تھی۔ اس پر فاطمہ رضی اللہ تعالیٰ عنہا برافروختہ ہو کر کہنے لگیں: وہ کتاب؟ وہ تو مجھے اپنی جان سے بھی عزیز ہے! تم مشرک ہو، ناپاک مشرک، جب مسلمان نہ ہو جاؤ، پڑھنا تو کجا تمہیں اسے ہاتھ بھی نہ لگانے دونگی۔ البتہ غسل کرلو تو سُن سکتے ہو۔ چنانچہ انہوں نے اپنی ہمشیرہ صاحبہ کی ہدایت کے مطابق غسل کیا تب جاکر اس کتاب مقدس کی سماعت سے مستفید و شرف اندوز ہو سکے!

آہ! ہمارے اوراکات و احساسات کا تو بالکل ستیاناس ہی ہو گیا۔ قرآن مجید کی تعظیم و تکریم بجالانے کی اچھی ترکیب نکالی کہ اسکی حفاظت و تلاوت کیا، اسکی کتابت و طباعت اور تجارت بھی اُن لوگوں کے سپرد کردی جو اسکی بے ادبی کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھتا۔ کون کہہ سکتا ہے کہ وہ اسے زمین پر پھینکنے، پامال کرنے اور ننگے ذانو بیٹھ کر بحالت جنب لکھنے سے کچھ گریز کرتے ہیں؟ پھر اگر وہ نہانے دھونے بھی رہیں، تو وہ پاکیزگی انہیں کب حاصل ہو سکتی ہے۔ انما المشرکون نجس اسی باطنی و ظاہری روح فرسا نجاست کی سمیت اور عفونت کے دلگداز اور روح سوز اثرات کے حفظ ما تقدم کو مد نظر رکھتے ہوئے ابن عمر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ:۔

نھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان یسافر بالقرآن الی ارض العدو	منع فرمایا رسول کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے قرآن مجید کے ساتھ دشمن کی سرزمین کی طرف سفر کرنے سے۔

دیا اسفا! ہم ایسی الٹی چال چلے کہ قرآن مجید ہی دشمن کے حوالے کر بیٹھے۔ اب افلاطون کے بے پناہ سیلاب کو اسکی طرف بڑھتے دیکھ کر بھی بے حس و حرکت چپ چاپ بُت بنے بیٹھے ہیں۔ گویا ہم پر کسی نے سحر پھونک دیا ہے۔ قرآن مجید کی اسقدر بے ادبی ایسے حرمتی اور (خاکم بدہن) تحریف ہو تا قدرشناس اغیار کے ہاتھوں سے ہوائی جارہی ہے، اسکا سارا بارگناہ کس کی گردن پر پڑیگا؟ علماے دین اس بارے میں کیوں خاموش ہیں؟ افسحر ھذا ام انتم لا تبصرون؟

ہمارے مایۂ ناز نمایندے (آمینڈلی کے ممبر) دنیاوی اغراض ومقاصد اور معاشی مراتب و مراعات میں حقوق کی نگہداشت کی خاطر ہی تو آخر دم تک وہ انہیں کے ہو رہتے ہیں۔ کاش کہ انہیں دین و ایمان اور عود و معاد کی طرف متوجہ ہونے کی بھی کچھ فرصت مل جاتی!

کس نہ اردو فرق ہستی مے گساراں را چہ شد؟

الراقم خیر اندیش غلام سرور عفی اللہ عنہ از پیپ دام داس۔ تحصیل بھلوال۔ ضلع شاہ پور (پنجاب)

(بقیہ صفحہ ۳)

سید گراں اور نایاب ہیں اسلیے معمولی کام کیلئے ہیں جو شاندہ بیکار ہیں۔ بہتر یہی ہو تو انگریزی دواؤں کی بجائے عرق بادیان اور سونف استعمال کریں"۔

غرض یہ کہ وہ ہیں اور مشرقی ہو تیں بالکل دیسی اور مشرقی ہی بچائیں! —— یہ سارے مشورے ایک ایم۔ایل۔ اور پی۔ ایچ۔ ڈی "ولایت پاٹ" خاتون نے دہلی کے مشہور زنانہ رسالہ عصمت کے اگست نمبر میں اپنی بہنوں کو دیے ہیں —— جنگ کی موجودہ گرانیاں بے اطمینانیاں، معاشی پریشانیاں اگر واقعی ہم کو مغربیت کی اس سادگی کی طرف واپس کر دیتیں تو پھر کون کہہ سکتا ہے کہ جنگ محض شر ہی شر ہے، خیر کے پہلو اس سے خالی؟

ایک رسالہ کے لیے مدیر کی ضرورت

ایک دینی ادارہ کے ایک رسالہ کے لیے ایک تجربہ کار صحیح العقائد مسلمان مدیر کی ضرورت ہے، جس کی روش سیاسی و اخلاقی مسائل میں مرنجاں مرنج قسم کی ہو۔ جو صاحب اس سلسلہ میں مراسلت فرمائیں،

مینا بازار

(بلدۂ حیدرآباد میں)

..... اس مینا بازار کے متعلق ایک دو باتیں توجہ طلب ہیں۔ یہ اُن لڑکیوں کی جانب سے منعقد ہو رہا ہے جو مختلف مدارس سرکاری میں تعلیم پا رہی ہیں۔ یہی اس بازار کی میزبان ہونگی۔ اور یہ اعلان ایسا ہے جس میں "پردہ کا انتظام نہ ہوگا"۔ اسکا مطلب شاید یہ ہے کہ اس روز صرف وہی خواتین شریک ہونگی جو بے پردہ ہیں۔ اور میاں بھی آئیں گے! اگر یہی مطلب ہو تو اس روز "گرلز گائڈز" کی لڑکیاں تو ہونگی ہی ہونگی۔ اور ان میں پردہ دار لڑکیوں کی بھی کثرت ہے "مینا بازار" پہلے بھی لگا کرتے تھے۔ مگر ایسا بازار جہاں مرد بھی شریک ہو رہے ہوں غالباً یہ اپنی نوعیت کا پہلا ہوگا۔ یہ ایک مخلوط اجتماع ہوگا جو ایک زنانی مدرسہ میں منعقد کیا جا رہا ہو اور جس میں میزبان "گرل گائڈز" بھی ضرور رہیں گی۔ پس یہ اول تو پردہ دار لڑکیوں کے لیے بے پردگی کی ابتدا بنے گا اور پھر ان پردہ دار خواتین کو بھی اپنی طرف کھینچ لائے گا جو مغربی تعلیم اور ترقی پذیر ادب اور روشن خیالوں کی ترغیبوں کے تحت پردہ افگنی کے لیے ایک پاؤں پر چلنے سے لگی کھڑی ہیں۔ اس حالت کو ہمارے روشن خیال خواہ کتنا ہی نسوانی ترقی کی معراج قرار دیں، مگر یہ ہے انکے تنزل کا اور انکے ساتھ پورے انسانی معاشرہ کے تنزل کا سبب۔ مغربی معاشرہ ہمارے سامنے ہے۔ اس نام نہاد نسوانی ترقی نے جو عورتوں کی مردانہ تعلیم اور ہر دائرۂ عمل میں مردوں کی ہمدوشی سے تعبیر کی جا رہی ہیں متعدد طریقوں سے انسانی معاشرہ کو کمزور اور بے دماغ کر دیا ہے اور دنیا کو آج نہیں تو ایک روز ضرور پھر تسلیم کرنا پڑیگا کہ یہ نوع انسانی کی ترقی کے لیے ٹھیک نہیں ہے نہ مردوں کے لیے ٹھیک ہے اور نہ عورتوں کے لیے۔ یہ حالت جسمانی، دماغی اور روحانی ہر قسم کی دونوں صنفوں کی قوتوں کو برباد کر دیتی ہے۔

دوسری بات توجہ طلب یہ ہے کہ یہاں کی دلچسپیوں میں بہت سی بے ضرر چیزوں کے ساتھ فنون لطیفہ، موسیقی، اور "گل ڈکس" کو بھی جگہ دی گئی ہے۔ "فنون لطیفہ اور موسیقی" سے مراد اگر ناچ رنگ اور ڈرامے ہیں تو یہ بہت بُرا ہے۔ اسی وقت بھی جب اداکار مدارس کی طالبات نہ ہوں، ہاں یقیناً کثرت طالبات بھی شریک ہونگی اور اسکا اُن پر یہ اثر ضرور مرتب ہوگا کہ ایک مدرسۂ نسواں میں منعقد ہونے والے ایسے بڑے اجتماع میں جسکو بہت بڑے اجتماع میں جسکو بہت بڑی شخصیتوں کی سرپرستی حاصل ہے اگر یہ چیز روا رکھی جاتی ہے تو بے ضرر ہی نہیں ہمارے لیے مفید و محرک ہوگی۔ اگر ہم مفید اور ترقی پرور معاشرہ پیدا کرانا چاہتے ہیں تو ہم کو ان سیکڑوں لڑکیوں کے دلوں میں یہ غلط اثر پیدا کرنے سے باز رہنا چاہیے۔ یہ "لکی ڈپ" بھی قمار کو انکی نظر میں جائز ٹھہرا دیگی۔ کسی برائی کا محض تفریح کے طور پر یا کسی نیک مقصد کے لیے جائز رکھنا بہرکیف ایک برائی کو عمل کرانا ہی ہے۔ اس میں اسکے عادی ہونے کا قوی امکان ہے۔

بہر حال ہمیں تو معاشرہ کے لیے اس مینا بازار کا ایک ایک مزد (؟) اور اسکی وہ تفریحیں جو ہوائے نفس کو ہوا دینے والی ہیں ہمارے مجوزہ معاشرہ کی تعمیر کے لیے سخت مضر معلوم ہوتی ہیں۔ ان سے اجتناب کے مشورہ کو ہم روک نہیں سکتے۔ (رہبر دکن)

(بقیہ مضمون ... پر)

نئی شاعری

"ہمایوں" کے تازہ نمبر میں ڈاکٹر... صاحب کی ایک نظم "بیتی" کے عنوان سے شایع ہوئی ہے۔ ملاحظہ فرمائیے، اور سمجھنے کی کوشش کیجیے

سنہرے ہونٹوں سے آلپٹی ہو
کیسے پڑتے ؟
کچھ گھنی گہروں کے پردے کہ اُٹھا بھی نہ سکوں
میری آنکھوں کے تبسم پہ نہ بھول
یہ کسی حسن کی تنویر کی یاد
انھیں پیغام مگر کیا دوگی ؟
گل ہوا تیرا چراغ
اب سو جا "
چھوڑ دے راہ مجھے جانے دے

خدا گواہ ہے اس "نظم ترقی" کو ہم نے کوئی پچاس دفعہ پڑھا ہوگا، لیکن انتہائی غور و تعمق کے باوجود اسکے معانی ہمارے فہم ناقص پر نہ کھلے۔ ڈاکٹر صاحب کی انتہا سے ناواقفیت اور اپنے کامل جہالت پر بیحد افسوس ہوا۔ کوئی دوست جنھیں "جدید شاعری" کے غوامض و اسرار پر عبور ہو، از راہ کرم اس نظم کی شرح سلیس اُردو میں لکھکر ارسال فرمائیں، ہم بیحد ممنون ہوں گے۔

اور حضرت مصنف ہی تکلیف فرمائیں تو سبحان اللہ، کیونکہ اس نظم کے معنی انھیں کے بطن میں ہیں، اور وہیں سے برآمد ہو سکتے ہیں۔ (انقلاب)

بزم ہمدردان صدق

الیٹہ فخرالدین صاحب (بھوپال) عـلـہ

امید ہے کہ دیگر معاونین و ہمدردان صدق اس مثال کی تقلید فرمائینگے

(مہتمم صدق)

خریداران صدق کی خدمت میں گزارش

باوجود امکانی احتیاطوں کے کچھ عرصہ سے صدق کے پرچے ڈاک میں کثرت سے غائب ہونے لگے ہیں۔ اس سلسلہ میں خریداران صدق کے شکایتی خطوط دفتر میں آ رہے ہیں۔ امکانی کوشش کی جاتی ہے کہ دوبارہ پرچے شکایت کرنے والے اصحاب کو بھیجے جائیں لیکن کاغذ کی گرانی کی وجہ سے پرچے بہت محدود چھپتے ہیں لیے

(والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون) | (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر عبد الماجد
دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب :- حکیم عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق خط وکتابت اس پتہ پر ہو
محمد عبد [illegible] منیجر صدق
مرشد آباد بلڈنگس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی تین روپیہ
بیرون ہند سے سالانہ [illegible]
قیمت فی پرچہ ۲ ر

صدق
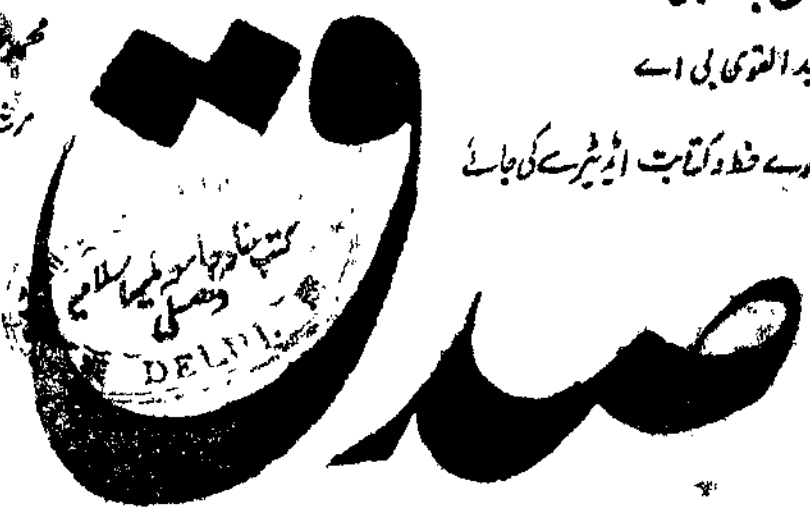
نمبر ۱۹ | دوشنبہ - ۵ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ مطابق ۶ - ستمبر ۱۹۴۳ء | جلد ۹

سچی باتیں

ومنہا انہ یقوی الضعیف ویہضم الطعام ویعین علی الباہ ویسلی المحزون ویشجع الجبان ویصفی اللون وینعش الحرارۃ الغریزیۃ ویزید فی الہمۃ والاستعلاء۔ (جلد ۲ ص ۲۳۱ مصر)

شراب کے فوائد یہ ہیں کہ وہ کمزور کو قوت دیتی ہے، کھانا ہضم کرتی ہے، قوت مردمی کو ترقی دیتی ہے، غم زدہ کا دل بہلاتی ہے، بزدل کو بہادر بنا دیتی ہے، کنجوس میں سخاوت پیدا کر دیتی ہے، بدن کے رنگ کو نکھار دیتی ہے، حرارت غریزی کو تسکین دیتی ہے، اور حوصلہ بلند ہمتی بڑھا دیتی ہے۔

یہ شراب کے فضائل ومناقب کسی کافر وزندیق کی زبان سے نہیں، کسی شاعر کی زبان سے نہیں، کسی طبیب کی زبان سے بھی نہیں، علمائے متکلمین کے سرخیل وسردار، مفسرین محققین کے امام، امام فخر الدین رازیؒ کی زبان سے، انکی مستند وشہرۂ آفاق تفسیر مفاتیح الغیب (تفسیر کبیر) میں! ——— مدح وتوصیف اس شراب کی، جسکی کراہت یا حرمت کسی فقیہ، کسی مجتہد، کی استنباط کی ہوئی نہیں، بلکہ حرمت قطعی منصوص ہے قرآن میں وضاحت کے ساتھ اور مدح وتوصیف بھی کسی مخصوص قسم کی نہیں، ایک عمومی ہر گونہ ہیں!

اور امام موصوف اس میں منفرد نہیں، ایک اور مشہور مفسر علامہ ابن کثیر ہیں، [illegible] (جلد اول [illegible]) :—

من حیث ان فیہا نفع البدن وتہضیم الطعام واخراج الفضلات وتشحیذ بعض الاذہان ولذۃ الشدۃ

جسم کے حق میں مفید، کھانے کو ہضم کرنے والی، فضلوں کا اخراج کرنے والی، بعض ذہنوں کو تیز کر دینے والی، تیز سرور کی لذت بخشنے

والمطربۃ التی فیہا کما قال حسان بن ثابت فی جاہلیتہ
ونشربہا فتترکنا ملوکا
واسدا لا ینہنہنا اللقاء

والی۔ جیسا کہ حسان بن ثابت (شاعر اسلام صحابی) نے اپنے زمانۂ قبل اسلام میں کہا ہے
ہم شراب پیتے ہیں اور اسکی بدولت ہم
بادشاہ، اور شیر ببر کے دلیر ہو جاتے ہیں

یہ دو قول صرف نمونے کے طور پر نقل ہوئے، کُل اکابر ونقلاء اسکے نام اور قول کو کہاں تک نقل کرے ——— کیا معاذ اللہ یہ حضرات شراب نوشی یا شراب فروشی کو جائز کرنے والے تھے؟ اسکی جانب رغبت وشوق دوسروں کو دلاتے تھے؟ حرمت شراب کے حکم کو کسی درجہ میں بھی کم کرنے والے، ہلکا کرنے والے تھے؟ ان پر یہ اتہام یا سوء ظن کوئی بھی پہلو صداقت کا اپنے اندر رکھتا ہے؟

ان سب کو بھی چھوڑیے۔ بہرحال بندے تھے، بشر تھے۔ قرآن مجید سے بڑھ کر گندہ چیزوں کو گندہ قرار دینے والا کوئی اور کسی کے خیال میں بھی آسکتا ہے؟ پھر خود اس نے شراب اور جوا (خمر، قمار) کی حرمت قطعی کے ساتھ ساتھ اسکا بھی اعلان کیا ہے یا نہیں کہ

فیہما ... منافع للناس | ان دونوں میں ... لوگوں کیلئے فائدے بھی ہیں

(نفع، بصیغۂ واحد ہی نہیں، منافع بصیغۂ جمع!) اور یہ کہ

اثمہما اکبر من نفعہما | انکا گناہ انکے نفع سے بڑھا ہوا ہے!

اور حافظ شیرازؒ تو "عیب مے" تک کے نہیں "ہنرے" کے اعلان کی تعلیم کھلا ہوا دیتے ہیں، اور اُسکے چھپا جانے کو گول کر جانے کو محض جذبات عوام کی پاسداری ٹھہراتے ہیں ؎

عیب مے جملہ چو گفتی ہنرش نیز بگو
نفی حکمت مکن از بہر دل عامے چند

یہ حال جب اُن چیزوں کا ہے، جنکی حرمت نص جلی قرآنی سے ثابت ہے، تو اب کسی ادنیٰ شبہۂ ظنی معصیت کی کسی نامشکل کے بعض "منفعتی" اور "اصلاحی"

…صاحب یا ڈاکٹر خود اس مسواد تحقیق کے اور کہیا زبردست فاضل ہو جب تاریخ اسلام پر کتابیں لکھنا، سیرت نبوی کی تحقیق کرنا، مختلف مشتریوں، صحابۂ کرام، تابعین کے حالات، سیر کو بسط و تفصیل اور تحقیق کے ساتھ اردو میں منتقل کرنا، ادبیات اسلامی پر مقالے شائع کرنا، کیا یہ سارے مضامین دینیات و اسلامیات سے خارج ہیں؟ یہ ساری خدمات مذہب کی نہیں، کسی اور چیز کی ہیں؟ — اس چوتھائی صدی کے اندر جتنے بھی سختے امت میں برپا ہوئے، مستشرقین کے، منکرین حدیث، نقشہ نگار، وغیرہ، ان سب موقعوں پر ندوہ والوں سے بڑھ کر کس نے قدم میدان میں رکھا؟

اصلی اور سب سے بڑا مغالطہ یہ ہے کہ دین اور خدمت دین کو مراد سمجھ لیا گیا ہے دیو بندیت کے، اور محصور کرا لیا گیا ہے فقہ و حدیث کی تدریس میں، حالانکہ یہ حصر نہ پہلے کبھی صحیح تھا، اور نہ آج کسی طرح صحیح ہے۔ دیوبند کی عظیم الشان خدمات دین سے کس کو انکار ہے، وہ روز روشن کی طرح روشن ہیں۔ لیکن اس سے یہ نتیجہ نکالنا، کہ اب امت کو اور کسی خدمت دینی کی ضرورت نہیں رہی، اسی قدر غلط ہوگا، جتنا یہ کہنا کہ امت بخاری و مسلم، ابو حنیفہ و شافعی کے بعد رازی و غزالی، باقلانی و اشعری سے بے نیاز ہوگئی! دین کی خدمت کا راستہ ایک ہی نہیں، بیشمار ہیں، ندوہ کو اگر دیوبند و سہارنپور کا محض ضمیمہ بن کر رہنا تھا، تو ایک بالکل جدید قسم کی تبلیغی سنگ مرکی قوت ہی کیا تھی محض، یہ بالکل سنت کافی تھی، مدرسہ جیسا البتہ اور بیسیوں شاخیں دیوبند کی اب بھی کھلی ہوئی ہیں، سب ندوہ کا اپنا ایک مستقل فن ہے، ایک مستقل پیام حیات، دوسرے اداروں سے الگ، اس کی خدمات کا جائزہ اسی کے معیار سے لیا جا سکتا ہے۔

ایک کلامی مسئلہ

مولانا عبدالرؤف خاں صاحب، مدرسہ سراج العلوم، جھنڈے نگر (ضلع بستی) سے لکھتے ہیں:-

"ایک دریافت طلب چیز مسئلہ الواحد لا یصدر عنہ الا الواحد ہے۔ معقولیوں نے یہ مسئلہ ایجاد کیا ہے۔ آج کے معقولی عیسائی پادری عبدالحق اسی لیے کہتے ہیں کہ توحید خالص ناممکن ہے، اس لیے عقیدۂ تثلیث ہی درست ہے۔ ورنہ تمام افعال احیاء، اماتت، قہر، رحم وغیرہ ایک ذات سے اس اصول مسلمہ کے مطابق صادر نہ ہو سکیں گے، اسکا مفصل جواب امام غزالی یا ابن تیمیہ یا علامہ ابن القیم کی تصنیفات میں نظر سامی سے گزرا ہوں، تو اس سے مطلع فرمائیں۔ ان بزرگوں نے اس اصول مسئلہ اور اس جیسے بہت سے مغالطہ فلاسفہ کے ظلمات کی قلعی کھولی ہے۔ میں نے دہلی کے مدرسہ رحمانیہ کے کتبخانہ میں اس قسم کی کتاب دیکھی تھی۔ اب نہ کتاب کا نام یاد ہے، اور نہ اس معمولی جگہ پر کوئی کتبخانہ ہے۔"

سوال بجنسہ درج کر دیا گیا۔ ناظرین صدق میں ایک طبقہ معقولات قدیم کے ماہر علماء کا بھی ہے۔ توقع ہے کہ ان میں سے کوئی صاحب ازراہ کرم اسکے جواب کیلیے کچھ وقت نکال لیجئے۔

انسان کی شقاوت

بیلے نگر (راجپوتانہ) کے تباہ کن سیلاب کا حال روزانہ اخبارات میں نظر سے گزر چکا ہوگا۔ اسلامی آبادی پانچسو کی تھی اس میں سے پانچ چھ زندہ بچے ہیں! سرکاری تخمینہ ہے کہ انسانی جانوں کا نقصان تین اور چار ہزار کے درمیان ہوا ہے۔ اور جانوروں کا شمار نہیں۔ ۳۰ جولائی کو صبح (نئے وقت سے) ۲ بجے تھے۔ اور لوگ ابھی سو رہے تھے، کہ یہ سیل بلا آئی، اور دو گھنٹے کے اندر اپنا کام ختم کر گئی۔ پانی، زمین سے ۱۲ فٹ اونچا تھا، اور ۲ میل تک پھیلا ہوا گویا نوح کا سمندر! کچھ لوگ کیکر کے پیڑوں یا پختہ مکانوں کے اوپر چڑھ گئے، وہ تو بچ، باقی سب اس طوفان نوح کی نذر! ہر پہر آتی تھی، اور انسانوں کی ٹولی کی ٹولیاں بہتی ہوئی، ہاتھ پاؤں مارتی ہوئی، ایک دوسرے کو نگاہ حسرت و یاس سے دیکھتی ہوئی، بہی جا رہی تھیں۔ پرانے بڑوں کا بیان ہے کہ ایسا دردناک منظر آج تک دیکھنے میں نہیں آیا۔ خیر یہ تو قدرت کے انتظامات تھے۔ اب اس انتہائی عبرت کے موقع پر خاص حضرت انسان نے جو کچھ کیا، وہ بھی ملاحظہ ہو:-

"کہیں کہیں سیلاب کے مرد و عورت اور بچوں کی لاشیں بے گور و کفن پڑی ہیں۔ یہ موقع پا کر قریب کے گاؤں کے ساہنسی آگئے اور اس بیدردی سے دو عورتوں کے ہاتھ پاؤں کاٹ کر زیورات لے گئے کہ بیان سے باہر ہے۔۔۔۔ سننے میں آیا ہے کہ جرائم پیشہ اقوام اور ساہنسیوں سے پولیس نے سولہ بوریاں زیورات کی برآمد کی ہیں۔" (رسالہ نجات۔ دہلی ۵ اگست نمبر)

خدائی قہر و غضب ان دونوں واقعات میں زیادہ نمایاں کس میں ہے؟ اس سیل فنا میں، پانی کی ان ہلاکت انگیز موجوں میں، یا اس انسانی قساوت، دیدہ دری، جانوروں کو بھی شرمندہ کر دینے والی سنگدلی میں؟

ایک حدیثی روایت

ایک جید فاضل اپنے گرامی نامہ میں لکھتے ہیں:-

فتح الباری تو آپ کے مطالعہ میں رہتی ہی ہوگی۔ حضرت عائشہ صدیقہؓ والی مشہور روایت، یعنی حبشیوں کے حراب سے کھیلنے اور اسکا تماشہ دیکھنے کا قصہ، ذرا اسکے تفصیلات آپ فتح الباری میں نکال کر پڑھ لیجیے، صحیح بخاری میں یہ حدیث چار جگہ نقل ہوئی ہے۔ ایک ایک بار کتاب الصلوٰۃ و کتاب العیدین میں، اور دو بار کتاب الجہاد میں۔ اور قدرۃً اسکی شرح میں حافظؒ نے بھی فتح میں بسط سے کام لیا ہے لیکن صدق میں تو کھیل تماشہ، لہو و لعب سے متعلق اپنے نقطۂ نظر کی تشریح میں قرآن و حدیث کی سندیں اس سے کہیں بڑھ بڑھ کر، روشن تر و واضح تر، بار بار پیش ہو چکی ہیں۔ جن دلوں پر ان تنبیہات کی طرف سے قفل لگے ہوئے ہیں، انکے سامنے اس مزید سند کے پیش کرنے سے حاصل کیا؟

چاکِ جگر سے جب رہِ پرسش نہ وا ہوئی
کیا فائدہ کہ جیب کو رسوا کرے کوئی!

سیلاب فسق

صدق کے مراسلہ نگار خصوصی لاہور سے لکھتے ہیں:-

سعیِ بے حاصل

(از عبد الماجد)

نصیر آباد (ضلع تھانہ بنش) سے آیا ہوا ایک سوال مہینوں سے پڑا ہوا تھا۔ نوبت آج جا کر درج کرنے کی آرہی ہے۔

"ایک خلجان باعث خلش بلکہ بالذات خلش اور سراپا اضطراب بن چکا ہے۔ آش کہ آپ کے نعض بار قلم سے نکلے ہوئے نقوش دل پر سکون و اطمینان کی متین چھاپ پیدا کر دیں۔

کائنات مجموعہ ہے اختلافات کا۔ ہر چیز ایک دوسرے سے مختلف۔ یہ تسلیم کہ یہ اختلافات باعث تزئین ہیں، مگر خلجان و تشویش اسکی منصوصیات ہیں۔ فلک کی وہ کیا خصوصیات ہیں جنکی بنا پر اسکو ایک خاص شکل عطا کی گئی۔ اسی طرح زمین کو زمین کیوں بنایا گیا۔ کیا زمین میں کوئی ذاتی صلاحیت اور استعداد تھی زمین ہی بننے کی؟ اور اسی طرح جسکو جو کچھ بنایا گیا، اسکی استعداد اسی کی مقتضی تھی؟

اگر بات یہی ہے تو بظاہر یہ مسئلہ حل ہو جاتا ہے، مگر ایک سوال پھر بھی پیدا ہوتا ہے کہ آخر انکی استعدادوں میں اختلافات کس طرح پیدا کیا گیا؟ تناسخ اسکے حل کیلیے ایک راہ ہے، لیکن تناسخ بجائے خود گرداب بنکر رہ گیا۔ میں مسئلہ کی حقیقت اسلامی نقطۂ نگاہ سے جاننا چاہتا ہوں۔

کوزہ کو کوزہ گر سے باغیانہ انداز سے سوال کرنے کا کوئی حق نہیں ہم بھی صانع حقیقی کی پُر حکمت صنعت پر کردہ انداز میں ایک حرف کرنا ضلالت سمجھتے ہیں۔ یہ جو کچھ عرض کر رہا ہوں، محض سمجھنے کیلیے، اطمینان پیدا کرنے کیلیے ہے۔ کما قال فی القرآن العظیم اولم تؤمن قال بلی ولکن لیطمئن قلبی۔

جب مرکز سب کا ایک سب اُسی مرکز سے مربوط۔ پھر صورت و معانی میں اختلافات ہی کیونکر رونما ہوا؟ امید ہے کہ اسلامی ذہنیت رکھنے والے فلاسفروں اور دوسرے درجہ میں مغربی فلسفیوں کو بھی پیش نظر رکھ کر جواب ارشاد ہوگا "

جواب جیسا بھی بن پڑیگا، ابھی آگے عرض ہوگا۔ لیکن یہ پہلے سے سن رکھیے کہ جو اُمید مکتوب کی آخری سطروں میں ظاہر کی گئی ہے، وہ بہرحال و بہرصورت پوری نہ ہوگی ——— فلسفہ مسائل الہٰیات کو حل نہیں کرتا، صرف پیچیدہ کو پیچیدہ تر بنا دیتا ہے۔ وہ مدعی ہے کہ صرف عقل کی مدد سے اُن مسائل کو حل کر ڈالیگا، جو عقل و حواس دونوں کی دسترس سے اوراء ہیں۔ انجام کار خود اس دعوے کی بے عقلی ظاہر ہو کر رہتی ہے۔

نہ کہ جواب پاکر قلب سکون، اطمینان و راحت محسوس کرے۔ مقصد یقیناً مبارک و مسعود، اور اُسکی کوشش و خواہش بھی معقول۔ لیکن سوال یہی ہے کہ ایسا ہونا، کسی جواب سے بھی ممکن ہے؟ جواب، معقول سا معقول، فرض کر لیجیے کہ مل گیا، کیا ذہن کی پیاس اس سے بجھ جائیگی؟ ——— اختلاف خواص اشیاء کی جو بھی مصلحت، جو بھی غایت سمجھ میں آجائیگی، کیا معاً اُس پر بھی، اسی قوت کے ساتھ، یہ سوال نہ اُٹھ کھڑا ہوگا، کہ اچھا پھر اس غایت کی غایت، اس مصلحت کی مصلحت، اس گُتہ کی گُتہ کیا ہے؟ اور یہ غایت یا مقصد ہی کیوں مقصود قرار پایا؟ اور اس سلسلۂ سوالات کے ختم ہونے کی کوئی صورت نہیں۔ خود تناسخ والے عقیدہ میں علاوہ دوسری کمزوریوں کے، ایک بڑی کمزوری یہی ہے، کہ اصل بحث جہاں سے شروع ہوئی تھی، اُسے وہ تشنہ جوں کا توں چھوڑ دیتا ہے۔ تو غرض یہ کہ جب بے حاصلی پہلے سے متیقن ہو تو مغز کاوی کی زحمت کیوں جائے؟ اور جب منزل تک نارسائی یقینی ہو، تو سفر کی زحمت ہی کیوں گوارا کی جاتے؟

حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو اطمینان طلب کیا تھا، وہاں صورت استدلال قیاسی کی نہ تھی۔ مشاہدہ حقائق کی تھی۔ اور مشاہدہ بھی ایسا جو صرف خواص انبیاء کے لائق تھا۔ ہم میں سے کسی کو اپنے ظرف و بساط کے موافق، اس مشاہدہ و رویت کا کوئی شمہ نصیب ہو جائے، تو بے شبہہ وہ ایک بیش بہا دولت ہے، اور تسکین و اطمینان کے لیے کافی۔ لیکن ظاہر ہے کہ وہ عالم "قال" کا نہیں، "حال" کا ہے۔

اسکو بھی جانے دیجیے، خود اس پہلو سے کیجیے کہ ہماری کون سی دینی ضرورتیں سوال کے حل پر موقوف ہیں۔ کون سے اعمال ایسے ہیں جو اس حل کے انتظار پر رُکے ہوئے ہیں۔ یقیناً کوئی نہیں۔ کوئی بھی ایسا دینی، دنیوی جزئیہ ایسا نہیں، جو اس اُلجھن کے دُور ہو جانے کے بعد، ہمارے لیے پانی ہو جائے۔ کیا نماز میں خشوع و خضوع اسکے بعد زیادہ نصیب ہو جائیگا؟ کیا عام عبادتوں اور طاعتوں میں طبیعت کی گرانی اسکے بعد انشراح سے بدل جائیگی؟ کیا بخل، حسد، کبر، طمع، وغیرہ امراض نفسانی کا معالجہ کچھ اس سے ہو جائیگا؟ ——— دین سے قطع نظر، دنیا کے رستے میں بھی اس سے کیا منزل جائیگی؟ کون سی معاشی دشواریاں اس سے حل ہو جائینگی؟ کون سی معاشری، خانگی، سہولتیں اس سے بہم پہنچ جائینگی؟ ——— بیٹھے کچھ ہوئے سوال کا جواب بالفرض اصلاً عقلاً ممکن ہوتا، لیکن عملاً بے نتیجہ رہتا، جب بھی عقل و شریعت دونوں کا فتویٰ یہ تھا کہ ایسے شغل لایعنی کو چھوڑ ہی دیا جاتا۔ چہ جائیکہ جب اصل سوال ہی کی بے حاصلی سرے سے ظاہر ہو لی۔

جواب سے قبل یہ سوچیے کہ سوال ہی کیوں پیدا ہوا؟ اسی لیے۔

سوال کا حاصل یہ ہے کہ خواص اشیاء میں اختلاف طبعی کیونکر

پیدا ہوا؟ زمین میں "زمینیت" کی اور آسمان میں "آسمانیت" کی استعداد کیونکر پیدا ہوئی؟ ظاہر ہے کہ مخلوقات نے اپنے ارادہ سے کام لیکر تو اپنی کوئی وضع، شکل، فطرت، استعداد پیدا نہیں کی، لامحالہ تشخصات خالق ہی کی قوت ارادی کے کرشمہ ہیں، اُن میں سے ہر تشخص و تعین کی حکمت کیا ہے؟

گویا سوال حکیم مطلق کی بعض حکمتوں کی توجیہ عقلی سے متعلق ہے۔ لیکن عقل جزوی عقل کلی کا احاطہ کر ہی کیونکر سکتی ہے؟ فہم بشری کے لیے ممکن کیونکر ہے کہ وہ ہمہ حکمت کی کسی فعلیت کو کسی محدود تر قانون کے اندر لا سکے؟ اور یہی معنی ہوتے ہیں توجیہ عقلی کے۔ خدا کا وجود، علت العلل یا مسبب الاسباب کی ہستی ہم نے مانی ہی اس غرض سے تھی کہ سبب و نتیجہ، علت و معلول کے لامتناہی لامحدود چکر، اور دور و تسلسل سے نجات ملے۔ ہر علت کی علت، ہر حکمت کی غایت، ختم ہی جاکر اسکی مشیت (و ارادہ) پر ہو جاتی ہے۔ اب اگر اسکی مشیت بھی کسی اور مصلحت یا غایت کے ماتحت ہوئی، تو اُس پر آخری مشیت خداوندی کا اطلاق ہی کیسے درست ہوگا؟ غایۃ الغایات اور ہر حکمت کی منتہیٰ اگر اسکی حقیقت ہی پہنچ گئی، تو مشیت خداوندی مشیت خداوندی ہی نہیں رہ جاتی، بالکل دوسری

بحث وجود باری اور صفات باری کے اثبات کی چھیڑنی پڑ گئی۔ یہاں مقصود صرف اس قدر ہے، کہ "خدا" کوئی محض لفظ تو ہے نہیں، معنی و مفہوم رکھتا ہے۔ خدا کو خدا مان کر، اسکے معجزات کو پیش نظر رکھ کر، اسکے کسی فعل سے متعلق توجیہ عقلی کا سوال چل ہی نہیں سکتا۔

اور پھر عقل کے حدود کو بھی برابر مستحضر رکھنا چاہیے، عقل بھی تو صرف ایک قوت ہے۔ انسان کی بہت سی قوتوں میں سے ویسی ہی محدود جیسی دوسری قوتیں ہیں۔ آنکھ کا کام صرف دیکھنا ہے، روشنی، رنگ وغیرہ کے مظاہر کے لیے۔ اسکے سوا اور جو کچھ بھی ہے، اُسکے لیے نامعلوم ہے۔ کان صرف آواز سن سکتے ہیں، ایک خاص درجہ اور خاص فاصلہ کے اندر کی آوازیں۔ کائنات میں باقی جو کچھ بھی موجود ہے، قوت سامعہ کے نزدیک معدوم ہے۔ ٹھیک اسی طرح کی ایک بشری قوت عقل ہے۔ عقل کا کام ہے اُن معلومات کو ترتیب دینا جو مختلف حواس سے حاصل ہوں، اور اُس ترتیب و ترکیب کے اثر سے مجہول کو معلوم، خفی کو جلی بنانا۔ اسکے آگے عقل ذرا قدم نہیں رکھ سکتی۔ اور جو مسائل کہ سامعہ، باصرہ، لامسہ وغیرہ کی دسترس سے، اپنی مفرد و مرکب ہر شکل میں باہر ہیں، انکے حل کرنے میں عقل ایسی ہی معطل و بےبس ہے، جیسے غذا کے ہضم کرنے میں، خون کو گردش میں لانے میں، نفسانی تعلقات پیدا کرنے میں ——— اور ظاہر ہے کہ بالکل ظاہر ہے، کہ تکوینیات کی حکمت، بلکہ حکمت در حکمت کو محسوسات یا محاسات جو اس سے دور کا بھی تعلق نہیں۔

اشیاء کائنات کی صلاحیتوں، خاصیتوں، استعدادوں کے اختلافات و تنوع کی ضرورت کے تو سب ہی قائل ہیں۔ اسکا مدعی کوئی بھی نہیں کہ ساری مخلوقات کو بالکل یکساں ہونا تھا۔ سوال صرف یہ رہ جاتا ہے کہ زید

کیوں ہے اور بکر، بکر کیوں؟ اسکا اجمالی جواب، عقل بشری کے حدود کے اندر ممکن، صرف یہ ہے کہ ہر ہر فرد کی صلاحیت و استعداد نظام کائنات کی مجموعی مصلحت کے لحاظ سے رکھی گئی ہے، ہر ہر جزو کا تشخص و تعین اسکے کل کی مناسبت سے کیا گیا، اور ہر ہر پرزہ ٹھیک ویسا اور اسی غرض سے فٹ کیا گیا، جو اس عظیم الشان مشین کی مجموعی غایت و مقصد کو پورا کر سکے۔ چاند کو چاند، اور سورج کو سورج اسی لیے بنایا گیا، کہ ٹھیک انھیں سے کائناتی ضرورتوں کی تکمیل ہو سکتی تھی۔ چاند میں اگر سورج کے، اور سورج میں اگر چاند کے خواص رکھ دیے جائیں، تو وہ سارا نظام کونی ہی برہم ہو جائے، جو فاطر ارض و سما کے پیش نظر تھا۔ اسکے آگے ذات باری سے متعلق کرید کرنا، اور افعال حق کی توجیہ ڈھونڈھنا ایسا ہی ہے جیسا کہ خود ذات واجب الوجود سے متعلق سوال ہونے لگے۔ کہ اسکا وجود کسی دوسرے وجود کے معلول و نتیجہ ہے۔ اور اس سب کے پیدا کرنے والے کا پیدا کرنے والا کون ہے! ——— اکبر نے اسی مقام پر پہونچکر کہا ہے ؎

ذہن میں جو گھر گیا، لا انتہا کیونکر ہوا!

صفات باری، اُسکی ذات ہی کی طرح لامحدود ہیں، لامتناہی ہیں، بیکراں ہیں۔ لامحدود کی پیمائش کوئی محدود آخر کس پیمانے سے کرے؟ اور مطلق کو کوئی مقید اپنے اور اپنی فکر و تعقل کی سطح پر کیا لاسکے؟ وہ ہمہ علم ہے، کوئی اسکے علم کا احاطہ کر سکتا ہے؟ وہ ہمہ توانائی ہے، کوئی اُسکی توانائی کا جبر و تیار کر سکتا ہے؟ وہ ہمہ خیر ہے، کوئی اسکی ربوبیت کی تہ پا سکتا ہے؟ جب اُس کی ساری صفات کا یہی حال ہے، تو صرف اسکی صفت حکمت ہی پر انسان کیوں طبع آزمائی کرے؟ اور جہاں ہم ہر صفت سے متعلق اپنی عاجزی، ذہنی نارسائی، فکری بےبساطی، عقلی بےبسی کا اعتراف کر چکا ہے، وہاں اس طویل فہرست میں ایک عنوان کا اضافہ اور سہی۔

شکر نعمت

صدق ۲۱ میں "ایک مجاہد" کے عنوان سے جو شذرہ نکلا ہے، بحمد اللہ کہ اُسے پڑھتے ہی ایک عالی ہمت مخلص نے نثار کی رقم "مجاہد" موصوف کے لیے ارسال کر دی۔

۲۷ میں مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر پر ایک شذرہ نکلا تھا۔ اُس سلسلہ میں بھی ایک مخلص نے تار کی رقم اس سال بھی عطا کر دی۔

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعاد خریداری اسی ماہ ستمبر ۳۷ء میں ختم ہو رہی ہے، مہربانی فرما کر چندہ ایسے وقت میں بھیج دیجیے کہ ختم ماہ سے پہلے پہلے دفتر میں وصول ہو جائے۔ ورنہ یکم اکتوبر کو وی پی روانہ ہونگے۔ اور وی پی میں خرچ زیادہ ہے۔

خریدار نمبر ٦١	و نمبر ١٥٩	و نمبر ١٦٥	و نمبر ٢١١	و نمبر ٤٢٢
و نمبر ٤٤٥	و نمبر ٥٥٥	و نمبر ٦٣٩	و نمبر ٨٤٩	و نمبر ٩٠٥
و نمبر ٩٦٠	و نمبر ١٠١٢	و نمبر ١٠٢٦	و نمبر ١٠٤٧	و نمبر ١٠٥٩
و نمبر ١٠٦٠	و نمبر ١٠٦٢	و نمبر ١٠٦٣	و نمبر ١٠٦٤	و نمبر ١٠٦٦

نئی کتابیں

(سلسلۂ صدق ۳)

(۵) **نواب ناصر جنگ شہید** - از قاضی معین الدین احمد فاروقی - ضخامت ۱۰۰ صفحے - ملنے کا پتہ، حسن برادرس - تاجر جلد ساز، مصطفے بازار - حیدرآباد (دکن)

جنوبی ہند کی تاریخ کے بہت سے گوشے ابھی بے نقاب ہونے باقی ہیں - انھیں میں نواب ناصر جنگ، جانشین نظام الملک آصفجاہ اول (بانی سلطنت آصفیہ) کا مختصر عہد حکومت بھی ہے - اس عہد کی سیاسی اہمیت اس اعتبار سے بھی زیادہ دلچسپ ہے کہ پہلی بار دو فرنگی قوموں فرانسیسیوں اور انگریزوں نے دیسی روسا کے معاملات میں مداخلت اور ایک دوسرے کو لڑا کر اپنے مقاصد کی تکمیل کا آغاز کیا تھا۔ زیر نظر کتاب میں غربی، معربی، دونوں قسم کے اخذوں سے فائدہ اٹھا کر اس عہد کے تفصیلی حالات قلمبند کیے گئے ہیں - انداز تحریر خاصا دلچسپ ہے، اور حسن ترتیب اور حواشی مولف کی محنت کو ظاہر کرتے ہیں۔ کتاب کے مطالعہ سے یہ عبرتناک حقیقت بھی منکشف ہو جاتی ہے کہ ایک زمانہ تھا کہ فرنگی اقوام، دیسی سلطنتوں سے مرعوب تھے، اور کس مودبانہ انداز میں وہ اپنی عرضیاں شاہی دربار میں پیش کرتی تھیں۔

کتاب کے شروع میں ایک نقشہ دے کر عہد ناصر جنگ کے حدود مملکت کے ساتھ ساتھ موجودہ ریاست کے حدود بھی دکھائے گئے ہیں۔ دو صدی ہجری قبل (۱۱۶۳ھ) اس قلمرو کے حدود میں جنوب کی طرف نہ صرف میسور کی سلطنت شامل تھی بلکہ ترچناپلی و مدراس وغیرہ کے اضلاع بھی شامل تھے، یہاں پورے آگے تک، مشرق میں ساحل سمندر کا بیشتر بڑا حصہ (بشمول سولی پٹم) اور مغرب میں بھی بحیرۂ عرب کے ساحل کا کچھ حصہ اس سلطنت میں شامل تھا - افسوس کہ نصف سے زیادہ علاقہ اب غیروں کے تسلط میں ہے - نواب ناصر جنگ کے عہد حکومت کے ساتھ ساتھ انکے ذاتی خصائل و اخلاق، اور انکے علمی ذوق (خصوصاً شاعری) کی تفصیل بھی کتاب کے آخری باب میں درج ہے - (م - ق)

(۶) **مبادی حکومت اسلامیہ** - از مولوی حکیم سید اشرف صاحب ندوی - ملنے کا پتہ، مصنف بذریعہ شبلی بکڈپو، نصیر آباد - ضخامت ۲۷۰ صفحے قیمت ۴ر

یہ کتاب اپنی نوعیت میں اردو میں تقریباً منفرد ہے - فاضل مولف نے آیت قرآن واعدوا لھم ما استطعتم الخ کے پیش نظر اسلامی عسکریت کی خوب توضیح کی ہے - کتاب مذکور کا ایک مکمل ایڈیشن اس سے قبل بھی شائع کر چکے تھے، اس جدید اڈیشن میں بہت کچھ اضافے شامل ہیں - شروع کے ابواب میں فاضل مولف نے عہد نبوت کے غزوات، طریق حرب، اسلحہ، و اصطلاحات حرب کی توضیح کی ہے - اسکے بعد مختلف اسلامی حکومتوں کے ادوار، ترقی و اصلاحوں، اور بعض بعض معرکہ ہائے جنگ کی تفصیل بیان کی ہے - آخر کے اجزاء میں جدید سے جدید طریق حرب (مشمول ہوائی جنگ) اور آلات حرب کا ذکر کیا ہے اور کہیں کہیں انکا مقابلہ قدیم طریق و قدیم آلات سے بھی کیا ہے - فاضل مولف نے اپنے موضوع کے سلسلہ میں نہ صرف عربی کتب کا مطالعہ کیا ہے، بلکہ ساتھ ہی ساتھ جدید حربی لٹریچر پر بھی انکی نگاہ ہے - البتہ ضمنی و تمہیدی مباحث میں انکا جو ہر اس میں کہیں بیجا جوش مفرط کا اظہار ہو گیا ہے، اور جدید یونان کے بارے میں انکے خیالات خوش عقیدگی کی حد تک پہونچے ہوئے ہیں، اسی طرح سیاسی اعتبار سے وہ ہٹلر اور محوری طاقتوں کی ابتدائی کامیابیوں سے بے حد متاثر نظر آتے ہیں، حالانکہ اب رفتار جنگ اسکے بالکل ہی برعکس ہے - فہرست مضامین اور اشاریہ کی غیر موجودگی کی بڑی کمی محسوس ہوتی ہے - اسکی تلافی آئندہ ایڈیشن میں ضرور ہونی چاہیے - (م - ق)

نئے اخبارات

(۱) **منشور** (باتصویر) ہفتہ وار - اڈیٹر سید حسن ریاض - قیمت سالانہ درج نہیں - فی پرچہ ۳ر پتہ: دفتر آل انڈیا مسلم لیگ - دہلی

یہ پرچہ مسلم لیگ کے سرکاری آرگن کے طور پر کئی تو عرصہ سے رہا تھا - اپنے چند ہفتوں سے کوئی دو ہرکرمسٹر جناح کی سرپرستی میں نئے آب و رنگ نئے انتظامات کے ساتھ نکلنا شروع ہوا ہے - پالیسی اب بھی وہی ہے، یعنی لیگ کی ترجمانی - لیکن اب ظاہری اور معنوی ہر حیثیت سے کہیں بہتر ہو گیا ہے - سید حسن ریاض صاحب ایک کہنہ مشق و ذی استعداد صحافی ہیں، تقدر مرحوم ہیں، اور انکے عہد جناب مرحوم کے ساتھ ہمت (لکھنو) میں کام کیے ہوئے - اپنے ذاتی پرچے بھی نوید وغیرہ کے نام سے نکال چکے ہیں - مضامین انکے عموماً سنجیدہ اور ٹھوس ہوتے ہیں، محض جذباتی نہیں پُر معلومات، پُر بصیرت لیکن انکے قلم کا اصلی جوہر انکے سیاسی مضامین نہیں، بلکہ مختصر سے افسانے ہیں جو تقریباً ہر نمبر میں نکلتے رہتے ہیں ——— افسانے رنگین و دلچسپ بھی اور موثر و درد انگیز بھی - پرچہ صرف انھیں افسانوں کی بنا پر اس قابل ہے کہ پڑھا جائے -

(۲) **اطلاعات** (پندرہ روزہ) اڈیٹر عبد الوحید خاں صاحب بی اے، ایل ایل بی، قیمت سالانہ ۴ر فی پرچہ ۱۰ر پتہ، دفتر صوبہ مسلم لیگ امین آباد لکھنو۔

یہ یو پی مسلم لیگ کا سرکاری ترجمان ہے - اور ابھی ایک ہی نمبر اسکا نکلا ہے - جدید تنظیم صوبہ لیگ میں عبد الوحید خاں صاحب شعبۂ نشر و اشاعت کے ناظم قرار پائے ہیں، اور پرچہ انھیں کی ادارت میں نکلنا شروع ہوا ہے - موصوف اس قسم کے کاموں کی اچھی خاصی صلاحیت رکھتے ہیں - امید ہے کہ پرچہ انکی ادارت میں کامیاب رہیگا اور ہر طرح ترقی کریگا - یہ پہلا نمبر خاصا امید افزا ہے -

مخلوط تعلیم
(جامعہ عثمانیہ میں)

ایک خبر چھپی کہ جامعہ عثمانیہ کی ایم، ایس، سی کی جماعتوں میں مخلوط تعلیم کا اسی سال سے آغاز ہو رہا ہے اور رائے عامہ اسکی مخالفت میں ظاہر ہونے لگی۔ اسکی ایک بڑی وجہ ہے۔ انسانیت کی بنیاد اچھے عادات و اطوار ہے، اور آدمی میں اچھے عادات و اطوار پیدا ہی نہیں ہو سکتے جب تک کہ اسکو نفس امارہ کی شیطنتوں سے بچایا نہ جائے، اور فطرت انسانی کے بُرے میلانوں کو دفع کرکے مفید تقاضوں اور اچھے جذبات اور جبلتوں کے نشو و نما اور پرورش کا ماحول نہ فراہم کیا جائے۔ دنیا میں آجکل عام طور پر انسانیت کی اس بنیاد ہی کو بھلا دیا گیا اور سیاست سیادت کی خاطر، معاشیات معاشیات کی خاطر اور علم علم کی خاطر وغیرہ سیکھے اور ان پر عمل پیرا ہونے کا ایک بے معنی نعرہ کچھ اس طرح فضا میں گونج رہا ہے کہ اخلاقیات اور روحانیات تو اب انسانی دسترس سے باہر اور بہت بلند سمجھا جانے لگا ہے۔ یہ ایک عجیب بھول ہے۔ سیاست، معاشرت و معاشیات اور تحصیل علوم و فنون، ان سب کی ضرورت انسانوں کی فردی و اجتماعی زندگی کو بہتر بنانے کے لیے ہے اور انسانیت کی بنیاد اخلاقیات ہے۔ اس لیے ان سب چیزوں کو ان اخلاقیات کے ساتھ مربوط رکھنا چاہیے مگر معاملہ الٹا ہے۔ بنیاد کو چھوڑ کر در و دیوار اور نقش و نگار بنائے جا رہے ہیں اور حیات انسانی آج اپنی فردی و اجتماعی دونوں حیثیتوں میں ناکام و نامراد ہے۔ اسکی سیاست، اسکی معاشرت اور اسکی معیشت سے ہزاروں فتنے اٹھ رہے ہیں اور اسکو برباد کر رہے ہیں۔ اہل نظر کا یہ کام ہونا چاہیے کہ وہ ان فتنوں کے اسباب پر نظر ڈالیں اور انھیں دور کرنے کی فکر کریں۔

شکر ہے کہ ہم میں ایسے اہل نظر موجود ہیں۔ وہ تعلیم کو اخلاقیات سے بے نیاز، صرف تعلیم کی خاطر حاصل کرنے کے نظریہ کے قائل نہیں ہیں اور جب کبھی ارباب حکومت جامعہ کی جانب سے ایسی کوشش ہوتی ہے تو وہ صدائے احتجاج بلند کرتے اور بتاتے ہیں کہ یہ راستہ کیسے کو نہیں ترکستان کو جاتا ہے۔ اقبال نے ظاہر ہوتی کا مطلب کرتے کہا تھا کہ اس رزق سے موت اچھی جس سے اسکی پرواز میں کوتاہی آتی ہو اور کہہ جا سکتا ہے کہ اس علم سے جہل اچھا جس سے شرافت انسانی میں کمی ہوتی ہو۔ مخلوط تعلیم اور مخلوط معاشرہ میں شرافت انسانی بار بار نفس انسانی بے لگام رہتا ہے۔ اور اسکی بے لگامی خالص مادی اور دنیوی نقطۂ نظر سے بھی انسان کے لیے سخت مضر ہے۔ غرض اس چیز کے خلاف احتجاجوں کا سلسلہ شروع ہو گیا۔

ارباب جامعہ نے ان احتجاجوں کے جواب میں ایک صحافتی اعلامیہ شائع کرا کر اسکی تصدیق کر دی کہ مخلوط تعلیم شروع تو ہو رہی ہے مگر انھوں نے ان اسباب کا ذکر بھی کیا جنکی بنا پر اس اختلاط کو شروع کیا جا رہا ہے اور ان احتیاطوں کا حال بھی بیان کیا جو مخلوط تعلیم کو غیر مخلوط رکھنے کے لیے استعمال کی جائیں گی۔ اس اعلامیہ نے ہمیں بتایا کہ گزشتہ تجربہ سے یہ ثابت ہو رہا ہے کہ سینیر اساتذۂ جامعہ کے زنانہ کلیۂ اناث ہی میں طبیعیات اور کیمیا کی ایم، ایس، سی تعلیم کا انتظام ناکافی ہے۔ طالبات کو تمام ان تجربہ خانوں میں کام کرنا ضروری ہے۔ یہ طالبات ہونگی جنکو محاکۂ قابلیت اور کلیۂ اناث میں معاہدہ بنایا جائیگا اور اس لیے انکی تعلیم کا کس ہونا ضروری ہے۔ یہ تعلیم وہاں پردہ کے ساتھ ہوگی۔ چلمنیں لگائی جائینگی۔ لڑکیوں کے داخلہ کے راستے الگ ہونگے۔ ایک نگراں کار خاتون جماعت میں موجود رہینگی۔ وغیرہ وغیرہ۔

ارباب جامعہ کی اس تجویز سے یہ ظاہر ہو رہا ہے کہ وہ لڑکیوں کو تعلیم تعلیم ہی کی خاطر دلوانا چاہتے ہیں اور ضرورت اخلاق اور تربیت نفس انکے پیش نظر نہیں ہے جو احتجاجیوں کے پیش نظر ہے۔ انھوں نے یہ جو اسکیم تیار کی ہے وہ ان معترضین کا منہ بند کرنے کے لیے ہے اور کاغذ پر یہ بہت معقول بھی معلوم ہوتی ہے۔ مگر ہمیں یہ یاد رکھنا چاہیے کہ بہت سی تجاویز کاغذ پر بہت اچھی اور مفید معلوم ہوتی ہیں مگر جب انکو عمل میں منتقل کرنے کی نوبت آتی ہے تو انکی خامیاں معلوم ہونے لگتی ہیں۔ اس چلمن کے پردے اور نگراں کار خاتون کی تجویز کچھ نئی نہیں ہے۔ ہم اس چلمن اور اس نگرانی کی قوتوں سے خوب واقف ہیں، مثلاً کلیۂ اناث اور نسوانی بی ٹی کی جماعتوں میں آزمایا جا رہا ہے۔ یہ چلمنیں اور نگرانی بے اختلاطی وہاں بھی بے اختلاطی نہیں رہی ہے۔ اور اب سیکڑوں طلبا و طالبات کی جامعہ میں تو اسکا باقی رہنا بالکل ہی ناممکن معلوم ہوتا ہے۔ ہم نے جامعہ کے قیام کے وقت بہت بڑے بڑے شاہرے اور منصوبے دیکھے تھے کہ ہفتہ میں تین چار لکچروں ہی کے لیے بڑے ذخیرہ حاصل کیے تھے۔ اب ہم ان شعبوں کے لیے باہر سے بعض خاتونوں کو ذخیرہ حاصل کیے اپنے معاشرہ کو بچا سکتے ہیں۔ اگر فی الحقیقت ارباب جامعہ یقین کر لیں کہ یہ بُری چیز ہے اور جو تجویز انھوں نے تیار کی ہے وہ عمل میں کامیاب نہیں ہو سکے گی۔ (رہبر دکن)

بقیہ صفحہ ۳

سدق مقالہ میں زنا کا تذکرہ دیکھا۔ اب ایک اور مصیبت کا تذکرہ سنیے۔ لاہور میں تقریباً ۴۰ سینما ہیں۔ ان میں کئی نے ایک شو ہر ہفتہ عورتوں کے لیے وقف کر رکھا ہے سر کے دنت ہی۔ اسے [illegible] کہتے ہیں۔ اسکا وقت ۲ بجے سے ۴ بجے شام تک کا ہوتا ہے۔ عام طور پر اسوقت مرد گھروں میں نہیں ہوتے۔ نتیجہ یہ ہے کہ ان اوقات میں سیکڑوں نہیں ہزاروں ہی مسلمان برقع پوش عورتیں اکیلی یعنی بغیر مردوں کے سینما دیکھنے جاتی ہیں۔ یہ وبا خوفناک حد تک بڑھ گئی ہے۔ گندی سے گندی فلم دیکھنے کے لیے ان پردہ نشینوں کے جھگٹے ہر طرف نظر آتے ہیں اور عجب تماشہ

صورت ناک وہ ہجوم سڑکوں پر ہوتا ہے کہ شریف آدمی کے لیے راستہ چلنا دشوار ہوتا ہے۔ اور لاہور کا عالم پریس ہے کہ ٹس سے مس نہیں ہوتا۔ اب فرمایئے اسکے بعد ہمارا یہ کہنے کا منہ کہاں رہ جاتا ہے کہ کانگریس کی جانب مسلمان نوجوانوں کی کشش عورتوں کی بنا پر ہے۔"

یہ سیلاب فسق جو ہمارے گھروں کے اندر تک پہونچ گیا ہے لاہور ہی تک محدود نہیں، حقیقتاً بڑا ہر شہر اسکی زد میں آ چکا ہے۔ اس فقرے سے مقصود لاہور کی ذمہ داریوں کو ہلکا کرنا نہیں ہے، دوسرے شہروں کو بھی انکی ذمہ داریوں پر توجہ دلانا ہے۔ جو پردہ نشین ان گندے منظروں کو ہر ہر حیثیت اور ہر ہر صورت سے عشقیہ سیلابات اور شہوانی آتشوں کے ابھارنے والے منظروں کو دیکھ دیکھ کر گھر واپس آتی ہیں انکی ہر چند انکے گوشۂ افسردگی میں عصمت و شرافت کے خیالات باقی رہ سکتے ہیں! یہ شیطانی حملہ کسی فرع پر نہیں، اصل پر ہے۔ عمارت اخلاق کی بنیاد ہی کو اندر سے کھوکھلا کر دینے والا ہے ۔۔۔ پنجاب کے مسلمان تو اپنی غیرت و حمیت کے لیے مشہور ہیں، کیا انکی غیرت کو بھی بیدار کرنے کے لیے ضرورت ہے کسی نمایش تحریک اور بیرونی محرک کی؟ اور شہر لاہور تو مرکز ہے اسلامی اخبارات کا، مذہبی تنظیم مذہبی مجلسوں اور انجمنوں کا، اور ملی اداروں کا۔ سیلاب فسق کی روک تھام کی پیشوائی وہ چاہے تو اولی توجہ و کوشش سے اسکے حصہ میں آسکتی ہے!

تعزیت نامے

(۱۲)

(محمد صدیق صاحب دریابادی۔ نزیل [illegible] بمبئی)

صدق [illegible] میں "ذہب ارشاد کا وصال" آنکھوں کے سامنے آیا۔ انا للّٰہ زبان سے تو نکلا، لیکن بے ارادہ۔ ایسا معلوم ہوا کہ اس وقت قلب اور دماغ دونوں جسم سے نکال لیے گئے۔ چند لمحوں کے لیے بے جان قالب بنا رہا۔ اس سے پہلے والے دو نمبروں میں علالت کے متعلق آں محترم نے تحریر فرمایا تھا۔ دل تو اسی وقت سے کھٹک رہا تھا۔ آہ کہ علم و عمل کی مکمل جامعیت، ایسی جامعیت جس پر خود علم و عمل کو ناز رہا ہو، ہم بدنصیبوں اور ناقدروں سے واپس لے لی گئی۔

آں محترم نے بجا ارشاد فرمایا کہ اللہ نے انکی ذات میں نور حق کی تابہ تعلیک دکھا دی تھی۔ خوش نصیب تھے وہ جنہوں نے حضرت اقدس کی ذات سے بقدر فطرت نور حاصل کر لیا۔ قلب نے اپنی [illegible] میں کمی نہیں کی، [illegible] لیے اس [illegible] کوئی دوسرا تھا۔

دل کو تسلی دینے کے لیے اب تو یہی سوچا کرتا ہوں کہ حضرت اقدس کے ذمہ اللہ تعالیٰ نے جو خدمت دین و ملت سپرد فرمائی تھی اسے آپ نے بوجہ احسن پورا فرما دیا اور رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

اے اللہ توفیق عطا فرما ہم کو اور تمام مسلمانوں کو کہ اس مجدد وقت کے بتائے ہوئے راستہ پر چل کر دین و دنیا کی فلاح حاصل کریں۔

(۱۳)

مولوی ابوالقاسم صاحب۔ بجری آباد (فتحپور)

آہ حضرت مولانا تھانوی وصال فرما گئے۔ آہ کہ مجھ سیاہ کار کی زندگی میں یہ حادثہ جانگداز واقع ہونا تھا ؎

تھا یہی ہونا رضینا بالقضا ۔ تھی یہی تقدیر رب لم یزل

اب تک دل بیتاب کو قرار ہی نہیں آتا۔ ہر وقت مولانا مرحوم پیش نظر رہا کرتے ہیں۔ اپنی محرومی القسمتی پہلے اختیار رونا آتا ہے کہ ایسے شیخ وقت سے استفادۂ باطنی نہ کر سکا۔ ۱۰۔ ۶ جو باتیں تھیں وہ دل دو کان اپنی [illegible]۔ رحمہ اللہ تعالیٰ رحمۃ واسعۃ کثیرۃ۔ اب حضرت دو تین تمنائیں ہیں۔ اول تو یہ کہ حضرت قدس سرہ کے حالات بالکل مفصل شائع ہو جاتے۔ اس سے قبل حضرت مولانا گنگوہی رحمۃ اللہ علیہ کے حالات وصال [illegible] وصیت نامہ کے ذیل [illegible] کے نام سے شائع ہوئے تھے۔ حضرت تھانوی کے بھی حالات وصال سلسلہ تذکرۃ السوانح باستقلال شائع ہو جاتے تو خوب تھا۔ دوسرے مولانا قدس سرہ کا وصیت نامہ مکمل مرتب کرکے شائع ہو جاتا تو بہتر تھا۔ حضرت نے اپنا وصیت نامہ آج سے بہت پہلے تنبیہات وصیت کے نام سے شائع فرمایا تھا اور اسکے ضمیمے تھے جو وقتاً فوقتاً شائع فرماتے رہتے تھے، وہ سب مرتب کرکے شائع کر دیے جاتے تو بہت بہتر ہوتا۔ اس سلسلہ میں آپ سے درخواست ہے کہ حضرت آنجناب تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے فضائل و کمالات کے پوشیدہ گوشوں کو اپنے مخصوص و موثر انداز میں اپنے اخبار میں ظاہر فرماتے رہا کریں۔ افسوس صد افسوس کہ حضرت مولانا کی قدر انکی حیات بابرکت میں نہ کی گئی۔

(۱۴)

عبدالرزاق صاحب انعامدار۔ بیلگام

نہایت افسوس کے ساتھ عرض کرنا پڑتا ہے کہ حکیم الامت علامہ شاہ اشرف علی صاحب تھانوی کے انتقال پر ملال سے ہم اہل بیلگام نہایت ہی غمگین اور ملول ہیں۔ ہندوستان میں ایسا کون بدقسمت مسلمان ہوگا جسکو حکیم الامت کے رحلت فرمانے کا غم نہ ہوا ہو۔ اس غم و الم سے متاثر ہو کر بندہ نے بحیثیت صدر مسلم لیگ ضلع بیلگام پورے ضلع میں بذریعہ اشتہار اعلان کیا ہے کہ آئندہ جمعہ کو بعد نماز جمعہ ایک تعزیتی جلسہ منعقد کر کے علامہ مرحوم کی روح کو ایصال ثواب کریں۔ لہذا اگر مناسب سمجھتے ہوں تو مذکورہ کارروائی اپنے اخبار گوہر بار صدق میں شائع فرما کر ممنون و مشکور فرمائیں۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق۔ مرشد آباد بلس گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون | اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ اذعان کیا وہی لوگ پرہیزگار ہیں

صدق

ایڈیٹر - عبدالماجد
پتہ - دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب :- (حکیم) عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے۔

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی تین روپیہ
بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

نمبر ۲۰ | دوشنبہ - ۱۲ ر رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۳ ر ستمبر ۱۹۴۳ء | جلد ۹

سچی باتیں

(از عبدالماجد)

"سچی باتیں" جب نام کے ساتھ لکھی جاتی ہیں تو اسکے معنی یہ ہوتے ہیں کہ ان میں کوئی ذاتی پہلو ہوتا ہے —— آپ بیتی کا کوئی نہ کوئی صفحہ۔

علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے استاد شیخ عطاءاللہ صاحب ایم اے مکتوبات اقبال کا مجموعہ مرتب کر رہے ہیں۔ انکی فرمائشوں سے مجبور ہو کر اپنا بھی ذخیرۂ مکاتیب کھنگالنا پڑا۔ اقبال کے خطوط تو خیر اہتمام سے رکھے ہی گئے تھے، بہت سے اور خطوط بھی اس الٹ پلٹ میں نظر پڑ گئے، پندرہ پندرہ سال کے پُرانے! —— ایک لفافہ ۱۹۳۰ء کا نکلا۔ اندر کا خط ۵ صفحے کا، ایک علمی فلسفیانہ مسئلہ سے متعلق۔ تاریخ ۱۱ ر اگست کی پڑی ہوئی۔ کاتب ایک علمی انجمن کے سکریٹری ہیں۔ پتہ "عالی جناب حکیم نفسیات مولوی عبدالماجد صاحب مد افضالہ العالیہ" کے نام ہے۔ خط کی ابتداء اس "نہایت ادب کے ساتھ گزارش" سے ہوتی ہے کہ

"ایک عرصہ سے جناب کی بیش بہا کتاب فلسفۂ جذبات میرے اور میرے احباب میں ایک کھلونا بنی ہوئی ہے۔ لفظ لفظ پر تنقیدیں، بحثیں اور لکچر ہوتے ہیں۔ اور اگر آپ اسے جھوٹی خوشامد نہ سمجھیں تو کہہ سکتا ہوں کہ ہم آپ کے اس احسان عظیم کا جو آپ نے اردو پر کیا ہے بیحد احترام کرتے ہیں" اور خط ختم ان الفاظ پر ہوتا ہے:- دست بستہ عرض کرتا ہوں کہ قلت وقت کی وجہ سے اس بے التفاتی نہ برتیے گا" "آواز گدا رونق بازار کریم ست" اس خط کے پوسٹ کرنے سے جواب آنے تک ہر ہر لحظہ سخت انتظار میں گزریگا"

۹-۱۰ سال کا درمیانی وقفہ چھوڑ دیجئے۔ اب یہ بزم علمی کے سکریٹری صاحب اُردو کے ایک مشہور کثیر الاشاعت اخبار کے مدیر ہیں۔ اپنے پرچہ کے ایک خصوصی نمبر کے لیے مضمون طلب کرتے ہیں۔ جواب میں کم فرصتی کا عذر کیا جاتا ہے۔ عذر قبول نہیں ہوتا۔ دوسرا خط اہتمام خاص کے ساتھ عالی جناب مولانا مدظلہٗ" کے نام آتا ہے کہ "مولانا اسے محترم... اگر آپ جیسے بزرگان قوم ہی کا قلم حرکت نہ کریگا تو ہری کھیتی خشک پڑ جائیگی۔ اس لیے بادب ایک بار پھر اپنی درخواست کو دہراتا ہوں"۔ اس "عہدنامۂ عقیدت" پر تاریخ ۲۷ ر جنوری ۱۹۳۹ء کی درج ہے —— چار سال اور گزر گئے، زمانہ جون ۱۹۴۳ء کا آجاتا ہے۔ اور اب یکایک اسی قلم سے عتاب کا وہ آتش فشاں اس زور سے پھٹتا ہے کہ الحفیظ والامان

وہ تری گلی کی قیامتیں کہ لحد سے مردے نکل پڑے!

۱۹۳۹ء کے "عالی جناب مولانا اسے محترم مدظلہٗ" اور "بزرگ ملت" ۱۹۴۳ء میں اب معمولی مسلمان بھی نہیں، بدترین خلائق ہیں، ننگ امت ہیں اور اس کے راسپوٹین اور باطنیوں کے حسن بن صباح کی یادگار ہیں، امت کی کا سب سے بڑا فتنہ ہیں، ذاتی زندگی ریاکاری وگندگی کا مجسمہ ہے، خلاصہ یہ کہ منافق اعظم ہیں! کالم پر کالم ناکافی، اشاعتوں پر اشاعتیں اسکے لیے وقف۔ نثر کے بعد نظم، اور نظم کے بعد نثر! مقالے اور فتوے، فتوے اور مقالے!

جو کچھ لکھا گیا، بحث اُسکے صحیح یا غلط ہونے سے مطلق نہیں، ہو سکتا ہے کہ اس نامہ سیاہ کا نامۂ عمل اس سے بھی سیاہ تر ہو، صحیح یا غلط ہونے کا فیصلہ تو "آج" نہیں، "کل" ہوگا۔ بحث سارے قصہ کے صرف عبرت آموز پہلو سے ہے۔ اقبالؒ نے کہا تھا ؎

کیا زندگی جو ہو نفس غیر پر مدار
شہرت کی زندگی کا بھروسہ بھی چھوڑ دے!

یہ قول کتنا سچا نکلا! انسان کا قلب بھی کتنی جلد بدلتا رہتا ہے؟ آج کا اور کل تک [illegible] دیکھتے دیکھتے کس طرح تبدیل ہو جاتا ہے! فلاں کی داد اور فلاں کی [illegible] کیسی دھوکے کی چیزیاں ہیں، اور کیسی ناقابلِ اعتبار! ——— [illegible] نام و نمود کی پیاس، شہرت و اعزاز کی طلب [illegible] تجارت کے دو نمائش [illegible] ہے! —— تہہ کے [illegible] کی آڑ میں رحمت و تہذیب کے نام سے ادب!

دیکھو مجھے جو دیدۂ عبرت نگاہ ہو
میری سنو جو گوشِ نصیحت نیوش ہو

سیرت کے [illegible] سید محمد [illegible] یوسف صاحب متعلق [illegible] سے لکھتے ہیں :-

[illegible] کے صدق میں مولانا حبیب الباری صاحب کا خط اور مولانا مناظر احسن گیلانی کا مضمون خوب رہا ہے۔ یعنی اگر ان دونوں حضرات میں سے اول صاحب یا جناب سید صاحب مد ظلہ حضرت اقدس کے مجددانہ کارناموں پر مستقل طور پر روشنی ڈالیں تو بہترین کتاب [illegible] مضمون لوگوں کے ہاتھ آ جائیگا۔

درخواست کے مخاطب تینوں صاحب یکساں ہیں۔ لیکن مولانا گیلانی اور مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، مصروفیت میں بھی بالکل [illegible] ہیں؛ مولانا حبیب الباری کی کسی بڑی مشغولیت کا علم دنیا کو نہیں۔ بلکہ جہاں تک علم ہوا ہے وہ جامعہ عثمانیہ کی سرکاری خدمت سے بھی یکسوئی حاصل کر لینے والے ہیں، اور ایک بڑی حد تک اب بھی فراغت حاصل کر چکے ہیں۔ اس "فرض" کو اپنے اوپر وہ "قرض" سمجھ لیں، تو اس کی ادائی کچھ ایسی دشوار نہ رہ جائے!

رزق کی گرانی مولانا گیلانی حیدرآباد دکن سے ایک نجی مکتوب میں لکھتے ہیں :-

"کلکتہ کی گرانی! اور گرانی کا نتیجہ موت! اب ریل کا زمانہ ہے۔ قحط کا خطرہ دنیا کو نہ رہا۔ پیداوار ایک جگہ سے دوسری جگہ بآسانی منتقل ہو سکتی ہیں، لیکن باایں ہمہ ہندوستان کی سب سے بڑی منڈی جس کا غلہ براہِ سمندر اور براہِ خشکی ساری دنیا سے لایا جاتا ہے بھوکوں مر رہی ہے۔ قدرت دکھا رہی ہے کہ ملک تمہارا رازق نہیں بن رہا ہے۔ امّن ھٰذا الذی یرزقکم ان امسک رزقہ بل لجوا فی عتو و نفور کی دھمکی کبھی کبھی، اتفاق کی شکل یوں بھی اختیار کر لیتی ہے۔ فاللہ خیرٌ حافظا و ھو ارحم الراحمین۔"

یہ رزق کی گرانی ہے یا موت کی ارزانی؟ کلکتہ اور دوسرے مقامات پر واقعۃً جو کچھ گزر رہی ہے، اسکے مشاہدہ کے لیے تو جگر کا جگر چاہیے۔ نیم مردہ، پوست و استخوان، انسانی ڈھانچوں کی جو تصویریں اسٹیٹسمین وغیرہ میں آتی رہتی ہیں انھیں کو دیکھے دیکھا نہیں جاتا ہے۔ اور اطلاع یہ بھی شائع ہوئی ہے کہ مرنے والوں میں مسلمان کثرت سے ہیں! انا للہ ——

انکی مالی امداد، مسلم چیمبر آف کامرس (کلکتہ) کے ذریعہ سے کی جا سکتی ہے۔ رزاق جو کل تھا، بس وہی آج بھی ہے۔ اسکے سوا، جتنے بھی سہارے ہیں، دھوکے ہیں، ڈھکوسلے ہیں۔

شیخ کی تعزیت شیخ کے قلم سے وقت کے ایک ممتاز عالمِ ربانی، مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی، حضرت مولانا تھانویؒ کے سلسلۂ تعزیت میں لکھتے ہیں :-

"افسوس ہدایت کے وہ باریک نکتے سمجھانے والا دنیا سے اٹھ گیا۔ اسلامی [illegible] کا بہت بڑا ستون گر پڑا۔ اس محفل کی آخری شمع گل ہو گئی۔ ہمارے دیار پر صالحین کا وہ قرن ختم ہو گیا۔ خدا ہی بہتر جانتا ہے کہ اسکا وجود کتنے فتنوں سے امان بنا ہوا تھا۔ وہ کیا تھے، اور کیا کچھ کر گئے۔ یہ اندازہ لگانا جاننے پہچاننے والوں کا کام ہے۔ جسے علم و معرفت کی [illegible] ہو وہ انکے مقام کا ادراک کیا کر سکتا ہے۔ شیخ اکبرؒ کی ایک عبارت مدت ہوئی فتوحات مکیہ میں دیکھی تھی، آپ کو بھی سناتا ہوں۔ "و اما المعالی من الرجال فہم الاکابر الذین یرثون من رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم عبودیۃ فان امروا بالتبلیغ احتالوا فی ستر مقامہم عن اعین الناس لیظہروا عند الناس بالاطلیین فی العادۃ انہم من اہل الاختصاص الالٰہی فیجمعون بین الدعوۃ الی اللہ و بین ستر المقام فید خوہم بقرأۃ الحدیث، کتب الرقائق و حکایات کلام المشایخ حتی لا یعرفہم العامۃ الا انہم نقلۃ لا یتطلون من احوالہم من مقام القربۃ (باب ۴۵)" مجھے حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ کے احوال پر اکثر شیخ کی یہ عبارت یاد آ جاتی تھی۔ حق تعالیٰ انکے مدارج بلند فرمائے اور امت کو انکے فیوض باقیہ سے منتفع ہونے کی توفیق بخشے۔"

شیخ ابن عربیؒ کی عربی عبارت کا حاصل یہ ہے کہ اکابر رجال جو موجودات میں بس رسول اللہؐ کے سچے جانشیں ہوتے ہیں، جب تبلیغ کے کام پر بٹھا دیے جاتے ہیں، تو انھیں اپنے اصل رتبہ کو خلق کی نظر سے پوشیدہ رکھنے میں بڑی فکر کرنا پڑتی ہے، اور اسکے لیے حیلے کرتے ہیں کہ کوئی انھیں اہل تخصیص میں نہ سمجھ لے۔ دعوت الی اللہ کا کام تو بہرحال جاری رہتا ہی ہے، لیکن اپنے مرتبہ کے اخفا کے لیے کبھی وہ درس حدیث شروع کر دیتے ہیں، کبھی اخلاق و موعظت کی کتابیں پڑھانے لگتے ہیں، اور کبھی مشائخ کے قصے بیان کیا کرتے ہیں، کہ لوگ انھیں محض ناقل روایات سمجھیں، اور انکے مقام قرب کو نہ پہچان سکیں۔

شیخ وقتؒ کی تعزیت کا کوئی حق اگر کوئی ادا کر سکتا ہے، تو مولانا عثمانی ہی جیسے حضرات کر سکتے ہیں۔

دیوبند جدید دیوبند سے ایک صاحب لکھتے ہیں: "آپ کو اطلاع ہوئی ہوگی کہ اسی ذی الحجہ ۶۲ھ کے اجلاس شوریٰ میں دارالعلوم سے محض رسمی تعلق جو حضرت مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی کا باقی رہ گیا تھا، وہ بھی رجب کے اجلاس میں کلیۃً قطع کر دیا گیا۔ لیکن آپ کو یہ سن کر حیرت ہوگی کہ دوسرے فریق کو اپنی اس فتح پر جیسی خوشی ہے، مولانا کو اپنی شکست پر

مشورے اور گزارشیں

(۴)

(س) (ذیل صاحب علم بزرگ زادہ کا مکتوب) یہ عریضہ اس غرض سے ارسال خدمت کر رہا ہوں کہ میں نے ایک خواب دیکھا ہے جسکی تعبیر معلوم کرنے کی بڑی خواہش ہے۔ ہر چند نظر دوڑائی گر ایسے دانا کوئی صورت نظر نہ آئی کہ آپ کو لکھ کر مشورہ دوں۔

وہ خواب یہ ہے کہ میں حضرت جد امجد رحمۃ اللہ علیہ یعنی ۔ ۔ ۔ کے مزار کے مواجہہ میں حاضر ہوں اور مجھ پر جو وہ وقت سے زیادہ بڑا ہے اور مزار مبارک کی جگہ سنگ مرمر کا ایک بڑا لمبا اور خوبصورت چبوترہ ہے اس پر آپ زندہ سبز رنگ کی چادر اوڑھے ہوئے لیٹے ہیں۔ اور جہاں تک مجھے خیال ہے آپ کے بازو پر زیارت کی قسم کی کوئی چیز ہے۔ میری آہٹ پا کر اپنے چہرے سے چادر ہٹائی اور مجھے دیکھ کر پھر اوڑھ لی میں مواجہہ کے بائیں جانب آگیا اور جنگلہ کے باہر کھڑا ہو گیا۔ اسی پر میرے والد بیٹھے ہیں۔ مصافحہ کرنے کے بعد حضرت میری طرف متوجہ ہوئے اور ایک پان بنا کر میری طرف پھینکا جسکو میرے والد نے اٹھا کر کھا لیا اسکے بعد حضرت نے دوسرا پان بنا کر مجھے اپنے پاس بلایا اور خود پان چبا کر جس طرح چڑیاں اپنے بچوں کو کھلاتی ہیں اسی طرح منہ میں منہ ملا کر پان اپنے منہ سے میرے منہ میں منتقل کرنا چاہا۔ میں منتظر بھی رہا لیکن وہ میرے منہ میں منتقل نہ ہو سکا۔ اسی دوران میں میں نے اپنی غفلتوں اور دینی کوتاہیوں کے ازالہ کے لیے دعا کی درخواست کی اور زبان پر یہ شعر جاری تھا۔

عشق عاشق او دین و دنیاہ ما ذرہ دردے دل ما را دوا

اسکے بعد آنکھیں کھل گئی۔

ممکن ہے یہ خواب محض اضغاث احلام میں ہو لیکن ایسا مرتب ہے کہ واقعی معلوم ہوتا ہے۔ اسکی ایک تعبیر جو بظاہر معلوم ہوتی ہے وہ آپ کے فیض سے میری محرومی ہے جسکا خواب میں بھی افسوس رہا۔ لیکن اسی کے ساتھ یہ خوشی بھی ہے کہ مانگنے کے وقت میں نے دنیا نہیں مانگی بلکہ وہی چیز مانگی جو مانگنے کی تھی۔

اگر یہ خواب اضغاث احلام نہیں ہے تو اسکی واقعی تعبیر کیا ہے اگر آپ اسکے متعلق خود ارشاد فرما سکتے ہوں تو فرمائیے۔ ورنہ کسی ایسے کسی ایسے بزرگ کا پتہ دیجیے جس کی طرف میں رجوع کروں اس لیے کہ اسکی تعبیر معلوم کرنے کی خواہش ہے۔ والسلام

(ج) خواب کی تعبیر ایک مستقل فن ہے۔ یہاں اسکی ہوا بھی نہیں لگی لیکن اناڑی بھی طبیبوں کے مطب میں بیٹھ کر کچھ دوائیں سیکھ لیتے ہیں، اور اکثر سیدھا علاج بھی کر لیتے ہیں۔ خواب پیچیدہ نہیں، صاف ہے۔ اور آپ کے حق میں مبارک۔ زیارت صالحین یوں بھی باعث برکت ہوتی ہے آپکی روح میں طلب مقصود اصلی کی پیدا ہو چکی ہے گو وہ طلب نامناسب احوال اور بعض مشاغل سے دبی ہوئی۔ خواب میں اسی طلب کو بیدار کیا گیا ہے اور لطیفہ غیبی کو شکل ایسی مستی کی دی گئی ہے جس سے آپ طبعاً مانوس و مالوف ہیں۔ اگر آپ پر اثر قوی ہو شفقت مزید کا اظہار ادھر سے اسی کیفیت کو قوی تر بنانے کے لیے ہے۔

مقام توبہ کا کھل جانا صوفیہ کے ہاں ایک بڑی چیز مانا گیا ہے اور یہ خواب اسی کی ایک شکل ہے گو بہت ہلکی اور بالکل ہی ابتدائی مولوی حاجی محمد شفیع صاحب (مسترشد مولانا فضل رحمن گنج مراد آبادی و حاجی امداد اللہ مہاجر مکی) اسوقت ایک صاحب نسبت بزرگ ہیں۔ جی چاہے اُن سے مراسلت کر دیکھیے۔ انکا پتہ یہ ہے:۔ ڈاکخانہ و قصبہ بجنور - ضلع لکھنؤ۔

جامع مسجد نگرام کی تعمیر

برادران اسلام - السلام علیکم ورحمۃ اللہ برکاتہ - جناب والا کی خدمت میں اسوقت ایک خالص دینی مسئلہ پیش کر رہا ہوں۔ امید ہے کہ جناب والا اس طرف خاص توجہ فرمائیں گے۔

جناب والا - جامع مسجد نگرام ضلع لکھنؤ ایک نہایت ہی قدیم اور تاریخی مسجد ہے جو اپنی خصوصیات کے لحاظ سے اس جوار میں نہایت مشہور و معروف ہے بوجہ قدامت اسکی عمارت بالکل شکستہ اور معطل ہو رہی تھی - نیز نمازیوں کی کثرت کی وجہ سے اسکی توسیع کی بھی ضرورت تھی۔ ان حالات کی بنا پر اس جامع مسجد کی از سر نو تعمیر بالکل ضروری تھی - وقتی حالات اگرچہ انتہائی نازک ہیں لیکن مسجد کی موجودہ صورت حال بھی نہایت ہی ناقابل برداشت تھی۔ چنانچہ محض توکل بخدا اسکی تعمیر کا کام شروع کر دیا گیا اور اب تک مقامی اور بیرونجات کے مسلمان بھائیوں کی امداد سے مجوزہ نقشۂ عمارت کا تقریباً نصف حصہ تعمیر بھی ہو چکا ہے جس پر تقریباً ۳ ہزار روپیہ اب تک صرف ہوا ہے بقیہ عمارت کی تکمیل کے لیے بھی اپنے مسلمان بھائیوں کی دینی حمیت کا انتظار ہے۔ مساجد کی تعمیر میں شرکت کرنا بہترین سعادت ہے اور اسکا ثواب ابدالآباد کے لیے ہے۔ آپ جیسے مخلص مسلمان بھائیوں کی مذہبی غیرت سے امید ہے کہ اس مسجد کی تعمیر کے جملہ انتظامات چند متدین مسلمانوں کی زیر نگرانی ہیں۔ جناب خان بہادر مولوی علی متقی صاحب (گورنمنٹ پنشنر) اور جناب شیخ احمد حسن صاحب تاجر خازن و امین ہیں - تمام حسابات نہایت ہی باضابطہ رکھے جاتے ہیں - امید ہے کہ جناب والا اس خانۂ خدا کی تعمیر میں سعی بلیغ فرمائیں گے - دامے درمے قدمے سخنے جو کوشش بھی ہو سکتی ہو اسکو عمل میں لا کر اپنے اللہ سے اجر عظیم حاصل کرینگے - فقط -

محمد انیس عفا اللہ عنہ (ناظم مدرسہ معدن العلوم) نگرام - ضلع لکھنؤ -

---

تعزیت نامے

(۱۵)

جامعہ حسینیہ، راندیر (ضلع سورت)

جامعہ حسینیہ کے اراکین ومدرسین اعلیٰ حضرت حکیم الامت مولانا تھانوی قدس سرہ کے وصال کی خبر سن کر ایصال ثواب ودرجات کی بلندی کے لیے قرآن کریم کے ختم میں مشغول ہوگئے اور قریب تھا زمانہ میں مدرسہ کا سالانہ جلسہ زیر صدارت علامہ مولانا شبیر احمد صاحب عثمانی منعقد ہوا۔ اس جلسہ میں بھی مدرسہ کی روداد میں اس عظیم صدمہ کا ذکر کیا گیا اور منظومہ ذیل مرثیہ بھی اسی جلسہ میں پڑھا گیا۔ حاضرین جلسہ پر گہرا اثر تھا جیسا اظہار انکی اشکباریوں سے ہو رہا تھا۔ اسکے بعد مولانا عثمانی مدظلہ نے وعظ فرمایا اور وعظ میں حضرت اقدس کے علوم ومعارف کے مختلف گوشوں پر روشنی ڈالی اور یہ بھی فرمایا کہ اس مرثیہ میں جو کچھ لکھا ہے حضرت اقدس تو آخرت کو بھی آگے گئے۔ کہاں تو لوگوں کا رونا کیا، رونا تو ہمارا ہے۔ اب ہم کس سے شبہات حل کرائیں گے۔ تمہارے لیے تو دیگر علماء میں لیکن اب ہم کدھر جائیں گے۔ تاثرات میں الفاظ ڈوبے تھے، ساتھ ہی آنکھوں سے پانی گر رہا تھا۔ واقعی اس ہستی کی جدائی پر جتنا بھی غم والم کیا جائے کم ہے۔ خدا سے دعا ہے کہ اس ہستی کے درجات کو ملی سے بلند تر فرمائے اور ہم پسماندگان کو انکے عمل کیے ہوئے اصول پر کاربند فرمائے آمین ثم آمین

وا حسرتا کہ شیخ زمانہ نہیں رہا — امت کا وہ حکیم یگانہ نہیں رہا

جائیں جہاں ازالۂ شبہات کے لیے — اب کوئی اپنا ایسا ٹھکانا نہیں رہا

قلب وجگر فگار ہیں فریاد کیا کریں — ہمدم بیان گلشن برباد کیا کریں

غم بھی وہ غم پڑا ہے کہ اللہ کی پناہ — درماں راحت دل ناشاد کیا کریں

امداد حق نظر کا نظارا کہ مر گیا — یعقوب کی نگاہ کا تارا کہ مر گیا

فیض رشید وقاسم ومحمود شیخ ہند — ہم بیکسوں کا یعنی سہارا کہ مر گیا

تھا اشتیاق دید جداول میں جو خزن — روح رواں نے چھوڑ دیا انفصال تن

آخر وطن بنا ہی لیا باغ خلد کو — واصل بحق ہوئے ملیشل شیوخ من

رحلت سے انکی قلب وجگر کے شق ہوئے — ارکان جامعہ بھی غریق قلق ہوئے

لیکن سوائے صبر کے چارہ نہیں ہے کچھ — مومن وہ ہیں جو تابع مرضی حق ہوئے

اُن پر مدام رحمت پروردگار ہو — اُن کو حصول رتبۂ علیٰ کا جوار ہو

ہر دم یہی دعا ہے بدرگاہ ذوالجلال — جنت میں وہ رضائے خدا در کنار ہو

مراسلات

(۱)

(مولوی نذیر حسن صاحب خطیب بوری بازار کراچی صدر سندھ)

السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ احوال آنکہ۔ حضرت مرشدی مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے انتقال پر ملال کے حالات اخبار صدق کے سوا کسی رسالہ یا اخبار میں نظر نہیں پڑے۔ شاید رسالہ النور میں شایع ہوا لیکن یہ بھی معلوم ہوا ہے رسالہ النور بھی کاغذ نہ ملنے کی وجہ سے ممکن ہے شایع نہ ہو۔ سہارنپور سے بعض احباب کے خط سے یہ معلوم ہوا ہے کہ نماز جنازہ کی حضرت مولانا ظفر احمد صاحب کو سعادت نصیب ہوئی ہے۔ بعض تعزیت کے قلمی قصائد بھی بعض احباب نے روانہ کیے ہیں۔ مذاکرے خانقاہ امدادیہ اشرفیہ میں حضرت مولانا ظفر احمد صاحب مدظلہ کا قیام ہو جائے۔ پھر جس طرح حضرت حاجی صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کے قیام کی نسبت ارشاد فرمایا تھا۔ حق تعالیٰ خانقاہ امدادیہ اشرفیہ کسی صاحب اجازت سلسلہ کے قیام کی صورت فرما دیں۔ اور جو خطوط تعزیت کے آپ کو ملے ہوں شایع فرما دیں۔ حضرت خواجہ صاحب کے قصائد اور ارشادات طلب فرما کر بھی شایع فرمایا کریں کیونکہ ہم دور افتادوں کو حالات شریفہ پہنچتے رہا کریں۔ حق تعالیٰ آپ کو تادیر خدمت دینی کی توفیق عطا فرماویں۔ اور ہم لوگ اخبار صدق کے ذریعہ ارشادات اشرفی سنتے رہیں۔ اللہ تعالیٰ اس حضرت الاولیاء کی برکت سے ہم کو توفیق عمل عطا فرماویں اور دین مستقیم پر قائم رکھیں۔

(۲)

(ایک ایم۔ اس۔ سی۔ بی۔ ٹی کے قلم سے)

صدق اور مدینہ کی صحافتی مخالفت سے بہت پہلے ہی سے میں اکثر سوچا کرتا تھا کہ مدینہ کا آخر اصول دیانت کیا ہے۔ برسوں سے نہیں تو مہینوں سے مدینہ موجودہ جنگ کی مخالفت کر رہا ہے۔ انگریزوں کے خلاف سخت سخت مضامین لکھے گئے۔ لیکن انھیں مخالف جنگ مضامین کے دوش بدوش وہ سرکاری اشتہارات بھی نکلتے رہے جن میں شرکت جنگ کی ترغیب دی جاتی ہے اور جن میں جنگ کے ضروری اور حق بجانب ہونے کا پروپیگنڈہ کیا جاتا ہے۔ خیر اسکو چھوڑیے۔ کیونکہ اس میں شاید شریعت صحافت کا کوئی نکتہ پوشیدہ ہو جو ہم ایسے عامیوں کے فہم سے دور ہو۔ مگر اس تہ کا کیا حل ہے کہ آپ کے سینما دیکھنے پر اس قدر شور وغل اٹھا کر الامان والحفیظ۔ کیا کچھ نہیں کیا گیا۔ مفتیان کرام کے فتوے بھی حاصل کیے گئے کہ مدیر صدق سراسر قصوروار ہے اور مدیر مدینہ حق پرست وحق گار۔ جن اشاعتوں میں یہ فتوے اور مضامین نکلتے تھے انھیں اشاعتوں میں صابون کا ایک اشتہار بھی برابر نکلتا رہا ہے جس میں دنیائے سینما کی ایک مشہور ایکٹرس کی تصویر ہوتی ہے اور اس تصویر کے ذریعہ لوگوں کو ترغیب دی جاتی ہے کہ وہ صابون خریدیں۔ وہی تصویر جب دام خرچ کرکے اسکرین کے پردہ پر دیکھی جائے تو شرعی گناہ، لیکن جب دام حاصل کرکے مدینہ کے صفحوں کی زینت ہو تو مباح۔ نہ کسی صاحب دیانت کی آواز اسکے خلاف اٹھتی ہے اور نہ کسی عالم یا مفتی کا فتوے اسکے خلاف نکلتا ہے۔ مجھے علم نہیں کہ ان دونوں صورتوں میں کیا شرعی فرق ہے لیکن اگر یہ کہا جائے کہ ایک محض لہو ولعب ہے اور دوسری ذریعۂ منفعت تو اس منطقی نتیجہ کا کیا جواب ہوگا کہ اگر ایک شخص روپیہ خرچ کرکے کسی ناکتخدا عورت کے گھر جائے تو وہ شرعاً مردود لیکن اگر کوئی دوسرا شخص کسی ناکتخدا عورت کو اپنے گھر رکھ کر منفعت حاصل کرے تو شرعاً جائز۔ کیا واقعی شرعی فتوے یہی ہوگا۔ فقط

صدق - مدینے تبادلاً کئی مہینے سے بند کر دیا گیا۔

محمد علی:

ذاتی ڈائری کے اوراق

[ادارۂ اشاعت اردو، عابد روڈ، حیدرآباد کی شائع کی ہوئی کتاب پر مشہور ادیب و مزاحیہ نویس شوکت تھانوی کا تبصرہ، ماہنامہ کتاب (لاہور) میں]

۵- جولائی ۱۹۵۴ء - آج میں نے ایک ایسی کتاب شروع کی ہے کہ آج کی نیند کا خدا ہی حافظ ہے۔ اس کتاب کا نام تو بعد میں بتاؤں گا مگر یہ سمجھئے" دو آتشہ" سمجھ لیجئے۔ شہید ملت مولانا محمد علی رحمۃ اللہ علیہ کی داستان ہے اور مولانا عبدالماجد دریابادی ایسے سحر نگار کا بیان۔ اب بتائیے کہ نیند کا کیا امکان باقی رہا۔ مگر یہاں نیند کا کیا سوال۔ جب سے یہ کتاب ہاتھ آئی ہے ہم خود نیند کو سلانے کے لیے مہاتما گاندھی کی یہ مشہور لوری سنا رہے ہیں کہ "اُٹھ جاگ مسافر بھور بھئی اب رات کہاں جو سووت ہے" اور اپنی آنکھوں کے کان میں چپکے سے کہہ چکے ہیں کہ "جو سووت ہے وہ کھووت ہے"۔ لہذا آنکھیں خود منتظر ہیں کہ نیند سو جائے تو وہ چپکے سے یہ کتاب پڑھنا شروع کر دیں۔

اس کتاب کا نام ہے محمد علی (ذاتی ڈائری کے چند اوراق) مولانا عبدالماجد دریابادی کی اس کتاب کو ادارۂ اشاعت اردو حیدرآباد دکن نے شائع کیا ہے اور قیمت پونے تین روپے ہے۔

مولانا عبدالماجد کو میں بہت دنوں سے جانتا ہوں اور بہت دنوں کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ ان سے ذاتی طور پر مل کر انکو پڑھنا اتنا ہی مشکل ہے جس قدر انکی تصانیف کو پڑھ کر ان سے ملنا آسان معلوم ہوتا ہے۔ وہ اپنی تحریروں میں برافگندہ نقاب نظر آتے ہیں اور بالمشافہ ملاقات میں حجاب از حجاب۔ انکی شخصیت طرفہ طلسم راز ہے ؏

دور سے پاس سی پاس سے دور دور سی

قریب جاکر بات کیجیے تو نہایت کم سخن۔ بات بات پر تقریباً نپی تلی ہوئی جاتی ہیں۔ نہایت آہستہ سے ایک آدھ بات کا جواب دیا جاتا ہے۔ ملنے والے کی تشنگی بڑھتی ہی جاتی ہے مگر ساقی کا بخل کسی طرح نہیں گھٹتا۔ لیکن تحریر دیکھیے تو یہی پیکر شرم و حیا۔ یہی مجسمۂ سنجیدگی، یہی کھدر کی لباس والا عبا پوش اور یہی خشک فلسفی، اپنی تمام شادابیوں، تمام رنگینیوں، تمام صناعیوں اور تمام سحر طرازیوں کے ساتھ بہکتا اور کبھی بہکاتا، کبھی گنگناتا اور کبھی زمزمے برساتا، کبھی خود جھومتا اور کبھی دوسرے کو جھماتا ہوا دماغ پر طاری ہو کر دل میں سماتا چلا جاتا ہے۔ موضوع کچھ بھی ہو ادب نہ سہی فلسفہ سہی فلسفہ نہ سہی مذہب سہی مگر ہر جگہ شادابی موجود، شگفتگی برقرار اور پھر نتیجہ کے اعتبار سے ہر تحریر ایک کوہ وقار۔

مولانا دریابادی کے اس ادبی تلاطم سے میں نا واقف نہ تھا کہ انکی ہر تحریر ایک سیلاب کی طرح آتی ہے اور پڑھنے والا ایک قطرے کی طرح اسمیں شامل ہو کر شریک سیلاب بن جاتا ہے۔ وہ اس سیلاب میں تھپیڑے کھا کھا کر موجیں اسکو اچھالتی ہیں۔ بھنور اسکو رقص کراتے ہیں۔ مد و جزر اسکو جلترنگ سناتے ہیں اور وہ ان تمام کیفیات میں اس طرح گم ہو جاتا ہے کہ نہ قطرہ بنکر فنا ہو پاتا ہے نہ حباب بنکر اُٹھنے کا اُسے موقع رہتا ہے۔ یہاں تک کہ سیلاب گزر جاتا ہے اور وہ یکا یک چونک کر اپنے کو محض ایک قطرہ پاتا ہے سیلاب مزید کے لیے بیقرار۔ طغیانِ نو کا امیدوار۔

اس واقفیت کے علاوہ یہ بھی معلوم تھا کہ محمد علی ایسے محبوب کا ذکر ہے جس سے ہماری طرح محبت تو سب ہی کو ہو گی مگر عبدالماجد کو تو عشق تھا۔ عبدالماجد کی سحر نگاری کو جانے دیجئے اس باب میں تو وہ عاشق کا بیان پیش کرتے ہیں۔ جو افسانہ وہ لکھ رہے ہیں اسکے ایک کردار خود بھی ہیں۔ اب تک اپنی قلم فرسائیوں سے دلربائیاں کر چکے ہیں مگر آج اپنی دلکشائی پر تلے ہوئے ہیں۔

یہ سب کچھ معلوم تھا مگر کتاب شروع کر دی۔ ایک صفحہ، دو صفحے، تین صفحے۔ پیچھے ہم کھوئے گئے اب کون ہمیں ہم کو ڈھونڈھ کر دے۔ بچپن میں "نیلی چھتری" پڑھ پڑھ کر امتحانوں میں فیل ہوا کرتے تھے۔ سب کہتے تھے کہ رات رات بھر پڑھتا ہے اور فیل ہو جاتا ہے۔ کسی کو کیا معلوم کہ امراؤ جان اور نیلی چھتری۔ حاجی بغلول اور طرحدار لونڈی (اُس وقت) کورس میں شامل نہیں۔ اُن ناولوں میں ناولوں کا پلاٹ گم کر دیتا تھا۔ رات کا پتہ نہ چلتا تھا اور کتاب ختم کر کے سوتے تھے۔ مگر یہ ناول نہیں ہے ایک مشہور مذہبی اور سیاسی لیڈر کے حالات ہیں جنکو ایک خشک فلسفی نے ایک خالص مولوی نے لکھا ہے مگر معلوم یہ ہوتا ہے کہ مولانا عبدالماجد نے اگست ۱۹۱۹ء میں مولانا محمد علی سے ملا دیا ہے اور اسکے بعد سے ہم خود مولانا کے ساتھ ہیں۔ عبدالماجد صاحب اپنے دریاباد میں ہونگے۔ اُن سے کوئی مطلب نہیں۔ اب ہم مولانا محمد علی کے ہمراہ کبھی ہنس رہے ہیں کبھی رو رہے ہیں۔ کبھی آزاد ہیں کبھی جیل میں ہیں۔ کبھی جیل میں ہیں کبھی اخبار نکال رہے ہیں۔ کبھی اش کی کھچڑی کھا رہے ہیں کبھی ذیابطیس میں مبتلا ہیں۔ کبھی ہسپتال میں پڑے ہیں کبھی ریل میں ہیں کبھی جہاز میں۔ کبھی کبھی عبدالماجد صاحب سے بھی ملاقات ہو جاتی ہے۔ اسی طرح ایک پوری زندگی ایک ہی رات میں بسر کی اور صبح کے قریب پتہ چلا کہ رات ختم ہو چکی ہے۔ کتاب اگر ختم نہ ہو چکی ہوتی تو شاید اب بھی پتہ نہ چلتا۔ جی ہاں ناول ہی نہیں اس قسم کی ٹھوس تصانیف بھی گم کر دیا کرتی ہیں۔ مولانا عبدالماجد کی تحریری جادوگری کے تو ہمیشہ سے قائل تھے مگر اس کتاب میں تو ساحر خود مسحور ہے۔ ساقی خود مخمور ہے۔ صیاد خود صید بنا ہوا نظر آتا ہے۔ بڑے بڑے مصور بنے پھرتے تھے۔ کاغذ پر خود کھنچکر رہ گئے۔ انجام یہ کہ خود تصویر بنانا پڑا۔

اس کتاب کو ختم کرنے کے بعد میں اس نتیجہ پر پہنچا ہوں کہ اسکو نہ صرف ایک مرتبہ پڑھنا کافی نہیں ہو سکتا اور اس کتاب کو پڑھنے کے بعد بے ساختہ تمنا یہ بھی پیدا ہوتی ہے کہ اب محمد علی زندہ ہوں اور اب ہم انکو سر آنکھوں پر بٹھائیں انکے لیے دیدہ و دل فرش راہ کریں۔ انکے اشاروں پر چلیں اور انکے نعرۂ تکبیر پر میدان جہاد میں سرفروشی حاصل کریں۔ مولانا عبدالماجد! آپ بجائے مصلحت ہیں کہ محمد علی کو محمد علی کے بعد دنیا سے روشناس کرایا۔ محمد علی تو خیر یوں بھی زندہ تھے انکو زندہ رہنا تھا مگر اس کتاب نے محمد علی کی زندگی کا احساس ہم مُردوں کو بھی کرا دیا۔

فلما جاءہم نذیر ما زادہم الا نفوراً (فاطر آیت ۴۲)	جب ان (مشرکوں) کے پاس (وہ پیغمبر) آ گئے (جس کی تمنا کرتے تھے، واقعی) ایک ڈرانے والے آ پہنچے، تو بس اُن کی نفرت ہی کو ترقی ہوئی۔

[illegible] سے جو [illegible] ظاہر ہے [illegible] انھیں کے لفظوں میں سنیے — الفاظ بھی انھیں کے [illegible] اور ترجمہ بھی انھیں کا

[illegible] القوم	اس میں [illegible] مذکور ہے جو صوفیہ کیا کرتے [illegible]
	[illegible] اشتغال [illegible] اعتقاد
[illegible] الاکثر	مرض [illegible] اپنے کو
الکبر حیث [illegible]	بزرگان میں شمار کرنے لگتا ہے۔
الخواص [illegible] علی الدوام	(مسائل السلوک، صفحہ ۷، [illegible]۱۲۹)

[illegible] استنباط بالکل صحیح ہے۔ اور مولانا کا اس پر عمل بھی تھا۔ اپنے ایک مریض [illegible] خانقاہ سے جیسا کہ خود بیان فرماتے تھے۔ [illegible] سارے اذکار و اشغال چھڑا دیے تھے [illegible] اپنی زندگی [illegible] حکیم الامت تھے، مجدد ملت تھے، انکے کسی قول و عمل پر چون و چرا کی [illegible] خوش عقیدہ ملقوں میں کب تھی، اور اب تو ظاہر ہے کہ [illegible] وہ رحمۃ اللہ علیہ اور نور اللہ مرقدہ اور قدس سرہ ہو چکے ہیں۔ گزارش تو صرف اتنی ہے کہ یہی حقیقت اگر کہیں ایک گنہگار قلم سے ادا ہو گئی ہوتی کہ جس طرح معصیت بعض حالات میں طاعت بن جاتی ہے، اسی طرح طاعت بھی کبھی معصیت بن جاتی ہے، تو ذرا دیکھیے کتنے مفتیوں کے قلم تردید و تغلیط، تضلیل و تفسیق، تعریض و تشنیع میں کوئی کسر اٹھا رکھتے! ——— شخصیت کا رعب بھی عجیب رعب ہے!

ایک شریفانہ اعتذار

ایک مراسلہ نویس پنجاب سے [illegible] کے [illegible] میں لکھتے ہیں:—

" یقین مانیے حضرت تھانوی رحمۃ اللہ علیہ کی یہ ساری باتیں مگر خصوصاً مسائل السلوک کے حوالے جو صدق [illegible] میں نقل ہوئے ہیں آپ کی پوزیشن صاف کرنے کے لیے کافی و شافی ہیں۔ مگر بغض و عناد سے قطع نظر، انصاف شرط ہے۔ اب مجھے اپنی غلطی، محض غلطی ہی نہیں شرمناک غلطی کا بہت احساس ہوا۔ واللہ باللہ ثم واللہ آپ کو بالکل بری اور اپنے کو قصوروار پاتا ہوں۔ ..... جو تکلیف اس سیہ کار کے عریضے سے آپ کو ہوئی ہوگی اُسکے تصور ہی سے کانپ اٹھتا ہوں۔ خدا کی قسم شاعری نہیں حقیقت [illegible] رسول میری خطا معاف کر دے .....

" [illegible] ۱۸ و ۱۹ [illegible] نظر سے گزرے، واقعہ مسئلہ بالکل روز [illegible] اللہ آپ کو جزائے خیر دے۔ سلیم طبیعتوں کے [illegible] محروموں کے لیے دفاتر بھی ناکافی ہیں"۔

[illegible] معذرت نامہ [illegible] ہے، جنکا اعتقادی خطاب [illegible] میں موصول ہوا تھا۔ اس سے اُمید ہے کہ ان معصوم صفت دوستوں کو بھی بصیرت حاصل ہوئی ہوگی، جو اپنی جگہ پر مجبور ہے

ہیں کہ صدق ایک ہی مسئلہ پر اتنے عرصہ تک لکھ لکھ کر اور بار بار توضیح و تنقیح کر کر کے، اپنا وقت ضائع کر رہا ہے! یہ مسلسل توضیحات و تشریحات نہ بے ضرورت تھیں اور نہ بحمداللہ بے اثر رہیں۔

نفسِ مسئلہ شروع ہی سے صاف تھا۔ اللہ تعالیٰ اُس دن کے لیے زندہ نہ رکھے نہ صدق کو نہ صدق نگار کو، جب اُسکے صفحات میں تحلیل حرام کی جانے لگے، اور معصیتوں پر پیراستہ اور شریعت کی نافرمانیوں پر رغبت دلائی جانے لگے! اظہار صرف اس حقیقت کا تھا کہ شر محض کے مقابلہ میں [illegible] صغیرہ قابل ترجیح ہے [illegible] خیر محض کا ——— البتہ یہ بھی صحیح ہے کہ اتنے شریفانہ اعتذار کی توفیق بھی ہر ایک کو نہیں ہوتی۔ اور جو نہیں سننا چاہتے، انھیں دنیا میں کوئی سنا ہی نہیں سکتا!

کیست کس ناسستی ؟ ستیزد دو
صد کس گوینده را عاجز کند!

چند اور ملفوظات

حکیم الامتؒ کا لکھا ہوا تعزیت نامہ آج [illegible] میں کسی دوسرے صفحہ پر درج ہو رہا ہے، آپ کے خلیفہ خاص خواجہ عزیز الحسن صاحب مجذوب غوری کا عنایت نامہ جو اُنکے ساتھ موصول ہوا ہے وہ خود بھی اس قابل ہے کہ اسکے بیشتر حصے میں ناظرین صدق کو شریک کیا جائے۔ فرماتے ہیں:—

" حُسنِ اتفاق دیکھیے۔ میں یہ کہہ ہی رہا تھا کہ اس حادثہ میں کلی تسلی کے لیے ہم لوگوں کو حضرت ہی کی ضرورت تھی۔ وہ جس عنوان سے تسلی فرماتے دوسرا تھوڑا ہی کر سکتا ہے۔ بس دوسرے ہی دن ایک صاحب نے یہ تعزیت نامہ بھیج دیا، جس سے بہت تسلی ہوئی۔ اور ایسا معلوم ہوا جیسے حضرت ہم لوگوں ہی کے لیے [illegible] برس پہلے یہ تعزیت نامہ لکھ کر رکھ گئے تھے۔ ایسی اسی نہ جانے کتنی تحریرات عجیبہ نافعہ لوگوں کے پاس موجود ہیں، جنکی کہیں نقل نہیں کی گئی۔ کیونکہ حضرت کا معیار انتخاب بہت بلند تھا۔ چنانچہ ایک طالب نے مجھے اپنے خطوط دیے، جن میں بہت سے مضامین عجیب و غریب قابل نقل نظر آئے۔ لیکن اُنکی کہیں نقل نہیں کرائی گئی۔ مثلاً اُنھوں نے شدید قبض اور سخت پریشانی کا اظہار کر کے چاہا کہ تسلی فرمائی جائے تحریر فرمایا کہ

" تسلی مطلوب نہیں، تجلی مطلوب ہے، جو کبھی جلالی بھی ہوتی ہے، جو اسوقت ہو رہی ہے"۔

یہ بھی فرمایا کہ

" یہ حالت ایک مبارک مجاہدہ ہے جسکے آثار رضائے محمود و مرتب ہوتے ہیں، جنکا ظہور وقت پر ہو گا۔ ان آثار کی بنیاد پڑ رہی ہے بس حتی الامکان کام میں لگے رہو۔ ان خیالات کی طرف اصلا توجہ مت کرو۔ البتہ اطلاع دیتے رہو۔ ان شاء اللہ عنقریب سب حالات درست ہو جائیں گے"۔

سبحان اللہ۔ تسلی تو حضرت حکیم الامت ہی کا حصہ تھا۔ خدا کرے کوئی ایسی صورت ہو جائے کہ اس قسم کی غیر منقول تحریرات سب جمع ہو کر شائع ہو جائیں۔

مستقلہ بالا مضمون تسلی کو معترنے بھی دو شعروں میں منضبط کر لیا ہے ؎

قبض میں بھی بسط کا تو کام لے — ہے تسلی بھی تسلی چاہیے
ہے ملال تو جمال کو نہیں — چاہیے جیسی ہو تجلی چاہیے

جید اور ملفوظات [illegible] کہ آپ اہل دل اور صاحب حقیقت ہیں

(۱) نفس کا مقابلہ ہاں بار بار تو — سو مرتبہ بھی ہار کے ہمت نہ ہار تو
اس کو پچھاڑ کر بھی نہ چھوڑ اس کو — ہر وقت اس کی ہیبت سے رہ ہوشیار تو

(۲) جو کام ہوتا رہے تو پھر بھی — ہر حال کوشش ذرا نہ چھوڑ
یہ رشتہ محبت کا تا عمر ہی رکھے — جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑ

(۳) [illegible] گامزن ہوتا ہے [illegible]
[illegible] انجام [illegible] ابتدا گر اپنے شغل (اتوا) شغل میں

(۴) جو نفیلوں میں تو نے راتیں گنوائیں — تو بستیوں میں جوانی گنوائی
اب غفلت میں [illegible] — تو پھر یہ سمجھ زندگانی گنوائی

(۵) مری زیست کا [illegible] — [illegible]
[illegible] گزریں — [illegible] زندگانی

سبحان اللہ نثر مرشد عارف و سالک کے قلم سے اور نظم مسترشد مجذوب کی زبان سے! نور علیٰ نور۔

پنجاب میں اندھیر

ایک صدق خواں پنجاب سے لکھتے ہیں:-

* "ایک بہت ہی ضروری موضوع آپ کی فوری توجہ کے قابل ہے۔ ایک سراج الدین کشمیری بازار لاہور کے ہاں ایک ترجمہ قرآن چھپا ہے۔ مترجم غلام [illegible] کرکے کوئی مولوی صاحب لکھے ہیں۔ یہ بالکل بائبل کے طرز پر چھپا ہے۔ ایک چھوٹے کالم میں آیات کے نمبر ہیں اور دوسرے بڑے کالم میں ترجمہ ہے۔ اور ہر آیت کے ترجمہ کے بعد آیت کا نشان۔ متن عربی کا نام و نشان نہیں۔ شروع سے لیکر آخر تک ساری کتاب میں ایک فقرہ بھی عربی کا نہیں۔ عربی سے تعصب یہاں تک بڑھ گیا ہے کہ ٹائٹل کے اوپر آیت اور آخر میں دعا تک عربی زبان میں نہیں۔

اسی ناشر کی دوسری جدت ملاحظہ فرمایئے۔ یہ ضرب کاری کی گئی ہے کہ ایک دوسرا نسخہ تیار کیا گیا ہے۔ اس میں متن عربی کی کتابت قرآنی رسم الخط کو چھوڑ کر اردو نستعلیق میں کی گئی ہے۔ یہ دونوں ناپاک کوششیں جتنی خطرناک دین اسلام پر ظاہر ہے۔ آہ رے پنجاب تو نے بھی کیسے کیسے گل کھلائے! اور بیچارے مسلمان بھولے بھالے بھائی بن کر دھڑا دھڑ خرید رہے ہیں۔ مخبر صادق صلی اللہ علیہ وسلم کی خبر کا ہر ہر حرف پورا ہو رہا ہے۔"

بہتر ہوتا کہ مراسلہ نگار خود پنجاب ہی کے پریس میں احتجاج کرتے۔ لاہور کا مسلم پریس ماشاء اللہ اچھا خاصہ زوردار ہے۔ اور یہ کوئی اختلافی مسئلہ بھی نہیں۔ اس پر تو مسلم لیگ اور جمعیۃ العلماء اور احرار و خاکسار سب ہی متفق ہو سکتے ہیں۔ اور لاہور میں خاص اپنی انجمنیں بھی تو ہیں مثلاً انجمن خادم الدین۔ انکی پر زور کاروائی کے بعد ممکن نہیں کہ کوئی تاجر آیندہ ایسی جرأت کر سکے، یا موجودہ اسٹاک کی فروخت و اشاعت کا کاروبار جاری رکھ سکے!

بنگال کی بپتا

اس عنوان سے معاصر پیام، بمبئی کے ایک اخبار کے حوالہ سے یہ واقعہ لکھتا ہے:-

"ایک چھوٹا لڑکا کئی دن سے بازار میں پڑا ہوا تھا۔ بھوک کی وجہ سے وہ اتنا کمزور ہو گیا تھا کہ ہل بھی نہیں سکتا تھا۔ رات کے وقت گیدڑ اسکا آدھا دھڑ کھا گیا۔ وہ نیم مردہ حالت میں کئی دن وہیں پڑا رہا۔ کسی نے اُسے نہیں اُٹھایا۔ کل رات کو گیدڑ آنتیں کھا لیں۔ اُسکی کمزور اور خفیف آواز [illegible] لوگوں نے بازار میں اسکی لاش پڑی ہوئی دیکھی، جو آدھی تھی۔"

واقعہ بنگال کے ضلع فرید پور کا ہے۔ فرید پور ہی کی ایک دوسری خبر ہے کہ ایک شخص بھوک سے نیم مردہ حالت میں کلکٹر یا عدالت کے سامنے آ گرا، اور فوراً دم توڑ دیا۔ لوگ جب اسکی لاش اٹھانے آئے، تو قریب سے ایک عورت بھی لڑکھڑاتی ہوئی آئی، اور اپنی گود سے بچہ کی لاش دکھا کر کہا کہ اسے بھی لیتے جاؤ۔ اسکا بچہ بھی بھوک کی وجہ سے مر چکا تھا ——

جب واقعات ایسے ایسے اسی عالم آب و گل میں اسی گوشت پوست کی دنیا میں پیش آنے لگیں اور نوبت یہ پہنچ جائے کہ زندہ یا نیم مردہ انسان کو کھایا جانے لگے، تو کسی درد انگیز ناول و افسانہ کے پڑھنے، کسی ٹاکی میں ٹریجڈی کے دیکھنے، اور تخیل کی دنیا کی طرف رجوع کرنے کی ضرورت ہی کیا باقی رہ جاتی ہے؟

تاجرانہ سرمایہ داری

کلکتہ سے ایسوشی ایٹڈ پریس کی خبر ۱۸ر ستمبر کی ہے:

"ہندوستانی ایوان تجارت کی کلکتہ کی کمیٹی نے آنریبل سرجے۔ پی۔ سری واستو رکن اغذیہ حکومت ہند کو ایک تار بھیجا ہے۔ جس میں اس بات پر زور دیا گیا ہے کہ چند اشخاص کے لیے اسباب تعیش درآمد کرنے کے بجائے فاقہ اور موت سے لوگوں کی جانیں بچانے کے لیے اب غذائی اجناس کی درآمد کی غرض سے جہاز رانی کے تمام قابل حصول ذرائع استعمال کیے جائیں۔ ہندوستانی ایوان تجارت نے اپنے برقیہ میں اُن خبروں کا ذکر کیا ہے جن میں بتایا گیا تھا کہ جہاز رانی کی صورت حال بہتر ہو جانے کے باعث حکومت بعض اشیاء مثلاً وہسکی اور سنگار کے سامان وغیرہ کی درآمد کو بڑھانا چاہتی ہے کیونکہ ان اشیاء کی کمی ہو گئی ہے۔ اس بارے میں کمیٹی نے لکھا ہے کہ مذکورہ بالا اشیاء چونکہ زندگی کی اولین ضروریات میں شامل نہیں ہیں، انکی درآمد کو اُس وقت تک روکا جائے جب تک کہ ملک میں اغذیہ کے کافی ذخائر دستیاب نہ ہونے لگیں۔"

قدرت کی طرف سے جو تازیانہ پر تازیانے لگ [illegible] کس کے تصور میں بھی یہ آ سکتا تھا، اب بھی دم چاول اور گیہوں، چنا اور جوار کے تقاضوں [illegible] ہوش انسان [illegible] فراموشی کے [illegible] دیگا! —— سوشلزم اگر محض اسی مجنونانہ نظام سرمایہ داری کا نام ہے، تو یقیناً ہم سب ہی سوشلسٹ ہیں۔

نیا شعر و ادب

ایک ماہرانہ تبصرہ

[رشید صدیقی صاحب استاد اردو مسلم یونیورسٹی کے مرتبہ ادب و انشاء سے کون واقف نہیں۔ انکے ایک تازہ خطبہ صدارت (کانفرنس حرث سے منقول) کا اقتباس ذیل یقیناً بڑی قدر اور دلچسپی کے ساتھ پڑھا جائے گا۔]

حضرات! اب میں تھوڑی دیر کیلئے ان دوستوں سے مخاطب ہونا چاہتا ہوں جو اردو شعر و ادب کی خدمت میں مصروف ہیں۔ یہ لوگ ہماری زبان ہمارے ادب اور ہماری روایات کے محافظ ہی نہیں اس کی پرورش کرنے والے اور پروان چڑھانے والے ہیں۔ آیندہ نسلوں کی ذہنی پرداخت میں انکا بڑا حصہ ہوگا۔ یہ کام بہت بڑا اور بڑی ذمہ داری کا ہے۔ اس لیے کہ شعر و ادب ہمارے جذبات کا نمودار ہی نہیں بلکہ انکا محرک بھی ہوتا ہے۔ لیکن اردو شاعری اور اردو ادب کا رنگ ڈھنگ عام طور پر آج نظر آ رہا ہے وہ پُر معنی بھی ہے اور اندیشہ ناک بھی۔ پُر معنی اس اعتبار سے کہ اس میں زمانہ کا رنگ جھلک رہا ہے اور اندیشہ ناک یوں کہ

ہوا مخالف و شب تار و بحر طوفاں خیز
گسستہ لنگر کشتی و ناخدا خفتست

جو لوگ کبھی خیالی دنیا میں تصورات سے کھیلتے یا ان میں گم رہتے تھے، آج واقعات کی دنیا میں "سیل بے پناہ" سے دوچار ہیں۔ "غم روزگار" نے اب "غم عشق" کی جگہ لے لی ہے۔ اور "غم جاناں" اب "آلام روزگار" کو آسان بنانے سے قاصر ہے۔ زندگی کے نت نئے مسائل نے نئی ناامیدیاں پیدا کر دی ہیں۔ زندگی کے آشوب سے دوچار ہونے کی جب صلاحیت باقی نہیں رہتی تو انسان اپنی درماندگی ہی کو حاصل حیات سمجھنے لگتا ہے۔ اسی نوعیت کے آشوب نے ایران کی شاعری میں تصوف کا عنصر داخل کر دیا تھا۔ اسوقت تک مذہب کا عمل دخل کافی تھا اس لیے مذہب اپنے مقام سے اترا تو تصوف پر آ کر ٹھہرا۔ ہندوستان میں خالص اسلام کا عمل دخل برائے نام ہی تھا، اور جو کچھ تھا وہ بھی ایک طرح کے مخلوط تصوف کے پیرایہ میں۔ اور یہ تصوف عملاً مذہبی ایپچوں کی جائے پناہ یا ایک مقدس معذرت بن کر رہ گیا تھا۔ جنگ عظیم کے کچھ عرصہ پہلے سے زندگی کی ہر نوعیت میں مادیت و عقلیت کی بہت کچھ کارفرمائی نظر آنے لگی تھی نتیجہ یہ ہوا کہ اب جونہی زندگی کا آشوب آیا تو اس نے تصوف، مادیت، اور عقلیت سب کا شیرازہ بکھیر دیا۔ اور اسکی جگہ فسق و فحاشی نے لے لی۔ فسق و فحاشی دراصل رذائل نفس کی غالب زائی ہوتی ہے۔

حضرات! ہمارے دوستوں کو "لعنۃ اللہ" سننے کی تاب نہ رہی تو اپنے کو کھو دینا ہی اپنا کارنامہ قرار دینے لگے۔ بندھنوں سے آزاد ہونا اچھی بات ہے لیکن ہر چیز کو ہر بندھن سے آزاد کرنا آزادی نہیں بد اعمالی ہے۔ میں سمجھتا ہوں کہ آجکل کی بیشتر شاعری اور افسانوں میں زندگی کے جن دوراہوں یا گندے پہلوؤں کو مزے لے لیکر پیش کیا جا رہا ہے اور ان سے عہدہ برآ ہونے کیلئے جو شرمناک اصول اور طریقوں کی تبلیغ کی جا رہی ہے وہ کسی کے فخر نہیں ہے۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ ... [illegible]
واقعات ملتے ہیں۔ میں یہ بھی تسلیم
... ہے تا ثر بھی ہوتا ہے لیکن اسکے ساتھ
کہ علم الامراض کے ماہر اور عمل اور شاعر و شاعر
میں فرق مراتب بھی ہے۔ ہمارے شعراء اور ادیب صاحب مصائب و معائب معقول طور سے پیش کرتے ہیں نہ انکی صحیح چارہ سازی کرتے ہیں۔ شدید او مزمن امراض کا علاج سستی مسکرات سے صرف عطائی ہی کریگا اور اپنی کوڑھ اور غلاظت کو اچھالنے والا کوڑھی اور اگھوری کہلائیگا۔ تو کیا اب شاعر ادیب اور آرٹسٹ کوڑھی یا اگھوری ہی ہونے پر اکتفا کریں گے اور اسی پر فخر کریں گے۔ یا شاعر ادیب اور آرٹسٹ کے مقامات کچھ اور بھی ہیں۔ یہاں میں اس امر کو واضح کر دینا چاہتا ہوں کہ میں اس شاعر اور آرٹسٹ کے سامنے سر تسلیم خم کرنے کے تیار رہوں جو کوڑھ یا غلاظت کی صحیح اور مکمل تصویر کھینچے۔ میں تو اس شاعر اور آرٹسٹ سے پناہ مانگتا ہوں جو اپنی نہاد اور اپنے عمل کے اعتبار سے کوڑھی یا غلیظ ہو۔ یا کوڑھ اور غلاظت میں لذت محسوس کرے۔

حضرات۔ کمیونزم یا اشتراکیت کی تقلید یا تبلیغ اب اس درجہ عام اور مقبول ہے کہ اسکے خلاف کچھ کہنا جہالت، قدامت پرستی اور دولت دوستی کا مرادف سمجھا جاتا ہے۔ باینہمہ میں اشتراکیت کا قائل نہیں ہوں قطع نظر اور باتوں کے میں نے اسکا جو کچھ مظاہرہ اردو شعر و ادب میں دیکھا ہے اس سے ہٹ کے زندگی سے زیادہ کمیونزم گشادنی معلوم ہونے لگی ہے۔ کمیونزم نے خدا، عورت اور دولت کی طرف خاص توجہ کی ہے اور ان تینوں کے بارے میں جو کچھ تعلیم ہے اس سے عام طور پر ہم اور آپ کم و بیش واقف ہیں۔ بیشتر اس کی کارفرمائی ہمارے جدید شعر و ادب میں ہے لیکن میرا خیال ہے کہ اگر خدا یا اسکا تصور مانے جانے کے لائق نہیں ہے تو مذاق اڑانے کیلئے بھی موزوں نہیں ہے۔ اور عورت کو مظلوم و مجبور نہ ہونا چاہیے تو اسکو شاعر آرٹسٹ یا مزدور کے شہوانی جذبات کی تسکین کا وسیلہ بھی نہ سمجھنا چاہیے اور افلاس ... تنہا علاج قتل و غارت گری بھی نہیں ہے۔
کہ خدا کے تصور ہی سے کوئی شخص انسان
کی اعلیٰ قدروں کو کوئی بنیادی چیز
مصرف اگر صرف تسکین شہوت
ہوں تو میرے خیال میں عورت سے زیادہ
اشرف المخلوقات کا نہیں ہے۔ دولت او
بری، لیکن قتل و غارت گری کی تبلیغ بھی کرنی ...

نمبر ۲۴ | دوشنبہ۔ ۱۰۔ شوال المکرم ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۱۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء | جلد ۹

سچی باتیں

(افادہ: مولانا محمد الیاس صاحب مدظلہٗ)

[دورِ حاضر کی چند مخصوص متقی وبرگزیدہ ہستیوں میں سے ایک ذات مولانا محمد الیاس صاحب کاندھلوی مقیم بستی نظام الدین اولیاء، دہلی وبانی جماعت اسلامی کی ہے۔ انکی سچی باتوں کی زینت، اُنھیں کے چند ملفوظات مرتبہ مولانا محمد منظور صاحب "الفرقان" سے کی جاتی ہے]

جو لوگ گورنمنٹ کے وفادار اور حامی کہے جاتے ہیں، وہ درحقیقت کسی کے بھی وفادار اور حامی نہیں۔ بلکہ صرف اپنی اغراض کے وفادار ہیں۔ البتہ چونکہ اُنکی وہ اغراض موجودہ گورنمنٹ سے پوری ہوتی ہیں اس لیے وہ اُنکے حامی اور وفادار بنے ہوئے ہیں۔ لیکن اگر کل ہی کو انکی اغراض گورنمنٹ کے دشمنوں سے پوری ہونے لگیں، تو وہ اسی درجہ میں اُنکے بھی حامی وفادار ہو جائینگے، ورنہ حقیقی طور پر تو ایسے غرض پرست لوگ اپنے باپ کے بھی وفادار نہیں ہوتے۔ تو ان لوگوں کی اصلاح کا طریقہ یہ نہیں ہے کہ انکو برا بھلا کہا جائے، یا اس گورنمنٹ کی مخالفت پر انکو آمادہ کیا جائے۔ انکی اصلی بیماری غرض پرستی ہے۔ اور جب تک اُن میں یہ موجود رہیگی، اگر گورنمنٹ کی حمایت انھوں نے چھوڑ بھی دی تو اپنی اغراض کے لیے وہ کسی اور ایسی طاقت کے ایسے ہی وفادار بنیں گے۔ اس لیے کرنے کا کام یہ ہے کہ ان میں غرض پرستی کے بجائے خدا پرستی پیدا کی جائے اور اللہ اور اسکے دین کا اُنھیں سچا وفادار بنانے کی کوشش کی جائے، اسکے بغیر انکی بیماری کا علاج نہیں ہوسکتا۔

بعض اہل دین اور اصحاب علم کو استغناء کے باب میں بڑا سخت مغالطہ ہوا ہے۔ وہ سمجھتے ہیں کہ استغناء کا مقتضیٰ یہ ہے کہ اغنیاء اور اہل ثروت سے مطلق ملا ہی نہ جائے، اور انکے اختلاط سے کلی پرہیز کیا جائے۔ حالانکہ استغناء کا منشا صرف یہ ہے کہ ہم اُنکی دولت کے حاجتمند بن کر اُن کے پاس نہ جائیں، اور طالب جاہ و مال کے لیے اُن سے نہ ملیں، لیکن اُنکی اصلاح کے لیے اُن سے ملنا اور اختلاط رکھنا ہرگز استغناء کے منافی نہیں بلکہ یہ تو اپنے درجے میں ضروری ہے۔ ہاں اس چیز سے بہت ہوشیار رہنا چاہیے کہ انکے اس اختلاط سے ہمارے اندر حب مال و جاہ اور دولت کی حرص نہ پیدا ہو جائے۔

یہ قاعدہ کلیہ ہے کہ ہر آدمی کو چین اُسی چیز کے حصول سے ملتا ہے جسکی اُسے رغبت اور چاہت ہو۔ مثلاً ایک شخص کو امیرانہ زندگی بیش قیمت کھانوں اور کپڑوں سے رغبت ہے، تو اُسکو ان چیزوں کے بغیر چین اور آرام نصیب نہیں ہو سکتا۔ لیکن جسکو چٹائی پر بیٹھنا، بوریے پر سونا، سادہ لباس اور سادہ کھانا زیادہ مرغوب ہو، ظاہر ہے کہ اُسکو اسی میں زیادہ چین اور سکھ محسوس ہوگا۔ پس جن لوگوں کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے اتباع میں سادہ معاشرت مرغوب ہو جائے، اور انکو اسی میں لذت اور چین ملنے لگے، اُن پر اللہ تعالیٰ کا بڑا انعام ہے کہ اُنکا چین ایسی چیزوں سے وابستہ فرما دیا جو بہت سستی ہیں اور جنکا حصول ہر غریب و فقیر کے لیے بہت آسان ہے۔

جنت حقوق کا بدلہ ہے۔ یعنی اپنے حقوق اپنا چین اور اپنا سُکھ مٹایا جائے، اور اپنے پر تکلیف برداشت کر کے دوسروں کے ادا کیے جائیں جن میں حقوق اللہ بھی شامل ہیں، تو اُسی کا بدلہ جنت ہے۔ حدیث میں ارشاد ہوا ہے "ارحموا من فی الارض یرحمکم من فی السماء"۔ تم زمین والوں پر رحم کرو، ربّ السماء تم پر رحمت فرمائیگا۔

علم کا سب سے پہلا اور اہم تقاضا یہ ہے کہ آدمی اپنی زندگی کا مقصد

حالات کی تحقیق و جستجو میں کوئی درجہ کاوش کا اٹھا نہیں رکھا ہے۔ موجودہ محرّفہ بائبل میں تاریخی غلطیوں کی کثرت سے ہم کو تو بعض "روشن خیال" محققین نے آج سے کوئی چالیس پچاس سال ادھر یہ کہنا شروع کر دیا تھا کہ ابراہیم نام کوئی شخصیت گزری ہی نہیں، بلکہ یہ محض ایک نوعی نام یا لقب شیخ قبیلہ کا تھا۔ لیکن اب پھر تحقیقات کا رُخ بدلا ہے، اور اب آپ کے وجود کا پوری طرح قائل ہونا پڑا ہے۔

ابراہیم علیہ السلام سلسلۂ اسرائیلی اور سلسلۂ اسماعیلی دونوں کے مورث اعلیٰ ہیں۔ اللہ کی نعمت خاص یعنی پیغمبری اور توحید اب نسل اسرائیل سے انکی مسلسل نافرمانیوں کی پاداش میں چھن کر ایک اسمٰعیلی پیمبر کے واسطے ساری دنیا کے لیے عام ہو رہی ہے، اور ضرور تھا کہ انکی شخصیت کی مرکزیت اور اہمیت (اور انکے ضمن میں اسمعیل علیہ السلام کی شخصیت) سے یہاں دنیا کو روشناس کر دیا جائے۔ چنانچہ یہی ہو رہا ہے۔

ـــــه وہ چند امور احکام تھے، امر و نواہی کی قسم سے۔

ان کلمات کی تعیین میں اختلاف ہے۔ واختلفوا فی الکلمات التی ابتلی اللہ بہا ابراہیم (معالم) اختلفت اہل التاویل فی صفۃ الکلمات التی ابتلی اللہ بہا ابراہیم (ابن جریر) قد اختلف العلماء فیہا اختلافا کثیرا (ابن العربی)

لیکن بہرحال وہ کچھ بھی ہوں احکام شرائع ہی تھے۔ یہی تاویل سب سے بہتر ہے۔ شرائع الاسلام (معالم۔ عن ابن عباس) کلفہ العمل بہن امتحانا منہ لہ واختبارا (ابن جریر) سلف اختیارہ ایما کلفہ من الاوامر والنواہی (ابن کثیر) اسے اختبرہ باوامر ونواہ (مدارک) و تعالیٰ عبر عن الوظائف التی کلفہا ابراہیم علیہ السلام (ابن العربی)

ابتلی۔ یعنی آزمایا، اپنی واقفیت کے لیے نہیں، بلکہ وہ تو خود ہی علیم کل ہے، بلکہ علی الاعلان، تاکہ دنیا کو انکے ایمان کامل کا مشاہدہ ہو جائے۔ اور اللہ تعالیٰ کے سلسلہ میں جب آزمانے کا فعل آتا ہے، تو مراد اس سے ہمیشہ یہی ہوتی ہے۔ والابتلاء من اللہ لعباد لیس لیعلم احوالہم بالابتلاء فانہ عالم بہم ولکن لیعلم العباد احوالہم (معالم)

ـــــه یعنی آپ ان امتحانوں میں پورے اترے اور ان احکام کی تعمیل کر دی۔ اے فاتمہن (ابن جریر۔ عن ابن عباس) اے عمل بہن (ابن جریر عن قتادہ) واتمہ ای ہن الکاملۃ ای بالقیام بہا اوجبہ علیہ فیہن (ابن جریر) اے قام بہن حق القیام وادّاہن احسن التادیۃ (کشاف و مدارک)

روایات یہود میں بھی ذکر آیا ہے۔ ملاحظہ ہو حاشیۂ تفسیر انگریزی۔

ـــــه (کہ امور دین و شریعت میں ہماری اقتدا کریں) اے یاتمون بک فی دینہم (مدارک) اے یاتمون بک فی دینک (کبیر) امام کہتے ہی اسے ہیں جسکی پیروی کی جائے۔ ہو اسم من یوتم بہ (مدارک) اسم الامام مستحق لمن یلزم اتباعہ والاقتداء بہ فی امور الدین او فی شئی منہا (جصاص) توریت میں یہ وعدۂ امامت ان الفاظ میں ملتا ہے:۔

"اور میں تجھے ایک بڑی قوم بناؤں گا اور تجھکو مبارک اور تیرا نام بڑا کروں گا، اور تو ایک برکت ہوگا۔ اور انکو جو تجھے برکت دیتے ہیں برکت دوں گا۔ اور اسکو جو تجھ پر لعنت کرتے ہیں، لعنتی کروں گا اور دنیا کے سارے گھرانے تجھ سے برکت پائیں گے۔"

(پیدائش۔ ۱۲: ۲ و ۳)

ایک عالم کی یہ دینی سرداری اور امامت آج تک آپؑ کے حصہ میں چلی آرہی ہے۔ اور اسلام کے علاوہ بھی جو دین توحید سے کچھ بھی لگاؤ رکھتے ہیں یعنی یہودیت و نصرانیت، وہ آپؑ کی امامت پر متفق و متحد ہیں۔

ایک امریکی فاضل بیسویں صدی عیسوی کے ثلث اول کے ختم پر آپؑ کا تعارف ان الفاظ میں کراتا ہے:۔

"ابراہیم کی ہستی کسی بادشاہی سرداری کی نہ تھی، کہ وہ لوٹ مار کیا اور ملک گیری کرتے رہتے۔ انکی اصلی اہمیت مذہب کے دائرہ میں ہے۔ وہ حقیقۃً کسی نسل کے مورث اعلیٰ نہیں بلکہ مذہبی تحریک کے بانی و امام ہیں۔ نسل محمدؐ کے، جو انکے دو ہزار سال بعد پیدا ہوئے، وہ سامی اقوام دنیا کی کے رہنما کی حیثیت رکھتے تھے۔ اور حسب روایت توریت وہ اسرائیلی مذہب کے بانی تھے۔" (انسائکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد اول طبع چہاردہم)

جس فقرہ کو ترجمہ میں جلی کر دیا گیا ہے، اُسے پھر پڑھ لیا جائے۔ یورپ کی زبان اللہ کے حبیب اور اللہ کے خلیل کے درمیان مماثلت کا یہ اعتراف بس اللہ ہی کی شان ہے!

آیت سے ایک نتیجہ یہ بھی نکلا، کہ تعمیل امر اور امتحان الٰہی میں کامیابی انسان کو دینی پیشوائی و سرداری کا مستحق بنا دیتی ہے۔ اولیاء و علماء امت کی امامت، اپنے اپنے ظرف و حیثیت کے مطابق، اسی قانون کی مظہر ہے۔ جصاص نے احکام القرآن میں لکھا ہے، کہ امامت کے جو معنی بیان ہوئے اسکے لحاظ سے

فالانبیاء علیہم السلام فی اعلی مرتبۃ الامامۃ ثم الخلفاء الراشدون و بعد ذلک ثم العلماء والقضاۃ العدول ومن الزم اللہ تعالیٰ الاقتداء بہم ثم الامامۃ فی الصلوۃ ونحوہا۔

امامت کے مرتبۂ اعلیٰ پر تو حضرات انبیاء قائم ہوتے ہیں، اُن سے اتر کر خلفاء راشدین ہیں، پھر نمبر علماء اور عادل قاضیوں کا آتا ہے، اور اُنکا جنکی پیروی اللہ نے لازم کر دی ہے، پھر نماز کے امام وغیرہا۔

ماہنامہ "الفرقان" الفرقان (دہلی) کے تازہ نمبر سے یہ خبر بڑی مسرت کے ساتھ ملی، کہ ماہنامۂ مذکور کی ادارت آئندہ سے ملک کے مشہور فاضل جلیل مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی (صدر شعبۂ دینیات، عثمانیہ یونیورسٹی) کے ہاتھ میں آجائیگی۔ رسالہ اب بھی اپنے حدود کے اندر دین کا مخلص خدمتگزار تھا، اب مولانا گیلانی کے ہاتھ میں عنان ادارت آجانے سے ظاہر ہے کہ اسکی صلاحیت افادی کتنی گنی بڑھ جائیگی۔ مولانا محمد منظور نعمانی بھی بدستور اسکی خدمت میں لگے لپٹے رہیں گے، بیچارے اسوقت خانگی صدمات میں مبتلا ہیں۔

(بقیہ صفحہ ۷) اور کا سبب

صاف ہوتی ہیں، سرجن خود دیر تک اپنے ہاتھ اور انگلیوں کی صفائی کرتا، مستزاد یہ کر دہ اور اُنکے رفقاء کا اپنے ناک اور منہ اور بالوں پر پٹیاں باندھ

عظیم الشان نمائش

(رہبر دکن کے نامہ نگار خصوصی کے قلم سے)

۲۲۔ شعبان ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۵۔ اگست ۱۹۴۳ء گورنر مدراس نے گورنمنٹ محمڈن کالج مدراس میں تاریخ و تمدن اسلامی کا افتتاح کیا۔ مدرسۂ اعظم کو کالج ہوئے ۲۵ سال گذر چکے ہیں۔ اسکی تقریب میں جو جشن سیمیں (سلور جوبلی) منایا گیا اسکا ایک جزو اور نمایاں جزو یہ نمائش بھی تھی۔

جنگ کے باعث ملک میں حمل و نقل کی دشواریاں، مدراس کا محاذ جنگ پر ہونا اور دیگر موانع ہمتوں کو پست کرنے والے تھے، لیکن کالج کے جوان ہمت پرووائس نیت اور تدبیر نے سنگلاخ مدراس میں ایک علمی گلزار کھلا دیا۔ نمائش کا کچھ نہیں تو تین چوتھائی سامان حیدرآباد سے آیا تھا اور کچھ اس حسن تدبیر سے پیش کیا گیا تھا کہ خالص اسلامی آثار پر مشتمل ہونے کے باوجود ناظرین میں بہت بڑی تعداد ہندوؤں عیسائیوں پارسیوں، سکھوں، سو لیکوں حتیٰ کہ غیر مسلم عورتوں تک پر مشتمل تھی۔ گورنر مدراس جیسی مصروف شخصیت نے افتتاح کے دن آدھے گھنٹے کے معائنے کے بعد کہا کہ انکی جی سیر نہ ہوا۔ دوبارہ تفصیلی معائنہ کے لیے آئے اور دو گھنٹے رہے۔ مقامی غیر مسلم انگریزی روزناموں (مثلاً ہندو، میل، اکسپریس وغیرہ) نے متفقہ طور سے اپنے ناظرین سے کہا کہ اس خداداد موقع کو نہ کھوئیں۔ جمیع الہند نشرگاہ (آل انڈیا ریڈیو) نے افتتاح کی رات کو تقریباً آدھ گھنٹے اسکے معائنہ کے تاثرات ایک قابل پروفیسر کی زبانی سنائے۔ اس میں بنگلور سے بھی لوگ آئے آگرہ سے بھی، پونا سے بھی، حیدرآباد سے بھی، اور دیگر دور دراز مقاموں سے بھی۔ یہ ایک ہفتہ کے لیے تھی۔ مگر دو دن کی توسیع دینی پڑی۔ راتوں کو فانوسی تقریریں بھی ہوئیں، ضیافتیں بھی۔ اب اسکی کچھ چشم دید کیفیت عرض کی جاتی ہے:۔

(۱) اسلام کا آغاز چونکہ عہد نبویؐ سے ہوتا ہے۔ اس لیے ناظر نمائش میں داخل ہوتے ہی سب سے پہلے کمرۂ سیرت میں پہونچتا تھا۔ (یہ پورے کا پورا کتبخانۂ آصفیہ کے سامان پر مشتمل تھا) درمیان میں ایک بڑے میز پر کئی گز لمبا اور آتنا ہی چوڑا لکڑی کا ماڈل مسجد نبویؐ کا بنایا گیا تھا۔ گنبد خضرا کا یہ اثر انداز منظر بڑا دل لبھانے والا تھا۔ اطراف کی دیواروں پر بھی فوٹو اور نقشوں سے سیرت نبویہ سمجھائی گئی تھی۔ مثلاً ولادت چونکہ عام الفیل میں ہوئی تھی اس لیے سب سے پہلے اس معرکہ کا فوٹو تھا جہاں سعودی دور سے پہلے مولد النبیؐ کا مکان تھا۔ آگے جبل نور، غار حرا [illegible] تھے۔ غار حرا میں پہلی وحی نازل ہوئی تھی۔ یہ اتنا چھوٹا ہے کہ [illegible] اس میں کھڑا ہو کر نماز پڑھ سکے یا پاؤں پھیلا کر سو سکے۔ طوفی اسکا قدرتی رخ کعبے ہی کی سمت ہے۔ ہجرت حبشہ کے لیے بندرگاہ (جدہ و شعیبہ) کا فوٹو، بیت الارقمؓ جہاں ابتدائی زمانہ میں ۔۔۔ گاہ تھا اور جس میں حضرت عمرؓ مسلمان ہوئے تھے، بیت عقبہ کے مقام کی یادگار مسجد، غار ثور جس میں ہجرت کے وقت جناب رسالت اور صدیق اکبرؓ نے چند دن قیام فرمایا تھا۔ ثنیۃ الوداع جہاں مدینہ تشریف آوری پر ؎

طلع البدر علینا — من ثنیات الوداع

وجب الشکر علینا — ما دعا للہ داع

ایہا المبعوث فینا — جئت بالامر المطاع

گاتے ہوئے لڑکیوں بچوں اور عورتوں مردوں نے رسول کریمؐ کا استقبال کیا تھا۔ مسجد قبا جو دست مبارک نبویؐ سے تعمیر ہونے والی پہلی مسجد ہے اور مسجد نبویؐ اور پھر بدر کا نقشہ اور اس غزوہ کے متعلق متعدد فوٹو تھے۔ اسی طرح احد، خندق، حدیبیہ اور فتح مکہ کے متعلق نقشے اور فوٹو نمایاں کیے گئے تھے۔ یہاں مکتوبات نبویؐ کے تین اصول کے فوٹو بھی تھے۔ جو صلح حدیبیہ کے بعد تبلیغ دین کی غرض سے بیرونی حکمرانوں کو بھیجے گئے تھے۔ اور آخر میں حرم کعبہ کا ایک اثر انداز فوٹو بھی یہ بتا رہا تھا کہ خدا کی عبادت کے لیے سب سے پہلا مکان عارضی طور سے اگرچہ بت پرستی کا مرکز بن گیا تھا لیکن اب وہ جاء الحق و زہق الباطل کے مصداق کر معبود حقیقی کی عبادت کے لیے پوری دنیا کا قبلہ بن گیا ہے۔ سب سے آخر میں مسجد نبویؐ اور گنبد خضراء کا ایک فوٹو یہ بتا رہا تھا کہ رحمۃ للعالمین کا دنیاوی کام ختم ہو گیا اور آپ رفیق اعلیٰ سے جا ملے۔

(۲) دوسرا کمرہ زیادہ تر غیر مسلموں کی واقفیت کے لیے تھا کہ اسلامی عبادات میں کوئی چیز مخفی اور راز نہیں ہے۔ یہاں ایک نمونہ کی مسجد کا بڑا لکڑی کا ماڈل تھا جس میں نہ صرف منبر و محراب اور امام کا عصا تھا بلکہ وضو کرنے کا دہ در دہ (۱۰×۱۰) حوض، نماز کا وقت معلوم کرنے کے لیے دھوپ گھڑی اور عام اوقات میں تلاوت کے لیے قرآن مجید کا ایک نسخہ مہیا کیے گئے تھے۔

(باقی آئندہ)

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ صاحبان کی میعاد خریداری اسی ماہ اکتوبر ۱۹۴۳ء میں تمام ہو رہی ہے۔ مہربانی فرماکر اپنا چندہ ۱۵۔۲۰۔ اکتوبر ۱۹۴۳ء سے پہلے پہلے دفتر کو بھیجدیں تاکہ یکم نومبر ۱۹۴۳ء کو وی پی نہ روانہ کیا جائے وی پی میں آپ کا ۵ ر کا خرچ بھی زیادہ ہے۔

خریدار نمبر ۳۰۳ — نمبر ۳۶۷ — نمبر ۴۴۷ — نمبر ۵۶۹

نمبر ۵۱۰ — نمبر ۶۴۴ — نمبر ۹۰۸ — نمبر ۹۰۹

نمبر ۹۱۳ — نمبر ۹۱۷ — نمبر ۱۰۲۷ — نمبر ۱۰۶۰

نمبر ۱۰۷۱ — نمبر ۱۰۷۲ — نمبر ۱۰۷۴ — نمبر ۱۰۷۶

نمبر ۱۰۷۹ — نمبر ۱۱۶۳ — نمبر ۱۱۶۵ — نمبر ۱۱۷۶

۱۱۶۹ — ۱۱۷۰ — ۱۱۷۱ — ۱۲۲۵

مہتمم صدق

نمبر ۲۵ | دوشنبہ۔ ۲۴۔ شوال المکرم سنہ ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۵۔ اکتوبر سنہ ۱۹۴۳ع | جلد ۹

سچی باتیں

کہتے ہیں کہ تصوف کے ڈانڈے اگر سوشلزم (اشتراکیت) اور کمیونزم (اشتمالیت) سے مل جاتے ہیں ملتے ہونگے۔ دنیا سے بیزاری دونوں میں مشترک ہے۔ صوفی کہتے ہیں سرمایہ داری کو ٹھکرادو۔ کمیونسٹ پکارتے ہیں سرمایہ داروں کو مٹادو۔ بات تو ایک ہی ہوئی، کہنے کے طریقے دو ہوگئے ——— لیکن ذرا کان لگاکر تو سنیے، درویش کی خانقاہ سے صدا کیا آرہی ہے۔

دنیا چھوڑدو، دنیا کی محبت چھوڑدو۔ دھن دولت، راج پاٹ، ہیرا جواہر کوئی ساتھ دینے والا نہیں، سب یہیں رہ جانے والے ہیں۔ دنیا ہیچ ست وکار دنیا ہمہ ہیچ!

خیر کرو، خیرات کرو۔ اپنے پاس اتنا رکھو ہی کیوں کہ حساب کتاب زکوٰۃ کا رکھنا پڑے!

ہر چہ داری صرف کن در راہ او
لن تنالوا البر حتی تنفقوا

جو کوئی جو کچھ مانگے اسکی نذر کردو۔ ہم کیا اور ہماری ملک کیا۔ ہم خود ہی اپنی ملک کب ہیں؟ ہم کچھ بھی نہیں، جو کچھ ہے سب خدا کا، ہم کہاں ہمارا!!

اب ملاحظہ ہو، کمیونسٹ کیمپ سے نعرے کیا بلند ہورہے ہیں۔ "سرمایہ داری مردہ باد" ان موذی مہاجنوں کو حق کیا ہے زندہ رہنے کا! اور یہ ظالم حکام اور حریص زمیندار تعلقدار اور راجہ مہاراجے۔ آخر کب تک غریب رعایا کا خون یوں چوس کر پلتے رہیں گے؟ یہ سب کے سب غاصب و رہزن ہیں، انکے خزانوں کو لوٹ لو، انکی محل سراؤں کو پھونک دو، انکی کوٹھیوں کی اینٹ سے اینٹ بجادو۔ انکی جائدادیں جاگیریں اپنے قبضہ میں کرو، یہ سب ہمارا ہی چھینا ہوا مال ہے، اسے چھین لو، نہیں مٹادو۔ ورنہ خود کشی کررہوگے۔ یہ زر، یہ زن، یہ زمین ان سب پر قدرتی حق ہمارا ہے۔ اب ہم اپنا حق وصول کرکے رہیں گے! ذلتیں مشقتیں بہت جھیل چکے۔ اب ہم سوز ہوکر سربلند ہوکر رہیں گے! ——— جو کچھ بھی ہے، سب ہمارا ہے، ہم اب ظالموں کو پنپنے نہ دینگے۔

نسبت دونوں میں آپ نے دیکھ لی؟ ایک کا پیام یہ ہے کہ "ہمارا کچھ بھی نہیں۔ ہمارا جو کچھ ہے وہ بھی تمہارا ہی ہے" دوسرے کا نعرہ ہے کہ "ہمارا سب کچھ ہے۔ تمہارا جو کچھ ہے وہ بھی ہمارا ہی ہے!" ——— دونوں میں نسبت یقیناً ہے، مگر وہی نسبت جو اثبات کو نفی سے، موت کو زندگی سے ہوتی ہے! ایک نمونہ ہے مشرق کی روحانیت کا، دوسرا نمونہ ہے مغرب کی آزاد خیالی کا! ایک ثمرہ ہے توحید خالص اور ایمان کا، دوسرا نتیجہ ہے شرک وجاہلیت کا۔ ایک کا خلاصہ ہے کہ "لٹادو اور دو"۔ دوسرے کا لب لباب ہے کہ "لوٹو اور لو" دونوں مسلک آپ کے سامنے ہیں۔ انتخاب میں دقت کچھ بہت زائد تو نہ ہونا چاہیے۔

ایک کلامی مسئلہ

صدق ۱۹؍ ستمبر میں جو سوال شذرات میں اس عنوان سے درج ہوا تھا، اسکے جواب میں مرکز معقولات درسیہ نظامیہ فرنگی محل کے صدر مولانا محمد شفیع صاحب نے اپنے ایک شاگرد سے تحریر ذیل بھجوائی کہ

کے دستور العمل کے اکثر جزئیات کی طرح یہ دستور بھی بڑے کام کا ہے ——

خط میں نے صرف سنہ ہجری تحریر کیا تھا۔ تاریخ ۲۲۔ جمادی الاولیٰ ۱۳۴۶ھ کی پڑی ہوئی ہے۔ ابھی جنتری سے ملایا، تو ۱۸ نومبر ۱۹۲۶ء نکلی۔ خط ڈاک میں پڑا، اور جواب کا انتظار شروع ہو گیا۔ مولاناؒ کا دستور یہ تھا کہ خط کا جواب فوراً ہی تحریر فرما دیتے۔ ہاں خط کا مضمون ہی اُلجھا ہوا ہو اور جواب کے لیے کتابوں کی الٹ پلٹ کی ضرورت ہو، تو اسکی بات ہی اور تھی۔ مولانا اسے خطوط کی ڈاک آٹھ دس کی گڈی ہوا کرتی، لیکن مولاناؒ جواب ایک ایک کا اپنے ہی قلم سے لکھتے۔ آخر تک، جب تک ضعف نے بالکل ہی بے تابو نہ کر دیا، یہی روش قائم رہی —— ہمارے انتظامات اور رستہ ہی کے کہ باوجود خط کو بہر حال تین ساڑھے تین سو میل سے زائد، سہارنپور کے آگے ضلع مظفر نگر تک کا مسافر طے کرنا تھا، اور پھر اسی قدر واپسی میں۔ یہ توقع ہی آپ نے کیوں قائم کر لی، کہ جواب خط اسقدر جلد آ جائیگا کہ متصل جواب خط بھی مل جائیگا؟ جواب ۲۵۔ نومبر کو موصول ہوا۔ تمام متن نہیں، پورے کا پورا سنیے گا، اور ابھی نہیں سنیے گا۔ لیکن ایک ذرا ٹھہر کر —— ایک شیخ وقت کے حالات سننے سنانے آپ بیٹھے ہیں تو خود بھی ایک ہلکا سا مجاہدہ صبر کا اور شوق و اشتیاق کے ضبط کا کرتے چلیے نا!

ماجرا ۱۹۲۶ء کا بیان ہو رہا ہے، ۱۹۴۳ء کا نہیں۔ جو آج بھی ۱۶ سال قبل کا دن تھا۔ دنیا بھی دوسری تھی اور دل کی دنیا بھی دوسری۔ جن خیالات پر اُمید نہ تھا، آج ان پر ہنسی آ رہی ہے جن سے انکار تھا، وہ اب مسلّمات میں داخل ہیں۔ مولاناؒ کی ہستی اسوقت ایک راز، ایک معمہ تھی۔ جمعیۃ العلماء کا زور تھا، گو گھٹا ہوا۔ محمد علی شوکت علی کا دور تھا، گو شباب سے اُترا ہوا۔ مسلمان خلافت کمیٹی کے ساتھ تھے، اور خلافت کمیٹی کانگرس اور گاندھی جی کا ساتھ دے رہی تھی۔ پھر اگر کسی خلافتی لیڈر کی دینی اور علمی حیثیت بھی نمایاں ہو تو نور علیٰ نور۔ شیخ الہند محمود حسن دیوبندیؒ اور انکے بعد مولانا عبد الباری فرنگی محلیؒ دونوں اپنے اپنے وقت میں مسلمانوں کی آنکھوں کے تارے بن کر رہے۔ اور اب جانشین شیخ الہند کی حیثیت مولانا حسین احمد صاحب کو حاصل ہو رہی تھی —— جواب ۲۵ کو لکھنؤ میں موصول ہوا۔ اشتیاق کے ہاتھوں سے کھولا۔ عقیدت کی آنکھوں سے پڑھا۔ آئیے، آپ بھی شریک ہو جائیں:

"از اشرف علی۔ السلام علیکم

آپ کی راستی و سادگی سے دل خوش ہوا۔ اللہ تعالیٰ آپ کو حقائق امور تک پہنچائے۔ ہر جزو کا مفصل جواب غیر ضروری ہے۔ بعد انتخاب جملات کا جواب عرض کرتا ہوں۔

ملا بیعت؟ معیار آپ نے کیا تجویز کیا ہے؟ اسکی تعیین اول ضروری ہے، تاکہ اس معیار پر مصلح کا انتخاب ہو سکے۔

ملا تھانہ بھون کا ارادہ کس خیال سے ہے؟ ضرورت تحقیق کی یہ ہے کہ میں دیکھ سکوں کہ آپ کا وہ مقصود یہاں آنے سے حاصل ہو سکتا ہے یا نہیں۔ نیز اسکا ظاہر فرمانا بھی ضروری ہے کہ آپ یہاں تشریف لاکر خاموش رہیں گے یا کچھ بولینگے بھی؟

ملا امراض قلبی کا علاج ترتیب میں تجویز شیخ سے مؤخر ہے۔
والسلام۔ از تھانہ بھون"

اس قلق و دق جواب کا آنا تھا کہ دل کی بساط پر انبساط کی ایک لہر دوڑ گئی۔ خوش ہو کر مدتوں اپنے کتنوں کو دکھایا، سنایا۔ اور اپنی سادہ دلی سے دوسرا خط دوسرے ہی دن، ۲۶۔ نومبر کو لکھ ڈالا۔ اقتباسات ملاحظہ ہوں:۔

(۱) بیعت سے مقصود اپنے ذہن میں یہ ہے کہ نجات کی حقیقی و یقینی سبیل علماً و عملاً نصیب ہو، اور تسکین قلب اور پختگی ایمان حاصل ہو جائے۔

(۲) (الف) حاضری سے غرض ایک تو یہی ہے کہ ایک برگزیدہ بزرگ کی زیارت ایک زائر ہو دن حضور اولیاء ہو (ب) اور بہر حال جتنے روز یہ حاضری ہوگی بہت سی دینی باتیں دیکھنے اور سننے میں آئینگی۔

(ج) ساتھ ہی اپنے ہم عمروں کو بھی دعا سے فیض کرانا اور (د) ارشادات حسنہ سے مستفید ہونا بھی مقصود ہے۔ (ھ) جناب کی عملی زندگی کی بھی بیت تعریف سننے میں آئی ہے (د) علمی حالات کا پتہ تو تصانیف سے چل جاتا ہے، لیکن عملی زندگی کا تجربہ بغیر حاضری ممکن نہیں۔

(۳) ارادہ اپنی طرف تو محض خاموشی کے ساتھ دیکھنے اور سننے کا ہے۔ ہاں جناب کا ارشاد ہوگا تو کچھ عرض بھی کر دیا کروں گا۔ ارادہ ہے کہ اول بار مختصر قیام کی نیت سے آؤں، پھر اگر بیعت نے اچھا اثر قبول کیا، اور جناب والا کی بھی مرضی ہوئی تو دوبارہ طویل قیام کا قصد کروں گا۔

(۴) جناب سے بیعت ہونے پر جو زیادہ زور نہیں دیتا تو وہ اس لیے کہ جناب ہی کی تصانیف میں پڑھا ہے کہ حصول فیض کے لیے بیعت کوئی لازمی شرط نہیں۔ بلا بیعت بھی امراض النفس کا علاج ہو سکتا ہے۔"

یہ "الف" "ب" اصل خط میں نہ تھی۔ اس نقل میں یہ نمبر اس لیے ڈال دیے گئے کہ بغیر اسکے جواب سمجھ میں نہ آتا۔ جواب آیا۔ ملاحظہ ہو:۔

(۱) میں نے مقصود نہیں پوچھا تھا معیار پوچھا تھا، جسکی بنا پر شیخ کی تعیین میں سہولت ہو۔ مکرر عرض کرتا ہوں کہ شیخ کامل کی پہچان آپ کے ذہن میں کیا ہے۔

(۲) (الف) میں یہی اطلاع کرتا ہوں کہ میں اس صفت کا نہیں۔
(ب) یہ بھی محض ذہنی حساب ہے۔ ممکن ہے کہ یہ خیال صحیح نہ ثابت ہو۔
(ج) یہ خط سے بھی ممکن ہے۔
(د) سنہ کی تبدیلی سابق کے محض ذہنی ہے۔
(ھ) مجھ سے اسکے خلاف سن لیجیے، کہ بیہودہ زندگی ہے۔ اب کس سننے کو صحیح سمجھیے گا
(د) میں تجربہ کا نتیجہ بلا مشقت تجربہ عرض کر دیا۔

(۵) ابھی تو آنے ہی کی غرض متعین نہیں ہوئی۔ مجھکو اس میں جو کلام تھا

اور پر ختم کر دیا۔ اس نمبر کا درجہ اسکے بعد ہے۔

(۴) جب تک معیار بیعت کا تجویز نہ ہو جائے کسی پر بھی زور نہ دیا جائے۔ مولانا نرے صوفی، محض عارف، صرف زاہد نہ تھے متکلم بھی تھے معقولی بھی تھے، اور سب سے بڑھ کر مصلح و معلم تھے۔ اتنا جان لینے کے لیے اتنی مراسلت بھی بس تھی۔

(بقیہ صفحہ ۲)

اخبار رہبر دکن میں پڑھتے ہی بے اختیار حالت گریہ طاری ہو گئی اور زبان پر یہ اشعار جاری ہو گئے۔

مرو سیہ پیش تصویرا می روی ... سخت بے مہری کہ بے ما میروی

اے تماشا گاہ عالم روئے تو ... تو کجا بہر تماشا میروی

دوسرے دن حافظ شیرازی کا یہ شعر قلب پر وارد ہو کر سکون کا باعث ہوا۔

ہرگز نمیرد آنکہ دلش زندہ شد بعشق

ثبت است بر جریدۂ عالم دوام ما

اسکے ایک ہفتہ بعد اس مجدد ملت کی زیارت خواب میں میسر ہوئی۔ جمال جہاں آرا کو دیکھ کر بے اختیار رو پڑا، تو ارشاد فرمایا کہ کیوں روتے ہو، میں زندہ ہوں مرا نہیں۔

چند عربی مدارس

(از ع، ق)

عموماً ۱۰ شوال سے عربی مدارس اپنے تعلیمی سال کا آغاز کرتے ہیں۔ دفتر صدق میں چند عربی مدارس کی طرف سے اس سلسلہ میں اعلانات بغرض اشاعت موصول ہوئے ہیں، گنجائش نہ ہونے کی وجہ سے انکے خلاصہ پر اکتفا کی جاتی ہے:-

(۱) دار العلوم ندوۃ العلماء، لکھنؤ۔ ملک کی مشہور و معروف مرکزی ہے۔ ہر مزید تعارف سے بے نیاز

(۲) مدرسۂ عربیہ بدریہ نگرام ضلع لکھنؤ۔ مولانا عبد الغفار ندوی فضل رحمانی کے زیر اہتمام سہل الحصول اور سریع الحصول طرز تعلیم سے علوم عربیہ دینیہ نیز بقدر ضرورت انگریزی اور علوم جدیدہ کی تعلیم دی جاتی ہے۔

(۳) مدرسۂ عربیہ تعلیم القرآن۔ قاسم العلوم متصل اسٹیشن فقیروالی (ریاست بہاول پور) عربی و علوم دینیہ کی تعلیم کے ساتھ ساتھ مڈل تک اردو اور انگریزی تعلیم دی جاتی ہے۔ دستکاری سکھانے کا بھی انتظام کیا گیا ہے۔ اسکے صدر مدرس خانقاہ امدادیہ کے مشہور مفتی مولانا سید عبد الکریم گمتھلی ہیں۔

(۴) مدرسۂ سراج العلوم جھنڈے نگر ضلع بستی۔ مدرسہ اہل حدیث کے طرز پر ہے۔ زیر اہتمام مولانا عبد الرؤف خاں صاحب۔ تذکرہ و تعارف کئی بار ان صفحات میں ہو چکا ہے۔

ہمارا نیا ادب

فی الحال تو ہم صرف یہی کہہ سکتے ہیں کہ ادب کو جس نئے رنگ میں پیش کرنے کی کوشش کی جا رہی ہے وہ رنگ ہمارے لیے مفید ہونے سے کہیں زیادہ مضر ہے۔ لیکن رفتہ رفتہ ہمکو یہ کہنا پڑیگا کہ مضرت رسانی کا کوئی سوال ہی نہیں یہاں تو ادب ہی غائب ہوتا نظر آ رہا ہے۔ "نئے ادب" کے نام سے جو مغربی تقاضے ہمارے ادب میں شروع ہوئی ہے وہ ہندوستان کے لیے کسی طرح بھی ساز گار نہیں ہو سکتی۔ نہ مذہب سے ہندوستان ابھی بیزار ہوا ہے اور نہ شرم و حیا کو اعتبارات کا درجہ ابھی اس "لیبٹ ماڈرن" ملک نے دیا ہے۔ ایسی صورت میں خلاف مذہب اور عریاں ادب ہندوستان کے سر کیسے تھوپا جا سکتا ہے۔ اور اس ادب کے آئینہ میں ہندوستان اپنے اصلی خد و خال کیونکر دیکھ سکتا ہے۔ مذہب ضروری ہے یا نہیں، یہ ایک دوسرا سوال ہے۔ عریانی عین منشا و فطرت ہے یا اس سے بیزاری انسان کا ایک کھلا ہوا جھوٹ۔ یہ بھی ایک تفصیل طلب موضوع ہے۔ مگر سوال تو یہ ہے کہ ان دونوں گتھیوں کو سلجھانے سے پہلے ہی ادب کی ایک نئی شکل صورت پیش کرنا اگر کچھ از رنہیں تو قبل از وقت ضرور ہے۔ اگر مذہب کوئی خلاف انسانیت فعل ہے تو پہلے اس سے عام بیزاری تسلیم کرا لیجیے اسکے بعد لٹریچر اسکو خود قبول کر لیگا اگر شرم و حیا محض باطل اعتبارات ہیں تو عریانی کا سب کو خوگر بنا دیجیے اسکے بعد آپ کا ادب خود ہی جامہ سے باہر ہو جائیگا۔ لیکن ادب کے ذریعہ ان مغربی تحریکوں کو مشرق میں کامیاب بنانے کا طریقہ ادبی دیانت کے منافی ہونے کے علاوہ ادب کے ساتھ ایک قسم کی بے ادبی ہے۔ اور اس طرح یہ تحریکیں خواہ کامیاب ہوں یا نہ ہوں مگر ادب ضرور ختم ہو جائیگا۔ بالکل یہی سلوک شاعری کے ساتھ ہو رہا ہے۔ ہر زبان کی شاعری اُس زبان کی مناسبت سے کچھ اصول رکھتی ہے۔ مثلاً انگریزی زبان میں غزلیں کہنے کی کوشش ایک مضحکہ خیز حرکت سمجھی جائیگی۔ اردو تو خیر ایک یتیم زبان ہے۔ مگر فارسی غزل گوئی کی خبر تو اہل مغرب کو بھی ہوگی۔ فارسی کلام اگر کسی مغربی نے سمجھ لیا ہے تو وہ جھوٹا ہے۔ اس نے آنکھیں پھاڑ پھاڑ کر WONDERFUL کہا ہے مگر یہ کبھی نہیں کیا کہ اسکی تقلید میں انگریزی غزلیں کہنا شروع کر دی ہوں۔ مگر ہندوستان میں ایک وبا سی چل رہی ہے جس طرح پتلون پہنا، کوٹ ٹائی لگایا، ٹائی اور کالر چڑھایا، اور ہیٹ سر پر سوار ہوئی۔ ہم اردو زبان میں طلسم سوا ایک لطیفہ کے اور کچھ نہیں۔ مگر اس لطیفہ کو انتہائی سنجیدگی کے ساتھ پیش کیا جا رہا ہے۔ اُسی سنجیدگی کے ساتھ جس طرح ایک کالا ہندوستانی اپنا ملکی لباس چھوڑ کر سوٹ، ہیٹ اور ٹائی، کالر میں اپنے کو سنجیدگی کے ساتھ بہروپیا نہیں بلکہ معقول انسان سمجھتا ہے۔ حالانکہ انگریز تو شیروانی پہنتے ہیں۔ وہ ہندوستانی اکرائی وضع نہیں بدلتے۔ اور ہندوستانی بغیر ولایت گئے ہوئے انگریزی لباس پہن لیتے ہیں۔ خیر اس ہیرا کا مضحکہ خیز اثر ہو سکتا ہے وہ ذاتی اور ... ہے۔

نمو کے لیے جو بہروپ تجویز ہوا ہے وہ تو ہماری تاریخ ہی کا ناس مار دیگا۔ (اکتاب۔ لاہور)

یا پڑھنے والے ایسے بھی ہوتے ہیں جو اسکے بغیر زندگی کی کوئی لذت نہیں محسوس کرسکتے تو پھر میں یہ بھی کہونگا کہ اس قسم کے لٹریچر کو اس کا مناسب مقام دیا جائے۔ یہ نہ ہونا چاہیے کہ جہاد یا انقلاب کا اعلان مراسی مراستوں کے گالی گالنے سے کیا جائے!

اس سلسلہ میں ایک معمولی سی بات میں یہ عرض کرنا چاہتا ہوں کہ دو باتوں کے علاوہ عریانی و فحاشی سے بچنے کے لیے یا اسکو اعتدال پر رکھنے یا اسکو مناسب اور دلچسپ انداز میں پیش کرنے کے لیے ماہرین شعر و ادب نے صدیوں کے مطالعہ و تجربہ کے بعد صنائع و بدائع اختراع و مدون کیے۔ محسنات کلام کی طرح ڈالی اور اسکے بلیغ و دلنشیں نمونے پیش کیے۔ فحاشی اور عریانی نہ کوئی فن ہے اور نہ کمال فن۔ فن کا مقصد اور اسکا کمال یہ ہے کہ [illegible] وہ نتائج کے اعتبار سے کیسی مستحسن ہو۔ ایسا فن جو انسان میں ایسا رجحان پیدا کرے جن سے حیثیت مجموعی اخلاق و انسانیت کو نقصان پہنچے وہ فطرت میں پڑ جانے، فن یقیناً نہیں کچھ اور ہو تو ہو۔ فن برائے فن میں سب سے برا اصلاً نہیں تو فعل عبث ضرور ہے۔ اور میرا ذاتی عقیدہ یہ ہے کہ انسان کی زندگی کا کوئی چھوٹے سے چھوٹا اور بڑے سے بڑا پہلو ایسا نہیں ہے جو اپنی تکمیل کے لیے کسی ایسے فن کا محتاج ہو جو صرف فن برائے فن کا اطلاق ہوتا ہو۔ فن برائے فن میں وہی گمراہی پوشیدہ ہوتی ہے جو تصوف کے اکثر پیرووں میں نظر آتی ہے۔ یعنی عشق تو ہوتا ہے آم پریات ہند کی زندگی کا اور رشتہ جوڑیں گے پیمانِ الست کا!

اگر میرے دوستوں سے کوئی یہ کہے کہ عریاں اور فحش باتیں بھی عریاں اور فحش الفاظ و عبارت ہی میں ادا کی جا سکتی ہیں تو میں اسکا قائل نہیں۔ باکمال لکھنے والا فحش سے فحش باتیں اس طور پر کہہ سکتا ہے کہ حسنِ متانت کا دامن نہ چھوٹنے پائے۔ یہی نہیں بلکہ انشاپردازی کا یہ بھی کمال ہے کہ جو بات بظاہر غیر ثقہ یا معمولی اور سپاٹ نظر آتی ہو اُسکو انشاپرداز چند الفاظ اور فقروں کے پیرایہ میں نہایت درجہ دلنشیں بلکہ لازوال بنا دیتا ہے۔ اس لیے اگر میرے دوستوں کو فحاشی اور عریاں نگاری سے شغف ہے اور وہ اس عادت کو ترک نہیں کرسکتے تو پھر میں انکو مشورہ دونگا کہ وہ لکھنے کی مشق اور سلیقہ پیدا کریں۔ لیکن بطور تنبیہ میں یہ جتا دینا چاہتا ہوں کہ جس شے کا نام سلیقہ ہے وہ صرف مشق سے ہاتھ نہ آئیگا۔ اسکے لیے خلوص از بس ضروری ہے۔ عدم خلوص زندگی اور معاشرت ہی میں خلل انداز نہیں ہوتا۔ انشاپردازی کو بھی خاک میں ملا دیتا ہے!

حضرات! یہ باتیں میں نے سچائی اور صفائی سے عرض کی ہیں اور یہ بیان واحد نہ بھی ہو تو کم سے کم یہ ضرور ہے کہ یہ میرے ذاتی تاثرات ہیں جو میں نے بغیر کسی "فل تفصیل" کے پیش کر دیے۔ لیکن تصویر کا یہ ایک ہی رخ تھا۔ دوسرا بھی عرض کر دینے کی اجازت ہی نہیں چاہتا بلکہ اس پر اصرار بھی کرونگا۔ میں اقرار کرتا ہوں کہ نوجوان لکھنے والوں میں جو بیداری پیدا ہوئی ہے وہ امید افزا ہے۔ شعور کا بیدار ہونا مبارک ہوتا ہے۔ ابتدا میں جو ناہمواری اور بے راہ روی پیدا ہوتی ہے وہ آگے چل کر درست ہو جاتی ہے۔ اگر آپ غور کریں تو اس بات کا پتہ آسانی سے چل جائے کہ اب تک ہمارے شعر و ادب میں مخصوص سانچوں میں ڈھلی ہوئی مخصوص ہی چیزیں راہ پاتی رہی ہیں۔ جن سے ہم اکتانے لگے تھے اسلوب اور موضوع دونوں میں اس درجہ یکسانیت اور "باسی پن" آ گیا تھا کہ ہم میں سے بعض یہ سمجھنے لگے تھے کہ "یہی لکھنا اور یونہی لکھنا" مقصود بالذات ہے۔ لیکن اور کی طرح زندگی بھی پابند نہیں۔ نئے ادب نے ہم کو بعض بڑی اچھی چیزیں بھی سجھائی ہیں جنکو اب ہم نظر انداز نہیں کرسکتے۔ کچھ اور نہیں تو یہی کیا کم ہے کہ ہمارے ادب میں جو ایک کمی نہایت درجہ نمایاں تھی اُسکو یہ پورا کر رہا ہے۔ مثلاً اردو میں پریم چند سے پہلے غریبوں کا ادب مفقود تھا۔ حسن ہو، محبت ہو، بہادری ہو، عصمت ہو، سچائی ہو، قابلیت ہو، غرض ہنسنا بولنا رونا دھونا، مرنا جینا، ادب تسلیمات، تو تو میں میں سب کے سب طبقہ اولیٰ یا طبقہ امراء سے متعین ہو چکے تھے۔ سب کچھ "تجمل حسین خاں" کے لیے تھا۔ غریبوں یا عوام کو اتنا بھی میسر نہ تھا کہ خاں صاحب کی نظر سے محفوظ رہیں۔ پریم چند نے سب سے پہلے اردو ادب میں غریبوں کو جگہ دی۔ اور وہ بھی اس طور پر کہ ہم کو غریبوں پر ترس ہی نہیں آیا بلکہ اُنکے ایسے خدوخال ہم پر روشن ہوئے کہ ہم نے اپنے دل میں اُنکے لیے محبت اور رفاقت کی معزز جگہ نکالی۔ ہمارے شعراء و ادیب بھی غریبوں کی طرف مائل ہوئے اور محسوس ہوا کہ شعر و ادب میں حسن و رعنائی امیروں ہی سے نہیں ناکسوں سے بھی پیدا کی جا سکتی ہے۔ پریم چند کے بعد ہی نئے ادب والوں کا دور آیا۔ اُنھوں نے غریبوں کو اپنا لیا۔ لیکن یہ اس درجہ شدت اور عجلت کے ساتھ پیش آیا کہ اسکی "جھونک" خود نئے ادب والے بھی نہ سنبھال سکے۔ میں تو سمجھتا ہوں کہ جب تک نئے ادب میں کوئی پریم چند یا حالی یا دونوں نہ پیدا ہونگے، نئے ادب میں وہ سنجیدگی، وقار اور وزن نہ آئیگا جسکا وہ یقیناً مستحق ہے اور جسکی [illegible] ضرورت ہے۔

(کانفرنس گزٹ)

"زمزم" کی اشاعتِ نو

معلوم ہوا ہے کہ حکومت پنجاب نے لاہور کے مشہور مشہور سہ روزہ "زمزم" پر ایک سال کے لیے جو پابندی عائد کی تھی وہ ۱۰-اکتوبر کو ختم ہو گئی ہے۔ اور "زمزم" کی اشاعت کا سلسلہ پھر شروع ہونے والا ہے۔ ۲۳-اکتوبر کو "زمزم" کا ایک خاص نمبر شائع ہوگا۔ اسکے بعد اشاعت کا سلسلہ التزام کے ساتھ جاری رہیگا (مہتمم "زمزم")

شیخ شوکت حسین نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

نئی کتابیں

(۱) **شیش محل** - از شوکت تھانوی۔ ضخامت ۲۴۰ صفحے۔ قیمت مجلد مع گرد پوش۔ پتہ: اُردو بک اسٹال، لوہاری دروازہ، لاہور۔

طوخ نگاری و ظرافت دوسروں کے لیے لطف ہی نہیں بلکہ شاید بعض کسا کے لیے ایک مشغلۂ تفریح رہی ہے، شوکت نے اسے اپنا مستقل فن بنا لیا ہے، اور قدرۃً اُن کی نگاہ ایک فن کار کی نگاہ ہو گئی ہے۔ انکا قلم ایک فن کار کا قلم ہے۔ شیش محل اُنکے مطالعۂ بشری کا ثمرہ ہے۔ اچھے ملنے والوں میں سے ۱۴۳ کے چہرے، حروف تہجی کی ترتیب سے آئینہ داروں نے اس قلمی ذہن میں دکھا دیے ہیں۔ سب کے سب کسی نہ کسی حیثیت سے ادب ہی سے تعلق رکھنے والے ہیں۔ یہ اور بات ہے کہ افراط نازک خیالی سے کہیں صرف کتب فروشی کو بھی اس تعلق کے لیے کافی سمجھ لیا گیا ہے! یہ قلمی نگار خانہ یوں کہیے کہ ایک عجائب خانہ ہے۔ بعض ان مشاہیر میں اتنے مشہور کہ انکا تعارف بھی انکی توہین۔ بعض ایسے گمنام کہ انکی تعریف و تعارف کے بعد بھی مجہول کے مجہول! ان میں ہندو بھی ہیں اور مسلمان بھی، بوڑھے بھی ہیں اور جوان بھی۔ بعض ایسے ہیں جو سب کچھ ہیں، بعض ایسے بھی جو کچھ بھی نہیں۔ ایسے بھی جنکا پیچھا شہرت نہیں چھوڑتی، ایسے بھی جو شہرت کی تلاش میں دوڑتے دوڑتے تھک چکے ہیں۔ غرض ریاض خیرآبادی، ڈاکٹر عبدالحق، حسرت موہانی، جگر مرادآبادی سے لیکر اثر موہانی، آسید ابشیموی، اور صدیق کلھڈیو تک ہر صنف، ہر قافیہ، ہر وزن، ہر بحر کے نمونے اس دیوان میں موجود! شاعر کہیں تو غالب مصرعہ طرح پڑھ کر چپکا ہو گیا ہے، اور کہیں دو غزلہ بلکہ سہ غزلہ چھیڑ دیا ہے!

نگار خانہ ظریف کا ہے۔ مزاح و شوخی ہر چیز پر مقدم ہے۔ لیکن حقیقت و صداقت بھی عموماً دوش بدوش۔ "عموماً" کا لفظ خیال میں رہے۔ ظرافت کی گلکاریاں، شوخ نگاری کی رنگ آمیزیاں، مورخ کے چہرے اور فوٹو گرافی کی تاثیر مقدم نہیں ہو سکتیں ——— چہرے یقیناً دلچسپ دلکش یقیناً سب کے ہیں، اور یہی فن کار کا کمال ہے، البتہ کسی کا چہرہ اُترا ہوا، کوئی ذرا لٹکا ہوا، کسی پر رعنائی و زیبائی کا نقاب پڑا ہوا، کسی پر روغن حسن افزا کا غازہ پھرا ہوا۔ کسی کی پیشانی پر شکن، کسی کے چشم و ابرو پر غضب کا بانکپن۔

ظریف نے ہنستے ہنسانے کا سامان قدم قدم پر کیا ہے۔ لیکن کہیں کہیں اندازہ کرنے میں خود بھی غچہ کھا گیا ہے۔ نازک خیال اور پھر لکھنؤ و جوار لکھنؤ کے نازک خیال، نازک مزاج بھی کچھ کم ہوتے ہیں؟

حسن اور اُس پہ حسن ظن رہ گئی بوالہوس کی شرم!

لیکن یہاں معاملہ دوسرا ہے۔ خوب کیا شوکت صاحب نے دیباچہ ہی میں سب سے معافی مانگ لی، ورنہ عجب نہیں جو "بزم" "رزم" میں تبدیل ہو کر رہتی۔ اور

اسد اور لینے کے دینے پڑے ہیں

کی شاعری حقیقت بن کر رہتی! (یہ اسد خدانخواستہ اسد اللہ خاں غالب نہیں، وہ دوسرے بزرگ ہیں جنکا یہ مصرعہ شہرت دوام حاصل کیے ہوئے ہے۔

مرے شیر شاباش رحمت خدا کی!

ختم سے ذرا پہلے تک ایک بزرگ کا ذکر جس عنوان سے ہے، یقین تو ہے کہ شوکت صاحب بازدید الامان بھی لکھ کر لکھا ہوا ہے ——— "شیش محل پر جیسے تھانوی تبصرہ" اسکے بعد کچھ بھی بعید نہیں رہ جاتا!

یہ چیز محض تفریح اور دل لگی کی نہیں۔ کل اسی سے بڑے بڑے سنجیدہ مورخ خوشہ چینی کرینگے۔ آخر آج کتاب الاغانی کے حوالے کس شد و مد کے ساتھ مغرب و مشرق کے بڑے بڑے سنجیدہ مورخ دے رہے ہیں! پھر کیا یہ ادیب اور شاعر ان گویوں، سازندوں اور بھانڈوں سے بھی گئے گزرے ہوئے؟

کمی اور بڑی کمی کتاب میں یہ ہے کہ نگار خانہ خود مصور کے مرقعے سے خالی ہے ——— مجنوں کا ڈراما بغیر مجنوں کے پارٹ کے! بارات بغیر نوشہ کے! ادعائی دعویٰ بغیر "بہ نظر خود" کے! ——— ظریف کی ستم ظریفی!

(۲) **کتاب العشر والزکوٰۃ** - از مولانا عبدالصمد صاحب رحمانی، ضخامت ۲۰۰ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ: دفتر امارت شرعیہ، پھلواری شریف، ضلع پٹنہ۔

زکوٰۃ اسلام کے اہم ترین ارکان میں سے ہے اور نماز ہی کی طرح کفر و اسلام کے درمیان ممتاز فارق۔ مسلمان اسکو بھول چلے ہیں اور اس کے ساتھ کے مسائل عشر (زکوٰۃ زمین) تو گویا ذہن سے بالکل ہی نکل چکے ہیں۔ مولانا عبدالصمد صاحب تمام امت کی طرف سے شکریہ کے مستحق ہیں، کہ انھوں نے بڑی جامعیت اور تحقیق کے ساتھ مسائل متعلقہ کو اردو میں اصل حوالوں کے ساتھ جمع کر دیا ہے۔ زکوٰۃ کی فرضیت قرآن سے، حدیث سے، اقوال فقہا سے، پھر ادائے زکوٰۃ کے تاکیدی احکام اور اسکے بعد ادائے زکوٰۃ کے طریقے اور انواع زکوٰۃ پر مستقل باب ہیں۔ اور ہر باب میں گفتگو پوری بسط و تفصیل سے ہے۔ مسلمانان دارالحرب کے ساتھ مسائل عشر و زکوٰۃ کو خاص طور پر بیان کیا ہے۔

شروع میں مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب، مولانا سید سلیمان صاحب ندوی، مولانا عبدالشکور صاحب لکھنوی وغیرہم کی تصدیقیں شامل ہیں۔ کتاب اس میں ذرا شبہ نہیں بڑی کاوش و جامعیت کے ساتھ لکھی گئی ہے۔ اور زکوٰۃ کے سلسلہ میں جتنے عمل مسائل پیش آ سکتے ہیں، کہنا چاہیے کہ سب پر حاوی ہے۔ البتہ ترتیب مضامین و سلاست عبارت میں ابھی مزید اصلاح کی گنجائش ہے۔ کتاب اصلاً اہل علم کے لیے لکھی گئی ہے اور زیادہ انھیں کے کام کی ہے، تاہم عام شائقین بھی بڑی حد تک اس سے مستفید ہو سکتے ہیں۔

(۳) **ماہ لقا اور دوسری نظمیں** - از عزیز احمد صاحب بی اے آنرز (لندن) ضخامت ۱۰۰ صفحے۔ چھوٹی تقطیع۔ قیمت عہ، پتہ: سب رس کتاب گھر، خیریت آباد، حیدرآباد دکن۔

مرزا احمد صاحب کی واقفیت انگریزی ادب، مغربی شاعری سے
محض ادب کے اکثر طلبہ اردو کی طرح سطحی اور طفلانہ نہیں گہری اور
استادانہ ہے۔ انھوں نے بہترین انگریزی رنگ میں ڈوب کر سلیقہ
اور سلیقے کے ساتھ اسکا چربہ اتارنے کی کوشش کی ہے۔ انکی شاعری
کسی "لوفر" (آوارہ مزاج) کی شاعری نہیں، ایک "اسکالر" (صاحب علم)
کا کلام ہے۔ جو خوانوں کو اگر اپنی ادبی نظر وسیع کرنا ہے، تو انگلستانی
ادب، امریکی ادب، جرمن ادب، چینی ادب، روسی ادب سب سے
واقفیت ناگزیر ہے۔ اور یہ اردو کو گا ان میں سے اکثر ایک سنجیدہ اور
باوزن خدمت کرتا ہے۔ شروع انگریزی میں اسی قسم کی کوششیں مولوی
محمد حسین آزاد وغیرہ اپنی بساط و استعداد کے موافق کر چکے ہیں۔
ایک مفصل دیباچہ کے بعد اس میں دو ترانوں کے علاوہ دو
نظمیں ہیں ایک "دنیا" کے عنوان سے اور ایک کشمیر پر ہے نظم
... سے ... تقسیم ... وزن اور بحر میں پیش کی گئی ہے پہلی
دو نظمیں منظوم ڈرامے ہیں، جو تاریخی اور یورپی ناٹک کے عناصر
بہترین انداز سے لیے ہوئے، اور تیسری نظم پر بھی ڈرامائی عنصر غالب ہیں
اقبال کا اثر برابر نمایاں ہے۔ بیت جگہ اقبال کا اصل کلام بھی ضم
کر لیا گیا ہے۔ قیام دالی نظم میں نظام الملک اور حسن بن صباح دونوں
کی موت کے سین دکھائے ہیں۔ شاعر محض صنعت گر یا فن کار نہیں ہے
دل بھی حساس رکھتا ہے۔ مغرب کے تماشے خوب اپنی آنکھوں سے
دیکھ کر مغرب کی زر پرستی سے بیزار ہو چکا ہے۔ شیخ دو واعظ بن کر نہیں،
رندی کے روپ میں یہ وعظ سنا جاتا ہے ؎

جس جنگ نے ساری دنیا میں اک آگ سی آج لگا دی ہے
اس جنگ کے اصلی مقصد کی تاویل بہت سوں نے کی ہے
سب ساری بحث کا یہ حاصل "یہ خوب رہی تم چھین کرو
اور ہم سب یوں ہی مرتے رہیں یاں لاؤ ہمارا حصہ دو"
اور حصہ کیا ہے زمیں، زر، در کا رگر زن ہی سکھ لیے
ہیں یوں تو بہانے بہت پکا رہے پر زن ہی کے لیے۔
بار دو بلا کر کہتی ہے ہاں خانہ زن کو زیادہ دے
خوش خوش وہ سج بن کر آئے اور لطف بے انداز دے

اردو محاورے کہیں کہیں کھٹکے۔ لیکن حسن و لطافت کے اس ہجوم میں وہ
نظر انداز کر دینے کے قابل ہیں۔

(۴) **ہندوستانی تمدن** - جلد اول - از ڈاکٹر راشد رشو پا، استاد تاریخ
جامعہ عثمانیہ۔ ضخامت ۳۲۰ صفحے - قیمت ... پتہ، سب رس
کتاب گھر - خیریت آباد - حیدر آباد دکن -

کتاب کے نام سے غلط فہمی کا امکان ہے۔ کتاب موجودہ ہندوستانی
تمدن پر کوئی تبصرہ نہیں - قدیم ہندی یا ہندوانی تمدن کی تاریخ ہے موضوع
بہت وسیع ہے اور اسی قدر اہم بھی۔ ضرورت تھی کہ اردو میں اس پر مفصل
مسالہ موجود ہو - ضرورت خاصی حد تک ادارہ ادبیات اردو کی اس
جدید کتاب نے پوری کر دی۔

پوری کتاب تین جلدوں میں ہوگی۔ یہ صرف پہلی جلد ہے۔ اس میں
قدیم ترین زمانہ (یعنی تقریباً ۳۰۰۰ ق م) سے لیکر ہرش وردھن کے عہد
(یعنی تقریباً ۶۴۷ء) تک کے ہندی تمدن کی تاریخ، اپنی مختلف شاخوں
اور شعبوں کے ساتھ، خاصی تفصیل کے ساتھ آگئی ہے اور اردو خوانوں کے ہاتھ
میں موضوع سے متعلق ایک اہم اور مستند اور بڑے کام کی دستاویز دے گئی ہے یا
دراوڑی تہذیب، آریائی تہذیب، رگ وید کا دور، پروہت کی حکومت، اپنشد کا دور،
دھرم شاستر کا دور، جینی اور بدھی فلسفے، بھگوت گیتا کا اثر، برہمنی تحریک،
ڈراما اور رقص اور موسیقی کی اہمیت ہندی تہذیب میں، اس قسم کے سارے
مسائل و عنوانات پر کتاب کے اندر معلومات ملیں گے۔ کتاب کی اہمیت قدیم
ہندی تاریخ کے طلبہ کے لیے تو ظاہر ہی ہے۔ لیکن عام شائقین و ناظرین بھی
بہت سی باتیں اپنے کام اور مذاق کی ان اوراق میں پا جائیں گے۔ دو مثالیں
ملاحظہ ہوں :-

قدیم دراوڑی قوم کے ذکر میں ہے کہ ان
"لوگوں کی طبیعت میں سادگی تھی۔ اس وجہ سے انکے مکان سادہ
وضع قطع کے بنائے جاتے تھے۔ لیکن رہنے سہنے کے اعتبار سے وہ خاصے
آرام دہ تھے۔ تقریباً ہر مکان میں کنواں ہوتا تھا۔ انکے غسلخانوں میں پانی
گرم کرنے کا انتظام تھا۔ پانی نل کے ذریعے حمام میں آتا تھا۔ مکان کے باہر
نالیاں بڑے اہتمام سے بنائی جاتی تھیں، تاکہ مکانوں کا گندہ پانی گلیوں
میں جمع ہو کر شہر کی فضا کو غلیظ نہ کر سکے۔ گلیوں میں کوڑے خانے بلدیہ کی
طرف سے رکھے جاتے تھے، تاکہ کوڑا اور میلا گلیوں میں دکھائی نہ دے۔
شہر میں عام غسلخانے بھی تھے جنکی اصلی غایت پورے طور پر معلوم نہ ہو سکی۔
کہ آیا یہ غسلخانے عوام کی ضرورتوں کو پورا کرنے کے لیے بنائے گئے تھے یا انکا
کوئی مذہبی مقصد تھا" (ص۱۱)

دوسری مثال آریوں کی اصل اور رگ وید سے متعلق ہے :-
"ڈاکٹر پران ناتھ پروفیسر بنارس ہندو یونیورسٹی نے لکھا ہے کہ ہندوستان
آنے سے قبل آریا ایشیائے کوچک میں صدیوں تک آباد رہے تھے۔ وہاں
انھوں نے سلطنتیں قائم کی تھیں، اور اس ملک میں اپنا سکہ بٹھایا تھا ...
ہندوستان آنے سے بہت پہلے انکی زندگی، سماجی، سیاسی، اخلاقی اور
مذہبی نظریوں اور اصولوں کی بندش میں آچکی تھی۔ ڈاکٹر پران ناتھ کے خیال
میں رگ وید کی تشکیل ہندوستان میں آنکر نہیں ہوئی تھی۔ ممکن ہے کہ اسکی
تکمیل ہندوستان میں ہوئی ہو ..... رگ وید آریوں کی ایشیائے کوچک
کی سماجی زندگی کا مرقع ہے۔ اسی وجہ سے ڈاکٹر پران ناتھ رگ وید کو آریوں
کی مذہبی کتاب تصور نہیں کرتے بلکہ شاہی دستاویز قرار دیتے ہیں۔ اس نظریہ
نے ہندوستان میں بڑا تہلکہ پیدا کیا تھا" (ص۲۳-۲۵)

طبع و کتابت کی غلطیاں افسوسناک ہیں۔

(۵) **ضرورۃ القرآن** - جلد اول :- از جناب مولوی قاضی محمد ابراہیم حسینی
صاحب۔ ضخامت ۲۰۰ صفحات۔ قیمت ... ملنے کا پتہ ادارہ اشاعت
و التبلیغ۔ شمس آباد۔ ضلع اٹک (پنجاب)

اس کتاب کا موضوع اگرچہ دنیا کے لیے قرآن کی ضرورت کو واضح

ہمارا معاشرتی اختلال اور اُس کا علاج

(از جناب سید حسن ریاض صاحب)

میں ریل میں سفر کر رہا تھا اور آس پاس جو میرے ہم سفر تھے دو بڑی عمر کے آدمی تھے۔ یہ جنگ سے پہلے ہی ہوا تھا کہ ایک درجے میں صرف دو ہی آدمی سفر کریں۔ اب تو ریل کا ہر درجہ آدمیوں کی کثرت سے پھٹنے کے قریب ہوتا ہے۔ وہ دونوں شخص تعلیم یافتہ اور خوش لباس تھے۔ آپس میں باتیں کر رہے تھے۔ باہم دوست یا عزیز معلوم ہوتے تھے مگر سفر انھوں نے ساتھ شروع نہیں کیا۔ گاڑی میں اتفاق سے یکجا ہو گئے۔ ایک نے دوسرے کا مزاج پوچھا اور گھر کی خیریت۔ پھر بچوں کی تعلیم کا ذکر آیا۔ اور اس ذکر نے لڑکیوں کی تعلیم کے مسئلہ پر عام گفتگو کی صورت اختیار کر لی۔ ان میں سے ایک صاحب نے پُرجوش ہو کر کہا رشید صاحب لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ بڑا پیچیدہ ہو گیا ہے۔ اب لڑکے کمل طوائفیں مانگتے ہیں۔ گویا تعلیم و تربیت ایسی ہونی چاہیے۔ میں خاموش انکی باتیں سنتا رہا۔ مجھے سفر میں باتیں کرنے کی عادت نہیں۔

اس واقعہ کو عرصہ گزر چکا ہے لیکن جب لڑکیوں کی تعلیم کا مسئلہ گفتگو میں آتا ہے تو اُس پُرجوش ہمسفر کی صورت میری آنکھوں کے سامنے آ جاتی ہے اور وہ فقرہ کانوں میں گونجنے لگتا ہے "اب لڑکے کمل طوائفیں مانگتے ہیں"۔

ہاں لڑکے کمل طوائفیں مانگتے ہیں اور لڑکیاں .... ؟ لڑکے کیا مانگتے ہیں اور لڑکیاں کیا؟ یہ سوال کتنا ہی اہم اور قابل توجہ ہو سب سے پہلے اس مسئلہ کا المناک پہلو جو سامنے آتا ہے وہ یہ ہے کہ حالات نے ہمیں کیسا مجبور کیا ہے کہ ہر معاملہ میں ہم مقاصد اول کو نظر انداز کرکے مقاصد ثانوی کے پیچھے پڑ جاتے ہیں۔ تعلیم و تربیت کا ابتدائی مقصد، لڑکوں کی ہو یا لڑکیوں کی دین اور دنیا کے متعلق عقائد اور تصورات کو فہم کے ساتھ ذہن نشین کرنا ہے اور پھر انکی روشنی میں فکر، میلانات اور اطوار کی تہذیب۔ یہ وہ تعلیم ہے جس سے انسان معاشرہ کی تعمیر میں ایک ستون بنکر شریک ہوتا ہے۔ اب صورت حال یہ ہے کہ ان اہم مقاصد کا ابتدائی اور ثانوی ہونا تو کیا کہیں پس منظر میں بھی انکا پتہ نہیں ہے۔ لڑکوں کی تعلیم میں مقصد اول کوئی بڑا عہدہ یا کوئی ذریعۂ معاش ہے اور لڑکیوں کی تعلیم میں خوش حال شوہر یعنی محض روپیہ۔ اس کا نتیجہ؟ نتیجہ یہ ہے کہ شادی کے بھی تمام اخلاقی اور معاشرتی مقاصد فوت ہو گئے۔ اور محض نفسانیت اُبھر کر سامنے آ گئی۔ لڑکی کو دولتمند شوہر چاہیے۔ لڑکا اپنی دولت کے بدلے میں طوائف مانگتا ہے۔ گا کر سنائے۔ ناچ کر دکھائے۔ اونچے طبقے میں میل جول پیدا کرکے اسکی ترقی مدارج کا باعث ہو۔ خوش لقا ہو۔ شیریں ادا ہو۔ منزل پر نہیں تدبیر منزل میں میاں اور بی بی باہم شریک کیوں نہیں، برہنگی عیب ہی نہیں، ایک کو دوسرا نیا لباس کیوں سمجھے۔ اب ہندوستان کے مرد اور عورتیں معاشرت میں اس طرح شریک ہیں جس طرح اپنے گلّے میں جانور۔ باہم رہنا تو اس لیے ہے کہ اس جنس کا فطری اقتضا یہ ہے کہ مجمع میں رہے۔ گروہ مجمع رہی ہے، معاشرہ ہرگز نہیں۔ جسکا کوئی مقصد نہیں، کوئی ضابطہ نہیں، کوئی معین طرزِ عمل نہیں۔

مجھے اس معاشرتی اختلال میں اس سے زیادہ اور کچھ نظر نہیں آتا کہ ہماری غلامی مکمل ہو گئی اور ہمارے حاکم اپنے مقاصد میں پورے طور پر کامیاب۔ کسی حاکم کی فتح کا دن وہ نہیں ہے جب وہ اپنی فوجوں اور لشکر کی قوت سے غلبہ حاصل کرتا ہے اور کسی قوم پر حکمران کی حیثیت سے مسلط ہوتا ہے۔ اسکی فتح کا واقعی وہ دن ہوتا ہے جب وہ اس مغلوب اور محکوم قوم سے اسکے قومی تصورات اور اسکی مخصوص طرزِ فکر و تشخص چھینتا ہے۔ یہ سب غیر مادی چیزیں ہیں۔ کوئی کہہ سکتا ہے کہ یہ چھینی کیسے ہیں؟ خوب چھینتی ہیں۔ الہ آباد جائیے اور اس مقام پر تریبنی کو دیکھیے جہاں گنگا اور جمنا کا سنگم ہوتا ہے۔ ایک طرف سے گنگا کی اور دوسری طرف سے جمنا کی دھاریں ایک غلغلے اور خروش کے ساتھ باہم خلط ملط ہوتی ہیں۔ گنگا کے سادہ سفید اور جمنا کے چمکدار اودے نیلگوں پانی کے ذرات میں کیا آویزش ہوتی ہیں! نہ پانی محض سادہ سفید رہتا ہے اور نہ چمکدار نیلگوں۔ چند قدم گنگا جمنی ذرات بہتے ہوئے نظر آتے ہیں اور بالآخر گنگا غالب آتی ہے۔ پھر کوئی جمنا کا ذکر بھی نہیں کرتا۔ اُسکے نیلگوں آثار فنا ہو جاتے ہیں۔

عسکری فتوحات کے بعد جب حاکم قوم اپنے سیاسی تسلط اور غلبہ کے لیے تعلیمی، ثقافتی اور تمدنی تبلیغ شروع کرتی ہے، مسند اقتدار پر بیٹھ کر اپنی حکمرانی ارشاد سے اور طرح طرح کے ادارات قائم کرکے اور ان میں ترغیب و جاذبیت پیدا کرکے تو رفتہ رفتہ محکومین کے دلوں اور دماغوں میں وہی گنگا اور جمنا کے سنگم کی ابتدائی منزل کی سی کیفیت پیدا ہوتی ہے ——— خیالات و افکار میں اختلال، مقاصد و تصورات میں اختلال، معیارات اور انداز میں اختلال، گنگا جمنی ذرات کا ایک سیلاب! بالآخر گنگا کی فتح۔

محکومیت میں مبتلا ہونے کے بعد ہندوستانی مسلمانوں نے اپنے ارادے سے نہ کوئی نیا مقصد سیاسی زندگی معین کیا اور نہ کوئی نیا مقصد تعلیم۔ نئی حکومت نے، جسکے اور ہندوستان کی مسلم سوسائٹی کے درمیان کوئی ربط نہیں ہے، محض اپنے مقاصد کے لحاظ سے عمل شروع کر دیا۔ اسکا پہلا اثر یہ ہوا کہ ہندوستانی مسلمانوں کا کوئی قصور نہیں۔ لیکن معاشی پریشانی و پراگندگی سے جو سراسیمگی پیدا ہوئی اُسکی وجہ سے انکے حواس بجا نہیں رہے کہ وہ مسائل کی تلاش میں اپنے مقاصد اور تصورات کو ملحوظ رکھیں۔ خفیف واقفیت کے بعد

انھوں نے اپنے آپ کو رَو کے حوالے کر دیا، اور بغیر منزل کا تعین کیے اب بہ رہے ہیں۔ وہ اضطراری ہی طور پر سہی، جب ایک مرتبہ مقصدِ حیات رہ پیدا ہوگیا تو اسکے حصول کے جو وسائل اور ان وسائل کے جو لوازم تھے انھوں نے مسلمانوں کے مقاصد اور تصورات میں اختلال پیدا کر دیا۔ اب ہم ایسی حالت میں ہیں کہ ہمارے دماغ میں ہمہ وقت مغربی اور اسلامی تصورات کے درمیان آویزش رہتی ہے اور چونکہ حالات مغربی تصورات کے لیے سازگار ہیں اسلامی تصورات مغلوب ہوتے چلے جا رہے ہیں۔ مغلوب نہیں ہوتے جا رہے ہیں وہ بھول میں پڑ چکے ہیں۔ نظروں سے اوجھل ہیں۔ مسلمان نوجوان اسلامی تصورات اور معمولات سے کیسر ناواقف ہے۔ عجیب طرح کی تعلیم پانے اور عجیب ماحول میں جوان ہوتا ہے۔ مقاصد اور تصورات میں اسکے پیش نظر صرف وہ گنگا جمنی متصادم ٹکڑے ہیں جو کچھ اپنے اور کچھ پرائے۔ ایک بےجوڑ مرکب۔ اب یہ صرف روپئے کے پیچھے پڑا ہوا ہے اور روپیہ بھی ٹھاٹھ سے زندگی بسر کرنے کے لیے عیش کرنے کے لیے۔ آجکل یہ بھی شائستگی کے لوازم میں سے ایک ہے کہ زینت سے موٹروں کے نام یاد ہوں۔ اور انکی خصوصیات سے واقفیت ہو۔ بڑی سے بڑی تمنا یہ ہے کہ اونچی سوسائٹی میں ملنے جلنے کا موقع ملے۔ لہذا روپیہ بھی کسی خیری مقصد میں کام نہیں آتا۔ ضائع ہوتا ہے۔ انکے ذہن میں کوئی ربط نہ ہو لیکن زندگی اپنا ربط آپ تلاش کر لیتی ہے نہ دینداری نہ اخلاقی محاسن، نہ تہذیب نہ شائستگی، نہ علمیت۔ والدین لڑکی کے لیے دولتمند شوہر تلاش کرتے ہیں۔ دولتمند شوہر طوائف ڈھونڈھتا ہے۔ شکایت کی کون وجہ؟ مسلمانوں نے اس مغربی تمدن تہذیب اور تعلیم کے نتائج بھگتنے ہی ابتدا میں محسوس کیے تھے اپنے گھروں کا ماحول درست رکھنے کے لیے انھوں نے اگر نسوانی تعلیم پر پردہ ڈالا تو یہ صرف کر دی ہوتی یعنی بجائے اس تعلیم کو روکنے کی کوشش کرنے کے اپنے تصورات اور اپنی روایات کے مطابق لڑکیوں کو ایسی تعلیم دینے جو موجودہ حالات کے ساتھ سازگار بھی ہوتی تو اب لڑکوں کی طرف سے یہ مطالبہ ہوتا کہ لڑکی بی اے ہو اور رنگا رنگ ناچنا آتا ہو۔ مردوں کی موجودہ نوجوان نسل ان ہی ماؤں کی نگرانی میں پرورش پاکر جوان ہوتی جنکے تصورات اسلامی ہوتے۔ لہذا انکے میلانات پر ان ماؤں کا پورا اثر ہوتا۔

پچھتانا عبث دیر ہوگئی ہے۔ پانی سر سے گزر چکا ہے۔ مگر اب بھی ایک جدوجہد کا موقع ہے۔ چھوٹے شہروں اور قصبات میں وہ خاندان جنکی روایات علم و اخلاق کے اعتبار سے اچھی رہی ہیں باہمی تعاون سے لڑکیوں کا انتظام کریں۔ صرف اگر دو چار شہروں کے لوگ تہیہ کریں تو ایسا نصاب تعلیم آسانی مرتب ہو سکتا ہے جس سے مسلمان لڑکیوں کا طرز فکر بدل جائے۔ اسکے ساتھ ہی ان لوگوں کو یہ کرنا پڑیگا کہ لڑکے اور لڑکیوں کی شادی کے معاملہ میں پسند کا معیار بجائے روپئے کے دینداری اور خوش اخلاقی معین کریں خواہ اس معاملہ میں انھیں جبری اختیار کرنا پڑے جیسے معاشرتی انقطاع کی حد تک۔ بالآخر یہی چھوٹے قصبات اور شہر جہاں اب بھی شادی کے معاملے میں کسی حد تک کفو کی قید باقی ہے مغربیت کے انقلاب کو روکنے میں مستحکم قلعوں کا کام دے سکتے ہیں؟ اور یہی ہندوستان میں اسلامی معاشرہ کی تعمیر کی بنیاد بن جائیں گے۔

اس اعتراف کے ساتھ کہ میں ماہر تعلیم نہیں ہوں میری رائے یہ ہے کہ لڑکیوں کی تعلیم کی دو منزلیں ہونی چاہییں ابتدائی اور اعلیٰ۔ ابتدائی تعلیم کے لیے پانچ برس مرتب کی جائیں جن میں ترقی کے ساتھ مندرجہ ذیل مضامین پر شستہ اور سلیس اردو میں اسباق ہوں (۱) دینیات ... (۱) عقائد (۲) اعمال (۳) اسلامی تمدن اور کلچر (۲) تاریخ (۲) ہندوستان کی تاریخ (۴) جغرافیہ: (۱) سائنس طبعی (۵) ہندوستان کی عالم اسلامیہ کی، اور دنیا کی رواں تحریکات کا ذکر اور ان پر مسلمان کے نقطہ نظر سے تبصرہ (۶) حفظان صحت (۷) جمع۔ تفریق اور تقسیم مرکب تک مطلب۔ ان مضامین کے ساتھ ساتھ قرآن پڑھنا آ جائے۔

اعلیٰ تعلیم:- عربی زبان تکمیل کی حد تک قرآن کا اعلیٰ اور وسیع پیمانہ پر مطالعہ اور وہ علوم جو قرآن کے فہم کے لیے ضروری ہیں۔ مجموعی طور پر اسلامی سیاست کا مطالعہ۔ اسلامی تاریخ۔ اور قرآن کی روشنی میں اسلامی تاریخ پر تنقید۔ وسیع پیمانہ پر جغرافیہ کا مطالعہ۔ اسلامی تحریک کے نتائج سے تحریکات عالم کا مطالعہ۔ انگریزی زبان۔ طب یونانی۔

ابتدائی تعلیم کا انتظام گھروں کے اندر ہونا چاہیے یا زیادہ سے زیادہ مکتبوں کے اندر۔ لیکن ایسی اعلیٰ تعلیم کے لیے ایک کالج کی ضرورت ہوگی۔ پورے ہندوستان کے مسلمانوں میں جتنی طالبات اعلیٰ تعلیم حاصل کرنے کے لیے فرصت اور وسائل پا سکیں گی بہت تھوڑی ہونگی اور انکے لیے ایک رزیڈنشل کالج کافی ہوگا۔ اس کالج کا انتظام اسلامی روایات کے مطابق ہونا چاہیے۔ میرے خیال میں اسلامی تہذیب، معاشرت، تمدن اور تصورات کے احیا کے لیے اور مغربیت کے سیلاب کا مقابلہ کرنے کے لیے مسلمان لڑکیوں کی تعلیم کے لیے اس انتظام کی اشد ضرورت ہے۔

(منشور۔ دہلی)

شاد نمبر ندیم

یکم جنوری ۱۹۴۴ء کو بڑے آب و تاب سے بڑی تعداد میں شائع ہوگا

سر عبد القادر، رابندر ناتھ ٹیگور۔ علامہ سید سلیمان ندوی۔ مولانا سید ریاست علی ندوی۔ نبیرگان حضرت شاد۔ حضرت حمید عظیم آبادی وغیرہ اہل قلم کے مضامین حاصل ہو چکے ہیں۔ مشتہرین اس زریں موقع سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہوں تو جلدی یا دس معرکۃ الآرا خاص نمبر کو مفت حاصل کرنا ہو تو خریداروں میں نام لکھوائیے۔ سالانہ چندہ للعہ، چندہ ششماہی للعہ

المشتہر:- منیجر "ندیم" گیا۔ (صوبہ بہار)

ایک شریف انسان

بدایوں سے خبر آئی کہ ۲۳ اکتوبر کو ، وہ کے ممتاز شخص رسید محفوظ علی بی اے (علیگ) نے فالج کے مرض میں وفات پائی ۔ انا للہ وانا الیہ راجعون ۔ اپنے دور کے بڑے اچھے لکھنے والوں میں تھے اور شوخ نگاری و ظرافت کے ایک طرز خاص کے گویا موجد تھے ۔ علیگڈھ میں مولانا شوکت علی مرحوم ، ڈاکٹر مولوی عبدالحق ، مولانا ظفر علی وغیرہ کے ساتھیوں میں تھے ۔ بچپن میں محمد علی کے استاد شفیق رہے اور جب وہ بڑے ہوئے تو انکے رفیق ۔ بدایوں ہمدرد و کامریڈ (۱۹۱۳ء ، ۱۹۱۲ء) کے صیغۂ انتظامی کے افسر رہے ۔ اور ہمدرد میں ظریفانہ مضامین لکھتے لکھاتے بھی رہے ۔ ظرافت نہ اونچے اور علمی سطح کی تھی ، عوام کی سطح سے بلند ۔ علم اور لینت دونوں کا جوہر خاص ظرافت تھی ہر ایک کے ہمدرد و غمخوار بڑے خلیق ۔ ذاتی زندگی میں سخت متشرع اور پختہ دیندار ۔ سچ اور صدق کی پچھلی جلدوں میں انکا ذکر مختلف تقریبوں سے کئی بار آچکا ہے ، اور انکی لطیفہ عبادت و تہجد گزاری کا ذکر "محمد علی : ذاتی ڈائری کے اوراق" میں بھی ہے ۔ بال قبل از وقت ، عین جوانی میں سفید ہو گئے تھے ۔ اور چہرہ پر نور اسی زمانے برسنے لگا تھا ۔ جیسا کہ ہر صالح متقی کے لیے ہو جاتا ہے ۔ اور اب تو عمر بھی ستر سے متجاوز ہو چکی تھی ، اب چہرہ اور داڑھی کی نورانیت کا کہنا ہی کیا! ۱۹۳۲ء میں جب ان سطور کے راقم کا جانا بدایوں ہوا تھا ، تو میزبانی میر صاحب ہی نے کی تھی ۔ اور اسوقت اپنے خاندانی قبرستان میں لیجا کر اپنے والد ماجد کے پائین میں اپنا قبر کی جگہ بتائی تھی ۔ موت کو زندگی بھر یاد رکھا ۔ آج وہ خوب جانی بوجھی ، خوب پہچانی ہوئی چیز آخر سامنے آگئی ۔ کس خوشی سے اس کا استقبال کیا ہوگا ۔ رضی اللہ عنہم و رضوا عنہ ۔ علی برادران کے حلقہ کی ایک ممتاز شخصیت اور انکے دور کی ایک اہم یادگار دنیا سے رخصت ہو گئی ۔

اللہم اغفر لہ وارحمہ

تا سحر وہ بھی نہ چھوڑی تو نے اے باد صبا
یادگار رونق محفل تھی پروانے کی خاک

فرسودہ روشن خیالیاں

صدق ۵۳ کے شذرہ "ابدی حقیقتیں" کے سلسلہ میں ناظر گرامی مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی تحریر فرماتے ہیں :-

"صدق کی تازہ اشاعت میں آپ نے زمانہ بدل گیا ، دنیا بدل گئی ، والے مغالطہ کی خوب خبر لی ۔ یہ عہد وکٹوریہ کے پرانے فرسودہ مغالطے ہیں ۔ جب بیچارے سر امیر علی وغیرہ لکھا کرتے تھے ۔ ایک عربی پرچہ میں انکی یہ عبارت انگریزی سے ترجمہ کرکے کسی صاحب نے حال ہی میں شایع کی ہے :-

"جب ہم یہ سوچتے ہیں کہ جس شخص نے یہ اعلان کر دیا کہ عالم ایک خاص قانون کا پابند ہے ، ایسے قانون کا جو اس پر کامل اقتدار رکھتا ہے ، اور اس میں رد و بدل ممکن نہیں ، تو ایسی صورت میں جو لوگ یہ خیال کرتے ہیں کہ جو مجموعۂ احکام بدوی زندگی کی ضرورتوں کے لیے مرتب ہوا تھا ، وہ قیامت تک دنیا کے لیے کافی ہوگا ، تو یہ اس شخص (یعنی پیغمبر اسلام) پر ظلم کرنا ہوا ۔"

اور انھیں کے آخر میں یہ الفاظ بھی نقل کیے گئے ہیں :-

"بھلا ساتویں صدی عیسوی کے فقہا بیسویں صدی کی ضرورتوں کو بیچارے کیا سمجھ سکتے تھے"؟

سپرٹ آف اسلام کے مضمون نگار نے روح الاسلام نام رکھکر ترجمہ کیا ہے ۔ اگرچہ میری سمجھ میں یہ نہ آیا کہ پہلے فقرہ کا دوسرے فقرہ سے منطقی ربط کیا ہے ۔ جب دنیا کا ایک مقررہ قانون ہے ، جمادات ، حیوانات ، نباتات ، انسان سب کے سب ایک خاص قانون کے پابند ہیں ، اور

سورۂ بقرہ، رکوع ۱۵

بسلسلۂ صدق ۲۲۷ وما قبل

(از عبد الماجد)

بقیہ ۱۲۴ قال و من ذریتی قال لا ینال عہدی الظالمین	(ابراہیم) بولے اور میری نسل میں سے بھی؟ [226] ارشاد ہوا کہ میرا وعدہ نافرمانوں کو نہیں پہنچتا [227]
۱۲۵ و اذ جعلنا البیت مثابۃ للناس و امنا ۔	اور (وہ وقت) یاد کرو جب ہم نے خانہ (کعبہ) کو مقرر کیا لوگوں کے لیے مرکز [228] عبادت [229] اور مقام امن قرار دیا [230]
واتخذوا من مقام ابراہیم مصلے ۔	مقام ابراہیم کو نماز کی جگہ ۔

۲۲۶ (امام ہوتے رہیں گے)

عالم کی پیشوائی سرداری و امامت کی بشارت عظیم پاکر ابراہیم علیہ السلام کا دل قدرۃً باغ باغ ہوگیا، اور اسی جوش مسرت میں سوال کر بیٹھے کہ اس انعام میں میری اولاد و نسل بھی شریک رہیگی یا نہیں؟

ذریۃ کے معنی ہیں اولاد، اولاد کی اولاد، سارا سلسلۂ نسل آگیا ۔

من ذریتی کی ترکیب نے یہ صاف کر دیا کہ ابراہیم علیہ السلام کی دعا بھی ساری نسل سے متعلق نہیں بعض افراد سے متعلق تھی ۔

ومن ذریتی یدل علی انہ علیہ السلام طالب ان یکون بعض ذریتہ ائمۃ الناس (کبیر)

ومن ذریتی فی معنی بعض ذریتی (روح)

آیت سے معلوم ہوا کہ اپنی مسرت میں اپنی اولاد کو شریک کرنا نہ صرف امر طبعی ہے بلکہ سنت انبیاء ہے ۔ ومن ذریتی کا عطف جاعلک کے ک پر ہے ۔ گویا تقدیر کلام یوں ہے ۔ وجاعل بعض ذریتی ۔ محاورۂ عرب میں جب سائل کرک بولا جاتا ہے تو جواب متکلم میں صرف ذریتی کافی ہو جاتا ہے

۲۲۷ "میرا وعدہ" یعنی یہی منصب امامت و پیشوائی کا وعدہ ۔ یعنی العہد عہد الامامۃ (ابن جریر عن مجاہد) ہذا العہد ہو الامامۃ المذکورۃ فی ما قبل (کبیر)

مناجات ابراہیمی کے جواب میں ارشاد ہوتا ہے کہ برکت و فضل کا سلسلہ انکی نسل میں بھی ضرور چلیگا ۔ لیکن اسکی تحقیق کے لیے محض ارث یا نسب و نسل کافی نہیں، بلکہ ایمان و عمل حاصل کرنا ہوگا ۔ گویا دعاے ابراہیمی اولاد صالح کے حق میں قبول ہوئی ۔ دل علی انہ ینالہ غیر الظالم (جلالین)

اور حضرت ابراہیمؑ کو خبر دیدی گئی کہ انکی نسل میں دونوں طرح کے لوگ ہونگے ۔ کچھ صالح مطیع اور کچھ ظالم نافرمان ۔ امامت کی بشارت صالحین کو مل گئی، اور ظالم اس سے محروم رکھے گئے ۔

تنبیہ علی انہ قد یکون من ذریتہ ظلمۃ وانہم لا ینالون الامامۃ وانما ینالہا البررۃ الاتقیاء منہم (بیضاوی) ظلم کو بعض نے مرادف کفر کے لیا ہے لیکن دوسروں نے اسکی تفسیر معاصی سے کی ہے ۔ اور یہی قول مختار ہے ۔ قد فسر الظلم ہنا بالکفر وہو قول ابن جبیر وبظلم المعاصی غیر الکفر وہو قول عطاء والسدی (بحر) بعض فقہاء نے اس پر یہ بھی استدلال کیا ہے کہ خلفاء اربعہ ائمہ برحق ہوئے ہیں ۔ انکی امامت ہر حال مسلم رہی ہے اور فاسقوں کو امامت ملنے کی نہیں ۔ اس سے ظاہر ہے کہ وہ چاروں صاحب اہل حق تھے ۔

فقہاء امت نے یہ استنباط بھی آیت سے کیا ہے کہ فاسق کی امامت کا انعقاد جائز نہیں ۔ واحتج الجمہور علی ان الفاسق لا یصلح ان تعقد لہ الامامۃ بہذہ الآیۃ (کبیر) مرشد تھانویؒ نے فرمایا کہ سوء عمل اختیاری کے ساتھ فضل الٰہی وانعام خداوندی جمع نہیں ہوتے ۔

۲۲۸ بیت کے معنی تو محض گھر کے ہیں (جہاں رات بسر کی جائے) البیت سے متفقہ طور پر مراد ہے بیت الحرام یا خانہ کعبہ ۔ والمراد بالبیت الحرام الکعبۃ نفسہا (جصاص) شہر مکہ معظمہ کے اندر کی یہ عمارت کرۂ زمین پر خدائے واحد کی عبادت کا قدیم ترین گھر ہے ۔ قرآن نے اس حقیقت کا اعلان کھلے لفظوں میں کر دیا ۔ ان اول بیت وضع للناس للذی ببکۃ مبارکا ۔

مسیحیت کو اسکی برکت و تقدیس کے ساتھ ساتھ اسکی یہ قدامت بھی نہایت شاق ہے ۔ لیکن انکار کی ہر ممکن کوشش کے باوجود دلیل کوئی بھی انکار پا قائم نہ ہو سکی ۔ تاآنکہ انیسویں صدی عیسوی کے ربع آخر میں انگریز مصنف باسورتھ اسمتھ کو لکھنا پڑا :۔

"یہ وہ معبد ہے جسکی قدامت عہد تاریخ سے پرے ہے" (محمد اینڈ محمڈنزم ص۱۶۶)

پھر آگے مشہور قدیم رومی مورخ ڈایوڈورس سکیولس **Diodorus Siculus** کا بیان نقل کیا ہے جسکا زمانہ ایک صدی قبل مسیح کا ہے کہ اسوقت بھی یہ معبد

"قدیم ترین تھا ۔ اور ساری نسل عرب کا نہایت مقدس مرجع تھا" (ایضاً)

ملاحظہ ہو تفسیر انگریزی

۲۲۹ (مرکز عبادت)

ثوب کے معنی ہیں کسی چیز کا لوٹنا اپنی حالت اصلی یا حالت مقصودہ کی طرف ۔ رجوع الشیء الی حالتہ الاولی التی کان علیہا او الی الحالۃ المقدرۃ المقصودۃ بالفکرۃ (راغب) اور جب کچھ لوگ کسی مقام کی طرف لوٹتے ہیں تو کہا جاتا ہے ثاب القوم اور اسی سے مثابۃ ہے ۔ والمثابۃ مفعلۃ من ثاب القوم الی الموضع اذا رجعوا الیہ ثم یثوبون الیہ مثابا و مثابۃ وثوابا (ابن جریر) مثابۃ میں ۃ مبالغہ کی ہے اور اس میں زور و تاکید مثاب سے زیادہ پایا جاتا ہے ۔ والتاء فی مثابۃ للمبالغۃ کالتاء فی علامۃ (بحر) گویا مثابۃ کے معنی ہیں وہ مقام جسکی طرف انسان بار بار رجوع کرے اور پھر بھی نہ بھرے ۔ مرجعا للناس معاذا یأتونہ کل عام و یرجعون الیہ فلا یقضون منہ وطرا ۔ یہی معنی ابن جریر نے خود بھی لیے ہیں اور یہی ابن عباس، مجاہد، سدی، عطاء وغیرہم سے بھی نقل کیے ہیں ۔ اور بیت الحرام کی یہ صفت شاہد بھی ہے ۔ لوگ حج پر حج اور عمرہ پر عمرہ کرتے چلے جاتے ہیں اور کوئی اس سے اکتاتا نہیں ۔ اور چونکہ مرجع ارباب حج و عمرہ کا ہے اس لیے اجتماع و رجوع کے ساتھ عبادت کا مفہوم بھی لازماً اس میں شامل ہو گیا ہے ۔ مباءۃ و مرجعا للحجاج والعمار یتفرقون عنہ ثم یثوبون الیہ (کشاف) عام زائرین کا تو تانتا سال کے ہر موسم اور ہر زمانہ میں لگا رہتا ہے ۔ اس سے قطع نظر ایام حج میں نقشہ ان لاکھوں

"محشر خیال"

(ادیب جلیل مولانا محمد حبیب الرحمن صاحب شروانی کی نظر میں)

میں نے "محشر خیال" کو پڑھا - بار بار دیکھا، دلوں دیکھا، اس پر بکثرت نشان کیے - میری ناقص فہم اسکا پتہ لگانے سے قاصر رہی کہ کیا خوبیاں اس کتاب میں تھیں جنھوں نے اسکو اس مرتبہ پر پہونچایا ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے ایم اے کے طلباء کے درس میں داخل ہے - میں نے رائے قائم کرنے میں اُن تحریروں سے مدد چاہی جو کتاب کے اول میں "عرض ناشر" اور "شعلۂ مستعجل" کے عنوان سے درج ہیں، مگر افسوس کوئی مدد نہ ملی۔

یہ پڑھا کہ "اہل قلم نے اسکو اپنی توجہ کا مرکز بنایا" اور "نوجوانوں نے مصنف کی طرز نگارش اور زاویۂ فکر کو اپنے رجحانات کے مطابق پایا"۔ یہ نہ معلوم ہوا کہ وہ اہل قلم کون تھے اور اُنھوں نے کس خوبی سے متاثر ہو کر اپنی توجہ کا مرکز بنایا - کسی تحریر میں اصل نکتہ قلم سے تراوش کر گیا ہے۔ جہاں ناشر نے صاف لکھدیا ہے کہ "میرے لیے تو یہ کفایت کرتا ہے کہ وہ سجاد مرحوم کا لکھا ہوا ہے"۔ یہ بھی لکھا ہے کہ "سجاد جوان مرے"۔ "شعلۂ مستعجل" (جو سجاد مرحوم کی طرز تحریر کا حقیقی خطاب ہو سکتا ہے) میں لکھا ہے کہ "سجاد نے بیشتر مضامین علیگڈھ میگزین میں اشاعت کے لیے بھیجے - جو بزرگ آج ادب کے آسمان پر مہر و ماہ بن کر چمک رہے ہیں انکی شہرت سب سے پہلے میگزین ہی کے ذریعے ہوئی - چنانچہ شاعروں میں فانی - جگر - اصغر - سہیل - عظمت اللہ خاں - اور نثر نگاروں میں سجاد انصاری - سجاد حیدر - اور رشید صدیقی کا نام لیا جا سکتا ہے"۔ یہ بھی لکھا ہے کہ "سجاد کا دار صرف صوفی - فلسفی - اور زاہد خشک ہی پر نہیں، وہ مذہب و اخلاق پر بھی چوٹیں کیا کرتے تھے"۔ ان ہی چند لفظوں میں پورا ریو یو محشر خیال پر آ جاتا ہے۔ سجاد مرحوم کی جوان مرگی (اللہ تعالیٰ کی رحمت اُن پر) باعث ہوئی کہ اُنکے نصب العین - خیال اور ادب دونوں کو پختگی اور کسی طرز پر قائم ہونے کا موقع نہ ملا - فانی - اصغر وغیرہ نامور ادیب بھی اگر خدانخواستہ جواں مرگ ہو جاتے تو وہ بھی ترقی و پختگی کے اُن مراتب کو حاصل نہ کر سکتے جو اُنھوں نے برسوں کی جانکاہی کے بعد بالآخر حاصل کیے اور جنکی وجہ سے آج سرمایۂ ناز ادیب ہیں۔

علیگڈھ میگزین کی جو کچھ عزت کی جائے - بہر حال اُردو کے اعلیٰ میگزینوں میں نہ تھا - اُس میں مضامین کی اشاعت کسی بلندی خیال یا پاکیزگی ادب کی ضامن نہیں ہو سکتی۔

سخت قابل افسوس اور خطرناک یہ پہلو ہے کہ سجاد فلسفہ - اخلاق - مذہب سب ہی سے بیزار ہیں - فارسی ادب کی عظمت کا ایک فقرہ میں بخیال خود خاتمہ کر دیا ہے - گویا اُنکے یہاں کوئی اصول زندگی نہیں - بے اصول زندگی محبوب و مقبول ہے - اُنکے یہاں تین محبوب ہیں - عورت کا شباب، بشرطیکہ وہ عفت و عصمت کی گندگی سے پاک و صاف ہو - ایک غرق شباب تحسینہ جو کسی کو سے پر اور عیش پرستی دے رہی ہو - وفا اور پابندی سے سخت بیزار ہو - کمال نسوانی کا بہترین اور محبوب ترین نمونہ ہے - اسکی تعریف میں اُنکے تمام مضامین رطب اللسان اور گوہر ریز ہیں - اگر حسین و جوان عورت نکاح کر کے عصمت و عفت کی زندگی بسر کرے تو وہ خارج از محبت بلکہ ننگ نسوانیت ہے۔

دوسرا محبوب "معصیت لطیف" ہے - گر باوجود دیدہ ریزی کاوش کے مجھکو پتہ نہ لگا کہ ان دو لفظوں کا اصلی مفہوم مضمون نگار نے بیان کیا ہے - پڑھنے والا جس گناہ کا لطف لینا چاہے اسکو لطیف قرار دے لے۔

تیسرا محبوب اُنکا "شیطان اور شیطنت" ہے - اول سے آخر تک شیطان اور شیطنت کو سراہا ہے، خلاصۂ کائنات قرار دیا ہے بلکہ پیدائش عالم کی اصل حکمت۔

اسکے مقابلے میں انبیائے کرام - ملائکہ مقربین - بلکہ اُنکے ڈرامہ "روز جزا" کا خدا بھی پست و بے وقعت ہیں - حضرت جبرئیل اور دوسرے مقرب فرشتوں کی جس طرح اس ڈرامے میں شیطان کے مقابلہ میں تضحیک کی گئی ہے اسکو پڑھ کر ڈراما نگار کی فہم و دانش پر سخت تاسف ہو سکتا ہے۔

مذہب کے استخفاف سے محشر خیال اول سے آخر تک بھرا ہے۔ مضامین "زلیخا" - "روز جزا" وغیرہ میں جس طرح مضامین قرآن کے مقابلے میں کم نہی - جسارت اور خیرہ چشمی کا ارتکاب ہے . . قابل صد نفرین ہے۔

میں نے مذہبی مبحث پر تین مسلم علماء کی رائے بھی احتیاطاً حاصل کی ہے - ۱ ناظم صاحب دینیات مسلم یونیورسٹی - ۲ صدر شعبۂ دینیات یونیورسٹی اور ۳ مولوی سید فضل احمد (شعبۂ دینیات جامعہ عثمانیہ حیدر آباد) تینوں میرے خیال سے متفق ہیں - اُنکی رائے شامل مسل ہے۔

یہ نکتہ بھی قابل نگارش ہے کہ ڈراما نگاری کا کمال ان دو لفظوں میں ہے "نقل کا اصل"۔ اسکے لیے ضرور ہے کہ ڈراما نگار اپنے موضوع کا پورا نقشہ اول دماغ میں قائم کرے - سجاد مرحوم نے جو سرسری اور سطحی خاکہ قیامت کا کھینچا ہے وہ اُنکے خیال کی بے مائگی کا کھلا ہوا ثبوت ہے۔

بہرحال میری رائے میں "محشر خیال" میں نہ ادب ہے اور نہ لٹریچر کی کوئی اعلیٰ خوبی اور نہ تخیل اور نصب العین کی - اس طرح یہ کتاب مسلم یونیورسٹی کے اعلیٰ درس میں رہنے کا اپنی کسی خوبی کے لحاظ سے حق نہیں رکھتی ہے - اُسکے اوصاف خود اُسکے قدر دانوں نے دو تین لفظوں میں بیان فرما دیے ہیں۔ "شعلۂ مستعجل" "ٹمٹماتے اور جگمگاتے" بس یہی پوری تعریف "محشر خیال" کی ہے - رات کو جگنو جگمگا نے، ٹمٹمانے تھوڑی دیر میں شعلۂ مستعجل کے مانند گل اور خاموش سائلہ تاریکی اور اندھیرا - (بقیہ صفحہ ۲۲ پر ملاحظہ ہو)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ [illegible] [illegible] [illegible] پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر :- عبد الماجد
پتہ :- دریاباد ۔ ضلع بارہ بنکی
نائب :- (حکیم) عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق
لکھنؤ
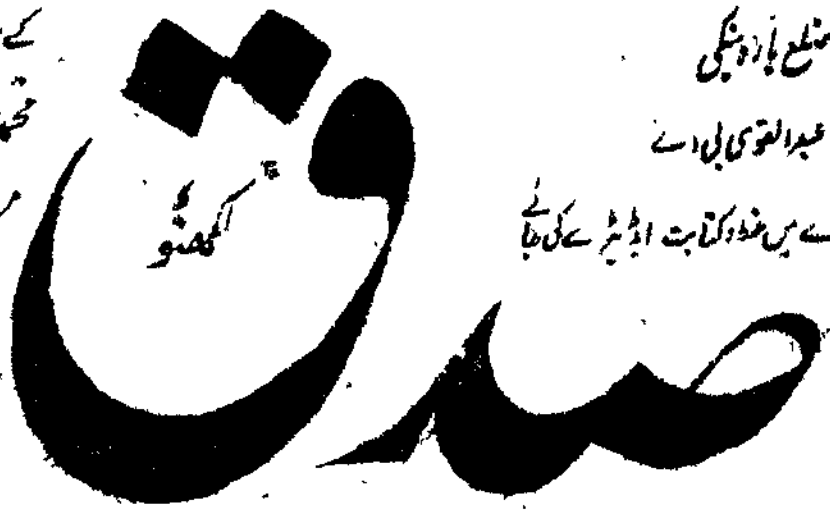
چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ پانچ روپیہ
" ششماہی تین روپے
بیرون ہند سے سالانہ اشلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر

نمبر ۲۸ | دوشنبہ - ۱۵ - ذیقعدة المکرم ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۵ نومبر ۱۹۴۳ء | جلد ۹

یادِ ایام

(۲)

"اودھ پنچ" پرانے اور ابتدائی دور کے "اودھ پنچ"، ۱۸۷۷ء تا ۱۹۰۵ء کے اودھ پنچ سے آپ واقف نہیں؟ اللہ اکبر! کس زور اور دبدبہ کا پرچہ تھا - اچھا تھا یا برا تھا، بحث اس سے نہیں، ذکر صرف اُسکے زور و طنطنہ کا ہے - آج جسکی ہجو چھاپ دی - کل اُسکا کارٹون بنا دیا - اُدھر اس پر پھبتیاں کسی جا رہی تھیں، ابھی اُسکا خاکہ اُڑایا جانے لگا - اچھے اچھے رئیس، نواب، راجے، مہاراجے مرعوب و پریشان، کہیں ہجو ہماری نہ چھاپ دے - اچھے اچھے منشی، اہلِ قلم، لکھنے والے خائف کہ ظرافت کا رخ کہیں ہماری طرف نہ پھر جائے - ہر وقت ہنسنا ہنسانا، کسی کو چھیڑنا، کسی کو بنانا، یہی اُسوقت کی ظرافت کا فیشن تھا، اور یہی اُسوقت کی شیخ نگاری کا معیار - ظریف گویا لکھا پڑھا بھانڈ تھا ---- سوسائٹی کا یہی مذاق - پبلک کی طرف سے اسی کی مانگ - اور پرچہ کی طرف سے اسی جنس کی بہم رسانی - نام کے لیے پنچ، پٹنہ اور دہلی سے بھی نکلے - لیکن سوا کہاں اسی اودھ پنچ کی بیٹھی ہوئی - پرچہ کے ایڈیٹر وہی الاستاذ منشی سجاد حسین تھا، اور وقت کے سارے ظریفوں کے امام - ان آزادی پیچھے بسا اوقات نذرانہ پیش ہو رہے ہیں، خوشامد ہی ہو رہی ہے!

۱۹۱۲ء کا اخیر یا ۱۹۱۳ء کا شروع تھا - طالبعلمی ابھی نئی نئی ختم ہوئی تھی - معلوم ہوا کہ پڑوس میں چند قدم کے فاصلہ پر اردو کے ایک مشہور بے بدل اور سابق ادیب رہتے ہیں - جی نے کہا کہ چل کر ایک مرتبہ تو ان کی زیارت کیجیے - مکان ملنے میں دقت نہ ہوئی - البتہ مکان دیکھ کر حیرت ہو گئی - اندرون محلہ کی ایک سڑک کے کنارے ایک مختصر سی کوٹھری جیسے ریلوے لائن کی گمٹی - آگے ایک کاولی سا چھپر - ادھر اُدھر میدان، کچھ اِکّے والے، کچھ تانگے والے - انھیں کے گھوڑے بندھے ہوئے - چھپر کے آگے بیچ ڈھنت بیٹھا ہوا ایک انسانی پیکر (انسان کیسے یا سابق انسان!) ایک شکستہ سی کرسی پر رکھا ہوا، زار و نزار، مجبور و بیزار، آس پاس نہ کوئی خادم نہ تیماردار - یہ مکین تھے اُس کھنڈر نما مکان کے! سلام کے جواب میں آواز جو منہ سے نکلی، تو گویا انسان کی نہیں آسیب کی، بالکل مہمل - سننے والا یا تو سہم جائے، ڈر جائے، اور یا پھر بے اختیار کھلکھلا کر ہنس پڑے ---- آپ نے پہچانا؟ یہ تھے ۱۳ء یا ۱۴ء میں مشہور و معروف اودھ پنچ کے ایڈیٹر، ظریفانہ ناولوں افسانوں کے مصنف، زبان کے ماہر، ادب کے استاد، منشی سجاد حسین! فالج - معذور - زندہ، مگر زندگی کے ہر شعبہ سے معزول! ----

انشا، ایک صدی قبل کے لکھنؤ کا حال زار بھی تو آزاد نے آبِ حیات میں کچھ ایسا ہی لکھا ہے - اُس وقت مبالغہ کیا ہوگا! لیکن اب مشاہدہ کو کیا کیجیے سمجھ لیجیے، اور روایت کو روایت پر قیاس کیجیے!

پرچہ بند ہو چکا تھا - پریس بک چکا تھا - زندگی کے دن ایک رئیس کی اعانت کے باوجود، خدا جانے کس طرح پورے ہو رہے تھے، اور راتیں کن کن مصیبتوں سے ایڑیاں رگڑ رگڑ کر کٹ رہی تھیں! ہائے اب نہ چہچہے رہے نہ قہقہے، نہ یاروں کے جلسے، نہ رندوں کے جھمگھٹے - بیچارے نہ آنیاں نہ جانیاں، نہ قلم پر قدرت، نہ زبان میں طاقت، نہ لکھ سکتے ہیں نہ بول سکتے ہیں - حسرت سے ایک ایک کا منہ تک رہے ہیں - ایک رازدار دوست

سے شروع بچاری کا مقولہ ہے کو نقل کیا۔ کہ کہتے تھے "کبھی ہنسی کا جتنا ذخیرہ قسمت میں تھا، وہ سب شروع ہی میں خرچ کر ڈالا۔ اب ہنسنا بولنا ہمارے نصیب میں کہاں!" مدت سے چند ہی روز بعد آکر دنیا کی مشکلیں آسان کر دیں، بلکیں نے کاندھا دیا۔ آدمی کی لحد میں اُتار دیے گئے۔

بر مزار ما غریباں نے چراغے نہ گلے!

— آج نئے بڑے بڑے سخنور، بڑے بڑے زندہ دل

بڑے بڑے ظریف اللہ کے اپنے انجام کو کیوں اس سے بہت غافل بیٹھے ہوئے ہیں؟ علاج ہر شے ایک۔ آمین وطیبا صرف ایک۔

جز بہ خلوتگاہِ حق آرام نیست!

تجدد کی کہنگی

"نسوانی آزادی کے لحاظ سے دنیا سے تو ہم میں سب سے بڑھا ہوا ملک مصر رہا ہے۔ یونانی اور روی تو بعد کو تحقیر کے ساتھ کہا کرتے تھے، کہ مصری شوہر اپنی بیویوں کے غلام ہوتے تھے"

(Private Life of Tutankhamen فرانسیسی کی کتاب "فرعون مصر توتن خامن کی خانگی زندگی" ص۲۹)

اب بھی یہ خوش خیالی قائم رہیگی کہ عورت کی آزادی اور مطالبۂ حقوق مساوات یعنی تحریک نسائیت (feminism) دنیا کی تاریخ میں پہلی بار انیسویں اور بیسویں صدی میں نمودار ہوئی ہے؟ یہ تو تمام تر ۲½ ہزار سال کی تاریخ کا اعادہ ہو رہا ہے!

تنقید، تنقید کی غرض سے

بزرگوں کی سیرت نگاری کے اصول کے متعلق (حکیم الامتؒ کی سیرت کی تقریب سے) حال میں مراسلت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی سے رہتی تھی۔ اس سلسلہ میں مولانا کا مکتوب ذیل ملاحظہ ہو:—

"حکیم الامت قدس سرہٗ کے متعلق ان شاء اللہ آپ کا قلم لکھے گا، آپ ہی کا قلم لکھے گا۔ حق تعالیٰ سے اُمید ہے کہ کوئی ایسی چیز لکھوا دینگے، دوسروں کے لیے قابلِ نمونہ پیروی ہو۔ آپ ہی کی اُمید ہے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء پیغمبروں کو سچاے ملائکہ کے بشر بنا کر اسی لیے بھیجتے ہیں کہ بشر کو بشر دیکھ کر اپنی راہ درست کر سکے۔ لیکن لوگوں کو کیا کیجیے، انکا وہی پرانا جاہلی مغالطہ یعنی "ابشر یہدوننا (کیا ہماری رہنمائی بشر کریں گے؟)" کبھی سامنے آتا ہے۔ پھر خدا کا بیٹا، خدا کا اوتار، بلکہ العیاذ باللہ پیغمبروں کو خدا تک بنانے کے لیے تیار ہو جاتے ہیں، بلا ہر شدت عقیدت کے ساتھ اس میں کچھ کبر کے شائبہ کو بھی دخل معلوم ہوتا ہے، جو آدمی ہو، آدمی ہی کی صفات رکھتا ہو، گویا اُسکی اقتداء اس قسم کی ذہنیت رکھنے والے اپنے نزدیک اپنی توہین خیال کرتے ہیں۔ بشری حد تک تو وہ خود اپنے ہی کو سب کمال کے انتہائی درجہ پر پاتے ہیں۔ تو اپنی رہنمائی کے لیے اُنھیں کسی "فوق البشر" ملک یا ابن اللہ وغیرہ کی ضرورت ظاہر ہے کہ پیش ہی آتی ہے۔ ہو ... آپ لکھیے اور اپنے نزدیک جو بات حق معلوم ہو اُسکو ظاہر کیجیے۔

البتہ اس زمانہ کی ایک رواجی بات یعنی "تقریظ" کو بدنام کر کے تنقید کا جو طریقہ اختیار کیا گیا ہے، اس میں یہ ضروری قرار دیا گیا ہے کہ جسکے متعلق لکھا جائے، بیچارے میں عیب ہو یا نہ ہو، لیکن تنقید باقی نہ رہیگی تقریظ ہو جائیگی، اس لیے زبردستی تلاش کر کے، آدمی ہو یا کتاب ہو، کسی نہ کسی قسم کا "بٹ" (But) مارنا ضروری قرار دیا گیا ہے۔ یہ "بٹ" انگریزی کا مشہور لفظ ہے۔ کسی کی تعریف کرتے کرتے آخر میں "بٹ" کے ساتھ "بے لاگ تنقید" کا سلسلہ جو شروع کیا جاتا ہے، میں نے اُسی کا نام "بٹ مارنا" رکھا ہے۔ اور اُن لوگوں کو جو اس طرز تحریر کے عادی ہوں "بٹ مار" کہتا ہوں۔ خصوصاً سرورِ کائناتؐ یا قرآن پاک کے ساتھ یورپ کے موجودہ مصنفین کا جو طرز عمل ہے، یعنی سب کچھ کہہ جانے کے بعد آخر میں ایک "بٹ" ضرور مار دینگے۔ اور ایسا "بٹ" کہ پہلے کا سب کھایا کھلایا برباد ہو کر رہ جاتا ہے۔ یہ دجالیت کی ایک نئی چال ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ بٹ ماری بھی ایک دوسری قسم کی تقلید جاری ہے۔ پہلی عقیدت پسندی کی، تو یہ دوسری بد عقیدگی کی۔ بہرحال آپ سے اُمید ہے کہ آپ کی فطری سلامت روی کی توفیق اللہ اس معاملہ میں آپ کو عطا فرمائیگا۔ واللہ یوفقکم لما یحب ویرضیٰ۔"

مولانا نے دونوں باتیں بالکل صحیح لکھی ہیں۔ پہلی بلا ہماری قوم میں صدیوں سے پھیلی ہوئی۔ تحقیق و احتیاط کا صحیح طریقہ حضرات محدثین کے دم سے تھا۔ وہ حتی الامکان ہر بشر کو اُسکے اصل درجہ پر رکھتے تھے۔ نہ افراط نہ تفریط۔ بس اُنکے بعد ہی غلو کا دور شروع ہو گیا۔ ہر شیخ نبی کیا، فرشتہ کی طرح معصوم حیثیت سے پیش کیا جانے لگا۔ اور اب ذہبی کسی بشریت کا تو ذکر ہی کیا، اُسکی کسی ادنیٰ بشری لغزش کا بھی نام دینا جرم، انکی کسی تحقیق سے اختلاف کرنا حرام۔ یہاں تک کہ زبان و ادب سے متعلق بھی اُنکی کسی خامی کو چُننا بے نیاز سوءِ ادب! دوسری بلا حال کی پیداوار ہے، اور شاید پہلی سے بھی شدید تر۔ اعتراض، اعتراض کی غرض سے کرنا، عیب ڈھونڈھ ڈھونڈھ کر، گڑ گڑ کر نکالنا، دلیل قابلیت قرار پا گیا ہے۔ حالانکہ اکثر صورتوں میں یہ تمام تر لکھنے والے ہی کے خبث نفس کا ثمرہ ہوتا ہے۔ اللہ ان دونوں فتنوں سے ہر اہلِ قلم کے قلم کو محفوظ رکھے۔

رجعت پسندی کا نیا دور

"واقعات بالکل سچے سہی، اگر یہ بھی تو واقعہ ہے، کہ ہر سچی بات کہنے والی نہیں ہوتی۔ آنکھیں تو بہت کچھ دیکھا کرتی ہیں، مگر زبان کے لیے کچھ حدود مقرر ہیں۔ سب پردے اُٹھا بھی دیے جائیں، تو بھی کچھ پردے باقی رہ جائیں گے۔ ترقی پسندی اگر آدم و حوا کے زمانہ تک دنیا کو واپس لے جائے، تو بھی پتوں ہی سے سہی، مگر ستر پوشی باقی رہ جائیگی۔ حالانکہ یہ پتے سنیں بھی! اُن کو چھپانے کا کام دیتے ہیں!!"

یہ رائے کسی مولوی ملا نے نہیں، ملک کے مشہور مزاحیہ ادیب شوکت تھانوی نے حال میں ایک کتاب پر تبصرہ کے ضمن میں ظاہر کی ہے۔ — حقائق زندگی کی ترجمانی سے نہ قرآن نے روکا ہے نہ ... نے

ترقی پسند ادب

نئے ادب، ترقی پسند ادب کے دل پسند ناموں سے اردو لٹریچر میں الحاد، بے دینی، فرقہ وارانہ، فحش نگاری کی جو وبا پھیل رہی ہے اسکی مضرتوں کو اب تقریباً ہر سنجیدہ طبقہ محسوس کر رہا ہے اور مختلف حلقوں سے اسکے خلاف آوازیں بلند ہونے لگی ہیں۔ اشخاص کے علاوہ بعض اخبارات و رسائل نے بھی اس کی طرف توجہ کی ہے۔ اس سلسلہ میں سب سے مؤثر قدم پنجاب کے ایک ادارہ اردو اصلاح ادب کانفرنس نے اٹھایا ہے۔ اس کے قیام کا مقصد ہی نئے ادب کی اس بے راہ روی کی اصلاح ہے۔ اور اس میں نئے اور پرانے دونوں خیال کے سنجیدہ اشخاص برابر کے شریک ہیں۔ چنانچہ گذشتہ اگست میں جناب ابو الاثر حفیظ جالندھری کی صدارت میں جناب راجہ صاحب محمود آباد نے اس کانفرنس کا افتتاح کیا اور ڈاکٹر قاضی عبدالحمید صاحب ایم اے پی ایچ ڈی، پروفیسر سلیم چشتی لاہور اور دوسرے مختلف طبقہ و خیال کے اشخاص نے تقریریں کیں۔ ضرورت ہے کہ سنجیدہ اخبارات و رسائل بھی اس اخلاقی اصلاحات میں پورا حصہ لیں۔

کہا جاتا ہے کہ نیا ادب زندگی کی حقیقتوں کا ترجمان اور ہماری معاشرتی خرابیوں کا مصلح ہے اور یہ بھی انقلاب، مظلوموں، کسانوں اور مزدوروں کی حمایت و ہمدردی اس کا مقصد ہے۔ یہ تسلیم ہے۔ لیکن سوال یہ ہے کہ الحاد، بے دینی اور عریانی، فحش نگاری ان میں سے کس چیز کے لیے ضروری ہے۔ اور کیا بغیر اس کے معاشرتی خرابیوں کی اصلاح اور مظلوموں کی ساتھ ہمدردی نہیں ہو سکتی۔ پریم چند کے افسانوں اور ناولوں میں نئے ادب کا کونسا مقصد موجود نہیں ہے بلکہ انھوں نے اس زمانہ سے ان مقاصد کی تبلیغ شروع کی جب موجودہ ترقی پسند ادیبوں نے ہوش بھی نہ سنبھالا تھا۔ اور انھوں نے جو روح پیش کی ہے وہاں تک پہنچنے کے لیے ہمارے ادیبوں کو برسہا برس لگیں گے۔ لیکن اس کے باوجود مذہب کے استخفاف اور فحش نگاری کا کیا ذکر، انکی تحریریں متانت کے معیار سے نہیں نکلنے پائی ہیں۔ اور دین و مذہب اور سیاست ہر چیز کو نئے ادب نے پیش رکھا ہے۔ اگر معاشرتی اصلاح کے سلسلہ میں اخلاقی کمزوریوں کا ذکر ناگزیر ہو تو اس سے اس طرح گزرنا چاہیے کہ اصل مقصد بھی فوت نہ ہو اور ادب کی پاکیزگی پر بھی دھبا نہ آنے پائے۔ یہی ایک اچھے ادیب کا کمال ہے۔

نئے ادب والوں نے جو طریقہ اختیار کیا ہے وہ خود انکے مقصد کے لیے مفید نہیں ہے۔ اس لیے کہ غیر سنجیدہ تحریر کا اثر اچھا اور دیرپا نہیں پڑتا۔ جو ادب سنجیدگی کے دائرہ سے نکلے گا، ممکن ہے زمانہ کے مذاق کی وجہ سے اسکو عارضی فروغ حاصل ہو جائے لیکن بالآخر ختم ہو جائیگا۔ ہماری پرانی شاعری آخر کیوں بدنام ہوئی اور آج کیوں دم توڑ رہی ہے۔ جرأت کی رنگینی، امانت کا واسوخت اپنے دور کے رجحانات کے پورے ترجمان اور ترقی پسند ادب کی اصطلاح میں ادب و زندگی کی مطابقت کا نمونہ بھی ہیں۔ لیکن آج انکا جو درجہ ہے وہ معلوم ہے۔ ایسی حالت میں آج کے غیر سنجیدہ لٹریچر کے ساتھ کل زمانہ جو فیصلہ کریگا اسکا اندازہ ہو جانا چاہیے۔

ترقی پسند اپنے اس ادبی تنزل کو روشن خیالی اور آزادی، اور اسکے خلاف لب کشائی کو تنگ نظری اور رجعت پسندی سے تعبیر کرتے ہیں۔ شاید انھوں نے اس پر غور نہیں کیا کہ آزادی اور روشن خیالی ایک خاص دائرہ کے اندر تو آزادی ہے، اس سے باہر نکل کر وحشت بن جاتی ہے۔ بلکہ بے قید آزادی ہی کا نام وحشت ہے۔ تہذیب شائستگی نام ہے پابندیوں کا۔ ایک مہذب انسان مختلف قسم کے قیود و ضوابط کا پابند ہوتا ہے۔ اسکے مقابلہ میں ایک وحشی انسان پر کوئی پابندی نہیں۔ شائستگی کا درجہ جتنا بڑھتا جائیگا اتنی ہی پابندیاں بڑھتی جائینگی۔ پھر قانوناً و اخلاقاً آزادی کی اجازت اسی حد تک ہے جب تک دوسروں کے حقوق پر اسکا اثر نہ پڑے۔ دوسروں کے حقوق کی سرحد شروع ہوتے ہی آزادی پر پابندی عائد ہو جاتی ہے۔ اسی پر سب کا عمل ہے۔ بڑے سے بڑا ترقی پسند انقلابی بھی کسی عزیز اور بزرگ کی سچی اور واقعی برائی بھی علانیہ بیان کرنے کی جرأت نہیں کر سکتا۔ اور نہ اسکو قانوناً اور اخلاقاً اسکا حق ہے۔ ایسی حالت میں خدا و رسول اور مذہب کا استہزاء جو ایک مسلمان کی سب سے زیادہ عزیز متاع ہے کس آئین سے جائز ہو سکتا ہے۔ کیا مشق آزادی کے لیے صرف مذہب ہی رہ گیا ہے؟

نئے ادب کو سب سے زیادہ بدنام ان نام نہاد ترقی پسندوں نے کیا ہے جنکو اس کی اصلی غرض و غایت سے کوئی تعلق نہیں۔ اور نہ انکو اس کی علمی اور سیاسی حیثیت سے واقفیت ہے۔ بلکہ انکا مقصد صرف اپنی گرمی بازار ہے۔ انھوں نے دیکھا کہ نئے بازار میں اسی جنس کی مانگ ہے، اس لیے پرانے بازار سے اپنی دکان اٹھا کر نئے بازار میں لگا دی۔ یہی وجہ ہے کہ نئے ادب کے دعوے کے برعکس انکے ادب اور انکی زندگی میں کوئی مطابقت نہیں۔ زبان پر انقلاب اور مزدوروں کی ہمدردی کا نعرہ ہے لیکن زندگی سراسر رندانہ۔ زبان سرمایہ داروں کی دشنام طرازی میں مشغول ہے لیکن پیٹ انکے خوان کرم کا ریزہ چین۔

(معارف)

عورت جنگ کے بعد

اس جنگ کے بعد زندگی کے جہاں دوسرے شعبوں سیاست و معیشت میں تغیرات ہونگے، مذہب کی طرف بھی پلٹنا پڑیگا۔ جیسے علامات ابھی سے پیدا ہو گئے ہیں اور معاشرت میں بھی ایسی تبدیلیاں رونما ہونگی جن سے عورت کا مقام پھر گھر بن جائیگا۔ اسکے آثار ابھی نمایاں ہوتے جا رہے ہیں۔ چنانچہ برطانوی وزیر مال نے رسل و رسائل [illegible] کی عورتوں کی کانفرنس کو مخاطب کرتے ہوئے حال ہی میں کہا کہ سب سے بڑا کام جو جنگ کے ختم پر کیا جائیگا وہ خاندان کے ادارہ کو مروج کرنے کا فیصلہ ہے۔ اسکا مطلب یہ ہے کہ مملکت نے بھی تسلیم

مراسلہ

"ترقی پسند" ادب

فی الحال ترقی پسند ادب کے علمبرداروں کی کئی قسمیں نظر آرہی ہیں۔ ایک تو وہ جو نثر غیر منظوم کے قائل ہیں، دوسرے وہ جو نظم منثور کے ماہر ہیں، تیسرے وہ جو نظم منثور میں تناسب وزن کا خیال رکھتے ہیں، چوتھے وہ جو قافیہ، ردیف اور وزن کو فضول اور ترقی کی راہ میں روڑے سمجھتے ہیں، پانچویں وہ جنکے خیال میں ایک شعر کے دونوں مصرعوں کا ہم وزن ہونا ضروری نہیں ہے، چھٹے وہ جو ایک شعر کے دونوں مصرعوں کے ہم وزن ہونے کے تو قائل ضرور ہیں مگر اس امر کی ضرورت نہیں محسوس کرتے کہ دونوں مصرعوں میں کچھ تعلق یا ربط بھی ہونا چاہیے۔ ساتویں وہ جنکی نگاہوں کے سامنے روس کی سرخ تحریک جو میسوں گھنٹے پھریرے لہرایا کرتی ہے، آٹھویں وہ جنکے مطمح نظر ہندوستان کی کانگریسی تحریک یا اسی قسم کے دوسرے بین الاقوامی تمدنی مسائل رہا کرتے ہیں۔ نویں وہ جو سرمایہ داروں کے مظالم کی داستانیں بیان کرکے غریب اور مزدور طبقے کے ساتھ اپنی خالص ہمدردی ظاہر کرکے ان کے خلوص سے ناجائز فائدہ اٹھانا چاہتے ہیں۔ دسویں وہ جو ضدی اور سرکش ہیں جنکا مقصود تمام اصول کی مخالفت اور مروجہ قوانین کی عداوت ہے۔ گیارہویں وہ جو مذہب سے بیزار، خدا کے منکر، دنیا و عقبیٰ کے متعلق منافقانہ خیالات رکھتے ہیں۔ بارہویں وہ جو آرٹ کے پردے میں عریاں نویسی کے جوہر دکھایا کرتے ہیں اور ملک کی تہذیب اور کلچر کی وقعت و عظمت کو تباہ و برباد کردینے کے لیے ہر وقت کمربستہ نظر آتے ہیں۔ ان چند قسموں کے علاوہ اور بھی بہت سی قسمیں ہیں جنکے تذکرہ سے سوائے تضیع وقت کے اور کوئی فائدہ نہیں۔ ہر طبقہ اپنے اپنے فرائض بڑی کوشش اور تندہی سے انجام دے رہا ہے۔ ان حضرات کی روزافزوں گرم بازاری کو دیکھتے ہوئے اس میں کوئی شبہہ نہیں کیا جا سکتا کہ ملک کی بڑی بڑی قوتیں انکی پشت پناہی اور ہمت افزائی کر رہی ہیں۔

ہم کو اس سے کوئی غرض نہیں کہ ترقی پسند شعرا کا کلام ناموزوں ردیف و قافیہ کی قید سے آزاد ہے یا ایک شعر کے دونوں مصرعے بے ربط اور غیر منتظم ہیں۔ ہم کو اسکی بھی پروا نہیں کہ انکے خیالات سیاسی و تمدنی امور کے آئینہ بردار ہیں اور وہ پرانے اصول و قوانین کے سخت ترین دشمن یا زبردست اور شہ زور مدمقابل ہیں۔ ہم کو اس سے بھی کوئی مطلب نہیں کہ وہ جرمن اور جاپان کی خونخوار اور وحشتناک تصویریں دکھاکر نیز سرمایہ داروں کے مظالم کی داستانیں سناکر ملک و قوم کو بیدار کرنے کی فکر میں سرگرداں ہیں یا روس کی سرخ تحریک اور ہندوستان کی کانگریس کمیٹی نیز اسی قسم کی دوسری بااقتدار جماعتوں کو نیست و نابود کردینے کے درپے ہیں۔ ہم کو ان لوگوں کا بھی کچھ خیال نہیں جو ضدی اور سرکش واقع ہوئے ہیں اور اپنے اعتراف شکست کو اپنی بساط سے زائد باتیں بناکر برسرعام پیش کرنے کی ناکام کوششوں میں مصروف ہیں۔ بلکہ ہمارے پیش نظر وہی لوگ ہیں جو غلط اعتراف کرنے اور عریاں نویسی میں اپنے جامہ سے باہر ہوئے جا رہے ہیں جنکی تحریکوں اور تحریروں سے ایسے جرائم پیدا ہو رہے ہیں جو مذہب کے لیے قاتل اور تمدن و تہذیب کے لیے قاتل دشمن ہیں۔ کیا ترقی پسند ادب اسی کا نام ہے کہ جو کچھ زبان سے نکلے وہ شعلہ بار اور آتش ریز تو ہو مگر ان شعلوں میں قصر حیات کو جلا دینے والی چنگاریاں اور اس آگ میں قصر تہذیب کو پھونک دینے والے سربفلک لوکے منظر ہوں۔ کیا ترقی پسند ادیب کا یہی فرض ہے کہ وہ جوش عمل میں آگے تو بڑھتا چلا جائے مگر نگاہیں اسکی منزل مقصود کو نہ پہچان سکیں۔ کیا رومان اور آرٹ کو ظاہر کرنے والے وہی مجسمے اور مقولے ہوتے ہیں جو عریانی کے شاہکار اور غیر مہذب شہوت پرست طبع کی دلی ترجمانی کرنے والے ناقابل اعادہ جملے پر آرہے ہیں۔ کیا افسانوں کا تاثر اور رنگینی اسی میں پوشیدہ ہے کہ ہیرو کو خدا کا منکر اور ہیروئن کو مذہب سے نفرت کرتے ہوئے پیش کیا جائے۔ کیا نظموں اور اشعار کی بلند پروازی اسی وقت مسلم ہوتی ہے جبکہ منزل معانی تک پہنچنے کے لیے شاعر کے تخیل کو پیچ پیچ شکنوں کے راستے سے گزرنا پڑے یا کسی حسینہ کے جوش جوانی کو ظاہر کرنے والی کوہ ہمالیہ دکوہ بندھیاچل کی فلک نما چوٹیوں کو عبور کرنا پڑے۔ کیا تخیل کی معراج اسی امر پر موقوف ہے کہ مجازی خداؤں کو ایسے اوصاف سے متصف کیا جائے جسکے بعد معبود حقیقی کی کوئی عظمت و وقعت باقی نہ رہے ۔۔۔۔۔ اس فن کے ماہر "اس اسٹیج کے اداکار اور اس اسکرین کے اسٹار" اسی گروپ کے بعض افراد ہیں جنکو ترقی پسند، نئے ادیب یا نوجوان ادیب کہا جاتا ہے۔ اس قسم کے ادیبوں کے متعلق جناب شوکت تھانوی نے اپنی تازہ ترین تصنیف "شیش محل" میں خوب لکھا ہے۔ جسکا ماحصل یہ ہے کہ ایسے ادیبوں کے متعلق فیصلہ کرنا بہت دشوار ہے کہ وہ ترقی پسند زیادہ ہیں یا ادیب زیادہ۔ اس عقدہ کا فیصلہ ایک عقل سلیم بہتر سے بہتر جو کرسکتی ہے وہ یہ ہے کہ بہت سے ترقی پسند شاعر اس کوشش میں لگے ہوئے ہیں کہ وہ خواہ شاعر باقی رہیں یا نہ رہیں مگر ترقی پسند ضرور رہیں۔ نیز بہت سے ایسے نظر آتے ہیں جنکے کلام میں ترقی پسندی تو غالب ہے مگر شاعری غائب۔ جسکا نتیجہ یہ ہوگیا ہے کہ ایسے اشخاص ترقی پسند زیادہ، ادیب بالکل نہیں، ہوکر رہ گئے ہیں۔

ہماری اس تحریر سے یہ ہرگز نہ سمجھنا چاہیے کہ ہم کو نقش نگاری یا عریاں نویسی صرف موجودہ دور کے ترقی پسند ادیبوں کی ناپسند ہے بلکہ ہم بلاشبہہ انہی تمام باتوں کو نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں جو تہذیب، تمدن، اخلاق، مذہب اور ادب کو نقصان پہونچانے والی ہوں۔ خواہ وہ ترقی پسند ادیبوں کی جانب سے ہوں یا وہ غیر ترقی پسندوں کے قدیم و جدید لٹریچر میں نظر آئیں۔

اسعد انصاری - (ہومیو پیتھ ڈاکٹر) گوئن روڈ - لکھنؤ

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ

محمد علی کی شخصیت

خطوط کے آئینہ میں

(عابد حسین صاحب جامعی کا نشریہ نشرگاہ دہلی سے)

پیارے تھے تو تڑپ والوں کا کیا پوچھنا - لیکن حد یہ ہے کہ محبت صرف زندوں سے نہیں مُردوں سے بھی تھی - سید امیر علی کے انتقال پر لندن کے قبرستان میں پہونچے تو گویا کولمبس کی طرح ایک نئی دنیا کا پتہ لگا لیا - اور ایسی دنیا کا جس میں انکے عزیز ہی عزیز آباد ہیں - ہر ہر قبر کی لوح کو پڑھ ڈالا - پھر یہ ساری فہرست خط میں درج ہوئی کہ اس قبرستان کے کہ فلاں فلاں اس کا عزیز ہے یہاں اس طرح آنا ہوا اور موشیوں واقع ہوئی - قومی سپاہیوں کی بہت سی قبریں دیکھیں تو ان کے نام نشان نوٹ کر لیے - اور ان سب کو خط میں لکھ دیں - حالانکہ یہ سب انکی سیاست اور تحریک خلافت کے خلاف تھے - لیکن دل کی محبت نے جا بجا یہ ڈھونڈ ھا کہ مرنے والوں کے عزیزوں کو ہندوستان میں خوشی ہوگی کہ میں ان پر فاتحہ پڑھ آیا - ماں کی سی الفت رکھنے والے محسن انسان کی کیفیت یہ ہے کہ پارسیوں کے حصہ میں جہاں قبروں کے ساتھ کہیں کہیں مجسمے بھی تھے دیکھا کہ مسز واڈیا کے چہرہ پر پرندوں کی بیٹ پڑی ہوئی ہے - طبیعت کیسے مانتی - جھٹ لپکے اور اُسے خاکروب سے صاف کیا اور پھر انکے بیٹے سلطان کے لیے جی بھر کے دعا مانگی کہ "وہ بہادر اور ہمدرد نوع انسان اور محب وطن انسانوں اور ہندوستانیوں کی کامیابی کے ساتھ خدمت کرتا رہے -"

مولانا کی یہ عام محبت جس سے قوم اور ملک کے فرق کو بھی جانتے تھے پر اپنی جگہ میں محدود بھی تھی -

مولانا شوکت علی سے محبت کا یہ حال تھا کہ جب نظر بندی کے زمانہ میں شوکت صاحب کے لیے بی اماں کو خط لکھنے اور ملنے کی ممانعت ہوگئی تو مولانا نے بی اماں کو لکھا

"میری حیثیت یا تو اوروں کی جیسی ہی ہے یا آپ کے قدموں کے نیچے تاہم مجھے یہ قبول ہے کہ آپ کو دیکھنے اور آپ سے خط و کتابت سے محروم ہو جاؤں مگر یہ ہرگز قبول نہیں کہ میرا بھائی آپ کے دیدار سے محروم رہے اور شوکت کی آنکھیں اس نظارہ کو ترسا کریں وہ ہر حالت میں مجھ سے کہیں زیادہ آپ کی محبت اور اس انعام کے مستحق ہیں"

لیکن پھر شوکت ہی کے متعلق نواب محسن الملک کو لکھتے ہیں کہ

"اگر میں دیکھوں کہ میرا بھائی شوکت کوئی ایسا کام کر رہا ہے جو میری رائے میں مضر ہے - میرے ملک کو نقصان کا باعث ہے یا میرے ہم وطنوں کے لیے تباہ کن ہے تو واللہ باللہ مجھے اس میں دریغ نہ ہوگا کہ چھری تیز کروں اور ایک اسکے گلے پر دن کو یا رات کو چھپے چوری خواہ زبردستی یا دھوکے سے پھیر دوں اور پھر بتقاضائے محبت دوسری اپنے گلے پر بھی پھیر لوں"

یہ مولانا کی سیاسی زندگی کا ابتدائی دور ہے وہ خود بھی قوم اور وطن کے بندے ہی ہیں - اسکے بعد انکے دل میں مذہب کا بیج پڑا - اور بقول خود "مسلمانوں کے مصائب نے انھیں مسلمان بنا دیا" لیکن انکے مسلمان بننے کی شان دوسروں سے جدا تھی - خطوں میں دل کی گہرائیاں پتہ دے رہی ہیں کہ انکا مذہب بہت سادہ تھا اور مختصر - صرف اتنی سی بات کہ حاکم بس خدا کی ذات ہے - نہ کسی انسان کو یہ حق ہے کہ وہ خدا کہلائے نہ انسانوں کو یہ سزاوار کہ وہ خدا کے سوا کسی کو حاکم جانیں اور سچ پوچھیے تو یہی محور ہے جسکے گرد محمد علی کی شخصیت شروع سے آخر تک گھومتی رہی -

محسن الملک کے خط میں خدا کا تصور صاف نہیں ہے - وہ قوم

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ہم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد

پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب:- (حکیم) عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

شاہ آباد بلڈنگ گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ

ششماہی سہ روپیہ

ہمراہ چندے سالانہ ۱ خفتگ

قیمت فی پرچہ ۲ ر

صدق

نمبر ۴۸	دوشنبہ - ۲۹ - ذیقعدہ المکرم ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۹ - نومبر ۱۹۴۳ء	جلد ۹

سچی باتیں

(از عبدالماجد)

مزار اشرف پر حاضری کی تمنا دل میں عرصہ سے تھی۔ جولائی کے مہینے سے یہ قرض برابر چلا آرہا تھا۔ نوبت وسط نومبر میں آئی۔ ۱۵ر کی دوپہر سے ذرا قبل تھانہ بھون کا دن اسٹیشن پر اُترا، اور سیدھا مزار پر حاضر ہوگیا——

تھانہ بھون کی حاضری اس ۱۵ برس کے عرصہ میں خدا جانے کتنی بار ہوچکی تھی! آج کا سفران سارے سفروں سے کتنا مختلف تھا! ہر بار کتنا اشتیاق ہوتا تھا! کیسا قوی اور کامل یقین کہ دکان کھُلی ہوئی ہے، مطب گرم ہے، جاتے اور پہنچتے ہی مرہم شفا ہاتھ میں ہوگا، ہر درد کی دوا، ہر زخم غم سے تشفی! آج رُت بدلی ہوئی تھی۔ آج قسمت پلٹی ہوئی تھی۔ دکان بند، مطب اُجاڑ! شفا کے بجائے حسرت شفا! دوا کی جگہ دوا کی یاد! اکمین سکلا عن مرت مکانہا —— خوشگوار یادوں کا محفوظ رہ جانا بھی اللہ کی کتنی بڑی رحمت ہے!

---

۱۵ برس کا خوب جانا پہچانا ہوا، بچا سہی بار کا چڑھا اُترا ہوا اسٹیشن آج کچھ اجنبی سا تھا، مانوس آج نامانوس تھا۔ ہر بار حضرت کا کوئی خادم اسٹیشن حسنت افزائی کے لیے موجود ہوتا تھا۔ اور ایک آدھ بار تو حضرت نے کرم کی حد کردی تھی، کہ بہ نفس نفیس تشریف لے آئے تھے! آج یہ سب خواب وخیال تھا! اسٹیشن سے مزار کا فاصلہ ہی کتنا؟ پورے دو فرلانگ بھی تو نہیں۔ اور مزار؟ آہ، مزار! نہ کوئی بلند گنبد نہ کوئی کلس دار قبہ، نہ چار دیواری نہ "آستانہ"، نہ بنگلہ نہ کٹہرا۔ ایک اوسط درجہ کی وسعت کا باغ۔ ایک سمت میں ایک مختصر پر فضا عمارت۔ وسط باغ میں چند گز مربع کا ایک مسطح تختہ، اور وہی اللہ کے اس فقیر کی خوابگاہ، نہ شامیانہ نہ چھت، صرف آسمان کی کھلی ہوئی چھت کے نیچے ایک نیچی کچی تربت! سادگی کی تصویر، صاحب قبر کی بے نفسی کا آئینہ! نہ لوح نہ کتبہ نہ پھول نہ چادر۔ چند قدم کے فاصلہ پر جس بزرگ کی مرحوم اور دوسرے کا صین پیشوائی کے شوق میں پہلے ہی سے پہنچے ہوئے۔ شیخ کی قبر ان سب قبروں سے بھی پست! —— زندگی میں بھی تو اپنے کو اپنے متوسلین سے پیچھے رکھتے تھے!

تصور کی آنکھ نے کیا کیا دیکھا، تخیل کے کان میں کیا کیا آوازیں آئیں، کوئی کہے بھی تو کس زبان میں کہے!

اے مدینے، اجیانِ دیگر ست!

مدت ہوئی ایک بار امام ربانی مولانا رشید احمد گنگوہیؒ کے مزار کی زیارت ہوئی تھی۔ بس کہنا چاہیے کہ وہی نقشہ یہاں بعینہٖ ہو بہو موجود! وہی شورش، وہی شورش، وہی سکینت وہی ٹھنڈک! وہی ہیبت وہی جلال، وہی اُنس وہی جمال!

مرآت کمال ذوالجلال!

جی میں آیا کہ مٹی اٹھا کر آنکھوں سے لگائیے۔ عقل نے کچھ اور ہی سمجھایا۔ روتی ہوئی آنکھوں اور روتے ہوئے دل کے ساتھ سلام رخصت عرض کیا۔ اور اپنے کو خانقاہ تک پہنچایا۔ خانقاہ! آہ، وہ روح بے جسد، وہ مکان بے مکین، وہ انگشتری بلا نگین! مدرسہ چل رہا تھا، لیکن سر دری خاموش، ویران، بجھی ہوئی شمع، ایک ہُو کا عالم، سناٹے کا مقام۔ نہ دری نہ جاجم، نہ تکیہ نہ مسند، نہ ڈسک نہ قلمدان۔ یاد ایک ایک چیز کی آتی تھی

روسی جانبازیاں:

کیا انکا تعلق اشتراکیت سے ہے؟

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ)

مصر کے مشہور علمی مجلہ الہلال کے ایک پرچہ میں اتفاق سے نظر پڑی، اس میں ایک دلچسپ مضمون

"ذکریات ایفان رہائل"

کے عنوان سے بھی درج تھا۔ یہ قدیم روس کی تاریخ کا ایک ورق تھا۔ ایفان ثانی (ایوان) کا مذہب تشکیل ہے۔ اور المانی کا ترجمہ ہو سکتا ہے باذوق ہو سکتا ہے۔ اس میں لکھا ہے کہ یہ دراصل رچان کا پیسی پانس (؟) انگریز کا مرتبی نام تھا ۱۵۵۳ء عیسوی میں ایک انگریزی بحری کپتان یا سپہ سالار تھا، اسی ایوان خوف (زار) کے زمانہ میں اتفاقاً اس مرتبہ سے پہونچ گیا تھا کہ بحر منجمد شمالی میں "سر ہیوگ دلوبی" وہ جہاز جس پر یہ بحری کپتان سوار تھا تباہ ہو گیا۔ مدادی کشتی پر سوار ہو کر کسی طرح وہ مچھائی بندرگاہ پر جا کر اترا، اور وہاں سے وہ ماسکو پہنچا، اس زار نے اجنبی تجارت کی اس زمانہ میں اپنے حدود سلطنت میں ممانعت کر دی تھی، انگریزی کپتان زار سے اسی لیے ملا کہ اسے روس کے علاقہ میں تجارت کی اجازت مرحمت فرمائی جائے۔ بہرحال: اسی کے بعد اس انگریز کپتان نے جسکا نام "رچرڈ چانسلر" تھا، ماسکو اور دربار زار کے کچھ چشم دید واقعات اور سولھویں صدی میں روسی ممالک کے باشندوں کا جو حال تھا، قلمبند کیا تھا اسی کی کتاب سے حسب ذیل معلومات صاحب مضمون نے ترجمہ کرکے شایع کیے ہیں، عربی سے میں اسکو اردو میں اس لیے منتقل کر رہا ہوں۔ کہ روسیوں کی جن جانفروشیوں کے چرچوں سے آج دنیا گونج رہی ہے اور بلاشبہ اپنی حد تک وہ ستایش ہی کے قابل ہے اسکے متعلق یہ سوال۔ کہ کیا یہ اشتراکیت کی کرامت ہیں؟ غالباً اسکا جواب ان کے متعلق مل سکتا ہے۔ بہرحال رچرڈ چانسلر بحری کپتان کا بیان ہے لکھتا ہے —

"بادشاہ (ایفان ہائل یا ایوان خوفناک[1]) بہت سے علاقوں پر حکمران ہے اسے زیر تسلط علاقوں پر بڑا زبردست اقتدار حاصل ہے۔ اسکی رعایا کی سب سے بڑی خصوصیت یہ ہے، کہ اپنے بادشاہ کی امداد خواہ وہ کسی چیز کا جس مقدار میں بھی ضرورتمند ہو، دل و جان سے دینے پر مستعد نظر آتی ہے .... آس پاس کے علاقوں میں سے اگر کوئی اس بادشاہ کے ملک پر حملہ کرنا چاہتا ہے، تو فوراً ایک عظیم الشان فوج وہ مرتب کر سکتا ہے جسکی تعداد تین لاکھ سے کم نہیں ہو سکتی، بادشاہ کا دستور ہے کہ فوجی ضرورتوں کے موقعہ پر وہ اس تین لاکھ کی فوج سے ایک لاکھ سپاہیوں کو تو میدان جنگ کی طرف روانہ کرتا ہے، اور باقی فوج ملک کے مختلف مرکزی شہروں اور مقامات کی حفاظت کے لیے متعین کر دی جاتی ہے۔

یہ بھی اس بادشاہ کا قاعدہ ہے کہ فوجی کام کے لیے وہ نہ کسانوں کو بھرتی کرتا ہے اور نہ تجارت پیشہ لوگوں کو (کسانوں کو چھوڑ دیا جاتا ہے کہ اپنے کاروبار میں مشغول رہیں) جسکی بڑی وجہ یہ ہے کہ اسکے ممالک محروسہ میں نوجوانوں کی کافی تعداد ہے جو جنگی مہموں کو سر کرنے کے لیے بس کرتے ہیں۔

لڑائیوں میں جب کوئی سپاہی امتیاز حاصل کرتا ہے تو بادشاہ کی طرف سے اسے جاگیر عطا ہوتی ہے، جو نسلاً بعد نسل اسی کے خاندان میں محدود رہتی ہے البتہ اگر کوئی وارث چھوڑے بغیر مر جاتا ہے تو پھر جاگیر خالصہ بن جاتی ہے۔

جیسا کہ کہا گیا، رعایا اپنے بادشاہ کے ساتھ وفاداری کے انتہائی حدود تک پہنچی ہوئی ہے معلوم ہے جس چیز کا کسی وقت رعایا سے مطالبہ کرتی ہے نہایت فراخدلی سے بسر و چشم ہر ایک اس مطالبہ کی تکمیل پر آمادہ ہو جاتا ہے۔ اس باب میں یہاں کے باشندوں کی حالت ایسی ہے کہ بظاہر باہر سے دیکھنے والوں کو معلوم ہوتا ہے کہ گویا یہ لوگ جو بادشاہ کی خدمت میں اسکے مطالبوں کو پیش کر رہے ہیں، ان مطالبوں کے مقابلہ میں شاید ان کو دوگنا دن معاوضہ ملے گا۔ ملک کے باشندوں کا عام قول جو ہر شخص کی زبان پر چڑھا ہوا ہے یہ ہے کہ "ملک اللہ کا ہے اور بادشاہ کا" وہ یہ نہیں کہتے جیسے ہمارے ملک (انگلستان) میں کہا جاتا ہے کہ "ملک اللہ کا ہے اور ہمارا ہے"۔

کاش! اس ملک کے باشندے پڑھے لکھے ہوتے، تو میرا خیال ہے کہ ان سے ایک ایسی فوج تیار ہو سکتی ہے جس کا مقابلہ یورپ کی موجودہ حکومتوں میں سے دو حکومتیں مل کر بھی نہیں کر سکتیں، اور نہ اسکے آگے ٹھہر سکتی ہیں۔ الغرض یہ روس کے رہنے والے سخت جنگ آزما، جفاکش، محنتی ہونے کے ساتھ اپنے بادشاہ کے ساتھ اخلاص کے انتہائی درجہ درجہ پر ہیں بادشاہ کی خدمت گزاری میں یہ بالکل فانی نظر آتے ہیں یہی وجہ ہے کہ انکے بادشاہ کو جنگ کے مواقع پر کسی قسم کی دشواری بھی چنداں پیش آتی ہے اور نہ روپیہ ہی زیادہ خرچ کرنا پڑتا ہے کیونکہ فوج تنخواہ کا مطالبہ نہیں کرتی۔ البتہ خاص خاص ضرورتوں سے باہر کے جو لوگ فوج میں نوکر ہیں وہ مقررہ تنخواہ پاتے ہیں،

ان روسیوں کا نظام عدالت بہت ہی عجیب ہے۔ یہاں عدالتوں میں اس طبقہ کا پتہ بھی نہیں، جو حکام کے آگے قانونی پیروی کرتا ہے۔ (یعنی وکلاء کا طبقہ) بلکہ —— ہر شخص اپنے معاملات کو حکام کے آگے براہ راست خود پیش کرتا ہے اور جو بات اس سے پوچھی جاتی ہے اسکا تحریری جواب وہ حاکم کے سامنے پیش کر دیتا ہے (ہمارا ہم انگریزوں کا طریقہ اس باب میں ہے اس سے یہ حال بالکل مختلف ہے) اسی طرح رعایا میں سے کسی کو کوئی شکایت حکومت کے عہدہ داروں وغیرہ سے اگر پیدا ہوتی ہے۔ تو وہ براہ راست ملانتاب ڈیوک (بادشاہ) کی خدمت میں

---

[1] انگریزی میں اس مشہور روسی شہنشاہ کا نام Ivan the Terrible یعنی "ایوان دہشت انگیز" (صدق)

کہ کر ہدیہ پیش کرتا ہے اور دست بدست اسکے حوالہ کرتا ہے۔ ڈیوک پھر حسب قانون اسکے متعلق خود فیصلہ کرتا ہے، اور یہ بات بھی بڑی دل آویز معلوم ہوتی ہے۔ اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بادشاہ اپنی رعایا پر کتنا مہربان ہے۔

روس ملک کی ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ یہاں ناداروں اور مفلسوں کی بڑی کثرت ہے، بیچارے سخت مصیبت اور کلفت کی زندگی گذارتے ہیں۔ دیہات میں مصنف کو دکھایا گیا کہ سڑی گلی مچھلی بڑے ذوق و شوق سے کھا رہے تھے، ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بہترین قسم کا لذیذ کھانا کھا رہے ہیں۔ میرا تو خیال ہے کہ آفتاب زمین کے جس جس حصہ پر چمکتا ہے اس میں اس علاقے کے باشندوں سے زیادہ مفلس اور سخت مصیبت کی زندگی رکھنے والا شاید ہی کوئی ہوگا۔"

آگے رچرڈ نے زار کی ایک دعوتی مجلس کا ذکر کیا ہے۔ جس میں وہ خود بھی بلایا گیا تھا۔ دو سو مہمان مدعو تھے، خود زار بھی اس میز پر مہمانوں کے ساتھ بیٹھا تھا، البتہ اسکی کرسی ایک بلند چبوترے پر تھی اور دوسرے لوگ نیچے کی کرسیوں پر بٹھائے گئے تھے۔ جس چبوترے پر بادشاہ کی کرسی تھی، وہ زریں اور مخملی قالین کے فرش سے آراستہ تھا، خود زار زرنگار لباس میں تاج شاہی سر پر رکھے مجلس میں آیا۔ کھانا ایک سونے کی رکابیوں اور پیالوں میں رکھا گیا تھا۔ سرو کرنے والے بھی زرق برق لباسوں میں مہمانوں کے اردگرد آجا رہے تھے۔

بہرحال یہ ہے رچرڈ صاحب کی کتاب کا وہ حصہ جو عربی میں منتقل ہوا ہے۔ آخری حصہ سے قطع نظر کرکے رچرڈ نے روس کے باشندوں کی جو حالت آج سے تقریباً چار سو سال پہلے کی لکھی ہے۔ الفاظ کے سوا غور کرنے والوں کو سوچنا چاہیے کہ کیا کچھ اور بھی بدلا ہے۔ میں تو خیال کرتا ہوں آج جو کچھ وہ ہیں اگر بالکلیہ کل ہی وہ نہ تھے۔ تو آج کے نتائج کسی دوسری چیز سے نہیں بلکہ "کل" ہی کے حالات سے پیدا ہوئے ہیں، واقعہ تو یہ ہے کہ رچرڈ کا گذشتہ بالا بیان اگر صحیح ہے، تو پچھلے دنوں روس کی حیرت انگیز مدافعانہ جد وجہد اور اس جد وجہد کی مدہوش قربانیاں خصوصاً اسٹالن گراڈ میں جن پامردیوں سے مجبوریوں، قربانیوں کا ثبوت اس قوم نے پیش کیا ہے اسکی توجیہ دشوار ہو جاتی ہے۔ گویا جس ڈھول کو آج اشتراکیت اور بالشوکیت کے گلے میں ڈال کر پیٹنے والے پیٹ رہے ہیں، اشتراکیت کی شان میں مدحی قصائد پڑھے جا رہے ہیں، کہا جا سکتا ہے کہ در اصل یہ روسی قوم کا ایک موروثی حق تھا، جسے بلا وجہ غصب کرنے کی غیر منصفانہ کوشش کی جا رہی ہے۔ واللہ اعلم بالصواب والعہدہ علی الراوی۔ مگر اس سے اگر قطع نظر بھی کر لیا جائے جب بھی نپولین کے حملہ اور گذشتہ قیصر کا برپا کیا ہوا "محشر کبریٰ" ان دونوں موقعوں پر روسیوں نے کیا کم جانبازیاں دکھائی تھیں؟

ہاں صاحب اسی الہلال میں ایک مختصر سی بات اور نظر پڑی، جی چاہتا ہے کہ کاغذ باقی ہے اسکا ذکر بھی کر ہی دوں۔ مطلب یہ ہے کہ کائنات کی ابتدا گیس یا کسی سحابی یا ضبابی سیال مادہ سے ہوئی۔ اس مسئلہ کو اسکول کے بچے ہی نہیں، بلکہ کالج کے بوڑھوں بوڑھوں کو دیکھا جاتا ہے اگرچہ یہ بوڑھے بھی اب تو بچوں ہی کی صورت اختیار کیے ہوئے ہیں، خواہ بنگال اور اڑیسہ کے فاقہ زدہ بیمار ہوں کہ بچوں ہی کی صورتیں کیوں نہ ہوں مگر ہو گئی ہیں۔ ان بوڑھوں کی صورتیں کچھ یوں ہی سی، خیر بڑا ہو یا چھوٹا، جوان ہو یا بوڑھا ہر ایک آغاز کائنات کے اسی گیسی قصہ کو اس تعلقہ کے ساتھ بیان کرتا ہے کہ گویا اللہ میاں جب دنیا بنا رہے تھے یا اللہ میاں نہ سہی اللہ کے بغیر دنیا بن رہی تھی، تو نعم و داست کا تذکرہ ان میں سے ایک اس سیال مادہ کی انقلابی منزلوں پر گذر رہا تھا، اور جو کچھ ہو رہا تھا اسے احتیاط سے ضبط کرتا چلا جاتا تھا، جب مادہ کی گردش نے کائناتی کروں کو جدا کیا، جب یہ کرے ٹوٹ ٹوٹ کر مرکز کے متصل وجود (آفتاب) کے گرد گھومنے لگے، جب ان کروں کی سیالیت بتدریج انجماد سے بدلنے لگی ....

جب انجماد نے بالآخر اسکو ٹھوس مادہ کی شکل میں تبدیل کیا۔ جب ان میں نباتی روئیدگی کی صلاحیت پیدا ہوئی، جب نباتی صلاحیتوں نے ترقی کر کے .... حیوانی طور میں قدم رکھا جب انسانیت کا ظہور ہوا۔ الغرض ابتدا سے انتہا تک ہر ہر منزل میں یہ رپورٹر موجود تھے جو ہو رہا تھا، اسے نوٹ کرتے چلے جا رہے تھے۔ ان کے لب ولہجہ، بیان کے انداز، انداز کی کرشمہ کو تو انکی ہر چیز سے یہی بات ٹپکی پڑتی ہے۔ اللہ میاں نے قرآن میں شاید ان ہی لوگوں کے متعلق فرمایا تھا۔ ما اشھدتھم خلق السماوات والارض ولا خلق انفسھم یعنی نہ تو آسمانوں اور زمین کے پیدا کرتے وقت ان لوگوں کو گواہ بنایا تھا اور نہ اس وقت جب انکی پیدائش کا وقت تھا، لیکن اللہ میاں کچھ کہیں انکو تو کچھ کہا جاتا ہے کہ اس وثوقی انداز میں اس افسانہ کو بیان کرتے ہیں جیسے انہیں کے سامنے کی گذری ہوئی بات ہے۔ میں نے اپنے مذاق کی بنیاد پر اس قسم کی تمام باتوں کا "لحانیات" نام رکھا ہے، یعنی لحاف میں بیٹھ کر جو باتیں بنائی جاتی ہیں، صبح سے شام تک "لسی خیالی" نوعیت کی باتیں سنا دیتا ہوں تو دوسرے کے یقین اور اپنی ارتیابیت پر حیرت ہوتی ہے۔ دل اکثر پوچھتا ہے کہ انکی سمجھ میں وہی بات کیوں نہیں آتی جو میری سمجھ میں آتی ہے۔ انھوں نے قرآن نہیں پڑھا ہے۔ انسانی دماغ کی منطق قرآن کے بغیر صحیح نہیں ہو سکتی، واقعات کی گرفت کا ملکہ ذہنوں میں قرآن کے بغیر پیدا نہیں ہو سکتا۔ یہی جواب ملتا ہے۔ خیر تمہید لمبی ہو گئی، غرض یہ ہے کہ اسی الہلال کے ذیلی نوٹوں میں دیکھا کہ پتھر کوئلے کے متعلق عام طور پر جو یہ مشہور ہے کہ کسی زمانہ کے جنگل جو زمین میں دب گئے تھے ان ہی جنگلوں کی لکڑیوں نے سڑنے کے بعد مختلف تدریجی تاثرات سے گذر کر پہلے گندم گوں رنگ اختیار کیا، پھر اسکی شکل "بیج" یا تارکی ہو گئی تاری بالآخر انتراسیٹ بن گیا اسی کا نام پتھر کا کوئلہ ہے۔ لیکن ایک جرمنی سائنس ڈاکٹر فیشر کا بیان ہے کہ زمین سے تین ہزار فٹ نیچے انکو خوردبین کے ذریعہ سے بکٹیریا یعنی جراثیم نظر آئے جنکو دیکھ کر ڈاکٹر کو اپنی رائے بدلنی پڑی اور اب انکا خیال ہے کہ لکڑی کے سڑتے ہوئے متعفن اور رکوان ہی بکٹیریا یعنی جراثیم نے ... لکڑی کی شکل میں تبدیل کر دیئے ہیں۔ گویا درمیان میں انقلابات کے سارے افسانے لکے تراشے سب ادھورے ہیں۔ یہ بھی دیکھ کر خیال گذرا کہ سکیں آدمی ایک کوئلہ

[illegible] یا اس نے مغربی انداز
سے اپنی شاعری میں نئی زندگی پیدا کی ہے۔ راشد کو تو میں نے ایک مثال
کے طور پر پیش کیا، ورنہ "نئے ادب" پر میرا اپنے خیالات کا اظہار کرنا چاہتا
میرے دل میں اس مضمون کو دیکھ کر پیدا ہوا ہے۔

"نئے ادب" کے پجاریوں میں عام طور پر دو قسم کے لوگ ملتے ہیں۔
ایک وہ ہیں جنکی نہ نظر ہی وسیع ہے نہ خیالات میں گہرائی ہے۔ دوسرے وہ
ہیں جو پڑھے لکھے اور سمجھدار کہے جاسکتے ہیں۔ جنکے خیالات میں گہرائی
اور نظر میں وسعت ہے۔ جو محض یوں ہی بات نہیں کہتے۔ اور جو ذیل کے
مقولہ پر کاربند ہیں "ترقی پسند ادب وہ ہے جو زندگی کی حقیقتوں پر نظر
رکھے، انکا پرتو ہو، انکی چھان بین کرتا ہو، ایک نئی اور بہتر زندگی کا رہبر ہو"
یہ مقولہ اس لحاظ سے اور بھی اہم اور ہماری خاص توجہ کا مستحق ہے کہ اس سے
مذکورالذکر گروہ کی ذہنی کیفیات کا پورے طور پر اندازہ ہو جاتا ہے۔ اور
یہ ظاہر ہے کہ اس بات کا کہنا چندہ ادب کی بڑائی نہیں۔ حقیقت کا کھلے منوں
میں اعتراف کرنا ہے۔ ان دونوں گروہوں میں فرق کرنے کے لیے بصیرت
کی ضرورت ہے۔ اور یہ ہمارا فرض ہے کہ ہم اچھی چیز کو سراہیں اور بری چیز
سے اجتناب کریں۔ "نئے ادب" کی تحریک کو پہلی قسم کے لوگوں نے خراب
کیا ہے۔ یہ وہ لوگ ہیں جن پر دنیا کا ہر دروازہ بند ہے (پورے نئے ادب
پر اعتراض جائز نہ ہوگا) مریانی اور لا مذہبی کے جراثیم ہمارے یہاں ان ہی
جاہل اور نااہل لوگوں کے ذریعہ سے پھیلے۔ وہ تحریک جسکی تہ میں مخلصانہ
جذبہ کارفرما تھا، اور جو ادب میں نئی راہیں کھولنے کے لیے بڑھی تھی،
ان لوگوں کا شکار ہوگئی۔ پھر بھی ہمارے یہاں ایسے لوگوں کی تعداد کافی ہے
جنہوں نے اپنا دامن ان سے بچائے رکھا ہے۔ ان لوگوں کا شروع سے
آج تک کیا مسلک رہا ہے، ذیل کے اعلان سے ظاہر ہوگا۔ یہ اعلان
اُس تحریک کے شروع کرتے وقت کیا گیا تھا۔

"ہماری انجمن کا مقصد یہ ہے کہ ادب اور آرٹ کو دقیانوسوں سے
بچائیں، جنکے ہاتھوں وہ آج تک تباہ ہوتے رہے ہیں۔ فنون لطیفہ کو
عوام کی زندگی سے قریب لائیں تاکہ وہ حقیقتوں کو پیش کرنے کے
ساتھ ―――― مستقبل کی دنیا کی طرف ہماری رہبری کریں۔
ہمارا عقیدہ ہے کہ ہندوستان کے نئے ادب کو آج ہماری زندگی کے
اہم مسائل، مثلاً بھوک، غریبی، سماجی پستی اور سیاسی غلامی سے بحث
کرنی چاہیے۔ ہمارے نزدیک وہ تمام ادب جو ہمیں سست اور بیکار
بنا رہا ہے، رجعت پسند ہے۔ اور وہ تمام ادب جو ہم میں تنقیدی قوت
پیدا کرے، جو عقل کی روشنی میں ہمارے رسم و رواج کی جانچ پڑتال کرے
جو ہمارے عمل اور ہماری تنظیم میں مددے، ترقی پسند ہے۔"

اس اعلان کو پڑھنے کے بعد جو تحریک کے شروع کرتے وقت کیا
گیا تھا۔ ہماری غلط فہمی رفع ہو جانا چاہیے۔ خاص کر یہ ٹکڑا
" ہمارے نزدیک وہ تمام ادب جو ہمیں سست اور بیکار بنا رہا ہے رجعت
پسند ہے" کتنا قابل لحاظ ہے۔ لطیف الدین کا یہ خیال کتنا صحیح ہے انیسویں
صدی کے آخر تک ہمارے ادب کو زندگی اور قومی زندگی سے بہت دور
کا تعلق ہے" انکا یہ اندازہ کتنا ٹھیک ہے" اگر کسی قوم کی ساری
نشانیاں مٹ جائیں اور صرف اُسکا ادب بچ رہے تو اُس قوم کی معاشرت
کی پوری تاریخ مرتب کی جاسکتی ہے"۔

" قوم کی معاشرت کی پوری تاریخ اُسوقت مرتب کی جاسکتی ہے" جب
ادب زندگی کا آئینہ دار ہو۔ مگر جہاں ادب اور زندگی میں کوئی مماثلت ہی
نہ ہو وہاں آئینہ داری کا سوال کیوں کر پیدا ہو سکتا ہے۔ اسی خیال کو
لیکر نئے ادب والے اُٹھے تھے۔ اور اسی کی آج آپ مخالفت کرنا چاہتے ہیں
جب تک سماج اور ادب میں یکرنگی پیدا نہ ہوگی ادب ترقی نہیں کریگا۔
مخالفت عریانی کی کیجیے، حد سے گزری ہوئی لامذہبیت کی کیجیے، مگر اور
دوسری چیزوں کی تو نہ کیجیے۔ پورے "نئے ادب" کی مخالفت کرنے سے
کیا فائدہ۔ اور یہ ظاہر ہے کہ یہ سیلاب کسی کے بس رکنے کا نہیں،
اں اسکی رفتار میں فرق آ سکتا ہے۔ وہی فرق آپ لوگ (صرف آپ ہی
مراد نہیں) پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ وہ سیلاب کیسے رک سکتا ہے جو عوام
ہی کا پیدا کیا ہوا ہے، اور جس نے اُنکے قلبی انتشار میں جنم لیا ہے۔
میں اس طرف توجہ بھی نہ کرتا۔ مگر اسکو آپ نے اپنے پرچہ میں شائع
کیا ہے۔ میں "نئے ادب والے گروہ" میں قوشامل نہیں ہوں، ہاں اُس سے
ہمدردی ضرور رکھتا ہوں۔ اسکی وجوہ بہت کچھ میں نے اوپر بیان کر دی ہیں۔

صدق صدق کو جو مخالفت "نئے ادب" یا ترقی پسند ادب سے
ہے، وہ اُسکی بے دینی اور بداخلاقی ہی کے جز سے تو ہے۔ باقی اسکے اور
پہلوؤں پر تفصیلی گفتگو صدق کے موضوع سے خارج ہے۔

اعلان تعطیل

حسب معمول تعطیل عید الضحیٰ کے سلسلہ میں آیندہ ہفتہ دفتر صدق
میں چھٹی رہیگی اس لیے آیندہ ہفتہ کا صدق شائع نہ ہوگا۔

نمبر ۳۱ | دوشنبہ ۱۵- ذیحجۃ المکرم ۱۳۶۲ھ مطابق ۱۳- دسمبر ۱۹۴۳ء | جلد ۹

یادِ ایام

نمبر (۳)

(از عبدالماجد)

لکھنؤ کالج میں جب پڑھتا تھا، تو ایک ممتاز طالب علم تین چار سال جونیئر اور عمر میں بھی اسی قدر چھوٹے اور بھی تھے۔ کچھ عزیز بھی۔ خوش صورت، خوش سیرت۔ ذہین، ذکی، خوش گو، خوش لباس۔ زندہ دل، بذلہ سنج، مولانا ابو الکلام کے گویا پرستار۔ جوش طبع آزادی سے بیزار۔ ہر لحاظ سے ہموار۔ نام سجاد علی انصاری۔ وطن گدیہ، ضلع بارہ بنکی۔ انٹرمیڈیٹ لکھنؤ سے کیا، بی اے، ایل ایل بی علیگڈھ سے۔ مضمون نگاری شروع کی، زیادہ تر علیگڈھ میگزین میں۔ طنز نگاری میں نام پیدا کیا۔ ایک محدود طبقے میں خوب مقبول ہوئے ——— "شیخ" "زاہد" "کعبہ" پر چوٹیں ہمیشہ ہی ایک گروہ میں مقبول رہی ہیں ——— نشو و نما کا زمانہ کہنا چاہیے کہ سنہ [illegible]ء سے سنہ ۱۹۱۴ء تک تھا۔ "مذاہب" کے علوم و معارف سے، فن و ادب سے مرعوبیت کا زمانہ۔

جب جب ملتے (اور اکثر ملتے رہتے) تو ادب و تعظیم کے ساتھ۔ مطالعہ سے متعلق مشورے کرتے رہتے۔ بعض مضمون بھی سنا لیتے، دکھا لیتے۔ قرابت دُور کی سہی، لیکن قُرب بڑھتا رہا۔ تحریروں میں البتہ نوک جھونک کر جاتے۔ ادھر ملحد فلسفیوں، مل، اسپنسر وغیرہ کا زور، اُدھر دلدادۂ ولایت کے آبرو باختہ اور سزا یافتہ ادیب آسکر وائلڈ کا تسلط! ادھر "خشکی" میں غلو، اُدھر "تری" میں افراط۔ تصادم ناگزیر۔ لیکن اس اختلاف کے ساتھ ساتھ ایک دوسرا اشتراک بھی۔ ادھر "تنقید" "عقل" اور "سائنس" کی روشنی میں مذہب کی، اُدھر استخفاف، رندی، شوخی اور "ادب لطیف" کی آڑ میں اہل مذہب کا! بہت اہل مذہب کی [illegible] پر نفس مذہب بھی کبھی بن جاتا۔ اسی ہم عمری میں ایک [illegible] کے نام سے لکھ ڈالا۔ غیر منضم مذہبی تصورات "فرشتہ" "شیطان" وغیرہ پر دل کھول کر لکھے۔ شائع کرانے کی ہمت نہ ہوئی۔ آگے چل کر سمجھ آنے پر خود اصلاح ایسی کیسی ترمیم کرتے، تنسیخ کرتے، کاٹتے، چھانٹتے، بناتے بگاڑتے! ——— "ترقی پسندی" کا لقب اسی دور میں روشن خیالی تھا۔ اسی اندھیر نگری میں خوب داد ایسی شاعری کی ملتی ہے!

جوانی کے ختم ہونے میں ابھی عرصہ تھا کہ عمر ختم ہو گئی! ۳۰ کے اندر ہی تھے۔ شادی کی بھی نوبت نہیں آنے پائی تھی۔ کہ سنہ ۱۹۲۲ء میں بیمار پڑے۔ اور بیماری بھی دق کی! ابھی دق کی! ایسے شوخ شگفتہ، باغ و بہار جوان اور اُسکا یہ انجام! اس مرض کا بیان کس سے کن لفظوں میں کیا جائے! مہینوں ایڑیاں رگڑیں۔ عیادت کی پہلی ملاقات لکھنؤ میں ہوئی۔ اُمید کا چراغ ابھی گل نہیں ہوا تھا۔ فلاں حکیم اور فلاں ڈاکٹر زور لگا رہے تھے۔ آخری ملاقات بستر مرگ پر نہیں، بستر مرگ پر گدیہ میں ہوئی۔ آہ، وہ منظر! کاش قوت گویائی ایسے موقع پر جائز ہوتی! جسم پر پیلا سا کرتا، ٹانگوں میں ایک اونچا تہمد! پاجامہ کی گنجائش ہی مسلسل اجابتوں نے کہاں باقی رہنے دی تھی؟ پنڈلیاں اتنی دُبلی کہ [illegible] بانس کی کھپاچیاں، پچکی پیٹ دبی گئی ہے! وہ حلقہ پڑی ہوئی ڈگمگاتی آنکھیں، وہ چہرہ کی زردی اور اداسی، وہ سارے تن کی لاغری، کہ گویا بجائے زندہ جسم کے سامنا صرف ہڈیوں کی ٹھٹری کا ہے! اللہ کی پناہ، اور ہزار بار پناہ! ——— کل کا لمحہ آج

بحمد اللہ مومن تھا۔ اور ... سمجھا جانے لگا تھا۔ ملنے والے ادیب خود ہوا نے استقبال آنکھ کے آنسوؤں سے کیا۔ ہاتھ جوڑ کر سامنے رو دیے۔ الفاظ ٹھٹھر کے زبان سے ادا ہوتے۔ "حضور میرے قصور معاف کر دیجیے" اللہ اکبر! کتنا پُر اثر منظر تھا۔ ۲۰ برس کے بعد بھی کون بھول سکتا ہے! بنے ہوئے تماشے بہرحال کچھ ملقین کی چہرہ پر بشاشت آ گئی ——— وقت انکشاف حقائق کا تھا۔ خدا کے فضل سے اب معلوم ہوا کہ مسکرانا اللہ کے سنہرے مطلوبات ہیں، وہی حقیر مضحک بازاری کاغذ پر چھپی ہوئی "اودھ پنچ" اور غسل و تیمم، بہشتی زیور تھی! مسلمان کا بچہ، وہی ایک دن یہ معلوم ہوا مسلمان ہی کی حیثیت سے دنیا سے رخصت ہوا۔ اللّٰھم اغفرلہ وارحمہ۔

صحافت اور جعلسازی

(از عبدالماجد)

صدق نمبر ... میں "مدح صحابہ شیعہ کی زبان سے" کے عنوان سے ایک شذرہ میں میر حسن کے کچھ اشعار درج کیے گئے تھے۔ اتفاق سے وہ نوٹ لکھنؤ کے روزنامہ حقیقت نے اپنے ہاں نقل کیا۔ اس نقل کا ہونا تھا کہ معلوم ہوا شیعی دنیا میں ایک ہلچل پڑ گئی۔ سرفراز، شیعہ اشاعت میں لکھنؤ کا ایک زیادہ سنجیدہ و ذمہ دار قسم کا روزنامہ ہے۔ اُسکے کالم تو گویا اُسی کی تردید کے لیے وقف ہوگئے۔ یہاں تک بھی غنیمت تھا۔ لیکن ۲۶ نومبر کا سرفراز نظر سے گذرا، تو فرط حیرت سے آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ صفحہ ۳ پر دوہرے جلی عنوانات کے ساتھ اور نہایت نمایاں طور پر ذیل کا مضمون درج تھا:—

"ناظرین کو یاد ہوگا کہ مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے میر حسن مرحوم کے چند اشعار پیش کرکے اُن میں مدح صحابہ ہونے کا دعویٰ کیا تھا جس کی ردّ میں سرفراز میں تین مضمون شائع ہوئے۔ جن میں سے ایک مضمون محمد عسکری صاحب کے قلم سے تھا۔ آج ۲۴ نومبر کو جناب صائب فتحپوری نے رام نگر بنارس اسٹیٹ سے ایڈیٹر سرفراز کو اپنے مکتوب مورخہ ۲۳ نومبر ۱۹۴۳ء میں یہ اطلاع دی ہے کہ موصوف نے مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی کو بر بنائے ملاقات اُنکے "حقیقت" لکھنؤ مورخہ ۶ نومبر ۱۹۴۳ء کے مضمون مطبوعہ کے متعلق لکھا تھا۔ جسکے جواب میں مولانا عبدالماجد صاحب دریابادی نے موصوف کو حسب ذیل سطور تحریر کی ہیں:

"انسان سے یہ بعید نہیں کہ غلطیاں ہوں۔ مرکب خطا و نسیان بھی تو ہے کبھی ڈگمگا جاتا ہے۔ قابل سے قابل اور عالم سے عالم بھی غلطیوں کے مرتکب ہوئے۔ اسی نظریہ کے مطابق اپنے الفاظ واپس لیتا ہوں اور قوم میں جو غلط فہمی میری طرف سے پھیل گئی ہے اُسکا کفارہ اب غالباً اسی اقرار سے ادا ہو سکتا ہے۔ میر حسن نے جو لکھا وہ محمد عسکری صاحب کے بیان سے کچھ نہ کچھ مطابقت ضرور رکھتا ہے۔"

اسکے قبل یہ گمان میں بھی نہ تھا کہ کوئی جواب تب یہ بہتر اختیار کر سکتا ہے، اور کوئی ذمہ دار پرچہ ایسے افک مبین اور ایسے کھلے ہوئے جعل کی اشاعت کی ذمہ داری اپنے سر لے سکتا ہے! جس کے یقین کرنے کا جی نہیں چاہتا تھا، اُسے یقین کرنا پڑا! یہ تو معلوم تھا کہ بحث و مناظرہ میں بعض فریق طرح طرح کے ہتھکنڈے کام میں لاتے ہیں، لیکن جسارت، ڈھٹائی، دیدہ دلیری کی یہ حد تو وہم سے بھی بالاتر تھی! بہرحال جلدی ہی ذیل کا خط رجسٹری کرا کے ایڈیٹر صاحب سرفراز کے نام بھیج دیا گیا:—

(ملاحظہ ہو ص ۳)

نیا ادب طلبہ کی نظر میں

"ہندوستان کی سب سے بڑی ترقی اخلاقی ترقی ہوگی۔ جب تک افراد کے اخلاق بہتر نہ ہونگے قوم کسی طرح ترقی نہیں کر سکتی" یہ مدیر صدق نے نہیں، لکھنؤ اسٹوڈنٹس فیڈریشن کے جنرل سکریٹری ایک غیر مسلم نوجوان نے اپنے ایک صحافتی بیان میں (حسب روایت انا میں لکھنؤ) کہا۔ اور طلبا اس تین کی تشریح یوں کی:—

"میں اپنے ادیبوں سے توقع ہے کہ وہ ایسا اصلاحی اور پاکیزہ لٹریچر پیش کرینگے جو نوجوانوں کی اخلاقیات درست کرے اور ان میں پاکیزہ جذبات پیدا ہوں۔ افسوس ہے کہ اس زمانہ میں چند افراد جو مغرب زدہ ہیں اور اسکی اندھی تقلید کرنیوالے ہیں "نئے ادب" اور ترقی پسندی کے خوشنما رنگ و روپ کی آڑ لیکر تہذیب اخلاق اور شرافت کو مٹا دینے پر تلے ہوئے ہیں۔ ان لوگوں نے فحش نگاری، عریانی اور گندگی کو ترقی پسندی کا نام دیا ہے اور خود کو اس کے واسطے وقف کر دیا ہے۔ ہر قسم کے غیر فطری افعال کی ترغیب کو ادب سمجھا ہے۔ میں ایسے لوگوں کو نوجوانوں اور طلبا کا دشمن سمجھتا ہوں۔ فیڈریشن طلبا کی نمائندگی جماعت ہے اور اس لیے وہ اس معاملہ میں خاموش نہیں رہ سکتی۔ فیڈریشن خود اس بات کی سعی کر رہی کہ ایسے لٹریچر کو ناقابل اشاعت اور ممنوع قرار دینے کی جدوجہد کرے۔ اس سلسلہ میں انجمن معیار ادب کا تازہ اقدام اس سلسلہ میں بہت مستحسن ہے۔ ہم اس کے ساتھ اشتراک عمل پر یقین ہے کہ فیڈریشن اس معاملہ میں اسکی تائید کرتی ہے اور اسکے کام کو قابل اطمینان خیال کرتی ہے۔"

یہ "پند پیرانہ" نہیں، ایک نوجوان ہی کا مشورہ نوجوانوں کو ہے۔ کاش کان اس آواز سننے کو کھلیں۔ قدم اس منزل کی طرف بڑھیں، دل و دماغ اس دُھن میں لگیں!

ترقی پسندوں کی [illegible]

لکھنؤ کی انڈیپنڈنٹ نیوز سروس کی روایت ہے۔ "لکھنؤ ۲۰ نومبر۔ ترقی پسند ادب کے خاص الخاص ارکان ڈاکٹر اشرف اور سجاد ظہیر صاحبان نے ایک پریس انٹرویو میں کہا کہ ترقی پسند ادب گالی گندے لٹریچر کی گنجائش نہیں ہے۔ ایسا لٹریچر پنجاب سے آرہا ہے۔ اور وہ انتہائی ذلیل اور شرمناک ہے۔"

غریب ترقی پسند! یہ لنکا میں آگ خود لنکا والوں کے ہاتھوں لگا، وہ بھی کہتے ہیں کہ یہ بے ننگ بے نام ہے

ایک مراسلہ کا جواب

(از عبدالماجد)

ریاست بہاولپور سے ایک مخلص کا جو کسی اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں، ایک مراسلہ عرصہ سے آیا ہوا پڑا تھا، آج گنجائش جواب کے لیے نکل رہی ہے:-

"حضرت والا۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ میں جناب کے اخبار صدق کا مستقل خریدار ہوں۔ اور آج تک سینما بینی کے متعلق جو کچھ تحریر فرمایا وہ سب دیکھ چکا۔ میں نیت سے جناب نے اسکو جا کر دیکھا۔ میرے خیال ناقص میں حضرت اقدس تھانوی علیہ الرحمہ بھی اسی خلوص اور نیت سے مجلس میلاد میں بمقام کانپور رنگلا سے شرکت کرتے رہے۔ چنانچہ اس پر حضرت اعلیٰ امام ربانی قدس سرہٗ اور حضرت مولانا شاہ اشرف علی صاحب کے درمیان مراسلہ پیش آیا۔ جو تذکرۃ الرشید حصہ اول کے صفحہ... سے شروع ہوتا ہے اور جسکا مختصر سا خلاصہ پیش خدمت کرتا ہوں آ... آگے آگے دونوں بزرگوں کے طویل مراسلات درج ہیں۔ صدق

جناب والا۔ امید ہے کہ جناب کے ہاں تذکرۃ الرشید حصہ اول ہوگا اور یہ مراسلہ آپ ابتدا سے آخر تک تمام ملاحظہ ہو سکتا ہے۔ میں تو کوئی عالم نہیں، صرف آپ جیسے حضرات کا خادم ہوں۔ جو کچھ ناقص خیال میں آیا، عرض کرتا ہوں۔ کہ اس مراسلہ سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ آپ جیسے اور حضرت تھانویؒ جیسے عالم کو ایسی جگہ شامل ہونا (چاہے غرض محض اصلاح ہی ہو) اس بات کا موجب ہوجاتا ہے کہ بہت سے لوگوں کو شمولیت کی تائید مل جاتی ہے۔ گو اس میں چند ایک کی اصلاح بھی ہو جاتی ہے چنانچہ اسی بنا پر حضرت تھانوی علیہ الرحمہ نے اسکے بعد ایسی مجالس میں شرکت نہ کرنے کا وعدہ فرمایا۔ کیونکہ کانپور کی مجلس میں اصلاح ہو رہی تھی لیکن عوام جو اس میں شامل ہوتے تھے۔ اپنے اپنے گھروں اور شہروں میں جا کر سند پیش کرتے ہونگے کہ ایسی میلاد کی مجلس میں حضرت تھانوی بھی شریک ہوتے ہیں۔ اس سے ہزاروں آدمی ملوث ہوتے ہونگے اور ناگہانی معمولی آدمی اس نیک نیت اور اخلاص سے شامل ہو کر کسی کی اصلاح کردے تو اسکا اثر دوسرے لوگوں کے لیے سند نہیں ہوتا۔ اور نہ دوسرے لوگ مبتلا ہوتے ہیں۔ لیکن آپ جیسے آدمی تو دوسروں کے لیے سند ہو جاینگے اور پھر سیکڑوں آدمی اس میں مبتلا ہو جائیں گے۔ یہ محض میرا ناقص خیال ہے۔ ممکن ہے بالکل غلطی پر ہوں۔ اگر مناسب ہو تو اس مراسلہ کے تدارک سے جو خیال دل میں آسکے اس پر اخبار صدق میں روشنی ڈال کر مشکور فرما دیں۔ یہ اخبار روس اسکول میں آیا کرتا ہے۔"

تذکرۃ الرشید افسوس ہے کہ پیش نظر نہیں۔ اقتباسات جو مراسلہ میں درج تھے، وہ ناکافی تھے، (اور کچھ زیادہ مربوط بھی نہیں) ان سے بات پوری طرح واضح نہیں ہوتی۔ اس لیے انھیں یہاں نقل کرنا بے ضرورت سمجھا گیا۔

کتاب ۱۴-۱۵ سال کا عرصہ ہوا نظر سے گزری تھی۔ اس وقت اس سلسلۂ مراسلات کو بڑے شوق و دلچسپی سے پڑھا تھا۔ یہ جی چاہتا تھا کہ مولانا تھانویؒ کے آخری مکتوب میں اپنی رائے سے رجوع کرلینا، اور حضرت گنگوہیؒ کے اتباع پر آمادہ ہو جانا درج تھا۔ لیکن ذہنی بات اتنا عرصہ گزر جانے پر بھی دل پر نقش ہے کہ دلائل کی قوت حضرت تھانویؒ ہی کی جانب زائد تھی، اور آپ کا رجوع اپنی کسی دلیل کے ضعف سے زیادہ مخاطب کے ادب و احترام پر مبنی تھا۔ ——— مدت دراز ہوئی اپنا یہی خیال حکیم الامتؒ کی خدمت میں عرض کرنے کی نوبت آئی تھی۔ جواب میں تبسم کے ساتھ ارشاد ہوا تھا کہ "جی ہاں، بعض حضرات کا یہی خیال ہے کہ ابھی ادھر سے گفتگو کی گنجائش تھی۔ لیکن حضرت میں تو اپنے بزرگوں کو اپنے سے زیادہ محقق ہمیشہ سمجھتا رہا" ——— اور یہ بات بھی کچھ ایسی انوکھی نہیں۔ کسی مسئلہ میں جب دونوں پہلو نکل رہے ہوں، تو دوسرے فریق کے ادب و احترام سے اپنے مسلک و تحقیق سے رجوع کرلینا دوسرے بزرگوں سے بھی منقول ہے۔

لیکن مراسلہ نگار کو اپنے اخلاص نیت کے باوجود غالباً اسی بنا پر اصلی دھوکا یہ لگا ہے کہ انھوں نے مجھے من کل الوجوہ یا اکثر حیثیات سے حضرت گنگوہیؒ یا حضرت تھانویؒ کا جانشین فرض کر لیا ہے۔ یہ مفروضہ ہی سر

(بقیہ صفحہ)

ایک عجیب افترا

جناب من۔ السلام علیکم

۲۲- نومبر کے سرفراز صفحہ... پر میں اپنے نام سے ایک تمام تر جعلی خط دیکھ کر دنگ رہ گیا!

اس خط کا ایک لفظ بھی میرا نہیں۔ نہ میرے پاس کوئی خط اس سے متعلق آیا نہ میں نے کسی کو جواب میں یہ یا اس سے ملتا ہوا کوئی خط لکھا۔ نہ میں آپ کے مخبر کاذب صاحب فتحپوری صاحب سے کچھ بھی واقف! یہ ساری کارروائی شروع سے آخر تک جعلی، فرضی، اختراعی ہے۔ مجھے اس سے تکلیف جو پہنچی وہ الگ!

آپ کی عنایات سے توقع ہے کہ آپ اپنی آئندہ اشاعت میں میرے اس مراسلہ کو بجنسہ اور اسی قدر نمایاں چھاپ کر، اس جعل سے اپنی بے تعلقی کا اعلان کردیں گے ———

اپنی شرعی، اخلاقی اور قانونی ذمہ داریوں سے تو یقیناً آپ بھی ناواقف نہ ہوں گے۔

والسلام عبدالماجد

لطیفہ۔ مراسلہ بالا کے سلسلہ میں یہ لطیفہ (ساتھ ہی حسرت انگیز بھی) سن لینے کے قابل ہے کہ صاحب سرفراز نے اسے چھاپا تو سہی لیکن عنوان "ایک عجیب افترا" جو مراسلہ کی جان تھا، وہ حذف کر دیا! ——— اور درمیان سے "مخبر کاذب" والا فقرہ سرے سے اڑا دیا! ——— اور جلی یا خط کشیدہ تو ایک لفظ بھی نہیں!

گویا "گناہ" کے بعد عذر گناہ وہ بھی تحریف و تصحیف کا ایک مکمل نمونہ!

نمائش فنون لطیفہ دکن

ہمارے والاشان شہزادہ نے رسم افتتاح کو ادا کرتے ہوئے فرمایا کہ "فنون لطیفہ کا ایک طالب علم ہونے کی حیثیت سے حسن کاری کا زبردست عقیدہ رکھتا ہوں۔ میرے خیال میں کوئی اصول تعلیم کوئی علم یا سائنس کا کوئی شعبہ ایسا نہیں ہے جسکا حسن کاری سے کسی نہ کسی صورت میں تعلق نہ ہو"۔ اور اسی سلسلہ میں یہ بھی ارشاد ہوا کہ "حسن کاری نہ صرف اقوام کے مستقبل کی تعمیر کرتی ہے بلکہ وہ انکے ماضی کی بھی حفاظت کرتی ہے"۔ شہزادۂ موصوف نے حسن کاری کی حقیقی افادیت کو حسن کاری کے ایک طالب علم نہیں ایک ماہر دقیقہ رس کی حیثیت سے بڑے ہی حسن کے ساتھ سطور بالا میں پیش فرمایا ہے۔ . . . .

. . . .

یقینًا اقوام کے جمالیاتی احساس کی بدولت انکا ماضی محفوظ ہے اور ہمیں انکے حالات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ موسیقی، شاعری و ادب، مصوری، نقاشی اور سنگ تراشی دکھیہ سازی، اپنے جمالیاتی پہلوہی کی دلفریبیوں کی بدولت ماضی سے حال تک پہنچنے اور حال سے مستقبل میں منتقل ہوتے اور اپنی قوموں کے تعقب و دماغ کی بلندیوں اور وسعتوں کے معیار پیش کرتے رہتے ہیں۔ البتہ یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ جن حسن کاریوں میں نوع انسانی کی افادیت کا کا پہلو بھی پیش نظر رہتا ہے یعنی جو انسانی ضرورتوں کو زیادہ جالب نظر طریق پر پوری کرسکتی ہیں۔ انکی ہمہ گیری بہت بڑھ جاتی ہے، انسانی ضرورتیں خود انکی حفاظت کی ضامن ہو جاتی ہے اور وہ دستکاریوں یا صنعتوں کی شکل میں بہت عام ہو کر ایک عہد سے دوسرے عہد میں منتقل ہوتی رہتی ہیں۔ مگر جن حسن کاریوں یا فنون لطیفہ میں افادیت نہیں ہوتی اور صرف لطف ہی لطف ہوتا ہے، یعنی جو انسان کے کمض جنسی احساسات ہی سے ایک ربط قائم کرکے ایک ایسی غیر صالح انبساطی کیفیت پیدا کردیتے ہیں۔ جسکو بعض اوقات غلطی سے یا جان بوجھ کر روحانی ترقی بھی کہدیا جاتا ہے۔ گرچہ اس جہاں کہ انسان کو غضب آلود بنا رہتی اور کئی نقتر کے مختلف منزہیہ پہنچا دیتا ہے۔ یا جو آرٹ برائے آرٹ" کی خود فریبیوں اور اخلاق سوزیوں کے ساتھ ظہور میں آسکتے ہیں انکی خاص طور پر آرٹ گیلریوں میں حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے یا وہ کسی پیشہ ور طبقہ کا مخصوص فن ہو کر رہ جاتے ہیں۔

پس حسن کاری کے بھی دو پہلو ہوئے۔ ایک وہ جو افادیت کا مالک ہوتا ہے اور جسکے لیے کسی خاص تحفظ کی ضرورت نہیں ہوتی۔ یہ حسن ہماری ہزاروں ضرورت کی چیزوں میں بکھرا پڑا ہے اور یہی وہ حسن ہے جس سے کسی قوم کے دماغی کمالات کے ساتھ اسکی خدمت نوع انسانی اور اسکی شائستگی کا پتہ لگتا ہے۔

دوسرا وہ جو ذہن کی رسائیوں کا پتہ تو دیتا ہے مگر جو نوع انسانی کو جنسی جذبات کی دلدل میں پھنسا دیتا ہے اور جسکو اسی وجہ سے قوم کی بیداری اور ترقی میں مصروفیت کے زمانہ میں کوئی سرپرستی نہیں حاصل ہوسکتی۔ گویا ایک اسکی قلبی ترقی کا اور دوسرا اسکے قلبی تنزل کا۔ یا یوں کہیے کہ ایک اسکے ضمیر کی بیداری کا، اور دوسرا اسکے نفس امارہ کی شرارتوں کا مظہر ہوتا ہے۔ اسی طرح اول الذکر ہی قوم کے مستقبل کی تعمیر اور ماضی کی حفاظت کرسکتا ہے نہ کہ آخر الذکر۔ اور ہمارے والاشان شہزادہ نے اُسی حسن کاری کو سراہا ہے جو ماضی کی حفاظت کرنے کے لیے مصنوعی تدابیر کی محتاج نہ ہو اور قوموں کے مستقبل کی تعمیر کرسکتی ہو پس ہمیں موسیقی کی اور "آرٹ برائے آرٹ" کے جوکیے خصوصًا درسگاہوں میں بچے رہنا چاہیے۔ (مہر دکن)

لاہور کے ایک خادم دین سے!

(از عبد الماجد)

آپ نے شدید اظہار احتیاج پر آپ کے لیے تین ہزار روپے کے قرض حسنہ کی ضرورت کا اعلان صدق نمبر (۲۲ فروری ۳۸ء) میں کردیا گیا۔ اللہ کے ایک مخلص بندہ کی نظر سے وہ اعلان گزرا۔ اور اس نے بغیر کسی قانونی کارروائی کی ضرورت محسوس کیے بغیر کسی گواہی شاہدی کے، محض اللہ اور اسکے فرشتوں کی گواہی کو کافی سمجھ کر آپ کے تقوے و دیانت کے اعتماد پر وہ پوری رقم آپ تک پہونچنے کا انتظام کردیا۔ اور آپ کو اپنی جگہ سے جنبش تک نہ کرنا پڑی۔ واپسی کا وعدہ پچاس روپیہ ماہوار کی قسط سے تھا، آپ نے جوں توں کرکے پانچ مہینے تو قسط ادا کی، اسکی میزان ۲۵۰ ہوئی۔ لیکن اسکے بعد سے آپ کے پاس خط پر خط جا رہے ہیں، سب بے سود! ایک مہینہ کی نہیں، تین تین مہینے اکتوبر، نومبر و دسمبر کی سب قسطیں آپ پر ناحق چڑھی ہوئی ہیں —— کیا خدانخواستہ آپ آخرت کے محاسبہ اور دنیا کے استغاثہ دونوں سے بےخوف ہوگئے ہیں؟ للہ آپ اپنے اور میرے دونوں کے اوپر رحم فرمائیں اور دشمنان دین کو خوش ہونے کا موقع نہ دیں! اب بھی آپ کا نام اخبار میں ظاہر کرتے مجھے خود شرم آرہی ہے۔ لیکن اس شرم کی عمر بہت کوتاہ ہے۔

بقیۂ صفحہ ۸

اکثر تعجب ہوتا ہے کیا یہ جدید خیال عورتیں، جدید الخیال مردوں کی شعر و شاعری پر نظر نہیں رکھتیں، جنکا عورت کا تصور ہرگز وہ نہیں ہے جس پر کوئی عورت فخر کرسکے۔ آرٹ ہو، حسن ہو، ادب ہو، عورت ہو، اگر انکی تعبیر جسم کی لذتوں سے کی جانے تو میں اسے نری بدکرداری سمجھتا ہوں اگر یہ زندگی کی سنتوں و قدروں کی محرک اور مفسر ہوں تو پھر سب کچھ ہیں۔

(کلا نوسش گزشت)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

جنسی مسئلہ

(نئے دجّالی نظریات)

اکثر ناظرین حضرات کو معلوم ہوگا کہ گزشتہ جنگ عظیم کے بعد مالتھس کے "نظریۂ آبادی" کا بہت چرچا ہوا، اور اسکے زیر اثر ضبط تولید اور منع حمل کی تحریک عام ہوگئی۔ اس تحریک کے حامیوں کی دلیل یہ ہے کہ دنیا کی آبادی نہایت سرعت کے ساتھ بڑھ رہی ہے مگر اس کی غذائی پیداوار اور بیشتر خاندانوں، قوموں اور ملکوں کے اقتصادی حالات اس اضافۂ آبادی کا ساتھ نہیں دے سکتے۔ جسکی وجہ سے ناقابل حل اقتصادی مشکلات اور بیشمار چیزوں کے قحط کا اندیشہ شدید پیدا ہوگیا۔ لہذا ضبط تولید ضروری ہے جسکی کارگر دوائی بجز تدبیر منع حمل کے سوا کوئی نہیں۔ مغرب کے بعض زندہ دل اطباء نے اس تحریک سے متاثر ہوکر فتوے دیدیا کہ بہت سی حالتوں میں حمل اور وضع حمل اور ایام رضاعت عورت کی صحت و حسن کے لیے بہت نقصان دہ ہوسکتے ہیں۔ یورپ کی شوقین مزاج اور آزاد خیال لیڈیاں اس رائے کو پسند کر لیکر دیوانہ وار اٹھیں اور دیکھتے ہی دیکھتے ساری "مہذب دنیا" میں ضبط تولید و منع حمل کا غلغلہ پورے زور سے بلند ہوگیا۔ "غیر مہذب دنیا" بھی اس سے کم و بیش متاثر ہوئی۔ مغرب زدہ عورتیں یورپ کی اس بدعت کو مشرق میں بھی رواج دینے کے لیے کوشاں نظر آنے لگیں۔ تہذیب جدید کے نفس پرست علمبرداروں کو مادر پدر آزادی کے حصول کا ایک بہانہ اور حظ نفس کا ایک سہل نسخہ ہاتھ آگیا۔ سنیما، تھیٹر، ریڈیو، "روشن خیال" اخبار، "ادب جدید" نے اس اخلاق سوز آگ کو خوب ہوا دی۔ یورپ میں تو اس آگ نے چند سالوں کے اندر سوسائٹی کے بہت بڑے حصہ کو اپنی لپیٹ میں لے لیا۔ بیکار خانوں کی اکثریت، دفتروں، کارخانوں، ہوٹلوں اور تھیٹروں کی لڑکیوں اور آوارہ فرش بیاہتا عورتوں کا تو ذکر ہی کیا، زنانہ درسگاہوں کی دوشیزہ طالبات کے جزدانوں میں بھی آلات مانع حمل بکثرت پائے جانے لگے۔ فرانس اور دوسرے ممالک میں عورتوں نے بلا اسقاط حمل کا حق مانگا۔ روس میں بعض پابندیوں کے ساتھ انکو یہ حق مل بھی گیا۔

بظاہر انسانی ہمدردی، بعض طبی احتیاطیں اور چند اہم اقتصادی مشکلات مالتھس کے "نظریۂ آبادی" کی بنیاد دکھائی دے رہی ہیں، لیکن دراصل یہ شیطان کے ایک فریب کے سوا اور کچھ نہیں ہوسکتا ہے اس نظریہ کو پیش کرنے والی ہستی اور اسکے چند رفقا مخلص ہوں، انہوں نے اپنے ماحول اور اپنی عقل و فکر کے لحاظ سے جس چیز کو مفید سمجھا پیش کردیا لیکن اسکے بعد جو ان لوگوں کی کوششوں کو بلحاظ نتائج لاحاصل انتشاری حرکات کے سوا اور کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ تحریک ضبط تولید و منع حمل کا تمام تر ذریعہ بالکل نفس پرستی اور مادر پدر آزادی کے شوق کی وجہ سے ہے۔ کم از کم مغرب میں تو سب نہیں تو نوے فیصدی حامی یقیناً اپنی عیاشی اور نفس پرستی کی خاطر اس تحریک کی حمایت کر رہے ہیں۔ ان لوگوں نے غرباء کی اقتصادی مشکلات اور غذائی پیداوار کی کمی کو ایک آڑ بنا لیا ہے۔

یہاں ہندوستان میں بھی وہ منظر کس قدر پر فریب اور مضحکہ خیز ہوتا ہے جبکہ بعض گھرانوں کے خوش پوش بیفکرے نوجوان اور "روشن خیال" خاندانوں کی بے حجاب اور زرق برق ملبوسات سے آراستہ خواتین ڈرائنگ روموں، کلبوں اور مخلوط اجتماعات میں ضبط تولید و منع حمل کی پُرجوش تائید کرتی ہیں۔ ایسے موقعوں پر یہ لوگ اکثر بطور دلیل کثیر الاولاد غرباء کی مصائب عجیب طریق پر بیان کیا کرتے ہیں۔ اُسوقت انکے الفاظ اور انداز گفتگو سے ایسا معلوم ہوتا ہے گویا ساری دنیا کے کثیر الاولاد غرباء کی مفلسی و فاقہ کشی کا درد ان ہی چوٹی بھرے بیفکرے نوجوانوں کے حسن پرست دل میں سما گیا ہے۔ انہیں اولاد و خوشنما "تیتریوں" کو پانچ پانچ سات سات بچوں والی اداس ماؤں کے دکھوں نے بُری طرح بیچین کر رکھا ہے۔ حالانکہ حقیقت کچھ اور ہے۔

ان لوگوں کی ہمدردی خود غرضی پر مبنی ہوتی ہے اور اسکی حیثیت مگرمچھ کے آنسوؤں سے زیادہ نہیں — یہ لوگ اکثر حالتوں میں فریب کار اور بعض حالتوں میں خود فریب ہوتے ہیں۔ کثیر الاولاد مفلسوں کی پُرجوش وکالت سے انکا مقصد بالعموم انکے اخلاقی، مذہبی اور قانونی ضوابط کو توڑنا یا کمزور کرنا ہوتا ہے جو انکی اخلاق سوز آزادی میں روک ہیں۔ یہ شادی کی پابندیوں اور اولاد کی ذمہ داریوں سے محفوظ رہکر بہائم کی طرح مرد و عورت کا آزادانہ اختلاط چاہتے ہیں۔

اس پر بس نہیں۔ اسکے بعد تہذیب جدید ایک نیا گل کھلاتی ہے۔ "نظریۂ آبادی" نے تحریک ضبط تولید و منع حمل کو فروغ دیا۔ اس فروغ نے نوجوان مردوں اور عورتوں کے جنسی جذبات کو اُبھارا اور بھڑکایا۔ "ادب جدید" کے نام پر عریانی، فحش نگاری، عصمت فروشی اور آبرو باختگی کی کھلم کھلا تائید کی گئی۔ اس طرح ان مفاسد سے چند سال کے اندر دیکھتے ہی دیکھتے "جنسی بھوک" Sexual Hunger کا ایک نیا اور شیطانی نظریہ پیدا ہوگیا۔ سرزمین "تہذیب و تمدن" کے اس جدید نظریہ کو بیان کرتے ہوئے ایک معمولی مشرقی کا قلم بھی سو مرتبہ جھجھک اور شرم محسوس کرتا ہے۔ اس نظریہ کے حامی کہتے ہیں کہ "مادی بھوک" اور "شہوانی بھوک" میں اصولاً کوئی فرق نہیں ہے۔ جس طرح غذا کے بغیر انسان زندہ نہیں رہ سکتا اُسی طرح جذبۂ شہوت کو روکنا بھی انسان کے بس کی بات نہیں ہے۔ لہذا جس طرح پیٹ کی بھوک کے لیے روٹی کا انتظام ضروری ہے اسی طرح اس جنسی بھوک کے لیے حکومتوں کی طرف سے "خیراتی چکلے" اور "فری قحبہ خانے" دستیاب ہونے چاہئیں۔ اس نظریہ کے بعض حامی تو یہاں تک کہ رہے ہیں کہ زنا بالجبر کوئی جرم ہی نہیں۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔

فرانس کا مشہور جریدہ "لالیون ری پبلکن" Le Lyon Republican نے کچھ عرصہ ہوا اس سوال پر بحث کرتے ہوئے کہ "زنا بالجبر آخر کیوں جرم ہے" لکھا تھا کہ "جب غریب لوگ بھوک سے بیتاب ہوکر چوری اور لوٹ مار پر اتر آتے ہیں تو کہا جاتا ہے کہ انکو روٹی مہیا کردو وہ خود بخود چوری سے باز آجائیں گے۔ لیکن عجب بات یہ ہے کہ ہمدردی [illegible]

روشن خیالوں کی تاریک خیالیاں

(از حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی، مدظلہ)

دوسروں کی آنکھ کے تنکے پر اعتراض کرنے والو، کو لاؤڈ ویل کے رسالہ کی فہرست تصدق مشلہ میں دے کر انکی آنکھوں کے جس شہتیر کی طرف آپ نے توجہ دلائی ہے، دل سے نے دیکھ، اس کا مزہ لیا۔ کئی دن ہوئے انقلاب مصر کے ایک پرانے پرچے یعنی ۱۹۳۵ء جو پنجم نومبر کی تھی، اُس میں انگلستان کے بادشاہوں کی تاجپوشی کے رسوم کا ذکر بڑی تفصیل سے کیا گیا ہے، اُس وقت جی چاہا تھا کہ ترجمہ کرکے صدق میں بھیج دوں، لیکن اس شہتیر کو دیکھ کر ہاتھ کپکپانے لگا۔ ترجمہ لے کے بیٹھ گیا۔ اور وہ یہ ہے:

اُس نے لکھا ہے: ویسٹ منسٹر میں ان بادشاہوں کی تاجپوشی اس شان کے ساتھ منائی جاتی ہے۔

کنٹربری کے لاٹ پادری صاحب کھڑے ہوتے ہیں اور فرماتے ہیں، 'سرداران قوم! آپ کے پاس فلاں بادشاہ، مثلاً جارج ششم کو پیش کرتا ہوں جو اس ملک کے بادشاہ اور ایسے بادشاہ ہیں جس میں شبہ کی گنجائش نہیں۔ اور آج آپ لوگ قربان برداری کا عہد کرنے یہاں جو حاضر ہوئے ہیں، کیا آپ لوگ دل سے یہ چاہتے ہیں؟ مجمع متفقہ آواز کے ساتھ چلاتا ہے، 'خداوندا! جارج بادشاہ کو زندہ رکھ اور انکی حفاظت کر۔' اسکے بعد اُسی ملک میں جو ساری دنیا کو دین سے افسردہ اور کچھ بے زار بنا رکھا ہے اُسی ملک میں یہ ہوتا ہے کہ لاٹ پادری مذکور بادشاہ کے سامنے اُن دینی منہیات کی فہرست پیش کرتے ہیں، جو بعض اپنے ایام حکومت میں انجام دینے پڑیں گے، اور مسیحی دین کے ایمانی کلمات کی تلاوت کرتے ہیں اور ایک مختصر وعظ کے بعد ہی لاٹ پادری صاحب آگے بڑھتے ہیں، بادشاہ کو مخاطب کرکے کہتے ہیں 'میرے آقا! کیا آپ حلف اُٹھانے کے لیے تیار ہیں؟' بادشاہ جواب میں کہتے ہیں 'ہاں!' اور اسکے بعد حسب ذیل الفاظ میں حلف اُٹھاتے ہیں کہ 'میں پروٹسٹنٹ عقیدہ کی حفاظت کرونگا، اور اپنی قوم پر انصاف کے ساتھ حکومت کرونگا۔' اسکے بعد بادشاہ توریت منسٹر کی قربان گاہ کی طرف جاتے ہیں اور اُسکے آگے سر جھکاتے ہیں اور توریت پر اپنا داہنا ہاتھ رکھتے ہیں اور یہ کہتے ہیں،

'میں نے یہاں جن جن باتوں کا وعدہ کیا ہے اُسے بجا لاؤنگا اور انکی حفاظت کرونگا۔ خدا میری مدد کرے۔' پھر بادشاہ توراۃ کو بوسہ دیتے ہیں، اور حلف کے الفاظ پھر دہراتے ہیں۔ اسکے بعد کرسی کی طرف چلے جاتے ہیں جو انکی کرسی کے پاس بچھی ہوتی ہے۔ اور بادشاہ اور ملکہ دونوں سربسجود ہو جاتے ہیں، اور اب قربان گاہ کی طرف دوبارہ جاکر شاہی لباس زیب تن کرکے شاہی تخت کی طرف روانہ ہوتے ہیں۔ اور ایک تاریخی پتھر جو وہاں ہے اُس پر جاکر بیٹھ جاتے ہیں۔ ویسٹ منسٹر کے ڈین صاحب زیتون کا تیل لگا کر چھوتے ہیں، اسکے بعد بادشاہ کو انکی قمیص لگا دیتے ہیں، اور انکی تلوار کو قربان گاہ پر رکھ دیتے ہیں۔ اب اسکے بعد لاٹ پادری انتہائی عاجزی و مسکنت کے ساتھ خدا کی طرف متوجہ ہو کر دعا کرتے ہیں۔ دعا میں یہ بھی کہتے جاتے ہیں، "اے خدا! بادشاہ اس تلوار کو اپنی کمر میں بیکار نہ باندھے، بلکہ تیرے دین کی خدمت میں استعمال کرے۔ شریروں کو دھمکائے اور ڈرائے اور نیکوں کی کیفیت پناہی کرے۔"

اور ان کلمات کے بعد لاٹ پادری قربان گاہ سے تلوار اُٹھا کر یہ کہتے ہوئے بادشاہ کے حوالے کرتے ہیں "دیکھو! اس تلوار سے دنیا میں انصاف کو جاری کر، برائی کو روک اور اللہ کے کلیسا کی حمایت کر، بیواؤں یتیموں کی مدد کر، جو چیزیں پرانی ہو گئی ہیں انھیں نئی کرکے انکی حفاظت کر، برائیوں کو درست کر اور نیکوں کی اعانت کر، تاکہ نیکیاں پھلیں پھولیں۔"

لاٹ پادری ان کلمات کے بعد بادشاہ کو انگلی چادر اور گنبد (کرہ) و صلیب پیش کرتے ہوئے حوالے کرتے ہیں "خدا آپ کو نیکی کا لباس پہنائے اور نجات کے جامے سے آپ کو آراستہ کرے۔ اور اس کرہ (گنبد) کو جب آپ صلیب کے نیچے دیکھیں تو اسکو یاد کریں کہ سارا عالم مسیح (جن پر ہم فدا ہوں) کی قوت کے نیچے دبا ہوا ہے۔"

پھر لاٹ پادری بادشاہ کی انگلی میں حکومت کی انگشتری پہناتے ہیں، اور یہ کہتے ہوئے ان کے سپرد کرتے ہیں کہ یہ انصاف کا چوگان ہے اور مہربانی کا۔ خدا آپکی مدد کرے ان تمام امور کے نافذ کرنے میں جنکا آپ کو اقتدار بخشا گیا ہے۔ دیکھو! اے بادشاہ! ہمیشہ رحمدلی سے کام لینا، مگر ظلم اور بے دردی کے ساتھ جسکی کوئی انتہا نہ ہو، اور ہمیشہ انصاف سے کام لینا مگر مہربانی اور رحم کو نہ بھولنا۔ بدمعاشوں کو سزا دینا اور نیکوں کی حمایت کرنا اور اپنی قوم کو اُس راہ پر لے چلنا جس پر انکا جانا ضروری ہے۔"

اب لاٹ پادری شاہی تاج کو قربان گاہ سے اُٹھا کر خدا سے گڑگڑا کر دعا کرتے ہوئے اور یہ کہتے ہوئے بادشاہ کو پہناتے ہیں۔ "اے خدا بادشاہ پر تیری رحمتیں نازل ہوں اور اچھے کام کا تاج انکے زیب سر کر۔" تاج سر پر رکھتے ہوئے آخری الفاظ لاٹ پادری کے یہ ہوتے ہیں

"خدا بزرگی اور جلال کا تاج آپ کو پہنائے"

تاج جوں ہی بادشاہ کے سر پر رکھا جاتا ہے، تمام ارکین حکومت اور امراء دولت اپنی کرسیوں کے نیچے سے اپنی اپنی ٹوپیاں اُٹھا کر سر پر رکھتے ہیں اور بادشاہ زندہ باد کا نعرہ لگاتے ہیں۔

سب سے دلچسپ آخری بات یہ ہے کہ جب بادشاہ تاج پہن کر تخت پر جلوہ افروز ہو جاتے ہیں تو اعیان دولت و حکومت ایک ایک کرکے بادشاہ کے سامنے جاتے ہیں "اور انکو سجدہ کرتے ہیں"۔ ان سجدہ کرنے والوں میں پہلا آدمی خود لاٹ پادری ہوتا ہے۔ پھر دوسرے پادری، پھر شاہی خاندان کے ارکان، ہر ایک اپنی ٹوپی اتارتا ہے اور بادشاہ کے آگے جھکتا ہے اور کہتا ہے "زندگی بھر آپ کی خدمت کرونگا اور مرتے دم تک آپ کا امین رہونگا، خدا ہماری مدد کرے۔" پھر ہر ایک بادشاہ کے تاج کو چھوتا ہے اور گزرتا ہے۔ یہ تو ہر ہر پارٹی کے لیڈر کرتے ہیں، لیکن خود پارٹی کے افراد وہ ننگے سر اپنی اپنی نشستوں پر جھکے رہتے ہیں۔

"سجدہ کرتے ہیں" میں نے "یَسْجُدُوْنَ لَہٗ" کے الفاظ کا ترجمہ کیا ہے، چونکہ

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۱۱)

(س علامت سوال کی ہے اور ج علامت جواب کی)

س (اصل عبارت محفوظ نہیں رہی، صرف ماحصل لکھا جاتا ہے) بندہ بہت دنوں سے مرشد کامل کی تلاش میں ہے۔ اب آپ پر نظر پڑی ہے۔ اللہ مجھے اپنے حلقۂ ارادت میں لیا جائے۔ اور میری تربیت و اصلاح کی جائے۔ بندہ اختلاج قلب وغیرہ سے بھی سخت پریشان رہا کرتا ہے۔ اسکے دور کرنے کی بھی تدبیر بتائی جائے۔

ج۔ (مورخہ ۲۰ نومبر ۱۹۶۱ء) اصلاح و تربیت کے کام کا میں بالکل اہل نہیں۔ آپ کو خدا معلوم کیا دھوکا ہو گیا چنانچہ اس تعلق سے بالکل معذرت خواہ ہوں۔

البتہ مخلصانہ مشوروں کی حد تک انکار نہیں۔ آپ کا خط آنے پر جو بات سمجھ میں آئیگی، حسب فرصت پیش کر دیا کروں گا۔ جس طرح پرانا مریض اپنے تجربوں سے نئے مریضوں کو مستفید کرتا رہتا ہے۔ چنانچہ پہلا مشورہ آپ کے بلا طلب ہی یہ عرض کرتا ہوں کہ مولانا تھانویؒ اس فن کے ماہر خصوصی تھے۔ آپ موصوف کے کسی خلیفہ کو اپنے قرب و جوار میں تلاش کر کے اُن سے تعلق تربیت پیدا کیجیے۔ اور اپنے جسمانی عوارض، اختلاج قلب وغیرہ کے لیے رجوع ماہرین طب سے کیجیے۔

س (ایک تازہ گریجوٹ کا خط) آپ تو جانتے ہیں کہ زندگی کی اس منزل میں مذہب اور عقیدے کے متعلق میرے تصورات تشکیک کا شکار رہیں۔ وہ تشکیک جسکے باعث بعض اوقات مجھکو عجیب عجیب ذہنیتوں سے گزرنا پڑتا ہے بعض ایسے ہی غیر خوشگوار لمحوں میں نماز سے فارغ ہو کر سکون قلب کے لیے تفسیر کا مطالعہ شروع کر دیتا ہوں۔ لیکن دوران مطالعہ میں ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی ہے۔ میں سراپا استعجاب اور مجسم حیرت بن جاتا ہوں۔ یعنی پڑھنا اور سمجھ کر پڑھنا میرے بس سے باہر ہو جاتا ہے۔ اُسوقت دل کو یہ سمجھا کر کہ کلام ربانی کی تاب ابھی میری مفلوج اور بودی ذہنیت نہیں لا سکتی، میں قرآن پاک بند کر دیتا ہوں۔ آپ میری رہنمائی فرمائیں کہ حیرت کے بجائے سکون پیدا ہو اور میں مسلسل صحیفۂ پاک کے مطالعہ میں وقت صرف کر سکوں؟

ج۔ یہ ایک محض کیفیت ہے وجدانی و اضطراری۔ نفس و ارادہ سے اسکا تعلق نہیں۔ اس لیے یہ معصیت تو کسی درجہ میں بھی نہیں۔ اور اسکے لیے وہ فکر و اہتمام قطعاً غیر ضروری ہے، جو معصیت سے بچنے کے لیے ضروری ہوا کرتا ہے۔ البتہ ناخوشگوار وجدانی کیفیت پریشانیٔ قلب کا باعث ضرور ہوتی ہے۔ اور انسان اپنے کو پریشانی سے بچانا چاہتا ہے۔ اگر مستقل طور پر اچھی صحبت کا التزام رہے، تو ان شاء اللہ کچھ روز میں قلب میں انشراح و اطمینانی کیفیت از خود پیدا ہو جائیگی، اور کسی خاص علاج کی ضرورت ہی نہ پڑیگی۔

اچھی صحبت میں اچھی کتابیں بھی داخل ہیں۔ مثلاً مثنوی مولانا روم، اور امام غزالیؒ اور امام تھانویؒ کی صوفیانہ تصانیف۔ لیکن اس سے زیادہ مؤثر زندہ انسانوں کی معیت و رفاقت ہو سکتی ہے۔ قرآن مجید کا حکم کُونُوا مَعَ الصّٰدِقِين نہایت حکیمانہ، جامع و بلیغ ہے۔ صادقین کی طویل صحبت میں بڑی برکت ہے۔ ذہن کے اردگرد ایک فضا ہی دوسری قائم ہو جاتی ہے اس میں تشکیک، ریب، بے یقینی کا نام و نشان بھی نہیں رہ جاتا۔ آپ جس بڑے شہر میں مقیم ہیں وہاں یقیناً ایسی صحبتوں کا قحط نہیں ہو سکتا۔ گو یہ ضرور ہے کہ آپ کے مناسب حال صحبتیں ذرا تلاش کے بعد ہی ملیں گی، اور آپ کو مختلف تجربے کرنا ہوں گے۔ آپ کے شہر کے اہل علم حلقہ میں ان شاء اللہ مولوی شاہ محمد الیاس برنی صاحب ہیں (ایک خاص رنگ سلوک کے ماہر) مولانا عبد الباری صاحب ندوی ہیں (حضرت تھانویؒ کے خلیفۂ مجاز) مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی ہیں و دیگر فضلا۔ یہ چند نام ذہن میں برجستہ آ گئے، اور محض مثال کے طور پر ہیں۔ تلاش و انتخاب آپ خود ہی بہتر کر سکتے ہیں تشکیک آفریں صحبتوں اور ہیجانی کتابوں کے مطالعہ سے پرہیز بھی ضروری ہے۔ جیسا کہ ظاہر ہے۔

دعا بھی اس مقصد کے حصول میں بڑا دخل ہے، بشرطیکہ جی لگا کر اور کچھ دیر تک پابندی کے ساتھ کی جاتی رہے۔

ایک پُرانے اخبار نویس کی وفات

مرادآباد۔ ۱۴ نومبر۔ اخباری دنیا میں یہ خبر نہایت حزن و افسردگی کے ساتھ سنی جائیگی کہ مرادآباد کے مشہور اور قدیم ہفت نامہ مخبر عالم کے بانی و نگران اور ڈسٹرکٹ جرنلسٹس ایسوسی ایشن کے صدر الحاج سید محمد عبد العلی عابد رضوی نے صرف چند روز علیل رہ کر گزشتہ شب کو ۹ بجے انتقال فرمایا۔ اور اپنے بیشمار احباب کو داغ مفارقت دے گئے۔

مرحوم مرادآباد کے ایک معزز اخبار نویس خاندان کے فرد تھے اور تمام عمر اپنی شاغل صحافت میں بسر کی۔ سب سے پہلے آپ نے ۱۸۹۸ء میں اپنے والد ماجد قاضی سید جمشید علی جم رضوی کی زیر نگرانی، جو خود بھی ایک مشاق اخبار نویس تھے، اخبار جام جمشید اور دبدبۂ سکندری کی سب ایڈیٹری کے فرائض انجام دیے اور ۱۹۰۸ء میں خود اپنا پہلا اخبار اختر جاری کیا۔ اور اسکے بعد کچھ عرصے تک موصوف معین الاخبار کی ادارت کرتے رہے۔ بالآخر ۱۹۱۲ء میں آپ نے اپنے اخبار مخبر عالم کا اجرا فرمایا اور تا دم آخر اُسکی ادارت اور نگرانی کے فرائض بحسن و خوبی انجام دیتے رہے۔ موصوف کی مساعیٔ جمیلہ نے مخبر عالم کو ایک بلند پایہ اور رائج ہفتہ وار اخبار بنا دیا۔ موصوف اعلیٰ پایہ کے ادیب اور شاعر بھی تھے۔ جس دور میں حکیم محمد علی خاں طبیب، مولانا شرر اور پنڈت رتن ناتھ سرشار ناول نویسی کی صنف میں اُردو ادب کی خدمات انجام دے رہے تھے اُسی زمانہ میں موصوف نے بھی چند ناول تصنیف کیے جنہوں نے ادبی حلقوں میں بہت کافی مقبولیت حاصل کی۔ آپ فن شعر گوئی میں حضرت داغ دہلوی کے ارشد تلامذہ میں شمار ہوتے تھے۔ اور آپ کا دیوان جسکی طباعت کا

روس کے مسلمان

...... اس سے کس کو انکار ہے اور کس کو تھا کہ عوام کی خوش حالی کے لیے حکومت روس نے جو اہتمام کیا ہے وہ کسی دوسری جگہ نہیں۔ ۲۵ سال کی قلیل مدت کے اندر سلطنت روس کے تمام باشندے احتیاج سے کامل طور پر نجات حاصل کر چکے ہیں۔ اس میں مسلمان اور نامسلمان کے درمیان کوئی امتیاز نہیں۔ یہ بھی سب کو پہلے ہی سے معلوم ہے کہ روس کے جتنے اجزائے ترکیبی ہیں انکو زیادہ سے زیادہ داخلی خود اختیاری حاصل ہے۔ اور آئین کے اندر انکو یہ رخصت ہے کہ جب چاہیں مرکزی حکومت سے علٰحدہ ہو جائیں۔

روس کی خبریں پہلے کم اور رنگ آمیزی کے ساتھ آتی تھیں۔ اب حکومت برطانیہ اور سوویٹ روس کے درمیان تعاون ہے۔ خبریں آتی ہیں اور بے روک ٹوک۔ اب یہ بھی معلوم ہو رہا ہے کہ مسلمان بادشاہوں کے زمانے کے آثار کی مرمت کی جا رہی ہے اور انکو زینت دی جا رہی ہے۔ عہد ماضی کے مسلمان اہل علم و فن کی برسیاں منائی جاتی ہیں، اُن کی تصانیف چھپوائی اور شایع کی جاتی ہیں۔

مسلمانوں کو خواہ وہ کسی ملک کے باشندے ہوں روس سے کوئی مخالفت اور عداوت نہیں ہے۔ اُنھیں اسکی کوئی ضرورت نہیں ہے کہ روس کے صحیح حالات اُنھیں معلوم ہوں اور وہ اُنھیں باور نہ کریں۔ یا روس کے خلاف غلط پروپگنڈا کریں۔ دنیا میں بہت سی غیر مسلم دول ہیں۔ مسلمانوں کا طرز عمل کسی کے خلاف مخاصمانہ نہیں ہے۔ اب رہا یہ معاملہ کہ روس کا اقتصادی نظام اشتراکی ہے اس وجہ سے مسلمان اس سے بیزار ہوں۔ امریکہ برطانیہ اور فرانس کے سرمایہ دارانہ نظام بھی اسلامی نہیں ہیں۔ اگر وہ اس بنیاد پر روس سے بیزار ہوں تو اُنھیں امریکہ اور برطانیہ سے بھی بیزار ہونا چاہیے۔ اشتراکی اقتصادی نظام تو کسی حد تک اسلام کے اقتصادی نظریوں سے مشابہ بھی ہے، سرمایہ دارانہ نظام تو بالکل نہیں۔

مسلمانوں کو روس سے ابتداءً یہ شکایت پیدا ہوئی کہ روس کی سوویٹ حکومت مذہب کے سخت خلاف تھی اور دہریت کی تبلیغ کرتی تھی۔ ان مسلم ممالک کے باشندوں کو اُس نے بجبر اپنی اطاعت پر اور اپنے دائرۂ حکومت میں رہنے کے لیے مجبور کیا۔ اُنکے اور روسی حکومت کے درمیان لڑائیاں بھی ہوئیں۔ سوویٹ حکومت نے جبر، پروپگنڈہ اور تعلیم کے ذریعہ اُنکی اسلامیت، مذہبیت اور دینداری کو مٹایا، پھیلایا اور اُن میں غیر اسلامی کلچر اور تصورات پیدا کر دیے۔ ممکن ہے کہ یہ سب روس کے مخالفوں کا پروپگنڈہ ہو، لیکن روس کی تائید میں جو مضامین ہماری نظر سے گزرے ہیں ان میں بھی نہیں ہم نے اسکا ذکر کہیں پایا کہ ان مسلم جمہوریتوں کے مسلمان عقائد و اعمال کے اعتبار سے اچھے مسلمان ہیں مفتی اور مولوی کا ذکر بھی اس جنگ کے دوران میں آیا ہے تو اب یاد ہو یا اور لیڈریوں کا ذکر بھی آیا ہے۔ یقیناً مسلمانان عالم یہ دیکھ کر بہت خوش ہوتے کہ روس کے مسلمان اقتصادی حیثیت سے خوش حال ہیں، تعلیم یافتہ ہیں اور صاحب اقتدار ہیں۔ بشرطیکہ ساتھ ہی اُنھیں یہ بھی علم ہوتا کہ وہ راسخ العقیدہ اور خوش عمل مسلمان ہیں۔ لیکن گزارش میں اُن مسلمانوں کا ذکر ہے جو سرخ فوج کو اجناس خوردنی نذر کرنے کے لیے گئے تھے۔ جماعت کی نمازوں کا کہیں ذکر نہیں۔ رمضان میں روزے کا کہیں ذکر نہیں۔ علوم دینیہ کی تعلیم کے مدرسوں کا کہیں ذکر نہیں۔ قرآن شریف کے ساتھ شغف کا کہیں ذکر نہیں۔ مسلمانان عالم کے لیے یہ کیا خوش ہونے کی بات ہے کہ کسی اُزبک یا ترکمان شاعر کے گیت ریڈیو پر گائے جاتے ہیں، اور ہر مسلمان کے گھر میں ایک ریڈیو ہے۔ اگر ترکی جمہوریتوں کے باشندے اچھے مسلمان نہیں ہیں تو اُنکے اور مسلمانان عالم کے درمیان وہ تعلق رہ جاتا ہے جو غیر مسلم روسی جمہوریتوں کے باشندوں اور مسلمانوں کے درمیان ہے۔

مسلمان تہذیب، تمدن، تصورات اور طرز فکر کے اعتبار سے دنیا کی تمام اقوام سے مختلف ہیں۔ اگر کسی حکومت نے بجبر یا بحسن تدبیر ان کی امتیازی خصوصیات مٹا کر انھیں اپنا جیسا کر لیا اور اُن خصوصیات کے بدلے میں دنیا کی ساری دولت دیدی تو مسلمانوں کے لیے یہ ہرگز خوش ہونے کی بات نہیں ہے۔ (منشور)

اپنے مراسلہ نگاروں سے

ابو صالح صاحب (مبارکپور) تعجب ہے کہ جس کی شایع شدہ تحریریں کے بیسیوں کالم آپ کو مطمئن نہ کر سکے اُس سے "چار سطریں" یا "چند کلمات" آپ اپنی تشفی کے لیے کیوں چاہتے ہیں! مولانا گیلانی مدظلہ کی جو قدر افزائی فرمائی گئی، اُسکا اُنکی طرف سے شکریہ۔

سید شرافت حسین (حیدرآباد دکن) آپ اپنا مضمون منشور (دہلی) کو بھیجیے۔ منقولات پر اتنی طویل بحث کے لیے گنجایش نکالنے سے معذوری ہے۔

ماہنامہ ضیا

۱۰ سال سے برابر پابندیٔ وقت کے ساتھ یہ زنانہ ماہوار ادبی رسالہ اپنی پوری رعنائیوں اور دلآویزیوں کے ساتھ جاری ہے۔ ہر ماہ بہترین معیاری افسانے غزلیں، نظمیں، اور کشیدہ کاری کے بہترین اور نظر فریب نمونے شایع کیے جاتے ہیں۔ اسکا لحاظ خاص طور پر رکھا جاتا ہے کہ زیادہ سے زیادہ مضامین خواتین ہی کے لکھے ہوئے ہوتے ہیں۔ جنھیں عام طور پر خواتین پسند کرتی ہیں اور ضیا کی معاون اور سرپرست ہیں۔ جنوری ۱۹۴۴ء میں اسکا سالنامہ کہاں آب و تاب سے شایع ہو رہا ہے۔ ابھی سے اپنا پرچہ محفوظ کر لیجیے۔ سالانامہ نمبر کی قیمت ۱۲/ سالانہ چندہ ۵ روپے ششماہی [illegible] فی پرچہ ۸/ خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:-

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون

(اور جو سچی بات لے کر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبد الماجد

پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب:- حکیم عبد القوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے:-

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
،، ششماہی ۳ ؎
بیرون ہند سے سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ؎

صدق
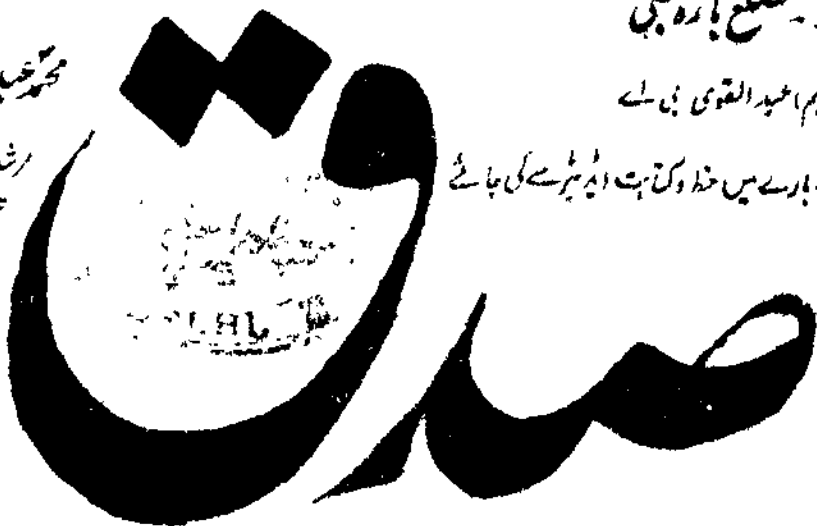
نمبر ۳۴ | دوشنبہ۔ ۵۔ محرم الحرام ۱۳۶۳ھ مطابق ۳۔ جنوری ۱۹۴۴ء | جلد ۹

سچی باتیں

برطانیہ آخر ہے کیا شے، جس پر آج ہم سب بوڑھے اور بچے، عورت و مرد، امیر و غریب یکساں اپنے مال نثار رہے ہیں، اپنی جانیں فدا کر رہے ہیں؟ کون سی چیز ہے، جو ہمارے ملک و قوم میں یہ مرکزیت و وحدت پیدا کیے ہوئے ہے؟ کیا وہ ویسٹ منسٹر کی خانقاہ ہے؟ لیکن یارک اور کنٹربری کی مذہبی عمارتوں کا تقدس بھی تو کچھ کم نہیں؟ پھر کیا وہ شہر لندن ہے؟ لیکن اسکا بھی تو ایک حریف ایڈنبرا موجود ہے۔ تو پھر کیا وہ شاعر شکسپیر ہے؟ لیکن اسکے بھی تو رقیب موجود ہیں چاسر ہے، برنس ہے۔ نہیں، ان میں سے کوئی بھی چیز نہیں۔ صحیح جواب یہ ہے کہ وہ صرف ہماری انگریزی بائبل ہے!

یہ خلاصہ ہے اس تقریر کے تمہیدی حصے کا جو اسی جنگ کے دوران میں ایک مشہور برطانوی خاتون مس کلیمنس ڈین نے لندن کے ریڈیو اسٹیشن سے نشر کی اور اب کتاب "انگریزی روح" (The English Spirit) کے مجموعہ میں چھپ گئی ہے (۱۹۴۲ء) تقریر کا عنوان ہے "ہماری بائبل"۔

آپ نے دیکھا؟ جو قوم ایک بڑی حد تک مذہب سے عملاً بے تعلق و بے نیاز، بلکہ اعتقاداً بھی ملحد و لامذہب سی ہو چکی ہے، وہ بھی یہ پکار پکار کر دنیا کو سنا رہی ہے کہ ہماری مرکزیت، ہماری بے مثال تنظیم و شیرازہ بندی کا مرکز ہماری عمارتوں میں نہیں، ہمارے متمدن و آباد شہروں میں نہیں، ہمارے شاعروں ادیبوں میں نہیں، ہماری صرف ایک کتاب میں ہے، اور وہ کتاب ہماری کتاب مقدس، ہماری بائبل ہے! ——— کتاب بیسویں صدی کی تازہ ترین تحقیق والی نہیں، صدی دو صدی قبل کی بھی نہیں، بلکہ دو ہزار سال قبل کی۔ اور فلسفہ پر نہیں، سائنس کی کسی شاخ پر نہیں، ناول نہیں، ڈراما نہیں، افسانہ نہیں، خالص الخالص دینی و مذہبی کتاب! ——— اور کتاب بھی کہاں؟ ترجمہ کتاب کیسے۔ برطانیہ کو یہ شیفتگی اصل بائبل سے نہیں، انگلش بائبل سے ہے!

پھر "کتاب" بھی وہ، اگر مسیحی عقیدہ کے مطابق نہ آسمانی، نہ خود حضرت مسیحؑ کی لکھی ہوئی نہ لکھوائی ہوئی۔ انکی زبان تک نہیں، آپ کی زبان تو شامی یا سُریانی تھی۔ نہ آپؑ کے زمانے میں کہیں اسکا وجود! یہ تو آپ کے سالہا سال بعد کچھ نوشتے آپ کے حالات اور ملفوظات میں، آپ کے بعض رفیقوں اور صحابیوں کی جانب منسوب، یونانی زبان میں لکھے گئے، اور اسی متفرق مجموعہ کو سینٹ جیروم نے چوتھی صدی کے وسط میں کانٹ چھانٹ کے، حذف، ترمیم و تنسیخ کے بعد، مرتب کر دیا۔ اور وہ بھی یونانی میں نہیں، لاطینی زبان میں! اسی مجموعہ میں بہت سے قدیم نوشتے عبرانی زبان سے بھی ترجمہ کر کے شامل کر دیے۔ اور پورے مجموعہ کا نام "دی ہولی بائبل" رکھ دیا۔ جس میں عہد عتیق و عہد جدید دونوں شامل ہیں! تو خلاصہ یہ ٹھہرا کہ برطانوی قوم غش اور فریفتہ اسی ترجمہ در ترجمہ کے انگریزی ترجمہ پر ہے!

یعنی پہلا ترجمہ سُریانی اور عبرانی سے یونانی میں، اور دوسرا ترجمہ یونانی سے لاطینی میں، اور تیسرا ترجمہ لاطینی سے انگریزی میں! اور پھر اسکی تاریخ اصل ایسی، کہ اسکا کتاب الٰہی ہونا تو خیر الگ رہا، کتاب مسیح ہونا بھی نہ مسیحیوں کو تسلیم نہ تاریخ کو! اور کتاب حوارین مسیح ہونا زیادہ سے زیادہ، مسیحیوں کو تسلیم، تاریخ کو اس سے بھی انکار کیا ——— دوسری طرف

مقابلہ میں ایک دوسری قوم کا، جسکے پاس بحمد اللہ ایک کتاب الٰہی موجود و محفوظ ہے ترجمہ در ترجمہ در ترجمہ سے مسخ ہو ہوا کر نہیں، اپنی بالکل اصل عبارت کے ساتھ، اور کیا لفظ بلفظ، حرف بحرف! اس کی محفوظیت اور تاریخیت سے آج، اس چودھویں صدی میں بھی انکار کی ہمت نہ مسیحی کو ہے، نہ یہودی کو، نہ ملحد کو نہ شکاک کو! --- ایک وہ انسانی دماغوں کی تراش و خراش ہے کہ ملحد و مشرک تک جسے اپنا امام بنائے ہوئے ہیں، ایک یہ سرتا سر وحی الٰہی ہے کہ اکیلے موحدین اسے امام بنانے پر مصر نہیں!

ایک غلط حکم

ناظم صاحب شعبۂ اطلاعات مسلم یونیورسٹی کا مراسلہ کسی اشاعت میں کہیں درج ہوا ہے۔ اس سے یہ حقیقت معلوم ہو جاتی ہے کہ مسلم یونیورسٹی کے حدود میں "سرکاری" کے حکم سے طلبہ کیلئے شناخت کارڈ کے لیے تصویر کھنچوانا لازم کر دیا گیا ہے، اور ناظم صاحب شعبۂ دینیات کے اعتراض سے جب روایت صرف اتنی کی گئی ہے کہ جو طلبہ اس حکم کو خلاف شریعت سمجھیں وہ اپنے کو مستثنیٰ قرار دینے کی درخواست دے سکتے ہیں!

حکام یونیورسٹی کا یہ حکم، ایک مسلم ادارہ کے حق میں صریحاً غلط ہے۔ اور اسے فوراً اپنے فیصلہ پر نظرثانی کرنا چاہیئے۔ یہ استثنا والی رعایت تو سرکاری درسگاہوں اور دوسری غیر اسلامی درسگاہوں تک میں مسلم طلبہ کے لیے ہو سکتی ہے۔ مسلم یونیورسٹی میں عام قانون تصویر کشی کا جاری رہنا، یقیناً ناقابل تحمل ہے۔ یونیورسٹی ہی میں ایک مستقل شعبۂ دینیات ہے اس میں ناظم کے علاوہ ایک صدر شعبہ بھی ہیں۔ اور اس مجلس کے رکن رکین مولانا شروانی ہیں۔ اور کورٹ کے ممبروں میں مولانا سید سلیمان ندوی جیسے فاضل موجود ہیں۔ حکام یونیورسٹی جب چاہیں، جبری و لازمی تصویر کشی کے باب میں ان سب حضرات سے استصواب رائے اور استفتاء کر سکتے ہیں۔ غلطی جو ہونا تھی، ہو چکی۔ اب اسے جس قدر جلد واپس لیا جا سکے یونیورسٹی ہی کے حق میں بہتر ہوگا۔

صدائے درد

ایک مخلص و معزز کرم فرما علاقۂ مشرقی بنگال سے تحریر فرماتے ہیں :-

"کیا یہ ممکن نہیں کہ آج کل آپ قحط کے مطالعہ کے لیے ان اطراف میں تشریف لائیں۔ عامۃ الناس کو علی العموم اور مسلمانوں کو علی الخصوص قابل قدر خدمت اس طریقے سے انجام دی جا سکتی ہے۔ کیونکہ جو کچھ ذاتی مطالعہ کے بعد تحریر فرمائینگے اس کی بات ہی کچھ اور ہوگی۔ در حقیقت علماء اور جرائد میں آپ ہی کی پہلی بزرگ ہستی ہوگی جو ایسا کریں۔ آپ اس گزارش پر ذرا غور تو فرمائیں"

لکھنے لکھانے کا سوال تو بعد کا ہے، اصل گزارش یہ ہے کہ ان قیامت خیز حالات کا معائنہ کیا کس سے جائیگا؟ بچشم خود دیکھنے کی کس کو جرأت ہو رہا، اخبارات ہی میں جب کبھی سرسری اور اچٹتی سی نظر ان حالات پر پڑ جاتی ہے تو کب دل قابو میں رہ جاتا ہے!

کیا سرکاری اعداد دیے جا ... رہے ہیں، یہ ...

چاٹگام کی ۳۰ ہزار آبادی میں سے پوری ۳ ہزار ملیریا میں مر چکی ہے!

فرید پور میں، کل ۵ مہینے کی مدت میں ۳۰ ہزار سے اوپر ملیریا میں مر چکے، اور ۵ لاکھ ۲۴ ہزار اس میں مبتلا ہو چکے تھے!

باریسال کے صرف ایک حصۂ ضلع میں ۱۴ ہزار انسانی جانیں ملیریا کی بھینٹ چڑھ چکی ہیں۔

دو دو ہزار کی آبادی رکھنے والے گاؤں تک بالکل ختم ہو چکے ہیں!

فرید پور میں ملیریا کی شدت اس درجہ شدید ہے کہ تین تین چار چار گھنٹوں میں موتیں واقع ہو گئی ہیں! (گویا اپنی قتالی میں ملیریا ہیضہ و طاعون کو بھی کہیں پیچھے چھوڑ گیا)

یہ اعداد، صرف چند مقامات کے، نمونہ کے طور پر صرف ملیریا سے مرنے والوں کے درج ہوئے۔ باقی

ہیضہ،

چیچک،

قحط،

بیماری،

کی ہلاکتوں کی میزان کوئی اب تک کہاں لگا سکا ہے؟ صرف ایک ضلع نواکھالی سے متعلق یہ اطلاع شائع ہوئی ہے کہ ضلع کی ۲۰ لاکھ آبادی میں سے تقریباً ۱/۲ ۲ لاکھ ختم ہو چکی ہے، اور ۲ لاکھ اور بس ختم ہونے ہی پر ہے!

یہ بھی سب کو خوب معلوم ہے کہ مشرقی بنگال میں اکثریت مسلمانوں ہی کی ہے غریب و فاقہ کش مسلمانوں کی! ہر ہر گھر میں کیا قیامت گزر رہی ہوگی! مائیں اپنے کلیجے کے ٹکڑوں کو ایڑیاں رگڑتے، ذبح کیے ہوئے جانوروں کی طرح تڑپتے پھڑکتے کس طرح دیکھتی ہونگی! بیویوں سے اپنے شوہروں کو پچھاڑیں کھاتے، دم توڑتے کیونکر دیکھا جاتا ہوگا!

ان منظروں کو ایک سے بڑھ کر ایک دل ہلا دینے والے، روح لرزا دینے والے، خون کے آنسو آنکھوں میں لے آنے والے منظروں کی تاب کون لا سکیگا؟ دلدوز چیخوں، روح فرسا کراہوں کے سننے کے لیے کوئی ہمت کہاں سے لائے؟ اسٹیٹسمین میں جو تصویریں زندہ اور مردہ ڈھانچوں کی چھپا کرتی ہیں انھیں پر نظر ڈالنا کس قدر صبر آزما تھا! --- معزز کرم فرمانے مدیر صدق کے دل کو اگر کوئی بہت کڑے دل کا انسان سمجھ رکھا ہے، تو یہ حسن ظن تمامتر بیجا ہے۔ گوشت پوست کا نہیں، پتھر کا جگر اور فولاد کا دل اسوقت مشرقی بنگال کے دینی بھائیوں اور دینی بہنوں کی حالت زار کے مشاہدہ کے لیے چاہیے!

ایک ادبی صحبت

پچھلے عشرہ میں مدت کے بعد ایک ادبی صحبت میں شرکت کا اتفاق ہوا۔ مجلس مشاعرہ کی تھی، اور مشاعرہ صرف نعت کا نہ تھا۔ اور شاعر بھی سب کے سب اہل سنت یا مسلمان ہی نہ تھے۔ بارہ بنکی ہائی اسکول میں دو ماسٹر ایسے ہو گئے ہیں، جو شعر و ادب کا خاص ذوق و سلیقہ رکھتے ہیں۔ ایک ان میں سے اتفاق سے میرے شاگرد کچھ روز کے لیے رہ چکے ہیں، اور دوسرے میرے چھوٹوں کے چھوٹے ہیں۔ انھیں

لاڈ پیار کا برتاؤ کرتے، سرزنش کبھی تادیباً بھی نہ فرماتے۔ سیرت کی کتابوں میں ناز برداریوں کے متعدد واقعات درج ہیں۔

خلافت صدیقی کے زمانہ میں آپ بچے ہی تھے تاہم تاریخ کا بیان ہے کہ خلیفۂ وقت ہر وقت آپؓ کا مرتبہ بحیثیت نبیرۂ رسول کے ملحوظ رکھتے تھے اور شفقت میں برابر لگے رہتے۔

خلافت فاروقی میں یہ شفقت بڑھتے بڑھتے بزرگ داشت اور تعظیم کی حد تک پہونچ گئی تھی۔ عدل کے سوا رعایت اور مروت کی گنجائش اس عہد میں تھی ہی کہاں، لیکن اگر اس کے واسطے اس قانون میں استثناء تھا تو وہ حسنین ہی کی ذات مبارک کے لیے تھا۔ دوسرے جو کچھ بھی کہیں لیکن اہل سنت کی کتابیں تو ان شہادتوں سے بھری پڑی ہیں۔ مشتے نمونہ از خروارے ملاحظہ ہوں:

حضرت عمرؓ ایک بار اپنے ابتدائے عہد خلافت میں منبر نبوی پر کھڑے خطبہ دے رہے تھے، حضرت حسینؓ ابھی کم سن لڑکے ہی تھے، منبر پر چڑھ گئے اور بولے کہ "میرے باپ (صلی اللہ علیہ وسلم) کے منبر سے اتر آ اپنے باپ کے منبر پر جا۔" حضرت عمرؓ نے جواب دیا کہ لم یکن لابی منبر (میرے باپ کے تو کوئی منبر ہی نہ تھا) یہ کہکر فرط شفقت سے حضرت حسینؓ کو اپنے پاس ہی بٹھا لیا، اور وہ بیٹھے سنگریزوں سے شغل کیا کیے۔ (اصابہ)

ایک بار آپؓ حضرت عمرؓ سے ملنے گئے۔ وہاں امیر معاویہ تخلیہ میں تھے، اور عبد اللہ بن عمرؓ دروازہ پر کھڑے ہوے تھے۔ انھیں کے ساتھ آپؓ بھی لوٹ آئے۔ بعد کو جب ملاقات ہوئی تو حضرت عمرؓ نے پوچھا کہ مجھ سے ملے نہیں؟ جواب دیا کہ اس روز میں آپ کے ہاں گیا تو تھا، لیکن آپ فارغ نہ تھے، اس لیے میں ابن عمرؓ کے ساتھ چلا گیا۔ حضرت عمرؓ نے کہا:

انت احق من ابن عمر فانما انبت ما تری فی رؤسنا اللہ ثم انتم (اصابہ)	(ابن عمر کا اور تمہارا کیا جوڑ) تم ابن عمر سے کہیں بڑھکر ہو۔ یہ ہمارے جو کچھ عزت ہے اللہ کے بعد تم ہی لوگوں کی دی ہوئی ہے۔

معاشرت کے نمونے یہ تھے۔ اب ایک نمونہ معاملت کا سنیے۔ جب فتح ایران وغیرہ کے بعد حکومت اسلامیہ کو فارغ البالی نصیب ہوئی، اور مہاجرین و انصار وغیرہ کے بڑے بڑے روزینے مقرر ہونے لگے تو بدری صحابہ کی اولاد کا وظیفہ دو دو ہزار ماہوار قرار پایا، اور یہی سب سے بڑی شرح تھی۔ حضرت عمرؓ نے خود نام حضرت حسنؓ اور حضرت حسینؓ کے پیش کیے، اور ان کے بھی وظیفے اتنی ہی اتنی رقم کے، بلکہ ایک روایت کے مطابق تو اس سے بھی کہیں بڑھکر پانچ پانچ ہزار کے مقرر کرا دیے!

حضرت عمرؓ کو جو محبت و شیفتگی خانوادۂ رسالت کے ساتھ تھی، اُسے دیکھتے ہوے یہ روایتیں کچھ عجیب بھی نہیں۔ حضرت علیؓ کو آپ وقت کا سب سے بڑا عالم و فقیہ مانتے تھے۔ ہر اہم مشورت میں شریک کرتے تھے۔ اور اعتماد و اعتبار رکھتے تھے کہ جب سفر شام و فلسطین کی ضرورت پیش آئی، تو مدینہ کی حکومت سارے صحابۂ کرام کو چھوڑکر حضرت علی مرتضیٰؓ ہی کے سپرد کرکے گئے۔ لیکن خیر یہ تو ضمناً، تھا دوسرا موضوع جا رہا ہے۔

حضرت عثمانؓ بھی اپنے دور خلافت میں آپؓ کی پوری قدر کرتے رہے۔

اور آپ اُنکے عہد میں جہادوں میں شریک رہے۔ عہد مرتضوی میں آپ تو ہر معاملہ میں پیش پیش رہے۔ جنگ جمل و جنگ صفین دونوں میں اپنے والد ماجد کے ساتھ حصہ لیا۔ جنگ جمل کے خاتمہ پر آپؓ حضرت عائشہؓ کی مشایعت کے لیے دُور تک گئے۔ جنگ صفین کے بعد معاہدہ پر آپؓ کی بھی شہادت ثبت ہوئی۔ خوارج کے مقابلہ میں آپؓ نے جرأت، شجاعت، مردانگی کا نمایاں ثبوت دیا۔ مرجعیت و مقبولیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہے کہ امیر معاویہ نے بھی خاندانی رنجش و ناگواری کے باوجود آپ کے ظاہری ادب و احترام میں فرق نہ آنے دیا۔ اور آپؓ اُنکے عہد میں بھی جہادوں میں برابر شریک رہے۔ چنانچہ ۴۹ھ میں عہد امیر معاویہ میں جب رومی مسیحی جنگ چھڑی، اور قسطنطنیہ کا محاصرہ لشکر اسلام نے کرلیا، تو اُس میں حضرت حسینؓ غازی بن کر رہے۔ اسکا ذکر گبن نے اپنی مشہور تاریخ زوال روما میں خاص طور پر کیا ہے۔

آخر عمر میں کربلا کا وہ معرکۂ خونیں پیش آیا، جس سے دوست دشمن سب واقف ہیں۔ اور ہر آنکھ اُس پر اشکبار رہے۔ اس مختصر سرسری تذکرے میں اسکی تفصیل کی گنجائش کہاں۔ البتہ حق لفظ نظر سے صرف اسقدر کہنا ہے کہ حادثہ یقیناً بہت سخت ہوا، دردانگیزی میں اپنی مثال آپ، لیکن جہاں تک آپؓ کی نفس شہادت کا تعلق ہے، اسکی ذمہ داری امیر شام (یزید بن معاویہ) سے کہیں زیادہ بعض ماتحت حکام اور بعض تکوینی حالات و اتفاقی حوادث پر ہے۔

صورت و جسم میں آپ بھی حضرت حسنؓ کی طرح رسول اللہ صلعم سے بہت زیادہ مشابہ تھے۔

کان الحسن والحسین اشبہھم برسول اللہ صلعم (اصابہ) حسنؓ اور حسینؓ دونوں رسول اللہ صلعم سے نہایت درجہ مشابہ تھے۔

بلکہ انسؓ کی روایت ہے، کہ آپؓ شباہت رسول میں حسنؓ سے بھی بڑھے ہوے تھے۔ (تہذیب التہذیب)

عمر شریف کا بیشتر حصہ خوشحالی اور فارغ البالی کے ساتھ بسر کیا۔ خلافت ثانیہ وثالثہ میں ۲ ہزار یا ۵ ہزار ماہانہ کا وظیفہ جاری رہا۔ امیر معاویہ کے زمانے میں، حضرت حسنؓ کی دست برداری خلافت کے بعد سے یہ رقم ۲ لاکھ سالانہ کی ہوگئی تھی۔ قیام عموماً مدینہ منورہ میں رہتا تھا، گو جب حضرت علیؓ نے دار الحکومت منتقل کیا تھا، تو آپؓ بھی اُنکے ہمراہ چلے گئے تھے۔

غایت کم سنی کے باوجود کچھ اقوال رسولؐ کی زبان سے سُن کر محفوظ کرلیے تھے۔ ان روایتوں کی تعداد آٹھ ہے۔ اور محدث ابو داؤد، محدث نسائی، محدث ابن ماجہ و محدث ابو یعلیٰ نے انھیں قبول کرکے نقل کیا ہے۔ وقد حفظ الحسین عن النبی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم وروی عنہ اخرج لہ اصحاب السنن احادیث یسیرۃ وروی ابن ماجہ وابو یعلیٰ عنہ (اصابہ) تفقہ و افتاء میں بھی ممتاز مرتبہ رکھتے تھے۔ آخر حضرت علیؓ جیسے افقہ و اعلم کے صاحبزادہ ہی تھے۔ عبد اللہ ابن زبیرؓ بار بار آپ کی جانب مسائل فقہ میں رجوع کرتے تھے۔

زہد و تقویٰ، عبادت، سخاوت، دنیا صفتی، انکسار و تواضع، عفو و کرم، فصاحت و بلاغت میں شہرۂ آفاق تھے۔ ایک روایت میں ہے کہ ایک ہزار

رکعتیں نماز کی رات دن میں پڑھ لیتے تھے ۔ اُسد الغابہ میں ہے کہ قیام مدینہ کے زمانہ میں ۲۵ حج پاپیادہ کئے ! صدقات، خیرات، سیرچشمی کی حد نہ تھی ۔ روزے بھی کثرت سے رکھتے تھے ۔ ایک جامع فقرہ ہے جو ان مستند ترین تذکرہ نویسوں نے لکھا ہے،

کان الحسین رضی اللہ عنہ کثیر الصلوٰۃ والصوم والحج والصدقۃ وافعال الخیر جمیعہا (اُسد الغابہ)	حسین رضی اللہ عنہ بڑے ہی نماز پڑھنے والے، بڑے روزہ رکھنے والے، بڑے حج کرنے والے، بڑے صدقہ دینے والے اور ساری نیکیوں میں بہت بڑھے ہوئے تھے ۔

زبانِ نبوت سے آپؐ اور آپ کے بھائی کو جو انانِ جنت کے سردار (سید اشباب اہل الجنۃ) کا لقب عطا ہوا ہے ۔ احادیث اُنکے فضائل میں متعدد وارد ہوئی ہیں ۔ یہاں صرف دو نقل کی جاتی ہیں،

ان النبی صلی اللہ علیہ وسلم اخذ بید حسین وحسین قال من احبنی واحب ہذین واباہما وامہما کان معی فی درجتی یوم القیامۃ (جمع الفوائد عن رزین)	رسول اللہ صلعم نے حسنؓ اور حسینؓ کے ہاتھ پکڑ کر فرمایا کہ جس کسی کو محبت ہوگی میرے ساتھ اور ان دونوں کے ساتھ اور ان کے ماں باپ کے ساتھ وہ میرے ہمراہ قیامت میں میری منزل میں ہوگا ۔
قال النبی صلی اللہ علیہ وسلم لعلی وفاطمۃ والحسن والحسین انا حرب لمن حاربتم وسلم لمن سالمتم (ترمذی)	رسول اللہ صلعم نے علی اور فاطمہ، حسن اور حسین کو مخاطب کر کے فرمایا کہ جو تم سے لڑیگا اُس سے میں لڑونگا ۔ اور جو تم سے صلح رکھیگا میں اس سے صلح رکھونگا ۔

دین رنگی کی یہ مجسم تصویر کسی کو پسند ہو یا ناپسند، یہ ایک الگ سوال ہے ۔ بہرحال یہ تھے اہل سنت کے ولی کامل، امام وقت، سبطِ رسول، ریحانِ گلشن نبوی، سیدنا حضرت حسین رضی اللہ عنہ ۔

لیگ اور مسلم خواتین

مسلم لیگ کے اجلاس کراچی کے ساتھ ہی ساتھ مسلم خواتین کی لیگ کا اجلاس بھی ہو رہا ہے اور ہونا چاہیے ۔ اس سے کسی کو بھی اختلاف نہیں ہو سکتا ۔ لیکن مسلم خواتین کی استقبالیہ کمیٹی نے ایک مناسب ہی عجیب قرارداد منظور کی ہے ۔

پہلے یہ فیصلہ کیا گیا تھا کہ کوئی مسلمان عورت کھلے اجلاس میں مردوں کے ساتھ نہ بیٹھے، بلکہ سب پردے میں بیٹھیں لیکن بعد میں یہ ترمیم پیش کی گئی کہ جو عورتیں کھلے اجلاس میں مردوں کے دوش بدوش بیٹھنا چاہیں انہیں اسکی اجازت ہے بشرطیکہ وہ سادہ لباس پہنے ہوئے ہوں اور وہ لباس سبز حاشیہ کی سفید ساڑھی پر مشتمل ہو ۔ زیور نہ پہنیں ۔ غازہ وغیرہ استعمال نہ کریں ۔ تاکہ نئی نسل کے لیے نمونہ قائم کر سکیں ۔

اب تک ہم سمجھتے تھے کہ مسلمان مردوں ہی کے اغراض یہ معلوم ہوتا ہے کہ یہ مرض عورتوں تک بھی متعدی ہو چکی ہے ۔

اول تو یہ بات ہماری سمجھ میں نہیں آئی کہ اگر مسلم خواتین کی کوئی لیگ موجود ہے اور اسکا علیحدہ اجلاس ہو رہا ہے تو اُسکی مجلس استقبالیہ زنانہ اجلاس کے دائرہ سے تجاوز کر کے مردانہ اجلاس کے انتظامات میں کیوں دخل دے رہی ہے ۔ اور اگر آئین کی کسی دفعہ یا قائد اعظم کے کسی حکم سے زنانہ لیگ کی استقبالیہ مجلس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ مردانہ اجلاس میں عورتوں کی شرکت کے متعلق مسائل کا فیصلہ کرے ۔ تو یقیناً پہلا فیصلہ ہی صحیح تھا کہ مردانہ اجلاس میں سب مسلمان عورتوں کو پس پردہ بیٹھنا چاہیے ۔ خواہ وہ مس فاطمہ جناح ہی کیوں نہ ہوں ۔ نئی نسل کے لیے نمونہ قائم کرنے کا طریقہ یہی ہے ۔

لیکن یہ جو ترمیم کی گئی ہے، اسکے تو ایک لفظ سے عورتوں کا ناقص العقل والدین ہونا ثابت ہو رہا ہے ۔

افسوس ہے مسلم خواتین کو ہزارہا مردوں کے پہلو بہ پہلو کھلے منہ بیٹھنے کی اجازت دے دی ہے ۔ لیکن شرائط حسب ذیل ہیں :۔ لباس سادہ ہو ۔ اور وہ کیا ہو ؟ سبز حاشیے کی سفید ساڑھی ! یعنی مسلمان عورتیں ہندو عورتوں کا لباس پہنیں ۔ دوپٹہ ۔ قمیص ۔ اور شلوار یا غرارہ سادہ لباس میں داخل نہیں ہے !! زیور نہ پہنیں ۔ غازہ استعمال نہ کریں ۔ یہ شرائط دینی احکام کے ماتحت نہیں، بلکہ استقبالی خواتین کے ذاتی اجتہاد کا نتیجہ ہیں ! . . .

. . . لیکن آخر کیا یہ بیہودہ باتیں ہیں ! اسلام عورت کو شرم و حیا داری کی تلقین کرتا ہے ۔ اور مردوں اور عورتوں کی مخلوط اور "پہلو بہ پہلو" مجلس کو جائز نہیں کرتا ۔ اس لئے اجلاس مسلم لیگ میں عورتوں کی شرکت بس پردہ ہی بہتر ہے ۔ اس قسم کی لغو ترمیم کا پیش کرنا اسلام اور مسلمانوں کو ذلیل کرنا ہے ۔

(انقلاب)

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ حضرات کی میعاد خریداری ۱۰ جنوری ۱۹۴۴ء میں تمام ہو رہی ہے ۔ براہ عنایت اپنا چندہ مبلغ پانچ روپیہ وسط جنوری تک روانہ فرمادیں ۔ تاکہ آخر جنوری تک دفتر کو وصول ہو جائے اور پہلی فروری کو وی پی نہ روانہ کیا جائے ۔

خریدار ۲۳۰، ۳۴۴، ۵۹۱، ۵۹۹،
۶۸۳، ۶۸۴، ۶۹۰، ۶۹۵،
۷۱۴، ۷۲۸، ۷۳۰، ۷۴۰،
۷۴۱، ۷۴۲، ۷۴۶، ۹۹۹،
۱۱۴۲، ۱۱۹۴، ۱۱۹۶، ۱۱۹۷،
۱۱۹۸، ۱۱۹۹، ۱۲۰۰، ۱۲۰۱،
۱۲۰۲، ۱۲۰۳، ۱۲۰۴، ۱۲۰۵،
۱۲۶۹، ۱۲۷۹، ۱۲۷۹، ۹۳۹،
۹۴۰، ۹۴۱، ۹۴۶، ۹۴۷،
۹۵۲، ۹۶

خادم مہتمم صدق

مراسلہ

تصویر کشی اور مسلم یونیورسٹی

(از ناظم صاحب شعبۂ اطلاعات مسلم یونیورسٹی علیگڑھ)

اخبار صدق کی اشاعت تاریخی ۲۵ نومبر میں بعنوان تصویر کشی مسلم یونیورسٹی کسی مراسلہ نگار کی وساطت سے یونیورسٹی کے سنی ناظم دینیات پر یہ الزام لگایا گیا ہے کہ موصوف نے اکیڈمک کونسل کے اجلاس میں جب شناختی کارڈ پر طلباء کی تصویر چسپاں کرنے کا سوال در پیش تھا تصویر کشی کی مخالفت نہیں کی، اور اس بدعت کو منظور کرا دیا۔ اس غلط واقعہ کی تردید کے لیے اکیڈمک کونسل اور ایگزیکیٹو کونسل کے فیصلوں اور سنی ناظم دینیات کی اس رائے کو ہم نقل کرنا کافی سمجھتے ہیں۔ جو اکیڈمک کونسل کی روداد میں درج ہے:

نقل قرارداد نمبر ۱۵-اکیڈمک کونسل تاریخی ۱۱ دسمبر ۱۹۴۳ء

رجسٹرار صاحب کے اس نوٹ پر غور کیا گیا کہ موجودہ سیشن میں طلباء سے شناختی کارڈ کی قیمت ۱۲ر فی کس وصول کی جائے۔ اس سلسلہ میں سنی ناظم دینیات نے اعتراض فرمایا کہ شریعت میں تصویروں کا استعمال قطعاً ناجائز ہے [اصل انگریزی مضمون کا ترجمہ ہے "اس سلسلہ میں سنی ناظم دینیات نے یہ بتایا کہ انکے خیال میں تصویروں کا استعمال شریعت میں درست نہیں"۔ صدق]
اکیڈمک کونسل سے یہ سفارش کرنے کا فیصلہ کیا گیا کہ یونیورسٹی کے طلباء سے اس سیشن میں ۱۲ر فی کس شناخت کارڈ کی قیمت وصول کی جائے۔

نقل قرارداد نمبر ۶۴ ایگزیکیٹو کونسل تاریخی ۲۴ جنوری ۱۹۴۴ء

قرار دیا گیا کہ اکیڈمک کونسل کی سفارش (از روئے قرارداد نمبر ۱۵ تاریخی ۱۱ دسمبر ۱۹۴۳ء) کے مطابق طلباء سے ۱۲ر فی کس شناخت کارڈ کی قیمت وصول کی جائے لیکن اگر کوئی طالب علم تصویر کشی کو اپنے ایمان کے خلاف سمجھے اور معترض ہو تو پرو وائس چانسلر صاحب اسکو مستثنیٰ کر سکتے ہیں۔ مجھے امید ہے کہ مذکورہ بالا تفصیلات سے سنی ناظم دینیات کے متعلق جو غلط فہمیاں پیدا کرائی گئی ہیں وہ رفع ہو جائیں گی۔ ایگزیکیٹو کونسل نے دراصل ناظم صاحب کے اعتراض کی بنا پر ہی اپنی قرارداد میں استثناء رکھا ہے۔

صدق - ناظم صاحب کی طرف سے تو صفائی بحمد اللہ ایک بڑی حد تک ہو گئی۔ لیکن وہ ایگزیکیٹو کونسل ہو یا اکیڈمک کونسل یا مسلم یونیورسٹی کی کوئی سی بھی مجلس، کسی کا بھی نقطۂ نظر یونیورسٹی میں تصویر کی ترویج کا ہرگز نہ ہونا چاہیے۔ جو چیز شریعت اسلام میں ناجائز ہے، اسکی ترویج و ترغیب، حدود مسلم یونیورسٹی کے اندر، حکماً و قانوناً گنجائش استثناء کے باوجود بھی کیونکر روا رکھی جا سکتی ہے؟ حیرت ہے کہ دونوں کونسلوں کے ممبر مسلمان ہی ہیں، انکی غیرت اسلامی نے ایسی غیر اسلامی تجویز کے حق میں ووٹ دینا گوارا کیونکر کیا!

استثناء بالکل ناکافی ہے۔ یہ تو بالکل ایسی ہی بات ہے، کہ پہلے یونیورسٹی میں ایک عام قانون شراب خواری کا جاری کر دیا جائے، اور پھر یہ کہہ دیا جائے کہ جو لڑکے شراب پینا جائز نہیں سمجھتے، وہ اپنے کو مستثنیٰ قرار دینے کی درخواست پرو وائس چانسلر کی خدمت میں پیش کر دیں۔ لڑکوں کے سمجھنے نہ سمجھنے کا کوئی سوال ہی نہیں، سوال صرف حکام کے ایک غلط قانون کے جاری کر دینے کا ہے ---- خیال ایسا پڑتا ہے اگر دونوں کونسلوں کے ممبر اچھے اچھے غیرتمند اور دین و مذہب کو عزیز رکھنے والے ہی ہیں۔ مولانا شروانی، میر نیرآب، خان بہادر پروفیسر عبدالمجید قریشی، وغیرہم۔ اور خود وائس چانسلر اور پرو وائس چانسلر دونوں صاحبان کی رائے عامہ کا احترام اپنا فرض سمجھتے ہیں۔ یقین ہے کہ وہ ایسے غلط اور غیر اسلامی قانون کا نفاذ آئندہ ہرگز نہ ہونے دینگے۔

لرزہ خیز واقعہ

اخبار "قومی جنگ" میں سات لڑکیوں کی ایک تصویر شائع ہوئی ہے جسکے نیچے ذیل کی عبارت ہے "یہ تصویر بنگال کے ضلع میمن سنگھ کی سات مسلمان لڑکیوں کی ہے جنھیں میمن سنگھ کی عوامی حفاظتی کمیٹی کے کارکن قحبہ خانوں سے نکال کر لائے ہیں۔ آجکل بنگال میں آج ہی سب کچھ ہو رہا ہے۔ یہ کوئی اتفاقی بات نہیں ہے۔ مائیں اپنے بھوکے بچوں کو، جوان لڑکیوں کو دلالوں کے ہاتھ بیچ دیتی ہیں، جو انھیں قحبہ خانوں میں لے جاتے ہیں اور ان سے پیشہ کراتے ہیں۔

ان میں سے سب سے چھوٹی عائشہ ہے جسکی عمر ڈھائی سال ہے اور سب سے بڑی رقیہ کی عمر دس سال۔ یہ دراصل بارہ کی ٹولی تھی۔ گیارہ مسلمان اور ایک ہندو جنھیں قحبہ خانہ سے لایا گیا تھا۔ ان میں سے ایک پناہ گاہ میں بھیج دی گئی۔ دو اگلے دن واپس گئی ہیں اور ایک چیچک اور آتشک سے شفا خانہ میں پڑی ہوئی ہے۔ یہ لڑکیاں بنگال کے بھوکے کسانوں کی جیتی جاگتی ہیں جنھیں نو اور دس روپیہ میں بیچا تھا۔ آج ان بچیوں کے ماں باپ کا بھی پتہ نہیں شاید وہ مر چکے ہیں"۔ اس رونگٹے کھڑے کر دینے والے واقعہ سے کس کا دل نہ تڑپ اٹھا ہوگا۔ یہ تمام اس لیے ارتکاب پذیر ہوئے کہ بنگال میں بھوک کے ہر چیز کی قلت ہے بلکہ یہ پیداوار اور نگہداری کے نقائص کا نتیجہ ہیں اگر حکومت اور امدادی انجمنیں فرض شناسی سے کام لیں۔ تو وہ اس قسم کی بچیوں کو جو محض والدین کی فاقہ کشی کے باعث مارکیٹ کی جنس بننے پر مجبور ہو رہی ہیں، اپنے قبضہ میں لے لیں اور اسکے بعد انھیں پناہ گاہوں میں بھیج دیں۔ اس سلسلہ میں خاکساروں کو ذرا زیادہ جد و جہد اور فرض شناسی سے کام لینا چاہیے۔ کیونکہ انکی ذمہ داریاں دوسروں کی نسبت زیادہ اہم ہیں۔ ورنہ اس قسم کے لرزہ خیز جرائم کا ارتکاب ہوتا رہیگا۔ (آئینہ دار)

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

سیرت کی دعا اس پاک اور شیریں زبان سے صرف اس وقت نکلی جب وہ فخر دوعالم، رئیس عالم، شہنشاہ دارین ہو چکے — دنیا کو اختیار ہے کہ چاہے تو سرمایہ داری کے نتیجہ، سرمایہ پرستی کے ان تکلفات و تکلیفات کی دوزخ میں پڑی جلا کرے، چاہے تو بچتے جی سادگی، قناعت، امن، راحت کی اس جنت میں داخل ہو جائے!

دو سوالات

ایک صاحب علم نے سوالات ذیل بھیجے ہیں:—

(۱) نقد کا وہ نفع جو غریبوں کی اضطراری حالت سے ناجائز اٹھا کر حاصل کیا جائے، بے شبہ بلا شبہ سود کہلانے کا مستحق ہے، اور ظالمانہ طریق کار ہے۔ لیکن نقد کا وہ نفع جو اس طرح وصول کیا جائے کہ قرض خواہ بھی اور سود کے بعد قرض دہندہ کے ساتھ ہی یا اس سے بھی زیادہ فائدہ اٹھالے، جیسا کہ بینک سسٹم میں نظر آتا ہے، تو کیا اس نفع کا شمار بھی ربوٰ اور ظالمانہ طریق کار میں ہوگا؟

(۲) وقف علی الاولاد کی صورت میں ریاست یا جائداد محفوظ تو رہ جاتی ہے، مگر عدم توریث کی بنا پر مورث کے مرنے پر ورثاء میں تقسیم نہیں ہو سکتی۔ جس سے ایک مسئلۂ شرعی وراثت کا انسداد لازم آ جاتا ہے۔ دوسری خرابی یہ کہ مذموم سرمایہ داری اور اکتناز (جمع دولت) کے لیے ایک راستہ کھل جاتا ہے۔ موجودہ زمانہ کی وقف علی الاولاد کی جاگیریں اور تعلقے آج اگر ورثاء میں تقسیم ہوتی رہتیں، تو ایک تعلقہ بھی تعلقہ اور ایک جاگیر بھی جاگیر کی صورت میں نظر نہ آتی، بلکہ تقسیم ہو ہو کر دولت کے یہ خزانے ہزاروں لاکھوں انسانوں کے درمیان گردش کرتے ہوتے۔ بس ان خرابیوں کے باوجود وقف علی الاولاد کی درستی کی کیا دلیل ہے؟"

حرمت سود کی حکمت تنہا یہی نہیں کہ سود ایک ظالمانہ معاملہ ہے۔ بلکہ سود کی جو حقیقت ہے، یعنی روپیہ کو جو جنس بازار ہے، اسے کرایہ پر چلانا، یہ بجائے خود ہی روپیہ سے ایک ایسا کام لینا ہے جس کے لیے وہ وضع نہیں ہوا ہے، محض فریق ثانی کی رضا اگر جواز کے لیے کافی ہوتی، تو چاہیے تھا کہ قمار بھی جائز ہوتا، جو فریقین کی رضامندی ہی سے ہوتا ہے، اور زنا مطلق صورت میں جرم نہ رہ جاتا، بلکہ فرنگی قانون کی طرح شریعت اسلامی میں صرف زنا بالجبر ہی جرم قرار پاتا۔ جس طرح بغیر کسی جائز محنت کے محض پانسے کے الٹ پھیر، بخت و اتفاق کی بنا پر کسی کا مال ہتھیا لینا فی نفسہ اکل حرام ہے (بلا لحاظ جبر و اکراہ)، اور جس طرح عورت کا اپنے جسم کو بغرض لذت کرایہ پر چلانا، فی نفسہ نسائیت کے منافی اور ایک فعل حرام ہے، ٹھیک اسی طرح سودی معاملات اپنی ذات ہی کے لحاظ سے حرام ہے۔ اور پھر بینکنگ سسٹم میں تو یہ معاملہ افراد ہی پر ختم نہیں ہو جاتا، اسکی ترویج سارے معاشرہ میں ہو جاتی ہے اور پوری سوسائٹی اس سے گندہ ہو جاتی ہے، اس لیے اسلامی حکومت میں تو قطعاً اسے کوئی جگہ نہ ملنا چاہیے۔

ہاں یہ اور بات ہے کہ اسکی معصیت شرکت ظلم نہ ہونے کے باعث اس ظالمانہ سود سے نسبۃً ہلکی ہو، اور پھر دار الحرب میں لے بعض فقہاء سے کے مسائل پر حقیقت سے بس ضعیف تفرادت لیا جائے۔ یا پھر بینک کے سود کو اپنی ذات پر خرچ کرنے کے بجائے تصدق کر دیا جائے۔ اس قسم کی صورتیں موجودہ غیر اسلامی احول اور کافرانہ تسلط میں گو وقتی سبیل کو اختیار کر لی جاتی ہیں۔ لیکن شریعت کی اصل روح (اسپرٹ) کا لحاظ کرکے فتوائے جواز کی ہمت، سود کی کسی ہلکی سی معاملت کے لیے بھی نہیں پڑتی۔ واللہ اعلم، علمہ اتم واحکم۔

وقف علی الاولاد سے متعلق سائل کا سوال معقول اور بہت قابل توجہ ہے۔ یہ صحیح ہے کہ قانوناً یہ جائز ہے، لیکن قانون اسلام میں تو بشری کمزوریوں کی رعایت سے بہت سی چیزوں کی گنجائش رکھ لی گئی ہے، جو دین کے لحاظ سے پسندیدہ و محمود نہیں۔ ناملتوں کا نکاح، یعنی ایسی عورت جیکے زوجین پوری طرح اپنی رضا دینے کے قابل نہیں یقیناً عام حالات میں شریعت کے نزدیک پسندیدہ نہیں، لیکن خاص حالات میں یہی بہترین مصلحت ہوتا ہے، اور اس لیے اسکی گنجائش پوری طرح رکھ دی گئی۔ یا اسی طرح کے اور بہت سے مسائل ہیں۔ خود یہ نظام جاگیرداری و تعلقداری جو ہر طرف پھیلا ہوا ہے، اسلام کی اصل روح کے مطابق کب ہے! لیکن ضرورتمندی کی تاویلوں سے اسکے بہت سے پہلوؤں کے لیے گنجائش نفس جواز کی نکال ہی لی گئی ہے۔ حلالہ کے لیے جو وعید حدیث میں آئی ہے، سب کو معلوم ہے، باوجود اسکے ضرورت کے موقع پر قانون اسلام میں گنجائش اسکی بھی رکھ دی گئی ہے۔ بس اسی قسم کے مسائل میں سے اگر حلالہ سے یقیناً ہلکے درجے پر اس مسئلہ وقف علی الاولاد کو بھی سمجھ لیجیے۔

دونوں سوالات کے جوابات مختصراً، سرسری عرض کر دیے گئے۔ اہل علم صدق خوانوں میں سے کوئی صاحب اگر تفصیل سے لکھنا چاہیں (اور جوابات کی امید خواہ تر دید میں) انکے لیے صدق کے صفحات حاضر ہیں۔

ٹڈیوں سے جنگ

"لندن ۲۰ ستمبر ۱۹ء۔ جو بین الاقوامی ٹڈی مارچ روس کی جنوبی سرحد سے لیکر حبشہ (افریقہ) تک شروع ہوئی ہے، اس سلسلہ میں تازہ اطلاع یہ ہے کہ ایک بڑی تعداد میں برطانوی سپاہ سلطان ابن سعود کی مملکت میں تعینات کی گئی ہے، تاکہ ٹڈیوں کی پیدائش کی جگہوں پر چھاپے مار کر آئندہ سال کے لیے مشرق وسطیٰ کو ٹڈیوں کی تاخت سے محفوظ کر دے۔" (رائٹر)

اللہ اللہ رے انسان کی بے بسی! اللہ کی ننھی سی مخلوق کی بھی بھلا انسان کے مقابلہ میں کوئی بساط ہے؟ اس سے بچنے کے لیے کیا کچھ تیاریاں کرنی پڑتی ہیں! کیسے کچھ انتظامات درکار ہوتے ہیں! جنوبی روس سے لیکر حبش تک بین الاقوامی مہم! معاذ اللہ، ایک سلطنت یا ایک ملک بھی نہیں۔ سلطنتوں پر سلطنتیں مل کر، کئی کئی بادشاہتیں یکجا کرکے، باقاعدہ فوج کے ذریعہ سے حملے کرتی ہیں، اور پھر بھی کامیابی یقینی نہیں!— جنود الٰہی (اللہ کے لشکروں) کی گنتی کون آج تک کر سکا ہے!

متکلمین کی راہ

"امام اشعری مخالفین کی مجلسوں میں خود بھی

نئی کتابیں

(۱) طلوعِ سحر - از جناب گویا جہان آبادی۔ صفحات ۱۱۸ ملنے کا پتہ، نظامی پریس، بک ایجنسی بدایوں یا شبستان بک ڈپو [illegible] الٰہ آباد۔

اس وقت شاعری کی جو گرم بازاری ہے اور ہر روز نئے نئے (جن کو کوئی نہیں پوچھتا) جس طرح صاحبِ دیوان شاعر ہوتا جا رہا ہے۔ اسکے جدو [illegible] فیصلہ دشوار ہو گیا ہے کہ تعداد شعر کہنے والوں کی زیادہ ہے یا شعر سننے والوں کی۔ لیکن حقیقت یہ ہے کہ سننے کے قابل جن شاعروں کا کلام ہے وہ آج بھی بہت تھوڑے ہیں۔ اور ان چند میں ایک سید مشتاق حسین گویا جہان آبادی ہیں۔ شہرت کے اسباب دوسرے ہوتے ہیں، کچھ ان میں سے اختیاری ہیں کچھ غیر اختیاری۔ لیکن جو اختیاری ہیں گویا صاحب انکے اختیار کرنے سے بھی عاری ہیں۔

گویا کی شاعری حکیمانہ شاعری ہے عارفانہ شاعری ہے مجاہدانہ شاعری ہے۔ وہ اقبال کی جلائی ہوئی شمع کو روشن رکھے ہوئے ہیں۔

طلوعِ سحر کے عنوانات جلی آٹھ ہیں۔ پہلا عنوان ہے لا الٰہ الا اللہ۔ اور اسکے تحت میں کوئی ۳۰-۳۵ نظمیں ہیں۔ موجِ تسنیم، سجدہ، مقامِ جنگی، اذان، سلطانِ نظر، چند تو ان عنوانات ہیں۔ دوسرا باب محمد رسول اللہ ہے۔ اسکے ماتحت بھی کوئی ۳۰ نظمیں ہیں۔ اس قسم کے عنوانات سے، ماہ دہنیہ، جلوۂ معراج، کوثرِ رحمت، فاتحِ خیبر، تفسیرِ حیات وغیرہ۔ تیسرا مختصر باب انشراحِ دل ہے۔ اس میں تو دو سرود کے زیرِ عنوان غزلیں بھی ہیں۔ چوتھا باب مطالعۂ فطرت ہے۔ اسکے ماتحت چند عنوان اشرفیں، انسان، دل، مطالعہ، تقدیر، میرا مذہب۔ پانچواں باب (ملے بیداری) ہے۔ اسکے ماتحت بھی کوئی ۳۰ نظمیں اس قسم کی سرخیوں سے ہیں، طلوعِ سحر، نوائے مست، پریشانی، رہا عمل وغیرہ۔ چھٹا باب بہت مختصر [illegible] ہے اور اس میں صرف رباعیاں ہیں۔ ساتواں باب نقوشِ منظر کے عنوان سے ہے۔ اور آٹھواں باب [illegible] اس میں زیادہ حصہ غزلیات کا ہے۔ آخر میں [illegible] ایک تمہید ہے۔

بہ حیثیت اس دیوان کے صفحہ صفحہ سے ظاہر ہے۔ کلام کا بیشتر حصہ اقبالیت کی روح میں ڈوبا ہوا ہے۔ لیکن انفرادیت ہر جگہ گویا کی جھلک رہی ہے۔ بعض غزلوں پر کلامِ اصغر کا دھوکا ہوتا ہے۔ پُرجوش نظموں میں ایک خاص قسم کا عسکری انداز ہے۔ وہاں یہ محسوس ہوتا ہے کہ گویا [illegible] بیٹھے مناجات میں مصروف ہیں۔ ایسا محسوس ہوتا ہے کہ فوجی بگل کی آواز پر گویا غازیوں کے دستے کے آگے آگے رجز پڑھتے ہوئے چلے جا رہے ہیں۔ اپنے قدم بڑھاتے جاتے ہیں اور اپنے ساتھیوں کے دل۔

[illegible] کے آخر میں لفظ "قائم مقام" کی صحت نظر کو کھٹکی۔ باب دوم میں منقبتوں کے ضمن میں بعض عقائد میں غلو بھی افسوسناک حد تک نظر آیا۔ مسلکِ اہلِ سنت اس افراط و تفریط سے تنفّر رہا کرتا ہے۔ بہرحال کلام کسی مبتدی کا نہیں صرف ایک اچھے شاعر کا ہے۔

(۲) مقالاتِ محمد علی: - مرتبہ سید رئیس احمد جعفری ندوی

[illegible] صفحے - مجلد - قیمت پانچ روپے - ادارۂ اشاعتِ اردو - عابد روڈ حیدرآباد دکن

محمد علی —— زباں پہ بارِ خدایا یہ کس کا نام آیا! —— کے مقالات و مضامین دیکھنے کو آنکھیں مدت سے ترسی ہوئی تھیں۔ مسعود صاحب جامعی کے شائع کیے ہوئے مضامینِ محمد علی کے باوجود۔ شکر ہے کہ دکن کے ادارۂ اشاعتِ اردو کو اس طرف توجہ ہوئی۔ اور اس نے اس کام کے لیے دوڑ دھوپ شروع کی۔ مولانا محمد علی کے سوانح نگار، سیرتِ محمد علی کے مشہور (اور مشہور سے زیادہ بدنام) مصنف مولوی رئیس احمد جعفری ندوی جامعی کو اور انکے ہاتھوں یہ کام کرا ڈالا۔ محمد علی کا [illegible] ایک ادھ یادیں ہیں۔ [illegible] جمع کر لایا جائے تو مجلد وار [illegible] جلدیں ہوتی چلی جائیں۔ اور صفحات کا شمار سیکڑوں سے کہیں آگے بڑھ کر ہزاروں تک ہو جائے۔ (انگریزی مضامین سے کوئی بحث ہی نہیں)۔ مکتبہ جامعہ نے یقیناً ایک بڑا کام کیا جو دو جلدیں مضامین کی شائع کرا دیں۔ لیکن پھر بھی بہت کچھ باقی رہ گیا تھا۔ اور اب اس کام کو مولوی رئیس احمد جعفری نے ہاتھ لگایا ہے۔

یہ اس سلسلہ کی پہلی کڑی ہے۔ اور خوشخبری یہ ہے کہ ابھی کم از کم دو جلدیں اور نکلیں گی۔ اور عجب نہیں کہ تین ہو جائیں۔ [illegible] بکھرے ہوئے ان موتیوں کو سمیٹنا کوئی بہت آسان کام نہ تھا۔ [illegible] کے لیے محنت اچھی خاصی تھی۔ لیکن رئیس احمد کے لیے یقین ہے کہ یہ محنت جبر کے بجائے ذوق کی شکل میں تبدیل ہو کر رہی ہوگی۔ اور جو کام دوسرے شاید رو رو کر کرتے، وہ انھوں نے ہنستے کھیلتے کر ڈالا ہوگا۔ اور حصہ اول کی ابتدا بالکل صحیح طور پر اقبال کے بارہ اشعار سے ہوئی ہے

من کہ بہر دیگراں سوزم چو شمع — بزم خود را گریہ آموزم چو شمع

....

من مثالِ لالۂ صحرا ستم — در میانِ محفلے تنہا ستم

فہرستِ مضامین کے بعد ہی مرتب کے قلم سے دیباچہ ۲۰ صفحہ کا بہت دلچسپ [illegible] اور اس میں ایک بات تو بڑے پتہ کی کہہ ڈالی گئی ہے۔ یعنی محمد علی ایک ہی وقت میں تاریخ ساز (ہسٹری میکر) بھی تھے۔ اور تاریخ نگار (ہسٹری رائٹر) بھی۔

"وہ طوفان خیز بحرِ بیکراں میں شناوری کے جوہر دکھاتا تھا اور پھر اسی طوفانِ بلاخیز کی لڑائی کی کہانی بھی سناتا تھا۔ وہ کام بھی کرتا تھا، اور روداد بھی لکھتا تھا۔ وہ تقریر بھی کرتا تھا اور جنگ بھی کرتا تھا۔ وہ صحیح معنوں میں نامہ نگار اور [illegible] بھی تھا [illegible] اور مؤرخ بھی تھا"

اور یہ بات بھی ڈنکے کی چوٹ سے بالکل صحیح کہی ہے کہ

"محمد علی تاریخ سازی میں اتنے محو رہے کہ تاریخ نگاری کی مہلت انہیں بہت کم ملی۔ پھر بھی انھوں نے لکھا اور بہت کافی لکھا۔ جو کچھ لکھا اُسکا عطر اور خلاصہ آپ کے ہاتھوں میں پیش ہے۔"

یوم فاروقؓ

حیدرآباد دکن - ۲۲ دسمبر - نواب نیروز یار جنگ بہادر کی ڈیوڑھی میں مجالس عشرۂ شریف کا آغاز ہو چکا ہے۔ روزانہ مجالس ٹھیک ۱۱ بجے سے شروع ہوتی ہیں۔ مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری نے دوران بیان میں فرمایا کہ یکم محرم الحرام یوم شہادت سیدنا عمرؓ ہے۔ آپ کے حالات پاکیزہ، آپ کی کما حقہٗ تعریف ناممکن ہے۔ آپ کی خدمات اسلامی مسلّم ہیں۔ آپ کا زہد و تقویٰ، آپ کی حق پرستی و صداقت اظہر من الشمس ہے۔ آپ اپنی حیات طیبہ میں حضور اکرمؐ کے ساتھ سفر و حضر میں سایہ کی طرح رہے۔ بعد شہادت حضورؐ ہی کے قدموں میں آرام کی نیند سو رہے ہیں۔ آپؓ "سراج اہل الجنۃ" (یعنی جنتیوں کے چراغ) ہیں۔ آپ کی مختصر اور جامع تعریف یہ ہے کہ حضور اکرمؐ دعائے ابراہیم علیہ السلام ہیں تو سیدنا عمرؓ دعائے نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والتسلیم۔ (ز۔ ہیرو دکن)

کے لیے مسلم لڑکیوں کا جیش تیار کر لیا جائے، تو اس پر کسی کو اعتراض نہیں ہو سکتا۔ بلکہ یہ بہت ضروری ہے۔ لیکن کراچی سے جو خبر موصول ہوئی ہے، اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ مسلمان لڑکیاں پردہ میں نہیں بلکہ منظر عام پر کھڑی تھیں۔ اگر ہمارا یہ خیال صحیح نہیں تو لیگ کے کارکنوں کو اس کی تردید کر کے اصل حالات بتانے چاہییں۔

ہم جانتے ہیں کہ قائد اعظم عمر بھر ایسی فضاؤں میں رہے ہیں جن میں پردہ بے لحاظ تھا۔ اس کے علاوہ بعض "ترقی یافتہ" مسلم خاندانوں میں اب بے پردگی تیسری پشت تک پہنچ چکی ہے۔ لیکن اس "انفرادی" چیز کو مسلمانوں میں "عام چیز" بنانے کی کوشش سخت قابل اعتراض ہے۔

مسلم عامۃ الناس جن کے دلوں میں اب تک دین اسلام، معاشرت اسلامی اور حیا داری اسلامی کا احساس باقی ہے، اس قسم کے نظاروں کو سخت نفرت کی نگاہ سے دیکھتے ہیں۔ مبادا یہ چیز مسلم لیگ کو نقصان پہنچائے۔ (انقلاب)

پہلا اقدام
(امتناع ذبح گاؤ کے سلسلہ میں)

پٹنہ - ۲۳ - دسمبر - کل شام کو ایک نوٹس شائع ہوا ہے۔ جو مظہر تھا کہ حکومت بہار نے ۱۰ دسمبر سے بھینس اور مادہ گائے کے ذبح کیے جانے کو ممنوع قرار دیا ہے۔ اس حکم سے وہ ذبیحے مستثنیٰ ہیں جو خالص مذہبی ضروریات کی بنا پر ہوں۔ اسی طرح ہل یا گاڑیوں میں کام آنے والے مویشیوں کو دس برس سے کم عمر میں ذبح کرنا ممنوع قرار دیا ہے۔ اور دس برس سے کم عمر کی بچھڑا بچھڑی کے ذبح کیے جانے کی بھی ممانعت کی گئی ہے۔ احکام کی خلاف ورزی کرنے والے کو تین برس کی سزا یا جرمانہ یا دونوں سزائیں دی جائیں گی۔ اور وہ لوگ بھی مستوجب سزا ہوں گے جو مذکورہ بالا مویشیوں کو ذبح کرائیں گے یا ذبح کرانے کے لیے پیش کریں گے۔ (ایسوسی ایٹڈ پریس)

تعلیماتِ اشرفیہ منظوم
(از حضرت مجذوب مرحوم)

(۱)

کر نفس کا مقابلہ یوں بار بار تو — سو مرتبہ بھی ہار کے ہمت نہ ہار تو
اسکو پچھاڑ کر بھی نہ چھوڑا ہوا سمجھ — ہر وقت اس خبیث سے رہ ہوشیار تو

(۲)

جو ناکام ہوتا رہے عمر بھر بھی — بہر حال کوشش تو عاشق نہ چھوڑے
یہ رشتہ محبت کا قائم ہی رکھے — جو سو بار ٹوٹے تو سو بار جوڑے

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

ایک غلطی کی اصلاح

مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کی مجلس نصاب نے غلطی سے سجاد مرحوم کے مضامین کا مجموعہ "محشرِ خیال" بی۔اے کے نصاب میں داخل کر دیا تھا۔ اب یہ مجموعہ ارباب نظر کی طرف سے بروقت تنبیہ پر خارج کر دیا گیا ہے۔ نواب صدر یار جنگ بہادر مولانا حبیب الرحمان خاں شروانی نے اس کتاب کے متعلق جو رائے دی تھی وہ مولانا عبدالماجد دریابادی کے نوٹ کے ساتھ اس رسالہ میں "صدق" سے لیکر شریک اشاعت ہے۔

ہماری سمجھ میں نہ آیا کہ مجلس نصاب نے "محشرِ خیال" کو کیا سمجھ کر شریک نصاب کیا تھا۔ کتاب کی سب سے بڑی خرابی مرحوم سجاد کی ناپختگی اور لغزش ہے جو کتاب کے ہر صفحہ میں اس قدر واضح ہے کہ کسی کو اسکے متعلق دھوکا ہو سکنے کی کوئی راہ نہیں ہے۔ مذہبی مباحث سے (جنکو ہماری تعلیم میں یقیناً اہم مقام ملنا چاہیے) اگر قطع نظر بھی کر لیا جائے پھر بھی یہ کتاب ایک قسم کی "لفاظی" کا دلدل بنکے سوا کیا رہتی ہے۔ خالص ادبی نقطۂ نظر سے "محشرِ خیال" کوئی قابل فخر کارنامہ نہیں، اور مصنف کے نصب العین پر نظر کیجیے تو بے اختیار ہنسی آجاتی ہے۔ مرحوم سجاد نے جوش ملیح آبادی کی کتاب "روحِ ادب" پر تنقید کرتے ہوئے لکھا ہے:

"بندش کی دل آویزیوں سے محروم طرزِ ادا کی جدتوں سے بے بہرہ"

خود انکی کتاب ان صفات سے کس حد تک متصف ہے، اسکا اندازہ ہر اُس شخص کو پوری طرح ہے جس نے کبھی یہ کتاب دیکھی ہو۔ اسی طرح انکا مقصد تحریر جو انکی کتاب سے ظاہر ہے صرف "انشا پردازی" ہے جس میں وہ بُری طرح ناکام رہے۔ شاید موت نے فرصت نہ دی کہ وہ کامیاب ہو سکتے۔ سجاد انکے سب سے بڑے مداح پروفیسر خواجہ منظور حسین کی زبان میں "ادب برائے ادب" کے نظریہ کی پیداوار ہیں، انکے مذہب میں سب سے بڑا گناہ بدمذاقی ہے۔ عوام یا انکے الفاظ میں "ناشناسان راز سے کوئی سروکار نہیں رکھنا چاہیے" اور خوش مذاقی کیا ہے، "جمالیاتی ذوق اور حسن و حسن سے بغیر کسی قید و ضابطہ کے زیادہ سے زیادہ استفادہ"

اس مجموعہ کی اشاعت ہی ایک بے معنی کام تھا۔ چہ جائیکہ اسے کسی یونیورسٹی کے نصاب امتحان میں شریک کرنا۔ ہم اس غلطی کی بروقت اصلاح پر مولانا شروانی، پروفیسر رشید احمد اور خواجہ منظور حسین کو مبارکباد دیتے ہیں اور امید کرتے ہیں کہ آئندہ پھر کبھی ایسی غلطی نہ ہوگی۔

(پیامِ ادب۔ حیدرآباد)

نمبر ۳۷ | دوشنبہ - ۵ - صفر المظفر ۱۳۶۳ھ مطابق ۳۱ - جنوری ۱۹۴۴ء | جلد ۹

سچی باتیں

(از عبد الماجد)

۱۸- دسمبر ۱۹۲۳ء - لکھنؤ - مدت دراز کے بعد آج انگریزی عدالت میں جانے کا اتفاق ہوا ہے - گواہ یا فریق یا پیروکار کی حیثیت سے نہیں، محض تماشائی کی حیثیت سے - —— عبرت کا تماشہ بھی تماشہ ہی ہوتا ہے - —— عدالت سشن جج کی ہے - حاکم عدالت انگریز ہے - مقدمہ خون کا درپیش ہے - آج سے نہیں، مہینوں سے چل رہا ہے - آج مستغیث کے بیرسٹر کی تقریر شروع ہو رہی ہے - صفائی کے ایڈوکیٹ کی تقریر ختم ہو چکی ہے - کئی دن تک جاری رہی تھی - آج سے اسکا جواب شروع ہو رہا ہے - تماشائیوں کے ٹھٹ کے ٹھٹ لگے ہوئے - عدالت، فوجداری عدالت کی فضا ہیبت و دہشت کی ہوتی ہے - اسکے باوجود بھی اچھی خاصی چہل پہل، کمرۂ عدالت کے اندر بھی کمرے کے باہر بھی - تقریر آج ثبوت جرم کی ہے - الزام یہ ہے کہ ملزم نے اپنی حسین نو عمر خادمہ کو اس بیدردی سے مارا پیٹا کہ وہ ختم ہو گئی - اور اسکے بعد فلاں فلاں کی اعانت و شرکت سے اسکی لاش اور ثبوت جرم کی ساری شہادتوں کو چھپا ڈالا -

---

جج اور جوری، وکیلوں بیرسٹروں کو چھوڑیے - عام تماشائیوں عدالت کے ادنی اہلکاروں، چپراسیوں، پولیس کے سپاہیوں تک، ان میں سے ہر شخص اسوقت کسی حد تک معزز ہے، مطمئن ہے، اپنی عزت کو محفوظ پاتا ہے، اور اپنے دل میں کسی نہ کسی درجے میں اطمینان - مجمع بھر میں صرف ایک شخص بے حد مضطرب ہے - اسوقت سب سے زیادہ بے عزت، سب سے

دکلاء، پلیس اور بیچارہ ملزم غریب ہے - سوال اُسکے قصوروار ہونے یا نہ ہونے کا یہاں بالکل نہیں، ذکر صرف اُسکی بیکسی و بیچارگی کا ہے - یہ ملزم آپ سمجھے کون ہے؟ ملزم کے کٹہرے میں کھڑا ہوا آپ کو معلوم ہے کون ہے؟ کوئی "ادنی" طبقے کا جرائم پیشہ نہیں، صوبے کا ایک اعلی و معزز تعلیم یافتہ مسلم عہدہ دار، آئی سی ایس - مدتوں [illegible] اور عین گرفتاری کے وقت تک یو پی گورنمنٹ کے ایک مستقل محکمے کا سکرٹری! وہ، دفتروں کے انتظام میں افسر! جو ابھی کل تک کرسی عدالت پر بیٹھا ہوا چوروں اور ڈاکوؤں، خونیوں اور قاتلوں کے فیصلے کر رہا تھا آج خود ہی خونیوں اور قاتلوں کے کٹہرے میں کھڑا ہوا اپنی قسمت کا فیصلہ سننے کے انتظار میں ہے! —— کرسی نہ سہی، اُسکے اعزاز کے مد نظر، کٹہرے میں بچھا دی گئی ہے، لیکن اُسکا مضطرب دل اُسے بیٹھنے دیتا کب ہے؟ کٹہرے اُسکے قیدیوں اور حوالاتیوں کے نہیں، اپنے ذاتی ہیں، لیکن جسکی جان سولی پر رکھی ہو، اُسے یہ سوٹ بوٹ کیا تسلی دے سکتے ہیں؟ وہ جس نظر سے ایک ایک کی طرف دیکھ رہا ہے، جس انداز سے سرکاری ایڈوکیٹ کے ایک ایک لفظ کی طرف کان لگائے ہوئے ہے، وہ خود ایک درس عبرت ہے، ہر ذہنی تقصیر سے، ہر خیالی افسانے سے کہیں بڑھ کر!

مقدمہ کا پھر کیا انجام ہوا؟ جج نے فیصلہ کیا کیا؟ اور اپیل میں کیا ہوا؟ ان سارے قصوں سے بحث نہ صدق نگار کو، نہ [illegible] کو - جاہ و منصب کے حریصو، جاہ و منصب کی بے ثباتی، اعزاز و حکومت کی ناپائداری، اسی دنیا میں، اپنی آنکھوں سے دیکھ لی؟

بیک گردش چرخ نیلوفری
نہ نادر بجا ماند نے نادری

جس نے یہ شعر کہا، اُس نے شاعری نہیں کی، واللہ کہ صرف ایک حقیقت نظم کر دی۔ اور وہ "گردش چرخ" صرف ایک بار ہو کر کہیں رک تھوڑے ہی گئی۔ وہ تو ہر وقت ہر روز ہر آن ہوتی ہی رہتی ہے۔ زار روس اب کہاں ہیں؟ امیر امان اللہ خاں کا کیا حشر ہوا؟ "شیر ابالیہ" مسولینی اب کس عالم میں ہیں؟ فرانس کے نامور افسر اور جرمنی کے نامور جنرل، کیسی کیسی بیکسی کے ساتھ جان سے چکے ہیں، نام تو اٹھ چکے ہیں

تھے جو خود سر جہان میں مشہور — خاک میں مل گیا سب اُن کا غرور
گردش چرخ سے ہلاک ہوئے — استخوان تک بھی اُن کے خاک ہوئے

...... تماشے تو اسی عالم ناسوت کے ہیں۔ پھر حشر کی اصلی عدالت سو کس کے قلم میں قوت ہے کہ وہاں کے منظروں کا ہلکا سا نقشہ بھی کھینچ سکے! اور وہاں کے ملزموں اور مجرموں کی آپ بیتی کا کوئی حصہ بھی تصور میں لا سکے! ...... ہر نقش، نقش فانی بجز ایک نقش لا الٰہ الا اللہ کے!

ذات معبود جاودانی ہے — باقی جو کچھ کہ ہے وہ فانی ہے!

ہمارا آئندہ نصاب

مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی صدر شعبۂ دینیات جامعۂ عثمانیہ کی خدمت میں ایک نجی مکتوب میں کچھ معروضات مسلم یونیورسٹی کے نصاب دینیات کی اصولی تبدیلیوں سے متعلق پیش کیے گئے تھے۔ مولانا کا جواب (استدراک صحیح) برمحل اور جامع ہے کہ اس سے ناظرین کو محروم رکھنا اُن پر ظلم کرنا ہے۔ چند ناموں کو حذف کر لینے کے بعد بجنسہ درج ذیل ہے:—

"آپ نے علیگڈھ کی دینیات کے متعلق جن خیالات کا اظہار فرمایا ہے واقعات کی حد تک میں اس سے بالکل متفق ہوں، لیکن مسلم یونیورسٹی کے دینی سررشتہ کی باگ جب تک ...... کے ہاتھ میں ہے اور ...... زندہ ہیں، موجودہ حالات میں تغیر مشکل ہے۔ اصولاً تو خاکسار دینی اور دنیوی دو قسم کی مستقل تعلیم گاہوں ہی کا مخالف ہے، تعلیم میں ثنویت بالکل یورپ کی نئی چیز ہے، ورنہ ہمارے اسلاف میں ہر جگہ ایک ہی نظام تعلیم کو مسلمانوں نے ...... دینی اور دنیوی علوم دونوں کے لیے کافی خیال کیا تھا، ہمارے ملک کا درس نظامیہ دینیات کا نصاب سمجھا جاتا ہے، لیکن کیا واقع میں وہ دینیات کا نصاب تھا یا اس وقت ہے؟ چند ادبی و فنی متون کو اگر مستثنیٰ کر دیا جائے، تو لے دے کر دینیات کی دراصل کل تین کتابیں اس نصاب میں شریک تھیں، قرآن کے لیے جلالین، حدیث کے لیے مشکوٰۃ اور فقہ کے لیے ہدایہ کے اخیرین شرح وقایہ کے اولین کو عملی دینی تعلیم کے لیے ہمیشہ کافی خیال کیا گیا۔ اور میرا تو خیال اب بھی یہی ہے کہ ان تین کتابوں کی تعلیم اب بھی کافی ہے۔ دینیات کو صحیح طور پر سمجھنے اور سمجھانے کے لیے دراصل ضرورت ہے کہ غیر دینی علوم کے ذریعہ سے لوگوں کے دماغ میں پہلے بلندی پیدا کی جائے۔ ملا نظام الدین صاحب نے اسی مقصد کو پیش نظر رکھ کر اپنے نصاب میں بیسوں کتابیں معقولات کی یعنی صرف، نحو، منطق، فلسفہ، اقلیدس، ہیئت، حساب، ادبیات عربی و فارسی ان چیزوں سے دماغوں کو بنایا جاتا تھا۔ پھر دینیات (تفسیر، حدیث، فقہ) کی ایک ایک کتاب کا مطالعہ کرا دیا جاتا تھا، جو کافی ہوتا تھا، آج بھی ذہنی و ادبی علوم عصریہ کو قدیم عقلیات کی جگہ نصاب میں شریک کر کے پندرہ سولہ سال کی مدت میں دینیات کے اسی مختصر نصاب کو پھیلا کر اگر رکھ دیا جائے، تو میری یہ تجویز کہ مسلمانوں کو ایسی کوئی تعلیم ایسی نہ دلائی جائے جس میں دینیات کو وہی اہمیت حاصل نہ ہو جو ...... جو اہمیت ہر زمانے میں ہر ملک کے مسلمانوں نے اپنے تعلیمی نصاب میں دے رکھی تھی، بآسانی پوری کار آ سکتی ہے۔ دینیات کے نام سے مسلمان اگر اپنی تعلیم میں اس عنصر کے لزوم کا مطالبہ حکومت سے کریں، اور دینیات کے نصاب کو اس طریقے سے مرتب کریں، کہ دینیات کے لیے قرآنی عربی اور قرآنی عربی سے قریب کرنے کے لیے ابتدا میں اردو، قدیم فارسی و رما کے مبادیات تک قرآن، حدیث، فقہ کے متعلق ایک ایک کتاب تقسیم کر کے رکھ دی جائے۔ تو مسلمانوں کے سارے علمی و تعلیمی مشکلات خود بخود حل ہو جاتے ہیں۔ اُردو کے لزوم کا موقع بھی مل جاتا ہے، فارسی سے بھی مناسبت یوں ...... پیدا ہو جائیگی، اور براہ راست ہر تعلیم یافتہ مسلمان کو قرآن و حدیث و فقہ سے استفادہ کا موقع ہاتھ آ جائیگا۔ گو ظاہر ہے کہ ان نکات تک ہر شخص کو کھینچ کر لانا آسان نہیں ہے، بہت سے حضرات عربی اور اس کے مشکلات سے بھڑکے ہوئے ہیں۔ ہمارے مولویوں کو یہ مغالطہ ہے کہ دینیات کی تعلیم سلم و حمد اللہ و قطبی کے ساتھ تو جمع ہو سکتی ہے، لیکن مل کی منطق شکسپیر کے اشعار کے ساتھ اگر اسی دینیات کو جمع کیا جائیگا تو لوگ دہریے ہو جائیں گے۔ حالانکہ نہ یہ صحیح ہے نہ وہ صحیح ہے، جب تک اللہ کا کوئی بندہ ہر چیز سے دست بردار ہو کر اس راہ میں قدم نہ اٹھائے گا، تعلیم کا مسئلہ حل نہ ہوگا۔ آپ نے سچ لکھا ہے کہ مسلم یونیورسٹی میں اس وقت دینیات کے لیے ... اور ... جیسے اساتذہ کی ضرورت ہے، اور میں اس پر اتنا اضافہ اور کرتا ہوں کہ ...... اور اسی قسم کے لوگوں کی ضرورت ہے، جنھوں نے مغربی علوم و فنون سے اپنے دل و دماغ کو روشن کیا ہو، اور آخر میں اسی دماغ کے ساتھ مذہب کا مطالعہ صحیح نقطۂ نظر سے کیا ہو۔"

ایک فقہی سوال

ایک صاحب علم نے سوال ذیل بھیجا ہے:—

"کیا کاشتکار کو جائز ہے کہ وہ صاحب زمین کی زمین میں اشتراک عمل کے بعد زبردستی قابض ہو جائے اور اسکو اپنی ملکیت سمجھنے لگے! کیا شرکت مزارعت میں اصل مال صاحب مال ہی کا نہیں ہے؟ صاحب محنت کی شرکت تو صرف منافع میں ہونی چاہیے نہ کہ اصل شے میں؟ چنانچہ ایسے شخص کے بارے میں جو کسی کی مملوکہ شے پر قبضہ کر کے عدالت سے اپنے حق میں فیصلہ کرائے سخت وعید من غصبکم ان کہ ان الحق لمجتہدین بعض سے معلوم ہوتا ہے پس کیا اس حدیث کی روشنی میں دخیل کاری قبضہ غاصبانہ

(بقیہ صفحہ ۳)

گاتا ہے، قرآن مجید زبانی سناتا ہے، توحید پر لکچر دیتا ہے، لوگ اسکے اس حال اور قال دونوں سے متاثر ہو رہے ہیں، اور کہنے والا اس منظر کو دیکھ کر یہ کہہ اُٹھتا ہے کہ "سبحان اللہ! ایسی شراب اور ایسا نشہ بھی مبارک، جو بجائے ضلالت کے اور طاعت کی طرف لا رہا ہے"، تو کیا یہ کہنے والا شراب کی حلت کا فتویٰ دے رہا ہے؟ شراب کی حرمت کی تردید کر رہا ہے؟ لوگوں کو شراب نوشی کی دعوت دے رہا ہے؟ اللہ کے بندو، کبھی تو عقل و انصاف سے کام لو۔ وہ غریب تو دو اور دو چار کی طرح ایک سیدھی سی حقیقت بیان کر رہا ہے کہ معصیت بجائے خود یقیناً معصیت، لیکن کبھی کبھی وہ طاعت کی رہنما بن جاتی ہے۔ محمد علی لاہوری اور امیر علی مرحوم یقیناً مسلک حق سے بہت ہٹے ہوئے ہیں، لیکن کبا اس بنا پر جو علمی نفع اُنکی تحریروں سے ایک طبقہ کو پہونچ چکا، اور لوگ اسلام میں داخل ہو گئے، اُس سے انکار کر دیا جائیگا، اور مشاہدہ کو جھٹلا دیا جائیگا؟

خوف خدا کی قوت

"شفیلڈ (انگلستان) کے پادری ڈاکٹر ہنٹر ڈی ڈی نے حال ہی میں ایک خطبہ میں ارشاد فرمایا کہ سخت افسوس ہے کہ انسان کے بد چلنی کی زندگی بسر کرنے والے محرکات اب بہت زائد ہو گئے ہیں، وقت آگیا ہے کہ حکومت اس معاملہ پر غور کرے کہ آیا ان محرکات کا خاتمہ بھی ہو سکتا ہے یا نہیں"۔

لیکن حکومت ہی کے غور کرنے سے کہیں ان محرکات کا انسداد ہو سکتا، تو اب تک کبھی کا انسداد ہو چکا ہوتا! بجز خوف خدا کے اور دنیا کی کسی چیز میں بھی قوت نہیں جو زندگی کی روز افزوں محرکات بد چلنی کی روک تھام کر سکے۔

تعلیمات اشرفیہ منظوم

از حضرت مجذوب مرحوم

(۵)

سختی رہ سے نہ ڈر ہاں اک ذرا ہمت تو کر ‏ گامزن ہونا ہے مشکل راستہ مشکل نہیں
کام کو خود کام پہونچا دیتا ہے انجام تک ‏ ابتدا کرنا ہے مشکل انتہا مشکل نہیں

(۶)

دیکھ، تو آتشیں رخوں کو نہ دیکھ ‏ انکی جانب نہ آنکھ اُٹھا زنہار
دور ہی سے یہ کہہ! الٰہی خیر ‏ وقنا ربنا عذاب النار

(بقیہ صفحہ ۸)

سے دیکھنا ہرگز غیر مشروع نہیں ہو سکتا۔ مولانا گیلانی زیدت فیوضہم جیسے مستفتی کے لیے مفتی بھی لاثانی ہی ہو سکتا ہے۔ میں نے تو محض اولی الامر کے ارشاد کی تکمیل و تعمیل میں عجلۃً یہ نقوش زیر قلم کیے۔ انشاء اللہ کسی فرصت میں حتی الوسع زیادہ عرض کرونگا۔

(نوٹ) :- معلوم کر لینا ضروری ہے کہ میں نے مقامی اور ذرائع کی تقسیم میں لفظ مشروع استعمال کیا ہے، جسکا استعمال فرض، واجب سے لیکر مباح تک کو شامل ہونے کے قابل ہے۔ اس لیے مسئلہ کو ملاحظہ فرماتے ہوئے اس امر کا خاص لحاظ فرمالیں۔ واللہ اعلم

بناسپتی گھی

بناسپتی گھی کیا ہے؟ ہالینڈ کی ایک کمپنی نے کپاس کے بنولے تیل اور سرسوں وغیرہ کے تیلوں کو ملا کر اُس میں سے بھاپ کو دبا کے نیچے سے گزار کر یہ مصنوعی گھی تیار کیا ہے۔ بطور خوراک کے یہ گھی زہر قاتل ہے۔ اسکے کھانے والے کی طاقت رفتہ رفتہ کم ہوتی جاتی ہے۔ اور وہ مختلف بیماریوں کی آماجگاہ بن جاتا ہے۔ اس لیے جو لوگ اصل اور خالص گھی کے بجائے یا اُس میں ملا کر بناسپتی گھی فروخت کرتے ہیں، سخت ترین سزا کے مستحق ہیں۔ (راست گفتار - امرتسر)

نمبر ۳۹ | دوشنبہ ۔ ۱۹ ۔ صفر المظفر ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۴ ۔ فروری ۱۹۴۴ء | جلد ۹

کلام کی رفتار ۔ اُردو ترجمہ وتفسیر کا کام بحمداللہ اپنی معمولی رفتار سے جاری ہے ۔ ترجمے کا کام نسبۃً بہت آسان ہے ۔ آسان ان معنوں میں کہ مولانا تھانویؒ کے ترجمے نے بہت آسان بنا دیا ہے ۔ بہت بڑی حد تک بس اُسی کو نقل کر دینا کافی ہو رہا ہے ۔ تفسیری دشواریاں بھی بڑی حد تک کہنا چاہیے کہ ۹۰ فی صدی اُسی بابرکت قلم سے نکلی ہوئی بیان القرآن کی بدولت حل ہو رہی ہیں ۔ عقائد احکام نحو وغیرہ کے باب میں کسی جدید محنت کی گویا ضرورت ہی نہیں ۔ البتہ تاریخ ، جغرافیہ اور کلام کے ایک خاصے حصے میں یہ قبول کرنا پڑ رہی ہے ۔ پہلا مسودہ قلم برداشتہ تقریباً ۲۵ پاروں تک پہنچ چکا ہے ۔ اور اللہ کا فضل شامل حال رہا ، تو ان شاء اللہ جلد ہی مہینہ میں تیسوں پارے ہو جائیں گے ۔ لیکن یہ بالکل پہلا مسودہ ہے ۔ کثرت سے مقامات اس میں قصداً چھوڑے جا رہے ہیں ۔ نظرثانی میں بڑا وقت لگے گا ۔ ختم پر خیال ہے کہ تین جلدیں ، دس دس پاروں کی کر دی جائیں ۔ پہلی جلد نسبۃً ضخیم ہوگی ۔

عربی تفسیروں میں تفسیر قرطبی (احکام القرآن) کے مکمل کیا معنی ، نیم مکمل بھی نہ ملنے سے بڑا ہرج ہو رہا ہے ۔ تفسیر روح المعانی کا بھی نسخہ ذاتی ملک نہیں ، اس لیے اس سے بھی استفادہ میں خاصی رکاوٹیں پڑتی رہتی ہیں ۔ ذاتی نسخے کی خریداری کی ضرورت اور اس کی تلاش برابر جاری ہے ۔

انگریزی کا پارۂ دوم ابھی تک بدستور معلق ہے ۔ اور تاج کمپنی کے ناظم اعلیٰ شیخ عنایت اللہ صاحب کاغذ کی تلاش میں بدستور سرگرداں ہیں ۔

امداد واعانت کے سلسلہ میں ایک مخلص مقیم پٹیالہ کی طرف سے برابر توجہ ہوتی رہتی ہے ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ ۔ قسط ابھی حال میں وصول ہوئی تھی انگریزی پارۂ اول کی ۱۲۵ کاپیاں ایک صاحب ہمت خرید کر کے تقسیم کر چکے ہیں ۔ اسے تبلیغ کی بہترین صورت سمجھتے ہیں ۔ اسکا ذکر غالباً عرصہ ہوا ، پہلے بھی آ چکا ہے ۔

سرمۂ بصیرت نواب غلام احمد صاحب کلامی جنوبی ہند کے مشہور و معروف ۔ ۔ ۔ قوم اور دین وملت کے بڑے پرانے خادم ، اکابر ۔ ۔ ۔ علمائے ندوہ وغیرہ کی ہر تحریک میں پیش پیش ۔ ماشاء اللہ ۔ ۔ ۔ ۔ سال کی عمر میں ، حرارت قلبی جوانوں کا جوش وہمت رکھتے ہیں ، اپنے ایک تازہ والا نامہ میں لکھتے ہیں :-

" یہ ناچیز بوجہ اس بڑھاپے اور ضعف بصارت کے ۔ ۔ ۔ کبھی سینما فلم دیکھ لیا کرتا ہے ۔ کیونکہ تماشا گاہ عالم میں اسکے ذریعہ سے بیرونی دنیا کی جھلک نظر آ جاتی ہیں ۔ اہل بصیرت چاہیں تو اپنی آنکھوں سے اچھا کام لے سکتے ہیں ۔ جو فی الحقیقت دل کے اندھے ہیں وہ اندھے ہی رہیں گے "

جہاں اسلامی حکومت قائم ہے اور مقصد ، ذریعہ سب کے ایک ایک جزئیہ پر شریعت کا احتساب قائم ہے ، ذکر وہاں کا نہیں ۔ سوال ہندوستان جیسے ملک کا ہے ۔ یہاں جو نوجوان لڑکے سینما جاتے ہیں اس غرض سے ہیں کہ کچھ دیر کے لیے تلذذ جنسی و حظ نفس حاصل کر کے اپنی زندگی اور اپنے اخلاق کو تباہ کریں ، انکی اور اس مرض کی ۔ ۔ ۔ ۔ سینما بینی دونوں ایک حکم میں رکھی جائیں گی ؟ تلک اذاً قسمۃ ضیزیٰ ۔

ایک اور مجرم مولانا ابوالاعلیٰ مودودی کی ایک تازہ تقریر کا اقتباس

" ہمیں اہل قلم کا ایک ایسا لشکر تیار کرنا چاہیے جو علوم وفنون اور آداب کے ہر شعبہ پر نظام حاضر پر حملہ آور ہو سکے ۔ کچھ سیاسی مفکر ہوں ، کچھ معاشی ماہرین ہوں ، کچھ علماء قانون کی ضرورت ہے ۔ ۔ ۔ کچھ اخلاق ونفسیات

فرق و تفاوت روزمرہ کا مشاہدہ ہے، تو لازمی ہے کہ فلسفہ کے نظریات میں کثرت
سے ہوں اور ایک دوسرے کے مخالف۔ عقل انسانی، بڑی سے بڑی اور تیز سے تیز
بھی ناپختہ ہے اور اس لیے وہ بار بار اور ہر زمانی تغیر کے ساتھ تبدیل ہوتی
رہتی ہے۔ مصر کا فلسفہ کچھ تھا، ہند کا کچھ اور، یونان کے فلسفیانہ نظریات
کچھ تھے، یورپ کے نظریات کچھ اور۔ پھر ایک ہی ملک اور ایک ہی
وقت کے سارے حکیم کب متحد ہوتے ہیں۔ ارسطو افلاطون کا شاگرد بھی تھا اور
معاصر بھی، لیکن شاگردی کے باوجود جب خود استادی کے مرتبہ پر پہنچا،
تو افلاطونیت کا قلع قمع ہی کر ڈالا۔ رواقیہ (Stoics) اور لذتیہ
(Epicureans) ایک ہی عہد میں تھے، مگر ایک دوسرے کے
دشمن۔ ڈیکارٹ نے اپنی راہ ہی بیکن سے الگ نکالی۔ آج حکمائے جرمنی
کو حکمائے روس سے کیا مناسبت ہے، نتائج اور مقدمات و مباحث کا ذکر
نہیں، مقدمات اور اصول اولیہ (First Principles) تک
بڑے بڑے فلسفیوں کے الگ الگ ہوتے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ شروع سے اب تک
جتنا رسالہ اور مذہب فلسفہ کے دنیا میں رہ شمار ہو چکے ہیں۔ یقین نہ ہو
تو تاریخ فلسفہ کی کوئی سی بھی چھوٹی بڑی مفصل کتاب ملاحظہ کر لی جائے۔

تصوف کا دار فلسفہ سے بہت زیادہ ہوا ہے۔ تصوف اگر مذہب
کے ماتحت اور اسی کی شاخ اعلیٰ کا نام ہے، تو اسکے حوالہ سے گفتگو ابھی آگے
آتی ہے۔ لیکن اگر مذہب سے بے تعلق خود کوئی مستقل شے ہے، تو یا تو محض علمی و
منطقی شعبدہ بازی، الٰہیات و نفسیات کی قسم سے ہے، اور یا اگر کسی علمی اساس
میں ہے، تو محض فلسفہ کی کوئی شاخ ہے۔ پھر اختلاف و تضاد کی بیماری بھی
فلسفہ والوں کی طرح کوئی حد نہیں۔ ہر گروہ کے چیلے سندیں اسی کی لائینگے،
اور دوسرے کو جھٹلائیں گے۔ رہ گئی "روحانیات"، یا جو ہر ایک پر کچھ لزم ہو
قدیم کہانت سے ملتی جلتی ایک چیز ہے۔ تو اول تو اس نو پیدا علم کی ابھی بساط
ہی کیا، دوسرے حقیقت رسی کا دعوے بھی اسکے ماہرین کو نہیں۔ یہ تو بس
دوسرے مادی و دنیوی علوم کی طرح، فطرت کے چند مظاہر و ظواہر
(Phenomena) اور انکی وقتی کیفیات ہی کو اپنا موضوع گفتگو رکھتا
ہے۔ اور ظواہر سے اتر کر حقائق کی گہرائی تک جانے کا دعویٰ بھی نہیں رکھتا۔
یہ دعوے تو صرف مذہب کا ہے۔

غرض ان سب کو حذف کر دینے کے بعد سوال صرف مذہب سے متعلق
رہ جاتا ہے، یا اسی تصوف سے متعلق جو مذہب ہی کی ایک اعلیٰ صورت
کا نام ہے۔ لیکن مذہب سے بھی ظاہر ہے کہ ہر مذہب مراد نہیں ہو سکتا۔ ہر
وہ چیز مراد نہیں ہو سکتی جو اپنے کو مذہب کے نام سے پکارتی ہے۔ مذہب سے
مراد صرف مذہب صحیح ہے ——— سکہ کا لفظ جب مطلق صورت میں بولا جائیگا
مراد رائج الوقت کھرے سکہ سے ہوگی، اشوک یا بکرماجیت کے وقت کا
سکہ مراد نہ ہوگا، اور نہ آج کل کا بھی کھوٹا جعلی سکہ جو کہیں چل نہ سکے ——
یہی مذہب کا اطلاق از روئے لغت جس جس چیز پر بھی ہو سکتا ہو، موجودہ
سیاق میں مراد دین اسلام ہی سے ہوگی، جیسے از رفعت محمد و محصور ہے۔
مگر کسی کو اس میں کلام ہے، اور وہ حق کو دائر سمجھ رہا ہے، تمام نام نہاد
مذہبوں کے درمیان، تو وہ اس گفتگو کا مخاطب نہیں۔ پہلے اسے اس عقیدہ
اور اس مرکزی نقطے پر لایا جائیگا، جب کلام کا سلسلہ آگے بڑھیگا۔

تو اب سوال کا خلاصہ چھانٹ چھنٹا کر صرف یہ رہ گیا، کہ موت کی حقیقت
از روئے اسلام یا سائل کے مذاق کی مناسبت سے از روئے تصوف اسلام کیا
ہے؟ کیفیات ما بعد الموت لازمی طور پر کیا ہیں؟ مؤلم یعنی عذاب کا رنگ
رکھنے والی؟ یا لذیذ یعنی نعمت کا مزہ چکھانے والی؟ اور اب جواب
صاف و آسان ہے۔ چند سطروں میں آ سکتا ہے۔

موت اور زندگی کے درمیان جو تضاد نظر آتا ہے، وہ اسلامی نقطۂ نظر
سے صرف سطحی ہے، حقیقی اور بنیادی نہیں۔ یہ صحیح ہے کہ زندگی بھر ہم
سانس لیتے رہتے ہیں، موت کے وقت یہ رک جاتی ہے۔ جب تک زندہ رہیا،
جسم میں خون گردش کرتا رہتا ہے، جب مر جاتے ہیں تو یہ بند ہو جاتا ہے۔ لیکن
یہ زندگی کی صرف چند مظاہر ہیں، جو موت سے ختم ہو جاتی ہیں۔
لیکن نفسی زندگی، موت سے ختم نہیں ہو جاتی، بلکہ اور نشو و
نما پاتی ہے، اور ایک کامل تر صورت اختیار کر لیتی ہے۔ زمین میں دانہ
یا تخم ڈالا جاتا ہے، پھٹ کر یا پھوٹ کر بظاہر فنا ہو جاتا ہے۔ اور سطحی
نگاہ سے دیکھا جائے تو اسکی زندگی ختم ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ بڑے بڑے
درخت اور اونچے اونچے کھیت درحقیقت وہی تو ہیں، تخم ہی اپنی پوری
نشو و نما پا کر اب اپنی انتہائی مکمل صورت میں نمودار ہو گئے ہیں۔ تو موت جس
شے کا نام ہے، وہ زندگی ہی کے ظہور و تکمیل کا آخری نقطہ ہے۔ اور زندگی جس
طرز و نوعیت کی ہوگی، ٹھیک اسی طرز و نوعیت کی موت ہوگی ——— درخت
بیج سے الگ نہیں ہو سکتا، اور جو دانہ ڈالا جائیگا وہی پودا نکل آئیگا۔
پانی کی خود کوئی شکل نہیں ہوتی۔ جس ظرف میں اسے رکھا جائیگا، اسی
کے متناسب وضع اختیار کر لیگا۔ آئینہ تو خود کچھ نہیں دکھلاتا، جیسا عکس
اس میں ڈالا جائیگا، وہی رنگ وہی شکل وہ دکھائیگا۔ صوفیہ محققین
نے اسی مفہوم کو کثرت سے، اور بہ صراحت کے ساتھ بیان کیا ہے ؎

مرگ ہر کس اے پسر ہم رنگ اوست — آئینہ صافی یقیں ہم رنگ اوست
پیش ترک آئینہ را خوش رنگی ست — پیش زنگی آئینہ ہم زنگی ست

(مثنوی مولانائے روم۔ جلد ۳۔ جواب حمزہ رضی اللہ عنہ)

اور اس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ موت اصلاً کوئی خوف کی چیز نہیں۔ خوف
کی چیز تو یہ زندگی ہے جو غلط روی کے ساتھ گزاری جا رہی ہے۔ جیسا درخت
ہے، پتیاں بھی اسی قسم کی پیدا ہونگی ؎

اے کہ می ترسی زمرگ اندر فرار — آں ز خود ترسانی اے جاں ہوشدار
زشت روئے تست نے رخسار مرگ — جان تو ہمچو درخت و مرگ برگ

مذہب نے نفس موت کو بجائے خود ڈرانے کی چیز نہیں بتایا ہے۔ اور اس کی
ترجمانی صوفیہ محققین کرتے آئے ہیں۔ قرآن نے واقعہ موت کو محض بیہوشی
سے تعبیر کیا ہے۔ وجاءت سکرۃ الموت بالحق۔ یعنی یہ شعور و ہوش
(Consciousness) جو دنیا میں پیدا کرتا ہے اسکے سلب ہو جانے
کا نام موت ہے۔ جزئی اور عارضی طور پر اسکی سلب سونے کے وقت
بھی ہو جایا کرتی ہے۔ اور ہر شخص کا ذاتی تجربہ گواہ ہے کہ یہ بیہوشی بجائے خود

نیت اور عمل

(از مولانا عبد الرؤف صاحب نائب ناظم مدرسہ جودھا سے نگر ضلع بستی یو۔ پی)

(۲)

یہی حضرات فقہاء علامہ ابن القیم اخیر جلد میں قسم کی بحث میں تحریر فرماتے ہیں۔

کسی نے کہا فلاں شخص کے ساتھ تو کھا لو۔ اس نے کہا واللہ میں نہ کھاؤنگا پھر کچھ دیر بعد ساتھ کھا لیا تو حانث نہ ہوگا کیونکہ عرف و عادۃ اس وقت کے کھانے پر قسم ہوتی ہے نہ ہمیشہ کے لئے۔ گو لفظوں میں تصریح نہیں لیکن نیت و مقاصد یہی ہے۔

ایک شخص کہتا ہے کہ اگر میں کپڑا پہنوں یا کھانا کھاؤں یا عورت سے بات کروں تو میری بیوی پر طلاق ہے۔ اور نیت رکھتا ہے خاص کھانے خاص کپڑے خاص عورت کی تو ایسے حالات میں اگر وہ اس خاص کھانے اور خاص کپڑے کے علاوہ دوسرے کپڑے اور دوسرے کھانے کا استعمال کرتا ہے تو حانث نہ ہوگا اور اسکی بیوی مطلقہ نہ ہوگی۔

نیت کے سلسلہ میں یہی قول ہے امام شافعی، امام احمد، امام مالک کا، اور یہی ہے امام ابو یوسف کے نزدیک الغرض تخصیص، تعمیم، اطلاق، تقیید سب میں نیت کا اثر ہے۔

علامہ ابن القیم کا زریں ارشاد

حنفیہ کا مذہب بھی یہی ہے۔ کتاب الذخائر کی کتاب الایمان کی فصل ششم کو دیکھو جہاں مطلق قسموں کو نیتوں سے مقید کیا گیا ہے۔ پس نیت کا لحاظ کر کے فتوٰے دینا چاہیے نہ کہ لوگوں کے ارادوں کے خلاف ان پر احکام جاری کرتے رہیں۔

ابن عبد البر کی کتاب الکافی کے حوالے سے علامہ ابن القیم اس سے ذرا پہلے لکھ چکے ہیں جو یاد رکھنے کے قابل ہے کہ نیت کا لحاظ ضروری ہے اگر نیت کا کسی طرح پتہ چلتا ہی نہیں تو واقعہ کی اصلیت دیکھ لو کہ کس چیز نے اس عمل پر برانگیختہ کیا ہے، اسے دیکھو پھر اس وقت کے لوگوں کے عام مذاق کو دیکھو پھر حکم لگاؤ۔

اللہ اکبر۔ کس قدر احتیاط اور کس حد تک نیت کے لحاظ کی تاکید و شدت موجود ہے اور تمام مذکورۂ بالا صورتوں میں کس طرح وحدت معاملہ و وحدت عمل کے باوجود قصد و نیت کے بدل جانے سے حلال حرام اور حرام حلال ہو جاتا ہے۔

ان بزرگوں کے فیصلہ کی روشنی میں مولانا کا یہ عمل انکی اصلاحی و تبلیغی نیت کے پیش نظر بہت بڑی حد تک دیوبندی فتاویٰ کی رو سے بری ہے اور حسن نیت کا لحاظ کرتے ہوئے کیا عجب کہ ثواب بھی مرتب ہو۔

لیکن مولانا دریابادی مدظلہ نے معاملہ نیت کے محکوم کیے جانے پیچھے لگائے جانے کی ذلت پر نہیں اٹھا رکھا بلکہ صاف لفظوں میں اپنی اس نیت اور اپنے اس اقدام پر باعث کا بھی اظہار کر دیا تاکہ انکے منشا و مقصد

[illegible]

کو ان کی نیت یا کار ثواب بھی نہیں بنایا بلکہ اسکو مستحسن سمجھا نہیں بنایا اگرچہ اسے کیسے ہی پاک جذبہ اور مستحسن نیت کے تحت اختیار کیا گیا تھا۔

پس مولانا کے خلاف فتوے لگانے والے اپنی ذمہ داری کو پوری طرح محسوس کیے بغیر عام جلسوں میں بے تکلف شریک ہو جانے والے حضرات سے دردمندانہ اپیل ہے کہ کسی قدیم یا جدید معاصرانہ حسد و عداوت کو اس بارے میں راہ نہ دیں۔ انصاف و دیانتداری کے دامن تھامے رہیں اور تیز بین اجتہادی روشنی میں غور کریں اور بے سود یا بے تکی اور لایعنی فضول بحثوں سے احتراز اختیار کریں، اپنے اپنے نفوس کی اصلاح کے لیے وقت نکالیں۔ خود اپنا احتساب کریں کہ ہم اس عیب جوئی یا دوگوئی میں کیا خرید رہے ہیں اور یہ کہ یہ خود کونسی نیکی ہے؟

موت کا استقبال

(فلسفۂ مغرب کے ایک عالم کے قلم سے)

دنیا میں دو چیزیں ہیں۔ "لذت" و "الم"۔ "لذت" دنیا و ما فیہا سے بیگانگی کا پیش خیمہ ہی نہیں بلکہ خود فراموشی کا بھی باعث ہے۔ الم ادراک کی کنجی ہے۔ ہم کو اپنے کسی عضو کے موجود ہونے کا اس وقت تک احساس نہیں ہوتا جب تک اس میں درد نہ ہو۔ آنکھ کان سب کے ہوتے ہیں مگر کوئی بھول کر بھی خیال نہیں کرتا کہ وہ ہمارے جسم کا جزو ہیں۔ مگر جس وقت آنکھ یا کان میں درد ہو، اس وقت آنکھ یا کان کے وجود کا ادراک ہمارے ہمارے شعور پر چھا جاتا ہے۔ خدا کے ماننے والے بھی خدا کو اس وقت تک فراموش کیے رہتے ہیں جب تک کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہوں۔ اور صحیح معنی میں خدا کی یاد اور اسکے وجود کا عملی اقبال اسی وقت کرتے ہیں جب کسی مصیبت میں مبتلا نہ ہوں،

یا مبتلا ہونے کا اندیشہ ہو۔ "مبتلا ہونے کا اندیشہ" ذہن کو ایسی جلا بخشتا ہے کہ انسان بہتر سے بہتر تدابیر سوچ سکتا ہے۔ میرا مطالعہ اس کا شاہد ہے کہ "اندیشہ" جو الم ہی کی ایک شکل ہے، بہترین خیالات کا محرک ہوتا ہے۔ سوال بھی نفسیاتی نقطۂ نظر سے "الم" ہے اور اسکی پیہم گردش "علم شے" کا باعث ہوتی ہے۔ غرضکہ "الم" سے پہلی بار اور صحیح طور پر انسان کو اپنے وجود کا علم ہوتا ہے اور اپنے وجود کے علم کے ساتھ "زمان" کے علم تک پہونچتا ہے۔ یہی "الم" جب خارج میں کسی کو اپنا مستقر اختیار کرتا ہے تو ہم کو غیر ذات، خارج اور "مکان" کے علم تک پہونچاتا ہے۔ کانٹ کے نظام فلسفہ کے مطابق، علم کے ابتدائی دو دروازے یہی زمان مکان ہیں۔ اسکے ساتھ "الم فی الخارج" ہمدردی کا باعث ہوتا ہے جو سارے نظام اخلاق کا بنیادی پتھر ہے۔ الم کی سب سے زیادہ مہیب شکل موت ہے۔ مگر جب "الم" بجز بنا ہمیشہ کلید علم ثابت ہوا ہے تو کوئی وجہ نہیں کہ اسکا یہ آخری درجہ ہم کو حقائق اور علم کی اعلیٰ ترین منزل تک نہ پہونچا سکے اور اس لیے موت سے ڈرنے کے بجائے اسکے استقبال کے لیے ہمہ وقت تیار رہنا چاہیے۔ اور جس طرح ہم [illegible] کو نعمت صحیح سمجھ کر اسکو عزیز رکھنا چاہیے موت کو بھی لبیک کہنے کے لیے

اشعوری میں داخل ہوتا ہوا محسوس کرے، خود سوچ کیا نہ جائے؟ واقعہ اور حقیقت جو کچھ بھی ہو۔ دلیل عقلی، نقلی، قطعی و ظنی کا سوال الگ ہے — قلب کی تسکین و تشفی کے لئے، ایمان تازہ کرنے اور ڈھارس باندھنے کے لئے، اس نوعیت کی مثالوں و نظائر کا آتے رہنا کچھ کم ہے؟

روشنی اور نور "کہتے ہیں آج سے چند سال پیشتر شہنشاہ ہائیل سلاسی کی حکومت نے ابی سینیا کے دار الخلافہ ادیس ابابا میں روشنی کا انتظام کیا، تاکہ شہریوں کو رات کے وقت آنے جانے میں آسانی ہو۔ مگر دوسرے ہی دن دیکھا تو تمام شہر کی سڑکوں کی قندیلیں ٹوٹی ہوئی تھیں۔ ان قمقموں کو خود شہریوں نے احتجاج کے طور پر توڑ دیا تھا۔ انکا خیال تھا کہ حکومت کے اس اقدام سے شرفاء کی توہین ہوتی ہے۔ کیونکہ رات کو جاگتے رہنے اور سڑکوں پر گھومنے کی ضرورت صرف بدمعاشوں کو پڑ سکتی ہے، ورنہ ہر شریف آدمی آفتاب چھپنے کے بعد سو جاتا ہے" (رسالہ آواز، آل انڈیا ریڈیو، دہلی، ۱۶ فروری ۱۹۴۸ء)

قصہ پڑھ کر ایک اور یاد پڑ گیا۔ کوئی ۳۰-۴۰ سال ہوئے اپنے بچپن میں پڑھا تھا۔ مصر اس وقت تک "نامہذب" اور "روشن خیال" نہیں ہوا تھا۔ قاہرہ میں دو نئی طرز کے ہوٹل نئے کھلے تھے۔ ایک صاحب بہادر سیاح کی حیثیت سے آکر ٹھہرے۔ شام ہوئی۔ دیکھا سڑکوں پر اندھیرا ہے۔ لیمپ، لالٹین کا پتہ نہیں۔ صاحب ترش ہو کر ہوٹل کے خانساماں سے بولے "یہ کیسا ملک ہے، راستہ میں اندھیرا پڑا ہوا ہے"۔ خانساماں نے جواب دیا "یہاں کے لوگ رات کو اپنے اپنے گھروں میں، بیویوں کے ساتھ خوش و خرم رہا کرتے ہیں۔ انہیں تلاش عیش میں باہر مارے مارے پھرنے کی ضرورت کیا"؟ — سچ کہا تھا مصر کے خانساماں نے بھی، اور سچ کہا حبشہ کی رعایا نے بھی — "روشنی آتی ہے، اور نور چلا جاتا ہے"!

ایک دوست سے ان کے مخلصانہ عنایت نامہ کے جواب میں:—

اور کچھ آپ نے سنا؟ مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کا فتوے، جس سے آپ نے اتنا ڈرایا تھا، اور خود بھی شاید کچھ ڈر گئے تھے، تمام تر جعلی نکلا! جعلی شروع سے آخر تک!

جسے ہم ہاتھ سمجھے تھے وہ خالی آستیں نکلی!

فرمائیے آپ کے دوست مولانا... جو اس سے اتنا متاثر تھے۔ اب کیا ارشاد فرماتے ہیں؟ اور خود آپ کا اب کیا ارشاد ہے؟ ایسے جعلیوں سے بھلا کوئی مقابلہ کر سکتا ہے؟

ایسے سے کیا لڑے کوئی ایسے سے کیا ملے!

آپ کے مکتوب کا یہ استدلال بالکل سمجھ میں نہ آیا کہ اول سے آخر تک الزامات تو آپ نے سب دوسرے فریق پر رکھے ہیں، انکے ایک ایک اعتراض کو نادرست اور بیجا ٹھہرایا ہے، لیکن آخر میں آکر نتیجہ نکالا ہے کہ مدیر صدق کو یہ سلسلہ بڑھانا نہیں چاہیے تھا! — کیا خوب انصاف ہے! گویا

تو جرم ثابت ہو کسی پر، اور حکم سناتے وقت سزا کسی بیچارے کمزور کو! کمان کھینچے کسی پر، اور تیر چلے کسی پر!

کماں جانبِ دیگراں می کشد — گر تیر بجانبِ ما می زند!

یہ خیال کہ کوئی حُسنِ تدبیر ان حملوں کو ٹال سکتا تھا، محض ایک معصومانہ حُسنِ ظن ہے۔ امیر المومنین علی مرتضیٰؓ سے بڑھ کر صاحبِ دانش و تدبر اور کون ہوگا۔ .... پھر انکا علم و فضل، انکی صداقت و دیانت، انکی حکمت و تدبر معاندین کے مقابلہ میں کچھ بھی کام آسکی ہے؟ — بے پناہ پروپیگنڈا کی زد اور وار سے جب سرداروں کی مقدس شخصیتیں اور پاک سیرتیں محفوظ نہ رہ سکیں تو ہم جیسے بیچاروں کا ذکر ہی کیا ہے۔ بقول

مرے آشیاں ہی تو تھے چار تنکے — چمن اڑ گئے آندھیاں آتے آتے!

اور پھر انکا بردو ہندی نظیریں تو بالکل تازہ ہیں۔ "امکانِ کذبِ باری" "امکانِ نظیر" اور خدا معلوم کیا کیا خاک بلا ان بیچاروں کے سر تھپ گیا۔ غریبوں کے ذہن میں بھی وہ چیزیں نہ آئی ہونگی، جو انکے باب میں گڑھ لی گئیں، اور دنیا میں چل گئیں۔ کیا اس افترائے صریح، اتہام مبین کی ذمہ داری ان حضرات کے بھی سر آتی ہے؟

آپ معاف کریں، یہ ذہنیت تو خارجیوں کی تھی، اہل سنت کا مسلک تو نہ ہے، کہ علیؓ، اور معاویہؓ، اور عمرو بن العاصؓ سب یکساں ناحق پر ہیں، سب کا خاتمہ کر دینا چاہیے۔ آپ اتنی جرأت اپنے میں پیدا کیجیے کہ جو مجرم کو مجرم، اور مظلوم کو مظلوم علانیہ کہہ سکے۔ مدیر صدق پر مقتدائی کا منصب جو زبردستی ٹھونسا جا رہا ہے، وہ ہرگز ہرگز اسکا اہل نہیں، وہ تو صرف ایک پرانا مریض ہے، جو نئے مریضوں کو ہمدردانہ و مخلصانہ مشورے دیتا رہتا ہے۔ البتہ اُسے اپنی رائے سے رجوع کر لینے میں مطلق تامل نہیں، بشرطیکہ اسکی غلطی اُس پر دلائل سے واضح کر دی جائے، لیکن یہ بھی بالکل ظاہر ہے کہ محض شور و غوغا آرائی اور ننگ صحافت پروپیگنڈا یا تبرائی نظمیں کسی درجہ میں بھی نہ دلیل عقلی کا کام دے سکتی ہیں نہ دلیل نقلی کا۔

... صاحب کا ذکر جدید ڈیلے "فلسفۂ اجتماع" کے نام سے ایک کتاب اپنے "دورِ جاہلیت" میں لکھ چکا ہوں۔ بہت کچھ اُس میں خرافات ہی ہے۔ لیکن Crowd (اجتماع) کی ذہنیت کی جو تصویر اُس میں دکھائی گئی ہے، وہ صحیح ہے، اور اس زد میں پڑ کر عوام ہی کے نہیں، خواص کے بھی پیر اکھڑ جاتے ہیں۔ خدا کرے وہ بزرگ کم از کم اُس وقت تک ضرور زندہ رہیں، جب تک ان پر اسی ناسوتی زندگی میں کشفِ حقیقت اس مشہور مصرعہ کا ہو جائے

"یہ ہیں کہ باکرہ یدی و بالہ بوسی!"

عورت کی دنیا "میں اسکا قائل نہیں کہ مردوں اور عورتوں کو ایک ہی کام کرنا ہے، ایک ہی مشغلۂ زندگی اختیار کرنا ہے اور اس لیے ایک ہی تعلیم پانا اور ایک ہی نصاب درس پڑھنا چاہیے۔ بہت شروع میں تو اُس اشتراک کا مضائقہ نہیں، لیکن آگے چل کر دونوں کی راہیں یقیناً الگ ہو جانی چاہییں .... مجھے دلی تکلیف ہوتی ہے جب میں عورتوں کو دفتروں میں نوکری کرتے، میز کرسی پر دن بھر بیٹھے کام کرتے

دیکھا ہوں — یورپ کی دنیا ہی قدرت نے دوسری بنائی ہے؟

یہ سب ایک اعلیٰ تعلیم یافتہ غیر مسلم نے پرسوں الہ آباد کے ہندو کالج (پریاگ مہیلا ودیا پیٹھ) کے سالانہ جلسہ کے خطبہ صدارت میں کہا —— وقت آگیا ہے کہ آفتاب کو آفتاب، اور دو اور دو کو چار کہنے والے کو بھی امتیاز کے ساتھ پیش کرنا پڑتا ہے!

انسان کی بے بسی

آج کی نہیں، کئی سال قبل کی بات ہے کہ دنیا کے بعض نامی گرامی ماہرین سائنس، خصوصاً برطانیہ اور روس اور جنوبی افریقہ کے، باہم اس بحث و مشورہ کی غرض سے جمع ہوئے کہ ٹڈی دلوں کے ہولناک حملوں کا سد باب کی تدبیریں کیا کی جائیں۔ بے شمار مشوروں کے بعد انٹرنیشنل کانفرنسوں کی تجویز پاس ہوئی، اور ان کانفرنسوں کے اجلاس پر اجلاس ہوئے۔ بالآخر طے پایا کہ خاص حالتوں میں ٹڈی دفاع کا مستقل مرکزی دفتر قائم کیا جائے، اور دوسرے ذریعے کے علاوہ ہفتہ وار رپورٹ طلب کی جائے۔ یہ بھی سب ہو لیا۔ تو اب حال میں (۱۲ فروری کو) لندن سے خبر آئی ہے کہ ماہرین کو غنیم کے اصلی مستقر کا پتہ لگ گیا ہے، وہ ہمارے ہاں سلطنت عرب سعودی کے صحرا ہیں۔ اس معرکہ عظیم الشان ٹڈی کشی ہوگی، اور ٹڈی کشی کی قوت کا اندازہ تو بیٹے کیا گیا ہے —— اس قتال عالم، دشمن نوع انسانی، لشکر کو آپ نے سمجھا؟ جو کوئی انسان نہیں، مافوق الانسان نہیں، کوئی عفریت و شیطان نہیں، کوئی بھوت اور جن نہیں، ایک چھوٹا، حقیر سا پرندہ "ٹڈی" ہے! اور اسکے مقابلہ کے لیے بڑے بڑے عقلاء و محققین و ماہرین کی یہ عظیم الشان تیاریاں!

ایک صحیح روش

محترم ایڈیٹر زمیندار — السلام علیکم ورحمۃ اللہ۔ امرتسر کے ایک مشاعرہ میں مجید لاہوری نے کوئی ایسی ایسی نظم پڑھی تھی، جس میں خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخی کی گئی تھی۔ چند حساس خدا پرستوں نے مشاعرے میں احتجاج کیا، لیکن صدر مشاعرہ ڈاکٹر اختر حسین رائے پوری نے اس احتجاج کو نظر انداز کیا اور مجید نے اس بُری بات کے ٹکڑے بھی کہے۔ ڈاکٹر صاحب کی اس حرکت سے عام مسلمانوں میں برہمی پھیل گئی۔ مگر اب ڈاکٹر صاحب نے متعدد مسلمانوں کی مجلس میں جس میں میں بھی شامل تھا تحریری معافی مانگ لی ہے اور اعلان کیا ہے کہ میں اس خرافات سے توبہ کرتا ہوں، جب خدا تعالیٰ کی شان میں گستاخی کے اقدامات کو ناپسند کرتا ہوں اور بغیر کسی جھجک کے معافی کا خواستگار ہوں۔
اس سلسلہ میں "زمیندار" نے مسلمانوں کی جو خدمت کی ہے، مسلمان اسکے لیے بے حد ممنون ہیں۔ گزارش ہے اس سلسلہ کو ختم کر دیا جائے۔ (...) (زمیندار)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر اخبار صدق، گولہ گنج، لکھنؤ سے شائع کیا

سورۂ بقر رکوع ۱۵ و ۱۶

(سلسلہ صدق نمبر ۳)

از عبد الماجد

۱۲۹- ربنا وابعث فیہم رسولاً منہم یتلوا علیہم آیاتک ویعلمہم الکتٰب والحکمۃ ویزکیہم انک انت العزیز الحکیم۔	اے ہمارے پروردگار ان میں ایک پیغمبر انھیں میں سے بھیج (۴۶۵) جو انھیں تیری آیتیں پڑھ کر سنائے (۴۶۶) اور انھیں کتاب (الٰہی) اور دانائی کی تعلیم دے (۴۶۷) اور انھیں پاک صاف کرے (۴۶۸) بیشک تو ہی زبردست ہے بڑا حکمت والا ہے (۴۶۹)۔

۴۶۵ "انھیں میں سے" منہم کی قید خیال میں رہے۔
دعا ابراہیمی ابھی چل رہی ہے۔ ابھی ابھی آپ اور حضرت اسمٰعیل دونوں مل کر عرض کر چکے ہیں کہ اے پروردگار ہم دونوں کی نسل میں سے ایک امت مسلمہ ایک اپنی فرمانبردار امت پیدا کر۔ اور اسکے معاً بعد منہم کی قید لاتے ہیں۔ کھلی ہوئی مراد نسل اسمٰعیلی سے ہے۔
ضمیر ہم سے مراد "ذریت" بھی لی گئی ہے، اور "امۃ مسلمۃ" بھی۔ والضمیر لہم یحتمل ان یعود علی الذریۃ ویحتمل ان یعود علی امۃ مسلمۃ (بحر) اصل دونوں کا ایک ہی ہے، یعنی نسل اسمٰعیلی۔
اور یہ جزء اپنی جگہ پر تاریخ سے ثابت ہے کہ صحیح النسب نسل اسمٰعیلی قوم عرب ہی رہ گئی تھی۔ اس لیے لازمی تھا کہ یہ پیغمبر عرب ہی میں پیدا ہو۔ اور اسی تفسیر کی بنا پر مرشد تھانوی نے فرمایا کہ بعض صوفیہ و مشائخ سے جو اپنے سلسلہ کے بقاء و قیام کی دعا و تمنا منقول ہے، اسکا مبنیٰ و ماخذ یہی آیت ہے۔
رسولاً کے صیغہ واحد اور اعراب تنوین سے اشارہ یہ بھی نکل آیا کہ وہ رسول ایک ہی ہوگا، متعدد نہ ہونگے۔
یہود کا دعوے ہے (اور نصاریٰ بھی انھیں کا ساتھ دے رہے ہیں) کہ نبوت و رسالت تو بنی اسرائیل کے ساتھ مخصوص تھی، یہ نیا پیمبر بنی اسمٰعیل میں کس طرح پیدا ہوگیا؟ لیکن خود انھیں کی توریت باوجود انکی ساری تحریفات کے اب تک شہادت کچھ اور ہی دے رہی ہے۔
ایک جگہ حضرت موسیٰ اپنی قوم کو مخاطب کرکے کہتے ہیں:-
"خداوند تیرا خدا تیرے لیے تیرے ہی درمیان سے تیرے ہی بھائیوں میں سے میرے مانند ایک نبی برپا کریگا۔ تم اُسکی طرف کان دھرو" (استثناء ۱۸: ۱۵)
قطع نظر اس سے کہ بنی اسرائیل میں تو "ایک نبی" نہیں، خدا معلوم کتنے انبیاء حضرت موسیٰ کے بعد پیدا ہوتے رہے، خود "تیرے ہی بھائیوں میں سے" کی تصریح دال ہے کہ مراد بنی اسرائیل نہیں، بلکہ انکے ہم جد بھائی بنی اسمٰعیل ہیں۔ اگر اسرائیلی ہی نبی کی خبر دینا ہوتی، تو بجائے "تیرے ہی بھائیوں میں سے" کے عبارت "تجھ ہی میں سے" ہوتی!
۴۶۶ یتلوا ... تو صرف مخاطبین کی دہشت دُور کرنے، اور اُن میں جذبۂ اُنس و موانست

طریقۂ بشری کے متضاد و متناقض مفروضوں کی منتج ! ہی رعایت شریعت اسلامی نے ملحوظ رکھی ہے' دنیا کے کسی قانون میں کہیں اسکی نظیر نہ ملیگی۔
... وہاں ہر قسم کی نعمتوں اور سرافرازیوں کے لیے۔ یہاں تک کہ سرت رسالت و نبوت کے لیے "انکی اسی توحید پرستی اور ایمان باللہ کے انعام میں!

ایک مسیحی مورخ ریورنڈ الم ڈین (Deane) ایم اے نے ایک مستقل سیرت ابراہیمؑ انگریزی زبان میں لکھی ہے' اس سے آپؑ کے موقعی عروج و کمالات پر خوب روشنی پڑتی ہے۔

ان "روشن خیال" لامذہبوں کی پوری تردید بھی اس سے ہو رہی ہے جنھوں نے ابھی انیسویں صدی عیسوی کے آخر میں آپؑ کے وجود کو خود ایک فرضی قرار دیا تھا!

(ایک پیمبر جلیل القدر کے شایان شان)

یہود و نصاریٰ نے اہل کتاب ہونے اور نبوت و سلسلۂ وحی پر ایمان رکھنے کے باوجود اپنے نوشتوں میں کوئی کسر عصمت انبیاء کے داغدار کرنے میں اٹھا نہیں رکھی ہے' اسی لیے قرآن مجید جہاں جہاں انبیاء سابق کا ذکر کرتا ہے' اکثر مواقع پر ان حضرات کی اخلاقی و روحانی عظمت پر بھی زور دیتا جاتا ہے۔ یہ عجیب و غریب اہل کتاب گویا نبوت کے قائل صرف اسکے لغوی معنی میں تھے۔ یعنی نبی وہ ہے جو غیب کی خبریں دے سکے' اور اس سے کوئی بحث ہی نہ تھی کہ اسکے اخلاق کا کیا عالم ہو' اسکے روحانی کمالات کس درجہ کے ہیں' وقس علیٰ ہذا۔ ابراہیم خلیل علیہ السلام تو اکثر انبیاء کے ابو الآباء ہوتے ہیں' آپ کی عصمت کا تحفظ تو قرآن کے ذمہ اور زیادہ ہے۔

عورت کا درجہ

یکم فروری ۳۳ء کو دیوان ہال دہلی میں ایک مذاہب کانفرنس میں تقریر کرتے ہوئے سید اختر حسین صاحب گیلانی نے اسلام میں عورت کے درجے کی توضیح کی۔ آپ نے بتایا کہ اسلام میں عورت کو روحانی، معاشرتی' اور اجتماعی حقوق میں مرد سے کمتر ہرگز نہیں رکھا گیا۔ لیکن کوئی سوسائٹی جس میں سب مساوی ہوں اور کسی نظم کے ماتحت نہ ہوں چل نہیں سکتی۔ اس لیے مرد کو گھر کے انتظامی امور میں عورت پر ایک درجہ دیا گیا ہے۔ آپ نے تعدد ازدواج اور طلاق کے مسائل پر دنیا کے اعتراضات کا جواب دیتے ہوئے انگلستان کی آبادی کے اعداد و شمار پیش کیے اور کہا کہ ۱۹۳۱ء کی مردم شماری میں مردوں سے زیادہ عورتوں کی تعداد ۱۲ لاکھ سے متجاوز ہو گئی تھی۔ یہ وہ عورتیں ہیں کہ موجودہ نظام تمدن نے انکی آسودگی کے لیے کارخانے کھول دیے' لیکن گھروں کے دروازے نہ کھولے۔ انھیں کارخانوں میں روزی کمانے کے لیے دھکیل دیا' لیکن انھیں گھریلو زندگی کی برکات سے محروم کر دیا گیا۔ ان سب مشکلات کا حل اسلامی قانون میں ہے۔ آپ نے بتایا کہ اسلام ہی نے سب سے پہلے اس حقیقت کی نقاب کشائی کی تھی۔ مرد و عورت کے درمیان جو

نکاح کا تعلق ہے تو یہ ایک "میثاق" ہے (وَاَخَذْنَ مِنْكُم مِّيثَاقًا غَلِيظًا) نہ صرف اجتماعی میثاق' بلکہ ایک مقدس میثاق۔ اور اس میثاق کے احترام کے لیے اسلام نے جو کچھ ہدایات دی ہیں' ان سے صاف ظاہر ہے کہ عورت کو کس بلند مقام پر کھڑا کیا گیا ہے۔ (پیام صلح)

مراسلہ

مخدومنا المکرم۔ السلام علیکم۔ جناب والا کے اخبار صدق مجریہ ۲۰ جنوری ۳۳ء جلد ۹ نمبر ۳۵ میں زیر عنوان تفسیروں پر ایک نظر کے تحت میں درج تھا، "ایک اور تفسیر خلاصۃ التفاسیر کے نام سے عرصہ ہوا چار جلدوں میں مولانا فتح محمد تائب لکھنوی شاگرد رشید مولانا عبد الحیؒ فرنگی محلی کے قلم سے نکلی تھی اور اچھی تھی۔ اب غالباً نایاب ہے"۔ اسکے متعلق جناب والا کی معلومات میں اتنا اضافہ چاہتا ہوں کہ یہ تفسیر اب نایاب نہیں ہے بلکہ کامل چاروں جلدیں مع مقدمہ و فہرست مضامین مدرسۂ تکمیل العلوم کانپور۔ اور دفتر اشاعت تفسیر لکھنؤ باغ مکا سے بقیمت مل سکتی ہے۔ اس مدرسۂ تکمیل العلوم کے صدر مدرس مفتی اعظم مولانا سعید احمد لکھنوی پسر مؤلف خلاصۃ التفاسیر اور شاگرد رشید حضرت مولانا شیخ الہندؒ ہیں اس مدرسہ میں عربی تعلیم کا بہترین انتظام کیا گیا ہے جسکی تحسین مولانا تھانویؒ نے بھی کی ہے۔ فقط والسلام

آپکا صدیق احمد مہتمم مدرسۂ عربیہ تکمیل العلوم
احاطۂ کمال خاں کانپور

اسلامیہ کالج میگزین بریلی

حسرت نمبر

"ہماری مجلس ادارت نے طے کیا ہے کہ اسلامیہ کالج میگزین بریلی کی آیندہ اشاعت مولانا حسرت موہانی کے لیے وقف کر دی جائے اور اسی سلسلہ میں اکابر اہل قلم و محبان حسرت کو دعوت دی جائے کہ وہ اپنے مقالات و مضامین کے ذریعہ ان خدمات کا صحیح اندازہ کریں جو موصوف نے شعر و ادب اور تاریخ و تنقید کی دنیا میں انجام دی ہیں جو حضرات اس بزم میں شرکت کرنا چاہیں وہ اپنا مقالہ ۱۵ اپریل ۳۳ء تک اڈیٹر اسلامیہ کالج میگزین بریلی کے نام بھیجدیں۔

خواجہ احمد فاروقی ایم اے اڈیٹر اسلامیہ کالج میگزین بریلی

کتابوں سے امداد

صدق نمبر ۳۴ صفحہ ۸ کے حوالہ سے سید عقیل احمد صاحب جعفری خیرآباد' ضلع سیتاپور (اودھ) سے تحریر کرتے ہیں:-
شمس آباد ضلع اٹک کے عربی کتبخانہ کی امداد کتابوں کی صورت میں' کی ضرورت نظر سے گزری۔ میں اپنی کتاب "میری دنیا" کی ۲۵ جلدیں اس مد میں پیش کر سکتا ہوں۔ ناظم صاحب ادارۂ مذکور خواد

کہاں جایا جائے

س - ہم مسلمان ہیں اور ہم کو حکم ہے کہ صرف ایک خدا کو مانیں اور دوسرے کسی غیر اسلامی قانون کو نہ مانیں۔ مگر یہ صاف ظاہر ہے کہ اسلامی قانون کہیں بھی رائج نہیں ہے۔ اور ہم کو غیر اسلامی قانون کے ماتحت زندگی بسر کرنا پڑ رہی ہے۔ تجارت ایک آزاد پیشہ ہے مگر اس پر بھی اب حکومت نے ایسے روڑے اٹکا دیئے ہیں کہ بغیر جھوٹ کے ہو ہی نہیں سکتا۔ کم از کم گورنمنٹ کو ٹیکس دینے کیلئے تو جھوٹ بولنا اور جھوٹ لکھنا ہی پڑتا ہے۔ خوشی یا مرضی ہو یا نہ ہو مگر جبراً لڑائی کا چندہ دینا پڑتا ہے.... کہیں ہجرت کرکے جانے کی بھی تو جگہ نہیں ہے، جہاں دیکھو غیر اسلامی ماحول ہے۔ آدمی جائے تو کہاں جائے۔

ج - شریعت نے ہر حکم کی پہلی شرط استطاعت، یعنی اس پر عمل کی قدرت رکھی ہے۔ تندرست و تیمم کیلئے نماز کے احکام اور ہیں، مریض و مسافر کیلئے اور۔ پانی جہاں آسانی سے مل سکتا ہے، وہاں وضو ضروری ہے، جہاں نہیں مل سکتا، یا بقیمت گراں ہی مل سکتا ہے، وہاں وضو کا وجوب ساقط ہے۔ جس حد تک عمل پر قدرت کم ہوتی جائیگی، اسی نسبت سے ذمہ داری بھی ہلکی ہوتی جائیگی۔ بس اسکے اندر بہت سے اشکالات کا جواب آگیا۔

ہاں البتہ اسکی خوب جانچ پڑتال دل میں کرلینا چاہیئے کہ آیا مجبوری و معذوری واقعی بھی ہے، یا محض نفس کا بہانہ ہے۔ تحصیل نفع کیلئے یا تھوڑے سے نقصان کے خوف سے جھوٹ بولنا یا جھوٹ لکھنا ہرگز جائز نہیں۔

س - پھر یہ بھی حکم ہے کہ مسلمانوں کا ایک امیر ہونا چاہیئے، اور جہاں امیر نہیں ہے وہاں کے مسلمانوں کی موت جہالت کے زمانہ کی موت ہوگی۔ اور یہاں یہ حال ہے کہ ایک امیر تو کیا، اس سے بھی کام نہیں چلتا، مسلمانوں میں ہر شخص امیر اور فرعون بے سامان بنا ہوا ہے۔ کوئی کسی کی نہیں سنتا۔ تو کیا یہ وہی زمانہ ہے جسکی نسبت حضورؐ کی پیشگوئی ہے کہ جو جنگل میں جاکر بیٹھے گا، وہی اپنا ایمان بچا لیگا۔ یا اور کوئی صورت ہے؟ ایسی جگہ کوئی آپ بتلا سکتے ہیں جہاں جاکر اسلامی طریقہ پر زندگی بسر ہو سکے۔ اور شہادت کی موت اگر نصیب نہ ہو تو کم از کم حرام موت نہ ہو۔ ۔ ۔

ج - ایک حد تک جواب اوپر آچکا۔

موجودہ صورت حال یقیناً سخت ابتری اور انتہائی فساد کی ہے۔ سیاسی، معاشی، معاشرتی، غرض زندگی کا کوئی سا شعبہ بھی نظام اسلامی کے مطابق نہیں چل رہا ہے۔ بقدر قوت و استطاعت اسکی کوشش اصلاح، یا کم از کم اسکے اثرات سے اپنے کو بچانا ہر مسلمان پر فرض ہے۔ البتہ امیر والی حدیث کو بہت زیادہ لفظی معنی میں لینے کی ضرورت نہیں۔ اسکا یہ مطلب نہیں کہ انفرادی اعمال سب ضائع جائیں گے۔ بلکہ مطلب یہ ہے کہ امت کی اجتماعی شیرازہ بندی بلا امیر کے صرف ناقص رہیگی۔ اس سے بھی یہ لازم نہیں آتا کہ آج ہر مسلمان حرام موت ہی مر رہا ہے۔ حرام موت کا اطلاق تو صرف اس موت پر ہوگا، جو اپنے قصد سے کوئی غیر شرعی طریقہ اختیار کرکے لائی جائے۔

حضورؐ نے فتنہ کے جس زمانہ سے ڈرایا ہے، اور ایمان بچانے کیلئے بیابان کے گوشۂ تنہائی کا راستہ بتایا ہے، اُسے جزم و یقین کے ساتھ کسی خاص زمانہ پر منطبق کرنا تو مشکل ہے، لیکن اس میں کیا شبہہ ہے کہ اسوقت بھی بہت سی علامتیں اُسی دورِ فتن کی پائی جا رہی ہیں، بلکہ مدت دراز سے پائی جاتی چلی آرہی ہیں۔

ارض حجاز اور اسکے ملحقات نجد، یمن وغیرہ کی حالت اسوقت بھی الحمد للہ غنیمت ہے، اور گو ہجرت کا مشورہ وہاں کیلئے بھی زمانہ حال اور شرع کی مطلب کے ساتھ نہیں دیا جا سکتا۔ تاہم ہندوستان، مصر، عراق وغیرہ سے کہیں زیادہ پاس و احترام قانون شریعت کا وہاں بحمد اللہ موجود ہے۔

اہل صدیقان ہند سے اپیل

برادران اسلام، السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ راج نیپال کی ترائی میں ایک علمی و دینی درسگاہ عرصہ تیس سال سے قائم ہے، اس وسیع علاقے میں دین اسلام اور علوم دین کے رواج و شائع کرنے کیلئے یہ مدرسہ ایک بڑا قوی سبب ہے۔

اس مدرسہ میں بالفعل چار مدرسین اور باہر کے بیس طالبعلموں کے کتاب، خوراک، روشنی وغیرہ کے اخراجات کا انتظام ہے۔ (مقامی طالبعلم ۵۰-۶۰ کے درمیان تعلیم لیتے ہیں) اس علاقہ کے لوگ فصل پر غلہ کی صورت میں امداد دے کر اسکے نظام کو چلاتے جا رہے ہیں۔ لیکن یہ مدرسہ اپنے کل وسعت کے اعتبار سے خاص طور پر تمام اہل کرم حضرات کی اعانت کا محتاج ہے تاکہ اسکو ترقی، استحکام، و استقلال حاصل ہو۔

راج نیپال سے تو کسی دینی ادارہ کو کچھ امداد ہے نہ یہاں کوئی تنظیمی بورڈ ہے۔ اس لیے سرتاسر کسانوں اور گاؤں کے لوگوں کی فصلی امداد پر اسکا بقا منحصر ہے۔ ظاہر ہے کہ یہ کوئی اطمینان بخش صورت نہیں ہے۔

مولوی عبد الرؤف صاحب رحمانی صدر مدرس نے یہ اطلاع دی ہے کہ کچھ مخلصین کی مسلسل کوششوں سے مدرسہ کو مستقل کرنے کے خیال سے کرایہ کی دکانات و مکانات اس قدر تیار ہوگئے ہیں کہ ان سے ماہوار ۳۰ روپیہ کی آمدنی شروع ہوگئی ہے۔ جھنڈا نگر ہی زمین تعمیر کے لیے باقی ہے۔ جس پر اڑھائی ہزار روپیہ کی لاگت کا اندازہ کیا ہے۔ اس لیے تمام ارباب خیر دوستوں اور پوری جماعت کو من حیث الجماعت اس مدرسہ کی اعانت کرنی چاہیے کہ یہ صدقۂ جاریہ کا موجب ہے اور اس سے بڑھ کر کوئی ذخیرۂ آخرت نہیں۔ والسلام

کرحق بر تو باشد تو بر خلق باش

جملہ رقوم مولوی عبد الرؤف صاحب نائب ناظم مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر، ڈاکخانہ کرشنا نگر ضلع بستی کے پتہ پر ارسال کریں۔

الملتمس - محمد ابو القاسم سیف بنارسی بقلم خود - ۶ رمضان المبارک ۱۳۶۲ھ - حضور والا مولانا ابو الوفا صاحب ثناء اللہ مدیر اہلحدیث فرماتے ہیں:-

میں بھی اس مدرسہ کی امداد کو کار خیر سمجھتا ہوں - (ابو الوفاء)

نمبر ۴۳ | دوشنبہ - ۱۶ ربیع الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۳ - مارچ ۱۹۴۴ء | جلد ۹

ترکہ و طلاق

قانون انگریزی کے ایک ماہر اور صیغۂ عدالت کے ایک بعض [illegible] عہدہ دار کی طرف سے ایک سوالنامہ موصول ہوا ہے اس وقت گنجائش صرف دو سوالوں کے درج کرنے کی ہے:-

(۱) لڑکی کو لڑکے کے مقابلہ میں نصف حصہ وراثت میں دیا گیا ہے - اس کی سند قرآنی کیا ہے؟ یہ تفریق کس بنا پر کی گئی؟ اسلام کے اصول مساوات کو دیکھتے ہوئے کیا اس میں تبدیلی ممکن ہے؟

(۲) شوہر اپنی بیوی کو بلا کسی وجہ یا سبب کے طلاق دے سکتا ہے - کیا عورت کو بھی یہ حق دیا گیا ہے، حوالہ دیجیے -

اگر نہیں تو کیا یہ اصول مساوات کے منافی نہیں ہے کیا اس قانون میں تبدیلی ممکن نہیں؟

(۱) لڑکی کے مقابلہ میں لڑکے کے دوگنے حصہ کی صراحت قرآن مجید میں موجود ہے - سورۂ نساء، رکوع ۲ - یوصیکم اللہ فی اولادکم — للذکر مثل حظ الانثیین، یہ کوئی اختلافی مسئلہ نہیں -

سوال کا باقی حصہ اصلاً غلط ہے - خدائی احکام کی دوسری حکمتوں اور مصلحتوں کا احاطہ اگر عقل بشری کے لیے ممکن ہوتا تو ایک آسمانی اور خدائی شریعت کی ضرورت ہی کیا تھی؟ دنیوی علوم و فنون اور مادی صنعتوں، حرفتوں وغیرہ کی طرح ان احکام کو عقل انسانی ہی پر نہ چھوڑ دیا گیا ہوتا؟ —— بظاہر ایک جزوی حکمت یہ سمجھ میں آتی ہے، کہ عورت کو ایک تو دہرا حصہ دلایا ہے، (ایک باپ کے ترکہ سے، دوسرا شوہر کے ترکہ سے، اور پھر عورت کے سارے مصارف خوراک، لباس، مکان وغیرہ شوہر کے ذمہ ڈال دیے ہیں - رقم مہر اسکے علاوہ - اس لیے قدرۃً اسکا حصہ میراث پدری میں مرد کا نصف رکھا گیا -

"مساوات" سے مراد اگر مساوات کامل ہے، تو یہ اسلام پر اتہام ہے - شریعت اسلام مرد و عورت کی مساوات کامل کی ہرگز مدعی نہیں - وہ دونوں کے درمیان بیشتر وہی فرق قائم رکھتی ہے جو خود فطرت نے دونوں کے قوتوں میں قابلیتوں میں، زندگیوں میں رکھا ہے —— اور قرآنی قانون میں ترمیم کا تو خیال بھی کوئی مسلمان نہیں کرسکتا -

(۲) جی نہیں، عورت کو بلاوجہ طلاق دینا کیا معنی ح، وجہ بھی شوہر کو طلاق دینے کا اختیار نہیں، [illegible] طلاق صرف [illegible] سے لے سکتی ہے، دے نہیں سکتی - وہ عدالت میں یا کرصرف درخواست دے سکتی ہے تفریق کرانا عدالت کے اختیار میں ہے —— عورت کی فطری کمزوریوں کا لحاظ کرکے اسے ایسی شدید ذمہ داری سے بچے رہنے کی بات ایک خالص حکیمانہ شریعت ہی کر سکتی ہے -

مرد بھی اگر بدسبب یا غلط طلاق دیدیگا تو عنداللہ ماخوذ ہوگا - ہاں دنیا میں نظم قائم رکھنے کے لیے اسے قانوناً یہ اختیار حاصل ہے -

اصول مساوات بلا مخالطہ اس سوال میں بھی کام کر رہا ہے - یہ دعوے ہی سرے سے بے بنیاد ہے - مساوات کامل کی مدعی ... تو بعض قدیم جاہلی یا مشرکانہ تہذیبیں ہوئی ہیں، اور انھیں کے نقش قدم پر فرنگی تہذیب چل رہی ہے - اسلام نے تو آکر دونوں صنفوں کے حسب حال صحیح توازن قائم کیا

ترمیم کا سوال خدائی قانون میں کوئی پیدا ہی نہیں ہوتا

ردعمل!

مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کا ایک قابل قدر مضمون (اور انکے قلم سے نکلا ہوا کون مضمون قابل قدر نہیں ہوتا) جو بشرط گنجائش اسی نمبر سے نکلنا شروع ہوگا، اسکے بعض فقرے اتنے بلیغ، دلچسپ اور حسب حال ہیں کہ جی یہ آتا ہے انھیں ایک الگ نوٹ میں بھی دہرا دیجیے:-

حکومت کھونے کے بعد مسلمانوں میں بیداری کے نام سے جو چیزیں پیدا ہو رہی ہیں، ان میں پہلی بیداری کی ابتدا اس سے ہوئی کہ مسلمانوں کے اندر

۱۳۴- تلک امۃ قد خلت لہا ما کسبت ولکم ما کسبتم ولا تسئلون عما کانوا یعملون	وہ ایک جماعت ہے جو گزر چکی۔ اُنکے کام اُنکے کام آئیگا جو انہوں نے کیا ہو اور تمہارے کام تمہارا کیا ہوا۔ اور وہ جو کچھ کرتے رہے اسکی پوچھ گچھ تم سے (کچھ بھی) نہ ہوگی۔

یعنی تم جو روایات خرافات حضرت یعقوبؑ کی جانب منسوب کر رہے ہو تو تمہارا اُسوقت وجود ہی کہاں تھا؟ صحیح واقعات وہ ہیں جو قرآن بیان کر رہا ہے۔

۷۹۳ یعنی وقت موعود قریب آگیا اور آپؑ کو علامات و آثار اسکے محسوس ہونے لگے۔ یہ مراد نہیں کہ خود موت ہی آپ پر طاری ہو۔ (بحر)

ولکن بالموت عن مقدماتہ لان اذا احضر الموت نفسہ لا یقول المحتضر شیئاً

قرآن مجید میں ایک دوسری جگہ ہے، ویاتیہ الموت من کل مکان وما ہو بمیت۔ جہاں موت سے مراد موت کے دواعی و اسباب لیے گئے ہیں۔ (بحر)

۷۹۵ "میرے بعد" یعنی میری وفات کے بعد۔ مضاف محذوف ہے۔

من بعدی ای من بعد موتی

حضرات انبیاء کو اپنے آخر وقت میں سب سے مقدم فکر دین ہی کی ہوتی ہے۔

۷۹۶ توریت موجودہ کے اوراق تو اس اہم اور ضروری تذکرہ سے کسی مطلق سے خاموش ہیں۔ البتہ جیوش انسائکلوپیڈیا میں احبار یہود کے حوالہ سے ہے:

"یعقوب نے اپنی وفات سے قبل اپنے بیٹوں کو یہ تین احکام دیے

(۱) بت پرستی نہ کرنا

(۲) خدا کی بے حرمتی نہ کرنا

(۳) میرے جنازہ کو کوئی کافر ہاتھ نہ لگانے پائے۔ (جلد ۶ صفحہ ۲۲)

روایات و احکام یہود کی جو دوسری کتابیں ہیں اُن میں صراحت اس سے بھی بڑھ کر ملتی ہے:-

"یعقوب نے اپنے بیٹوں سے کہا ... مجھے اندیشہ ہے کہ تم میں سے کوئی بت پرستی کا میلان رکھتا ہے۔ اسکے جواب میں بارہ بیٹوں نے کہا، سن اے اسرائیل اے ہمارے باپ، ہمارا خدا وہی خدا ہے لم یزل ہے۔ جس طرح تیرا دلی ایمان اُسی ایک خدا پر ہے، اُسی طرح ہم سب کا بھی دلی ایمان اُسی ایک خدا پر ہے"

گنز برگ کی قصص الیہود۔ جلد ۲ صفحہ ۱۴۱)

اسمٰعیل علیہ السلام یعقوب علیہ السلام کے چچا (باپ کے بھائی) تھے۔ فرزندان یعقوبؑ نے انکا شمار بھی آبائے یعقوبؑ میں کیا، جیسا کہ روزمرہ محاورہ میں باپ چچا کو ایک ہی حکم میں رکھا جاتا ہے۔ حدیث میں رسول اللہ صلعم کی زبان مبارک سے آپؐ کے چچا حضرت عباسؓ کے لیے بھی لفظ اب آیا ہے، ہذا بقیۃ آبائی۔ یعنی یہ ہے بڑوں یا بزرگوں میں اب یہی باقی ہیں۔

اسحٰقؑ کا نام پہلی بار آیا ہے۔ آپؑ حضرت ابراہیمؑ کے دوسرے صاحبزادہ تھے۔ حرم اول حضرت سارہ کے بطن سے۔ توریت میں ہے کہ آپ کی پیدائش کے وقت حضرت ابراہیمؑ کی عمر سو سال کی تھی۔ اور حضرت ابراہیمؑ کا سال ولادت جیسا کہ ایک سابق حاشیہ میں گزر چکا ہے ۲۱۶۰ ق م تھا۔ اس حساب سے حضرت اسحٰقؑ کا سال ولادت ۲۰۶۰ ق م ہوا۔ توریت میں آپ کی عمر ۱۸۰ سال درج ہے۔ اس حساب سے سال وفات ۱۸۸۰ق م ٹھہرا۔

آپؑ کے بستر مرگ کا منظر، قصص الیہود میں یوں دکھایا گیا ہے:-

"جب اسحٰقؑ نے دیکھا کہ اُنکا وقت موعود آپہنچا، تو اُنھوں نے اپنے دونوں بیٹوں کو اپنے پاس بلایا، اور کہا میں تمہیں خدائے تعالٰی کا واسطہ دیتا ہوں جسکی صفات، علی و عظیم و قیوم و عزیز ہیں، اور جو آسمان و زمین اور اُنکے درمیان کی ہر شے کا خالق ہے، کہ تم خوف اُسی کا رکھنا اور عبادت اُسی کی کرنا۔ (جلد اول، صفحہ ۴۱۶)

۷۹۷ (اور اُنکے فضائل و کمالات بھی اُنھیں کے ساتھ گزر چکے، تمہیں آخر اُنکا نام جپنے سے کیا حاصل؟)

تلک امۃ سے مراد ہیں یہی اجداد یہود جنکا شمار جماعت انبیاء میں رہا۔ خطاب یہاں یہود سے ہے، جو آبائی مفاخرت اور نسلی عظمت کے نشہ میں چور تھے۔ اور اس میں بڑا سبق آجکل کے پیرزادوں، شاہ زادوں، مشائخ زادوں اور بہت سے بیگم فرقوں کے لیے موجود ہے۔ یا اسی عمل محض بزرگوں کی نسبت سے فائدہ اُٹھانے کی تو اسلام نے جڑ کاٹ دی ہے۔

۷۹۸ اسلام کے طفیل میں اب یہ بات معمولی سی معلوم ہوتی ہے۔ لیکن قرآن نے جب اس حقیقت کا اعلان کیا ہے کہ اُسوقت بہت ہی اہم اور گویا ایک نادرس بات تھی۔ شخصی و ذاتی ذمہ داری اور انفرادی مسؤلیت کی تعلیم اسلام کی خصوصیات امتیازی میں سے ہے۔ ورنہ مشرک تو مشرک، یہود اہل توحید تک اس سفاہت میں مبتلا ہوگئے تھے، کہ ذاتی عمل کی ضرورت کیا ہے، مقبولان الٰہی کی جانب انتساب نسلی اور بزرگوں کی طرف نسبت نسبی بالکل کافی ہے۔ مسیحیوں کا گڑھا ہوا افسانہ "معصیت متوارثہ" سب کو معلوم ہے۔ یعنی جو معصیت ابو البشر سے سرزد ہوگئی تھی، وہ ہر نسل آدم میں منتقل ہوتی چلی آرہی ہے۔ یہود نے اسکے مقابل ایک عقیدہ "نجات متوارثہ" کا وضع کر لیا تھا۔ اور یہ سمجھ لیا تھا کہ

"خدائے تعالٰی اپنے اسم پاک کے طفیل میں اور بطور اپنے افضال کے باپ کے حسنات اولاد کی طرف منتقل کرتا رہتا ہے! (جیوش انسائکلوپیڈیا۔ جلد ۱۲ صفحہ ۲۸۷)

۷۹۹ توریت مروجہ میں ایک آیت اس مضمون کی ملتی ہے

"میں خداوند تیرا خدا غیور خدا ہوں، جو باپ دادوں کی بدکاری کا بدلہ اُنکی اولاد سے تیسری اور چوتھی پشت تک جو کہ میرا کینہ رکھنے والے ہوں" (استثناء ۵:۹)

پس اس تنکے کے اوٹ پہاڑ یہ کھڑا کر لیا گیا تھا کہ ہر نسل کو انتقال اوپر سے بھی اور نیچے سے بھی۔ یعنی اسلاف و اخلاف دونوں کی طرف سے ہوتا رہیگا۔ اور پھر اولاد ابراہیم کو تو کوئی ڈر ہی نہیں:-

"بعض کو ثواب اپنے اسلاف کے اعمال کا ملیگا، اور بعض کو ثواب اپنے اخلاف کے اعمال کا" (جیوش انسائکلوپیڈیا۔ جلد ۵ صفحہ ۲۰)

"افراد یہود کی امید میں سب اسلاف کے تقدس پر قائم ہوگئی تھیں، ہم ابراہیم کی اولاد میں" (انسائکلوپیڈیا برٹانیکا۔ جلد ۱۳ صفحہ ۱۷۱ طبع یازدہم)

افکارِ سندھی

(از مولانا عبدالصمد رحمانی صاحب۔ ناظم امارت شرعیہ بہار)

مولانا المحترم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ و برکاتہ

مولانا عبیداللہ سندھی کی تعلیمات اور افکار سیاسی اور اُنکے سوانح حیات پر جامعہ ملیہ اسلامیہ دہلی کے پروفیسر محمد سرور صاحب نے جو کتاب "مولانا عبیداللہ سندھی" نامی شائع کی ہے، اُسکے مطالعہ کا اس ہفتہ میں شرف حاصل ہوا۔ مولانا سندھی کی طرف قرآن و حدیث کے جن افکار کا انتساب کیا گیا ہے وہ اتنے غلط اور غیر اسلامی ہیں کہ انکے متعلق اپنے قدیم حسن ظن کی بنا پر یہ قبول کرنے کیلیے تیار نہیں ہے کہ یہ واقعی مولانا کے افکار ہو سکتے ہیں۔

خصوصاً ایسی حالت میں کہ پروفیسر صاحب نے "پیش لفظ" میں یہ لکھدیا ہے۔ معلوم نہیں مولانا کی گفتگو کو پوری طرح ضبط کرنے میں مصنف کس حد تک کامیاب ہو سکا ہے۔ اور پھر اسکا بھی قوی امکان ہے کہ وہ اپنے نقص فہم کی بنا پر مولانا کی کسی بات کو سمجھنے میں بھی ناصر رہا ہو۔

میرے لیے یہ سہل تھا کہ ان افکار کے متعلق مولانا سندھی سے بجی طور پر استصواب کر لیتا مگر اس کتاب کی اشاعت سے معاملہ حد سے آگے بڑھ چکا ہے اور مولانا سندھی کے انتسابکے ساتھ یہ افکار عوام تک پہونچ چکے ہیں۔ اب ضرورت اسکی ہے کہ عوام کو مولانا سندھی کی ذات و قلم سے اسکی تصویب اور تغلیط معلوم ہو جائے۔

مولانا سندھی نے اگر ان افکار کی انتساب کی تغلیط کر دی تو معاملہ ختم ہے۔ ورنہ پھر ہم ایسے بے مایہ اور کم فہم انسان کے لیے بجز اسکے کیا چارہ کار ہو سکتا ہے کہ ان افکار کے پس منظر کو مولانا سندھی کی خدمت میں پیش کر کے پوچھیں کہ ولی اللّٰہی فکر جسکے مولانا سندھی علمبردار ہیں ان افکار کا متحمل ہو سکتا ہے؟

اس سلسلہ میں اخبار و رسائل کی طرف نگاہ اُٹھی کہ شاید دل کی الجھن کا مداوا انکے تبصرے میں مل جائے مگر اس کتاب پر ہنوز کوئی تبصرہ میرے مطالعہ میں نہیں آیا۔ مجبوراً جناب کی طرف مراجعت کرتا ہوں کہ حسب ذیل افکار کے متعلق جناب کا تبصرہ کیا ہے؟ چاہے یہ مولانا سندھی کے ہیں یا سے پروفیسر صاحب یا کسی زید و بکر کے افکار ہوں۔

قرآن مجید سے متعلق

۱۔ قرآن کا عالمگیر پیام عرب کے مزاج کے مطابق متعین ہوا ہے۔ قرآن مجید کا بین الاقوامی پیغام رسول اللہ کی قومی زبان اور انکی قوم کے مزاج کے مطابق متعین ہوا ہے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ عربوں نے اس پیغام کو اپنا لیا۔ اور اسکو پھیلانے اور دنیا میں اسے نافذ کرنے کے کام کو اپنے لیے قومی عزت سمجھا۔ (صفحہ ۲۶۰)

۲۔ قرآنی احکام مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ انکو ابدی عالمگیر ماننا صحیح نہیں ہے۔ یہ صرف عرب کے لیے ایک عملی صورت تھی۔

۳۔ بیشک قرآن نے جس قوم میں کہ وہ نازل ہوا اُس قوم کی عادات، شعائر، تعزیرات اور انتظامات کا لحاظ رکھا ہے۔ لیکن اس سے قرآن کی عمومیت اور ہمہ گیریت پر کوئی حرف نہیں آتا۔ کیونکہ بقول مولانا شبلی جو احکام ان عادات اور حالات کی بنا پر قائم ہوتے ہیں، انکی پابندی مقصود بالذات نہیں ہوتی اور نہ اس پر چنداں زور دیا جاتا ہے۔ مولانا کے نزدیک بھی قرآن میں کہیں کہیں جو احکام ہیں وہ در اصل ایک مثال کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان احکام کو اپنی خاص شکل میں ابدی اور عالمگیر ماننا صحیح نہیں۔ عرب کے خاص حالات میں قرآن کے عمومی پیغام کو صرف ان احکام کے ذریعہ ہی عملی صورت دی جا سکتی تھی۔ (صفحہ ۲۵۲)

۴۔ کھانے کی چیزوں کی حلت و حرمت کی بنیاد قومی پسندیدگی اور قومی مزاج پر ہوتی ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ اطعمہ کی تحلیل اور تحریم بیشتر قومی پسندیدگی یا مزاج کے مطابق ہوتی ہے۔ اسکو عالمگیر مذہب کی تعلیم کا اساس بنانا ٹھیک نہیں ہوتا۔ کھانوں کے علاوہ دوسری باتوں میں بھی اگر قوم کے مزاج کا لحاظ رکھا جائے، لیکن اس شرط پر کہ اس سے انسانیت کے عمومی مفاد میں کوئی رخنہ نہ پیدا ہو تو اس میں کچھ حرج نہیں۔ (صفحہ ۲۵۴)

حدیث سنت و آثار کے متعلق

۵۔ دین کا قانون اساسی صرف قرآن ہے۔ حدیث وحی غیر متلو نہیں ہے بلکہ مستنبط ہے۔ مولانا فرماتے ہیں کہ دین صرف قرآن میں منحصر ہے۔ اور قرآن دین کا قانون اساسی ہے۔ اور آیت "وما ینطق عن الھویٰ" سے مراد صرف قرآن مجید ہے۔ حدیث در اصل قرآن سے مستنبط اور فقہ حدیث سے استنباط کی گئی ہے (صفحہ ۲۴۲)

۶۔ سنت نبوی عالمگیر قانون حجازی جامہ ہے جسکی تعبیر زمانہ اول اور اہل حجاز کی طبیعت کے مطابق کی گئی ہے۔ جو نہ عمومی ہے نہ ابدی ہے۔

اس عالمگیر قانون کو حجاز میں عملی جامہ پہنایا گیا۔ یہ جامہ اس عالمگیر قانون کی ایک تعبیر ہے جو زمانہ، ماحول اور اہل حجاز کی طبیعت سے مطابق کی گئی اس تعبیر کو اصل قانون کی طرح عمومی اور ابدی سمجھنا ٹھیک نہیں ہے۔ لیکن اس تعبیر کو عالمگیر قانون کے خلاف یا اس پر زائد جاننا بھی غلط ہے سنت اسی عالمگیر قانون کے حجازی جامہ کی ایک تصویر ہے۔ (صفحہ ۲۴۳)

۷۔ سنت وہ تمہیدی قوانین ہیں جو رسول اللہ صلعم اور خلفاء راشدین نے مسلمانوں کی مرکزی جماعت کے مشورے سے تجویز کیے تھے۔ یہ تمہیدی قوانین بوقت ضرورت بدل سکتے ہیں۔

مولانا کا کہنا یہ ہے کہ اسلام کی اجتماعی اساسی تحریک قرآن شریف میں منضبط ہے اور وہ غیر مبدل رہیگی۔ لیکن جہاں کہیں کسی قانون پر عملدرآمد شروع ہوتا ہے تو مخاطبین کی حالت کے مطابق چند تمہیدی قوانین بنائے جاتے ہیں۔ قانون اساسی تو غیر مبدل رہتا ہے لیکن تمہیدی قوانین ضرورت کے وقت بدل سکتے ہیں۔ ہم صفحت ان ہی تمہیدی قوانین

معاملات ندوہ

(از مولوی حاجی ظفر الملک صاحب علوی لکھنؤ)

مخدوم - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ

۲۲ فروری کے صدق میں آپ نے میرا استفتاء شایع فرما کر ممنون فرمایا۔ آپ کے نوٹ کو میں نے غور سے پڑھا۔ اب میں آپ کو مطلع کرنا چاہتا ہوں کہ میں نے استفتاء میں جو کچھ لکھا وہ اسی دینی درسگاہ میں ہو رہا ہے جسکے متعلق میرا پمفلٹ تھا۔ آپ خود اسکی مجلس انتظامی کے ایک رکن ہیں۔ شرعی تحقیق کرنے اور شہادتیں لینے اور متعلقین سے بیانات حاصل کرنے کا حق آپ کو بدرجہ اولے حاصل ہے۔ باہر کے کسی شخص کو تو یہ جواب دیدیا جائیگا کہ آپ کو ہم سے پوچھنے کا حق نہیں ہے جیسا کہ چند روز ہوئے شہر کے ایک معزز وکیل صاحب کو جواب دیا جا چکا ہے جو دستر ایکٹ کے سلسلہ میں ثالث کیے گئے تھے۔

میں نے اپنے پمفلٹ میں جو مضامین اقتباسات میں لکھے کہیں جماعت منتظمہ پر بد دیانتی کا کوئی الزام نہیں عائد کیا۔ بے ضابطگی کے جو الزامات لگائے گئے ان میں سے کم از کم دو کو ناظم صاحب نے اپنے جواب میں تسلیم کیا ہے۔ یہ دوسری بات ہے کہ وہ اسکی تاویل و توجیہ فرماتے ہیں۔ چونکہ انکا جواب پمفلٹ شایع ہونے یا کم از کم مجھ تک پہونچنے کے بعد میں طبع ہوا۔ اس سبب سے اسکا جواب نہیں لکھ سکا۔ اگرچہ ایسی صورت میں کہ آپ جیسے باخبر شخص تک اس امر کی اہمیت کو محسوس نہیں فرماتے کہ بانیان ندوہ کی تجویز اور دستور العمل کے ضابطہ کی خلاف ورزی ہو رہی ہے اور ناظم صاحب اسکا اعتراف بھی فرماتے ہیں۔ آپ اسے کافی تصور فرماتے ہیں کہ انھوں نے خاموشی اختیار نہیں کی بلکہ جواب میں ایک پمفلٹ شایع کر دیا۔ دوسرے اراکین مجلس سے کیا توقع کی جائے۔ حالانکہ اگر آپ خود ناظم صاحب کے جواب پر غور فرماتے تو آپ کو معلوم ہو جاتا کہ بانیان ندوہ کی تجویز کو بالائے طاق رکھدینے اور دستور العمل کی پابندی سے بے نیاز ہو جانے کا نتیجہ یہ نکلا ہے کہ

کسی مقام کے مسلمان ندوہ کے سالانہ جلسہ کو مدعو کرنے اور اسکے مصارف کی ذمہ داری لینے کو آمادہ نہ ہوئے۔

یعنی ہندوستان بھر کے مسلمانوں میں جو ہمدردی اور دلچسپی ندوۃ العلماء سے ہمارے بزرگوں کی مسلسل جد و جہد کی بدولت پیدا ہوئی تھی اور جسکی بدولت نہ صرف صوبہ متحدہ کے مختلف شہروں میں بلکہ پٹنہ، کلکتہ، مدراس اور امرتسر تک سالانہ ندوہ کے شاندار اور کامیاب جلسے ہوئے تھے اب وہ سب ختم یا فنا ہو گئی۔

مسلم لیگ کی نشاۃ ثانیہ، الکشن کی گرم بازاری اور دوسری قومی تحریکات نے دنیا کی دوسری علمی و دینی سرگرمیوں پر اثر نہیں ڈالا۔ بلکہ گذشتہ دو سال سے ندوۃ العلوم سے ... اور اسلامی ... اور علمی و تبلیغی جلسے بھی ہوئے اور برابر ہو رہے ہیں۔ اگر نہیں ہو سکا تو ندوہ کا جلسۂ عام۔

ناظم صاحب نے بہت سے تعمیری کاموں کا ذکر فرمایا جن میں سے ایک بھی ایسا نہیں جسکی بنا پر ندوہ کا سالانہ جلسۂ عام بند ہوتا۔ سب سے بڑی ستم ظریفی یہ ہے کہ ناظم صاحب نے اپنے برادر خورد مولانا ابوالحسن علی صاحب کے ان کارناموں کو بھی ندوہ کے تعمیری کام کا جزو قرار دے دیا جو وہ ندوہ سے طویل رخصت کے زمانہ میں اپنی انفرادی حیثیت میں کرتے رہے مگر انکے ادارۂ تعلیمات اسلام کا ذکر نہیں کیا جو انھوں نے ندوہ کی باغی جماعت کے سرغنہ مولوی عبد السلام قدوائی کے ساتھ مل کر قائم کیا ہے۔

مولوی زماں خاں صاحب کی علیحدگی کے سلسلہ میں بھی افسوس ہے کہ ناظم صاحب کا جواب بالکل غیر تشفی بخش ہے۔ مولانا سید سلیمان صاحب کو اگر ڈکٹیٹر بنا کر مجلس منتظمہ نے تمام ذمہ داریوں سے سبکدوشی حاصل کر لی ہے تو دستور العمل کو تبدیل کرنا چاہیے۔ دستور العمل مروجہ کی کوئی دفعہ ایسی نہیں ہے جسکی رو سے کسی فرد کو ڈکٹیٹر بنایا جا سکے۔ چونکہ ناظم صاحب نے تجویز کے الفاظ درج نہیں کیے بلکہ اسکا خلاصہ درج کر دیا ہے، اس لیے بحیثیت رکن مجلس انتظامی کے آپ اس تجویز کے الفاظ کو ملاحظہ فرمائیں تو آپ کو معلوم ہو جائے گا کہ مجلس انتظامیہ کے جن اراکین نے وہ تجویز منظور کی انکا بھی یہ منشا نہ تھا کہ دستور العمل معطل کر دیا گیا اور ملازمین دار العلوم محض ایک فرد کی عنایت و کرم پر چھوڑ دیے گئے۔ وہ مطلق العنانہ طور پر جسے چاہے بغیر جواب حاصل کیے اور بغیر ... لیے ہوئے ہر ملازم کو علحدہ کر سکتا ہے۔

میں انشاء اللہ ناظم صاحب کے مراسلہ کا مفصل جواب علحدہ لکھونگا آج حکیم صاحب نے دوا ترک کرادی ہے۔ اور اگرچہ اب میں اتنا توانا ہو گیا ہوں کہ بے تکلف چلتا پھرتا ہوں مگر پاؤں تو ایک ماہ کی معذوری کے دوران میں کام بہت سا جمع ہو گیا، دوسرے ایک ہفتہ سے بعض مجلسی کاموں میں گرفتار ہو گیا ہوں اور ابھی تک زیادہ دماغی محنت کرنے کے لائق نہیں اس لیے فی الحال اسی پر قناعت کرتا ہوں کہ آپ کو توجہ دلاؤں۔

مجھے معلوم ہوا ہے کہ آپ کو مجلسی کاموں سے دلچسپی نہیں لیکن جس ادارہ کی مجلس انتظامی کے آپ رکن ہیں اسکے متعلق تو آپ کو اپنی ذمہ داری کو محسوس فرمانا چاہیے۔ اور آپ اسے انگیز نہیں کر سکتے تو بہتر ہوتا کہ آپ اس ذمہ داری سے سبکدوشی حاصل کر لیتے۔

ندوہ کی رکنیت اگر ندوہ کی خدمت کے لیے نہ ہو تو محض احباب کی خاطر آپ اس ذمہ داری کو کیوں اپنے سر لیے رہیں۔ جن لوگوں کو حضرت مولانا تھانوی رحمۃ اللہ علیہ سے فیض حاصل کرنے کا موقع ملا ہے ان سے تو یہ امر بعید از توقع ہے کہ وہ اجتماعی کاموں میں بعض بڑے نام شرکت گوارا کریں جو آجکل بہت سے لا مذہب انگریزی تعلیم یافتہ بھی پسند کرتے ہیں۔

بھی نہیں - وہ تو تمامتر انسانی تخیلات اور تخمینی ظنون، قیاسات، مفروضات اور اوہام کی جولانگاہ اور محض ثقیل، مرعوب کن مصطلحات کا گورکھ دھندا ہے۔ انکے بڑے سے بڑے دلائل اور خود ان دلائل کے قواعد و مبانی سب انسان ہی کے دماغ کے تراشے ہوئے۔ اور پھر فلاسفۂ یونان ہی کی خلافت خدا کی پناہ! فلاسفۂ یونان کے "افلاک" تمامتر انکی غیر کاملہ ہیئت کے پیدا کئے تھے۔ انہیں وہ جاندار، صاحب ارادہ ہستیاں سمجھے ہوئے تھے۔ اور گردش افلاک کی تاثیرات کے قائل۔ اچھا ہوا کہ ذہب کی مداخلت کے بغیر خود ہیئت جدید ہی نے ان خرافات کی دھجیاں اُڑادیں۔ بالفرض وہ نظریات قائم بھی رہتے جب بھی آخر اس مفروضہ پر دلیل ہی کیا تھی کہ افلاک میں خرق والتیام نہیں ہو سکتا؟

(بقیہ صفحہ ۴)

کو کہتے ہیں جو رسول اللہ صلعم اور آپ کے خلفا رضی اللہ عنہم نے مسلمانوں کی مرکزی جماعت کے مشورہ سے تجویز کیے۔ مولانا کے نزدیک یہ سنت قرآن ہی سے مستخرج ہے۔ (صفحہ ۲۴۳)

مـ۵ نبوت افراد کی فطری رجحان جبلّی استعداد کے مطابق ہوتی ہے اسکے خلاف نہیں ہوتی ہے۔ لہذا ذبح حیوانات سے بچنا نبوت کے خلاف نہیں ہے۔

مولانا فرماتے ہیں کہ نبوت انسانوں کی جبلّی استعداد کا انکار نہیں کرتی۔ اور انسان کی جبلی استعداد اسکے خاص ماحول سے بنتی ہے۔ مثلاً ہندوستان میں فطرتاً ذبح حیوانات پسندیدہ نہیں اس لیے اگر کوئی ہندوستانی ذبح حیوانات سے بچے تو اسکا یہ فعل خلاف نبوت نہیں ہوگا۔ کیونکہ انسانوں کی جو فطرت ہوتی ہے نبوت اسکے خلاف نہیں جاتی۔ نبوت کا کام یہ ہے کہ فطری رجحانات اور انکی جبلّی استعدادوں کے مطابق اُنکے لیے ترقی کی راہیں بتلائے (صـ۲۵۵)

مـ۶ مساوات اور انصاف کی عملی شکل اب خلافت راشدہ کی سی نہیں ہوگی۔ بلکہ اس میں تبدیلی ہوگی۔ اسی طرح خلافت راشدہ کے دور میں مساوات اور انصاف کا اصول ایک خاص نہج پر نافذ ہوا۔ اب زندگی بہت کچھ بدل گئی ہے اور اسکے ساتھ زندگی کی ضرورتیں بھی بدل گئی ہیں۔ اس لیے مساوات اور انصاف کا طریقۂ اجرا بھی بہت وسیع ہوگا۔ یعنی مقاصد تو وہی رہیں گے لیکن انکی عملی شکل حالات و اسباب کی تبدیلی کی وجہ سے پہلی سی نہ ہوگی (صـ۲۷)

مـ۷ اب جو حکومت ہوگی وہ خلافت راشدۂ ماضیہ کی طرح نہیں ہو سکتی۔ یہ حکم قرآنی حکمت کے خلاف ہے۔

اسی سلسلہ میں مولانا نے ایک دفعہ قرآنی حکومت کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا۔ جو زمانہ گزر گیا وہ پھر واپس نہیں آیا کرتا۔ جو پانی بہ جاتا ہے وہ لوٹتا نہیں۔ قرآن پر عمل کرکے خلافت راشدہ کے دور اول میں صحابہ نے جو حکومت بنائی اب بجنسہ ویسی حکومت نہیں بن سکتی۔ جو لوگ قرآن کو اس طرح سمجھتے ہیں وہ حکمت قرآنی کے صحیح مفہوم کو نہیں جانتے۔ بیشک خلافت راشدہ کی حکومت قرآنی حکومت کا ایک نمونہ ہے لیکن یہ نمونہ ہمیشہ کے لیے مستقل نہیں ہو سکتا۔ ہاں اسکے مبادی اور اصول ہی قرآنی حکومتوں کے لئے ذخیرہ بنتے ہیں۔ (صـ۳۷)

صدق - مراسلہ ایک بڑے ذمہ دار قلم سے ہے۔ اور پہلے جو اقتباسات اس میں درج ہیں انکی صحت میں تو شک و شبہہ کی گنجائش نہیں۔ لیکن اسکے تسلیم کرلینے کے بعد بھی تو کیا کہا جائے

خامہ انگشت بدنداں کہ اسے کیا لکھیے!

"یعنی خلافت راشدہ کے قیام کا خواب کہ ہم میں سے کوئی بھی دیکھ سکتا نہیں - بہرحال اس فتنہ پر توجہ کی ضرورت سب سے پہلے مرکزی جمعیۃ العلماء کو ہے اور اسکے بعد خود امارت شرعیہ (بہار) کا منصب ہے۔ اسلامی اجتہادات اس مدت میں صرف منسخ ہو سکتے ہیں۔

تصحیح

(۱) صدق کے پچھلی اشاعت کا نمبر غلط درج ہوگیا ہے۔ ناظرین کرام بجائے ۴۴ کے اسکو ۴۲ بنالیں۔

(۲) ارشادات اشرفیہ، قسط اول فقرہ میں "احوال باطنی کا حاصل ہو جانا" صحیح ہے نہ کہ "حاصل کرنا"۔

نظم الجواہر

پھر نہ کہنا کوئی خبر نہ ہوئی

کلام الٰہی کے عاشقو - دوڑو اور جلد جواہر النظم کی زیارت کرو۔ یہ وہ کتاب ہے جسے قرآن شریف کی انسائیکلوپیڈیا کہنا غلط نہیں۔ کیونکہ قرآن پاک میں کوئی چیز ایسی نہیں جس پر اس میں ایک مفصل بحث مع حوالجات علما و صحابہ رحمہم اللہ موجود نہ ہو۔ آیات کی شان نزول۔ جابجا نزول، ناسخ و منسوخ - اختلاف قرأت - استخراج مسائل - دعائیں - موقوعہ و مقامات قرآنی - کلام موزوں قرآنی مع شرح اوزان و بحور - قصص انبیا کی تفصیل کس جگہ کس پیغمبر کا ذکر ہے - رحمت و عذاب کی کتنی آیتیں ہیں - ائمۂ اربعہ میں کون امام کس آیت یا سورۃ پر کس طرح عامل ہیں - اختلاف مذاہب کی تفصیل - ضروری آیات کی تفسیریں - اسمائے الٰہی کے خاص ذکر - غرض کوئی چیز ایسی نہیں جو اس میں نہ ہو - یہ کتاب غیر مطبوعہ $\frac{۲۲}{۲۹}$ کے قریب قریب ۱۲۰۰ صفحات پر نہایت پاکیزہ خط میں لکھی ہے۔ تصنیف مولانا ولی اللہ صاحب - ہم اسکو طبع کرنا چاہتے ہیں۔ اگر آپ اس دیباچہ کی زیارت فرماکر خرید فرمائیں تو یقینی آپ کی دنیا و عقبیٰ کا ایک قابل فخر سرمایہ ہوگا - قیمت باوجود ان تمام خوبیوں کے بہت مناسب ہوگی۔

پتہ - الف معرفت اڈیٹر صاحب "ارحق" مرشدآباد، بلیس گارگنج۔ لکھنؤ

ہر ہر طرح سے ا مسلم نوجوان، کالج کا تعلیم یافتہ، ہر طرف سے کانوں اور آنکھوں دونوں کے راستوں سے اپنے دل و دماغ پر نقش غیر اسلامی اور جاہلی تہذیب کے مسلط ہوتے پاتا ہے۔ بیچارہ بھاگ کر جائے تو کدھر جائے؟ من چلی صاحب مینیلون۔ اور آخر کن رسالوں، پرچوں، اخباروں سے اپنے علمی و ادبی ذوق کی تسکین دے! ——— آہ کالم ریڈر!

توبۂ آدم

محمد صفدر صاحب موضع ... سے لکھتے ہیں:-

"دریافت یہ کرنا ہے کہ حضرت آدم و حوا علیہما السلام نے ربنا ظلمنا انفسنا کہاں عرض کیا، زمین پر یا آسمان پر؟ اس آیت سے قبل والی آیت کا پہلا لفظ فتلقی آدم ... رحمت تو یہی ہے کہ یہ توبہ زمین پر ... جنت ہی میں ہوئی۔ لیکن میرے پاس جو تفسیریں ہیں وہ کچھ اور ہی کہتی ہیں۔ تفسیر نادری (زیر آیت ۲۴) میں ہے کہ دو سو برس کے بعد ... یہ کلمات عرض کیے۔ بیان السبحان میں ہے کہ مدتوں زمین پر سرگرداں رہنے کے بعد یہ کلمات عرض کیے۔ موضح القرآن میں آسمان کچھ نہیں بتاتی؟"

آپ کا خیال صحیح ہے۔ نادری، بیان السبحان کے بیانات قابل اعتنا نہیں۔ قرآن مجید کی تصریحات خود بھی کہہ رہی ہیں۔ سورۂ طٰہٰ کی آیت تو نص قطعی کا حکم رکھتی ہے،

وعصیٰ آدم ربہ فغویٰ ثم اجتباہ ربہ فتاب علیہ وہدیٰ۔ قال اھبطا منہا جمیعا (ع)	اور آدم سے اپنے رب کا قصور ہو گیا سو وہ غلطی میں پڑ گئے۔ پھر انکے رب نے مقبول کر لیا، سو ان پر رحمت سے توبہ کی اور ہدایت دی (اللہ نے) کہا تم دونوں جنت سے اُترو۔

اس میں مقبولیت و قبول توبہ و توفیق ہدایت سب کے بعد کہیں ذکر ہبوط کا آتا ہے۔

سورۂ اعراف کی آیت بھی اسی قدر واضح ہے۔ لغزش کے معاً بعد ہی مکالمہ و مخاطبۂ الٰہی کا ذکر ہے اور ساتھ ہی آدمؑ و حواؑ کے استغفار کا، اور پھر کہیں اسکے بعد یہ حکم آتا ہے کہ

قال اھبطوا بعضکم لبعض عدو	تم (یعنی اولاد آدم) ایک دوسرے کے دشمن ہو کر (جنت سے) نیچے اُترو۔

قرآن میں تیسری جگہ اس واقعہ کا ذکر سورۂ بقرہ کے رکوع ۴ میں ہے۔ وہاں بھی ترتیب یہی ہے یعنی پہلے قبول توبہ، اسکے بعد حکم ہبوط ——— خود آدمؑ کی سیرت پیمبرانہ کا تقاضا بھی یہی تھا کہ احساس لغزش ہونے پر فوراً وہیں کے وہیں توبہ و استغفار کر لیں۔ سیکڑوں برس مزید انکا بھٹکے رہنا کسی آدم زاد کی بڑی ہی جسارت ہے۔

روایتیں، رطب و یابس ہر قسم کی آپ کو کتب تفسیر میں مل جائینگی اور بعد اس قسم کی روایتوں کا بڑا مخزن در منثور ہے، جو حقیقۃً ایک قسم کا کشکول ہے۔ مشہور مفسر ابو حیان غرناطی نے صاف لکھ دیا ہے کہ

وامرہ بالہبوط الی الارض بعد ان تاب علیہ (بحر المحیط جلد ۱ ص ۱۶۳)	آدمؑ کو زمین پر اُترنے کا حکم توبہ کے بعد ملا تھا۔

مولانا محمد اویس ندوی نگرامی نے اس خیال کی تائید ... (شرح مواہب) قرطبی (احکام القرآن) اور شعرانی (الیواقیت والجواہر) کے حوالے بھی لکھ کر بھیجے ہیں، لیکن اُن سب کی نقل بالکل غیر ضروری ہے۔

فسق کا اعزاز

دہلی سے ایک صدق نواز لکھتے ہیں:-

"صدق ... "فسق کی عزت" کے سلسلہ میں آپ نے سب نام ہندوؤں ہی کے گنوا دئے ہیں۔ مگر دہلی کی میوزک کانفرنس کا بھی آپ کو علم ہے؟ یہاں کرسی صدارت پر کون تھا؟ نواب صاحب ... جو مسلم یونیورسٹی کے .... ہیں۔ گویا مسلمانوں کی تعلیمی کشتی ہی کے نہیں، بیڑے کے ناخدا۔ اور صرف صدارت ہی نہیں فرمائی، بلکہ بطور خاص عطیہ بھی دیا۔ اور خود مسلم لیگ بینڈ باجوں پر ... اور میوزک سوسائٹیوں کو عطیات دیتے ہیں۔ اب فرمائیے، مسلم قوم کا کیا حشر ہوگا؟"

بیشک اپنوں کے ہاتھ سے تو اسلام کو اس ساڑھے تیرہ سو برس میں وہ وہ صدمے اٹھانے پڑے ہیں، کہ غیروں اور بیگانوں کے ظلم بھی انکے آگے گرد ہو گئے ہیں۔ اور موسیقی نوازی کی مثال تو پھر بھی ہلکی ہے، خلافت راشدہ کے دور کے معاً بعد سے کون سی شدید سی شدید بدبختی ایسی ہے جو مسلمان ہی امراء و سلاطین کے ہاتھوں امت میں راہ نہیں پا چکی ہے؟

من از بیگانگاں ہرگز نہ نالم
کہ با من آنچہ کرد آں آشنا کرد!

لیکن امت و امرائے امت کے ان ساری بدعتوں اور ظلموں کے باوجود نفس اسلام تو بحمد اللہ ابھی تک محفوظ اور جوں کا توں سالم ہے۔ اور ہر شخص ادنیٰ تامل کے بعد دین کو بدعتوں سے پاک دیکھ سکتا اور سمجھ سکتا ہے۔ بخلاف اسکے دوسروں کے یہاں نفس دین بھی بالکل مختلط ہو گیا ہے۔ اور صداقتوں کے اوپر کے ساتھ ساتھ غلطیوں اور گمراہیوں کے پورے پورے انبار اصل مذہب میں شامل ہو گئے ہیں۔ چنانچہ خود یہی راگ، انکی ہندو مذہب کے اندر بطور خاص عبادت کے سرایت کر گئی ہے، اور معاملہ اشخاص و افراد کی بدکرداریوں تک نہیں رہا ہے ——— مسلمان کے عمل میں جیسی بھی لغزش ہو، فسق نوازی وہ بیتی بھی کرنے لگے، فسق کو معزز سمجھ لینے، فسق کو جزو عبادت بنا لینے کی منزل بحمد اللہ ابھی اس سے دور ہے۔ اور ان شاء اللہ دور رہے گی۔

ایک فارسی تفسیر

مولانا محمد اویس صاحب ندوی نگرامی، صدق ۲۵ کے ایک شذرہ کے سلسلہ میں لکھتے ہیں:-

"صدق کے دونوں پرچے مل گئے۔ تفسیر سے متعلق نوٹ کے سلسلہ میں ایک فارسی تفسیر کی طرف توجہ مبذول کرانا چاہتا ہوں۔ معاملات الاسرار فی مکاشفات الاخیار معروف بہ تفسیر حضرت شاہی، فارسی زبان میں تکمیل ذکر تفسیر ہے۔ مولانا محمد حسن صاحب امروہی (مولود ۱۲۳۵ھ) کی تصنیف ہے۔ یہ مفتی صدر الدین صاحب مرحوم اور مولانا فضل حق خیرآبادی کے شاگرد تھے۔ انکے حالات حضرت جد محترم مولانا محمد اویس صاحب نگرامی

خواب کے وقت جناب کی زیارت سے بھی مشرف ہوا تھا ---- اس جزو کا

جواب :-

"تعبیر آپ کی ہر جو گئی - اصل تو مولانا ہی تھے - میں ایسا
تھا جیسے حشو الفاظ بجائے بیت ہوتے ہیں"

تصوف کی کتابوں کا مطالعہ ان دنوں جاری تھا - "صلوٰۃ معکوس" کا لفظ بار بار نظر سے گزرا - اول تو یہ سمجھ میں نہ آیا کہ یہ "الٹی نماز" آخر عملاً ادا کس طرح کی جاتی ہوگی، دوسرے اسکا ثبوت حدیث و سیر کی کتابوں میں کہیں نظر سے نہ گزرا - خط میں ایک سوال اس سے متعلق بھی "فوائد الفواد (ملفوظات حضرت محبوب الٰہی مرتبہ امیر حسن علاء سجزی) و قول الجمیل (شاہ ولی اللہ دہلوی) کے حوالے کردیا کہ حضرت کی اس بارے میں کیا تحقیق ہے؟ جواب ملا :-

"میں ان تحقیقات کی کیا لیاقت رکھتا ہوں - اگر اپنے تعلق حاصل ہوتی تو اپنے معلومات عرض کردوں - اسکو صلوٰۃ مجازاً کہہ دیا جاتا ہے - اصل میں یہ ایک مجاہدہ ہے، اور مجاہدہ ایک معالجہ ہے، اور معالجہ کے لیے منقول و ماثور ہونا ضروری نہیں، ہاں سنی حسنہ تو ہونا ضروری ہے سو یہ بھی سیئہ نہیں لیکن اس وقت امزجہ اسکے متحمل نہیں ہوسکتے، لہذا مشائخ نے اسکو ترک فرمادیا ہے۔"

"انتہا درجہ تعظیم کے متعلق کی ہدایت اوپر کے والا نامہ میں مل چکی تھی، اور نہ ملتی، جب بھی اسکی ضرورت اپنے حدود کے اندر، بالکل واضح و عیاں تھی - لیکن یہاں ایک عجیب پیچیدگی حائل تھی - مخدوم خود خادم بنا ہوا تھا، اور جسکا منصب آمر ہونے کا تھا، وہ فخر و مسرت اپنی مامورت میں محسوس کررہا تھا! دیوبند جایئے، تو مولانا اسٹیشن پر پیشوائی کو موجود، چلنے لگیے تو اسٹیشن تک مشایعت پر آمادہ، کھانا کھانے بیٹھیے تو وہ لوٹا لیے ہاتھ دھلانے کو کھڑے ہوئے، پانی مانگیے تو گلاس لیے خود حاضر! تانگہ کا کرایہ وہ اپنے پاس سے دیدیں - ریل کا ٹکٹ وہ دوڑ کر لے آئیں ہوٹل میں کھانا کھایئے، تو بل وہ خود ادا کردیں - سفر میں ساتھ ہو تو بستر وہ کھول کر بچھا دیں - غرض یہ کہ مالی اور بدنی، چھوٹی بڑی خدمت کی جتنی بھی صورتیں ہوسکتی تھیں، سب میں مرید و مراد کے درجہ پر پہونچ گیا اور جو صاحب امر و ارشاد تھا، وہ چاکری اور خدمتگزاری میں لگا ہوا!----

دل نے سمجھایا کہ اس گل کا حل بھی انھیں "مشکل کشا" سے کرایئے - دوسرا عریضہ باریک خط کے پورے دو صفحوں پر لکھا ہوا، انھیں مشکلات کی تفصیلات سے لبریز اسی ہفتہ کے اندر روانہ ہوگیا -

جواب، دوسرے دن بلکہ پہلے دستی الفعل حسب ذیل موصول ہوا :-

"آخر میں جواب مشورہ کا مورد ہے، اور دستور کے قبل اجمالاً اتنا اور معروض ہے کہ مولانا کا یہ طرز ہم لوگوں کو مخالفین و معترضین کے اوپر پیش کرکے موقع احتجاج کرنے کا ہے کہ تم لوگ علماء پر عموماً اعتراض کیا کرتے ہو، دیکھو حقیقی علماء کے یہ نمونے ہیں - جواب مشورہ، اسکی تدبیریں دو ہیں - ایک کثرت حاضری، کیونکہ طبعاً کثرت مخالطت سے تکلف کم ہوجاتا، مگر اس تدبیر کا ثمرہ مدت دراز میں ظاہر ہوگا - دوسری جلدی ہونے والی تدبیر یہ کہ مولانا کی خدمت میں بے تکلف یہ عرض کردیا جائے کہ یہ معاملہ حاضری سے مانع ہوجائیگی، اور حاضری کی ضرورت قابل انکار نہیں ہے، اس لیے میری درخواست کو منظور فرمایا جاوے کہ ان تکلفات کو حذف فرمادیا جاوے - مگر یہ سب تب ہے کہ مولانا کا یہ طرز طبعی نہ ہو، ورنہ تبدیل مشکل ہے - اس صورت میں تیسری تدبیر یہ ہے کہ آپ ہی اسکو گوارا فرمالیں - آپ کا بہت ہی کیا ہے - کیونکہ مختلف طبائع کے مختلف مقتضیات ہوتے ہیں - چنانچہ اس احقر کا امر طبعی یہ ہے کہ جس امر میں شبہ بھی ہے کہ دوسرے پر گراں ہوگی، گو وہ خدمت اور تعظیم ہی کیوں نہ ہو، اس امر کو اختیار نہیں کرتا - چنانچہ جناب نے مشاہدہ فرمایا ہوگا کہ کوئی امر جو کسی کی ارادت میں مخل ہو نہیں کیا"

ان ہدایتوں پر عمل کہاں تک ہوا؟ اور کیا نتائج کہاں تک کامیاب رہے؟ اس قسم کے سوالات دل میں جتنے پیدا ہوں، انکے جوابات کا انتظار ان اوراق میں نہ فرمایئے -- "نقوش و تاثرات" کا تعلق حضرت حکیم الامت کے واقعات زندگی سے ہے - دوسرے سوالات کیسے ہی دلچسپ و دلکش نہیں، بجائے خود ضروری سہی، لیکن بہرحال اس موضوع سے بے تعلق ہیں!

"نقوش و تاثرات" جن پر آج ۱۵-۱۶ سال کے بعد بھی کہنگی طاری نہیں ہوئی ہے، تو جس وقت تو ظاہر ہے کہ بالکل تر و تازہ تھے - تھانہ بھون سے واپسی کے بعد ہی دوست احباب کے سوالات کا تانتا لگ گیا کیا دیکھا؟ کیسا پایا؟ کیا دیکھ کر آئے؟ کیا لیکر آئے؟---- یہاں جوابات میں کسی بخل، کسی تکلف، کسی اخفاء کی کیا ضرورت تھی - آنکھوں نے جو کچھ دیکھا تھا، دل نے جو کچھ پایا تھا، سب الٹا سیدھا، کچا پکا، اگل دیا - مولانا کے فضائل و کمالات کی تھاہ اتنے عرصہ کے بعد اب کب مل پائی ہے، تو اسوقت کیا ملی ہوتی - بڑی "کرامت" سمجھ کر اپنا تجربہ و مشاہدہ یہ بیان کررہا تھا کہ "وہ تو صاحب کشف ہیں - دوران گفتگو میں گویا دل کے بھید پڑھ لیے، اور ان باتوں کا جواب دے دیا جو زبان پر آنے بھی نہیں پائی تھیں" - آج بحمداللہ مولانا ہی کی برکت اور صحبت سے یہ حقیقت روشن ہوچکی ہے، کہ ایمان کی پختگی اور تقوے پر استقامت کے سامنے کشف تکوینی یا اشراقیت کی حقیقت ہی کیا ہے - لیکن اس وقت، خیال میں یہ گویا عین درویشی بلکہ معراج درویشی تھی!

تا لکھا ہے سفا میں مت پوچھو!

غدہ مسند پہ خبر حضرت کو بھی پہونچی ---- لکھنؤ سے تھانہ بھون جانے والوں اور روایت پہونچانے والوں کی کمی نہ تھی---- اور شفقت اس طرف لائی کہ اپنے ایک خادم کو اس جہل سے نکالا جائے کسی نئے مضمون کو چھیڑنے کی عادت، مکاتبت گرامی میں عام طور سے نہ تھی، لیکن یہ صورت خاص تھی - جس مکتوب کا طویل اقتباس اوپر درج ہوچکا ہے، اسی میں ارشاد ہوا :-

"میں نے دو واسطوں کی سند سے سنا کہ جناب کو مجھ پر صاحب کشف

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۱۴)

("س" علامت سوال کی ہے اور "ج" جواب کی)

س ۔ کئی اسلامی انجمنوں اور اداروں کا میں صدر ہوں۔ انکا روپیہ میری تحویل میں رہتا ہے۔ اب انھیں کھیتی یا مکانات یا تجارت میں لگاؤ تو بہت تکلیف کا سامنا ہوتا ہے۔ اور انتظام برابر نہیں رہ سکتا، اس لیے لامحالہ وہ روپیہ بینک میں رکھنا پڑتا ہے۔ اب اگر اسکا سود لو تو قطعی حرام، اور اگر نہ لو تو بینک وہ سود کا روپیہ اپنے عیسائی تبلیغی مشن کو دیدیتی ہے جو اور گناہ۔ تو ایسی حالت میں کیا کیا جائے۔

ج ۔ بیشک مسلمان جب تک اپنا کوئی بیت المال یعنی قائم کرلیتے، بینک سے سلامت رکھنی کچھ ناگزیر سی ہے۔ بینک کا سود اگرچہ "قطعی حرام" کا درجہ نہیں۔ [illegible] ہے جو [illegible] کے حکم میں داخل نہیں۔ تاہم حتی الامکان بچنے کی بہتر یہی ہے۔ تاہم بہتر صورت یہ ہے کہ اسے وصول کرکے تصدق کردیا جائے۔ اپنے کام میں نہ لگایا جائے۔

س ۔ بعض اوقات تہجد کے وقت اٹھنے کے لیے خوف معلوم ہوتا ہے۔ خوف دور کرنے کی سعی کرتا ہوں، مگر خوف رفع نہیں ہوتا۔ للہ دعا کیجیے کہ خوف دور ہو جائے۔

ج ۔ یہ خوف کوئی معصیت تو ہے نہیں، ایک امر طبعی و عادی ہے ناخوشگوار قسم کا۔ جو تدبیریں تجربے سے مناسب حال معلوم ہوں انھیں اختیار کیا جائے۔ مثلاً اگر تاریکی اسکی باعث ہو تو روشنی کا انتظام کرلیا جائے۔ اگر تنہائی اسکا باعث ہو تو کسی ساتھی کو اسوقت جگا لینے کی فکر کرلی جائے۔ خود بھی آنکھ کھلتے ہی کلمۂ طیبہ، درود شریف، اور آیات قرآنی کے شروع کردینے کی عادت ڈالی جائے۔ شب کو سوتے وقت اللہ پر بھروسہ اور اس حافظ و ناصر حقیقی کے کافی ہونے کا استحضار کرلیا جائے۔ اور سب سے بڑھکر یہ کہ خوف کو اپنے کسی عمل پر غالب نہ آنے دیا جائے بلکہ ہر معمول کی پابندی بدستور ایک عرصے تک جاری رہے۔

س ۔ مرشدی حضرت ... صاحب قبلہ کی علالت شدید اور دماغی کام سے بالکل معذوری کی خبر نہایت رنج کے ساتھ پڑھی گئی۔ اب میرے لیے کیا مشورہ زیر نظر ہے۔ خط و کتابت جاری رکھوں یا نہیں؟

ج ۔ اطلاع [illegible] سے مجھے بھی بہت ہوا۔ اللہ عاجل شفا دے۔ سر دست اسکے سوا بجز صبر اور خاموشی اور اپنے مرشد کے حق میں دعائے صحت کے اور کوئی چارہ نہیں۔

س ۔ آپ کو [illegible] قبل بھی اطلاع دے چکا ہوں کہ میرا تبادلہ ترقی کے [illegible] اور یہاں میرا عہدہ ... کا ہے۔

ج ۔ ترقی [illegible] اور دنیوی ترقی کو دینی سربلندی کا مقدمہ

بتائے ۔

گزارش صرف ایک ہے۔ اپنا مسلمان ہونا کسی حال اور کسی ماحول میں بھی نہ بھولیے۔ انگریز ہر حال میں ہر جگہ انگریز رہتا ہے، جرمن ہر دن اور ہر لمحہ جرمن رہتا ہے۔ یہ سبق ہمارے ہی ہاں سے ان لوگوں نے سیکھا تھا۔ ضرورت اسکی ہے کہ ہم اس بھولے ہوئے سبق کو پھر سے حاصل کریں۔ میرے دو عزیز تو جی عہدوں پر ہیں، بحمد اللہ دونوں اپنے حدود کے اندر پختہ مسلمان، اور سرکاری قیود کے اندر دین و ملت کی خدمت میں لگے ہونے والے۔ یہی راہ آپ کے لیے بھی کھلی ہوئی ہے۔ آپ کا محکمہ تو نفع و نقصان دونوں کے پہونچانے پر بہت زیادہ حاوی ہے، اور اب تک ہوتا یہ بیشتر غلط ہی رخ پر چل رہا ہے۔ محکمہ کی پالیسی بدلنا ظاہر ہے کہ آپ کے اختیار میں نہیں۔ تاہم جس عہدہ پر آپ ہیں اسکے بھی اختیارات ایک خاص حد کے اندر اچھے خاصے وسیع ہیں۔ اپنی ذمہ داری محسوس کرکے انھیں اصلاحی رخ پر لگائیے۔

س ۔ میرا کیا حال ہوگا؟ پیدائش سے اب تک حرام کھایا۔ حرام سے پلا۔ اب بھی حرام کھاتا ہوں، حرام ہی پہنتا رہا ہوں۔ والد صاحب ... سے تھے۔ تنخواہ ... سے شروع ہوئی، آخر میں ... تک پہونچے۔ جتنی ان کی عمر بھر کی کمائی تھی ہے، آدھی تو میں نے خرچ ہی کرڈالی۔ مکان کی تعمیر، زمین لینا آخر حرام ہی سے ہوا۔ ترکہ میں دو ہی درہم سہی مگر بہنوں کا حق تو غصب ہوا۔ بینک سے روپیہ کا سود تو لیا گیا، گو قلیل ہی سہی۔ آخر یہ سب حرام نہیں کھایا تو کیا کھایا۔ اب بھی اسی سے کھا رہا ہوں۔ میرا کیا بنے گا؟

ج ۔ خشیت تو اللہ کی بڑی نعمت ہے۔ برابر اپنے انجام سے ڈرتے رہنا چاہیے اور اسکی فکر میں لگے رہنا چاہیے۔ اس زمانہ کی آمدنیاں ہندوستان میں حلال ہیں ہی کتنی کم۔ کم و بیش تقریباً سب ہی اسی عذاب میں مبتلا ہیں۔ لیکن فقہاء کی زبان سے سنا ہوا یہ قاعدہ ذہن میں پڑا ہوا ہے کہ شریعت نے مس بالخبث کو اسباب خبث میں شمار نہیں کیا ہے۔ اس لیے جس شے میں خود خبث ہو اسکا استعمال حرام ہے نہ کہ اس سے مس کردہ چیزوں کا۔ حرام کی کمائی خود اسکے لیے حرام ہے جو کسی عمل حرام کا عامل ہے۔ بلکہ فقہاء نے تو اس تنخواہ کو بھی مباح کہا ہے جو کافر حاکم بہ رضا و رغبت کسی مومن کو دے (یہ قاعدہ بھی یاد رہے کہ حکومت کافرہ کو اموال پر استیلاء موجب تملک ہو جاتا ہے)۔ اس تنخواہ سے فائدہ اٹھانے والے یعنی اس شخص کے اہل و عیال، احباب، مہمان وغیرہ تو بہر حال مواخذہ و ذمہ داری سے بری ہیں۔

بینک کا "سود" یا منافع، ربو صریح کے حکم میں نہیں۔ اوپر اسکا جواب اسی رسالہ میں ذکر آچکا ہے۔ غصب ترکہ کے سلسلہ میں بہنوں سے اگر اپنی مراد ہیں تو اس غصب کا تدارک و تلافی تو ہر وقت اختیار میں ہے۔ باقی اگر والد کی بہنیں مراد ہیں، تو اسکی ذمہ داری والد ہی پر ہے۔

ایک مرحوم کی یاد

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ)

(۳)

انکی زندگی کا ایک مخفی پہلو

اس سے بھی زیادہ حیرت انگیز ہوشربا اعجوبہ طراز انکی زندگی کا ایک پہلو اور ہے جسکا علم بالمشافہ عرض کرتا ہوں۔ انکے مرنے کے بعد یہ اُسوقت، جو اچانک یاد کر گزرا کہ اب وہ ماہر نہیں ہونگے۔ اگرچہ تصوف پر، ایکے مسائل پر، کبھی کبھی مجھ سے بطور استفادہ کے گفتگو کیا کرتے تھے۔ خصوصاً "عبقات" جو نظری تصوف کی ایک بے مثال کتاب ہے، اور علم کلام کے نصاب میں داخل ہے، بجائے اپنے میں نے ایک دفعہ انھیں کو پڑھانے کے لیے دے دی۔ میرے لکھائے ہوئے نوٹ کتابچہ کے پاس تھے، اُنکے چند اوراق پر اُنکی اتفاقاً نظر پڑ گئی، دوڑتے ہوئے میرے پاس آئے، مسکراتے ہوئے ہنستے ہنستے کیا یہ مولوی عبد القادر صاحب! میں نے عرض کیا۔ بولے کتنا مشکل مقام تھا، آپ نے عجب طریقہ سے مثال دے کر اسکو حل کر دیا۔ جو کتاب کسی طرح گرفت میں نہیں آرہی تھی، اب میرے لیے پانی ہو گئی۔ اعتراف کرتے رہے۔ تھوڑی دیر تک اعتراف کرتے رہے۔ پھر اطمینان سے "عبقات" کو پڑھاتے رہے۔ حالانکہ اسکی شہادت مولانا سید سلیمان ندوی دے سکتے ہیں کہ میری تحریک سے دار العلوم ندوۃ العلماء (لکھنؤ) اور مدرسہ شمس الہدیٰ (پٹنہ) کے نصاب میں عبقات بھی داخل ہوئی تو اچھے اچھے معقولی مولویوں نے اس کتاب کے پڑھانے سے انکار کیا۔ تصوف بھی پڑھانے کی چیز ہے؟ یہ مجذوبوں کی بڑ ہے۔ صوفی خدا جانے کہاں کہاں کی ہانکتے ہیں، اُنکی شطحیات کو کون سمجھ سکتا ہے۔ ان ہی تقریروں کی گرد اُچھال اُچھال کر اس کتاب کے پڑھانے سے جو معذرت کی تھی چھپاتے رہے۔ ڈیوڑھے جس نے اس کتاب کو نصاب میں شریک کیا۔ بڑے فاضل ہیں تو خود ہی چند سطریں پڑھا کر دکھا دیں۔ میں نے سنا ہے کہ ان الفاظ کے ساتھ فقیر کو کوسا گیا، یاد کیا گیا، لیکن باینہمہ مولوی عبد القادر مرحوم نے پہلے سال جب اطمینان سے اس کتاب کو پڑھا لیا تو پھر ہر سال پڑھانے کے لیے تیار ہو گئے۔ اگرچہ ہر سال کی ابتدا میں اُنکا اصرار یہی ہوتا تھا کہ جب تو ہے اس کتاب کو پڑھاتا رہ۔ لیکن میں نے یہی کہہ کر کہ میں کب تک ہوں؟ آپ کو کیا معلوم؟ پھر آپ ہی کو پڑھانا ہوگا۔ ابھی سے اسکو قابو میں کر لیجیے۔ بغیر کسی دغدغہ کے میں یہ عرض کر سکتا ہوں کہ اس پوری کتاب میں مشکل ہی سے دو ایک مقامات ایسے آئے ہونگے جنکے متعلق اُنکو مجھ سے گفتگو کرنے کی ضرورت پیش آئی، ورنہ اپنے مطالعہ سے اس نہ پڑھے ہوئے فن کے ادق مسائل پر اُنھوں نے خود عبور حاصل کیا۔

ہاں! تو میں یہ کہہ رہا تھا کہ تصوف کے متعلق میرا علم اُنکے متعلق صرف اسی حد تک تھا کہ ذہنی اور نظری طور پر اس نے فن کے مسائل سے اُنکو لگاؤ پیدا ہو چکا ہے۔ بس۔ لیکن کیا عملاً بھی وہ اس راہ میں دو چل پڑے ہیں، خدا شاہد ہے کہ جب تک آخر دفعہ بیمار پڑ کر وہ ہسپتال نہیں گئے تھے، اُنھوں نے کچھ ایسے حال میں اپنے آپ کو رکھا کہ میں بھانپ بھی نہ سکا کہ اس زندگی کے آگے بڑھ کر اُنکا دماغ اتنی بلندی حاصل کر چکا ہے جسکے بعد دوسری زندگی کے واقعات کا نگاہوں کے سامنے آجانا ناگزیر ہے۔

شاید جب وہ بیمار ہوئے زیادہ بیمار رہے۔ افسوس اور حسرت کے ساتھ جب لوگوں نے اُنکا ذکر شروع کیا تو بہتوں نے مجھ سے کہا کہ وہ راتوں کو جاگا کرتے تھے، آہیں بھرا کرتے تھے، رویا کرتے تھے۔ ہائے اُنکے آگے رویا کہتے تھے جسکے تماشوں پر مردہ کو کر [illegible] ہی کے لیے آدم زاد پیدا ہوا ہے۔ وہ روتے تھے، حالانکہ ہمارے سامنے تو وہ ہمیشہ ہنستے رہے۔ [illegible] ہنسنے کھلنے والوں سے حسرت کے لہجہ میں [illegible] مسرت رہتے تھے، راستہ [illegible] اُنکے لیے دن تھی، دیوانہ وار گھر سے نکل کر اُسوقت جبکہ سارا عالم [illegible] کی تلاش میں سڑکوں پر گھوما کرتے تھے۔ بیابانوں میں، جنگلوں میں، ویرانوں میں پکارا کرتے تھے۔ زندگی کا یہ عجیب پہلو جسے اُسوقت بتایا گیا، جب دنیا اور دنیا والوں کو اپنی زندگی کے اس پہلو کا پتا جتا کر لوگ اپنا دین بیچکر اُنکی دنیا خریدتے ہیں۔ نمازیں بھی پڑھتے تھے، وظیفوں کا بھی شغل تھا اور اوراد و اذکار میں بھی لگے رہتے تھے، لیکن ان میں تو اُنکو بھی مشغول پایا گیا ہے جنکا دل ہمیشہ دنیوی [illegible] رہتا ہے، اُنکا دماغ دل کو اور دل دماغ کو جھٹلاتا رہتا ہے۔ بظاہر وہ دوسروں کو دھوکا دیتے ہیں، لیکن درحقیقت وہ خود اپنے آپ کو دھوکا دیتے ہیں، یا اپنے دھوکوں سے خود دھوکا کھا جاتے ہیں۔ لیکن مرحوم عبد القادر پہلے سنا گیا کہ کالج اُنکو جو کچھ دیتا تھا، ڈھائی سو بھی دیتا رہا، تین سو بھی دیتا رہا، تین سو بھی اور بالآخر چار سو بھی پاتے رہے۔ لیکن جو کچھ اُنکا حال ڈھائی سے پہلے تھا، ڈھائی سو، تین سو، چار سو، ہر منزل میں دیکھنے والوں نے دیکھا کہ ایک حال میں تھا۔ دنیا میں جب آئے تھے، جیسا بھی اُنکے پاس کچھ نہ تھا، کالج میں جب داخل ہوئے اور مذہبی حلقے نے اُنکو وظیفے سے سرفراز کیا، اُسوقت بھی اُنھوں نے اپنے پاس کچھ نہ رکھا، اور کالج نے جب خطیر رقم سے اُنکی [illegible] ملازمت کی، تو میں نے سنا ہی نہیں بلکہ قریب قریب دیکھنے کے دیکھا کہ تمام ذوق کی بیوہ اور مسکین عورتیں لاوارث مرد ضعیف اور کمزور رشتہ داروں کا ایک گروہ تھا جو روتا جاتا تھا، اُنکے جنازے کے ساتھ روتا جاتا تھا، جب قبر کے دہانے پر اُنکے جنازے کا تختہ آیا اُسوقت بھی روتا جاتا تھا اور کہتا جاتا تھا، جو کچھ ملتا تھا سب دیدیا۔ انھیں کو دیدیا جو اب رو رہے ہیں کہ اب اُنکو کون دیگا۔ انھیں میں جامعہ کے طلبہ کی بھی ایک معقول تعداد تھی۔ قبر کے سرہانے ایک پیرمرد گیروے لباس میں بیٹھا تھا۔ ہر تھوڑی دیر بعد اس کے سینے سے آہ کا ایک شعلہ نکلتا تھا جو سامنے کھڑے تھے اُنکے دلوں کو جلاتا تھا۔ تب وہ کہتا تھا

ہمیں مرنا تھا لیکن تم مرگئے، تم مرگئے جسکے مرنے کے بعد کتنوں کو مرنا پڑیگا"

اے تم مرگئے" اس شعر کو پڑھنے والے نظارہ کو تو سب نے دیکھا۔ میں بھی انھیں دیکھنے والوں میں تھا۔ لیکن کہاں تک اثر ہوگا، کچھ تو ہوگا۔ انھیں وسوسوں میں گھر آیا۔ گھر سے کالج آیا۔ انکے نسبتی بھائی انکی تیمارداری کے سلسلے میں ان کو پہچانتا تھا، آبدیدہ میرے کمرے میں داخل ہوئے، "کیا ہے بھائی؟" ہم لوگوں نے کا غذ پیش کیا۔ سناٹا چھا گیا۔ قطعاً سناٹا چھا گیا۔ وہ کہہ رہے تھے کہ

صرف بیماری کے زمانے کی تنخواہ رگھونا تھ بنک میں
جمع ہوگئی ہے۔ اسکے برآمد کرنے میں دستگیری کیجیے۔
انکی بیوہ تین بچوں کی ماں کے پاس کھانے کے لیے
بھی کچھ نہیں!"

پندرہ سولہ سال تک سیکڑوں کی تنخواہ اہوا پانے والا اور بنک میں صرف بیماری کے زمانے کی تنخواہ! انا للہ وانا الیہ راجعون۔ آنکھوں میں آنسو ڈبڈبا گئے، دل کو تھاما، رگھوناتھ بنک کے نام کچھ لکھ کر دیا۔ ہوش اڑ گئے، جب اسکے ساتھ یہ بھی معلوم ہوا کہ جس زیر تعمیر مکان کو وہ اپنی طرف منسوب کرتے تھے درحاصل وہ بھی انکے سرمایہ سے نہیں بنا تھا، کوئی انکے چچا زاد بھائی ہیں انھیں سے لیکر بنوایا تھا۔ کرایہ دیتے تھے۔ وعدہ کیا تھا کہ بچا بچا کر اپنی تنخواہ سے ادا کرتا رہونگا لیکن جسے خدا دوسروں کے بچانے کے لیے پیدا کیا کرتا ہے وہ بھی کچھ بچا سکتا ہے۔ جہاں تک معلوم ہے اب تک مشکل ہی سے کرایہ کے سوا وہ کچھ ادا کر سکے تھے۔ باقی ترچھوں کی شکل انھوں نے کبھی نہیں بنائی، فیشن کا شوق اسوقت بھی نہیں ہوا جب اٹھتی جوانیوں میں بہر حال ہر اس شخص پر یہ شوق سوار ہوتا ہے جو جوانی کے جنون میں مبتلا کیا جاتا ہے۔ قیمتی کھانوں، قیمتی لباس، قیمتی پوشاک، قیمتی سواریوں میں سے کسی چیز نے انکو اپنی طرف نہیں کھینچا، زندگی موتا طاقتی اگرچہ ملتا تھا انکے واسطے سے دوسروں کو مسلسل ملتا رہا، خالی ہاتھ آئے تھے اور خالی ہاتھ چلے گئے، جیسے خالی ہاتھ انکو بھی بہرحال چلنا ہی پڑیگا، جو اپنی مٹھیوں کو بھرے ہوئے جی رہے ہیں۔ دینے کا یہ حال تھا اور لینے کے متعلق میں جانتا ہوں۔ غالباً صرف انھیں کو جانتا ہوں کہ مانگنے کے لیے کبھی زبان تو کیا کھولتے، یہ واقعہ ہے کہ اشارہ ہوا کہ یہ قطعاً کسی زمانہ میں کبھی انھوں نے اسکی شکایت بھی نہیں کی جیسے سب کرتے ہیں کہ امتحان کے پرچوں میں بھی میرا حصہ کیوں نہ رکھا گیا، حالانکہ امتحان کے اوپر اور نیچے تمام مدارج میں میرا انکا ہمیشہ ساتھ رہا۔ رحمۃ اللہ علیہ۔ جس وقت کے لیے جیتے تھے وہ وقت ان پر آگیا اور جو بھی جی رہے ہیں، ان پر آئیگا، لیکن بڑا فرق ہے ان لوگوں میں جو مرنے کے لیے جیتے ہیں، اور ان میں جو جینے کے لیے جیتے ہیں، لیکن بہرحال انھیں مرنا ہی پڑتا ہے۔

سلام ہو میرے دوست اور رفیق تمہاری زندگی دوسروں کے لیے عبرت ہے آنکھوں کی پتلیاں ان شاخوں سے کہاں، جو تمہاری تابناک حیات سے تمہارے بعد نکل نکل کر تمہارے جانے والوں کے دلوں کو جگمگا رہی ہیں۔

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین

آموزش منزل اور وادی خاموشاں ست
حالیا غلغلہ در گنبد افلاک انداز

ارشادات اشرفیہ

(از سید غلام رسول صاحب تحلیل عوث بخش نارائن گوڑہ حیدرآباد دکن)

(۳)

(۱) سالک کے قلب پر بلا اختیار کسی کیفیت کا غیب سے نازل ہونا حال کہلاتا ہے۔

(۲) تخلیہ کا زیادہ اہتمام کرنا چشتیت ہے اور تحلیہ کا زیادہ اہتمام کرنا نقشبندیت ہے۔

(۳) خدا اور رسول کے ہر ہر حکم کی اتباع کرنے والا ولی ہے۔

(۴) حسد، کینہ، تکبر، ریا وغیرہ گناہ باطنی ہے اور نماز کا ترک کرنا، چوری وزنا کرنا، شراب پینا وغیرہ گناہ ظاہر کہلاتا ہے۔

(۵) سالک میں اخلاق حمیدہ اور تعلق مع اللہ کا پیدا کرنا تحلیہ ہے اور سالک کو اخلاق رذیلہ سے پاک کرنا اور تعلق غیر اللہ سے منقطع کرنا تخلیہ، تجلیہ کہلاتا ہے۔

(۶) انوار غیبی کے غلبہ سے ظاہری و باطنی احکام کا امتیاز اٹھ جانا سُکر کہلاتا ہے اور احکام ظاہری و باطنی کا امتیاز خود کرانا صحو کہلاتا ہے۔

(۷) کسی ایک مرتبہ سلوک میں استقامت و پختگی کا حاصل کرنا مقام ہے۔

(۸) کسی متبع شریعت سے خلاف عادت فعل صادر ہونا کرامت کہلاتا ہے۔

(۹) دین میں کسی ایسی بات کا داخل کرنا جسکی قرآن، حدیث، قیاس مجتہد، اجماع امت گواہی نہ دے وہ بدعت ہے۔

(۱۰) بلا واسطہ اسباب خفی، جلی کسی کافر فاجر اور مبتدع سے خلاف عادت فعل کا صادر ہونا استدراج کہلاتا ہے اور بواسطہ اسباب خفی صادر ہو تو اسکو سحر، مسمریزم شعبدہ کہینگے۔

اہل خیر حضرات سے ایک درخواست

مدرسہ سراج العلوم جھنڈے نگر کے لیے حسب ذیل کتابیں کوئی صاحب خیر وقف کرکے صدقہ جاریہ کا ثواب لیں:-

سنن کبریٰ للبیہقی	جس کی قیمت	للعہ	دس جلد
تہذیب التہذیب	"	[illegible]	بارہ جلد
درر کامنہ لابن حجر	"	[illegible]	چار جلد
تذکرۃ الحفاظ ذہبی	"	[illegible]	پانچ جلد

کے اعتبار سے بھی بہت ممتاز تھے۔ اخلاص علمی انکی مستقل یادگار رہے۔ اللہ مراتب اپنے لطف سے بلند فرمائے!

مسلم کا اکرام

صدق ۲۱۲۲ میں "ایک مومن گر" کے عنوان سے جو شذرہ تحریر ہوا تھا، اسکے ایک فقرہ سے متعلق ایک ذمہ دار قلم سے حسب ذیل تنقید موصول ہوئی ہے:—

"صدق کے پچھلے نمبر میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب اور انکی تبلیغی جدوجہد کے متعلق نامعلوم الاسم کسی صاحب کا خط شائع ہوا ہے، جس میں حضرت مفتی صاحب، مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا مدنی کے متعلق نہایت ہی خفیف ایک کلمہ نکل گیا ہے۔ مجھے معلوم نہیں یہ کون صاحب ہیں، نہ میں کچھ اندازہ ہی کر سکا۔ (خط واقعۃً گمنام موصول ہوا تھا۔ صدق) خیر کوئی صاحب ہوں، یہ واقعہ ہے کہ مضمون نے اپنے اس خط میں حضرت مولانا محمد الیاس صاحب کی عقیدت و محبت اور انکے سلم کی قدر دانی کا بہت ہی غلط مظاہرہ کیا ہے۔ ... مجھے یقین ہے کہ اگر مولانا ممدوح کی نظر سے ان حضرات صاحب کا یہ خط گزرے تو انکو بیحد اذیت ہوتی اتنی کہ جسکا اندازہ بھی نہیں کیا جا سکتا۔ یہ حضرات تو بڑے ہیں، حضرت مولانا کے ہاں تو ادب و احترام کا اتنا غلبہ ہے کہ بعض اوقات افراط کا شبہ ہونے لگتا ہے۔ "ہر مسلم کا اکرام" انکی اس خاص تبلیغ میں داخل ہے جسکا التزام اس راہ کے ہر کارکن کے لیے لازم ہے اور اگر مضمون نے ایسے نامناسب الفاظ لکھ بھی دیے تھے تو اچھا ہوتا کہ آپ انکو حذف فرما دیتے۔ اگر ان سطور سے اسکا کچھ تدارک ہوتا نظر آئے تو بلا اسم یہ سطریں شائع فرما دیجیے، یا جو تدارک آپ مناسب خیال فرمائیں۔"

کلمۂ خفیف تو کچھ ایسا زیادہ خفیف نہ تھا، صرف یہ تھا کہ فلاں فلاں حضرات تک نے اس مومن گر کے آگے گھٹنے ٹیک دیے ہیں۔ اور اسی لیے حذف کرنا خاص طور پر ضروری نہ معلوم ہوا۔ باقی کام کی بات اس مراسلہ کے یہ الفاظ ہیں کہ مولانا کے ہاں ہر مسلم کے اعزاز و اکرام، احترام کا اہتمام خاص ہے— کاش یہی ایک سبق مولانا کی درسگاہ کا امت میں مقبول اور عام ہو جائے!

آزر کلدانی

مولوی سید کلیم الحسن صاحب نیر آبادی ضلع سیتاپور سے لکھتے ہیں:—

"آزر حضرت ابراہیم علیہ الصلوٰۃ والسلام کے والد تھے یا چچا۔ سلف میں سے بعض نے کچھ احادیث کی بنا پر جنکا مضمون یہ ہے کہ نبی برابر اصلاب طیبہ اور ارحام طاہرہ سے منتقل ہوتا رہا ہے، آزر کو حضرت ابراہیم علیہ السلام کا چچا بتایا جاتا ہے اور لفظ اب کو عموم میں استعمال کیا گیا ہے۔ تفسیر کبیر اور رسائل امام جلال الدین سیوطی مطبوعہ دائرۃ المعارف میں اسکی بحث موجود ہے۔ دریافت طلب یہ امر ہے کہ اس بارے میں تحقیق کیا ہے۔ اگر آزر والد ہیں تو اصلاب طیبہ و ارحام طاہرہ والی حدیث کا کیا جواب ہوگا؟ اب کے لغوی اور ظاہری معنی باپ کے ہیں، اور چچا اور دوسرے بزرگان خاندان کے لیے بھی اسکا استعمال جائز ہوتا ہے۔ لیکن جب تک کوئی قرینہ قوی مخالف نہ ہو ظاہری، لغوی [illegible] کو چھوڑنے کی کوئی وجہ نہیں، اسی لیے جمہور محققین کا فیصلہ اور صحیح فیصلہ آزر کے باپ ہی ہونے کے حق میں ہے، اور روایات یہود اور تاریخ اور توریت سب سے اسی رشتہ کی تائید ہوتی ہے۔ توریت کے لفظ "تارح" ہی کا عربی تلفظ آزر ہے۔

آزر کو بجائے باپ کے چچا قرار دینے کا آغاز شیعی تخیل سے ہوا۔ فرقۂ شیعہ امامیہ ہی نے اپنے ائمہ کی طہارت نسب کے عقیدہ کی حمایت میں یہ عقیدہ گھڑا کہ معصومین کے آباء و اجداد کا بھی موحد ہونا ضروری ہے، اور اسی غرض کے ماتحت آیۂ کریمہ وتقلبک فی الساجدین کے معنی میں بھی تصرفات کیے۔ امام رازیؒ نے تفسیر کبیر میں اس شیعی عقیدہ کو بڑی تفصیل سے نقل کیا ہے۔ اور دلائل اس پر ایسے قائم کیے ہیں، جو خود شیعہ بھی شاید نہ قائم کر سکتے۔ لیکن عقیدہ کو بہرحال رد ہی کیا ہے۔ اور حدیث مذکور سے وہی مفہوم لیا ہے جو اسکے الفاظ سے ظاہر ہوا نکلتا ہے۔ یعنی پیغمبر علیہ السلام کی صحت نسب کا اثبات، اور شائبۂ زنا کی نفی۔

واما قوله لم ازل انقل من اصلاب الطاهرين الى ارحام الطاهرات فذلك محمول على انه ما وقع في نسبه ما كان سفاحاً۔	اور رسول اللہ صلعم کا یہ جو ارشاد ہے کہ میں ہمیشہ پاکوں کی صلب سے پاکوں کے رحم میں منتقل ہوتا آیا ہوں، سو اسکا مطلب صرف یہ ہے کہ آپ کے سلسلۂ نسب میں کوئی فعل حرام واقع نہیں ہوا ہے۔

اور مفسر ابن حیانؒ نے بھی اس شیعی عقیدہ کو نقل کر کے اسے صراحت قرآنی کے مخالف قرار دیا ہے: وهو قول الشيعة يزعمون ان آباء الانبياء لا يكونون كفاراً وظواهر القرآن ترد عليهم لا سيما محاورة ابراهيم مع ابيه (بحر)

عــــہ ان حضرات نے وتقلبک فی الساجدین سے بھی استدلال کیا ہے۔

جنگ کے اخلاقی اثرات

ولایتی ڈاک کے پرچے اب تین تین چار چار مہینے کے پرانے ہو کر ہندوستان پہنچتے ہیں۔ وسط مارچ میں لندن کے مشہور ہفتہ وار جریدہ جان بل مورخہ ۲ نومبر ۱۹۴۲؁ دستیاب ہوا۔ اسکے صفحہ ۲ پر دو کالم اس بحث، گفتگو کے لیے وقف ہیں کہ فوجیوں اور فوجنوں (فوجی کا مونث فوجن کے سوا اور ہو کیا سکتا ہے؟) کی اخلاقی سطح اب کس حد تک پست ہو چکی ہے۔ نمونہ کے طور پر صرف ایک مراسلہ ملاحظہ ہو:—

"آپ کیوں نہیں ہمارے نوجوانوں کی حمایت میں قلم اٹھاتے ہیں؟ میں تو انکی اخلاقی زندگی سے متعلق گندی سے گندی روایتیں سن رہی ہوں۔ بعض روایتیں تو کسی طرح بھی چھپنے کے قابل نہیں، بطور ماں کے مجھے ان قصوں سے بڑی تکلیف ہوتی ہے اور میں کہتی ہوں کہ یہ غلط ہیں۔ میرے خیال میں تو اصلی مجرم معمر عورتیں اور ادھیڑ عمر کی لاولد خاتونیں ہیں۔ لیکن میرے شوہر کا بیان ہے کہ اسکے تجربہ میں بعض مرد بھی ایسے ہی آئے ہیں۔"

جنگ کے ساتھ ساتھ اخلاقی گندگی کی وبا پھوٹ پڑنا فرنگی تاریخ میں کوئی نیا واقعہ نہیں۔ پچھلی جنگ عظیم تو اس قسم کے غلیظ کارناموں سے بھری پڑی ہے۔ یا للعجب کہ اس سیلاب پر بند اگر کسی نے لگایا ہے تو صرف اسلام نے! کسی دستار بندی نے! حال میں ہندوستانی فوج کی مشہور چوتھی ڈویژن

شیطان اور شہوات نفسانیہ پیدا کیں تاکہ جو لوگ انکے پیچھے چلیں وہ مورد غضب بنیں اور پھر انبیاء بھیجے تاکہ انکے ارشاد پر چل کے بچ جائیں اس طرح صفت عدل پورا ہوا۔

اس پر سوال یہ ہے کہ شہوات وغیرہ مناشی امور کو اپنے صفت غضب کے کمال کرنے کے لیے اگر پیدا کیا ہے تو خود صفت غضب کیوں پیدا ہے؟ جسکے لیے شہوات نفسانیہ کی تکوین کی ضرورت پڑی؟ علاوہ ازیں غضب تو خود بلا وقوع ہوگا نہیں، اپنے موقع پر ہوگا۔ یعنی باغیانہ سرکشی پر اور باغیانہ سرکشی شہوات نفسانیہ پر چلنے سے پیدا ہوتی ہے، تو یہ شہوات نفسانیہ کیوں پیدا کیں تاکہ صفت غضب کی حاجت پیدا ہو جائے۔ یہ نہ ہوتا تو شہوات نفسانیہ وغیرہ اسی امور پر کر تخلیق کی ضرورت کیا ہوتی؟ تو غضب کے لیے شہوات نفسانیہ کی تخلیق نہیں، بلکہ شہوات نفسانیہ کی تخلیق پر غضب کی ضرورت ہوتی ہے، تو پھر شہوات کو کیوں پیدا کیا جسکے لیے صفت غضب کو بروئے کار لانا پڑا؟ یا ضرورت کی فہرست میں اسکو بھی ایک درجہ صفت کا دینا پڑا؟ یہ سوال بالکل مغالطہ آمیز ہے۔ اسکا جواب اسی نظر سے دیا جائے کہ اگر کوئی غیر مذہب والا یہ اعتراضات کرے تو اسکا کیا جواب دیا جا سکتا ہے؟"

سوال بالکل ظاہر ہے کہ محض نیا بنا کر پیش کیا گیا ہے لیکن غیروں کے ساتھ رواداری اور حسن ظن کی بھی ایک حد ہونی چاہیے۔ مخالفت اگر زور دعویٰ کے ساتھ ساتھ تو عقل کی دشمنی سے بھی محروم نہ ہو تو یہ رعونا درس رسا حب کہاں تک اسکی وکالت ونیابت فرماتے جائینگے!—
قابل جواب وقابل خطاب ہونے سے قبل سوال کو بامعنی وغیر مہمل تو بہرحال ہونا چاہیے۔ اور معلوم ہے کہ لفظوں کا محض اکٹھا کر دینا، عبارت کے بامعنی بنا دینے کے مرادف نہیں۔ کوئی شخص اگر اس قسم کے سوالات کی جھڑی لگا دے، کہ ایک کا عدد ایک کیوں ہے، اور دو کا عدد دو کیوں؟ جزو، جزو کیوں ہے، اور کل، کل کیوں؟ مثلث، مثلث ہی کیوں رہتا ہے، مربع کیوں نہیں بن جاتا؟ خالق، خالق کیوں ہے، مخلوق کیوں نہیں؟ اور مخلوق، مخلوق کیوں ہے، خالق کیوں نہیں؟ تو اس قسم کے سیکڑوں ہزاروں سوالات کے جوابات ساری دنیا کے عقلاء وحکماء مل کر بھی دے سکتے ہیں؟ —— غرض یہ کہ نہ ہر سوال قابل جواب ہوتا ہے، نہ ہر سائل قابل خطاب۔

سائل کی اس تقریر کا لب لباب صرف استفسار ہے کہ مشیت تکوینی کی حکمت کیا ہے؟ دوسرے لفظوں میں، حکیم مطلق نے جو یہ کارخانہ حکمت قائم کر رکھا ہے، خود اسکی حکمت کیا ہے؟ فرض کیجیے، کہ کوئی توجیہ سائل کی عقل وفہم کے مطابق نکل بھی آئی، تو کیا خود اس توجیہ پر بعینہ یہی سوال اسی زور وقوت کے ساتھ وارد نہ ہوگا؟ اور پوچھنے والا خود اس توجیہ کی وجہ پوچھ بیٹھنے میں کچھ بھی تامل محسوس کریگا؟ —— وجود باری کی ناگزیری آخر ہم نے محسوس ہی کیوں کی تھی؟ اسی لیے نا، کہ ہر ایک سوال کا جواب ہے۔ اور ہر "کیوں" کسی کی ذات پر ختم ہوتا ہے۔ باقی اگر سوالات اور جزئی توجیہات کا سلسلہ لامتناہی قائم رکھنے میں ذہن کوئی لذت محسوس کرتا ہے، تو پھر خدا کا وجود تسلیم کرنے کے معنی ہی کیا رہ جاتے ہیں؟ توجیہ یا تلاش حکمت کے تو معنی ہی یہ ہیں کہ کسی جزئی واقعہ کو کسی وسیع تر کلیہ کسی عام تر قانون کے ماتحت لایا جائے۔ لیکن خدا تو خود ہی ہر وسیع سے وسیع قانون کا منبع ہے۔ اسکے کسی فعل کی توجیہ کے لئے کسی وسیع تر کلیہ کسی عام تر قانون کی تلاش کرنا، اسکی خدائی سے صاف اور یکسر انکار کر دینا ہے۔ اور اگر کسی کی منطق میں کوئی سوال صفات واعمال باری تعالیٰ کی حکمتوں سے متعلق جائز ہے تو چاہیے کہ اسی اصطلاح علمی کو خود ذات باری سے متعلق بھی کام میں لایا جائے اور سوالات یہ قائم کیے جائیں کہ سبب کچھ خدا کو آخر کس نے پیدا کیا؟ خدا اپنے آپ کو پیدا کر سکتا ہے یا نہیں؟ خدا خودکشی پر قادر ہے یا نہیں؟ ظاہر ہے کہ اس قبیل کے سارے سوالات عقل کے استعمال سے نہیں، بے عقلی کے غلبہ سے پیدا ہوگئے ہیں، اور ان سب کی تہ میں ایک ہی مغالطہ کام کر رہا ہے، یعنی خدا کی جو تعریف فقرہ کا مبتدا بولتے وقت ذہن میں رکھی تھی، خبر لگاتے وقت اسی کو ذہن سے نکال دیا۔ خودکشی میں "خود" "نیک روشیل" "پیدا ہو سکنے والا یا حادث خدا" یہ ساری شقیں **ممکنات** کی ہیں، اور اسکا لیکہ خدا کی تعریف ہی یہ ہے کہ وہ "ممکن" نہیں **واجب** ہے۔

اصل سوال سارے مغالطوں میں صرف ایک ہی تھا۔ اور اسکا جواب کافی وشافی ہو گیا، یعنی یہی کہ سوال ہی سرے سے مہمل اور سرے سے ایک مغالطہ پر مبنی ہے۔ لیکن مغالطہ ایک ہی اور وہی ایک نہیں بلکہ اس بڑے اور بنیادی مغالطہ کے علاوہ بھی سوال کی عبارت کے اندر متعدد اور مغالطے جھانک رہے ہیں۔ نمبر وار ملاحظہ ہوں:—

(۱) بدی کی صلاحیت ہی کیوں عطا کی گئی؟ محض نیکی ہی کی صلاحیت پر فرشتوں کی طرح کیوں نہ کفایت کی گئی، اسکا لیکہ نیکی ہی محبوب ہے؟

سوال بے معنی ہے۔ صلاحیت جس عمل میں اگر محض نیکی تک محدود رہے، تو اس عمل پر نیکی کا اطلاق ہی کیوں ہونے لگا؟ نیکی کی تو تعریف ہی میں یہ داخل ہے کہ اس راہ سے ہٹنا ممکن ہو، اور پھر انسان ارادہ واختیار سے کام لیکر نہ ہٹے۔ مشین کے ذریعہ سے کسی فیکٹری میں نیکیاں تیار کراتے رہنا ممکن ہی نہیں۔ جو جانور عقل، تمیز واختیار سے محروم ہیں، انکے نہ کوئی حسنات ہیں نہ سیئات، نہ گناہ نہ نیکیاں۔ نیکی اور بدی کوئی موجود فی الخارج، مادی مجسم چیزیں نہیں۔ ایک ہی قوت کے طریق استعمال کے دو نام ہیں۔ صحیح طریق استعمال کا نام نیکی، اور غلط طریق کا بدی۔ روشنی اور تاریکی، حسن اور بدصورتی کی طرح ایک کا وجود دوسرے کا مستلزم۔ جب ایک نہیں تو دوسرے کے کوئی معنی ہی نہیں۔

(۲) فرشتوں پر انسان کو قیاس کرنا یہ دوسرا مغالطہ ہے۔ فرشتوں ہی کی سی سیرت وخلقت رکھنا تھی، تو ایک نئی مخلوق "انسان" کے وجود میں لانے ہی کی کیا ضرورت ہے۔ اس نئی مخلوق کے وجود میں لانے کے معنی ہی یہ تھے، کہ ایک دوسرے قسم کے عالم کی تخلیق مقصود ہے۔

بولشویک حکومت سے سبق

(۱)

(از فاضل گرامی مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ)

روس کی موجودہ بولشویکی حکومت یا امت، عربی میں جنکا نام "البلاشفہ" رکھا گیا ہے، مذہب اور دینیات کے متعلق انکی بد اعمالیاں جتنی پھیلی ہوئی ہیں، انکے اظہار کی تو ضرورت نہیں۔ لیکن ان عجیب مشہورات کے ساتھ اسلئے ہنر کی ایک یہ عجیب خبر ہے جسکے پڑھنے کے بعد میں خود متعجب ہوا۔ بے اختیار جی چاہا کہ صدق کی برادری تک اس "اعجوبہ" کو پہنچا دیا جائے۔

حال میں جب اپنے وطن (گیلانی) جا رہا تھا، راستے میں پڑھنے کے لیے "لوتھراپ اسٹوڈارڈ" امریکی کی مشہور کتاب نیو ورلڈ آف اسلام کے عربی ترجمہ حاضر العالم الاسلامی ساتھ رکھ لی تھی، جیسا کہ خود مسٹر ڈوارڈ کی کتاب دی "مغربیت" کے پروپیگنڈے کی ایک کتاب ہے، لیکن اس شکل میں جو حال میں دعا جائے مغربیت نے اختیار کر رکھی ہے۔ حافظ شیرازی کا مشہور شعر ہمیشہ جسکے بعد عموماً زبان پر جاری ہوتا ہے

آفریں بر دل نرم تو کہ از بہر ثواب
کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدۂ

مسلمانوں کو اسلام کے دشمن نے کچھ نصیحتیں فرمائی ہیں، کچھ سنبھلنے اور جینے کی راہیں بتائی ہیں۔ پس پردہ کچھ یہی مقصود ہے لیکن شاید یہی مقصود ہے کہ انکی قوم رالکھیں ذیلی حیثیکاری سے غافل نہ رہے۔ خیر یہ قصہ تو طویل ہے۔ مجھے اس وقت یہ عرض کرنا ہے کہ عجاج نویہض جو اس کتاب کے مترجم ہیں، انھوں نے اسلامی دنیا کے مشہور ادیب اور مجاہد و بلبل شکیب ارسلان امیر شام سے اس کتاب پر کچھ حواشی بھی لکھوائے ہیں۔ یہ حواشی بڑے کام کے ہیں، اور حق یہ ہے کہ شکیب ارسلان نے یہ بڑا کام کیا ہے۔ ساری دنیائے اسلام کی تاریخ کا خلاصہ درج کر دیا ہے۔ ہندوستان اور ہندوستان کے مسلمانوں کا حال بھی بڑی تفصیل سے عربی زبان میں انکے قلم سے محفوظ ہو گیا ہے۔ عربی میں یہ شاید پہلی کتاب ہے جس میں مسلمانان ہند کے ماضی اور حال کی داستان اتنی تفصیل سے درج ہوئی ہے۔ اسی سلسلہ سلسلہ میں انھوں نے روس کے مسلمانوں کا حال بھی مختلف مقامات پر بیان کیا ہے۔ اسی سلسلہ میں ایک موقع پر اپنا چشم دید شہادت روسی مسلمانوں کے متعلق جو انھوں نے قلمبند کی ہے اسی کا ترجمہ پیش کرنا چاہتا ہوں۔ اگر شکیب ارسلان کی ذاتی عینی شہادت نہ ہوتی، تو یہ واقعہ ہے نہ اخبار اسلام اور مسلمانوں کے متعلق بولشویکی حکومت کے متعلق ہم نے جو کچھ سنا ہے یا ہمیں سنایا گیا ہے، اسکے لحاظ سے مشکل ہی سے اسکا اعتبار کیا جا سکتا تھا۔ لیکن امیر کے علمی اور اسلامی رتبہ سے جو واقف ہیں میرے خیال میں تو اب انکے لیے یہ دشوار ہے کہ اس پر اعتماد نہ کریں۔ بہر حال اب واقعہ تو جو کچھ بھی ہو۔ العلم عند اللہ والعہدۃ علی الراوی امیر کا جو بیان ہے میں اسکا لفظی ترجمہ پیش کر دیتا ہوں۔ وہ لکھتے ہیں۔۔۔

جون ۱۹۲۱ء میں ماسکو بعض مہمات سیاسی کے پیش نظر جب جانا ہوا تھا تو داغستان اور قازان کے قریب مسلمانوں سے بھی میں نے ملاقات کی۔ میں نے ان لوگوں سے روسی مسلمانوں کا حال پوچھا۔ ان لوگوں نے مجھ سے یہ بیان کیا کہ خود موسکو میں چند ہزار تاتاری مسلمان آباد ہیں۔ اس شہر میں مسلمانوں کی دو بڑی بڑی جامع مسجدیں بھی ہیں۔ یہی حال پیٹروگراڈ کا ہے۔ انھوں نے کہا کہ یہیں وہاں بھی کم بیش دس ہزار مسلمان آباد ہیں، اور ایک بہترین خوبصورت جامع مسجد وہاں بھی انکی ہے" امیر نے اس بیان کو درج کرنے کے بعد اپنی چشم دید گواہی جو دی ہے، وہ یہ ہے،

موسکو کی ایک جامع مسجد میں مجھے بھی نماز جمعہ ادا کرنے کا ایک دن موقع ملا۔ اس مسجد میں وہاں کے ایک عالم شیخ عبدالودود فتاح الدین صاحب امامت کرتے ہیں۔ یہی صاحب موسکو اور پیٹروگراڈ کے مسلمانوں کے قاضی بھی ہیں۔ انکے محکمۂ قضا سے مندرجۂ ذیل صوبوں کا تعلق ہے، یعنی "یداسلو" "تویہ" "یقالومنہ" "ایفانو" "بنیفسکی" یہ آخری شہر کارخانوں کا مشہور شہر ہے، جن میں کام کرنے والے زیادہ تر مسلمان ہی ہیں۔ شیخ عبدالودود فتاح الدین صاحب کو عام طور پر وہاں کے لوگ "حضرت عبدالودود" کہتے ہیں۔ اور عہدہ کے لحاظ سے انکو "محتسب" کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔ محتسب کا مطلب انکی اصطلاح میں یہ ہے کہ مسلمانوں کے تمام دینی معاملات اور تمام مسجدوں کے ائمہ کا جو ماویٰ و مرجع ہو۔

بہر حال مذکورۂ بالا مقامات کے محتسب یہی شیخ عبدالودود ہیں۔ اور شیخ ممدوح کا تعلق ایک مجلس علمی سے ہے، جسکا مرکزی مقام شہر اوفا ہے۔ میں نے شیخ عبدالودود سے جب ملاقات کی تو انکو میں نے اچھا عالم اور فاضل آدمی پایا۔ ایسا عالم جو حالات حاضرہ سے پورے طور پر واقف ہو، اور مسلمانوں کی ضرورتوں پر انکی نظر ہو۔ ملاقات سے پہلے مجھے انکے اس خطبہ کے سننے کا موقع ملا، جو ہر جمعہ کو وہ اس مسجد میں دیتے ہیں۔ انکا قاعدہ یہ ہے، کہ اصل عربی خطبہ جسے خطیب منبر پر پڑھتا ہے، اس سے پہلے منبر کے بازو میں کھڑے ہو کر وہاں کی مقامی ترکی زبان میں اس ہفتہ کے مناسب حال جو اہم امور مسلمانوں کے ہوتے ہیں، پیش کرتا ہے جب یہ خطبہ ختم ہو جاتا ہے، تب خطیب منبر پر عربی میں حسب قاعدہ خطبہ پڑھتا ہے اور یہ خطبہ عام رسمی خطبہ ہوتا ہے۔ اسی قاعدہ کے مطابق میں نے دیکھا کہ شیخ عبدالودود منبر کے بائیں بازو کھڑے ہوئے، اور ترکی زبان میں تقریر شروع کی۔ آدھ گھنٹہ تک وہ یہ تقریر کرتے رہے۔ انکی ترکی اگرچہ تاتاری ترکی تھی، جو عثمانی ترکوں کی زبان سے مختلف وجوہ سے کچھ اختلافات رکھتی ہے، لیکن میں اس تاتاری ترکی کو قریب قریب سمجھ رہا تھا۔ مجھے انکا طریقۂ بیان اور خطاب کا جو اسلوب تھا، بہت اچھا اور دلنشیں محسوس ہوا۔ میں یہ محسوس کر رہا تھا کہ مسلمانوں کی عصری ضرورتوں سے یہ شخص اچھی طرح واقف ہے۔ جن امور پر مسلمانوں کو متنبہ اور بیدار کرنے کی ضرورت ہے، اس پر وہ لوگوں کو توجہ دلا رہے تھے۔ بہر حال جب انکا ترکی خطبہ ختم ہو گیا تب انکے بھائی منبر پر تشریف لے گئے۔ انھوں نے صحیح عربی میں خطبہ پڑھنا شروع کیا، اسی قسم کی عربی میں جو بیشتر بلاد سے وہاں کے عام خطیبوں کا طریقہ ہے۔ البتہ میں نے دیکھا کہ

عبارت بالکل صحیح پڑھ رہے تھے، الفاظ ٹھیک صحیح عربی مخارج سے وہ ادا کر رہے تھے۔ خالص عرب کے خطیبوں اور ان کے تلفظ میں کسی قسم کا کوئی فرق مجھے محسوس نہ ہوا۔ حتیٰ کہ اسی بنیاد پر میرا گمان یہ ہوا کہ یقیناً مکۂ معظمہ یا مدینہ منورہ میں اس شخص نے کافی مدت گزاری ہے اسی وجہ سے اتنی فصیح صحیح عربی بولنے کا سلیقہ اس میں پیدا ہو گیا ہے۔ اسی قسم کا سلیقہ جو باضابطہ تجوید و قراءۃ کی مشق کے بعد عرب کے خطیبوں میں پیدا ہو جاتا ہے۔ میرے اس خیال کی وجہ یہ تھی کہ کسی ترک کو میں نے آج تک نہیں دیکھا تھا جو عرب میں گیا ہو بغیر ایسی عربی بول سکتا ہو، اور اس قسم کے تلفظ اور لہجے پر اُسے قدرت حاصل ہو گئی ہو۔ میں ایسے بہت سے ترک قاریوں کو جانتا ہوں جنھوں نے باضابطہ تجوید کی مشق کی ہے، لیکن جس وقت وہ پڑھنا شروع کرتے ہیں، پہلا لفظ اُنکے منہ سے نکلتا ہے اُسی سے سننے والوں کو اندازہ ہو جاتا ہے کہ یہ عرب نہیں، ترک ہے۔ بیچارے عموماً ضاد، عین، ذال وغیرہ حروف کے تلفظ سے ہمیشہ عاجز رہتے ہیں۔ یعنی ان حروف کو صحیح مخارج سے ادا کرنے کی اُن میں قدرت پیدا نہیں ہوتی، البتہ عرب میں رہکر جو قراءۃ سیکھتے ہیں وہ اس سے مستثنیٰ ہیں۔

لیکن میری حیرت کی کوئی انتہا اس وقت نہ تھی، جب مجھے یہ بتایا گیا کہ خطیب جسکا خطبہ میں نے ابھی سُنا، یہ شخص ایک دن کے لیے بھی عرب نہیں گیا ہے، بلکہ قازان ہی میں انھوں نے قراءۃ اور تجوید کی مشق کی ہے۔ مجھے یہ بھی بتایا گیا کہ یہ کوئی منفرد آدمی نہیں ہیں، بلکہ اس ملک میں ایسے قاریوں کی کمی نہیں ہے جو بالکل عربی لہجہ اور عرب کے طرز و طریقے سے قرآن پڑھتے ہیں، حالانکہ ان میں عرب اب تک کوئی نہیں گیا ہے۔

مجھے زیادہ حیرت اس لیے ہوئی کہ عثمانی ترکوں میں، ابھی دیکھا جاتا ہے کہ لوگ قراءۃ و تجوید کی مشق کرتے ہیں، قرآن مجید حفظ کرتے ہیں، لیکن باوجود اسکے اُنکے لہجہ کی جو خصوصیت ہے وہ بہرحال باقی رہتی ہے"

حضرت عبدالودود سے نماز کے بعد میری جب ملاقات ہوئی، تو انھوں نے اپنی قیام گاہ میں جو مسجد کے قریب ہی تھی چائے پر مدعو فرمایا۔ اس موقع پر میں نے حضرت عبدالودود سے دریافت کیا کہ "بالشویک حکومت کے زمانے میں مسلمانوں کا حال اب روس میں کیا ہے؟ زار کے زمانے میں جو حال تھا اور اب جو کچھ ہے دونوں میں کیا فرق ہے؟

میرے اس سوال کے جواب میں حضرت نے اس عہد کی جو بھلائیاں اور برائیاں تھیں، وہ دونوں بیان کیں، لیکن آخر میں اُنھوں نے فرمایا "باقی دینی آزادی اور مذہبی حریت کے متعلق اگر پوچھتے ہو تو یہ واقعہ ہے کہ اس عہد میں ہم لوگ بڑی فراخی اور کشادگی پاتے ہیں۔ جسکی وجہ یہ ہے کہ بالشویک کو کسی کے دینی عقیدہ سے کوئی بحث ہی نہیں ہوتی۔ اُنکے نزدیک روسی ہونے کے لفظ کے بعد پھر کوئی دوسرا سوال ہی پیدا نہیں ہوتا کہ اُسکا دین یا مذہب کیا ہے"

حضرت عبدالودود نے بیان کیا کہ "گزشتہ حکومت (زار) کے زمانے میں قانوناً یہ ممنوع تھا کہ کوئی آدمی اسلام قبول کرے۔ لیکن موجودہ حکومت کو اس پر کوئی اعتراض نہیں ہے"

اُنھوں نے کہا کہ "گزشتہ دو سال میں بہت سے لوگ میرے ہاتھ پر مسلمان ہوئے"

امیر شکیب نے اسکے بعد حضرت عبدالودود کے حوالے سے یہ عجیب دلدوز واقعہ نقل کیا ہے، لکھا ہے کہ شیخ نے کہا "شہر قازان کے اطراف و نواحی میں تقریباً سو دیہات مسلمانوں کے ایسے تھے، جہاں کے باشندوں کو دو سو سال قریب زمانہ گذرا، زار کی حکومت نے بجبر عیسائی بنا لیا تھا، اور اُنکی مسجدیں گرجے بنا لی گئی تھیں۔ حکومت نے پادریوں کو مقرر کرکے اُن لوگوں میں بھیجا تھا، لیکن اندرونی طور پر یہ لوگ مسلمان ہی باقی رہے، اگرچہ علانیہ اپنے اسلام کا اظہار نہیں کر سکتے تھے، لیکن زار کی حکومت کا جب خاتمہ ہوا اور بولشویک آئے، تو ان لوگوں نے اپنے اسلام کا کھلی اعلان کر دیا اور مسجدیں جو گرجے بنا لی گئی تھیں، وہ پھر مسجدوں کی شکل میں واپس آ گئیں۔

تحریر کیا ہے کہ میں نے حضرت سے جو مسلمانان روس کی دینی تنظیم کا [illegible] جواب میں اُنھوں نے فرمایا "ماسکو کے زیر اثر قازان، سیبیریا، اشتہ، ادر، ترکستان کے جو علاقے ایسے ہیں جہاں مسلمان آباد ہیں اُنکی ایک مجلس اعلیٰ ہے، جسکا مرکزی مقام شہر اوفا ہے۔ مسلمانوں کی یہ مجلس چار قاضیوں پر مشتمل ہے، جسکی صدارت مفتی اعظم کرتے ہیں۔ ان مفتی اعظم کا اسم گرامی علامہ جان بن محمد باروی ہے، انکا شمار روس کے بہت علماء میں کیا جاتا ہے، یہ کتابوں کے مصنف بھی ہیں۔ آپ ہی نے روس کے مسلمانوں کے درسی نصاب کی اصلاح فرمائی ہے۔ دراصل روس کے مسلمانوں کو آپ ہی نے بیدار فرمایا۔ زار نے اسی وجہ سے آپ کو سیبیریا کے علاقہ میں جلا وطن کر دیا تھا، اور زار کی حکومت کے خاتمے تک آپ جلاوطنی کی حالت میں رہے، بالشویک حکومت کے زمانے میں آپ کو آزادی ملی آئی۔ اسی حکومت نے مفتی اعظم کے عہدہ پر آپ کا تقرر کیا۔ یہ قوانین مجلس کے صدر کا حال ہے، باقی چار قاضی جو اس مجلس کے ارکان ہیں، اُنکے نام یہ ہیں، علامہ رضاء الدین بن فخرالدین، یہ فن بلاغت اور تاریخ کے بڑے عالم ہیں۔ دوسرے کا نام کشاف الدین ترجمانی ہے۔ یہ قازان کے پہلے امام تھے۔ تیسرے کا نام عبدالرحمان ہے، یہ شہر اوفا کے امام رہا چکا ہے، چوتھا آدمی جو اس مجلس کا رکن ہے وہ ایک خاتون ہیں، جنکا نام السیدہ "مخلصہ بوبی" ہے۔۔ یہ بڑی عالمہ فاضلہ بی بی ہیں۔ بالشویک حکومت نے اصرار کرکے مجلس اعلیٰ کا انکو رکن بنایا ہے۔ یہ کہنے کہ دنیا کی آبادی انسانی کی نصف ہیں، انصاف کا یہ تقاضا ہے کہ عورتوں کے مخصوص حقوق کی حفاظت کے لیے اس مجلس میں ایک عورت [illegible] رکن کی حیثیت سے رکھا جائے"

حضرت عبدالودود نے کہا کہ اسی کا نام مجلس دینی ہے، اور ہر قسم کے شرعی مسائل، دینی امور کو یہی مجلس طے کرتی ہے۔ اس مجلس کے حلقے میں (۹۰) علاقے داخل ہیں، ہر علاقے میں [illegible] امام [illegible] رہتا ہے۔ امیر شکیب نے [illegible]

نوعیت کا وہ آدمی ہوتا ہے جیسے شیخ عبدالودود ہیں۔ خلاصہ اس تنظیم کا یہ ہے کہ روس وسیع کم تر علاقوں کے جتنے محتسب ہیں، یہ مجلس اعلیٰ کے زیر نگرانی کام کرتے ہیں، اور ہر ہر علاقہ کے محتسب سے اُس علاقہ کی مسجدوں کے اماموں کا تعلق ہوتا ہے۔

یہ تو تھا خاص روس کے مسلمانوں کا حال تھا، آپ نے اسکے بعد شیخ ہی کے حوالے سے بالشویک حکومت کے دوسرے علاقوں کے مسلمانوں کی تنظیم کی کیفیت ان الفاظ میں نقل کی ہے:-

"ترکستان میں بھی مسلمانوں کی دینی تنظیم پائی جاتی ہے، یعنے وہاں بھی ایک مفتی اعظم ہے، جسکا مرکز تاشقند ہے۔ اسی طرح قفقاز میں بھی الگ مفتی اعظم ہے، اور قریہ کے مسلمانوں کا مفتی الگ ہے۔"

امیر نے لکھا ہے کہ پھر میں نے حضرت عبدالودود سے روس کے مسلمانوں کی مردم شماری کے متعلق سوال کیا، جواب میں انھوں نے یہ تفصیل بتائی:

"وولگا، یورال، اور نیز ان کے دور دراز کے متعلقات جس میں باشقرد بھی داخل ہے ۵ ملین مسلمان ہیں، قرغیز میں بھی پانچ ملین ہیں، سائبریا کے تاتاری مسلمانوں کی تعداد نصف ملین ہے، اسی طرح ترکستان، تاشقند، سمرقند، خوقند وغیرہ میں ۱۲ ملین مسلمان ہیں"

امیر نے لکھا ہے کہ میں نے حضرت سے عرض کیا کہ "قفقاز میں تین ملین سے چار ملین تک مسلمان آباد ہیں یعنی داغستانیوں اور چرکسوں کو ملا کر یہی انکی تعداد بیان کی جاتی ہے۔ اسی طرح آذربائیجان، اور گرجستان کے مسلمانوں کی تعداد تین ملین سمجھی جاتی ہے۔ قریم میں نصف ملین مسلمان پائے جاتے ہیں۔ مل ملا کر ان مسلمانوں کی تعداد جو بالشویکی حکومت کے تحت پائے جاتے ہیں ۳۳ ملین ٹھہرتی ہے۔"

اس پر لکھتے ہیں کہ حضرت عبدالودود نے میری موافقت کی۔ اس تذکرہ کو ختم کرکے امیر شکیب نے اسکے بعد مزید اضافہ یہ کیا ہے کہ میں نے حضرت عبدالودود کے علاوہ دوسرے بھی چند جب روسی ڈوما کے ارکان بھی شریک تھے روسی مسلمانوں کی تعداد پوچھی تو انھوں نے ۳۵ ملین بتائی۔ انکے سوا پولینڈ میں بھی ۱۵ ہزار کے قریب مسلمان ہیں، جو مختلف دیہاتوں میں آباد ہیں۔ اسی طرح لیٹویا ہے؛ فنلینڈ کے بعد بالٹک علاقہ کی آزاد ریاست ہوگئی تھی، دس ہزار مسلمان یہاں بھی ہیں۔ انکے بھی وہاں مستقل قریے ہیں۔ اُن قریوں میں وہ اپنی خاص مسجدیں بھی رکھتے ہیں۔ لیکن افسوس ہے کہ عربی زبان سے قطعاً ناواقف ہیں۔ یہ لوگ تاتاری کی زبان بولتے ہیں یا روسی زبان بولتے ہیں (باقی)

شیخ شوکت حسین پرنٹر و پبلشر نے [illegible] پریس لکھنؤ میں طبع کراکے

دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

بھوکوں پر رونے والے

آج دنیا میں اگر کسی ملک کے باشندے بھوک سے جاں بلب ہیں اور ہر شخص روٹی کے ایک ایک ٹکڑے کو ترس رہا ہے، تو دوسری طرف برسر اقتدار جماعت کے لطف حیات میں کوئی فرق نہیں، چہروں پر وہی رونق، جسمانی آسائشوں کا وہی نظم، روزمرہ کے پرتکلف معمولات کا وہی حال۔ تو اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس زمانہ میں "حکومت" ذریعہ نہیں بلکہ مقصد حیات بن گئی ہے۔ اور حکومت صرف حکومت کی خاطر کیجا رہی ہے۔ لیکن اسلام کا جو نظام ہے وہ عمل اور مقصد ہی ہے اور عہد اول میں اسکا عملی ظہور برابر ہوتا رہا ہے۔ اسلامی روایات تاریخی حیثیت سے آج بھی سب کے سامنے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کوچوں میں پھر کر بھوکوں کا پتہ لگاتے، انکے لیے خوراک مہیا کرتے۔ اگر کوئی مزدور نہ ملتا تو خود اپنے کندھے پر اٹھاکر غلہ پہونچاتے۔ اگر معلوم ہوجاتا کہ کسی شخص کے گھر میں فاقہ ہے تو اختیار رودیتے اور دعا کرتے کہ اے اللہ! اس معاملہ میں میری گرفت نہ کر۔ مجھے اسکی حالت کا علم نہ تھا۔ جو شخص فاقہ زدوں پر آنسو بہا سکتا ہے وہ بے فکر ہوکر کھانا نہیں کھا سکتا، اور آپکے دسترخوان پر انواع و اقسام کی چیزیں نہ پائی گئیں۔ یہ تھا اسلام کا نظم حکومت۔ جس نے حکومت کو مقصد نہیں بنایا اور ذریعہ سمجھ کر بھوکوں پر خلیفۂ اسلام کو رُلا دیا۔ (نذرانۂ حرم)

نظم الجواہر

کے نام سے آپ کو اندازہ نہ ہوگا مگر ہم آپ کو بتانا چاہتے ہیں کہ یہ ایک بیش بہا غیر مطبوعہ کتاب ہے۔ اس میں کیا ہے، اسکے لیے بس یہی کہدینا کافی ہے کہ یہ قرآن شریف کی ایک انسائیکلوپیڈیا ہے۔ جسکے اندر کلام پاک کے تمام متعلقات موجود ہیں۔ کونسی آیت اور سورۃ کب اور کہاں کیوں نازل ہوئی۔ اختلاف قرأت اور تمام قاریوں کے مسالک۔ ناسخ و منسوخ۔ قرآن مجید کے تمام لغات۔ قرآن مجید میں کتنی جگہ کلام موزوں کن بحروں میں۔ کتنے انبیا کا کتنی جگہ نام ہے۔ کتنے قصص ہیں۔ کتنی اشیاء و دعائیں ہیں۔ کتنے مسائل کا آیات سے استخراج ہوا ہے۔ کس امام کا کیا مذہب ہے۔ اسی قسم کی سیکڑوں چیزیں نہایت عمدہ اور تفصیل سے اس میں درج ہیں۔ خط نہایت پاکیزہ و دیدہ زیب۔ کاغذ اور لی سائز ۲۲/۱۸ ½ تصنیف مولانا ولی اللہ صاحب مرحوم۔ یہ غیر مطبوعہ ہے اور قریب قریب ۱۲۰۰ صفحات اسکا حجم ہے۔ ہم اسکو ہدیہ کرنا چاہتے ہیں۔ جو حضرات خرید فرمانا چاہیں وہ خط و کتابت فرمائیں۔ اسکی صرف فہرست بھی ایک کتاب کی برابر ہوسکتی ہے۔

الف۔ معرفت ایڈیٹر صاحب "صدق" لکھنؤ

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِی جَاءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِکَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اس کو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر۔ عبد الماجد

پتہ۔ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب۔ حکیم عبد القوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے۔

(ٹیلیفون نمبر ۲۹۱)

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد ہاؤس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ

ششماہی ۳

بیرون ہند سے سالانہ اشلنگ

قیمت فی پرچہ ۲

صدق

نمبر ۴۷ | دوشنبہ ۱۵۔ ربیع الثانی ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۰۔ اپریل ۱۹۴۴ء | جلد ۹

معجزات موسوی

مولوی سید نجم الحسن صاحب خیرآباد (ضلع سیتاپور) سے دریافت کرتے ہیں کہ

" قرآن نے موسیٰ علیہ السلام کی جن آیات تسع کا ذکر کیا ہے وہ کونسی ہیں؟"

قرآن مجید میں حضرت موسیٰؑ کی ان نو نشانیوں یا معجزات کا ذکر کہیں یکجا نہیں آیا ہے۔ انکا مجموعہ نو تک پہونچتا ہے۔ موسیٰ علیہ السلام کے سلسلہ میں لفظ تسع آیات بینات صرف ایک جگہ آیا ہے۔ سورۂ بنی اسرائیل رکوع ۱۲ کے بالکل شروع میں۔ لیکن وہاں تفصیل مطلق نہیں۔ دوسرے مقامات سے معجزات ذیل ملتے ہیں:-

(۱) عصا (عصائے موسوی حضرتؑ کا مشہور ترین معجزہ ہے)
(۲) ید بیضا (دست مبارک کا چمکنا۔ اُٹھنا یہ بھی مشہور معجزہ ہے)
(۳) سنین۔ یعنی قحط۔ (سورۂ اعراف۔ آیت ۱۳۰)
(۴) نقص ثمرات۔ یعنی پھلوں اور پیداوار میں نقصان (اعراف۔ آیت ۱۳۰)
(۵) طوفان۔ یعنی بارش و سیلاب کا طوفان (اعراف۔ آیت ۱۳۳)
(۶) جراد۔ یعنی ٹڈی دل (اعراف۔ آیت ۱۳۳)
(۷) قمل۔ یعنی جوئیں یا گیہوں وغیرہ میں گھن (اعراف۔ آیت ۱۳۳)
(۸) ضفادع۔ یعنی مینڈکوں کی کثرت (اعراف آیت ۱۳۳)
(۹) دم۔ یعنی دریا کے پانی کا خون میں تبدیل ہو جانا (اعراف ۱۳۳)

ان آخری چاروں کو قرآن نے مفصّلات سے تعبیر کیا ہے۔ توریت کی کتاب خروج کے باب ۷ و ۸ و ۹ میں ان معجزات کا بیان قرآن مجید سے کسی قدر مختلف، اور بڑی تفصیل بلکہ طوالت کے ساتھ آیا ہے۔

مشرقی عورت

" گاندھی جی کی اہلیہ کستورا بائی جنکے انتقال پر ہم سب ملگین ہیں اپنی وضع کی بڑی مضبوط اور زبردست تھیں۔ اپنے شوہر کے اثر و دباؤ کو گاندھی جی پر غالب آجاتیں۔ گاندھی گھر کا ایک شعبہ تمام تر انہیں کے ہاتھ میں تھا۔ کھانا وہ خود پکاتیں، اور علاوہ اپنے شوہر اور اپنے پوتوں کے، وہ گاندھی آشرم کی دو سو کی آبادی میں سے کوئی پچاس اور آدمیوں کے لیے کھانا روزانہ اپنے ہاتھ سے تیار کرتیں۔ بالآخر سنہ کہ وہ بالکل تنہا نہ ہوتیں، کام دوسروں سے بھی لیتیں۔ لیکن باورچی خانہ کی صاحب اصلی اور بیشتر کام اپنے ہاتھ سے انجام دیتیں "۔ (بمبئی کرانیکل - ۱۹۔ مارچ ۱۹۴۴ء ملخصاً)

کالج میں پڑھی ہوئی فیشن زدہ لڑکیاں یہ خبر سُن رہی ہیں؟---- ہندوستان بلکہ مشرق کے اتنے "امور لیڈر" کی بیوی، تقریر بیاں کرتی ہے، نہ لکچروں کے دورے پر روانہ ہوتی ہے، نہ کسی آراستہ ڈرائنگ روم کی رونق بنتی ہے، سیدھی باورچی خانہ میں گھسی رہتی ہے، اپنا دن اسی میں تمام کر دیتی ہے۔ خاص خاندان والوں کے علاوہ بیس پچیس آدمیوں کا کھانا اپنے ہاتھ سے پکاتی اور پکواتی رہتی ہے! اسے خادم بنو شرم آتی ہے نہ اس میں ذرہ برابر اپنی توہین محسوس کرتی ہے، بلکہ اس پر فخر کرتی ہے اسے اپنا اصلی فریضہ اور منصب سمجھتی ہے، بلکہ گاندھی جی تب اس میں دخل دینے لگے ہیں، تو اس میں ناگواری محسوس کرتی ہے!---- بی اماں مرحومہ (محمد علیؒ کی والدۂ ماجدہ) کا پایہ اس سے بھی کہیں بلند تر تھا۔ دن بھر خانگی کام کاج کے علاوہ شدت سے نماز کی پابند تھیں، اور وقت کا اچھا خاصہ حصہ نوافل، اوراد وغیرہ میں صرف کرتیں۔ اور جب دیکھا کہ دونوں لڑکے خلافت اسلامیہ کی خاطر قید و نظر بند ہو گئے، تو کبیر سنی و ضعف کے باوجود سر سے پیر تک برقع میں ملبوس صرف پردہ کی گیا ہے نقاب ہٹاتے ہوئے تقریر و دعوت جہاد کے لیے باہر نکل آئیں! تہجد پڑھنے اور نماز پڑھنے کے لیے اول وقت میں اُٹھنے کے معمول میں اس کے باوجود بھی فرق نہ پڑا!

ریب اور یقین

"ہر مسئلہ کو میں بیسیوں بلکہ سیکڑوں بار سوچتا رہتا ہوں، ننانوے مرتبہ غلطی کرتا ہوں۔ کہیں سویں مرتبہ صحیح نتیجے تک پہونچتا ہوں۔"

یہ دنیا کے نامور ترین سائنٹسٹ آئنسٹائن نے اپنے طرز فکر سے متعلق سال میں کہا! آئنسٹائن، فلسفہ کا نہیں، سائنس کا امام ہے جسکا شمار عوام کے نزدیک ظنیات میں نہیں، قطعیات میں ہے۔ اور پھر سائنس میں بھی اسکے سب سے زیادہ قطعی اور یقینی شعبہ یعنی ریاضیات اور طبعیات ریاضی کا! ایسی "یقینی" اور مشاہدہ و تجربہ کی چیزوں کا حال دنیا میں عزیب کا یہ عالم ہے کہ ۹۹ فی صدی مستعمل ٹھوکریں کھاکر اور ٹھوکریں کھا کھا کر دھیان ہوتا ہے! اور کہیں ایک فی صدی جاکر کامیاب ہوتا ہے، وہ بھی محض اپنے خیال اور فہم کے مطابق۔ — یہی وہ "قطعی" اور "یقینی" علوم و فنون ہیں جنکے نظریات، تخمینات، احتمالات کو مذہب کے مقابلہ میں لایا جاتا، اور انکی میزان میں وحی الٰہی کے حقائق کو تولا جاتا ہے۔

نسق کا حملہ

"ہندوستان کے مزدوری پیشہ لوگ جب کھیتوں، کھلیانوں میں کام کرتے رہتے ہیں، تو برابر گاتے گنگناتے رہتے ہیں۔ یہ لوگ جب کارخانوں میں مزدوری کے لیے داخل ہوتے ہیں، تو انھیں محنت شاقہ کرنا پڑتی ہے۔

تکان کا بہترین علاج موسیقی ہے۔ بمبئی کے نوجوانوں کی جو محفل میں اجلاس کر رہی ہے، اسکے پروگرام کی ایک دفعہ ہندوستان کے نظام حرفتی کی توسیع ہے۔ گورنمنٹ کو چاہیے کہ کارخانوں میں کام کرنے والوں کے لیے راگ اور گانے کا انتظام آئندہ ضرور رکھے۔ بلکہ اسے شروع ابھی سے کر دے۔" (بمبئی کرانیکل ۔ ہفتہ وار ۲۶ مارچ ۱۹۴۹ء)

گویا تحریک اب "روشن خیال" ہندوستان کی طرف سے یہ ہو رہی ہے کہ کارخانے بھی آئندہ نشاط خانوں میں تبدیل ہوکر رہیں! اور ہر مل اور فیکٹری، اپنی ساری خشکیوں اور تلخیوں کے باوجود، کسی نہ کسی حد تک، میوزک ہال، یا اوپرا ہاؤس بن کر رہے! —— تصویر اور راگ تہذیب جاہلی کے دو سب سے زبردست نقیب جس طرح ہمیشہ رہے ہیں، آج بھی ہیں، اور مسلمان غریب کو یہ بھی نہیں معلوم کہ اسکی تہذیب پر حملے کن کن غیر متوقع گوشوں سے، کن کن نقابوں کی آڑ سے ہو رہے ہیں!

سارنگی باز سائنٹسٹ

"دنیا کا نامور سائنٹسٹ" ذکر جرمنی کے مشہور عالم استاد سائنس، پروفیسر آئنسٹائن کا ہو رہا ہے، جو ایک مدت سے امریکہ میں پناہ گزیں ہے۔ ہاں تو دنیا کا یہ نامور سائنٹسٹ

"جسکی عمر اب ۶۵ سال کی ہے، صبح سویرے سے دوپہر تک اب یونیورسٹی کے ملحق، اپنی لیبوریٹری (تجربہ گاہ) میں کام کرکے اپنے مکان واپس آجاتا ہے اور پھر یہاں شام تک کام کرتا ہے۔ اسکی تفریح کی چیز منجملہ دوسرے مشاغل کے، سارنگی ہے۔ جس پر وہ فلاں فلاں گتیں بجاتا ہے۔"

(بمبئی کرانیکل ہفتہ وار، ۲ مارچ ۱۹۴۹ء، بحوالہ نیو یارک ٹائمس میگزین)

گویا یہ دنیائے سائنس کے سب سے بڑے زندہ امام سائنسدان ساتھ ہی سارنگیے بھی ہیں! اور اس سے متعلق یہ اعلان انکے معتقدوں اور شاگردوں سے بلا کسی حجاب کے کیا جا رہا ہے! —— ذہن توحید اور مسلک تہذیب جدید کے تصورات میں کس درجہ فرق ہے! اللہ اکبر! کوئی مسلمان سنجیدہ عالم معمولی درجہ اور رتبہ کا بھی ہو، اسکے سارنگی نواز ہونے کا خیال بھی کیا جا سکتا ہے؟

$\frac{1}{2}$ ۱ لاکھ ہر منٹ!

ایک اخباری اطلاع:—

"نئے بجٹ کے مطابق برطانیہ آئندہ سال میں پانچ ہزار دو سو چھیاسی ملین پونڈ صرف کریگا۔ ایک ملین دس لاکھ کا ہوتا ہے۔ اور پونڈ کی قیمت آجکل قیمت سوا تیرہ روپیہ کے قریب ہے۔ یعنی ایک ملین پونڈ روپیہ کی صورت میں ایک کروڑ تیس لاکھ روپیہ ہوا۔ اس رقم کو ۵۲۸۶ کے ساتھ ضرب دینے کی صورت میں برطانیہ کے ایک سال کے جنگی مصارف کا اندازہ ہو سکتا ہے۔ چنانچہ حساب کے مطابق برطانیہ اسوقت ڈیڑھ لاکھ روپیہ فی منٹ یا اکیس کروڑ روپیہ روزانہ جنگ پر صرف کر رہا ہے۔"

اور یہ $\frac{1}{2}$ ۱ لاکھ روپیہ، ہر روز نہیں، ہر گھنٹہ بھی نہیں، ہر منٹ، صرف برطانیہ صرف کر رہا ہے! جرمنی اور امریکہ اور روس اور جاپان اور فرانس جو کچھ صرف کر رہے ہیں، ظاہر ہے کہ وہ سب اسکے علاوہ ہے!

"صاحب" کی کرامت

مجنوں گورکھپوری کی کتاب ادب اور زندگی سے:—

"واجد علی شاہ ناچ رنگ کے جیسے دلدادہ تھے، سب کو معلوم ہے۔ انکے مصاحبوں میں ایک فرانسیسی تھا، اس نے بادشاہ سلامت کو "اوپرا" کی لذت سے واقف کیا۔ اوپرا، فرانسیسی ناٹک کی ایک قسم ہے جس میں ناچ گانے کو خاص دخل ہوتا ہے۔ واجد علی شاہ کو یہ چیز بھاگئی، اور انھوں نے اس نمونے پر امانت سے اندر سبھا تیار کرائی" (ستمبر ۱۹۴۹ء)

لیجیے، یہ راز اب کھلا۔ مشرق کا یہ بدنام ترین فرماں روا بھی، غفلت اور فسق کے اس مرتبہ پر آخر ایک "صاحب" ہی کے اثر، مشورہ، اور اغوا سے پہونچا تھا! "صاحب" کی کرامتوں کو کوئی کہاں تک گنے جائیگا!

راگ کی برکتیں

کراچی۔ ۲۲ مارچ۔ فرسٹ ایر کلاس (ایف اے کے سال اول) کے نوجوان طلبا اور طالبات کے چہرے فق ہو گئے جب انھوں نے یہ سنا کہ انکی ایک ہم جماعت ہندو لڑکی نے اپنی خوشی و رضامندی سے ایک اندھے آدمی سے شادی کر لی، جسکی عمر ۳۰ سال سے زیادہ ہے، اور کراچی کے اندھوں کے مدرسہ میں موسیقی کی تعلیم دیا کرتا تھا۔ لڑکی اسکے رسیلے گلے، شیریں آواز اور پُر اثر طرز ادا سے مسحور ہو گئی۔ اور انہی چیزوں کی خاطر اسکی داسی بن گئی۔" (خبر)

یہ تو خیر رضامندی کے ساتھ شادی کا معاملہ تھا۔ لیکن خدانخواستہ

بولشویک حکومت سے سبق

نمبر (۲)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

خیر یہ تو الگ قصہ ہے۔ مجھے اسوقت صرف بالشویک حکومت کے متعلق کہنا تھا کہ گو مذہب اور مذہب دشمنی میں اسکی عام طور پر بہت کچھ شہرت ہے۔ اسی لیے اللہ اور رسول کے دشمنوں کی تمنائیں ان ہی بالشویکوں کے ساتھ آج بندھی ہوئی ہیں۔ دین والوں کو ہمیشہ یہ بولشویکوں اور انکی حکومت کی دھمکیاں دیتے رہتے ہیں۔ میں نہیں جانتا کہ تبلیغ اسلام کے اس بیان کے بعد ان بیچاروں کا کیا حال ہوگا۔ اگر آپ کی یہ رپورٹ صحیح ہے اور صحیح نہ ہونے کی کوئی وجہ نہیں معلوم ہوتی، تو یوں سمجھیے کہ آخری آشیانے پر بھی خدا کے ان دشمنوں کے گویا بجلی ہی گر گئی۔ جسوقت یہ تصور کریں گے، کہ بولشویکوں کا اثر اگر پھیل بھی گیا، تو ہمارا کیا، مسجدیں تو پھر بھی آباد ہی رہیں گی، خدا کے سامنے سجدے کرتے ہی رہیں گے۔ پیغمبر پر درود بھیجنے والے درود بھیجتے ہی رہیں گے۔ پھر ان مسکینوں کے لیے بالشویکیت اور اشتراکیت میں لذت ہی کیا باقی رہا۔

کھل پڑا وہی پر کبوتر کا　　جس میں نامہ بندھا تھا دلبر کا

اس کتاب میں آمیری کے نوٹ میں ایک اور چیز بھی نظر آئی۔ جی چاہتا ہے کہ اسے بھی نقل ہی کر دوں، خصوصاً کا نفسا دہ کیوں چھوڑا جائے۔

مطلب یہ ہے کہ حکومت کھونے کے بعد مسلمانوں میں بیداری کے نام سے جو چیزیں پیدا ہو رہی ہیں، ان میں پہلی بیداری کی ابتدا اس سے ہوئی کہ مسلمانوں کے ائمہ پر لعنت بھیجنے والوں کی ایک جماعت تیار ہوئی، جب تقلید و عدم تقلید کا فتنہ پھیلا ہوا، تب صوفیہ بیچارے میدان میں لائے گئے، اور جسکے جو جی میں آیا انکو سناتا چلا گیا۔ یہ دور بھی ختم ہوا، اب اسلامی سلاطین و ملوک پر لعنت بھیجنے کا دور آیا ہے۔ اگلوں پر پچھلے لعنت کریں گے، حدیثوں میں قیامت کی علامتوں میں ایک علامت یہ بھی بتائی گئی ہے، میرے نزدیک تو یہ اسی کا تماشہ ہے جس زمانہ میں اسلام صرف آمین اور رفع الیدین کا نام تھا، تب ائمہ اربعہ کے اجتہاد پر حملہ کیا گیا، پھر تشخیص کرنے والوں نے مسلمانوں کے مرض کی یہ تشخیص کی کہ صوفیوں نے مسلمانوں کو دنیا سے متنفر کر کے حکومت سے انکو محروم کرا دیا۔ گویا مسلمانوں میں تصوف کا رواج زوال حکومت سے جو پہلے ہوا ہے۔ اب یہ بھی غلط ٹھہرا۔ دنیا کی نئی ہوا میں ایک سیاسی تحریک کے نام سے اسلام کی تشریح ہونے لگی۔ گویا کل اسلام صرف سیاست ہے۔ سیاست کا تعلق چونکہ مسلمانوں کے ارباب حکومت سے تھا، اس لیے لے دے کے بیچارے مسلم بادشاہوں کے پیچھے پڑ گئے، انکی قبریں اکھاڑی جا رہی ہیں، گڑے والے پانی پی پی کر انکو کوس رہے ہیں۔ حالانکہ اسلام صرف آمین یا رفع الیدین کا جیسے نام نہ تھا، اسی طرح "سیاست" بھی اسلام کا کل نہیں بلکہ اجزاء اسلام میں ایک جزو ہے" [illegible]

اسکو یوں سمجھنا چاہیے کہ اسلام خدا کا ایک پیغام ہے اسکے بندوں کے نام" بندوں میں حاکم بھی ہیں، محکوم بھی، آزاد بھی ہیں اور غلام بھی، مرد بھی ہیں اور عورتیں بھی، بچے تندرستوں کے لیے بھی اس میں احکام ہیں اور بیماروں بوڑھوں کمزوروں کے لیے بھی، امیروں کے لیے بھی غریبوں کے لیے بھی۔ الغرض خدا کے بندوں کی جتنی قسمیں ہو سکتی ہیں خدا کے حکم و فرمان کا سب ہی سے خطاب ہے۔ ان ہی بندوں میں حکام، بادشاہ اور ارباب حکومت کا طبقہ بھی تھا، اس لیے انکے لیے بھی کچھ احکام کچھ ذمہ داریاں اسلام نے عائد کی ہیں، لیکن اسلام کا وہ بھی ایک جز صرف جز ہے، کل تنہا نہیں ہے۔ پھر جس طرح مسلمانوں کے دوسرے طبقات کا اسلام اس قسم کا اسلام نہیں باقی رہا جیسا کہ صحابہ اور صحابہ کے تربیت یافتوں کا تھا۔ اسی طرح حکمرانوں سے متعلق اسلام کے جو احکام تھے، انکی تعمیل جیسی صحابہ کے زمانے میں کی گئی "بعد والوں" سے نہ ہو سکی، ملامت کے مستحق اگر ہیں تو ہمارے امیر بھی ہیں غریب بھی ہیں مرد بھی ہیں عورتیں بھی ہیں حاکم بھی ہیں محکوم بھی ہیں۔ لیکن چن کے مسلمانوں کے صرف مرحوم حکمرانوں کو طعن و ملامت کا نشانہ بنانا بالکل عجیب ہے، بگڑے تو سب ہی بگڑے تھے ان میں اچھے بھی تھے۔ پھر جیسے دوسرے طبقات میں سب ہی کا حال یکساں نہ تھا، ان میں اچھے بھی تھے اور برائی اور بھلائی سے مرکب، مخلوط بھی۔ یہی حال حکومت کرنے والے طبقات کا بھی رہا ہے۔ مجھے تو ان لوگوں پر حیرت ہوتی ہے، جو پہلے تو اسلام کو صرف سیاست اور سیاست کو صرف اسلام ٹھہرا لیتے ہیں۔ پھر اسی بنیاد پر حقیقی اسلام کی عمر کل تیس سال بتاتے ہیں، یعنی خلافت راشدہ کا عہد، خلافت راشدہ کے ان تیس سال میں سے عہد مرتضوی ظاہر ہے کہ خانہ جنگیوں کی نذر ہوا، اسی طرح عہد عثمانی کا آخری حصہ بھی ان ہی خرخشوں میں گزرا۔ گویا اس تیس میں سے بھی بمشکل پندرہ سولہ سال اسلام کی عمر رہ جاتی ہے۔ جو ان لوگوں کے خیال میں کل اسلام ہے۔ پھر اسکے بعد ساری امت مسلمہ اندھی اور بہری بنی رہی، اسوقت تک بنی رہی، جب تک دوسروں نے اسکو اپنا غلام بنا کر بیدار نہیں کیا۔ حکومت و اقبال کے زمانہ میں اسلام کی روح مسلمانوں سے نکلی رہی۔ وہی نکلی ہوئی روح اب عہد غلامی میں واپس ہوئی ہے۔ میں نہیں سمجھتا کہ جس مذہب کا یہ حال ہو گیا دنیا کا وہ کوئی کامیاب مذہب قرار پا سکتا ہے اور العیاذ باللہ اسکے داعی اور مبلغ علیہ الصلوٰۃ والسلام کو کیا کامیاب پیغمبروں میں شمار کیا جا سکتا ہے، "آنت لکم ولا تفکرون مالکم کیف تحکمون"۔

(باقی آئندہ)

از اہتمام شیخ شوکت حسین پرنٹر حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع ہوکر
دفتر اخبار صدق - گولہ گنج لکھنؤ سے شائع ہوا۔

ادب برائے ....؟

"ادب برائے زندگی" کی رٹ لگانے والے زمرت کو تاہ نظر اور کور دماغ ہیں بلکہ بڑی حد تک غیر منطقی اور بعض کو اس کہنے کی وجہ سے حقیقۃً پاگلوں کی صف میں شمار کئے جانے کے قابل ہیں۔ نہ "ادب برائے ادب" صحیح ہے اور نہ "ادب برائے زندگی"۔ الفاظ اگرچہ مختلف ہیں لیکن منشا ان دونوں میں کیا فرق ہے؟ "ادب برائے ادب" کہیے تو مقصود صرف ادب رہ جاتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں زندگی کی علت غائی ادب قرار پاتا ہے۔ اگر یہ صحیح ہو تو پھر ادب کی علت غائی تلاش کرنے کا مرحلہ سامنے آئے گا۔ اور کون ہے جو زندگی ہی کو پھر اسکی علت قرار دے۔ نتیجہ کیا نکلا؟ یہی ادب برائے زندگی اور زندگی برائے ادب۔ اس عمل دور سے کبھی نجات نہ ملیگی۔

ذرا عقل سے کام لیجیے اور غور فرمائیے جیسے علت فاعلی میں ایک ربط و تسلسل پایا جاتا ہے اور کہا جا سکتا ہے کہ ایک چیز دوسری سے اور دوسری تیسری سے وجود میں آتی ہے، یہاں تک کہ کسی علۃ العلل پہ یہ سلسلہ ختم ہو جاتا ہے۔ بالکل اسی طرح علت غائی میں تسلسل و ربط پایا جاتا ہے۔ گلاس پانی پینے کے لیے، اور پانی پیاس بجھانے کے لیے، پیاس بجھانا زندہ رہنے کے لیے، اور زندہ رہنا اس اصل غایت کی تکمیل کے لیے جو مقصد تخلیق ہے۔

ذرا غور تو فرمائیے کہ آفتاب کے وجود کا ایک مقصد ہے، ماہتاب کے وجود کا ایک مقصد ہے، پانی، ہوا، مٹی، غرضکہ دنیا کا ذرہ ذرہ کسی نہ کسی مقصد کی تکمیل کے لیے ہے، لیکن انسان سب سے بہتر مخلوق، سب سے زیادہ ترقی یافتہ مخلوق بالکل بے ضرورت تو نہیں ہے؟ آپ کی تجدد پسندی اگر اجازت دے تو خدا کے نام سے کام نہ لیجیے لیکن یہ کیا بزدلی ہے کہ یہاں پہونچکر ٹال جائیے۔ عقل انسانی کو اتنے بڑے مسئلہ پر طفل تسلیوں کے ذریعہ خاموش نہیں کیا جا سکتا، کچھ نہ کچھ تو بتانا ہی پڑیگا۔

نہایت ہی درد کے ساتھ کہا جاتا ہے کہ سماج غریبوں پر ظلم کر رہا ہے سرمایہ دار مزدوروں کا خون چوس رہے ہیں، دنیا میں جنسی تشدد جاری ہے، عورتیں مردوں کو اور مرد عورتوں کو اپنی خواہشات نفسانی کے خونی دیوتا کے سامنے بھینٹ چڑھا رہے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ یہ سب کون کر رہا ہے؟ آخر انسان ہی تو کر رہا ہے۔ اگر زندگی اور فارغ البالی بغیر کسی اور بلند مقصد کے خود مقصد ہے تو یہ سب کیوں نہ ہو، کیوں نہ ایک غریب گر مضبوط تالیم اپنی فارغ البالی اور مسرت کے لیے کسی وائس پرنسپل کو کرسی سے اتار کر اس سے اپنے گھر کے چھپر بند ھوائے؟ اور کیوں نہ چونہ کا ایک غریب مزدور ظلم کمپنی کے کسی منیجر سے اپنا بوجھ اٹھوا کر آرام کی نیند سوئے؟ کیوں دنیا میں کوئی مقصد رکھنے والا تقویت بخشنے کہ انفرادی فارغ البالی اور پرمسرت زندگی کو اجتماع کی فلاح کے لیے قربان کر دے، آخر اس حماقت سے فائدہ؟

نوجوانو! ہم تم سے درخواست کرتے ہیں، انسانیت کو درندگی اور چوپایگی کے اس ذلیل مقام سے بچاؤ جہاں یہ کم عقل اور دون فطرت "ادب برائے زندگی" پکارنے والے تمہیں لیے جا رہے ہیں۔ وسعت قلب اور وسعت نظر کے ساتھ زندگی اور ادب دونوں کا حقیقی مقصد تلاش کرو۔ زندہ رہنے کے لیے تمام اسباب مہیا کرو۔ اس میں کوتاہی نہ ہونے پائے۔ آسمان و زمین کی ہر چیز کو اپنا خادم بنا لو۔ اس سلسلہ میں ہر رکاوٹ کا مردانہ وار مقابلہ کرو، لیکن اس حقیقت کو کبھی فراموش نہ ہونے دو کہ اس ساری تگ و دو کا مقصد زندہ رہنا ہے اور زندہ رہنے کا مقصد خود زندگی سے بھی بلند تر کچھ اور ہے۔ ادب کو اپنی زندگی میں خادم کا مقام دو۔ "ادب برائے ادب" کا نعرہ لگا کر اسے مخدوم و مقصود کا مقام نہ دو۔ قوم، وطن اور نسل و زبان کی خطرناک تقسیموں کو ختم کر کے سارے جہان کو انسانوں کی ایک ہی بستی سمجھو، ہر انسان کی خدمت کرو، اپنے ادب کو اس رنگ میں ڈھالو کہ جس سے انسان کے ایسے شریف جذبات بیدار ہوں۔ لیکن یہ یاد رکھو کہ ادب یا زندگی کا مقصد بنی نوع انسان کی خدمت بھی نہیں ہے بلکہ یہ خدمت خود ایک راستہ ہے جسکے ذریعہ مقصد حیات تک پہونچا جا سکتا ہے۔

ادب اور زندگی کا مقصد کیا ہے۔ اسکا جواب کارل مارکس، ہیگل یا نیٹشے کے ہاں نہیں مل سکتا۔ یہ خود گم کردہ راہ ہیں۔ تمہارے یہ دون فطرت نوحہ خواں جو افسانوں میں جنسی تشدد کے نقشے کھینچکر دوکان کی رونق کا سامان مہیا کرتے ہیں، نہایت درجہ کوتاہ بیں اور نقال ہیں، یہ تمہیں کچھ نہیں بتا سکتے۔ معمولی طور پر اپنی اندرونی اصلاح کے بعد تم پر خود روشن ہو جائیگا۔ یقین کی استواری، اچھے اعمال کی پابندی، اور وسعت قلب کے ساتھ محبت میدان زندگی میں ہر جگہ تمہارے کام آئیگی۔

یقیں محکم، عمل پیہم، محبت فاتح عالم
جہاد زندگی میں ہیں یہ مردوں کی شمشیریں

"کیا لکھا جائے" تو واضح ہوچکا، اس مقصد عالی کو سامنے رکھکر تمہارا قلم، تمہاری زبان اور تمہارا دماغ تمامتر خالق کائنات کی رضا کے لیے کام کر رہے ہیں، یقین کے استحکام، عمل کی نیکی اور محبت کی وسعت کے لیے لکھو، بولو، اور سوچو۔ اب دوسرا سوال "کیوں لکھا جائے" خود بخود واضح ہو جاتا ہے۔ ضرورت ہے کہ اپنی اندرونی اصلاح کے ساتھ ساتھ دوسروں کو اندرونی اصلاح کے لیے آمادہ کیا جائے۔ اگرچہ اس خیال کو بھی صرف مقصد قریب کا مقام حاصل ہے، اسے علت غائی یا آخری و انتہائی مقصد نہیں قرار دیا جا سکتا لیکن آخری مقصد تک پہونچنے کا راستہ قرار دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے لکھنے والے اسکے ماتحت کام کریں اور ایسا ادب پیدا کریں جو لوگوں کو اندرونی اصلاح پر آمادہ کر دے۔ اسکے لیے افسانہ، ڈراما، نظم، غزل، قطعہ، مثنوی، موجودہ اور آئندہ پیدا ہونیوالے تمام اصناف ادب پر قلم فرسائی جائز ہو سکتی ہے۔ (پیام ادب)

مراسلہ

ایک مبارک خواب

(سید عقیل احمد جعفری فیروز آبادی کے قلم سے)

مخدومی اکرام ۔ سلام علیکم ۔ اسوقت یہ عریضہ اس ضرورت سے لکھ رہا ہوں کہ ۱۲ ربیع الاول شریف کا دن گزرنے کے بعد رات کو میں نے ایک عجیب مبارک اور مفرح خواب دیکھا۔ میں نے دیکھا کہ ایک وسیع اور عالیشان مکان ہے گھیرے ہوئے احاطہ میں فرش بچھا ہوا ہے اور اس پر بہت سے عالم اور بزرگ قسم کے اشخاص جگہ جگہ چار چار چھ چھ کی ٹولی میں بیٹھے ہوئے ہیں۔ وہ سب آپس میں کبھی کبھی کچھ باتیں بھی کہتے ہیں مگر صرف ادب ملحوظ رکھتے ہوئے نہایت سرگوشی کے ساتھ —— ایسا معلوم ہوتا ہے جیسے کوئی بہت بڑا دربار ہے اسی مجمع میں کسی جگہ شاید وصل صاحب (مرحوم) بھی ہیں — میں بھی اسی متبرک مجمع میں ہوں اور بعض وقت کوئی مجھ سے اور میں بھی کسی سے بات کر لیتا ہوں — دفعتاً سامنے کے گوشہ میں لگے ہوئے دروازہ سے نہ معلوم کس طرح اٹھ کر میں ایک دوسرے اندرونی مکان میں داخل ہو گیا —— یہاں بائیں ہاتھ پر ایک کمرہ یا دالان ہے اس میں ایک شخص کچھ اس طرح کا جیسے بڑے آدمیوں کے یہاں اکثر اطلاع کرنے — ملنے ۔ تعارف کرانے اور وقت مقرر کرنے کے لیے کوئی معزز آدمی ہوتا ہے، موجود ہے ۔ یہ شخص اس لڑکے کے علاوہ ہے جو "ہوا ہے" یا اردلی معلوم ہوتا ہے — یہاں پہونچکر نہ جانے کس طرح خود بخود مجھے علم ہو جاتا ہے کہ یہ کمرے میں حضرت حکیم الامت رحمۃ اللہ علیہ آرام فرما رہے ہیں ۔ یہ معلوم ہونے کے بعد اس شخص سے جو پرائیوٹ سکرٹری معلوم ہوتا ہے میں نے مولانا سے ملنے کی خواہش درخواست کی ۔ تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ حضرت مولانا باہر (اسی دوسرے گھر کے صحن کے بنگلے میں) تشریف لائے ہیں اور وضو کر رہے ہیں یا شاید ہو رہے ہیں ۔ اسکے بعد میں پیش ہوا ۔ مصافحہ کرتے ہوئے میں نے دست بوسی کرنا چاہی تو آپ مانع ہوئے اور فرمایا اوپر آنکھ اٹھاؤ ۔ یا آنکھ ملاؤ ۔ فرمایا —— میں نے تھرتھراتے ہوئے تعمیل کی اور بے ساختہ میرے منہ سے نکل گیا میں مرید ہونا چاہتا ہوں ۔ میری زبان سے یہ الفاظ ادا ہوتے ہی میرے خلاف توقع انتہائی آمادگی کے لہجہ میں منظور فرمایا ۔ ابھی ! اسی وقت !! اور فوراً ہاتھ ایکر کچھ تلقین فرماتے ہوئے بیعت کر لیا ۔ جیسے ہی میں بیعت ہو چکا اُس لڑکے نے جو اردلی معلوم ہوتا تھا مولانا کی طرف مخاطب ہو کر کہا " یہ وہی ہیں جنکا آپ نے ابھی جنازہ پڑھا تھا —— یہ سنکر اس شخص نے جو قرینے سے پرائیوٹ سکرٹری معلوم ہوتا تھا کچھ ایسے الفاظ کے ساتھ جس سے یہ مترشح ہوتا تھا کہ یہ "نقل در معقولات" اسے ناگوار ہوا ہے اس لڑکے کو جھڑک دیا ۔ ساتھ ہی حضرت مولانا نے میری طرف دیکھا اس نظر سے ۔ گویا پوچھ رہے ہیں یہ تھے کہ اسکا کیا مطلب ۔ یہ اجتماع الضدین کیسا (یعنی یہ کہ میں زندہ مجسم سامنے کھڑا ہوں پھر بھی جنازہ کیسے پڑھا گیا) میں نے عرض کیا اسکا مطلب میں عرض کروں ۔ چہرہ سے آثار اجازت پاکر میں نے عرض کیا کہ وہ جنازہ میرا نہیں بلکہ میرے گذشتہ گناہوں اور غلطیوں کی زندگی کا تھا —— آپ نے فرمایا "ہاں" پاکر میں اور خطا یا

افزائی اس قسم کا جو تائید کا مترادف تھا ۔ اور بس آنکھ کھل گئی —— جسوقت آنکھ کھلی ہے تہجد کا وقت تھا ۔ میں اٹھا، وضو کیا ، نماز پڑھی ۔ اور اسوقت سے ایک عجیب سرور و کیف کے عالم میں ہوں۔

اس خواب کی اہمیت میرے دل میں اسوقت اور زیادہ بڑھ جاتی ہے جب میں یہ خیال کرتا ہوں کہ میں نے مولانا کی زندگی میں ایک عریضہ بھیجا تھا جو میرے اسی ارادہ کی پشت پر اس تحریک کے ساتھ ہی ابھی پہنچا تھا کہ مولانا نے انتقال فرمایا ۔

مشہور ہے مولانا کا اصول تھا کہ بعد جانچ پڑتال کے بعد مرید کرتے تھے تو دو سال کے اتنے عرصے کے بعد بغیر کسی خیال کے ایک رات دفعتاً میرا یہ خواب دیکھنا اور اس میں اس خصوصیت کے ساتھ مرید ہونا شاید اس کشف سے بھی کچھ تعلق رکھتا ہے کہ میرے دل میں ایک عرصہ سے خانقاہ شریف میں جا کر رہنے ، فیض صحبت حاصل کرنے پھر مرید ہونے کی آرزو تھی ، جسکو میں حضرت والدہ کی معلوم علالت اور خدمت کی وجہ سے اپنے نفس پر جبر کرکے عمل میں نہ لا سکا ۔

اس خواب کا ایک یہ پہلو بھی عجیب ہے کہ خواب ہی میں تعبیر بھی مل گئی ۔

آپ کی عدیم الفرصتی کے پورے احساس کے باوجود میرا جی چاہا کہ آپ کو یہ خواب (جو میں نے بیدار ہوتے ہی غور کرکے ایک ایک یاد کرکے لکھ لیا تھا) مفصل نہ لکھوں بلکہ آرزو تو یہ ہے کہ مجھے اپنے —— مولانا کے "خلیفہ" نہ سہی قریب سہی ۔ سے اس خواب کی تعبیر ملے ۔ سنا ہے خواب کی تعبیر دوست یا عالم سے لینا چاہیے تو آپ سے اچھا کون عالم اور آپ سے بڑا میرا کون دوست ہے ۔

صدق ۔ خواب اپنے ہر جزو کے اعتبار سے مبارک اور قابل مبارکباد ہے ۔ نفس بیعت جہاں تک اپنی ارادت کا تعلق ہے کہنا چاہیے کہ اس خواب سے بھی ہو ہی گئی ۔ البتہ جو مقصود بیعت ہے ، اُسکے لیے کوئی خواب ، خواہ اس سے بھی بہتر و مبارک تر ہو ، کافی نہیں ۔ بیعت کی اصل غایت اصلاح نفس ہے ۔ اور یہ مقصد کسی زندہ شیخ کامل سے تعلق قوی رکھنے سے پورا ہو سکتا ہے ۔ حضرت مولانا کی تصانیف و ملفوظات و مواعظ کا طویل و مسلسل مطالعہ بھی ایک حد تک اس مقصد کے حصول میں معین ہو سکتا ہے ۔

مصلح کے انتخاب میں بھی احتیاط اور دقت نظر کی ضرورت ہے ۔ عقائد و اعمال کے اعتبار سے اُسکا اہل حق میں ہونا بہر حال لازمی ہے لیکن اصلاح و تربیت کا بھی اُسے خاص ملکہ ہونا چاہیے ۔ محض زہد و عبادت ہرگز اصلاح و تربیت کے لیے کافی نہیں ۔

نئی کتابیں

(۱) مانڈو (شادی آباد) تصنیف جناب غلام یزدانی صاحب ناظم آثار قدیمہ دکن - ترجمہ از مرزا محمد بشیر صاحب بی اے صفحات ۲۲ ، صفحے تقطیع ۲۲×۱۸ - قیمت مجلد ہے غیر مجلد عہ پتہ انجمن ترقی اردو - دریا گنج دہلی -

مانڈو عرف شادی آباد مالوہ کا قدیم اور مشہور شہر ہے اور اب سنٹرل انڈیا کی ریاست دھار میں شامل ہے -

ــٹ جانے پر بھی اسکی صدہا عمارتیں اور انکے کھنڈر اب بھی قابل دید ہیں - حسن تعمیر اور نگاہ عبرت دونوں کے اعتبار سے - یزدانی صاحب اثریات (آرکیالوجی) کے ایک نامور ہستند ماہر ہیں - اور یہ کتاب اصلاً انھوں نے ایک فن داں اثری کی حیثیت سے انگریزی میں لکھی تھی لیکن انکے تحریر کی شگفتگی نے اس میں عام دلچسپی کا رنگ بھی پوری طرح بھر دیا ہے - کتاب تین ابواب پر منقسم ہے - پہلا مختصراً تاریخی قسم کا ہے جغرافی حالات بتاتا ہے - دوسرا باب ۵ سے ۴۴ تک مانڈو کی تاریخ پر - تیسرا اور سب سے طویل باب عمارتوں پر ہے - اور اس میں تقریباً پچاس عمارتوں کا ذکر کیا گیا ہے -

مترجم نے بھی اپنا کام خوبی سے انجام دیا ہے زبان بڑی سلیس لکھی ہے - البتہ ترجمہ میں فارسی کتابوں (تاریخ فرشتہ، ابوالفضل وغیرہ) سے اقتباسات جہاں جہاں آئے ہیں وہاں ترجمہ ہر جگہ بالالتزام اصل فارسی ہی سے کرنا تھا ، نہ کہ انگریزی ترجمہ سے - شروع میں فہرست مضامین اور آخر میں مفصل اشاریہ (انڈکس) موجود ہے - البتہ فہرست مضامین میں باب دوم کے تحتانی عنوانات کے بھی صفحوں کے نمبر دینے ضروری تھے -

کتاب میں عمارتوں کی تصویریں اور نقشے متعدد ہیں - اس لیے قیمت ہرگز گراں نہیں - کاغذ اور سامان طبع کی اس گرانی اور کتاب کی معنوی خوبیوں کے لحاظ سے قیمت یوں بھی زیادہ نہ تھی - کتاب انجمن ترقی اردو کے قابل فخر مطبوعات میں سے ہے -

(۲) الف لیلہ و لیلہ حصہ ۳ ترجمہ از ڈاکٹر ابوالحسن منصور احمد ایم اے پی ایچ ڈی - صفحات ۳۵۰ صفحے - قیمت مجلد ... غیر مجلد ... پتہ انجمن ترقی اردو دریا گنج دہلی

الف لیلہ کے ترجمے اردو میں پہلے سے موجود تھے - اس ترجمہ کی خصوصیت یہ ہے کہ یہ براہ راست اصل عربی کا ترجمہ ہے اور ترجمہ میں صحت کا خاص خیال رکھا گیا ہے اسکے حصہ اول و دوم پر تبصرہ ان صفحات میں ہو چکا ہے - یہ حصہ ... رات سے لیکر ۲۴۲ ویں رات کا ہے - اور ابھی اندازہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ابھی کئی ... جلدوں کی ضرورت ہوگی - مترجم مرحوم کا اس

درمیان میں انتقال ہو چکا ہے - لیکن خیال ہے کہ کل ترجمہ کا مسودہ ان کے پاس محفوظ ہوگا ---- انسانوی ادبیات کے شائقین کو الف لیلہ جیسی مشہور نامور کتاب کا تعارف کرانا تحصیل حاصل ہے

(۳) نا قابل مصنف - ۲۰ صفحے ۱۸×۲۲ - قیمت دو روپے کی سو ، (۴) تحریف آریہ - ۶۴ صفحے ۱۸×۲۲ - قیمت ۶ ، پانچ نسخے ۶ ، ۱۲ نسخے ۸ میں -	از مولانا ابوالوفا ثناء اللہ صاحب - پتہ :- دفتر "اہلحدیث" امرتسر

مولانا ثناء اللہ صاحب امرتسری جماعت اہلحدیث کے ایک ممتاز فاضل اور اسلام کے مشہور مناظر ہیں - آریوں اور قادیانیوں کا رد انکا موضوع خاص ہے - رسالہ نمبر ۳ میں مرزا صاحب قادیانی کی بعض مشہور کتابوں (براہین احمدیہ ، آئینہ کمالات اسلام ، حقیقۃ الوحی وغیرہ) کی تنقید اور تجزیہ کرکے یہ دکھایا ہے کہ مرزا صاحب کا پایہ بحیثیت مصنف و متکلم کے بہت پست تھا - اور رسالہ نمبر (۴) میں دیانند سرسوتی کی مشہور کتاب ستیارتھ پرکاش کے باب (۱۰) کا مقابلہ دو ایڈیشنوں ۱۸۸۴ء کے ہندی اور ۱۹۰۳ء کے اردو ایڈیشن سے کرکے دکھایا ہے کہ گوشت خوری حسکا ذکر اصل ستیارتھ پرکاش میں موجود تھا ، اسے بعد کو حذف کر دیا گیا ہے -

دونوں رسالے اپنی اپنی جگہ پر خاصے دلچسپ اور کارآمد ہیں - البتہ دونوں کی ترتیب و تدوین میں مزید توجہ و اہتمام کی ضرورت تھی -

(۵) تنقید شعر العجم - از پروفیسر حافظ محمود شیرانی صاحب ۲۱۰ صفحے - قیمت مجلد ... غیر مجلد ... پتہ انجمن ترقی اردو - دریا گنج دہلی

شعر العجم مولانا شبلی مرحوم کی ایک مشہور و مقبول کتاب ہے - اس پر حافظ محمود شیرانی صاحب کی مبسوط تنقید بھی علمی حلقوں میں کچھ کم مشہور نہیں - انجمن ترقی اردو کے سہ ماہی رسالہ اردو میں ۱۹۲۲ء سے (یعنی مصنف کی وفات سے کوئی آٹھ سال بعد) سے لیکر کئی سال تک قسط وار نکلتی رہی - پھر بھی شاید کتاب کی صرف دو پہلی جلدوں تک ہو پائی ، اور اخیر کی جلدوں تک پہونچنے کی نوبت ہی نہ آئی - وہی مبسوط ، ضخیم ، اور کہنا چاہیے کہ اصل تصنیف کے مساوی الحجم تنقید اب نظرثانی اور اضافہ کے بعد کتابی صورت میں شایع ہوئی ہے -

شعر العجم اس میں شک نہیں کہ تاریخ سے زیادہ ادب کی کتاب ہے ، اور ایک صاحب ذوق سخنور کا کارنامہ ہے - تاہم اس سے انکار نہیں ہو سکتا ہے کہ وہ ایک تاریخی حیثیت بھی رکھتی ہے - تنقید انکے صرف اسی تاریخی پہلو سے تعلق رکھتی ہے ، اور اپنے رنگ میں ... ذخیرۂ نقد میں لاجواب اور بے مثال ہے - غلطیاں ، لغزشیں ، فروگذاشتیں ، سہو و نسیان بشریت کا لازمی جزو ہیں - ان سے مفر نہ کسی بڑے سے بڑے مصنف کو ، نہ کسی محقق ناقد کو - نہ شبلی کو نہ شیرانی کو

(۶) "گدھولیا یا بیداری" - از سید ابراہیم صاحب فریدآبادی

(۱) صفحات مجلد مع گرد پوش۔ قیمت ۱۲ر پتہ:- بک ڈپو انجمن ترقی اردو جامع مسجد دہلی۔

مصنف کے مزاحیہ اور طنزیہ مضامین کا مجموعہ ہے۔ عنوانات "سودیشی ریڈیو گھر" "گدھوں میں بیداری" "آج کل کا فیشن" وغیرہ ہیں۔ بعض مضامین میں رشید احمد صدیقی صاحب کے رنگ میں لکھے گئے ہیں اور بعض شوکت تھانوی صاحب کے طرز میں۔ رشید صاحب کی تلمیحات عموماً بلند اور صرف تعلیم یافتہ طبقے کے ذوق کی ہوتی ہیں، لیکن ابو تمیم صاحب کی تلمیحات عام فہم اور عوام پسند ہیں اور یہ بمقابلہ تحریری زبان کے روزمرہ کی زبان اور عمومی مذاق کے لیے زیادہ موزوں اور برمحل ہیں۔ بعض لفظوں کے استعمال میں قلم کو لغزش ہوئی ہے۔ مثلاً (ص۲۷ پر) "رہائش" سکونت کے معنی میں۔ "سودیشی ریڈیو گھر" مجموعہ کا دلچسپ ترین مضمون ہے۔ اور طنزیہ رنگ کے مضامین میں "آج کل کا فیشن" تو اسلامی حیثیت رکھتا ہے۔ "گدھوں میں بیداری" اور "مرد کے انگلشن" میں سیاسی مسائل اسلامی نقطۂ نظر کی حمایت میں طنزیہ پیرایہ میں ادا کیے گئے ہیں۔ بحیثیت مجموعی مصنف کی اٹھان امید افزا اور انکا مستقبل روشن ہے۔

(غ - ق)

(۷) پارلیمانی طرز حکومت

از منظور احسن صاحب ہاشمی بی اے۔ ضخامت ۹۶ صفحے۔ عمدہ کتابت و طباعت۔ قیمت ۱۲ر پتہ:- دارالاشاعت سیاسیہ۔ اشاعت منزل۔ اردو گلی۔ حیدرآباد دکن

مقام مسرت ہے کہ دکن کی کارکن جماعت مجلس اتحاد المسلمین نے سیاسی تعلیم کی ضرورت کا اندازہ کرکے ایک شعبۂ دارالاشاعت سیاسیہ اس غرض سے قائم کیا ہے۔

پیش نظر رسالہ اس سلسلہ کی مفید کڑی ہے۔ موجودہ جنگ ایک حد تک مختلف سیاسی نظریوں کی بھی جنگ ہے، اس لیے مختلف طرز ہائے آئینوں اور دستوروں کا مطالعہ اور زیادہ ضروری ہو گیا ہے۔ کتاب معلومات کے لحاظ سے اوسط درجہ سے بہتر ہے۔ عام اردو داں کے لیے بڑی مدد گار ہے۔ اس میں برطانیہ، فرانس، سوئٹزرلینڈ اور آسٹریلیا کے نظام ہائے حکومت کو بیان کیا گیا ہے

پہلے باب میں جدید مملکتوں کی تقسیم کا بیان ہے۔ پارلیمانی اور غیر پارلیمانی، وفاقی اور فردیہ، حکومتوں کے فرق کو واضح کیا گیا ہے۔ عام طور سے مملکت اور حکومت کو مترادف سمجھا جاتا ہے۔ ان دونوں کے فرق کو بھی بیان کیا گیا ہے۔ برطانیہ قدیم ترین پارلیمانی جمہوریت ہے۔ قدرۃً اسے زیادہ اہمیت حاصل ہے۔ کتاب کے ۹ بابوں میں سے چھ بابوں میں برطانیہ کے نظام حکومت کا ذکر کیا گیا ہے۔ تاج برطانیہ، وزارت برطانیہ، دارالعوام اور دارالامرا اور دوسرے شعبوں کے تعلقات اور باہمی تعلقات کا مختصر اور ضروری تذکرہ کیا گیا ہے

فرانس، سوئٹزرلینڈ اور آسٹریلیا کے نظام ہائے حکومت کو ایک ایک باب میں بیان کیا گیا ہے۔ ضمیموں میں سیاسی اصطلاحات کی تشریح کی گئی ہے تاکہ پڑھنے والوں کو اصطلاحات کے سمجھنے میں دقت نہ ہو۔ آخر میں انگلستان کے بادشاہوں اور وزرائے اعظم کی فہرست بھی دی گئی ہے۔ کتاب کے شروع میں دو نقشوں کے ذریعہ سے جدید مملکتوں کی تقسیم اور تفریق کو واضح کیا گیا ہے اور پارلیمانی حکومتوں کا اجمالی خاکہ دیا گیا ہے۔ ہندوستان، آئرلینڈ اور کناڈا کے نظام حکومت کا بھی مختصر تذکرہ موجود ہے۔

بحیثیت مجموعی کتاب کی تصنیف و ترتیب دونوں قابل تعریف ہیں۔ چند باتیں اگر دوسرے ایڈیشن میں ملحوظ رکھ لی جائیں تو کتاب کا پایہ اور زیادہ بلند ہو جائیگا۔ پہلی بات یہ ہے کہ زبان کی طرف مزید توجہ رہے تاکہ ترجمہ پن کی جھلک نہ آ جائے۔ اور اصطلاحات بجائے نامانوس کے معروف و مانوس استعمال کی جائیں۔ بعض جگہ انگریزی الفاظ مثلاً Peers بے ضرورت آگئے ہیں ان سے احتراز کیا جائے۔ دو ایک جگہ معلومات ذرا پرانی ہو گئے ہیں مثلاً ہندوستان کی حکومت کے سلسلہ میں لکھا ہے وزیر ہند کے مشورہ کے لیے "انڈیا کونسل" قائم ہے، حالانکہ ۱۹۳۵ء کے دستور کی رو سے کونسل ختم کر دی گئی ہے۔ اس کی جگہ ایڈوائزروں نے لی ہے۔ نیز پہلے کی کونسل کے اراکین کو بجائے "ممبر" کے "رکن" لکھا جاتا ہے۔ "ممبر" کتنا صحیح ترجمہ ہے۔ دو عملی یا Dyarchy کا جہاں ذکر ہے وہاں اسکی تصریح ضروری تھی کہ یہ طریقۂ حکومت کا ۱۹۱۹ء کی اصلاحات

بزرگان لاہور سے!

(از عبد الماجد)

کیا آپ حضرات میں کوئی صاحب ایسے نہیں جو اللہ کی رضا جوئی کے لیے اخلاص اسلامی کے واسطے خواجہ عبد الوحید صاحب (تحریر منزل امپورڈ) سے قرضہ کی وہ رقم واپس دلا سکیں، جو انھوں نے تقریباً ایک سال ہوا صدق ہی کے ذریعہ سے لی تھی؟ خواجہ صاحب میرے کرم فرما تھے اور انگریزی ترجمہ و تفسیر قرآن کے سلسلہ میں انھوں نے جو خدمات انجام دی ہیں وہ کبھی بھی بھولنے کے قابل نہیں لیکن اتنی بڑی رقم پر صبر کر جانا آسان نہیں۔ کل رقم تین ہزار تھی، اس میں سے کل ۱۱۳۵۰ خواجہ صاحب نے پانچ اقساط میں ادا کی، اور ۲ ہزار ساتسو پچاس کی رقم ان پر ہنوز باقی ہے۔ تقاضوں پر تقاضے سب بے اثر ثابت ہوئے۔ لاہور کے تین صاحب اثر حضرات (جن میں سے ایک صاحب خواجہ صاحب کے محترم بزرگ بھی ہیں) کے ذریعہ سے خانگی کوششیں بھی ہو چکی ہیں۔ اور اخبار میں خواجہ صاحب کا نام بالکل مجبور ہو کر اور دل کڑا کرکے ساتھ لایا جا رہا ہے، کہ اب اسکے بعد کوئی چارہ بجز عدالتی کارروائی کے نہیں رہ جاتا۔ اور ظاہر ہے کہ ڈگری ہو جانے کے بعد خواجہ صاحب کو سکڑوں روپیہ کا مزید بار حرجۂ عدالت کا بھی برداشت کرنا ہوگا۔

بالشویک حکومت سے سبق

(۲)

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

خیر میں کیا کہنے لگا۔ کہنا کیا چاہتا تھا اور کیا لکھنے لگا۔ مقصد یہ تھا کہ اسی کتاب میں امیر شکیب نے سلطان عبد الحمید خان مرحوم کے متعلق ایک عجیب واقعہ نقل کیا ہے۔ تاریخ اسلام کے جن سلاطین و ملوک کے نام معلوات میں شائع کی جاتی رہیں، ان ہی مرحوم میں کا اپنے پیغمبر اور محبوب پیغمبر کے بیانِ م کے ساتھ کیسا عجیب تعلق تھا۔ یہ واقعہ اس لیے زیادہ قابل توجہ ہے کہ بہت نے اسکو بیان راست محمد تسیم ہی سے: ریتعلیمات ذیعت پاشا کی زبانی شائع ہے۔ مصنف پاشا کے متعلق یہ بھی لکھا ہے کہ میرا یہ تجربہ ہے کہ اپنے بیان میں وہ بڑے ثقہ اور صادق تھے۔ وہ ایک آزاد خیال آدمی تھے، اسلیے مذہبی خوش اعتقادی کا بھی انکے متعلق احتمال نہیں ہے۔"

قصہ کی دلچسپی اس لیے اور زیادہ بڑھ جاتی ہے کہ اسکا تعلق جاپان سے ہے، اسی جاپان جو ہندوستان کے دروازے پر کھڑا آنکھیں دکھا رہا ہے۔ بہرحال قصہ یہ ہے کہ ذیعت پاشا نے اسی سے کہا کہ

"ایک دفعہ جاپان کے شاہی خاندان کا رکن قسطنطنیہ سلطان عبد الحمید کے زمانہ میں آیا تھا، سلطان کی اس سے جب ملاقات ہوئی، اور مختلف مسائل پر گفتگو ہونے لگی، اسی سلسلہ میں مذاہب و ادیان کا ذکر بھی چھڑ گیا"

ذیعت پاشا کا بیان ہے کہ اس نقطے پر پہونچنے کے بعد مسلمانوں کا جو بادشاہ تھا، وہ اچانک اسلام کے مبلغ کی شکل اختیار کر لیتا ہے۔ اسی جاپانی امیر کو خطاب کرکے سلطان نے فرمایا "مجھے یہ خبر پہونچی ہے، تم جاپانی لوگ کسی مذہب کی تلاش میں ہو۔ کیا یہ خبر درست ہے۔ اگر صحیح ہے، تو میں تمہیں اسلام کی دعوت دیتا ہوں"

جواب میں اس جاپانی امیر نے اگرچہ یہ کہا کہ "علی الشاہ کو جو خبر ملی ہے یہ صحیح نہیں ہے، بلکہ ہم لوگ اپنے مذہب پر قائم رہنا چاہتے ہیں"

امیر شکیب نے جاپانی امیر کے اس قول کو نقل کرکے ان لوگوں سے پوچھا ہے، جنہوں نے دنیا میں مشہور کیا ہے کہ جاپان اسوقت تک ترقی نہ کر سکا، جب تک کہ اس نے اپنا دین نہ چھوڑا۔ خود اسلوا؟ مصنف کتاب نے جن میں لکھا ہے۔ دنیا کے مسلمانوں کو ایک مدت تک یورپ والوں نے یہی کہہ بہکایا کہ تمہارے ایک مشرقی ملک نے دیکھو! مذہب کو جب چھوڑا، تو کہاں سے کہاں پہونچا چاہتے ہو، تو مذہب کو ترک کرو، زمین پر ہو آسمان پر پہونچ جاؤ گے۔ جہاں تک میرا خیال ہے، ابہری صاحب اس خیال کے موجد ہیں اور مدت تک مسلمانوں پر جنبوگوں کو چھوڑا گیا تھا۔ اسی حیلہ کو دہراتے رہے ہیں۔ شکیب نے اس کا جواب اس فقرے دیا ہے، اور سچ بھی یہی ہے کہ جاپان جس مذہب کا پابند ہے، زندہ رہنے والا

دین ہو یا بودہ والا، صرف خرافات کا ایک مجموعہ ہے جسکی کوئی بنیادی اساس نہیں، ایک خرافی مذہب کی پابندی کے ساتھ بھی جاپان جب بن سکتا ہے، تو مسلمان مسلمان رہتے ہوئے کیا کچھ نہیں بن سکتے۔ یہ تو اسی قسم کی بات ہوئی، جو پچھلے کچھ دن ہوئے، ایک بڑے مشہور مولوی مصنف جنکا شمار مسلمانوں کے عظیم سیاسی مفکرین میں ہے، ایک موقع پر مسلمانوں کو بادشاہ ہونے کی ترکیب بتاتے ہوئے یہ فرمایا تھا کہ نیکر پہن لو، ٹوپی اتار دو، اور قمیض کے گلے ہیں ادھر ادھر ڈال لیے ہیں جنٹلمین بن جاؤ، جوں ہی تم نے یہ کیا" دنیا کی بادشاہت تمہارے قدموں پہ پھسلے گی۔" تقریباً یہ اسی قسم کی بات ہے کہ "مذہب چھوڑ دو، حکومت مل جائیگی" دونوں میں کیا منطقی ربط ہے، میری سمجھ میں نہ آیا۔

خیر میں تو آپ کے سامنے مسلمانوں کے آخری بادشاہ و خلیفہ کے اس جذبہ کو پیش کرنا چاہتا تھا، کہ ایک شاہی خاندان کے رکن سے وہ شاہانہ گفتگو میں مصروف ہے۔ لیکن عین اسی حال میں وہ اسلام کا مبلغ بن کر اسلام کا پیغام ایک غیر مذہب کے آدمی کو دیتا ہے۔ جہاں تک مجھے یاد پڑتا ہے، قسطنطنیہ سے ایک وفد بھی جاپان تبلیغ اسلام کے کسی زمانہ میں بھیجا گیا تھا۔

کیا ہم اپنے بادشاہوں کا ذکر خیر کے سوا مرنے کے بعد کسی اور لفظ سے کر سکتے ہیں۔ ہمارے عوام اپنی عملی کمزوریوں کے باوجود جب اپنے آپ کو مسلمان ہی سمجھتے ہیں یقیناً وہ مسلمان ہیں، اور مغفرت کی توقع جب وہ رکھتے ہیں، تو جن مسلمان بادشاہوں سے اسلام کی ان ذمہ داریوں کے ادا کرنے میں کوتاہی ظاہر ہوئی جو مذہب نے ان پر عائد کیا تھا، تو زیادہ سے زیادہ وہ ہمارے گنہگار قرار پا سکتے ہیں۔ مستحق ہیں اس بات کے کہ مسلمان انکے لیے استغفار کریں، انکی روحوں کو ثواب پہونچائیں، نہ کہ ان پر لعنت بھیجی جائے۔ انھیں اسلام کے دائرے سے نکال خارج کرنے کی کوشش کریں، جو اپنے گریبان میں منہ ڈال کر اگر دیکھیں گے تو زندگی کا شاید ہی کوئی شعبہ انکو اسلام کے صحیح مطالبہ کے مطابق نظر آئیگا۔ والسلام علی من اتبع الہدےٰ

اس مضمون میں امیر شکیب ارسلان کا چونکہ ذکر کیا گیا ہے، صدق خوانوں میں ممکن ہے امیر کے تفصیلی حال سے لوگ واقف ہوں۔ مناسب ہوگا کسی موقع پر ان سطروں کو بھی شائع فرما دیا جائے بشرطیکہ جو مضمون انکے حوالہ سے نقل کیا گیا ہے وہ اشاعت کے قابل ہو۔

امیر شکیب ارسلان دراصل لبنان شام کے مشہور پہاڑی مقام کے رہنے والے ہیں، اسی پہاڑ کے ایک قصبہ میں آپ کا موروثی وطن ہے۔ انکا خاندان عباسی حکومت کے عہد سے جبل لبنان کے سربرآوردوں میں شمار کیا جاتا ہے، بڑی جائداد انکے قبضہ میں تھی۔ شکیب کی تعلیم ترکی مدارس میں ہوئی، جہاں انہوں نے ترکی فرانسیسی زبانیں سیکھیں عربی تو مادری زبان ہے۔ جوانی ہی میں یہ مفتی عبدہ وغیرہ کے زیر اثر آگئے۔ اور "پین اسلامزم" جس چیز کا یورپ نے نام رکھا ہے، اسکے پیشوؤں اور حامیوں میں ہیں۔ عربی صحافت میں ان کا نام سب سے اونچی جگہ پر ہے

مختلف کتابوں کے مصنف ہیں۔ انشا کا خاص رنگ ہے۔ بے نظیر انکی علمی قابلیت ہے۔ عربی، ترکی، فرانسیسی، جرمنی وغیرہ زبانوں سے اچھی طرح واقفیت ہیں اور اسلامی تاریخ کے بھی بڑے ماہر ہیں۔ اصلی جوہر انکا ایمان ہے۔ باوجودیکہ روشن خیال طبقے سے تعلق ہے، لیکن اسلام کو صرف قومی حیثیت سے نہیں، بلکہ آیندہ زندگی کی نجات کا واحد ذریعہ قرار یقین کرتے ہوئے پوری قوت سے پھیلانے کی کوشش میں مصروف رہتے ہیں۔ اس کا اثر ہوتا رہا۔ ابلیس کی جنگ جب چھڑی، تو کیا تنہا شاہ سے روانہ ہو کر میدان جنگ میں پہنچ سکتے۔ اور اور یہ شاکے ساتھ جہاد کے مقدس فریضہ میں شرکت کی۔ ساری زندگی اسی فکر میں بسر ہو رہی ہے کہ

"محمد کا پیام عام ہو، محمد کا نام بلند ہو"

صلی اللہ علیہ وسلم۔ بڑے بڑے خطرناک حالات سے گزرنا پڑا۔ آجکل جرمنی میں سنا ہے کہ مقیم ہیں۔

مراسلہ

علیگڈھ کے دوستوں سے

"علیگڈھ مسلم یونیورسٹی میں اسلامی ماحول کو تقویت دینے کی کوشش"

مسلم یونیورسٹی کورٹ کی گذشتہ میٹنگ میں میں نے یونیورسٹی میں اسلامی ماحول کو تقویت پہونچانے کے لیے مندرجہ ذیل تجویز پیش کی تھی:۔

"علیگڈھ مسلم یونیورسٹی میں زیادہ سے زیادہ اسلامی ماحول پیدا کرنے کے لیے اور اسکو ایک ایسا معیاری (آئیڈیل) ادارہ بنانے کے لیے جو مسلمانوں کی مذہبی، اخلاقی، تمدنی اور قومی ضروریات کو بہتر سے بہتر طریقہ سے پورا کر سکے تین اشخاص پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کی جائے۔ جو یونیورسٹی کے حالات کا بہ غور مطالعہ کر کے مقصد بالا کو حاصل کرنے کے لیے اور اسکی تکمیل میں جو رکاوٹیں اور دشواریاں ہیں انکو دور کرنے کے لیے اپنی تجاویز اور سفارشات کورٹ کے آیندہ اجلاس میں پیش کرے۔"

کورٹ نے اس تجویز کو منظور کر لیا اور تین اشخاص پر مشتمل ایک کمیٹی مقرر کردی گئی ہے جسکو اگلے سال کورٹ کی سالانہ میٹنگ میں اپنی رپورٹ اور تجاویز پیش کرنا ہیں۔ کمیٹی کے اراکین کے نام حسب ذیل ہیں:۔

(۱) مولوی مسعود الرحمن خاں صاحب شروانی

(۲) ڈاکٹر عبد الجبار خیری

(۳) ظفر احمد صدیقی (مجوز)

جہاں تک کمیٹی کے مقصد کا تعلق ہے مجھے یقین ہے کہ ہر مسلمان کو اس سے اتفاق ہوگا۔ اللہ کا شکر ہے کہ حالات کے تازیانہ اور سیاسی شعور کے ارتقا نے مسلمانوں میں اسلامی احساس بیدار کر دیا ہے اور وہ محسوس کرنے لگے ہیں کہ اسلامی زندگی کی طرف مراجعت ہی میں انکے درد کا واحد علاج ہے۔

لیکن اس سلسلہ میں مسلم یونیورسٹی علیگڈھ کو جو اہمیت حاصل ہے اس سے کسی صاحب نظر کو انکار نہیں ہو سکتا۔ علیگڈھ مسلم یونیورسٹی قوم کا جسم میں دل و دماغ کی حیثیت رکھتی ہے۔ یہی وہ سرچشمہ ہے جس سے قومی زندگی کے مختلف شعبے سیراب ہوتے ہیں۔ اس لیے اگر علیگڈھ مسلم یونیورسٹی کو صحیح معنی میں اسلامی زندگی، اسلامی اسپرٹ اور اسلامی ماحول کا نمونہ بنایا جا سکے تو آج بہت سے قومی امراض کا خود بخود ازالہ ہو جائے۔

اس مقصد کو حاصل کرنے کے لیے کورٹ نے جو کمیٹی مقرر کی ہے اس کے اراکین انشاء اللہ پورے غور و فکر کے بعد اپنی تجاویز مرتب کرینگے لیکن مقصد کی اہمیت اس بات کی متقاضی ہے کہ قوم کے دردمند و باخبر حضرات اس کی تکمیل کے لیے جو کوشش کر سکتے ہوں اس سے دریغ نہ کریں اور اس قومی فریضہ میں کمیٹی کا ہاتھ بٹائیں۔

کمیٹی کے سامنے جو کام ہے اسکے دو پہلو ہیں:۔

اول تو یونیورسٹی میں اسلامی ماحول کو تقویت دینے کے لیے تدبیریں تجاویز۔

دوسرے ان ... جو رکاوٹیں یا تخریبی عناصر ہیں انکے سدباب کے لیے تجاویز۔

علیگڈھ مسلم یونیورسٹی سے دلچسپی رکھنے والے مسلمان اگر ان ہر دو پہلوؤں کے متعلق کوئی مفید تجاویز یا مواد رکھتے ہوں تو براہ کرم راقم سطور کو ذیل کے پتہ پر بھیج فرمائیں۔ یہ ایک اہم اسلامی اور قومی خدمت ہوگی جس کے لیے وہ عند اللہ ماجور رہینگے۔

الداعی الی الخیر ظفر احمد صدیقی ایم۔ اے لکچرر حمیدیہ اسلامیہ کالج الہ آباد۔

صدق ۔ شیخ ظفر احمد صدیقی صاحب علیگڈھ سے فلسفہ میں ایم اے کرنے کے باوجود ماشاء اللہ تقشف کی حد تک دیندار ہیں۔ انکی نظامت کو شیخ یقین ہے کہ ان شاء اللہ ضرور بار آور ہوگی۔

"ترقی پسند ادب"

ترقی پسند ادب کے رکن اور کارکن بننے کے لیے ضروری ہے کہ وہ مشرقی علوم سے کافی حد تک بے بہرہ ہو مگر انگریزی زبان پر کافی عبور ہو۔ اس لیے ایسا ترقی پسند شخص کہیں نہ ملیگا جو انگریزی سے ناواقف ہو۔ گویا "ترقی پسند ادب" کو انگریزی پڑھ کر دس سے پہچانا جا سکتا ہے کہ وہ پیدا اور ہوا ہندوستان کی نہیں یورپ کی ہے اور وہ ہندوستانی ہی نہیں جو خود مجتہد ہو نقال نہ ہو۔

ضروری ہے کہ ترقی پسند اور "ترقی پسندہ" طرز معاشرت اور انداز زندگی میں صرف اپنی کالی رنگت کی حد تک تو ہندوستانی محسوس ہو اور زیادہ یورپ زدہ نظر آئے۔

ضروری ہے کہ ترقی پسند کی عمر عقل کی پختگی سے ادھر ہی تک کی ہو یعنی چالیس سال سے زیادہ نہ ہو۔ کیونکہ اس سے زیادہ کی عمر کا انسان کسی

لغو تحریک سے متاثر نہیں ہو سکتا۔ گویا ترقی پسندوں میں بچے زیادہ ہوتے ہیں اور بڈھے نادر۔ ضروری ہے کہ ترقی پسند شخص اپنی تفریح کا سامان

ترقی پسند اُسکا خریدار اور غلام رہے۔ مثلاً ترقی پسند وہ جس کے گھر میں ریڈیو کی مشین ہو، اور وہ روزانہ سینما کا تماشہ دیکھتا ہو۔

ترقی پسند وہ جو روزانہ اخبار گھروں، کتاب گھروں، پارکوں اور شاہراہوں میں لیڈر کے انداز سے مارا مارا پھرے، اور اپنی اسی ”کتھا“ عمر والوں سے اخباروں کی عبارت اور اخباری اصطلاحات میں تقریر بلا بحث کرتا رہے اور کسی رسالہ کے اجرائی فکر میں ہو۔

ترقی پسند وہ جو یورپ کی بین الاقوامی چالاکیوں سے کافی حد تک واقف ہو اور سینما کے ایکٹروں اور ایکٹرسوں کے ماں باپ تک سے نام و ولدیت و قومیت و سکونت سے واقف ہو۔

ترقی پسند نہ پیٹ بھرا ہی ہے نہ وہ کم سونے والا ہو۔ وہ دُبلا پتلا زیادہ ہو اور ہندوستان کا نگریس اور لیگ کی وردی پہنے [illegible] سے شاید محسوس ہو۔ اور اگر ان میں کا کوئی مریض سیل قسم کا موٹا تازہ بھی ہو تو سمجھ کر بس وہ ترقی پسند ہے جو بیک جست نیشنلسٹ بھی ہو سکتا ہے اور کمیونسٹ بھی، سوشلسٹ بھی اور ”بے عقلسٹ“ بھی۔

پس یہ ضروری ہے ان میں چالیس سال سے کم عمر کے ہندوستانی بہ نظر آئیں اس سے آشنا اور دریافت فرما لیجئے کہ آپ نے ہندوستان کی آزادی کی خاطر جیل جانے کا بھی کبھی ارادہ کیا [illegible] ریشمی رومالسی تحریکات میں بی اے نہ کر سکے۔

اور ہاں یعنی بعض ترقی پسندوں کی صورت پروفیسروں سے بھی شاید ہوتی ہے اور اُن کی اُردو فارسی صحیح نہیں ہوتی۔

ضروری ہے کہ ترقی پسند مرد مذہب کا مخالف ہو۔ اور ”ترقی پسندان“ پردے پھر انکی بھی دو قسمیں ہیں۔ ایک وہ جو ہر مذہب سے ناواقف ہو کر مذہب کی مخالفت ضرور کرے۔ دوسری قسم وہ ہے جو یورپ کے خلاف مذہب عقائد سے واقف ہو اور اسلام سے کیسر نابلد مگر اسلام کے صرف ان اصول کی مخالفت کرے جتنے کہ اس کی سمجھ میں آجائیں۔

ان میں کا ایک گروہ وہ ہے جو ذاتی شعور کو اسلام سمجھے ہوئے ہے مثلاً کسی صاحب کے شعور میں اللہ میاں کا تصور جو مکمل نہ ہو سکا تو انھوں نے اللہ میاں کے خلاف فیصلہ دے دیا۔ گویا اگر انکے ساتھ زبردستی کیجے تو یہ آپنے اسلام کو باقی رکھنے کی اجازت دینگے جتنا کہ انکا حقیر نفیر اور کمزور دماغ سمجھ سکا ہے۔

ضروری ہے کہ روزگار ہندوستان کا ترقی پسند انسان خود اپنے احوال میں بد شکستہ حال ہو اور اپنی ترقی پسندی سے خود کوئی لاجواب نمونہ نہ بن سکا ہو مگر ترقی پسند ہونے کا دعویدار ہو یعنی زبان و قلم ترقی پسند ہوں اور خود یورپ کی نقل۔ (زمزم)

(بقیہ صفحہ ۳)

اسکے کمالات فن کا حال تو اہل فن جانیں، وابستگان کے حق میں وہ

ایک آیۂ رحمت تھا“ اور اگر یہ صحیح ہے کہ

طریقت بجز خدمت خلق نیست

تو وہ یقیناً ایک صاحب طریق صوفی صافی تھا۔ خدائے رحمن آغوش قرآن کی تربیت پر نور و رحمت کی بارش کرے“

(بقیہ صفحہ ۵)

کی رو سے تھا۔ ”انسانیت“ کے اصولوں کی مزید تشریح ضروری ہے اور سوئٹزرلینڈ کے طرز حکومت کا بیان بہت مختصر ہے۔ (م۔ ع۔ ق)

(۸) پاکستان ایشو (انگریزی)۔ مرتبہ نواب ناظر جنگ۔ ۴۰۰ صفحات مجلد مع گرد پوش۔ قیمت ۵ روپے ناشر شیخ محمد اشرف۔ کشمیری بازار۔ لاہور

نظریۂ پاکستان کی روز افزوں اہمیت کا موافق و مخالف سب کو تسلیم ہے۔ چنانچہ مضامین و مقالات و بیانات سے گزر کر اب مستقل کتابوں کا سلسلہ بھی اس موضوع پر شروع ہو گیا ہے۔ پیش نظر کتاب بھی اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے گو کمزور کڑی۔ اور یہ بھی قدرت کی ایک ستم ظریفی ہے کہ جس ”ناشر“ نے ”پاکستان: اے نیشن“ جیسی مفید کتاب شائع کی تھی، وہی آج اس کتاب کو بھی منظر عام پر لا کر اپنی کوششوں پر گویا آپ پانی پھیر رہا ہے۔

ڈاکٹر عبداللطیف کے بیانات اور مقالات اخبارات میں اس کثرت سے آ چکے ہیں، کہ اب تقریباً ہر پڑھے لکھے شخص کو انکے خیالات اور مسلم لیگ کے قائد اعظم سے انکے اختلافات کا علم ہو چکا ہے۔ لہذا تفصیلات میں گئے بغیر بس اس قدر کہہ دینا کافی ہے کہ مسئلہ پاکستان پر انھوں نے جناح صاحب اور کانگریسی لیڈروں سے جو خط و کتابت کی تھی وہ سب ان صفحات میں شائع کر دی ہے۔ مسودات کتاب کی ترتیب اور شروع میں دیباچہ نواب ناظر یار جنگ بہادر کے قلم سے ہے۔ ڈاکٹر لطیف صاحب اصولاً پاکستان کے مخالف نہیں، بلکہ وہ تو اسکے بہت ابتدائی کارکنوں میں سے ہیں۔ البتہ راہ عمل میں انکا پاکستان مسلم لیگ کے معروف و متعارف پاکستان سے مختلف ہے۔ انھیں اصرار ہے کہ تقسیم کی بنیاد اسلامی آبادی کی اکثریت و غیر اکثریت کے بجائے مختلف تہذیبی منطقے قرار پائیں۔ لیگ کے صدر نے ڈاکٹر صاحب کی کوششوں کو تخریبی قرار دے کر انھیں ٹال دیا ہے۔ اس لیے ڈاکٹر صاحب کا بطور انتقام اس ساری مراسلت کو شائع کر دینا کچھ زیادہ حیرت انگیز نہیں۔ بہرحال اس حیثیت سے کہ لیگ کے مخالف نقطۂ نظر سے بھی اس مسئلہ پر کیا، اور کہاں تک کہا جا سکتا ہے، کتاب کا مطالعہ مفید ہی ہوگا اور مسائل سیاسیات کے بہت سے سنجیدہ طلبہ کو دعوت غور و فکر دیگا۔ (ح۔ ا۔ ق)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حق پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

صرف عورتوں کے بارے میں ہوتا ہے۔ پچھلے سال ایک لڑکی نے شکایت کی کہ آوارہ آدمی اُسکے ساتھ مخول کرتے ہیں۔ اور وہ اُنکی طرف نہیں جانا چاہتی ... اس مرتبہ بھی ہمارے طلبا ہماری عورتوں کو اپنی "رومانی بولی میں کبھی سوہنیو" اور کبھی کچھ اور کہتے رہتے۔ دو طالب لڑکے ہمارے پاس آئے، اُنھیں طالب تھانہ میں شیرا اِیب خاطر تواضع کی۔ لیکن وہ ہماری لڑکیوں کا راستہ روک کر کھڑے ہو گئے۔ یہ بات پریت نگر میں بڑی عجیب تھی۔ لاہور میں اگرچہ عام ہے۔ مشترکہ ڈائننگ ہال میں ہماری عورتیں سب کی خدمت کرتی ہیں لیکن کئی طالب اُنکی طرف یوں دیکھتے ہیں کہ جیسے عورت بھی کوئی کھانے کی چیز ہے"

اور یہ حالات کسی تفریح کے محتاج نہیں۔ اور ان سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ پنجاب کے کالجوں کے نوجوانوں کی حالت اخلاقی اعتبار سے کس قدر پست ہو چکی ہے۔ ہماری رائے ہے کہ پنجاب اسمبلی بلا توقف اس بیہودگی کو روکنے کے لیے ایک نیا بل پاس کر لے جس کے مطابق ہر شخص کو بازاروں میں بید کی سزا دی جائے جو خواتین کی عزت نہ کرتے ہوئے اُنکے خلاف آوازے کسے یا گندہ مذاق کرے (ریاست دہلی)

بد نظری اور فحش کاری کے جرم میں توہین اسلامی سزا ہے۔ اور حکم فاجلدوا کل واحد منھما مأة جلدة کی ایک عملی تفسیر۔ بدنظری اور فحش کلامی کے سلسلہ میں اس سزا کی اس بیسویں صدی کے وسط میں تجویز، ایک کھلی ہوئی شہادت اس حقیقت کی ہے کہ اس حد تک غیر مسلموں کی بھی سنجیدگی و شرافت اسلام قبول کر چکی، یا قانون اسلام کی قائل ہو چکی ہے۔ لیکن سردار صاحب معاف فرمائیں، محض اس سزا کا اجرا جرم کی روک تھام کے لیے ہرگز کافی نہیں، جب تک کہ ساتھ ہی سرچشمہ پر بھی توجہ نہ ہوگی۔ عورت و مرد کے آزادانہ اختلاط کو جائز رکھنا، مردوں کے کھلانے پلانے، مہمانداری کی خدمت نامحرم عورتوں اور لڑکیوں سے لینا، خود ایک غلط قسم کا ماحول پیدا کرنا اور نفس بشری کے دبے دبائے جذبات کو اُبھرنے کی دعوت دینا ہے — قصور وارانہ لاہور ہے نہ امرتسر، نہ کلکتہ نہ بمبئی، صرف وہ غلط ماحول ہے، جس نے دونوں صنفوں کے درمیان کی آڑ کو فخر و نازش کے ساتھ توڑ دیا، اور بلا ضرورت اختلاط کی آزادی بخش رہی ہے، سکھ صاحبان مسئلۂ توحید میں تو اسلام کے بالکل ہم قدم ہیں، انکے لیے آسان ہے کہ معاشرت کے اس جزئیہ میں بھی [illegible] اصلاح کا صحیح قدم اُٹھائیں!

تجدد کی "رجعت"

"تجدد اور سلفی تک تو غنیمت تھا۔ لیکن فضلی براڈر کی اس نئی فلم قدیم نے تو رجعت پسندی کی حد ہی کر دی ہے۔ ابھی تک تو رونا ایم۔ جی۔ ڈاڈے کے دقیانوسی تخیل "ہندو بیوی" ہی کا تھا۔ اب اُس پر مستزاد ہوئی ہے راشد الخیری کی نثر اور اکبر الہ آبادی کی نظم! اکبر کا کلام جس کثرت سے اس فلم میں ہمارے سر چپکا دیا گیا ہے اُس نے تو یہ سوچ پیدا کر دیا ہے کہ کہیں سے شاعر صاحب: انھی تو ایسے ہی رجعت پسند نہ تھے"؟

یہ اور اسی لب و لہجہ میں اور بہت کچھ گرج اور برس کر سینما اور "سینمائیات" کے ایک مبصر نے ایک انگریزی ہفتہ وار میں فضلی برادرس کی فلم قسمت سے متعلق کہا! (ہندوستان، لکھنؤ ۲۱ اپریل) بڑا گنہگار اب بھی ناولوں، افسانوں کی طرح فلمی تبصرے بھی جھجک پڑھتا رہتا ہے!

گستاخ اور بے تمیز نقشی پر افسوس یا یہ انھیں سوجھی کیا ہے۔ کیا ان ظالموں نے یہ طے کر لیا ہے کہ بالآخر فلم کو بھی مسلمان کر کے چھوڑینگے؟ اور جو خاص انخاص آلۂ تجدد کی تبلیغ کا تھا۔ اُسے بھی اسلامی مشرق کا ترجمان بنا کر دم لینگے؟ اور یہ پبلک بھی کیسی بد مذاق واقع ہوئی ہے۔ ان احمقوں کو اکبر کا کلام سننا، اور راشد الخیری کی رونے رلانے والی نثر سے متاثر ہونا ہے، تو کسی ملا کی محفل میں کیوں نہیں جا بیٹھتے خواہ مخواہ آرٹ نوازوں کا نام کیوں بدنام کرتے ہیں؟ سینما اس لیے ہوتا ہے کہ گھڑی دو گھڑی آدمی اس میں جی بہلائے، کچھ سبق تجدد اور "روشن خیالی" کے حاصل کرے، یا اور اُلٹے رجعت اور "جمود" میں "مستحکم" ہو جائے، اور ناچ کی تصویریں دیکھ دیکھ کر بھی بجائے رغبت کے نفرت اور بیزاری ناچ اور راگ رنگ اور آرٹ کے سارے لوازم اپنے دل میں پیدا کر سکے! زمانے ہم ایسے تماشوں اور تماشہ گھروں سے، جو خود تماشبینی ہی کی جڑ کاٹنے لگیں۔

ہم تو اس جینے کے ہاتھوں مر چلے!

قحط کی ہلاکتیں

"ویسٹ منسٹر۔ ۲۔ اپریل۔ وزیر اعظم مسٹر چرچل نے اعلان کیا کہ لڑائی کے ابتدائی چار برس میں برطانوی ایمپائر کو کل نقصان ۶ لاکھ، ۲ ہزار ۱۵۹ نفوس کا اُٹھانا پڑا۔ جن میں زخمیوں، قیدیوں، اور گم شدوں کو چھوڑ کر مرنے والوں کی تعداد، ایک لاکھ ۵۸ ہزار ۲۴۱، تھی۔" (رپورٹر)

گویا اس جنگ جہاں سوز میں بھی مرنے والوں کی تعداد ساری مملکت میں پورے چار سال میں، پونے دو لاکھ کے اندر ہی رہی۔ کاش اسکے پہلو بہ پہلو، سارے ہندوستان نہیں اُسکے کل ایک صوبہ بنگال کے بھوکوں مرنے والوں کے اعداد بھی شائع کر دیے گئے ہوتے۔ اور وہ بھی چار سال کے نہیں، ایک سال، بلکہ چھ مہینے کے اندر اندر کے! پونے دو لاکھ اور ۲۵ لاکھ کا کوئی مقابلہ ہے!

اصلاح کی تدریج

ایک مخلص نے نئی دہلی سے سینما کی بحث کے سلسلہ میں لکھا ہے:—

"اول تو یہی امر محل نظر ہے کہ سینما کے ذریعے سے کوئی اصلاح ہو سکتی ہے۔ لیکن کہیں نادراً ایسا دکھا بھی گیا، تو غور طلب یہ ہے کہ اس طریق میں مفسدات کا خدشہ زیادہ ہے یا اصلاح کی اُمید؟"

ایک بڑی غلط فہمی صدق سے حسن ظن رکھنے والے مخلصین کو بھی

یہ پیدا ہو گئی ہے کہ اسکی ہر تحریر کے مخاطب گویا مستقل دائمی اریکی ہوتے ہیں! اسکے مخاطبین کا حلقہ تو خانقاہ نشیں صاحبین سے کہیں زیادہ انگریزی خواں نوجوانوں اور مغربیت سے متاثر طبقہ کا ہے — اور معلوم ہے کہ بد پرہیز مریضوں کے لیے بارہا ایسی غذاؤں کی گنجایش نکالنا پڑتی ہے، جو اصل قواعد طبی کے لحاظ سے صحت بخش اور مفید نہیں۔ افیون کے ذائقہ و لذت کا ذکر اگر ابرار و متقین کی محفل میں کیا جائے تو یقیناً سراسر بے محل۔ لیکن جس مجمع میں ایک بڑی تعداد شرابیوں کی بھی ہو، جنہیں ذکر بتوں سے شراب چھڑانے والا اور انھیں شراب سے افیون پر لے آنے والا ہوتا ہے — یہ مثالیں فرضی وخیالی نہیں، تجربہ کی چیزیں ہیں۔ مشکک اور متحیر طبقہ کو قرآن سے مانوس کرنے کے لیے بے وضو قرآن پڑھنے اور چھونے کی، اور انگریزی لباس میں ملبوس تارک صلوٰۃ کو بلا وضو نماز پڑھ لینے کی اجازت اکثر دینی پڑی ہے اور تجربہ خدا کے فضل سے کامیاب ہی رہا ہے۔

بے سند اعمال

صدق ۴۵ کے ایک شذرہ کے حوالہ سے۔

ایک صاحب علم نے لکھا ہے۔—

آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ اندلس کے عرب بادشاہوں نے اپنی مسیحی رعایا کے اتباع میں آنحضرت صلعم کا میلاد کرنا شروع کیا تھا، ایسا ہی ہندکے مسلم بادشاہوں نے اپنی ہندو رعایا کے جنم اشٹمی کے رسم کے اتباع میں میلاد شریف شروع کیا ہے۔ انتہیٰ بمعناہ۔ عرض ہے کہ اسکے متعلق حوالہ کی ضرورت ہے۔ اگر یہ قیاس ہے تو اسکی تصریح کی ضرورت ہے۔ نیز آنکہ یہ عمل سب سے زیادہ مدینہ طیبہ و مکہ مکرمہ میں ہوتا ہے کس عیسائی یا ہندو کے اتباع میں ہو رہا ہے؟

مدینۂ طیبہ ہو یا مکۂ معظمہ، بہرحال اسی ناسوتی جغرافیہ کے اجزا ہیں، اور وہاں کسی رسم کا یا شعار کا پھیل جانا، بغیر کسی شرعی دلیل کے ہرگز کسی سند کا کام نہیں دے سکتا۔ ترکی، شریفی، نجدی، ہر دور میں ان مقامات میں جو کچھ ہوتا رہا ہے، اسکا ایک حصہ تو اخبار میں لانے کے قابل بھی نہیں۔ اور ایک حدیث بھی ان سطور کی تحریر کے وقت خیال میں آرہی ہے، جسکا مضمون کچھ ایسا ہے کہ قیامت قائم نہ ہوگی جب تک مدینہ کی عورتیں بہر بت پرستی میں مبتلا نہ ہو جائینگی۔ بہرحال مطلق وہاں کے تعامل سے تمسک و استناد اصلاً غلط ہے۔ یہ محفلیں جن مخصوص قیدوں اور شرطوں کے ساتھ ہونے لگی ہیں، انکا کوئی ثبوت قرون صحابہ اور تابعین میں نہیں ملتا۔ اور یہ سب بہت بعد کی پیداوار ہیں جب ایک طرف اسپین کی اور دوسری طرف ایران و ہندوستان کی قومیں مختلط ہو کر مسیحی، مجوسی، ہندو رسوم سے اچھی طرح متاثر ہو چکے تھے۔ نتیجہ اس صورت حال سے جو نکل سکتا ہے، بالکل کھلا ہوا ہے۔

گزارش

خط و کتابت میں اپنا نمبر خریداری ضرور تحریر فرمایئے

سورۂ بقرہ رکوع ۱۶

سلسلۂ صدق ۴۵

(از عبد الماجد)

۱۳۸ — صِبْغَةَ اللّٰهِ وَمَنْ اَحْسَنُ مِنَ اللّٰهِ صِبْغَةً وَّنَحْنُ لَهٗ عٰبِدُوْنَ۔

۱۳۹ — قُلْ اَتُحَآجُّوْنَنَا فِی اللّٰهِ وَهُوَ رَبُّنَا وَرَبُّكُمْ وَلَنَآ اَعْمَالُنَا وَلَكُمْ اَعْمَالُكُمْ وَنَحْنُ لَهٗ مُخْلِصُوْنَ

ہمارے اوپر اللہ کا رنگ[۴۱۸] ہے۔ اور اللہ سے بہتر ہے کون رنگ دینے میں۔[۴۱۹] اور ہم تو اسی کی بندگی کرنے والے ہیں۔[۴۲۰] آپ کہیے، کہ کیا تم ہم سے حجت کیے جاتے ہو اللہ کے بارے میں[۴۲۱] در انحالیکہ وہ ہمارا بھی پروردگار رہے اور تمہارا بھی پروردگار۔ اور ہمارے عمل ہمارے عمل ہیں اور تمہارے لیے تمہارے عمل،[۴۲۲] اور ہم تو اُسی (اللہ) کے لیے خالص ہیں۔

[۴۱۸] اصل عبارت مقدر یوں کہی گئی ہے۔ صبغنا اللہ صبغۃ (بیضاوی)

یعنی اللہ نے ہمیں اپنے رنگ میں رنگ دیا ہے۔ اور اللہ کے رنگ سے مراد اسکے دین فطری یعنی اسلام سے ہے۔ دین اللہ ادبادینہ الذی فطرالناس علیہ (جلالین) حضرت ابن عباسؓ اور مجاہد ابو العالیہ قتادہ وغیرہ مفسرہ تابعین۔ یہی معنی دین، متعدد روایات میں (ابن کثیر) سے تحقیق اوپر سے یہود و نصاریٰ کی طرف چلا آرہا ہے۔ ان دونوں کے ہاں بڑی اہمیت بپتسمہ یا ایک خاص قسم کے رسمی یا تطہیری غسل کی تھی۔ انھیں کی اصطلاح سمیما، ارشاد ہو رہا ہے کہ اصل یعنی اصطباغ جس کیا گیا ہے لازم پکڑنے کی چیز تو دین توحید ہے

اے الزموا صبغۃ اللہ صبغۃ اللہ ابن قتیبہ) یعنی الزموا دین اللہ (معالم)

[۴۱۹] (جسکا دین ایمان کے رنگ کو نکھار دیتا ہے اور کفر و ضلالت کی نجاستوں کو دور کر دیتا ہے)

فالمراد ان یصبغ عبادہ بالایمان ویطہرہم بہ من اوساخ الکفر فلا صبغۃ احسن من صبغتہ (کشاف۔ کبیر)

[۴۲۰] (سارے عقائد باطل معبودان باطل، شعائر باطل کے منکر ہوکر) "ہم" یعنی مسلمان یا امت مسلمہ۔

[۴۲۱] یعنی اسکی ذات و صفات کے باب میں، اسکی معبودیت، الوہیت، و ربوبیت کے بارے میں۔

یہ خطاب اگرچہ تمام باطل پرستوں کے لیے عام ہو سکتا ہے، لیکن خاص طور پر مخاطب یہود و نصاریٰ ہی سے ہے۔

ذکروا فیہ وجوہاً احدہا انہ خطاب للیہود والنصاریٰ وثانیہا وثالثہا ... والقول الاول الیق بنظم الآیۃ (کبیر)

نئی کتابیں

(بقیہ صفحہ ۵)

(۸) **زندہ روس** ۔ مرتبۂ ادارہ دنیا ادب لکھنؤ۔ ضخامت ۱۶۰ صفحے قیمت عہ پتہ: کتاب خانہ دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ

اس کتاب میں سوویٹ روس اور وہاں کے ادب، تنقید، ادب و فنون لطیفہ کے متعلق کارآمد و پُرازمعلومات مضامین شامل ہیں۔ دو ایک مضامین خالص سیاسی نوعیت کے بھی ہیں۔ یہ مضامین یا تو ہندی ہمدردان روس مثلاً سجاد ظہیر، سبط حسن صاحبان وغیرہم کے لکھے ہوئے ہیں یا روسی اہل قلم مثلاً میکسم گورکی وغیرہم کے مضامین کا ترجمہ ہیں۔ ان میں سے اکثر مضامین موجودہ جنگ کے دوران میں لکھے گئے ہیں۔ لیکن انکی نوعیت تمامتر پروپگنڈے کی نہیں، بلکہ ٹھوس چیزیں بھی ملتی ہیں گو وہ بھی اشتراکی نقطۂ نظر سے۔ پہلا مضمون "دوران جنگ میں سوویٹ ادب" بہت پُرمعلومات ہے، اس سے پتہ چلتا ہے کہ علوم پیشتر تمیز پر بھی سوویٹ روس کی خاص توجہ ہے، وہاں کی حکومت نے نظامی گنجوی کی "مخزن الاسرار" کا ایک نایاب نسخہ شایع کیا ہے اور شاعر موصوف کی ہشت صد سالہ جوبلی سرکاری طور پر منائی گئی ہے۔ ان مضامین کا مطالعہ ظاہر کرتا ہے کہ موجودہ روس کے متعلق اب تک جو مخالفانہ پروپگنڈہ ہوتا رہا ہے اس میں بہت کچھ مبالغہ بھی شامل تھا۔ میکسم گورکی کے ترجمہ مضمون میں یورپی تہذیب اور امریکہ کی عورتوں کی عریانی و نمایش پر ایک خاصی حد تک احتجاج درج ہے۔

حصۂ نثر کے مضامین کی زبان صاف ہے اور نئے ادب کی معلوم نہیں ہوتی، خال خال نو تراشیدہ الفاظ بھی ملتے ہیں۔ البتہ حصۂ نظم کی دو نظمیں تو تمامتر سنسکرت آمیز ہندی میں ہیں (ع۔ق)

(۹) **سادہ و رنگین افسانے** ۔ از جناب ظفر قریشی ضخامت ۲۲۰ صفحات ۔ قیمت ۱۲؍ پتہ: ٹبدا عتق اکاڈیمی ۔ اردو گلی ۔ حیدرآباد دکن ۔

یہ بارہ مختصر افسانوں کا مجموعہ ہے جس میں عہد حاضر کی تہذیب و معاشرت کے دلچسپ نقشے کھینچے گئے ہیں۔ البتہ "رنگینیاں" کہیں کہیں "شوخی" زیادہ ہو گئی ہیں، اور "سادگی" کہیں کہیں ضرورت سے زیادہ بڑھ گئی ہے۔ انگریزی الفاظ کہیں تو آتے ہیں اور کہیں لائے گئے ہیں۔ اسی طرح انگریزی ادب کی تلمیحات بھی ملتی ہیں مثلاً جیسوں "ڈان جان" (صفحہ) بعض جگہ کی عبارت بھی افسانویت کے لیے ذرا ثقیل سی ہو گئی ہے، مثلاً "آتش بجام تفو طی"۔ افسانوں میں جا بجا مغربی تہذیب پر تعریضے موجود ہیں، لیکن بہتر ہوتا کہ وہ اشارے اتنے خفی اور مخفی نہ رہتے۔ (ع۔ق)

رسید کتب

(۱) **پیام خلافت یا دعوت مراج** ۔ بنام سیاسی لیڈران و درجگان ہند۔ از جناب صدیق احمد رحمن پیر شیور صاحب ۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ: خانقاہ سرور عالم دارالخلافت حیدرآباد دکن ۔

(۲) **ادارۂ ادبیات اُردو** ۔ از خواجہ حمید الدین شاہد صاحب بی اے ۔ ۲۰۰ صفحے ۔ قیمت ۸؍ پتہ: دفتر رسالہ "سب رس" خیریت آباد ۔ حیدرآباد دکن

دکن کے مشہور دائرہ ادبیات کے ۱۹۴۲ء میں مختصر مضمون کیفیت اور قیمتی خدمات زبان و ادب کا مفصل و دلچسپ تذکرہ

(۳) **تذکرۂ اردو مخطوطات** ۔ جلد اول از ڈاکٹر محی الدین قادری زور تقریباً ۵۰۰ صفحے ۔ مجلد ۔ خوشنما طباعت اور اچھے کاغذ نقشوں اور تصویروں کے ساتھ، قیمت عہ؍ پتہ: دائرۂ ادبیات اُردو ۔ خیریت آباد ۔ حیدرآباد دکن ۔

کتبخانہ ادارۂ ادبیات اُردو (دکن) کے ۲۷۵ مخطوطات کا مفصل اور پُرمعلومات تذکرہ ۔ اس علمی جائزہ میں تفسیر و حدیث سے لیکر قصہ کہانیوں تک ۱۱ مختلف علوم و فنون آگئے ہیں۔ تذکرہ ناظرین کے لیے دلچسپ اور یقیناً اہل علم و ادب کے لیے بڑے کام کا ہے۔ اردو میں اس مختلف موضوع کو اس حد تک دلچسپ اور اس پیمانہ پر وسیع و جامع بنا دینے کی غالباً یہ پہلی مثال ہے۔

(۴) **آسان رسم خط** ۔ از ڈاکٹر جعفر حسین صاحب ۔ ۲۰ صفحے قیمت ۲؍ پتہ: حیدرآباد بک ڈپو ۔ حیدرآباد دکن ۔

"آسان" کا منشا مصنف کے نزدیک یہ ہے کہ آئندہ سے "عہد" کو "اہد"، "الطاف حسین" کو "الطاف ہسین"، "نصیحت" کو "نسیہت"، "علم" کو "الم"، "عارضی" کو "آرزی" کہا جائے۔ وقس علیٰ ہذا۔

(۵) **تنویر المصابیح** ۔ از پیرزادہ مولوی پیارالحق صاحب فاکی قیمت ۲؍ مصنف سے گل دابی دروازہ امرتسر سے ملیگا۔

عدد رکعات تراویح سے متعلق مولانا ثناء اللہ امرتسری کے ایک فتوے کا جواب۔

(۶) **الارشاد الی طریق الرشاد** ۔ از عبد الصبور صاحب ۱۰ صفحے ۔ مصنف سے مدرسہ سراج العلوم ۔ جھنڈے نگر ۔ ڈاکخانہ رام دت گنج، ضلع بستی کے پتہ سے ملیگا۔

مدرسہ جھنڈے نگر کے متعلق ترغیب و تشویق۔

(۷) **داڑھی کی قدر و قیمت** ۔ از مولانا عاشق الٰہی میرٹھی مرحوم ۳۲ صفحے ۔ قیمت ۱؍ پتہ: مولوی مسعود الٰہی ۔ تاجر کتب ۔ قیصر گنج روڈ ۔ میرٹھ ۔

داڑھی کی شرعی و ملی و طبی اہمیت پر ایک قابل مطالعہ مقالہ۔

ترقی پسند ادب کی پریشاں خیالی

(از مولانا سعید احمد اکبرآبادی ایم اے)

پریشاں خیالی کی انتہا یہ ہے کہ راشد صاحب ایک نظم کا عنوان قائم کرتے ہیں "انتقام" لیکن نہایت عریاں انداز میں ہوس پرستی کا ایک واقعہ نظم کرتے ہیں اور آخر میں بتاتے ہیں کہ یہ ہوس رانی اہلِ وطن کی بے بسی اور بے کسی کا انتقام ہے۔ سبحان اللہ! اگر وطن کی بے بسی کا انتقام اسی طرح لیا جاتا ہے، تو اس سے کون انکار کریگا کہ ملک کا سب سے بڑا عیاش نوجوان سب سے بڑا محبِ وطن اور قوم پرست ہے۔

وائے گر در پس امروز بود فردائے

اب سوچنا چاہیے، جو شاعری خیالات کے اعتبار سے اس درجہ دیوالیہ ہو، جسکے افکار میں ناہمواری اور نہایت گندی قسم کی سطحیت کا غلبہ ہو، جسکو گردوپیش میں انسانی جذبات اور احساسات کے شرمناک اور کریہہ پہلو ہی ہمیشہ نظر آتے ہوں، جنکی نظریں صنفی میلانات اور جنسیاتی ترغیبات کی بھول بھلیوں میں گم ہوکر رہ گئی ہوں اور جو ہر چیز کو پیٹ، روٹی اور بھوک کی ترازو سے تولنے کی عادی ہو، اُس شاعری کو کیا حق پہنچتا ہے کہ وہ اپنے تئیں حقائقِ زندگی کی ترجمان کہے اور ایک انقلابی کی حیثیت سے ملک میں اپنا تعارف کرائے۔ اگر فحاشی، عریانی، ہزل گوئی اور یاوہ نویسی ترقی پسند شاعری ہے تو ہم سب کو تسلیم کرنا چاہیے کہ عبید زاکانی، جعفر زٹلی، لکھنؤ کے جان صاحب، بلکہ جناب چرکین بھی دنیا کے سب سے بڑے ترقی پسند شاعر تھے۔ افسوس!

زشت روئی سے تری آئینہ ہے رسوا تیرا

اسی ابہام گوئی، پریشاں خیالی اور یاوہ بیانی کا نتیجہ ہے کہ ہمارے ترقی پسند شاعر ترکیبیں بھی عجیب و غریب اور نہایت مضحکہ انگیز ایجاد کر رہے ہیں۔ مثلاً "رسیلے جرائم" "ڈھلوان سے پھسلتا ہوا شعور" "غم کی تہی" "زندگی کا پہلا انجان بوسہ" "خوشبوؤں کا تبسم" "افسردگی کی لانت" "مجبور احساس بیہودگی" "صدیاں کھا چکنے کے بعد" "گنگا جمنی ٹوٹی تارا بن گئی" بجائے "ہار تھک" کے "تھک ہار" کے "تھکن کا نغمہ" "جوہری گیسو کی چھایا پھر بھی چھنکتی ہی رہیگی" حالانکہ چھنکنا روپیہ وغیرہ کے لیے آتا ہے "پارہ پارہ تھے مری روح کے تار" حالانکہ تار کے لیے ٹوٹنا آتا ہے، پارہ پارہ ہونا نہیں آتا وغیرہ وغیرہ۔

افسوس ہے فحش و عریاں مضامین پر طبع آزمائی کرتے وقت ترقی پسند شاعروں سے جمالیات کا یہ نکتہ نظرانداز ہو جاتا ہے کہ جمالیاتی نقطۂ نظر سے کسی چیز میں حسن اتنا ہی پیدا ہو سکتا ہے جتنا کہ وہ چیز فطرت اور نیچر سے قریب تر ہوگی۔ فطری عواطف میں حیا کا بھی ایک نمایاں مقام ہے۔ اس بنا پر اگر کوئی مصور فطری حیا کے مناظر کی دلکشی پر بے حیائی کا رنگ روغن کر رہا ہو تو اس کے معنی یہ ہیں کہ وہ مذہب اور اخلاق کا ہی دشمن نہیں بلکہ خود اپنے آرٹ میں خیانت کار نہیں ہے یا کم از کم خود اپنے فن سے غداری کر رہا ہے۔ کسی بے حیائی کے منظر کو عریاں کرکے یہ تو ہو سکتا ہے کہ چند نوجوانوں کے جذبات کو مشتعل کر دیا جائے لیکن یہ اشتعال وقتی اور ہنگامی ہوگا۔ اور اس سے وہ سکون اور باطنی سرور حاصل نہیں ہو سکتا جو اچھے اور کامیاب آرٹ کا مقصد ہونا چاہیے۔ کون نہیں جانتا کہ جو مکالمۂ حسن و عشق پردۂ رمز و اشارہ و کنایہ ہو اُس میں جو لطف ہوتا ہے وہ اس وقت باقی نہیں رہتا جبکہ معاملہ رازداری اور پردہ پوشی سے گزر کر صراحت اور پردہ دری تک پہونچ جائے۔

اول تو ترقی پسند شاعر جن جذباتی مسائل پر زورِ قلم صرف کرتے ہیں اُن مسائل کا آپ کے سماجی اور سیاسی مقاصد سے کیا تعلق ہے جنکے لیے آپ انقلاب کا علم ہاتھ میں لیکر نکلے ہیں۔ اگر ن، م، راشد "انتقام" "اجنبی عورت" اور میراجی "دل میں" اور "اونچا مکان" نہ لکھتے تو ہندوستان کی سیاسی غلامی کی زنجیروں میں اور کتنی زنجیروں کا اضافہ ہو جاتا، اور اب ان حضرات نے یہ نظمیں لکھ دی ہیں تو اس سے قوم کے کتنے مسائلِ حیات کا حل نکل آیا؟

اچھا اگر کبھی کوئی ایسا مرحلہ پیش آ جائے کہ اس نوع کے مسائل کا ذکر ضروری ہی ہو، تو پھر مذہب و اخلاق کا نہیں، بلکہ خود ادب کا مقتضا یہ ہے کہ ان سے ادیب اس طرح گزر جائے کہ بیان و اظہار میں کوئی گندگی اور غلاظت نہ پیدا ہو۔ یہی قدرتِ کلام و احتیاطِ بیان وہ مابہ الامتیاز ہے جو ایک ادیب اور غیر ادیب میں تفریق پیدا کرتی ہے۔ قدیم شاعری میں ایک نہیں اس قسم کی سیکڑوں مثالیں موجود ہیں، لیکن میں یہاں ان کو نقل کرکے سامعین کے ذوقِ لطیف کو مجروح کرنا پسند نہیں کرتا۔

ان سب چیزوں سے زیادہ مہلک اور خطرناک ترقی پسند شاعروں کا یہ رخ ہے کہ وہ انسان کی روحانی زندگی سے نہ صرف یہ کہ بے اعتنائی برتتے ہیں بلکہ اسکی تحقیر اور تجہیل کرتے ہیں۔ اس بنا پر اسکا لازمی نتیجہ یہ ہوگا کہ نئی نسل کے دماغ جو اس لٹریچر سے اثر پذیر ہونگے وہ مادیات میں پاگل ہو جائینگے اور پھر اُن پر بھی لادینی افکار کی مصیبت میں مبتلا ہو جانے کے باعث وہی مصائب ٹوٹینگے جنکا شکار آجکل یورپ بنا ہوا ہے۔ انسان کی فطرت مذہب سے کبھی باغی نہیں ہو سکتی۔ اگر آپ چند خارجی موثرات کے ذریعہ فطرتِ انسانی کو ایک غیر فطری سانچے میں ڈھالنا چاہتے ہیں تو اسکا صاف مطلب یہ ہے کہ آپ فطرت کے باغی ہیں۔ اور اس بنا پر فطرت کے اُس انتقام سے نہیں بچ سکتے جو ہمیشہ اس طرح کے باغیوں کے لیے جلد یا بدیر ظہور میں آتا رہتا ہے۔

حذر اے چیرہ دستاں سخت ہیں فطرت کی تعزیریں (برہان)

لکھنؤ یونیورسٹی کا ایک نظارہ

(صدق کے وقائع نگار کے قلم سے)

تعلیمی سال کے آغاز پر یونیورسٹی میں آنکھوں نے ایک نیا منظر دیکھا — جی میں آیا کہ اسے بجنسہٖ ناظرین صدق تک پہونچایا جائے۔ طالبات تو یونیورسٹی میں بہت سی ہیں اور اُن میں مسلمان طالبات بھی۔ ابکی مشرقی اور اسلامی حرارت و غیرت رکھنے والی دو مسلمان طالبات کو برقعہ میں دیکھا۔ برقع اور یونیورسٹی کے حدود کے اندر! باہر کے لوگ اندازہ بھی نہیں کر سکتے کہ اس فضا اور ماحول میں یہ چیز کتنی نئی اور کیسی انوکھی اور عجیب و غریب تھی۔

معلوم ہوا کہ ان دونوں نے ایم۔اے انگریزی شعبے میں نام لکھایا ہے۔ ان میں سے ایک یونیورسٹی کے طلبہ اور طالبات کے مقابلہ میں بی۔اے میں فرسٹ پوزیشن پا چکی ہیں۔

یہ دونوں برقعے پہن کر کیا آئیں کہ گویا یونیورسٹی کی ساری آبادی کو ایک مشغلۂ تفریح ہاتھ آ گیا! لڑکوں کا ذکر نہیں، اچھے خاصے سمجھدار اور سنجیدہ لڑکے بھی انھیں میں شامل! جس طرف یہ نکل گئیں، تماشائیوں کا ہجوم ہو گیا۔ آوازے کسے جانے لگے، فقرہ بازیاں ہونے لگیں، کوئی "زندہ لاش"، "چلتی پھرتی لاش" کہکر پکارتا، کوئی کچھ کہکر اپنا دل خوش کرتا۔ پھر ایک دن یہ خبر معلوم ہوئی کہ ان دونوں نے شعبۂ فنون کے غیر مسلم ڈین کی خدمت میں علیحدہ روم میں پردے کا انتظام کرنے کی درخواست پیش کی ہے۔ اس خبر کا معلوم ہونا تھا کہ ساری یونیورسٹی میں پھر ایک ہلچل مچ گئی۔ معلوم ہوتا تھا کہ کوئی مضحکہ خیز چیز دنیا بھر کی گویا ان دونوں بیچاریوں نے کی ہے۔ ہر زبان پر یہی چرچا: "ایسا ہی پردہ میں رہنا تھا تو یونیورسٹی میں نام ہی کیوں لکھایا؟ بھلا پھر اس تعلیم سے کیا فائدہ؟" غرض چند روز تک تو یہی معلوم ہوتا تھا کہ جیسے یونیورسٹی میں کوئی طوفان آگیا ہے، ہر طرف سے ان دونوں کا مضحکہ، ہر سمت سے فقرہ بازی اور آوازہ کشی!

غصہ تو شروع ہی سے آ رہا تھا۔ ایک روز ہمت کرکے میں نے اپنے بعض مخصوص مسلمان طلبہ سے کہا کہ آپ سے تو کہیں زیادہ غیرت اسلامی اور حرارت ایمانی کا ثبوت ان آپ کی بہنوں نے دیا۔ ایک آپ ہیں کہ بالکل اپنے کو فراموش کر گئے ہیں اور ایک یہ ہیں کہ ماحول اور فضا کے اس قدر شدید مخالف ہونے کے باوجود کس قدر جرأت و ہمت کے ساتھ شعائر اسلامی پر ڈٹی ہوئی ہیں، اور کس استقلال کے ساتھ آپ لوگوں کے طوفان بے تمیزی کے مظاہرہ کو برداشت کر رہی ہیں! آخر یہ تو بتائیے کہ پردہ اور برقع میں رہ کر کوئی رکاوٹ تعلیم کے راستہ میں پیش آ رہی ہے؟ ——— اور برقع میں رہ کر انھیں میں سے ایک نے بی اے فرسٹ ڈویژن میں کیا اور گولڈ میڈل پایا۔ اگر برقع تعلیم میں حارج ہوتا تو پھر انکو فرسٹ ڈویژن کیسے مل گیا؟ کاش ہم طلبہ اپنی ان بہنوں سے غیرت اور خودداری کا سبق لیں اور انگریزی تعلیم کی خاطر کم از کم اپنی وضع ملی اور شعائر دینی کو تو نہ چھوڑ بیٹھیں!

تمسخر اور مضحکہ کے طوفان بے تمیزی نے عمر صرف چند روزہ پائی اور الحمد للہ کہ آخر میں ہار سب کو ماننی پڑی۔ اب سب ان بہنوں کی وقعت کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ کچھ بھی ہو ان بیچاریوں کی ہمت کو کریڈٹ دینا پڑے گا کہ یہ پردہ میں رہ کر بھی پڑھ رہی ہیں۔ ہم سے تو کہیں اچھی یہ ہیں۔

بڑی خوشی ہوتی ہے کہ تجدد اور حریت نسواں کے اس دور میں بھی ایسی اللہ کی بندیاں موجود ہیں اور تجدد کے اس زبردست قلعہ میں کوئی نشانی تو اسلامیت کی نظر آ گئی!

رسائل

تبصرۂ صدق کے لئے

(۴) **ادب لطیف** — سالنامہ۔ ایڈیٹر: احمد ندیم قاسمی اور چودھری برکت علی صاحبان۔ ضخامت تقریباً ۲۰۰ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ: مکتبۂ اردو، لاہور

رسالہ "نئے ادب" کا ترجمان ہے۔ سالنامہ "مقالات"، "منظومات" اور "افسانے" تین حصوں میں تقسیم ہے۔ پہلا حصہ نسبۃً سنجیدہ تر ہے۔ اختر لکھنؤی کا مضمون "عذاب الاعقاب" اچھے ہیں۔ سالک صاحب کا مضمون "اخباری زبان" اور دوسرے مضامین بھی۔ جیسے احتشام حسین صاحب اور سعادت حسن منٹو صاحب کے مضامین اپنے نقطۂ نظر کی توضیح کے اعتبار سے مفید ہیں۔

منظومات کا حصہ بھی غنیمت ہے۔ ۲۵-۳۰ نظموں میں سے دو چار اچھی کہے جانے کے قابل ہیں۔ دو چار ایسی بھی جو اپنے متن کے ساتھ ایک مستقل شرح کی محتاج۔ فرداً فرداً دیکھئے تو ہر لفظ اردو، لیکن شعر بحیثیت مجموعی اردو نہیں کسی اور زبان میں۔

رسالہ کا بدترین حصہ افسانوں کا حصہ ہے۔ "بارہ گھنٹے" میں کھلم کھلا حرام کاری کی دعوت و ترغیب ہے۔ اور "بو" [illegible] عیاشی ادب لطیف سے کہیں زیادہ ادب کثیف کے تحت میں آتے ہیں۔ مدیروں کے احساس ذمہ داری پر حیرت ہے کہ انھوں نے ایسے افسانوں کو خصوصاً "بارہ گھنٹے" کی اشاعت ہی اپنے رسالہ میں کیسے گوارا کی۔ اس فن کے جذبات کو اگر حذف کر دیا جائے۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسامی پرنٹنگ پریس میں چھپوا کر شائع بھی کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولٰئک ھم المتقون (اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

اڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط کتابت اڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کی جائے:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد پیلس، گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی ۳ر
بیرون ہند سالانہ ۱۰ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۱ر

صدق
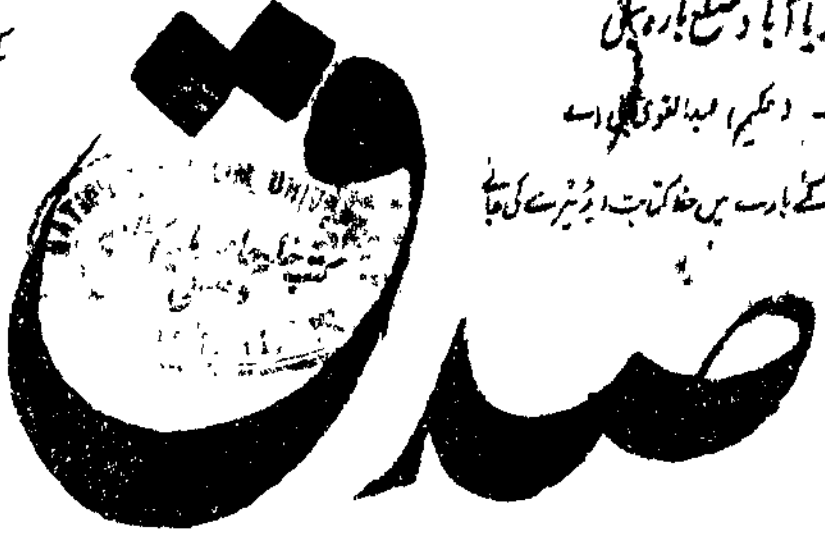
نمبر ۴ | دوشنبہ - ۲۸ - جمادی الاول ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۲ مئی ۱۹۴۴ء | جلد ۱۰

تجدد میں قدامت!

"یہ کانفرنس اس بات پر پوری طرح آمادہ ہے کہ ملک کی تمام انجمنیں مزدوروں کے ساتھ مل کر ایسی کوشش کریں کہ مزدور عورتوں کو زچگی کی نازک حالت میں انکو کام سے الگ کرنے کے بجائے پوری تنخواہ کے ساتھ رخصت دی جائے۔ اور رہنے کے لیے جگہ ایسی دی جائے جس میں پانی کا انتظام اور نہانے کی جگہ وغیرہ الگ ہو۔ اور زیادہ دیر کام کرنے والی عورتوں کے لیے ایسے اسٹول بنائے جائیں کہ وہ اُس پر بیٹھ کر کام کر سکیں۔"

یہ آل انڈیا وومینس کانفرنس نے اسی اپریل میں بمبئی میں اپنے سالانہ اجلاس میں اپنی ۲۴ تجویزوں کے سلسلہ میں نمبر ۱۴ یا ۱۵ پر پاس کیا۔ اور جیسا کہ ایک ہندو خاتون نے لکھنؤ کے انگریزی ہفت روزہ ہندوستان میں لکھا ہے، بہت ہی جوش و خروش کے ساتھ مرہٹی، انگریزی، گجراتی، ہندوستانی، سب زبانوں میں تقریروں کے بعد! ——— گویا ایک طرف دعوے زور و شور کے ساتھ، مرد کے ساتھ مساوات کا لکھا ہے عورت کو بالکل مرد بنا دینے کا ہے، اور دوسری طرف اُسی بلند آہنگی سے اعتراف زچگی کی نازک حالت کا اور دوسرے صنفی امتیازات اور مخصوص صنفی حالات کا ہے، گویا عورت 'دوڑ' میں مرد کے ساتھ ہی دوڑ کی 'جیتنے' کا انعام پورا وصول کرنا چاہیگی، لیکن ساتھ ہی یہ بھی پکارتی جائیگی کہ یہ مرد کیسے ظالم و بد ذات ہیں، میری مریض اور کمزور ٹانگوں کا ذرا لحاظ نہیں کرتے، میری وجہ سے راستے میں رُک نہیں جاتے! ——— زنانی منطق کا ہو بہو اور کامل نمونہ!

لیکن یہ دو متضاد کانفرنس کو آخر سوجھی کیا، کہ اتنی "روشن خیالی" کے باوجود عورت کے لیے "زچگی کی نازک حالت" کا اعتراف! تجدد میں قدامت کا پیوند!

بمبئی کی بپتا!

"فلاں گلی میں طلائی اور جڑاؤ زیوروں کا ایک پورا صندوقچہ محفوظ حالت میں ملا۔ پولیس مالک کی تلاش کر رہی ہے۔"

"فلاں مقام پر ملبہ کے نیچے سے کئی سو ہیرے برآمد ہوئے۔"

"ایک جگہ ملبہ کے نیچے ۵۰ ہزار کے نوٹ ملے ہیں۔ مالک کا ابھی تک پتہ نہیں لگا ہے۔"

یہ بمبئی کے اخباروں کے چند عنوان ہیں، ۱۴ اپریل کے "نمونۂ قیامت" حادثہ کے بعد۔ نوٹوں کے بنڈلوں، ہیرے جواہرات کے صندوقچوں، طلائی اور جڑاؤ زیوروں کے انبار کی حقیقت آپ نے دیکھ لی؟ مرتے، جلتے، کچلتے، دبتے، پٹتے ہوئے انسانوں میں سے کسی کے یہ کچھ بھی کام آسکے؟ آخرت کا ذکر نہیں، اسی دنیا میں ان قیمتی چیزوں کی قیمت آپ کی نظر کے سامنے آگئی؟ انھیں کی خاطر آدمی اپنا ایمان بیچتا پھرتا، اور انھیں کے پیچھے لگ کر آخرت کو، موت کو، خدا کو بھولا رہتا ہے! بوستان سعدیؒ کی ایک حکایت کا پہلا شعر ہے ؎

چناں قحط سالے شد اندر دمشق
کہ یاراں فراموش کردند عشق!

انسان کی بے بسی اور بیچارگی کی ذہنیت صرف شہر دمشق اور جذبۂ عشق ہی کے ساتھ مخصوص نہیں۔ نا عاقل، خود فراموش، خدا فراموش انسان! تجھے جھنجوڑنے کے لیے تو یہ جھٹکے بھی بہت ہلکے ہیں!

تجدد کی پسپائی

"روس میں "مخلوط تعلیم" کا دستور تھا۔

یعنی لڑکے اور لڑکیاں ساتھ ساتھ تعلیم پاتی تھیں، مگر اب لندن کی ایک خبر مظہر ہے کہ حال میں روس نے یہ طریقہ ترک کر دیا ہے۔ روس کے ماہر تعلیم پروفیسر شوزمر نے اسکی وجہ بتاتے ہوئے یہ کہا ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی کچھ خصوصیات ہیں جو معاشرتی لحاظ سے بڑی قیمت رکھتی ہیں لڑکوں اور لڑکیوں کے ساتھ ساتھ تعلیم پانے میں ایک دوسرے پر حاوی ہو جاتی ہیں"۔ (کانفرنس گزٹ، علیگڈھ)

روس دل کھول کر تجربہ کرنے والا ہے، بہر حال دیکھنے والی آنکھ سوچنے والا دماغ محسوس کرنے والا دل رکھتا ہے۔ ان تجربوں سے کچھ تو اس نے فائدہ اٹھایا، اتنی ٹھوکریں کھانے کے بعد آخر تو اس کی آنکھیں کھلیں! ہندوستان کا روشن خیال طبقہ بیچارہ تو آنکھ اور دماغ اور دل سے محروم، صرف کان رکھتا ہے اور حلق ہی محض رکھتا ہے، اسکے پاس تو واحد دلیل اب تک روس کی تقلید رہی ہے۔ دیکھنا اب یہ ہے کہ یہ سہارا کون سی شکل اختیار کرتا ہے!

آخری نمبر پر!

" تنانا نوار منڈپ میں ہزاروں عورتیں جمع تھیں۔ ... ایسا معلوم ہوتا تھا کہ عورتوں کا ایک زبردست سمندر موجیں مار رہا ہے۔ کانفرنس کا کام قریب چار دن تک جاری رہا، جس میں ۲۴ تجویزیں ملک کے فائدے کے لیے پاس ہوئیں، خاص کر عورتوں اور بچوں کے لیے"۔ (رہبر۔ بمبئی)

لیکن اس تنانا نوار منڈپ کے اندر ہزارہا پڑھی لکھی عورتوں کی پاس کی ہوئی ایک تجویز بھی عورتوں کی اصلاح کے متعلق تھی؟ ہزاروں بلکہ لاکھوں کی تعداد میں، جو بدنصیب نسائیت عورتیں، ہندوستان کے چھوٹے بڑے تمام شہروں میں اپنے جسموں کو کرایہ پر چلا رہی ہیں، اپنی عزت، عفت کو پیسوں کے عوض میں، کھلے بندوں فروخت کر رہی ہیں، کوئی آواز اس سے متعلق بلند ہوئی؟ "کوئی تدبیر انکی اصلاح اور زبانت سے متعلق سوچی گئی؟ گویا یہ ضرورت روشن خیالوں کی اس کانفرنس میں پہلے اور دوسرے نمبر پر تو کیا، چوبیسویں اور آخری نمبر پر بھی جگہ نہ پا سکی! لپ اسٹک، کیوٹکس، وغیرہ کی بلا جو ملک پر وبا کی صورت میں نازل ہوئی ہے، اور لکھوکھا روپیہ دیس سے یورپ اور امریکہ کو پہونچاتی رہتی ہے، کیا یہ قابل غور و مستحق احتجاج نہ تھی؟ — یا سارا زور فصاحت و خطابت، تعزیت و تہنیت کے رزولیوشنوں کے بعد، صرف مردوں پر ملامت و نکتہ چینی ہی پر صرف ہوتا رہا، اور ہوتا رہے گا؟

بدنام قانون طلاق

" الہ آباد - ۱۱ - جنوری - آج ہائیکورٹ میں مسٹر جسٹس بلنٹن کی عدالت میں مسٹر .... آئی سی ایس کلکٹر ..... کا دعوے طلاق اپنی بیوی کے لیے پیش ہوا - ملزم مسٹر ... آئی سی ایس کلکٹر ... تھے - مدعی نے کہا کہ " میری شادی اگست ۱۹۲۶ء میں سکاٹ لینڈ میں ہوئی - دسمبر ۱۹۲۶ء تک تعلقات اچھے رہے - اسکے بعد ادھر میں اسپتال گیا، ادھر ملزم کی آمد و رفت بر سہا بر شروع ہوئی - اور میری بیوی مجھ سے چھن گئی - اگست ۱۹۲۷ء میں وہ مجھے چھوڑ کر چل دی - اور مسوری، نینی تال، الہ آباد، دہلی وغیرہ مختلف مقامات میں ملزم کی آشنا کی حیثیت سے رہا کی - اب اسکی تفریق مجھ سے کرا دی جائے - " مختلف ہوٹلوں کے رجسٹر پیش ہوئے، اور شہادتیں ملازموں کی گزریں - عدالت نے درخواست منظور کرکے طلاق دلوا دی -

(خلاصہ حالات - ایسوشی ایٹڈ پریس)

ہائی کورٹ کے فیصلہ کے بعد، مذکورہ کا عنوان بغیر قانونی مواخذہ کے قونت کے "حرامکار آئی سی ایس" دیا جا سکتا تھا - لیکن مقصود شخصی تعریض کسی درجہ میں بھی نہیں - نتیجے صرف عمومی نکالنے ہیں - تاثرات حسب ذیل بہر حال ایک ذہن سلیم قبول کرتا ہے :-

(۱) شیطانی ترغیبات، یہاں تک کہ حرامکاری جیسی گندگی کے آگے نہ دنیا کا اونچے سے اونچا معزز عہدہ (کلکٹر اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ ہونا) کام آتا ہے، نہ اونچا سا اونچا امتحان (آئی سی ایس ہونا) - نہ سپاہی عہدہ کی غیرت روک تھام کرسکتی ہے - کوئی ہنگامی و اتفاقی جوش بہیمیت نہیں، مہینوں اور برسوں سیہ کاری کا سلسلہ قائم رہتا ہے — تقوے اور خوف خدا کی قدر اب جاکر ہوئی -

(۲) بے پردگی سے بے حجابی، آزادی کے ساتھ نامحرموں سے میل جول ہی ان تباہ کاریوں کا نقطہ آغاز ہوتا ہے - نظر، گفتگو، ہر ملاقات پر پہرہ اگر شروع سے قائم رہے، تو اس انجام تک پہونچنے کی نوبت ہی کیوں آئے — اسلامی قانون حجاب کی خلاف ورزی کے معنی اب روشن ہوئے -

(۳) زن و شوہر ایک دوسرے سے بیزار ہو چکے - پھر بھی مسیحی اور فرنگی قانون میں مخلصی کی کوئی سبیل نہیں - شوہر از خود کسی حال میں طلاق دے ہی نہیں سکتا - لازمی ہے کہ پہلے مدتوں خون کے گھونٹ پیتا رہے، جب حرامکاری - قانونی شہادتیں جمع کرلے، اسوقت عدالت میں درخواست دے - عدالتی پیروی کے بعد جب کہیں جاکر ممکن ہے (لازمی اسوقت بھی نہیں) کہ تفریق کا حکم حاصل کرنے میں کامیاب ہو! — اور اسلام کا بدنام قانون طلاق!

چند اعداد

کلکتہ یونیورسٹی سے متعلق اعداد ذیل معاصر نوائے وقت (لاہور) نے شائع کیے ہیں :-

	غیر مسلم	مسلم	کل
یونیورسٹی کے پروفیسر اور لکچرر	۲۳۰	۱۵	۲۴۵
شعبہ اسلامیات اور اسلامی تاریخ کے پروفیسر اور لکچرر	۳	۴	۷
یونیورسٹی کے دوسرے افسر ۱۰۰ روپیہ سے زیادہ تنخواہ پانیوالے	۱۳۳	×	۱۳۳
یونیورسٹی کے دوسرے افسر	۱۱	×	۱۱
۱۰۰ روپیہ سے کم شاہرہ پانیوالے	۱۵۰	۲	۱۵۲
یونیورسٹی پریس کے ملازم	۸۳	۶	۸۹

اعداد خاموش کی گویائی کے بعد لفظ و عبارت کا کوئی تبصرہ یقیناً لاحاصل ہو!

(بقیہ نوٹ برصفحہ ۷)

مسئلۂ غلامی

مشہور قومی کارکن عبدالوحید خاں صاحب بی۔ اے، ایل ایل بی کا مکتوب اس مسئلہ پر عرصہ ہوا موصول ہوا تھا۔ جواب کے لیے ایک ندوی فاضل مولوی محمد اویس صاحب نگرامی (رفیق دارالمصنفین) کے پاس بھیجا گیا تھا اور جواب دونوں درج ذیل ہیں۔ مدیر کے معروضات آخر میں ملیں گے۔

گرامی و محترمی۔ السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ۔ قرآن کریم میں جنگی قیدیوں کے متعلق جو حکم ہے وہ صرف اس قدر ہے کہ انکو فدیہ لیکر یا احسان رکھکر چھوڑ دیا جائے۔ انکو غلام یا کنیز بنا کر سوسائٹی کے افراد یا لشکریوں میں تقسیم کرنے اور انکو پانے والوں کی ملک بنانے کا کہیں ذکر نہیں ہے۔ جہاں تک پہلے غلاموں کو آزاد کرنے کا تعلق ہے اسلام نے اسکے لیے ایک تدریجی راستہ اختیار کیا نئی غلامی کا صرف ایک ہی راستہ تھا کہ جنگی قیدیوں کو غلام بنا لیا جائے لیکن اگر اس راستہ کو قائم رکھا جاتا تو غلامی کبھی بھی بند نہ ہو سکتی تھی کیونکہ جنگ اور جہاد تو ہر وقت ہوتے رہتے ہیں اور ایسی شکل میں جنگی قیدیوں کا مسلمانوں کے قبضہ میں برابر آتے رہنا ضروری ہے اسلیے قرآن کریم نے سورۂ محمد کی آیت مذکورۂ بالا سے اس راستہ کو بھی بند کر دیا لیکن اسکے باوجود بھی صدیوں تک غلامی جاری رہی۔ سلاطین اور امرا کے حرم کنیزوں اور دربار غلاموں سے بھرے رہے۔ یہ رسم پھر کس طرح جاری رہی؟ آج بھی علماء کا ایک اچھا خاصہ گروہ اس بات کا قائل ہے کہ غلام اور کنیز آج بھی ہو سکتے ہیں اگر وہ کسی جہاد میں ہاتھ آ جائیں۔ میں نے اس موضوع پر اب تک جو کچھ پڑھا ہے اس سے اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ آئندہ کے لیے اسلام نے غلامی کا دروازہ بند کر دیا ہے۔ سعید احمد صاحب نے جو کتاب "الرق فی الاسلام" تصنیف کی ہے وہ بھی اس مسئلہ پر تسلی بخش روشنی نہیں ڈالتی۔ کیا آپ پورے مسئلہ پر نہیں صرف جنگی قیدیوں کے مرتبہ و حیثیت پر روشنی ڈال کر میری رہنمائی کر سکتے ہیں۔ میں صرف یہ معلوم کرنا چاہتا ہوں کہ جنگی قیدیوں کو افراد کی ملک بنایا جا سکتا ہے یا نہیں، اور وہ ان غلاموں کو جنھیں تجارت بنا کر فروخت کر سکتے ہیں یا نہیں؟ ساتھ ہی "او ما ملکت ایمانکم" پر بھی روشنی ڈالیے گا کیا آپ کی رائے میں چار بیویوں کے علاوہ ایک لامحدود تعداد کنیزوں کی رکھی جا سکتی ہے؟ اگر اسکا جواب مجھے جلد مل جائے تو بہت ممنون ہونگا۔ کیونکہ آجکل اس موضوع پر میں کچھ لکھ رہا ہوں۔ فقط۔ والسلام

جواب

کلام مجید سے استنباطِ مسائل کے لیے ضروری ہے کہ جس چیز کے متعلق بحث و استنباط مقصود ہو اس موضوع سے متعلق تمام آیات پیش نظر ہوں۔ نیز یہ کہ استنباط کے تمام طرق بھی سامنے ہوں اور ان آیات سے متعلق قول و عمل رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) اور اقوال و اعمال صحابہ کرام سے بھی واقفیت ہو۔ عموماً انھیں شرائط کے فقدان کی باعث غلط فہمی اور خبطِ مسائل کی صورتیں پیش آتی ہیں۔

استفسار بالا میں مستفسر کو انھیں وجوہ سے یہ غلط فہمی ہوئی کہ قرآن مجید میں جنگی قیدیوں کے متعلق صرف یہ حکم ہے کہ انکو فدیہ لیکر یا احسان رکھ کر چھوڑ دیا جائے"۔ حالانکہ یہ صحیح نہیں ہے۔ جیسا کہ انشاء اللہ آگے معلوم ہوگا۔

غلامی اور تسری کا مسئلہ کوئی نیا مسئلہ نہیں ہے۔ اس پر بہت کچھ لکھا جا چکا ہے مگر حیرت ہے کہ ابھی تک شکوک و شبہات کا سیلاب امنڈتا چلا آتا ہے اور خصوصاً مغرب زدہ حلقوں سے اس مسئلہ کے اندر کی جو صدائیں اٹھی تھی اسکی بازگشت ابھی باقی ہے!

اصل یہ ہے کہ قرآن مجید سے اسیرانِ جنگ کے متعلق حسب ذیل احکام کا ثبوت ملتا ہے (۱) استرقاق[1] (۲) قتل (۳) من (۴) فداء۔ شریعت نے امام کو اختیار دیا ہے کہ وقتی اور مقامی حالات اور مسلمانوں کی مصالح کو پیش نظر رکھتے ہوئے ان میں سے جو صورت بھی مناسب ہو وہ اختیار کرے!

لوگ عموماً استرقاق کے بارے میں ان آیات پر غور کرتے ہیں جن میں اسیران جنگ کے متعلق دوسرے احکام بتائے گئے ہیں۔ حالانکہ اسکا تعلق آیتِ غنیمت سے ہے! ارشاد ہوا

واعلموا انما غنمتم من شئی فان للہ خمسہ (انفال)	اور جان رکھو کہ جو کچھ تم کو غنیمت ملا ہے کسی چیز سے سو اللہ کے واسطے اس میں سے پانچواں حصہ۔

اس آیت سے معلوم ہوا کہ خمس نکالنے کے بعد غنیمت میں غانمین کا حق متعلق ہو جاتا ہے!

غنیمت میں جو چیزیں ہاتھ آتی ہیں وہ تین قسم کی ہیں (۱) مال و متاع (۲) زمین (۳) آدمی۔ (زاد المعاد ج ۲ ص ۲)

قاضی ابو یعلیٰ حنبلی نے احکام السلطانیہ ص۱۲۵ اور ماوردی نے احکام السلطانیہ ص۱۲۱ میں بجائے تین کے چار قسمیں بتائی ہیں لیکن یہ چوتھی قسم اوپر کی تینوں قسموں سے الگ نہیں ہے بلکہ انھیں تینوں قسموں میں سے ایک قسم کی تشریح و تفصیل کے سلسلہ میں انھوں نے ایک قسم کو دو قسموں میں تقسیم کر دیا ہے!

اصطلاحاً تقسیم غنیمت کے بعد جو مال جسکے حصہ میں پڑیگا وہ اس کا مالک ہوگا۔ اس تقسیم میں اسیرانِ جنگ بھی ہونگے وہ جنکو دیے جائینگے انکے مملوک ہونگے۔ یہ اصل ہے جوازِ استرقاق کی!

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اور صحابۂ کرام کا عمل اس پر شاہد ہے حافظ ابن قیمؒ زاد المعاد (ج۲ اول ص۳۲ مطبع نظامی کانپور) میں لکھتے ہیں کہ اسیرانِ جنگ کے متعلق حضور صلی اللہ علیہ وسلم کا معمول یہ تھا کہ حسب مصلحت کبھی ان پر منت فرماتے بعض کو قتل کیا جاتا۔ بعض سے

[1] غلام بنانا۔

فدیہ لیا جاتا اور بعض مسلمانوں کے قیدی ہوتے! مستدرک میں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا صفی رسول اللہ میں سے تھیں (ج ۲ صفحہ ۲۸) صفی رسول اللہ غنیمت کے اُس حصہ کو کہتے ہیں جو حضور کے لیے الگ کرلیا جاتا تھا (۱)

عام اہل علم نے بھی جواز استرقاق کی بنیاد غنیمت ہی پر رکھی ہے

امام ملک العلماء ابو بکر بن مسعود کاسانی فرماتے ہیں کہ امام اگر چاہے تو تمام اسیران جنگ کو غلام بنالے، اور خمس کے بعد انکو تقسیم کردے۔ کیونکہ یہ مسلمانوں کو فاتحانہ صورت میں حاصل ہوئے ہیں' اس لیے غنیمت ہیں (بدائع ج ۷ صفحہ ۱۱۹) علامہ ابو حیان اندلسی نے بحر المحیط میں غنیمت کے متعلق امام شافعیؒ کا مسلک بیان کرتے ہوئے لکھا ہے کہ امام کو اختیار ہے کہ چاہے تو ان اسیران جنگ پر من کرے یا قتل کرے یا انکو غلام بنالے۔ اگر امام انکو غلام بنائیگا تو انکا حکم غنیمت کا ہوگا۔ الفاظ یہ ہیں الامام فیہم مخیر بین ان یمن او یقتل او یسبی ومن سبی منہم فسبیلہ سبیل الغنیمۃ (بحر المحیط ج ۴ صفحہ ۴۹۵)

اسیران جنگ کے متعلق دوسرا حکم قتل کا ہے۔ یہ اسوقت ہے جبکہ مخالف بار بار نقض عہد کرتا ہو۔ ایسی حالت میں اگر ان پر قابو مل جائے تو انکو قتل کردینا چاہیے یا ایسی سزا دینا چاہیے جو دوسروں کے لیے وجہ عبرت ہو۔ ارشاد ہوا

الذین عاہدت منہم ثم ینقضون عہدہم فی کل مرۃ وہم لا یتقون فاما تثقفنہم فی الحرب فشرد بہم من خلفہم لعلہم یذکرون (انفال)

جن سے تونے معاہدہ کیا ہے اُن میں سے پھر وہ توڑتے ہیں اپنا عہد ہر بار اور وہ ڈر نہیں رکھتے۔ سو اگر کبھی تو پاوے اُنکو لڑائی میں تو اُنکو ایسی سزا دے کہ دیکھ کر بھاگ جائیں اُنکے پچھلے تاکہ اُنکو عبرت ہو۔

غلط فہمی نہ ہو اور اس آیت کو عین میدان جنگ سے متعلق نہ سمجھ لیا جائے۔ محققین کی تصریح ہے کہ یہ حکم کفار پر قابو پالینے کے بعد کا ہے۔ (ابن جریر۔ ج ۱۰ صفحہ ۱۸)

الغرض اگر حالات کا تقاضا ہو کہ اسیران جنگ قتل کردیے جائیں تو اُسکا ماخذ یہی آیت ہے (دیکھو مقدمات ابن رشد مع المدونہ ج اول صفحہ ۲۹۲) اسیران جنگ کے متعلق تیسرا اور چوتھا حکم من وفدا کا ہے۔ اسکا ماخذ سورہ محمد کی یہ آیت ہے

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموہم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارہا (محمد)

سو جب تم مقابل ہو منکروں کے تو مارو گردنیں یہانتک کہ جب خوب قتل کرچکو انکو تو مضبوط باندھ لو قید۔ پھر یا احسان رکھو یا معاوضہ لیجیو جبتک کہ رکھدے لڑائی اپنے ہتھیار

اسی آیت کے متعلق عموماً لوگوں کو غلط فہمی ہوئی ہے اور وہ عموماً یہ سمجھے ہیں کہ اسیران جنگ کے متعلق صرف دو ہی حکم ہیں، یعنی اُن پر احسان کرکے یا فدیہ لے کر انکو چھوڑ دیا جائے، حالانکہ سمجھنے کی بات تھی کہ آیت مطلق نہیں بلکہ مقید ہے' اور من و فداء کی اجازت ہر موقع کے لیے نہیں بلکہ مخصوص حالات میں ہے' اور یہ قیدیں خود اس آیت کے اندر موجود ہیں۔

امام شوکانی فتح القدیر میں لکھتے ہیں کہ حضرت حسن اور عطاء سے روایت ہے کہ اس آیت میں تقدیم و تاخیر ہے۔ آیت کا مفہوم یوں ہے کہ کفار کی گردنیں ماری جائیں یہانتک کہ جنگ کا خاتمہ ہو جائے پس جب تم انپر قابو پالو تو انکو مضبوط باندھ لو۔ (ج ۵ صفحہ ۲۹)

مطلب یہ ہوا کہ جب جنگ میں مسلمان بالکل غالب آجائیں مخالفین کی شوکت ختم ہو جائے دوبارہ فتنہ و فساد کا اندیشہ باقی نہ رہے تو انکو گرفتار کرلینا چاہیے اور گرفتار کرلینے کے بعد امام کو اختیار ہے کہ من و فداء میں سے جو صورت مناسب معلوم ہو جائے اسکو اختیار کرے۔ لیکن اگر یہ صورت حال نہ ہو بلکہ یہ ہو کہ مسلمانوں کو فتح تو ہوگئی ہے مگر ابھی مخالف کی قوت کا خاتمہ نہیں ہوا ہے اور اندیشہ ہے کہ دوبارہ فتنہ و فساد برپا ہوگا تو کیا اسوقت بھی اس آیت سے من و فداء کا حکم نکلے گا؟ ظاہر ہے کہ جب اس آیت کی شرائط نہ پوری ہونگی تو اسکا حکم بھی نہ جاری ہوگا اور اسوقت بجائے من و فداء کے قتل و استرقاق میں سے جو صورت مناسب ہوگی وہ اختیار کی جائیگی۔ یہی مطلب ہے تفسیر ابی سعود کی اس عبارت کا

والمعنی انہم یقتلون ویوسرون حتی یضع جنس الحرب اوزارہا بان لا یبقی للمشرکین شوکۃ (ج ۵ صفحہ ۸۷)

مطلب یہ ہے کہ وہ لوگ قتل کیے جائیں اور قید کیے جائیں یہانتک کہ لڑائی کا خاتمہ ہو جائے بایں طور کہ مشرکین کی شوکت باقی نہ رہے۔

نامناسب نہ ہوگا اگر اس موقع پر یہ بھی عرض کردیا جائے کہ سورہ محمد کی آیت "من" کے متعلق بعض اہل علم کی رائے ہے کہ من کی ایک شکل یہ بھی ہے کہ ان اسیران جنگ کو بجائے اسکے کہ قتل کیا جائے' اُنکو زندہ رکھا جائے اور غلام بنالیا جائے یا یوں احسان کیا جائے کہ اُنکو زندہ چھوڑ دیا جائے اور اُن سے جزیہ وغیرہ قبول کرلیا جائے۔ (ملاحظہ ہو بحر المحیط ج ۸ صفحہ ۷۵۔ تفسیرات احمدیہ تفسیر سورہ محمد)

امید ہے کہ اس تفصیل کے بعد انشاء اللہ مسئلہ استرقاق سے متعلق اکثر و بیشتر شبہات زائل ہو جائینگے اور آیات قرآنی نیز اقوال سلف ایک سلک میں منسلک نظر آئینگے! والعلم عند اللہ ولا حول ولا قوۃ الا باللہ۔

صدق۔ یہاں دو باتیں بطور ضروری مقدمہ کے ذہن نشین کرلی جائیں' اسکے بعد نفس مسئلہ پر گفتگو آسان ہو جائیگی۔

(۱) بعض انگریزی الفاظ اور اُنکے چلے ہوئے اور مشہور و متداول اردو یا عربی ترجموں کے درمیان دلالتوں کے لحاظ سے مطابقت

۱؎ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کہ جب وہ خیبر کی غنیمت کے سلسلہ میں حضور کے پاس پہونچیں تو حضورؐ نے حضرت صفیہ کو اختیار دیا کہ وہ آزاد ہوکر اپنے گھر چلی جائیں یا آپ کے نکاح میں آنا قبول کریں۔ انھوں نے دوسری صورت پسند فرمائی (مسند احمد ج ۳ صفحہ ۱۳۸)

ہرگز ضروری نہیں، بلکہ بعض اوقات تو دونوں لفظ، بظاہر ایک دوسرے کے ترجمہ، بلحاظ مفہوم و مدلول ایک دوسرے سے زمین و آسمان کی نسبت رکھتے ہیں۔

انگریزی کے نہایت تنگ و محدود مفہوم لفظ GOD (گاڈ) کو عربی اور اردو کے "اللہ" کی وسعتوں سے کوئی نسبت ہی نہیں۔ انگریزی کے PROPHET (پرافٹ) میں تخیل صرف خبر دینے والے، غیب داں یا پیشگوئی کرنے والے کا ہے، بہ خلاف "نبی" کے جس میں انذار، خداترسی، تقدس کے پورے اوصاف موجود ہیں۔ انگریزی کے SKY اور HEAVEN دونوں عربی کے "سماء" کی وسعتوں کے ادا کرنے کے لیے بالکل ہی ناکافی ہیں۔ انگریزی کے SUBJECT (اصطلاح سیاسیات) میں پورا تخیل پامالی، شکستگی، ذلت کا ہے۔ بخلاف اس کے "رعایا" یا "رعیت" کے مفہوم ہی میں شفقت، ہمدردی، یگانگت، ربوبیت کے عنصر شامل ہیں — مثالیں کہاں تک گنائی جائیں۔

اسی قبیل کا ایک شدید مغالطہ آمیز لفظ انگریزی کا SLAVERY ہے، ایک دوسرے لفظ POLYGAMY کی طرح، یہ زبان پر آتے ہی دماغ میں جبر و تشدد، شقاوت، سنگدلی کا جو ذیل یا دل ساتھ لاتا ہے، حالانکہ اسلامی اصطلاحات "ملکت ایمانکم" یا "رق"، کو اس سے کوئی مناسبت بھی نہیں۔ لیکن اب اسے کیا کیجیے کہ ادھر لفظ "غلامی" کا تلفظ ہوا، اور ادھر وہ سارے تصورات بھی آگئے جو واقعہ اور تاریخ اور لغت کی بنا پر صرف SLAVERY کے ساتھ وابستہ رہتے تھے! SLAVE کے معنی یہ تھے کہ ایک انسان جو کسی طرح بھی، چوری سے، دھوکے سے، ڈاکے سے، دوسرے انسان کے قبضہ میں آجائے وہ اس کی جائداد بن جاتا ہے۔ اور ظاہر ہے کہ اپنی جائداد کے بارے میں مالک جائداد مطلق الاختیار ہوتا ہے، وہ اپنی جائداد کے ساتھ جو چاہے کرے، یہاں تک کہ اگر چاہے تو اسے ضائع کر دے۔ چنانچہ مشرک و جاہلی قوموں میں ایسے ہی مطلق اور بے قید اختیارات مالک کو غلام پر حاصل رہتے تھے۔ یہاں تک کہ بعض قوموں میں غلام کی جان بھی تمام تر مالک کے ہاتھ میں تھی۔

اسلام کے "غلام" کو اس سارے تخیل سے بھلا کیا نسبت ہے؟ لفظ بے شک مشترک ہے، لیکن آگے؟ بہ لحاظ حقائق اول تو

(۱) غلام ہر طرح نہیں حاصل کیا جا سکتا۔ لے دے کے جائز شکل صرف حالتِ جنگ کی رکھی۔ پھر جنگ بھی ہر جنگ نہیں، وہ شخص دوسرے مذہب کا ہو، اور اس درجہ معاند اسلام ہو کہ مسلمانوں سے مقابلہ کرنے، یعنی انہیں قتل کرنے، انکی بیویوں کو بیوہ، انکے بچوں کو یتیم بنانے کو آیا ہو۔ اور آخر تک لڑتا رہے، یا بھاگتا ہوا پکڑا جائے۔

(۲) ایسا موذی اور قاتل دشمن بھی جب ہاتھ لگے تو لازم نہیں کہ قتل ہی کر ڈالا جائے۔ بلکہ امام یا امیر حسب مصلحت اسے کسی مسلمان کے حوالہ کر دیگا، جو اپنی جان کو پوری طرح خطرے میں ڈال کر میدان جنگ میں آیا ہے۔ اب یہ مسلمان مجازاً اسکا مالک ہوگا۔ یعنی اس سے اپنا کام کاج کرائیگا، اور جب دیکھے گا کہ اس سے نباہ نہیں ہوتا، تو اسے کسی دوسرے کی طرف منتقل کر دیگا، لیکن ساتھ ہی

(الف) اس سے کام اسکی وسعت و طاقت سے زیادہ ہرگز نہ لیگا۔

(ب) اسکی جان پر کوئی اختیار اسے نہ ہوگا۔

(ج) جبراً اس سے تبدیل مذہب تک نہ کرائیگا۔

(د) اسکی بشری ضروریات کا پورا خیال رکھیگا۔ جو خود کھائے گا اسے کھلائیگا، جو خود پہنے گا، اسے پہنائیگا۔

(ہ) اس پر کسی معاملہ میں بھی اگر بیجا سختی کریگا، تو اللہ کے ہاں جواب دہ اور مواخذہ دار ہوگا۔ ان حالات کے بعد یہ "غلامی" رہی یا ایک اجنبی اور غیر اور سابق دشمن کو اپنے اندر جاذب کر لینا، اپنے خاندان کا ایک جزو بنا لینا ہوا؟ —— جیسا کہ آج بھی بعض نیک نیت یتیم خانوں اور محتاج خانوں سے یتیموں اور محتاجوں کو اپنے گھر پرورش اور کام کاج کے لیے لے آتے ہیں۔

(۲) مقدمہ کی پہلی بات یہ ہوئی، دوسری بات یہ کہ قرآن مجید کے مسائل کے استنباط کے لیے محض ایک آیت کا مطالعہ کافی نہیں۔ بعض اوقات دوسری آیتوں میں صراحت اس سے کہیں زائد، بلکہ کبھی کبھی بظاہر اس کے برعکس بھی مل جاتی ہے، اور صراحت نہ بھی ملے، جب بھی کوئی اشارہ، کنایہ، تضمن، غرض دلالت خفی کا کوئی نہ کوئی پہلو اور نکل آتا ہے۔ اسی لیے سارے قرآن کا مطالعہ بھی محض سطحی، و سرسری کافی نہیں، دقیق استنباطات کے لیے بڑی گہری اور باریک بیں نظر کی ضرورت ہوتی ہے اور یہ ملکہ باقاعدہ مطالعہ کی کہیں ایک طویل مدت اور تقوے کے بعد ہی پیدا ہو سکتا ہے۔

خود اسی سورۂ محمد کی آیت میں تصریح صرف اس قدر ہے کہ

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب	جب تم لوگ کافروں سے تو (انکی) گردنیں مار چلو۔

اب اگر کوئی ظاہر لفظ کو پکڑ لے، تو لامحالہ اسے یہ ماننا پڑیگا کہ کوئی مسلمان جب کبھی، جہاں کہیں، جس کسی کافر کو جس حال میں دیکھ پائے، بس وہیں حملہ کر بیٹھے۔ حالانکہ اس قدر اطلاق کے معنی بداہتہً غلط ہیں، اور مفہوم میں قیدیں طرح طرح کی (حالت جنگ کی، اعلان جنگ کے بعد کی، وغیرہ) لگانا پڑینگی۔ یہ محض ایک مثال ہے اس حقیقت کی کہ صحیح نتیجے تک پہونچنے کے لیے محض سرسری مطالعہ کافی نہیں ہے۔

ان مقدمات کے ذہن نشین ہو جانے کے بعد اب نفس مسئلہ لیجیے۔ سلاطین و امراء کے درباروں کے غلاموں سے اور حرم سراؤں کی کنیزوں سے بحث بالکل علیحدہ ہے۔ ان غیر معصوموں کی جماعت میں تو ظاہر ہے کہ اچھے، برے، درمیانی سب ہی قسم کے لوگ صدہا سال کی مدت میں ہوئے ہیں۔ کس کے تعامل کا نقش مسئلہ پر کیا اثر۔ افراد امت نے تو تعدد ازواج، طلاق وغیرہ کتنے ہی مسائل کے نفس جواز سے خدا ہی بہتر جانتا ہے کن کن حد تک فائدہ اٹھایا ہے

مسئلہ پر اثر انداز تعامل صرف نبی معصوم کا ہو سکتا ہے" یا پھر انکے بعد کسی درجے میں نبی معصوم کے براہ راست شاگردوں اور صحبت یافتوں کا - اور ان حضرات کے ایک طرف تعامل اور دوسری طرف الفاظ و اقوال، دونوں سے سوائے شخص پر جسے کسی خاص مسلک کی پاسداری نہیں، بلکہ نفس حقیقت کی تلاش ہے، ظاہر ہے کہ نبی و شاگردان نبی نے غلامی کو جائز سمجھا ہے —— جائز جملوں سے یاد کیجیے "اسلامی" غلامی کو اسلامی معاشرہ کے اندر باہر والوں کے جذب کرلینے کو، نہ کہ جاہلی SLAVERY کو

یہ بالکل صحیح ہے کہ جواز استرقاق پر کوئی صراحت قرآن مجید کے اندر نہیں ملتی - لیکن یہ بھی اسی قدر صحیح ہے کہ کوئی ممانعت بھی قرآن میں نہیں ملتی - اس صورت میں شارع یا نبی معصوم کے فہم پر اعتماد کرنا لازمی ہے - یقیناً کوئی دلالت ایسی خفی ہوگی جس پر افراد امت کی نظر نہیں —— ٹھیک اسی طرح جیسے صدہا قرآنی دلالتیں ہیں اگر ان پر عوام کی نظر نہیں پڑتی، صرف مجتہد یا امام فن ہی کی نظر انھیں گرفت میں لاسکی ہے - پیغمبر کے اجتہاد اور استنباط لطیف و خفی کا مرتبہ تو ہر بڑے سے بڑے مجتہد سے کہیں بڑھ کر ہے

لیکن یہاں تو اسی قدر نہیں - قرآن مجید میں نص استرقاق کی بلاواسطہ نہ سہی، لیکن ملکت ایمانکم کی صراحتیں تو ایک نہیں، متعدد بار آچکی ہیں اور ملک یمین کے معنی محاورہ عرب و اصطلاح شریعت میں غلام اور باندی ہی کے ہیں -

خص ملک العبید فی القرآن ملکت ایمانکم (راغب)	قرآنی اصطلاح میں ملکت ایمانکم سے مراد غلام کے مالک ہونے سے ہوتی ہے۔

جب قرآن غلاموں اور باندیوں کا ذکر بار بار لاتا ہے، انکے متعلق احکام کا بیان بار بار کرتا ہے، تو اسکے معنی ہی یہ ہیں کہ یہ رسم اسلام میں بلا شائبہ کراہت جائز ہے —— اور یہ دوسری دلیل جواز استرقاق پر ہوئی - علاوہ فہم نبی معصوم اور تعامل نبی و اصحاب نبی کے -

غلامی جیسی کہ اسلام نے روا رکھی ہے، سرے سے کوئی چیز شرمانے کی ہے ہی نہیں، جو اسکے لیے دور دور کی تاویلوں کی فکر کی جائے - کفر و اسلام کی جنگ جب تک جاری ہے، اہل باطل جب تک نہ اسلام قبول کرنے میں نہ استسلام، نہ ذمی بننے میں ساعد ہوتے ہیں، بلکہ اُلٹے اہل حق سے برسر پیکار رہتے ہیں، اور میدان جنگ میں ہزیمت کھاتے ہیں، اور ظاہر ہے جب وقت تک نا قابل اطمینان ہے، اسکے سوا چارہ نہیں کہ ہار کھائے ہوئے کافر یا تو قتل کردیے جائیں یا قید کردیے جائیں - اسلام نے تیسری اور بہترین صورت یہ بتائی کہ بجائے اسٹیٹ (خزانۂ حکومت) پر اتنے آدمیوں کا بار ڈالنے کے افراد امت انھیں آپس میں تقسیم کرلیں، اور انھیں جزو خاندان بناکر ان انسانوں کو انسان سمجھتے رہ کر، ان سے کام اور محنت لیں !

لیکن ایک صورت یہ بھی ہے کہ جنگ کے بعد کفر کی قوت شوکت بالکل ٹوٹ جائے، کافروں کی تنظیم درہم برہم ہو جائے، آئندہ انکی طرف سے اندیشہ نہ رہے، حتی تضع الحرب اوزارھا اور مسلمان انکا زور توڑ کر انھیں خوب پکڑ دھکڑ چکیں، حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق، تو ایسی حالت میں اسلام انھیں خواہ مخواہ گرفتار یا غلام بنائے رکھنے پر کبھی مصر نہیں - امام کو اختیار رہتا ہے کہ وہ بلا معاوضہ یا بمعاوضہ جیسی بھی مصلحت وقت ہو، اُن قیدیوں کو رہا بھی کردے، فاما منا بعد واما فداء - یہاں ذکر صرف اُس صورت حال کا ہے، جب خوب اچھی طرح مار دھاڑ کر لینے کے بعد فضا صاف ہو چکے محاربین کا زور ٹوٹ چکے، اور کوئی قریبی خطرہ جنگ کا باقی نہ رہے —— سورۂ محمد کی آیت ٹھیک اسی موقع کے لیے ہے - اب پوری آیت مسلسل پڑھیے

فاذا لقیتم الذین کفروا فضرب الرقاب حتی اذا اثخنتموھم فشدوا الوثاق فاما منا بعد واما فداء حتی تضع الحرب اوزارھا	جب تمہارا مقابلہ کافروں سے ہو، تو ان کی گردنیں مار چلو، یہاں تک کہ جب انکا خوب کشت و خون کرچکو تو انھیں خوب مضبوط باندھ لو، پھر اسکے بعد چاہے احسان کرو یا چاہے معاوضہ لیلو یہاں تک کہ لڑائی کا زور بالکل ٹوٹ جائے

(آیت ۴)

فقہائے محققین نے جو صراحت النص کے علاوہ عبارۃ النص، اشارۃ النص، اقتضاء النص وغیرہ استنباط کے متعدد عقلی و فکری طریقوں اور قاعدوں کے قائل ہیں، آیت سے چار چیزیں مستنبط کی ہیں :-

(۱) امام مختار رہے چاہے قتل کرے کلمۂ اثخنتموھم سے -
(۲) " " قید کرلے یا غلام بنالے فشدوا الوثاق سے.
(۳) " " بلا معاوضہ چھوڑدے کلمۂ منّاً سے (بعض حنفیہ کا یہ مسلک ہے)
(۴) " " مسلمان اسیروں کے مبادلہ میں یا معاوضہ نقد لیکر چھوڑدے } کلمۂ فداء سے -

اور اتنا تو غیر فقیہ بھی سمجھ سکتا ہے کہ یہاں ہر ممکن صورت حال کو منّ (بلا معاوضہ) وفداء (بہ معاوضہ) کے اندر حصر کر دینے کی کوئی دلیل موجود نہیں، نہ ایجابی نہ سلبی - حصر کا تعلق صرف ایک خاص صورت حال سے ہے، یعنی کامل رفع فساد سے -

احکام جہاد کا اصل مقصود اور مطلب اہل باطل و اہل باطل کی قوت کا توڑ دینا ہے، اور جب ادھر سے اطمینان ہو جائے تو امام المسلمین کو خواہ مخواہ قتال کی ضرورت نہیں - اب اختیار رہے کہ وہ جو پالیسی چاہے، اختیار کرے - قتل کی ضرورت تو اُس کفر کو توڑنے تک ہے - چنانچہ آیۂ مذکور میں بھی حتی تضع الحرب اوزارھا کا تعلق فضرب الرقاب سے ہے - درمیان کی عبارت صرف توضیحی ہے - عربی اسلوب بیان میں، تعلق ترکیبی میں اس قسم کا فصل، با تقدیم و تاخیر، معائب کلام میں سے نہیں، حسن بیان میں داخل ہے - زمخشری جیسے ادیب نے اس ترکیب کو جائز رکھا ہے، اور بعض تابعین سے یہی ترکیب منقول ہے -

لیکن یہ ساری تفسیر و توجیہ بھی اُسوقت ہے جب فاما منا سے مراد خواہ مخواہ رہائی ہی سمجھ لی جائے - حالانکہ قرآن اس تصریح سے

ساکت ہے۔ احسان کی ایک صورت جس طرح رہائی ہو سکتی ہے، اسی طرح یہ بھی تو ہو سکتی ہے کہ ان کی جانیں نہ لی جائیں، بلکہ جاں بخشی کرکے ان کی غلامی پر کفایت کی جائے۔ اور یہ معنی لیکر آگے کوئی سوال ہی نہیں پیدا ہوتا۔

ویجوز ان یراد بالمن ان یمن علیہم بترک القتل ویسترقوا او یمن علیہم فیخلوا لقبولہم الجزیۃ وکونہم من اہل الذمۃ

یہ بھی جائز ہے کہ منّ (احسان) کے یہ معنی لیے جائیں کہ انہیں قتل نہ کیا جائے، بلکہ یا تو انہیں غلام بنا لیا جائے اور یا ان سے جزیہ قبول کرکے انہیں ذمی بنا لیا جائے۔

یہ شرح زمخشری جیسے امام ادب و بلاغت کی ہے۔ اور اسی قول کو صاحب بحر المحیط وغیرہ نے نقل کیا ہے۔

اور یہ جو حنفیہ کی کتابوں میں منقول چلا آتا ہے کہ سورۂ محمد کی یہ آیت سورۂ انفال کی آیت

ما کان لنبی ان یکون لہ اسری حتی یثخن فی الارض

نبی کو نہ چاہیے کہ اس کے گرد قیدیوں کا مجمع رہے، جب تک کہ وہ خوب خونریزی نہ کرلے۔

سے "منسوخ" ہو گئی ہے، تو اسکا مطلب صرف اسقدر ہے کہ سورۂ انفال ترتیب نزول میں سورۂ محمد سے بہت بعد کی ہے اور زمانہ نزول کے لحاظ سے قرآن کی آخر ترین سورتوں میں سے ہے۔ اسکی آیت قدرۃً سورۂ محمد کے حکم کو محدود و مخصوص کرنے والی ہے، QUALIFY کرنے والی، اس کے اطلاق و عموم پر قیدیں اور شرطیں لگانے والی، اسکا صحیح مقام متعین کرنے والی ہے۔

آخری عرض صرف اسقدر ہے کہ گفتگو یہاں محض جواز غلامی کے باب میں تھی۔ یعنی خاص حالات کے پیش آجانے پر ہمہ گیر شریعت اسلام نے طلاق، تعدد ازدواج، ازدواج صغیرہ وغیرہ کی طرح گنجائش اسکی بھی رکھی ہے۔ محض جواز و گنجائش سے کسی رسم یا دستور کی پسندیدگی یا حوصلہ افزائی ہرگز لازم نہیں آتی۔ بلکہ غلاموں کے آزاد کرنے پر اسلام نے جس جس طرح ترغیب دی ہے، اور جس کثرت سے گناہوں اور خطاؤں کا کفارہ اُسے بتایا ہے اُس سے تو صاف یہی نظر آتا ہے کہ اسلام کی اصل روح دنیا کو غلاموں سے آزاد ہی دیکھنے کے حق میں ہے۔

پیام یوم اقبال

ذیل کا پیام یوم اقبال (حیدرآباد) کے موقع پر بھیجا گیا:-

"اقبال کا پیام خود شناسی کا ہے۔ خود انکی اصطلاح میں خودی خود آشنائی ہی کا دوسرا نام ہے، اور خود شناسی مقدمہ اور زینہ ہے خدا شناسی کا۔ من عرف نفسہ فقد عرف ربہ۔ جس نے خود کو پہچان لیا اُس نے خدا کو پہچان لیا۔

اقبال کی خودی خدا سے دور کرنے والی نہیں، خدا تک پہونچانے والی، خدا سے ملانے والی ہے۔ اقبال کی تعلیمات کو پھیلانا محض علم و ادب ہی کی خدمت نہیں، عبادت ہے۔"

(بقیہ صفحہ ۸)

(۱۸) مدح صحابہؓ۔ از ادارۂ الداعی۔ ۱۴ صفحے۔ پتہ: دار المبلغین پاٹا نالہ۔ لکھنؤ۔

مدح صحابہؓ خود شیعوں کی زبان سے۔ مستند کتابوں سے نثر و نظم کے اقتباسات

(۱۹) پودوں کی کہانی۔ از پروفیسر محمد سعید الدین۔ ۲۴ صفحے

(۲۰) طبیعاتی کائنات۔ از پروفیسر سید محمد علی خاں۔ ۶۸ صفحے

قیمتیں درج نہیں۔ پتہ: ادارۂ ادبیات اردو۔ دفتر سب رس۔ خیریت آباد۔ حیدرآباد دکن۔

دونوں کتابیں ماہرین فن کے قلم سے ہیں۔ ایک خاص حد تک سلیس و عام فہم زبان میں۔ پہلی کتاب فن نباتات پر ہے اور دوسری طبیعاتی مسائل پر۔ دوسری میں انگریزی مصطلحات کی مفید فرہنگ بھی درج ہے۔

(۲۱) تذکرۂ دار العلوم۔ از جناب نصیر الدین ہاشمی صاحب۔ ۱۲۸ صفحے۔ قیمت عہ۔ پتہ: نجیب کمپنی۔ اسٹیشن روڈ۔ حیدرآباد دکن۔

دار العلوم (حیدرآباد دکن) ایک بڑی مشہور قدیم درسگاہ ہے۔ یہ اسکی ۹۰ سال کی دلچسپ اور جامع تاریخ ہے۔ بہتوں کے پڑھنے کے قابل۔

(۲۲) مدح کوثر۔ از سہیل اعظم گڈھی۔ ۷×۱۵ صفحے۔ قیمت ۴ر۔ پتہ: معارف پریس، اعظم گڈھ۔

سہیل کی نعتیہ نظم مع مناقب صحابہؓ۔ نظم معنی و ادب دونوں کے اعتبار سے اپنے رنگ میں بہترین ہے۔ لیکن عوام کے کام کی بالکل نہیں۔ شروع میں مولوی شاہ معین الدین احمد صاحب کے اشارات اور حواشی کے باوجود بھی عام فہم نہیں۔

(۲۳) خانقاہ مشرہ۔ از جناب وحید الرحمن سہو [illegible] صاحب۔ ۴۰ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ: دھرم راج سبھا۔ خانقاہ سرور عالم۔ حیدرآباد دکن

(۲۴) ایک جامع صفات ہستی۔ از جناب مولوی قاری محمد عبید اللہ صاحب۔ ۸ صفحے۔ پتہ: جامعہ دار السلام۔ عمر آباد (صوبہ مدراس)

قاری مولوی محمد یوسف صاحب (ریڈیو دہلی کے قاری) کے مناقب

تصحیح صدق ۲۲

انتہائی ندامت ہے کہ صدق ۲۲ میں اغلاط طبع بکثرت رہ گئے۔ چند موٹی غلطیوں کی تصحیح حسب ذیل ہے۔ ناظرین کرام تصحیح فرمالیں

(۱) شذرہ "تقدیر و تدبیر" کی پہلی سطر میں عبارت "ایک ندوی طالبعلم کی طرف سے" کے بعد سیاہی "دو" لفظ "مراسلہ" ہونا چاہیے۔

(۲) صفحہ ۴ پر رسالہ ادب لطیف کے ریویو کے سلسلہ میں آخری پیراگراف کی سطر میں "برترین" کی جگہ "بدترین" ہونا چاہیے۔

(۳) اس ریویو کی آخری سطر بالکل غلط چھپی ہے۔ صحیح عبارت یوں ہے:

"اس قسم کی لغویات کو اگر حذف کردیا جائے تو پرچہ برا نہیں"

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کراکے دفتر اخبار صدق۔ گولہ گنج

کسبِ معاش

انبیائے کرام علیہم السلام نے کوئی نہ کوئی کام کیا ہے۔ حضرت آدم اور حضرت ابراہیم علیہما السلام کاشتکاری کرتے تھے۔ حضرت نوح اور حضرت زکریا علیہما السلام بڑھئی کا کام کرتے تھے۔ حضرت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بکریاں چرائی ہیں، تجارت کی ہے زراعت کرائی ہے۔ اکابر صحابہ بھی کوئی نہ کوئی پیشہ کرتے تھے اور خلفائے ثلٰثہ رضی اللہ عنہم تجارت کرتے تھے۔ حضرت علی کرم اللہ وجہہ نے مزدوری بھی کی ہے۔

شمس الائمہ سرخسی رحمہ اللہ نے مبسوط میں تصریح فرمائی ہے کہ کوئی جائز پیشہ سبب ذلت نہیں ہے اور تمام پیشے جواز میں برابر ہیں۔ اس لیے کسی پیشہ یا پیشہ ور کو ذلیل سمجھنا خلاف شریعت ہے۔ کسی جائز پیشے کو ذلیل سمجھنا خلاف عقل بھی ہے۔ کیونکہ ہم دیکھتے ہیں کہ لوگ کسی پیشہ کو اسی وقت تک حقارت کی نظر سے دیکھتے ہیں جب تک وہ معمولی درجہ پر ہو، لیکن وہی شخص اسی پیشے سے ترقی کرکے اگر متمول ہو جائے اور اسی چیز کی تجارت اعلیٰ پیمانہ پر کرنے لگے تو وہی لوگ جو اُسے اپنی ذلیل آنکھوں سے دیکھا کرتے تھے اُسکو عزت کی نظروں سے دیکھنے لگتے ہیں۔

اسکے علاوہ خرید و فروخت دونوں برابر ہیں جب کسی چیز کی خریداری ذلت و عیب کا سبب نہیں ہے تو اسی چیز کی فروخت ذلت کا سبب کیسے ہو جائیگی۔ اس لیے یہ معلوم ہوا کہ کوئی جائز و حلال کام بھی ذلت کا سبب نہیں ہو سکتا۔

کتاب و سنت اور اقوال فقہاء سے یہ ثابت ہے کہ کوئی پیشہ ذلت کا سبب نہیں ہے اور ہر مسلمان پر اپنے اور اپنے اہل و عیال کے لیے کام کرنا اور کسب معاش کرنا فرض ہے۔ اس لیے کسی مسلمان کو بیکار رہنا جائز نہیں ہے اور کسی پیشہ کو اختیار کر لینا جسکو وہ اپنے لیے مناسب سمجھے ضروری ہے۔ بیکاری میں ترک فرض کے علاوہ دوسری برائیاں بھی ہیں۔ بیکار رہنے سے انسان بہت سے گناہوں میں مبتلا ہو جاتا ہے اور کاروبار و پیشہ کی مشغولیت اسکو بہت سے گناہوں سے باز رکھتی ہے۔ اسلیے کسی جائز کام کے کرنے میں اداے فرض اور ترک معاصی دونوں کا ثواب حاصل ہوتا ہے۔ (نقیب)

رسید کتب

(۱) رابنسن کروسو، ۶۰ صفحے - از شجاع احمد صاحب قیمت ۱۰ر
(۲) جنگ کے بعد کیا ہوگا - ۳۴ صفحے " " ۳ر
(۳) پچ وس " " "
(۴) سمندری جہاز ۲۸ " " ۳ر
(۵) دستر خوان ۳۰ " " ۳ر
(۶) چھوٹو سنترے کا دھاگا ۳۲ صفحے از شجاع احمد صاحب قیمت ۴ر
(۷) کشتی میں تیاں ۲۰ " " ۱۰ر
(۸) عیار ۶۴ " " ۸ر
(۹) جیتری نوح ۲۰ " " ۴ر
(۱۰) سادہ زندگی ۱۰ " " ۴ر
(۱۱) کپڑے ۲۴ " " ۳ر

ملنے کا پتہ:- کتاب خانہ انجمن ترقی اردو عابد روڈ حیدرآباد دکن۔ یہ سب ریڈیو پر نشر کیے ہوئے ڈرامے یا کہانیاں ہیں۔ آسان زبان بچوں کے کام کی۔ نمبر (۱) انگریزی کی ایک مشہور و مقبول درسی کتاب کا ایک حصہ، اردو میں اپنایا ہوا ہے۔ سلسلہ عبد الحق اکیڈمی۔

(۱۲) لارڈ لالا اکبر ۸ " " ۱۰ر
(۱۳) کارساز ۸۴ " فضل الرحمن صاحب ۱۲ر

پتہ حسب بالا - یہ بھی عبد الحق اکاڈمی کی مطبوعات ہیں - ۱۲ کہانیوں کا مجموعہ ہے اور ۱۳ ایک ڈراما

(۱۴) مشاہیر کی بیویاں - حصہ اول ۸۰ صفحے طاہرہ و رفعت صاحبان ۱۲ر
پتہ: دار الاشاعت سیاسیہ، مجلس اتحاد المسلمین - حیدرآباد دکن - اسٹالن مسولینی، ہٹلر وغیرہ چند مشہور شوہروں کی بیویوں کے حالات

(۱۵) نظام حکومت الٰہیہ - حصہ اول - از علی بہادر خاں صاحب ۱۲۸ صفحے قیمت اور پتہ کچھ درج نہیں - غالباً دفتر اخبار ہلال نو - بمبئی سے مل سکے۔ احرار کانفرنس کا نہایت مفصل و مطول خطبۂ صدارت - نظام حکومت الٰہی کی تشریح میں اگرچہ گفتگو و کلام کی گنجائش بہت کچھ ہے لیکن بہرحال اس نظام کا نام آنا ہی ایک بڑی چیز ہے۔

(۱۶) حالی محب وطن - از ڈاکٹر ذاکر حسین خاں صاحب صدر جامعہ ملیہ - ۴۵ صفحے - مع پیش لفظ از رشید صدیقی صاحب قیمت ۶ر پتہ: کتاب گھر - دہلی -

حالی کو محب قوم و ملت کی حیثیت سے سب جانتے ہیں اور انکی یہ قلمی تصویر محب ملک و وطن کی حیثیت سے ہے اور بہت خوب ہے - ڈاکٹر ذاکر صاحب نے ہر ہر پہلو کو خوب سنبھالا ہے - کتاب بہت سے نوعمر دعویداران حب وطن کی اصلاح خیال کا بھی کام دے سکتی ہے۔

(۱۷) تصحیح العقائد - از مولانا عبد الحامد صاحب قادری بدایونی - ۸۴ صفحات تقطیع ۱۸ + ۲۲ قیمت ۸ر پتہ: دار التصنیف، مولوی محلہ، بدایوں۔ علم غیب رسول، استمداد اہل قبور، محفل میلاد و قیام، فاتحہ و نیاز وغیرہ، مسائل اہل سنت اور اہل بدعت کے درمیان مدت سے اختلافی چلے آرہے ہیں، اُن پر اہل بدایوں و بریلی کے نقطۂ نظر سے تبصرہ -

دل روز حشر اُنکا طرفدار ہو گیا
گزر اسا لمہ مرا جیونے گواہ ہے!

(باقی صفحہ پر ملاحظہ ہو)

کے لیے ہے اور کسی عادت یا فطرت کی نفی، بعض دفعہ مجرد فعل کی نفی سے زیادہ موثر و بلیغ ہوتی ہے۔ مثلاً "میں نے ظلم نہیں کیا"۔ "ظلم کرنا میرے ضمیر ہی میں نہیں"۔ ان میں دوسرا پہلے سے زیادہ زوردار اور موثر ہے۔

اسلام کا خدا، مذاہب جاہلی کے دیوتاؤں کے برخلاف، شائبۂ ظلم سے بھی بری ہے۔ اسکی تصریح قرآن میں ایک جگہ نہیں بار بار ہے وما اللہ یرید ظلما للعالمین (آل عمران ع ۱۱) ولا تظلمون فتیلا (نساء ع ۱۱) ان اللہ لا یظلم مثقال ذرۃ (نساء ع ۷) وغیرہا۔

صیغہ مبالغہ کے لانے میں ایک نکتہ تو وہ ہے جسکی جانب صاحب روح المعانی نے اشارہ کیا ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کی تو جو صفت ہے وہ پوری قوت و شدت کے ساتھ ہے۔ قدرت ہے تو کمال کی، علم ہے تو مکمل، حسن و جمال ہے تو بے حد و نہایت۔ اسی طرح صفت ظلم بھی اگر ہوتی، تو درجۂ کمال ہی کی ہوتی۔ اس درجۂ کمال کی نفی کے معنی ہی مطلق نفی کے ہیں۔

دوسرا مخفی و لطیف نکتہ یہ ہے کہ جاہلی قوموں کے بعض دیوتا بڑے شدید ظالم مانے گئے ہیں۔ جنکے حق میں لقب "ظلّام" پوری طرح صادق آتا ہے۔ قرآن نے اس صفت کی نفی کرکے اور بعینہ اس لفظ کو لاکر گویا یہ بتا دیا کہ اسلام کے پاک و پاکیزہ خدا کو ان ظلّام دیوتاؤں پر قیاس نہ کرنا، وہ ہرگز انکی طرح نہیں۔ اور یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ قرآن نے حضرت سلیمانؑ سے نفی کفر کی ہے۔ وما کفر سلیمٰن، یعنی سلیمان ہرگز کافر نہ تھے جیسا کہ تم اہل کتاب نے گڑھ رکھا ہے۔ یا شرق و مغرب کی طرف رخ پھیرنے کی شکل سے نفی کی ہے۔ لیس البران تولوا وجوہکم قبل المشرق والمغرب۔ یعنی تقدس اور بزرگی ہرگز کسی سمت کے اندر نہیں، نہ سمتِ مشرق میں نہ جہت مغرب میں، جیسا کہ گمراہ قومیں، بت پرستی کے شرک میں مبتلا سمجھ رہی ہیں۔ اسی قسم کے اسلوب کلام کی مثالیں قرآن مجید میں دو ایک نہیں، بیسیوں بلکہ شاید سیکڑوں مل جائیں۔

متجددوں کا سردار

"اتاترک نے ایک روز دوستوں کے مجمع میں کہا کہ عصمت، مغربیت کا زندہ کامیاب مجسمہ ہے، جبکہ میں ناکام نمونہ ہوں۔ اور یہی واقعہ بھی ہے۔ ظاہر اور باطن ہر اعتبار سے ترکوں میں سب سے بڑا مغربی، عصمت ہی ہے۔"

اصلاح ترکیہ میں عصمت، اتاترک کا دست راست ضرور تھا، لیکن وہ اتاترک کی نجی زندگی کا شریک نہ تھا۔ رات کے کام، رات کی پارٹیوں اور بہ افراط شراب نوشی سے اسے دلچسپی کبھی نہیں رہی۔ عصمت صرف ہلکی فرنچ شیمپین (شراب کی ایک مشہور قسم) پیتا ہے۔"

(بمبئی کرانیکل۔ ہفتہ وار۔ ۳۰ اپریل ۱۹۳۴ء)

یہ سب کچھ کسی دشمن یا معاند نے نہیں، ترکیہ کی جدیدیت کے ایک بڑے حامی و مداح فرنگی الفرڈ جو اکم فشر نے کہا ۔۔۔۔ یہی ہے "لازوال سردار" اتاترک کے "اصلاح کردہ" اسلام کا، عظیم الشان ترکہ، جسکی دعوت تیرہ سو سال قبل کے اسلام کے ماننے والوں کو دی جا رہی ہے؟

ایک خوفناک اطلاع

دہلی کے ایک مسلمان اخبار سے درج ہے:

"ہمیں لاہور کے اخبار پارس کا ممنون ہونا چاہیے کہ اس نے امریکہ کے مشہور فلمی رسالہ "فوٹو پلے اینڈ موویز" سے یہ خوفناک اطلاع نقل کی ہے کہ ہالی وڈ میں حضور سرور کائنات فخر موجودات حضرت محمد مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کی مبارک زندگی کو پردۂ فلم پر پیش کرنے کے لیے تمام تیاریاں مکمل کر لی ہیں۔"

اطلاع اگر خدانخواستہ صحیح ہے، تو بیشک سخت خوفناک ہے۔ لیکن ضرورت سنجیدگی کے ساتھ اس پر غور کرنے کی ہے کہ فلم ساز کو آخر کن موثر تدبیروں سے روکا اس ارادہ سے جا سکتا ہے۔ اسلامی نقطۂ نظر سے رسول اقدسؐ کو پردۂ تصویر پر لانا، کسی ارادہ اور نیت سے بھی جائز نہیں۔ اور مسلمانوں کے جذبات ہرگز اس صورت حال کو برداشت نہیں کر سکتے۔ اصل ضرورت انھیں خیالات و جذبات کو کمپنی مذکور تک پہونچانے کی ہے۔ اور انگریزی پریس ظاہر ہے کہ اس باب میں اردو اخبارات سے کہیں زیادہ کارآمد ہو سکتا ہے ۔۔۔۔ پرکاش پکچرز (بمبئی) سے متعلق حال میں یہ خبر انگریزی پرچوں میں نکلی ہے کہ وہ گوتم بدھ پر کوئی تصویر تیار کر رہی ہے، لیکن خود سری گوتم کی، اُنکے مہاتما اور بودھ ہو جانے کے بعد، کوئی شکل پردے پر نہیں لا رہی ہے۔ بلکہ سنا ہے کہ خود عیسائی فلم ساز کمپنیاں بھی اب حضرت مسیحؑ کی اصل تصویر پردہ پر نہیں لاتیں۔ اگر یہ اطلاعیں صحیح ہیں، تو امریکی فلم ساز کو اس نئی جسارت سے یقیناً نسبۃً آسانی سے باز رکھا جا سکتا ہے۔

ایک نادان دوست

ایک متجدد نواز اقبالی کے قلم سے یوم اقبال کے موقع پر:۔

"اقبال کے ایک پرستار سے حال میں یہ سُن کر کہ اقبال درحقیقت مسلمانوں کا شاعر ہے، مجھے اقبال ہی کا ایک شعر یاد آگیا ......

یہ درست کہ جس کسی سے انسان محبت کرتا ہے اُسے محض اپنے لیے مخصوص کر لینا چاہتا ہے۔ لیکن ایسے شاعر کو جس نے اپنی جنم بھومی کے گیت گائے ہیں، اور جس نے اپنے کلام میں ساری دنیا کو خطاب کیا ہے، محض ایک فرقہ کا شاعر کہہ دینا بہت بڑی ناانصافی ہے۔ اس رجحان کی تہ میں دراصل وہ تنگ نظری کارفرما ہے جس نے ہندوستان کے مسلمانوں کو فرقہ پرستی کی گہرائی میں گرا دیا ہے۔"

اقبال غریب کی روح ان نادان دوست صاحب کی داد سے تڑپ کر رہ گئی ہوگی۔ ان متجدد نواز صاحب کے نزدیک بھی گویا "محض مسلمانوں" کا شاعر ہونا کوئی بہت بڑا جرم یا عیب ہے! اور گویا مسلمان ہونا مرادف ہے "فرقہ پرست" اور تنگ نظر ہونے کے!

غلطیہائے مضامیں مت پوچھ!

اسلام تو نام ہی ایک آئیڈیل (نصب العین) اور بلند ترین و کامل ترین

جامع ترین، شریف ترین نصب العین کا ہے۔ اسکے پیام دعوت کو کسی مخصوص نسل و قوم، ملک کی طرف منسوب کرنا، اور اسے دوسری نسلی یا وطنی مذہبوں پر قیاس کرنا خوش فہمی کی انتہا ہے!

نظر التفات

برطانیہ کے لاٹ پادری ڈاکٹر ولیم ٹمپل کی تقریر ۳ مئی کو لندن میں، ۲ ہزار کے مجمع کے سامنے:—

"جنگ کا ایک خوشگوار نتیجہ یہ ہے کہ ہزاروں لاکھوں گوروں کے دلوں میں اپنے کالے بھائیوں کے لیے احترام کا ایک نیا جذبہ پیدا ہو گیا ہے ..... آج میں چرچ مشنری سوسائٹی کے ۱۴۵ ویں سالانہ جلسہ کے موقع پر تقریر کر رہا ہوں۔ ہندوستان ہمارا انتظار کر رہا ہے کہ یہ عالمگیر جنگ ختم ہولے، تو اسکے مخصوص مسائل کے حل کرنے پر پوری توجہ صرف کی جائے۔ یہ انتظار کا زمانہ یقیناً بڑے اضطراب بلکہ بڑی تلخی سے بسر ہو رہا ہے، اور میں یقین رکھتا ہوں کہ خدا کی محبت ہی کی انجیل اس تلخی کو دور کر سکتی ہے اور ہندوستان کے باشندوں کو رشتہ وحدت و اخوت میں منسلک کر سکتی ہے۔ ہندوستان کو مسیحیت کے حلقہ میں لانے کا خیال ہم میں سے ہر شخص کے دل میں رہنا چاہیئے" (رائٹر)

لاٹ پادری صاحب کا جوش تبلیغ یقیناً لائق داد ہے لیکن ہندوستان غریب تو موصوف کے بقول، ابھی اس انتظار میں ہے کہ جنگ ختم ہولے، تو ہندوستان کے مخصوص مسائل کے حل کرنے پر پادری صاحب توجہ فرمائیں، اگر مغرب تو عین رزمگاہ اور میدان جنگ بنا ہوا ہے، اور پادری صاحب کا عین وطن ہے، مسیحیت کی اگر یہی برکتیں ہیں، تو پادری صاحب، ہندوستان کو چھوڑیں، خود اپنے وطن کو اسکی برکتوں سے کیوں نہیں مستفید کرتے ہیں؟ جنگ ختم کیوں نہیں کرا دیتے؟ بلکہ جنگ سرے سے برپا ہی کیوں ہونے دی؟ کیا مغرب کے مخصوص مسائل اپنے حل کے لیے انکی توجہ کے کچھ کم محتاج ہیں، جو وہ ہندوستان ہی کو اپنے التفات کا منظر بنائے ہوئے ہیں؟

سنیما کی برکت

لکھنؤ سے ایک مراسلہ:—

"ہم لوگوں کے ہاں عموماً دیہات کے لڑکے نوکری کرتے ہیں جن میں بعض گھر کے پروردہ ہوتے ہیں۔ یہ لڑکے شروع شروع بہت سیدھے اور بھولے ہوتے ہیں، لیکن کچھ ہی دن بعد چوری اور طرح طرح کی بدکرداریوں پر اتر آتے ہیں۔ چنانچہ حال ہی میں ہمارے ہاں کا ایک لڑکا جو ابھی نوجوانی کی ابتدائی منزلوں میں تھا، بجلی کے گولے چراتا ہوا پکڑا گیا۔ بلکہ اس نے تو کمال یہ کیا کہ ایک کانسٹبل کو اپنی طرف جھپٹتے دیکھ کر ایک بلب اس پر اس طرح کھینچ مارا کہ وہ اسکے بہت نازک جگہ لگا اور کانسٹبل مثل بیہوش ہو کر گر پڑا۔ لڑکا بھاگا، گو بعد کو ایک چوکیدار نے پکڑ لیا۔ سمجھ میں نہیں آتا کہ ایسوں کی اصلاح کی کیا صورت اختیار کی جائے؟"

یہ بیچارہ تو "نوکروں" کے طبقہ (ہندو اصطلاح میں "نیچ" ذات) کا نوجوان تھا۔ بڑے بڑے اونچے اور شریف گھرانوں کے لڑکوں، نوجوانوں کا کیا حال ہے؟ شہر کی صحبتوں، اسکولوں کے احول کا لازمی نتیجہ یہی ہے۔ تعجب صرف اس پر ہے کہ "بگڑنے" کے واقعات اور زیادہ کیوں نہیں پیش آتے؟ یا کم از کم یہ کہ اور زیادہ کیوں نہیں کھلتے؟ البتہ خاص واقعہ میں چوری سے بڑھ کر حیرت انگیز سینہ زوری ہے۔ پولیس والے کے نازک حصۂ جسم پر بجلی کا بلب کھینچ مارنا، طبعی ذہنیت ہندوستانی چور کی نہیں، اسکی ذہنیت تو یہ تھی کہ وہ کانسٹبل کے قدموں پر گر پڑتا، اور خوشامد درآمد سے، دو چوٹ کرا، یا پھر کچھ دے دلا کر اپنی جان چھڑاتا۔ یہ ذہنیت جو ظاہر ہوئی، خالص فرنگی اور امریکی مجرمانہ ذہنیت ہے۔ اور دیہات کے ان پڑھ لڑکے میں اسکا ظہور تمام تر خاص برکت سنیما کی ہے۔ سنیما کے تماشے، اپنی اکثریت کے لحاظ سے تو تمام تر تربیت گاہیں ہیں ہر قسم کے جرائم کی ہیں — البتہ دینی اور اخلاقی فضا اپنے حد امکان پیدا کرتے رہنا، یہ فرض جس طرح اولاد کے حق میں والدین کا ہے، اسی طرح نوکروں چاکروں ملازموں کے لیے انکے مالکوں کے ذمہ ہے۔

چاے اور سگرٹ

حیدرآباد کے طبی رسالہ "جدید صحت عامہ" کا اقتباس:—

"دن کا کام شروع کرنے سے پہلے صرف صبح کی چاے پی لینا ایک مذموم عادت ہے جو آخرکار صحت کو کافی نقصان پہونچاتی ہے۔ اس سے بدن کو کچھ بھی حاصل نہیں ہوتا۔ بلکہ یہ اعصاب کیلیے تازیانہ کا کام کرتی ہے اور خود کوئی قوت نہ بخشنے کے باوجود بدن کو مجبور کرتی ہے کہ وہ محفوظ قوت کے ذخیرے سے بھی خرچ کر ڈالے۔ سگرٹ پینے کی عادت اور بھی بدتر ہے۔ یہ دونوں عادتیں تازگی اور چستی کا جھوٹا احساس پیدا کرتی ہیں۔ حقیقی ناشتہ کی عادت ڈالیے۔"

سگرٹ اور بیڑی سے تو حقہ کہیں غنیمت تھا، اور خالص دودھ کے بجاے چاے کا ناشتہ تو "صاحب" کے دور سے قبل ہندوستان میں کوئی جانتا بھی نہ تھا۔

آج کا تصوف

بمبئی کے ایک صندل کے جلوس کا نظارہ:

"آج ۵ بجے شام کو محمد علی روڈ سے کسی بزرگ کے صندل کا جلوس گزر رہا تھا جو غالباً سمین محلہ یا مرغی محلہ سے آ رہا تھا۔ اس سے پہلے بہت بزرگوں کے صندل کے جلوس دیکھے، لیکن جو چیز آج کے جلوس میں تھی نہیں دیکھی تھی۔ سب سے آگے چادر کا تھال تھا، اُسکے پیچھے چند لوگ، اور کچھ باجہ تھا اور باجہ کے پیچھے چند سوانگ بھرے لوگ تھے جو زمین پر اچھلتے کودتے ایکٹر کرتے چل رہے تھے۔ ایک کے سر پر ہیٹ تھا اور دوسرے کے چہرہ پر سفید مصنوعی داڑھی اور [illegible] اور تیسرے صاحب ایک خاص وضع میں تھے۔ ان بہروپیوں کے بعد چند آدمی تھے اور سینہ ابھارے ناچتے گاتے چل رہے تھے۔" (خلافت)

(باقی بر صفحہ …)

حکیم الامت :

نقوش و تاثرات

(از عبد الماجد)

(۸)

مکتوب کا پہلا جزو اور اس کا جواب شائع ہوتا ہے ہی تھا۔ طبیعت جھنجلائی بھنائی۔ بہت لمبی شکایتوں اور معذرتوں کے ساتھ، مکتوب گرامی کا دوسرا جزو مع اپنی توقعات ملاحظہ ہے:

"گھر میں کی کیفیت قلبی تعلق بالاولاد کی معلوم ہو کر جی سے دل سے اور بصیرت سے انکو ہونے اور حاصل ہونے کی بشارت دینے کو جی چاہتا ہے۔ اول تو اولاد کی محبت موافق سنت کے سبب موجب اجر ہے، رہا درجہ افراط کا، وہ بھی خلاف سنت جب ہے کہ اسکے کسی مقتضا غیر مشروع پر اختیار سے عمل ہونے لگے۔ اور اگر کوئی مقتضا شروع ہو یا غیر مشروع ہی ہو مگر اسکا بلا اختیار صدور ہو جائے تو بالکل قابل ملامت نہیں۔ اور اس مقتضاے غیر مشروع کو اگر روک لیا تو مجاہدہ کا اجر عظیم مزید براں۔ اور اتصاف بالسنۃ اور مجاہدہ دونوں کا علامات ایمان کامل سے ہونا ظاہر ہے۔

اور اگر نفس محبت کے موزوں ہونے کی تحقیق اسوقت انکے جی کو نہ لگے تو کم از کم اتنا تو مان لینا ضروری ہوگا کہ ایسی محبت بلکہ اگر اس سے بھی زائد ہوتی تو مذموم نہیں۔ یعنی شریعت مطہرہ نے اس پر کوئی عتاب نہیں فرمایا، اور ہم محتاجان شیاست کے لیے یہی کافی ہے کہ عتاب و عذاب سے بچ جائیں اگو درجات نصیب نہ ہوں۔ اور اس دعوے کی ترجیح یہ ہے کہ شریعت میں مواخذہ امور اختیاریہ پر ہے، چنانچہ نص قطعی لایکلف اللہ نفسا الا وسعہا اس پر شاہد بین ہے۔ اور یہ اختیاری نہیں، اس لیے قابل مواخذہ نہیں۔ البتہ طبعی کلفت اور نفسانی تالم اس پر مترتب ہے، تو اول تو شریعت نے ایسی کلفتوں کی ذمہ داری نہیں فرمائی، لیکن کسقدر رحمت ہے کہ باوجود ذمہ داری نہ کرنے کے پھر بھی تبرعاً اسکی تدبیر بتلا دی۔ وہ یہ کہ حق تعالیٰ سے تعلق قوی کیا جائے، اس سے سب تعلقات ضعیف ہو جائینگے اور کلفت کا احتمال ہی نہ رہیگا۔ یعنی کلفت ہوگی نہ رہیگی، ضعیف درجہ میں رہیگی، جو مضر نہیں۔ اور حق تعالیٰ کے ساتھ تعلق بڑھانے کے طریق مشہور و معلوم ہیں۔ یہ سب انکو سمجھا دیجیے۔ اللہ تعالیٰ سے امید ہے کہ خود ان معمولات کے کرنے سے محبت میں اعتدال پیدا ہو جائیگا۔ اور اگر تقویت تعلق مع الحق کی تدبیر میں لگ گئیں تو بالکل ہی فنا ہو جائیگا۔"

یہ ایک مختصر مکتوب تھا، یا ایک مستقل درس معرفت و تصوف؟ کتنی باتیں کام کی اور کتنی گہری حقیقتیں کتنے سہل عنوان سے ان دونوں اجزاء کے اندر آگئیں! — آج یہ صداقتیں بالکل مسلم نظر آ رہی ہیں، اپنا ایمان ہے۔ اسوقت، آج سے ۱۴ سال قبل، بالکل نئی اور انوکھی باتیں تھیں۔ کان پہلی بار ان اصولی حقائق سے آشنا ہو رہے تھے۔ خوش نصیب تھا وہ مکتوب الیہ جو ان حقائق سے نوازا گیا۔ بدنصیب تھا وہ مخاطب جسے اسوقت ان علوم کی قدر تو کیا ہوتی، اپنے جہل و نادانی سے معمولی شکریہ ادا کرنے تک کی توفیق نہ ہوئی! — علوم کی دولت جو گھر بیٹھے اور آسانی سے مل جاتی ہے، اسکی قدر دنیا نے کب اور کس کو ہوئی ہے!

مکتوب مبارک کے دو جزو دو سوالوں کے مستقل جوابات ہو چکے۔ اب تیسرا جزو حاضر ہے، عریضہ کے تیسرے سوال کے جواب میں اصل سوالات اگر پیش نظر نہ ہونگے، تو تشنگی بلا بغیر پیاس کے، لذیذ کھانا بغیر بھوک کے رہیگا:—

"خواب نہایت مبارک ہے اور اثر ہے باہمی مناسبت کا، اور بدرجہ رجاء موثر ہے زیادت مناسبت میں۔ باقی تحقیق سوال کی دوسرے پرچہ پر معروض ہے۔ والسلام۔ اشرف علی۔ از تھانہ بھون۔ ۱۷ ارچ ۱۳۴۵ھ"

خط کا کاغذ دونوں طرف بھر چکا تھا۔ اس لیے ضرورت دوسرے پرچہ کی پیش آئی۔ نقل مطابق اصل اسکی بھی ملاحظہ ہو:—

"(بقیہ مضمون خط) اصل یہ ہے کہ ہر گلے را رنگ و بوئے دیگر است۔ اور ہر گل اپنی جگہ محبوب ہے۔ اور اسکی خوشبو بھی اپنی جگہ مرغوب ہے۔

بگوش گل چہ سخن گفتۂ کہ خندان ست
بعندلیب چہ فرمودۂ کہ نالان ست

حضرت مخدوم صاحبؒ پر شکر غالب تھا اور انکے لیے یہی مناسب تھا اور شکر کے بھی آثار ہیں جو انکے نقد وقت تھے، اور حضرت سلطان الاولیاءؒ پر صحو غالب تھا اور انکے لیے یہی مناسب تھا اور صحو کے بھی آثار ہیں جو انکے نصیب حال تھی۔ اب رہ گیا مسئلہ تفاضل کا، سو جیسے حدیث میں ہے لاتفاضلوا بین انبیاء اللہ، اسی طرح اس حدیث کی ایک فرع ہے لاتفاضلوا بین اولیاء اللہ۔ مگر فرق اتنا ہے کہ انبیاء میں تو دلائل وحی کی بنا پر تفاضل کی اجازت ہے اسلئے تفاضل ناجائز ہے۔ اور اولیاء میں جب ہوگا ظن سے ہوگا اس لیے علی الاطلاق ناجائز ہے۔ اور یہ سب تحقیق متعلق اعتقاد تفضیل کے ہے۔ باقی محبت، وہ غیر اختیاری ہے۔ وہ اگر فرضاً مفضول کے ساتھ زیادہ ہو، افضل کے ساتھ کم ہو تب بھی جائز ہے۔"

سن کے اضافہ کے ساتھ سن و سال کے انقلابات کے ساتھ دل و دماغ پر بھی کیسے کیسے دور گزرتے رہتے ہیں، اور جگ بیتی تو دیکھیے پر چھوڑیے، کم سے کم آپ بیتی تو یہی ہے۔ ایک زمانہ الحاد و "عقلیت"، لامذہبیت کے دور کا تھا۔ پھر تصوف نے مذہب کی

راہ دکھائی۔ بات کچھ سمجھ میں آئی، کچھ نہ آئی۔ ٹھنڈی، سبک، خوشگوار، جاں بخش ہوا اپنے ساتھ کچھ خس و خاشاک، کوڑا کرکٹ، بھی لگا لائی۔ تصوف آیا تو بدعات تصوف کو بھی ساتھ لیے ہوئے۔ فوراً صوفیوں کے پھندے میں۔ لطیف، کثیف کے ہاتھ میں ہاتھ دیئے ہوئے! "عقلیت" گئی تو "خوش عقیدگی" آئی۔ دل دین سے زیادہ "بزرگانِ دین" سے اٹکا ہوا، اور اہل حال کے ذوق و وجدان کی اہمیت دماغ پر دین کے حقائق اور اصول سے کچھ کم بیٹھی ہوئی نہیں ——— زندگی کے عین اسی دور میں توفیق الٰہی نے رسائی آستانۂ اشرفی پر کرا دی۔ ندرۃً سوال و جواب زیادہ تر انھیں مباحث پر رہے۔ اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ کتنی گتھیاں اسی واسطے سے دور ہوئیں اور کتنی الجھنیں اسی ذریعہ سے سلجھیں! ——— دریاباد سے تھانہ بھون کا سفر کچھ ایسا آسان اور مختصر نہیں۔ ایکسپریس سے بھی ۱۲، ۱۴ گھنٹے لگ جاتے تھے، اور کرایہ بھی اسی مناسبت سے ——— اور ریل ہی کی مسافت کچھ تھوڑی ہوتی ہے؟ اور پھر تھانہ بھون تو سہارنپور سے بھی کوئی ۳۰-۳۵ میل دور آگے! اور وہ بھی بڑی لائن سے نہیں — چھوٹی سے بھی چھوٹی لائن (لائٹ ریلوے) سے طے کرنا! جولائی کے اس پہلے سفر کے بعد دوبارہ بہت مشکل ہی سے ہو رہی تھی، مانا کہ شوق روزافزوں تھا اور جی میں یہ تھا کہ اگلی سفر تنہا نہ ہو بلکہ جو رفیق زندگی ہے، وہ رفیق سفر بھی ہو! آئینہ غیبی دیکھیے کہ عین اسی وقت بھائی صاحب کا تبادلہ یوپی کے مشرقی ضلعوں سے یک بیک سہارنپور ہو گیا! اور اس نے سفر اور قیام کے مرحلہ کو کچھ نہ کچھ آسان تو ضرور ہی بنا دیا! ——— پست ہمتوں کی دستگیریاں کن کن طریقوں اور تدبیروں سے کی جاتی ہیں، اور بزدلوں کی ہمت افزائیاں کس کس لطف و رحمت سے ہوتی رہتی ہیں!

نومبر کا مہینہ تھا کہ چند ہفتے بعد سفر کی ٹھن گئی۔ ۱۴؍ نومبر کے عریضہ میں چند باتیں عرض کیں، حسب معمول حوالات بیانی کے ساتھ۔ پہلی تو یہ کہ پچھلا افتخار نامہ پاکر دل آپے سے باہر ہو گیا — دوسرے جوار کے ایک ہم چشمی بزرگ مولانا عابد حسین فتحپوری مرحوم کی مناجاتوں اور سفتیوں کا ذکر۔ تیسرے یہ ڈر کہ کہیں اہل اللہ کی یہ خواہ مخواہ کی شفقت و توجہ اپنی ناقدرشناسی کی بنا پر وجہ عتاب نہ بن جائے، چوتھے مزار حضرت محبوب الٰہی دہلویؒ پر حاضری کے سلسلہ میں خود انکے مزار اور پھر امیر خسروؒ سے تاثر خاص۔ پانچویں اس موقع خاص پر صفائی و فلاح امت کی دعاؤں کے ساتھ ساتھ چند مخصوص اشخاص کے لیے بھی دعائیں بشمول حضرت مولانا۔ چھٹے، مخدوم صابر کلیریؒ کے مزار پر حاضری کے وقت جی تاثر میں بہت کمی، شاید اس لیے کہ عین اس وقت بعض شریعت شکن حرکتوں پر نظر پڑ گئی تھی۔ ساتویں، چند روز بعد میاں بیوی دونوں کا قصد تھانہ بھون، اور قیام کے لیے مولانا کے اوقات کے خیال سے انھیں کے ہاں، عزیز کا انتخاب، جو اس وقت ڈپٹی کلکٹر تھے، اور ایک مکان انکا تھانہ بھون میں بھی تھا ——

جواب ہر بات کا نمبروار پڑھیے کہ اسی لیے تو اپنی ہر بات کو یہاں گن دیا ہے:۔

محبی و مکرمی دام لطفہم۔ السلام علیکم و رحمۃ اللہ

کل جمعہ کے سبب جواب کا وقت نہ ملا۔ معاف فرمائیے گا۔

۱۔ یہ سب آپ کی محبت ہے جسکی میرے دل میں خاص قدر ہے۔ اور آپ سے خاص محبت ہے۔ ایک تو آپ کی محبت کے سبب، دوسرے آپ کی بے تکلفی و انکسار و توافق ظاہر و باطن کے سبب۔ میں اس مذاق کو ڈھونڈھتا ہوں اور کم ملتا ہے۔ آپ میں پایا، اور محبت ہو گئی۔ آپ پر کوئی احسان نہیں۔

۲۔ میں نے گو انکی زیارت نہیں کی، مگر میں انکو اپنے زمانۂ قیام کانپور سے جانتا ہوں۔

۳۔ ایسا خوف تو لوازم ایمان سے ہے، اور انشاء اللہ آپ نفع بھی اٹھا رہے ہیں۔ اللہ تعالیٰ ترقی فرماوے۔ اور جب آپ کا یہ خیال ہے، انشاء اللہ تعالیٰ عمل میں بھی ترقی ہوگی۔

۴۔ (الف) مناسبت کا بھی اثر ہے اور خیال کو بھی دخل ہوتا ہے۔ مگر ایسا خیال بھی مطلوب ہے۔

(ب) میرے خیال میں یہ بھی حضرت محبوب الٰہیؒ کا اثر ہے کہ امیر خسروؒ انکے محبوب و حبیب تھے

۵۔ راست حق محبت عنایتے ست ز دوست۔
اگرنہ عاشق مسکیں بہیچ خورسند است۔

۶۔ توجہ تو یہ، اللہ تعالیٰ ان لوگوں کی اصلاح فرمائے۔ یہ بھی سبب مستقل ہے اور فطری مناسبت سے بھی کمی بیشی ہوتی ہے۔

۷۔ (الف) دوہری مسرت ہوئی۔ اللہ تعالیٰ بخیر لائے۔

(ب) اگر آپ میں صرف محبت ہی کی صفت ہوتی تو میں بھی اس تجویز سے موافقت کرتا۔ لیکن جب خدا تعالیٰ نے دوسری صفت بھی عطا کی ہے، یعنی بے تکلفی، تو اب یہ توافق سے لغو ہے۔ آپ ایسا پوچھتے ہیں میں تصریح کرتا ہوں کہ آپ اور آپ کی رفیق زندگی آئیں اور میری اور میری الخانہ کے مہمان بنیے۔ انکو ان سے ملنے کا اشتیاق ہے۔ باقی اوقات کا قصہ، میرے بزرگوں کی تعلیم ہے کہ بعد مشغولی فرائض کے سب سے اچھا وہ وقت ہے جو احباب کے پاس گزرے۔ اور فرائض میں میں اور آپ دونوں شریک ہونگے۔ پھر حرج اوقات کیا۔ اور ڈپٹی صاحب خود ہی مہمان ہونگے، انکو میزبان کون ہونے دیگا؟

بیا بیا و فرود آ کہ خانہ خانۂ تست

دوسرے مصرعہ کا شاید غایت تواضع سے آپ تحمل نہ کر سکتے۔

والسلام۔ اشرف علی۔

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۱۷)

س علامت سوال کی ہے، ج علامت جواب کی

س۔ آجکل نہ جانے کیوں طبیعت بجھی بجھی سی اور بے کیف رہتی ہے آپ ہی کوئی ترکیب بتائیں جس سے یہ وجوہ اضمحلال اور بے کیفی جاتی رہے۔ مطالعہ کے لیے کچھ کتابیں تجویز فرماکر شکریہ کا موقع عنایت فرمائیں۔

ج۔ مطالعہ کے لیے بہتر اور صحیح مشورہ اُسی وقت دیا جا سکتا ہے جب مخاطب کے ذوق طبیعت، استعداد علمی اور احوال سے پوری واقفیت ہو لے۔ ایسی کوئی کتاب نہیں جو ہر مذاق، ہر استعداد کے یکساں مطابق ہو۔

اکثر اور بالعموم امام غزالیؒ کی احیاء العلوم اور کیمیائے سعادت (یا انکے ترجموں) اور مولانا تھانویؒ کے مواعظ کا مطالعہ تجربہ سے مفید ثابت ہوا ہے۔ لیکن یہ کلیہ ہرگز نہیں ہے۔

کتابوں کے علاوہ بڑا دخل، افسردگی و اضمحلال کے دفع کرنے میں اچھی، پاکیزہ، شگفتہ صحبت اور بیماریوں، کمزوریوں سے دور، اچھی صحت کو بھی ہے۔

عام اور غیر متعین اسباب کے علاوہ اگر کوئی غیر متعین سبب اپنے علم میں ہو، تو اُسکا ازالہ سب تدبیروں پر مقدم ہے۔

س۔ آجکل جیمس کی کتاب VARIETIES OF RELIGIOUS EXPERIENE پڑھ رہا ہوں۔ انداز بیان عالمانہ ہونے کے باوجود عام فہم بھی ہے۔ مثالوں کی کثرت نے کتاب کو دلچسپ و آسان بنا دیا ہے۔ بحیثیت مجموعی کتاب کا اثر اچھا پڑا۔ اور میں نے اسکو ایک حد تک صحت بخش ہی پایا۔ کیا اسکا مطالعہ جاری رکھوں؟

ج۔ ضرور جاری رکھیے۔ جیمس کی ہر کتاب ہمارے نوجوان گریجویٹوں کے پڑھنے کے قابل ہے، یہ کتاب اور زائد۔ بس پڑھنے میں خیال اتنا قائم رہے کہ مصنف بہرحال مومن نہیں ہے۔

س۔ مثنوی شریف کی بہترین شرح میرے لیے کون ہو سکتی ہے؟

ج۔ (۱) اُردو میں کلید مثنوی، شروع کا حصہ حکیم الامت کی تصنیف، باقی حصہ انکے درس مثنوی کے لکھائے ہوئے نوشتہ انکے شاگردوں کے قلم سے۔

(۲) فارسی میں مثنوی کا کانپوری ایڈیشن، ۶ جلدوں میں بہترین حواشی سے آراستہ

س۔ قرآن کی تکمیل تک مذہبی مطالعہ اُردو اور فارسی ہی تک محدود رہیگا۔ اُردو یا فارسی میں کون سی تفاسیر مجھے دیکھنا چاہیے۔

اُردو میں:—

(۱) حکیم الامتؒ کی بیان القرآن، ۱۲ جلدوں میں (جا بجا مشکل اور بجائے خود تفسیر طلب ہے)

(۲) مولانا عبدالحق دہلوی کی تفسیر حقانی ۸ جلدوں میں

(۳) مولانا مودودی کی تفہیم القرآن۔

(۴) مولانا شبیر احمد عثمانی کے حاشیے شیخ الہند کے ترجمۂ قرآن پر۔

فارسی میں کوئی قابل دید تفسیر میرے علم میں نہیں۔

س۔ نماز بحمد اللہ کبھی ناغہ نہیں ہوتی۔ ۸۔۹ مہینے سے تہجد بھی پڑھنے لگا ہوں۔ لیکن ہفتہ میں دو تین دن ایسے ہوتے ہیں کہ تہجد و فجر کو یکجا کر دینا پڑتا ہے۔ اور کبھی کبھی تو وقت کی تنگی کے سبب فجر ہی پر اکتفا کی جاتی ہے۔ اس میں صرف قوت ارادی کا قصور ہے۔ کوئی تدبیر ایسی بتائیے کہ اس کمزوری پر بھی غالب آسکوں۔

ج۔ نماز فرض کا التزام اور تہجد کا اہتمام دونوں مبارک ہوں۔ ضعف ہمت کا اصل علاج صرف صرف ہمت ہے۔ لیکن جو نماز محض غلبۂ نوم سے قضا ہو جائے، اُس میں تو فرض تک پر ملامت نہیں، چہ جائیکہ تہجد پر۔ بس اسقدر کافی ہے کہ اپنی ذاتی تدبیروں سے امکان بھر غفلت نہ کرے۔ سویرے سو رہنے کی عادت (تاکہ نیند پچھلے پہر تک پوری ہو جائے) سرِشام کھانا کھا لینے کی عادت (تاکہ کھانا سوتے وقت تک کچھ تحلیل ہو جائے) شب میں پانی کم پینے کی عادت (تاکہ سوتے ہوئے معدہ پر پانی کا زیادہ بار نہ ہو)، یہ سب تجربہ سے اکثر مفید و معین ثابت ہوئی ہیں، گھڑی کا الارم، یہ احتیاط کہ چند رکعتیں، نماز عشاء کے مابعد، صلوٰۃ اللیل کی نیت سے پڑھ لی جائیں۔

تہجد اور فجر کے جمع کرنے میں مطلق مضائقہ نہیں۔ بلکہ تجربہ سے تو یہ عادت نماز تہجد کو آسان تر اور گوارا تر بنانے والی ثابت ہوئی ہے۔

س۔ بعض جسمانی امراض کی طرح مجھ پر روحانی افسردگی و اضمحلال کے دورے پڑتے ہیں۔ بعض اوقات بہت جلد جلد اور بعض اوقات وقفوں کے بعد (خلاصۃً)

ج۔ انقباض و انشراح کی ان کیفیتوں کو صوفیہ کی اصطلاح میں قبض و بسط سے تعبیر کرتے ہیں۔ اور چونکہ مقصود کیفیات نہیں بلکہ صرف عمل ہے، اور عمل میں بحمد اللہ کوئی فرق نہیں پڑنے پاتا، اس لیے یہ کیفیات کچھ زیادہ قابل اعتناء بھی نہیں۔ تاہم بہتر یہ ہوگا کہ اس بات کو غور کرکے دیکھ لیا جائے کہ جلد قبض کے دورے پڑنے کے اسباب قریب کیا ہوتے ہیں۔ اسکے بعد اگر وہ اختیاری ہوں تو اُن سے پرہیز کیا جائے۔

اصولی حیثیت سے تقلبات نفس کا بہترین، مجرب ترین علاج اچھی صحبت ہے، یعنی پاکیزہ خیال، باعمل لوگوں کی معیت و رفاقت، کونوا مع الصادقین کی تعمیل۔ اس سے اُتر کر مصلحانہ کتابوں کا مطالعہ ہے۔ مثلاً مواعظ اشرفی۔ یا ایک دوسرے نقطۂ نظر سے مقالات مودودی بھی۔

روس میں عورت

ہندوستان کے تجدد پرستوں کو بڑا ذوق عورتوں کو گھروں سے نکال کر باہر لانے اور جلسوں، جلوسوں، کچہریوں اور کارخانوں میں اپنا ہم دوش بنانے کا ہے۔ ان کا سب سے بڑا سہارا روس کی اشتمالی عورت تھی۔ مگر روس کے اشتمالیوں اور ہندوستان کے تجدد پرستوں میں بڑا فرق معلوم ہوتا ہے۔ وہ کھلی آنکھوں کے ساتھ نفع و نقصان پر نظر رکھتے ہوئے عمل کر رہے ہیں اور یہ آنکھیں بند کئے مقلد بنے ہوئے ہیں ...... طوطے کی طرح یہی رٹ لگاتے رہتے ہیں کہ عورت مرد کے مساوی ہے اس لیے اسکو ہر جگہ رہنا چاہیے جہاں مرد ہو اور اسکا ہر دائرۂ عمل پر پھیلا ہو۔ مرد دفتر، کارخانہ اور کان میں کام کرتا ہے اس لیے عورت بھی وہیں کام کرے۔ مرد جلسے کرتا ہے تو عورت بھی جلسوں میں جاکر تقریر کرے۔ مرد کی طرح عورت کی انجمنیں بھی ہوں۔ مرد جلوس بناکر نکلتا ہے تو عورت بھی اسکے بازو بازو نعرے لگاتی چلے۔ اسکی مزدوری مرد کی مزدوری کے برابر ہو ——— اور کھانے پکانے کے لیے ہوٹل کھلے رہیں۔ عورت اپنی مساوات کے جنون میں مرد سے ایسی شادی نہ کرے کہ اسکو گھر کے اندر بیٹھنا پڑے۔ اولاد سے بچانے کے لیے معاشرہ میں نفس پرستی اور روکیں پھیلائے اور اگر بچنے کے باوجود حمل کی زحمت میں مبتلا ہی ہونا پڑے تو سرکاری زچہ خانے کھلے اور اولاد کی پرورش کے لیے پرورش گاہیں بھی سرکاری ہوں۔ روس نے اول اول یہی کیا مگر جوں جوں خرابیوں کا تجربہ ہوتا گیا وہ اصلاح سے بھی بے اعتنائی نہیں کر رہا ہے۔

سب سے پہلے اس نے عورتوں کی انجمنیں توڑ دیں۔ پھر ایک طرح کی شادی واجب کر دی۔ اسکے بعد یہ بھی اشتمالیوں پر واضح ہونے لگا کہ سرکاری پرورش گاہوں میں اطفال کی پرورش ویسی نہیں ہوتی جیسی کہ قدیم منزلی زندگی میں ہو سکتی ہے۔ اسلیے انھیں پھر گھروں کی طرف واپس بھیجنا چاہیے۔ چنانچہ سنڈے نیوز الائیڈ نیوز پیپرز اور بی۔ بی۔ سی کے نامہ نگار الگزنڈر ورتھ اپنے ایک مضمون "اسٹریٹ فرام ماسکو" (سیدھے ماسکو سے) میں ہونے والی تبدیلیوں مثلاً گرجا کی نسبت حکومت کی نئی روش کا ذکر کرنے کے بعد لکھتے ہیں "دوسری دلچسپ ارتقائی صورتیں بھی دیکھنے میں آئی ہیں۔ عورت کے دائرۂ عمل کو بجائے وسیع کرنے کے گھٹانے کا رجحان روز افزوں ہے۔ جنگ کے سبب نقصانات کے بعد روسی نسوانیت سے مطالبہ کیا جائیگا اور اسکو ترغیب دی جائیگی کہ خانہ دار خاتون اور ماں کی خوبیوں کو ترقی دے۔ زمانۂ جنگ کے نقصانات کی تلافی کے لیے بڑے بڑے خاندان بعد جنگ کے لائحہ عمل کا جزو ہونگے۔"

(سوویٹ یونین نیوز۔ فروری ۱۹۴۴ء صفحہ ۲)

اور اب ایک اور تازہ اطلاع وہاں سے یہ آئی ہے کہ لڑکوں اور لڑکیوں کی مخلوط تعلیم کا وہاں خاتمہ کر دیا گیا ہے۔ مشہور سوویٹ ماہر تعلیم پروفیسر سرمراس کی وضاحت یوں کرتے ہیں کہ "مخلوط تعلیم نے معاشری قدر و قیمت کی مردانہ و زنانہ خصلتوں کا کسی قدر خفا کر دیا ہے، حل میں آ جاتا ہے"۔

ظاہر ہے کہ وہ اس "خفا" کو نہ صرف پسند نہیں کرتے بلکہ معاشرہ کے لیے مضر سمجھ رہے ہیں۔ ہمارے مخلوط تعلیم کے سرپرستوں کے لیے اب لمحۂ فکر آگیا ہے! اسلام نے لڑکوں کو لڑکیوں کا اور لڑکیوں کو لڑکوں کا بھیس بدلنے سے کبھی اسی مقصد سے روکا ہے۔ وہ نہیں چاہتا کہ صنفوں کی خصوصیات میں خرابی پڑ جائے۔

غرض اشتمالیوں اور یہاں کے تجدد پرستوں میں یہ فرق اب نمایاں ہوتا جا رہا ہے کہ وہ ایک پر جوش محقق کی حیثیت سے نئے معاشری تجربوں میں لگ گئے ہیں اور ان پر اپنے خیال کی جتنی غلطیاں واضح ہوتی جا رہی ہیں انکی اصلاح کرتے جا رہے ہیں اور یہ بیمار مقلد جو نفس ہی کے محصور ہیں احکام اسلامی پر ہاتھ ڈالنے سے بھی نہیں چوکتے۔

کیا تعجب ہے کہ وہ اسی طرح آگے بڑھتے بڑھتے اسلامی پردہ اور غیر مخلوط تمدن تک پہنچ جائیں اور یہ کبھی قرآن کی غلط تاویل اور کبھی اسلامی تاریخ کے بے بنیاد حوالوں سے اشتمالیوں کی ابتدائی غلطیوں ہی کو صحیح ثابت کرنے کی کوششوں میں عمریں صرف کر دیں! ایک معاصر نے تو اپنے مزاحیہ کالم میں بازیگری کی انتہا ہی کر دی! نہ صرف اسنے یہ کہکر لوگوں کو گمراہ کرنے کی کوشش کی کہ اسلامی تاریخ مردانہ عورتوں سے بھری پڑی ہے۔ حالانکہ ۱۳ سو برس کی اسلامی تاریخ میں جہاں اربوں عورتیں اس جہان میں آئیں اور گزر گئیں۔ شاید سو پچاس ہی مردانہ عورتیں مل سکیں۔ علامہ اقبال کی نظم "حور صحرائی" کا ذکر کر کے یہ غلط اثر لوگوں پر پیدا کرنے کی کوشش کی کہ علامہ مرحوم عورت کی اس قسم کی آزادی کے حامی تھے۔ جبکہ وہ ہے۔ حالانکہ علامہ صاف طور پر عورت کا مقام گھر بتاتے ہیں اور پردہ کا آپ کو اتنا لحاظ تھا کہ آپ نے جنوبی افریقہ میں ہندوستان کی ایجنٹی اس بنا پر قبول کرنے سے انکار کر دیا تھا کہ وہاں سرکاری تقاریب میں آپ اپنی بیگم کو بے پردہ شریک کرنے کا گناہ مول لینا نہیں چاہتے تھے۔ (رہبر دکن)

(بقیہ صفحہ ۳)

یہ ہے چودھویں صدی ہجری کے مسلمانوں کا تصوف! ——— قرآن، سنت، محدثین و فقہا کے اقوال و فتاوی کو چھوڑیے، صرف اتنا سوچیے کہ حضرت جنید بغدادیؒ اور حضرت شیخ جیلانیؒ، خواجہ اجمیریؒ اور محبوب دہلویؒ بھی ان منظروں کو دیکھنے کی تاب لا سکتے تھے؟ ان بدعی خرافات کو تصوف اسلامی کو کوئی دور کی بھی نسبت ہے؟

مراسلہ

محترمی مسٹر عبد الماجد صاحب

سلام مسنون الاسلام۔ مولانا اشرف علی تھانوی مرحوم کے کچھ حالات قلمبند فرما کر آپ نے اُنکے مسترشدین کو مرہونِ منت بےپایاں بنایا لیکن افسوس کہ انکے اس کارنامہ کا آپ نے ذکر تک نہ کیا جو عام مسلمانوں کے لیے نہیں بلکہ ہندوستان بھر کے لیے مشعل ہدایت ہے یہ انکا وہ وعظ ہے جو اُنھوں نے مولانا فضل الرحمٰن صاحب کے انتقال کے بعد گنج مرادآباد میں کہا تھا جس میں اُنھوں نے یہ ثابت فرمانے کی کوشش کی ہے کہ تصوف کوئی چیز نہیں ہے لگے میں کھکھار ڈالتے آیا کہنے لگے ذکر جاری ہے مولانا فضل الرحمٰن صاحب تارک سنت تھے وغیرہ وغیرہ اگر آپ نے اپنی شستہ رفتہ زبان میں اسکا ذکر کیا ہوتا تو خدا جانے کیا اثر ہوتا اور مولانا مرحوم کی یہ ذریعی کسقدر سامعہ نواز ہوتی اور کتنے لوگ جو اس جال میں پھنسے ہیں رہائی پاتے اور مولانا مرحوم کو لوگ کس وقعت کی نگاہ سے دیکھتے کیا اُمید کیجائے کہ کسی قریب کی اشاعت میں اس پر روشنی ڈال کر خلق خدا پر مزید احسان کرینگے ان مید بر تشکر و امتنان کا موقع دیں گے فقط

راقم الحروف عابد حسین

صدق۔ لکھنؤ سے یہ مکتوب جس املا و جس انشا کے ساتھ موصول ہوا بجنسہ اُسی طرح شایع کیا جا رہا ہے۔

حکیم الامت : والے مضمون کو حضرتؒ کی تمام زندگی اور مکمل سوانح سے کیا تعلق؟ وہ تو صرف راقم کے ذاتی علم و تجربہ میں آئے ہوئے حالات و مشاہدات ہیں، مولانا کی ۱۹۲۹ء سے جولائی ۱۹۴۳ء تک، مولانا کی زندگی کے کُل آخری ۱۵ سال کے! ۱۹۲۹ء سے ۲۵۔۔۳۰ سال قبل کے کسی وعظ سے انکا تعلق ہی کیا؟

اس سے قطع نظر، کیا ایسا کوئی وعظ مولاناؒ کی زبان سے ممکن بھی ہے؟ "تصوف کوئی چیز نہیں ہے" یہ وہ بتانے جسکی ساری زندگی ہی طریق و تصوف کی بہترین خدمات میں گزری ہے؟ گلے میں کھنکھار اٹکنے کا نام ذکر جاری ہے" یہ وہ کہے جسکی عمر ہی ذکر و شغل کی تعلیم میں بسر ہوئی ہے؟ مولانا گنج مرادآبادی کو "تارک سنت" وہ ٹھہرائے جو اپنی مجلسوں میں اور اپنے وعظوں میں بار بار اور کثرت کے ساتھ، اُنکا ذکر، پوری تعظیم، پورے احترام، پوری عقیدت کے ساتھ بہ حیثیت ایک عالم ربانی اور درویش کے کرتا رہنے کا خوگر ہو؟

کتاب "بشریٰ"

صدق ۲۷ میں بشریٰ نامے جس کتاب کے مفت مہیا ہونے کا ذکر تھا، اُسکے سلسلہ میں یہ تصریح بھی ضروری ہے کہ قیمت اصل کتاب کی نہیں لی جاتی - باقی محصول ڈاک کے لیے ٹکٹ ناشر کو بھیجنا چاہیے -

ارشاداتِ اشرفیہ

(از سید غلام رسول صاحب معتقد غوث الحق نارائن گوڑہ حیدرآباد دکن)

(۵)

(۱) نفس کو امراض باطنی (یعنی بُرے اخلاق) سے پاک کرنا تزکیہ کہلاتا ہے۔

(۲) خوف، رجا، محبت، توکل، رضا، صبر، شکر، تواضع، عقائد صحیحہ وغیرہ اختیار کرنا اعمال باطنی کہلاتے ہیں۔

(۳) دوسرے کی مصلحت (وضرورت) کو اپنی مصلحت (وضرورت) پر ترجیح دینا ایثار کہلاتا ہے۔

(۴) ہر مسلمان پر عقائد کی تصحیح اور اعمال ظاہری کی اصلاح اور (ظاہری گناہوں کے ترک) کے بعد اعمال باطنی کی اصلاح (اور باطنی گناہوں کا چھوڑنا) بھی فرض ہے۔

(۵) خواب یا بیداری کی حالت میں بلاواسطہ نظر و اکتساب غیبی راز کی باتوں کا قلب میں القا ہونا الہام و کشف کہلاتا ہے۔

(۶) قبض و بسط کی زیادتی کو ہیبت و اُنس کہتے ہیں۔

(۷) محبوب کی تجلی جلالی یعنی آثار عظمت و استغنا کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کا گرفتہ ہونا اور وارداتِ سالک کا بند ہونا قبض کہلاتا ہے۔

(۸) محبوب کی تجلی جمالی یعنے آثار لطف و فضل کے فی الحال وارد ہونے سے قلب کو فرحت و سرور حاصل ہونا اور وارداتِ سالک کا کھل جانا بسط کہلاتا ہے۔

(۹) کسی حالت محمودہ عزیزہ کا غلبہ اصطلاح صوفیاء میں حال کہلاتا ہے۔

(۱۰) کسی حالت محمودہ کے ورود سے سالک کا بیخود ہو جانا وجد کہلاتا ہے۔

ماہنامہ "ضیا"

یہ ماہوار تازہ ادبی رسالہ دو سال سے برابر پابندی وقت کے ساتھ، اپنی پوری رعنائیوں اور دلآویزیوں کے ساتھ جاری ہے ہر ماہ بہترین معیاری افسانے، غزلیں، نظمیں اور کشیدہ کاری کے نظر فریب نمونے شایع کیے جاتے ہیں۔ اسکا لحاظ خاص طور پر رکھا جاتا ہے کہ زیادہ تر مضامین خواتین ہی کے لکھے ہوئے ہوں۔ اسلیے خواتین اسکو بہت پسند کرتی ہیں اور دنیا کی معاون و سرپرست ہیں آپ بھی اسکی خریدار بن جائیے۔

سالانہ چندہ عہ، ششماہی ہے، فی پرچہ ۳

خط و کتابت و ترسیل زر کا پتہ:۔

منیجر ماہنامہ ضیا - مرشد آباد ہاؤس - گولہ گنج لکھنؤ

نمبر ۸ | دوشنبہ ۲۸ جمادی الثانی ۱۳۶۲ھ مطابق ۲۰ - جون ۱۹۴۳ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

(ایک حال کے ایم اے کے قلم سے)

اسکول کی زندگی بھی بے فکری اور غیر ذمہ داری کی زندگی ہوتی ہے۔ اس زندگی میں ایسے بیسیوں طالب علموں کا ساتھ رہا جن میں زندہ دلی اور شوخی کوٹ کوٹ کر بھری تھی۔ ابھی اس پر فقرہ کسا، ابھی اس پر پھبتی کہی۔ پورا وقت لغویوں اور بیہودگیوں میں بسر ہوتا تھا۔ ہنسی مذاق، گانا گنگنانا یہی دلچسپ ترین مشغلے تھے۔ ساتھ ہی حوصلے اتنے بڑھے ہوئے کہ ہر ہر فرد آئی - سی - ایس ہونے کا خواب دیکھ رہا ہے۔ اگر ہمت گرے تو خیر پی، سی، ایس سہی۔ سلامت رہیں اسکول کے ڈرامے، کہ انھوں نے کامیاب اداکاری پر تنے دل تھے۔ اور قدردانوں نے داد ایسی بڑھ بڑھ کر دی کہ بڑے بڑے فلم اسٹار کچھ اپنے ہمسر ہی سے نظر آنے لگے۔

زمانہ گزرتے ہوئے کچھ دیر نہیں لگتی۔ جو کل تک اسکولی لڑکے تھے اب وہ جوانی کو پہونچ چکے تھے [illegible] مدت کے بعد اب ان سے پھر ملنے کا اتفاق ہوا تو نقشہ ہی دوسرا نظر آیا۔ نہ وہ امنگیں تھیں اور نہ وہ ولولے۔ نہ وہ شوق باقی رہ گئے اور نہ وہ حوصلے۔ جو کل زندگی میں ذمہ داری سے بھاگتے تھے، حقائق زندگی کا سامنا کرتے ہوئے جی چراتے تھے، اب ذمہ داریوں کا بوجھ سر پر آ پڑا تھا۔ اپنے [illegible] کے راتب کے علاوہ بیوی بچوں اور دوسروں کا بھی

فکر، یا اب کی ہر وقت افسردگی اور پژمردگی چھائی رہنے لگی، اور جاں نگراں میں گھلنے لگی۔ جو آئی - سی - ایس ہونے یا ضلع کے ڈپٹی صاحب اور چھوٹے صاحب بننے کے خواب دیکھ رہے تھے۔ انھیں کن مصیبتوں کے بعد ۴۰ - ۵۰ روپیہ ماہوار کے مشاہرہ کی کلرکی ملی، اور دن بھر دفتر کی مزدوری میں سر کھپانا پڑا۔ کمپیٹیشن (مقابلہ) کے امتحانات میں بیٹھنا تو کیا نصیب ہوتا، چند کے سوا اسکولی ساتھیوں میں سے کوئی بی اے تک بھی نہ پہونچ سکا۔

کچھ ایسے بھی تھے جو تعلیمی زندگی کی شاہراہ یا وسط منزل ہی میں ادھورا چھوڑ کے فلمی زندگی کی طرف لپکے تھے۔ انکی آنکھیں بھی اب ٹھوکریں کھا کے کھلیں۔ پڑا انا اپنی اداکاری پر تھا۔ دو ڈھائی سال تک کلکتہ اور بمبئی کی خاک چھانی۔ اسکے بعد اپنی صحیح قیمت کا اندازہ ہوا۔ خوش آوازی، خوبروئی کے کمالات میں دوسرے ان سے بڑھ بڑھ کر باکمال نکلے۔ فلم اور اسٹیج کی ظاہری اور نمائشی زندگی کی اندرونی تلخیوں اور اندرونی سختیوں کا تجربہ اب ہوکر رہا۔ صحت، اخلاق، انسانیت، اور شرافت کی قربانیاں دے کر یہ عقدہ کھلا، کہ فلمی زندگی کے ڈھول صرف دور ہی سے سہانے ہوتے ہیں۔ شہرت و ناموری کے پیچھے جتنا دوڑے، وہ اتنا ہی بھاگتی ہی گئی۔ بڑے بڑے تلخ تجربے حاصل کرکے بے نیل مرام وطن واپس آئے۔ اب فلم اور فلمی زندگی پر لعنت بھیجتے ہیں، اور ان سوسائٹیوں اور ان دوستوں کو کوستے ہیں، جنھوں نے لڑکپن میں یہ سبز باغ دکھائے تھے۔ اب خود ہیں اور دفتروں کی بان لیوا زندگی کا چکر!

کام کی رفتار

اُردو تفسیر کا ۔۔۔۔ اول بحمداللہ اندازہ کے مطابق ۲۹ پارے تک پورا ہوگیا اب بقیہ پارہ ۰ انشاءاللہ ایک ماہ کا کام ہے ۔ دو چار مہینے کا وقفہ دوسرے کاموں کے لیے نکال کر اسکے بعد اس پر نظرثانی شروع ہوگی ۔ وہ بھی پورا وقت لے گی ۔ نظرثانی سرسری ترمیم کا نام نہیں ۔ بہت زیادہ اضافے اسی وقت کے لیے اُٹھا رکھے ہیں ۔

پارہ اول البتہ تقریباً تیار ہے اور صاف ہو رہا ہے ۔ اور ناشر صاحب نے اگر طلب کیا تو اسی درمیان میں انکے حوالے کردیا جائیگا ۔ اب آگے انکی مستعدی پر ہے ۔

امداد اس مد میں پچھلے ماہ میں رقوم ذیل کی قبول کی گئی

۱۔ ایک مخلص مقیم بہنی ور عشقہ (صہ اہوار کی دو قسطیں ۲۰ روپیہ)

۲۔ نواب غلام احمد کلامی ناگ (میسور) (۲۵ ر قسط نمبر)

موصوف صدق کے پرانے کرم فرما اور اسلامی جنوبی ہند کے مشہور مخلص قلمکار کن ہیں ۔ عمر انشاءاللہ ۸۰ سال کے قریب ہوچکی ہے ۔ اللہ انکے سے مخلص کی عمر ، صحت ، وسعادت میں بیش از بیش برکت عطا فرمائے ۔

فسق کی وبا

بمبئی کے روزنامہ خلافت کا اقتباس بمبئی کارپوریشن کے ایک جلسہ کے سلسلہ میں :۔

"گذشتہ اجلاس میں لیڈی سپرنٹنڈنٹ مرہٹی گرلز اسکول کا یہ مطالبہ زیرغور آیا تھا کہ بچیوں کو ناچنے کی تعلیم دینے کا بہت زیادہ اصرار ہو رہا ہے ۔ اسکے لیے کسی مستقل معلم یا معلمہ کا تقرر منظور کیا جائے ۔ یہاں یہ بات بھی ملحوظ رکھنی چاہیے کہ گانے (موسیقی) کی تعلیم کے لیے اسپیشل ٹیچر پہلے سے مقرر ہیں ، اور ہندو بچیوں کو گانے کی تعلیم مدت سے دی جارہی ہے ۔ گانا چونکہ بغیر ناچنے کے نامکمل رہتا ہے اس لیے اب ماہر رقص کا بھی تقرر ضروری سمجھا جارہا ہے ۔"

یہ مثال صرف نمونہ کے طور پر نقل ہوئی ۔ باقی یہ گانے بجانے بلکہ ناچ تک کو جزو تعلیم بنانے کا مطالبہ تو عام ہوتا جارہا ہے ۔ اور شیطان نے اس راہ سے حملہ پوری قوت اور زور کے ساتھ شروع کردیا ہے ۔ ——— تحریک کی ابتدا غیرمسلموں کی طرف سے ہوتی ہے ۔ لیکن مسلمان جو ہر چیز میں دوسروں کی تقلید اور اندھا دھند تقلید کے خوگر ہو چکے ہیں ، کیونکر اسکے اثر سے اپنے کو بچا سکینگے ؟ بلکہ بالکل بچے ہوئے اب بھی کب ہیں ؟ ناچ گانا تو ہندو تہذیب کا عین جزو ہیں ۔ دیوتاؤں نے اسے پسند کیا ہے ، خود شرکت کی ہے ۔ راگ ایجاد کیے ہیں ، مسود اعظم شیو جی مسلسل رقص کرتا ہے ۔ اور فرنگی تہذیب میں رقص و سرود کی جو اہمیت ہے ، وہ بھی بالکل ظاہر ہے ۔ چکی کے ان دونوں پاٹوں کے بیچ میں آکر مسلمان مذہب اپنا ، انفرادیت و شخصیت کب تک محفوظ رہ سکتا ہے ؟ کیا اب بھی وقت نہیں آیا ہے کہ اہل فکر و ارباب شعور مل کر اس فتنہ کے مقابلہ کے لیے مسلمان اپنا ایک متحدہ محاذ قائم کریں اور ہر سیاسی مسلک کے لوگ کم از کم اس جزو پر تو ہم آواز ہو جائیں ! شرکاء ہیں یک

اندھ حالت کیا ہے کیا ہو چکی ہے اور اللہ ہی بہتر جانتا ہے کہ دس برس بعد ہماری شرافت و عزت کی اس راستہ کی نوبت کیا ہو کر رہیگی !

فسق کا حملہ

" فلم سازی کے نقصان کا اندازہ اسی سے لگایا جاسکتا ہے کہ چھ چھ سات سات اور دس دس سال کے معصوم بچے اپنے نفع و نقصان سے بیخبر حالت میں بازاروں اور گلیوں میں

آئے بھی وہ گئے بھی اور افسانہ ہوگیا

وغیرہ عشقیہ گیت گاتے ہیں ، اور اگر یہ مبالغہ نہ سمجھا جائے تو کہا جاسکتا ہے کہ اس فلم سازی نے ملک کی آیندہ نسل ہی بالکل تباہ کردی "۔

یہ رائے ایک غیرمسلم اخبار روس نے ظاہر کی ہے ۔ ان کے نزدیک فلم سازی مطلقاً مذموم نہیں ، بلکہ روشن اور تاریک ، مفید و مضر دونوں پہلو رکھتی ہے ——— واقعات و مشاہدات ، تجربات بالکل صحیح ہیں ، لیکن آیندہ نسل کی اس ساری "تباہی" کو آخر تباہی ہی کیوں فرض کرلیا جائے ؟ یہ علامتیں تو عین ترقی ، آرٹ نوازی ، جمال دوستی کی ہیں !

ناکافی علاج

دہلی کا ایک مشہور غیرمسلم متمدن "تعلیم یافتہ غنڈہ ازم" کا ایک تازہ واقعہ درج کرنے کے بعد لکھتا ہے :۔

"کسی خاتون سے گندہ مذاق کرنے کی دفعات میں زیادہ سزا نہیں ، اور عام طور سے کچھ جرمانہ ہو جاتا ہے ۔ جو اس تعلیم یافتہ غنڈہ ازم کو ختم کرنے کے لیے کافی نہیں ۔ ضرورت ہے کہ پنجاب گورنمنٹ اپنے صوبہ کے اس شرمناک سیاہ دھبے پر فوراً توجہ دے اور ایسے بل کے ذریعہ اس تعلیم یافتہ غنڈہ ازم کا سد باب بیدوں کی سزا مقرر کیا جائے اور بید بھی چوکوں اور گزرگاہوں میں لگائے جائیں تاکہ دوسرے ان طلبا کو عبرت ہو ۔ جو خواتین کو ناجائز دق کرنے کو ہی عشقبازی سمجھے ہوئے ہیں ۔ اور محبت کو رسوا کرتے ہیں "۔

ایسے کھلے ہوئے بدمعاشوں اور گندہ فطرتوں کے لیے سزا بید اور تازیانہ کی عین مناسب اور تعزیرات اسلامی کے مزاج کے بالکل مطابق ہے ، گو بیسویں صدی عیسوی کے وسط میں اسے پیش کرنا خود بڑی ہمت اور مردانگی کا کام ہے ۔ لیکن اصل سوال یہ ہے کہ محض سزا کیسی ہی سخت سہی جرم کی روک تھام کے لیے کافی بھی ہوگی ؟ اسکولوں اور کالجوں کی جب تک یہ آزادیاں اور بیباکیاں قائم ، بیشرمی ، بیحیائی اور عریانی جب تک داخل فیشن سمجھی جائینگی ، بے حجابی اور آزادانہ اختلاط کی جب تک داد ملتی رہیگی ، "ڈانس" اور "میوزک" جب تک دلیل عزت سمجھے جائینگے ، سنیما ، تھیٹر اور آپیرا جب تک واعظوں رہنما رہینگے ،

کا بیبل [illegible] نیگا، "لحاف" اور "ڈیبلن" جیسے افسانے جینک روپ لطیفیت کے نمونے سمجھے جاتے رہیں گے، کوئی بھی عدالتی سزا کافی ہو سکتی ہے؟ ـــ فرمایا "مینٔ تختہ بندی" کے ساتھ "دامن تر نہ ہونے پائے" کا حکم کہیں بھی نبھ سکتا ہے؟ یہ تو اسلام ہی کا قانون ہے، جس نے بدی اور بدکاری کے ساتھ ساتھ اُسکے اصلی سرچشموں کو بھی بند کیا ہے!

"ڈائری" اور "نقوش"

"نقوش و تاثرات" ختم کے بعد لکھنؤ سے ایک مراسلہ :-

"نقوش و تاثرات کا ہر نمبر جب ختم ہوتا ہے تو عجب کیفیت ہوتی ہے۔ کچھ اپنی بے بسی پر جھنجھلاہٹ اور کچھ ہنسی اور پھر آئندہ کا شدید انتظار۔ پچھلے نمبر کے خاتمہ پر تو بہت ہی ہنسی آئی کہ کہاں جاکر چھوڑا ہے کہ کچھ بتائے نہیں بنتی۔ خیر یہ سلسلہ تو ان شاء اللہ مکمل ہو ہی جائیگا۔ لیکن ایک بات اسی ضمن میں اور عرض کرنا ہے، وہ یہ کہ "محمد علی: ذاتی ڈائری کے چند ورق" کا سلسلہ بھی کچھ کم ضروری نہیں بلکہ چونکہ اسکے نامکمل ہی رہ جانے کا خدانخواستہ اندیشہ زیادہ ہے اس لیے اُدھر توجہ فرمانے کی اور زیادہ ضرورت ہے۔ اور کچھ نہیں تو سالہا سال یہ تو یقینی ہے کہ مطبوعہ و شائع شدہ اوراق کی نظر ثانی بھی ہو جائیگی۔"

بیشک دونوں سلسلوں کی تکمیل اپنی اپنی جگہ ضروری ہے۔ حکیم الامت جیسے مخدوم ملت اور مقتدائے دین کی عظمت شریعت و طریقت کو کسی درجہ میں بھی اپنی بساط کے لائق روشناس کرانا خود اپنے لیے سرمایۂ سعادت و افتخار رہے۔ عظمت و احترام کا حق کسی ادنیٰ درجہ میں بھی ادا ہو جائے تو زہے نصیب!

ترسے جواہر طرف کلہ کو کیا دیکھیں
ہم اوج طالع لعل و گہر کو دیکھتے ہیں!

اسی طرح دین کے اُس دیوانے اور متوالے، اور ملت کے اس عاشق شیدائی، چاک گریباں، محمد علیؒ کی تصویر کسی حد تک بھی اگر کاغذ کے صفحہ پر اُتر سکے، تو کچھ تو حق محبت کا ادا ہو جائے۔ لوگ "ڈائری" کی داد دیتے دیتے شاعری کی حد تک پہونچ جاتے ہیں یہ ساری لذت اور کسک تو خود محمد علیؒ کی محبوبیت کا صدقہ ہے!

جان ڈالی ہے ترے نام نے افسانے میں!

بس ہر مخلص دعا صرف اتنی کرتا رہے کہ اللہ دوسرے ضروری کاموں کے ساتھ ساتھ تو ان دونوں ضروری کاموں کے بھی انجام تک پہونچانے کی فرصت و ہمت نصیب کرے! وقت تو آخر محدود ہی ہے، کن کن کاموں کے لیے نکالا جا سکتا ہے۔ کم لوگوں کو معلوم ہوگا کہ اس ناچیز نے اس سن و سال میں، اور وہ بھی دیہات میں بیٹھ کر ایک نئی زبان (جرمن) کی تحصیل شروع کر دی ہے۔ اور بھولی بھالی ہوئی عربی صرف و نحو

ـــ ... رستہ ہے اب وقت کا لا ہے۔ تو ہیں بہرحال محدود اور فرصتِ عمر محدود تر!

جگر میں اُٹھے کہ دل میں کہاں کہاں اُٹھے
کسی کا درد محبت عجب عذاب میں ہے!

ایک مردہ دل قوم!

ایک سکھ بزرگ قوم کے قلم سے ہمعصر ریاست (دہلی) میں :-

"جب سے سکھ قوم عالم وجود میں آئی، اس نے طوائفوں، نقالوں، بھانڈوں، بہروپیوں اور راس دھاریوں وغیرہ کی ہمیشہ ہی مخالفت کی گئی، چنانچہ یہ تعجب کے ساتھ سنا جائیگا کہ اسوقت ۵۰ لاکھ کے قریب سکھوں میں ایک سکھ بھی پیشہ ور عورت، نقال، بہروپیا یا راس دھاری نہیں۔ حالانکہ موسیقی کا سکھ مذہب کے ساتھ اتنا ہی تعلق ہے جتنا ایک ہندو کا شاستروں کے ساتھ۔ یعنی کوئی گوردوارہ ایسا نہیں جہاں صبح ۴ بجے سے ۸ بجے تک سازوں کے ساتھ گورو صاحبوں کے بھجن نہ گائے جاتے ہوں۔"

لا حول ولا قوۃ! یہ سکھ قوم تو بڑی ہی مردہ دل نکلی، اور رندگردی کی اس نے رجعت پسندی کی! ۵۰ لاکھ کی آبادی میں نہ ایک عورت بیسوا، نہ ایک مرد بھانڈ یا نقال! گویا آرٹ کی کوئی قدر ہی اس توحید کا عقیدہ، اور چہرہ پر داڑھی رکھنے والی قوم کے دل میں نہیں! اسے آخر اس ترقی اور ترقی پسندی کے دور میں زندہ رہنے کا کیا حق ہے!

مسلمان بیسواؤں، مسلمان بھانڈوں، نقالوں، مسلمان ایکٹروں اور ایکٹرسوں کی پوری آبادی کی آبادی اپنے اندر شامل رکھنے والے مسلمان اب بھی کچھ شرمائیں گے؟ غیرت محسوس کرینگے؟

فحش لٹریچر کی اشاعت

حکومت پنجاب کے بعض ذمہ دار افسر محسوس کر رہے ہیں کہ کچھ مدت سے پنجاب میں فحش لٹریچر کی اشاعت روز افزوں ہو رہی ہے۔ اور اب تک جو انسدادی تدابیر اختیار کی گئی ہیں، ان سے کوئی خاطر خواہ نتیجہ برآمد نہیں ہوا۔ بعض ہفتہ وار اخبار اس معاملہ میں خاص طور پر قابل اعتراض ہیں۔ اور اکثر حالات میں اس قسم کی گندی کتابیں دہلی کے کسی پریس میں چھپ کر لاہور میں فروخت ہوتی ہیں۔ بیان کیا جاتا ہے کہ جب کسی شخص کے خلاف فحش نگاری کا مقدمہ قائم کیا جاتا ہے تو بعض اچھے خاصے معزز آدمی جن میں ایم۔ ایل۔ اے اور سول سروس کے بعض افسر بھی شامل ہیں ملزموں کے حق میں شہادتیں دے کر اس قسم کے لٹریچر کو "ترقی پسند ادبیات" میں شامل [illegible]۔ ایسے حالات میں حکومت کو اکثر ناکامی ہوتی ہے۔ اور جب ترقی پسند ہو یا غیر ترقی پسند، تحریر و تقریر میں اخلاق کا ایک خاص معیار ہر حالت میں مدنظر رکھنا

اصلاحاتِ مسلم یونیورسٹی

[شیخ ظفر احمد صاحب صدیقی ایم اے لکچرار انٹرمیڈیٹ اسلامیہ کالج الہ آباد و ممبر مسلم یونیورسٹی کورٹ کی تحریک پر حال میں ایک سب کمیٹی یونیورسٹی کی طلبہ کی مذہبی اصلاحات سے متعلق بنی ہے - ذیل میں اس کمیٹی کے سوالات مع جوابات درج کیے جاتے ہیں]

س ۱ - اسلامی نقطۂ نظر سے آپ علیگڑھ مسلم یونیورسٹی کے ماحول میں کیا کمی پاتے ہیں اگر پاتے ہیں تو آپ اس کمی کو دور کرنے کے لیے کوئی عملی تجاویز پیش کر سکتے ہیں -

ج ۱ - ماحول میں اسلامیت کی کمی تو یقینی اور بدیہی ہے - بعض اصلاحوں سے صورت حال کسی حد تک یقیناً بہتر بنائی جا سکتی ہے - لیکن جو خرابیاں بنیادی ہیں داخل ہیں ان کی اصلاح نہ اس کمیٹی کے بس میں ہے اور نہ یہ کمیٹی اسکی مجاز ہے -

س ۲ - کیا آپ کے خیال میں کچھ ایسے اثرات ہیں جو یونیورسٹی میں اسلامی فضا کے قیام میں رکاوٹ ہیں -

ج ۲ - جی ہاں ایسے موثرات متعدد ہیں ان میں سے دو اہم موثرات یہ ہیں -

(الف) مختلف مضامین کا اسلامی و دینی نقطۂ نظر سے ناقص و قابل اعتراض کورس (شاعری، ادب، تاریخ وغیرہ کی بہت سی کتابیں اس ذیل میں آجائینگی)

(ب) اسٹاف کے اکثر ارکان کی غیر اسلامی بلکہ بعض ارکان کی تو مخالف اسلام زندگی

س ۳ - کیا طلبہ کی کثرت ارکان اسلام کی پابند ہے اگر نہیں تو آپ کے خیال میں اسکی کیا وجہ ہے -

ج ۳ - طلبہ کی اکثریت ارکان اسلام کی پابند نہیں - وجہ بالکل ظاہر ہے بعض اساتذہ اور یونیورسٹی کے اعلیٰ عہدہ داران کی اکثریت خود ہی کب ارکان اسلام کی پابند ہے؟ طلبہ وہی رنگ قبول کرتے ہیں جو اپنے بڑوں کا پاتے ہیں -

س ۴ - کیا آپ کے خیال میں طلبہ کی نماز کی حاضری کے لیے جو موجودہ نظام ہے وہ کافی ہے؟

ج ۴ - بالکل ناکافی - جب تک اسٹاف خصوصاً اسکے سینیر ممبروں کو نماز کی پابندی کا لزوم نہ کی جائیگی محض طلبہ پر ساری سختیاں بے اثر رہینگی - یہ رائے پوری ذمہ داری کے احساس کے ساتھ ظاہر کی جا رہی ہے -

س ۵ - کیا آپ کے خیال میں عام طور سے یونیورسٹی میں تقریباً چار سال گزرنے کے بعد ایک طالب علم علی حیثیت اسلام زیادہ نزدیک ہو جاتا ہے یا دور -

ج ۵ - اگر دور نہیں ہوتا تو نزدیک بھی نہیں ہوتا -

س ۶ - کیا آپ کے خیال میں یونیورسٹی کی فضا اسلامی زندگی کا صحیح نمونہ طلبا کے سامنے پیش کرتی ہے -

ج ۶ - جی نہیں، بالکل نہیں - جب تک وہ اس حاضرات ملکر جملہ تک یونیورسٹی کے عہدہ دار، اور فلسفہ، سائنس، تاریخ، انگریزی کے اساتذہ خود اسلامی سیرت و صورت کا نمونہ پیش کریں گے طلب اسی طرح بھٹکتے پھرینگے

س ۷ - کیا یونیورسٹی کے نصاب تعلیم میں کوئی ایسی کتابیں بھی ہیں جو دینی عقائد کی تخریب کرنے والی یا اسلامی نقطۂ نظر سے قابل اعتراض ہیں -

ج ۷ - جی ہاں - برابر ہر سال کسی نہ کسی مضمون میں لغو اور بیہودہ کتابیں رہا کرتی ہیں - کبھی اردو ادب میں، کبھی انگریزی ادب میں، کبھی تاریخ میں، کبھی کسی اور مضمون میں -

س ۸ - کیا یونیورسٹی کے نصاب دینیات اور تعلیم دینیات کو ہمارے نوجوان طلبہ کی ضروریات کے مطابق بہتر بنانے کے لیے آپ کوئی تجاویز پیش کر سکتے ہیں؟

ج ۸ - اصلاح نصاب دینیات و تعلیم دینیات تو بجائے خود ایک طویل و مستقل موضوع ہے - یہاں اشارۃً صرف دو باتیں عرض کرنے کی گنجایش ہے -

(الف) نصاب میں برابر اسکا لحاظ رہے کہ وہ عامیوں کے لیے اور بوڑھوں کے لیے نہیں، نوجوانوں اور انگریزی سے متاثر دماغ والے نوجوانوں کے لیے ہے - ان کتابوں کے لکھنے والے چاہے خود کسی پایہ کے محدث و فقیہ نہ ہوں لیکن متکلم ضرور ہوں - اور کتابیں ایک مخصوص و متعین ضرورت کو پیش نظر رکھکر لکھی گئی ہوں -

(ب) یہی معیار اساتذۂ دینیات کے لیے ہونا چاہیے - وہ چاہے بڑے عابد و زاہد و تہجد گزار نہ ہوں، لیکن ایسے ضرور ہوں جو اپنی سیرت و کردار کی بنا پر طلبہ پر اپنا اثر قائم کر سکیں، اپنی وقعت پیدا کر سکیں - اور گفتگو بیسویں صدی کی زبان میں کر سکیں - بہر صورت یہ ہمیشہ ملحوظ رہے کہ علیگڈھ، علیگڈھ ہے، دیوبند یا فرنگی محل نہیں ہے -

س ۹ - اسلام کا مفہوم کیا ہے؟

ج ۹ - ایمان و حسن عمل -

س ۱۰ - اسلام کا مقصد کیا ہے؟

ج ۱۰ - بندوں میں عبدیت کا شعور و احساس پیدا کرنا اور انہیں انفرادی و اجتماعی، ظاہری و باطنی ہر حیثیت سے کامل اور بہترین بندہ بنانا -

س ۱۱ - اس مقصد کے حصول کا کیا طریقہ ہے؟

ج ۱۱ - احکام اسلام پر عمل -

س ۱۲ - کیا تشبہ بالکفار والمشرکین سے ایک شخص جرم اسلام کا مرتکب نہیں ہوتا؟

ج ۱۲ - یقیناً غیر مسلموں سے ارادی تشبہ ایک شرعی جرم ہے، البتہ تشبہ کے مدارج مختلف ہیں اور اسی تناسب سے جرم کی اہمیت گھٹتی اور بڑھتی رہتی ہے -

س ۱۳ - کیا امورین یونیورسٹی کا ارکان اسلام کی پابندی کا نمونہ

پیشگی یا یونیورسٹی میں اسلامی فضا پیدا کرنے کے لیے معاون ہو سکتا ہے۔

ج ۱۲۔ یقیناً بلکہ یہ تو اشد ضروری ہے اور دین لوازم میں داخل ہے۔

س ۱۳۔ کیا اسلامی اصول و اعمال کے غلبۂ مطلق کے بغیر اسلامی روح پیدا ہو سکتی ہے ؟

ج ۱۳۔ ہرگز نہیں۔ اگر یہ ممکن ہوتا تو احکام شریعت کے نفاذ کی تاکید کی ضرورت ہی کیا تھی۔

س ۱۴۔ کیا اللہ تعالیٰ سے تعلق اور اولی الامر کی اطاعت کی تربیت کے بغیر اسلامی روح پیدا ہو سکتی ہے ؟

ج ۱۵۔ تعلق الٰہی تو بہر صورت لازمی ہے۔ البتہ اولوالامر کی تعیین اور اسکی اطاعت کے حدود میں گفتگو کی گنجائش ہے۔

س ۱۶۔ کیا اسلامی صورت و سیرت کے وقار و احترام کے بغیر اسلامی روح پیدا ہو سکتی ہے ؟

ج ۱۶۔ ہرگز نہیں۔ البتہ سیرت اسلامی صورت اسلامی پر مقدم ہے۔

س ۱۷۔ کیا غیر ملکی الفاظ کے بجائے عربی الفاظ کا استعمال اسلامی فضا کی تقویت کا باعث ہو سکتا ہے ؟

ج ۱۷۔ ایک حد تک۔

س ۱۸۔ کیا طلبہ اور اسٹاف کی کوئی ایسی جماعت جو اسلامی فضا کی علمبردار ہونے کا ذمہ اٹھائے اور اسکی طرف سے مقصد مطلوبہ کے لیے ایک رسالہ کا اجراء اسلامی فضا کے قیام میں مفید ہو سکتا ہے۔

ج ۱۸۔ ضرور مفید ہوگا بشرطیکہ خود مصلحین ہی کہیں غلط راہ پر نہ پڑ جائیں اور جزئیات میں غلو؛ انکا کہ خود بے دانشی اور خلاف حکمت ہے۔

عقیدۂ توحید اور صحت

ہم میں سے ہر شخص آرام و راحت، فرحت و مسرت اور صحتمند زندگی کی تمام برکتوں سے بہرہ ور ہونے کی آرزو رکھتا ہے اور ہر شخص کو اسکے حصہ کے مطابق یہ برکتیں ضرور حاصل ہوتی ہیں۔ لیکن ایسے لوگ بہت کم ہیں جنکی توجہ اس مبدأ فیاض کی طرف منعطف ہو جسکی

طرف سے یہ تمام برکتیں نعمتیں ہم پر نازل ہوتی ہیں۔ تمام فیوض و برکات کا مبدأ اور منبع خدا کی ذات ہے، جو رحمٰن و رحیم ہے، فیاض و کریم ہے اور جو اپنے نیک بندوں کی اس بات کو پسند کرتا ہے کہ وہ اس کی دی ہوئی نعمتوں کا اعتراف اسکی حمد و ثنا کے ساتھ کریں اور اسی سے ہر لمحہ رہنمائی اور دستگیری کی توقع رکھیں۔

نہ صرف روحانی ارتقاء کے لیے بلکہ جسمانی صحت اور اپنی قوت عمل کو تر و تازہ رکھنے کے لیے یہ بھی ضروری ہے کہ خدا کی ذات پر ہمارا اعتقاد غیر متزلزل ہو اور ہمیں اچھی طرح معلوم ہو کہ بیماری، ناچاری، مصیبت، خوف و دہشت، رنج و غم اور پریشانی کے

موقع پر ہم کو ہمدردی، مدد، طاقت اور رہنمائی کے لیے اسی کی برتر و بہتر ذات کی طرف رجوع کرنا چاہیے۔ جسمانی تندرستی بڑی حد تک صحت پر منحصر ہوتی ہے۔ روحانی اطمینان کا مطلب ہے خوف اور کشمکش سے چھٹکارا پا لینا۔ اور یہ چیز صرف انھیں کو حاصل ہوتی ہے جو اپنے خالق کو جانتے اور پہچانتے ہیں اور اسکا شکر ادا کرتے رہتے ہیں۔ (مجلۂ صحت عامہ)

طلبہ کا شرمناک رویّہ

۳۔ جون کو پنجاب یونیورسٹی سینٹ کے اجلاس میں پرنسپلوں کے تقرر کے سلسلہ میں ایک قرارداد پیش ہوئی۔

... اس قرارداد پر بحث کے دوران میں معزز اور ذمہ دار حضرات نے نہایت زوردار الفاظ میں لاہور کے کالجوں کے طلبہ کی اخلاقی حالت پر تبصرہ کیا اور لارنس گارڈن اور دوسرے مقامات پر کالجوں کے طلبہ آوارگی اور بداخلاقی کے مظاہرے آئے دن کرتے رہتے ہیں۔ انکا ذکر کیا۔ ایک صاحب نے یہ بھی کہا کہ راتوں کو یہ طلبہ ہوٹلوں میں خوش وقتی کرتے ہیں اور آدھی آدھی رات تک اپنے ہوسٹلوں سے باہر رہتے ہیں۔ انکا یہ رویہ علی العموم نہایت شرمناک ہے۔ انکے والدین انھیں تعلیم و تربیت کے لیے یونیورسٹی کے سپرد کرتے ہیں۔ لیکن یونیورسٹی نے اب تک ان کی تہذیب و درستی اخلاق کے سلسلہ میں کوئی مؤثر قدم نہیں اٹھایا۔

بحث کے بعد قرارداد منظور ہو گئی۔ لیکن سنڈیکیٹ کو مشورہ دیا گیا کہ وہ پرنسپلوں کی ایک کمیٹی مقرر کرے جو عملی تدابیر تجویز کرے لیکن ہمارے نزدیک یہ کمیٹیاں بالکل مفید نہیں ہو سکتیں۔ نوجوانوں کی آوارگی اور اخلاق باختگی کے اسباب بالکل دوسرے ہیں۔ جب تک انھیں کالجوں میں مذہب و اخلاق کی پابندی کی تعلیم نہ دی جائیگی اور جب تک ایسے اساتذہ مہیا نہ کیے جائیں گے جو نیکی اور شائستگی میں طلبہ کے لیے نمونہ ہوں۔ کوئی تدبیر اور کوئی نگرانی طلبہ کے رویہ کو درست نہیں کر سکتی۔ (از انقلاب)

(بقیہ صفحہ ۸)

اور اپنی نانیوں دادیوں کے قوے کو اپنے اندر برقرار رکھتی ہوتیں تو بغیر خوف انکار یہ کہا جا سکتا تھا کہ اب مرد عورتوں کی جسمانی حیثیت ساری ہی ہنیں کمتر ہیں۔ مگر بدقسمتی سے یہی ماحول جو لڑکوں کو بگاڑ رہا ہے لڑکیوں کو بھی بگاڑ رہا ہے۔ نہ لڑکوں کو مذہبی شعائر کا کوئی خیال ہے۔ لڑکیوں کو۔ نوجوان نسل کے زیر تعلیم "فیشنل" لڑکے مسجد میں اگر کبھی داخل بھی ہوتے ہیں تو صرف حوض کے پانی سے منہ دھو کر صحن مسجد کے زینہ پر لگی ہوئی آرسی میں جب تک بیچھے ہوسے پوڈر، آئینہ اور کنگھی کا استعمال کر کے سینما جانے کے لیے اور لڑکیوں کا احول نہ پوچھیے۔ وہ تو بجائے قدرتی اور مصنوعی زینتوں کے ساتھ کاموں میں مردوں کے ہمدوش ہو کر چشم و گوش، نیت و عمل کی لغزشوں پر ابھارتا رہتا

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۱۹)

(س، علامت سوال کی ہے اور ج علامت جواب کی)

س ۔ پہلے گزارش کی تھی اور اب دوبارہ عرض ہے کہ حضرت تھانویؒ نے تصوف کے مطالعہ کو اس وقت تک منع کیا ہے جب تک انسان علوم عقلیہ و نقلیہ کا ماہر نہ ہو۔ دارالعلوم ... میں منقولات کا تو خیر پورا انتظام ہے مگر معقولات کا حضرت تھانویؒ کے معیار کے مطابق انتظام نہیں ہے۔ فلسفہ کی آخری کتاب میبذی اور منطق کی آخری کتاب قطبی ہے۔ آنجناب سے گزارش ہے کہ براہ کرم میرے اس التباس کو دور فرمائیں

ج ۔ حکیم الامتؒ کی اصل عبارت تو پیش نظر ہے نہیں۔ لیکن یقیناً آپؒ نے جس چیز سے ایک وقت خاص تک کے لیے منع فرمایا ہوگا وہ فنِ تصوف ہے، جس میں دقیق مباحث وحدت وجود، وحدت شہود، صحو و سکر، قبض و بسط، تجدد امثال وغیرہ کے آتے رہتے ہیں۔ اور وہ بغیر فلسفہ و کلام وغیرہ میں مہارت کے طے نہیں ہوسکتے۔ اس اصطلاحی فنِ تصوف سے بالکل الگ سوال اپنی اصلاح باطن کا ہے، اور وہ اصلاح ظاہر کی طرح ہر مسلمان پر واجب ہے۔ اسکو دقیق مسائل فن سے کچھ تعلق نہیں۔ سراسر عملی چیز ہے۔ اور اسکی تعلیم حکیم الامتؒ رات دن دیا کرتے تھے، عامی و عالم سب کو۔ مثال بالکل طب کی سی ہے۔ ایک تو فنِ طب ہے۔ اسکی باقاعدہ تحصیل سے قبل بعض علوم ابتدائی میں مہارت ضروری ہے۔ دوسری چیز ہے اپنی صحت درست رکھنے کے ڈھنگ اور طریقے۔ وہ سب ہی کو سیکھنے لازم ہیں۔

س ۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ آج قرآن شریف کی تلاوت ترجمہ کے ساتھ ختم ہوئی۔ یہ پہلا موقع ہے کہ تلاوت ترجمہ کے ساتھ کی گئی۔ آئندہ بھی دعا ہے کہ اللہ اپنے فضل سے اور زیادہ توفیق عطا فرمائے۔ مولانا تھانویؒ کے ترجمہ کی تلاش جاری ہے۔ مروجہ ترجمہ لفظی ہونے کی وجہ سے بے ربط ہوگیا ہے۔ ہم ایسے کم علموں کے لیے ضرورت تفصیل کی ہے۔

ج ۔ اللہ مبارک کرے اور مزید ہمت عطا کرے۔ پرانے اردو ترجموں میں بہترین ترجمہ شاہ رفیع الدین دہلویؒ کا ہے لیکن ایک تو اسکی زبان اب بہت پرانی ہوچکی، دوسرے وہ ہے بالکل لفظی۔ حال کے ترجموں میں بہترین ترجمہ مولانا تھانوی ہی کا ہے۔ انکی حمائل آسانی سے دستیاب ہوجائیگی۔

مطالعہ محض ترجمہ کا کافی نہیں، بہت سے مقامات گنجلک رہ جائینگے۔ اردو تفسیروں میں بھی بحیثیت مجموعی مولانا تھانویؒ کی تفسیر بہترین ہے۔ گو ضخیم زیادہ ہے، اور بعض مقامات پر خود ایک مستقل شرح و حاشیہ کی محتاج ہے۔

خود عربی کی بھی اگر بقدر ضرورت تحصیل کا ارادہ کرلیا جائے تو یہ کام تھوڑی ہی سی ہمت سے ہوسکتا ہے۔ عربی زبان اتنی دشوار نہیں، جتنی عام طور سے فرض کرلی گئی ہے۔ چونکہ بہت باقاعدہ منضبط زبان ہے، اس لیے شروع میں محنت قاعدوں کے حفظ کرنے میں پڑتی ہے، اسکے بعد راستہ صاف ہوجاتا ہے۔ یہ نہیں کہ اردو کی برابر محتاجی اہل زبان کی رہے۔ اور اب تو کتابیں عربی سیکھنے کی اردو میں آسان آسان تیار ہوگئی ہیں۔ ایک مستعد گریجویٹ آدھ گھنٹہ روزانہ (یا اس سے بھی کچھ کم) اپنی فرصت کا نکال سکے، تو چھ مہینے میں بہت کچھ آسکتا ہے۔

س ۔ میری دوکان کا نام راجہ کمپنی ہے، اسی طرح اور بہت سی فرمیں ایسی ہیں کہ ان سے ہندویت یا انگریزیت ظاہر ہوتی ہے۔ ابھی ایک عزیز نے فرمایا کہ تجارتی اداروں کا بھی ایسا نام رکھنا مناسب نہیں ہے، وہ بھی من تشبہ بقوم کی زد میں آسکتے ہیں۔

ج ۔ بات اصلاً بالکل صحیح ہے، لیکن یہاں اس اصل کے انطباق میں گفتگو کی گنجائش ہے۔ لفظ "راجہ" کا استعمال غالب بیشک ہندوؤں ہی میں ہے، لیکن یہ سمجھنا ذرا زیادتی ہے کہ یہ لفظ خالص مشرکانہ ہے۔ ہمارے صوبہ اودھ میں ایک نہیں متعدد "راجہ" پشتہا پشت سے مسلمان چلے آرہے ہیں، شیخ صدیقی تک ان میں ہیں۔ یہ خطابی راجہ ہیں۔ اور پنجاب میں بہت سے مسلمان خاندانی راجہ ہیں۔

اس لیے تشبہ حرام کی حد تک تو یہ نام نہیں پہونچتا، تاہم شبہ تشبہ سے بھی بچنا دلیل مزید احتیاط و تقوے کی ہوگی۔ فان ذالک من عزم الامور۔

(بقیہ صفحہ ۳)

پڑیگا اور دنیا کی ہر قوم اس قسم کے کسی نہ کسی معیار کی پابند ہے۔ پرانے زمانہ میں بھی بعض شعرا کبھی کبھی فحش نویسی کا مشغلہ اختیار کرلیتے تھے لیکن ایک تو شاذ و نادر ایسا ہوتا تھا، دوسرے کوئی شاعر ادیب نقاد یا بلند اخلاق آدمی تو انکی اس حرکت کو نہ پسندیدہ قرار دیتا تھا نہ اسکو ادب اور آرٹ کی خدمت کا مرتبہ دینے پر آمادہ ہوتا تھا۔ لیکن آج معاملہ بالکل برعکس ہے۔ اور اس پر طرہ یہ کہ زمانۂ قدیم کے بالکل خلاف آج اس قسم کا لٹریچر ہزاروں لاکھوں پرچوں اور کتابوں کی صورت میں نوجوان لڑکوں اور لڑکیوں تک کے ہاتھوں میں پہنچتا ہے اور انکی جسمانی و اخلاقی ذہنی و نفسیاتی صحت کو برباد کررہا ہے۔ (انقلاب)

ارشاداتِ اشرفیہ

(۶)

(از سید غلام رسول معتمد دعوت الحق - نارائن گوڑہ - حیدرآباد دکن)

(۱) کسی حالت محمودہ کے وارد ہونے سے سالک میں جو "تغیر" ہو بلکہ سالک کا خود اپنی حالت میں تغیر پیدا کرنے کا قصد کرنا تواجد کہلاتا ہے۔

(۲) کسی گناہ سے توبہ کرلینے کے بعد اُس کی یاد سے لذت محسوس ہونا اُس گناہ کی توبہ مقبول نہ ہونے کی علامت ہے۔

(۳) قرآن مجید کی جو تفسیر شرعی اور عربی قواعد کے خلاف ہو وہ تفسیر بالرائے کہلاتی ہے۔

(۴) ایک سلسلہ میں بیعت ہوکر دوسرے سلسلہ کے طریق پر چلنا ممنوع نہیں ہے۔

(۵) گردن جھکا کر چلنا، بات چیت اور معاملات میں سختی نہ کرنا غیظ و غضب میں مغلوب نہ ہونا، انتقام کی فکر میں نہ رہنا وغیرہ خشوع کے ظاہری آثار ہیں۔

(۶) جو شخص تخلیہ کا زیادہ اہتمام کرے وہ نقشبندی ہے اور جو تحلیہ کا زیادہ اہتمام کرے وہ چشتی ہے۔ خواہ کسی سلسلہ میں بیعت ہو۔

(۷) ریاضت و مجاہدہ سے قرب حق اور وصول الی اللہ کی استعداد اور اللہ تعالیٰ کے ساتھ خاص جذبی تعلق کا پیدا ہوجانا نسبت، سکینہ، نور کہلاتا ہے۔

(۸) تعلیم و اصلاح کی غرض سے مرید کے امراض روحانی پر مطلع ہونے کی سعی کرنا داخل تجسس اور ممنوع نہیں ہے۔

(۹) فساد کی غرض سے کسی کی پوشیدہ بات کو معلوم کرنے کی کوشش کرنا تجسس ہے۔

(۱۰) بیعت کو شرطِ نفع یا علت نفع سمجھنا بدعت ہے۔

رسید کتب

(۱) اصطلاحات پیشہ وراں حصہ ۴ — صفحات ۱۵۹، ۲۰۰، ۲۰۰
(۲) ۵ و ۶ - از مولوی ظفر الرحمٰن صاحب — علی الترتیب تقطیع ۲۲+۱۸
(۳) دہلوی — قیمت عہ، ۱۲؍، ۱۲؍ علی الترتیب

پتہ، انجمن ترقی اُردو - دریاگنج - دہلی۔

قبل کی ۳ جلدوں پر تبصرہ عرصہ ہوا نکل چکا ہے - حصہ ۴ زیورسازی، مرصع کاری، آئینہ سازی، حلوائی، باجہ سازی، نقاشی، مصوری، کتابت، طباعت، جلد سازی، قالین بندی، گاڑی بانی، حمالی، بیراگی، ملاحی وغیرہ کے الفاظ ہیں اور حصہ ششم کاشتکاری، باغبانی، آبپاشی وغیرہ پر مشتمل ہے۔ مختلف فنون اور صنعتوں کی اصطلاحات و محاورات کا ایک بے بدل خزانہ ہے - مرتب اور ناشر دونوں کے لیے قابل فخر۔

(۴) پودے اور اُنکی زندگی - از اُستاد سعید الدین صاحب صدر شعبۂ نباتات، جامعہ عثمانیہ دکن) صفحات ۱۱۰ - تقطیع ۱۸+۲۲ قیمت ۱۲؍ پتہ، انجمن ترقی اُردو - دریاگنج - دہلی۔

نباتیات (BOTANY) پر ایک ماہرفن کے قلم سے ایک مفید و قابل قدر رسالہ - تفصیلی تبصرہ کوئی ماہرفن ہی کرسکتا ہے۔

(۵) سرمایہ - از ایم ایم جوہر صاحب - صفحات ۱۲۰ - مجلد - قیمت درج نہیں - پتہ، مکتبۂ برہان - دہلی - قرول باغ۔

سوشلزم (اشتراکیت) کے امام کارل مارکس کی کتاب کیپٹل کا اپنایا ہوا ترجمہ و خلاصہ - اشتراکی نقطۂ نظر و طرز فکر کا مستند ترجمان۔

(۶) ہمارے بینک - از محمد احمد صاحب سبزواری - ایم اے - ۱۵۰ صفحات - قیمت عہ - پتہ، انجمن ترقی اُردو - دریاگنج - دہلی۔

موجودہ نظام بینکاری اور کاروباری لین دین پر اُردو میں ایک پُر معلومات، جامع و مفصل کتاب -

(۷) تاریخ امارت - از مولانا عبد الصمد رحمانی صاحب، ناظم امارت شرعیہ صوبۂ بہار - صفحات ۱۶۴ - قیمت عہ پتہ، دفتر امارت شرعیہ صوبۂ بہار -

امارت شرعیہ صوبۂ بہار کی مفصل تاریخ و تبصرہ - اور اس سے قبل کی تحریکات اسلامی پر تبصرہ -

---

دارالاشاعت لائبریری

(از قاضی محمد زاہد الحسینی صاحب شمس آباد - اٹک)

صدق کے گرامی قدر ارشاد کا اثر یہ ہوا کہ دارالاشاعت لائبریری ہی کے لیے پیشکش کی قسط دوم کا ذکر صدق کے لیے پیش کررہا ہوں -

۱- جناب سید مقبول احمد صاحب جعفری خیرآبادی کتاب میری دنیا ۲ عدد

۲- جناب حاجی شیر محمد خاں صاحب بی اے شمس آباد تفسیر بیان القرآن (تھانوی) کامل - بیان القرآن (محمد علی لاہوری) کامل - تفسیر حقانی کامل خلاصۃ التفاسیر کامل - تفسیری نوٹ - سیر الصحابہ کامل بشیر الصحابیات - تابعین کامل مفتاح العلوم (شرح مثنوی، جلد اول) سیرۃ النبی (۳ جلد) نجوم القرآن - شرح صحیح بخاری (انگریزی) از اسد نومسلم -

انکے علاوہ موصوف نے اپنی تمام کتب کو دارالاشاعت کے لیے ہر وقت استعمال کرنے کی اجازت دی ہے -

---

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسنی پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق - مرشدآباد بلڈنگ - گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

تہذیب مشرق کا انجام

تعلیم یافتہ لڑکے اور لڑکیوں کی ترقی پذیر بے غیرتی کا افسانہ ایک "قدامت پسند" باپ کی زبانی سنیے جو اخبار "دیش سیوک" میں شائع ہوا ہے۔ اپنی لڑکی کے متعلق اسکا بیان ہے کہ

"ایک دن میری سیکرٹری نے مجھے ایک ٹکٹ دیا اور بولی آج شام کو میرا ناچ ہوگا آپ دیکھنے آئیے۔ میں یہ الفاظ سن کر بھونچکا رہ گیا اور ڈپٹ کر کہا، تم پیدا ہوتے ہی مر جاتیں تو اچھا ہوتا مجھے ناچ کر بدنام نہ کرو" لڑکی نے جواب دیا "قدامت کے کہنے سے میں نہیں رک سکتی، اگر میرا بوجھ نہیں برداشت کر سکتے تو میں ابھی گھر سے چلی جاؤنگی" یہ کہکر وہ اپنے کمرے میں چلی گئی اور کتابیں اکٹھی کرنے لگی۔ یہ دیکھ کر میرے اوسان خطا ہوگئے۔ میں نے ساجت سے کہا کہ جاؤ ناچو، جو چاہتی ہو کرو، لیکن یوں بھاگ کر میری ناک نہ کٹواؤ" میں نے نجات حاصل کرنے کے لیے چاہا کہ اسکی شادی کردی جائے۔ جب اس نے سنا تو اپنی ماں سے یہاں تک کہدیا کہ اگر آپ کو شادی کرنی ہے تو جو لڑکا جی میں آئے چن لو، اگر شادی میری ہے تو آپ کو قطعاً تکلیف کرنے کی ضرورت نہیں، میں اپنا ساتھی خود ہی تلاش کرلونگی"۔

یہ ایک معزز گھرانے کی ہندو لڑکی کی "آزاد خیالی" کا ایک نمونہ تھا۔ لیکن ہندو پھر ہندو ہے۔ ایک طرف اسکا مذہب اس قدر کچا ہے کہ غیر ہندو کے ہندو سے مس کرتے ہی ٹوٹ جاتا ہے، دوسری طرف اتنا پختہ ہے کہ خدا کا انکار بھی اسے ہندو دھرم سے خارج نہیں کرسکتا۔ ایسی قوم جو خدا کو چھوڑ کر بھی اپنی سوسائٹی کا جزو بنی رہے اگر وہ اپنی تہذیب کو خیرباد کہکر مغربی تہذیب کا شکار ہو جائے تو کوئی حیرت کی بات نہیں۔ لیکن اسلام سوسائٹی نہیں ہے، وہ ایک مستقل نظام حیات ہے ایک پائدار اور غیر متبدل قانون ہے اور دین و دنیا کا ایک جامع دستور العمل ہے۔ اس میں غیر اسلامیت کے لیے کوئی گنجائش نہیں نکل سکتی، اور اسکی رو سے ایک مسلمان کو اسی وقت مسلمان کہا جائیگا جب اسکا دل و دماغ اسلامی ہو، اسکے حکومت ہو اور اس میں ایسی تکوینی اور تعمیری قوتیں ہوں کہ وہ تہذیب کے صالح عناصر کو اسلامی رنگ میں رنگ سکے اور ہر مخالف طاقت کا رخ پھیر کر اپنے آپ کو شعری رجحانات کے پل صراط سے سلامتی کے ساتھ پار لیجا سکے!

لیکن آپ یہ سن کر حیران ہونگے کہ یہی مسلمان آج ہر سیلاب میں بہتے اور ہر آندھی کے ساتھ اڑنے کے لیے تیار رہے اور ہمارے رہنما تک اس گمراہی میں مبتلا ہیں جو ہماری اجتماعی اساس کے لیے ڈائنامیٹ کا حکم رکھتی ہے۔

اگر یہ سچ ہے اور ایک مقامی اخبار کی یہ اطلاع کسی بنیاد پر قائم ہے کہ سندھ کے لیگی وزیر اعظم عورتوں اور مردوں کے مشترکہ ناچ میں شریک ہوئے، اور جب اس ناچ کو بند کرنے کی تحریک پیش ہوئی تو آنریبل موصوف نے ممبروں کی اکثریت کا ساتھ دیتے ہوئے اپنی رائے بھی نظروں ناچ کے حق میں دی تو ہم اپنے قلب کو کب تک اس دھوکے میں مبتلا رکھیں کہ لیگی صوبوں میں اسلامی آئین، اخلاق اور اسلامی تہذیب کا احترام کیا جائیگا اور "اپنے لوگ" غیروں کی نسبت اسلام کے لیے زیادہ خطرناک دشمن ثابت نہ ہونگے؟ (از ترجمان)

فیشن ایبل طالب علم

جدید وقت کے بموجب رات کے ۹ بجکر ۲۰ منٹ ہوئے ہیں ایک مسجد میں جسکی بجلی کی روشنی کے کے گئے ہیں، ایک دبلا پتلا سمنی جسم اور سیاہ رنگ کا گرچست آستینوں اور اونچے کالر کی موجودہ فیشن کی شیروانی پہنا ہوا نوجوان، داڑھی مونچھیں صاف، ننگے سر، سر کے بال پیشانی سے گدی کی طرف بے مانگ کے جمائے ہوئے، سائیکل سے اسوقت اترتا ہے جبکہ پندرہ بیس بوڑھوں اور ادھیڑ عمر والوں کی نماز عشا کو ختم ہوئے تھوڑی ہی دیر ہوئی ہے۔ اور کچھ لوگ فرض کے بعد کی سنتیں پڑھ کر اوراد و وظائف میں مصروف ہیں۔ یہ نوجوان اپنا جوتا اتار کر حوض پر آتا ہے اور بعض مصروف اوراد نمازیوں کی توجہ بے ارادہ اسکی طرف مبذول ہو جاتی ہے۔ وہ غالباً صابن سے جو اسکی جیب میں پڑا ہوا تھا حوض پر ایسی جگہ بیٹھ کر جو کسی قدر تاریکی میں تھی اپنے "تاریک چہرہ" کو خوب ویر تک دھوتا ہے، بالوں میں پانی لگاتا اور پھر ذرا دور، ذرا گہری تاریکی میں ہٹ کر اور ادھر ادھر دیکھ کر یہ اطمینان کر لینے کے بعد کہ سارے "بیوقوف" نمازی اوراد میں مصروف ہیں اور کوئی اسے دیکھ نہیں رہا ہے، جیب سے کنگھی نکالتا اور سر کے بالوں کو اس احتیاط سے سنوارتا ہے کہ شاید کوئی مشرقی لڑکی بھی اپنے بال بناتے وقت اس احتیاط کو ملحوظ نہیں رکھتی، اور کنگھی جیب میں ڈال کر سائیکل پر بیٹھ کر روانہ ہو جاتا ہے۔ اس واقعہ کا راوی نہیں بیان کرسکتا کہ آیا اس نے اپنے سیاہ چہرے کو پوڈر سے سفید کرنے اور "پنجاب کے طلبہ" کی طرح اپنے ہونٹوں کو لپ اسٹک سے سرخ کرنے کی کوشش بھی کی یا نہیں۔ شاید کا خیال ہے کہ وہ اس طرح صحن، حوض، مسجد و زینۂ مسجد سے لڑکیوں کی طرح بن سنور کر کسی سینما کو گیا کہ یہ سینما کے دوسرے شو کے آغاز کا وقت تھا! یہ نوجوان ایک نمونہ ہے آجکل کے ان مسلم نوجوانوں کا جو موجودہ غیر اسلامی ماحول میں پیدا ہو رہے ہیں اور جو اپنے قویٰ کے اعتبار سے اس نوعمری ہی میں اس حال کو پہونچ گئے ہیں کہ انھیں قدیم مشرقی عورت گردن پکڑ کر ہوا میں معلق کر سکتی تھی! اگر آجکل کی لڑکیاں بھی مختلف معاشرتی، اخلاقی، پابندیوں سے دور ہونے کی وجہ سے مقابلتہً ویسی ہی کمزور نہ ہوگئی ہوتیں

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم حافظ) عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارہ میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ و انتظامی امور
کے لیے مراسلت اس پتہ پر کیجیے:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ پانچ روپیہ
" ششماہی " "
بیرون ہند سے سالانہ ۔ اشلنگ
قیمت فی پرچہ ۱ر
ٹیلیفون نمبر ۴۹۱

صدق
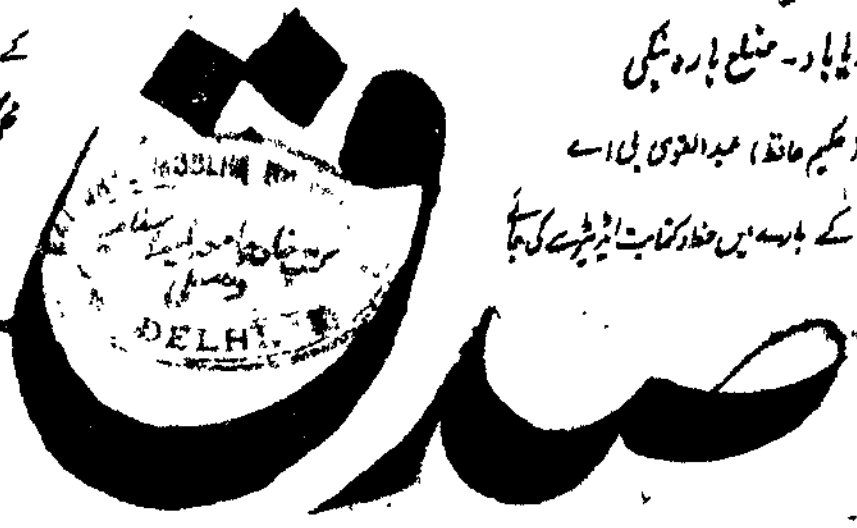
نمبر ۱۲ | دوشنبہ - ۲۶ - رجب المرجب ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۷ جولائی ۱۹۴۴ء | جلد ۱۰

یادِ ایام

نمبر (۶)

ایک سال قبل کا زمانہ ہے، سنہ ۴۳ ۱۹ء، مہینہ بھی جولائی کا، اور تاریخیں بھی یہی وسطِ ماہ کے قریب کی۔ ملت کی آنکھوں کا تارا، حکیم الامت تھانہ بھون میں موت وحیات کی کشمکش میں مبتلا ہے۔ صحت اتنی اچھی کہ دوسروں کے لیے باعثِ رشک۔ طبیعت احتیاط اور "ڈسپلن" کی اتنی خوگر کہ پرہیزگاری جزو زندگی بن چکا ہے، اور جو اخلاقی، روحانی، دینی حیثیت سے پرہیزگاری کا مجسمہ تھا، وطبی اعتبار سے بھی ایک بے نظیر پرہیزگار رہے! ان ساری تدبیروں کے باوجود "وقتِ موعود" اپنے وقت پر آکر ہی رہا۔ جولائی کی ۱۹ رتھی، کہ آفتاب ہند غروب ہوکر رہا۔ ہزارہا ہزار مخلصوں اور خدا جانے کتنے اللہ کے مقبولوں کی دعائیں بے اثر رہیں ——— حکیم مطلق کی حکمتوں کا احاطہ ساری مخلوق مل کر بھی کسی درجہ میں نہیں کرسکتی!

: ہائے پردہ ہیں اسکے گماں کیسے کیسے!

کیا کیا توقعات اُس ایک ذات سے قائم تھیں! کیسی کیسی امیدیں اس منفرد ہستی سے وابستہ تھیں! شریعت، طریقت، حقیقت کا کیسا اُجالا ہرطرف وہ ایک شمع پھیلائے ہوئے تھی؟ فلاں مسئلہ کی تحقیق مولانا سے کرلی جائیگی، فلاں دشواری کا حل اُسی مشکل کشا سے کرالیا جائے گا۔

سخن آئے ہیں درمیاں کیسے کیسے!

تصنیف، درس، بیعت کا سلسلہ الگ جاری تھا، وعظ و تقریر کا الگ، مراسلت کا الگ، روزانہ مجالست کا الگ، اصلاح کا "سسٹم" ہر ممکن ذریعہ سے جاری تھا۔ فیض کے حدود گویا لا محدود تھے۔ آخر زمانہ میں دائرہ عمل ضرور کچھ تنگ ہوگیا تھا، تنگ ہوجانے پر بھی کتنا وسیع تھا! بالکل بند ہوگیا ہوتا، جب بھی نفس وجود کیا کم تھا! انوار اُس چہرہ ہی کے کچھ تھوڑے تھے؟ ـــ خیال بار بار یہ ہوتا تھا کہ موت اس تندرست ومحتاط جسم کو زیر کرنے کے لیے آخر بہانہ کون سا اختیار کریگی؟ ایسے صحیح، پاکیزہ، مضبوط، توانا جسم کو گھلنے کے لیے بھی ایک مدت چاہیے۔ اور حضرت جیسے احتیاط مجسم بزرگ، مرض کو غلبہ پانے کا موقع ہی کہاں دینے لگے؟

نفس انسانی کیسے کیسے دھوکے دیتا رہتا ہے! آخر وہی منزل پیش آئی، جو اس سے قبل ہر ولی کو، ہر نبی کو پیش آچکی تھی۔ روحانیت کی بساط اُلٹ گئی، اور جنت کا چلا ہوا مسافر دم کے دم میں جنت واپس پہونچ گیا! اب اُس نورانی صورت کا دیدار بجز جنت کے اور کہاں ممکن ہے؟ ——— تفسیر بیان القرآن، بہشتی زیور، مناجات مقبول، تعلیم الدین، تربیت السالک، اور سیکڑوں دوسری کتابوں اور وعظوں کے مصنف کے اجر بےحساب کا حساب کوئی لگا سکتا ہے؟ خود حضرت مولاناؒ کو اسکا اندازہ کب ہو سکتا تھا؟ یہ راز تو وہیں جنت میں جاکر کھلا ہوگا، کہ ہزارہا بلکہ لاکھوں کی نمازوں کا اور ہر قسم کی عبادتوں کا اجر مولاناؒ کے نامۂ اعمال میں لکھا جارہا ہے! اوپر سے یہی ثواب پٹا پڑتا ہے۔ نیچے بھی ثواب آ آ پڑتا ہے۔ اس تماشہ نے تو خود مولاناؒ کو دنگ کردیا ہوگا۔ ــــ کتنے ہی بزرگوں کی "درگاہوں" اور "مزاروں" پر "عرس" ایک تاریخ معین پر بدعت کے سازوں اور معصیت کے نقاروں پر منایا جاتا ہے۔ توحید و سنت کے اس زبردست علمبردار کی یاد میں آج ہم بھی کیوں نہ چند لمحے

اپنے مالک و مولا کے حضور میں نذر کریں شاید کہ اس بندہ کے بیشمار احسانات کا یہ اعتراف کسی درجہ میں اور کسی حد تک ہو سکے!

آخری وصیت

قائد ملت (مجاہد دکن) بہادر یار جنگ کی تقریر کا اقتباس (روزنامہ عربیہ رہنمائے دکن حیدرآباد) کے ہمالہ کے موقع پر۔

"عزیز بہنو! مجھے تم سے جو تمنا ہے وہ یہ ہے کہ تم ان باپوں کی اچھی بیٹیاں بنو، بھائیوں کی اچھی بہنیں بنو اور بچوں کی اچھی مائیں بنو۔ تمہاری گودوں میں قابل قوم پل کر بڑی ہوگی ... صرف تعلیم کافی نہیں جب تک تم پوری طرح اپنے کو اس لائق نہ بنا لو۔

دو عورت ایسا نہیں کہ گھر سے زیادہ باہر رہنے میں مزہ آنے لگے اور جلسوں میں اکثر وقت کاٹے۔ ایسی تعلیم، تعلیم نہ ملنے سے بدتر ہے۔ تعلیم جو تم کو یہاں دی جا رہی ہے بڑی اچھی تعلیم ہے۔ مجھے تمہاری ترقی دیکھ کر بہت خوشی ہوئی۔ امید کہ تم خوب پڑھوگی اور جو پڑھوگی یاد رکھوگی۔ اس پر عمل بھی کروگی۔ وہ علم کیا کہ جس پر عمل نہ کیا جائے۔ یاد رکھو میں تمہیں امام شافعیؒ کا ایک مقولہ سناتا ہوں۔ تم اسے یاد کر لو اور ہمیشہ کے لیے یاد رکھو ؎

شکوت الیٰ وکیع سوء حفظی
فاوصانی الیٰ ترک المعاصی

خدا کرے تم اچھی بیٹی، اچھی بہن، اور اچھی بیوی بنو، پھر تو تم ہر قسم کے معاصی ترک کر دو۔ ذلتیں، بیجا مذاق معاصی میں داخل ہیں، چغلی ایک دوسرے کی برائی کرنا معاصی میں داخل ہے"

قائد کی ماتم کرنے والی قوم، قائد کی اس آخری وصیت کا کچھ بھی پاس کرے گی؟

تھیٹر کا شوق

"جب سے جنگ شروع ہوئی ہے، انگلستان میں تھیٹر کا شوق بڑھ گیا ہے ... چنانچہ متعدد تھیٹر کمپنیاں اسوقت احاطہ شمال میں کام کر رہی ہیں ... افسوس ہے کہ میں آسام و برما کے محاذ پر بہت غلط زمانہ میں یعنی شدید برسات کا موسم تھا آیا۔ تاہم ملاقہ افغال نیا میں محاصرہ کے زمانہ میں میرے مجرے کئی ایک ہوئے خصوصاً امریکی سپاہ کے سامنے"

یہ برطانیہ کے ایک نامور ایکٹر اور ناٹک نویس نوئیل کاورڈ نے شرقی محاذ کے دورے کے بعد اپنے چشم دید اثرات سے متعلق ایک بیان کے ضمن میں کہا۔ تھیٹر بینی کی خواہش "صاحب" کے دل میں اس جنگ جہاں سوز نے کچھ کھپائی نہیں بلکہ اور بڑھا ہی دی ہے ——— دماغ سے لگا لپٹا رہنے والا اسلام اپنے اوپر ساری دنیا کو آخر کیوں قیاس کر رہا ہے؟

نشہ کی لعنت

ایسوسی ایٹڈ پریس ایجنسی کی روایت ہے کہ محفل

کا محاصرہ جب ٹوٹا ہے تو سپاہ کو سب سے پہلے جو نعمتیں بہم پہنچائی گئیں، وہ ہسکی اور بیر تھیں! غریب محصور سپاہی انہی دونوں سے صرف آدھا راشن پا رہے تھے، اور وہسکی اور بیر دونوں اس سے غائب تھیں! اسی نیوز ایجنسی نے اپریل میں یہ اطلاع دی تھی کہ انگریزی فوج نے فلاں مقام سے ہٹتے وقت یہ مصیبت بھی برداشت کی کہ اسکاچ وہسکی کی ۲۰ بوتلیں اپنے ہاتھوں برباد کر دی تھیں، اس ڈر سے کہ کہیں جاپانی اس نعمت پر قبضہ نہ پالیں" (ڈان، دہلی - ۲۰ جولائی ۴۴ء)

یہ ہے آج کے "مہذب" "متمدن" سپاہی کا راشن! امن کے تشنہ خانوں میں نہیں، عین موت و حیات کی بازی کے وقت میدان جنگ میں بھی اگر اُسے نان اور فلاں قسم کی شرابیں نہ ملیں، تو گویا اُنکے ہاں فاقہ کشی ہوئی! اور جب شراب کی بوتل مل جائے تو وہ خوش ہو کر گویا دشمن کا کوئی قلعہ ہاتھ آگیا! ——— اسکا نام ہے تہذیب اور شائستگی!

اُردو ایڈیٹرس کانفرنس

اس ضرورت سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ اُردو اخبارات کی ایک آل انڈیا مجلس ہونی چاہیے اور اسکے نہ ہونے کے باعث اُردو پریس بہت سخت نقصان اٹھا رہا ہے۔ چنانچہ حال میں ۱۲۔ جون سے آرڈیننس کے مطابق اُردو کے اخبارات پر جو مصیبت نازل ہوئی ہے اسکا اندازہ اس سے کیجیے کہ صرف دہلی میں ۲۰ کے قریب اُردو کے ہفتہ وار اخبارات اور ماہوار رسائل اپنی ضخامت کو صرف ۳۰ فی صدی (یعنی جو اخبار بارہ صفحوں پر شائع ہوتا ہے آئندہ وہ صرف چار صفحہ پر شائع ہو) تک محدود کرنے پر مجبور ہیں۔ چنانچہ کئی ایک دوستوں نے بتایا کہ وہ اپنے اخبارات کو بند کرنے کے لیے سنجیدگی کے ساتھ غور کر رہے ہیں اور اگر یہ زندہ بھی رہیں تو سوال یہ ہے کہ یہ اپنے خریداروں کو ریڈنگ میٹر کیا دیں گے، اور اشتہارات کے لیے جگہ کہاں سے لائیں گے۔ مگر سوال یہ ہے کہ یہ مجلس قائم ہو تو کیونکر اور کہاں؟ اور جس صورت میں اسکے عہدوں کی مجموعی تعداد تو صرف پانچ چھ (یعنی صدر، نائب صدر، سکریٹری اور نائب سکریٹری وغیرہ) ہوگی اور ان عہدوں کے امیدوار (آل انڈیا آرگنائزیشن کی صورت میں) دو سو سے کم نہ ہونگے۔ تو اسکا قائم ہونا کیونکر ممکن ہے۔ اور اگر قائم ہو بھی گئی تو جوتیوں میں دال بٹنے کا نتیجہ کیا ہوگا۔ پچھلے چند برس میں ایڈیٹر "ریاست" نے متعدد بار یہ کوشش کی کہ اُردو پریس کو آرگنائز کیا جائے اور اسکے متعلق کئی بار میٹنگیں بھی ہوئیں۔ مگر اسکا نتیجہ صرف چائے پارٹیوں تک محدود رہا اور پہلی ہی میٹنگ میں اس آرگنائزیشن کی فاتحہ پڑھ دی گئی۔ کیونکہ اس میں شامل ہونے والے اکثر بزرگ یہ چاہتے تھے کہ عہدے انکے ہاتھ میں ہوں تاکہ ان عہدوں کے ذریعہ یہ حکام سے مل سکیں۔ اور ڈسٹرکٹ مجسٹریٹوں پر رعب قائم کریں تاکہ اشتہارات کا انکو فائدہ ہو (ریاست)

ہیں۔ اور اگر (کہیں) آپ انکی خواہشوں کی پیروی کرنے لگیں[۱۲۸] بعد اسکے کہ آپ کے پاس علم آچکا ہے[۱۲۹]، تو یقیناً آپ (بھی) ظالموں میں (شمار) ہوں گے[۱۳۰]

د غزلی ۴۴۳ فٹ۔

شطر سے مراد ہے مسجد حرام کی سمت میں یا اُسکے رُخ پر۔ نہ کہ عین اُس کے مقابل، کہ اسکی تعمیل، دور دراز کے علاقوں میں ممکن ہی نہیں۔ شطرہ اے نحوہ وتلقاءہ قالہ ابن عباس وابو العالیۃ ومجاہد والربیع بن انس (جصاص)

فقہاء نے لکھا ہے کہ نماز میں جو استقبال قبلہ فرض ہے وہ سینہ کا ہے۔ چہرہ کا استقبال صرف مسنون ہے۔ نماز سے باہر تو ناصرف اُسوقت ممکن ہے جب چہرے کے ساتھ سینہ بھی کعبہ کی طرف پھر جائے۔ صرف گردن پھر جانے سے نماز باطل نہیں ہو جاتی۔

[۱۱۹] (حالت نماز میں) خطاب سارے مسلمانوں یا امت محمدی سے ہے۔ ابھی ابھی رسول اللہ صلعم کو حکم ملا تھا کہ اپنے پسندیدہ قبلہ کی طرف نماز پڑھا کیجیے۔ اب حکم عام صراحت کے ساتھ ساری امت کو مل رہا ہے۔

حیث ما کنتم سے فقہاء نے یہ نکالا ہے کہ نماز انسان کہیں بھی ہو، درست ہے۔ کچھ مسجد ہی کی قید نہیں۔

[۱۲۰] علماء و احبار یہود کو اپنے ہاں کی روایتوں اور نوشتوں کی بنا پر یہ خوب علم تھا کہ پیمبر آخر الزماں کا قبلہ وہی ہوگا جو ابراہیم خلیل اللہ کا تھا کہ وہی قبلہ اصلی اور حقیقی ہے۔ بیت المقدس کا قبلہ ہونا عارضی تھا۔

انہ میں ضمیر سے مراد یہی حکم تحویل قبلہ ہے۔
اے التحویل الی الکعبۃ (کشاف) والضمیر للتحویل او للتوجیہ (بیضاوی)
من ربہم کی قید نے اس حقیقت کو اور واضح کر دیا کہ استقبال کعبہ رسول اللہ کا امر اجتہادی نہیں۔ تمامتر حکم ربانی ہے۔

[۱۲۱] (یہود اخفاء حق نہ معلوم کب سے کرتے رہتے ہیں)

[۱۲۲] یعنی اپنی پیمبری کے سارے دلائل و معجزات بھی۔
الذین اوتوا الکتب سے مراد یہود ہیں

[۱۲۳] (یہ حد ہے اُنکے عناد، عناد و تعصب کی، اس لیے آپ کا انکے اعتراضات کی طرف اعتناء کرنا ہی بیکار ہے)

[۱۲۴] (اس لیے کہ اہل کتاب کی امت کے مقابلہ پر آپ کو ایک مستقل، امتیازی، عالمگیر قبلہ عطا ہو چکا ہے، اور اہل کتاب کو آپ کی طرف سے اب ہمیشہ کے لیے مایوس ہو جانا چاہیے)

[۱۲۵] چنانچہ یہود کا قبلہ آج تک ہیکل بیت المقدس ہے۔ اور نصاریٰ نے کسی عمارت یا مکان کو نہیں بلکہ سمت مشرق کو قبلہ بنائے ہوئے ہیں۔ اور عجب نہیں کہ اندرونی اختلافات اس سے بھی زائد ہوں۔

بحمد اللہ کہ ہمارے قدیم مفسرین بھی یہود و نصاریٰ کے قبلوں کے فرق سے صحیح طور پر واقف تھے۔ چنانچہ لکھتے ہیں:۔ فالیہود تستقبل بیت المقدس والنصاریٰ تستقبل مطلع الشمس (مدارک) اور غیر توفیقی عہد کے شخص نہیں، ابن جریر تو متقدمین میں ہیں، وہ تک اس سے باخبر تھے۔
وذلک ان الیہود تستقبل بیت المقدس بصلاتہا وان النصاریٰ تستقبل المشرق (ابن جریر)

[۱۲۸] (تحویل قبلہ کے باب میں، حالانکہ عصمت نبوت خود ہی اس مفروضہ کے منافی ہے)

اہل کتاب کی اتباع تو استثناء و توسطاً ممنوع ہے، لیکن قبلہ جیسے بنیادی دینی مسئلہ میں انکی اتباع معصیت ہی نہیں کفر ہے۔

[۱۲۹] یعنی علم ثابت بالوحی۔ قرآنی اصطلاح میں العلم سے مراد یہی علم حقیقی ہوتا ہے، دنیوی "علوم" کی کوئی صنف نہیں۔

فقہاء نے لکھا ہے کہ آیت میں تہدید ہے اُن لوگوں کے لیے جو علم صحیح کے باوجود بجائے اُسکے دینی خواہش کی پیروی کرتے ہیں۔
وفی ذلک تحذیر لمن یترک الدلیل بعد انارتہ ویتبع الہویٰ (مدارک)

[۱۳۰] اللہ کے قانون میں رُو رعایت کی گنجائش کسی کے لیے نہیں۔ یہاں تک کہ انبیاء کے لیے بھی نہیں۔ اور نفس فطرت بشری کے لحاظ سے گناہوں کی صلاحیت اُن میں بھی ویسی ہی ہوتی ہے، جیسی دوسرے انسانوں میں۔ یہ اور بات ہے کہ توفیق الٰہی اُنکا تعلق ہر وقت اور ہر حال میں اپنے سے قائم رکھتی ہے، اور اُنھیں خطا سے محفوظ اور معصیت سے معصوم بنائے رکھتی ہے۔

امام رازیؒ نے آیت سے یہ نکتہ بھی پیدا کیا ہے کہ عالم کے حق میں وعید شدید تر ہے غیر عالم کے مقابلہ میں۔ ودلت الآیۃ علی ان توجہ الوعید علی العلماء اشد من توجہہ علی غیرہم۔ (کبیر)

محمد علی: ذاتی ڈائری

(از عبد الماجد)

اطلاع ملی ہے کہ اس کتاب کی مقبولیت کو دیکھ کر کوئی صاحب اسکا دوسرا ایڈیشن شایع کرانے والے ہیں۔ سب صاحبوں کو اسکی اطلاع دی جاتی ہے کہ کتاب نظر ثانی، اضافہ ترمیم و تکملہ کے بعد بالکل نئی ہو کر، خاص میرے ہی اہتمام میں شایع ہوگی جب بھی شایع ہو۔ درمیان میں کوئی صاحب بغیر اجازت صریح ہرگز قصد طبع نہ فرمائیں۔

تحفۂ خسروی

جناب مدیر صدق کی ایک قدیم تالیف۔ حاکم و محکوم کے باہمی تعلقات پر قرآن مجید و احادیث کے احکام علمائے اسلام و حکمائے یونان کے اقوال کا بہترین مجموعہ۔ ۸۸ صفحے۔ ۸ مر کے ٹکٹ آنے پر بھیج دیا جائیگا۔
المشتہر محمد نعیم خاں۔ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

بہادر سپاہی

("قائدِ ملت" مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کی نظر میں)

...... ابھی حیدرآباد آیا۔ لیکن جس حال میں پہونچا، اُسکی خبر اخباروں سے مل چکی ہوگی۔ "نواب بہادر یار جنگ" "بہادر خان" بننے کے بعد وہاں چلے گئے، جہاں سے پھر بننے کے لیے کوئی واپس نہیں ہوتا۔ چار مہینے ہوئے، کسی جلسہ میں جہاں فقیر کی بھی تقریر تھی، نواب مرحوم نے اپنے خطبہ میں بڑے جوش سے کہا تھا "رب احینی مسکینا و امتنی مسکینا و احشرنی فی زمرۃ المساکین" خدا جانے یہ دعا اُن کی زبان سے کس وقت نکلی تھی۔ جس دن وفات ہوئی ہے، سُنا گیا ہے کہ اُسکی صبح کو دربار دولت سے خطاب اور جاگیر سے سرفراز ہونے والے تھے۔ پیشگاہ خسروی سے منظوری کی خبر صادر ہو چکی تھی، لیکن دربار دولت سے نواب بننے سے پہلے خدا کا یہ وفادار بندہ چل بسا۔ مجھے ملتان میں خبر ملی، جنازے کی شرکت سے محروم رہا۔ اس شخص کی زندگی بڑی عبرتوں کی زندگی تھی۔ جب شروع شروع میں میرا حیدرآباد میں قیام ہوا، ایک معمولی طالب العلم کی حیثیت سے یہ مجھ سے ملنے لگے۔ اُس وقت بالکل نوعمر تھے۔ دنوں میں اس سے ناواقف رہا کہ کسی امیر خاندان سے انکا تعلق ہے۔ تقریر کا ذوق ابتدا ہی سے تھا۔ اسی مذاق نے اُن کو مجھ سے [illegible] بنا دیا تھا۔ اُس زمانہ میں یہ مولوی دار العلوم ثانوی میں پڑھتے تھے۔ تقریری مقابلوں میں مجھے بلا کر لے جاتے۔ اور اس مقابلہ میں خود شریک ہوتے۔ میرے ہاتھ سے اول آنے کا طلائی تمغہ انھوں نے حاصل کیا۔ پھر بہ تدریج پبلک جلسوں میں بھی شریک ہونے لگے۔ جلسوں میں تو انکی شرکت تدریجی تھی، لیکن تقریر و خطابت میں انکا ارتقاء بالکل دفعی تھا۔ میں حیران ہو کر رہ گیا۔ جب سکندرآباد کی ایک میلاد کی مجلس میں دیکھا کہ وہ بول رہے ہیں اور کچھ اس طرح بول رہے ہیں کہ غیبی قوت انکے ساتھ کام کر رہی ہے۔ ان کا یہ سلیقہ اچانک اتنا اچھا دکھایا کہ میں نے اُسی وقت یہ اندازہ کر لیا کہ اب ہندوستان میں اس جوڑ کا شاید کوئی دوسرا خطیب نہیں ہے۔ چند ہی دنوں بعد اسکا امتحان بھی ہوا۔ حیدرآباد سے وہ باہر نکلے۔ اور تین چار سال میں ہندوستان نے یہ مان لیا کہ اردو کے وہ سب سے بڑے خطیب ہیں۔ لیکن واقعہ یہ ہے کہ خطابت سے زیادہ اُنکی تقریر کی تاثیر میں جہاں تک میں جانتا ہوں اُنکی صداقت اور اخلاص کو دخل تھا۔ وہ پکے مسلمان تھے۔ انکی سیاست بلکہ اُنکی زندگی کا ہر شعبہ صرف مذہب کے محور پر گردش کرتا تھا۔ بڑے بڑے پروگرام انکے سامنے تھے۔ لیکن ع اے بسا آرزو کہ خاک شدہ۔

ایک زمانہ میں تبلیغ کا جوش بھی ہوا تھا۔ ایک بڑی تعداد غیر مسلموں کی انکی جد و جہد سے حلقہ بگوش اسلام ہو چکی تھی۔ آیندہ بھی اس سلسلہ میں وہ بہت کچھ کرنا چاہتے تھے۔ گذشتہ تعزیت کے موقع پر حیدرآباد کے ایک ہندو لیڈر نے یہ عجیب انکشاف ان کے متعلق کیا کہ اپنے ایک ہندو دوست کو انھوں نے دس ہزار کی رقم دے کر ساہوکار کے پنجے سے نجات دلائی تھی۔ یہ روپیہ اُنھوں نے بغیر کسی تحریری دستاویز کے اپنے ہندو دوست کو دے دیا تھا۔ قرآن سے انکو خاص شغف تھا۔ خود اس کا درس دیتے تھے۔ پچھلے دنوں ڈاکٹر اقبال کی نظمیں بھی لوگوں کو پڑھاتے تھے۔ جس دن وفات ہوئی، چند گھنٹے پہلے وہ کلام اقبال کے درس سے فارغ ہوئے تھے۔

مُسلم جماعتیں

گزشتہ چند ہفتوں میں ہندوستان کی اسلامی جماعتوں میں کچھ ایسے آثار نمایاں ہوئے ہیں جنھیں ہم نیم بیداری کی حالت سے تعبیر کر سکتے ہیں۔

ہم نے جہاں تک اس حرکت و بیداری کا مطالعہ کیا ہے ہمیں اس میں ایک خاص بات محسوس ہوئی ہے یعنی اسکا آغاز شدید اور سخت نکتہ چینی اور ضرورت سے زیادہ خردہ گیری سے ہوا ہے اور مخالفت کا سارا زور مسلم لیگ کے خلاف استعمال کیا گیا ہے۔ ہم لیگ کے اصول و مبادی اور اُسکے طریق کار سے آج تک مطمئن نہ ہو سکے اور جو شخص مطمئن ہونے کا دعویٰ کرتا ہے وہ اپنے نفس کو دھوکہ دیتا ہے۔ لیکن اسی کے ساتھ ہم یہ بھی محسوس کرتے ہیں کہ گفتار کی تلخی اور غیر معتدل نکتہ چینی ایک ایسا انداز فکر ہے جو نہ تو مسلم لیگ کو راہ پر لا سکتا ہے اور نہ اسکے ذریعہ اجتماع عناصر کا کوئی نقشہ تیار ہو سکتا ہے۔

معتدل و محتاط نکتہ چینی بہت سے امراض کا علاج ہے، لیکن اگر اسکے محل اور مقدار کو نظر انداز کر دیا جائے اور اسکی متوازن کیفیت بگاڑ دی جائے تو وہ خود ایک مرض بن جاتی ہے۔ مسلمان ہمیشہ اس مرض کی پرورش کرتے رہے ہیں اور اسے اصلاح حال کا ایک مؤثر ذریعہ سمجھتے ہیں۔ اور نتیجہ یہ کہ اسکے ذریعے آج تک کوئی اصلاح نہ ہو سکی کسی جماعت کو تائب ہونے کی توفیق نصیب نہ ہوئی اور کبھی وہ مطلوبہ مقاصد حاصل نہ ہوئے جنکی خاطر اعتدال کی راہ سے انحراف کیا جاتا ہے۔ تجربہ شاہد ہے کہ شدید اور تلخ نکتہ چینی شدید مخاصمت اور تلخ نتائج پیدا کرتی ہے اور اسکا رد عمل ہمیشہ ضد، عناد اور غیر رواداری کی شکل میں ظاہر ہوتا ہے۔

مخالف کی خامیوں، کوتاہیوں، کمزوریوں اور غلطیوں کو ظاہر کرنا صحافت کے لیے ضروری ہے اور اس میں کسی رواداری کو راہ نہیں دی جا سکتی۔ لیکن اسکا انحصار صرف حقائق اور واقعات پر ہونا چاہیے۔ دلائل اور شواہد سے مخالف کی گمراہیوں کو الم نشرح کر دو اور سمجھ لو کہ تم اپنے فرض سے سبکدوش ہو گئے۔ لیکن اس میں تلخی اور ناگواری پیدا نہ کرو اور شدت اور سختی سے پرہیز کرو کہ اس انداز سے مخالف میں ضد پیدا ہوگی اور وہ انتقام کے جوش میں زیادہ گمراہ ہو جائیگا۔ شدید نکتہ چینی کا اثر وہی لوگ قبول کرینگے جو پہلے سے ہم نوا اور موافق ہونگے اور جو لوگ موافق نہیں بلکہ مخالف ہیں وہ اس سے متاثر ہرگز نہ ہونگے بلکہ ان میں ضد و تمرد کی مقدار بڑھ جائیگی۔

(باقی بر صفحہ)

آپ ان لوگوں کو گالیاں کیوں نہیں دیتے، مجھی پر یہ عنایت کیوں ہے۔ اگر آپ کا یہ طریق عمل استغنا ہے تو البتہ مجھے کچھ کہنا نہیں ہے۔ خود آپ ہی کا ضمیر کسی وقت آپ کو ملامت کریگا۔ اگر اُس میں کچھ بھی نور ایمان باقی ہے۔ کیا اس خط اور مضمون کے چھاپنے کا انتظار کروں۔

دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی
مورخہ ۱۰ - جولائی

جناب نیاز بے نیاز!

عتاب نامہ موصول ہوا "بر ہمی و رُسنہ کھسوٹ لینے" کی شکایت اُلٹی مجھ سے! کیا خوب! نگار نے شاید کبھی "حسن نمبر" بھی نکالا تھا، خدا معلوم یہ مطلع اُس میں تھا کہ نہیں ؎

اُلٹے وہ شکوے کرتے ہیں اور کس ادا کے ساتھ!
بے طاقتی کے طعنے ہیں عذر جفا کے ساتھ!

"شکوہ" اور "ادا" اور "طعنہ" یہ تو سب کچھ یہاں بھی موجود ہیں "عذر جفا" کا البتہ پتہ نہیں!

نگار لکھوں نہیں کروڑوں مسلمانوں کے دلوں میں جس طرح اور جتنی بار بھی چاہے بے تامل اور بلا تکلف، چھُری اور خنجر بھونکتا چلا جائے، لیکن صدق اگر دن کو دن، اور رات کو رات کہدے تو آپ حیران ہو کر فرماتے ہیں کہ یہ کیسے ظالم لوگ ہیں، مجھ سے مصافحہ، معانقہ، کے بجائے، اپنے زخموں کی مرہم پٹی میں لگ جاتے ہیں!

میری نگاہِ شوخ پہ اس درجہ خفگیاں
اور اپنی چشم شوخ کو مطلق سزا نہیں!

آخر جو قرآن کو خدا کا کلام نہیں، محمدؐ کی تصنیف قرار دے اُسے بجز اگر ابو جہل و ابو لہب کا نہیں، تو کیا صدیقؓ و فاروقؓ کا کہا جائیگا

کرکے خون ایک کا جا بیٹھے ہیں گھر میں اور پھر
پوچھتے ہیں کہ مرے در پہ یہ غوغا کیسا؟

بندہ نواز! آپ ایمان نہ سہی اُس عہد کی تاکید تو ہر مذہب میں آئی ہے، لا مذہبوں تک کے ہاں ہے۔ کبھی نگار کے اس قول و قرار، سرکدہ موثق ہی کا لحاظ کر لیا ہوتا، کہ مذہبی مضامین لکھنے سے تو، تو بہ کرچکا ہوں مذہب پر نہ لکھنے کا عہد کرچکا ہوں! لیکن نگار خانہ کی تو رونق ہی شاید بار بار عہد و پیمان توڑنے سے ہے۔ "اَلَا اِنَّهُمْ لَا اَیْمَانَ لَهُمْ" قرآن میں بھی تو آچکا ہے۔

یہ سوال کرتے آپ کو ہنسی نہ آگئی کہ صدق، صرف نگار ہی پر کیوں توجہ رکھتا ہے، اور دوسروں کو چھوڑے رکھتا ہے؟ صدق کا کونسا نمبر دشمنان دین کے جوابات سے خالی رہا ہے؟ نگار کو اس نے پکڑا، تو بخشا اُس نے کس کو ہے؟ البتہ جرم جرم، اور مجرم مجرم سب برابر نہیں ہوتے۔ نوعیت اور مدارج کا فرق تو بہرحال ہوتا ہی ہے، اور یہ اب تک کیا آپ سے مخفی ہے کہ مرتد کا درجہ شریعت اسلام میں کافر مطلق سے کتنا بڑھا ہوا ہے؟

یہ ستم ظریفی بھی کچھ کم قابل داد نہیں "کہ آپ لوگ مجھے سمجھانے کی کوشش کیوں نہیں کرتے؟ گزارش ہے کہ جناب سمجھنے کی کوشش کیوں نہیں کرتے، مجھ بے علم کا ذکر نہیں، جو حقیقۃً اہل علم ہیں مثلاً مولانا سید سلیمان ندوی، مولانا ابوالاعلیٰ مودودی، مولانا مناظر احسن گیلانی وغیرہم، اُن سے جناب نے کب استفادہ کا خیال کیا؟ انہیں کب خاطر میں بھی لائے؟ جن بیچاروں نے از خود کوشش کی انکا حشر نگار کے صفحات میں کیا ہوا؟ مریض نے کس دن اپنے کو مریض سمجھا؟ جس طبیب نے از راہِ شفقت و ہمدردی علاج کرنا چاہا، مریض نے بڑھ کر اُسکا منہ کھسوٹ لیا یا نہیں؟ جو مریض، طبیب کو احمق، جاہل سمجھے، کوئی طبیب یا کوئی طب، دنیا میں آج تک اُسکا علاج کر سکی ہے؟

عنایت نامہ کا جواب، یہ نیاز نامہ ہوگیا۔ رہا جناب کا مرسلہ جولائی نمبر سو اُسے حسب فرصت مطالعہ کر کے جیسی کارروائی مناسب ہوگی، عمل میں لائی جائیگی۔

آپکے اس لطیفہ سے بھی میں نے پورا لطف لیا، کہ "خدا و رسول کا پوری طرح قائل تو میں ہوں، گمراہ اور توہین رسول کرنے والے آپ لوگ خود ہیں"۔ سچ ہے، دنیا "انا نحن مصلحون" اور "انؤمن کما آمن السفہاء" کہنے والوں سے، خالی نہ پہلے تھی، نہ اب ہے۔ والسلام علیٰ من اتبع الہدےٰ

عبدالماجد"

(بقیہ صفحہ ۵)

... رہے عوام سو ان کی جماعتی ذہنیت کا فلسفہ یہ ہے کہ وہ سب کی سنتے ہیں اور سب سے بیزار ہیں۔ ہر اختلاف کا تماشہ دیکھتے ہیں اور کوئی فیصلہ نہیں کرسکتے۔ اگر کسی جماعت سے موافقت ہے تو وقتی ہے، مخالفت ہے تو بے اصول ہے۔ عوام کی عقیدت کا یہ عالم ہے کہ اپنے کسی لیڈر کسی عالم کو خوشحال نہیں دیکھ سکتے۔ وہ اسی فکر میں گھلے جاتے ہیں کہ فلاں لیڈر کا اپنا مکان ہے اور آرام سے گزر کرتا ہے۔ ہم نے خود لوگوں سے یہ کہتے سُنا کہ فلاں صاحب کے مکان میں برقی پنکھا چلتا ہے اور فلاں لیڈر نے بھینس پال رکھی ہے۔ میاں کیا پوچھتے ہو، خوب مزے اُڑاتے ہیں! مسلمان کی ذہنیت یہ ہے کہ اُسکا مولوی اور لیڈر خدا کی نعمتوں سے بہرہ اندوز نہ ہو، آرام اور چین کی زندگی بسر نہ کرے، ہر نعمت بدمعاشوں اور لفنگوں کے لیے ہے۔ مولوی اور لیڈر کا کام یہ ہے کہ چندے جلسے اور زکوٰۃ و صدقات کے لیے مارا مارا پھرے، مُردوں اور زندوں کی روٹیوں پر قناعت کرے۔ اگر وہ ایسا نہیں ہے تو لیڈر اور مولوی بھی نہیں ہے۔

دوسری طرف ہندو ہیں، جو اپنے لیڈروں کو عیش کرادیتے ہیں۔ جو اہرلال نہرو کو اُنکا ایک زرد پاٹ دے دیتا ہے، اور وہ ہوائی جہاز کے ذریعہ سارے یورپ کا سفر کرکے واپس آجاتے ہیں۔ کانوں کان خبر نہیں ہوتی کہ کس نے دیا اور کتنا دیا۔ نہ حساب فہمی ہے نہ چندہ خوری کا الزام ہے!

(زمزم)

نمبر ۱۴ | دوشنبہ - ۹ شعبان المعظم ۱۳۶۳ھ مطابق ۳۱ - جولائی ۱۹۴۴ء | جلد ۱۰

کلام کی رفتار

اللہ کا لاکھ لاکھ شکر ہے کہ قرآن مجید کے اُردو ترجمہ اور تفسیری حاشیے کے سورۂ انعام سے فراغت ہوئی۔ یہ مسودہ بہت کلفت سے تیار ہوا ہے، اور اس پر بھی اس میں تین سال سے اوپر کی مدت صرف ہوئی تکمیل کار کے لیے نظرثانی بہت وقت کی طالب ہے۔ کم سے کم دو سال اس میں اور لگینگے۔ لیکن ابتدائی پاروں کی تکمیل اور نظرثانی جوں توں ہو جائیگی، انکی اشاعت اسی درمیان میں ان شاء اللہ شروع ہو جائیگی۔

انگریزی ہاں کے اِتی پاروں کی اشاعت اسر (تاج کمپنی) غالباً کاغذ کے انتظار میں رکے ہوئے ہیں۔

ایک صاحب کی رقم عـ

ایک صاحب کی رقم عطیہ کی شرکت کی وصول ہوئی تھی لیکن وہ زکوٰۃ کی تھی، اس لیے واپس کردی گئی۔ یوں بھی جس رقم کے قبول کرنے میں کسی وجہ سے بھی قلب کو ذرا سی بھی گرانی محسوس ہوتی ہے، اُسکے قبول کرنے سے معذرت کر دی جاتی ہے۔

زمین پر جنت

آر۔ وی۔ سی۔ بوڈلی کی نئی کتاب WIND IN SAHARA پر تبصرہ مشہور امریکی مستشرق پروفیسر فلپ ہٹی (پرنسٹن یونیورسٹی) کے قلم سے:-

اس بارہ مہینے میں امریکی پریسوں نے عرب پر بہت سی کتابیں چھاپ ڈالی ہیں عام ناظرین کے پڑھنے کے لیے۔ ایک، ایک مشنری کے قلم سے ہے، تیسری اہل علم کے قلم سے ہیں۔ ایک، ایک اخبار نویس کے قلم سے، اور ایک یہی زیر تبصرہ کتاب ایک فوجی کے قلم سے۔ اس کتاب سے متعلق خاص بات یہ ہے کہ اسکا انگریز مصنف پورے سات سال تک خوب عرب بدوؤں کے ساتھ گھل مل کر رہا صحرائے اعظم میں، الجیریا سے کوئی چھ سو میل کے فاصلے پر!

بوڈلی نے باتیں بھی خوب خوب دریافت کریں۔ صحرا کے عربوں میں نہ اسے کوئی عصبی امراض کا مریض ملا، نہ کوئی فاتر العقل، نہ کوئی بے ہوش۔ اور صحرا کے فرنچ کمشنر نے اسکے سامنے بیان کیا، کہ "میں تو اپنی ساری عمر میں اسقدر امن دوست لوگوں کے درمیان نہیں رہا ہوں"۔ یہ لوگ نہ چوری کرتے ہیں، نہ قتل کرتے ہیں نہ کسی اور بڑے جرم کے مرتکب ہوتے ہیں۔ نماز دن میں پانچ بار پڑھتے ہیں، اور کھانا صرف ایک بار کھاتے ہیں۔ پانی انھیں اس ریگستان میں غسل کے لیے تو کیا ملا کرتا، پینے بھر کا بھی مشکل ہی سے ملتا ہے، تاہم یہ صفائی ستھرائی میں بے نظیر ہیں! ... یہ خود دار لیکن غیر مغرور، لوگ قدیم طرز کے وضعدار شرفاء کا نمونہ ہیں، جنکی نظر میں عزت اور آن، دولت اور کامیابی سے کہیں بڑھ کر اہم تھی۔

مصنف لکھتا ہے کہ جب سے میں ریگستان کے گوشۂ عافیت سے نکل کر تمدن زدہ لوگوں میں پھر سے شامل ہوا ہوں، مجھے بار بار وہ اپنے پرانے ملاقاتی یاد آتے ہیں، اور تمدن کی پیدا کی ہوئی خرابیوں سے وہ محفوظیت یاد آتی ہے۔ اور میں جب تک اُن میں پھر نہ جاؤنگا یہ چیزیں یاد آتی ہی رہینگی۔" (واشنگٹن۔ ۱۹۔ جولائی ۱۹۴۴ء بحوالہ نیویارک ٹائمس)

اللہ اللہ! یہ ذکر عہد صحابہ کا نہیں ہو رہا ہے، دورِ خلافت راشدہ کا نہیں ہو رہا ہے، کوئی معتقد شاعری نہیں کر رہا ہے۔ ایک مخالف بلکہ مخالف انگریز اور سیاسی اور دینی دونوں مخالفتوں کا جامع، سات سال کے تجربوں کے بعد شہادت شایع کر رہا ہے کہ اس بیسویں صدی میں اسی زمین کی سطح پر ایک ایسی قوم بھی آباد ہے، جو چوری نہیں کرتی، ڈاکہ نہیں ڈالتی، خون ناحق سے اپنا ہاتھ رنگین نہیں کرتی، شراب نہیں پیتی، زنا نہیں کرتی، سود نہیں لیتی دیتی اور پانچ پانچ وقت بجائے کھانے اور چائے اور ناشتہ کے نماز پڑھتی ہے۔ اور کھانے پینے کا شغل دن میں کل ایک بار، گویا صرف قدرتی تقاضہ سے مجبور ہوکر

رکھتی ہے! اور پھر صاف ستھری کتنی! اور حرص اور حب جاہ سے خالی کیسی! ــــــ انسان کے قالب میں یہ فرشتے اب بھی اگر کہیں ملتے ہیں تو بحمد اللہ اسلام ہی کی علمداری میں ملتے ہیں!

لاولدی کی مذمت

لیڈر (الہ آباد) مورخہ ۱۳ جولائی (وقائع نگار خصوصی) نیز رہبر دکن کے سنڈے ایڈیشن وقائع نگار کا بحری تار:—

لندن ۱۰ جولائی۔ جنگ کی بعض تباہیوں کی تلافی کے لیے روس آبادی میں اضافہ کی ایک بڑی مہم شروع کر رہا ہے۔ سوویٹ حکومت نے اپنے ایک عام فرمان میں مادریت کو ملک کی قومی زندگی میں مقدم ترین قرار دیا ہے۔

بچوں کی ولادت پر اضافہ شدہ رقمیں دی جائینگی۔ اضافہ شدہ رقم ساتویں بچہ کے بجائے جیسا کہ اب عملدرآمد ہے تیسرے بچہ کی ولادت سے دی جائیگی۔ بچوں کے لیے کپڑوں اور غذا بچوں کی خریدگی غرض سے والدین کو اب جو الاؤنس دیا جاتا ہے اسکی مقدار تقریباً تگنی کر دی گئی ہے۔ رضاعت کے دوران میں عورتوں کی ملازمت سے رخصت کی مدت کو بھی بڑھا کر گیارہ ہفتے کر دیا گیا ہے۔ غذائی راتب کو زمانہ حمل کے آخری تین مہینوں اور رضاعت کے پہلے چار مہینوں میں دوگنا کر دیا گیا ہے۔

روس میں مادریت کو جو عزت و عظمت عطا کی گئی ہے اسکا اظہار نئے تمغہ جات سے ہوتا ہے۔ "تمغۂ مادریت" اُس ماں کو عطا کیے جائیں گے جسکے پانچ یا چھ بچے ہوں۔ "تمغۂ عظمت مادری" سات آٹھ یا نو بچوں کی ماؤں کو دیا جائیگا۔ "ہیروئن ماں" کا تمغہ دس یا زیادہ بچوں کی ماؤں کے لیے ہوگا۔

آیندہ نہ صرف اُن اشخاص سے جنکے کوئی اولاد نہ ہو اپنی آمدنی کا ایک فی صد حصہ چندہ دینے کے لیے کہا جائیگا بلکہ دو بچوں کے والدین کو بھی اپنی آمدنی کا ½ فی صد حصہ چندہ دینا پڑیگا "۔

"روشن خیالی" اور "ترقی پسندی" اب تک تو یہ تھی، کہ لاولدی کے فضائل و مناقب بیان کیے جائیں، اسکی ترغیب دی جائے، پروپیگنڈا اسکی حمایت میں ہو، اور اس سب کا خوشنما نام تھا "برتھ کنٹرول" "کنٹراسیپشن" یا ضبط حمل رکھدیا جائے! اور ان ساری تبلیغات کا اصلی سرچشمہ اب تک روس تھا! یہ آخر کیا ہوا کہ وہاں کی ہوا ابھی یک بیک پلٹی، اور مادریت کا اعزاز و احترام ازسرنو قائم ہو گیا! ماں بننا اور بچہ جننا کوئی چیز توہین، ذلت، اور شرمندگی کی نہ رہی، بلکہ پھر سے دلیل عزت اور شرافت کی قرار پانے لگی!

جنگی چالیں

عسلی بھائی ابراہیم صاحب مقام کاری ضلع بھروچ (مغربی ہند) سے صدق ملا کے ایک شذرہ کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں:—

"صدق ملا میں حرب و خداع کی تشریح میں حضرت کا یہ ارشاد کہ "اس سے جنگ میں جواز فریب کا استدلال کرنا حدیث پر بڑی زیادتی کرنا ہے" اُسے پڑھکر رفع شبہہ کے لیے لکھتی ہوں کہ کتاب اشاعت اسلام (مطبوعہ از طرف کتبخانۂ رحیمیہ، رائے پور ضلع ملتان ۱۳۵۱ھ، ص ۲۳) میں مولانا ... صاحب دیوبندی نے حسب ذیل ارقام فرمایا ہے:—

"... ادھر نعیم ابن مسعود اشجعی جو قبائل مشرکین کا بڑا سرگروہ ممتاز و سربلند شخص تھا، رات کو چھپ کر آپ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا یا رسول اللہ میرے دل میں اسلام کی عظمت و محبت گھر کر چکی ہے میں مسلمان ہو چکا ہوں۔ میری قوم ابھی تک بے خبر ہے۔ آپ نے فرمایا کہ یہ بات ہے تو جس قدر تیرے ممکن ہو مشرکین میں باہم پھوٹ ڈال کر اُن میں اختلاف و بدمزگی پیدا کرا دو۔ نعیم نے عرض کیا کہ اگر اس تدبیر میں مجھکو کوئی امر خلاف واقعہ بھی زبان سے نکالنا پڑے تو جائز ہوگا۔ آپ نے فرمایا کچھ حرج نہیں، الحرب خدعۃ"

اس اقتباس میں تو کسی سند یا ماخذ کا حوالہ درج نہیں، اور رائے ماخذ پر اطلاع کے بعد ہی ہو سکتی ہے۔ اغلب یہ ہے کہ یہ قصہ سیرۃ ابن ہشام سے لیا ہو۔ وہ حدیث کی نہیں، سیرۃ کی کتاب ہے۔ اور سیرۃ کی روایتوں کا پایہ حدیث کی روایتوں سے بہت کم درجہ کا ہوتا ہے۔ حدیث سیر پر حاکم رہیگی، حدیث کو سیر کا پابند و ماتحت نہیں کیا جائیگا۔ صدق ملا کے شذرہ میں جو گفتگو تھی، وہ حدیث کے نقطۂ نظر سے تھی۔ اُسکے معارضہ میں حدیث ہی کو لایا جا سکتا ہے۔ اور جب اس پر مزید غور ہو سکے گا۔

اور اس خاص روایت میں تو ابن ہشام نے کوئی سند متصل کمزور بھی نہیں بیان کی ہے۔ بلکہ محض ابن اسحٰق کا نام لیکر چھوڑ دیا ہے، اور آگے نورًا قصہ بیان کر دیا ہے۔ ایسی بے سند روایت پر گفتگو اور بھی نہیں چل سکتی۔

جو جو تصریحات اس اقتباس میں رسول اللہ کی جانب منسوب کی گئی ہیں، اصل روایت میں ان میں سے ایک بھی موجود نہیں، اس میں تو صرف اسقدر ہے،

فقال رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم انما انت فینا رجل واحد فخذل عنا ان استطعت فان الحرب خدعۃ (باب غزوۃ الخندق)

رسول اللہ صلعم نے فرمایا ہمارے گروہ میں تم بس ایک ہی تو ہو، ممکن ہو تو ہم سے کٹ جاؤ۔ لڑائی تو نام ہی دھوکے کا ہے۔

اس میں دروغ گوئی کی اجازت وغیرہ کا کہیں ذکر نہیں۔ اور آگے نعیمؓ کی جن عملی کارروائیوں کا ذکر ہے، اُن میں بھی کہیں صریح دروغگوئی مذکور نہیں۔ صرف ایسی گفتگو درج ہے جس سے دشمن غلط فہمی میں پڑ سکتا ہے، ورنہ وہ باتیں فی الاصل غلط نہیں۔

اسلام اپنے ایک ہیرو کو متقی دیکھنا چاہتا ہے۔ دروغ گو سے بھی اُسی قدر محتاط جسقدر شراب خواری سے۔ یہ تو اصل اور عام قانون ہوا۔ باقی جس طرح بعض حدیثوں سے شدید بیماری کی حالت میں حرام کی

"اجازت" وہ بھی محض بہ قدر ضرورت نکل آتی ہے، شدید ضرورتوں اور مجبوریوں کی حالت میں، جبکہ ایک فرد کی نہیں، امت کے سیکڑوں ہزاروں جانبازوں اور مخلص فدائیوں کی یک وقت موت و زیست کا سوال پیش ہوتا ہے، اسلام نے اگر اپنے اس قانون میں تھوڑی بہت گنجائش نکال لی ہو، وہ بھی بہ قدر ضرورت، جسے جدید جنگی اصطلاح میں **STRATEGY** سکتے ہیں، تو یہ اسلام کے عام قاعدہ، پاکبازی و تقویٰ کے منافی ذرا بھی نہیں۔ قانون بہرحال قانون ہے، اور استثناء بہرحال استثناء۔ دونوں میں صحیح نسبت و توازن بہرصورت قائم رکھنا چاہیے، اور افسوس ہے کہ ہر عالم کا قلم اس باب میں پورا محتاط نہیں۔

شریف رئیس زادی

نواب بہادر یار جنگ کی بیوہ کے ایک دردناک بیان سے اقتباس، یوم وفات کے سلسلہ میں:—

"میرے سرتاج دوپہر کے کھانے کے لیے تیسرے پہر آئے .... اچانک چار بجے میری آنکھ کھلی تو دیکھا کہ وہ کپڑے پہنے چلے ہیں، اور ہاتھ میں جوتے لیے خاموشی سے باہر نکل جانا چاہتے ہیں۔ مجھے بیدار دیکھا تو فرمایا! ارے آپ بھی اٹھ بیٹھیں۔ سالہا سال سے تم مجھے برابر جوتے پہناتی رہی ہو، آج میرا خیال تھا کہ میں خود ہی پہن لوں"... کیا کہوں ۲۲ سال سے برابر جوتے پہناتی رہی ہوں، آج اس خدمت سے محروم ہوں جسکا بیحد صدمہ ہے ... رات کو پونے دس بجے انہوں نے باہر ہی سے پان طلب کیے۔ مجھے کیا خبر تھی کہ میں انکے لیے یہ آخری پان بنا رہی ہوں۔ مجھے اسکا ہمیشہ فخر تھا کہ وہ میرے ہاتھ کے بنے ہوئے پان کے سوا کسی کا پان نہیں کھاتے ہیں — تھوڑی ہی دیر کے بعد موٹر کی آواز سنائی دی۔ میں نے اوپر سے دیکھا کہ میرے سرتاج جا چکے ہیں۔"

الحمدللہ کہ اس بیسویں صدی کے وسط میں بھی اچھی پڑھی لکھی رئیس زادیاں موجود ہیں، جو شوہر کو سرتاج کہتی اور سمجھتی ہیں، اُنکے لیے پان اپنے ہاتھ سے بنانا اپنے لیے باعث فخر جانتی ہیں، اور اُسے جوتا اپنے ہاتھ سے پہناتی رہتی ہیں! اور پھر قائد ملت جیسے مخلص مومن کو تو دنیا میں ایسی ہی جنت ملنی ہی چاہیے۔ الطیبون للطیبات!

طیبات ازکی؟ برائے طیبین

اُردو کی ایک شاخ

کرسچین سائنس مانیٹر (امریکہ) کے لندنی وقائع نگار کے ایک مراسلہ کا اقتباس، بحوالہ لیڈر (الہ آباد) ۱۹ جولائی [illegible]:— "برطانوی بحری تجارت کے سفینے میں جنگ سے قبل پوری چوتھائی کی تعداد میں ہندی ملاح تھے، اور اب بھی اتحادیوں کی جنگی مہم میں عنصر غالب انہیں کا ہے۔ ... عموماً ان ہندی ملاحوں کی ایک خاص مشترک زبان (لنگوا فرینکا) ہے، جسے "لشکریات" کہتے ہیں اور وہ ہندوستانی ہی کی ایک شکل ہے جس میں انگریزی کے الفاظ بحری سفر اور ملاحیت سے متعلق شامل ہیں۔"*

حکیم الامت

نقوش و تاثرات

نمبر (۹)

از عبدالماجد

دن اور تاریخ تو بھلا اب کہاں یاد۔ آخر نومبر یا شروع دسمبر تھا، سنہ غالباً ۱۹۲۸ عیسوی تھا، کہ ہم میاں بیوی مع ایک خادم خادمین کے، تین آدمیوں کا مختصر قافلہ بنائے ہوئے، دن میں کوئی دس بجے کے قریب تھانہ بھون نامی اسٹیشن پر اترے۔ اسٹیشن ابھی تھانہ بھون نہیں، تھانہ بھون ٹاؤن تھا۔ اسٹیشن نہیں، اسٹیشن کا دھوکا!— نہ پلیٹ فارم، نہ بڑی چھوٹی، پکی کچی کسی قسم کی عمارت یا سائبان، ایک چٹیل میدان۔ گاڑی چلتے چلتے بس وہاں دم کے دم رک جاتی۔ ملے دھوکا نہیں، تو آخر حقیقت کیسے کہیے!— بات ذرا شرح طلب آگئی، سمجھ لیجیے تو آگے پڑھیے۔ تھانہ بھون سے جو ریل گزری ہے، اور اپنی چال ڈھال میں اپنی شان آپ!

اے ہم نفس نزاکتِ رفتار دیکھنا!

لیکن بہرحال جیسی کچھ ہے ریل تو ہے۔ مولانا کی بڑی تمنا ایک زمانہ میں تھی کہ ریل اُدھر سے گزرے۔ تمنا پوری ہوئی اور ریل جاری ہوئی لیکن تھانہ بھون کے نام سے جو اسٹیشن تھا، وہ اصل قصبہ شروع ہوتا ہے کوئی دو میل ادھر ہی! حالانکہ لائن جو گزری وہ مولانا کی خانقاہ اور مسجد سے کل دو فرلانگ پر! عجب پرحسرت منظر تھا کہ ریل کی طرف سے آنے والے پاس سے گزرتے چلے جاتے، اور اترتے کہیں جاکر دو میل کے بعد! اور وہاں سے جنگل طے کرتے ہوئے خراب و خستہ آستانہ اشرفی پر حاضر ہو پاتے!

مولانا کو بڑی فکر اب اسکی ہوئی، کہ اسٹیشن کاش قریب ہوتا۔ اسٹیشن تو تھا، لیکن تکلیف بہرحال قائم رہی! — چاند ہوگیا اور عید ہے کہ پھر بھی فوراً نہیں آجاتی!— دعا اور کوشش دونوں اس پر مرتکز ہوگئیں کہ دوسرا اسٹیشن، چھوٹے سے چھوٹا سہی، خانقاہ کے محاذ میں بن جائے — دعا قبول ہوئی۔ اور کیوں نہ قبول ہوتی۔ اللہ نے وہی چاہا جو اُسکے ایک مقبول بندہ نے چاہا تھا۔

تو چنیں خواہی خدا خواہد چنیں
می دہد یزداں مرادِ متقیں

یا یوں کہہ لیجیے کہ مقبول اور اطاعت شعار بندہ پھر وہی چاہنے لگتا ہے۔

---

* اصل کو، اردو زبان بھی تو اسی طرح مختلف قوموں کے میل جول سے بنی تھی۔ اس کی شاخ بھی اگر اسی قاعدہ سے وجود میں آرہی ہے تو عین مقتضائے طبیعت ہے۔

جو اُسکے ایک دولی کا چاہا ہوا ہوتا ہے۔ بہرحال قبولیتِ دعا کا جلوہ ظاہر یہ ہوا۔ گاڑی اُسی مقام پر رُکنے لگی، اور اسی کا نام جامعی اسٹیشن پڑگیا۔ حضرتؒ کو اس میں ایسی دلچسپی تھی، کہ اس جامعی اسٹیشن کو مستقل کرنے کے لیے جو کوششیں ہوئیں، اُن میں برابر عملی حصہ لیا، خود دعائیں، خانقاہ والے ذاکرین و شاغلین سے باضابطہ دعائیں کرائیں، اور ڈپٹی کمشنر تک کے نام خطوط بھیجنے کی جو تحریک خانقاہ ہی سے جاری ہوئی اُس پر اپنے نصیحت و دستخط ثبت فرمائے! —— دنیاداروں کی راحت رسانی کی کوشش کرنا دینداری کے منافی نہیں، یہ تو عین دین ہے۔ لیکن دنیا ہے کہ درویشی و طریقت کو جوگ یا زیادہ سے زیادہ استغراق کے مرادف سمجھنے ہی پر مصر ہے!

۱۰۔ نومبر ۱۹۴۲ء کو یہ جامعی اسٹیشن کھلا۔ ایک منچلے نے اسکا نام "تھانہ بھون شریف" تجویز کیا تھا۔ لیکن حضرت نے شدت کے ساتھ اس سے اختلاف کیا۔ اور "تھانہ بھون ٹاؤن" سے اتفاق کیا۔ اور چند ہی روز گزرے تھے کہ میاں بیوی کا یہ قافلہ اس اسٹیشن پر وارد ہوا! —— کم ہمتوں کی ہمتیں کیسی کیسی بندھائی جاتی ہیں، اور آرام طلبیوں کے لیے کیسے کیسے سامان راحت غیب سے بہم پہونچا دیے جاتے ہیں! —— سواری کا انتظام ایک خادم خاص کی نگرانی میں مولانا کی طرف سے اسٹیشن پر موجود، کہ آنے والے مسافر کو زحمت کسی قسم کی بھی نہ ہونے پائے! لیکن وہ مسافر کم نصیب اپنے ضعفِ قلب و ضعفِ ہمت کو کیا کرے! راستہ بھر دھڑکا یہی لگا رہا کہ دیکھیے ابکی کیا صورت پیش آتی ہے۔ آنا گو ایک بار پہلے ہو چکا تھا۔ لیکن اُس وقت مولانا حسین احمد صاحب کی معیت میں تھا، اور صرف چند گھنٹوں کے لیے تھا۔ ابکی ساری ذمہ داری اپنے ہی اوپر تھی۔ ذمہ داری اپنی ہی نہیں ساتھ والی صاحبہ کی بھی۔ اور پھر قیام کی مدت بھی ابکی بجائے چند گھنٹوں کے دو چار دن کی تھی۔ یا اللہ یہ دن خیریت سے کٹ جائیں یا ایسا نہ ہو کہ اپنی کسی بے تمیزی سے حضرت کو ناگوار کر دیا جائے! دعائیں کیں بھی خوب، اور پڑھیں بھی خوب۔ راستہ دعائیں کرنے اور دعائیں پڑھنے میں کٹ گیا۔ ریل سے قدم جب اُترے ہیں، تو عجب نہیں کہ جاڑے کے موسم کے باوجود پیشانی پر پسینہ کے قطرے بھی ہوں!

خانقاہ کو حضرت کے زنانہ مکان سے بالکل متصل ایک مختصر علحدہ گھر میں اُتار کر حاضری مولانا کی خدمت میں دی۔ نشست حسب معمول خانقاہ کی سہ دری میں تھی۔ (کسی پچھلے نمبر میں یہ جغرافیہ آپ ہی کی نظر سے گذر چکا ہے!) معمولی مزاج پرسی کے بعد پہلا سوال یہ ہوا کہ قیام کا طور کیا رہےگا؟ آپ یہاں مردانہ مہمان خانہ میں رہیں گے اور گھر میں اسی الگ مکان میں؟ یہ دونوں یکجا؟ سوال ظاہر ہے کہ بالکل معاملہ سیدھا صاف تھا۔ لیکن جواب دینے میں یہ معلوم ہو رہا تھا کہ جیسے پہاڑ پر چڑھا جاتا ہے! لڑکپن کا وہ سماں یاد آگیا جب اسکول کے بچے بورڈوں میں "انسپکٹر" صاحب کے نے آتے تھے، اور لڑکے تو لڑکے ماسٹر تک تھرائے ہوتے تھے! کس مشکل سے سارے کھوئے ہوئے حواس جمع کرکے عرض کیا کہ "جیسا ارشاد عالی ہو"! جواب بہ خشونت کے ساتھ نہیں، یکسر لطف و شفقت کے ساتھ ملا، کہ "ارشاد یہی ہے کہ آپ اپنی زبان سے ارشاد فرماویں"! —— لیجیے، اسپر دن کا آخری قلعہ بھی مسمار ہو گیا۔ ہائے اللہ! اب کیا جواب دیا جائے!

آپ ان سطروں کو پڑھتے جاتے ہیں اور زیرِ لب مسکراتے جاتے ہیں۔ خدا نہ کرے کہ آپ کو ایسی بےبسی اور گھبراہٹ کا تجربہ کبھی ہوا ہو! آیندہ کبھی ہو! اللہ کا کرنا دیکھیے، کہ عین اسی گاڑی سے سہارنپور سے مولانا عبداللطیف صاحب (صدر مدرسہ مظاہر علوم) اور مولانا محمد زکریا صاحب شیخ الحدیث بھی وارد ہوئے تھے، اور دونوں صاحب بھی مجلس میں پاس ہی بیٹھے ہوئے تھے۔ نو وارد کو اس کیفیت میں دیکھا تو مولانا شیخ الحدیث کو رحم آگیا، اور حضرت سے مخاطب ہو کر بولے کہ "حضرت یہ تو ظاہر ہے کہ دونوں کو الگ رہنے میں سہولت زیادہ رہےگی"۔ مشکل آسان ہو گئی۔ اور بات کی بات میں ختم ہو گئی —— راقم اور سیاہ کا ضعفِ ہمت تو ظاہر ہی ہے، لیکن بڑی شخصیت کا رعب اور اسکی ہیبت دل سے نکلتے ہی نکلتی ہے۔ سننے کو تو سبھی سن لیا جاتا ہے۔ لیکن یاد اس کام کی بات کو بھی رکھا جائے!

ہیبتِ حق است ایں از خلق نیست
ہیبتِ ایں مردِ صاحب دلق نیست

قیام تین دن رہا، کچھ کم یا زائد۔ واپسی غالبًا چوتھے دن ہوئی۔ مکان کچھ معمولی سا تھا۔ مادی راحت کے سامان کچھ زیادہ نہ تھے۔ اسپر بھی وہ لطف و سرور کہ الفاظ سے اسکا اظہار دشوار —— قناعت کی ستھری غریبانہ زندگی کا کوئی اندازہ ہی اونچے محلوں میں رہنے والے اہل ہوس کو نہیں ہو سکتا! —— مولانا کی مرتب و منظم زندگی کا نظارہ پہلی بار ہوا۔ حاضری کے اوقات معین و مقرر تھے۔ چاشت سے لیکر قریب دوپہر تک گھنٹہ ڈیڑھ گھنٹے کے لیے مخصوصین کی حاضری۔ پھر بعد ظہر سے لیکر عصر تک، کوئی دو گھنٹے کے لیے عام نشست۔ ایک دن قبل عشا خود بدولت کی تشریف آوری بھی ہوئی۔ یہ بالکل مخصوص عزت افزائی و کرم فرمائی تھی، کہ شاید باہر سے آنے والے کو کوئی بات نجی میں کہنے کی ہو۔ مہمانداری حضرت ہی کے ذمہ رہی۔ عام دستور یہ تھا کہ مہمان خانقاہ میں مقیم ہو کر اپنا خود ہی کوئی انتظام کھانے کا کرتے تھے۔ یہاں یہ صورت خاص رہی کہ مولانا نے اپنا مہمان بنائے رکھا۔

گفتگوئیں کن کن بحثوں پر ہوئیں، مقالات و ملفوظات کیسے کیسے سننے میں آئے، اب سولہ برس کے بعد بھلا کسے یاد۔ لیکن ایک سوال و جواب کا نقش دل میں خوب بیٹھا ہوا، حافظہ میں ایسا تازہ کہ گویا کل ہی کا واقعہ ہے۔ شب کی تنہائی تھی، پوچھنے والے نے اپنی سادہ دلی بلکہ سادہ لوحی سے پوچھ لیا کہ "حضرت کوئی ایسا بھی طریقہ ہے جس سے

اپنا مقام بعد موت معلوم ہو جائے؟ سُنا تو یہ ہے کہ بعض بزرگ اپنے مریدوں کو اُنکے مقام کا مشاہدہ کرا دیتے ہیں"۔ جواب میں ارشاد ہوا کہ ایسا ہی سوال میں نے ایک بار اپنی کم عمری میں اپنے اُستاد حضرت مولانا محمد یعقوبؒ سے کر دیا تھا۔ مولانا نے فرمایا کہ "ابھی تو یہ کردو تو یہ۔ ایمان چھوڑ کر کفر کی طلب کر رہے ہیں! ایمان کے معنی ہی یہی ہیں کہ حالت امید و بیم کے درمیان قائم رہے۔ انجام کی طرف سے بے فکری کیسی"؟ اور پھر دو گھنٹہ کے وقفہ کے بعد فرمایا: "یہ رؤیتیں محض ظنی و تخمینی ہے۔ اعتبار کے قابل کوئی بھی نہیں"۔ —— ارشادات عالی سے زبان نے سکوت تو اسی وقت اختیار کر لیا تھا۔ دل کو سکون بھی بحمد اللہ ایک عرصہ کے بعد ہو گیا۔

بچہ کی ولادت کئی سال پہلے بعد ماہ سنہ ۲۵ء کے مارچ (مطابق ماہ رمضان) میں ہوئی تھی اور قدرۃً ماں، دادی، نانی وغیرہ کے دلوں کی کلیاں سب کھل گئی تھیں، لیکن امانت چند ہی ہفتوں میں واپس لے لی گئی! اور اب قسمت والا تب کو تو خیر، لیکن ماں بیکی کو دلی تمناؤں آرزوؤں کے بعد پھیرنے میں آئی تھی اور دیدہ انا تانا تمام امانت کی گئی تھی" سخت دق ہو گئی۔ ساس مدت بہت ہی زیادہ ہوا اور غم کا بوجھ کئی ہفتوں گزر جانے پر بھی بلکل ہلکا نہ ہوا —— سفر تھانہ بھون کے محرکات میں سے ایک چیز یہ بھی تھی۔

حاضری کا دوسرا یا شاید تیسرا دن تھا کہ حضرت نے اعلان فرمایا کہ کل مسجد میں وعظ ہے۔ وعظ مدت ہوئی بہت کم ہو گئے تھے، اور سفر پر باہر جانا تو اب بند ہی ہو چکا تھا، وعظ کا یہ اعلان سُنکر لوگ خوش بہت ہوئے ساتھ ہی کچھ متعجب بھی۔ وعظ ہوا۔ دیر تک ہوا۔ حسب معمول خوب ہوا۔ موضوع اور عنوان تو اب یاد نہیں (چھپ کر شائع ہو چکا ہے، لیکن اب اس وقت تلاش کی زحمت کون گوارا کرے)۔ ہاں اچھی طرح یاد ہے کہ طبعی غم و رنج و صدموں کا ذکر بار بار آتا تھا، اور طریقہ تسکین و تسلی کے ارشاد ہو رہے تھے —— وعظ کی آیت، سننے کے بعد یہ کھلی کہ ایک زخمی دل کی تسکین و دلدہی تھی! اللہ اکبر! اپنے مخلصوں کے جذبات کی کیسی رعایت اور کیا دلداری تھی!

واپسی ہوئی تو دل گویا نشہ سے چور۔ طبیعت فرحت و نشاط سے معمور۔ معلوم ہوتا تھا کوئی خزانہ ہاتھ آ گیا ہے۔ کوئی کس کا امر کیا ز بیانت ہو گیا ہے! میاں بیوی کا ساتھ تو زندگی بھر کا ہوتا ہے۔ چولی دامن کا ساتھ ہے۔ لیکن ایسا ساتھ کم ہی نصیب ہوتا ہے۔ ایسی رفاقت نصیب ہی سے ہاتھ آتی ہے۔ دونوں اپنے اپنے ظرف و بساط کے لحاظ سے شاد و بامراد۔ دونوں اپنی اپنی جگہ مست و سرشار!

پی کے ہم تم جو چلے جھومتے میخانے سے!

لفظ بہ لفظ، حرف بہ حرف حسب حال! مصرعہ، اس پر نہ جائیے کہ کس بدنام شاعر کا کہا ہوا، کس بدنام گلے سے نکلا ہوا، کس بدنام گلی میں سُنا ہوا ہے۔ حسب حال اتنا کہ اجازت کر رہم من کہنے کی دیجئے؟

پی کے ہم تم جو چلے جھومتے میخانے سے!

ارشادات اشرفیہ

(۷)

(از سید غلام رسول صاحب مہتمم مجلس دعوت الحق اورنگ آباد، حیدرآباد دکن)

(۱) کسی گناہ سے توبہ کرنے کے بعد اُسکی یاد سے نفرت محسوس ہونا اُس گناہ کی توبہ مقبول ہونے کی علامت ہے۔

(۲) صفائی قلب کی بدولت حقائق و اسرار کا ادراک ہونا فراست ہے جو کشف کا ایک شعبہ ہے۔

(۳) بُرے اخلاق کے نشاء کو ضعیف و مضمحل کرنے اور اچھے اخلاق حاصل کرنے کی کوشش کرنا ریاضت ہے۔

(۴) بہت سے ذاکرین کا ایک جگہ جمع ہو کر ذکر کرنا ذکر حلقہ کہلاتا ہے۔

(۵) مقامات سلوک کی تحصیل یعنی اخلاق کی درستی (اصلاح عمود نیا) سیر الی اللہ کہلاتا ہے جسکی انتہا پر سلوک متعارف ختم ہو جاتا ہے۔

(۶) مصلح (یا شیخ) کی اجازت کے بغیر اپنی رائے سے کسی قسم کا مراقبہ وغیرہ کرنے میں بجائے نفع کے مضرت کا قوی اندیشہ ہے۔

(۷) مجاہدہ کے چار رکن ہیں (۱) تقلیل طعام مباح (۲) تقلیل کلام مباح (۳) تقلیل منام مباح (۴) تقلیل اختلاط مع الانام مباح۔

(۸) مقامات سلوک اور ذکر میں رسوخ و ترقی حاصل کرنا اور صفات و عیدیہ کے درمیان جو خصوصیات ہیں اُنکے انکشافات میں دن بدن ترقی ہونا اور اللہ تعالیٰ کے افعال و صفات کا منکشف ہونا سیر فی اللہ ہے۔ جو لا متناہی ہے۔

(۹) کثرتِ کلام مباح، کثرتِ طعام مباح، کثرتِ منام مباح، کثرتِ اختلاط مع الانام مباح، عقبات معصیت کہلاتے ہیں۔

(۱۰) ایک مرید کے احوال کو دوسرے مرید کے سامنے بیان کرنا اس لیے ناجائز ہے کہ دونوں میں رشک و حسد پیدا ہونے کا قوی احتمال ہے۔

اُردو یا رومن رسم الخط

(اُردو کانگریس کا فیصلہ)

.... اسکے بعد ڈاکٹر جعفر حسین صاحب نے ایک ہنگامہ خیز سلسلہ چھیڑ دیا۔ آپکی تحریک کا مقصد اُردو کی نشر و اشاعت اور اُردو ادب کی توسیع کے لیے رومن رسم الخط کی ترویج تھا۔ اس تحریک کا پیش ہونا تھا کہ ایوان کی پُرسکون فضا نے طوفانی صورت اختیار کر لی۔ ایوان کے ہر گوشے سے مخالفت کا سلسلہ شروع ہو گیا۔ بڑی مشکل سے صورت حال پر قابو پایا گیا اور محرک کو وضاحتی تقریر کا موقع دیا گیا۔ اس تحریک کے مؤید قاضی عبدالغفار صاحب تھے۔ محرک اور مؤید نے اپنی ساری استدلالی توانائیاں صرف کر دیں اور دھواں دھار تقریروں سے ایوان کو یقین دلایا کہ یہ تحریک اُردو کے دور رس مفادات کی حامل ہے۔ لیکن مخالفین کے گروہ نے جسکی نمائندگی پروفیسر اوزن خاں صاحب شیروانی، مولوی عبدالصمد صاحب ہاشمی ردولوی، خواجہ محمد احمد صاحب کر رہے تھے ایوان کو اس امر پر مجبور

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۲۲)

س علامت سوال کی ہے، ج علامت جواب کی

س - کل تاریخ ۲۰ رجب نکاح ہونا قرار پایا ہے - دعا کیجیے گا - زندگی کی نئی منزل شروع ہوتی ہے - اللہ پاک اپنے فضل و کرم سے طے فرا دے -

ج - اللہ مبارک کرے - اللّٰھم الّف بینھما - بیوی اگر مرضی کے موافق مل جائے تو اللہ کی ایک بہترین نعمت ہے - اگر خدانخواستہ موافقت نہ ہوئی جب بھی حسن اسلوب کے ساتھ نباہ کر دینے میں صبر کا اجر و مرتبہ تو کہیں ہاتھ سے گیا نہیں -

س - عبادات میں جی نہیں لگتا - رغبت میں کمی معلوم ہوتی ہے - اللہ ہی ہمیں اپنی طرف متوجہ کرے -

ج - ایک حدیث میں آیا ہے کہ جو شخص اٹک اٹک کر قرآن پڑھتا ہے اُسے خود اس مشقت کا بھی اجر ملتا ہے - اس پر قیاس عبادت کا کیا جا سکتا ہے - بے رغبتی کے باوجود ادائے عبادت، اجر عبادت میں سے کچھ گھٹائیگی نہیں، مجاہدہ کا اجر مزید ان شاء اللہ بڑھا دیگی - ہاں اپنے ارادہ سے غفلت و کوتاہی ہرگز نہ ہونا چاہیے -

س - اب تک کوئی حال مجھ پر طاری نہیں ہوا، اور کچھ دکھائی وغیرہ بھی نہیں دیتا - فی الحقیقت یہ سب مقصود بھی نہیں -

ج - 'حال' سے کوئی غیر معمولی حال مراد نہ لیا جائے - روزمرہ جو کیفیات اچھی بری، بڑی، چھوٹی، از خود طاری ہوتی رہتی ہیں، یہ سب حال ہی میں داخل ہیں - ''دکھائی دینے'' سے جو کیفیات مراد ہیں، انکی صرف غیر مقصودیت کا جان لینا کافی نہیں، بلکہ انکا انتظار بھی کسی درجہ میں اور ذہن میں انکی جانب التفات بھی نہ رہنا چاہیے -

س - اب معمول میں اسم ذات اللہ اللہ تین ہزار مرتبہ اور درود شریف ایک مرتبہ روزانہ ہے - مناجات مقبول بھی روزانہ معمول میں ہے - علاوہ تہجد کے عشا کے بعد وتر سے پہلے آٹھ رکعت پڑھ لیتا ہوں -

ج - ماشاء اللہ والحمد للہ - سب بہت مناسب و مبارک ہے - اللہ تعالےٰ استقامت و مزید ترقی عطا کرے - اور آپکے طفیل میں اس نامہ سیاہ کو بھی ہمت نصیب ہو -

س - حقوق الزوجیت سے متعلق آنجناب سے ہدایات چاہتا ہوں - تاکہ ذمہ داریوں سے باخبر ہو جاؤں -

ج - تفصیلی جواب کے لیے تو بڑا وقت چاہیے - صدق کے پچھلے نمبروں میں کئی بار خطبۂ نکاح چھپ چکے ہیں - ان پرانے پرچوں کا مطالعہ مفید ہوگا -

اسوقت دو لفظوں میں صرف اسقدر کہدینا کافی ہے کہ میاں بیوی میں چولی دامن کا ساتھ ہے - اتنا ہمہ وقتی سابقہ بالغ ہونے کے بعد کسی اور رشتہ میں نہیں ہوتا - ایک دوسرے کی کمزوریاں بھی قدرۃً جتنی اس رشتہ میں کھلتی ہیں، کسی اور میں نہیں کھلتیں - چشم پوشی اور درگزر کی ضرورت قدم قدم پر پڑیگی - ساتھ ہی اصلاح کی کوشش بھی لازمی ہے -

س - رات کے وقت ۱۲ بجے کے قریب ہر جگہ کسی پرند کے اڑنے کی آواز آتی ہے - بارہا دیکھنے کی کوشش کی، لیکن نظر نہیں آتا - بعض لوگ کہتے ہیں کہ یہ فرشتہ ہوتا ہے -

ج - ''ہر جگہ'' سے متعلق تو دعوے ہی سرے سے صحیح نہیں - جیسا کہ بالکل ظاہر ہے - البتہ کسی خاص جگہ سے متعلق ممکن ہے یہ تجربہ ہو - احتمالات تو بہت سے ہیں - ممکن ہے آواز کسی اور چیز کی ہو، پرندگی سی صرف معلوم ہوتی ہو - ممکن ہے کوئی پرند ہی ہو، مگر نظر نہ آتا ہو - ممکن ہے کہ محض وہم ہی کو جو جم گیا اور متعدی ہو گیا ہو - اور اس قسم کے سارے احتمالات کے بعد یہ بھی ممکن ہے کہ کسی جن کی آواز ہو - فرشتہ کا خیال بہرحال دل سے نکال ڈالیے - فرشتوں کے کاروبار تو ہر لمحہ اور ہر آن جاری رہتے ہیں، لیکن انکے نورانی اجسام ہماری سماعت، بصارت و دیگر مادی حواس کی گرفت سے بالاتر ہیں -

قحط کا اثر اخلاق پر

کلکتہ کے اخبارات لکھتے ہیں کہ کلکتہ میں ہزاروں ایسی عورتیں آجکل عام عیاشوں اور فوجی سپاہیوں اور غیر ملکی فوجیوں کی خواہشات نفسانی کا شکار بن رہی ہیں جو کسی زمانہ میں شریف گھرانوں سے تعلق رکھتی تھیں، لیکن قحط نے انکو بالکل بے سروسامان اور بے خانماں بنا رکھا ہے - ان میں زیادہ تر آس پاس کے اضلاع و دیہات کی جوان لڑکیاں ہیں جنکے ماں باپ بھائی اور شوہر بھوکوں مر گئے یا انھیں چھوڑ کر کسی طرف نکل گئے - حقیقت میں یہ بہت بڑی آفت ہے جو بنگال پر نازل ہو رہی ہے - کچھ مدت کے بعد جنگ ختم ہو جائیگی اور کلکتہ کی آبادی میں جو عارضی اضافہ ہو رہا ہے وہ بھی معدوم ہو جائیگا - ان آوارہ عورتوں کے ہاں حرامی بچے پیدا ہونگے - پھر ان عورتوں اور انکے بچوں کا کیا حشر ہوگا؟ کیا حکومت بنگال کو اس مسئلہ کی سنگینی کا احساس ہے؟ کیا اُس نے اسکے حل کی کوئی تدبیر سوچی ہے؟ کیا رفاہ عام کی انجمنوں اور ملک و قوم کے کارکنوں نے ان عورتوں کو بچانے کا کوئی پروگرام تجویز کیا ہے؟ ہمیں نہایت شرم و ندامت سے یہ اعتراف کرنا پڑتا ہے کہ ان میں کثرت مسلمان عورتوں کی ہے - اور یہی زیادہ غریب و نادار ہیں - کیا بنگال اور ہندوستان کے مسلمان ان مصیبت زدوں کو بچانے کیلیے کوئی قدم اٹھائیں گے؟ (انقلاب)

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق - گولہ گنج لکھنؤ سے شایع کیا -

سینما اور مسلم

نمبر (۱)

سینما کنٹرول بورڈ کے اغراض و مقاصد ہمیں دوسری مرتبہ موصول ہوئے ہیں اور اس مرتبہ سکریٹری صاحب کا سخت تقاضہ ہے کہ ہم اس پر ضرور کچھ لکھیں، انھیں ہم سے بڑی توقعات بھی ہیں۔

اس چھوٹے سے پمفلٹ کو پڑھ کر جو ہمیں بھیجا گیا ہے ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ سینما بورڈ کے اغراض و مقاصد مختصراً یہ ہیں:

(۱) دارالتصاویر کے منیجروں اور مالکوں کو ایسی تصاویر کی اشاعت پر مجبور کرنا جن میں مسلمانوں کی حقیقی تہذیب، تمدن اور ان کی خصوصیات کو بہترین طریقے سے پیش کیا گیا ہو۔

(۲) دارالتصاویر میں مسلمانوں کو حسب تناسب ملازمتیں دلانا۔

(۳) سینماؤں میں مسلمان عورتوں کے لیے پردہ کا انتظام کرانا۔

(۴) فلمی صنعت میں اردو زبان کی تخریب کو روکنا۔

پہلی مرتبہ جب یہ پمفلٹ ہمیں ملا تو ہم یہ سوچتے رہے کہ اس پر کیا لکھیں۔ اور بالآخر کچھ نہ لکھ سکے۔ دوسری مرتبہ یہ پھر ہمارے سامنے ہے اور ہم پھر سوچ رہے ہیں۔ مگر اس مرتبہ آواز بلند۔

اس پمفلٹ میں لکھا ہے "موجودہ زمانہ میں تصویر سینما دنیا کے ہر گوشے میں بہت عام ہو چکی ہے اور یہ امر مسلمہ ہے کہ اس زمانے میں ہر شخص کو فرداً فرداً تصویر دیکھنے سے باز رکھنا تقریباً ناممکن ہے، تو وجہ کہ اسکے بہتر پہلوؤں کو مدنظر رکھتے ہوئے اس سے فائدہ نہ حاصل کیا جائے؟"

اسکے بعد دوسرے ہی پیراگراف میں یہ تحریر ہے "ایک اور زبردست اعتراض جو کہ فلمی صنعت پر عائد کیا جاتا ہے وہ یہ ہے کہ موجودہ تصاویر مخرب اخلاق ہوتی ہیں۔ اعتراض تقریباً درست اور مناسب ہے۔ ذرا غور تو فرمائیے کہ ان تصاویر کو کامیاب بنانے والے کون لوگ ہیں؟ اگر آج ہم اور آپ اس بات کا تہیہ کر لیں کہ آئندہ ہر اس تصویر کو جس میں انسانی اخلاق کو خراب کرنے کا شائبہ بھی موجود ہوگا، کبھی کامیاب نہ ہونے دیں گے تو کیا کبھی ایسی مخرب اخلاق تصاویر کامیاب ہو سکتی ہیں؟ اور ناکامی کی صورت میں کیا آئندہ بھی کسی تصویر ساز کو ایسی بیکار تصاویر کے بنانے کی جرأت ہو سکتی ہے؟ ہر ذی عقل انسان مندرجۂ بالا سوالات کا جواب نفی میں دیگا۔ اس لیے یہ بات صاف ظاہر ہے کہ تصویر ساز کو بہتر اور کارآمد تصاویر بنانے پر مجبور کرنا بھی ہمارا اور آپ کا ہی کام ہے۔"

اس پمفلٹ میں اس واقعہ کا بھی ذکر ہے کہ سینما ہاؤسوں کی آمدنی زیادہ تر مسلمانوں کی جیب سے آتی ہے۔ گویا آبادی میں تعداد کم ہونے کے باوجود سینما دیکھنے والے بمقابلہ ہندوؤں کے مسلمان زیادہ ہیں۔ کسی زمانہ میں تھیٹر سے یورپ میں کیا کام لیا گیا، اور اب فلم سے کیا مفید لیا جا رہا ہے

اگر ظلم اور تخریب کی تاریخ کے دو مفید پہلو بیان کیے جائیں تو بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔ مگر کون چیز مفید اور مضر ہے اسکا تعین بھی تو آسان نہیں ہر قوم کے نزدیک اچھا اور برا وہ ہے جو اسکے نیکی اور بدی کے معیار اور زندگی کے تصورات کے مطابق اور خلاف ہو۔ یورپ قوم پرست ہے اور حصول زر اور زمین کی ہوس کے ساتھ۔ ملک فتح ہوں اور تجارت فروغ پائے اس مقصد کے حاصل کرنے میں اگر ساری قوم کے تمام اخلاقی محاسن کی قربانی کی ضرورت ہو تو منظور ہے ان میں سے جو یہ قربانیاں پیش کرنے کے لیے آگے بڑھینگے انھیں مخلص قوم پرست کہا جائیگا۔ انکی یادگاریں قائم ہونگی اور انکے بت بنا کر نصب کیے جائیں گے۔ جاسوسی کی تاریخ دیکھیے اپنے ملک اور قوم کی فتح کے لیے صدہا عورتوں نے جاسوسی کی۔ حسن صورت اس مہم میں انکا سب سے زیادہ طاقتور ہتھیار رہا اور عصمت کی قربانی تکمیل مقصد کا آخری ذریعہ۔ انھیں اس بداخلاقی پر ذرا بھی حیا نہیں آئی۔ اور نہ انکی قوم کو بلکہ اس پر نازاں ہیں کہ انھوں نے قوم کے لیے عزت و وقار اور ناموس تک قربان کر دیا۔

روس نے اشتراکیت کا مقصد حاصل کرنے کے لیے ہر اس نیکی اور بدی کو تباہ کر دیا۔ جو اس مقصد کی راہ میں روک معلوم ہوئی۔ حتیٰ کہ اللہ کا جنازہ بنا کر دریائے والگا میں دفن کیا۔ لیکن اسوقت جو جنگ میں فتح حاصل کرنے کے لیے جذبۂ حب وطن مفید معلوم ہوا اور مذہب کے معاملے میں رواداری تو جب یوکرائن کے سپاہی جرمنوں کو دھکیلتے ہوئے یوکرائن میں پہنچے تو وطن کی زمین اور در و دیوار کو سینوں سے لگا کر عاشقانہ وارفتگی کا اظہار کرنے لگے اور حکومت کی طرف سے اعلان عام ہو گیا کہ عبادتگاہیں کھول دی جائیں اور جسکا جی چاہے جس مذہب کی پیروی کرے حکومت مخل نہیں ہے۔

روس کی نظر میں وہ اشتراکیت جو اسوقت وہاں مروج ہے سب سے بڑا مقصد ہے۔ اسکے مقابلہ میں نہ ان اخلاقی قدروں کی قدر ہے جو اسکی ترقی میں مارج ہوں نہ ان کتابی اور مذہبی تصورات کی جو سدراہ ہوں۔ جسوقت جو مقصد قائم ہو گیا ہے وہی سب سے زیادہ محترم اور معزز ہے۔ اسکے لیے اخلاق، تصورات، عقائد، اور زندگی کے تمام نظام بدلے جا سکتے ہیں، اور اس مقصد کی کامیابی کے لیے لٹریچر، سینما اور تھیٹر استعمال ہوتے ہیں۔ جوہر انسانیت خواہ بالکل سوخت ہو جائے، مگر آج کا مقصد کسی طرح حاصل ہو۔

اسکے مقابلہ میں مسلمان ہیں۔ نہ انکا مقصد حکومت ہے، نہ ملک گیری ہے، نہ زرکشی ہے۔ انکا مقصد اول انسانیت محض ہے ہر انسانیت کو فروغ دینا ہے اور اسکے ذریعہ سے ان میں عدل قائم کرنا۔ بہت ہی روکھا پھیکا اور بے مزہ سا مقصد ہے مگر یہ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ صرف ان لوگوں کو جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کو اسکی پوری وسعت میں نہ دیکھ سکتے ہیں نہ سمجھ سکتے ہیں اور انکا دل و دماغ اور پورا وجود نفس کی طغیانیوں میں خس و خاشاک کی طرح

پڑتے رہتے ہے مگر سلیم الطبع اور سلیم العقل کہتا ہے کہ کائنات میں سب سے زیادہ قابل قدر اور قابل احترام وہ خصوصیات جنکی وجہ سے اسکو حیوانوں پر شرف حاصل ہے اسکو دنیا کے تمام منافع اور نفس کی تمام مرغوبات سے ایک مقصد کے تابع کرنے سے عمل اور نتائج میں عدل قائم ہو سکتا ہے۔

اس مقصد کی تکمیل میں فلم اور تھیٹر سے کیونکر مدد ملیگی؟ یہ مسئلہ ہے جس پر غور کرنا چاہیے۔ اگر اس امر کی تحقیق کی جائے کہ یورپ میں اور ہندوستان میں کتنی فلم کمپنیاں واقعی کسی جلیل مقصد کے لیے قائم ہوئی ہیں اور کتنی صرف زرکشی کے لیے تو معلوم ہوگا کہ سو فی صدی زرکشی کے لیے۔ پھر یہ تحقیقات کی جائے کہ فلم اسٹوری لکھنے والے سب سے زیادہ کس بات کا خیال رکھتے ہیں؟ نفاذیت کا یا عوام کے ہیبے دیکھنے کی ترغیب کا۔ اور آگے بڑھیے۔ یہ تحقیقات کیجیے کہ ایکٹروں کے انتخاب میں کس صفت کو ترجیح دی جاتی ہے؟ اخلاقی محاسن کے ساتھ اخلاص کو یا اُس حسن صورت اور چال ڈھال کی دلربائی کو جسکی وجہ سے لوگوں میں فلم دیکھنے کا شوق پیدا ہو۔ لباس کے انتخاب میں پردہ پوشی کو یا جسمانی زینتوں کی نمائش کو، حرکات و سکنات میں حیا اور وقار کو یا شوخی شنگی اور بیحیائی کو، سب جانتے ہیں کہ واقعہ کیا ہے، روپیہ خرچ کرکے سینما میں سبق لینے کون جاتا ہے؟ سب تفریح کے لیے جاتے ہیں، اور تفریح ہوتی ہے اچھی صورتوں سے اچھی آوازوں سے اور ہوسناکانہ حرکات و سکنات سے۔ نفسانیت کے اتنے کثیف پردوں میں سے وہ کتنی آنکھیں ہیں جو بلند کردار کا مطالعہ کرتی ہیں۔ کتنے دل ہیں جو حسن عمل کی ترغیب لیکر آتی ہیں؟ ایک لاکھ میں ایک کم ایک لاکھ وہی ہیں جو ان اچھی صورتوں اور ہوسناکانہ حرکتوں کے خیال میں سوتے ہیں، اور روزانہ برائیوں کی ان نئی نئی روشوں کی مشق کرتے ہیں جو وہ دیکھتے ہیں۔ رہا وہ ایک جو ایسا نہیں ہے اس کا کردار خود اتنا بلند ہوتا ہے کہ اسکو حسن عمل اور حسن خیال کا سبق لینے کے لیے فلم میں جانے کی ضرورت نہیں۔ (باقی آیندہ)

دو خواب

(بہادر سپاہی آقا کے دربار میں)

حیدرآباد۔ ۹ رشہریور۔ مجاہد اعظم قائد ملت علیہ الرحمہ کے نمایندہ جلسۂ تعزیت میں جو ۸ رشہریور ۱۳۵۳ ف شب جمعہ کو بمقام زمرد محل حیدرآباد کے نمایندہ مسلمہ اداروں کی جانب سے باہتمام مجلس اتحاد المسلمین، حلقۂ ب منعقد ہوا۔ قائد ملت سے متعلق دو خواب سنائے گئے۔ ایک خواب اورنگ آباد سے مولانا سید شاہ جمال الدین صاحب نبیرۂ حضرت فخر الاولیاءؒ نے روانہ کیا ہے۔ جس میں لکھتے ہیں کہ اورنگ آباد میں قائد ملت کی حیات میں یوم حسینی کا جلسہ ہوا تھا۔ اُس جلسہ کے تقریباً پندرہ یوم بعد میرے دماغ میں یکایک یہ خیال پیدا ہوا کہ قائد ملت انسانی آدمی ہیں، انکے قلب کی حالت کو خدا جانتا ہے۔ قائد ملت مولوی محمد بہادر خاںؒ کے متعلق متعدد خیالات پیدا ہوگئے۔ اُسی روز رات میں میں نے ایک خواب دیکھا جو حرف بہ حرف درج ذیل ہے:-

ایک بہت بڑا جلسۂ میلاد النبی ہے، جس میں ہزاروں آدمی موجود ہیں۔ وہاں ایک چبوترہ پر قائد ملت تنظیم قائم کرنے کے لیے کھڑے ہوے ہیں۔ میں انکے قریب پہونچا اور سلام کیا اور قائد ملت نے ہاتھ بڑھایا تو انکے سیدھے ہاتھ کی ہتھیلی پر میں نے "عشق محمدیؐ" جلی خط میں لکھا ہوا دیکھا۔ اسکے بعد ہی میں نے انکا ہاتھ پکڑ کر ہتھیلی کا بوسہ لیا۔ قائد ملت نے فرمایا کہ سید صاحب مجھے آپ کے ہاتھ کا بوسہ لینا چاہیے، آپ نے ایسا کیوں کیا؟ تو میں نے عرض کیا کہ میں نے اس لیے بوسہ نہیں لیا کہ آپ قائد ملت ہیں، نہ اس لیے کہ آپ جاگیردار ہیں، اور نہ اس لیے کہ آپ کا وقار مسلمانوں میں زیادہ ہے۔ قائد ملت نے فرمایا کہ پھر کیا سبب ہے۔ میں نے عرض کیا کہ آپ کی ہتھیلی پر "عشق محمدیؐ" لکھا ہوا دیکھا، اس لیے بوسہ لیا۔ اسلئے قائد ملت نے میرے پیٹ پر سر رکھدیا اور فرمایا کہ میرے سر پر ہاتھ رکھدیجیے۔ میں نے حسب الحکم سر پر ہاتھ رکھدیا۔ اسکے بعد میری آنکھ کھل گئی۔

میں نے اس خواب کو قائد ملت کے پاس روانہ کیا تھا۔ قائد ملت نے یہ جواب عنایت فرمایا تھا کہ آپ کے جذبات کی صحیح ترجمانی ہے۔ آپ میرے لیے دعا فرمائیے کہ میرا ہر قول صادق میں لکھا جائے۔

پہلا خواب سنانے کے بعد معتمد جلسہ حکیم لئیق احمد صاحب فائق نعمانی اڈیٹر صحت عامہ نے کہا کہ اس خواب کی تصدیق ایک اور خواب سے ہوسکتی ہے۔ جبکہ قائد ملت کے انتقال کے چند روز بعد حیدرآباد کے ایک بہت بڑے شاعر نے جنکے عاشق رسولؐ ہونے میں کوئی کلام نہیں ہے (یعنی حکیم الشعراء حضرت امجد حیدرآبادی) نے عالم رویا میں دیکھا کہ دربار رسالت آراستہ ہے حضرت آقائے کائنات رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم رونق افروز ہوکر نماز مغرب ادا فرماتے ہیں۔ اسکے بعد آپ ممبر پر تشریف لاتے ہیں۔ اسوقت دو صحابی ایک نعش لاکر آپ کے سامنے پیش کرتے ہیں۔ حضرت نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ارشاد فرماتے ہیں۔ یہ میرے محبوب بہادر خاں کی نعش ہے۔ یہ ایسا تھا ایسا تھا، اسکے اوصاف بیان کرتے رہے۔ آقائے کائنات اوصاف گنا ہی رہے تھے کہ آنکھ کھل گئی۔ (رہبر دکن)

بزم ہمدردان صدق

(۱) ایک مخلص قدیم از مغربی ہند عطیہ سالانہ شش ماہہ آیندہ
(۲) ... بیگم صاحبہ از بھوپال ۵٫
(۳) عبد الرحیم صاحب از ٹکیٹ فرم پور جمادی عہ ٫

جزاہم اللہ خیر الجزاء

مہتمم صدق

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖٓ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

(اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں)

ایڈیٹر۔ عبد الماجد

پتہ:۔ دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب:۔ (حکیم حافظ) محمد عبد القوی بی۔ اے

مضامین کے بارے خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور

کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:۔

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ۔

چندہ سالانہ پانچ روپیہ

〃 ششماہی ۳

ممالک غیر سے سالانہ ۸ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲

صدق

رجسٹرڈ نمبر ل ۱۳۹۱
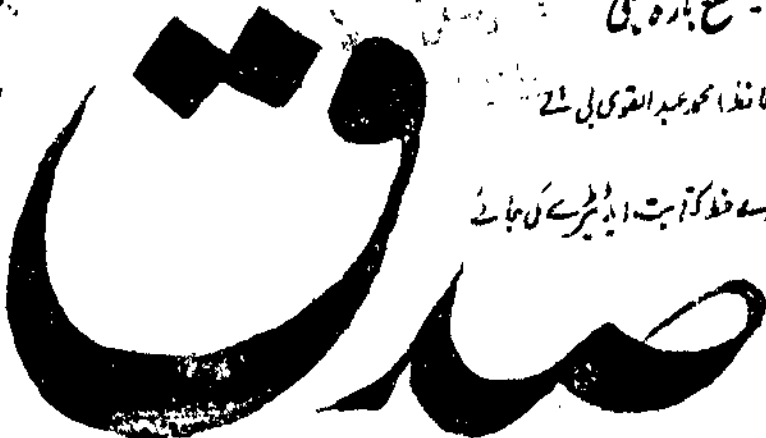
نمبر ۱۸ | دوشنبہ ۸ رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۸ اگست ۱۹۴۴ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

مسلمانوں کی جنتری میں خیر و برکت کا مہینہ آگیا۔ غیبت ہمیشہ ہی ممنوع تھی، اب ممنوع تر ہوگئی۔ جھوٹ، بدزبانی، فحش کلامی جائز کسی حال میں بھی نہ تھے، اب ناجائز تر ہوگئے۔ جو چیزیں کھلم کھلا جائز اور زیادہ سے زیادہ لذت کی تھیں، کھانے، پانی، حقہ، پان، سب بارہ بارہ اور چودہ چودہ گھنٹے کے لیے حرام قرار پاگئیں۔ اور یہ سلسلہ ایک دو دن نہیں، سارے مہینہ تک جاری رہیگا۔ بہت بوڑھوں اور بالکل بچوں، مریضوں، ناتوانوں کو چھوڑ کر باقی سارے مسلمان بڑے، چھوٹے، عورت، مرد، امیر، غریب، آقا، خادم، رمضان منانے میں شریک ہونگے، اور اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ ہی کے حکم سے اپنے نفع کی خاطر، اپنی جسمانی، روحانی، اخلاقی فلاح و اصلاح کے لیے دن دن بھر چھوڑے رہیں گے۔ جانور کھائینگے پئینگے، جو انسان اپنی روحانی پستیوں کے لحاظ سے جانوروں سے بدتر ہیں وہ کھائینگے پئینگے —— مہینہ بھر کے اس لطیف نورانی، سہل مجاہدہ کی نعمت صرف مسلمان کے حصہ میں آئی ہے۔

مسلمان کہیں بھی ہو، روئے زمین کے کسی حصہ پر بھی آباد ہو، افریقہ میں ہو یا آسٹریلیا میں، امریکہ میں ہو یا ہندوستان میں، رمضان کے آتے ہی اسکا روزانہ نظام زندگی بدل جائیگا۔ اور وحدت اسلامی کا نظارہ دنیا، نگریوں، پارٹیوں، جتھوں میں بٹی ہوئی دنیا ایک بار پھر دیکھ لیگی —— روزہ کے طبی فائدے کوئی طبیبوں سے، اور اخلاقی نفع، کوئی حکماء اخلاق کی زبان سے سنے۔ اور پھر ایک مستقین

مہینہ کے تقرر کے ساتھ، ۳۰ یا ۲۹ دنوں تک ان روزوں کا تسلسل کہ اسکی عادت پڑ جائے، اور جسم و روح دونوں اسکے خوگر ہو کر گیارہ مہینے تک کے لیے ذخیرہ فراہم کریں۔ اس نظم کی گہری برکتیں اور اجتماعی مصلحتیں چند سطروں میں کیسے بیان میں آجائیں؟ بارہا اسکے قبل بیان کی جا چکی ہیں۔ — اتنا عظیم الشان اسلامی نظام، انفرادی اور اجتماعی دونوں حیثیتوں سے عظیم الشان نظام، روزانہ پنج وقتہ نماز ہی کی طرح جسمانی، اخلاقی، روحانی مصلحتوں اور منفعتوں کا جامع نظام، بجز ایک قوم مسلمان کے، اور دنیا کی کس قوم کے نصیب میں آیا ہے؟

حیف ہے کہ اتنی بڑی نعمت ملے، اور ہم اپنی پست ہمتی! بدنصیبی سے اسے یوں ہی بالا بالا گزر جانے دیں! آب حیات برس رہی ہو، اور ہم بدستور پیاسے رہ جائیں! —— روزہ رکھنا مشکل ہی کیا ہے، شیطان ہی پہلے سے ہیبت بٹھا دے، اور دل میں خواہ مخواہ کے وہم پیدا کردے، تو اسکا کوئی علاج ہی نہیں۔ ورنہ اس میں حقیقۃً دشواری ہی کیا ہے؟ صبح تڑکے تک، فجر طلوع ہونے تک بے تکلف جو چاہیے، جتنا چاہیے، کھائیے پیجیے۔ دن میں مزید عبادتیں کر سکیے تو سبحان اللہ، ورنہ کئی گھنٹے سو کر گزار دیجیے، روزہ دار کا سونا بھی تو ایک عبادت ہے (روزہ کی حالت میں اجر ہر منٹ اور ہر لمحہ ہر سانس پر ملتا رہتا ہے) ظہر، عصر کی نمازیں بہ اطمینان پڑھیے، گھر کا جائز کام کاج دیکھیے۔ افطار کا انتظار، اور افطاری کا انتظام، دونوں خوشگوار اور پُر لطف مشغلے ہیں۔ ذرا انکا تجربہ کرکے تو دیکھیے اور بس، اتنے میں مغرب کی اذان ہونے لگیگی۔ اسوقت دیکھیے، اللہ کے حکم سے اللہ کا رزق تناول کرنے میں کیا لطف آتا ہے، الفاظ کے ذریعہ

سورۃ بقرہ رکوع ۱۷

بہ سلسلۂ صدق ۱۴۷ ماقبل

(از عبد الماجد)

(۱۴۹) ومن حیث خرجت فول وجہک شطر المسجد الحرام وانہ للحق من ربک وما اللہ بغافل عما تعملون۔ — اور آپ جس جگہ سے بھی (باہر) نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف موڑ لیا کریں[۴۵۲] اور یہ آپ کے پروردگار کی طرف سے ٹھیک ہے[۴۵۳] اور اللہ اس سے بے خبر نہیں جو تم لوگ کر رہے ہو۔[۴۵۴]

(۱۵۰) ومن حیث خرجت فول وجہک شطر المسجد الحرام وحیث ما کنتم فولوا وجوہکم شطرہ لئلا یکون للناس علیکم حجۃ الا الذین ظلموا منہم فلا تخشوہم واخشونی ولاتم نعمتی علیکم ولعلکم تہتدون۔ — اور آپ جس جگہ سے بھی (باہر) نکلیں اپنا منہ مسجد حرام کی طرف موڑ لیا کریں[۴۵۵] اور تم لوگ (بھی) جہاں کہیں ہو اپنا منہ اسی کی طرف موڑ لیا کرو۔ تاکہ لوگوں کو تمہارے مقابلہ میں حجت نہ رہ جائے[۴۵۷] سوا ان لوگوں کے جو ان میں سے ظالم ہیں[۴۵۸]۔ سو تم ان سے نہ ڈرو[۴۵۹]

---

۴۵۲ مطلب یہ کہ یہ حکم استقبال کعبہ، سفر و حضر سب کہیں کے لیے ہے۔ محض قیام مدینہ کے ساتھ مخصوص نہیں۔

بین ہذا الامر انہ لا تساوی الحالین اقامۃ وسفرا فی ہذا وہو استقبال بیت الحرام (بحر)

۴۵۳ یعنی امر ثابت شدہ جس میں اب کسی نسخ و تبدیل کا امکان نہیں۔

ہو الحق ای الثابت الذی لا یعرض لہ نسخ ولا تبدیل (بحر)

انہ میں ضمیر حکم استقبال کعبہ کی طرف ہے۔

۴۵۴ ایک جزئی حکم کے بعد کلی تنبیہ اسلوب قرآنی کے خصائص میں سے ہے۔ صیغۂ واحد سے صیغۂ جمع کی طرف منتقل ہو جانا عربی اسلوب بلاغت میں عام ہے۔

۴۵۵ الفاظ کی تکرار غالباً تاکید معنی کے لیے ہے۔ اور یہ اہل عرب کا عام دستور ہے۔ کررت تاکیدا (بحر) ہو الاکثر المعہود فی لسان العرب وہو ان یعاد الکلام مرۃ واحدۃ (بحر) بعض نے لکھا ہے کہ پہلا حکم تعمیم حال کے لیے ہے۔ یعنی سفر حضر جس حال میں بھی ہوں توجہ کعبہ کی طرف کی جائے۔ اور دوسرا حکم تعمیم مکان کے لیے ہے۔ یعنی دور و نزدیک، حاضر و غائب، جہاں کہیں بھی ہوں توجہ کعبہ کی طرف کی جائے۔

مفسرین نے اپنے اپنے مذاق کے مطابق دوسری حکمتیں بھی اس تکرار حکم کی لکھی ہیں۔

۴۵۶ (اے مسلمانو!)

یعنی یہ حکم رسول کے ساتھ مخصوص نہیں۔ ساری امت پر اسکی تعمیل فرض ہے۔ یہاں تک یہ حکم استقبال کعبہ کل ملا کر چھ بار آ چکا ہے۔ اہل لطائف و اسرار نے لکھا ہے کہ ہر بار کے حکم سے ایک خاص اشارہ مقصود ہے، مثلاً

(۱) پہلی بار سے متعلق حکم وجوب۔

(۲) دوسری بار سے تعمیم احوال۔ یعنی سفر ہو یا حضر۔

(۳) تیسری بار سے تعمیم مکان۔ یعنی نزدیک ہو یا دور، حاضر ہو یا غائب۔

(۴) چوتھی بار سے تعلیم ادب یعنی قبلہ رو رہنے کا استحباب۔

(۵) پانچویں بار سے توجہ قلبی۔ یعنی دل اسی طرف لگا رہے جدھر پروردگار کی خاص توجہ ہے۔

(۶) چھٹی بار سے تاکید۔ یعنی رفع احتمال نسخ۔

۴۵۷ (مثلاً اہل کتاب کو اس اعتراض کی گنجائش، کہ ہمارے نوشتوں کے بموجب تو آخری نبی کا قبلہ، قبلۂ ابراہیمی ہونا تھا۔ یا مشرکین عرب کو اس اعتراض کا موقع کہ یہ نبی دین ابراہیمی کے مدعی ہو کر قبلۂ ابراہیمی کیوں ترک کیے ہوئے ہیں)

للناس میں الناس سے مراد جملہ مخالفین و معترضین ہیں۔

۴۵۸ یعنی رہے وہ کج نظرت معاندین جو اسکے بعد بھی اعتراضات پر اڑے رہیں گے، سو انکی کچھ پروا ہی نہ کرو۔

ان المعاندین منہم (کشاف) لا حجۃ لاحد علیکم الا الحجۃ الداحضۃ للذین ظلموا من الیہود وغیرہم (بحر)

الا کو یہاں ابو عبیدہ و منوی نے بیان واو کے مرادف قرار دیا ہے۔ لیکن فراء اور دوسرے اہل لغت نے اس سے انکار کیا ہے (جصاص)

۴۵۹ (اور نہ انکی کجو اس کی کچھ بھی پروا کرو)

فلا تخافوا مطاعنہم فی تبنکم (بحر)

۴۶۰ (کہ میری ہی نافرمانی تمہیں نقصان پہنچا سکتی ہے)

۴۶۱ اتمام نعمت کے مفہوم اور بھی ہو سکتے ہیں، لیکن اس سیاق میں کھلی ہوئی مراد تعیین قبلہ سے ہے۔

بہدایتی ایاکم الی قبلۃ ابراہیم (معالم) واتمام النعمۃ بہدایتکم الیہ من القبلۃ (بحر) لاتم کا عطف لئلا یکون پر ہے۔ (جلالین)

خانۂ کعبہ کا محل نزول رحمت، مرکز تجلیات ہونا مسلم ہے۔ ساتھ ہی نماز کا افضل عبادات ہونا مسلم۔ ان دونوں حقیقتوں کے استحضار کے بعد ظاہر ہو جاتا ہے کہ خانۂ کعبہ کی تعیین قبلہ سے بڑھ کر عبادت اور تکمیل نعمت اور کیا ہو گی۔

۴۶۲ (اور اپنے درجات ہدایت میں مزید ترقیاں کرتے رہو۔)

شریعت اسلامی دنیا کا کمل ترین ممکن نظام ہے۔ اور اس کمل ترین ممکن نظام کا ایک اہم جزو تعیین قبلہ و استقبال کعبہ بھی ہے۔

لعلکم میں لعل، کے کا مرادف ہے۔ شک کے لیے نہیں تاکہ کے معنی میں ہے۔

مرشد تھانوی نے فرمایا کہ جو لوگ پہلے ہی سے ہدایت پا چکے تھے ان سے ہدایت ہی کا مطالب کرنا دلیل اس امر کی ہے کہ مدارج قرب میں ترقی کی

(۱۵۱) کما ارسلنا فیکم رسولا منکم یتلوا علیکم اٰیٰتنا و یزکیکم و یعلمکم الکتٰب و الحکمۃ و یعلمکم ما لم تکونوا تعلمون ۔

بلکہ (صرف) مجھی سے ڈرو[۴۶۹] تاکہ میں اپنا انعام تم پر پورا کردوں[۴۷۰] اور تاکہ تم راہ پر (قائم) رہو[۴۷۱] ۔

(اسی طرح) جیسے ہم نے بھیجا ہے تمہارے درمیان[۴۷۲] ایک رسول تمہیں میں سے[۴۷۳] جو تمہارے روبرو ہماری آیتیں پڑھتا ہے اور تمہیں پاک کرتا ہے[۴۷۴] اور تمہیں کتاب اور حکمت کی تعلیم دیتا ہے اور تمہیں ایسی تعلیم دیتا ہے[۴۷۵] جو تم نہیں جانتے تھے

کوئی مدد رہنا یت بیان ہے ۔

۴۷۲ کما کا تعلق آیت ماقبل سے ہے ۔ یعنی یہ انعام نعمت اب استقبال کعبہ کے واسطے سے اسی طرح ہوگا جیسے بعثت رسول کے ذریعہ سے اسکے قبل ہوچکا ہے کما ارسلنا متعلق باتم اے اتماما کاتماما ارسالنا الرسول (جلالین)

۴۷۴ (ہر طرح کے فسق و عصیان اور اخلاقی آلودگیوں سے)

رسول کی حیثیت محض پیام رسان اور مبلغ کی نہیں ہوتی ، مزکی (پاک کرنے والے کی بھی ہوتی ہے ۔

رسول کی گونا گوں حیثیتوں پر حاشیہ آیت ۱۲۹ کے ذیل میں گزر چکے ہیں ۔

۴۷۵ رسول کی حیثیت معلم اور شارح کی بھی ہوتی ہے ۔

لفظ تعلیم سے اشارہ ادھر بھی ہوگیا کہ پیمبر کے ارشادات محض لفظا و عبارت تک محدود نہیں رہتے ۔ وہ حکمت و دانائی کے سبق اور مانیت کے اصول و مسائل کی تعلیم بھی دیتا رہتا ہے ۔ یعنی انھیں اپنے سامعین کے رگ و ریشہ میں اتارتا رہتا ہے ۔

۴۷۶ وحی الٰہی کو عقل بشری سے وہی نسبت ہے جو خدا کو بندہ سے ہے ۔ اور رسول چونکہ وحی سے مؤید رہتا ہے اس لیے قدرۃً اسکی باریک بین اور رس اور دقیقہ سنج نگاہ ان دقیق حقائق تک پہونچ جاتی ہے جو بڑے بڑے عقلاء و مفکرین سے بھی مخفی رہتے ہیں ۔ اور رسول کی رسائی عالم حقیقت کی گہرائیوں تک ہو جاتی ہے جو علم و عقل ، کشف و اشراق سب سے ماوراء ہیں ۔

مالا طریق الی معرفتہ سوی الوحی (روح) لیکون ارسالہ صلی اللہ علیہ وسلم نعمۃ فلولا انکان الخلق متحیرین فی امرہم لا یدرون ما ذا یصنعون (روح) ما لا سبیل الی معرفتہ الا بالوحی (مدارک)

روس کو بچوں کی ضرورت

حدیث میں آیا ہے کہ مسلمان ایسی عورتوں سے شادی کریں جو زیادہ بچے پیدا کرنے کے قابل ہوں ۔ مگر مہذب دنیا کے نزدیک یہ مشورہ نہایت ہی شرمناک ہے ۔

اب روس سے خبر آئی ہے کہ جرمنی کے بعد وہ بھی اسی شرمناک حرکت کا مرتکب ہونے لگا ہے ۔ وہاں جنگ کو کامیاب بنانے کے ساتھ بچے زیادہ پیدا کرو کا نعرہ بھی لگ رہا ہے تاکہ اس ذریعہ سے جنگ کے جانی نقصانات کی تلافی ہو سکے !

حکومت روس نے تیسرا بچہ پیدا ہوتے ہی عورت کا وظیفہ مقرر کر دیا ہے ۔ حاملہ عورتوں کو گیارہ ہفتہ تک کارخانوں سے چھٹی ملا کرے گی اور حمل کے آخری تین مہینوں اور وضع حمل کے بعد چار مہینوں میں عورت کی خوراک ڈبل کر دی جائیگی ۔ پانچ اور چھ بچوں والی عورت کو "مادرانہ تمغہ" دیا جائیگا ۔ نو بچوں کی ماں کو "مادرانہ عظمت" کے خطاب سے سرفراز کیا جائیگا اور دس یا اس سے زیادہ بچوں والی عورت کو "مدر ہیروئن" کے خطاب سے نوازا جائیگا ۔ جس عورت کے کوئی بچہ نہ ہوگا اس پر اسپیشل ٹیکس لگایا جائیگا ۔ حتیٰ کہ ایک اور دو بچوں والی ماں کو مجبور کیا جائیگا کہ وہ اپنی آمدنی کا دو فی صدی حصہ بطور ٹیکس ادا کریں کہ انھوں نے ایک اور دو بچوں پر ہی معاملہ کیوں ختم کر دیا اور تین بچے کیوں نہ پیدا کیے ؟

آپ یہ بھی سن لیں گے کہ چونکہ جنگ میں اتلاف جان کی وجہ سے مردوں کی کمی اور عورتوں کی کثرت ہوگئی ہے ، اس لیے ایک مرد کئی کئی عورتوں سے شادی کرے اور کئی عورتوں سے بچے پیدا کرکے جنگ کے نقصانات سے ملک کو بچانے ! (زمزم)

تبلیغ اسلام

بقیہ صدق ۱۳

(جو کاتب کے سہو سے چھوٹ گیا تھا)

سفر پر جا رہی ہیں ۔ لیکن مولانا کا سب سے بڑا کارنامہ درحقیقت اصلاح میوات ہے ۔ اس علاقہ کو دیکھ کر ہم اسباب کے بندے سوائے اسکے کہ ششدر اور حیران رہ جائیں اور کچھ نہیں کر سکتے ۔ بیشک ۔ اللہ کے نام اور اسکے کام کا اعجاز ہے کہ آج اس میوات میں جہاں نام تک ہندوؤں کے سے رکھے جاتے تھے آج سیکڑوں عالم ہیں ہزاروں قاری اور حافظ ہیں اور بیشمار ہیں وہ پاک نفوس جو اصطلاحی معنوں میں خواندہ نہیں ہیں لیکن ایک طرف علم دین کی ضروریات اور عبادات سے واقف ہیں اور دوسری طرف پوری طرح ان پر عامل ، ان لوگوں کو میوات میں میاں جی کہتے ہیں ۔ انکی سادہ زندگی دین سے شغف ، معاملات کی صفائی حقوق العباد کا خیال اور خدا کا خوف دیکھ کر ذہن بیک اسلام کے خیر القرون کی طرف منتقل ہو جاتا ہے کہ جب صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی محبت ، عقیدت اور شیفتگی دین اور حضور سرور کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے وجود باجود نے زمین و آسمان نے زمین و آسمان میں رحمت و برکت کی فضا قائم کر دی تھی ۔ (نشور)

ایک شاعرہ کا خطبۂ صدارت

(مشاعرۂ نظام ادب لکھنؤ منعقدہ ۲۔ جولائی ۱۹۴۴ء)

(از جناب شوکت تھانوی)

(جو ہارو غزا کا میدان کوئی ایک نہیں نہیں اس وقت اسکے محاذ بیسیوں ہیں اور جسکو جتنی توفیق نصیب ہو جائے۔ وہ میدان اپنے مذاق اپنی بساط کے رنگ حصہ لے سکتا ہے۔ مشہور و معروف مزاح نگار شوکت تھانوی عجب نہیں کہ عنقریب نازی شوکت پاشا بن جائیں۔ اور انشاءاللہ ایسا ہو کر رہیگا۔ انشا پرداز سے جو کام چاہے لے لے۔ مدیر)

معزز اراکین نظام ادب، میرے بزرگو اور دوستو،

آپ نے جو اعزاز مجھکو عطا فرمایا ہے اسکا شکریہ ادا کرنے کو ہم الفاظ ڈھونڈھنے جائے اگر میں نقش حیرت بنکر رہ جاؤں تو شاید یہ بیان کی اس مشکل تقاضے سے زیادہ صداقت پر مبنی ہوگی۔ یہ واقعہ ہے کہ جو قرعۂ فال آپ نے اس دیوانہ کے نام نکالا ہے اسکے مستحق بہت سے وہ ادبی ہوشمند تھے جن میں سے چند اسی بزم میں نظر آ رہے ہیں اور جنکی موجودگی میں میرا مسند صدارت پر ہونا مجھکو خود عجیب سا نظر آ رہا ہے۔ پھر بھی میں اپنے ان بزرگوں کو یقین دلاتا ہوں کہ اس میں میری جسارت سے زیادہ ان حضرات کی نظر انتخاب کا قصور ہے جو یہ ستم ظریفی کر گزرے اور جنکو یقیناً یہ دیکھنے کا شوق تھا کہ ایک مزاح نگار کو کیونکر مضحکہ خیز بنا کر پیش کیا جا سکتا ہے۔ بہرحال جہاں تک ہنسنے کا تعلق ہے مجھے کوئی اعتراض نہیں لیکن ڈر رہا ہوں کہ مجھ سے کوئی ایسی فروگذاشت نہ ہو جائے کہ رونے کے لیے آنسو ڈھونڈھنا پڑیں۔

حضرات! اس نازک دور میں جبکہ ہماری شاعری اور ہمارا ادب واقعی ایک انقلابی گردش کی گردش کی زد میں آ چکا ہے، اس قسم کی ذمہ داری قبول کرنا صرف اُن مستند ہستیوں کا کام ہو سکتا ہے جو اپنی روایات شعر و ادب کے سینہ سپر بنکر سامنے آئیں اور مخالفانہ حملوں کا دندان شکن جواب دے سکیں۔ اب آپ کی ادبی صحبتیں محض تفریحات نہیں رہیں۔ شعر کی قیمت اب صرف مشاعروں کی داہ واہ تک محدود نہیں رہی ہے۔ بلکہ آپ کا ادب سیاسی گتھیوں کے ساتھ اُلجھ چکا ہے۔ اب آپ نے شعر کو آپ کے ادب کا مستقبل بنانا پا چاہا ہے۔ اور اب آپ کو یہی نقشۂ جنگ سامنے رکھنا ہے، رکھکر دنیا کے سامنے وہ نتائج انظار پیش کرنا ہیں جو داد حاصل کریں یا نہ کریں مگر آپ کے شعر و ادب کو مشکل سے مستحکم تر بناتے چلے جائیں تاکہ باد مخالف کے جھونکے انکو خس و خاشاک کی طرح اُڑا کر انکی جگہ وہ ادب نہ لے آئیں جسکو دیکھ کر آپ آنکھیں بند کر لیتے ہیں اور جسکو سن کر آپ کی سماعت پناہ مانگنے لگتی ہے مجھے معاف فرمائیں: وہ حضرات جو اسی اجتماع میں ترقی پسند ادب کی حمایت اپنے دلوں میں لیے بیٹھے ہونگے اور جنکو میرے الفاظ پر بے دقت

کی راگنی کا گمان ہو رہا ہوگا۔ اس لیے کہ انکے نزدیک ہمارے اس روایتی ادب اور ہماری اس ردیف و قافیہ والی شاعری کا دور گزر چکا ہے اور وہ ببانگ دُہل کہہ رہے ہیں کہ انقلاب کی زد سے ادب اور شعر ہرگز کشش کے بعد محفوظ نہیں رہ سکتے۔ وہ آزادی کے حامی ہیں، شعر کو ردیف اور قافیہ کے قیود سے آزاد کرانے کا بیڑہ اُٹھا چکے ہیں، ادب کو ادب کے حدود سے باہر نکالنے کی قسم کھا چکے ہیں۔ اس میں شک نہیں کہ ابھی وہ اقلیت میں ہیں مگر اکثریت کی مخالفت پر یہ کار سکر ادیتے ہیں کہ ہمیشہ ہر اصلاحی پروگرام کی شدید سے شدید مخالفت ہوئی ہے۔ مگر رفتہ رفتہ مخالفوں ہی نے موافقت کے کلمے پڑھے ہیں۔ جس اصلاحی پروگرام کو لیکر وہ سامنے آئے ہیں اُسکی توضیح و تشریح کی چنداں ضرورت نہیں ہے اور نہ اُسکے نمونے کسی ادبی اجتماع میں سامنے پیش کرنے کی جسارت کی جا سکتی ہے، مگر یہ زہر ادب کے لئے رفتہ رفتہ پھیل رہا ہے۔ ادبی رسائل ہی کے ذریعہ اس ادب کی اشاعت ہو رہی ہے اور اسکے نشر و اشاعت میں خصوصیت کے ساتھ وہ جماعت پیش پیش ہے جو شعر کے مقررہ اصول یا اپنے سینہ منو ابلا کے ساتھ شاعر اور ادیب ہونے کی صلاحیت اپنے میں مشکل ہی سے پیدا کر سکتی تھی۔ یہاں مستثنیات سے بحث نہیں لیکن ترقی پسند شعرائے کرام کی اکثریت سے یہ سوال ضرور کیا جا سکتا ہے کہ وہ اپنی قدرت نظم کا کوئی نمونہ غزل کے صرف ایک شعر میں بھی پیش کر سکتے ہیں یا نہیں، برعکس اسکے ہمارے روایتی شاعر جس وقت چاہیں جس تعداد میں کہیے وہ یا وہ گوئی کر سکتے ہیں جسکو نہایت فخر کے ساتھ ترقی پسند نظم کا نام دیکر سرخروئی کے ساتھ دنیا کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔ یہی حال نثر کا بھی ہے۔ اس حقیقت سے انکار کرنا مشکل ہوگا کہ ترقی پسند ادیبوں میں سے چند اپنے اندر ٹھوس صلاحیتیں رکھتے ہیں انکے اسلوب میں انفرادیت ہے، انکی عبارت رنگین، انکا طرز دلپسند اور انکی تحریر ادبی خصوصیت کی حامل ہوتی ہے، یہ اور بات ہے کہ اُن کا اصول ہم سے کچھ مختلف ہے۔ مغربی تعلیم نے انکے خیالات کی شریعت پر غلبہ حاصل کرکے انکو اردو میں انگریزی لکھنے پر مجبور کر دیا ہے، وہ شبلی اور نذیر احمد کو بھول چکے ہیں اور انکے دماغوں میں جو یا سمان اور جیخوف رچے ہوئے ہیں۔ خیر وہ تو پھر بھی قابل اصلاح ہیں اس لیے کہ وہ خواب دیکھ رہے ہیں۔ اور جب بیدار ہوکر اپنے کو ہندوستان میں پائیں گے تو صرف ایک انگڑائی انکو اشائن گراڈ سے لکھنؤ یا دلی پہونچا دیگی مگر اُنکے اُن نقالوں کا کیا علاج، جنکی نظر سے روسی لٹریچر گزرا ہے نہ مکسیم گورکی کے متعلق یہ اطلاع ہے کہ یہ کسی شہر کا نام ہے یا کسی آدمی کا مگر روسی طرز کے افسانے لکھنے میں مصروف ہیں کہ جنسی معاملات کو اُجاگر کیا جائے ڈھکی چھپی باتوں کو بے حجاب پیش کیا جائے اور جن باتوں کو اتنا خطرناک کہا کہ بحث میں لانے سے بچایا گیا ہے۔ ان ہی کو نئے رجحانات اور نئے تقاضوں کے نت نئے نام دے دے کر بحث میں لایا جائے۔ ظاہر ہے کہ اس جنسی گندگی کو ہمارے

ہوا ہے -

۳۰- جون ۱۹۴۴ء تک کے انجمن کے تمام حسابات باضابطہ طور پر (ایک ایک رسید اور پرچہ کرکے) جانچے جا چکے ہیں - اور الحمدللہ کہ محاسبوں نے سب کچھ اب تک صحیح پایا ہے - چند بزرگوں نے وقتاً فوقتاً انجمن کے دفتر کا مکمل معائنہ بھی فرمایا ہے، اور الحمدللہ کہ انہیں پورا اطمینان ہوا ہے -

اب ۳۰- جون کو انجمن کے خزانے میں کل رقم ۲۸۷۸-۲-۱۱ روپیہ موجود تھی، اور عین آج ۱۵- اگست کو ۵-۵-۵۲۲۶ روپیہ موجود ہے - الحمدللہ فی الاولیٰ والاٰخرۃ - اس رقم میں سے صرف ۲۴۵۰ روپیہ فرض ملازمت میں ہے - ڈاکخانے کے لیے ملازمین کا انتخاب عنقریب ہونے والا ہے :

فکر یہ ہے کہ اگر اس میں سے اب ہم نے ۱۸۰۰ روپیہ بانٹ دیا تو باقی رقم اتنی کم رہ جائیگی کہ آئیندہ سال اسوقت تک ...... ؟ ...... کیا ہوگی ؟

ہم نے شروع ہی سے ایک "فنڈ محفوظ" قائم کر لیا تھا - اس میں اب ۸ سال میں جاکر ۱۸۵۰ روپیہ (تقریباً) ہوا ہے - جس انجمن کے ۸ سال کے "محفوظ" کا یہ عالم ہو، اُس کا اللہ کے سوا کون والی ہے ؟ !؟

حضرت، میں نے بہت طول دیا کلام کو، اور صرف اس وجہ سے کہ ایک ہمدرد پُرسان حال ہے - کاش کوئی پُرسانِ حال بھی ہو - میری تو کوئی اتنی بھی نہیں سنتا - محمد، ناظم، کلرک، گرداور، مبلغ، خوشامدی، سب کام مجھی کو کرنے پڑتے ہیں - مگر اللہ کا احسان ہے کہ سوا تبلیغ کے دَوروں کے عارضی عوائق کے اور کوئی حرج انجمن کے کام میں اب تک نہیں ہوا - واللہ کہ اللہ کے سوا اور کوئی میرا ہاتھ نہیں بٹاتا - البتہ کبھی کبھی میری بیوی اور بچے کچھ مدد دیدیتے ہیں - مگر میرے لیے اللہ کافی ہے، وافی ہے، اور اسی سے استعانت و استمداد کرتا ہوں :

ایاک نعبد وایاک نستعین - والصلوٰۃ الطیبات علیٰ نبیہ رحمۃ للعالمین -

میں اس سمع خراشی اور تضییع وقت کے لیے مستعفی ہوں - والسلام خیر الختام - حقیر محمد نعیم الرحمٰن

مراسلہ

ایک ادبی اجتماع

جناب ماہر القادری صاحب یکم اگست کو بھساول (صوبہ بمبئی) کے مشاعرے میں تشریف لائے تھے - اہل ذوق حضرات نے اسوقت سے فائدہ اُٹھاتے ہوئے کھنڈوہ (سی-پی) میں ۲ اگست کو ادبی پارٹی اجتماع کا انتظام کیا - مقامی شعرا کی ممتاز شعرا کے بعد حضرت ماہر القادری نے اپنے کلام سے سامعین کو بیحد محظوظ فرمایا -

شعر خوانی کے علاوہ ماہر صاحب نے اُردو ادب پر ایک بسیط تقریر فرمائی - آپ نے کہا کہ "صرف اُردو ہی ہندوستان کی مشترکہ قومی زبان "اُردو" ہی ہوگی کہ یہ زبان ہندوستان کی تمام اقوام کے خیال و فکر کا سنگم ہے - اُردو کی مخالفت ہندوستان کی آزادی کی مخالفت ہے کوئی وطن دوست اور سچا ہندوستانی اُردو کا مخالف نہیں ہوسکتا -

اُردو رسم الخط کو رومن بنانے اور "ث" "س" "ص" "ظ"، "ز"، "ذ"، وغیرہ حروف کو ایک حرف "س" اور "ز" سے بدلنے کی کوشش ویسی ہے جیسے کوئی آدمی کا ایک پاؤں اور ایک ہاتھ کاٹ کر کہے کہ دو ہاتھ دو پاؤں کی کیا ضرورت ہے، ایک ہاتھ اور ایک پاؤں سے بھی کام چل سکتا ہے - اس قسم کی تمام کوششیں اُردو کے حق میں مہلک اور تباہ کن ہیں - اُردو زبان بہت سے مراحل سے گزرنے کے بعد فطری طور پر آسان، سادہ اور معیاری بن چکی ہے - اب اسکو سوچ سوچ کر آسان بنانے کی کوشش کہ "انتخاب" کو "چناؤ" "محبت" کو "پریم" "آبادی" کو "بدھی" "دل" کو "ہردے" اور "روح" کو "آتما" بولو اور لکھو - تو اسکا مقصد یہ ہوا کہ فطری زبان کو مصنوعی ARTIFICIAL بنا دیا جائے - حالانکہ کوئی مصنوعی زبان بہت دن تک زندہ نہیں رہ سکتی - جس طرح ہم یورپ میں "اسپرنٹو" کا حشر دیکھ چکے ہیں -"

آخر میں ماہر صاحب نے فرمایا کہ "اُردو زبان کو صحیح اور پاکیزہ ادب کی ضرورت ہے - افسوس ہے کہ ہمارے بعض نادان دوست "بےجا آزادی" کو "انقلاب" اور "پستی اور انتشار خیال" کو "ترقی" اور "بدمذاقی" کو "جدت" سمجھ رہے ہیں - اس انداز کا تمام "ترقی زدہ" لٹریچر اُردو زبان کو رسوا اور تباہ کر رہا ہے - ہم "مغرب زدہ انشا پردازوں" اور "ناتراشیدہ لونڈوں" کے ہاتھوں میں اُردو زبان کو کھلونا نہیں بننے دیں گے -"

عبد المجید خاں - شوق - کھنڈوہ

(بقیہ صفحہ ۳)

تاوقتیکہ کسی دلیل سے اسکی ناپاکی نہ ثابت ہو جائے - الاصل فی الماء الطہارۃ اور محض شک یا وہم سے یقین یا ظن غالب کا حکم بدلا نہ جائیگا - الیقین لا یزول بالشک - واضح ہو کہ وسیع اور بار بار بدلتے ہوئے پانی میں دریا اور سمندر کے پانی کی ہے، جس میں لاتعداد مرے ہوئے جانور اور انسان روز ہی پڑے رہتے ہیں اور محض اسی سے وہ پانی ناپاک نہیں ہو جاتا - تاوقتیکہ مزہ اور رنگ اور بو بھی نہ بدل جائے - فقہ میں ماء کثیر اور ماء جاری کی اصطلاح میں پانی کے ایسے ہی ذخیروں کے لیے ہے - کنوئیں کی نجاست کے احکام پر ایسے پانی کا قیاس درست نہیں -

---

تحفۂ خسروی

(جناب مدیر صدق کی ایک بہت ہی قدیم تالیف)

قرآن، حدیث اور اقوال حکماے یونان سے راعی و رعایا کے تعلقات اور حاکم و محکوم کے معاملات - قیمت میں غیر معمولی رعایت یعنی ساڑھے چار آنہ کے ٹکٹ موصول ہونے پر روانہ کردی جائیگی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جآء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون ۔ اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا یہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبد الماجد

پتہ:- دریاباد۔ ضلع بارہ بنکی

نائب:- (حکیم) عبد القوی (بی اے)

مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:

محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشد آباد بلیس۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی ۳ر
بیرون ہند سے سالانہ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ر

صدق

نمبر ۲۰ | دوشنبہ - ۲۲ - رمضان المبارک ۱۳۶۳ھ مطابق ۱۱ - ستمبر ۱۹۴۴ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

مشرق کے ایک شہر میں ایک انگریز مقیم ہے۔ ملازم کو حکم تھا کہ سودا جس قدر بھی آیا کریگا، شہر کی فلاں انگریزی دکان سے آیا کریگا۔ بات ہوگئی۔ مہینوں کے بعد صاحب نے حساب کی جانچ کی، تو انکو معلوم ہوا کہ مہینہ میں بہت ہوئی ہے، اور وہ بھی کچھ تھوڑی نہیں، اچھی خاصی غلط، پونڈ کی! آقا نے حیرت سے ملازم کی طرف دیکھا۔ ملازم نے عرض کیا کہ "ایک مہینے سے کہا تھا اس انگریزی دکان سے بند کرکے ایک مسلمان دوکان سے کھول لیا ہے، یہ کفایت اس سے ہوئی"۔ لیکن میرا حکم تو اُسی انگریزی دوکان کے لیے تھا"۔ ملازم نے دوبارہ ہمت کرکے کہا "مگر سرکار، اُس میں اور اس میں تو عشرہ پونڈ کا فرق پڑ جائیگا" آقا نے آخری اور انتہائی لہجہ میں فرمایا "کوئی پرواکی بات نہیں۔ عشرہ پونڈ ہو یا جو کچھ ہو، سودا آیندہ وہیں سے آئیگا"۔۔۔۔۔۔ واقعہ شام کے مشہور لیڈر، امیر شکیب ارسلان نے اپنی تازہ کتاب میں نقل کیا ہے، جو عالم اسلامی کے اسباب زوال پر ہے، اور جسکا ترجمہ OUR DECLINE & ITS CAUSES کے نام سے ابھی لاہور کے مشہور انگریزی ناشر شیخ محمد اشرف کے ہاں سے نکلا ہے!

فلسطین میں عربوں پر جو ظلم یہود کے ہاتھوں ڈھائے جا رہے ہیں، انکی داستان آپ کی نظر سے بارہا گذری ہوگی۔ اور عجب نہیں کہ آپ کا دل بھی متاثر ہوا ہو۔ دنیا میں یہود کی آبادی کُل دو کروڑ ہے، اور مسلمان کی آبادی جو تخمینہ کے مطابق ۳۵ کروڑ۔ اور ان میں سے کوئی پانچ کروڑ تو فلسطین ہی کے مضافات وملحقات، شام، مصر، عراق، حجاز وغیرہ میں آباد ہیں۔ چندہ کی ضرورت یہود کو ہوئی اور دم بھر میں یہودی فلسطین کے لیے چندہ ۱۰ لاکھ پونڈ کا فراہم ہوگیا! ادھر مسلمانوں سے بھی اپنے بھائیوں کے لیے اپیل شائع کی۔ جمع شدہ رقم کی میزان آپ سنینگے؟ کُل سوا ہزار پونڈ! یعنی یہود کے چندہ سے کئی گنا زائد نہیں، برابر بھی نہیں۔ بلکہ ایک ہزار کے مقابلہ میں تیرہ! حالانکہ اگر صرف نواح فلسطین ہی کی اسلامی آبادی اس میں شریک ہوتی اور فی کس ایک قرش لیکر شریک ہوتی، جب بھی اُنکے چندہ کی میزان ۳۵ لاکھ پونڈ تو ہو ہی جاتی! بلکہ سب نہ سہی، سو میں نوے نہ سہی، صرف دس فیصدی آبادی اسی حقیر رقم کے ساتھ شریک ہوتی، جب بھی میزان ۳۵ ہزار پونڈ تک تو پہونچ ہی جاتی! ۔۔۔۔۔۔ یہ واقعات واعداد بھی امیر موصوف ہی کی کتاب سے ماخوذ ہیں۔

واقعات انوکھے اور نادر نہیں، اور نہ کسی خاص خطہ یا علاقہ کے ساتھ مخصوص ہیں۔ پوری ملی سیرت وکردار کے نمونے ہیں، اور عرب و ہندوستان، مصر وچین، ایران ومراقش، سب جگہ کی اسلامی ذہنیت کے ترجمان ہیں۔ جان دینے، موت کی ہمت، اور جہاد بالنفس کا ذکر نہیں، ذکر صرف مالی ایثار، جہاد بالمال کا ہے۔ جس قوم کا معیار اس باب میں اتنا پست ہوچکا ہو، اُسے کیا حق دنیا میں حکومت کرنے کا ہے؟ حکومت کو بھی چھوڑیے، کیا حق دنیا میں عزت وسربلندی، خودداری کے ساتھ رہنے کا ہے؟ کیونکر آخر وہ مقابلہ اُن گوری قوموں کا کرسکتی ہے، جنکے ہاں ذاتی نفع کے کوئی معنی ہی نہیں، جنکے ہاں ہر نفع اور ہر نقصان تمامتر قومی ہی نفع اور قومی ہی نقصان ہے۔ وہ سودا گراں سے گراں خریدینگے، لیکن اپنے ہی بھائی کی دوکان سے

نئی کتابیں

(۱) **بلقیس اور دیگر افسانے** - از جناب صادق الخیری صاحب بی اے دہلوی - ضخامت ۱۶۰ صفحات - قیمت عہ - پتہ: خاتون کتاب گھر - اردو بازار دہلی

یہ صادق الخیری صاحب دہلوی کے بیس مختصر افسانوں اور ڈراموں کا مجموعہ ہے، جو اس سے قبل ادبی رسالوں میں شائع ہو چکے ہیں - بعض ترجمہ ہیں اور بعض طبعزاد - زبان کی دلکشی اور عریانیت سے اجتناب ہر افسانہ کی خصوصیت ہے - غیر زبانوں سے جہاں جہاں ترجمہ ہے وہاں بھی ترجمہ پن نمایاں نہیں پایا جاتا - اپنی زبان کی خصوصیات بڑی حد تک قائم رکھی گئی ہیں - حزنیہ افسانے متعدد ہیں، اور ان کی عبارت پر کہیں کہیں افسانہ نگار کے مرحوم بزرگ علامہ مصور غم کی جھلک نظر آ جاتی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ یہاں حزنیت سے تاثر بھی پایا جاتا ہے - مصور غم مرحوم کی زباندانی تو "قریب المرگ" (ص ۱۴۵) کی غلط العوام ترکیب کو بھی جائز نہ رکھتی - (ع - ق)

(۲) **شمع فروزاں** - مترجمہ صادق الخیری صاحب ایم اے دہلوی - ضخامت ۲۰۴ صفحات - قیمت عمر - پتہ: خاتون کتاب گھر، اردو بازار - دہلی

پرل بک نامی امریکن خاتون چین کی معاشرتی و معاشی زندگی پر افسانہ نگاری کے اعتبار سے بین الاقوامی شہرت کی مالک ہیں، اور انکو اس سلسلہ میں نوبل پرائز بھی مل چکا ہے - یہ انکے ایک مختصر ناول کا ترجمہ ہے - جس میں چین کی معاشرتی زندگی کی تصویر کشی کے ساتھ ساتھ نئی روشنی اور پرانی روشنی کے تصادم کو دکھایا گیا ہے مترجم نے ترجمہ میں سلاست شروع سے آخر تک قائم رکھی ہے، اور اس سے بڑھ کر کمال یہ ہے کہ افسانہ پڑھتے وقت چینی ناموں کو چھوڑ کر (جو یقیناً نامانوس معلوم ہوتے ہیں) اور کہیں بھی یہ احساس نہیں ہونے پاتا کہ ہم کسی غیر ملک کے افسانے کو پڑھ رہے ہیں - فاضل مترجم اس سے قبل بھی متعدد غیر زبانوں کے ناولوں کو اردو میں منتقل کر چکے ہیں، لیکن روانی اور سلاست میں یہ اسکے پچھلے ناولوں پر فوقیت رکھتا ہے - (ع - ق)

(۳) **سالانہ رپورٹ انجمن ترقی اردو (ہند) دہلی ۱۹۳۳ء** مرتبہ سکرٹری انجمن، ضخامت ۸۰ صفحات - قیمت ۴ر - پتہ: انجمن ترقی اردو (ہند) دریا گنج - دہلی -

یہ انجمن ترقی اردو کی ۱۹۳۳ء کی کارگزاری کی رپورٹ ہے - انجمن، ملک کی دیگر ہنگامی انجمنوں کی طرح نہیں، بلکہ مخلص اور سنجیدہ کام کرنے والوں کی ایک جماعت ہے، جو اپنے مشن کی تکمیل میں دل و جان سے مصروف ہے - خوش نصیبی سے اسکو مولوی ڈاکٹر عبد الحق صاحب کا سا کہن سال جوان ہمت سکرٹری ہاتھ آگیا ہے جو ۱۹۱۲ء سے متواتر اردو کی خدمت میں مصروف ہے - اور اس سن و سال میں بھی (جیسا کہ رپورٹ کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے) سال کا بیشتر حصہ ایک کے بعد دوسرے دوروں میں اردو کی ترقی کے لیے صرف کرتا ہے - فروری میں اگر وہ مسلم یونیورسٹی علیگڑھ کے کانووکیشن میں شریک اور اردو میں سائنس کی کتابیں لکھوانے کی کوشش میں سرگرم نظر آتا ہے تو مارچ میں بنگال میں اردو کانفرنسوں کی صدارت کرتا، اور بہار اور چھوٹا ناگپور کے دور افتادہ مقاموں میں عیسائی مشنریوں سے مل کر انکے مدارس میں اردو کی ترویج کراتا ہے - مئی میں بھوپال و ٹونک، ستمبر میں اورنگ آباد و حیدر آباد، نومبر میں مالابار اور مدراس گھومتا پھرتا ہے -

ہر جگہ اسکے پیش نظر صرف اردو کی خدمت و ترقی ہے - اردو کو مٹانے کی جو منظم کوششیں ہو رہی ہیں، انکے مقابلہ کی سب سے سرگرم کوشش اسی ذات سے وابستہ ہے - زیر نظر رپورٹ میں انجمن کی سالانہ کارگزاری کی تفصیل بیان کی گئی ہے - یہ اس قابل ہے کہ ہر بہی خواہ اردو کی نظر سے گزرے اور صرف نظر سے گزرنا ہی کافی نہیں، انجمن کے مفید کاموں میں اسکی مدد کی جائے - انجمن نے ۱۹۳۳ء میں کاغذ کی انتہائی دقتوں کے باوجود سترہ کتابیں جو ہر لحاظ سے انجمن کی روایات کے مطابق ہیں، شائع کی ہیں - ۱۹۳۴ء کا پروگرام بھی اسی کے لگ بھگ بنایا گیا ہے - انجمن کے زیر اہتمام دو رسالے اردو اور سائنس اور ایک ہفتہ روزہ ہماری زبان شائع ہوتے ہیں - چھوٹا ناگپور کے علاقہ میں اردو مرکز قائم کیا گیا ہے جس سے وہاں بڑے پیمانہ پر اشاعت اردو ہو رہی ہے - دہلی میں اردو کالج قائم ہے، جو پنجاب یونیورسٹی کے امتحانات اردو، ادیب، ادیب فاضل وغیرہ کے لیے طلبہ تیار کرتا ہے - اس کالج کا اوسط کامیابی بہت شاندار رہا ہے - ہندوستان کے مختلف حصوں میں انجمن کی شاخیں قائم ہیں، اور سکرٹری صاحب کے علاوہ انجمن کے سفیر صاحبان اردو کی نشر و اشاعت کے لیے برابر دورے کرتے رہتے ہیں - اس قبیل کی جملہ معلومات اس رپورٹ میں درج ملینگی (ع - ق)

(۴) **رپورٹ تیسری کل ہند انجمن ترقی اردو کانفرنس** منعقدہ ناگپور، مرتبہ محمد ابراہیم خاں صاحب فنا - سکرٹری مجلس استقبالیہ - ضخامت ۱۴۴ صفحات - قیمت ۲ر - پتہ: انجمن ترقی اردو (ہند) دریا گنج - دہلی -

ناگپور کو کئی سال ہوئے اردو ہندی قضیہ کے سلسلہ میں خاص اہمیت حاصل ہو گئی تھی اور یہیں بھارتیہ ساہتیہ پریشد کے اجلاس کے سلسلہ میں گاندھی جی اور دیگر ہندی نواز کانگریسیوں کے رویہ سے حامیان اردو کی آنکھیں کھلیں، اور وہ اپنی زبان کے تحفظ کے لیے کمربستہ ہو گئے - اسکے بعد ودیا مندر اسکیم کا سلسلہ چلا اور سی پی کے مسلمانوں کو اردو کے لیے بہت کچھ جد و جہد کرنی پڑی - اس بنا پر یہ شہر بجا طور پر اسکا مستحق تھا کہ یہاں انجمن کا

سالانہ اجلاس منعقد ہو - جنوری ۱۹۴۳ء میں اجلاس کا انعقاد بہت بڑے پیمانہ پر مشہور خادم اُردو مولانا حبیب الرحمٰن خاں صاحب شروانی (ملقب بہ صدر یار جنگ) کی صدارت میں ہوا۔ رپورٹ میں صدر اجلاس و صدر استقبالیہ کے خطبات اور سکریٹری کی رپورٹ اور اجلاس کی تجاویز، ہر حامی اُردو کی نظر سے گزرنے کے قابل ہیں۔ شروع میں بھارتیہ ساہتیہ پریشد کے اجلاس سے لیکر کانگریسی حکومت کے وزارت چھوڑنے تک اُردو کے سلسلہ میں جو کچھ ہو چکا ہے ان سب کی تفصیل (جو پہلے اخبار و رسائل میں شایع ہو چکی ہے) اس رپورٹ میں درج ہے۔ بابائے اردو کا خطبہ ناگپور کے نام اس سلسلہ میں خاص طور پر پڑھنے کے قابل ہے۔ اگر سب ہندو اس خیال کے ہو جائیں تو زبان کے مسئلہ میں ہندو مسلمان یقیناً ہمزبان ہو جائیں۔ (صدق)

رسائل و اخبارات

(۱) **تنظیم** - حیدرآباد دکن۔ قائد ملت نمبر۔ قیمت ۱۱؍ صفحات ۳۲ صفحے۔

اخبارات کی زندگی بھی قائم رہ جانا اسوقت بڑی بات ہے چہ جائیکہ کسی اخبار کا بڑی ضخامت کے ساتھ خاص نمبر نکلنا! لیکن قائد ملت بہادر خاں کا رشتہ تھا ہی ایسا کہ اسکی یاد قائم رکھنے کیلیے بڑی بڑی زحمتیں گوارا کی جائیں۔ اہل تنظیم کی ہمت قابل داد ہے کہ اس زمانہ میں بھی اتنی ضخامت کے پرچہ کا انتظام کر لیا۔ مضامین عموماً پہلے کے مطبوعہ ہیں، اور صدق کے تعزیتی مضمون سے لیکر صاحب پیام کے تاثرات تک ہر نوع اور ہر سطح کے شامل ہیں۔ ڈاکٹر رضی الدین صدیقی و غلام دستگیر رشید صاحب کے مضامین پڑھنے کے قابل ہیں، تخئیل اور نظم کے نمونے بھی اچھے ہیں۔ تصویریں بھی متعدد ہیں۔ البتہ مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی کے مضمون کی کمی ایک محسوس ہونے والی بات ہے۔

(۲) **مجلۂ عثمانیہ گلبرگہ** (سہ ماہی) یہ رسالہ عثمانیہ کالج گلبرگہ کی طرف سے نکلتا ہے، اور اسکی زندگی کا دوسرا سال اب شروع ہے۔ مضامین نثر و نظم جو زیادہ تر طلبہ ہی کے ہیں، محنت و سلیقہ سے لئے گئے ہیں۔ بعض بعض نظموں میں اقبال مرحوم سے تاثر نمایاں ہے۔ حج قرآن، گلبرگہ کی ثقافتی نمائش، بہادر یار جنگ مرحوم کے حالات پر مضامین خاص طور پر پُر معلومات ہیں۔ آخری تاریخ انگلستان کے نام سے ایک انگریزی کتاب کا مسلسل ترجمہ بھی قسط وار شایع ہو رہا ہے۔

(۳) **سالنامہ رسالہ مخزن** (میسور) ملنے کا پتہ، بزم اُردو و فارسی مہاراجہ کالج۔ میسور۔ یہ رسالہ مہاراجہ کالج میسور کی بزم اُردو و فارسی کا ترجمان ہے اسکی نگرانی اُردو کے سرگرم خادم پروفیسر عبد القادر صاحب سروری صدر شعبہ اُردو و فارسی میسور یونیورسٹی کرتے ہیں۔ اس سالنامہ میں زیادہ تر مضامین حسب دستور اساتذہ، طلبہ و طالبات کے قلم سے ہیں

ایک مضمون فارسی میں بھی ہے۔ مسیر رجیلے اور زیادہ مقام ہے اُردو اور فارسی کی خدمت زیادہ حوصلہ افزائی اور پرستانی شوق۔ میسور کے اُردو اداروں پر پروفیسر سروری صاحب کا مضمون سب سے زیادہ بہت پُر از معلومات ہے۔ قدیم میسوری اُردو کی نظم کے دو نمونے بھی شایع ہوئے ہیں۔ "ایران کی جدید شاعری اور شاعر" کے عنوان کا مضمون مختصر ہونے کے ساتھ پُر از معلومات ہے۔ اور اس میں وہاں کے مشہور مغرب زدہ شاعر پور داؤد (جو حال تک یہ ایرانی بندے ساتھ ہندوستان آئے تھے) کے متعلق یہ سطریں عبرت اور دلچسپی سے خالی نہیں:-

"پور داؤد ایران کے ان نامی شعرا میں سے ہیں۔ انکے کلام کی خصوصیت یہ ہے کہ زیادہ تر لفظ ہی انکے کلام میں ملیں گے یہ اپنے زمانہ کے فردوسی ہیں۔ آپ انداز کے وطن پرست اور قدامت پرست ایسے کہ ایران کو تعلیمات زردشت ہی کی تلقین دیتے ہیں۔ اسلام انکی نظر میں ایران کے لیے غیر ضروری ہے" (صفحہ ۵۲)

صفحہ ۱۱ پر "ہم زبانی" غلط محل پر استعمال ہوا ہے، اور صفحہ ۲ پر "ہم جلیس" تو بالکل ہی غلط ہے۔ کسی نے صحیح معنی جانتے ہیں "...ت" کے نہیں۔ ایسے تمام موقع سروری صاحب کی نظر ثانی کے محتاج رہ گئے۔ فردوسی پر جو مضمون ہے، اگرچہ فارسی میں ہے لیکن اردو کی شعر العجم سے اسکے ماخذ سے بہت کچھ لیے ہوئے ہیں۔ "ترقیات جوش" کے سلسلہ میں مضمون نگار صاحب کا یہ دعوی کہ جوش کے مقابلہ میں رباعی کی ترقیات بہت ہلکی معلوم ہوتی ہیں، بجائے خود شاعرانہ ہے۔ (صدق)

(۴) **رسالہ ہمدرد صحت** (اشاعت خاص) موسوم بہ "جنگ اور طب"۔ پتہ: ہمدرد صحت دہلی۔ قیمت ۸؍۔ رسالہ ہمدرد صحت دہلی نے جنگ کی دشواریوں کے باوجود اس سال بھی "اشاعت خاص" سے محروم نہیں کیا۔ اور اپنی اس نے موضوع بھی مناسب حال "جنگ اور طب" رکھا۔ حصہ اول "پہلا باب" جنگ کے پانچ سال اور علم و فن طب، چھوٹے بڑے کل مضامین حکیم حاجی عبد الحمید صاحب دہلوی نگران رسالہ کے قلم سے ہیں۔ جنکی ترتیب میں محنت بخصوص کام لیا گیا ہے۔ باب دوم جس میں علم جراحت کی ترقیات سے بحث ہے، حیدرآباد دکن کے دو ممتاز ارباب فن ڈاکٹر عثمان خاں صاحب اور ڈاکٹر غلام دستگیر صاحب کے پُر معلومات مضامین پر مشتمل ہے۔

حصہ دوم میں امراض اور جنگ، مخدرات زمانۂ جنگ میں، خون کا بینک، ہوائی حملے، زہریلی گیس، ریڈ کراس اور اس قسم کے دوسرے اداروں کے متعلق پُر از معلومات مضامین ہیں

حصہ سوم ادبیات جنگ پر مشتمل ہے۔ اسکے مضمون نگاروں میں ایم۔ اسلم لاہوری اور سلطان حیدر جوش بھی شامل ہیں

شروع کے دونوں حصوں کے مضامین بڑی حد تک فنی حیثیت

تعلیم دی تھی؟ ایک عرصہ تک اسکو سوچتا رہا، پھر ایک زمانہ کے بعد میرے قلب پر بطور لاتینۂ غیبی کے یہ چیز وارد ہوئی کہ قرآن علّم کا مفعول اوّل ہے، تو اس خیال سے میرے دل، ایک گھبراہٹ و خوف طاری ہوا، لیکن پھر دوسرا الہام غیبی ہوا کہ ڈرو، گھبراؤ نہیں، ممکن ہے کہ خدائے برتر نے تم ہی کو اس عقدہ لاینحل کو کھولنے کے لیے مقرر کیا ہو" پھر اس نتیجہ بینی کو اتنی تمہیدات کے بعد یوں بیان کرتے ہیں کہ علّم کا مفعول ثانی " ان یوقرن الکون" ہے۔ (کیونکہ انسان تو بعد کو پیدا ہوا ہے، وہ مفعول ثانی بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا) اور چونکہ قرآن اسماء الٰہیہ سے ہے اور اسماء الٰہیہ کی تاثیر فی الکون ایک ظاہر و باہر امر ہے، اس لیے [illegible] آیت کا صحیح مطلب واضح ہوا کہ خدا نے تخلیق انسانی سے قبل "قرآن" کو تاثیر فی الکون سکھا دی تھی

پھر کہتے ہیں کہ [illegible] زمین کو نزول [illegible] کے بعد [illegible] ایک جملہ " الرحمٰن علّم القرآن" سے خدا نے سورۂ رحمٰن کی آیت [illegible] اجمال [illegible] کی تشریح بھی کر دی ہے — اور سورۂ رحمٰن کو [illegible] قرآن میں سورۂ قمر کے بعد [illegible] رکھا گیا ہے کہ اس میں اقتربت الساعۃ آیا تھا اور مقصد یہ بیان کرنا تھا کہ قرآن کے تاثیر کرنے کی ساعت قریب آگئی ہے۔

ملاحظہ فرمایئے! قرآن کا اسماء الٰہیہ میں سے ہونا۔ پھر قرآن کو خدا کا تعلیم دینا۔ اقتربت الساعۃ میں ساعت سے مراد ساعۃ تاثیر القرآن لینا اور ایک ضمنی خیال یہ کہ خدا کو اپنے اسماء و صفات کو بھی تعلیم دینی پڑتی ہے، وغیرہ وغیرہ دعاوی اباطیل اور پھر اتنے فخر سے اسکو بیان کرتے ہیں۔

۲۲۵۔ یہ اقرار کرتے ہیں کہ قرآن کے معانی و نظم خدا کی طرف سے ہیں، لیکن اسی کے ساتھ ص۲۲۶ پر لکھتے ہیں کہ بعض کبار اہل علم و اہل عقل جو صاحب حجۃ اللہ البالغہ امام شاہ ولی اللہ صاحبؒ ہی کے طبقہ کے ہیں کے کلمات اس طرف مشیر ہیں کہ معانی خدا کے ہیں اور کلام مولف نبی کریم صلی اللہ کی طرف سے، اسکو نقل کرکے لکھتے ہیں کہ اس قول کو بھی (اگر یہ صحیح طور سے منقول ہوا ہے تو) درجہ اعتبار سے ساقط نہیں سمجھتا اور نہ اسکو اوہام کلام میں سے قرار دیتا ہوں، اور نہ میرے نزدیک اس سے خدا کے کلام کی جلالت و منزلت کم ہوتی ہے" بیچ میں کلمہ کبیرا اپنی دراسے کو دہرائی ہے کہ قرآن خدا ہی کا کلام ہے۔ پھر یہ بھی کہا ہے کہ قرآن کے بارے میں کسی ساقط الاعتبار قول یا وہم کو جگہ نہ دینی چاہیے۔ اور اوپر یہ بھی کہہ چکے ہیں یہ بعض کبار اہل علم کا قول وہم اور ساقط القبول نہیں ہے۔

غرض موسی جار اللہ صاحب کی کتاب کو پورے غور سے پڑھنے کے بعد ایسا معلوم ہوتا ہے کہ کوئی مخبوط الحواس انسان ہے کہ بڑے بڑے لوگوں کی [illegible] اور اپنی وسعتِ مطالعہ اور طویل سیاحت کے حوالے دے کر نیز شکایات [illegible] عادی کے پردے میں قرآن مجید کی ہر نہج سے تحریف پر تلا ہوا ہے۔ اور اس بارے میں وہ اور انکے استاد و امام مولانا سندھی ایک ہی سلک

اپیل برائے اہل حرم

از دفتر انجمن محافظ حجاج
کشمیری گیٹ، دہلی

محترم المقام، السلام علیکم

تقریباً پچیس سال سے انجمن محافظ حجاج کشمیری گیٹ، دہلی جو خدمات انجام دے رہی ہے [illegible] وہ [illegible] آشنا نہیں۔ حج اور زائرین حرمین کی خدمت کے سلسلہ میں [illegible] انجمن اسے اپنا اہم فرض سمجھتی ہے کہ مسلمانوں [illegible] اسلامی احساس سے ایک [illegible] کے لیے اپیل کرے . . . .

[illegible] خدا کے کلمہ گو بندے رحمۃ للعالمین [illegible] کی امت [illegible] دنیا میں موجود و زندہ ہیں، مگر اپنے ان بیت والے بھائیوں کی امداد و دستگیری سے بےخبر ہیں جو اللہ کے حرم آباد ہیں اور رسول اللہ کے قدموں میں بستے ہیں۔ یہی وہ لوگ ہیں جو مکۂ معظمہ اور مدینہ منورہ میں کعبہ کا پردہ پکڑ کر اور روضۂ اطہر کے سامنے خدا کے حضور میں آپ کے لیے سب کچھ کر سکتے ہیں۔

آج مالکان حرمین محترمین کی بےکسی و دعائیں لیجیے، ٹوٹے ہوئے دلوں کا سہارا بنیے، اور جو بے سہارا ہیں انکو گرنے سے بچایئے۔ خدا بھی آپ کی مدد کریگا۔

یاد رکھیے کہ حجاز مقدس کی ہر ممکن امداد و دستگیری کا یہی موقع ہے خدا کرے آپ کو نیک کاموں میں شرکت کے بعد داغ ہمیشہ ملتے رہیں، مگر اہل حرمین شریفین پر تنگی اور مصیبت کا یہ زمانہ پھر نہ آئے۔

سوال زیادہ کا نہیں، طلب کسی بڑی رقم کی نہیں، جو کچھ آپ دے سکتے ہیں، اس سے دریغ نہ فرمایئے۔ قطرے مل کر سمندر بنجاتے ہیں۔ اور بہت سی موجیں سمندر کے دل سے ابھر کر جوش پیدا کر دیتی ہیں۔ اس کار خیر میں شرکت کا ارادہ ہو تو اپنی رقم امداد "خان بہادر حاجی وجیہ الدین صاحب ایم۔ بی۔ ای صدر، انجمن محافظ حجاج و خازن "حرمین فنڈ" جسکا مستقل حساب "نیشنل دہلی" میں کھولا گیا ہے، آپ کے دست کرم کی ایک ادنیٰ جنبش کا منتظر ہے اور ہم سب آپ کے دعاگو :- (راجہ [illegible] ممبر سنٹرل اسمبلی) مہر شاہ (خان بہادر شیخ حاجی، ممبر سنٹرل اسمبلی) فضل حق پراچہ (راجہ ممبر پنجاب اسمبلی) غضنفر علی خان (نواب حاجی، سی آئی ای، او بی ای) اسمٰعیل علی خاں (خان بہادر سید، ڈپٹی کلکٹر ریٹائرڈ) بہار الدین آنریری سکریٹری "حرمین فنڈ"

اعلان تعطیل

حسب معمول تقریب عید الفطر کے سلسلہ میں آیندہ ہفتہ دفتر صدق میں تعطیل رہے گی، اس لیے ۱۸۔ ستمبر کا پرچہ شائع نہ ہوگا۔ ناظرین کرام انتظار نہ فرمائیں۔

مہتمم صدق۔ لکھنؤ

نمبر ۲۱ | دوشنبہ - ۶ - شوال المکرم ۱۳۶۳ھ مطابق ۲۵ - ستمبر ۱۹۴۴ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

"اسٹیٹسمین" ہندوستان میں انگریزوں کا سب سے زیادہ معزز و مشہور روزنامہ ہے - ہر اتوار کو ایک مستقل کالم فوجیوں کی معلومات و ہدایت کے لیے ہوتا ہے۔ اُس میں ایک انگریز صحافی لکھتا ہے :-

"غلط فہمی نہ ہو تو میں یہ کہوں کہ دنیا میں اسلام سے زیادہ کسی مذہب کے پیرووں کی نظر میں انکا مذہب زندہ نہیں، اور نہ کسی مذہب کی اس سے بڑھ کر تفصیلی پیروی عملاً کی جاتی ہے - ۸ کروڑ سے زیادہ مسلمان ہندوستان ہی میں آباد ہیں - اور یہ بالکل ممکن ہے کہ ادھر آپ ایک مسلمان سے باتیں کر رہے ہوں، اُدھر نماز کا وقت آجائے، اور اسکا رُخ قبلہ کی طرف ہو جائے اور وہ اپنی جا نماز بچھا، قبلہ رُو ہو کر اپنے خالق کے آگے رکوع و سجود شروع کر دے ----- حکم کی اجتماعی اہمیت کا ذرا اندازہ تو کیجیے - ہر روز پانچ پانچ مرتبہ، کروڑوں انسان ہیں کہ ایک ہی وقت ہر نماز کے لیے کھڑے ہوتے ہیں، ایک ہی طرح کی نماز پڑھتے ہیں، ایک ہی طرف سب کا رُخ ہے، ایک ہی قسم کی حرکتیں اپنے اعضا کو دیے رہے ہیں!" (۲۰، اگست ۱۹۴۴ء)

آگے کے سوال جواب صرف اسی انگریز کے قلم سے ہیں :-

"اسلام کا اتنا قوی اثر اپنے پیرووں پر آخر کیسے ہے؟ اسکا راز عجب نہیں کہ مذہب اسلام کی سادگی میں ہو - یہ ایک واضح، روشن اور جمہوری مذہب ہے - وہم پرستیوں سے بہت دُور، اور آج بھی تقریباً بعینہٖ اسی حالت میں ہے جس میں ۱۳۴۴ سال قبل وہ شروع ہوا تھا - نہ امیروں کے ساتھ اسکے اندر کوئی رعایت، نہ غریبوں پر اس میں کوئی سختی - احکام اسکے جتنے، سب سادہ اور عقل سلیم کے لیے قابل قبول - پانچ ارکان اسکے اہم ترین، اور انھیں کے مجموعہ کا نام اسلام - یعنی کلمۂ شہادت، نماز، روزہ، زکوٰۃ اور حج -

اسلام کا تیسرا رکن روزہ ہے - اور آج کل یہی ماہ رمضان چل رہا ہے - اس ماہ میں ہر مسلمان طلوع فجر سے لیکر غروب آفتاب تک ہر روز روزہ رہتا ہے، قرآن کا نزول اس مہینہ میں ہوا تھا، اس لیے یہ خاص طور پر مقدس ہے - چھوٹے بچوں اور چند اور مستثنیات کے ماسوا ہر مسلمان پر روزہ رکھنا فرض ہے اور اس فرض کو وہ ادا کرتا ہے - بوڑھوں کے لیے یہ رعایت ہے کہ وہ بجائے خود روزہ رکھنے کے ایک مسکین کو ہر روز مہینہ بھر تک کھانا کھلاتے رہیں، مریضوں اور مسافروں کو روزہ قضا کرکے آیندہ رکھنے کی اجازت ہے - یہاں سمجھنے کی بات یہ ہے کہ ان رخصتوں سے فائدہ بہت کم اُٹھایا جاتا ہے، اور روزہ ہی پر اصرار جاری ہی رہتا ہے "

اسلامی ایسی اور رفرنگی کے تاثرات کی آخری قسط ملاحظہ ہو :-

"روزہ سے سخت چیز اس لیے کہ پانی تک بند رہتا ہے - غذا صرف افطار کے بعد اور آغاز صوم سے قبل ہی ممکن ہے - رمضان کا مہینہ اتفاق سے اکثر شدید گرمی ہی کے موسم میں پڑتا ہے - دن دن بھر اور دن بھی ۱۲ گھنٹے سے بڑا، پانی نہ پینا جس ظرف و تحمل کا ثبوت ہے، ظاہر ہی ہے - کان، ناک، آنکھ، زخم سر تک کی دوائیں ممنوع ہیں! روزہ دار کا دن بیا آخری کلام یہ ہوتا ہے :-

اللهم لك صمت وبك آمنت وعليك توكلت وعلى رزقك افطرت فتقبل مني

اے اللہ میں نے تیری رضا کے لئے روزہ رکھا، اور تجھ پر ایمان لایا، اور تجھ پر توکل کیا اور تیرے ہی دیئے رزق سے افطار کیا۔ اے اللہ اس عمل کو قبول کر۔

" عالم ہمہ افسانۂ ما دارد و ما ہیچ " ایک مشہور مصرعہ ہے۔ فرمائیے اس فرنگی مرقع میں آپ کو اپنی تصویر دیکھ کر یہ مصرعہ یاد آیا؟ سوال اصول ونظریات سے متعلق نہیں، اُمت کے عمل سے متعلق ہے۔"

کام کی رفتار

اُردو ترجمہ وتفسیر کی نظر ثانی کا کام عرصہ ہوا کہ شروع ہوگیا۔ لیکن "نظر ثانی" کا لفظ مفہوم کو پوری طرح ادا کرنے کے لیے کافی نہیں۔ ترمیم لفظی اور جا بجا نہیں ہو رہی ہے، ساری کی ساری عبارت دوسرے کاغذ پر نقل کی جا رہی ہے، یہ کثرت اضافہ وترمیم کے ساتھ ضخامت تقریباً ڈیوڑھی ہوتی جا رہی ہے۔ وقت قدرۃً بہت زائد صرف ہو رہا ہے، اور کام اس سے کہیں کچھ ہی کم کرنا پڑ رہا ہے جتنا مسودۂ اول کے وقت پڑا تھا۔ نتیجہ یہ ہے کہ پارۂ اول کا مسودۂ ثانی ابھی نصف تک بھی نہیں پہونچ سکا ہے، حالانکہ مدت کئی ہفتہ کی ہو چکی ہے۔ بہرحال جو مشیت کو منظور ہے وہ کر رہے گا۔

پارۂ اول کی تکمیل کے معاً بعد ان شاء اللہ پریس کو دے دیا جائیگا۔

پچھلے ہفتہ امداد کی مد میں رقم ذیل قبول ہوئی۔

۹- ستمبر۔ ایک قدیم مخلص، از بلگام (علاقۂ بمبئی)

تعزیت مجذوب

پنجاب یونیورسٹی کے ایک بی۔ اے۔ سی اور ایک انجینئرنگ کالج کے سینیر طالب علم، صدق میں رحلت مجذوب پڑھ کر لکھتے ہیں:—

" خسرو اشرف بھی آخر چل بسے۔ اللہ انہیں اپنی رحمت میں جگہ دے۔ اپنے مرشد سے ایک سال ہی بعد۔ اب پاکیزہ اشعار کون لکھا کریگا۔ آہ مجذوب! تم ہم انگریزی خوانوں ہی میں سے تو تھے۔"

اسلام کا یہ ایک مستقل نہیں تو معجزہ ہے، کہ اسکی نصرت وخدمت کا کام عجب عجب لوگوں سے لے لیا جاتا ہے، صرف مولویوں، ملاؤں، دینی درسگاہوں کے تربیت یافتوں ہی سے نہیں، خاص الخاص علیگڈھ اور آکسفورڈ اور کیمبرج کے پڑھے ہوؤں سے بھی۔ اور کوئی نہیں کہہ سکتا کہ کل کس کی خدمات زیادہ وزن دار ٹھہریں۔ نازو افتخار کا موقع کسی ادارہ کو بھی نہیں۔ اور خواجہ مرحوم تو بارگاہ اشرفی میں درجہ تو بیشک وہی رکھتے تھے، جو محبوب الٰہی نظام الدین دہلویؒ کی مجلس میں امیر خسروؔ کا تھا۔

سگرٹ نوشی کا مرض

تمباکو نوشی خصوصاً سگرٹ کشی کے نقصانات ان صفحوں میں بارہا بیان ہو چکے ہیں۔ ایک طبی رسالہ کا تازہ بیان اس سلسلہ میں اور ملاحظہ ہو:—

" جدید تحقیقات کی روشنی میں ماہرین صحت نے تمباکو نوشی کی برائی میں بجا طور پر بہت کچھ لکھا ہے۔ لیکن تمباکو نوشی کا ایک سب سے زیادہ خطرناک نتیجہ یہ ہے کہ جسکی طرف ڈاکٹر سی۔ بی۔ سیکارڈ نے توجہ دلائی ہے۔ وہ کہتے ہیں، کہ جب کوئی شخص سگرٹ کا کش کھینچتا ہے تو وہ غیر محسوس طور پر ادھورا سانس یا نامکمل سانس لینے کی مشق کرتا ہے اور گھنٹوں اس مشق میں صرف کرتا رہتا ہے۔ ایسی حالت میں اسکے جسم میں آکسیجن کی کمی بڑھ جاتی ہے۔ حالانکہ پھیپھڑوں کو ہوا پوری مقدار میں ملنی چاہیئے۔ نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ پھیپھڑوں اور قلب کو ایک نئی مصیبت سے دوچار ہونا پڑتا ہے۔ اور وہ کام کرنا پڑتا ہے جسکے وہ عادی نہیں تھے۔ انجام یہ ہوتا ہے کہ سانس لینے کی دقت پیدا ہو جاتی ہے۔ جب اس عادت کی وجہ سے پھیپھڑے پوری طرح نہیں پھولتے تو انکے عمل میں خلل پڑ جاتا ہے۔ اور بیماری کی حالت میں انکی قوت مدافعت کم ہو جاتی ہے اور ان میں اجتماع خون کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے۔

جب یہ اچھی طرح معلوم ہے کہ تمباکو نوشوں کے پھیپھڑوں میں اجتماع خون کی کیفیت پیدا ہو جاتی ہے اور یہ ابتدائی سبب ہے دق کا۔ کئی سال گزر گئے، لندن کے ڈاکٹر رائٹ نے ہمیں یہ بتا دیا ہے کہ نکوٹین (تمباکو کا جزو موثر) پھیپھڑوں کی قوت مدافعت کو کمزور کرکے انکو مرض دق قبول کرنے کے لیے آمادہ کر دیتا ہے اور دوسرے خطرناک امراض پیدا کر دیتا ہے۔ ایسی حالت میں ہر شخص کو سنجیدگی سے سمجھ لینا چاہیئے کہ تمباکو نوشی کتنی خطرناک چیز ہے۔ اور اسے "خوبصورتی" سے چھوڑ دینا چاہیے، قبل اسکے کہ کوئی خطرناک مرض آ کر انہیں اپنا شکار بنالے۔ اور ایسے درجے پر پہونچا دے کہ جہاں دوائیں بھی کام نہ دیں اور تدابیر بھی"

(ہمدرد صحت۔ دہلی۔ ستمبر نمبر ۵۵ء)

"پیام" حسرت

پیام (حیدرآباد) کا تبصرہ صدق ۱۲ اگست کے شذرہ " ایک غیر اصولی بحث" پر۔ ایک حیدرآبادی مخلص کے مرسلہ تراشہ کے حوالے سے:—

" اللہ اور رسول کے احکام کی ترجمانی کا ٹھیکہ اسی لیے تو مفید ہے، کہ ۹۰ برس کی عمر میں ۱۳ سال کی دولھن کا جواز کسی طرح غیر آمیز نہیں ثابت کیا جا سکتا۔ مولانا کی جے! اگر وہ یہ سب کچھ نہ لکھتے تب بھی ہمیں معلوم تھا کہ وہ کیا فرمائیں گے۔"

بیشک، چوک بڑی سخت ہوگئی۔ معاملہ "نکاح" کا، اور خیال "ملّا" صاحب کے حقوق کا! ان کے "لیلیٰ کے خطوط" کا! فاصلہ تا دامن اور مرادآباد کے درمیان کچھ بھی سہی، لیکن نکاح اور مسائل نکاح کا "ٹھیکہ" تو بہرحال ٹھیکہ! اس میں کسی کی مداخلت برداشت ہی کیسے کی جا سکتی ہے! حق تھا کہ احتجاج کے الفاظ اس سے بھی زیادہ تیز و تند ہوتے!

سورہ بقرہ رکوع ۱۷ اور ۱۸

(بہ سلسلۂ صدق ع۱۵ ماقبل)

(از عبدالماجد)

۱۵۱ - فاذکرونی اذکرکم واشکروالی ولا تکفرون -	سو تم مجھے یاد کرتے رہو، میں بھی تمہیں یاد کرتا رہوں گا، اور میری شکرگزاری کرتے رہو، اور میری ناشکری نہ کرو۔
۱۵۳ - یاایہا الذین آمنوا استعینوا بالصبر والصلوٰۃ ان اللہ مع الصابرین -	اے ایمان والو صبر اور نماز سے سہارا حاصل کرو، بے شک اللہ صبر والوں کے ساتھ ہے۔
۱۵۴ - ولا تقولوا لمن یقتل فی سبیل اللہ اموات، بل احیاء ولکن لا تشعرون -	اور جو اللہ کی راہ میں قتل ہو جاتے ہیں انھیں مردہ نہ کہو۔ (نہیں) بلکہ وہ زندہ ہیں البتہ تم ادراک نہیں کرسکتے۔

(طاعت وعبادت کے ذریعہ سے)

بندہ کا اپنے مالک کو یاد کرنا یہی ہے کہ اسکی بتلائی ہوئی راہ پر ہمت اور شوق سے چلتا رہے۔ اور یہ یاد الٰہی کسی خاص وقت کے ساتھ محدود و مقید نہیں۔ لکھنے پڑھنے، بولتے چالتے، ملنے جلنے، سونے جاگنے، سب میں رضاء الٰہی کو مقدم رکھنا بھی بندہ کی طرف سے یاد الٰہی ہے۔

ابوبکر جصاص رازیؒ نے ذکر سے مراد لی ہے آیات الٰہی اور انکی عظمت وقدرت کا تفکر، وذکرنا الفکر فی دلائلہ وآیاتہ وقدرتہ وعظمتہ (احکام القرآن) اور اسی کو سارے اذکار سے افضل اور انکی اصل قرار دیا ہے۔ وہو افضل الذکر، سائر وجوہ الذکر مبنیۃ علیہ وتابعۃ لہ (ایضاً)

(اپنے لطف وعنایت خاص سے)

اللہ کا اپنے بندوں کو یاد کرنا یہی ہے کہ ان پر دنیا وآخرت دونوں میں اپنے خصوصی فضل وکرم کی بارش کرتا رہے۔

فاذکرونی اور اذکرکم میں ضمیر متکلم کو صیغۂ واحد میں لانا علامت تخصیص کی ہے۔ مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا کہ بندہ ادھر سے یاد میں لگا ہے تو ادھر سے بھی سرافرازی ہوتی رہیگی۔ ادر یہی اصلی ثمرہ اور انعام ہے بندہ کے ذکر الٰہی کا۔ سو اگر ذہن کے سامنے اسکا استحضار رہے تو بندۂ ذاکر وشاغل کو نہ کبھی تشویش ہو اور نہ بے حاصلی کی شکایت پیدا ہو۔

واشکروالی توحید، ایمان واسلام کے حقوق ادا کرتے رہنا بھی اللہ کی شکرگزاری کرتے رہنا ہے۔ اور شکر کی بہترین تعریف یہ ہے کہ اللہ کی دی ہوئی نعمتوں کو اللہ ہی کے کاموں میں لگایا جائے۔

ولا تکفرون کفر وشرک، الحاد وارتیاب، فسق وبدعت میں لگے رہنا بھی اللہ کی ناشکری اور اسکی نعمتوں سے کفران کرنا ہے۔ اور ناشکری کا اصلی مفہوم یہی ہے کہ اللہ کے دیے ہوئے قوی کو اللہ کی نافرمانی میں صرف کیا جائے۔

یعنی ہجوم مشکلات کے وقت بھی مشکل کشائے حقیقی سے تعلق برابر جوڑے رہو۔ اُس پر بھروسہ رکھو۔ اسکے آگے جھکتے اور رجوع کرتے رہو۔ روزمرہ کا مشاہدہ ہے کہ کسی بڑی اور پُرقوت ہستی سے تعلق قائم ہو جانے سے دل کو کتنی تقویت حاصل ہو جاتی ہے۔ خطرہ کے وقت پولیس کے پہونچ جانے سے، کسی بڑے حاکم کے آ جانے سے دل کو کیسی ڈھارس بندھ جاتی ہے، شدید بیماری کے وقت کسی نامور طبیب کے آ جانے سے ٹوٹی ہوئی آس کیسی بندھ جاتی ہے۔ پھر جب دل کا رشتہ براہ راست ناصر حقیقی ومعین حقیقی سے قائم ہو جائے، تو انسان بے نوا کی تسکین خاطر وتقویت قلب کا کیا پوچھنا!

دنیا میں رہکر زندگی کی کشمکش میں پڑکر مشکلات ومصائب کا پیش آتے رہنا ناگزیر ہے۔ افراد کو بھی اور امت وجماعت کو بھی۔ وہ دستور العمل ناقص ہے جو مشکلات کے دفاع اور مصائب سے مقابلہ کا طریقہ نہ بتائے۔ قرآن مجید نے بجائے غیر ضروری اور زائد تفصیلات میں جانے کے یہاں اشارہ اصل اصول کی طرف کر دیا۔

بالصبر صبر کے لفظی معنی تنگی اور ناخوشگواری کی حالت میں اپنے کو روکے رہنے کے ہیں۔

الصبر الامساک فی ضیق (راغب)

اور اصطلاح شریعت میں اسکے معنی یہ ہیں کہ نفس کو عقل پر غالب نہ آنے دیا جائے، اور قدم دائرۂ شریعت سے باہر نہ نکالا جائے۔

الصبر حبس النفس علی ما یقتضیہ العقل والشرع (راغب)

صبر کے یہ معنی نہیں کہ جو امور طبعی اور بشری ہیں، اُنکے آثار کو بھی اپنے اوپر طاری نہ ہونے دیا جائے۔ بھوک کے وقت مضمحل اور نڈھال ہو جانا، درد کی تکلیف سے کراہنا، رنج کے وقت آہ سرد بھرنا، عزیزوں قریبوں کی موت پر آنسوؤں سے رونا، ان میں سے کوئی شے بھی صبر کے منافی اور بے صبری میں داخل نہیں۔ قرآنی فرمان کا مطلب صرف اس قدر ہے کہ ہجوم مشکلات کے وقت گھبرا نہ جاؤ۔ ثابت قدم رہو۔ دل قابو میں رکھو، خود دل کے بس میں نہ آ جاؤ۔

الصبر والصلوٰۃ - صبر ایک منفی کیفیت اور صلوٰۃ ایک ایجابی عمل ہے۔ ان دو کلیدی لفظوں سے اشارہ ادھر ہو گیا کہ انفرادی اصلاح اور اجتماعی فلاح دونوں کا راز صرف ان دو چیزوں میں ہے۔ ایک معاصی سے حفظ واحتیاط، دوسرے اوامر کا اتباع۔

اللہ کی معیت عام تو کافر ومومن، فاسق وصالح، اپنے ہر بندہ کے ساتھ ہے۔ وہو معکم این ما کنتم۔ یہاں یہ معیت عام مراد نہیں۔ بلکہ معیت خصوصی مراد ہے، جسکے آثار، حفاظت، اعانت وتوجہ خاص ہیں۔ یہ اسی معیت الٰہی کا احساس واعتقاد تھا۔ جس نے رسول اکرمؐ کے صحابہ کو بے پناہ قوت، جرأت، بے خوفی کا ـــ مالک بنا دیا تھا۔ اور

ایک بہادر مسلمان کی موت

بہادر خاںؒ

(از مولانا ڈاکٹر سید سلیمان صاحب ندوی مدظلہ)

چار پانچ ہفتے ہوئے، میں ایک گاؤں میں تھا کہ دفعۃً ایک صاحب نے ایک انگریزی اخبار کے حوالہ سے نواب بہادر یار جنگ کی اچانک موت کی اطلاع دی۔ موت ہر وقت آتی ہے اور ہر وقت آسکتی ہے، تاہم جسکے مرنے کو دل نہیں چاہتا، اُنکے مرنے کی خبر کا یقین بھی دفعۃً نہیں آتا۔ اُنکا بشاش بشاش متبسم چہرہ، انکا صحیح و تندرست جسم، انکا خوبصورت اور دلفریب قد بالا، ہر چیز بجلی کی کوند کی طرح سامنے آئی، اور اُنکی موت کی خبر کو جھٹلا کر چلی گئی۔ خود جا کر اخبار پڑھا، ورقوں کو اُلٹا پلٹا، روایت نے صدق کی، اور صدق نے یقین کی، اور یقین نے آنسوؤں کی صورت اختیار کی۔ اور اللہ کے ساتھ دل کی گہرائی سے مغفرت کی دعا نکلی۔

مرحوم سے جان پہچان اور بار بار کی ملاقات تو بارہ تیرہ برس سے تھی مگر دیکھا اسی سال فروری، مارچ اور وسط اپریل تک حیدرآباد میں دار العلوم ندوہ کے سلسلہ سے تقریباً ان سے روزانہ ہی ملنا جلنا، اور ساتھ ساتھ لوگوں کے پاس آنا جانا، اور گھنٹوں بیٹھ کر ہر موضوع پر اظہار خیال کا اور ہر پہلو سے انکے جانچنے اور پرکھنے کا موقع ہاتھ آیا۔ وہ ہر پہلو سے محبوب ہی نظر آئے۔ اردو کے پکے، بات کے دھنی، مخلص وفادار، خدا ترس، عاشق رسول (صلی اللہ علیہ وسلم)، مجاہد اسلام، بہادر مسلمان سپاہی، اور ہر معنی میں سپاہی، بہادر پٹھان اور بہادر مسلمان!

اکثر دیکھا گیا ہے کہ زبان کے تیز ہاتھوں کے کمزور ہوتے ہیں یعنی باتوں کے دھنی ہاتھوں کے سست ہوتے ہیں، مگر وہ زبان اور ہاتھ دونوں کے تیز تھے۔ اور اسی کا کرشمہ تھا کہ صرف چند سال کے اندر کشمیر کی پہاڑیوں سے لیکر دکن کے کنارے تک پورے ہندوستان پر چھا گئے۔

بارہ تیرہ سال گزرے ہونگے کہ مجھے انکا نام حیدرآباد میں پہلے پہل ایک مدراسی فاضل دوست افضل العلماء ڈاکٹر عبد الحق کے ایک تار میں جسکو کرنول سے اُنھوں نے حیدرآباد میرے نام بھیجا تھا، نظر آیا۔ اس تار میں مجھے نواب بہادر یار جنگ کے ساتھ کرنول کے ایک جدید مدرسہ کے افتتاح میں بلایا تھا۔ آنکھوں نے تار کی سطروں میں نواب بہادر یار جنگ کا نام پڑھا، دل نے کہا نواب! عیش کا پروردہ! دولت کا آفریدہ! راحت کا خوگر، محراب و منبر سے ناآشنا، وہ قومی و مذہبی مجالس کا ہیرو ہو! میرا قیام میرے عزیز دوستوں مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی و مولانا عبد الباری صاحب ندوی کے گھر میں تھا۔ میں نے اُن سے دینی حیرت کا اظہار کیا، مولانا گیلانی نے بڑھ کر انکی تحسین کی، اور فرمایا جی ہاں میں انھیں بچپن سے جانتا ہوں، خوب بولتے ہیں، اور بڑی دلنشیں تقریر کرتے ہیں، اسکول میں جب پڑھتے تھے، مجھے بلا بلا کر اپنے جلسوں میں لے جاتے تھے، تقریر کے انعامی مقابلوں میں [illegible] تمغے اور انعام پایا کرتا تھا، آج کل میلاد کی مجلسوں میں انکی تقریریں بہت پسند کی جاتی ہیں۔ یہ وہ زمانہ تھا جب نواب صدر یار جنگ مولانا حبیب الرحمن خاں شروانی صدر الصدور دولت آصفیہ تھے۔ اور انکے سبب سے میلاد کی محفلوں کی بڑی کثرت اور چہل پہل تھی۔ شستہ اور مؤثر مقررین کی تلاش رہتی تھی۔ اس سلسلہ میں تازہ وارد نوجوان بہادر خاں کی حوصلہ افزائی پر حوصلہ افزائی کی جاتی رہی۔

اتفاق دیکھیے کہ چند روز بعد مہاراجہ کشن پرشاد آنجہانی صدر اعظم دولت آصفیہ کے یہاں دعوت ہوئی، بہت سے مہمان تھے، کھانے سے فرصت ہوئی، تو ایک خوبصورت سڈول نوجوان شیروانی اور ترکی ٹوپی میں ملبوس، بے تکلفی کے ساتھ آگے بڑھا، اور ادب سے ہاتھ ملا کر گویا ہوا، میں خود اپنا تعارف کراتا ہوں، میں ہوں آپ کا شاگرد بہادر خاں! آنکھوں نے حیرت سے صورت دیکھی، ناآشنا پایا، تفصیل پوچھی، فرمایا آپ کی کتابوں کو پڑھ کر علم پایا، اور خطبات مدراس کو رٹ کر میلاد کی مجلسوں کو گرمایا۔ ان کی اس تواضع سے دل شرمندہ ہوا، اور انکی اس شرافت سے سننے والے کی گردن جھک گئی۔

انکی یہ تواضع اور خاکساری تنہائیوں ہی میں نہیں ہزاروں کے مجمع میں اسی طرح ظاہر ہوتی تھی۔ مولانا گیلانی کے ساتھ انکی ممنونیت برملا انکی زبان سے ظاہر ہوتی، مولانا شروانی کی حوصلہ افزائیوں کا اعتراف علیگڈھ یونین کی پہلی تقریر میں خود میرے کانوں نے سنا، دار المصنفین کی کتابوں کے احسان کی کہانی اسی مارچ میں دار السلام حیدرآباد کے عظیم الشان جلسہ میں سب نے سنی۔

مرحوم کی تقریریں فصاحت و بلاغت اور بدایع تینوں کے جوہر تھے۔ شاعری وہ نہیں کرتے تھے، مگر انکی نثر شاعری کا نمونہ ہوتی تھی۔ انکی اساس تین چیزیں ہوتی تھیں، اسلامی تاریخ کے معلومات، اقبال کے اشعار، ابو الکلام کے الفاظ، اُنھوں نے اقبال کو بہت پڑھا تھا، اور بہت سمجھ کر پڑھا تھا۔ انکا بیشتر کلام اُنکے حافظہ کے خزانہ میں محفوظ تھا، جسکو وہ اپنی تقریروں میں موقع موقع سے پڑھتے تھے اور حاضرین سے خراج تحسین وصول کرتے تھے۔

علیگڈھ یونیورسٹی یونین سے داد پانا آسان نہیں، یونین میں انکی پہلی تقریر تھی، موضوع حیدرآباد میں مسلمانوں کی سیاسی حیثیت اور دعوائے اقتدار تھا، جب تک وہ تقریر کرتے رہے، تاثیر کا دریا بہتا رہا، اور ہر شخص کو تسکین ہوگئی کہ حیدرآبادی مسلمانوں کا دعوی بالکل صحیح ہے، ایک اچھے مقرر لیڈر کو یہ کہتے سنا کہ اُنھوں نے اپنے کیس کو بہت خوبی سے پیش کیا، طالب علموں نے ان پر تحسین و آفریں کے پھول برسائے۔ یہ علیگڈھ میں انکی [illegible] تھی۔

جس زمانہ میں حیدرآباد میں مسلمانوں اور ہندوؤں کی پہلی شورش ہوئی، اور چند مسلمان کسی ہندو محلہ میں شہید کر دیے گئے تھے، تو سارے

بعض جدید عربی تالیفات

(ایک مبصر کے قلم سے)

(۲)

اب اگلی کتاب "حروف اوائل السور" کے متعلق کچھ عرض ہے جسکے متعلق وہ ٹائیٹل پر لکھتے ہیں کہ "یہ افاداتِ تفسیریہ امام سندھی عبید اللہ صاحب کے املا کے اقتباسات ہیں، جو امام شاہ ولی اللہ کے اصول پر مبنی ہیں" اس کتاب کا اتحاف کمال اتاترک کے نام پر کیا گیا ہے۔ جس کو "غازی الاسلام الکبیر قائد عسکری سیاسی۔ اکبر مصلح ادارہ مصلح مہدی عظیم الاسلام، فرد الدنیا واحد ہا کے خطابات سے نوازا ہے۔ پھر اسکی "فتوحات بینہ" کا ذکر ہے۔ اسکے بعد لکھتے ہیں "کل ہذہ الفتوحات البینۃ الجلیلۃ قد فتح اللہ لکمال اتاتورک لیغفر لہ اللہ ما تقدم من ذنبہ وما تأخر ثم اتم اللہ نعمتہ علیہ اذا سعید لہ منہ کرسی ریاستہ کل الدنیا والوحی واسعید کل القوے العسکریۃ والسیاسیۃ وکل وجہ الارض حول جنازتہ المقدسۃ وہو فی نعشہ۔ وکل ہذہ کانت اثر ایمانہ الخالص واثر جہادہ حق الجہاد فی سبیل اللہ واثر عظیم اجتہادہ فی انجاز اتہ الکریمۃ وفی احیائہا واصلاحہا دینا ودنیا۔ وقد احیاہا حیاۃ جدیدۃ بعد ان اماتتہا الخلافۃ العثمانیۃ، واصلحہا اصلاحا ناجحا دینا بعد ان افسدتہا الخلافۃ العثمانیۃ دینا ودنیا۔ ثم نصرہ اللہ نصرا عزیزا اذ توفاہ ورفعہ الیہ واسکنہ فی جناتہ لدیہ الخ وغیرہ لکسان الصوات والاباطیل المزخرفۃ۔

اس کتاب کے سرورق پر یہ بھی لکھا ہے کہ یہ کتاب امام سندھی کی خدمت میں پیش کی گئی، تو بہت اہتمام کے ساتھ مطالعہ فرمایا، اور بطور تقریظ یہ شعر تحریر فرمایا ؎

ہذا الکتاب لو یباع بوزنہ

ذہبا لکان البائع مغبونا

لاہور بیت الحکمۃ ۱۰ فروری ۱۹۴۲ء المندیۃ۔

اس کتاب کی خصوصیت یہ ہے کہ "حروفِ مقطعات" کے اعداد حساب ابجد سے نکال کر ادوار اسلام کی تاریخ مرتب کی گئی ہے۔ اور توڑ مروڑ کر ہر جگہ سے خلافت راشدہ، سلطنت بنی امیہ، عباسیہ وغیرہ کا زمانہ متعین کیا گیا ہے۔ مثلاً سورہ ق میں "ق" کے عدد ۱۰۰ ہیں اور ایک سال کے قرآن کریم کی اصطلاح خاص میں ۱۰۰۰ مہینے ہوتے ہیں کیونکہ قرآن نے ہر سال کے دس ۱۰ قرار دیے ہیں۔ لہذا "ق" سے اشارہ ہے اسلام کے دور اول اور قرن اول کی طرف جو بعثت سے ۸۳ھ تک ختم ہوتا ہے۔ اور یہ قرن النبی اور قرن القرآن ہے۔ کیونکہ اس قرن میں قرآن کے سوا کوئی چیز لکھی نہیں گئی، پھر حضرت عمر بن عبد العزیز کا دور شروع ہوا۔ جب حدیث کی تدوین ہوئی اور بنو امیہ نے ان ہی سیاسی اغراض کے لیے حدیث کو پہلے مرتبہ میں رکھکر قرآن کو دوسرے مرتبہ پر رکھدیا۔ اسی طرح ... کیا ہے

یہاں یہ بھی لکھا ہے کہ اصل چیز قرآن ہے اور حدیث صرف سیرت ہے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی اور آپ کے خلفاء کی، تاکہ انکے مطابق ہم بھی اپنی سیرت کرلیں، یعنی احکام و اخبار میں قابل حجت نہیں۔ اور اس چیز کو دوسری جگہ وزرا واضح طریق سے پیش کیا ہے۔

ص۹۵ پر "حم عسق" میں حم عسق کے عدد ۱۶۸ ہیں جو ۱۶۵ھ ہوئی اور یہی زمانہ مہدی ہاشمی عباسی کا ہے جو حدیث ترمذی کے مطابق مہدی موعود بھی ہے۔ کیونکہ اسی سال مہدی نے اپنے بیٹے ہارون کو فتح قسطنطنیہ کے لیے بھیجا (اگرچہ فتح نہ ہوسکا اور صلح ہوگئی) اسکے بعد لکھا ہے کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی "ازالۃ الخفا" میں اس حدیث مہدی موعود والی کو مہدی عباسی پر ہی محمول کیا ہے (حوالہ درج نہیں کہ کس صفحہ و باب و فصل میں، اور غالباً یہ افترا محض ہے)

پھر لکھتے ہیں کہ ق کو ملا کر حم عسق کے عدد ۲۶۸ ہوتے، جو ۲۶۵ھ ہوئی، یہ زمانہ معتمد عباسی کا ہے جو آخری خلیفہ عباسی ہے۔

ص۹۵ پر حدیث "ویل للعرب من شر قد اقترب فتح الیوم من ردم یاجوج" کے معنی بیان کیے ہیں، کہ اس سے مراد یہ ہے کہ عرب سے حکومت نکل کر فرس اور ترک میں چلی جائیگی، جو عرب کے لیے تو شر اور برا ہے مگر فارس والوں اور ترکوں کے لیے یہ غلبہ اسلام کی فتح و عزت کا نشان ہوگا۔ اسی لیے حضور نے فتح کا لفظ فرمایا ہے۔ اور ردم سے مراد جہت ہے کہ اس طرف کے لوگوں کے ذریعہ اسلام کی فتح ہوگی۔ "وان تتولوا یستبدل قوما غیرکم" الآیہ، یہ آیت بھی اسی غلبۂ فرس و ترک کی طرف اشارہ ہے۔

ص۱۲۷ پر تفسیر قولہ تعالیٰ "واذا وقع القول علیہم اخرجنا لہم دابۃ من الارض تکلمہم ان الناس کانوا بآیاتنا لا یوقنون" لکھتے ہیں کہ دابہ سے مراد دابۃ القائد یعنی ان کا اونٹ ہے، جسکی زمام پکڑکر آپ ایلیا میں داخل ہوئے اور قولہ "تکلمہم" من باب قول اللہ تعالیٰ "وتکلمنا ایدیہم وتشہد ارجلہم" ومن باب قول اللہ "وشہد علیہم سمعہم وابصارہم"

پھر مفسرین کے اقوال نقل کرکے لکھتے ہیں کہ جو تاویلات دابۃ الارض کی مفسرین نے کی ہیں انکے ذریعہ اس آیۂ کریمہ کی حکیمانہ تفسیر ہو ہی نہیں سکتی ناممکن ہے۔ لیکن اس مقام پر ایک سوال ہے، وہ یہ کہ موسیٰ جار اللہ صاحب کے اُستاذ اور امام مولانا سندھی چند سال پیشتر کئی مرتبہ مجالس میں زبانی، اور اپنی املائی تفسیر میں بھی (جو مجاراللہ صاحب نے ۲۴ سو صفحوں میں بڑے اہتمام سے بزمانۂ قیام مکہ معظمہ لکھے ہیں اور لکھا ہے کہ میں نے کوشش کی ہے کہ ایک حرف اور ایک کلمہ بھی مولانا سندھی کے افادات تفسیر کا فوت نہ ہوا) املا کرا چکے ہیں کہ یہاں دابۃ الارض سے مراد خود حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہیں۔ کیونکہ انھوں نے بیت المقدس کو باتوں باتوں میں فتح کرلیا تھا۔ اور اس طرح "تکلمہم" کی تفسیر کچھ ٹھیک سی ہوگئی تھی۔ اور مولانا سندھی اس تفسیر کو بیان کرکے کہا کرتے تھے کہ آج یورپ کے عقلاء کو اس قسم کی آیات کے معانی و مطالب سمجھانے کے لیے مجھسے بہتر کوئی عالم نہیں ہے۔ تو کیا مولانا سندھی نے اپنی اس تفسیر سے رجوع کرلیا، یا شاگرد رشید

سلہ مضمون مولانا سندھی کی وفات سے قبل دفتر میں موصول ہوگیا تھا۔ صدق۔

خود یہ سوچا ہوگا کہ اس جگہ امام کو فتح دینا چاہیے ورنہ ہندوستان کے پرانے ٹائپ کے مولوی ملا نے کوئی شہر نہ کھڑا کردیں کہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کو دابۃ الارض بناکر اسلام اور مسلمانوں کی سخت توہین کی گئی ہے۔ نیز اسی مجموعۂ امالی تفسیر یہ میں ہے کہ دوسری جگہ جو لفظ دابۃ الارض قرآن میں حضرت سلیمان علیہ السلام کے قصہ میں آیا ہے وہاں اس سے مراد حضرت سلیمان علیہ السلام کا ناخلف فرزند ہے، جس کی وجہ سے حکومت سلطنت انکے خاندان سے جاتی رہی۔ یہ دو معنی مراد ہیں جو اب تک ساڑھے تیرہ سو برس تک مفسرین لکھتے رہے اور بقول عبید اللہ صاحب یہ سو رہے اور ظاہر و انکار کو ٹالا کرتے رہے۔ اب معلوم نہیں کہ شاگرد رشید نے اس دوسرے دابۃ الارض کی بھی کچھ اصلاح کی یا اسکی ضرورت پیش نہیں آئی۔

ص[illegible] پر ایک "فائدۂ ادبیہ" کے عنوان سے لکھتے ہیں کہ "خسف" کا لفظ قرآن مجید میں بہت جگہ آیا ہے، اس کا معنی اولی ہر جگہ زمین اور خشکی کو حصہ کر بنایا گیا ہے۔ لہذا اس کے معنی زمین کی سطح کو دو ٹکڑے کر دینا، بستیوں اور لوگوں کو زمین سے ڈھانک دینے کے ہیں۔ اور ایسے ہی بستیوں کو ویران بنا دینا بھی اس کے معنی میں داخل ہو سکتا ہے۔ لیکن خسف کے معنی کسی آیت میں بھی یہ صحیح نہیں ہیں کہ زمین نے انکو اپنے اندر دھنسا لیا تھا یا وہ انکو نگل گئی تھی۔ اور یہ سب لوگوں کے اوہام ہیں جنکو قصہ گو واعظوں نے بڑھا چڑھا کر بیان کر دیا ہے اور مفسرین نے (سادہ لوحی سے) انکو اپنی تفاسیر میں جگہ دیدی۔

ص[illegible] پر "اشتقاق ادریس" کے جلی عنوان کے تحت میں لکھا ہے کہ میں نے بنارس میں ایک بڑے برہمن سے ملاقات کی، جسکو قرآن شریف سے بھی شغف مناسبت تھی۔ اس نے کہا کہ رشی ہماری زبان میں رسول کو کہتے ہیں اور دیورشی بڑے رسول کو۔ پھر اس سے سوال کرنے پر معلوم ہوا کہ ادر کے معنی اول کے ہیں۔ یہ سنکر مجھکو بڑی فرحت ہوئی اور میں نے اپنے دل میں کہا کہ ادریس کے معنی اول الرسل یا رسول اول کے ہوئے۔ اور اسکو میں نے نعمت الٰہیہ اور رحمت اتفاقیہ شمار کرکے اسکے آسکے رہنمائی کے لیے خدا کا شکر ادا کیا۔

ص[illegible] پر آیت "وعلی الاعراف رجال یعرفون کلاً بسیماہم" کی تفسیر کہ اعراف والے عباسیہ کے زمانہ سے شروع ہوئے، جب سے کہ قرآن کی استعداد و محبت لوگوں پر ضعیف ہوگئی، کیونکہ اصل عربیت قرآن سے جو براہ راست ان پر ہدایت کا اثر ہو سکتا تھا وہ جاتا رہا۔ اور اب ترجمہ کے ذریعہ قرآن کو ان تک پہونچایا جانے لگا۔ لہذا جن لوگوں کو بواسطۂ ترجمہ یا اسلام کی حقائق دوسرے ذرائع سے پہونچیں گی وہ خود عربی زبان سے واقف نہیں ہیں۔ وہ سب اصحاب الاعراف ہیں اور قیامت تک یہ سلسلہ رہے گا۔ اور یہ سب تفسیر لفظ "بسیماہم" سے مستنبط کی ہے۔

ص[illegible] پر "الدین الالٰہی فی الہند" کے جلی عنوان سے اکبر کی اس تحریک کو خوب سراہا ہے کہ وہ سب ادیان سے ایک معجون مرکب بنانا چاہتا تھا، [illegible] اس تحریک کو صحیح اسلامی تحریک قرار دینے کی ہر طرح سے توجیہات کی گئی ہیں وغیرہ وغیرہ

ایک عجیب بات یہ ہے کہ عبید اللہ صاحب کمال اتاترک کو ہادی مہدی کہتے ہیں اور محی الدین والملۃ کا خطاب دیتے ہیں، بلکہ یہ بھی کہتے ہیں کہ اس نے خلافت علی منہاج النبوۃ قائم کی۔ چنانچہ ص[illegible] پر مقدمہ میں لکھتے ہیں:—

(وقد رأوہ نشر الماسنغیا، حین عزم علی اعادۃ الخلافۃ سیرتہا الاولی التی کان النبی الکریم اتام الخلافۃ علیہا وہی جماعۃ اجتماعیہم: "السابقون الاولون من المہاجرین ومن الانصار ومن الذین اتبعوہم باحسان" فاعلن الغاء الخلافۃ الفردیۃ وتبرع لامم الاسلام وضموا بحق عظیم وابشرت مجلس کریم، وان ہذا لعاملۃ تہدی لامم الاسلام الی احیاء خلافۃ علی منہاج النبوۃ فی صورۃ حسنۃ وسیرۃ راشدۃ —)

ایک شخص جسکے اخلاقی کیرکٹر کی کمزوریاں یعنی فسق و فجور اور عیاشی کو دوست دشمن سب جانتے ہیں اور مانتے ہیں، اتنا سے اور دین کے خلاف جہاد کرتا ہے، اول مجلس مقننہ سے پاس کراتا ہے کہ ہماری حکومت لادینی اور لامذہبی ہے، اسکا کوئی مذہب نہیں ہوگا، پھر دینی تعلیم کو اپنے قلمرو میں یکسر ممنوع قرار دیتا ہے۔ پھر وراثت میں مرد و عورت کا حصہ برابر ہونے کا قانون پاس کراتا ہے۔ ایک سے زیادہ شادی کو قانوناً ناجائز کر دیتا ہے۔ حج کے لیے سفر کو ممنوع کرا دیتا ہے کہ اس میں قوم کا روپیہ ضائع ہوگا، حتیٰ کہ حج کے ایام میں مصر کا پاسپورٹ بھی نہیں دیا جاتا۔ بے پردگی کو عورتوں پر قانوناً لازم کرا دیتا ہے۔ گویا صرف خلافت کا الغاء نہیں کرتا بلکہ قرآن کا اسلام کا حج کا، سب ہی چیزوں کا الغاء کر دیتا ہے، پھر بھی مولوی عبید اللہ صاحب کا دعویٰ ہے کہ اس نے خلافت علی منہاج النبوۃ قائم کی۔ یقیناً اسی دیدہ دلیری اور جان بوجھ کر گمراہ کرنے کی سعی عبید اللہ صاحب کا ہی حصہ ہے، جنکو کمال اتاترک کی صحبت سے فیضیاب ہونے کا کافی موقع ملتا رہا ہے، اور وہ اس پر فخر کرتے ہیں۔ لیکن مجھ کو اس سے بھی زیادہ حیرت اس پر ہے کہ [illegible]ء میں بزمانۂ قیام مکۂ معظمہ جب ایک مجلس میں مولانا سندھی سے ترکی کی موجودہ نہضت اور اسلام دشمنی کے واقعات کا ذکر ہوا تو انھوں نے فرمایا کہ "میری رائے یہ ہے کہ کمال اتاترک اور اسکے ساتھی کافر تو نہیں ہیں، لیکن میں یہ مانتا ہوں کہ جو نظام ان لوگوں نے اپنے قلمرو میں قائم کیا ہے وہ نظام کفر کا ہے"۔ یہ موثق خبر ہے اور میرا یقین ہے کہ مولانا سندھی کی رائے اب بھی یہی ہوگی۔ لیکن عبید اللہ صاحب اپنے استاد و امام کے بھی علی الرغم ساری دنیا کی آنکھوں میں دھول جھونک کر اسی "نظام کفر" کو "خلافت علی منہاج النبوۃ" باور کرانے کی فکر میں ہیں۔ "ممن یہدی من اضل اللہ"؟!

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس گولہ گنج لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق لکھنؤ سے شائع کیا۔

مولانا گیلانی کے تاثرات

(صدق مطالعے کے بعض شذرات کے سلسلہ میں)

صدق پڑھتے ہوئے چند خیالات آئے۔ اُن کو درج کر دیتا ہوں

(۱) آپ نے قریب جنگ کے عنوان سے جکیس کا مقولہ نقل کر کے الحرب خدعۃ والی حدیث یاد دلائی ہے۔ میرا ذہن بھی شاید اسی حدیث کی طرف چلا گیا تھا۔ بلکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے متعلق حدیثوں میں جو یہ کلیہ بیان کیا گیا ہے کہ جب کسی مہم پر روانہ ہوتے تو ذری لغیرہ یعنی توریہ دوسرے مقام کا فرماتے۔ "کان ینای کجا نیی زنی" اس توریہ کا ٹھیک ترجمہ ہے۔ اور جکیس بھی دراصل اسی کو کہنا چاہتا ہے۔ امن سلامتی کا پیغمبر جب جنگ کی دنیا میں قدم رکھتا ہے تو اُسوقت جنگ کے اسرار سربستہ بھی اس پر اسی طرح واضح ہوتے ہیں جیسے امن کے رموز و بصر

(۲) "آج کی مساوات" والے عنوان کے ذیل میں حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ کا واقعہ یاد آیا۔ کہ اندر کھانا بیٹھے کھا رہے تھے، کسی جگہ کا (گورنر) حاضر ہوا۔ حکم ہوا کہ اندر بلا لو۔ اُسوقت جو کی روٹی زیتون کے تیل کے ساتھ نوش جان فرما رہے تھے۔ والی نے کہا کیا گیہوں کی روٹیاں آپ نہیں کھاتے؟ آپ نے فرمایا کہ گیہوں کہاں ہوتا ہے۔ بولا آپ کے ممالک محروسہ مصر میں شام میں عراق میں بیسیوں جگہ۔ ارشاد ہوا کہ کیا اتنا گیہوں ان علاقوں سے فراہم ہو سکتا ہے کہ ہر مسلمان جو میرے علاقہ میں ہے اسکو گیہوں کی روٹی میسر آجائے۔ بولا اسکی ذمہ داری کون لے سکتا ہے۔ ارشاد ہوا کہ مسلمانوں کے امیر کو گیہوں کی روٹی کھانے کا حق اسوقت تک کیسے پہونچتا ہے۔ جب تک کہ کوئی بھی ایسا باقی رہ جائے، جسے گیہوں کی روٹی نہ ملی ہو۔ ہندوستان کے ایک لیڈر نے بھی ایک زمانہ میں اعلان کیا تھا کہ جب تک ایک ہندوستانی بھی ایسا باقی ہے جو لنگوٹی باندھنے پر مجبور ہے اُسوقت تک میں تو اپنی لنگوٹی نہیں اُتاروں گا۔ میں نے سنا تو کہا کرنے والے سب کچھ کر کے جا چکے ہیں۔ یہی حضرت عمرؓ کا واقعہ یاد آیا۔

(۳) "مجذوب" آہ مجذوب، خبر مل چکی تھی۔ لکھنؤ ہی میں جب اپنی بیماری کے سلسلہ میں مقیم تھا، زیارت کی سعادت نصیب ہوئی تھی عیادت کے لیے خود تشریف لائے تھے۔ دیر تک اپنی نظمیں سنا سنا کر رلاتے رہے۔ ایک شعر ایسا سنایا تھا جو باوجود اتنے سال گزر جانے کے بیا او قات دہ خود اور اُس شعر کا دو ا ترا یاد آجاتا ہے، جس نے دیر تک تڑپایا تھا۔ شعر یہ تھا۔

گرچہ ہے بحر محبت بے کراں
کشتی دل اس میں ڈالی جائیگی

"ڈالی جائیگی" پر کچھ اس انداز میں انھوں نے زور دیا تھا، کہ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ میں ڈبو یا جا رہا تھا۔

انکے چہرے پر تو اشرفی تجلی جھانکتی تھی۔ یہی وہ لوگ تھے جو شاید یہ کہتے ہوئے چلے گئے

خذا الیتی الا حبہ
اشرف علی وحزبہا

مولنا عیسیٰ چلے گئے۔ اور اب مجذوب کی باری تھی۔ دیکھیے اب کون جاتا ہے۔ اللہم بالرفیق الاعلیٰ۔

بقیہ صفحہ ۵

حیدرآباد میں آگ سی لگ گئی تھی، ان شہیدوں کا جنازہ لاکھوں مسلمانوں نے بڑی دھوم سے اُٹھایا، اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس مجمع کا جوش سارے شہر میں ہندوؤں کو تہ تیغ کیے بغیر ٹھنڈا نہ ہوگا۔ سر حیدری کی وزارت تھی، نواب بہادر یار جنگ کو تقریر کی ممانعت تھی، ادھر مجمع کا جوش بڑھ رہا تھا، اور خطرہ سب کے سامنے تھا، اسوقت اعلیٰ حضرت نظام خلد اللہ ملکہ کی اعلیٰ سیاست نے اُس شخص کو جان لیا، جو اس بھڑکتے ہوئے شعلہ پر پانی ڈال سکتا تھا، مرحوم کہتے تھے کہ میں اپنے گھر میں تھا، کہ خود اعلیٰحضرت نے مجھ سے ٹیلیفون پر ارشاد فرمایا کہ بہادر خاں! میں تم سے خواہش کرتا ہوں، کہ تم اس فتنہ کو فرو کرو۔ عرض کی اعلیٰ حضرت! یوں نہ فرمائیں بلکہ حکم دیں، فدوی ہتھیلی پر سر رکھکر ابھی جاتا ہے اور حکم شاہانہ بجا لاتا ہے۔ چنانچہ وہ تنہا اُس مجمع میں گئے، اور چند منٹ کی موثر تقریر میں سارا مجمع امن و سکون کے ساتھ منتشر ہو گیا۔ مسز سروجنی نائیڈو مکان کی چھت سے یہ سارا تماشا دیکھ رہی تھیں، اُنھوں نے بعد کو مرحوم سے کہا کہ میں نے امن و سلامتی کی حالت میں اسٹیج کے لیڈر اور مقرر تو بہت دیکھے ہیں مگر انتقام کی آگ سے مشتعل اور جوش بھرے مجمع کو اس طرح قابو میں لے آنے والا لیڈر اور مقرر میں نے آج ہی دیکھا۔ (باقی آیندہ)

ایک فاحش غلطی صدق میں

(از عبدالماجد)

صدق میں غلطیاں ہوتی ہی رہتی ہیں، لیکن میں سر پکڑ کر بیٹھ گیا جب صدق میں مثلاً پر منقولات میں ایک مضمون کا عنوان "حسن کی رنگینیاں" دیکھا! مضمون دوسرے کا سہی، لیکن جب صدق میں نقل ہوا، تو ممکن نہ تھا کہ عنوان میں کوئی شائبہ فسق کی ترغیب، تشویق یا خوشنودی کا بھی آنے دیتا۔ صحیح عنوان "فسق کی رنگینیاں" تھا۔

حالی مسلم ہائی اسکول پانی پت

خواجہ سجاد حسین صاحب سکریٹری اسکول مذکور کی طرف سے اطلاع موصول ہوا ہے کہ اسکول مذکور کا نتیجہ امتحان میٹرک اس سال بہت اچھا رہا۔ اس خوشی کے سلسلہ میں یہ طے کیا گیا ہے کہ اسکول کے کل اساتذہ اور ملازمین کو ماہ جون میں وظیفہ عطا فرایا گیا
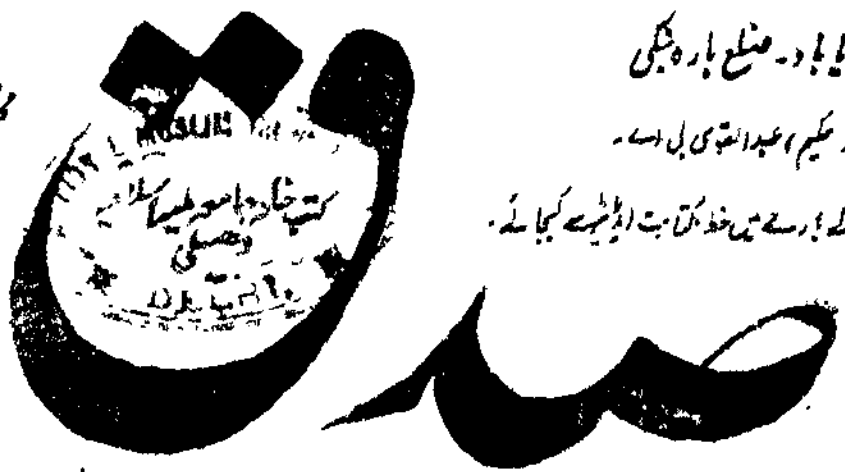
نمبر ۲۳ | دوشنبہ - ۲۰ - شوال المکرم ۱۳۶۳ھ مطابق ۹ - اکتوبر ۱۹۴۴ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

امرت بازار پتریکا (کلکتہ والہ آباد) تعلیم یافتہ ہندوؤں کے ہاتھ میں انگریزی کا ایک مشہور، معزز اور بہت قدیم روزنامہ ہے۔ ۲۴ ستمبر کے پرچہ کا اڈیٹوریل مقالہ جلی ٹائپ میں چھپا ہے۔ عنوان ہے THE DIVINE MOTHER یعنی "دیوی ماتا" یا "خدائی ماں"۔ مسلمان غریب تو سمجھے گا بھی نہیں۔ آگے چل کر اصل مضمون کی دو چار سطریں پڑھنے سے شاید کہ عقدہ کچھ حل ہو سکے۔

"زمانہ کی گردش آج پھر دیوی ماتا کی پوجا کا دن لے آئی ہے۔ آج دسہرہ کے دن ہندوستان کے گھروں میں گھر گھر درگا مائی کی وہ پوجا ہو رہی ہو گی جسکا برابر ہم سب انتظار کر رہے تھے"۔

اچھا، تو بات اب جا کر کھلی۔ آج درگا دیوی کی پوجا کا خاص الخاص مبارک دن ہے، آج ہندوؤں کے ہاں گھر گھر عید ہے۔ آج اُن دیوی جی کی پوجا کا دن ہے، جو تین بڑے خداؤں میں سے ایک بڑے خدا شیو جی کی بیوی ہیں، وہ آج اپنے پجاریوں کو درشن دینے اور برکت دیتے گھر گھر آئینگی، اور اُنکے جلو میں اُنکی صاحبزادیاں ہونگی لکشمی جی دھن کی دیوی، اور سرسوتی جی، علم و دانش کی دیوی۔ اور انکے صاحبزادے ہونگے، کارتک جی، فوج ربانی کے سپہ سالار، اور گنیش جی، فتح اور کامیابی دلانے والے دیوتا!

شرک کی عملداری دنیا میں آپ نے دیکھ لی؟ اسکی حکومت کے رقبہ کی حدود کا کچھ آپ کو اندازہ ہے؟ آپ کے ہموطن، آپ کے عین پڑوسی، لاکھوں نہیں، کروڑہا کروڑ کی تعداد میں عقیدہ یہ رکھتے ہیں کہ خدا کے ساتھ ساتھ خدائنیں بھی ہیں۔ اور ان میں سب سے زیادہ مشہور اور پُرجبروت "خدائن" کا نام درگا یا پاربتی یا کالی ہے۔ وہ بڑی زبردست ہیں، بڑی صاحبِ اقتدار ہیں۔ دسہرہ کے دن خصوصیت کے ساتھ پوجا اُنکی ہونا چاہیے۔ دعائیں اُن سے مانگنا چاہیے۔ مال و دولت کی، صحت و عافیت کی، عزت و جاہ کی، مقدمہ جیتنے کی، امتحان پاس کرنے کی آرزوئیں انکے آگے پیش کرنا چاہیے۔ اولاد وہ دینگی، بگڑی ہوئی قسمت وہ بنائینگی، آخر قادرِ مطلق ہی ہیں! اور یہ عقیدہ رکھنے والے محض عوام اور گنوار نہیں، بڑے بڑے ڈاکٹر، بڑے بڑے بیرسٹر، بڑے بڑے انجینیر، اونچی سے اونچی ڈگریاں رکھنے والے اہلِ علم، بڑی بڑی امنت کرنے والے جوگی، سب اسی عقیدہ میں مگن، اس سے شرماتے نہیں، بڑے فخر کے ساتھ اسے اپنے روزناموں میں چھاپتے ہیں، پھیلاتے ہیں، اور دوسروں کو ادھر بلاتے ہیں! ——— سادہ دل مسلمان جب قرآن میں پڑھتا ہے کہ خدا کے اولاد کیسی، اُسکے تو بیوی تک نہیں، تو حیران رہ جاتا ہے کہ ایسی کھلی ہوئی حماقت کی تردید کی کیا ضرورت تھی — حیرانی کچھ تو شاید اب رفع ہو گئی ہو، اور توحید کے پرستار کو نظر آگیا ہو کہ "کھلی ہوئی حماقت" شرک کی بڑی وسیع کی دنیا میں ایسی کھلی ہوئی نہیں!

دو آیتیں

مسعود صاحب خورد مئو سے لکھتے ہیں کہ

"قرآن مجید کی ان دونوں آیتوں کی صورت تطبیق تحریر فرمائی جائے

(۱) وما اصابکم من مصیبۃ فبما کسبت ایدیکم ویعفوا عن کثیر (شوریٰ - ع ۴)

(۲) ما اصاب من مصیبۃ فی الارض ولا فی انفسکم الا فی کتٰب من قبل ان نبرأھا - ان ذٰلک علی اللہ یسیر (حدید - ع ۳)

پہلی آیت کا ترجمہ حسب ذیل ہے:۔

"جو مصیبت بھی تمھیں پہونچتی ہے، وہ تمھارے ہی ہاتھوں کے کیے — ہوئی پہنچتی ہے اور (اللہ) بہتوں سے درگزر کر دیتا ہے"۔

آیت میں خطاب ماقبل بالغ اہل ذنوب سے ہے۔ اور مصیبت سے مراد مصیبت واقعی ہے (مصیبت صوری نہیں جو درحقیقت نعمت ہوتی ہے اور بعض آزمائش یا ترقی درجات کے لیے نازل کی جاتی ہے) گنہگاروں کو بتایا گیا ہے کہ تمھیں جو بھی تکلیف پہنچتی ہے سب تمھارے ہی کرتوتوں کا نتیجہ ہوتا ہے، اور پھر اللہ ہر گناہ (یا ہر گنہگار) کی تو گرفت بھی نہیں کرتا۔ بہتوں سے قانون عفو کے ماتحت درگزر بھی کر جاتا ہے — آیت کا مقصود قانون عدل کی یاد دہانی اور بندوں میں انکے احساس ذمہ داری کی بیداری ہے۔

دوسری آیت کا ترجمہ ہے:۔

"کوئی مصیبت نہ دنیا میں آتی ہے نہ خاص تمھاری جانوں میں، مگر یہ کہ سب (ایک ایک) رجسٹر (یعنی لوح محفوظ) میں لکھی ہیں قبل اسکے کہ ہم ان جانوں کو پیدا کریں اور یہ اللہ کے لیے آسان ہے"۔

اور اسکے متصل ارشاد ہوا ہے،

لکیلا تاسوا علی ما فاتکم ولا تفرحوا بما اتٰکم	یہ اطلاع اس لیے دی جاتی ہے تاکہ جو چیز جاتی رہے اس پر رنج زیادہ نہ کرو، اور جو چیز اس نے تمھیں دی ہے اس پر اتراؤ نہیں۔

یہاں ذکر علم الٰہی اور مشیت تکوینی کی ہمہ گیری کا ہے بندوں کو بتایا ہے کہ جو نعمت مل جائے اسے اپنا ذاتی استحقاق نہ سمجھو، اور جو نعمت چھن جائے اس میں بھی کوئی مصلحت ہی سمجھو۔ کوئی شے بھی اسکے علم اور مصالح تکوینی کی گرفت سے باہر نہیں۔

پہلی آیت میں بیان بندہ کی ذمہ داری اور مسئولیت کا ہے۔ اور دوسری میں ذکر مسبب الاسباب کے علم قدیم و ازلی کی ہمہ گیری کا۔ دونوں باتیں اپنے اپنے موقع پر صحیح اور سچی ہیں۔ اور دونوں کے درمیان کوئی تناقض یا منافات نہیں۔

اوقات عبادت

ضلع کریم نگر (دکن) سے ایک صاحب کا سوال آیا ہے:۔

"روزہ اور نماز خصوصاً نماز فجر و مغرب کا تعلق طلوع و غروب آفتاب ..... کا تعلق بعض ایسے مقامات میں جہاں سورج صرف دو تین گھنٹوں کے لئے طلوع ہو کر غائب ہو جاتا ہے۔ اور بعض ایسے مقامات بھی ہیں۔ جہاں سورج ہفتوں نہیں دکھائی دیتا یا مہینوں غروب نہیں ہوتا ایسے مقامات کے لئے سحر اور افطار نیز نماز کا کیا حکم ہے؟"

سوال پرانا ہے، اور ایسے دور دراز مقامات سے متعلق ہے، جہاں انسانی آبادی بہت قلیل ہے۔ ہندوستان کے مسلمانوں کو وہاں والوں کے لئے فکر کرنا محض ایک دماغی تفریح ہے۔ عملی ضرورتوں سے کوئی تعلق نہیں۔

سوال کے جوابات مختلف علماء نے مختلف دیے ہیں۔ روزہ کے لیے تو قرآن پاک میں تصریح ہے کہ فمن شہد منکم الشہر فلیصمہ۔ یعنی جو کوئی رمضان کا مہینہ پائے وہ روزہ رکھے۔ اب اگر کہیں وہ مہینہ ہی سرے سے نہیں پایا جاتا، تو وہاں روزہ کی فرضیت ہی از خود ساقط ہو جاتی ہے۔ نماز ہو یا روزہ، بہرحال زندگی کے عام کاروبار سونا، جاگنا، چلنا پھرنا، وغیرہ وقت کے جس معیار سے ہوتے ہیں، اسی معیار کا اعتبار عبادات میں بھی کیا جائیگا۔ عبادت کا جزو عام معاملات زندگی سے الگ نہیں — جن مسائل میں نص موجود نہیں، وہاں اجتہاد صحیح کی بڑی گنجایش ہے، اور وہاں صاحب علم و تقویٰ مجتہد فن کے جس فتوے پر بھی عمل کرلیا جائیگا، ان شاء اللہ کافی ہو جائیگا۔

انجمن عربی (یو۔پی)

صدق عشاء میں انجمن مذکور کے معتمد صاحب کا جو پُر درد مکتوب شایع ہوا تھا، وہ دلوں کے دل پر اثر کیے بغیر نہ رہا، ایک صاحب نے حیدرآباد سے ۱۰۰ کا منی آرڈر بھیج دیا۔ علیگڈھ کی بیگم مزمل اللہ خاں کے ہاں سے تار کا عطیہ مرحمت ہوا۔ اور گوالیار، پنجاب، بہار سے کتابوں کی مانگ وی۔پی کے ذریعہ سے کچھ نہ کچھ شروع ہو گئی۔ گویا بہ قول معتمد صاحب انجمن کے،

"وہ ۔۔۔ کے ایک ہونہار عربی خواں کے لیے پانچ برس، یا چار بچوں کے ایک برس کا سرمایہ تعلیم جمع ہو گیا"

جن صاحبوں نے اس صدا پر فوراً لبیک کہا وہ بندوں کے شکریہ کے نہیں، پروردگار عالم کے ہاں سے اجر کے متوقع رہیں۔

چونکہ بعض صاحبوں نے منی آرڈر منیجر صدق یا مدیر صدق کے نام روانہ فرمائے ہیں، اس لیے سب کی اطلاع کے لیے ایک بار تصریح سے شایع کیا جاتا ہے کہ انجمن مذکور کا کوئی تعلق دفتر صدق یا مدیر صدق سے نہیں، جن صاحبوں کو جو کچھ بھی بھیجنا ہے، وہ براہ راست انجمن ہی کو بھیجیں اور براہ کرم اس پتہ کو کہیں نوٹ کرلیں:۔

سکرٹری صاحب انجمن عربی (یو۔پی) ۱۸ بیلی روڈ۔ الہ آباد
(BALIROAD)

تہذیب نو کا نمونہ

"یہ ایک برطانوی ٹامی کا واقعہ ہے جسنے ملکہ کا بوسہ لے لیا۔ یہ کہانی برسلز سے نیوز کرانکل کے نامہ نگار نے بھیجی ہے جب شاہ لیوپولڈ کو جرمن لے گئے تھے تو مادر شاہ ملکہ الزبتھ نے برسلز چھوڑنے سے انکار کردیا تھا۔ اب جب پہلے برطانوی ٹینک شہر میں داخل ہوئے تو ملکہ موصوفہ انکو دیکھ رہی تھیں۔ دستہ کے انگریز سپاہیوں نے وہی کچھ کرنا شروع کیا جو وہ اپنے ناچ گانے کے دوران میں فرانس اور بلجیم میں کرتے آئے تھے۔ چنانچہ ایک ٹامی نے "ایکن محل" کے پھاٹک پر ایک عورت کھڑی دیکھ کر اُسے آغوش میں کھینچ کر بوسہ لے لیا۔ اُس عورت نے بھی جوابی بوسہ لیا۔ پاس کھڑی ہوئی خادمہ نے اس سے کہا "بندہ نواز، یہ ملکہ معظمہ ہیں!" اس پر ٹامی نے معذرت خواہی شروع کی تو ملکہ نے مسکراتے ہوئے اُس سے ہاتھ ملایا" (خلافت)

قرآن مجید میں ایک لفظ فاحشۃ مبینۃ بار بار آیا ہے - اس کی تش
بیین کی تفسیر پر مختلف ہیں - لیکن ان واقعات و شاہدات کے ہوتے ہوئے اب زیادہ اختلافات کی گنجایش ہی کہاں باقی رہ جاتی ہے؟
—— ملکۂ سلطنت تو خیر بہت بڑی چیز ہیں، اُنکے مرتبہ، اعزاز، احترام کا کیا کہنا - باقی سلمان، زوال یافتہ اور کھنڈر دنیا دار سلمان بادشاہوں کے زمانہ میں، انکی خاواؤں اور کنیزوں سے متعلق بھی کچھ کہانیاں ایسی کھلی ہوئی بےحیائیوں کی مشہور ہیں؟ —— جواب صرف ایک ہے - یہ بے حیائیاں جنھیں ہم آپ انتہائی درجہ پر سمجھ رہے ہیں، فرنگی تہذیب میں سرے سے کسی درجہ میں بے حیائیاں ہیں کب؟

چند سوالات

ایک صاحب کے مرسلہ سوالات دکن سے:-

(۱) روح جسم میں داخل ہونے سے پہلے کہاں رہتی ہے؟ (۲) جسم کی قید سے آزاد ہو کر روح کہاں جاتی ہے؟ (۳) انسان اپنے اعمال کی سزا اور جزا کہاں پاتا ہے؟ (۴) حیات بعد الممات کی مدت ہے یہ زندگی کہاں ملیگی؟ (۵) اسکا کیا سبب ہے کہ بعض بچے اندھے، لنگڑے، گونگے پیدا ہوتے ہیں، بعض بچے کچھ ہی لمحے اور کچھ چند سال زندہ رہ کر مرجاتے ہیں - بعض خدا کے نافرمان بندے زمیندار رہتے ہوتے ہیں، اور بعض فرماں بردار بندے مفلس و نادار؟"

جوابات نمبروار حسب ذیل ہیں:-

(۱) عالم ارواح میں -
(۲) عالم برزخ میں -
(۳) جنت و دوزخ میں -
(۴) عالم آخرت میں -
(۵) یہ سوال حکمت الٰہی سے متعلق ہے، اور سوالات حکمت کی کوئی انتہا ہو ہی نہیں سکتی - کائنات کے بیشمار واقعات میں سے حکمت ایک ایک جزئی واقعہ کی پوچھی جا سکتی ہے، اور پھر خود اس حکمت کی مصلحت و حکمت کا سوال ہو سکتا ہے، اور یہ سلسلہ کبھی ختم ہی نہیں ہو سکتا - اس لیے ایسا بے نتیجہ سوال ہی سرے سے غیر حکیمانہ اور غیر معقول ہے -

جو چند مثالیں سوال میں دی گئی ہیں، ان سب میں علت قریبہ ہمیشہ کوئی نہ کوئی مادی غلطی، بے احتیاطی پائی جائیگی - یعنی قوانین طبعی میں سے کسی نہ کسی کی خلاف ورزی - اور علت ثانی ہمیشہ کوئی نہ کوئی مصلحت تکوینی ہوگی - مثلاً کسی کے حق میں رفع مراتب، کسی کے لیے کفارۂ ذنوب، کسی کے صبر و شکر، ہمت و حوصلہ کی آزمایش - وقس علیٰ ہذا -

تمباکو نوشوں کے لیے

دکن کے طبی رسالہ صحت عامہ سے:-

" تمباکو کے نقصانات کے مقابلہ میں اسکے فوائد صفر کا درجہ رکھتے ہیں - یہ مشاہدہ ہے کہ حقہ پینے والے بالعموم امراض سینہ میں مبتلا ہوتے ہیں - چنانچہ سکھ حضرات کو ہندو مسلم حضرات کے مقابلہ دمہ کا بہت ہی کم حملہ ہوتا ہے"......

جدید تحقیقات سے ثابت ہو چکا ہے کہ تمباکو میں ایک سخت قسم کا زہر ہے، جسکو نکوٹین کہتے ہیں - اسکا ایک قطرہ ایک کتے کی ہلاکت کے لیے کافی ہے -......

تمباکو کی کثرت استعمال سے بلکہ بعض اوقات اسکے اوسط استعمال سے بھی اکثر دماغی امراض مثلاً دردسر، دوران سر، ضعف حافظہ، سکتہ، مراق، فالج، بے خوابی، دیوانگی، ضعف بصارت، اندھاپن، تغیر الصوت، کھانسی، سل، کمزوری، خفقان، ضعف باہ، نامردی، اور اسی قسم کے بیشمار امراض پیدا ہوتے ہیں - ایک چشم دید واقعہ ہے کہ طبیہ کالج میں ایک طالب علم سگرٹ نوشی کی کثرت کے باعث مالیخولیا مراقی میں مبتلا ہو کر کالج چھوڑنے پر مجبور ہو گیا تھا -

کچھ مدت کا ذکر ہے کہ ایک مریض کثرت حقہ نوشی کے باعث مرض بے خوابی میں مبتلا ہو گیا - پانچ دفعہ انجکشن کرانے پر بھی اسکی صحت درست نہ ہوئی"

حرمت نہ سہی، تمباکو کی کراہت کے قائل تو ہمارے اکثر علماء بھی نکل آئیں گے، اور حنفی علماء نے تو شاید کراہت کو حرمت کی حد تک پہونچا دیا ہے -

نامبارک تحفہ

"کناڈا کی فوجوں میں شکمی پھوڑے کے واقعات کی کثرت سے متاثر ہو کر "کناڈا میڈیکل ایسوسی ایشن جرنل" کے اڈیٹر نے یہ تجویز پیش کی ہے کہ فوج میں شکمی پھوڑے کی زیادتی کے پیش نظر سپاہیوں کے عزیزوں اور دوستوں کو یہ مشورہ دینے کی ضرورت ہے کہ وہ سگرٹ کے تحفوں کی بھرمار کے بجاے دودھ کی بنی ہوئی چیزیں، فواکہ اور چاکلیٹ وغیرہ بھیجا کریں - کیونکہ کناڈا کی فوج میں شکمی پھوڑا ایک کثیرالوقوع مرض کی حیثیت اختیار کر رہا ہے اور اس کے مریض کے لیے سگرٹ ایک نامبارک تحفہ ہے" (صحت عامہ - حیدرآباد دکن)

اقتباس ایک طبی رسالہ کا ہے - لیکن اتنا سمجھنے کے لیے تو طبیب ہونے کی مطلق ضرورت نہیں، کہ نامبارک تحفہ کی "نامبارکی" صرف کناڈا کی فوج کے ساتھ مخصوص نہیں - بات ہر سگرٹ نوش کے سوچنے سمجھنے کی ہے ——

جرمنی اور تمباکو

"برٹش میڈیکل جرنل" میں ڈاکٹر طلے روز جرمنی میں تمباکو کے خلاف سرگرم تحریک کا حوالہ دیتے ہوئے لکھتے ہیں کہ اب وقت آ گیا ہے کہ اس ملک کے ڈاکٹر بھی اجتماعی طور پر تمباکو نوشی کی وبا کے خلاف مہم کا آغاز کریں اپنے معائنہ کے کمروں میں تمباکو نوشی کے نتائج ضعف اعصاب، بینائی کی خرابی اور دوسرے تباہ کن امراض کی شکل میں ہمیشہ ہمارے سامنے آتے رہتے ہیں - موجودہ دور میں سگرٹ پینے کی وبا انتہا کو پہونچ گئی ہے

(باقی ص ۱۵ پر)

روان، شستہ ہے۔ اور بالواسطہ ترجمہ کی ناہمواری کہیں محسوس نہیں ہوتی۔ اقبال کے خیالات بحمد اللہ بحیثیت مجموعی فکر اسلامی کے ترجمان ہیں۔ لیکن کہیں کہیں ہلکی سی جھلک تجدد کی آگئی ہے۔

(۴) اقبال پر اردو میں تو اس وقت تک ایک اچھا خاصہ ذخیرہ تیار ہو ہی چکا ہے۔ انگریزی میں بھی متعدد کتابیں، رسالے، مقالے لکھے جا چکے ہیں۔ لیکن اقبال محض شاعر نہ تھے، فلسفی بھی تھے۔ اور شاید یہی یاد دلانے کی غرض سے، اور انکی فلسفیت کی یاد برقرار رکھنے کو یہ رسالہ اقبال کے فلسفہ پر علیحدہ ہو کے، ایک ڈبل ایم اے، پی ایچ ڈی کے قلم سے شائع ہوا ہے، اور فلسفہ کے طلبہ کے کام کا ہے۔

دونوں کتابوں کی ظاہری خوشنمائی کے لیے شیخ محمد اشرف کا نام لے دینا کافی ہے۔

(۵) مسلمان کی زندگی اور اقبال
(۶) اقبال کا فلسفۂ خودی
(از ڈاکٹر میر ولی الدین صاحب استاد فلسفہ جامعہ عثمانیہ حیدرآباد دکن)

فاضل مصنف کے رسالوں، مقالوں کا ذکر ادارہ صدق میں بارہا آ چکا ہے۔ نام اور عنوان کچھ بھی رکھیں، ہیر پھیر کر انکا علم فلسفہ، کلام، و تصوف قرآنی کا ایک خوشگوار امتزاج پیش کرتا ہے۔ سلیس زبان میں [illegible] دونوں رسالوں کا بھی ہے، گو انکا مقصد قریب اقبال کی بعض تعلیمات کی تشریح و تحلیل ہے۔ دونوں رسالے مصنف ہی سے ملینگے، اور ہر ایسے پڑھے لکھے کے پاس رہنے کے قابل ہیں جو اقبال سے دلچسپی رکھتا ہو یا علمی تصوف اسلامی یا فلسفہ و کلام سے ذوق رکھتا ہو۔ (باقی آئندہ)

(بقیہ صفحہ ۳)

اور ہم ہر لحظہ اسکے نفع بخش اثرات کا مشاہدہ کر رہے ہیں۔ ایسے وقت میں یہ نہایت دانشمندانہ اقدام ہوگا کہ لوگوں کو متنبہ کیا جائے اور بتایا جائے کہ اگر ہم ایک قوم کی حیثیت سے زندہ رہنا چاہتے ہیں تو ہمیں سگریٹ پینے کی عادت کم کر دینی چاہیے یا اسے بالکل ترک کر دینا چاہیے۔ جرمنی میں آجکل وسیع پیمانہ پر پروپیگنڈے کے ذریعہ سے تمباکو نوشی کے خلاف مہم جاری ہے۔ اخبارات، تھیٹر، سینما اور عام اجتماعات کے ذریعہ ہر جگہ تمباکو کے خلاف پروپیگنڈہ کا بازار گرم ہے اور اس تحریک کو جرمن حکومت کی پوری سرپرستی اور امداد حاصل ہے۔

(صحت عامہ۔ دکن)

ناظرین کرام صدق کی توسیع اشاعت کا خیال رکھیں۔

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

(بقیہ صفحہ ۶)

حیدرآباد کے لیڈروں میں ان سے زیادہ ہر دلعزیز کوئی آدمی نہیں دیکھا جسکا سکہ ہر کہ ومہ کے دل پر یکساں چلتا تھا۔

انکی عربی تعلیم کچھ زیادہ نہ تھی۔ تاہم حج کے موقع پر حجاز میں اور حج کے بعد مصر میں کچھ روز انکا قیام رہا تھا اور اس طرح عربی کی کچھ مہارت بہم پہنچائی تھی اور چونکہ قرآن پاک کی تلاوت کا سلسلہ برابر جاری رہا تھا اس لیے قرآن پاک کی آیتوں کے معنی بے تکلف سمجھ رہے تھے اور تفسیروں کی مدد سے قرآن پاک کے سمجھنے کی کوشش بلیغ کرتے رہتے تھے۔ صبح کو نماز کے بعد تقریباً نو بجے تک اپنے قریب کی مسجد میں خود ہی لوگوں کو قرآن پاک کا درس سناتے تھے۔ اور ہفتہ میں ایک دن شام کو انکے ہاں اقبال کی کتابوں کا درس ہوتا تھا۔ اور اقبال کے فلسفہ کی گتھی سلجھائی جاتی۔

مرحوم [illegible]ء میں پیدا ہوئے تھے۔ وہ نسل کے سدوزئی پٹھان تھے۔ انکے آبا و اجداد ہندوستان کے آخری مغل عہد میں جب ہر شمشیر زن قسمت آزما تھا، کچھ حوصلہ مند سپاہیوں کی جمعیت کے ساتھ ہندوستان وارد ہوئے۔ پہلے ریاست جے پور میں طرح اقامت ڈالی اور راجہ سے کچھ جاگیر پائی، اور بعد ازیں حیدرآباد وارد ہوئے اور منصب دار کے عہدے پر سرفراز ہوئے۔ اور تیس ہزار کی نسلاً بعد نسل جاگیر پائی۔ مرحوم نے اپنی یہ خاندانی داستان کئی بار سنائی۔ کیا معلوم تھا کہ یہ داستان گو بس چند ہی روز کا مہمان ہے ورنہ اس داستان کا حرف حرف محفوظ رکھا جاتا۔

جو درخشاں آدمی صدیوں میں پیدا ہوتا ہے انقلاب انگیز ہوتا ہے۔ اسکی ذات سے ملت اسلامیہ کو بڑی بڑی امیدیں قائم تھیں، اور خصوصیت کے ساتھ دکن کے مسلمانوں کے حق میں اسکا وجود آب حیات کا حکم رکھتا تھا تاہم انسان ناچار ہے۔ اسکی ناچاری کا راز ایسے ہی موقعوں پر کھل جاتا ہے۔ تقدیر کا نوشتہ اور قضا کا حکم ناقابل تغییر ہے۔ اذا جاء اجلہم لا یستاخرون ساعۃ ولا یستقدمون۔ ۲۵ جون ۱۹۴۴ء کو دفعۃً وہ حکم آیا اور بندہ نے بلا چون و چرا ایک لمحہ کے اندر اسکی دعوت پر لبیک کہا، اور اس دنیا سے دوسری دنیا کو چل بسا۔ اس پر اللہ تعالیٰ کی صدہا رحمتیں ہوں [illegible]۔ غالباً مارچ ۱۹۴۴ء کی کوئی تاریخ تھی، نواب دوست محمد خاں (جاگیردار) کے یہاں دعوت تھی، جو مرحوم کے بڑے دوستوں میں تھے، احباب کا مجمع تھا، گفتگو مذہبی اور علمی تھی۔ مرحوم نے بڑے پر اثر انداز میں کہا، آج قرآن پاک میں حضرت موسیٰ علیہ السلام کی زبان سے جب وہ مصر سے نکل کر مدین میں پہنچے ہیں، یہ دعا تلاوت میں آئی رب انی لما انزلت الی من خیر فقیر (اے پروردگار! تو میرے لیے بہتر سے بہتر جو سامان بھی مہیا فرمائے میں اسکا محتاج ہوں) مرحوم نے اس موثر دعا کے ایک ایک لفظ کو بڑی تاثیر کی حالت میں پڑھا، اور سامعین کے سامنے اسکی تشریح کی۔ خدائے بے نیاز کی بارگاہ میں عرض ہے کہ اے بار الٰہا! آج جب اس دعا کا خواستگار تیرے حضور میں ہے اور تیرے گھر مہمان، تو تو اسکے لیے وہی فرما جسکا وہ محتاج ہے۔ (معارف)

ایک بہادر مسلمان کی موت

بہادر خاں

(از مولانا ڈاکٹر سید سلیمان صاحب ندوی)

(۲)

مرحوم کی تقریروں کا اصلی میدان مسلم لیگ کے اجلاس اور اتحاد المسلمین حیدرآباد کے جلسے ہوتے تھے۔ مرحوم کا مذاق مذہب آمیز سیاست تھا اُن پر دینی سیاست کا راز کھل چکا تھا۔ اور وہ یہی راز سب کو بتانا چاہتے تھے۔ اور جیسے جیسے زمانہ گزرتا جاتا تھا ان کا یہ رنگ تیز سے تیز تر ہوتا جاتا تھا۔ یہاں تک کہ یہ کہنا صحیح ہوگا کہ کراچی کے بعد سے لیگ کے خالص دنیاوی سیاسیوں پر انکی تقریریں بار ہونے لگی تھیں۔

حیدرآباد میں اگر پچھلے چند برسوں کے اندر جب سرحیدری کی سیاست حیدرآباد کے دستور کی ترکیب و تشکیل میں مصروف تھی۔ نواب بہادر یار جنگ کا وجود نہ ہوتا، تو حیدرآباد کے نظم و نسق کا کچھ اور ہی انداز ہوگیا ہوتا۔ بیرونی ہندو لیڈروں اور دکن کے مرہٹوں نے ریاست کی اس دوست اور وفادار غیر مسلم رعایا کو کفر کلانے میں کوئی کمی نہیں کی، اور دعوے کیا، کہ مردم شماری کے مطابق ریاست میں دونوں قوموں کے حقوق ملنے چاہئیں۔ یہ سب کچھ ہو رہا تھا مگر اس ملک کے مسلمان بالکل خواب غفلت میں تھے اور بجز عیش و آرام اُنکا کوئی دوسرا مشغلہ نہ تھا۔ وہاں کے مسلمان جاگیردار جو اس ملک کی بڑی قوت ہیں، محو استراحت تھے۔ دکن کے مسلمانوں کی سب سے بڑی کمزوری یہ ہے کہ وہ صدیوں سے حکومت کے سرپہ سارا بوجھ رکھکر آرام طلبی اور بے فکری کے عادی ہوگئے ہیں۔ اس بیکاری سے انکے دست و بازو شل اور قواے عمل معطل ہیں۔ انکا کوئی قومی تخیل اور سیاسی جذبہ زندہ نہیں رہا ہے۔ اور کسی حال میں نہیں معلوم ہوتا کہ یہ اُن کشورستانوں کی یادگار ہیں جنھوں نے اپنے کو بڑی مشکلوں میں ڈال کر دکن کی آصفی حکومت کو قائم کیا تھا۔

مرحوم کا بڑا کارنامہ اسی جذبہ کو زندہ کرنا تھا۔ اُنھوں نے جاگیرداروں کو جھنجھوڑ کر جگایا، اور بتایا کہ اگر اُنھوں نے اُٹھکر اپنی زندگی اور ملک کو اپنی ضرورت کا یقین نہیں دلایا، تو زمانہ کا سیلاب انکے اقتدار کو بہا لیجائیگا۔ عام مسلمانوں کو یہ یاد دلایا کہ ایک تمہارا مفتوحہ اور جیوشہ ملک ہے، اور تم بحیثیت قوم کے اسکے کشورکشا اور فاتح ہو، اور خانوادہ آصفی کا سرتاج تمہاری حکومت کا نمایندہ، تمہاری طاقت کا مظہر، تمہاری بادشاہی کا ستون اور تمہاری دینداری کا مرکز ہے۔

[illegible] نے اپنے اس سلسلے میں کی بنا پر تکلیفیں بھی اُٹھائیں، اس [illegible] نابلی عائد ہوا اور انکے متعلق غلط فہمیاں بھی پیدا کرائی گئیں، تاہم اُنھوں نے ایثار کا اعلیٰ نمونہ پیش کیا۔ یہاں تک کہ اپنے خطاب و منصب سے بھی دستبردار ہوگئے۔ اور یہ کوئی معمولی بات نہیں ہے۔

مرحوم کی کوششوں سے دکن کے مسلمانوں نے صدیوں کے آرام کے بعد کروٹ لی، اور اتحاد المسلمین کے زیر سایہ ایک مرکز پر جمع ہوگئے اسکی شاخیں تمام ملک محروسہ میں قائم ہوگئیں، اسکی آواز نے ملت کی آواز کا رتبہ پایا، اسکے سالانہ اجلاس میں یہ کیف و فعہ پچاس ہزار آدمی جمع ہو جاتے تھے۔

مرحوم کا خیال تھا، اور سچا خیال تھا کہ کسی ملک کی سرکاری تعلیم سے قومی روح زندہ نہیں ہوسکتی اس لیے حیدرآباد میں وہ ایک خالص قومی اسلامی درسگاہ قائم کرنا چاہتے تھے، جو دکن میں اسلامی روح پیدا کیے اور جب تک یہ درسگاہ قائم نہ ہو، ایک اسلامی بورڈنگ کی بنا ڈالی جائے، جس میں شہر کے ہر اسکول و کالج کے مسلمان طلبہ اقامت پذیر ہوں، اور وہ بورڈنگ کی تعلیم و تربیت میں رہیں۔ چنانچہ اُنھوں نے پچھلے ہی سال قومی چندہ سے ایک لاکھ میں حیدرآباد کے گویا وسط میں ایک بہت بڑی عمارت خریدی جس میں آیندہ تعمیرات کے لیے بہت بڑی وسعت ہے۔ یہی عمارت دارالسلام کہلاتی ہے۔ اور یہی ان کے اتحاد المسلمین کا مرکزی دفتر ہے۔ اسی عمارت میں ایک قومی کتب خانہ اور ایک اسلامی دارالاقامہ اور علوم مشرقیہ کی ایک چھوٹی سی درسگاہ قائم کی تھی، اس سال کے شروع میں ادارے قائم ہوے، اور اسکے ظاہر کرنے میں مجھے مسرت ہے کہ اُنکے سیاسی و مذہبی تخیلات کی آبیاری، اور ان اداروں کی سربراہی میں جو گمنام آدمی کام کر رہا ہے، وہ تمامتر دارالعلوم ندوۃ العلماء کی پیداوار ہے۔ ندوہ کے لیے یہ شکر کا مقام ہے کہ دین و دنیا کی جامعیت کے ساتھ جب کہیں کوئی کام شروع ہوتا ہے، تو اسکے فرزند اُسکے لیے بہترین اہل ثابت ہوتے ہیں، مولوی عبدالقدوس ہاشمی ندوی جو کمیل کے بعد ہمیشہ علمی شاغل میں مصروف رہے، مرحوم کی رفاقت کے لیے وہ بہترین رفیق ثابت ہوے اور مرحوم بھی اُنکی کما حقہٗ قدر کرتے تھے۔ بہرحال ان اداروں کی نگرانی اسکے سپرد کی، اور اُنھوں نے یہیں قیام اختیار کرلیا۔

اس سال فروری اور مارچ اور نصف اپریل کے چند ہفتے ندوہ کی قومی امداد کے سلسلہ میں اُنکے بہت قریب گزرے۔ ہر دوسرے تیسرے اُنکے مکان پر جانا ہوا جب گیا، اُنکو مصروف پایا۔ صبح سے شام تک ضرورتمندوں اور ملاقاتیوں کا تانتا بندھا رہتا تھا ٹیلیفون سامنے ہوتا اور ڈاک دوسری طرف رکھی ہوتی تھی۔ معمولی مسلمان سے لیکر تاجر، بیوپاری، وکیل، اہل سیاست، اہل مشورہ اور حکام سب ہی قسم کے اشخاص باری باری آتے اور باتیں کرکے واپس جاتے تھے۔ ملنے خانے اور کہیں آنے جانے کےلیے کوئی گھڑی اور پہلے وقت مقرر ہوتا اور پھر بھی اُنکا کام پورا نہ ہوتا۔ میں نے

قرآنی عربی کی ترویج

ایک اہم تحریک

(از حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ جامعہ عثمانیہ - دکن)

آج صدق مشتہ ملا ہے، اسی کو دیکھ کر خلاف دستور دل میں ایک خیال چکر کاٹنے لگا۔ جس وقت سے اس مضمون کو پڑھا ہے تھوڑی تھوڑی دیر بعد اسکا خیال آرہا ہے۔ اب خواہ یہ خیال کیجیے کہ حاجت فی نفس یعقوب کی قضا کر رہا ہوں یا واقعی اسکی تہ میں کوئی واقعہ ہے۔ چونکہ عادت کے خلاف دل میں گدگدی آئی ہے اس لیے تجربہ نہ ہونے کی وجہ سے کچھ کہہ نہیں سکتا۔

بات یہ ہے کہ مولوی نعیم الرحمن صاحب کی روئداد انجمن عربی صوبہ متحدہ کی اگرچہ سیدھے سادے الفاظ میں شائع ہوئی ہے، لیکن میں کیا عرض کروں۔ غالباً یہ بیان ... ہے کہ انجمن کا لفظ جو میرے لیے ایک قسم کی چڑ ہے۔ لیکن باوجود اسکے اس انجمن کی طرف دل کے رجحان کو غیر معمولی طور پر بڑھا ہوا پاتا ہوں۔ شاید اسکی وجہ یہ ہو، کہ لفظ صرف انجمن کا بولا گیا ہے۔ تفصیل میں چونکہ بتایا گیا ہے کہ مولوی صاحب موصوف خود ہی معتمد، خود ہی خازن کلرک، اگر دار، مبلغ، خوشامدی سب ہی کچھ ہیں۔ غالباً اسی وحدت و شخصیت نے میرے دل کو کھینچا ہے۔ اور اسی کے ساتھ یہ بھی باور کرانا چاہتا ہوں کہ گو چند دن میں مردہ آنکھوں دیکھی بات کے طور پر شریک ہونے کا قائل نہیں تھا۔ لیکن اب جبکہ میری عمر پچاس سال سے متجاوز ہو چکی ہے، باوجود پیشۂ مولویت کے یاد نہیں پڑتا کہ کسی ایسی تحریک کی ابتدا خود کی ہو، جس میں چندے کی اپیل کی گئی ہو۔ لیکن خلاف دستور آج چندہ بازی کے جواز پر طبیعت مائل ہو گئی ہے۔

میں کہنا چاہتا ہوں کہ مولوی نعیم الرحمن صاحب نے اگرچہ کچھ لکھا نہیں ہے لیکن انکا نہ لکھنا ہی اس درد کی اہمیت کو واضح کر رہا ہے، جو عربی زبان کے متعلق اپنے دل میں وہ رکھتے ہیں۔ میں پھر دہرانا چاہتا ہوں کہ عربی زبان اس حیثیت سے کہ کسی زمانہ میں ابوجہل اور ابولہب کی بھی یہی مادری زبان تھی، اور اسی زبان میں ہمارے پیغمبر ہمارے دین، ہمارے خدا کے خلاف تقریریں کی جاتی تھیں اشعار کہے جاتے تھے۔ الغرض کسی جزیرہ کی مقامی زبان ہونے کی وجہ سے مجھے اس سے کوئی دلچسپی نہیں، میری دلچسپی اس زبان کے ساتھ صرف اس حد تک ہے کہ اس زبان میں ہمارے مالک کا پیغام ہم تک پہونچا ہے۔ اسی زبان میں اُنھوں نے براہ راست گفتگو کی ہے، جن سے ایک ایک الہام اور باطنی اشارہ پانے کے لیے لوگوں نے گھروں کو چھوڑا ہے زندگی کی نعمتوں کو تیاگا ہے۔ اسی زبان میں ہمارے محبوب پیغمبر کے ملفوظات طیبہ محفوظ ہیں۔ انکی سیرت کا ذخیرہ بھی اسی زبان کی کتابوں میں بند ہے، اور اللہ کے کلام رسول کی باتوں سے جو نتائج پیدا ہو سکتے تھے کر رہا کر ور دماغوں نے صدیوں میں جا کر اسی زبان انکو محفوظ کیا ہے جسکا نام فقہ تصوف کلام اور کیا کیا بتاؤں کہ کیا کیا ہے۔ بس میری دلچسپی کا محور عربی زبان کے یہی صفحات ہیں، اور اس حد تک جہاں تک میرا تجربہ ہے کم از کم ان قوموں کے لیے جنکی مادری زبان اسلامی زبانوں (اُردو، فارسی، ترکی) میں سے کوئی ایک ہے۔ انکے لیے عربی زبان کا یہ حصہ نسبتاً اتنا آسان ہے کہ معمولی توجہ سے اپنی مادری زبان ہی کی مدد سے اس حصہ کو اپنے فہم کے قابو میں لا سکتے ہیں۔ اسی سہولت کا نتیجہ تھا کہ مکتب خانوں میں تھوڑی بہت شدید ابتدائی عربی کی بلکہ معرب فارسی کی بھی مسلمانوں کو پہلے زمانہ میں جو حاصل ہو جاتی تھی، نہ ہی اسلامی ادبیات سے استفادہ کی راہ کو ان پر آسان بنا دیتی تھی، رشد بدلنے کے ساتھ ہی تھوڑے دنوں ہی میں باوجود باضابطہ مولوی نہ ہونے کے اس قسم کے مسلمان قرآن بھی سمجھنے لگتے تھے اور کچھ نہ کچھ پیغمبر کے ملفوظات کے مطالب تک انکی رسائی ہو جاتی تھی۔

لیکن مکتبی نظام جب سے ٹوٹا ہے، اور اسکولوں کی تعلیم کا رواج ملک میں ہوا ہے، روز بروز مسلمانوں کی ان قرآنی مناسبتوں اور حدیث نبی کی صلاحیتوں میں کمی پیدا ہوتی چلی جا رہی ہے۔ میں نے خوب سوچا ہے کہ وہی عربی جو کسی نہ کسی شکل میں اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں شریک ہے۔ اسکے پڑھنے والوں کو عربی ادب میں مہارت پیدا ہوئی ہو یا نہ ہوئی ہو، لیکن قرآن اور حدیث یا دیگر اسلامی ادبیات کی صلاحیت اس سے بھی پیدا ہو جاتی تھی۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ بدبخت مسلمانوں سے مدرسوں اور مکتب خانوں کو تو چھڑوا یا ہی گیا تھا، باوجودیکہ اسکولوں اور کالجوں کے نصاب میں اختیاری مضمون کی حیثیت سے عربی رکھی گئی ہے، لیکن اس عربی کو بھی انھوں نے لینا چھوڑ دیا ہے۔ پہلے فارسی لیتے تھے اور میں نے جیسا کہ عرض کیا، یہ فارسی بھی ایسی فارسی تھی جو بتدریج قرآن والی عربی سے مناسبت پیدا کرنے میں ممد و معاون ثابت ہوئی تھی۔ لیکن فارسی بھی چھوٹی چلی جا رہی ہے، اُردو کا زور اتنا بڑھا ہے یا بڑھا لیا ہے، کہ لینے والے زیادہ تر اُردو ہی کی آڑ پر چڑھ چڑھ کر پار ہونے میں سہولت محسوس کرنے لگے ہیں، اور اردو کے ساتھ بھی چونکہ "شدھ اُردو" کی تحریک اندر اندر اپنا کام کر رہی ہے، جو نتیجۃً قرآن سے دور کرنے والی چیز ہے۔ ان تمام امور کا نتیجہ ہے کہ مسلمان اپنے دین کے سرچشمے سے دُور ہوتے جا رہے ہیں۔ جاہل مسلمان اگر دور تھے یا ہیں تو اس بُعد کی تلافی اس سے ہو جاتی تھی کہ قرآن و حدیث کے جاننے والے بزرگوں سے عقیدت کی قربت وہ رکھتے تھے۔ نتیجے کے لحاظ سے انکا ایمان قریب قریب پڑھے لکھے مسلمانوں کے مساوی ہوتا تھا۔ لیکن یہ جو جاہل مسلمانوں کا ایک گروہ "تعلیم یافتہ" طبقہ کے نام سے پیدا ہوا ہے، اسکا حال عجیب ہے۔ خود بھی اسلامی زبانوں

نمبر ۲۰ | دوشنبہ - ذیقعدۃ الکرم ۱۳۶۳ھ مطابق ۶ ؍ نومبر ۱۹۴۴ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

بمبئی یونیورسٹی کے ایک خاص معاملہ کے سلسلہ میں وائس چانسلر کی تازہ تحقیقاتی رپورٹ آپ نے انگریزی اخبارات میں پڑھ لی؟ اس کا ترجمہ اردو اخبارات میں دیکھ لیا؟ نہ سہی۔ خلاصہ یہاں ملاحظہ ہو:

"وائس چانسلر نے میٹرک کے امتحان کی بد عنوانیوں پر خود کرکے جانچ کی بذات خود تحقیقات کرکے رپورٹ تیار کی ہے۔ مذکور کو پاس کرانے کے لیے اُسکے نمبروں میں اضافہ کرنے کی ذلیل سازشیں کی گئیں ہیں اور کئی کئی کاغذوں میں غلط اندراجات کیے گئے تھے۔ ان جرائم میں خاص طور پر حصہ مس مذکور کے باپ مسٹر یودرکر نے لیا ہے جو ایک اسکول کے ہیڈ ماسٹر ہیں، یونیورسٹی سینیٹ میں ہیڈ ماسٹروں کے نمایندے ہیں اور یونیورسٹی کے اکیڈمک کونسل کے بھی ممبر ہیں۔ رپورٹ کے الفاظ ہیں "مسٹر یودرکر نے اپنے آپ کو کونسل اور سینیٹ دونوں کی ممبری کا نااہل ثابت کیا"۔ رپورٹ کے مطابق ممتحنوں، ماڈیریٹروں، یونیورسٹی کے عہدہ داروں اور کلرکوں کو جرم میں پھنسانے والی ایک خطرناک سازش تیار کرنے کے ذمہ دار مسٹر یودرکر ہیں۔ انکے علاوہ مسٹر بی۔ جی۔ الگ اور پرنسپل مسٹر شکلا نے بھی اپنے کو یونیورسٹی کے امتحان میں ذمہ دارانہ کام کرنے کے ناقابل ثابت کیا ہے۔ اسکے علاوہ مس ڈی۔ بی۔ انکلیریا، پروفیسرا دھیا، پروفیسر لیمے، مسٹر پانڈے، مسٹر گنبھیر، مسٹر سلا والا، مسٹر ڈیر، اور مسٹر پٹیل پر بھی فریب کاری اور دھوکا دہی کے الزامات عائد ہوئے ہیں!"

وہ تو خدا بھلا کرے بمبئی یونیورسٹی کے موجودہ وائس چانسلر کا، اور پچھلے تین وائس چانسلروں کا کہ انکی تحریک پر یہ تفتیش وتحقیقات کا قدم اُٹھایا گیا، اور اتنے مانحت انزام ہو کر رہے، ورنہ الیسی ہی خیانت، بد دیانتی، جعلسازی، عزیز پروری، دوست نوازی کا دور دورہ کہاں نہیں ہے؟ بجائے حق و استحقاق کے "مروت" یا "دباؤ" یا لالچ یا خوشامد کی گرم بازاری سے ہندوستان کی کونسی یونیورسٹی آج خالی ہوئی ہے؟ بس تحقیقات کی دیر ہے، مستثنیات کا ذکر نہیں، ورنہ عام حالت کسی دیگر کی کسی اعلیٰ تعلیم گاہ کی یہ نہیں؟ اور پھر نظر کو یونیورسٹیوں اور کالجوں ہی تک محدود کیوں رکھیے۔ ڈسٹرکٹ بورڈ، میونسپل بورڈ، کونسا ملک کا آزاد یا نیم آزاد ادارہ، دیانت و امانت کے اعلیٰ معیار نہیں، اوسط معیار پر بھی پورا اُتریگا؟ بنام صرف ریاستیں ہیں۔ لیکن خود برٹش انڈیا کے اعلیٰ سے اعلیٰ اداروں اور محکموں کا کیا حال ہے؟ —— رشوت خواری، رذالت پروری کی ان ملک گیر بیماریوں کے ساتھ بھی آپ اپنے سے یہ حسن ظن قائم ہے کہ ہم اپنے ملک پر آپ حکومت کریں گے اور کرلے جائیں گے!

مرضی ومشیت

ایک اسکول کے طالب علم کا خط:-

"یہ بات میری سمجھ میں نہیں آتی کہ جب خدا نے دو راستے ایک اچھائی اور دوسرا بُرائی کا بنا دیا ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ بغیر خدا کی مرضی کے ایک پتہ بھی نہیں ہل سکتا۔ تو جو شخص برائیاں کریگا تو اُس میں

حج سے آئے ہوئے ابھی پوری ڈھائی مہینے ہوئے تھے کہ گھر میں سے کچھ چوریاں ہونی شروع ہوئیں، کبھی میز پر سے کچھ پیسے اٹھ گئے، کبھی دوانی چونی۔ گھر کے پروردہ دو چھوٹے لڑکے تھے شبہہ ہر پھر کر انہی کا ہوتا رہا زبانی فہمائشیں دھمکیاں سب بے سود رہیں۔ آخر ایک روز صبح سویرے پھر کچھ رقم اٹھ گئی۔ غصہ بہت ہی زیادہ آیا۔ اور کچھ منٹ دیتے گئے جب انھیں لڑکوں کو مارنا شروع کر دیا۔ کمرہ زنانخانہ کے کوٹھے پر تھا، خیال بھی نہیں گزرا، کہ کوئی بیرونی شخص اس میں آ سکتا ہے۔ دونوں بے تحاشہ پٹنا شروع ہوئے، کہ عین اسی حالت میں اصل مجرم مع رقم گزرتا ہوا گرا گیا۔ محلہ کا ایک لڑکا تھا۔ باہر کے راستہ سے سب کی آنکھ بچا کر کمرے میں داخل ہو جاتا تھا! اب سخت ندامت شروع ہوئی، کہ ان بیچاروں پر ناحق ہی اتنی مار پڑی۔ ما تو واپس آ نہیں سکتی۔ اب بجز توبہ و استغفار کے اور کیا ہو سکتا ہے؟ ندامت اس بلے، ورنہ یادہ کہ آخر میں وہ دونوں بالکل بے قصور نکلے تھے ---- مارا کچھ چکھا گیا اسی دن، اسی وقت (کم ستمبر) کو مولانا کی خدمت میں لکھ بھیجا کہ اب تلافی و کفارہ کی صورت کیا ہے؟

جواب آیا ... بالکل حکیم الامت کے شایان شان۔

"اگر وہ بالغ ہیں تو ان سے معاف کرانا ضروری ہے، اور اگر نابالغ ہیں تو کم از کم ان سے اعتراف غلطی اور اظہار ندامت اور ایک مدت معتد بہ تک انکی دلجوئی اور ان سے فرمائشیں پوچھ پوچھ کر پورا کرنا مناسب ہے۔ اور انکا قصوروار ہونا اگر اخیر میں ثابت بھی ہو جاتا، تب بھی سیاست کے وقت تو یہ فعل بلا دلیل شرعی ہی ہوتا"

جواب کا یہ آخری جزو خاص مولانا ہی کا حصہ تھا۔ توبہ و استغفار کی حد تک تو اور بزرگ بھی جاتے، لیکن تدارک کی عملی تدبیریں، اور پھر ان میں یہ باریک بینی اور ژرف نگاہی مولانا پر ختم ہو گئی!

بسیار خوباں دیدہ ام لیکن تو چیزے دیگری!

اس عریضہ میں کچھ اور معروضات بھی تھے۔ ایک یہ کہ مولانا کے استاد مولانا محمد یعقوب نانوتوی کے مکتوبات اور مولانا کے شیخ حضرت حاجی امداد اللہ مہاجر مکی کے ملفوظات امداد المشتاق پڑھ کر بہت ہی نفع حاصل ہوا۔ ذکر و شغل و آداب صوفیہ سے متعلق بہت شبہات از خود دور ہو گئے۔ اسکا جواب:-

"میرا دل خوش ہوا کہ اپنے بزرگوں کے کلام کا نافع ہونا ایک دانشمند کی شہادت سے ثابت ہوا۔ اب اس سطر کے ایک جزو سے رجوع کرتا ہوں، وہ جزو بالکل شروع کا ہے۔ کیونکہ وہ بزرگ ان شاہد کے بھی ہیں"۔

دوسرا معروضہ یہ تھا کہ صبح آنکھ دیر میں کھلنے لگی ہے، معمولات رہ جاتے ہیں، اس سے بڑھ کر بدنصیبی کیا ہو گی۔ جواب باصواب:

"حدیث میں ہے لا تفریط فی النوم۔ سعدی کا ارشاد ہے؟

ولیکن میفزا سے بر مصطفے

کیا اس سے اس قدر دلگیر ہونا زیادت علی المصطفے نہیں"۔

تیسری گزارش یہ تھی کہ جتنا دل تفسیروں، خصوصاً تفسیری نکتوں میں لگتا ہے، اتنا خود قرآن مجید کی تلاوت میں نہیں لگتا۔ یہ دل کے اندر کا چھپا ہوا چور ہے۔ اس پر ارشاد ہوا:-

"اگر طاعات میں نفس کو بھی لذت ہو تو یہ خوشی کی بات ہے یا غم کی۔ رہا کمی بیشی، تو یہ امر طبعی ہے، اس پر کوئی ملامت نہیں"۔

ہر خط، خط کیا ہوتا تھا ایک مستقل ہدایت نامہ ہوتا تھا۔ مفید بھی لذیذ بھی۔ ہر خط جب تک آ نہ لیتا، برابر اس میں دل لگا رہتا۔ خطوں میں یہ دلکشی ہوتی ہی اس بلا کی تھی!

دو معروضے اس عریضہ کے ابھی باقی رہ گئے ہیں۔ ایک یہ تھا کہ بھائی صاحب سہارنپور میں ڈپٹی کلکٹر ہیں، اور جناب سے مل کر حسن اخلاق کے گرویدہ ہو کر واپس آئے۔ سرکاری عہدہ داروں کے لئے کسی اہل اللہ سے اتنا تعلق بھی بڑی نعمت ہے۔ اب انشاء اللہ آپ کے مواعظ و رسائل کا بھی مطالعہ کریں گے۔ جواب:-

"یہ آپکا حسن ظن ہے کہ ایک ناکارہ سے محبت کرتے ہیں۔ میں خود ان کی سادگی و صفائی کی تعریف کرتا ہوں"

آخری اور ایک لحاظ سے بہت اہم گزارش یہ تھی کہ اگلی بار تھانہ بھون ذرا طویل حاضری اور قیام کا قصد ہے، کوئی مہینہ سوا مہینہ کے لیے، میاں بیوی دونوں کا۔ مکان وغیرہ کا انتظام ابھی از راہ مسافر نوازی ہم پردیسیوں کے لیے فرما دیا جائے! ---- اللہ ری سادہ لوحی اور فرط بے تکلفی کمال بے احتیاطی! شیخ وقت کی قدر یہی کی! ارشاد و ہدایت، وعظ و تلقین کے ساتھ ساتھ منجری کے کھکھڑوں کی بھی فرمائش! جواب آیا:-

"اس مضمون سے بہت ہی مسرت ہوئی۔ دیر جواب میں مکان تجویز کرنے میں ہوئی۔ بعض مکان میں نے خود دیکھے۔ میری رائے یہ قرار پائی کہ اسوقت ایک چھوٹا سا مکان جو مدرسہ کا ہے اس میں فروکش ہو جیے۔ پھر دوسرے مکانات ملاحظہ کر لیجیے جو موافق طبیعت کے ہو اسکا انتظام ہو جائے گا۔ سامان ضروری اپنے گھروں سے فراہم ہو جائیگا۔ صرف ایک فہرست دے دیجیے"

میں کہتا ہوں اور بار بار کہتا ہوں کہ بڑا ظلم کیا ان دوستوں اور دشمنوں دونوں نے جو مولانا کو ایک خشک، مردم بیزار اور تارک الدنیا قسم کا بزرگ اور درویش سمجھے! مولانا بزرگ اور درویش اور نہ جانے سب کچھ تھے۔ لیکن ان سب سے پہلے اور ان سب سے بڑھ کر انسان تھے حقیقی انسان۔ اور ایک نمونہ بزرگی اور درویشی کے کمالات کا ...

مراسلہ — تقویٰ و مدارج صوفیہ

مولانا ابو الاعلیٰ مودودی ایک خاص تحریک کے حامل ہیں - اس تحریک کے دور مخصوص شکل نہ بحث کے الگ ہیں - اشارات ترجمان القرآن رمضان ۶۲ھ جلد ۲۳ عدد ۳-۴ " کے آخری حصہ میں تصوف و شہادت کے متعلق مولانا کے خیالات نظر سے گزرے - کسی اور کی تنقید و تبصرہ اس بارے میں نہیں گزرا - میرے اپنے خیالات اس بارے میں بھیج رہا ہوں اور امید کہ آپ اُن اشارات کا مطالعہ فرماتے ہوئے ان اہم مسائل پر روشنی ڈالیں گے - تاکہ ایک بڑے گروہ کے تزکیہ نفس کے اصول اور اس سے بڑھ کر مدعا کے حقیق ہونے پر جو اعتراضات پیش کیے گئے ہیں وہ عوام کے مغالطہ کا باعث نہ ہوں -

عالم غیب و شہادت کی بالکل جداگانہ حیثیت پر بحث انتہائی کوشی کے نظر انداز ہونے سے پیدا ہوئی - ہو الظاہر و الباطن میں ایک ہی کے تجلیات ہیں - عالم غیب میں جو باطن ہے وہ عالم شہادت پر ظاہر ہے - لقاء اللہ کے لیے اللہ اور بندے میں آنحضرت خاتم النبیینؐ ہی ذریعہ اور واسطہ ہیں - ما کان محمد ابا احد من رجالکم ولکن رسول اللہ وخاتم النبیین ہونے کا اثبات ہے - اور یہی بندہ کو اللہ سے ملانے والا رشتہ ہے -

مقامات عالیہ کے مدارج جداگانہ ہیں - عالم غیب کے تجلیات کشف و الہام مقامات عالیہ میں سے ہیں - مقامات صحابہ میں سے کسی بلند مقام پر نہ پہونچ سکتا - مقامات عالیہ کشف و الہام کی نفی نہیں کرتے - صحابہ کرامؓ کے اسمائے گرامی اور مراتب عالیہ کا اظہار کرتے ہوئے روحانی ترقی کا انکار ناقابل فہم ہے -

تقوے کی بحث میں انفرادی و اجتماعی حیثیت کے انتہائی مقامات کو نظر انداز کرتے ہوئے عالمگیر اثرات سے قطع نظر کیا گیا - اور عالیہ رجحانات و جذبات آزادی و اجتماعیت سے فائدہ اٹھایا گیا ہے -

(مولوی شاہ) ابو احمد غلام دستگیر (گلبرگہ - دکن)

صدق - انھیں مباحث پر مراسلہ نگار کا ایک مفصل مضمون آیندہ کسی اشاعت میں نکلے گا -

غلط اعتراض

[مراسلہ ذیل "زمزم" لاہور میں شایع ہوا ہے]

"ایک مبصر" صاحب "صدق" سولہویں ۲۰ ستمبر ۱۹۴۳ء میں علامہ موسیٰ جار اللہ کی ایک عربی تصنیف میں اس فقرے پر کہ شاہ ولی اللہ صاحب نے بھی ازالۃ الخفاء میں اس حدیث مہدی والی کو مہدی عباسی پر محمول کیا ہے"- لکھتے ہیں کہ " حوالہ درج نہیں کہ کس صفحہ و باب و فصل میں - اور غالباً افتراء محض ہے "

"مبصر" صاحب نے جس جسارت سے علامہ جار اللہ پر افترا کا الزام لگایا ہے - اس سے "مبصر" صاحب کی دیدہ دلیری اچھی طرح ظاہر ہوتا ہے - ازالۃ الخفاء کوئی انسائیکلوپیڈیا بریٹانیکا نہیں ہے کہ وہ ذرا کوشش کرتے تو اس میں مطلوبہ حوالہ نہ مل جاتا - باہم "مبصر" صاحب کی اطلاع کے لیے نگارش ہے کہ راقم الحروف نے دس پندرہ منٹ کی جستجو سے وہ حوالہ نکال لیا ہے - چنانچہ موالہ مقام ازالۃ الخفاء کے ص ۱۵۶ پر ہے - اگر اخبار میں گنجایش ہوتی - تو میں ساری عبارت ہی نقل کر دیتا - مگر امید ہے کہ مبصر صاحب خود ہی اسے مطالعہ کر لیں گے -

کیا اب توقع کی جا سکتی ہے کہ مبصر صاحب "صدق" یہ تسلیم کر کے کہ علامہ موسیٰ جار اللہ نے شاہ ولی اللہ دہلوی کی طرف جو بات منسوب کی ہے - وہ "افتراء" نہیں ہے اپنے تقویٰ و دیانت کا ثبوت دیں گے؟

بشیر احمد بی - اے - منشی گوپی نقشبند لاہور

بقرعید
اور
ممتاز دار الیتامیٰ لکھنؤ

ممتاز دار الیتامیٰ جس نے تقریباً سو بچوں کے خورد و نوش اور تعلیم صنعت کی ذمہ داری اپنے سر لے رکھی ہے اس گرانی کے زمانہ میں ہر مسلمان کا فرض ہے کہ اسکی امداد میں امکانی حصہ لے -

اس یتیم خانہ میں نہ صرف یو۔پی بلکہ دوسرے صوبوں کے بچے بھی پرورش پاتے ہیں - جنکی ترتیب کے لیے پرائمری صنعتی اسکول ہیں اعلیٰ تعلیم کے لیے باہر کے اداروں میں بچے بھیجے جاتے ہیں - جن کی ہر قسم کی کفالت یتیم خانہ کرتا ہے -

بیرون لکھنؤ کے مخلص مسلمانوں سے درخواست کی جاتی ہے کہ عام طور پر چرم ہائے قربانی جمع کرائیں اور مناسب قیمت پر فروخت کر کے رقم مولوی عبد المجید صاحب (پنشنر ڈپٹی کلکٹر) آنریری سکریٹری ممتاز دار الیتامیٰ انجمن اصلاح المسلمین لکھنؤ کے نام ارسال فرمائیں -

نیازمند خلیل احمد عباسی - سپرنٹنڈنٹ انجمن

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ صاحبوں کی میعاد خریداری اسی ماہ نومبر ۴۳ء میں تمام ہو رہی ہے مہربانی کر کے اپنا چندہ ختم ماہ سے پہلے پہلے دفتر کو بھیجدیں تاکہ پہلی دسمبر ۴۳ء کو وی پی نہ روانہ کیے جائیں:-

خریداری ۱۸۹ و ۳۰۵ و ۳۲۰ و ۳۶۴
و ۶۵۴ و ۶۶۶ و ۶۷۴ و ۹۲۲
و ۹۲۶ و ۹۳۰ و ۹۳۶ و ۱۱۴۵
و ۱۱۷۴ و ۱۱۷۸ و ۱۳۰۵ و ۱۳۰۶

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ ۔ اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر: عبدالماجد

پتہ: دریاباد ضلع بارہ بنکی

نائب: حکیم عبدالقوی بی اے

مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کرنا چاہیے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے:-

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"

مرشدآباد پیلس - گولہ گنج - لکھنؤ۔

چندہ سالانہ پانچ روپیہ

ششماہی ۳ر

بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ر

صدق

نمبر ۳۴ | دوشنبہ۔ محرم الحرام ۱۳۶۴ھ مطابق ۸- جنوری ۱۹۴۵ء عیسوی | جلد ۱۰
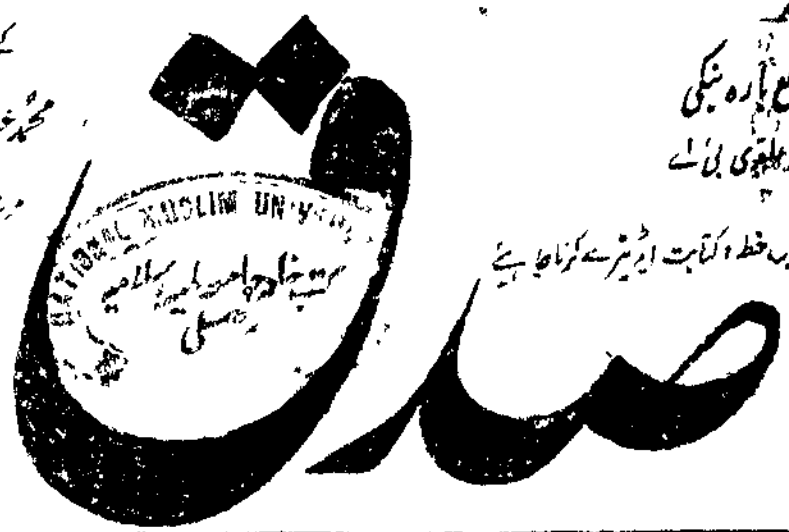
سچی باتیں

یورپ کے شمال، بالکل شمال میں، روسی لاپستان (لاپ لینڈ) کے بحر ابیض میں ایک بندرگاہ ہے کرّان۔ علاقہ تمام تر برفانی۔ قطب شمالی کی نواح۔ ۱۹۴۱ء کا وسط ہے، اور جنگ عظیم ابھی زور و شور سے جاری ہے۔ کہ ایک برطانوی جہاز (ATTENTIVE) برطانوی ساحل سے اس بندرگاہ کو روانہ ہوا۔ اور عین اُسوقت جنتری میں رمضان کا ماہ مبارک آپڑا۔ اور دنیا کے جس خطہ میں بھی مسلمان آباد ہیں، روزے رکھے جا رہے ہیں۔ برطانیہ کے اس جہاز پر بہت سے مسلمان خلاصی ملازم ہیں۔ بے علم، اَن پڑھ، جغرافیہ کی ابجد تک سے ناآشنا۔ "قصۂ سکندر و دارا نخواندہ ایم" کے پورے مصداق۔ لیکن بہرحال اسلام کے کلمہ گو۔ بیچاروں نے روزہ رکھ لیا۔ اور اب افطار کے لیے شام کا انتظار شروع ہوا۔ شروع ہوا لیکن ختم ہونے کا نام ہی نہیں آتا۔ شام نہ اب ہوتی ہے نہ جب۔ یا اللہ! یہ دن کتنا بڑا ہو گیا! روز قیامت کی درازی یاد آنے لگی! غریبوں کو کیا خبر تھی کہ جہاز اُس علاقہ سے گزر رہا ہے، جہاں نہ آفتاب غروب ہوتا ہے، اور نہ شام ہوتی ہے!

خبر نہیں تھی، نہ سہی۔ یقین دلانے سے تو یقین آجانا تھا، نہ آیا۔ کافروں کی بات کا دین کے معاملہ میں اعتبار ہی کیا۔ اللہ اللہ! کیا پختگی ایمان کی تھی! عہد صحابہ میں نہیں، دور تابعین میں نہیں، اسی بیسویں صدی عیسوی کے ۱۹۴۱ء میں! درویشوں اور عالموں کی نہیں، اَن پڑھ جہازی خلاصیوں کی! وقت گزرتا گیا، اور ضعف و ناتوانی بڑھتی گئی۔ آفتاب نہ آج غروب ہوتا ہے نہ کل! نوبت غشی کی آنے لگی! اور پھر غشی سے بڑھتے بڑھتے ——— آپ روایت کو آخر تک سننے کے لیے تیار ہیں؟ ——— درجہ ہلاکت کا پہونچ گیا۔ اور روزہ دار پر روزہ دار، روزہ کی خوشبو منہ میں لیے ہوئے، جنت کی خوشبو سونگھنے روانہ ہونے لگا! انگریز افسروں کی سمجھ میں کوئی اور تدبیر نہ آئی بجز اسکے کہ جہاز کا رُخ شمالی انگلستان کی طرف پھیر دیا جائے۔ اور جہاز جب برطانی علاقہ میں پہونچ گیا، جہاں آفتاب کا طلوع و غروب معمولی طور پر ہوتا رہتا ہے، جب جاکر روزہ داروں نے افطار کیا، اور بیچاروں کی جانیں بچیں!

روایت کے راوی سر ڈبلیو، ٹی، آرنلڈ ہیں۔ (اسلامک فیتھ ص ۳۶۔ لندن) علیگڈھ کے قیام اور سرسید اور مولانا شبلی کے صحبت سے بہت کچھ ہمدرد اسلام ہو چکے تھے۔ لیکن تھے بہرحال مسیحی ہی۔ اس واقعہ کو اپنی کتاب میں اس امر کی شہادت اور مثال میں پیش کیا ہے کہ مسلمان اپنے ارکان دین کی تعمیل میں کتنے پختہ اور مضبوط ہوتے ہیں! ——— مثال مسٹر آرنلڈ کو مسلمانوں کی دینی پختگی اور ایمانی جمود کی ملی بھی تو وہی اَن پڑھ نکیوں خلاصیوں کے طبقہ میں! کاش اسکے نمونے ہی اونھوں نے "تعلیم یافتہ" "علم نواز" علیگڈھ میں دیکھ لیے ہوتے! وہاں کے اُستادوں میں، وہاں کے طلبہ میں، وہاں کے شیدائی دنیا کے علماء میں! کاش اسکے کوئی ہلکے نمونے ہماری آپ کی نظروں کے سامنے آپ کے جلسے سے گزرتے رہتے!

غلط فہمی نہ ہو۔ خلاصیوں بیچاروں سے دکھ [illegible]

عالم و فاضل ہیں، ذہنی درجہ کے اُردو کے ادیب و انشا پرداز بھی ہیں —
اور تعزیت نگاری تو اُنکا حصہ ہے۔ خوش نصیب ہے اُنکا وہ معاصر جو اُنکے سامنے وفات پا جائے!

حال میں جو دیری خوشی محمد ناظر مرحوم کی وفات پر انھوں نے جو مضمون تحریر فرمایا ہے، اسکی تمہید میں دو چار سطریں "نئے ادب" پر بھی لکھ گئے ہیں —— صفحۂ کاغذ پر الفاظ و حروف کے نقش نہیں ہیں، تختۂ چمن پر ہرے بھرے پھول کھلا دیے ہیں، خوش رنگ و خوشبو۔ اب ملاحظہ ہوں :—

"آجکل کے نئے نرالے ادیب، نئے ادب کے نقیب، یہ سمجھتے ہیں کہ وہی اپنے زمانہ کے نئے نرالے ہیں۔ حالانکہ نیا اور پرانا ہونا ہمیشہ اس طرح سے ہوتا آیا ہے، جس طرح جوان اور بوڑھا ہونا۔ اب اگر کوئی آج کا جوان یہ سمجھے کہ دنیا میں وہی پہلی مرتبہ جوان ہوا ہے، تو وہ [illegible] ہے۔ اسی طرح آج کے ادیب و شاعر جو ادب کو زندگی سے وابستہ کرنا چاہتے ہیں، اگر وہ یہ سمجھیں کہ وہی پہلی دفعہ یہ راگ الاپ رہے ہیں تو اُنکے اس خیال کو حماقت کہتے ہوئے تو ڈرتا ہوں مگر ہم کیا کہوں؟"

ادب و انشا کے سیکھنے والے طلبہ کے لیے ایسی عبارتیں نمونہ کا کام دے سکتی ہیں۔

"صاحب" کی فوج

(۱) "ہندوستان میں فرنگی عورتیں اور زیادہ تعداد میں لائی جائیں، بعض عہدوں کے لیے۔

(۲) فوجیوں کے لیے ریڈیو بڑی تعداد میں مہیا کیے جائیں۔ ۔۔۔

(۵) بینڈ اور ساز زیادہ تعداد میں لگائے جائیں اور آرٹسٹ خصوصاً "اشتہاء" اور اسباب نشاط کی بڑی تعداد مہیا رہے۔

(۸) فلم تیار کرنے والے سامان میں اضافہ کیا جائے۔

(۹) بیرز ( ) شراب کی مقدار میں کمی نہ ہونے پائے۔"

(پائنیر - ۲۲ دسمبر ۱۹۵۰ء)

یہ اُن تجویزوں میں سے چار تجویزیں ہیں، جو لارڈ [illegible] نے برطانوی فوجیوں کی فلاح و بہبود سے متعلق پیش کی ہیں، اور جو یقین ہے کہ منظور ہو کر رہیں گی! —— عرب مشرق، اور پہلی صدی ہجری کے فاتح عراق و ایران و شام و مصر کا ہر ہی کو نظر میں رکھئے اور اس سامان کا مقابلہ سر گریباں ہو کر کیجیے کہ اسے کیا کہیے!

خلاصۂ مراسلات

(از نائب مدیر)

محمد امین صاحب شیخ سکریٹری آزاد لائبریری مل ٹولہ آگرہ نے مولانا ابو الکلام آزاد کے نام پر ایک لائبریری و دارالمطالعہ قائم کیا ہے۔ اور اسکے لیے انھوں نے اپنے مراسلہ میں کتابوں کی اپیل کی ہے۔

سورۂ بقرہ رکوع ۲۰

(سلسلۂ صدق ـ)

(از عبد الماجد)

۱۶۴۔ ان فی خلق السموات والارض واختلاف الیل والنہار والفلک التی تجری فی البحر بما ینفع الناس وما انزل اللہ من السماء من ماء فاحیا بہ الارض بعد موتہا وبث فیہا من کل دابۃ وتصریف الریح والسحاب المسخر بین السماء والارض لآیت لقوم یعقلون۔	یقیناً آسمانوں اور زمین کی پیدائش میں اور رات اور دن کے ادل بدل میں اور جہازوں کے چلنے میں جو سمندر میں اُن چیزوں کے ساتھ چلتے ہیں جو لوگوں کو نفع پہنچاتی ہیں، اور (اس) پانی میں جسے اللہ نے اُتارا، پھر اس سے زمین کو اسکے مردہ ہونے کے بعد جلا اُٹھایا، اور اس میں ہر طرح کے حیوانات پھیلا دیے، اور ہواؤں کے بدلنے میں اور بادلوں میں (جو) آسمان اور زمین کے درمیان مقید ہے (ان سب) میں اُن لوگوں کے لیے جو عقل رکھتے ہیں نشانیاں[لشہ] (موجود) ہیں۔

لشہ (اللہ کی حکمت و ربوبیت، قدرت، صناعی اور اُسکی فردیت کی)۔ زمین و آسمان کے یہ سارے کارخانے، جو دنیا کے ہر طلسم سے بڑھ کر حیرت انگیز اور انسانی سائنس کے ہر شعبہ سے عجیب تر ہیں، سب کے سب خود اسکی دلیل ہیں کہ نہ یہ اپنے آپ وجود میں آسکتے ہیں، نہ باقی رہ سکتے ہیں، جب تک کوئی صاحب شعور، صاحب ارادہ، قادر مطلق ہستی انکی صانع و خالق نہ ہو۔ ان سارے مظاہر فطرت کا تسلسل و استمرار، انکی یکرنگی و باقاعدگی، انکا نظم و انضباط، ہر عقل سلیم کو مجبور کر رہے ہیں کہ انکے عقب میں ایک ذی اختیار فعّال کا ہاتھ تسلیم کیا جائے —— اُسی عقل سلیم کو جو ایک معمولی سی گھڑی کو بھی بغیر کسی ماہر فن اور صناع گھڑی ساز کے تسلیم کرنے سے انکار کر دیتی ہے!

اور یہ خلاق ہستیاں اگر بصیغۂ جمع، یعنی ایک سے زائد فرض کی جائیں تو اسکے معنی یہ ہوئے کہ ایک خالق ان سارے امور کے لیے کافی نہ تھا۔ اس سے اُسکا عجز ثابت ہوا۔ اور جو عاجز یا کسی بات میں ناقص ہے، وہ خالق نہیں ہو سکتا۔ اس لیے اگر کسی کی ربوبیت اور خالقیت پر اعتقاد ہے تو اُسے لامحالہ واحد و یکتا بھی ماننا پڑیگا۔

خلق السموات والارض۔ آسمان ہوں یا زمین، سب مخلوق ہی ہیں، غیر مخلوق یا خود آفریدہ نہیں۔ مشرک قوموں نے انھیں معبود مانا ہے، اور صاحب تصرف و حاجت روا دیوی دیوتاؤں کی حیثیت سے انکی پرستش کی ہے۔ قرآن مجید نے لفظ خلق سے ادھر اشارہ کر دیا کہ یہ عظیم الشان موجودات بھی، کائنات کے ادنیٰ سے ادنیٰ ذرہ کی طرح، مخلوق ہی ہیں۔ اور آکاش دیوتا،

دھرتی ماتا، وغیرہ قسم کے الفاظ سب بے معنی اور مہمل ہیں۔

اللیل والنہار۔ دنیا ایسی مشرک قوموں سے بھی خالی نہیں رہی ہے جنھوں نے رات اور دن کو ذی حیات اور صاحب ارادہ و تصرف مان کر انھیں دیوی دیوتا کا درجہ دیا ہے، اور ان کی پوجا کی ہے۔ یہاں انکے اختلاف (ادل بدل) کا ذکر کرکے یہ بتا دیا ہے کہ یہ غیر مخلوق یا خود آفریدہ ہونا الگ رہا، زمانہ کے یہ بے جان اجزاء تو خود اپنی حرکت تک پر بھی قادر نہیں۔ قادر مطلق ہی ان میں رات دن الٹ پھیر کرتا رہتا ہے۔

الفلک۔ ہندوستان میں جب شروع شروع ریل نکلی ہے، تو دیہات میں خود اس کی پوجا شروع ہو گئی تھی، اور بہت سے "خوش عقیدہ" مشرکوں نے اپنے معبودوں کی فہرست میں "ایک انجن دیوتا" کا بھی اضافہ کر لیا تھا۔ ایسی ہی وہم پرست قوموں نے اگر کبھی بادبانی جہازوں اور دخانی کشتیوں کی بھی پوجا کی ہو، تو کچھ عجب نہیں۔

فلک کے عموم کے تحت میں اسٹیمر، لانچ، ٹارپیڈو، ہر قسم کے چھوٹے بڑے جہاز اور آبدوز، تباہ کن، ہر قسم کی چھوٹی بڑی کشتیاں، غرض اور کل بحری سواریاں آگئیں، جو اس وقت موجود ہیں، یا قیامت تک ایجاد ہو سکیں، وہ سامان جنگ ہو یا سامان تجارت یا سامان تفریح ہو، بما ینفع الناس (انسان کو فائدہ پہنچانے والی چیز) کا وصف سب میں عام و مشترک ہے۔ بما ینفع الناس کے عموم کی وسعت لحاظ رکھنے کے قابل ہے۔ انسانی نفع و منفعت کی ہر ممکن شے اس میں آگئی۔

ای بالذی ینفعهم من التجارات وسائر المآرب التی تصلح بها احوالهم (قرطبی)

امام قرطبی نے لکھا ہے کہ ایک معترض نے سوال کیا کہ قرآن کی جامعیت کا دعویٰ ہے تو اس میں نمک مرچ، وغیرہ کھانے کے مسالوں کا ذکر کہاں ہے؟ جواب یہ ہے کہ بما ینفع الناس کا عموم ان سب کو شامل ہے۔

السماء کا لفظ، جیسا کہ اوپر تشریح ہو چکی ہے، بادل، آسمان، وغیرہ ہر اوپر والی چیز کے لیے عام ہے۔ ما انزل اللہ لا کر یہ یاد دلا دیا کہ بارش میں حیات بخشی کی جو قوت ہے، یہ اسی خدائے واحد و حیات آفریں کی ودیعت کی ہوئی ہے۔ دابۃ عام ہے ہر حیوان کے لیے۔ حیوان پرستی شرک کا ایک جزو اعظم تاریخ کے ہر دور میں رہی ہے۔ بابل، مصر، ہندوستان، وغیرہ میں گائے، بیل، بندر، لنگور، بلی، سانپ، بچھو، وغیرہ کی پوجا برابر ہوتی رہی ہے۔

زمین اگر ۲۵ ہزار میل کے محیط کا کوئی گولا ہے تو، یا اگر غیر پیمایش شدہ وسعت کی کوئی چپٹی سی چیز ہے تو بھی، اگر تیزی اور پھرتی کے ساتھ گردش کر رہی ہے، تو، یا اگر اپنی جگہ پر ساکن ہے تو بھی، ہر حال میں، اور ہر صورت فرض کرنے کے بعد، یہ کیسی عظیم الشان کاریگری، کیسی بے مثال صناعی کا نمونہ ہے! فضا کی خلا میں کس کی قوت اسے تھامے ہوئے، سنبھالے ہوئے ہے؟ اسکے اور چاند، سورج، اور ستاروں، سیاروں کے درمیان فاصلہ کا ایک خاص تناسب کس نے قائم کر رکھا ہے؟ اسکی رفتار کی ایک خاص شرح کس نے متعین کر دی ہے؟ آفتاب سے اسے ایک خاص مقدار میں روشنی اور گرمی کون پہنچا رہا ہے؟ چاند سے روشنی اور خنکی ایک متعین حساب کے ساتھ کس کا دست قدرت اس تک لا رہا ہے؟

آسمان اگر ٹھوس، مادی اجسام ہیں تو، یا اگر خلا میں محض حد نظر ہیں تو بھی، ہر صورت میں انکی وضع، ساخت، ترکیب، ہیئت انسانی دسترس، انسانی دماغ کی دسترس سے کتنی بالاتر ہے! انگنت ثوابت و سیار کے سکون و حرکت کا انتظام کون قائم کیے ہوئے ہے؟ ستاروں کی یہ روشنی، اور انکے طلوع و غروب میں یہ باقاعدگی کس کے حکم سے قائم ہے؟ نظام فلکی کے بے شمار اجزاء و عناصر میں یہ ترتیب اور باہمی تناسب کس کی حکمت و صنعت کے قیام سے زندہ ہے؟

رات اور دن کس طرح ایک برتر قانون کے اندر جکڑے نظر آ رہے ہیں؟ گرمی اور سردی، برسات، ہر موسم، انکے اندر مناسب وقت نپا تلا سا دور کرتا رہتا ہے؟ مختلف ملکوں میں انکے طلوع و غروب کے وقت کیسے بندھے ہوئے ہیں! یہ کبھی نہیں ہوتا کہ جس وقت کلکتہ میں دن نکلتا ہے، دمشق میں بھی دن نکل آئے۔ نہ یہ ہوتا ہے کہ افریقہ کی شام کبھی ایران کی شام بن جائے۔ جنوری میں جو اتنا اندھیرا چھا جانے لگے ہوتے ہیں، یہ نہیں ہوتا کہ جون میں وہی باقی رہ جائیں۔ آخر یہ رات دن کے بندھے ہوئے اور قانون کی زنجیر میں جکڑے ہوئے تغیرات کس کی حکومت قاہرہ اور حکمت کاملہ کی شہادت دے رہے ہیں!

بحر ذخار، سارے بر اعظموں کو اپنی گرفت میں لیے رہنے والا، رقبہ میں خشکی سے چہار چند، اپنی اس ساری عظمت و ہیبت کے باوجود، کس طرح مشت خاک انسان کے قبضہ میں آگیا ہے! کس طرح لکڑی کے تختوں کو جوڑ جاڑ کر، اُن میں لوہے کی کیلیں ٹھونک ٹھانک کر، اُن پر لوہے کی چادریں چڑھا کر انسان اسکے بڑے سے بڑے ٹکڑوں کو کاٹ کے رکھ دیتا ہے! اس میں مد و جزر جب ہوگا، قمری مہینے کی فلاں فلاں ہی تاریخوں پر ہوگا، اپنی ساری غضبناک تندی کے باوجود ایک خاص رقبہ کی حدود سے آگے نہ بڑھ سکے گا، ایک مخصوص و متعین ہی وزن کی چیزوں کو وہ اپنے اوپر تیرائیگا، اور اسکے علاوہ وزن والیوں کو ڈبو دیگا۔ اسکے پانی کا ایک مخصوص مزاج، خاص رنگ، خاص مزہ ہوگا۔ کنوئیں کے پانی، دریاؤں کے پانی سے مختلف، اس طرح کے سیکڑوں دوسرے قانونوں کا پابند اسے کس کی مشیت، کس کی قدرت، کس کی حکومت نے کر رکھا ہے؟

بارش کا خاص خاص فصلوں میں، خاص خاص موسموں میں یا خاص فضائی تغیرات کے ماتحت ہونا، بخارات کا ایک خاص گرمی پاکر سمندری ذخیرۂ آب سے اُٹھنا، ایک خاص فاصلہ تک اوپر جانا، ایک خاص درجہ کی سردی پاکر دخانی و ہوائی اجزاء کا منجمد ہو جانا، انکا بادل کی شکل اختیار کر لینا، ایک خاص درجہ ثقل تک بڑے بڑے بھاری اور بوجھل بادلوں کا فضا میں سنبھلے رہنا، پھر فلاں فلاں ہوائی تغیرات کے ماتحت فلاں علاقہ تک جانا، اور ایک بندھی ہوئی مقدار میں، ایک متعین وقت کے اندر برس پڑنا، اس سے از سر نو خشک زمین میں جان پڑ جانا، یہ سارے ادوار بجز کسی حکیم کی حکمت، کسی آمر کی حکومت، کسی قادر کی قدرت کی کیسی گویا ہوئی شہادت دے رہے ہیں!

پھر حیات نباتی کے علاوہ خود حیات حیوانی جن عجائب کا مجموعہ ہے، ہر ذرۂ جسم میں بیشمار ذروں اور خلیوں کا مجموعہ ہوتا ہے، انکی جو ایک

مخصوص ترتیب اور معین ترکیب ہوتی ہے - ایک خاص درجہ کی حرارت جو حیات کو قائم رکھتی ہے ایک خاص مقدار سے بڑھی ہوئی سردی جو اس کے میں ٹھٹھر اس اجتماع میں انتشار پیدا کر دیتی ہے، نظام تغذیہ، نظام تنفس، نظام تناسل، نظام عصبی، وغیرہ جسم کے اندر کے متعدد نظامات، پھر ہر نظام کے ماتحت بیشمار قاعدے اور ضابطے، اس سارے نظام اعظم کی تکوین و قیام پر کس کی قدرت، کس کی مشیت، کس کی حکومت کا فرما ہے؟

اس قسم کے سیکڑوں ہزاروں سوالات پر انسان جتنا زیادہ غور اور فکر و بینی سے کام لیا جائیگا، توحید اور توحیدی حکمتوں کا نقش دل پر اور زیادہ گہرا ہوتا جائیگا۔ جاہل اور بیرونی قوموں کے فلسفہ و رسانیس ... نقطۂ نظر غلط ہوتا ہے، اسکی اگر تصحیح ہو جائے اور ان علوم مادی کا مطالعہ اگر ایمانی نقطۂ نظر سے شروع کر دیا جائے، تو بجائے الحاد و ارتیاب و تشکک کے، عرفان و ایقان حق کی راہیں روز بروز روشن تر ہوتی جائیں -

مرشد تھانوی مدظلہ نے فرمایا ہے کہ آیت میں مصنوعات سے صانع پر استدلال ہے، اور یہی اصل ہے مراقبۂ صوفیہ کی۔

زندگی کے لیے سفر

(شمس آباد سے ... مولوی محمد زاہد الحسینی صاحبؒ مختصر سا سفرنامہ)

دیوبند اپنے روحانی مربی کی کفش بوسی سے مشرف ہو کر واپس آگیا ہوں، الله الله کیا ملا، تحریر سے باہر ہے - اور میں کیا وصول کر سکا وہ بھی ناگفتہ بہ ہے۔ انکی محبت بھی لا انتہا ہے اور میری بدبختی بھی بے نظیر، مگر یہ سعادت ہی کیا کم تھی کہ جناب فیض مآب کا دیدار ہوا۔ ہم خود خالق کائنات نے بھی تو سب کچھ نثار کرنے والے کو یہ انعام دینے کا وعدہ فرمایا ہے - مالیجاہا میرے پاس وہ طاقت نہیں کہ اس سفر کی برکات زیر قلم کروں - میں نے اسکا نام اپنی زبان میں زندگی کے لیے سفر منتخب کیا ہے - امید کہ جناب کو پسند ہوگا -

دیوبند حاضر ہوا - حضرت نے دیدار دیتے ہی فرمایا آپ کو کس نے کہا کہ یہاں آئیں - میرے جیسے گستاخ نے جواب میں خاموشی کب اختیار کرنی تھی فوراً عرض کیا آپ نے!

کھانا ساتھ کھایا اور حضرت مظفر گڈھ پنجاب ڈسٹرکٹ کانفرنس کی صدارت کو تشریف لے گئے - یہ سیہ کار قطب الارشاد کی آرامگاہ کی زیارت کو سہارن پور چلا - مولانا عبید الرحمن صاحب اخص مجاز حضرت عارف تھانوی اور صدر اعلیٰ مظاہر علوم واقعی رحمت کا ظل - آپ میں بدرجہ کمال موجود ہے میزبان ہوئے - یہ سیہ کار اور اللہ کی ایسی رحمتیں - اب بھی اگر اس بے حیا کو بدکاریوں سے رکتے ہوئے حیا نہ آئے تو بے حیائی کی بھی حد ہے - وہاں سے سیدھا گنگوہ شریف پہنچا - چھٹیمر راستہ میں آیا - در و دیوار اس امر کی شہادت دے رہے تھے کہ سنت نبی علیہ السلام بلکہ کائنات عالم کے قائم کل کو زندہ کرنے والے اس سرزمین میں گزرے ہیں راستہ میں ستر و بگھوں پر مندر اور بت خانے ملے جو اور سے بالکل جدا سے بعض غیر متشرع فقیروں کے ساغر سے تشنہ تھے -

اس سفر میں ایک خاص مسئلہ حل ہوا ہے کہ علمائے یو-پی کو بدعات کی تردید میں شدت اختیار کرنے پر جس چیز نے مجبور کیا تھا وہ علاقہ کی عام ذہنیت تھی[1] - بارک اللہ لہم و شکر اللہ سعیہم -

گنگوہ شریف پہنچا - حضرت حافظ یعقوب صاحب تعلقدار ... کے نواسے اہل بخت باد کے مصداق ہیں اور ما انا من المتکلفین کا مظہر ہیں - چائے نوشی کے بعد ایک آدمی ساتھ کر دیا - حضرت کے اس حجرہ کی زیارت کی جس میں علم و عرفان کا خزانہ قیام پذیر تھا اور جہاں سے عرب و عجم نے نور حاصل کیا تھا - اس حجرہ کی بنا ۹۴۰ھ کو حضرت ابراہیم لودھیؒ نے حضرت علامہ عبد القدوس رحمۃ اللہ علیہ کے لیے تیار کیا تھا - پھر قطب الارشاد نے اسے آباد کیا - پھر مزار قطب الارشاد پر حاضر ہوا - نور و رحمت برس رہی تھی، سادگی اور کمال شان عبدیت ظاہر تھی - اللہم احینی مسکیناً و امتنی مسکیناً و احشرنی فی زمرۃ المساکین یاد آیا - واپسی پر شیخ محبوب الٰہیؒ کا مزار تھا جسکے تعویذ پر یہ لکھا ہوا دیکھا کہ اسکو ایک ہندو لالہ پرشاد زرائش انبالوی نے بنوایا تھا - ممکن اگر مسلمان ہو تو اُسکی مٹی بھی غیروں کے ہاں مظلوم و کرم ہو سکتی ہے -

حافظ صاحب نے رات کو گنگوہ رکھا - عجیب ندامت ہوئی - ہاتھ خود علما نے بلکہ وضو کرتے ہوئے پوایان خود لاکر میرے پاؤں میں رکھ دیے - الغرض رات کو وہاں آرام کیا - صبح کو واپسی سہارن پور ہوئی - وہاں سے دیوبند آیا - حضرت مدنی کی خدمت میں چار دن رہا - اعزاز الملۃ والدین شیخ الادب نے خوب تکلف دعوت دی - دیگر اساتذہ نے عزت نوازی سے مشرف فرمایا - حضرت کے دربار سے تو بہت کچھ ملا دار العلوم کے کتبخانہ سے فائدہ اٹھایا - آخر ۱۸- ذیقعدہ کو واپس چلا آیا - حالات تو حد سے زیادہ ہیں مگر میری طاقت نہیں کہ لکھ سکوں - اور طبیعت بھی اجازت نہیں دیتی کہ آپ کا قیمتی وقت ضائع کروں - ہو المسک ما کررتہ یتضوع -

---

[1] مضافات سہارنپور کے علاقہ تو بہر بہت غنیمت ہیں - بدعات کا پورا زور اودھ اور اضلاع مشرقی میں ہے -

---

بقیہ فہرست خریداران صدق کی قدر شناسیاں

و ۱۲۰۰، و ۱۲۰۱، و ۱۲۰۲، و ۱۲۰۵

و ۱۲۰۸، و ۱۲۱۰، و ۱۲۱۱، و ۱۳۲۱

و ۱۳۲۳، و ۱۳۲۵، و ۱۳۲۶، و ۱۳۲۸

و ۱۳۲۹ -

مہتمم

کتاب العشر والزکوٰۃ پر ایک نظر

(از مولانا شاہ عز الدین صاحب ندوی پھلواروی)

صوبۂ بہار میں ایک ادارہ امارت شرعیہ کے نام سے قائم ہے جسکا دفتر پھلواری شریف میں ہے۔ یہ ادارہ اپنے ذاتی مسلک کے مطابق دین و ملت کی خدمات انجام دیتا رہتا ہے۔

ادارہ نے موقع بموقع مختلف رسالے اور مضامین زکوٰۃ و عشر سے متعلق شائع کیے ہیں۔ ابھی حال میں اس نے ایک کتاب "کتاب العشر والزکوٰۃ" کے نام سے شائع کی ہے، اور زبانی گفتگو میں اظہار رائے کی خواہش کی گئی ہے یا اجازت دی گئی ہے۔ کتاب میں نے از اول تا آخر کئی مرتبہ بغور پڑھی۔ کتاب میں تین ابواب میرے نقطۂ نظر سے زیادہ لائق توجہ ہیں، (۱) امام کی ولایت عامہ (۲) مسئلہ اموال باطنہ (۳) مسئلہ حمایت اسلام ان تین مباحث پر لائق مصنف نے اپنے زاویۂ نگاہ سے لمبی لمبی بحثیں کی ہیں۔ اور غالبًا یہی تین مباحث انکی کتاب کی جان یا شاہکار ہیں۔ لیکن ان تین اہم مسائل پر فاضل مصنف نے جو کچھ لکھا ہے وہ خود انکی تشفی کا سامان مہیا کرسکتا ہو لیکن عام علماء اسلام کے نزدیک صد درجہ محل نظر اور تشنۂ دلیل ہے

میں متوکلاً علی اللہ کافی عرصہ سے ایک ایسی کتاب تالیف کر رہا ہوں جو میرے نزدیک حرف آخر کا حکم رکھتی ہو۔ اور پھر اسے علماء اسلام کی خدمت میں اپنی آخری تشفی کے لیے پیش کروں۔ وما ذلک علی اللہ بعزیز۔

سردست میں کتاب العشر والزکوٰۃ کے دو مسئلوں پر کچھ لکھنا چاہتا ہوں۔ جن میں ایک کا تعلق فرضیت زکوٰۃ کی تاریخ سے ہے، اور دوسرے کا نقود و سونے چاندی کی زکوٰۃ سے۔

(۱) جناب مصنف نے امام کی ولایت عامہ کے ضمن میں یہ دعوے فرمایا ہے کہ امام کو اخذ زکوٰۃ و عشر کا حق محض ولایت عامہ (جو مصنف کے نزدیک صرف ایک روحانی سیادت کا نام ہے) کی وجہ سے ہے۔ یعنی امام کو زکوٰۃ کی وصولی کا حق اموال زکوٰۃ کی حفاظت و صیانت کے بدلے میں نہیں ہے بلکہ محض شرعی ولایت کی بنا پر ہے۔ یعنی وہ سبب الحمایت کے متفقہ اصول کی اس چودھویں صدی میں مجتہدانہ تردید فرما جاتے ہیں۔ اپنے اس دعوے کے ثبوت میں جہاں مختلف دلیلیں انھوں نے پیش کی ہیں، وہاں ایک عجیب و غریب دلیل وہ ہے جسے موصوف نے اپنی کتاب کے صفحہ ۹۲ میں پیش کیا ہے۔ فرماتے ہیں "سبب الحمایت کا تخیل تاریخی نقطۂ نظر سے صحیح نہیں"۔ اس دلیل کا خلاصہ یہ ہے کہ مصنف کے نزدیک چونکہ زکوٰۃ سنہ ۲ھ میں فرض ہوئی اور سنہ ۲ھ میں مسلمان اپنی جان و مال کی جہت سے مطمئن نہیں تھے، اور انکو امام کی بابت حاصل نہیں تھی، اس لیے حمایت امام کو وصولی زکوٰۃ کا سبب قرار دینا صحیح نہیں ہو سکتا۔ مجھے اسوقت صرف ایک سلسلہ فہمی کا ازالہ کرنا ہے کہ زکوٰۃ سنہ ۲ھ میں فرض نہیں ہوئی ہے اور یہ فاضل مصنف کی ایک تاریخی چوک ہے۔ اسکے بعد یہ مسئلہ از خود واضح ہو جائیگا کہ سبب الحمایت کے اصول کو اس سے کوئی نقصان پہونچتا بھی ہے یا نہیں۔

اسلام میں دو عبادتیں ایسی ہیں جنکا عہد نبوت سے ثبوت ملتا ہے ایک نماز دوسرے زکوٰۃ۔ اور اسی وجہ سے تقریبًا ۳۲ جگہوں میں نماز و زکوٰۃ ایک ساتھ مذکور ہیں، لیکن ہر جگہ زکوٰۃ کے معنی وہ مصطلح شرعی (قانونی زکوٰۃ) نہیں ہیں بلکہ عام خیرات و صدقات ہیں اور یہ عام (غیر قانونی) زکوٰۃ کا لفظ کہیں تو خود لفظ زکوٰۃ کے ساتھ مستعمل ہے کہیں حق و صدقات کے ساتھ۔ قرآن مجید میں جا بجا دونوں طریقے موجود ہیں۔ قرآن مجید کی ابتدائی سورتیں مثلاً سورہ مدثر میں ولا تمنن تستکثر، کسی پر احسان بدلا چاہنے اور تعریف سننے کے لیے مت کرو۔ یہاں بھی انفاق فی سبیل اللہ کا ذکر ہو رہا عام صدقہ کی تعلیم ہے۔ سورۂ مدثر کے بعد سورۂ مزمل نازل ہوا۔ یہاں بھی اقیموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ فرمایا گیا نماز میں قائم کرو اور زکوٰۃ ادا کرو۔ یہاں بھی صاف انفاق فی سبیل اللہ مراد ہے۔ پھر سورۂ بلد میں بھی او اطعام فی یوم ذی مسغبۃ یتیما ذا مقربۃ او مسکینا ذا متربۃ۔ اور بھوک کے دنوں میں رشتہ کے کسی بن باپ کے بچے کو یا خاک میں پڑے ہوئے کسی محتاج کو کھانا کھلانا۔ یہ آیت بھی مکی ہے، اس میں بھی اللہ کے راستہ میں خرچ کرنے کی ترغیب ہے۔ سورۂ دہر میں ویطعمون الطعام علیٰ حبہ مسکینا ویتیما واسیرا وہ مال کے ضرورتمند ہونے کے باوجود محتاج یتیم، اور قیدی کو کھانا کھلاتے ہیں۔

ان مختلف آیتوں سے یہ بات واضح ہو گئی کہ مختلف انداز میں انفاق فی سبیل اللہ کی تعلیم ابتداء اسلام سے جاری تھی۔ اب مسلمانوں کے مختلف مکالموں اور ضروریات دین کی تبلیغ میں نظر فرمائیے تو وہاں بھی یہ زکوٰۃ موجود نظر آئیگی۔ بعثت کے پانچویں سال جب حضرت جعفر طیار سلسلۂ ہجرت حبشہ گئے اور نجاشی نے اسلام کی تعلیم دریافت کی تو انھوں نے احکامات اسلام میں زکوٰۃ کا بھی تذکرہ کیا اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اسی سنہ بعثت میں وفد عبد القیس کے سامنے منجملہ اوامر و نواہی دین کے زکوٰۃ کا بھی تذکرہ کیا۔ سنہ ۶ بعثت میں نجاشی کے پاس آنحضرت نے نامۂ مبارک بھیجا تو نجاشی نے حضرت ابو سفیان رضؓ کی موجودگی میں حضرت جان کرام سے اسلام کی تعلیم پوچھی تو انھوں نے اور تعلیمات کے ضمن میں زکوٰۃ و صدقہ کا بھی ذکر کیا (اگرچہ وہ خود اسوقت تک مسلمان نہیں ہوئے تھے) ان تفصیلات سے بھی معلوم ہوا کہ لفظ زکوٰۃ (مشروع اور قانونی طریقۂ زکوٰۃ کے حکم سے پہلے بھی) استعمال کیا جاتا رہا۔

یہ تو مکی زندگی کا حال تھا۔ جب مدنی زندگی کا آغاز ہوا اور انصار و مہاجرین نے مواخات کی اور کچھ کاروبار کا موقع ملا تو سنہ ۲ھ میں صدقۃ الفطر واجب ہوا اور پھر صدقہ و خیرات کی کی تعلیم کی تاکید کی جاتی رہی۔ بشر شناس کی روایت پر کہ وہ کیا خیرات کریں،

سورۂ بقرہ کی یہ آیت نازل ہوئی۔ ویسئلونک ماذا ینفقون۔ لوگ آپ سے پوچھتے ہیں کہ وہ کیا خیرات کریں۔ فرما دیجیے کہ ضرورت سے فاضل۔ پھر بقرہ کی متعدد آیتیں اسی مطلب کی نازل ہوئیں۔ مثلاً یا ایہا الذین آمنوا انفقوا من طیبات ما کسبتم۔ اے مسلمانو! اپنی کمائی کی اچھی اور پاک چیزیں خیرات کرو۔ اور ومما رزقنٰہم ینفقون اور ہم نے انھیں جو رزق دیا ہے اس سے وہ خیرات کرتے ہیں۔ مسلمانوں کی مدنی زندگی میں خیرات و صدقات و زکوٰۃ کی مسلسل تعلیم اور تذکرے نے بعض علمائے تاریخ و حدیث کو پریشانی میں ڈالا اور لفظ زکوٰۃ کو دیکھ کر انھیں اشتباہ پیدا ہوا اور انھوں نے اسے قانونی زکوٰۃ سمجھ کر سنہ فرضیت میں دھوکا کھایا۔ اسی لیے بعضوں نے ۲ھ کو فرضیت زکوٰۃ کی تاریخ قرار دیا۔ حالانکہ سنہ ۲ھ دوسرے نظرہ صدقۃ الفطر کی تاریخ تھی۔

زکوٰۃ کے مسائل کی سب سے آخری شرح اور قانونی حیثیت دو آیتیں ہیں اور اتفاق سے دونوں سورۂ توبہ یا براءت میں موجود ہیں۔ پہلی انما الصدقات للفقراء والمساکین والعاملین علیہا الخ۔ اور دوسری خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم وتزکیہم بہا۔ پہلی آیت سنہ ۹ھ کے آخر میں نازل ہوئی جبکہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے زکوٰۃ کی تشکیل فرمائی۔ دوسری خذ من اموالہم صدقۃ تطہرہم الخ قطع نظر اس بحث کے کہ اس سے صرف وہ منافقین مراد ہیں جنھوں نے بعد میں توبہ کرلی تھی یا عام مسلمان، جمہور مفسرین کی یہ رائے ہے کہ یہ آیت غزوۂ تبوک کے ان مسلمانوں کی شان میں ہے جو غزوہ میں شریک نہ ہوسکے تھے اور غزوۂ تبوک ۹ھ میں ہوا۔ الغرض زکوٰۃ قانونی کی فرضیت ۹ھ میں ہوئی اور اسی آیت انما الصدقات الخ نے اسکے مصارف کی تعیین کی اور باضابطہ اسکی شرح، مقدار، شرائط کا اعلان ہوا اور پھر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ۹ھ کی ابتدا میں بروایت ابن القیم و طبقات ابن سعد عاملین صدقہ کا تقرر فرمایا۔

ولما قدم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم المدینۃ ودخلت سنۃ تسع بعث المصدقین یاخذون الصدقات من الاعراب۔ جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم مدینہ تشریف لائے اور ۹ھ شروع ہوا تو مصدقین کو اعراب سے زکوٰۃ وصول کرنے کے لیے روانہ فرمایا۔

قال ابن سعد قالوا لما رای رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہلال المحرم سنۃ تسع بعث المصدقین یصدقون العرب۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے محرم ۹ھ کا چاند دیکھا تو عربوں سے وصولی صدقات کے لیے مصدقین روانہ کیے۔

تو معلوم ہوا ۸ھ بعد الفتح سے ۹ھ تک زکوٰۃ کی آئینی و قانونی تشکیل ہوتی رہی اور بیت المال کا قیام، محصلین کی روانگی اور انکو ہدایات ملتی رہیں۔ اس تشریح کے بعد یہ بات حد درجہ قابل غور ہے کہ اگر زکوٰۃ (شرعاً قانونی) ۲ھ میں فرض ہوئی تو اس وقت مصارف زکوٰۃ کی آیت بھی نازل نہیں ہوئی تھی نہ عاملین صدقہ کا تقرر ہوا تھا۔ آخر سرور عالم صلی اللہ علیہ وسلم ۲ھ سے ۸ھ تک اسکو جمع اور تقسیم کس طرح فرماتے تھے اور اس مدت میں آپ کا کیا عامل رہا جبکہ نہ مصارف زکوٰۃ متعین تھے نہ عاملین کا تقرر ہوا تھا نہ باضابطہ کے طور پر بیت المال ہی تھا اور نہ اسکے مصارف زکوٰۃ متعین تھے۔ اس لیے یہ خیال کرنا کہ زکوٰۃ ۲ھ میں فرض ہوئی تھی اور وہ امن اور نظام اسلام کی استواری کا زمانہ نہیں تھا اور آنحضرت قوم کی صیانت و حفاظت پر قادر نہ تھے اس لیے حق وصولی زکوٰۃ کو حمایت و حفاظت کی علت قرار دینا صحیح نہیں، سرے سے ناقابل قبول ہے۔ جبکہ زکوٰۃ (شرعاً قانونی) ۲ھ میں نہیں ۹ھ میں فرض ہوئی اور ۸ھ میں مکہ معظمہ فتح ہوچکا تھا اور اسلام کو مادی طاقت حاصل ہوچکی تھی جسکا صاحب کتاب کو خود اعتراف ہے۔ اس وضاحت کے بعد اب فرضیت زکوٰۃ کی غلط تاریخ کو بنیاد قرار دے کر بسبب الکلالت کے مضبوط اور مستحکم مسئلہ کو رد کرنا کسی طرح درست نہیں۔ نیز بسبب الکلالت کے مسئلہ پر علیحدہ سے جو کچھ لکھا جا رہا ہے اس سے اہل علم اندازہ فرمائینگے کہ بسبب الکلالت کے نظریہ وصول کی تردید میں جو دلائل پیش کیے گئے ہیں وہ کتنا وزن رکھتے ہیں اور انکی کیا حیثیت ہے۔

فاضل مولف اگر اس سلسلہ میں سیرۃ النبی جلد پنجم بھی ملاحظہ فرما لیتے تو شاید یہ فرو گذاشت نہ ہوتی۔ اور بالفرض اگر یہ مان بھی لیا جائے کہ زکوٰۃ ۲ھ میں فرض ہوئی ہے تو بھی عاملین صدقہ کا تقرر اور مصارف زکوٰۃ اور عاملین کو ہدایتیں یہ سب تو اس ۹ھ تک عمل میں آئیں جو اسلام کی مادی طاقت کا زمانہ تھا۔ اس لیے زکوٰۃ کی فرضیت کی تاریخ خواہ کچھ ہو بسبب الکلالت کے مسئلہ پر اسکا کوئی اثر نہیں پڑتا اور وصولی زکوٰۃ کا حق امام کو صیانت و حمایت قوم کی بنا پر ہوتا جو بہر حال اجماعی مسئلہ ہے اپنی جگہ پر برقرار رہیگا۔ ہمیں امید ہے کہ لائق مصنف اپنے اس خیال پر نظر ثانی فرمائیں گے۔

(۲) چاندی کا نصاب دو سو درم ہے۔ لیکن یہ معلوم کرنا ذرا دشوار ہے کہ دو سو درم کی ہندوستانی حساب سے کیا مقدار ہوگی۔ کیونکہ درم کی مقدار کو قیراط اور جو وغیرہ سے معلوم کرلینے کے بعد اور پھر تولہ اور ماشہ کی طرف تحویل کرنے میں بھی دقتیں پیش آتی ہیں اسی لیے ہندوستانی وزن کی جہت سے علماء کا اختلاف رہا ہے۔ ایک صورت تو یہ ہے کہ جو درم زکوٰۃ وغیرہ میں معتبر ہے وہ فقہاء کی تصریح کے مطابق دس درم سات مثقال کے برابر ہوتا ہے۔ اس حساب سے دو سو درم ایک سو چالیس مثقال کے برابر ہے۔ اور ایک مثقال کا فقہی وزن سو جو کے برابر ہوتا ہے اور سو ہندوستانی جو کا ہندوستانی

[۱] زاد المعاد ابن القیم مطبع نظامی کانپور۔
[۲] بواسطہ ابن القیم۔

وزن ۴ ماشہ ایک صحیح ۱/۵ رتی ہے۔ اس حساب سے ایک سو چالیس مثقال جو دو سو درم کا ہم وزن ہے۔ ہندوستان کے سناری وزن کے مطابق ۳۶ تولہ ۵ ماشہ قریب چار رتی کے ہوا۔ اور یہی چاندی کا نصاب ہے۔ صاحب کتاب العشر والزکوٰۃ نے اسی رائے کو معتبر قرار دیا ہے اور ادائے زکوٰۃ میں اسی رائے کو احوط بتایا ہے۔ نیز حضرت مولانا عبدالحی رحمۃ اللہ علیہ سرخ اور جو کے تقابل سے جو حساب نکالا ہے اس کا ماحصل بھی یہی ۳۶ تولے ۵ ماشے قریب ۴ رتی کے ہوتا ہے۔ لائق مصنف اس مقدار کو تو صحیح مانتے ہیں لیکن مولانا عبدالحی صاحب نے جس بنیاد پر اسے صحیح بتایا ہے اُسے تسلیم نہیں کرتے۔ پھر مولانا مفتی کفایت اللہ صاحب نے جو مقدار بتائی ہے اس سے وہ متفق نہیں۔ لیکن عرض یہ ہے کہ اس حساب دو وقت طراز رجحان بین کے سلسلہ میں اس اصلی بنیادی بات کی طرف علماء امارت نے توجہ نہیں کی جو اس سلسلہ کی مضبوط کڑی تھی۔

اصل یہ ہے کہ عمومی طور پر جو سے ہندوستان کے جو سمجھے گئے اور یہی ہندوستانی سو عدد جو ایک مثقال کے برابر ہوئے مگر یہ بات ذہن میں نہ رہی کہ فقہاء نے جن سو عدد جو کو ایک مثقال کے برابر بتایا ہے وہ انکے اپنے ملک کے جو تھے جو ہندوستان کے جو سے ڈیڑھ گونہ بڑے ہوتے ہیں اور راقم الحروف نے پنجاب اور بہار کے غلوں کو مقابلہ کرکے وزن و حجم میں کافی چھوٹا بڑا محسوس کیا ہے اسکا بین ثبوت کابل اور ہندوستان کے چنے کے تقابل سے ملتا ہے۔ اس لیے سو ہندوستانی جو کا وزن ۳ ماشہ ایک صحیح ۱/۲ رتی ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ سو عراقی یا اور اور مصری جو بھی ۳ ماشہ ایک صحیح ۱/۲ رتی کے برابر ہو جائیں۔ اس چیز کو سمجھ لینے کے بعد اب اگر ایک کابلی یا عراقی یا اور اور النہری جو کو ایک ہندوستانی سے ڈیڑھ گونہ بڑا قرار دے کر حساب کیا جائے تو وہ سو جو ساڑھے چار ماشہ کے برابر ہو جاتے ہیں اور اس طرح ایک مثقال ساڑھے چار ماشہ کا ہوتا ہے اور اس مثقال کا ملی وزن بھی ساڑھے چار ماشہ ہے۔ لہذا دو سو درم یعنی ایک سو چالیس مثقال ساڑھے باون تولہ چاندی ہوئی تو سال تمام ہونے پر اسے اسکا چالیسواں حصہ یعنی ایک تولہ ۳ ماشہ ۶ رتی زکوٰۃ دینی ہوگی۔

نصاب کی جہت سے یہ وہ صحیح مقدار ہے جس پر عمل کرنا اور عمل کے لیے پیش کرنا ضروری معلوم ہوتا ہے اور اس مقدار سے کم کوئی مقدار صحیح نہیں ہو سکتی اور اب احوط و غیر احوط کا کوئی سوال ہی پیدا نہیں ہوتا جبکہ سرے سے ۳۶ تولے ۵ پانچ ماشہ ۴ رتی مقدار نصاب بن ہی نہیں سکتے۔ اور بالفرض اگر اسے احوط مان بھی لیا جائے تو کیا جہاں قوم کو اداے احوط کی تعلیم دی جا رہی ہے وہاں دوسری صورت میں مسلمانوں کا مال بغیر حق اللہ حاصل کرنے یا صرف کرنے کی وعید کا خطرہ نہیں پیدا ہوتا۔ احتیاط تو اس موقع پر کی جا سکتی ہے جہاں مقدار نصاب میں تھوڑا فرق ہو۔ اور جہاں اتنا کافی تفاوت ہو وہاں احتیاط کے کیا معنی۔

اس تفصیل کے بعد ۳۶ تولے ۵ ماشے قریب ۴ رتی کو چاندی کا مقدار نصاب قرار دینا کسی طرح بھی صحیح نہیں معلوم ہوتا۔

اس موقع پر بھی جناب فاضل مصنف سے امید ہے کہ وہ اپنی رائے پر نظر ثانی فرمائیں گے۔ ربنا لا تؤاخذنا ان نسینا او اخطأنا۔ وصلی اللہ تعالیٰ علی خیر خلقہ محمد و آلہ و اصحابہ اجمعین۔

صدق۔ مضمون، صاحب مضمون کی شخصیت کے احترام میں شائع کر دیا گیا۔ ورنہ فقہ کی ایسی جزئی تدقیقات صدق کے موضوع سے خارج ہیں۔

بیمہ کی شرعی حیثیت

(مولانا مفتی کفایت اللہ کا فتویٰ)

ایک کتاب "بیمہ اور اسلام" مولانا چودھری محمد بلال نظر سے گزری جسے بیمہ کمپنیاں جواز کی صورت میں پیش کرکے لوگوں کا بیمہ کر رہی ہیں۔ اس کتاب کے صفحہ ۹۰ پر حضرت مفتی محمد کفایت اللہ صاحب دہلوی کے فتوے کی حذف شدہ عبارت درج کی ہوئی ہے۔ وہو ہذا:۔

"لیکن جو لوگ کہ ہندوستان کے دارالحرب ہونے کی بنا پر مباح قرار دیتے ہیں۔ اُنکے لیے بھی گنجائش ہے۔ کیونکہ ہندوستان کا دارالحرب ہونا ہی راجح ہے"

اس پر حضرت مولانا موصوف سے درخواست کی گئی کہ آپ شریعت اسلامیہ کی روشنی میں اپنی مفصل رائے سے اطلاع بخشیں۔ چنانچہ حضرت مولانا موصوف کا حسب ذیل جواب آیا:۔

"بیمہ کی حقیقت ربا اور قمار سے مرکب ہے۔ اور یہ دونوں حرام ہیں۔ اس لیے بیمہ بھی ناجائز اور حرام ہے۔ میری طرف جو عبارت منسوب کی ہے وہ ایک طویل بحث کے چند فقرے ہیں۔ دارالحرب قمار یا سود کے ذریعہ کفار سے رقم حاصل کر لینے کی تو اباحت ہے۔ مگر بیمہ کمپنیوں میں تو ہزاروں مسلمان بھی شریک ہوتے ہیں۔ اور انکی رقم بھی شامل ہوتی ہے۔ اور اس بنا سے تمام شرکاء کو خواہ وہ مسلم ہوں یا کافر انٹرسٹ دیا جاتا ہے۔ تو گویا مسلمان مسلمان سے بھی سود لیتا ہے۔ اس لیے دارالحرب کے مسئلے سے بیمہ کا جواز مشتبہ ہے۔ دستخط محمد کفایت اللہ کان اللہ لہ (مترجم)

خریداران صدق کی خدمت میں

مندرجہ ذیل اصحاب کی میعاد خریداری ماہ جنوری ۱۹۲۹ء میں تمام ہو رہی ہے۔ براہ کرم آئندہ کے لیے چندہ ارسال فرمائیں۔ ورنہ یکم فروری ۱۹۲۹ء کو وی پی روانہ ہونگے۔ اس صورت میں ۸ رفی وی پی زائد خرچ ہوگا۔

خریدار ۲۲۰، ۳۴۳، ۴۹۱، ۵۹۹، ۶۹۰، ۶۹۵، ۷۲۰، ۷۲۱، ۷۴۳، [illegible]، ۹۰۸، ۹۲۰، ۱۰۴۶، ۱۱۹۳، ۹۶، ۱۱۹۹

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِهٖۤ اُولٰٓئِكَ هُمُ الْمُتَّقُوْنَ

اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں

اڈیٹر: - عبد الماجد
پتہ: - دریاباد - ضلع بارہ بنکی
نائب: - (حکیم) عبد القوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت اڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجیے: -
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
مرشد آباد بلڈنگ - گولہ گنج - لکھنؤ

چندہ سالانہ: پانچ روپیہ
ششماہی تین روپے
بیرون ہند سے سالانہ
قیمت فی پرچہ ۱؎

صدق

نمبر ۳۵ | دوشنبہ محرم الحرام ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۵ جنوری ۱۹۴۵ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

الشہر الحرام بالشہر الحرام۔ قرآن مجید کی آیت کا ٹکڑا ہے۔ ذکر حرمت والے مہینوں کا ہے۔ یہ ادب و حرام یا حرمت والے مہینے کیا چیز ہیں؟ — قمری عربی سال کے چار مہینے، محرم، رجب، ذی قعدہ، ذی الحجہ، وہ تھے جن میں عرب میں لڑائی اور ہر قسم کی لوٹ مار موقوف رہتی تھی۔ مہینوں کی یہ حرمت، اسلام کی قائم کی ہوئی نہیں، اسلام نے اسے صرف برقرار رکھا تھا۔ دستور یہ جاہلی قبیلوں کا تھا۔ عرب جاہلی کے قبیلے جنگجوئی میں آج تک ضرب المثل چلے آتے ہیں۔ خوب لڑتے، خوب جھگڑتے، خوب لوٹ مار کرتے گویا یہی مشغلۂ زندگی تھا۔ لڑائی چھڑ جاتی، تو بیس برسوں نہ ختم ہوتی۔ یہ قبیلہ اُسکا معاون بن گیا، اُس نے اسکے ساتھ اتحاد کر لیا۔ عمریں، پشتیں جنگ ہی میں گزر جاتیں۔ آج اس نے اُس پر تاخت کی، کل اُس نے اسکا صفایا بول دیا۔ اس سارے ذوقِ خونریزی اور جنونِ خون آشامی کے باوجود، بارہ مہینوں میں پورے چار مہینے صلح و امن کے گزرتے تھے۔ سال کی پوری ایک تہائی چین سے گزرتی۔ جنگ کا کھٹکا نہ رہتا، اور ڈیڑھ ہزار کا وحشی و غیر مہذب انسان اطمینان کی نیند سو سکتا۔

ایک جاہلیت، موجب صد ننگ و رسوائی، جاہلیت وہ تھی۔ ایک آج کی، بیسویں صدی کی، مہذب ہی نہیں، مہذب ترین قوموں کی ہے! جنگ کا چھٹا سال چل رہا ہے، تلوار، خنجر اور نیزہ و رمح، توپ کے گولوں، بندوق کی گولیوں، ہوائی بمباریوں، بری، بحری، ہوائی ہر قسم کی آتشباریوں کی جنگ کا چھٹا سال چل رہا ہے۔ مہذب جنگ آزماؤں نے بھی اس دوران میں کبھی تعطیل منائی؟ سال میں چار مہینے نہ سہی، ایک مہینہ بھی حرمت والا کبھی انکی جنتری میں آیا؟ مہینہ کا بھی ذکر چھوڑیے۔ کسی ایک ہفتہ، کسی ایک دن کا بھی احترام انکی توپوں، انکے طیاروں، انکی آبدوزوں نے کیا ہے؟ کرسمس (بڑے دن) کا مقدس دن بھی انکے ہاں آیا اور گزر گیا، انکی تقویم کے سال نو کے یوم سعید (نوروز) کا آفتاب بھی انکے سروں پر طلوع ہوا اور غروب ہو گیا۔ ایسٹر کی چھٹیاں بھی انکی کچہریوں اور دفتروں اور مدرسوں میں ہوتی رہیں، ان میں سے کسی کا کچھ بھی اثر انکی آتش افشانیوں پر، انکے آتش فشاں کارخانوں پر، انکی خون آشام کارروائیوں پر پڑا؟ —— اور حال یہ ہے کہ (بجز ایک جاپان اور پھر چین کے) یہ سب کے سب "عیسائی" ہیں! اپنے کو شاہِ امن "مسیح" کا پرستار بتاتے ہیں، وہ اپنی مسیحیت پر فخر کرتے رہتے ہیں!

جاہلیت عرب کو جتنا بُرا بھلا چاہے کہہ لیجیے، سمجھ لیجیے۔ لیکن بہرحال وہ نقش اول ہی تھی۔ جاہلیت فرنگ اسکا ترقی یافتہ، بہت زیادہ، کئی گنا ترقی یافتہ نقش ثانی ہے! یہ ترقیاں بھلا اُسے کب نصیب تھیں — عارف و حکیم، اکبر الہ آبادی تو اسکے قائل تھے، کہ اپنی بعض "ترقیوں" کے لحاظ سے، شیطان کے لاڈلے تو خود شیطان کو بھی بہت پیچھے چھوڑ آئے ہیں! ؎

اُسے اقرار اِخفا ہے یہ اغوا کر چھپاتے ہیں
علیہ اللعن ہے شیطان لیکن اُن سے اچھا ہے

بہت سہل تھا مصرعۂ ثانی ہے اسے اکبر — اشارہ ہے کہ شیطان آخر کن سے اچھا ہے؟

اللّٰہم اَرِنا الحق حقاً وارِنا الباطل باطلاً۔ اے اللہ ہمیں چیزوں کو انکی اصلی حالت

میں، گویا حق، حق ہی نظر آنے اور باطل باطل۔ ورنہ ہم تو یہی سمجھیں اور تاریکی ہی تاریکی ہی دکھائی دے! نہ ہو کہ ہم زہر کو قند سمجھیں، اور خون بہانے پر فرشتۂ رحمت کا گمان کرتے رہیں! ؎

اے چہ در کون ست اشیا ہر چہ ہست — داں نما جاں را بحر صورت کہ ہست
آب خوش را صورت آتش مدہ — اندر آتش صورت آبے منہ

تصویر اور شریعتِ اسلامی

دہلی سے ایک ماہنامہ قوم نکلتا ہے، اُسکے جنوری نمبر میں رسالہ طلوع اسلام (دہلی) کے حوالہ سے مولانا سید سلیمان ندوی کے ایک بہت پرانے مضمون کا ملخص جوازِ تصویر کشی سے متعلق شایع ہوا ہے، اور طلوع اسلام نے خود بھی جوازِ تصویر کشی کی تائید کی ہے۔

کوشش خوب افسوسناک اور مغالطہ آمیز ہے۔ سید صاحب کا مضمون آج سے ۲۵-۲۶ سال قبل ۱۹۲۴ء کا لکھا ہوا ہے۔ اُس وقت اُنکی تحقیق اس باب میں کمل اور اجتہاد اس مسئلہ میں صائب نہ تھا ——— دنیا کے کسی بڑے سے بڑے فاضل اور محقق کا اجتہاد اپنی عمر اور علم کے ہر دور میں یکساں صائب رہا ہے؟ ——— سن کے اضافہ اور فکر و نظر کی پختگی نے سید صاحب کو اپنی رائے کی نظر ثانی پر مجبور کر دیا، اور جنوری ۱۹۴۳ء کے معارف میں حق پسندی کی جرأت کے ساتھ "رجوع و اعتراف" کے زیر عنوان اُنھوں نے اپنے مسلک سے رجوع کا اعلان شایع فرما دیا ہے! حیرت ہے کہ انکا اتنا قدیم مضمون "ریسرچ" سے کام لیکر ڈھونڈھ نکالا جائے اور انکے تازہ اعلان سے یوں اغماض برتا جائے!

سید صاحب کے اس رجوع نامہ کے ساتھ بہتر یہ ہوتا کہ مولانا ابو الکلام کا بھی یہ دلیرانہ اعلان پیش نظر رہے:—

"تصویر کا کھنچوانا، رکھنا، شایع کرنا سب ناجائز ہے۔ یہ میری سخت غلطی تھی کہ تصویر کھنچوائی تھی، اور الہلال کو باتصویر نکالا تھا۔ اب اس غلطی سے تائب ہو چکا ہوں۔ میری پچھلی غلطیوں کو چھپانا چاہیے، نہ کہ ازسرِنو تشہیر کرنا چاہیے۔" (تذکرہ ابو الکلام۔ ص [illegible])

حدیث نبوی میں سخت وعیدیں تصویروں اور مصوروں کے باب میں آئی ہیں، اُنکے استحضار کے بعد مشکل ہی سے کسی متدین و متقی مسلمان کو جرأت فتوائے جواز کی ہو سکتی ہے۔ اور یہ استدلال تو بالکل ہی بودا ہے کہ وہ احکام دستی تصویروں کے متعلق ہیں نہ کہ فوٹو کے۔ دونوں قسمیں بہرحال تصویر ہی کی ہیں۔ جاندار کی صورت کے ابھار نقش کی ہیں۔ اصل کے لحاظ سے دونوں میں کوئی فرق نہیں، اور شرعی حکم دونوں کے حق میں اسی طرح یکساں ہے، جیسے دیہات کی ہاتھ کی بنائی ہوئی [illegible] کی "دارو" (شراب) اور ولایت کی آلات سے کشید کی ہوئی اعلیٰ درجہ کی مقطر شراب انگوری یا اسپرٹ کے حق میں یکساں۔

مولانا احمد علی لاہوری (امیر خدام الدین) کے مختصر رسالہ "فوٹو کا شرعی فیصلہ" کے آخر میں مسئلہ تصویر کشی پر ۳ بڑی تحریریں علامہ انور شاہ کشمیری اور مولانا حسین احمد صاحب مدنی اور دوسرے اکابر کا مضمون کی شامل ہیں، اور سب سے زیادہ قابل اعتماد و قابل مطالعہ تحریر اس باب میں مولانا [illegible] صاحب دیوبندی کا رسالہ "التصویر فی احکام التصویر" ہے۔ [illegible] کرم اسکا ضرور مطالعہ کرلے۔

فرنگی تمدن کہنا چاہیے کہ تمام تر تصویری تمدن ہے، اور ہم اگر اُن کی فوٹوگرافی کا شوق یا اس کی وقعت و عزت تمام تر فرنگی تہذیب سے مرعوبیت کا نتیجہ ہے۔ آج فرنگستان کروڑوں نہیں، اربوں روپیہ ہر سال جو تصویروں پر بے تحاشہ صرف کر رہا ہے، اور اپنے اخلاق اور فکری قوت دونوں کو اس ذریعہ سے تباہ کر رہا ہے، اسکی داستان جسقدر طویل ہے اُسی قدر عبرت انگیز ہے۔ حیف ہے کہ ہم بجائے اُس سے عبرت حاصل کرنے کے الٹا اُسی کو اپنے لیے دلیل راہ بنا لیں؟ ——— تصویر کشی، نقاشی اور مجسمہ سازی کو ہندو تہذیب، بدھسٹ تہذیب، غرض ہر قدیم جاہلی تہذیب میں جسقدر قریب کا تعلق ایک طرف شرک و بت پرستی سے، اور دوسری طرف فسق و فحش کاری سے رہا ہے، اسکا کچھ اندازہ آج بھی غار ایلورا، غار اجنٹہ کی دیواری تصویروں کے مشاہدہ سے ہو سکتا ہے! شریعت اسلامی کی گہری حکیمانہ نظر نے چن چن کر تہذیب جاہلی کے ایک ایک شعار، ایک ایک یادگار کو مٹایا ہے۔

سنیما کی برکتیں!

"پچاس سال اُدھر گرجا میں آنے والے متانت سے بیٹھتے اور دعا و وعظ سنتے تھے۔ اُس وقت اُنکے ذہن کو منتشر کرنے والی اتنی چیزیں نہ تھیں، اور وہ توجہ کچھ دیر تک ایک موضوع پر قائم رکھ سکتے تھے۔ اب توجہ میں مرکزیت باقی کہاں، یہی سبب ہے اب تو یہ قوت بھی کمزور پڑ گئی ہے۔ اور جب تک مسلسل ہیجانی اور ڈرامائی مناظر سامنے آتے نہ رہیں، کسی چیز میں دل ہی نہیں لگتا ——— یہ آج

۱۳- دسمبر کو لندن میں مانچسٹر کے بڑے پادری ڈاکٹر سلوین (SELWYN) نے سنیما کی ہجو و مذمت میں کہا۔" (پائنیر لکھنؤ ۱۴- جنوری ۱۹۵۱ء)

پادری صاحب بیچارہ کو صرف اپنے وعظ کے سامعین کی پڑی ہے! کاش سنیما کے اثرات صرف کلیسا میں حاضری کی کمی تک محدود رہے ہوتے! کیا پادری صاحب کو خبر نہیں، کہ خود انھیں کے وطن نیز امریکہ، جرمنی، وغیرہ کے کتنے فاضل MOVIES اور MOTION PICTURES کے اثرات سے متعلق کس کثرت سے رپورٹیں شایع کر چکے ہیں! [illegible] میں سنیما کے مجرمانہ اثرات سے متعلق کیا کچھ بیان نہیں ہو چکا ہے! ڈاکٹر کال (COLE) پی ایچ ڈی امریکی اپنی مستند و مفصل کتاب سائیکالوجی آف اڈلیسنس (PSYCHOLOGY OF ADOLESCENCE) "نفسیات نوعمری" میں ایک طویل بحث کے بعد بطور خلاصہ کے لکھتے ہیں:—

"جس عمر میں لڑکوں اور لڑکیوں میں جذبۂ جنسی بیدار ہونے لگتا ہے

کے ایک اور مجموعہ ثلاثیات اور ایک مشتبہ تفسیر القرآن کے علاوہ ان کی جانب سے ایک اور رسالہ تنویر العینین فی رفع الیدین فی الصلاۃ کے نام سے بھی منسوب ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام - جلد اول صفحہ ۷۸۳ و ۷۸۴)

محمد بن اسمٰعیل البخاری (۸۱۰ء تا ۸۷۰ء) حدیث محمدی کے مشہور ترین مجموعہ کے مصنف۔ بخارا میں ایک ایرانی خاندان میں ۱۹۴ھ میں پیدا ہوئے۔ اٹھارہ سال کی عمر تک پہونچتے پہونچتے وہ احادیث کی نقل و جمع و تحقیق میں کمال حاصل کر چکے تھے۔ پھر انہوں نے عالم اسلامی کی سیاحت مصر سے سمرقند تک کی۔ وہ روایت ہے کہ ایک ہزار آدمیوں سے زائد سے انہوں نے تین لاکھ حدیثیں صحیح و موضوع سماعت کیں۔ وہ عقائد میں جمہور پسند تھے، اور عقلیت کے قائل نہ تھے۔ اور احمد بن حنبل کے دوست اور محترم تھے۔ فقہ میں وہ غالباً شافعی تھے۔ سولہ سال کی سیاحت کے بعد وہ بخارا واپس آئے، اور جب اپنی صحیح تیار کی۔

(۲۷۶۲) مستند حدیثوں کا مجموعہ ہے اور ابواب میں اس طرح مرتب کیں کہ بغیر کسی متداول فقہی مسلک کی ماتحتی کے خود ایک مسلک فقہی بن جاتا ہے۔ ۲۵۶ھ میں مضافات سمرقند میں خرتنگ میں وفات پائی۔ جہاں وفات پائی۔ صحیح کو مسلمانوں میں قرآن کے بعد ہی تقدس حاصل ہے اور مزار ایک زیارت گاہ ہے۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۴۔ صفحہ ۳۴۳ طبع چہاردہم)

جب وہ اپنے خاندان کے ساتھ حج کو گئے تو بخارا سے مکہ تک راستہ میں برابر حدیثوں کی سماعت کرتے گئے۔ اس میں شبہ نہیں کہ وہ اپنے فن کے مسلم امام ہو گئے۔ ان کا حافظہ اور استحضار اس غضب کا تھا کہ اُنکے معاصرین کو ایک کرامت نظر آتا تھا۔ انکی تربت پر زائرین جوق جوق جمع ہوتے ہیں اور یقین یہ کیا جاتا ہے کہ وہاں دعائیں کرنے پر قبول ہو جاتی ہیں۔ (انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا، جلد ۴ صفحہ ۳۴۵ طبع یازدہم)

بخاری نے اپنی صحیح کا نسخہ ۲۵۶ھ (۸۷۰ء) سے قبل ہی شایع کر دیا، اور مسلم نے بھی اپنی صحیح کا، اسکے چند ہی سال بعد ملکہ دونوں کتابیں بعد کی ساری فقہی کتابوں کا ماخذ بن گئیں۔ اور انھوں نے (اہل سنت کے) مذہب کو ایسی تقویت پہونچا دی، جسکا جواب شیعہ اور معتزلہ دونوں سے نہ بن پڑا۔ (انسائیکلوپیڈیا آف ریلیجن اینڈ ایتھکس، جلد ۱۱۔ صفحہ ۴۵)

بخاری اُس طبقہ کے اولین شخص ہوئے ہیں جنھوں نے حدیثوں کے مجموعہ کو خوب جانچا اور پرکھا۔ یہ تنقیدی طریقہ بہت مفید ثابت ہوا۔ اور بخاری کی صحیح کا استناد اسوقت سے آج تک مسلم چلا آرہا ہے۔ حدیثوں کے کچھ مجموعے تو بخاری سے قبل بھی تیار ہو گئے تھے۔ لیکن راویوں کی جرح و تنقید اور اسناد کی تحقیق انکے زمانہ سے چلی۔ بخاری کے ابواب (پیراگراف) اور تراجم (پیراگرافوں کے عنوانات) سے ظاہر ہے کہ وہ فقہ کی مکمل کتاب تیار کر رہے تھے۔ انکی صحیح کی "کتب" میں تقسیم منطقی ترتیب کے مطابق اور مناسب ہے۔ بحیثیت مجموعی اُنکی کتاب ابتدائی اسلام اور عربی تمدن کے مطالعہ کے لیے ایک اہم ترین ماخذ ہے۔ خود بخاری کی یہ صحیح بڑی بڑی احتیاط سے نقل ہوئی ہے۔ (توری (TORREY) کا مقدمہ "انتخاب صحیح بخاری" SELECTION FROM THE SAHIH OF AL-BUKHARI) انکی احتیاط اور نقل حدیث صحیح میں شدت اہتمام کا اندازہ اس روایت سے ہو سکتا ہے کہ یہ ہر حدیث کے نقل کرنے سے قبل حق تعالیٰ کے حضور میں سجدۂ شکر ادا کر لیتے تھے۔ (انسائیکلوپیڈیا آف اسلام، صفحہ ۷۸۳)

کی وُکشنری

مشورے اور گزارشیں

(س - علامت سوال کی ہے ج علامت جواب کی)

نمبر (۳۱)

س - اب میرا قیام شہر ... سے کوئی ۴۰ میل کے فاصلہ پر قصبہ ... میں ہے۔ یہ بہت چھوٹا سا مقام ہے۔ یہاں کا سارا ماحول مشنری ہے مسلمانوں کی کوئی آبادی نہیں۔ ہماری آبادی عیسائی ہے۔ عورتوں کا بڑا ازدحام ہے۔ تمام کی تمام نیم عریاں رہتی ہیں۔ شرم و حیا کا نام نہیں۔ انشاء اللہ پاک انکے فتنہ سے محفوظ رکھے۔ دعا کیجیے گا۔

ج - دعا کر دی۔ بیشک یہ فتنہ سخت ترین فتنوں میں سے ہے۔ خصوصاً جوان عمر والوں کے لیے۔ لیکن ایمان اگر پختہ ہے تو مقابلہ کچھ دشوار بھی نہیں۔ نگاہ نیچی، دل میں اللہ کی خشیت، بد عملی، بد نظری کی دنیوی و اخروی خرابیوں کا استحضار۔ بلا ضرورت میل جول سے احتیاط۔ اور سب سے بڑھ کر بیجائی اور بے عصمتی کی زندگی کی بے رونقی اور تحقیر پہ کافی سے زیادہ سپر کا کام دے سکتی ہیں۔ اکبر کا یہ شعر برابر یاد رہے

اے بتو تم کو بتاؤں مجھے کیا آتا ہے
سب تمھیں ہیچ سمجھنے میں مزا آتا ہے!

س - گنتی کے چند مسلمان ہیں، وہ بھی رسمی مسلمان۔ نہ علم ہے اور نہ مذہب کا کچھ پاس اور احساس۔ خدا کا شکر ہے کہ وہاں کچھ مسلمان نماز کے لیے آجایا کرتے ہیں۔

ج - بس اسی مسجد کو حقیقی معنی میں دینی مرکز بنا کر نام کے مسلمانوں کو کام کے مسلمان بنانے کی سعی حکمت و تدبیر کے ساتھ شروع کر دینی چاہیے۔ اخلاص میں اللہ نے بڑی برکت رکھی ہے۔ دل کا درد اور نیت کا اخلاص علم کی کمی کی تلافی بڑی حد تک کر سکتا ہے۔ دو پختہ مومن بھی کسی بستی میں اگر ہوں، تو وہ سو غیر مسلموں پر بھاری ہیں۔ اچھا لٹریچر انھیں چند مسلمانوں کے سامنے بار بار پیش کی جائے۔ پھر رفتہ رفتہ جب ان میں خود شوق و رغبت پیدا ہو لے تو باہر سے اچھے مبلغوں کو بلایا جا سکتا ہے۔

س - یہاں نہ کوئی عالم دین ہے نہ کوئی محقق۔ کوئی ایک آواز بھی کان میں نہیں پڑتی۔

جب تو اور زیادہ موقع کام کرنے کا اپنے اخلاق کے ثبوت دینے کا اور اجر کے حاصل کرنے کا ہے۔ دل تنگ ہونے کے بجائے اس پر تو اور خوش ہونا چاہیے۔

س۔ سارا ماحول عیسائی اور مشنری ہے۔ اللہ پاک اپنا فضل فرمائیں۔ اور ہمیں اپنے دین پر قائم و ثابت رکھیں۔

ج۔ آمین۔ ان شاء اللہ یہ تو ضرور ہی ہوگا۔ لیکن ہمت اتنے ہی پر نہ ختم ہو جانا چاہیے۔ بلکہ بڑھ کر غیر مسلموں میں تبلیغ کرنا چاہیے۔ البتہ زبانی تبلیغ سے کہیں زیادہ موثر عملی تبلیغ ہوگی۔ کاروبار میں تقوے و دین، معاملات کی صفائی، وعدہ کی سچائی، بے طمعی، قناعت، سادہ زندگی، شراب، جوے، جھوٹ، وغیرہ کی ہر قسم اور درجے سے احتیاط، اللہ پر بھروسہ، نامحرموں کے لیے زبان اور آنکھ دونوں پر پہرہ، یہ مردمومن کے وہ بے پناہ ہتھیار ہیں کہ بڑا سے بڑا دشمن بھی انکے مقابلہ میں ہتھیار ڈال دینے پر مجبور ہوگا ...... غیر صالح، نا عاقبت اندیش اور جاہل ماحول میں اسلامی طہارت و تقوے کا اگر کوئی عملی نمونہ چلتا پھرتا نظر آ جائے تو تہذیب حاضر تو بے اختیار کار اٹھیگی! انہ لا الٰہ الا ہو...

اپنی اسکیموں کی نفاذ کی عملی قوت ذرا سی بھی نہیں۔ وہ صرف خیال پر اثر ڈال سکتا ہے۔ گندگی کو خوشنما گوبر کو عطر کر کے دکھا سکتا ہے۔ لیکن جسکی نظر حقیقت بیں و حقیقت شناس ہو چکی ہے اس پر ان شعبدوں کا کیا اثر ہو سکتا ہے؟

س۔ ان حالات میں مجھے کس طرح زندگی بسر کرنا چاہیے اور کن کن اصول کو پیش نظر رکھنا چاہیے۔

ج۔ جواب اوپر کے سوالات کے ضمن میں آ چکا۔

س۔ مجھے فکر یہ گھنی ہے کہ یہاں کس سے علم دین حاصل کروں اور کن کی صحبت میں بیٹھوں۔

ج۔ جتنا علم دین حاصل ہے عمل کے لیے وہ بھی کافی سے زائد ہے۔ اصل ضرورت انھیں اعمال دین میں رسوخ و استقامت کی ہے۔ زندہ صالح و شیخ جہاں نہ میسر آ سکیں وہاں اصلاحی کتابوں، رسالوں وغیرہ کی صحبت و معیت کافی ہے۔

س۔ لکھنؤ میں اکثر علماء کی صحبت نصیب ہوتی رہتی تھی اور کچھ علم دین حاصل ہوتا رہتا تھا اب اس سے بالکل محروم ہو گیا ہوں۔

ج۔ جو چیز بے بس اور اختیار کی نہ ہو اس پر زیادہ حسرت و افسوس کرنا فعل عبث ہے۔

س۔ ایک عرصہ سے تہجد ادا نہ کر سکا۔ بعد عشا کے آٹھ رکعت پڑھ لیتا ہوں۔

ج۔ یہ بھی کافی ہے۔ اور اتنی توفیق پر بھی اللہ کا شکر ادا کرتے رہنا چاہیے۔ باقی فکر تہجد کی بھی لگی رہے اور جو اسباب انکے ترک کے ہوئے ہیں، انکے ازالہ کی تدبیروں سے دل غافل نہ ہونے پائے۔

س۔ آج رات ایک خواب دکھائی دیا۔ ایک مجمع تھا۔ اس میں ایک آدمی مولوی ... صاحب کی مشابہت کے ایک آدمی تھے۔ اور اکثر خواب میں اسی مشابہت کے آدمی دکھائی دیتے ہیں۔ انھوں نے کچھ باتیں عمل کے لیے بتائیں اور کہا کہ ان شاء اللہ کامیاب ہو گے۔ وہ باتیں یاد نہیں رہیں۔

ج۔ خواب میں اکثر یہ ہوتا ہے کہ کوئی لطیفۂ غیبی، دیکھنے والے کے لیے مانوس و محبوب شکل میں آ کر اسکے دل کو ڈھارس دے جاتا ہے۔ ان مولوی صاحب سے مناسبت و موانست دونوں بالکل ظاہر ہیں۔ انکی شکل کا خواب میں نظر آ جانا اور اس سے تسلی پانا بالکل قدرتی ہے۔ اور یہ بھی مومن کے لیے اللہ کے احسانات میں سے ایک احسان ہے۔

س۔ آجکل آپ کی کتاب تصوف و مسائل نامی مطالعہ کر رہا ہوں۔ مذہبی و اخلاقی معلومات کے لیے مجھے کون سی کتاب کا مطالعہ کرنا بہتر ہوگا۔

ج۔ اپنے نفس کی اصلاح، اپنے امراض باطن کا علاج، اپنے میں اخلاص و خشیت کی تقویت اگر مقصود ہے تو اسکے لیے بہترین کتابیں مولانا تھانوی کی سیکڑوں مواعظ اور تربیت السالک وغیرہ کی جلدیں ہیں۔ روزانہ زندگی کے فرائض بھی اس میں آ گئے۔

باقی اگر "روشن خیال" دنیا کی گمراہیوں سے مطلع ہو کر انکا مقابلہ کرنا اور اسلام کے بنیادی عقائد اور اصولی مسائل سے متعلق پختگی حاصل کرنا ہے، تو مولانا ابو الاعلیٰ مودودی کی تحریریں مطالعہ کی جائیں۔ یہ دونام نمونہ کے طور پر ہیں۔ بصیرت پیدا ہو جانے کے بعد اپنی نگاہ خود اپنے لیے انتخاب کر لیا کریگی۔

س۔ جب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں اور خضوع کے ساتھ نماز ادا کرنے کا ارادہ کرتا ہوں تو فوراً بہت سے خیالات پیدا ہو جاتے ہیں۔ اور خدا کی طرف سے دھیان ہٹ جاتا ہے۔

ج۔ ارادۂ "خضوع" جسکا سوال میں ذکر ہے، اپنی طرف سے انسان بس اتنے ہی کا مکلف ہے۔ اسی کا اہتمام رہے۔ اور دھیان رہے کہ اس میں غفلت نہ ہونے پائے۔ دنیوی خیالات جو "پیدا ہو جاتے ہیں" انکا مضائقہ نہیں۔ البتہ اپنی طرف سے ہرگز پیدا کیے نہ جائیں۔

بد اخلاق نوجوانوں کا علاج

اس ہفتہ دہلی کے ایک مقامی کالج کی چند لڑکیاں نئی دہلی جا رہی تھیں۔ چار نوجوان طلباء انکے پیچھے ہو لیے اور انھوں نے لڑکیوں کو تنگ کرنا شروع کیا۔ ان لڑکیوں نے فہمائش کی کہ یہ لڑکے اپنی اس کمینہ حرکت سے باز آئیں۔ مگر اس فہمائش کا ان پر کوئی اثر نہ ہوا۔ آخر لڑکیوں نے ان لڑکوں کو پکڑ لیا اور کفش کاری شروع کر دی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تین لڑکے تو بھاگ گئے۔ ایک کو لوگوں نے پکڑ کر پولیس کے حوالے کر دیا۔ اور پولیس اب باقی تینوں کی تلاش کر رہی ہے۔

چیرہ دستی کے راہ چلتی لڑکیوں کو چھیڑنا یا گندہ مذاق کرنا ایک ایسا گندہ پن ہے جو یقیناً کفش کاری کا مستحق ہیں، بلکہ راہ چلنے والے لوگوں کا بھی فرض ہے کہ وہ ایسے حالات میں لڑکیوں کی دامے، درمے، ہمیشہ۔ یا دستی امداد کریں نادرشاہ کان پر جب کفش کاری ہو رہی ہو تو اس میں وہ بھی حصہ لیں۔ (ریاست)

فرنگی مورخ کی زبان

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی - حیدرآباد دکن)

وہابیوں کی تحریک کے متعلق ہنٹر کی کتاب کا حال ہی میں ایک صاحب نے ترجمہ کیا ہے - اس کا کل مطالعہ کر رہا تھا - بیچ بیچ میں بعض عجب باتیں نظر آئیں تب بے ساختہ جی چاہا کہ حقائق کی خاطر ان اقتباسات کو نقل کروں - کیا ان اقتباسات کو الگ الگ پیروں پر نقل کروں یا مثلاً یوں نقل کروں مثلاً ایک جگہ وہ لکھتا ہے :-

"ہندوستانی پولیس کا روپیہ بٹورنے کے لیے جھوٹے مقدمات بنا لینا روزمرہ کی بات ہے" (ص۱۲۶)

"پولیس کی رپورٹ سے معلوم ہوتا ہے کہ جھوٹے مقدمات کی تعداد سچے مقدموں کی تعداد سے بہت زیادہ ہے" (ص۱۲۶)

الغرض برکات حکومت برطانیہ کو گنواتے ہوئے اس قسم کے فقرات بے ساختہ اُسکے قلم سے نکلتے چلے گئے ہیں - بنگال جس پر برٹش راج کا سایہ ہما پایہ سب سے پہلے پڑا ہے - تہذیب و تمدن و شائستگی کی تعلیم اب سے پہلے ہندوستانی دہقیوں اور سپاہیوں کو سب سے پہلے اسی صوبہ میں ملی، جسکا نتیجہ یہ ہے

"بنگالی جھوٹے مقدموں کو سچا ثابت کرنے کے خطرناک کام کو سائنس کے درجہ پر لے گئے ہیں" (ص۱۲۶)

لیکن بنگالیوں کی یہ سائنس پیدا کس کی تعلیم سے ہوئی ہے؟ "جھوٹے مقدموں کو سچا ثابت کرنے کے خطرناک کام" - اللہ اللہ - اگر یہ بھی خطرناک کام ہے تو اسکا مطلب یہ ہوا کہ ہمارے ملک کے تمام وکلا و تمام بیرسٹر جنکے گرامی اسماء اوج ثریا پر جا کر چمکے، وہ سب کے سب اسی خطرناک جرم میں مشغول رہتے۔

اسی کتاب میں ایک بڑی برکت اپنی حکومت کی ہنٹر صاحب یہ بتاتے ہیں بے جھجک ہو کر لکھتے ہیں :-

"ہمارے انگلو انڈین اسکولوں سے کوئی نوجوان خواہ ہندو یا مسلمان ایسا نہیں نکلتا جو اپنے آبا و اجداد کے مذہب سے انکار کرنا نہ جانتا ہو" (ص۲۲۲)

قالوا یا ذا القرنین ان یاجوج و ماجوج مفسدون فی الارض (سدّین یعنی دو پہاڑوں کے بیچ میں رہنے والی قوم نے کہا کہ اے ذوالقرنین یاجوج ماجوج زمین میں بگاڑ پیدا کرنے والے ہیں) قرآن کی یہ کتنی پرانی ہزارہا سال پیچھے کی بات ہے - لیکن دیکھ رہے ہیں - بیسویں صدی میں اسکا اقرار دوسرے نہیں، وہ خود کر رہے ہیں - فاعترفوا بذنبہم فسحقاً لاصحاب السعیر - کہا جاتا ہے کہ یہ پرانے زمانے کے بادشاہوں کی تحریر کا طریقہ تھا کہ مخالف کے نام سے گالیاں اور خطاب کے دل آزار فقرے استعمال کیا کرتے تھے - لیکن مصنف کتاب جن کے آگے ڈبلیو - ڈبلیو اور اسکے پیچھے ایل ایل ڈی آئی - سی - ایس - وغیرہ الفاظ قطار در قطار پرا جمائے آگے پیچھے کھڑے ہیں ایسے مہذب قلم کی کل خوشنمائی ملاحظہ فرمائی جائے - وہابی مجاہدین جو سرحد سے کبھی کبھی نکل نکل کر کہا جاتا ہے کہ چھاپے مارا کرتے تھے خدا جانے وہ وہابی ہوتے تھے یا سرحد کے عام پٹھان ہی ہوتے تھے خیر یہ تو الگ بات ہے - لیکن ان ہی کا تذکرہ کرتے ہوئے یہ الفاظ اس کتاب میں لکھے جاتے ہیں جسکا مصنف یقین رکھتا ہے کہ تاریخی خلق کی وجہ سے مسلمان بھی ضرور اسکو پڑھیں گے۔

"انھوں نے (سرحدی وہابیوں نے) ایک زہر آلود ہتھیار سے اپنے آپ کو مجروح کیا جسے ایک جھوٹے مذہب نے انکے ہاتھ میں دے دیا تھا" (ص۱۲۱)

یہ ہے زبان کی شیرینی اور تعبیر کی نرمی - اسکا پرلیس نہیں فرمایا گیا ہے حلاوت بیانی بڑھتے ہوئے اس نوبت تک پہونچ گئی ہے - قرآن کے مسئلہ جہاد پر خامہ فرسائی فرماتے ہوئے ڈبلیو ڈبلیو - ایل - ایل ڈی - آئی - سی - ایس صاحب نکتہ نوازیوں کی انتہا کر دیتے ہیں -

"لیکن قرآن موجودہ قومی ضرورت کے مطابق تو لکھا نہیں گیا تھا بلکہ عربوں کے جنگجو قبائل کی ان مقامی ضروریات کے مطابق جو ازل سے ظالمانہ ثانی تا بوتیانہ اور پھرنا تھا نہ خباثت سے پیش آتی رہیں" (ص۱۶۳)

میں نہیں جانتا کہ "تابوتیانہ" انگریزی کے کس لفظ کا ترجمہ کیا گیا ہے - لیکن یقیناً کوئی لفظ انگریزی کا اس قسم کا ہوگا - بلکہ شاید اسکا مفہوم اس سے زیادہ سخت ہو - یہ شائستگی اور سنجیدگی کے چند نمونے ہیں - امن و رواداری کے قائم کرنے والوں نے اس ملک کے مختلف باشندوں کے درمیان خوشگوار تعلقات جن ذرائع سے پیدا کیے ہیں انکا تو ایک ذخیرہ اس کتاب میں ہے - بیچارے ہندوؤں کو تو جانے دیجیے - انکے ساتھ ظالم مسلمان حکمرانوں نے جو کچھ کیا وہ تو غیر کا ہی، خود مسلمانوں کا ایک گروہ یعنی شیعہ فرقہ، اُس پر ان مسلمان بادشاہوں کے زمانہ میں کیا گزری - ملاحظہ ہو تاریخی معلومات کی وسعت - ڈبلیو صاحب لکھتے ہیں :

"اور جس نے (یعنی فرقۂ شیعہ نے) متعصب مسلمان حکمرانوں کے ماتحت ایسی ایسی اذیتیں اُٹھائیں جو کسی برطانوی حکمران کے ماتحت کبھی ممکن نہ تھیں" (ص۱۲۶)

کیا شبہ ہے - بنگال و بہار اڑیسہ کی نظامت، اودھ کی حکومت اور اُسکے سوا نیچے سے اوپر تک تا بہ پایہ وزارت عظمیٰ ارتقاء کے مواقع ہندوستان میں بیچارے شیعوں کو متعصب مسلمان حکمرانوں کے زمانہ میں کہاں میسر آئے یہ ساری کرامتیں تو برطانوی حکمرانوں کے ماتحت ہی ظاہر ہوئیں۔

قلم کی ذمہ داریاں یقیناً زبان کی ذمہ داریوں سے زیادہ ہوتی ہیں - لیکن جنکے قلم کی ذمہ داریوں کا یہ حال ہو، خدا ہی جانتا ہے کہ انکی زبان کی امانت و دیانت کا کیا حال ہوگا - انا للہ وانا الیہ راجعون - بحیثیت ایک حاکم قوم کے مسٹر ہنٹر جو چاہتے کہہ سکتے تھے لکھ سکتے - لیکن جب مصنفین کی صف میں اپنے آپ کو وہ شریک کرکے تصنیف کی دنیا سے داد لینا چاہتے ہیں تو یقیناً حق پہونچتا ہے کہ ان سے یہ پوچھا جائے کہ جناب والا کی یہ گوہر ریزیاں آخر کس غزال کی رہین منت ہیں؟

حیات و نزولِ مسیحؑ

(ایک فرنگی محلی کے قلم سے)

صدق مورخہ ۔ ذی الحجہ ۔ صفحہ ۔ میں بہ ذیل "غلط اعتراض کا جواب" مولانا سندھی مرحوم اور اُنکے حامی بشیر احمد صاحب کی واہیات اور لغو باتوں کے بیان کے سلسلہ میں کسی مبصر کے قلم سے جو تحریر شایع ہوئی ہے اُسکے ضمن میں یہ الفاظ اس میں حیات و نزولِ مسیح علیہ السلام ایسے قطعی مسئلہ کا" دیکھ کر تعجب ہوا۔ کیونکہ جہاں تک میرا مطالعہ کتب ہے اُسکے لحاظ سے میں نے کسی معتبر عالم کے کلام میں "حیاتِ مسیح" و "نزولِ مسیح" والے دونوں مسئلوں میں سے کسی مسئلہ کے متعلق یہ تصریح نہیں دیکھی کہ یہ قطعی مسائل میں سے ہیں۔ "مثلاً محترم مولانا محمد شفیع صاحب سے دریافت کرنے پر بھی یہی جواب ملا کہ" یہ مسائل ظنیات میں سے ہیں اُنکو قطعیات میں سے شمار کرنا بعید از تحقیق ہے"۔ اور خود اپنی جگہ پر بھی ان مسائل کو قطعیات میں سے شمار کرنا صحیح نہیں معلوم ہوتا، کیونکہ کسی دلیلِ قطعی سے ان دونوں مسئلوں کا ثبوت نظر نہیں آتا۔ قرآن شریف کی کسی قطعی الدلالۃ والی آیت یا کسی قطعی الدلالۃ والی متواتر حدیث سے تو اسکے متعلق کوئی استدلال سمجھ میں نہیں آتا۔ نہ تو بدلالۃ النص نہ باشارۃ النص، نہ باقتضاء النص اور نہ بعبارۃ النص۔ اور ان مسئلوں پر سرے سے "اجماع" ہی ہونا کسی معتبر عالم کی کتاب میں نظر سے نہیں گزرا، چہ جائیکہ "اجماعِ قطعی" جو نقل بھی بطریقۂ قطعیہ ہو۔ حالانکہ کتابوں کے مطالعہ سے مستفاد ہوتا ہے کہ کسی مسئلہ کے قطعی ہونے کے لیے یہ امر ضروری ہے کہ اُسکا استدلال طرقِ مذکورہ میں سے کسی طور پر قرآن یا متواتر حدیث سے ہو یا اُس پر مجتہدین کا اجماع ہو جسکا مستند شرعی ہو اور اجماع کی نقل بھی ہم تک بطریقۂ قطعیہ ہو چکی ہو۔

بخاری، مسلم وغیرہ کی ایسی صحیح اور معتبر کتابوں کی بھی تقریباً سب حدیثیں اخبارِ آحاد میں شمار ہوتی ہیں اور خبرِ واحد سے جو مسئلہ ثابت ہو اُسے قطعی نہیں کہا جا سکتا۔ قطعیات کا انکار کفر قرار دیا جاتا ہے۔ اگر خبرِ واحد سے ثابت شدہ مسئلہ بھی قطعی سمجھا جانے لگے پھر نہ تو احناف کفر کی زد سے بچ سکتے ہیں اور نہ دیگر مقلدین۔ اس مسئلہ میں دو امر قابلِ لحاظ ہیں۔ ایک یہ کہ نزولِ مسیح علیہ السلام والے مسئلہ کے لیے بھی کوئی صحیح مرفوع حدیث (اگرچہ وہ خبرِ واحد ہی کیوں نہ ہو) ہے؟ اگر ہے تو اس میں حیاتِ مسیح سے وہی حیات مراد ہے جسے ہم سب حیات اور زندگی کہتے ہیں جسکے لیے کھانا پینا اور پھر اُسکے لوازماتِ عادیہ بول و براز وغیرہ سمجھے جاتے ہیں یا کوئی دوسری حیات۔ پہلی صورت میں جبکہ "کرۂ ارض" سے علیحدہ قیام مانا جاتا ہے تو پھر کھانے کے انتظام (جو کرۂ ارض سے متعلق ہے) کے بارے میں کیا خیال کیا جائے۔ اگر اسکے متعلق کوئی نیا نظریہ ہو تو پھر مسئلہ اس شق سے خارج ہو کر دوسری شق میں داخل ہو جاتا ہے۔ اور اگر کرۂ ارض میں قیام سے متعلق کوئی جدید نظریہ ہے تو نظریہ از بناءِ نظریہ سے مطلع ہونے کی ضرورت ہے۔ دوسری صورت میں (جبکہ حیات سے حیاتِ ظاہر مراد نہیں) حضرت مسیح کی حیات کی نوعیت اور دوسرے انبیاء اور شہداء کی حیاتِ برزخی کے مابین فارق کونسی چیز ہوگی اور اس فرق کے ثبوت کے لیے کیا چیز پیش کی جائیگی؟ اور آج سے تقریباً دو ہزار سال پہلے مسیح علیہ السلام پر طبعی موت وارد ہو جانے کی نفی کی کیا وجہ ہوگی جبکہ اس قسم کی حیات "موتِ طبعی" کے وارد ہونے کی منافی نہیں۔

دوسرا قابلِ لحاظ امر یہ ہے کہ آیۂ "بل رفعہ اللہ الیہ" سے سیاق و سباق کے لحاظ سے بظاہر زور اسی پر معلوم ہوتا ہے کہ صلیب ہو یا کسی اور طریقہ سے ان کی نفی ہو تو ظاہر ہے "طبعی موت" کے رفع کے منافی نہیں ہے اسلیے کہ "بل رفعہ اللہ الیہ" کو طبعی موت کی نفی کے بارے میں قطعی الدلالۃ نہیں سمجھا جا سکتا۔ اسی طرح آیۂ "وان من اہل الکتاب الا لیؤمنن بہ قبل موتہ الخ" میں موتہٖ کے معنی "اپنی موت" بھی ہو سکتے ہیں۔ اس لیے یہ بھی قطعی الدلالۃ نہیں۔ اور آیۂ "وما محمد الا رسول قد خلت من قبلہ الرسل الخ" کا ظاہر تو مسیح علیہ السلام کی وفات پا جانے کی تائید میں پیش کیا جاتا ہے۔

امید وار ہوں کہ آپ خود یا "مبصر" صاحب اس مسئلہ پر کافی روشنی ڈال کر مستفید فرمائیں گے تاکہ اضافۂ علم ہو۔ اور اگر محض زورِ قلم میں یہ الفاظ تحریر ہو گئے یا "قطعی مسئلہ" سے علماء کی اصطلاح مذکورہ (جو میں سمجھا ہوں) کے علاوہ کوئی دوسری اصطلاح علماء مراد لی گئی ہے تو اُسے واضح کر دیا جائیگا تاکہ میں غلط فہمی میں مبتلا نہ رہوں۔

عقائد کی کتابوں میں جو مسائل ذکر کیے جاتے ہیں اُن میں سے ہر مسئلہ اگرچہ قطعی نہیں ہوا کرتا مگر مناسب ہوگا کہ تعمیمِ فائدہ کے لیے عقائد کی کسی معتبر اور متداول عربی کتاب کی وہ عبارت بھی پیش کر دی جائے جس میں حیاتِ مسیح علیہ السلام و نزولِ مسیح علیہ السلام کا ذکر بطور عقیدہ بیان کیا گیا ہو۔

ضمیمہ۔ میرا پہلا مراسلہ آپ تک پہونچا بھی نہ ہوگا کہ صدق نمبر ۔ مورخہ ۱۷۔ ذی الحجہ ۔ نظر سے گزرا۔ اسکے صفحہ ۔ کالم ۲ میں "احادیثِ فتن" کے عنوان سے "مبصر" صاحب کا جو ذاتی مکتوب آپ نے شائع فرمایا ہے اُس میں یہ عبارت "اور مہدی اعظم جو آخر زمان میں بروئے احادیثِ صحیحہ متواترہ دجالِ اعظم کے خروج کے وقت ظاہر ہونگے" بھی تعجب انگیز تھی۔ کیونکہ "مہدی اعظم" کے خروج کے متعلق کوئی ایک ہی حدیثِ صحیح متواتر اب تک تو نظر سے گزری اور نہ کسی سے سُنی۔ چہ جائیکہ "احادیثِ صحیحہ متواترہ"۔ اُن چند حدیثوں میں (جو قلت کی بناء پر انگلیوں پر شمار کی جا سکتی ہیں) جنکے متعلق تواتر کا دعویٰ کیا جاتا ہے اس مضمون کے متعلق تو غالباً کوئی حدیث نہیں۔

صدق۔ "مبصر" صاحب یا جو صاحب بھی اس موضوع پر مزید اظہارِ خیال فرمائیں، براہِ کرم اختصار کو ضرور ملحوظ رکھیں۔

(باہتمام شیخ شوکت حسین پرنٹر حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ
طبع کرا کے
دفتر "صدق" گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

مجلس عاشورہ دکن میں

حیدرآباد ۵ ۔ جون ۔ ایوان نواب فریدنواز جنگ مرحوم میں یکم محرم سے مولانا سید محمد بادشاہ حسینی صاحب قادری صدر مجلس علماء دکن "تفسیر سورہ دہر" اور فضائل اہل بیت کرام بیان فرمارہے ہیں۔

بندگان اقدس کی تشریف آوری سے قبل ساری ڈیوڑھی سامعین سے معمور ہو چکی تھی ۔ عدم گنجائش کی وجہ سے تمام راستے رک گئے تھے ۔ تقریباً ساڑھے گیارہ بجے حضرت اقدس و اعلیٰ مع شہزادہ بلند اقبال حضرت والاشان ولیعہد بہادر ، شہزادۂ والاشان نواب معظم جاہ بہادر و دیگر شاہزادگان تشریف فرما ہوئے ۔ نواب صدر اعظم بہادر ، اراکین حکومت و امرائے سلطنت بھی ہمرکاب تھے ۔

سورۂ دہر کی آخری آیتوں کی تفسیر کے ضمن میں سیدنا حسین علیہ السلام کے عزم و استقلال اور واقعہ شہادت کو نہایت اثر انگیز طریقے سے بیان فرمایا ۔ پوری مجلس پر رقت طاری تھی ۔ آپ نے سیدنا امام ہمام علیہ السلام کی اُس وصیت کا ذکر کیا جو سید الشہداء نے خیمہ مبارک سے رخصتی کے وقت اپنی عزیز بہن حضرت بی بی زینب کو فرمائی تھی کہ بہن ! میں تم کو قسم دیتا ہوں کہ اگر میں شہید ہو جاؤں تو واویلا نہ کرنا ۔ منہ پر طمانچے نہ مارنا ، کپڑے نہ نوچنا ، صبر و سکون سے کام لینا ۔ راضی برضائے الٰہی رہنا ۔

موجودہ گرانی اور راشن بندی میں غریبوں کی مشکلات کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا ۔ کہ امراء اپنے اموال کی زکوٰۃ نکالیں تاکہ یہ بے یار و مددگار غریب جو راشننگ کارڈ ہاتھوں میں لیے ہوئے مارے مارے پھر رہے ہیں ، فاقہ کشی کی مصیبتوں سے نجات پاسکیں ۔ آپ نے فرمایا ارشاد رسالت مآب ہے کہ " وہ مومن نہیں ہے جو خود تو پیٹ بھر کر کھائے اور اُسکا پڑوسی بھوکا سوئے " ۔ سلسلۂ تقریر جاری رکھتے ہوئے حضرت صدیق اکبرؓ و فاروق اعظمؓ کی اُس محبت و عقیدت کا ذکر فرمایا جو اُن صحابۂ کرام کو حضرت حسنین علیہما السلام کے ساتھ تھی ۔

آخر میں سلطنت اسلامیہ آصفیہ کے لیے دعا کرتے ہوئے فرمایا کہ حضرت صدیقؓ جنھوں نے اپنا سب کچھ اپنے مولا صلی اللہ علیہ وسلم پر نثار کردیا یہ اسی کا صلہ اور اسی کی برکت ہے کہ آج تیرہ سو سال کے بعد بھی صدیق اکبرؓ ہی کا لخت جگر سریرآرائے سلطنت اسلامیہ ہے جسکے سامنے عالم اسلامی کی گردنیں جھکی ہوئی ہیں ۔ دعا ہے کہ حق تعالےٰ اس سلطنت کو ہر بلا و آفت سے مامون و مصئون رکھے ۔ الٰہی ! یہ سلطنت اسلامی نہ صرف ہندوستان بلکہ تمام عالم اسلامی کی حکومت الٰہیہ کا مرکز بنے ۔ سلطان دکن ، سلطان عالم اسلامی ، خلیفۃ المسلمین ہوں ۔ آمین آمین کی صداؤں سے ساری فضا گونج رہی تھی ۔

تب - اور - اب

۱۹۱۹ء سے لیکر ۱۹۲۲ء تک (یعنی تحریک خلافت) کے زمانہ کا موجودہ زمانہ کا مقابلہ کیا جائے تو زمین و آسمان کا فرق نظر آتا ہے ۔ . . . صدر سے لیکر ایک رضاکار تک سب محنت ، دیانت ، خلوص اور شوق کے ساتھ اپنے فرائض انجام دیتا تھا کہ ووٹ دینے والوں کے لیے عہدوں کا تقسیم کرنا مشکل ہو جاتا تھا کیونکہ سب ہی اپنی اپنی صلاحیت اور استعداد کے مطابق کام کرتے رہتے تھے ۔ کسی ایک کو کسی دوسرے پر ترجیح دینی مشکل تھی اور اگر صوبہ کے نمائندے کسی کو صدر یا سکرٹری کا عہدہ پیش کرتے تھے ۔ تو اُسکے چہرہ کا رنگ فق ہو جاتا تھا ! وہ احساس ذمہ داری سے گھبرا کر صرف انکار نہیں کرتا بلکہ منہ چھپا کر پھرتا تھا ۔ بعض وقت تو ایسا بھی ہوتا کہ کسی کو ایک عہدہ پیش کیا جاتا وہ معافی مانگ کر دوسرے کا نام پیش کرتا ، تیسرا کوئی نہ کوئی حیلہ نکال کے چوتھے کا نام تجویز کرتا ۔ اور اس طرح عہدے مارے مارے پھرتے اور اس کے مستحقین ذمہ داریوں کا خیال کرکے فرائض کا بارگراں اُٹھانے سے معذوری ظاہر کرتے ! کبھی کبھی تو ایسا بھی ہوا کہ جلسہ ہی میں ایک ممبر کا نام مثلاً سکرٹری کے عہدہ کے لیے پیش ہوگیا ۔ وہ اس طرح چونک اُٹھا کہ گویا کسی نے اُس پر بم پھینک دیا ہے ۔ اور پہلے تو نرمی سے معذرت کرنے لگا ۔ پھر ذرا سختی سے انکار کرنے لگا اور آخر میں سب کے اصرار سے پریشان ہوکر رو دیتا ! ــ عجیب سین ہوتا ۔ ایک شخص عہدہ کے اعزاز سے انکار کرتا اور سیکڑوں اسکی خوشامد کرتے ۔

لیکن جب کسی کے کندھوں پر کسی عہدہ کا بار برغبت یا کراہت ڈال ہی دیا جاتا ، تو پھر وہ مفوضہ فرائض کی انجام دہی میں کسی قسم کی کوتاہی یا غفلت نہ کرتا ! دن دن بھر کھانا نہ ملے ، راتوں کو سونا نہ نصیب ہو ، باہر کا سفر کرنا ہو ، جلسے ، جلوس ، رضاکاروں کی بھرتی ، تقریریں ، نوکریوں سے استعفے دلانے ، پولیس میں جھک جھک کرنا ، گلی گلی مارے مارے پھرنا ، تنازعات کے فیصلے کرنا ، مستحقین کو مالی امداد پہونچانا ، بیکاروں کو روزگار سے لگانا ، کھدر کی دکانیں کھلوانا ، کھدر پھیری کرکے بکوانا ، مسلمانوں سے سود لینے کی ترغیب دینا ، مسلمانوں سے بداخلاقی دور کرنا ، عوام کو سیاسی مسائل سمجھانا ، شراب خوری سے روکنا ، مذہبی احکام کی تلقین و پیروی کرنا ، سوت کاتنا ، دوسروں کو روئی دے کر سوت کتوانا ، سوت خریدنا ، کھدر فریدنا ، قوم پنچائتیں قائم کرنا ، سودیشی چیزوں کی دوکانیں کھلوانا ، قید خانہ جانے کی تیاری کرنا ، سیاسی قیدیوں کے بال بچوں کی فکر معاش کرنا ــ اور آخر میں خود جیل جاکر عبادت اور آرام کرنا

اور اب ؟

(خلافت)

نمبر ۳۷ | دوشنبہ - صفر المظفر ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۹ جنوری ۱۹۴۵ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

"ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ نے آج قانون تحفظ ہند کے ماتحت حکم جاری کر دیا ہے کہ شیعہ و سُنی کے نزاعی معاملات کے باب میں کوئی پوسٹر یا ہینڈبل ضلع لکھنؤ کے حدود میں تا حکمِ ثانی شائع نہ ہونے پائے .... حکم کی خلاف ورزی اُن سزاؤں کی مستحق ہوگی جو قانون تحفظ ہند کی دفعہ ۱۲۱ میں درج ہیں" (پائنیر لکھنؤ - ۱۸ جنوری ۱۹۴۵ء)

حکم امتناعی کی تاریخ اسلامی جنتری میں یکم صفر ہے - ۱۲ ربیع الاول آرہی ہے نہ - یہ اُسکا استقبال ہو رہا ہے ڈیڑھ مہینہ قبل سے! ———

مسلمان اس تاریخ کو خوشیاں منایا کرتے تھے، رحمت عالمؐ کی پیدائش اور ظہور کا جشن دھوم دھام سے کیا کرتے تھے۔ غیروں کو ان محفلوں میں بلا بلا کر تبلیغ کی آواز کسی درجہ میں اُنکے کانوں میں پہونچا دیا کرتے تھے: اب اسکی یہ نوبت آگئی ہے - ایک فریق کی ضد اور ظلم اور دوسرے فریق کی کم فہمی اور بے غوری سے!

ٹھیک اسی مبارک تاریخ کو پولیس اور مسلح پولیس کو تیاری کا حکم ملتا ہے۔ گویا شہر میں کوئی عظیم الشان بلوہ ہونے کو ہے! چوراہوں اور ناکوں پر پہرے لگ جاتے ہیں۔ مجسٹریٹوں کی تعیناتی ہو جاتی ہے۔ ہتکڑیوں کی جھنکار شروع ہو جاتی ہے۔ لاٹھی چارج ہوتا ہے، گرفتاریاں ہوتی ہیں، جیل کے پھاٹک اور حوالات کے دروازے کھل جاتے ہیں بلکہ بسا اوقات گولیاں بھی چل جاتی ہیں۔ بھولے بھالے اور ان کے فدائیوں کے لاشے خاک اور خون میں تڑپتے ہیں - بچے یتیم ہوتے ہیں، بیویوں کا سہاگ اُجڑتا ہے ——— کیا خوب یہ یادگار منائی جا رہی ہے رحمت عالمؐ کے ظہور و پیدائش کی! اور آج سے نہیں، کئی سال سے یہی ہونے لگا ہے! اور ہر آنے والا سال گزرے ہوئے سال پر شدت کی مُہر استناد لگاتا جا رہا ہے!

عبد الحلیم شرر کے ناول حسن انجلینا کو بچپن میں پڑھ کر حیرت ہوتی تھی کہ پچھلی صدی کے ترک اور ایرانی کیسے نافہم اور ناعاقبت اندیش تھے، کہ گئے تھے حج کو، اور باہم متحد ہوکر ظالم و کافر روسیوں کے خلاف جہاد کرنے، اور کہاں اذان میں خواہ مخواہ خلافت کا قصہ نکال کر لگے آپس ہی میں گولیاں چلانے، ایک دوسرے پر تلوار چلانے! ——— مشاہدہ نے آنکھیں کھول دیں۔ سامنے کے تجربہ نے بتا دیا کہ شرر کے قلم نے افسانہ اور تخیل کی نہیں تاریخ اور حقیقت کی مصوری کی تھی!

مدحِ صحابہ کو ایک فریق نے آخر اپنی چڑھ خواہ مخواہ کیوں بنا لیا ہے؟ اس میں کسی کی ذات کی توہین ہے؟ کسی کے عقائد پر حملہ، استہزاء ہے؟ اسکا حاصل تو یہی ہے نہ کہ رسولؐ کی صحبت اس درجہ موثر و کیمیا تھی، کہ ناقصوں کو کامل بنا دیتی تھی، فاسقوں کو عارفوں کے درجہ پر پہونچا دیتی تھی، اور جو نابیناؤں کی آنکھیں کھول دیتی تھی - یہ تو عین مدحِ رسولؐ ہوئی یا کچھ اور؟ تو کیا کسی کلمہ گو کو نعت رسولؐ بھی گراں گزر سکتی ہے؟ علیؓ اور فاطمہؓ، حسنؓ اور حسینؓ، یہ سب بھی آخر صحابی ہی تو تھے - صحبت رسولؐ کے ساتھ بطور فضل مزید کے ذات رسولؐ سے بھی سرافراز ان کا اصل بنیادِ فضیلت اگر قرابت رسولؐ ہوتی، تو چاہیے تھا کہ آج - سید اسی مرتبہ پر ہوتا رہ نہیں ہے تو اسی بنا پر کہ صحبت ...

سے محروم ہے) ۔۔۔ کیا کوئی فرق رسول کی قوت تاثیر کا اعلاء عظمت کا۔ خدا نخواستہ منکر ہے؟ حضورؐ کی زبردست اصلاحی تاثیر سے تو انکار یہودی و نصرانی تک نہیں کر سکے ہیں! الیس منکم رجل رشید؟

زرا قومِ لوطؑ شکم سیہ

لندن کے ہفتہ وار ریمان ہل (۱۹ ستمبر ۱۹۴۴ء) میں ایک انگریز فوجی کنر ایچ گرے کو ہمارا شنبہ کا شام کا مکتوب شایع ہوا ہے:

"موقع مل گیا تو ہم لوگ بحرِ مردہ کے کنارے تک پہونچ گئے۔ میرا یہ دوسرا موقع تھا۔ کئی سپاہیوں نے اس میں غوطہ لگایا۔ ہیبا اللہ کھڑا رہا۔ فوراً ہی وہ لوگ اس روغنی پانی سے باہر نکل آئے۔ اس سمندر میں جو تیز نمک اور دوسرے مادّے ہیں، ان سے وہ کانپ رہے تھے اور انکا دم گھٹا جا رہا تھا۔ باہر نکل آئے، تو اور کوئی صاف پانی تھا نہیں، جس سے اپنا جسم دوبارہ دھوتے۔ کفوں سے اپنے تولیوں کو اپنے جسم پر ملا۔ جس سے وہ گندا پانی تو جذب ہو نہیں۔ البتہ انکی جلد پر ایک موٹی پپڑی سی جم گئی!"

خبر کے سلسلہ میں کام کی بات یہ ہے کہ جس بحرِ مردہ (DEAD SEA) کا گذرہ، پانی اور زہریلے مادّے کا ذکر ہے آج اسکا دوسرا نام بحرِ لوط ہے۔ قومِ لوطؑ اسی کے اردگرد آباد تھی۔ اور روایتوں سے یہ پایا جاتا ہے کہ ان بدبختوں کے شہر جہاں زلزلے سے الٹ دیے گئے تھے، وہیں ایک چھوٹا سا سمندر بن گیا ہے۔ اور اس سمندر کے پانی میں آج تک شدید سمیّت اور تیز حرارت چلی آئی ہے۔ اسکا مفصل ذکر دریا صدق کی تفسیرِ قرآن کے حاشیوں میں ملیگا۔ سچ کہا ہے اُس نے جس نے فرمایا: وترکنا فیہا آیۃ للذین یخافون العذاب الالیم۔

پُرانی تقریبوں کے نئے رُتبے!

"امریکی، انگریز اور ہندوستانی مشاہیر و معززین کے ایک مخلوط مجمع میں کل شام کو لکھنؤ کے ایمبیسڈر ہوٹل میں ایسٹ اینڈ ویسٹ فریٹرنٹی (مشرق و مغرب کی برادری) کی شاخ قائم ہوئی۔ حکومت صوبہ کے ایڈوائزر مسٹر جے سلور صدر تھے۔ شرکاء حاضرین میں سے قابلِ ذکر سر جارج واس (چیف جج) مسٹر سامے (ایڈوائزر) مسٹر بشپ (ایڈوائزر) مسٹر کرسٹی (چیف سکریٹری) جسٹس غلام حسین خانبہادر نواب حامد حسین، پرنس سلطان حسن مرزا وغیرہ ہیں ۔۔۔ مسٹر اور مسز نصیر احمد بیگ ایڈوکیٹ کی طرف سے ایٹ ہوم ہوا۔ جسکا دلچسپ جزو گانے اور ناچ کا پروگرام تھا۔ جس میں شہر کے باہر آرٹسٹ (ارباب کمال) نے حصہ لیا۔" (پاینیر ۲۹- جنوری ۱۹۴۵ء)

ہندوستانیوں نے شہر کے معزز ہندو مسلمانوں سے ربط ضبط بڑھانے کو، اُنسں و یگانگت پیدا کرنے کا یہ نیا نسخہ ناچ گانے کا خوب نکالا! ۔۔۔ کون کہتا ہے کہ آج سے ساٹھ ستر سال قبل کا، شادیوں اور دوسری تقریبوں کے موقع رقص کے آخری "محفل رقص و سرود" میں شرکت کی درخواست کا طریقہ اب متروک اور فرسودہ ہو چکا ہے؟

بے لطف آزادی

"مدراس، ۱۷- جنوری۔ آل انڈیا ویمن کی صوبہ وار زنانہ قومی تعلیمی کانفرنس کا افتتاح کرتے ہوئے آج مسز ایڈیڈو نے کہا کہ ... ہمارے اس کی عورتوں کو سیاسی، اے دہی کی حق طلبی پر ہرگز قناعت نہ کرنا چاہیے۔ ہمارے ملک میں یہ نعرہ لگانے کی مزدوستم ہی نہیں رہی ہو، مطالبہ حقوق کا نہ کرو۔ بلکہ اپنے ملکی تمدن کی تعمیر کی راہ میں اپنے شوہروں، اپنے بھائیوں اور اپنے بیٹوں کے ہاتھ میں ہاتھ دیتے ہوئے قدم آگے بڑھاؤ۔" (ایسوشی ایٹڈ پریس)

واہ، ان "روشن خیال" محترمہ خاتون صاحبہ نے تو دل ہی سرد کر دیا! تُف ہے ایسی "ترقیوں" پر، جو شوہروں اور بھائیوں اور بیٹوں کے دوش بدوش، یعنی بیوی بن کر بہن بن کر حاصل کی جائیں! یہ تو سب وہی پرانی بیڑیاں پھر سے پیر میں پڑ گئیں! آزادی کا کوئی سا لطف بھی آزادی میں باقی رہا!

نئی اندر سبھا!

ایک مسلمان فوجی افسر کے خط کا اقتباس:-

"ایک قابلِ ذکر چیز دل خوش فوجی سبھا یا کنسرٹ پارٹی ہے۔ اس سبھا کا کام نام سے ظاہر ہے۔ ناچنے، گانے، کرتب کرنے، جنا شکل دکھانے سے فوجیوں کا دل بہلتا ہے۔ دل و دماغ تازہ ہو جاتا ہے۔ طبیعت شاد شاد ہو جاتی ہے۔ گھڑی پل کچھ دیر کے لیے مٹ جاتی ہے۔ جب یہ سب کچھ ہو جائے، سمجھ لیجیے فوجی سبھا کا مقصد حاصل ہو گیا۔ دام وصول ہو گیا، کام بن گیا۔

لڑکیوں کا انتخاب دیکھ بھال کر، ٹھونک بجا کر ہوتا ہے۔ بے حیائی اور عریانی جتنی زیادہ ہو اُتنا ہی اچھا ہے۔ صورت اچھی اور سیرت بُری ہو تو سونے پر سہاگا ہے۔ گانے دُکھے دلوں کا مرہم کہلاتے ہیں۔ کالک افسردہ دلوں میں خوشی اور گدگدی پیدا کرتے ہیں۔ یہ ہفتہ عشرہ کے بعد بدل بدل کر آیا کرتی ہیں۔ اسی طرح گھومنے اور پردیسیوں کا دل بہلاتے رہنا انکا پیشہ ہے۔ گیت سب ہی زبانوں میں ہوتے ہیں۔ مگر ہندوستانی زبان کے اور وہ بھی فلمی گیت سب سے زیادہ پسند کیے جاتے ہیں۔ یہ تفریح تین چار گھنٹے تک رہتی ہے۔ اور بالکل مفت۔ مصارف کا بار سرکار کے ذمہ۔ انگریزی کنسرٹ بھی قریب قریب اسی معیار کے ہوتے ہیں۔ فرق یہ ہے کہ وہاں سب کچھ انگریزی میں ہوتا ہے۔"

جی ہاں "مہذب" فوجوں کے لیے تو یہی ساز و سامان، بلکہ اس سے بھی کہیں بڑھ چڑھ کر ہوتے ہی ہیں۔ ہر رجمنٹ کے ساتھ ایک اندر سبھا، اور ہر پری و خلیفہ گو یا راجہ اندر بنا ہوا! میاں تو جنگ جیتنے ہی کے لیے کی جاتی ہے، اور قدرۃً زر، زمین، زن وغیرہ اور بڑے لمبے چوڑے کوئی مقصود نظر کے سامنے نہیں ہوتا۔ یہی کیا مسلمانوں کا جہاد ہے، جسکی شرط اولین یہ ہے کہ فی سبیل اللہ ہو اپنے نفس و متعلقات نفس کے لیے نہیں، اللہ کی راہ میں ہو، اور مسلمان سپاہی کو ہدایت و تاکید

اس لیے اسکو حرام نہ کیا جائیگا۔ پس سود کی ایک صورت ایسی نکلی حرام نہیں، اور یہ مسئلہ ہے کہ جس امر میں ایک صورت بھی حلال ہو اسکی تعلیم اعانت علی الحرام نہیں۔ پس آپ اس نسبت سے سکھلاتے رہیے۔

س۔ میری ایک سہیلی ہیں۔ پچھلے رمضان میں انکے روزے رکھنے کے باوجود انکا اور انکے شوہر کا روزہ ایک ساتھ ٹوٹا۔ روزہ کا کفارہ ساٹھ روزے مسلسل رکھنا ہے، اور انکو اسکی بڑی فکر ہے۔ لیکن انکے لیے دقت یہ ہے کہ حمل اور رضاعت کا سلسلہ انکا برابر جاری رہتا ہے۔ اس لیے مسلسل ساٹھ روزوں کا انکے لیے کوئی امکان نہیں معلوم ہوتا۔ وہ سخت پریشان رہتی ہیں خصوصاً اس لیے بھی کہ انکے شوہر انکے اور اپنے روزوں کی طرف سے کفارہ کے طور پر ساٹھ مسکینوں کے کھلانے پر بھی توجہ نہیں کرتے۔

ج۔ کفارہ بطور سزا کے ہے۔ جرم کی سزا اس وقت دی جاتی ہے جب قصد و قصد شامل ہو۔ لیکن اگر عورت کی رضامندی سے شامل ہو نہ تھی تو نہ اس پر کوئی جرم عائد ہوا اور نہ وہ کسی سزا یا کفارہ کی مستحق ٹھہری۔ صرف قضا کا ایک روزہ رکھ لینا چاہیے۔ اور اگر کسی درجہ میں بھی رضامندی کو شامل ہوگئی ہو تو استغفار سے کام لینا چاہیے۔ رہا شوہر کا معاملہ تو وہ اپنے عمل کے خود ذمہ دار ہیں۔ باقی مخلصانہ مشورہ انکو بھی اور اسے کفارہ کا ضرور دینا چاہیے۔

نئی کتابیں

(بقیہ صفحہ ۳۶)

(۲) **یارانِ نبیؐ** مرتبہ الیاس احمد مجیبی۔ ۴۰ صفحات ۲ر

(۳) **ستارے** " ۴۰ صفحات ۲ر

پتہ:۔ بچوں کا کڈپو۔ کلاں محل۔ دہلی۔

مجیبی صاحب سیرت پاک اور آثار صحابہ پر اس سے قبل متعدد رسائل بچوں کے لیے سلیس و دلچسپ انداز میں لکھ چکے ہیں۔ یہ دو رسالے بھی اسی معیار کے مطابق ہیں، اور اس قابل ہیں کہ ہر گھرانے کے بچوں اور بچیوں کے ہاتھ میں دیئے جائیں۔ اول الذکر رسالہ میں خلفاء راشدین کے مختصر و منتخب حالات ہیں۔ تاریخی تفصیلات سے قصداً اجتناب کیا گیا ہے، وہی چیزیں سامنے لائی گئی ہیں جو خاص طور پر بچوں کے لیے سبق آموز ہیں۔ دوسرے رسالے میں بقیہ عشرۂ مبشرہ اور اکابر مہاجرین و انصار کے حالات درج ہیں۔

(ع۔ ق)

(۴) **اسلامی فتوحات**۔ از مولوی سید محمد حسین صاحب رضوی پھلواروی۔ ۹۰ صفحات۔ قیمت ۸ر پتہ:۔ مسلم اکاڈمی۔ پھلواری شریف

(صفحہ پٹنہ)

اس رسالہ میں فتوحات نبویؐ سے لیکر ہندوستان کے مسلمان بادشاہوں (علاء الدین خلجی تک) کی فتوحات کا مختصر تذکرہ ہے۔ مگر اسکی مصلحت کچھ سمجھ میں نہ آئی کہ علاء الدین خلجی کے بعد کے مسلم فاتحین کے کارنامے کیوں حذف کر دیے گئے خصوصاً اورنگ زیب کے۔ خلفاء راشدینؓ کے عہد کے فتوحات کا ذکر مختصر ہونے کے باوجود بہت سے صفحات میں پھیلا ہوا ہے، لیکن اسکے بعد تو بے حد اختصار سے کام لیا گیا ہے اور کہیں کہیں تو پڑھنے والے کو "اسنہ" اور مفتوحہ مقام کا نام فہرست کے سوا اور کچھ حاصل نہیں ہو سکتا۔ ہر زمانہ کی اسلامی فتوحات کے ساتھ ساتھ اگر نقشے بھی شامل کر دیے جاتے تو کتاب کی افادیت بہت بڑھ جاتی۔ کتاب کے شروع میں ادیب حسن صاحب ایم۔ اے کا ایک پرجوش خوبصورت دیباچہ بھی شامل ہے۔ (ع۔ ق)

(۵) **بوسۂ ہندی قید فرنگ میں**۔ از محمد ابن بشیر ۹۶ صفحات۔ قیمت ۸ر مجلد۔ کتاب خانہ دانش محل امین الدولہ پارک لکھنؤ

مرزا غالب ان خوش نصیب اردو شعراء میں ہیں جنکی زندگی اور کلام کے متعلق اردو میں کتابوں کا ایک پورا ذخیرہ اکٹھا ہو چکا ہے۔ رسالہ زیر نظر میں مرتب نے غالب کی قید کے حالات، جہاں سے بھی انھیں حاصل ہو سکے، ایک خاص ترتیب و سلیقہ کے ساتھ یکجا کر دیا ہے۔ نقل واقعات کے ساتھ جا بجا قرائن و قیاس سے بھی انھوں نے "فرنگی" ریسرچ اسکالرز کے انداز میں مدد لی ہے اور کہیں کہیں تو اپنے قرائن کو مولانا حالی صاحب یادگار غالبؒ کے مقابلہ میں قطعیت کے ساتھ پیش کرنے کی بھی ہمت کی ہے۔

آخری فارسی ترکیب بند بھی جس میں زمانۂ اسیری کے حالات خود غالب نے لکھے ہیں، درج کر دیا ہے۔ اس ترکیب بند کے اشعار سے مرتب نے اپنی کتاب میں خاص طور سے مدد لی ہے۔ کتاب جا بجا مفید حواشی سے آراستہ ہے، اور فارسی اشعار کا مطلب نیز اردو ترجمہ بھی کثر جگہ دیا گیا ہے۔ (ع۔ ق)

(۶) **گاندھی جناح مراسلات**۔ ضخامت ۷۰ صفحات قیمت ۱۲ر پتہ:۔ اردو محل معظم جاہی مارکٹ۔ حیدرآباد دکن۔

حال میں ہند مسلم مفاہمت کے سلسلہ میں گاندھی جی اور جناح صاحب کے مابین ملاقات کے ساتھ ساتھ جو اہم مراسلت انگریزی زبان میں ہوئی تھی وہ وقت کے اعتبار سے بہت اہمیت رکھتی تھی۔ کیونکہ اس میں فریقین نے اپنا اپنا نقطۂ نظر بہت صفائی و وضاحت سے پیش کیا تھا۔ یہ خط و کتابت انگریزی اخبارات میں پوری شائع ہوئی تھی اور اردو اخبارات میں بھی رفتہ رفتہ کرکے۔ لیکن عموماً ترجمہ عجلت کے ساتھ ہوا تھا، اور اکثر اخبارات نے گنجائش کی کمی کی وجہ سے بہت کچھ اختصار سے کام لیا تھا۔ اس رسالہ میں پوری خط و کتابت بغیر کسی اظہار رائے کے اردو میں منتقل کر دی گئی ہے۔ ترجمہ عام طور سے صاف ہے، لیکن جا بجا کہیں اخباری اردو آگئی ہے (ع۔ ق)

(۷) **دوشالہ** - از محترمہ آمنہ نازلی (ناضل ادیب) صفحات ۱۲۰ صفحات - قیمت ۲ روپے، عصمت بک ڈپو - دہلی

محترمہ آمنہ نازلی دہلی کے نامور زنانہ رسالہ عصمت کی ممتاز مضمون نگار ہیں اور ادیب نامور راشد الخیری کے گھر کی چراغ ہیں طبقۂ نسواں کی خدمت اور اصلاح معاشرت انکا خاص موضوع ہے دوشالہ انکے ۱۳ مطبوعہ ڈراموں کا ایک دلچسپ مجموعہ ہے۔ نئی نقاد نگاہ سے ان ڈراموں میں ڈرامائی انداز تو ضرور ملتا ہے لیکن دوسرے ڈرامائی عنصر نہیں پائے جاتے۔ اس لیئے انھیں ہلکے طرز رفتی خاکے کنارہ زیادہ موزوں ہے - محترمہ نے اپنے نقطۂ نظر سے متوسط مسلمان گھرانوں کے قابل اعتراض پہلوؤں اور اصلاح طلب معاشری خامیوں کو بے نقاب کیا ہے - خاکے بڑی حد تک کامیاب ہیں - کردار نگاری، تصویر جذبات، واقعاتی تسلسل کی بنا پر یہ خاکے جاذب نظر تے ہیں۔ اور سلیس انداز بیان اور نتھری ستھری زبان نے شگفتگی اور ادبی چاشنی بھی پیدا کر دی ہے - بڑی بات یہ ہے کہ تجدد اور فرنگیت کے سحر سے یہ مجموعہ بالکل پاک ہے - بحیثیت مجموعی زنانہ تفریحی ادب کی ایک خوشگوار چیز ہے، گھنٹہ دو گھنٹہ وقت معصومانہ انداز میں گزار دینے کے قابل۔ بلکہ شریعت گھرانوں کی بچیاں اس سے کچھ نہ کچھ کام کی باتیں بھی سیکھ سکتی ہیں - لیکن موصوفہ معاف فرمائیں، راشد الخیری کی بہو کے قلم سے توقع اس سے زیادہ دلچسپی اور اصلاحی چیز کی تھی۔

کتاب کی طباعت و کتابت اچھی خاصی نظر فریب ہے، اور دیباچہ محترمہ ڈاکٹر شاہینہ اختر کے قلم سے ہے - (ح - ا - ق)

(۸) **دی روڈ ٹو پیس اینڈ پاکستان** - (انگریزی) مصنفہ ضیاء الدین احمد صاحب سلیری - چھوٹی تقطیع - عمدہ طباعت، ضخامت ۱۴۰ صفحے - پتہ:- شیخ محمد اشرف، تاجر کتب - کشمیری بازار لاہور - قیمت ۴ روپے

مسئلۂ پاکستان کی اہمیت کسی مزید تصریح کی محتاج نہیں - پیش نظر کتاب میں پہلے 'پاکستان' پر بین الملکی یا انٹرنیشنل صورت حال کا جائزہ لیکر تبصرہ کیا گیا ہے اور اسے دنیا کے مستقل امن اور پائدار امن کے لیے اسکے قیام کو ضروری قرار دیا ہے۔ مصنف نے دنیا کو نظریاتی ہم آہنگی کی بنا پر مختلف اقتصادی منطقوں میں امن عالم کے قیام کے لیے تقسیم کر دینے کی تجویز پیش کی ہے - اور یہ رائے ظاہر کی ہے کہ اس صورت سے مختلف قومیں ایک دوسرے سے تعاون کریں گی، جنگ کا انسداد ہو جائیگا، پین اسلامزم یا اخوت اسلامی کی تعبیریوں عمل آئیگی کہ پاکستان بھی دوسرے آزاد اسلامی ملکوں کے ساتھ ایک منطقہ یعنی اسلامی منطقہ ہوگا۔

کتاب کے دوسرے حصہ میں مصنف نے پاکستان کے مطالبہ پر بحث کی ہے - اسی ضمن میں اسلام کی تعلیمات کی برتری اور تفوق کو دوسرے مذہبوں اور نظاموں علی الخصوص اشتراکیت پر واضح کیا ہے - اور ان اسباب کا بھی ذکر کیا ہے جو مطالبۂ پاکستان کے محرک ہوئے - پاکستان پر انگریزی حکومت اور ہندوؤں دونوں کی طرف سے جو اعتراضات سیاسی، معاشی و جغرافی پہلوؤں سے کیے جاتے ہیں - مصنف نے انکا جواب انگریز اور امریکی صحافیوں اور مدبروں کی تحریروں کے اقتباسات کے ذریعہ سے دیاہے، جس سے کتاب میں بجائے تصنیف کے ایک اخباری مضمون کی شان پیدا ہو گئی ہے - حیرت ہے کہ جہاں مصنف نے اسلامی منطقہ تجویز کیا ہے وہاں خلافت کی مخالفت کی ہے، گویا انکے خیال میں عالم اسلام کی فلاح بغیر امیر یا خلیفہ کے بھی ممکن ہے!

بہتر ہوتا کہ کتاب کی نظر ثانی انگریزی کے کسی مستند ادیب سے کرا لی جاتی - تاکہ وہ لغزشیں دور ہو جاتیں جو محض اخباری مضمون نگاروں کی تحریر میں عموماً رہ جاتی ہیں - بہرحال کتاب ہے دلچسپ اور پاکستان کے مخالف و موافق سب کے پڑھنے کے قابل - (م - ہ - ق)

رسید کتب

(۱) **مذبحۂ نشان کے سوا قربانی کے جانور کا دانت ہونا ضروری ہے** - از مولوی عبدالرؤف صاحب - ۱۶ صفحات قیمت ۳ر ملنے کا پتہ - مدرسہ جھنڈے نگر - ڈاکخانہ رامت گنج ضلع بستی -

قربانی کے بعض مسائل میں اہلحدیث کی ترجمانی عالمانہ رنگ میں

(۲) **مشیر حج** - از غلام احمد فرقت بی اے - ۱۱۲ صفحات کتاب غالباً مفت پر اونشل حج کمیٹی، کونسل چیمبر لکھنؤ سے مل سکے۔

حج کے مناسک اور سفر حج کے سلسلہ میں ضروری معلومات کا کارآمد مجموعہ

(۳) **روئداد مدرسۂ اسلامیہ محمدیہ دارالاشاعت اصلاحات اسلامیہ** شمس آباد ضلع اٹک (پنجاب) مرتبہ قاضی محمد زاہد الحسینی -

مدرسۂ مذکور کی روئداد مدرسہ اور دارالاشاعت کی کارگزاریوں کا نقشہ

صدق اور سچ کی مجلدیں

میں اپنی یہ مجلدیں بہ ضرورت، بہت ہی کم قیمت یعنی دو روپیہ (۲ عار) فی جلد کے حساب سے فروخت کرنے پر تیار ہوں - جلدیں مکمل - مجلد اور بالکل اچھی حالت میں ہیں - جن صاحب کا دل چاہے خرید لیں -

نوٹ (۱) "صدق" پہلے "سچ" ہی کے نام سے ا برس تک لکھنؤ سے شایع ہوا -

(۲) محصول ڈاک ذمہ خریدار ہوگا -

محمد صدیق کارکن دفتر صدق - مرشد آباد، جلس گور گنج - لکھنؤ

مولانا محمد علیؒ

(۱)

(قاضی عبدالغفار صاحب کی یادیں کی ایک نشری تقریر حیدرآباد ریڈیو سے)

موسم سرما اور وہ بھی دلی کا موسم سرما اور وقت صبح ۶ بجے۔ شوکت بھائی (یعنی مولانا شوکت علی) چند ماہ پہلے مجھے سرکاری ملازمت سے استعفا دلاکر یہاں لے آئے تھے۔ اب ستمبر ۱۲ء کی اس صبح کو ۶ بجے کلکتہ کی سکونت ترک کرکے پہلی دفعہ دلی آ رہے تھے۔ ابھی سورج نہیں نکلا تھا اور میں چلپر ر کے کوچہ سے بھاگم بھاگ چاندنی چوک تک پہونچا۔ اُسوقت کوئی تانگہ بھی میسر نہ آیا۔ اس لیے ریلوے اسٹیشن تک کا فاصلہ تقریباً ۲ میل بھاگتے بھاگتے طے کیا۔ وہ زمانہ تھا کہ میری عمر ۲۲ سال سے زیادہ نہ تھی۔ اس لیے دلی میں دسمبر کی کڑکڑاتی سردی میں ایک جوان جسم پر پسینہ کا لطف دوبالا ہوگیا تھا۔ اُسوقت تک میں مولانا شوکت علی سے تو خوب واقف تھا، اس لیے کہ میری شادی کے وقت وہ میری سسرال میں (یعنی سرمحمد شفیع مرحوم کے مکان پر) دفعتاً اُسوقت تشریف لائے جب میں دولہا بنا بیٹھا تھا۔ اور پہلا کام انھوں نے یہ کیا تھا کہ میرے سامنے سلامی کا جسقدر روپیہ رکھا تھا وہ سب اُٹھاکر مسلم یونیورسٹی کے چندہ میں شریک کر لیا تھا! مگر محمد علی کو میں نے ایک دو مرتبہ دور ہی سے دیکھا تھا۔ البتہ اب دسمبر کی اس ٹھنڈی صبح سے میرا انکا وہ رابطہ شروع ہوتا تھا جو اُنکی زندگی کے غروب آفتاب تک قائم رہا۔

کامریڈ والے محمد علی سے اس قدر قریب آنے کا شوق میری جوانی کو بیتاب کر رہا تھا! اور دلی ریلوے اسٹیشن کے اس پلیٹ فارم پر پہونچا اور ٹرین کی آخری گاڑی سے ایک سرمئی رنگ کا شاندار سوٹ پہنے ہوئے مسٹر محمد علی برآمد ہوئے۔ میری جوانی بھی اس زمانہ میں لباس و فیشن کی ترغیبات سے ہم آغوش تھی۔ اس لیے پہلی چیز جسکا رعب مجھ پر پڑا وہ محمد علی کے لباس کی تراش و زینت تھی۔ آج تک یاد ہے کہ اُنکے سرمئی سوٹ کے ساتھ اُنکے جوتے اور موزے بھی سرمئی تھے۔ زندگی کے اس دور میں جوتوں اور موزوں اور رومالوں کی رنگ آمیزی ہم نوجوانوں کی معاشرت کا گویا بہت ہی اہم عنصر تھی۔ علیگڑھ میں ہم اس جامہ زیبی کا سبق پڑھتے تھے اور اسکو اپنی تعلیم و تربیت کا ایک امتیازی نشان سمجھا کرتے تھے۔ زندگی کی یہ کیفیتیں ہمارے لیے اُسوقت تک نہ بدلیں جب تک کہ مسٹر محمد علی اپنی عبا اور ردا کے ساتھ مولانا محمد علی نہ بن گئے! اُس دن صبح کو دلی کے ریلوے اسٹیشن پر جبکہ میں نے اُس شخص کو دیکھا جس سے میری زندگی کا سالہاسال کا رب ساوت کرنا تھا تو وہ نظارہ صرف اتنی ہی دلچسپ تھی کہ پہلی نظر آکسفورڈ کے تعلیم یافتہ محمد علی کے سوٹ کی تراش اور فیشن کے ساتھ موزوں اور جوتوں کے رنگ کے ربط پر گئی!

باقی جو کچھ دیکھا تھا وہ بعد میں دیکھا۔ ۲۲ سال کی عمر جسکا ایک حصہ سرکاری ملازمت میں گزرا تھا۔ ابھی اپنی نظر کا زاویہ قائم نہ کرسکی تھی! میں کامریڈ کے مضامین پڑھا کرتا تھا اور اُن مضامین کے مطالب سے زیادہ انگریزی زبان پر محمد علی کے قلم کی قدرت کو دیکھا کرتا تھا۔ میرا دل اور میری طرح اُس زمانہ کے ہزارہا نوجوانوں کا دل جدید افکار کی وسعتوں اور خیالات کی بلندیوں سے ناآشنا تھا۔ ہمدرد کے شعبۂ ادارت میں جب میں ایک ادنیٰ شاگرد بن کر محمد علی کے سامنے بیٹھا۔ تب کہیں ان چنگاریوں کی گرمی میں نے محسوس کی جو کامریڈ کے جوان سال اور بیباک اڈیٹر کی شخصیت سے نکل کر اُنکے نوجوان شاگردوں کو اذیت کوش ہونے کی دعوت دیتی تھیں۔

۲۳۔ فروری ۱۹۱۳ء کو ہمدرد کا ایک ورقہ نقیب ہمدرد کے نام سے شایع ہوا تھا۔ اسوقت تک بیروت سے ٹائپ کی کافی مقدار وصول نہ ہوئی تھی۔ اس لیے کہ جون ۱۳ء سے پہلے ہمدرد اپنے پورے حجم کے ساتھ شایع نہ ہو سکا۔ یکم جون ۱۳ء سے پورے شعبۂ ادارت کا پورا کام شروع ہوا۔ اور میں نے پہلی دفعہ محمد علی کے مددگار کی حیثیت سے صحافت کے میدان میں قدم رکھا۔ ایک ادنیٰ شاگرد کی حیثیت سے میں نے اُنکے سامنے زانوئے ادب تہ کیا تھا اور جب تک کہ ۱۹۱۴ء کی جنگ کا ہنگامہ شروع نہ ہوا اور محمد علی کی ذاتی حیثیت قومی نیابت کے کاموں میں منتقل نہ ہوگئی وہ ہمدرد کے شعبۂ ادارت کی نگرانی کرتے رہے۔ یہی زمانہ وہ تھا کہ ایک ایسے اُستاد کی طرح جو بیک وقت شفیق بھی تھا اور سخت گیر بھی۔ انھوں نے صحافت کے ابتدائی اصول اپنے نوجوان مددگاروں کو سمجھائے۔ طریقہ کار یہ تھا کہ ہفتہ میں صرف ایک یا دو مضامین لکھوائے جاتے تھے۔ ہرروز شام کو شعبۂ ادارت کے اراکین کی ایک مجلس مشاورت چیف اڈیٹر کے کمرہ میں منعقد ہوتی تھی۔ اس مجلس میں مرحوم اپنے ہر مددگار کے لیے ایک مضمون تجویز کرتے تھے۔ پھر اس مضمون کے متعلق کتابوں کی ایک فہرست لکھواتے تھے۔ بہت سی کتابیں اپنے کتب خانہ سے نکال کر دیتے تھے۔ اُنکے خاص خاص ابواب اور صفحات کی نشان دہی کرتے تھے اور بار بار اس اصول کو ذہن نشین کرایا کرتے تھے کہ لکھنے سے پہلے اور لکھنے سے زیادہ پڑھنے کی ضرورت ہے۔ بعض دفعہ دس بارہ کتابیں پڑھنے کے بعد ایک اداریہ لکھنا ہوتا تھا۔ میرا پہلا اداریہ ہمدرد کی پہلی جلد کے آٹھویں پرچہ میں اور جون کو شایع ہوا تھا۔ اُسکا عنوان "مصر" تھا۔ یہ اداریہ کئی قسطوں میں شایع ہوا تھا۔ لیکن میں یہ بتاؤں کہ وہ لکھا کس طرح گیا تھا تاکہ آپ کو معلوم ہو کہ فن صحافت میں محمد علی کے شاگرد کس طرح تربیت حاصل کرتے تھے۔ دس بارہ کتابیں مجھے دی گئی تھیں تاکہ میں اُن سب کو پڑھ لوں، کچھ نوٹ خود محمد علی نے لکھوائے تھے۔ آٹھ دس دن تک میں لکھنے کی تیاری کرتا رہا۔ پھر جب ایک حصہ لکھ لیا تو مسودہ اُنکے پاس لایا۔ مجھے یاد ہے کہ چند ہی سطریں پڑھنے کے بعد

اُنھوں نے منہ بنایا اور یہ کہکر مسودہ پھینکدیا کہ "یہ کیا فضولیات گھسیٹ لائے ہو؟" میں کیا کہوں کہ اُس دن ایک نام کار نوجوان کی کس قدر دلشکنی ہوئی جسکو اپنے خیال میں بڑا ناز تھا اس بات پر کہ وہ ہمدرد کے ادارتی شعبہ میں بغیر اپنی خواہش کے اصرار کے ساتھ شریک کیا گیا ہے۔ حالانکہ عمر اور تجربہ میں وہ محمد علی کے تمام دوسرے مددگاروں سے کم ہے۔ اگر چیف ایڈیٹر کی رائے میں اسکے پہلے ہی مضمون کا مسودہ فضولیات قرار پایا تو ظاہر ہے کہ اس نوجوان کی خودبینی کو جسقدر بھی صدمہ پہونچا ہو وہ کم ہے۔ بڑی ذلت اور شرمندگی محسوس ہوئی۔ کچھ غصہ بھی آیا مگر اتنی جرأت نہ تھی کہ اس غصہ کا ذرا بھی اظہار کیا جاتا۔ پھر ایک گھنٹے تک اُنکا لکچر سنا پھر بہت کوشش کرکے اُنکے خیالات کے مطابق ازسرنو وہ مضمون لکھا پھر بھی وہ ناپسند ہوا مگر اتنا نہیں جتنا کہ پہلی دفعہ۔ وہ ابتدائی ایک دفعہ پھر لکھو۔ رات بھر بیٹھ کر پھر لکھا۔ اور صبح کو پیش کیا۔ پورا مضمون پڑھا۔ گلے سے لگا لیا تعریفوں کے پل بندھ گئے پہلے جس قدر اُنکی تنقید سے شرمندہ ہوا تھا اب اُنکی توصیف سے شرمندہ ہوگیا! معلوم ہوا کہ اس استاد کی تلخی میں شہد اور دودھ کی نہریں بھی بہا کرتی ہیں! ہفتوں میرے ان مضامین کی تعریف ہوتی رہی چنانچہ حوصلہ بڑھا اور خوداعتمادی پیدا ہوئی۔ اب اُن کی بات سمجھ میں آنے لگی۔ اُنکا سا حافظہ یا اُنکی سی ذہانت تو نصیب نہ ہوئی تھی۔ اس پر بلا مبالغہ سیکڑوں اور ہزاروں کتابیں اس طرح پڑھی ہیں کہ پنسل اور نوٹ بک پاس رکھی ہے۔ کام کی باتیں نوٹ کرتا جاتا ہوں۔ ہر مسئلہ کے متعلق حاصل کردہ معلومات کو ایک علیحدہ فائل میں محفوظ کر دیتا ہوں اور ضرورت کے وقت اس سے کام لیتا ہوں۔ مضمون لکھتا ہوں تو زیادہ کوشش اس بات کی کرتا ہوں کہ وہ معلومات سے پُر ہو اور معلومات بھی ایسی جو صحیح ہوں! خود محمد علی کو جب کوئی اہم مضمون لکھنا ہوتا تھا تو اکثر رات اس طرح جاگتے تھے کہ انکے بستر پر کتابوں اخباروں اور رسالوں اور تراشوں کا انبار ہوتا تھا۔ اور سرٹ پنسل ہاتھ میں ہوتی تھی۔ ان تیاریوں کے بعد لکھنے بیٹھتے تھے تو اپنے طرز نگارش کے ساتھ اپنی بے پناہ معلومات سے دلائل کی قوت میں اضافہ کرتے تھے۔ انکی دوسری اہم خصوصیت یہ تھی کہ ہر مسئلہ کی تفصیلات پر گہری نظر ڈالتے تھے اور بعض اوقات تو میں یہ سمجھتا تھا کہ وہ بال کی کھال نکال رہے ہیں لیکن بعد کو معلوم ہوتا تھا کہ انہی چھوٹی چھوٹی تفصیلات ہی سے بڑے بڑے دلائل مستحکم کیے جاتے ہیں!

ہر شریک کار کو انکے خلوص و محبت سے بھرے دل میں جگہ ملتی تھی۔ ظاہری عتاب و غصہ (جو آخر میں اعصابی امراض کی وجہ سے زیادہ ہوگیا تھا) محض عارضی ہوتا تھا۔ ایک دفعہ انھے ایک مضمون کا پروف دیکھا تھا اُس میں کوئی غلطی رہ گئی۔ مزاج برہم ہوگیا۔ دفتر میں آکر مجھ پر برس پڑے۔ میں بھی کچھ برسا۔ اُسی وقت اپنا استعفا لکھکر گھر چلا آیا۔ دوسرے دن تک بھائی زبردستی پکڑ کر لے گئے اور میں گیا بھی تو یہ سنکر کہ کل سے محمد علی نے کھانا نہیں کھایا ہے اور بہت مغموم ہیں۔ اُنکے سامنے پہونچا تو شکایت و حکایت تو کجا لپٹ کر اس طرح رونے لگے کہ مجھ پر ہزاروں گھڑے پانی پڑ گیا۔ میری شکایت ندامت بن گئی اور توبہ کرنی پڑی کہ اب ایسا نہ ہوگا۔ اپنے شاگردوں اور عقیدتمندوں سے محبت کے جواب میں وہ محبت مانگا کرتے تھے

گریجوئیٹوں کے لیے قرآنی تعلیم

صوبہ بنگال کی مسلم لیگ نے یہ فیصلہ کیا ہے کہ اپنی نگرانی میں طالب علموں کی قرآنی تعلیم کی جماعتیں کھولے۔ ان جماعتوں میں درس کے لیے مولانا آزاد سبحانی کی خدمات حاصل کی جا رہی ہیں۔ صوبائی مسلم لیگ مذکور کے معتمد نے اس اقدام کی توجیہ کرتے ہوئے کہا۔

"تعلیم یافتہ نوجوان مذہب سے ناواقفیت کی بنا پر بلا سوچے سمجھے "مارکسزم" کی جانب دوڑے چلے جا رہے ہیں اور اُن میں مذہب سے بے نیازی کے آثار پائے جانے لگے ہیں۔ اسکے انسداد کے لیے اس امر کی ضرورت محسوس کی جا رہی ہے کہ انہیں مذہب اسلام اور قرآن مجید کی بصیرت افروز تعلیمات سے واقف کر دیا جائے"۔

بنگال مسلم لیگ نے یہ بڑا اچھا قدم اُٹھایا ہے اور ضرورت ہے کہ اسکی تقلید ہر صوبہ کی مسلم لیگ اور ہر ریاست کی مسلم تنظیم کرے۔ اس میں کوئی کلام نہیں کہ مسلم لیگ مسلمانوں کے لیے ایک ایسا علیحدہ نظام تعلیم بھی تجویز کر رہی ہے جو مسلمانوں کی دینی و دنیوی دونوں ضرورتوں پر حاوی ہو مگر اسکے لیے اُسوقت تک انتظار کی ضرورت ہے جبتک وہ ایسا کرنے کا اختیار نہ حاصل کرلے اور اس دوران میں اندیشہ ہے کہ ہزاروں انگریزی تعلیم یافتہ گمراہ سے گمراہ تر ہو جائیں انکا بچانا بہت ضروری ہے اور یہ ایک اچھی تدبیر ہے کہ طالب علموں اور انڈرگریجوئیٹوں کے لیے ایسے مدارس کھولدیے جائیں جہاں وہ کاروباری اوقات کے علاوہ ساعتوں میں شریک ہوکر یہ جاننے اور سمجھنے کا موقع حاصل کرلیں کہ اسلام کیا ہے اور انسانی زندگی کے مختلف شعبوں کو وہ کس طرح منظم کرنا چاہتا ہے۔ اس مقصد کیلئے "قرآنی تعلیم" کے انتظام سے بہتر کوئی اور چیز نہیں ہو سکتی۔ اگر ہندوستان کے اسلامی جماعات اور اسلامی کلبوں میں بھی اس طرح کی ایک ایک جماعت کھولدی جائے تو بہت ہی مناسب ہے۔ لیکن مسلمانوں کو ان جماعات اور کالجوں کے اس سمت میں اقدام کا انتظار بھی نہ کرنا چاہیے اور اس قسم کی درسگاہیں کھول لینی چاہییں۔ "مارکسیت" بلاشبہ اس زمانہ کا ایک بہت بڑا خطرہ ہے۔

ہم اور وہ!

ہندوستان کے ہندو ۵۰ سال سے منظم ہیں۔ تحریک خلافت کے سبب سے انکی تنظیمی قوت بہت زیادہ ترقی کر گئی اور گو ان میں مختلف ناموں سے مختلف جماعتیں ہیں، اور وہ اختلاف طریقۂ کار کی بنا پر ہیں، مگر سب کا مقصد ایک ہے۔ کانگریس اگر برطانیہ کی غلامی سے آزادی حاصل کر کے مسلمانوں کو ختم کرنے کا حوصلہ کرتی ہے، تو ہندو مہا سبھا آزادی حاصل کرنے کے بعد مسلمانوں کو اقلیت بنا کر اپنا محکوم بنانا چاہتی ہے۔ یہ ہے سیاسی عقیدہ کا فرق۔ لیکن جہاں تک قومی بہبود، اور عیسائیت یا ملت کے نام فلاح و بہبود کا تعلق ہے ان میں کوئی اختلاف یا فرق نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ ان میں اگر کوئی اختلاف ہے بھی تو انکے ارباب بست و کشاد ایک دوسرے پر نکتہ چینی اور گندگی اچھالتے ہیں۔ آج ہی مسٹر سبھاش چندر بوس کی تقریر (کلکتہ) آئی ہے۔ جس میں انھوں نے ذمہ دارانہ حیثیت سے کانگریسیوں سے پرزور تاکید کی۔ کہ کمیونسٹوں کو کانگریس سے نہ نکالا جائے بلکہ قومی کاموں میں ہر شخص کا تعاون حاصل کیا جائے۔ خواہ وہ مسلم لیگی ہو۔ البتہ کانگریس میں شامل ہو جانے کے بعد اگر کوئی شخص کانگریس کے اصول مسلک۔ نصب العین۔ یا مقصد کے خلاف کوئی کام کرتا ہے تو اسکے خلاف تادیبی کارروائی کر کے کانگریس سے خارج کیا جا سکتا ہے۔

یہ ہے اس جماعت اور ان لوگوں کی رواداری جنکے نام ہی سے مسلمان بیزار ہوتا ہے۔ چونکہ کانگریس کو اپنی قوت اور اثر و رسوخ پر اعتماد ہے، اس لیے اسکو پرواہ نہیں رہتی کہ کون کس جماعت سے تعلق رکھتا ہے اور کس مقصد کو سامنے رکھ کر کانگریس میں شامل ہوتا ہے۔ وقت آنے پر کھوٹے کھرے کی تمیز ہو جاتی ہے اور جس نے کانگریس احکام کی خلاف ورزی کی یا ذرا بھی سرتابی کی اسے دودھ کی مکھی کی طرح نکال پھینکا۔

خدمت خلق اور تعمیری کاموں کا خیال آیا، تو یہ سمجھنا مشکل ہو گیا کہ کانگریس کے پاس سرمایہ زیادہ ہے یا ورکرز کی تعداد۔ سوراج فنڈ تو قصۂ ماضی بنگیا۔ ہریجن فنڈ مدت سے جاری ہے اور اس شغل سے جاری ہے کہ اسکی حد معین ہوئی اور نہ کسی کی سمجھ میں آتی۔ گویا یہ ایسا مسلسل فنڈ ہے جو اسوقت تک جاری رہیگا جب تک ملک میں ایک بھی انسان ایسا باقی ہے جسے محض ذات کی بنا پر اچھوت اور ذلیل سمجھا جا رہا ہو۔ کھادی اور چرخے کی تحریک ۲۵ سال سے اس تنظیم اور سنجیدگی کے ساتھ چل رہی ہے کہ جو لوگ سوت کاتنا "زنانہ کام" سمجھتے ہیں وہ بھی اگر دو نہیں تو ہر ہفتہ میں چند تولہ ہی سوت کات لیتے ہیں۔ اس تحریک سے لاکھوں غریب عورتیں اپنا آذوقہ کما رہی ہیں۔ اور کھادی اب باشندگان وطن خدمت خلق، صاف گوئی، بے خوفی اور سادگی [illegible] کی علامت بنگئی ہے۔ تعمیری کام کی جو دھن لگی تو ایک معقول سرمایہ فراہم کر لیا۔ اور اب صرف آنریری ورکروں کی ایک فوج ایک لاکھ دیہاتوں میں بھیجی جا رہی ہے، جو ہر قسم کے اصلاحی، صنعتی، تعلیمی، اور سیاسی خدمت انجام دیگی۔ ساتھ ہی ساتھ صفائی، حفظان صحت اور مفت علاج و معالجہ کا انتظام بھی کریگی۔ یہ سب تو اہم سوال جنگ کے بعد کا تھا۔ ابھی برطانیہ امریکہ اور چین تعمیر عالم کی اسکیم پر غور ہی کر رہے ہیں اور ادھر ہندوستان میں سیکڑوں کمپنیاں بن گئیں جو صنعتی کارخانے چلائیں گی۔ اور دنیا سے صنعتی میدان میں مقابلہ بھی کریگی۔ انگریزوں نے تجارت کے بہانے جس طرح یہاں حکومت قائم کر لی تھی، اب یہ ہندو تجارت ہی کے ذریعے اس حکومت کو بے اثر اور دنیا سے برابر کا تعلق قائم کر رہے ہیں تا برسامان تیار کرینگے اور کانگریس آزاد تجارت کے حقوق حاصل کریگی۔ اخلاقی اصلاح کا کام کس درجہ دشوار کام ہے۔ لیکن گاندھی جی کی فاقہ کشی نے وہ کام کیا جو ہزاروں ناصح بھی مل کر نہیں کر سکتے تھے۔ اصول کی پختگی کا یہ حال کہ مہا سبھا پاکستان تسلیم کرنے پر کسی طرح آمادہ نہیں اور کانگریس حکومت کی شرط تسلیم کرنے پر کسی طرح تیار نہیں۔ خواہ اسکے بڑے بڑے لیڈر قید میں سڑ سڑ کے مر جائیں!

یہ اجمالی کیفیت ہے انکی جنکو مسلمان خاطر میں نہیں لاتے، بلکہ اپنا دشمن سمجھتے ہیں۔ دشمن اور مخالف سمجھ لینے کے بعد چاہیے تو یہ تھا کہ دعوت جنگ دینے کے ساتھ ہی کم سے کم انھیں آلات سے اپنے کو مسلح کر لیتے جو دشمن کے پاس ہیں۔ لیکن ہمارا کیا حال ہے؟ یہ نہ پوچھیے

ہم اگر کہنے لگیں گے تو شکایت ہوگی

مذکورہ بالا باتیں ہم میں تلاش کیجیے۔ اور دیانتداری کے ساتھ فیصلہ کیجیے کہ کیا ہم اس قابل رہ گئے ہیں کہ حکومت برطانیہ کانگریس اور مہا سبھا کا یکجائی یا ان میں سے فرداً فرداً کسی کا مقابلہ کر سکیں؟ (ملاّ ت)

پُرانے مذہبی رسالے

(شوکت حسین پرنٹر نے [illegible] پریس میں چھپوا کر گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِی جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ	اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اُسکو سچ مانا وہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر ۔ عبدالماجد

پتہ ۔ دریاباد ۔ ضلع بارہ بنکی

نائب ۔ (حکیم) عبدالقوی بی اے

مضامین کے متعلق خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ اور انتظامی امور کے متعلق مراسلت اس پتہ پر کیجائے

محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم صدق

مرشد آباد بلڈنگ ۔ گولہ گنج ۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ

ششماہی ۳ر

بیرون ہند سے سالانہ ۱۰ شلنگ

قیمت فی پرچہ ۲ر

صدق

نمبر ۳	دوشنبہ ۔ ۲۱ صفر المظفر ۱۳۶۴ھ مطابق ۵ ۔ فروری ۱۹۴۵ء	جلد ۱۰

سچی باتیں

آپ کو علم ہے کہ اسوقت ملک کی نامور ترین رقاصہ کون ہے؟ ——— لاحول ولا قوۃ ۔ ہوگی کوئی بیسوا ، فاحشہ ۔ صدق کے صفحات میں اسکا ذکر کیسا؟

جلدی نہ کیجیے ۔ واقعہ یہ نہیں ہے، اور افسوس ہے کہ نہیں ہے ۔ نامور ترین رقاصہ کوئی پیشہ ور طائفہ والی نہیں ۔ ملک کی ایک بڑی معزز غیر مسلم خاتون ہیں ۔ نام کے ساتھ "دیوی" لکھا جاتا ہے ۔ جنوبی ہند کے ایک برہمن خاندان کی لڑکی ۔ شوہر ایک نامور، معزز، کہنا چاہیے کہ "مقدس" انگریز ۔ ہند و تصوف کے مشہور سلسلہ تھیوسافیکل سوسائٹی کے صدر ! لاکھوں اگر نہیں، تو ہزار ہا ہزار پڑھے لکھوں کے روحانی پیشوا ! مسز بیسنٹ کے جانشیں ! یہ اُنکی بانوے محترم" ہیں ۔ جہاں جاتی ہیں، ہاتھوں ہاتھ لی جاتی ہیں، اعزاز و اکرام کی مسند پر جگہ پاتی ہیں ۔ یہ اُن خاتون اکرم کے کارنامے ہیں ۔ ساتھ میں ناچنے والیوں کی ایک ٹولی ہیں ۔ ہندوستان میں دورہ کر رہی ہیں ۔ خود ناچتی ہیں، ان سب کو نچاتی ہیں، مرتبۂ اُستادی پر فائز ہیں ۔ کہیں سری کرشن جی کا روپ بھرتی ہیں، کہیں کوئی اور مقدس سوانگ رچاتی ہیں ۔ انگریزی اخبارات اُنکی تصویروں اور اُنکے تذکرے سے لبریز ۔ لیڈر، بمبئی کرانیکل، امرت بازار پتریکا، جس پرچہ کو اُٹھا کر دیکھ لیجیے، اُنکے مناقب، اُنکے کمالات کی داستان سے پُر ملیگا ! ——— حرام اور ناجائز ہونا تو خیر بہت دور ہے، ناچ مین جزو عبادت اور علامت تقدس

فتنہ کی اہمیت کی، اسکی وسعت اور پھیلاؤ کا قطعاً آپ کو اندازہ نہیں ۔ اسکی جڑیں کہاں کہاں پہونچ چکی ہیں ! یہ انگریزی اخبار اور رسالے آپ کے گھروں میں بھی ہزار ہا ہزار کی تعداد میں پڑھے جاتے ہیں، شوق و اشتیاق کے ساتھ اور پڑھنے والوں کے ساتھ پڑھنے والیاں بھی ہوتی ہیں ۔ بھائیوں کے ساتھ بہنیں بھی بے تکلف اسی سیلاب میں بہی چلی جا رہی ہیں ۔ اور نام تنہا انگریزی کا پرچوں کا کیوں لیجیے بڑی بڑی اشاعتیں رکھنے والے لاہور اور دہلی کے جو اردو پرچے غیر مسلموں کے ہاتھ میں ہیں (ملاپ، اور پرتاپ، اور تیج اور وندے ماترم اور کون کون) وہ کچھ کم تعداد میں مسلمانوں کے ہاتھوں میں جا رہے ہیں؟ زہر پھیلانے میں وہ کچھ کم ہیں؟ ——— یہ ذکر صرف عام اور سنجیدہ اخبارات کا تھا ۔ باقی فلمی رسالے جنکا موضوع ہی یہی ہے، اور جو درجنوں اور درجنوں کی تعداد میں بمبئی اور دہلی اور لاہور سے نکل رہے ہیں، انکا کوئی سوال ہی نہیں ! ——— آپ پر دو طرفہ حملہ ہے ۔ ہندو تہذیب اور فرنگی تہذیب دونوں نے متحد ہو کر آپ کو نرغہ میں لے لیا ہے ۔ اور یہ طے کر لیا ہے کہ آپ کے بچوں اور بچیوں کو اپنا لینگی، اور آپ کے ثقافتی پردے سیاسی شرافت کو آپ ہی کے ہاتھوں پاش پاش کر کے رہینگی !

---

۲۶ ۔ نومبر کا لیڈر اُٹھا کر دیکھیے، اپنے گھرانے کے ایک مشہور مرتاض ... خان کی تصویر نظر آئیگی، اور ایک لمبا مقالہ اس قصیدے پر انتہائی والہانہ انداز میں ایک مسلمان خاتون کے قلم سے ! ——— فسق و فجور سے بچانے والی ہر معصیت سے روکنے والی چیزوں کی جھجک ہی تو ہے جب تعلیم، تربیت والوں نے وہ جھجک توڑ دی

— دیا ہو ہیں، تو ایک دن میں کُل تماشائیوں کی تعداد کتنی ہوئی؟ ——

اور یہ اُس شہر میں جہاں کے لیے ابھی ابھی اخباروں میں نکلا ہے کہ کپڑے کی گرانی اور نایابی سے تنگ آکر لوگوں نے قبریں کھود کھود کر مُردوں کے کفن اُتارنے شروع کر دیے ہیں!

خوب گزری ہے کہ اِدھر تن ڈھانپنے کو کپڑا موجود نہیں۔ اور اُدھر سینما کے لیے جیب میں دام! افراط پیدا کرنے والوں نے اس دَور سے قبل کبھی کیوں اتنی شوقینی کی ہوگی! اور یہ کہا جائے کہ شوقین مزاجوں نے اس سے قبل کبھی کیوں اس حد تک اس کی مشق بہم پہنچائی ہوگی!

"رُوحانیت" دو ہفتہ میں

ایڈیٹر صاحب ریاست (دہلی) کا تجربہ کئی سال قبل بمبئی کے ایک ہوٹل میں "روحانیت" کے ایک شعبدہ باز مسٹر محمود سپلے نصری کے ساتھ:۔

"مسٹر محمود سپلے نے میرے ہاتھ میں ایک بالکل کورا کاغذ دیا ۔۔۔ اور مسٹر محمود اپنے سکرٹری (ایک خوبصورت یوروپین لڑکی) کے ساتھ دوسرے کمرے میں چلے گئے۔ میں نے پہلے پنسل سے یہ تین سوالات لکھے ... سوالات کو لکھ کر میں نے کاغذ کو تہ کیا اور مسٹر محمود کو آواز دی کہ آجائیے۔ وہ آکر میز کی دوسری طرف بیٹھ گئے۔ اور منہ سے کچھ پڑھتے رہے۔ پانچ سات منٹ کے بعد آپ نے مجھ سے کہا کہ میں تہ شدہ کاغذ کو کھولوں۔ میں نے جب کاغذ کھولا تو اس میں ہر سوال کے ساتھ جواب لکھا ہوا تھا .... میں ان جوابات کو دیکھ کر حیران رہ گیا کہ کاغذ میں نے لیا۔ خود سوالات لکھے۔ کاغذ میرے ہاتھ میں رہا۔ مسٹر محمود نے مجھ سے چھوا تک نہیں۔ یہ جوابات کون لکھ گیا .... اگر محمود فی الحقیقت روحانی بزرگ ہیں تو اُنکے پاس یہ خوبصورت لڑکی کیوں ....

میں نے مسٹر محمود کو اپنے ہوٹل میں ڈنر پر آنے کو کہا۔ ایک رات کو وہ آئے۔ کھانے کے ساتھ اُنھوں نے وسکی پی۔ پھر ہم سیر کے لیے موٹر میں گئے .... اب پتہ چلا کہ روحانیت میں اچھا کھانا، قیمتی شراب پینا، یوروپین لڑکیاں بطور سکرٹری رکھنا، سینما دیکھنا اور زندگی کو پُرلطف بسر کرنا بھی ممکن ہے .... مسٹر محمود نے مجھ سے خواہش ظاہر کی کہ چونکہ میں پروپیگنڈا اور اشتہارات کے فن سے واقف ہوں، اُنکے ساتھ امریکہ چلوں .... اگر ہم چاہیں تو وہاں رہیں تو روح کے ساتھ کاغذ پر لکھ کر ہم لاکھوں روپیہ پیدا کرینگے .... انھوں نے مجھ سے وعدہ کیا تھا کہ روح کے ساتھ کاغذ پر لکھنا مجھے دو ہفتے میں سکھا دیں گے۔" (ریاست۔ ۲۰ جنوری)

جس "روحانیت" کے یہ کمالات دیکھ کر ایڈیٹر صاحب کو اتنی حیرانی رہی، اُسکا صحیح نام روحانیت نہیں، کہانت ہے۔ مصر، یونان وغیرہ ہر قدیم قوم میں کاہنوں کا زور رہ چکا ہے، اور کہانت کے ماہرین اس سے بڑھ بڑھ کر حیرت انگیز نمونے اپنے فن کے کمالات کے دکھاتے رہے ہیں۔ اور بڑے بڑے بادشاہ، امراء، وزراء اُنکے معتقد رہ چکے ہیں۔ یہ "روحانیت" نہ شراب خواری کے منافی ہے نہ حرام کاری کے نہ کسی اور معصیت کے

ایں زمیں را آسمانے دیگر است

اس فن کا تعلق صرف اُوپری سطحوں سے ہے، اور شاگرد اگر ذہین ہے تو یقیناً چند ہفتوں میں اسے سیکھ سکتا ہے۔ تصفیۂ اور تزکیۂ اخلاق، طہارتِ قلب، خشیتِ الٰہی کی ضرورت جس طرح زندگی میں ہے، اُسے ان تکوینی مکاشفوں اور اشراقی سطحوں سے دُور کا بھی تعلق نہیں۔ وہاں مقصود معرفت رضاے مولیٰ ہوتا ہے، اور اُسکی راہ صرف طاعت و اطاعت کی ہے۔ ہفتہ دو ہفتہ کے لیے نہیں، ساری عمر کے ایک ایک لمحہ کے لیے —— نظر کے سامنے معیار صحیح اگر آ گیا ہے، اور دل میں طلب صادق پیدا ہو جائے، ہر چمکتی ہوئی چیز پر سونے کا گمان نہ رہ جائے، تو ذہن کے سامنے کوئی الجھاؤ نہیں باقی رہ سکتا۔

ناول اور سینما

"ایک غلطی جس میں آجکل کے ناول نویس اور نفسی معالجین بڑی کثرت سے مبتلا ہیں، وہ یہ ہے کہ شہوانی زندگی کو حد سے زیادہ اہمیت دے رہے ہیں۔ فرانس اور انگلستان میں بالخصوص پچھلے تیس سال کے ادبیات کا تعلق (چند مستثنیات کو چھوڑکر) تمام تر بڑے شہروں کے تمدن سے رہا ہے جہاں دولت آسانی سے حاصل ہو جاتی ہے، اور اسکی مخاطب مردوں سے زیادہ عورتیں رہی ہیں .... سینما بھی ضرورت سے زیادہ زور عشق و محبت پر دے رہا ہے اور ضرورت سے کم عمل پر"

تنقید، آج کے ناول و سینما پر یہ تنقید، کسی دقیانوسی مشرقی کی نہیں، فرانس کے نامور ادیب و نقاد ANDRE MAUROIS کی ہے، اور وہ بھی کسی پرانی کتاب میں نہیں، سنہ ۱۹۴۹ء کی چھپی ہوئی ART OF LIVING (صفحہ ۴۳) میں!

—— اندھی تقلید کرنے والا اور ٹھیٹھ غلاموں کی ذہنیت رکھنے والا ہندوستانی ناول نویس اپنے کمالات کی داد ڈھونڈھ رہا ہے!

اپنوں کی بیخبری

قاہرہ ۱۰ دسمبر۔ کُل عرب خواتین کی کانفرنس کے تیسرے اور آخری اجلاس میں میڈم نقلا شبیب نے جو لبنانی خواتین کی نمائندگی کر رہی ہیں، عورتوں کے لیے مزید سیاسی حقوق طلب کرتے ہوئے اس امر پر زور دیا کہ عورتیں اب دنیاے فکر و عمل میں زیادہ کام انجام دینا چاہتی ہیں، میڈم مفیدہ عبدالرحمٰن نے کہا کہ

(۱) بدچلنی پر مردوں اور عورتوں دونوں کو مساوی سزا دینا چاہیے۔

(۲) بیسوائی کا پیشہ قانوناً ممنوع ہونا چاہیے"

(۳) کنواروں پر ٹیکس لگنا چاہیے۔" (خبر)

موصوفہ نے جو تین مطالبات پیش کیے، ان میں سے دو تو شریعت اسلامیہ کے عین احکام ہی ہیں۔ شریعت نے حرام کاری کی سزا مرد و عورت کے لیے مساوی رکھی ہی ہے، اور بیسوائی کا پیشہ تو شریعت کی عملداری میں کوئی نام بھی نہیں لے سکتا۔ رہا تیسرا مطالبہ، تو وہ شریعت ہی کی

دے رہی ہے وہ گوشت کے ایک چیتھڑے کے سوا اور کیا ہے۔ یعنی زبان۔ اس تجربہ کا مشاہدہ جو کرچکا ہے، لاکھوں اور کروڑوں کی شکلوں میں کرچکا ہے، تو اسی تجربہ کردہ مشاہدہ کے آئندہ وقوع میں شک و شبہ بجز جنون کے ہیں تو اسکو کچھ اور نہیں سمجھتا۔ سورۂ یٰسین میں بھی

الیوم نختم علیٰ افواہہم وتکلمنا ایدیہم وتشہد ارجلہم بما کانوا یکسبون۔	آج ہم مہر لگا دیں گے انکے منہ پر اور ہم سے بولیں گے انکے ہاتھ اور گواہی دینگے انکے پاؤں ان کرتوتوں کا جو وہ کرتے تھے

ظاہر ہے کہ سارے کرتوت جو آدمی موجودہ زندگی میں کرتا ہے وہ اسی جسدی ہاتھ پاؤں سے تو کرتا ہے۔ یہی تو ان اعمال کے وقت ہمارے ساتھ موجود ہیں۔ قیامت کے دن اگر گواہی میں بھی نہ اٹھائے جائیں گے تو "شہادت" ان دوسرے نئے ہاتھ پاؤں کی صحیح کیسے ہوگی جو اس وقت ہمارے ساتھ موجود نہیں ہیں۔ شہادت کے لیے مشاہدہ تو پہلی شرط ہے۔ قرآن کے ان ہی نصوص محکم کی بنیاد پر ہر مسلمان کا سلفاً عن خلف یہ عقیدہ چلا آرہا ہے کہ خاک کے اس تودہ میں ہمارے جسدی اجزاء آج خواہ جس طرح بھی مل مل کر گمشدہ نظر آتے ہوں لیکن ان ہی اجزاء کو چھان پھٹک کر قدرت برآمد کریگی اور ہر ایک کے ساتھ اسکے جسد کے اجزاء بھی جوڑے جائیں گے۔ اسی طرح جیسے آج ہم دیکھتے ہیں کہ اسی زمین میں شیرینی، ترشی، تلخی اور خدا جانے کن کن کیفیتوں کی پیدا کرنے والی چیزیں پوشیدہ ہیں مگر الی کے تخم کو گاڑ کر دیکھ رہے ہیں کہ زمین کے جگر سے ترشی کا اثر رکھنے والے اجزاء برآمد ہو رہے ہیں۔ گنے کے درخت شیرینی کو کھینچ رہے ہیں، مرچ کے پودے تلخی کے اجزاء کو سمیٹ سمیٹ کر اپنے پھلوں میں بھر رہے ہیں۔ جہاں یہ اور اس سے بھی زیادہ دقیق نازک کام ہو رہا ہو، وہاں! جسد انسانی کے متلاشی اجزاء کو چھان بین کر چھان بین کر برآمد کر لینا کیا دشوار ہے۔ خصوصاً علیٰ کل شئی قدیر اور واللہ بکل شئی محیط کے بعد۔

لیکن یہ سب تو قیامت میں ہوگا، جسکا نام قرآن ہی میں "النشأۃ الاُخریٰ" ہے۔ فرق اس "النشأۃ الاولیٰ" اور آنے والی النشأۃ الاخریٰ میں اسکے سوا اور کیا ہے کہ وہی چیزیں جنکا دوبارہ ظہور آئندہ ہمارے سامنے ہونے والا ہے، موجودہ نشأت میں ایک خاص قسم کے اسباب وعلل کے تحت ظاہر ہو رہی ہیں۔ مثلاً انسانی اجساد کی پیدائش اسوقت والدین کے ذریعہ سے ہو رہی ہے، اور آئندہ زندگی میں یہی جسدی پیدائش والدین کے قانون توالد وتناسل کی پابند نہ ہوگی۔ لیکن یہ فرق تو ایک سطحی فرق ہے۔ زمانہ کے بعد ہم لوگوں کا پیدا ہوتے چلا جانا، جب بھی حیرت انگیز باقی نہیں رہا، تو پھر اس پیدائش کا ظہور جو آئندہ ہوگا، اس پر تعجب کیوں ہو۔ خود اس زندگی میں پیدائش کے قوانین ہر چیز کے یکساں کہاں ہیں، کوئی انڈوں سے پیدا ہو رہا ہے، کوئی ماں کے پیٹ ہی سے بن بنا کر نکلتا ہے، کوئی تخم سے پیدا ہوتا ہے، کوئی کسی طرح کوئی کسی طرح، مگر یہ سب پیدائش ہی کی شکلیں ہیں۔ جیسے ان شکلوں کے اختلافات کا نفس "پیدائش" کے مسئلہ پر اثر نہیں پڑتا، اسی طرح آئندہ پیدائش اگر توالد وتناسل کے قانون سے الگ کسی دوسرے قانون کے تحت ہو، تو یہ اچنبھے کی کیا بات ہے۔

نیز میں یہ عرض کرنا چاہتا تھا کہ قبر سے تعلق تو میت کے جسد کا ہوتا ہے، لیکن جسد انسانی میں بحالت حیات "شعور ذات" کا جو منشا و مرکز ہے، قرآن میں اسکے متعلق "الانفس" کا لفظ بھی فرمایا گیا ہے مثلاً

اللہ یتوفی الانفس حین موتہا والتی لم تمت فی منامہا، فیمسک التی قضیٰ علیہا الموت ویرسل الاخریٰ الیٰ اجل مسمّی (الزمر)	اللہ ہی ہے جو "الانفس" کو اٹھا لیتا ہے موت کے وقت اور جو نہیں مرا اس کی موت میں پھر روک لیتا ہے اسے جسکے لیے فیصلہ موت کا کیا جاتا ہے اور چھوڑ دیتا ہے دوسرے کو مدت مقررہ تک کے لیے

جس سے معلوم ہوا کہ موت میں کوئی چیز انسانی جسد سے اٹھائی جاتی ہے، یعنی جسد سے اسکا تعلق منقطع ہو جاتا ہے، نہ ظاہر جسد ہی سے تعلق رہتا ہے اور نہ باطن سے۔ اور نیند میں بھی انقطاعی کیفیت جسد سے نفس کی پیدا ہوتی ہے، مگر اس طور پر کہ صرف ظاہر اعضاء سے تعلق باقی نہیں رہتا۔ اور بیداری میں پھر یہی تعلق قائم ہو جاتا ہے۔

الغرض جسد سے کسی چیز کا موت کے وقت اٹھنا قرآن کا ایک بدیہی مسئلہ ہے۔ اسی کے ساتھ یہ بھی کہ وہ چیز جو موت کے وقت اٹھائی جاتی ہے وہ روک لی جاتی ہے۔ کہاں روک لی جاتی ہے، اور رکنے کے بعد وہ کس حال میں رہتی ہے، قرآن ہی میں ہے کہ جب موت طاری ہونے لگتی ہے، تو اسوقت آرزو واپسی کی پیدا ہوتی ہے، یعنی

قال رب ارجعون لعلی اعمل صالحاً فیما ترکت	مرنے والے کہتے ہیں کہ میرے رب ہمیں واپس کیجیے، تاکہ جو چیزیں میں نے چھوڑی ہیں ان میں عمل صالح کروں

اسی کے بعد ارشاد ہوا ہے

کلا انہا کلمۃ ہو قائلہا ومن ورائہم برزخ الیٰ یوم یبعثون (المؤمنون)	قطعاً نہیں، وہ صرف ایک بات ہے جسے کہہ رہا ہے، اور انکے آگے برزخ (پردہ) ہے اس دن تک جب وہ اٹھائے جائیں گے۔

جس سے معلوم ہوا کہ "بعث" یعنی "نشأۃ اخریٰ" سے پہلے "الانفس" اپنے اپنے جسد سے اٹھائے جانے کے بعد جس حال میں رہتا ہے اُسے علماء برزخ جو کہتے ہیں وہ اسی قرآنی آیت سے ماخوذ ہے۔ باقی برزخی حالت میں "الانفس" پر کیا گذرتی ہے۔ در حقیقت اسی کے متعلق مجھے عرض کرنا تھا کہ گو قرآن کی بعض آیتوں مثلاً یہ ترجمے کے بعد یعنی

حاق بآل فرعون سوء العذاب	اور چھا گیا فرعون والوں پر برا عذاب

(باقی آئندہ)

قائد ملت کا آخری پیام

(از مولوی نصیر الدین صاحب وکیل - دبیر پورہ - حیدرآباد دکن)

قائد ملت نواب بہادر یار جنگ مرحوم حیدرآباد میں تقریباً ۲۰ سال سے قومی خدمات انجام دے رہے تھے۔ مگر انکا سب سے پہلا دورہ ۱۳۴۳ف میں اس غرض سے ہوا۔ ربیع الاول ۱۳۶۲ھ میں عرس حضرت خواجہ منتخب الدین قدس سرہٗ کے بعد مولوی ابو صالح بانی عالمگیر تحریک قرآنی کے ساتھ ضلع اورنگ آباد سے اُنھوں نے دورہ شروع فرمایا۔ اس دورہ میں اورنگ آباد سے جب وہ پربھنی آئے تو راقم الحروف بھی اُنکے ساتھ شریک ہوگیا۔ اور اُنھوں نے پربھنی کے بعد ناندیڑ و نظام آباد کا دورہ فرمایا۔ اور ہر جگہ تعلیم قرآن بامعنی کے مدارس قائم کرنے کے لیے تقریریں کیں۔ اور اکثر جگہ تعلیم قرآن بامعنی کا انتظام ہوا۔ قوم کے نام یہ اُنکا پہلا پیام تھا۔ اسکے بعد حیدرآباد کو حقیقی معنی میں ایک اسلامی حکومت دیکھنے کی آرزو اُن کو بھی ہوئی جیسا کہ ہر مسلمان کی آرزو ہے کہ وہ اسلامی حکومت کے عدل و انصاف کو دیکھے۔ اسکے لیے اُنھوں نے جب اتحاد المسلمین کے دور جدید کے دستور العمل کو منظور کرایا تو اس کی سب سے پہلی غرض یہ قائم ہوئی :-

"مسلمانان مملکت آصفیہ کو قرآن کو سمجھ کر پڑھنے اور اس پر عمل کرنے کی طرف متوجہ کرنا تاکہ وہ حبل اللہ کو مضبوط تھامیں اور کوشش کرنا کہ ملک میں قرآن کی تعلیم کا حلقہ ہو۔" اس غرض کی تکمیل کے لیے قائد ملت مرحوم نے ملک کے تمام اضلاع و تعلقات و قصبات میں اور بعض چھوٹے چھوٹے مواضعات میں جہاں مسلمانوں کی آبادی ہے دورہ کرکے اپنا یہ پیام پہونچایا۔ اور اکثر مقامات پر درس شبینہ قائم کیے۔ ہر مسلمان اور ہر ایک کارکن کو قائد ملت کی یہ تاکید تھی کہ وہ بعد نماز فجر ہر روز قرآن مجید کی کم از کم تین آیتیں مع ترجمہ پڑھے۔ اور اپنے دورہ میں اپنے اس عمل سے بھی لوگوں کو اسکا سبق دیا۔ جب کبھی علی الصباح اُن سے ملنے کوئی جاتا تو اُنکو تلاوت بامعنی میں مشغول پاتا۔ اور وہ بلند آواز سے قرأت اور ترجمہ پڑھتے اور حاضرین کو سناتے۔ اور چند سال سے تو یہ معمول ہوگیا تھا کہ اپنے مکان سے قریب کی مسجد میں نماز فجر کے بعد خود درس قرآن دیتے اور دُور دُور سے لوگ آ آکر اُنکے اس درس تفسیر میں شریک ہوتے۔

سب سے آخری پیام

مجلس اتحاد المسلمین بلدہ نے یکم رجب ۱۳۶۳ھ روز جمعہ کو بعد عصر درس تفسیر قرآن و مطالعہ اقبال کا افتتاح قائد ملت مرحوم کے ذمہ رکھا تھا۔ مولوی [illegible] اللہ صاحب صدر حلقہ زولی بیرون و اکثر ارکان ضلع اور محلہ کے عام اشخاص حضرت کلی والے شاہ صاحب کی خانقاہ میں قائد ملت کے منتظر تھے۔ ۶ ½ بجے پارلیمانی بورڈ کے اجلاس کو دارالسلام ہی میں چھوڑ کر قائد ملت مرحوم اس درس کے افتتاح کے لیے تشریف فرما ہوئے۔ تعوذ و تسمیہ اور سورۂ فاتحہ کی پہلی آیت کی تفسیر فرمائی۔ تمہید میں فرمایا کہ ہر مسلمان کا فرض ہے کہ وہ بدو شعوری سے قرآن کو سمجھنے اور اس پر عمل کرنے کی سعی کرتا رہے۔ میرا تو یہ حال ہے کہ شعور میں آنے سے پہلے ہی میری نانی مرحومہ نے مجھکو قرآن سے شغف پیدا کر دیا تھا۔ جس دن میں بعد نماز فجر میں تلاوت قرآن نہ کرتا وہ مجھسے منہ پھیر لیتیں اور فرماتیں کہ آج تم نے ہمارے خدا سے باتیں نہیں کیں اور اُسکے کلام نہیں پڑھا اس لیے ہم تم سے بات نہیں کریں گے۔ انکی اسی تعلیم و تربیت کا مجھ پر یہ اثر ہے۔ اسکے بعد مطالعہ اقبال کے درس کے افتتاح میں اقبال کا صرف یہ ایک شعر پڑھ دیا ہے

خرد نے کہہ بھی دیا لا الہ تو کیا حاصل
دل و نگاہ مسلماں نہیں تو کچھ بھی نہیں

اس شعر کی مختصر تشریح فرمائی - وقت کم تھا اور اسی وقت مولوی مؤید الدین حسن صاحب معتمد اشاعت تعلیم حیدرآباد کی صاحبزادی کا عقد تھا۔ مجھکو ہمراہ لیکر موصوف کے مکان پر پہونچے۔ راستہ میں فرمایا کہ اقبال نے اپنے کلام میں اکثر جگہ قرآن کے مطالب بیان کیے ہیں۔ اقبال کے کلام سے قرآن پڑھنے اور اسکے سمجھنے کے لیے ایک اسپرٹ پیدا ہوتی ہے۔ مرحوم کا قرآن سے متعلق یہ سب سے آخری پیام اور پبلک تقریر تھی۔ ۳ رجب کی شب کو شام درس قرآن کے سلسلہ میں قائد ملت سے مولانا عبدالجبار [illegible] کی ملاقات کے لیے میں نے اجازت حاصل کی اور اس اجازت سے تقریباً ایک گھنٹہ کے اندر اسلام اور قرآن کا سچا خادم اس جہان فانی سے رخصت ہوا۔ خدا تعالیٰ اسکے درجات بلند فرمائے۔ پہلے جلسہ تعزیت دارالسلام میں مولانا مولوی مناظر احسن گیلانی نے فرمایا کہ قائد ملت مرحوم نے ملک میں جگہ جگہ درس قرآن بامعنی جاری کرایا۔ اب ہم اُنکی یادگار میں دکن کی ہر مسجد میں قرآن مجید کی بامعنی تعلیم کا انتظام کریں۔ اور اسکے بعد ہندوستان میں یہ مشن۔ یکم رمضان ۱۳۶۳ھ کو مجلس ملاکاتے نے بھی قرآن کی بامعنی تعلیم کی اپیل کی ہے۔ مسلمانوں سے توقع ہے کہ وہ قائد ملت مرحوم کے اس سب سے پہلے اور سب سے آخری پیام کو عملی جامہ پہنا کر دین و دنیا کی صلاح و فلاح حاصل کرینگے۔ خصوصاً اتحادی کارکنوں اور ہمدردان قوم کا تو یہ فریضہ ہونا چاہیے کہ وہ اپنے محبوب قائد کے اس پیام کو حرز جان بنائیں۔

مولانا محمد علیؒ

(قاضی عبدالغفار صاحب مدیر پیام کی ایک نشری تقریر۔ حیدرآباد ریڈیو سے)
(۲)

اور اگر ہم اپنی کم فہمی سے انکی شکایت کرتے اور غصہ کو ناروا
قرار دیتے تو خفا ہو جاتے تھے

ان کی قابلیت کی سادگی ایسی تھی کہ وہ خود ہی حیران ہو جاتے تھے کہ یہ میں نے کیا کیا۔ جو کچھ اس بے مثل استاد اس محبت کرنے والے بھائی اور مشفق دوست سے میں نے سیکھا وہ میری زندگی کا بہت بڑا سرمایہ ہے۔ صحافت انکی زندگی کا کوئی واحد مقصد نہ تھا بلکہ وہ تو کسی بہت بڑے مقصد کے لیے محض آلۂ کار تھی۔ ایسا نہ ہوتا تو محمد علی آج ہندوستان میں سب سے بڑے اور کامیاب صحیفہ نگار سمجھے جاتے۔ ہمدرد کے اجراء کے چند ہی روز بعد انکی قومی مصروفیت نے اپنے لیے بڑے بڑے میدان اور خارزار پیدا کر لیے تھے۔ اس لیے صحافت کو وہ اب اپنی نظر میں اس سے زیادہ کچھ نہ سمجھتے تھے کہ

عرصۂ در بستہ بتابی میں ہے اک بات خوش یہ بھی!

چنانچہ رفتہ رفتہ کامریڈ اور ہمدرد کی ذمہ داریاں بڑی حد تک مجھ پر اور سید جالب مرحوم پر اور کامریڈ کی ذمہ داریاں مرحوم راجہ غلام حسین پر عائد ہو گئیں۔ انکی نظربندی کے بعد بھی کچھ عرصہ تک میں "ہمدرد" سے وابستہ رہا لیکن بعد میں خود انہیں کے اشارے سے میں نے کلکتہ جا کر وہاں سے روزنامہ "جمہور" جاری کیا۔ اس طرح میں ان سے دور ہو گیا۔ لیکن بقول استاد مرحوم کے

دل کی فضا میں بُعد زمان و مکاں نہیں

میری صحافت کلکتہ میں بھی اپنے استاد کے فیضان سے سرفراز رہی جو کچھ محمد علی سے سیکھا تھا وہی کام آیا۔

انکی صحیفہ نگاری کی ایک اور خصوصیت قابل ذکر ہے وہ فرمایا کرتے تھے کہ بغیر کسی عقیدہ کے اخبار نویسی محض دوکانداری ہے اخبار کا کام رائے عامہ کی رہنمائی کرنا ہے نہ کہ اسکی تقلید۔ وہ اس طریقہ کو معیوب سمجھتے تھے کہ اخبار کے کاروبار کی کامیابی کے لیے اور اخبار کو ہر دلعزیز بنانے کے لیے پڑھنے والوں کے خیالات کی تائید کی جائے۔ اس اصول کی خاطر انھوں نے "ہمدرد" کی عام مقبولیت کو نقصان پہنچانا گوارا کیا۔ لیکن اپنے عقائد کی انفرادیت کو متاثر کر کے کبھی اپنے اخبار کو کامیاب بنانا پسند نہیں کیا۔ وہ اس بات کے قائل تھے کہ اخبار میں اسکے مدیر کی شخصیت کا عکس پوری طرح نمایاں رہے۔ شہرت کے لیے عوام کے مذاق اور خواہشات کو رکھ کر اخبار کو جاری رکھنا وہ اپنے عقائد کی توہین قرار دیتے تھے۔ اس لیے خود انکے سیاسی عقائد کے مدوجزر کے ساتھ انکا اخبار بھی بہت سے نشیب و فراز سے گزرتا رہا تاکہ [illegible] بدمذاقی سے ناجائز [illegible] نہ تھی۔

تیسری بات جو میں نے ان سے سیکھی یہ تھی کہ عدم تعاون کی تحریک سے پہلے بحیثیت ایک صحیفہ نگار کے وہ سرکاری حلقوں میں ایک خاص اثر رکھتے تھے اور بعض اوقات اسی وجہ سے انکے مخالفین ان پر یہ الزام لگاتے تھے کہ وہ سرکاری حلقوں کے زیر اثر ہیں۔ ایسے لوگوں سے جیسے کہ مرحوم نواب صاحب رامپور یا مہاراجہ الور یا آغا خاں، مہاراجہ محمود آباد یا سر سید علی امام کے مرحوم کے تعلقات بظاہر گہرے تھے۔ اور اس وقت تک جبکہ عدم تعاون کی تحریک نے انکو سرکاری حلقوں سے بالکل جدا کر دیا۔ وہ حکومت کے اندرونی حلقوں میں بہت با اثر سمجھے جاتے تھے۔ وہ فرمایا کرتے کہ ان حلقوں میں انکی وقعت محض انکی قابلیت کی وجہ سے نہیں ہے بلکہ زیادہ تر اس لیے ہے کہ حکومت یہ جانتی ہے کہ انکا عقیدہ مستحکم ہے اور انکی شخصیت ترغیبات سے بالاتر ہے۔ اسی لیے انکی آواز میں زور تھا اور انکی آواز میں اثر۔ پہلی دفعہ جب نظربند ہوئے اس وقت تک میں انکے اخبار سے بہت قریب ہو چکا تھا اور سرکاری حلقوں میں انکی گفت و شنید سے واقف رہتا تھا۔ مجھ سے فرمایا کرتے تھے کہ حکومتیں ہم جیسے لوگوں کی کمزوریاں تلاش کیا کرتی ہیں لیکن جب کوئی کمزوری ہاتھ نہیں آتی تو وہ ہماری بات کو سننا چاہتی ہیں اور کبھی کبھی انکو متاثر بھی کیا جا سکتا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ انکی صحافت کے ابتدائی زمانہ کا سرکاری حلقوں سے کافی اقتدار قائم رہا۔ لیکن بگڑ جاتے تھے وہ اسوقت جبکہ کسی عقیدہ اور اصول کا سوال سامنے آتا تھا۔ ہونی اور عقیدہ کے معاملہ میں "ہمدرد" کے اجراء کے بعد انکی ہمدردی بہت تاریک ہو چکی تھی اور جہاں کوئی تنقیح پیدا ہوتی تھی تو سرکاری حلقوں میں انکا کوئی بڑے سے بڑا دوست بھی انکو متاثر نہ کر سکتا تھا۔

تو تھے محمد علی میرے بہت محبوب استاد۔ انکی صحیفہ نگاری نے اردو صحافت کا ایک نیا دور شروع کیا تھا اور وہ اردو کی پسماندہ صحافت میں بعض اہم اصلاحات کے بانی تھے۔ مثلاً ہمدرد پہلا روزنامہ تھا جسکے مضامین کا معیار اس زمانہ کی عام صحافت سے بہت زیادہ بلند تھا۔ بہت سے مشہور شعرا اور ادیبوں کو جو صحافت سے دور رہتے تھے محمد علی کی شخصیت نے پہلی دفعہ ہمدرد کے صفحات پر پیش کیا۔ حالی اور اقبال اور شبلی کی نظمیں اور پریم چند کے افسانے غالباً پہلی دفعہ ایک اردو روزنامہ میں شائع ہوئے۔ طنز و مزاح نگاری کا ایک ایسا معیار ہمدرد نے قائم کیا جسکا اس سے پہلے اردو صحافت میں کوئی وجود نہ تھا۔ "بسوق" اور محفوظ علی اس فن کے استاد مانے گئے اور آج بھی جو اچھے مزاح نگار یا طنز نویس ہیں انھوں نے ہمدرد کی روایات سے بہت کچھ حاصل کیا ہے۔ یہ سب محمد علی کی شخصیت کا کرشمہ تھا اور انکے شاگرد [illegible] اگر اس [illegible] ذوق سے [illegible] ہوا تو وہ بھی [illegible] حاصل ہے۔

دنیا کس روش پر چل جا رہی ہے سبکے کیسے عقیدوں پر چھائی ہے موجودہ مسلمانوں کے گھر میں کھلی جیدا ہو جائے تو کتنی بڑی نعمت ہے!

مناظرۂ ابراہیمی

مولوی عبدالرؤف خان صاحب بیگ جھنڈانے نگر ضلع بستی سے تحریر فرماتے ہیں :-

" حضرت ابراہیمؑ نے نمرود کے مقابلہ میں خدائی پہچان یہ بتائی تھی کہ خدا وہ ہے جو سورج کو مشرق سے نکالتا ہے۔ اگر تو خدا ہے تو مغرب سے نکال دے۔ مفسرین نے اسکو دوسری دلیل خصوصاً اسکو ہستی ۔۔۔ دلیل یا حجت نہیں قرار دیا ہے بلکہ یہ لکھا ہے کہ یہ تو یہ ہے ۔۔۔ تو یہ قرار دی ہے کہ حضرت ابراہیمؑ کے اس مطالبہ کے جواب میں نمرود یہ کہہ سکتا تھا کہ مشرق سے تو میں ہی لاتا ہوں ۔۔۔ اگر خدا ہے تو وہ مغرب سے لاوے۔ اسکا جواب ۔۔۔ ہو سکتا تھا ؟"

سمجھنے کے لیے ضرورت دو چیزوں کی ہے۔

ایک ۔۔۔ دوسرے تاریخی پس منظر ۔۔۔ سے
۔۔۔ منزلوں کے طے ہو جانے کے بعد بات ان شاء اللہ
۔۔۔ سوال پیدا ہی نہ ہونے پائیگا۔
۔۔۔ کلدانیہ (موجودہ عراق) تھا۔ ذکر
۔۔۔ بت میں اس خاص واقعہ کا ذکر
۔۔۔ اور بادشاہ کا نام
۔۔۔ بہارت" کا ذکر دو مقامات
۔۔۔ یہود میں یہ تفصیل بھی درج ہے کہ وہ
۔۔۔ بادشاہ ہوگیا" اور "اپنی عظمت کے نشہ میں
۔۔۔ سخت قسم کا شرک" ہوگیا"۔ [ان سب
۔۔۔ کی تفسیر القرآن میں ملینگے]
کلدانیہ ۔۔۔ رستی تھا۔ سورج اکا خدائے اعظم
تھا۔ نمرود اپنے کو اسی دیوتا کا مظہر یا اوتار سمجھتا تھا۔ (جیسا کہ فرعون اپنے تئیں مصر میں سمجھتا تھا)

اب الفاظ قرآنی پر خیال کیجیے۔ حاجّ فی ربّہٖ۔ لفظ رب کا آیا ہے، الٰہ کا نہیں۔ گفتگو مسئلہ ربوبیت میں ہوئی نہ کہ الوہیت میں۔ داعی توحید ابراہیم خلیلؑ نے اُس سے کہا کہ ذرا سوچ تو سہی، ربوبیت مطلقہ کا وصف تو اُسی ذات کو سزاوار ہے' جسکے قبضۂ قدرت میں سارا حیاتی نظام کائنات ہے' جو بقاء فنا، ایجاد و افناء کے ہر قانون و ضابطہ کا سرچشمہ ہے۔

سطحی نظر اور موٹی عقل رکھنے والے مشرک نے اصل مسئلہ کو سمجھے بغیر صرف اسکے ظاہری پہلوؤں اور قریبی اور فوری آثار کو لیکر یہ کہدیا کہ سامانِ معیشت و ہلاکت تو سب میرے ہاتھ میں ہیں، اس میں کسی اور برتر قوت کو دخل ہی کیا ؟

داعی توحید نے پہلے اسی اصول پر دو دقیقہ کی ایک دوسری چیز پیش کردی' جو اسکی سطحی ذہنیت اور اسکے دینی عقیدہ کے لحاظ سے بہت ہی روشن و واضح تھی۔ آپ نے فرمایا کہ اچھا حیاتیاتی نظام سے قطع نظر کائنات کے طبیعیاتی نظام کو لو۔ یہاں میرے اللہ نے جو قاعدے اور ضابطے مقرر کردیے ہیں' کوئی انھیں توڑ سکتا ہے ؟ تم جس سورج کو اتنا بڑا دیوتا مان رہے ہو اور اپنے کو اسکا اوتار' وہ خود بھی ساری مخلوقات کی طرح بے بس مخلوق ہی ہے، مشرق سے طلوع پر اور مغرب سے غروب پر مجبور۔ ذرا اسی نظام میں کوئی ادنیٰ فرق' سمت طلوع ہی میں فرق پیدا کرکے دکھاؤ' جو اتنے مدعی اپنی قدرت کے ہو! ——— ربوبیت مطلقہ کا مدعی اپنے میں اتنی قوت بھی نظام تکوینی میں تصرف کی نہ پاکر دنگ لا جواب ہی رہ گیا۔ نمرود تو خود آفتاب ہی کو قائم بالذات اور مؤثر مطلق سمجھے ہوا تھا۔ حضرت ابراہیمؑ نے اسی عقیدہ پر ضرب لگائی' اور بتایا کہ وہ تو تمامتر کسی اور کی مشیت کا پابند ہے' اپنے سمت طلوع تک میں۔ اوراس منشاء حقیقت کی کوئی تردید مظہر شمس کے بس میں نہ تھی۔

دولت کے پہاڑ

امریکہ کے عمارت کی چند مدوں کی میزانیں ۱۹۴۳ء میں (ڈیلی اکسپریس لندن) کے وقائع نگار خصوصی کے قلم سے :-

تمباکو نوشی (سگار، سگریٹ وغیرہ)	۱	ارب پونڈ
شراب نوشی (بیئر، شیمپین، وغیرہ)	۲	ارب پونڈ
سمور اور سموری کوٹ	۲	کروڑ پونڈ
زیورات	۲۵	کروڑ پونڈ
تھیٹر اور سامان آرائش	۵	ارب پونڈ

(ڈیلی اکسپریس، لندن، ۱۷ دسمبر ۱۹۴۳ء)

"اگر ذہن سے نکل نہ جائے' جلدی سے یاد کرلیجیے' کہ کروروں اور اربوں کی یہ میزانیں چاندی کے روپیہ کی نہیں' ولایتی سکہ پونڈ کی ہیں! ——— انہیں ۱۳ ½ سے ضرب دیجیے' جب جاکر روپیے بنیں گے ——— اور پھر یہ عین ذہاب جنگ کے سال ۱۹۴۳ء میں ——— ناداری' مہنگائی' گرانی کے انتہائی عروج کے زمانہ میں!

سچ کہا اُس نے جس نے کہا تھا کہ مسیح الدجال جب چلیگا تو اُسکے جلو میں رزق کے خزانے' یا دولت کے پہاڑ ہونگے!

تحقیق کے قدم

"کوئن میری کالج (لندن یونیورسٹی) کے پروفیسر ڈاکٹر ایس۔ جی۔ سول (Soal) ۱۹۴۳ء تک تین سال کے عرصہ سلسل تجربات و تحقیقات میں مشغول رہے۔ انکے نتیجہ کے طور پر یہ ثابت ہوگیا کہ انسان میں ایک خاص قوت' واقعات کے انکے وقوع سے قبل ہی جان جانے کی ہوتی ہے۔ پروفیسر موصوف نے ۱۱۰ تجربے کیے' اور ان سے یہ ظاہر ہوگیا کہ ½ سکنڈ سے لیکر ½ ۲ سکنڈ تک کے واقعات قبل از وقوع جانے جا سکتے ہیں۔ اس ذہنی دمخفی انسانی قوت کا

عذاب قبر یا عذاب قریب

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی)

(۳)

کچھ قرآنی اشارات اس باب میں بھی قابل غور ہیں۔ سورۂ یٰسین میں ہے کہ "النشأة الاخریٰ" میں لوگوں کو جب دوبارہ اٹھایا جائیگا، تو کہیں گے

من بعثنا من مرقدنا ہذا | کس نے اٹھایا ہمیں اپنی اس خوابگاہ سے

ظاہر ہے کہ "مرقدنا ہذا" میں مرقد کا لفظ برزخ ہی کی تعبیر ہے۔ مرقد کا لفظ رقود سے ہے جسکے معنی نیند کے ہیں۔ نیز حدیثوں سے بھی معلوم ہوتا ہے۔ بخاری وغیرہ میں ہے کہ مرنے والوں کو کہا جاتا ہے

نم کنومۃ العروس | سو جا جیسے دولہا سوتا ہے

کیا ان الفاظ سے اگر یہ سمجھا جائے کہ "برزخی احساسات" اور نومی احساسات میں کوئی مناسبت ہے، مرقد اور نوم کے الفاظ سے اسکی تائید نہیں ہوتی۔ بلکہ "الانفس" کی توفی کا ذکر جہاں کیا گیا ہے وہاں بھی نوم کا تذکرہ اسی کا مؤید ہے۔ میں کہنا چاہتا ہوں کہ ہمارے احساسات جو پیدا ہوتے ہیں ان کی تین قسمیں ہیں۔ ایک

ان چیزوں کے اثر سے احساسات پیدا ہوتے ہیں جن کے وجود کا ہمارے ارادے اور اختیار سے کوئی تعلق نہیں ہے۔ مثلاً بحالت بیداری آفتاب، ماہتاب، زمین، ستاروں، سیاروں کا احساس جو ہم میں پیدا ہوتا رہتا ہے کہ احساسی اثرات پیدا کرنے والے ان موجودات کا وجود ظاہر ہے کہ ہمارے اختیار و ارادہ کا تابع نہیں ہے ہم ہوں یا نہ ہوں یہ ساری چیزیں دنیا میں موجود رہیں گی۔

اسی کے ساتھ بیداری ہی میں ہم آنکھیں بند کرکے جب چیزوں کو اپنے خیال میں پیدا کرتے ہیں۔ مثلاً حیدرآباد میں بیٹھے بیٹھے کلکتہ کی جب ہم سیر کرتے ہیں یا اسی قسم کی باتوں کو تخیل کے زور سے پیدا کرکے ہم ان سے جو تاثر پاتے ہیں۔ تو کوئی شبہ نہیں کہ احساسی اثر ان سے بھی پیدا ہوتے ہیں، جنکا وجود ہمارے ارادے اور اختیار کا تابع ہے۔ جب تک ہم ان خیالی موجودات کو چاہتے ہیں موجود رہیں۔ جب جی چاہے خیال ہٹا کر انکو معدوم کر سکتے ہیں۔

لیکن تیسری صورت احساسات کی اور بھی ہے جو بحالت خواب اور نیند ہم میں پیدا ہوتے ہیں۔ یعنی خواب میں بھی ہم عموماً آفتاب، ماہتاب، دریا، پہاڑ سب ہی چیزوں کو دیکھتے ہیں اور یہ بھی جانتے ہیں کہ جن چیزوں سے یہ احساسات ہمارے اندر پیدا ہو رہے ہیں انکے وجود کا مرکز ہم سے باہر نہیں بلکہ ہمارے اندر ہے۔ لیکن باوجود اسکے ہمارے اختیار اور ارادے سے انکا وجود وابستہ نہیں ہے آخر اس پر کون قادر ہے کہ اپنی مرضی اور اپنے ارادے کے مطابق ہی خواب دیکھے۔ تو خواب کی یہ خصوصیت ٹھہری کہ جن چیزوں سے خواب کے احساسات پیدا ہوتے ہیں۔ انکے وجود کا مرکز باہر نہیں بلکہ دیکھنے والے کے اندر ہی ہوتا ہے۔ لیکن انکی پیدائش دیکھنے والے کے اختیار و ارادے کی پابند نہیں ہوتی۔ پس اگر یہ سمجھا جائے ثواب و عذاب کی وہ شکل جسکے وجود کا مرکز احساس کرنے والے سے باہر ہو، یہ تو نشأۃ آخرت کے بعد ہوگا۔

اور "الانفس" کا امساک جس برزخی حال میں رہتا ہے تو اس مرقد اور نومی حالت میں "الانفس" کے سامنے نظارے اور پیدا ہوتے ہیں "(اپنے اعمال و افعال) کے پیش تو ہوتے ہیں" اور ان نظارہ کا احساس بھی اسکو ہوتا ہے۔ لیکن جن چیزوں سے یہ نظارے پیدا ہوتے ہیں۔ انکے وجود کا مرکز خود دیکھنے والے کے اندر ہوتا ہے۔ اسی طور پر نہ ان چیزوں کے وجود اور عدم پر انکے اختیار و ارادہ کی قوت کا کوئی اثر نہیں پڑتا۔ جن علماء نے "برزخ" کو خواب سے تشبیہ دے کر سمجھانا چاہا ہے۔ میں خیال کرتا ہوں کہ انکا یہی مطلب ہوگا۔ کہ جیسے خواب کے احساسات جن چیزوں سے پیدا ہوتے ہیں گو دیکھنے والے کے اندر ہی ان چیزوں کا مرکز ہوتا ہے لیکن ان چیزوں کی پیدائش خواب ... کے ارادے اور اختیار کے تابع

اور پابند نہیں ہوتی۔ پس ... "الانفس" پر اس
اسی حال میں گزرتی رہتی ہے ... برزخ" کے نقطہ
سے ظاہر کیا ہے۔ اور جیسے بیدار ... میں طرح
طرح کی شکلیں اختیار کر لیتی ہیں ... صعوذی
مثلاً مردہ الا آگ میں جلتا ہوا ... کی
کے اعمال و افعال "برزخ" ... بیار
کر لیتے ہیں۔ مثلاً ...
لیکن ظاہر ہے کہ یہ جو ...
اسی طرح گزرتا ہے جیسے جو ...
پر گزرتا ہے۔ جسد دونوں حال میں ... حدیث
میں بھی ہے کہ جن ازدہوں کو برزخ ... ہے۔
لو ان واحداً منہا نفخ فی الارض ... ازدہا بھی
لا انبتت شیئاً ما بقیت الدنیا ... تو زمین پر دنیا تک
(ترمذی وغیرہ) ... کوئی چیز زمین پر نہ اُگے۔

جس سے معلوم ہوا کہ ان واقعات کا تعلق "الارض" زمین سے نہیں ہے۔ گو جیسے خواب میں "الانفس" کے احساسات کا اثر کبھی کبھی جسد پر بھی طاری ہو جاتا ہے۔ بعضوں کا مشاہدہ اور تجربہ بتاتا ہے کہ کبھی کبھی جسد مقبور پر بھی برزخی حالات کے اثرات نمایاں ہوتے ہیں۔ طبقات ابن سعد میں ایک عجیب قصہ ہے۔ ربعی بن حراش مشہور تابعی کے بھائی ربیع بن حراش کے حال میں لکھا ہے کہ ربیع کا انتقال ہوا۔ انکے بھائی ربعی کو خبر ملی۔ بھاگے ہوئے پہنچے اور بھائی کی لاش کے سرہانے آکر بیٹھ گئے، اور انکے لیے استغفار وغیرہ، دعائیں کرتے رہے۔ کہ اچانک ربعی کیا دیکھتے ہیں، کہ انکے بھائی ربیع جنکی لاش بالکل بے جان پڑی ہوئی تھی، اس لاش نے

کشف عن وجہہ ... چادر جو منہ پر پڑی ہوئی تھی ... سرکا دی

نہیں بلکہ آگے اسکے بعد ہے

وقال السلام علیکم انی قدمت علی ربی بعدکم فلقیت بروح وریحان ورب غیر غضبان وکسانی ثیاب سندس واستبرق | اور کہا کہ "السلام علیکم" (اسکے بعد یہ گذرش کی) کہ میں اپنے پروردگار کے پاس تم لوگوں کے بعد حاضر ہوا۔ وہاں میری آؤ بھگت روح اور ریحان سے ہوئی اور ایک ایسے مالک سے ملاقات ہوئی جو غصہ والا نہیں ہے۔ مجھے میرے مالک نے سندس اور استبرق کے خلعت سے سرفراز فرمایا۔

سب سے زیادہ دلدوز یہ آخری فقرہ ہے

وانی وجدت الامر اہون مما تظنون | اور میں نے تو (وہاں کا معاملہ) اس سے کہیں زیادہ آسان پایا، جتنا تم لوگ خیال کرتے ہو۔

آخر میں یہ کہتے ہوئے کہ

ولکن لا تتکلوا اعلو فانی قد واعدت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم الا القا | لیکن اب بول چال مت کرو۔ مجھے اُٹھا، کہ کیونکہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ وعدہ لے کر آیا ہوں کہ جب تک میں حاضر نہ ہو جاؤں اپنی جگہ سے تشریف نہ لے جائیے۔

... دوسری سند سے بھی بیان کیا ہے۔
... کب ہی ہیں۔ لیکن یہ فقرہ اس

... لھا، کیونکہ میں نے
... سے اسکی اجازت حاصل کی
... لوگوں کو خوشخبری سنا دوں۔
اس ... واقع ہیں، اُن میں آخری، اوسی تو خود
صاحب ... نعمی ہیں۔ باقی راویوں کے متعلق بھی یہاں
یہ کہہ سکا ... ہیں الیعنی سند آبھی روایت ناقابل
اعتبار نہیں ... واقعہ سے جہاں بہت سی دوسری
باتیں معلوم ہوتی ہیں، میں اس نتیجہ پر پہونچا ہوں کہ جسد سے "النفس" کا کلی تعلق جب ٹوٹ جاتا ہے تو اسکے بعد بھی ایک گونہ نسبت اپنے جسد خاص سے "نفس" کہیے یا روح کی باقی رہتی ہے۔ ایسی نسبت جو دوسرے اجساد مرنے سے اسے نہیں ہوتی۔ آخر ربیع کی روح تو نکل چکی تھی۔ پھر پلٹ کر جو اسی جسد سے متعلق ہوئی تو گویا یہ دلیل اسی بات کی نہیں ہے کہ انقطاع تعلق کے باوجود بھی کسی نہ کسی قسم کا تعلق جسد کے ساتھ روح کا باقی رہتا ہے۔ اور جب جسد سے تعلق باقی رہتا ہے تو جسد جس قبر میں مدفون ہوتا ہے اُس سے بھی کیوں نسبت اسکی باقی نہ رہتی ... اسی لیے تو مقابر پر گذرنے کی صورت میں سلام کرنے کا حکم دیا گیا ہے۔ اگر "النفس" تک اس سلام کا کوئی اثر نہیں پہونچتا تو سلام کا فائدہ ہی کیا ہوگا۔ "قلیب بدر" (یعنی جس کنوئیں میں قریش کے مقتولین کی لاشیں ڈال دی گئی تھیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے کنوئیں کی طرف خیال کرکے فرمایا تھا

ہل وجدتم ما وعد ربکم حقا | تم سے تمہارے خدا نے جو وعدہ کیا تھا کیا اُسے تم نے پایا؟

حضرت عمرؓ کے پوچھنے پر فرمایا کہ وہ تم سے زیادہ سنتے ہیں۔

ہر حال میرا ذاتی خیال یہی ہے کہ موت سے صرف "اختیار و اقتدار" کا ازالہ ہو جاتا ہے، لیکن احساس کا نہیں۔ اسی لیے عمل کی دنیا موت سے پہلے ہی مرنے کے بعد احساسات سب "النفس" میں باقی رہتے ہیں، لیکن "اختیار" مسلوب ہو جاتا ہے۔ اسی لیے عمل کا موقع باقی نہیں رہتا۔

مگر یہ عام مُردوں کے حالات ہیں۔ باقی النبیین والصدیقین والشہداء انکے متعلق دوسرے تفصیلات ہیں۔ جنکا ذکر انشاءاللہ پھر کبھی۔ سردست انہی گذارشوں پر اس مضمون کو ختم کرتا ہوں۔

صدق۔ مولانا گیلانی مدظلہ کے افادات ہمیشہ ہی قابل قدر ہوتے ہیں، لیکن یہ مقالہ خصوصاً اسکا نصف آخر اور زیادہ قابل قدر و مستحق غور و توجہ ہے۔

ارشاداتِ اشرفیہ

(مرتبہ سید غلام رسول صاحب ادارۂ دعوت الحق اراضی گوڑہ حیدرآباد دکن)

(۱۰)

(۱) (اللہ تعالیٰ کی) صفات اور آثار صفات کا علم ہونا معرفت علمی کہلاتا ہے اور صفات کے اثر کا مشاہدہ ہونا معرفت یعنی کہلاتا ہے۔

(۲) عقائد کفریہ کو چھپا کر اسلام و ایمان کا اظہار کرنا نفاق کہلاتا ہے۔

(۳) ضروری عبادات ادا کرنے کے بعد باقی اوقات کو ذکر و فکر میں گذارنے والا قلندر کہلاتا ہے۔

(۴) جس عالم میں دنیا کی حرص و محبت ہو اُسکا فتوے غیر معتبر ہے

(۵) ارادۂ ترک معصیت کے ساتھ معصیت پر دل سے نادم ہونا توبہ ہے۔

(۶) "شیخ" کا (تہذیب اخلاق اور تزکیۂ نفوس کے) فن سے واقف ہونا لوازمات شیخیت سے ہے نہ کہ ولی و متقی ہونا۔

(۷) کسی مرید کو ولی یعنی مقبول بنانا شیخ کے اختیار سے خارج ہے

(۸) شیخ اگر تزکیۂ نفوس اور تہذیب اخلاق کے فن سے واقف ہونے کے علاوہ متقی بھی ہو تو اُس کی تعلیم و تربیت میں برکت ہوگی۔

(۹) کسی درویش و شیخ کے پاس اہل دنیا کا زیادہ ہجوم ہونا اُسکے دنیا دار ہونے کی دلیل ہے۔

(۱۰) غیر لازم چیز کو لازم کر لینے کا نام رسم ہے۔

شیخ شوکت حسین پرنٹر کے اہتمام سے حسن پرنٹنگ پریس میں چھپ کر دفتر صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع ہوا

تحقیق حیات و نزول مسیح

(از مولانا ظفر احمد صاحب عثمانی تھانوی۔ ڈھاکہ یونیورسٹی)

صدق مورخہ ۱۵۔ جنوری ۱۹۳۶ء صـ۸ میں کسی فرنگی محلی کے نام سے حیات و نزول مسیح علیہ السلام کے متعلق ایک بات کہے بعد پھر اس بحث کو میدان میں لایا گیا ہے جسے فرقۂ قادیانی کے رد میں مدت ہوئی علماء نے بحوبی واضح اور روشن کر دیا تھا، اور صاف صاف لفظوں میں دلائل کے ساتھ بتلا دیا گیا تھا کہ حیات مسیح اور نزول مسیح کا مسئلہ تواتر و اجماع سے ثابت ہے اور یہ امت کا مسئلہ اجماعی عقیدہ ہے تفصیل کے لیے ملاحظہ ہو رسالہ۔ عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام سے التصریح بما تواتر فی نزول المسیح سے اکفار الملحدین فی شیء من ضروریات الدین۔ از مولانا سید محمد انور شاہ صاحب رحمۃ اللہ علیہ صدر المدرسین دار العلوم دیوبند سے کلمۃ اللہ فی حیات روح اللہ۔ از مولانا محمد ادریس صاحب سلمہٗ کاندھلوی مدرس دار العلوم دیوبند سے الجواب الفصیح لمنکر حیات المسیح۔ از مولانا بدر عالم صاحب میرٹھی سلمہٗ مدرس سابق جامعہ اسلامیہ ڈابھیل سورت سے الخطاب الملیح فی تحقیق المہدی والمسیح از حکیم الامۃ مولانا محمد اشرف علی صاحب نور اللہ مرقدہٗ۔ نہ معلوم مضمون نگار[1] نے کون سے محمد شفیع صاحب سے یہ سن لیا کہ یہ مسائل ظنیات میں سے ہیں انکو قطعیات میں شمار کرنا صحیح نہیں"۔ اگر وہ مولانا محمد شفیع صاحب مفتی دار العلوم دیوبند سے دریافت کرتا تو اسکو معلوم ہو جاتا کہ ان مسائل کو ظنیات میں سے شمار کرنا علم حدیث و تفسیر اور علم عقائد سے بیخبری کا اقرار کرنا ہے۔ چونکہ مدیر صدق نے جواب میں اختصار ملحوظ رکھنے کی تاکید کی ہے اس لیے میں اس وقت چند اقوال پر اکتفا کرتا ہوں جن سے حیات مسیح و نزول مسیح کا قطعیات سے ہونا بخوبی واضح ہو جائیگا۔ تفصیل کے لیے مسائل مذکورہ ملاحظہ ہوں۔

اقوال علماء امت کی نقل سے پہلے اس پر بھی تنبیہ کر دینا ضروری ہے کہ علامہ ابن خلدون اور بعض انکے ہم خیال فلسفی علماء نے ظہور مہدی میں تو کچھ کلام کیا ہے مگر حیات و نزول مسیح علیہ السلام کا انھوں نے بھی انکار نہیں کیا۔ ظہور مہدی کا انکار کرنے والے اپنی حجت میں ابن ماجہ کی ایک ضعیف حدیث پیش کرتے ہیں لا مہدی الا عیسیٰ ابن مریم۔ کہ عیسیٰ بن مریم علیہا السلام ہی مہدی ہیں۔ اُن کے سوا کوئی مہدی نہیں۔ مگر یہ حدیث خود ضعیف ہے۔ اسکی وجہ سے دوسری صحیح احادیث میں جو درجۂ تواتر کو پہنچ چکی ہیں تاویل

[1] مضمون نگار کی مراد مولانا محمد شفیع فرنگی محلی، مدرس مدرسہ نظامیہ فرنگی محل سے تھی۔ (صدق)

نہیں کی جا سکتی جو صراحۃً مہدی اور عیسیٰ علیہ السلام کی جدا جدا شخصیت ثابت کر رہی ہیں۔ بہرحال اس چودھویں صدی سے پہلے علماء امت میں حیات و نزول مسیح کا کسی نے انکار نہیں کیا۔ جو لوگ ظہور مہدی کا کسی وجہ سے انکار کرتے تھے وہ بھی عیسیٰ علیہ السلام کی حیات و نزول کے قائل تھے۔ یہ مسئلہ امت کا مسلم اجماعی مسئلہ ہے جسکو ظنیات میں شمار کرنا سخت غلطی ہے۔" علامہ قرطبی نے تذکرہ میں اور حافظ ابن حجر عسقلانی نے فتح الباری میں یہ قول بلا نکیر و اختلاف کے نقل فرمایا ہے

قد تواترت الاخبار واستفاضت بکثرت رواتہا عن المصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم فی المہدی وانہ من اہل بیتہ وانہ یملأ الارض عدلاً۔ وان عیسیٰ علیہ السلام یخرج فیساعدہ علیٰ قتل الدجال وانہ یؤم ہذہ الامۃ وعیسیٰ خلفہ فی طول من قصتہ وامرہ انتہیٰ۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے بڑی کثرت اور شہرت کے ساتھ درجۂ تواتر میں مہدی کے متعلق حدیثیں مروی ہیں کہ وہ اہلبیت سے ہونگے زمین کو عدل سے بھر دینگے عیسیٰ علیہ السلام انکے ... نکلینگے دجال کے ... گے عیسیٰ علیہ السلام ... ابن ما ... ہے ...

قال ابن خلدون فی فصل فی امر الفاطمی وما یذہب الیہ الناس فی شانہ اعلم ان المشہور بین الکافۃ من اہل الاسلام علیٰ مر الاعصار انہ لا بد فی آخر الزمان من ظہور رجل من اہل البیت یؤید الدین ویظہر العدل ویتبعہ المسلمون ویستولی علی الممالک الاسلامیۃ ویسمیٰ بالمہدی ویکون خروج الدجال وما بعدہ من اشراط الساعۃ الثابتۃ فی الصحیح علیٰ اثرہ وان عیسیٰ ینزل من بعدہ فیقتل الدجال او ینزل معہ فیساعدہ علیٰ قتلہ ویأتم بالمہدی فی صلوٰتہ الخ

... اُسکا ... علامۃ ... پر اُسکا ... مہدی کی ... ربیعہ ... رہ صحیح احادیث میں ... اور انہیں اسکے بعد ہوگا عیسیٰ علیہ السلام اُسکے (ظہور کے) بعد نازل ہونگے اور دجال کو قتل کرینگے یا اُسکے (ظہور کے) ساتھ ساتھ نازل ہونگے اور دجال کے قتل میں مہدی کی مدد کرینگے اور مہدی کے پیچھے نماز پڑھینگے

وقال الفقیہ ابن حجر فی القول المختصر الذی یتعین اعتقادہ ما دلت علیہ الاحادیث الصحیحۃ من وجود المہدی المنتظر الذی یخرج الدجال وعیسیٰ فی زمانہ ویصلی عیسیٰ خلفہ اھ کتاب الاشراط لاشراط الساعۃ صـ۲۳۲

علامہ ابن حجر قول مختصر میں فرماتے ہیں کہ وہ بات جس پر عقیدہ رکھنا لازم ہے یہ ہے جس پر احادیث دلالت کر رہی ہیں کہ مہدی منتظر کا وجود ہوگا جنکے زمانہ میں عیسیٰ علیہ السلام تشریف لائینگے اور دجال نکلیگا اور عیسیٰ علیہ السلام مہدی کے پیچھے نماز پڑھیں گے۔

وقال ابن کثیر قد تواترت الاحادیث

محدث ابن کثیر اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں

من رسول الله صلی الله علیه وسلم انه اخبر بنزول عیسی علیه السلام قبل یوم القیامة اماما عادلا وحکما مقسطا اھ وقد صرح فی تفسیر النساء ایضا وساق هذا من الاحادیث وقد قال الترمذی فی جامعه فی قتل عیسی بن مریم الدجال علی احادیث خمسة عشر صحابیا. وقد ذکر الحافظ فی الفتح تواتر نزوله علیه السلام عن ابی الحسین الآبری - والمحدث العلامة الشوکانی رسالة سماها التوضیح فی تواتر ما جاء [illegible]

[illegible]

فی عقیدة السفارینی
نسب الی ابن حزم فانه صرح بتواتر نزوله فی کتابه کتاب الملل فی العقیدة قال مالک بین الناس قیام یستمعون لاقامة الصلوة فتغشاهم غمامة فاذا عیسی قد نزل اھ
ص[illegible] - وفی کتاب الاشاعة للعلامة البرزنجی الشافعی ومن ثم ورد من کذب بالدجال فقد کفر ومن کذب بالمهدی فقد کفر رواه ابوبکر الاسکاف فی فوائد الاخبار ابو القاسم السهیلی فی شرح السیر

کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے متواتر احادیث میں وارد ہے کہ آپ نے عیسیٰ علیہ السلام کے قیامت سے پہلے نازل ہونے کی خبر دی ہے کہ وہ امام عادل اور حکم منصف بنکر تشریف لائینگے۔ ابن کثیر نے سورۃ النساء کی تفسیر میں بھی اسکی تصریح کی ہے ج۱ ص[illegible] اور ترمذی نے اپنی جامع میں عیسیٰ علیہ السلام کے دجال کو قتل کرنے کی حدیث کا تواتر پندرہ صحابیوں پر رکھا ہے (کہ پندرہ صحابی اس حدیث کے راوی ہیں اور تواتر کے لیے یہ عدد بہت کافی ہے)

حافظ ابن حجر نے نزول عیسیٰ علیہ السلام کا متواتر ہونا ابوالحسین آبری کے حوالہ سے لکھا ہے جو بہت بڑے محدث ہیں۔ علامہ شوکانی نے اس باب میں مستقل رسالہ بنام التوضیح فی تواتر ما جاء فی المنتظر والمسیح لکھا ہے جس میں نزول عیسیٰ علیہ السلام کے [illegible] ۲۹ حدیثیں ذکر کی ہیں۔ [illegible] صحیح بھی ہیں حسن بھی ہیں اور صالح بھی اور یہ زیادہ تر مرفوع ہیں اور آثار کا تو شمار نہیں ہوسکتا۔

مولانا سید انور شاہ عقیدۃ الاسلام فی حیات عیسیٰ علیہ السلام میں فرماتے ہیں جان لینا چاہیے کہ جیسا نزول مسیح بنقل متواتر ثابت ہے ویسا ہی اس پر امت کا اجماع بھی ہوچکا ہے اور معتزلہ کی طرف جو اختلاف منسوب کیا گیا ہے بے اصل ہے اس میں صرف ملاحدہ اور اہل فلسفہ نے اختلاف کیا ہے جیسا عقیدۃ السفارینی میں اسکی تصریح موجود ہے ایسے ہی ابن حزم کی طرف بھی خلاف کی نسبت غلط ہے۔ کتاب الملل میں ابن حزم نے نزول مسیح کے تواتر کی تصریح کی ہے - اور امام

ص۱۷۱ - قلت والاخبار الواردة فی الدجال فلا تخلو من ذکر نزول عیسی بن مریم علیهما السلام وقتله ایاه فلابد ان من کذب بنزوله فقد کفر - وفی التفسیر المسمی بالبحر المحیط قال ابن عطیة اجمعت الامة علی ما تضمنه الحدیث المتواتر من ان عیسی ابن مریم فی السماء حی وانه ینزل فی آخر الزمان - ص[illegible] - وفی تفسیر النهر الماد واجمعت الامة علی ان عیسی علیه السلام حی فی السماء وینزل الی الارض ج۲ ص[illegible] وفی تفسیر جامع البیان المطبوع مع تفسیر ابن کثیر ص[illegible] والاجماع علی انه حی فی السماء وینزل ویقتل الدجال ویؤید الدین اھ

وقال الامام ابوالحسن الاشعری فی کتاب الابانة عن اصول الدیانة ص۴۶ قال الله عز وجل یا عیسی انی متوفیک ورافعک الی وقال تعالی وما قتلوه وما صلبوه بل رفعه الله الیه واجمعت الامة علی ان الله عز وجل رفع عیسی الی السماء اھ وقال الشیخ الاکبر قدس الله سره فی الفتوحات المکیة (باب۷۳) لا خلاف فی انه ینزل فی آخر الزمان وهو من کلمة الله فی حیاة روح الله ص[illegible]

مالک کے رسالۂ عقیدہ میں ہے انہوں نے فرمایا کہ اس حالت میں کہ لوگ نماز کی اقامت سن رہے ہوں گے، انکو ایک بادل گھیر لیگا - پس دفعۃً عیسیٰ علیہ السلام نازل ہونگے۔ پس مالک کی طرف بھی خلاف کی نسبت غلط ہے۔ علامہ برزنجی کتاب الاشاعۃ میں فرماتے ہیں کہ اسی (تواتر یقین کی) کی وجہ سے وارد ہوا ہے کہ جو دجال کے آنے کا انکار کرے کافر ہے اور جو مہدی کے آنے کا انکار کرے کافر ہے۔ اسکو ابوبکر اسکاف نے فوائد میں اور سہیلی نے شرح السیر میں بیان کیا ہے۔ میں کہتا ہوں کہ جن احادیث میں خروج دجال کا ذکر ہے اُن میں سے شاذ و نادر ہی کوئی حدیث ہوگی جس میں نزول عیسیٰ علیہ السلام اور اُنکے قاتل دجال ہونے کا ذکر نہ ہو۔ پس لازم ہے کہ جو نزول عیسیٰ علیہ السلام کا منکر ہو وہ بھی کافر ہو۔ تفسیر بحر محیط میں ہے کہ ابن عطیہ نے فرمایا امت نے اس حدیث متواتر کے مضمون پر اجماع کر دیا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں زندہ ہیں اور آخر زمانہ میں نازل ہونگے۔ تفسیر النہر الماد میں ہے کہ امت کا اس بات پر اجماع ہو چکا ہے کہ عیسیٰ علیہ السلام آسمان میں زندہ ہیں وہ نازل ہونگے اور دجال کو قتل کرکے دین کو قوت دینگے۔ امام ابوالحسن اشعری کتاب الابانۃ عن اصول الدیانۃ میں فرماتے ہیں کہ حق تعالیٰ نے فرمایا ہے کہ اے عیسیٰ میں خود تم کو وفات دونگا - (کوئی تم کو قتل نہ کر سکے گا) اور اس وقت تم کو اپنی طرف اُٹھانے والا ہوں۔ نیز فرمایا ہے کہ یہود نے عیسیٰ علیہ السلام کو قتل نہیں کیا بلکہ اللہ نے انکو اپنی طرف اُٹھا لیا - اور امت نے اس بات پر اجماع کیا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے عیسیٰ علیہ السلام کو آسمان پر (زندہ) اُٹھا لیا ہے - شیخ اکبر فتوحات مکیہ میں فرماتے ہیں کہ اس میں کسی کا خلاف نہیں کہ عیسیٰ علیہ السلام آخر زمانہ میں نازل ہوں گے اھ -

(باقی آئندہ)

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ھُمُ الْمُتَّقُوْنَ | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا وہی پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر۔ عبد الماجد دریابادی
پتہ:۔ دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:۔ حکیم عبد القوی دریابادی
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

چندہ و انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:۔
محمد عبد الرؤف عباسی مہتمم صدق
رشد آباد بلڈنگ۔ گولہ گنج۔ لکھنؤ

چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی ۳ روپے
بیرون ہند سے سالانہ دس شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ آنے

صدق

نمبر ۴۲ | دوشنبہ ۱۹ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ مطابق ۵ مارچ ۱۹۴۵ء | جلد ۱۰

لکھنؤ کا یوم النبی

آج فروری کی ۲۲ اور ربیع الاول کی ۸ ہے۔ یوم النبیؐ یا عوام کی اصطلاح میں بارہ وفات سر پر ہے۔ چاہے ان پڑھ مسلمان جہاں جہاں بھی آزاد ہیں، صحیح یا غلط، بہرحال اپنے اپنے مسلک و عقیدہ کے لحاظ سے کسی نہ کسی صورت میں اس یوم مبارک کو منانے کی تیاری کر رہے ہیں۔ لکھنؤ کا یوم النبیؐ سب سے انوکھا، سب سے نرالا آج سے نہیں کئی سال سے ہوتا چلا آ رہا ہے۔ یہاں ڈسٹرکٹ مجسٹریٹ کا جو فرمان "واجب الاذعان" نافذ ہوا ہے، اس کا ضروری خلاصہ، ضروری تشریح و حاشیہ کے اضافہ کے ساتھ ذیل میں ملاحظہ ہو:۔

کوئی مسلمان کسی مسلک یا فرقہ کا ہو، سنی، شیعہ، وہابی، بدعتی، حنفی، اہل حدیث، قادیانی، لکھنؤ میونسپلٹی کے حدود کے اندر کسی قسم کا جھنڈا، یہاں تک کہ لاٹھی بھی لیکر نہ نکل سکے گا، اور پانچ مسلمانوں سے زائد کا مجمع کسی سڑک یا پبلک مقام پر نہ ہو سکیگا۔

مسلمان اپنا کسی قسم کا جلوس، قدیم یا جدید نہ نکال سکیں گے، اور نہ اپنا کوئی جلسہ کر سکیں گے، تاوقتیکہ پولیس کپتان سے اسکا خصوصی اجازت نامہ حاصل کر لیں۔

کوئی ایسے نعرے لگانا جس سے دوسروں کو ناگوار ہو، یا جھنڈے، جھنڈیاں، نشانات لیکر نکلنا، یا اس مضمون کی تحریریں شائع کرنا، یہ سب قطعاً ممنوع ہے۔ کوئی شخص اگر اپنے گھر کے اندر سے بھی ایسے نعرے لگائیگا، گرفتار کر لیا جائیگا۔ پولیس کو اختیار دیا جاتا ہے کہ ایسی گرفتاری کے لیے گھروں کے اندر دروازے توڑ کر گھس جائے۔

لکھنؤ کی قدیم مسلمان آبادی کے محلے تھانہ چوک، تھانہ وزیر گنج اور تھانہ سعادت گنج میں واقع ہیں۔ ان تینوں علاقوں کے مسلمانوں کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ عین ۱۲ ربیع الاول (۲۶ فروری) کو کوئی شخص بھی ۷ بجے صبح تڑکے سے لیکر رات کے ۷ بجے تک کسی [illegible] پر بالکل عوام کو نظر نہ آنے پائے، ورنہ گرفتار کر لیا جائیگا۔

اخبارات کے ایڈیٹروں، ناشروں، انجمنوں اور تمام اشخاص کو آگاہ کیا جاتا ہے کہ دس روز تک کوئی بھی ایسی خبر یا ایسا مضمون شائع نہ کریں جس سے اہل سنت اور شیعوں کے درمیان منافرت و بیزاری پیدا ہونے یا نقض امن کے واقع ہونے کا کوئی بھی امکان ہو۔

ان احکام میں سے جو عام ہیں ان کا نفاذ تاریخ اجراء سے دو ہفتے تک رہیگا۔ گویا جس دو ہفتے کی مدت میں سارے مسیحی، سارے مجوس، سارے ہنود، آزاد رہیں گے، مسلمانوں کے ہر فرقہ و مسلک پر ہر نوع کی نقل و حرکت پر یہ پابندیاں عائد رہیں گی، زبانوں پر یوں مہریں لگی رہیں گی، اور پیروں میں گویا یوں بیڑیاں پڑی رہیں گی، عین اسی شہر میں جو مسلمانوں کی تہذیب و معاشرت کا سب سے بڑا مرکز سمجھا جاتا ہے، اور عین مسلمانوں ہی کے پیغمبر رحمت کے ظہور کے زمانہ یادگار میں! —— سوچئیے، ملک نہیں، دنیا کے بھی کسی علاقہ میں، خالص غیر مسلم آبادیوں میں بھی اس شان کے یوم النبیؐ کی نظیر کہیں ملیگی؟ —— ایک فریق کی ضد و رنگ، اور دوسرے فریق کی [illegible] دیکھئیے آگے آگے بھی کیا کیا دن دکھاتی ہے!

پیام یوم النبیؐ

ذیل کا پیام اہل دیدہ دل کی فرمائش پر یوم النبیؐ کے موقع پر روانہ کیا گیا۔

یادگاریں آج از شنا غدا سلوم کتنوں کی منائی جا رہی ہیں۔ لیکن حقیقۃً یادگار منانے کے قابل تو صرف یوم النبیؐ ہے! اُس ایک ذات کے سوا مخلوق میں آج اور کون ہستی زندہ ہے؟ کسی دوسرے کا نام، کسی دوسرے کا کام، کسی دوسرے کا لایا ہوا پیام آج دنیا میں قائم ہے؟ دائم ہے؟ جہانگیر ہے، عالمگیر ہے؟ کسی دوسرے کا نام نام الٰہی کے ساتھ لیا ہوا آج سال کے پورے ۳۶۵ دن پابندی اور پھر ہر روز ایک نہیں، دن رات میں پانچ پانچ مرتبہ اونچے اونچے مناروں سے فضا میں نشر (براڈکاسٹ) ہوتا رہتا ہے؟ صرف ہندوستان ہی نہیں، چین سے، جاپان سے، حبشہ سے، طرابلس سے، ایران سے، افغانستان سے، مصر سے، حجاز سے، شام سے، ترکی سے، ترکستان سے، انگلستان سے، فرانس سے، امریکہ سے، آسٹریلیا سے، روئے زمین کے ہر ہر گوشہ سے، ہر ہر قطعہ سے، ہر ہر ملک سے! دخل اس میں نہ مبالغہ کو ہے، نہ خوش عقیدگی کو، سوال صرف واقعہ اور حقیقت کا ہے۔

دنیا منکروں کی دنیا، کس کے لیے پیام اور کس کے لائے ہوئے پیام کی طرف از خود، بادل ناخواستہ، کھنچتی ہوئی، سمٹتی ہوئی چلی آ رہی ہے؟ دنیا آج سود کی تباہ کاریوں سے عاجز آ چکی ہے، اسے حرام قطعی کس نے قرار دیا تھا؟ دنیا آج شراب خواری کے مفاسد سے چیخ اٹھی ہے۔ اسے عمل شیطانی کس کی شریعت نے قرار دیا تھا؟ فحش نگاری کے اثرات سے دنیا آج بلبلا اٹھی ہے، اسکے لیے شدید ترین تعزیرات کون نافذ کر گیا ہے؟ دنیا آج جن نئے نئے پیچیدہ سے پیچیدہ مسائل سے دوچار ہو رہی ہے اور جنکا حل کسی کے سمجھے سمجھائے نہیں سوجھتا، انکا آسان، قدرتی، قطعی علاج بجز اس شفاخانہ کے اور کہاں ملتا ہے؟

سوالات کا جواب ایک بار محض واقعات اور واقفیت کی زبان سے حاصل کیجیے!

مخلوق میں زندۂ جاوید شخصیت اگر کسی کی کہی جا سکتی ہے تو اسی عرب کے اُمّیؐ کی — اور "یوم" اگر کسی کا منایا جا سکتا ہے تو حق ہے کہ بس اُسی کا منایا جائے!

"مآخذ القرآن"

نگار، جنوری، فروری کا ڈبل نمبر ۲۴۰ صفحے کی ضخامت کا اول سے آخر تک، ایک انگریزی پادری ٹسڈل کی انگریزی کتاب ... کی لکھی ہوئی ہے۔ اردو ترجمہ بھی غالباً اسی زمانہ میں مسیحیوں نے "ینابیع الاسلام" کے نام سے شایع کر دیا تھا۔ خدا معلوم صاحب نگار کو اب کیا ضرورت پیش آئی کہ مدت کے بعد اس گڑے ہوئے فتنہ کو نئے سرے سے بیدار کیا، اور خواہ مخواہ اپنے ناظرین تک ان سطحی اور تحقیق سے عاری "بادہوائی" اعتراضات کو پہونچایا۔ غنیمت ہے کہ صاحب نگار جوابات اور تردیدی حاشیے بھی جابجا دیتے گئے ہیں، تاہم جس پیمانہ کا زہر ہے اُسکے ازالہ کے لیے یہ تریاق کافی نہیں۔ ضرورت ہے کہ خود مسلم اہل علم و اہل قلم اس طرف فوراً توجہ کریں، اور مفصل جوابات خود نگار ہی میں شایع کرائیں۔ اچھا ہوا یا برا ہوا، بہرحال اب تو وہ زہریلا مواد اُردو میں آ چکا، اب ضرورت تو اسکے اثرات کو باطل کرنے کی ہے — نیاز صاحب کا بیان ہے کہ وہ اپنے اس محشی ترجمہ "مآخذ القرآن" کے نسخے ۲۰۰ علمائے اسلام کی خدمت میں روانہ کر چکے ہیں۔

دور جدید کی ایک بہت چلی اور پھیلی ہوئی تلبیس کا نمونہ کتاب! مقالہ کی بلا ضرورت طوالت و دراز بیانی ہوتی ہے۔ اصل استدلال کو چھوڑ کر ایک ہی بات کو خوب پھیلا کر، بڑھا کر، اسکی جزئی تفصیلات کے ساتھ بیان کیا جاتا ہے۔ پڑھنے والے کا ذہن اس سے مرعوب ہو جاتا ہے، اور وہ ان تفصیلات میں الجھ کر رہ جاتا ہے، حالانکہ اصل استدلال کو ان جزئیات سے ذرہ برابر بھی تعلق نہیں ہوتا۔ ضرورت ہے کہ جواب دینے والا انہیں مغالطات کو کھول کر رکھدے۔

پادری صاحب کا پہلا اور عظیم ترین مغالطہ یہ ہے کہ دعوے انھوں نے "قرآن" کے ماخذوں کے پتہ لگانے کا کیا، لیکن جب کتاب تیار کرنے بیٹھے، تو حوالے یا تو احادیث، روایتوں اور تفسیری اضافوں کے دیتے چلے گئے، یہاں تک کہ اعتراض قرآن مجید پر اور حوالہ عرائس المجالس کا، یا قصص الانبیاء کا! —— پادری صاحب کے بالکل اختیار میں تھا کہ قرآن پر اعتراض کرتے وقت وہ حوالہ بخشی جنتری کا، یا کتابیات تاریخ کا دیدیتے، ان کا ہاتھ کون روک سکتا تھا!

دوسرا مغالطہ اس سے بھی زیادہ گہرا اور اصولی یہ ہے کہ لکھنے والا قرآن مجید کو بھی شاید کسی یونیورسٹی کا "تحقیقی" مقالہ سمجھ رہا ہے! اور اُسکے خیال میں قرآن مجید کا دعویٰ یہ ہے کہ جو باتیں اُس نے پیش کی ہیں، وہ اس سے قبل کبھی نہیں کہی گئی تھیں، اور قرآن کا ہر بیان اچھوتا اور غیر مسبوق ہے! —— قرآن نے آخر یہ دعوے کب کیا ہے؟ کہاں کیا ہے؟ قرآن تو اسکے بالکل برعکس یہ کہتا ہے کہ میں وہی کہہ رہا ہوں، جو مجھ سے قبل عیسیٰؑ کہہ چکے ہیں، موسیٰؑ کہہ چکے ہیں، ایوبؑ کہہ چکے ہیں، یعقوبؑ کہہ چکے ہیں، اسمٰعیلؑ کہہ چکے ہیں، ابراہیمؑ کہہ چکے ہیں، نوحؑ کہہ چکے ہیں، دنیا کے ہر ہر گوشہ اور خطہ کے سچے رہبر کہتے آئے ہیں۔ میں تمام پچھلی صداقتوں اور حقیقتوں کا مصدق ہوں، ان پر مہر تصدیق و استناد لگانے والا ہوں۔ تو پادری صاحب نے یہ پتہ لگا کر کہ قرآن کے فلاں فلاں بیانات اسرائیلیوں کے فلاں فلاں مقدس صحیفوں میں بھی پائے جاتے ہیں، قرآن کی تکذیب تو کسی معنی میں اور کسی حد تک بھی نہیں کی، بلکہ عین اُسکے دعوے کی تائید اور تصدیقی شہادتیں بہم پہونچا دی ہیں! اور جو کام خاص مسلمانوں کے کرنے کا تھا، وہ نادانستہ، اور بلا قصد بلکہ خلاف قصد سہی، لیکن بہرحال انجیل کے معترض پادری صاحب نے انجام دیدیا ہے! —— دین کی خدمت اللہ نے بارہا شدید معاندوں سے بھی لی ہے!

لیکن قرآن اس مصدق ہونے کے ساتھ ہی تمام پچھلی صداقتوں کا

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۳۲)

س علامت سوال کی ہے، اور ج علامت جواب کی

س - آج جمعہ کے بعد نماز فجر صبح وقت پر ادا ہوئی اور دوران نماز میں جناب والا کی برزخ از خود بلا خیال قائم ہوئی اور برابر قائم رہی۔ اس سے میں یہ سمجھا کہ چشم کرم مجھ پر ہے۔ لہذا عریضہ نگاری کی ہمت کر رہا ہوں۔

ج - یہ برزخ خود دیکھنے والے کے خیال اور حسن ظن کے تابع ہوتی ہے۔ جلوہ دیکھا جاتا ہے اس غریب کو تو خبر تک نہیں ہوتی اس لیے جو کچھ بھی نظر آیا اس سے تو یہ دالتفات تو کسی طرف سے ثابت ہوا نہ کہ ادھر سے۔

س - ابھی پوری طرح صحت یاب نہیں ہوا ہوں۔ دوا پرہیز سب قائم ہے۔ اور یہاں چلے آنے پر مجبور ہوا ہوں۔ کوئی مجرب دعا پڑھنے کو بتلائیے جس سے مرض کے ازالہ کے ساتھ ضعف بھی دور ہو۔ میرا عقیدہ تو یہی ہے کہ دوا سے زیادہ قوی الاثر اور سریع التاثیر دعا ہی ہو سکتی ہے۔

ج - عقیدہ صحیح ہے۔ کائنات کی ساری تدبیروں میں تو ایک بے بس بندہ اور عاجز انسان کو دی گئی ہیں موثر ترین حربہ دعا ہی تو ہے یعنی بندہ کا سارے سلسلۂ اسباب و وسائط کو ہٹا کر براہ راست قادر مطلق اور فعال لما یرید کے قدموں پر اپنے کو ڈال دینا۔ البتہ دوسری طرف یہ بھی خیال رکھنا چاہیے کہ کوئی دعا کیسی ہی مجرب ہو قطعی و حکمی ہر حال نہیں ہو سکتی۔ دعا، دعا ہی رہیگی، یعنی درخواست، التجا، الحاح۔ منتر کا کام نہیں دے سکتی، جس سے جس دیوی دیوتا کو چاہا، منتر کا نہ عقیدہ کے مطابق مسخر کر لیا۔ معاذ اللہ، تسخیر کا حق تعالیٰ کے ہاں کیا کام!

از دست سلطان ہر چہ او خواہد کند!

صوفیۂ عارفین نے تو یہاں تک کہا ہے کہ دعا نام ہے محبوب و مطلوب حقیقی سے گفتگو کی لذت پانے کا۔ اور دعا اگر نامقبول ہو گئی، تو اس میں نقصان نہیں، نفع ہی ہے کہ دو بارہ پھر عرض و معروض کی حلاوت حاصل کرنے کا موقع ہاتھ آیا!

از دعا نبود مراد عاشقاں
جز سخن گفتن بآں شیریں دہاں
گر کند مقبول او خود المراد
یاد او دیدار نقد آیند شاد
ور کند رد لذت آں بیشتر
ہر تقرب سخن بار دگر

ایک دعا آپ کی تسکین خاطر کے لیے حدیثی دعاؤں کی مقبول و معروف کتاب حصن حصین سے نقل کر کے حاضر ہے۔ اَعُوْذُ بِاللّٰہِ وَقُدْرَتِہٖ مِنْ شَرِّ مَا اَجِدُ وَاُحَاذِرُ۔ جسم کا جو حصہ مریض ہو وہاں ہاتھ رکھ کر داہنی مرتبہ پوری بسم اللہ پڑھنے کے بعد سات مرتبہ اس دعا کو پڑھ لیا جائے۔

س - حسب ارشاد حضرت والا چودہ روز سے تجدد سے تکمین بجی رکھتا ہوں، اور نیم قربانی دبے حیائی کی بے وقعتی بھی حسب ارشاد ہر وقت پیش نظر رکھتا ہوں۔ ان شاء اللہ آنجناب کی ہدایات پر بسرو چشم عمل کروں گا۔

ج - الحمد للہ۔ یہی کوشش و ہمت کامیابی و کامرانی کی اول ہے۔ کچھ روز کی مشق کے بعد زیادہ قصد و اہتمام کی ضرورت نہ رہے گی۔ عادت طبیعت ثانیہ بن جائیگی۔

س - الحمد للہ اب کچھ روز سے تہجد کی بھی باقاعدہ ادائی ہو رہی ہے۔ اور علی الصباح تفریح کے لیے بھی جاتا ہوں؟

ج - پابندی اگر رہے تو اس کم ہمت تباہ کار کے لیے بھی دعا کرتے جائیے۔

س - اللہ کا فضل و کرم ہے کہ دل سے بھی ہوا... صاحب قبلہ کی ملاقات کے بعد سے مجھ میں ایک قلبی قوت تعود راشد حافظ کا بیٹھ گیا ہے۔ اب دلی قوت کچھ کم سا معلوم ہوتا ہے۔

ج - الحمد للہ۔ اللہ اس حالت کو ثبات و رسوخ عطا کرے۔ صالح کی صحبت میں بڑی برکت ہے۔ لیکن یہ ذہن لئے رہئے کہ اصل شے انسان کی اپنی ہمت اور اپنا عزم اصلاح نفس ہے۔

س - آج کل ایک ناقابل بیان حالت طاری ہو رہی ہے۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ روح جسم سے نکل رہی ہے۔ ایک قسم کی پریشانی سی ہوتی ہے اور دنیا کی تمام چیزوں سے بے رغبتی پیدا ہو جاتی ہے بعض اوقات دوکان پر گاہک سامنے ہوتا ہے، لیکن مذکورۂ بالا حالت کی بنا پر مال بتانے اور گاہک سے بات کرنے کو جی نہیں چاہتا نہ معلوم ایسا کیوں ہوتا ہے۔ بعض اوقات پریشانی بڑھ کر اوڑھ کر سونے کا دل ہوتا ہے۔

ج - سالکین طالبین، خصوصاً ذاکرین شاغلین کو طرح طرح کی کیفیات و تغلبات قبض و بسط کے پیش آتے ہی رہتے ہیں۔ حکیم الامت کا طریقہ یہ تھا کہ کیفیات و مواجید پر زیادہ توجہ و التفات ہونے ہی نہیں دیتے تھے، اور سالک و طالب کو ہدایت یہی کرتے رہتے تھے کہ بس اپنے کام میں لگے رہو۔

اور صحیح طریقہ ہے بھی یہی کہ عارضی کیفیات پر زیادہ دھیان نہ دے، طاعت و اطاعت میں یعنی خدا اور بندگان خدا کے ادائے حقوق میں لگا رہے۔

س - سوالات سود پڑھانے سے متعلق میرے سوال کا جواب صدق میں شائع ہوا ہے، اُسے بغور پڑھ لیا۔ بیحد تسلی ہوئی۔ اللہ جزائے خیر دے۔ آپ نے بہت اچھی طرح سمجھا دیا۔

کل اتفاقاً میرے ایک راجپوت طالب علم کا انتقال ہو گیا۔ لڑکا نہایت ذہین، فہیم، خوش اخلاق تھا۔ اسلامیات کا از حد شوقین تھا

اعتقاد کیا کہ انکا زندہ ہونا اور نزول کے بعد زمین میں مدت تک رہنا صحیح احادیث سے اس طرح ثابت ہو چکا ہے کہ اس میں شبہہ کی مجال نہیں رہی نہ اس میں کسی نے اختلاف کیا بخلاف تین انبیاء کے (کہ ان میں علماء کا اختلاف ہے) کیا اب بھی کسی کو یہ کہنے کا منہ ہے کہ حیات و نزول مسیح علیہ السلام کا مسئلہ کتب عقائد میں مذکور نہیں، یا یہ مسئلہ قطعیات سے نہیں ظنیات میں سے ہے۔ علامہ آلوسی صاف فرما رہے ہیں کہ حیات و نزول مسیح کے بارے میں اس کثرت سے احادیث وارد ہیں کہ اس میں شبہہ کی گنجائش نہیں اور علماء اسلام میں سے کسی نے بھی اس میں اختلاف نہیں کیا۔ یہ ان تصریحات کے علاوہ ہیں جو اوپر مذکور ہو چکی ہیں۔

فجزاہ اللہ اولی الابصار - وصلی اللہ علی سیدنا محمد سید الابرار وعلی آلہ وصحبہ الاخیار وسلم تسلیماً کثیراً کثیراً۔

(بقیہ صفحہ ۳)

اردو - غریب زبان کے ترجمے کا ... انسائیکلو پیڈیا آف اسلام انگریزی کے علاوہ بھی جرمن، فرنچ وغیرہ مغربی زبانوں میں ہے۔ اور اردو میں اسکے ترجمہ کی ہمت پٹنہ کے کوئی صاحب کر رہے تھے کہ دنیا کی جنگ نے انکے حوصلے پست کر دیئے۔

(۲) ہیوز (Hughes) کی ڈکشنری آف اسلام ایک ضخیم جلد میں ہے، اور وہ بھی فی الجملہ مستند ہی سمجھی جاتی ہے۔

مسلم یونیورسٹی اور سنسکرت

مسلم یونیورسٹی گزٹ میں یہ پڑھ کر ہمیں یہ معلوم کر کے حیرت آمیز مسرت ہوئی کہ مسلم یونیورسٹی میں سنسکرت کی باضابطہ تعلیم کے علاوہ ایک سنسکرت لٹریری سوسائٹی بھی قائم ہے ۲۵ جنوری کو اسکا جلسہ استاد سنسکرت ایک شاستری پنڈت کی صدارت میں ہوا اس میں بعض ہندو طلبہ کے علاوہ یونیورسٹی کے بڑے بڑے مسلمان عہدہ دار وائس چانسلر سے لیکر نیچے تک کے شریک ہوئے۔ جلسہ میں سنسکرت کے مختلف ادبی پہلوؤں پر چار مقالے پڑھے گئے۔ ان میں سے تین ہندو طلبہ کے تھے اور ایک مقالہ ایک مسلمان طالب علم کا۔ آخر میں طلبہ کو مقالات پر انعام تقسیم ہوئے، اور پہلا انعام مسلمان ہی طالب علم کو ملا!
——— غیروں کے علوم و فنون سے واقفیت، اور گہری واقفیت تو وقت کی ضروریات میں داخل ہے۔ البتہ یہ معلوم نہیں کہ اسکے مقابلہ میں ہندو یونیورسٹی میں عربی کی تعلیم کا کیا حال ہے!

ایک رسالہ

مولوی عبد الوحید خاں صاحب تبنڈے گڑھ سے تحریر فرماتے ہیں:-

”قاضی سلیمان صاحب پٹیالوی سشن جج پٹیالہ مصنفات و رسائل کے ساتھ ایک مسلمان کے ایک خط کے جواب میں رسالہ ”استغفارات“ لکھ ڈالتے ہیں۔ ایک دنیا اب تک اس سے فائدہ اٹھاتی ہے۔ اگر صدق میں مفصل شائع ہو جائے تو فائدہ اکثر عام ہوگا“

رسالہ مذکور اڈیٹر صدق کے علم میں نہیں، تبصرہ کے لئے مع رسالہ کوئی روانہ فرما دیا گیا ہوتا تو بہت بہتر ہوتا۔ قاضی صاحب یوں تو بڑی اچھی علمی شخصیت رکھنے والے، اور اچھے لکھنے والے تھے۔ صاحب علم بھی، صاحب ایمان بھی۔ صاحب قلم بھی۔ رسالہ دیکھ ہی کر کوئی متعین رائے قائم ہو سکتی ہے۔

فجزاہم اللہ خیر الجزاء

صدق کے جن قدر دانوں نے ہماری آواز پر لبیک کہکر اسکے لیے جدید خریدار فراہم کرنے کی طرف عملی اقدام کیا ہے انکے اسمائے گرامی بعد شکریہ درج ذیل کیے جاتے ہیں:-

جناب نواب نثار یار جنگ بہادر	حیدرآباد
جناب شیخ احمد حسن صاحب	بھوپال
جناب آئین احمد صاحب	پورنیہ
جناب ابو احمد غلام دستگیر صاحب	حیدرآباد
جناب محمد داؤد صاحب	مظفرنگر
جناب محی الدین منیری صاحب	بمبئی
جناب ابو علی صاحب	تھانہ

مہتمم صدق لکھنؤ

فحش نویسی کے خلاف مقدمہ

لاہور ۲۰ - فروری آج رائے صاحب لالہ سنت رام اسپیشل مجسٹریٹ لاہور کی عدالت میں افسانہ نگار خواتین عصمت چغتائی - سعادت منٹو اور شاہد احمد پبلشر کے خلاف مقدمات زیر دفعہ ۲۹۲ تعزیرات ہند (فحش نویسی) کی سماعت شروع ہوگئی - ملزمان کی گرفتاری کے بعد پولیس نے ضمانت داخل کر دی - تینوں ملزموں کے خلاف علیحدہ علیحدہ مقدمات کی سماعت ہوگی - آج شاہد احمد کے خلاف مقدمہ میں شہادتیں ہوئیں - عصمت چغتائی کے خلاف الزام یہ ہے کہ وہ ایک ”چوٹیں“ کی مصنفہ ہے - اور اسمیں اس نے ایک فحش کہانی ”لحاف“ لکھی۔ کتاب ”دھواں“ کے مصنف سعادت حسن منٹو کے خلاف اس کتاب میں دو کہانیاں ”دھواں“ اور ”کالی شلوار“ لکھنے کا الزام ہے۔

شاہد احمد کے خلاف مقدمہ میں مسٹر ... چند ناز اڈیٹر روزانہ پرتاب لاہور نے شہادت دیتے ہوئے کہا، میری رائے میں ”لحاف“ ”دھواں“ ”کالی شلوار“ فحش کہانیاں ہیں - میں اپنے لڑکے یا لڑکی کو کبھی بھی اس قسم کی کہانیاں پڑھنے کی اجازت نہیں دے سکتا۔

(انقلاب)

ہماری اپیل اور اُسکی صدائے بازگشت

ہم نے ۱۵ فروری کی اشاعت میں "صدق" کے قدردانوں کی خدمت میں "اسکے زیرِ عنوان جو اپیل شائع کی تھی وہ بحمداللہ بے نتیجہ نہ نکلی، اور اسوقت تک صدق کے قدردانوں میں سے سات حضرات نے آٹھ نئے خریداروں کے نام وی۔ پی روانہ کرنے کے لیے پتے ہمیں روانہ کیے ہیں کہ جنکے نام آج کی اشاعت میں کسی دوسری جگہ ہم شائع کر رہے ہیں۔ البتہ اس سلسلہ میں بعض خط ہمیں ایسے بھی ملے کہ جن میں صدق کی خرابی طباعت و کتابت کا رونا رویا گیا ہے اور اسی بنا پر اُسے ہفتہ میں دو بار شائع کرنے کی تجویز سے اختلاف کیا گیا ہے۔ جہاں تک اس شکایت کا تعلق ہے ہمیں اپنے جرم کا اعتراف ہے لیکن اسی کے ساتھ یہ چیز کسی طرح ہماری سمجھ میں نہیں آتی کہ سیرت کو چھوڑ کر صورت کی پرستش کیوں کی جا رہی ہے۔ اسوقت بھی ایک دو نہیں شاید درجنوں ہفتہ وار اخبارات اور ماہوار رسائل ایسے مل جائیں گے جو تصویردار بھی ہونگے اور کاغذ، طباعت، کتابت و دیگر رنگینیوں کے اعتبار سے دیدہ زیب بھی۔ لیکن مضامین کے الفاظ اور انکی معنویت میں آپ کبھی جانے کی کوشش کریں گے تو آپ کی غیرت اور محبت کو ایسی ٹھیس پہونچیگی کہ شاید آپ اسے برداشت نہ کر سکیں۔ یہ تو قدردانان صدق کو غالبًا معلوم ہی ہے کہ دولت دنیا سے ادارۂ صدق کا دامن خالی ہے اور نیز یہ کہ اسکی آمدنی کا واحد ذریعہ خریداروں سے وصول شدہ چندہ ہے۔ اشتہارات اسے میسر نہیں ہوتے۔ سمنوں تک کی اشاعت میں حضرت مولانا مدظلہ کو یہاں تک احتیاط ہے کہ ابھی تقریبًا ایک ڈیڑھ ماہ کا عرصہ ہوا کہ یہاں کی عدالت دیوانی کا ایک سمن بغرض اشاعت بلا طلب و سوال آگیا تھا۔ میں نے اُسے شائع کرنے سے قبل حضرت مولانا کو اطلاع دی کہ جسکا جواب مجھے یہ ملا کہ "اس سمن کو واپس کر دیجیے اور اسکی اشاعت کے سلسلہ میں [illegible] روپے کی جو رقم آپ کو عدالت سے ملتی وہ میں اپنے پاس سے بھیج دونگا"۔ اب ارشاد ہو کہ اتنی احتیاط برتنے والے کتنے اخبارات ہیں۔ اور پھر اخبارات کی بقا، انکی نشو و نما اور انکی اصلاح و ترقی کی دوسری کونسی صورت ہے۔ ابتداءً صدق ۲۴ پونڈ کے سفید کاغذ پر شائع ہوتا تھا، لیکن جب اسکی قیمت حد برداشت سے باہر ہوگئی تو اسے [illegible] معمولی کاغذ پر لانا پڑا۔ ان معترضین صدق کو شاید اسکا علم نہیں کہ ہفتہ وار انمول جواہر پارے پیش کرنے والے صدق کے خریداروں کی تعداد چار سو سے زیادہ نہیں ہے اور اس میں بھی وہ پرچے شامل ہیں جو اخبارات کو تبادلہ میں جاتے ہیں یا جو لوگوں کے نام مفت جاری کیے گئے ہیں۔ واقعہ تو یہ ہے کہ اگر گذشتہ تین سال سے بعض صاحب خیر اور صاحب دل [illegible] سالانہ خاص رقم سے اسکی [illegible] کا بار اپنے ذمہ نہ لے لیا ہوتا تو یہ پیرہن کا بندی اپنی مسخ شدہ صورت میں بھی اپنے قدردانوں تک نہ پہونچ سکتا۔ اسی طرح مالی حالت کی خرابی کے باعث اسکے کاتب اور اسکے کاپی نویس کو اتنا قلیل معاوضہ پیش کیا جاتا ہے کہ جس میں یقینًا کوئی دوسرا آدمی دستیاب نہیں ہو سکتا۔ ان لوگوں کی صدق کے ساتھ محبت ہی انھیں مالی تکالیف میں مبتلا رہنے کے باوجود اُس سے وابستہ کیے ہوئے ہے۔ یہ داستان اتنی تفصیل کے ساتھ ہم پیش نہ کرتے اگر ہمارے محترم احباب اللہ صاحب کا خط یہ اس سلسلہ میں اپنی رائے کو پُر وزن بنانے کے لیے یہ نہ لکھا ہوتا کہ "اگر آپ کو اس رائے سے اختلاف ہو تو بہتر ہے آپ اپنی اپیل و رائے کے مقابلہ میں اس خیال کو چھاپ کر صدق کے پڑھنے والوں سے رائے طلب فرماکر دیکھ لیں۔"

میں تو اس سلسلہ میں پھر یہی عرض کرونگا کہ لفظ را بگذار و معنی را پرست، سیرت کو دیکھیے صورت پر نہ جائیے۔ اس آئینہ کو دیکھیے کہ جسے لیکر میں آپ کے سامنے کھڑا ہوا ہوں، اس بوسیدہ غلاف کو نہ دیکھیے کہ جس میں رکھکر اُسے میں آپ کی خدمت میں پیش کر رہا ہوں۔ اُس گرد و غبار کو نہ دیکھیے کہ جو اسکے چہرے پر پڑا ہوا ہے بلکہ اُس روح کو دیکھیے کہ جو اُسکے اندر سے بول رہی ہے۔ تو یہ دانی کہ در پی گرد سوارے باشد۔ اور اگر اس سے بھی آپ کی تسکین نہ ہو تو اسکی مثال اُس سیاہ کاجل کے ٹیکہ سے سمجھ لیجیے کہ جو ماں اپنے بچے کے رُخ پر اُسے نظر بد سے بچانے کے لیے سوز دانہ لگا دیا کرتی ہے۔ اور پھر اگر یہ تسلیم ہے کہ باعتبار تبلیغ اور باعتبار تعلیمات مذہبی "صدق" اپنا آپ جواب ہے تو خدارا اسکے لیے ایک خریدار کی فراہمی میں تو بخل نہ کیجیے کہ یہی ایک ذریعہ اسکی تعلیمات کی توسیع اشاعت کا آپ کے پاس ہے اور اگر آپ صوری و معنوی دونوں حیثیتوں سے اسے زمانہ کے بلند ترین معیار پر دیکھنا چاہتے ہیں تو پھر

دست کشا جانب زنبیل ما
آفریں بر دست و بر بازوے تو

آخر میں صدق کی کتابت، طباعت اور کاغذ کی خرابیوں کا اعتراف اور حتی الوسع انکی اصلاح کی کوشش کا وعدہ کرتے ہوئے مجھے اتنا اور کہنے کی اجازت دیجیے کہ

منم بہائے بادہ عطا کن کہ مے فروش
سوداگر است ساقی کوثر نبودہ است

وآخر دعوانا ان الحمد للہ رب العالمین۔

خاکسار محمد عبدالرؤف عباسی۔ مہتمم صدق۔

شیخ شرف حسین پرنٹر حسن پرنٹنگ پریس میں چھپا کر دفتر اخبار صدق۔ گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

وَالَّذِیْ جَآءَ بِالصِّدْقِ وَصَدَّقَ بِہٖٓ اُولٰٓئِکَ ہُمُ الْمُتَّقُوْنَ | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا، یہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- (حکیم) عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط و کتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد بلڈنگ، گولہ گنج، لکھنؤ
چندہ سالانہ پانچ روپیہ
ششماہی ۳؍
ممالک غیر سے سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲؍
ٹیلیفون نمبر (۴۹۱)

نمبر ۴۳ | دوشنبہ - ۲۶ ربیع الاول ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۲ مارچ ۱۹۴۵ء | جلد ۱۰

توحید کی کشش

"میں نے دنیا کا بڑا حصہ دیکھا ہے، جو قومیں اپنے آپ کو سیاسی طور پر آزاد کہتی ہیں، وہ بھی اپنے ملکوں میں معاشی اور سماجی غلامی کے متعدد مظاہر رکھتی ہیں۔ انھیں کے بھائی غلامی کی ان زنجیروں میں جکڑے ہوئے ہیں"۔ (رہبر دکن - ۲۵ فروری)

یہ کانگریس کی سابق صدر، اور کانگریس کی موجودہ ورکنگ کمیٹی کی ممبر، مسز نائیڈو نے کہا۔ اور پھر آگے کہا:-

"آپ کو ابھی متعدد روایات کو ختم کرنا ہے اور زندگی بخش نئی روایات کو دنیا کے نئے نظام کا جزو بنانا ہے۔ چنانچہ سب سے پہلی روایت انسانوں کا انسان کے مساوی ہونے کا تصور ہے۔ شخصیتوں اور اخلاقی کمالات کے سوا سارے چھوٹے امتیازات اور پست و بلند کی تفریق مٹا دینی چاہیے۔ اسلامی عقیدہ میں جو چیز مجھے سب سے زیادہ دلکش و جاذب معلوم ہوتی ہے، وہ یہ تصور ہے کہ خدا کے سوا کسی انسان کے آگے انسان کا سر نہ جھکنے پائے، اور ہر انسان کو اپنی صلاحیتوں کے بموجب بڑھنے کیلئے مساوی مواقع ملیں، ہر انسان چاہے بادشاہ ہو یا غریب، کندھے سے کندھا ملا کر ساری دنیا کے سر بسجود ہو۔ یہ ہے انسان کی عظمت و اخوت جسکا خاص مظاہرہ مسجد میں عبادت کے وقت ہوتا ہے

ہمیں تعصب چھوڑ دینا چاہیے۔ ہندو تمدن اور ہندومت جسکی طرف میں منسوب ہوں، گو یہ بتانا مشکل ہے کہ میرا کوئی خاص عقیدہ یا مذہب ہے۔ اس خصوصیت کا حامل نہیں۔ اگرچہ اس میں روحانی لطیفوں اور نزاکتوں کے متعدد پہلو ہیں۔ میں بجز خدا کے آگے سر جھکانے کے، انسان کی اس قدر رفعت محسوس کرتی ہوں کہ جب ایک ہندو ہر مشرف صاحب سے مہاتما جی کی قدمبوسی کرانا چاہتی تو میں نے انھیں منع کر دیا اگرچہ اسکی کتنی ہی لطیف، نازک شاعرانہ تاویل کی جائے"

——— اور یہ مسز نائیڈو مسلمان نہیں، ہندو ہی ہیں!

۱۱ ہزار سینما!

"نیویارک فوٹو فون (بمبئی) کے منیجنگ ڈائرکٹر مسٹر اکبر فاضل بھائی نے جو بیان انٹرنیشنل بزنس کانفرنس میں بطور نمایندہ کے ہندوستان کی فلم انڈسٹری کی طرف سے شریک ہونے کو آئے ہیں، آج بیان کیا، کہ جنگ کے بعد ہندوستان میں ۸ ہزار نئے سنیما کھلیں گے!" (ہمدم، ۱۷ دسمبر ۴۴ء)

شاباش! اب تک کل تین ہی ہزار سینما تو تھے! ذرا ملک کے اس طول و عرض کو خیال کیجیے، اور پھر اس بیسویں صدی میں ان تین ہزار کی تعداد کو! اب پرانے اور نئے ملا کر، کم از کم ۱۱ ہزار تو ہوں! جب تو کچھ بات ہندوستان کی، مہذب ملکوں، متمدن قوموں کے سامنے ہے! ——— اور اب تک سنتے آئے ہیں، پڑھتے آئے ہیں، کہتے آئے ہیں، کہ ہندوستان بھوکا ہے، ننگا ہے، مفلسوں کا ملک ہے، کنگلوں کا دیس ہے، قحط زدوں کا وطن ہے! ——— کیسے سادہ لوح ہیں وہ لوگ جو ان خبروں کے سننے کے لیے آس لگائے رہتے ہیں، کہ غلہ ارزاں ہو گیا، کپڑا ملنے لگا!

ملحد کو جواب

سید عقیل جعفری خیرآبادی اپنے خیابت امۂ میں لکھتے ہیں۔

"ادھر جوش ملیح آبادی کی کچھ رباعیاں ایک رسالہ میں نظر سے گزریں۔ ہر ایک کے جوابات اس عریضہ میں درج کر رہا ہوں۔ دیکھیے ایک ہی چیز اگر بصیرت اسلامی سے محروم ہو کر دیکھی جائے، تو کیسی نظر آنے لگتی ہے! میں جب جوش کی یہ حرکت دیکھتا ہوں کہ وہ

بصیرت اور ذوقِ سلیم کا ثبوت دیتا ہے ؎

از باج خورشید مزاج تو درست
کہ ز چشم روشن دنا گرد رست

آفتاب کی روشنی تو آپ ہی اپنی صداقت کا اعلان کرتا ہوا۔ اور حالی اور عبدالحق کو بھی اگر آپ "ترقی پسندوں" میں شامل کرلیجئے تو زمین و آسمان گواہ ہیں کہ ہم سب ترقی پسند ہیں اور ترقی پسندی کے حلقہ بگوش!

حالی میں جو کچھ تڑپ اپنے مذہب، اپنی ملت، اپنی تہذیب، اپنی معاشرت کی تھی، کاش اس کا پرتو ہم پر بھی پڑ جاتا!

فحش نویسی کے خلاف مقدمہ

(۲)

لاہور ۲۰۔ فروری۔ آج اے صاحب لالہ سنت رام اسپیشل مجسٹریٹ لاہور کی عدالت میں عصمت چغتائی کے خلاف فحش نویسی کی بنا پر مقدمہ کی سماعت مزید ہوئی۔ لالہ نانک چند ناز، لالہ لکشمی نرائن ہیڈ کلرک پریس برانچ۔ لالہ ہنسراج نیجر روزنامہ نوائے وقت لاہور۔ سید ضیاء الدین احمد مترجم پریس برانچ اور مسٹر شاہد احمد دہلوی نے بطور گواہ عصمت چغتائی کے خلاف شہادت دی۔ پانچوں گواہوں نے اپنے بیانات میں اس امر پر زور دیا کہ عصمت چغتائی کی کتاب "چوٹیں" اور "لحاف" نہایت فحش اور عریاں کہانی ہے۔ ایسا لٹریچر مخربِ اخلاق ہے۔ مقدمہ کی مزید سماعت ۲۴۔ مارچ کو ہوگی۔ (اپ س س) (انقلاب)

خریداران صدق کی خدمت میں

آپ صاحبوں کی میعادِ خریداری ماہ مارچ ۱۹۴۵ء میں تمام ہو رہی ہے۔ براہِ عنایت ختم ماہ سے پہلے پہلے اپنا چندہ بھیج دیں۔ تاکہ یکم اپریل کو وی پی نہ روانہ کیے جائیں۔ (مہتمم صدق)

خریدار ۴۹۱، و ۶۱۲، و ۶۴۸، و ۶۵۸
و ۹۰۲، و ۹۰۴، و ۱۱۱۱، و ۱۱۶۱
و ۱۲۱۳، و ۱۲۱۶، و ۱۲۱۶، و ۱۲۱۸
و ۱۲۲۲، و ۱۳۴۲، و ۱۳۴۹، و ۱۳۵۳
و ۱۳۵۱، و ۱۳۵۲، و ۱۳۵۵، و ۱۳۶۵

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۳۴)

ق علامت سوال کی ہے، ج علامت جواب کی۔

صدق ۱۹۴۴ء کے ایک جواب پر ایک مشہور عالمِ دین کی طرف سے حسب ذیل تعاقب وصول ہوا ہے:۔

"کفارہ کی جگہ صرف قضا کا نہلے روزہ ٹوٹنے کی صورت میں اُن خاتون کے متعلق جو آپ نے دیا ہے جنکے شوہر نے ایک ساتھ اپنا اور انکا روزہ توڑا، اُس پر مولانا ... صاحب اور ایک اور مشہور عالم کو (تام) کو سخت اعتراض ہے۔ بلاشبہ مسئلہ نظرثانی کا محتاج ہے"

بہت بہتر ہوتا اگر دونوں بزرگوں نے بناءِ اعتراض کی تفصیل فرمائی ہوتی۔ وہ مکتوب گرامی بصرف تمام درج کردیا جاتا۔ اور بالکل ممکن تھا کہ اسی کے مطابق و ماتحت مدیر صدق اپنے جواب میں ترمیم کردیتا۔

اس وقت تو صرف اسی قدر عرض کردینا شاید کافی ہو کہ جو اصل اس جواب میں لکھی گئی تھی، یعنی کفارہ کا صرف قصد و تعمد پر مرتب ہونا، اسکی صراحت فقہاء کے کلام میں بتاکید ہی کر لکھی گئی تھی۔ اور یوں بھی خود شریعت کے مزاج کا اقتضا یہی تھا۔ فقہاء نے کفارہ صوم کا جہاں جہاں بھی ذکر کیا ہے برابر لفظ متعمداً لکھتے ہیں۔ اور متعمداً کا اطلاق و تقابل ایک طرف تو ناشیا (بھول چوک جانے والے) سے ہوتا ہے، اور دوسری طرف کرہاً (اپنی مرضی کے خلاف دوسرے کے جبر یا زبردستی سے عمل کرنے والے) سے۔

اور وہ خاص جزئیہ، تو فتاویٰ قاضی خاں میں یہ صاف درج ہے کہ مرد پر ایسی حالت میں قضا و کفارہ دونوں ہیں (متعمداً کی قید مرد کے لیے ہے) لیکن عورت کے لیے حنفی مذہب میں یہ حکم صرف اُس وقت ہے، جب عورت بھی رضامند ہو۔

وعلی المرأۃ مثل ما علی الرجل ان کانت مطاوعۃ عندنا۔ (کتاب الصوم باب ما یوجب القضاء والکفارۃ)

عورت کے لیے بھی وہی حکم ہے ہمارے حنفی مذہب میں جو مرد کا ہے بشرطیکہ عورت رضامند رہی ہو۔

اور امام شافعیؒ سے وجوب کفارہ و عدم وجوب دونوں منقول ہیں۔

وللشافعی فی وجوب الکفارۃ علی المرأۃ قولان فی قول لا تجب وفی قول تجب

شافعیؒ سے عورت پر وجوب کفارہ کے باب میں دو قول منقول ہیں، ایک وجوب کا، دوسرا عدم وجوب کا۔

لیکن عورت کی عدم رضا کے باوجود اگر عمل واقع ہوگیا، تو صاف حکم ہے کہ عورت پر صرف قضا ہے، کفارہ نہیں ہے۔

وان کانت المرأۃ مکرہۃ علیہا القضاء دون الکفارۃ

عورت اگر مجبور تھی، تو اسکے لیے صرف قضا ہے، کفارہ نہیں۔

بلکہ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اگر عورت شروع میں نارضامند تھی اور بعد کو اسکی رضا شامل ہوگئی جب بھی حکم صرف قضا ہی کا رہیگا اسلیے

کہ رضا تو اُنکی اب شریک ہوئی جب روزہ فاسد ہو ہی چکا تھا، رضا روزہ توڑنے میں شریک نہ تھی۔

وکذا اذا کانت مکرہۃ لہا الابتداء ثم طاوعتہ بعد ذلک فلا کفارۃ علیہا بعد فساد الصوم	عورت کے لیے یہی حکم اُس وقت بھی رہیگا جب وہ شروع میں مجبور تھی، اور بعد کو اُسکی رضا شامل ہوگئی، اس لیے کہ اُسکی رضا فساد صوم کے بعد شامل ہوئی۔

اور فتاوےٰ ہندیہ (عالمگیریہ) میں بھی کسی قدر اختصار کے ساتھ اسی عبارت کو دہرایا ہے ——— یہ دو حوالے تو اسوقت ہاتھ سے لگ گئے۔ اسکے علاوہ بھی فقہ حنفی ہی کی دوسری کتابوں میں بھی یہی فتوے نظر سے گزرنا اچھی طرح یاد پڑ رہا ہے۔ مثلاً بدائع الصنائع میں بلکہ بحر الرائق میں ایک جزئیہ اس سے بھی بڑھ کر یہ درج ہے کہ خود مرد پر بھی کفارہ واجب نہیں رہتا، اگر اُس نے روزہ اپنے قصد و ارادہ سے نہیں بلکہ عورت کے جبر و اکراہ سے توڑا ہو! اور امام شافعیؒ، امام مالکؒ و امام احمدؒ کے ہاں گنجائش احنفیہ کے ہاں سے بھی زائد ہے (ملاحظہ ہو عینی شرح کنز)۔

س - [illegible] کہ قریب ۱۵ روز ہوئے آنجناب کی خدمت اقدس میں ایک خط ارسال کیا تھا۔ نہ معلوم کیوں خادم ابتک ہدایات سے محروم ہے۔ ہر روز ڈاک دیکھ دیکھ کر مایوس ہونا پڑتا ہے۔

ج - تاخیرِ جواب کی وجہ صرف کثرتِ کار تھی۔ دوسرے مشاغل سے قطع نظر صرف خطوط ہی کثرت سے لکھنے پڑتے ہیں۔ بعض اوقات ہجومِ مشاغل غیر معمولی ہو جاتا ہے۔

س - آجکل لوگوں کے اندر حرام و حلال کا امتیاز مطلق نہیں۔ سود کا رواج عام ہوگیا ہے۔ ایسے زمانہ میں کسی کے ہاں دعوت دی جاتی ہے تو اُسکو منظور کریں یا کیا کریں۔ اگر اُن سے اُنکے حالات یا دوسروں کے ذریعہ سے پوچھ پاچھ کریں تو یہی مصیبت ہے، بلکہ وہ دشمنی پر آمادہ ہو جائینگے یا صحیح نہیں بتلا سکیں گے۔ علاوہ ہر ایک سے ہر دعوت پر پوچھنا پڑیگا۔ یہ بھی تکلیف دہ ہے۔

ج - سوال مشکل ہے۔ حرام آمدنی اگر محض سود خواروں تک محدود رہتی جب بھی غنیمت تھا۔ اب تو حرام خوری کی خدا معلوم کتنی شکلیں چل پڑی ہیں، اور جائز و پاک آمدنی شاذ و نادر ہی کسی کی باقی رہ گئی ہے۔ وکیل، بیرسٹر، مختار، ڈاکٹر، حکیم، زمیندار، چھوٹے بڑے ہر قسم کے گورنمنٹ عہدہ دار، ریاستوں کے اہلکار، اکثر تاجر، غرض کس کس کی آمدنی پاک سمجھی جائے!

جب ابتلاء اسقدر عام ہو جائے، تو اب بچنے کی عملی صورت کون اور کیا بتائے؟ کم و بیش ہم سب کے سب اس میں مبتلا ہیں۔ بہرحال جہاں بہت کھلی ہوئی اور نمایاں مثالیں مل جائیں وہاں تو حتی الامکان احتیاط کرہی لی جائے۔ اور جہاں اتنی ہمت نہ پڑسکے یا خود ملاقات و اظہار رنج مقتضی ہوں، وہاں ضعفا کے لیے تو آخری حربہ دلی ندامت و استغفار ہی کا رہ جاتا ہے۔ باقی پورا علاج تو ممکن ہی نہیں جبکہ موجودہ کافرانہ ماحول ہی کو سرے سے بدل نہ دیا جائے۔

تعلقات اگر گھٹا دیے جائیں اور کسی محدود درجہ پر گوشہ نشینی اختیار کرلی جائے، جب بھی دعوتوں میں بکثرت بلائے جانے میں کمی کسی حد تک تو آہی سکتی ہے۔

س - یہاں مسلمانوں کا کوئی اچھا ہوٹل نہیں۔ صرف ایک ہے وہ بھی ردّی۔ آخر چائے وغیرہ ہندوؤں کے ہوٹل میں پینی پڑتی ہے۔ لیکن اکثر اُنکے ہوٹلوں میں گئے رہا کرتے ہیں اور وہ گئو کی مالش وغیرہ کیا کرتے ہیں۔ اس سے دل میں کراہت پیدا ہوتی ہے مگر فقہ میں دکھا ہے کہ نجس خود دیکھنا شرط ہے۔ ہمیں ایسے موقع پر کیا کرنا چاہیے۔

ج - کراہت طبعی تو ایسے منظروں سے پیدا ہونا بالکل قدرتی ہے۔ یوں بھی غیروں کے کاروبار سے اتنا خلا ملا رکھنا غیرت دینی و خودداری کے خلاف ہے۔ حرمت فقہی کا اعتقاد رکھے بغیر جہاں تک احتیاط و احتراز ہو سکے بہتر ہی ہے۔

س - صدق نمبر ۲۹ باعث شرف ہوا۔ سچی باتوں میں معراج جسمانی کا ذکر پڑھ رہا تھا۔ ایک انگریزی تعلیم یافتہ آکر شریک مطالعہ ہوا۔ معراج بالجسد کا تذکرہ بھی تامل معلوم ہوا۔ مگر اُس نے کہا کہ میرے خیال میں یہ بات سمجھ میں نہیں آتی کہ اللہ نے آدم علیہ السلام کو محض گندم کھانے کی بنا پر جنت سے نکلوا دیا اس وجہ سے کہ گندم کھانے سے رفع حاجت کی ضرورت ہوتی ہے۔ پھر رسول اللہ صلعم کو بالجسد جنت میں لے جانا کیسے؟

ج - سوال کے اندر تہ بہ تہ مغالطات ہیں۔ اول یہ کہ یہ کہاں سے ثابت ہے کہ گندم ہی کی وجہ سے حضرت آدمؑ کا اخراج جنت سے ہوا ہے؟ قرآن مجید قطعاً اس ذکر سے خاموش ہے۔ دوسرے اسکا کیا ثبوت ہے کہ گندم کا یہ وصف خاص ہی اخراج کا باعث ہوا؟ پھر تیسرا سوال یہ ہے کہ قادر مطلق کے لیے کسی حکمت یا مصلحت سے کسی ہستی کو جسد کے ساتھ آسمان پر پہونچا دینے یا جنت کی سیر کرا دینے میں استحالہ یا عدم امکان کیا ہے؟ ضمنی سوالات، انھیں اصل سوالات پر مبنی و متفرع، اور بھی متعدد پیدا ہو سکتے ہیں۔

س - اسکے علاوہ جنت میں مردوں کو حوریں وغیرہ سب کچھ ملینگی، مگر عورت کو بھی کیا مرد ملیں گے؟

ج - قرآن مجید میں تو ایک آیت نہیں، متعدد آیتیں اس مضمون کی موجود ہیں کہ اہل جنت کو نعمتیں، راحتیں، لذتیں ہر قسم کی ملینگی۔ لہم فیہا ما یشاؤن ولدینا مزید - وغیرہا — اور اس عموم کے تحت میں سب کچھ آگیا۔ بچوں کو اُنکے مرغوبات ملینگے، بچیوں کو اُنکے۔ مردوں کو اُنکے، عورتوں کو اُنکے۔ غرض ہر سن، ہر مزاج، ہر جنس، ہر مذاق والے اور والی کو اُسکے اُسکے مرغوبات۔ احادیث میں تو یہاں تک تصریح آئی ہے کہ کاشتکار اگر کاشتکاری سے دلچسپی ظاہر کریگا تو اُسکے لیے جنت میں اسکا سامان بھی بہم پہونچا دیا جائیگا۔ نام لیکر تو جنت کی صرف چند نعمتوں کا ذکر اُنکی عمومی و اکثری حیثیت سے کر دیا گیا ہے، ورنہ ساری نعمتوں کی تفصیل بھلا ممکن کیونکر تھی۔

پھر یہ سوال اُلٹ کر خود سائل سے کرنا چاہیے کہ آیا جو خواہشیں مردوں کی ہوں گی، ٹھیک وہی خواہشیں عورتوں کی بھی ہونگی؟

۵- صوبۂ متحدہ کے ہائی اسکول اور انٹرمیڈیٹ کے درجوں کے لیے عربی نصاب کی کتابیں بنا کر اور درجہ ۹ و ۱۰ کے لیے مناسب جدید عربی کتب تجویز کر کے ڈائرکٹر تعلیمات کی خدمت میں پیش کی گئیں۔

۶- سلطان پور (اودھ) میں ایک عربی مدرسہ قائم کرنے کی سعی کی گئی

۷- امسال انجمن کے سرپرست اول نواب صدر یار جنگ بہادر دام اقبالہٗ کا ماہانہ عطیہ [illegible] اور آل انڈیا مسلم ایجوکیشنل کانفرنس کا ماہانہ عطیہ علی حسب سابق جاری رہا۔

۸- مولوی شریف احمد خاں شروانی صاحب (ڈپٹی انسپکٹر مدارس اسلامیہ) نے انجمن کے دفتر کا مفصل معائنہ فرما کر اطمینان کا اظہار فرمایا۔

۹- جولائی ۱۹۴۴ء میں سید مولوی محمد صاحب نے حسابات کا محاسبہ کر کے حسابات کے درست ہونے کی تصدیق فرمائی۔ ۳۰ جون ۱۹۴۴ء کو سال کے ختم ہونے پر انجمن کے خزانہ میں کچھ رقم [illegible] روپیہ ۲/ ۱۱ پائی موجود تھے۔ باقی تفصیل کے لیے اس سال کی مفصل روداد ملاحظہ ہو جو جنوری گذشتہ میں طبع ہو کر شائع ہوئی ہے۔

محمد نعیم الرحمٰن ۔ معتمد و خازن انجمن

صدقؔ کا دور جدید

ہم نے اپنی کسی گذشتہ اشاعت میں ہفتہ وار صدق کے ہفتہ میں دو بار کیے جانے کے سلسلہ میں جو اپیل اپنے ناظرین سے کی تھی وہ بفضلہٖ بار آور ہوئی اور شرائط اپیل کے ماتحت ہمیں جو سات تائیدی خطوط موصول ہوئے تھے اور جنکا اعلان ہم اپنی اشاعت گذشتہ میں کر چکے ہیں انکے بعد ہی ایک مخیر اور مخلص صدق نواز نے یکمشت ۲ ہزار روپیہ کا چندہ بھیجنے پر اپنی آمادگی کا اظہار کیا اور اس تحریک کا دلی گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم۔ کہ جس پر ہم کارکنان صدق کی طرف سے اُن کا دل سے شکریہ ادا کرتے ہیں۔ ہمیں ان حق پرست نے چونکہ خاص طور پر اپنے نام کے اعلان کی ممانعت کر دی ہے لہذا ہم مجبور ہیں۔ لیکن اتنا پھر بھی ہم بتا دینا چاہتے ہیں کہ یہ وہی بزرگ ہیں کہ جو گذشتہ ۳ سال سے برابر پانچ سو روپیہ سالانہ کی امداد سے صدق کی سرپرستی فرما کر اسکے رشتۂ حیات کو قائم کیے ہوئے ہیں۔ اور درحقیقت ہمارے پاس کوئی ایسے الفاظ موجود ہی نہیں ہیں کہ جن سے ہم ذیلی ان سرپرستیوں اور قدردانیوں کا شکریہ ادا کر کے اس فرض سے سبکدوش ہو سکیں۔ اللہ پاک انھیں انکی اولوالعزمیوں کا پورا اجر عطا فرمائے اور ہمیں اسکی توفیق دے کہ ہم صدق کو صفحہ اُس بلند معیار پر لا سکیں کہ جس پر وہ اسے دیکھنا چاہتے ہیں۔

اس گرامی نامہ کے موصول ہونے کے بعد ہمارے لیے اب سوائے اسکے کیا چارہ تھا کہ ہم حضرت مولانا کی خدمت میں یہ ساری روداد پیش کرتا اور ان سے اسے شرف قبولیت عطا کرنے کی درخواست۔ چنانچہ سہ شنبہ ۲۰ مارچ کو حضرت مولانا مدظلہٗ کی واپسی الہ آباد پر ہمیں اس کا موقع مل گیا اور ہم نے دھڑکتے ہوئے قلب کے ساتھ اپنا تجویز کے سلسلہ کی یہ کل تائیدی خطوط انکے سامنے رکھ دیے۔ جناب مولانا نے ہماری کافی بحث سنکر ابتداءً ہمیں یہ کہکر ساکت کر دیا کہ "جتنا کام میں کر رہا ہوں گا وہ اس سے زیادہ کے لیے میں وقت نہیں نکال سکتا، ہاں یہ ممکن ہے کہ صدق کے صفحات میں اضافہ کر دیا جائے۔ کہ جس پر ہم نے ان سے یہ کہا کہ "خریداران صدق دراصل آپ کی تحریروں کے شیدائی ہیں نہ کہ اخبار کی ضخامت کے کہ جو دوسروں کے مضامین سے پورا ہو جائے"۔ غرضکہ یہ بحث اسی طرح دیر تک قائم رہی اور بالآخر بڑی رد و قدح کے بعد یہ طے پایا کہ مئی ۱۹۴۵ء سے ہفتہ وار صدق کو ہفتہ میں دو بار کر دیا جائے۔ اور جناب مولانا صدق کی تیاری میں جس قدر وقت اب صرف کر رہے ہیں اتنا ہی اسی قدر مزید صرف کریں۔ میں خوش ہوں کہ قدردانان صدق کے روبرو مجھے مجوب نہیں ہونا پڑتا اور آج اس اعلان میں کہ انشاءاللہ مئی ۱۹۴۵ء سے (جبکہ صدق کا سال نو شروع ہوتا ہے) انکا صدق ہفتہ میں دو مرتبہ انکی خدمت میں پہونچتا رہیگا دلی مسرت محسوس کر رہا ہوں۔

اب یہ انکا کام ہے کہ وہ اسے قائم رکھنے بڑھنے اور ترقی کرنے کے مواقع بہم پہنچائیں۔ اس وقت تک تو میری اپیل کا مخاطب صرف ان لوگوں کی طرف تھا کہ جو صدق کو ہفتہ میں دو مرتبہ دیکھنا چاہتے تھے اور اب میرا روئے سخن صدق کے کل ناظرین کی طرف ہے کہ وہ جس طرح ممکن ہو اپنے حلقہ سے کم از کم ایک خریدار اس اثنا میں مزید مہیا کرنے کی کوشش کریں۔ تاکہ صدق جس مشن کو لیکر نکلا ہے اُسے وہ بحسن و خوبی اتمام کو پہونچا سکے۔ سالانہ چندہ کے سلسلہ میں بھی جناب مولانا سے میں نے گفتگو کی تھی کہ جسکے لیے انھوں نے یہ فرمایا کہ میری خواہش تو یہ ہے کہ موجودہ چندہ میں بھی کمی کر دی جائے لیکن ظاہر ہے کہ کاغذ اور اخراجات طباعت کی موجودہ گرانی کے زمانے میں ایسا کیونکر ممکن ہے۔ لہذا میں نے طے کیا ہے کہ مئی ۱۹۴۵ء سے اسکا سالانہ چندہ ۸ آٹھ روپیہ کر دیا جائیگا۔ اور اب سے جتنے نئے یا اسکے نئے یا پرانے خریداروں کے نام روانہ ہونگے وہ اسی شرح کے لحاظ سے ہونگے۔

میں اپنا کام پورا کر چکا اب قدردانان صدق کا یہ کام ہے کہ صدق کی ترقیوں کی راہ میں اس پہلے قدم کا گرمجوشی کے ساتھ خیر مقدم کریں اور اسے اُس بلندی پر پہونچا دیں کہ جہاں کھڑے ہو کر وہ ہندوستان کے کروڑ مسلمانوں کے روبرو اعلائے کلمۃ الحق کر سکے اور اُس صدائی آواز کو پھر ان کے کانوں تک پہونچا سکے کہ جس کی اب صرف ہلکی سی گونج ان میں باقی رہ گئی ہے

وما علینا الا البلاغ

خاکسار

محمد عبد الرؤف عباسی

مہتمم "صدق" لکھنؤ

شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس لکھنؤ میں چھپوا کے دفتر اخبار صدق گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا

ترکیہ

ایک مسیحی مشنری کے نقطۂ خیال سے

(ایک دردمند اصلاحی کے قلم سے)

کونج صاحب مرے، ڈی، اٹالیشن ریا کا[1] ایک مضمون اپریل ۱۹۵۲ء کے مسلم ورلڈ میں شایع ہوا ہے۔ جس میں ممالک اسلامیہ کا مشنری نقطۂ نظر سے جائزہ لیا گیا ہے۔ اس سلسلہ میں ترکی کا بھی تذکرہ کیا گیا ہے۔ جو حسب ذیل ہے:-

"مشن کا کام اگرچہ ان دشواریوں میں بھی جاری رہا جو ایک عالمگیر جنگ کی حالت میں ناگزیر ہیں۔ لیکن حسب دستور ترکی حکومت کی عائد کردہ پابندیوں کی وجہ سے کام کو بہت زیادہ نقصان پہونچا۔

ترکی کو موجودہ تمدن میں ڈھالنا بیشک ایک امر مغرب العین ہے لیکن دیہاتی حلقوں میں ابھی بہت کچھ کام کرنا باقی ہے۔ بہرحال ترکی جیسا کہ ایک مضمون نگار نے ایشیاٹک ریویو میں لکھا ہے "اپنے معیار تہذیب کو بلند کرنے کی طرف بڑی شدت سے مائل ہے اور وہ اس سلسلہ میں صحیح اور عملی امداد کا طالب ہے۔ چنانچہ گذشتہ موسم سرما میں انگورہ کے اندر انگریزی کتابوں کی جو نمائش ہوئی تھی اس میں جو بہت سی کتابیں تھیں، ان کا بیشتر حصہ سائنس یا تعلیمی نوعیت پر مشتمل تھا۔" لیکن حقیقت میں ترکی کا محض ایک پہلو ہے۔ اگرچہ حکومت بحیثیت حکومت مذہبی زندگی اور ضروریات ملک سے بہت ہی سرسری دلچسپی رکھتی ہے لیکن بلاشبہ عوام الناس کو مذہب کے ساتھ حقیقی لگاؤ ہے۔ اور وہ اس کی ضرورت کو محسوس کرتے ہیں۔ جو بقول ایک مضمون نگار کے اس بات سے بخوبی ظاہر ہے کہ مذہبی تہواروں کے موقعوں پر مسجدیں لوگوں سے بالکل پُر ہو جاتی ہیں۔ یہ مضمون نگار آگے چل کر کہتا ہے "یہ بہت ضروری ہے کہ ہمارے شہریوں کے لیے روحانی غذا کا سامان کیا جائے۔ جسکے وہ متلاشی ہیں۔" اسی مضمون نگار نے دسمبر ۱۹۴۲ء کے "وطن" (استنبول) میں لکھا تھا کہ حکومت کو مذہبی اداروں کے ساتھ بے پروائی برتنے کی پالیسی پر پشیمان ہونا چاہیے۔ وہ کہتا ہے مذہبی رہنمائی کا عہدہ بہت غیر مقبول ہوگیا ہے اس لیے مذہبی جماعت زوال پذیر ہے۔ منصب رہنمائی کے لیے جن لوگوں کا انتخاب کیا جاتا ہے انکو مہینے میں صرف … لیرہ تنخواہ ملتی ہے اس لیے یہ مضمون نگار دل شکستگی کے ساتھ سوال کرتا ہے کہ "جو لوگ ہمارے معاشرتی حالات درست رکھنے کے ذمہ دار ہیں ان سے ہم یہ کیسے توقع کرسکتے ہیں کہ وہ اتنی حقیر ماہانہ رقم پر کام کرسکیں گے۔ ضرورت ہے کہ … مذہبی تبلیغ کو مقبول اور مضبوط حالت تک پہونچانے کے لیے ہر ممکن کوشش کی جائے بلکہ ہماری مسجدیں اور دینی … بھی لائق مبلغین کے لیے کھلے رہنے چاہییں جو وقت کی معاشرتی ضروریات کو پورا کرسکتے ہیں۔" (مسلم ورلڈ - بابت اپریل ۱۹۵۲ء)

معلوم نہیں ترکی کی مذہب پرستی کا جو نقشہ اس تبصرہ میں پیش کیا گیا ہے وہ صحیح ہے یا "انشی کمران راز" کا یہ اندازہ صحیح ہے کہ ترکی سے مذہب کا جنازہ نکل گیا ہے اور اس لیے اس نے موجودہ حیرتناک ترقیاں حاصل کی ہیں۔ ہمیں تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان میں سے کوئی بھی صحیح حالات پیش نہیں کرتا۔ کچھ لوگ جنکے سامنے سیاست ہوتی ہے وہ زیر لب مسکراہٹ کے ساتھ ترکی کی مذہب سے بغاوت کا تذکرہ کرتے رہتے ہیں۔ اور اسکو بجائے اس پر سر دھنتے ہیں اور دوسروں کو بھی اسکی تقلید کی دعوت دیتے ہیں اور جو مذہب کا نام لیوا رہنے والے ہیں انکے نزدیک چونکہ ترکی میں مذہبی بیداری بڑی خوشناک چیز ہے اس لیے انکو ایک معمولی سی چیز بھی مل جاتی ہے تو وہ مذہبی ہونے کی حیثیت سے بظاہر تو مسرت کے ساتھ اسے پیش کرتے ہیں لیکن حقیقت میں یہ انکے دل کا اضطراب ہوتا ہے جسے وہ "اس اظہار مسرت" کے پردے میں چھپانا چاہتے ہیں۔ بہرحال ہماری دلی خواہش یہی ہے کہ ترکی کو اب بھی اپنی غلطیوں کا احساس ہو اور ہمیں یقین ہے کہ یہ کبھی نہ کبھی ہوکر رہیگا۔ آخر یورپ تہذیب و تمدن کی ظاہری چمک دمک کب تک دل و دماغ کو مسحور رکھ سکیگی، جب خود دانایان فرنگ علی الاعلان اپنی تہذیب و تمدن کو لعنت قرار دینے لگے ہیں تو بیچارے یہ انکے مشرقی شاگرد کب تک اسے رحمت سمجھ کر ڈھوتے پھریں گے۔ خود اسی مضمون نگار نے اپنے مضمون کی ابتدا میں دبے لفظوں میں اسکا اعتراف کیا ہے۔ چنانچہ وہ لکھتا ہے

"دنیائے اسلام کا وہ حصہ جو یورپ اور مسیحی مغرب کو ایک عرصہ سے موجودہ تہذیب کا نمونہ سمجھ رہا تھا وہ گذشتہ تیس سال کے واقعات سے بہت زیادہ متاثر ہوا ہے۔ اس عرصہ میں یورپ میں عیسائیوں کے درمیان جو دو عظیم جنگیں برپا ہوئی ہیں انھوں نے مسلمانوں کو سوچنے پر مجبور کردیا ہے۔"

آگے اس نے "جمہوریت" (استنبول) کے ایک مضمون کا اقتباس نقل کیا ہے جو اسکے نزدیک تمام سوچنے والے مسلمانوں کے خیال کا ترجمان ہے:-

"یورپ جو گذشتہ آخری دوروں میں خیالات، احساسات اور معلومات میں تمام دنیا کا نمونہ بنا رہا ہے وہ اسوقت مادی بحران سے زیادہ ایک روحانی بحران سے دوچار ہے۔ اس حقیقت کا انکار کرنا ناممکن ہے۔ اس لیے کہ فاتح و مفتوح دونوں قوموں کی طرف سے یہ نعرہ دواماً صدا بلند ہو رہی ہے کہ تہذیب اپنی موجودہ شکل میں ایک نہایت بوسیدہ نظام ہے … یورپ میں جو تمام دنیا کا دماغ ہے ایک سخت بحران آیا ہے اور یہ بحران سب سے پہلے روحانی پیدا ہوا ہے۔ وہ تمام …. تباہ کاریاں جن سے اسوقت انسانیت دوچار ہے وہ اسی مرض کا نتیجہ ہیں …."

---

[1] مشہور مشنری اور اسلامیات کے ماہر سمجھے جاتے ہیں۔ ہندوستان میں عرصہ تک رہ چکے ہیں۔ اسلام و قرآن پر کئی کتابوں کے مصنف ہیں۔ (صدق)

ارباب کمال و سلاطین ذی شان نے بنایا یا بنوایا — اور وہ انسانی آلات کے بیچ تو اب دم اپنے نظام سے کام کر رہی ہیں۔"

سائل صاحب نصاب قدیم کی تعلیم پائے ہوئے معلوم ہوتے ہیں، جبھی ان کا ذہن اس وضع و تلاش کی احتمال آفرینی کر سکا ہے، ورنہ جدید تعلیم کے لوگوں کا ذہن ادھر تو کبھی نہ جائیگا کہ یہ زمین و آسمان، سورج اور چاند کسی انسان یا انسانوں کے مجموعے کے بنائے ہوئے بھی ہو سکتے ہیں!

ریڈیو، وائرلیس وغیرہ انسانی مصنوعات پر چاند، سورج، زمین، آسمان کو قیاس کرنا خود ہی قیاس مع الفارق ہے، اور اس کا بار ثبوت خود مدعی کے ذمہ ہوگا کہ یہ اور وہ دونوں ایک ہی نوع، ایک ہی جنس، ایک ہی قسم کی چیزیں ہیں — اور اسے کوئی ان شاء اللہ قیامت تک ثابت نہ کر سکیگا (دونوں قسم کے موجودات میں تشابہ و اشتراک صرف خفیف اور سطحی ہے — فرق و تفاوت عمیق اور اصلی ہے) جب تک یہ مقدمہ وہ ثابت نہ کرلے، اسے آگے بڑھنے کا حق ہی نہیں۔

بفرض محال وہ یہ ثابت بھی کرلے گیا، تو کھلا ہوا سوال اس پر یہ وارد ہوگا کہ اس غریب کی یہ ساری مشقت بھی تحصیل حاصل ہی رہی — اور خدا کے وجود کے تسلیم کرنے کی جو ضرورت تھی وہ بدستور انسانوں اور انکے مصنوعات کے حادث ہونے کی بنا پر ناگزیر ہے — غایت یہ کہ اسی قسم اور اسی درجہ کی ضرورت گزشتہ تو انسانوں اور انکی عجیب صناعیوں کے حادث ہونے کی بنا پر ناگزیر تھی، اور حادث صناعیوں کی مثالوں اور نظیروں میں اضافہ ہو جانے سے نفس حدوث اشیاء کے مسئلہ پر کیا اثر پڑا؟

فسق کا دور دورہ

لندن، یکم مارچ — آج ڈاکٹر گیرلڈ گرین ایک بیاہے ہوئے شخص کو کلکتہ میں ایک فوجی نرس سے شادی کرلینے کے جرم میں ۲۲ مہینے کی سزا کا حکم سنایا گیا۔ گرین کی شادی ۱۹۴۲ء میں ہو چکی تھی۔ ۱۹۴۴ء میں وہ رائل آرمی میڈیکل کور میں داخل ہوکر ہندوستان گیا اور وہاں اس نے کلکتہ کے ایک کیتھولک گرجا میں مس میری سیلونی سے شادی کرلی۔ (رویٹر ایجنسی)

گویا سزا اسکی مل رہی ہے کہ دوسرا نکاح کیوں کیا، حرام کاری کیوں نہ کرتا رہا! —— کیا خوب ہے یہ شریعت اور یہ قانون، کہ کھلے بندوں اپنا منہ کالا جتنا اور جتنی بار جی چاہے کرتے رہیے، نہ سوسائٹی میں کوئی بدنامی اور نہ قانون کی نظر میں کوئی ایسا بھی جرم! اسکے لیے پوری پوری آزادی! لیکن ادھر دوسرا نکاح کیا، ادھر سوسائٹی میں بھی نکو، اور قانون کے بھی مجرم! شیطان نے آج سے بڑھکر فخر اپنے اقتدار پر اور کب محسوس کیا ہوگا؟

"صدق" کی فائل

"صدق کی سال گزشتہ کی فائل تیار ہے۔ جن صاحب کو ضرورت ہو فی الفور دفتر سے طلب فرمالیں۔ قیمت فی فائل [illegible] (علاوہ محصول ڈاک)

حکیم الامت :

نقوش و تاثرات

نمبر (۱۵)

سلسلۂ صدق ۲۷

(از عبد الماجد)

اجازت حاضری اور طویل حاضری کی مل گئی — اس سے بڑھ کر مسرت کا موقع اور کیا ہو سکتا تھا۔ لیکن پھر یہ خیال آیا اور آنا ہی تھا، کہ یہ مہینہ ڈیڑھ مہینہ کی مدت وہاں کٹیگی کیونکر؟ عام مریدین، مسترشدین، معتقدین خانقاہ پہنچ کر جس طرح خانقاہ میں رہتے ہیں، یہ نہ سہی، تو ذکر و شغل کرتے، نفی و اثبات کی ضربیں لگاتے، 'اللہ اللہ' کرتے، اور اوراد و وظائف پڑھتے پڑھاتے۔ یہاں ان شغلوں سے کیا سروکار تھا — اس آنے والے کی دنیا ہی دوسری دنیا تھی — آج ایک حد تک دینی اخبار سہی، بہرحال ہفتہ وار اخبار رکھتا، اور اس کا نکالنے والا، بصورت ایڈیٹر — اسکا کام ہی اخبار کے لیے لکھنا، اور اخبار کے لیے پڑھنا — دن رات میں خدا معلوم کتنے اخبارات پڑھ ڈالتا، اردو کے بھی انگریزی کے بھی (اور کبھی کبھی عربی اور فارسی کے بھی)! بھلا ایسے "اخباری" کو خانقاہی مشاغل سے واسطہ کیا ہوتا —— دل میں بات آئی — ہمت کے پیر ذرا ڈگمگائے۔ لیکن بات کو چھپانے کی، چھپا ڈالنے کی عادت جس طرح آج ۱۹۵۹ء میں نہیں ہے، ۱۹۲۹ء میں بھی نہ تھی — دل کڑا کرکے ۱۴ ستمبر کو خود مولانا ہی کو لکھ بھیجا، کہ حضرت، وہاں کا نظام اوقات کیا رہیگا؟ اب تک کا تو معمول روزانہ کئی گھنٹے کے لیے اخبار نویسی اور اخبار خوانی کا ہے — اگر یہ وہاں کے مشاغل کے منافی ہو، تو اپنے اخبار کے لیے کسی اور انتظام کی فکر کرکے آؤں۔ جواب آیا، مختصر لیکن بالکل کافی:—

مکرمی! السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہٗ۔

طبعاً کسی جانب شرح صدر نہیں ہوا — لیکن عقلاً اسکو ترجیح ہوئی کہ اخبار کا انتظام نہ بدلا جائے — میں برکت کی دعا بھی کرتا ہوں۔"

اشرف علی

یہ جواب ان کا آیا، جو اپنی سختی اور خشکی کے لیے مشہور تھے، اور یقیناً اس بدنامی کے پھیلانے میں معتقدین کا بھی حصہ مخالفین سے کچھ کم نہ تھا! حقیقۃً مولانا کے ہاں بڑا توسع تھا، بحیثیت عالم شریعت کے بھی، اور بحیثیت مرشد طریقت کے بھی —

اکتوبر کی کوئی تاریخ ۲۰ کے بعد کی تھی، جب تھانہ بھون پہنچنا طے پایا تھا۔ درمیانی وقفہ اچھا خاصہ تھا، جی میں آیا کہ اس اثنا میں اپنے کو مولانا سے اور زیادہ واقف کرلیا جائے — اور ہو سکے تو مولانا

سکے علوم سے کچھ استفادہ اپنی کتابوں کے سلسلہ میں کر لیا جائے —— مصنف کی اصلاح سے قبل، اگر تصانیف ہی کی اصلاح ہو جائے تو کیا مضائقہ ہے —— یہی تمنا تھی، جو لئے دو کتابیں ڈاک سے روانہ کر دیں۔ ایک تو "دنیائے ثانیہ" یعنی مولانا روم کے ملفوظات کا ترجمہ زبان میں اپنے دیباچہ و مقدمہ کے ساتھ، دوسرے رسالہ تصوف اسلام (طبع ثانی)۔ اور ایک عریضہ بھی لکھ دیا کہ دو حقیر ہدیے ڈرتے ڈرتے ارسالِ خدمت ہیں۔ اور ملنے کے بعد ہی ایک جوابی کارڈ ہمراہ رسالہ کے میں ڈال دیا کہ فلاں تاریخ کو حاضر خدمت ہو جاؤنگا۔ جواب اسی کارڈ پر ۱۸۔ اکتوبر ۲۹ء کا لکھا ہوا حسب ذیل موصول ہوا :-

"مکرمی سلمہ - السلام علیکم ورحمۃ اللہ وبرکاتہ -

آپ کے دو ہدیے بشکل دو کتابوں کے اور محبت نامہ مع کارڈ جوابی پہنچ کر مسرت بخش و مسرت افزا ہوئے۔ سے وقت تو خوش کر دیا وقت ا خوش کر رہی۔

اشتیاق کے ساتھ منتظر رہیے۔ اگر بہ آسانی فرصت ہوئی تو اسٹیشن پر حاضر ہونگا ورنہ آدمی حاضر ہوگا۔ کارڈ محض اسی مصلحت سے بھیج دیا کہ خط پہنچنے کا اطمینان ہو جائے۔

دونوں رسالے رفتہ رفتہ بہ نظر استفادہ متفرق طور پر دیکھتا رہتا ہوں۔ دل خوش ہوتا ہے۔ دوسری کتاب جس سے مراد تصوف اسلام (طبع ثانی) ہے، میں اتفاقاً دو مقام قابل نظر ثانی نظر پڑے۔ ایک مقام اول میں ایک مقام آخر میں۔

ص۱ پر خانقاہ امدادیہ کا ذکر اکابر کے ساتھ فرمایا ہے۔ اگر حضرت رحمۃ اللہ علیہ تشریف رکھتے ہوتے تو یہ ذکر بجا تھا، اب تو دونوں میں ماتم کا حاشیہ ہے۔ ص۱۹۶ ۔ حدیث مَن ماتَ وَلیسَ فی عُنُقِہٖ بَیعۃٌ ماتَ مِیتۃً الجاہلیۃ کے صحاح میں ہونے کی نفی ہوئی ہے۔ مشکوٰۃ نے مسلم سے اس حدیث کو نقل کیا ہے۔ اصل مسلم میں بھی آسانی سے نکل آئیگی۔ اگر مناسب ہو ملاحظہ فرما کر دوسری بار اشاعت کے موقع پر ان دونوں مقاموں کی تصحیح ہو جائے تو مفید ہو۔ باقی خیریت ہے۔ والسلام۔ اشرف علی از تھانہ بھون۔ بھائی صاحب سے سلام فرما دیجیے۔"

اس مکتوب پر صرف تین حاشیے ملاحظہ فرمائیے :-

(۱) تصوف اسلام۔ ص۱ کی جس عبارت کا ذکر ہے، وہاں دیباچہ میں عرض یہ کیا گیا تھا کہ قدیم محققین صوفیہ کے نہج اسلامی تصوف کا عملی نمونہ اب کسی خانقاہ امدادیہ اشرفیہ تھانہ بھون ہی میں نظر آ سکتا ہے۔ ظاہر ہے مولانا اس "ذکر اشرف" کو کیسے گوارا فرماتے۔

(۲) یہ عزیزی ... بالکل ٹھیک ... ثابت ہوئی۔

(۳) بھائی صاحب جہاں پہلے سے مقیم تھے اور وہیں انکا مکتوب انھیں کے پتے پر موصول ہوا تھا

مولانا کی ذات خود ہی حیثیت سے جامع ذات تھی۔ کوئی صرف فقیہ ہوتا ہے، اور طریقت سے کورا، کوئی محض صوفی ہوتا ہے، اور

کلام کے مباحث سے نا آشنا۔ یہ حضرت ایک ہی وقت میں صوفی محقق بھی تھے اور متکلم بے بدل بھی۔ وہ مجاہد عصر بھی اور اسی وقت بھی فقیہ، اصول فقہ، تفسیر، حدیث، تصوف کے علاوہ کلام قدیم و جدید کے بھی خدا معلوم کتنے مسائل بیان مجلسوں میں، ملفوظوں میں برابر بیان ہوتے رہتے، اور ہم جیسے کتنے بے مایہ اور کم مایہ یہیں سے خوشہ چینی کر کر کے اپنی بات بناتے، اپنی دکان چمکاتے رہے۔

ایک نوجوان عزیز کالجی تعلیم پائے ہوئے اور انگریزی صحبتیں اٹھائے ہوئے، مدت سے یہ سوال کر رہے تھے، کہ دنیا میں بدی کے وجود کی علت کیا ہے"؟ گویا تخلیق کائنات کا راز اور فعلیت خالق کی مصلحت جاننے کے درپے تھے، اور اسکو اکثر نوجوانوں کی طرح عین "روشن خیالی" کا مطالبہ سمجھ رہے تھے۔ انکے مکتوب کی نقل بجنسہ حضرت کی خدمت میں روانہ کر دی، اپنے اس عریضہ کے ساتھ کہ

"حضرت، جواب تو الٹا سیدھا میں انھیں دے ہی لونگا لیکن حصول تبرک اور خود اپنی ہی مزید تشفی کے لیے خدمت والا میں عرض کر رہا ہوں اگر کچھ مختصر اشارات عنایت ہو جائیں تو تفصیل اپنی عبارت میں ان شاء اللہ کر لونگا"

جواب آیا، اور حسب معمول واپسی کی پہلی ہی ڈاک سے آیا — کاغذ کے دونوں رخوں پر لکھا ہوا۔ پہلے پہلا صفحہ ملاحظہ ہو :-

"الجواب - غالباً علت سے مراد حکمت ہے، ورنہ علت تو جو سب حوادث کی ہے اسکی بھی ہے۔ پس اگر دراصل مراد اس سے حکمت ہے تو اس سوال میں ایک دعوے ہے، وہ یہ کہ تمام حوادث کی حکمت معلوم ہونا ضروری ہے ...... کیا اس دعوے پر کوئی دلیل ہے۔ خصوص جاہل غلام اگر عالم آقا کے افعال کی حکمتیں پوچھے۔ کیا سائل صاحب کو عقلاً وطبعاً گوارا ہے کہ ان کے تمام افعال کی مصلحتیں انکا ایک نوکر ان سے پوچھے اور جس فعل کی حکمت اسکو نہ بتائی جائے، اسکی حکمت کا انکار کر دے۔ کیا آقا کا یہ جواب دینا غیر معقول ہوگا کہ نامعقول تجھکو ہمارے افعال سے کیا بحث۔ جو کام تجھ کو بتلا دیا اور وہ تیرے بس کا بھی ہے تو اُسے کیے جا، اور فرض کیا ہے - اشرف علی"

اب دوسرا رخ پڑھیے :-

"مکرمی - السلام علیکم - پشت پر جو درج ہے وہ مناظرہ کا جواب ہے۔ جسکا حاصل یہ ہے کہ سائل کو حکمت پوچھنے کا حق نہیں، نہ ہم پر حکمت بتلانا واجب ہے۔ اب میں تبرعاً کے درجہ میں حکمت بتاتا ہوں۔ اہل ظاہر نے حکمت ابتلا کو بتایا ہے، جیسے کسی نوکر کی وفاداری آزمانے کے لیے۔ یا اگر خود علم ہو تو دوسروں پر بغرض اتمام حجت ظاہر کرنے کے لیے طاقوں میں روپے ڈال دیے جاتے ہیں کہ اس سے بچنا یا نہ بچنا ظاہر یا معلوم ہو جائے۔ اور اہل باطن نے حکمت ظہور اسماء الٰہیہ کو بتایا ہے۔ اگر بدی پیدا نہ کی جاتی اور کوئی اسکا مرتکب نہ ہوتا تو نہ کسی کو سزا ہوتی جس سے قاہر منتقم

کا ظہور ہوتا ہے، اور نہ بعض کو معاف کر دیا جاتا جس سے عفو و غفور درحیم کا ظہور ہوتا ہے۔ گر ان دونوں جوابوں پر پھر سوال ہوتا ہے کہ تخلیق شر میں تو یہ حکمت ہوگئی، گر خود اس حکمت یعنی ابتلا و ظہور اسماء میں کیا حکمت ہے۔ پھر اخیر جواب یہی ہوگا کہ حکمت معلوم ہونا ضروری نہیں۔ تو اس جواب تبرعی کے بعد بھی جواب مطابقی کی ضرورت ہوگی۔ اسی واسطے عارفین کا فیصلہ ہے ؎

حدیث از مطرب و مے گو و راز دہر کمتر جو
کہ کس نکشود و نکشاید بحکمت این معما را

اور فرمایا ؎

زبان تازہ کردن بہ اقرار تو
نینگیختن علت از کار تو

والسلام مع الوصایا والحکم　　اشرف علی

درخواست صرف مختصر اشارات کے لیے کی گئی تھی۔ جواب میں اشارات نہیں، تصریحات ارشاد ہوئیں۔ اور وہ بھی مختصر نہیں — ضرورت کی حد تک مفصل!

مدت کے بعد اس متن کی مطول شرح سچ (مرحوم) کے کئی صفحات میں بڑی تفصیل کے ساتھ، ایک مستقل مقالہ کی حیثیت سے "تلاش راز" کے عنوان سے شائع ہوئی۔ مضمون بہت مقبول ہوا۔ انگریزی خواں حلقوں میں خوب پھیلا، خوب چلا۔ بہتوں کو نفع حاصل ہوا، داد و تحسین سچ نگار کو ملتی رہی، داد دینے والے بھی بے خبر تھے — چمکتے ہوئے، جگمگاتے ہوئے، بلوری برقی قمقمے کو سب دیکھتے ہیں، کسی کو کیا خبر کہ اندر ہی اندر برقی رَو (کرنٹ) کہاں سے آ رہی ہے!

نئی کتابیں

(۱) **قرآنی ادب** - از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی۔ ۸۰ صفحے۔ قیمت ۱۲ر پتہ: احمد صالح، سنٹرل بکڈپو، چارکمان، حیدرآباد دکن۔

مولانا گیلانی کی خدمات دینی دائرہ تصنیف میں بچہ بچہ پر روشن و عیاں ہیں، اور وہ جس کثرت سے اور جس قدر وقیع ہیں، شاید اسی قدر متنوع و گوناگوں بھی ہیں۔ اور اسی سلسلہ کی ایک تازہ تصنیف زیر نظر رسالہ ہے۔ یہ ۳۲ چھوٹے چھوٹے سبقوں میں منقسم ہے۔

مولانا نے کوشش کی ہے کہ قرآنی عربی کے کل ضروری مبادی ان ۳۲ سبقوں کے اندر آ جائیں۔ یعنی صرف و نحو کے وہ کل مسائل جو قرآن فہمی کے لیے ضروری ہیں — دریا کو کوزہ کے اندر بند کرنا یقیناً آسان نہیں، ممکن بھی شاید کم ہے۔ پھر بھی یہ مخلصانہ اور مفید سعی قابل داد و ستائش ہی ہے۔

کتاب اردو خوانوں اور مبتدیوں کے لیے بڑے کام کی ہے۔ قرآن کا پڑھنا، سمجھنا، سیکھنا اس کے بعد یقیناً اس سے آسان تر ہو گیا ہے جتنا اس کے قبل تھا۔ پھر بھی تعلیم و تدریس کے عملی تجربوں کے بعد مولانا کو نظرثانی کے وقت اس میں خود ہی بہت گنجائش مزید تسہیل و تفصیل و تکمیل کی نظر آئیگی۔ جس طرح بوڑھوں کو بچہ بننا دشوار ہے، منتہی عالموں کے لیے مبتدیوں کے اشکالات کا اندازہ کرنا آسان نہیں ہوتا۔

(۲) **مولانا سندھی اور ان کے افکار و خیالات پر ایک نظر** - از مولانا مسعود عالم ندوی۔ ضخامت ۲۰ + ۱۲۰ صفحات۔ قیمت ۱۲ر پتہ: مکتبہ دین و دانش، پٹنہ۔

مولانا سندھی مرحوم کے بعض خیالات کی بوالعجبی اور ان کی فکری اعجوبہ زائی نے ادھر چند سال سے مسلمانوں کے سنجیدہ علمی حلقہ میں ایک ہلچل سی پیدا کر دی تھی، اور شدید ضرورت تھی کہ ان پراگندہ خیالیوں پر ایک مبسوط اور جامع تنقیدی نظر ڈالی جاتی۔ الحمد للہ کہ اب فرزند ندوہ مولانا مسعود عالم نے اس فرض کفایہ کو اپنے سلسلہ مقالوں کے ذریعہ سے ۱۹۴۵ء و ۱۹۴۶ء میں ادا کیا۔ اور ان بعض مقالوں کو اب یکجا کر کے کتابی صورت میں شائع کر دیا ہے۔

مولانا سندھی کے خیالات میں ناہمواریاں اور بے اعتدالیاں ایک ہی قسم کی نہیں، رنگ رنگ کی تھیں۔ فاضل ناقد کو اس کے لیے بڑے لمبے لمبے سفر کرنے اور بڑے چکر کاٹنے پڑے ہیں۔ بعید از صحت مختلف اور ضمنی بحثیں کتاب میں راہ پا گئی ہیں۔ ضروری نہیں کہ تبصرہ نگار کو ناقد کے ہر ہر جزئی بیان سے بھی اتفاق کلی ہو، لیکن مولانا سندھی کے اصلی موضوع سخن اور مرکزی افکار پر گرفتیں یقیناً بہت صحیح کی گئی ہیں، اور دیدہ وری اور نکتہ رسی کا حق ادا کر دیا گیا ہے۔

فاضل جلیل مولانا سید سلیمان صاحب ندوی کے قلم سے تقریباً ۵۴ صفحہ کا مفصل مقدمہ مغز ہی مغز ہے، اور ہر اعتبار سے قابل داد و قابل مطالعہ۔ جن حضرات کو پوری کتاب کے پڑھنے کی فرصت نہ ہو، ان کے لیے یہ سلجھا ہوا مقدمہ ہی بالکل کافی ہے۔

(۳) **تنقیدی جائزے** - از سید احتشام حسین صاحب ایم اے۔ صفحات ۲۹۸۔ قیمت ۳ر ناشر: ادارۂ اشاعت اردو حیدرآباد دکن۔

"ترقی پسند ادب" کی حمایت و وکالت میں سید احتشام حسین خاصہ نام پیدا کر چکے ہیں۔ تنقیدی جائزے ان کے ۱۸ مطبوعہ تنقیدی مقالوں کے مجموعہ کا نام ہے۔ جن میں نہ تاریخی ترتیب ہے نہ بظاہر کوئی اور ترتیب۔ اکثر مضامین کا موضوع ترقی پسند ادب اور نئی شاعری ہی کسی نہ کسی عنوان سے ہے۔ احتشام صاحب تنقید ادب میں کسی نقطۂ نظر سے متاثر ہی نہیں مرعوب بھی ہیں، اس لیے ان کے مضامین بھی اسی مخصوص و محدود نقطۂ نظر کی ترجمانی کرتے ہیں۔ ان کے سمجھنے کے لیے پڑھنے والے کو مارکس، فرائڈ کے خیالات اور اصول تنقید سے واقفیت ہو لینی چاہیے۔ "ان جائزوں" کی افادیت قدرۃً [illegible]

تھا شعر کا عنصر غیرت کیوں بڑھا ہوا تھا ——— اثمہما اکبر من نفعہما کا قانون صریح اور منصوص عوام چیزوں تک کے لیے خدا کا بنایا ہوا ابھی ہے اور چلا آ رہا ہے۔ ——— تہذیب فرنگ، تہذیب جاہلیت حاضرہ میں اسی کلیہ کی ایک فرد ہے۔ ظاہری خیر و خوبی کے اجزا یقیناً اس میں شامل ہیں۔ لیکن کوئی نسبت اُسکے عناصر شر کو اُسکے عناصر خیر سے نہیں۔ اسکے حاشیے اور اُسکے نتیجے کچھ اور جیسے بھی ہوں، اسکا مرکزی نقطہ توحید نہیں، شرک والحاد ہے، اسکی منزل مقصود، قرب حق نہیں، رضائے مخلوق ہے اور اسی لیے یہ بہ حیثیت مجموعی اور بطور ایک نظام (سسٹم) کے انسانیت کے حق میں تریاق نہیں زہر ہے۔ دوا نہیں مرض ہے۔

موت اور اخلاقی موت

ایک ہمعصر نے بنگال کے قحط و افلاس سے پیدا شدہ نتائج سے متعلق اعداد ذیل شائع کیے ہیں:-

۱۔ قحط سے مرنے والے	۳۵ لاکھ
۲۔ تندرستی کی مستقل بربادیاں	۵۰ لاکھ
۳۔ دیہات کے خاندانوں کی خانماں بربادیاں	۲۰ لاکھ اور ۳۰ لاکھ کے درمیان
۴۔ دیہات میں جائداد و زمین فروخت کر ڈالنے والے	آبادی کا ۱۵ فی صدی حصہ
۵۔ وبائی بیماریوں میں مبتلا ہونے والے	۲ کروڑ اور ۳ کروڑ کے درمیان
۶۔ قحط اور مرض سے ناکارہ و اپاہج ہو جانے والے	۱۱ لاکھ
۷۔ قحط کے اثر سے پیشہ ور بیسواؤں میں اضافہ	۲۵ ہزار

اعداد کی فراہمی میں مذہب کا کوئی خانہ الگ نہیں رکھا گیا۔ لیکن تعداد غالب ان ہلاکشوں میں یقیناً مسلمانوں ہی کی ہوگی۔ بلائیں کسی انسانی طبقہ پر بھی نازل ہوں، بہرحال قابل عبرت ہیں۔ چہ جائیکہ اُن کا شکار مسلمان ہوں! ——— یورپ کے کسی خطہ میں اسکا دسواں حصہ بھی ہوا ہوتا، تو غضب کا تہلکہ حکومت کے خلاف ہو گیا ہوتا!

خونِ جگر

محمد یوسف صاحب بنگالی بی اے، دہلی سے ذیل کے ایک مسلمان اخبار کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں:-

"ناچ گانے کی کوئی یونیورسٹی بھات کھنڈے نام سے ہے۔ اس کی چانسلری ہز ہائینس نواب صاحب ...... نے قبول کر لی ہے۔ نواب صاحب موصوف سے متعلق پہلے بھی ایک آدھ خبر اسی قسم کے شعبہ جات کی سرپرستی کی چھپ چکی ہے۔ یہ صرف افسانہ ہے۔ لیکن اپنے ہاتھوں اپنا گلا کاٹنے سے کسی طرح کم نہیں"۔

دوسری خبر یہ ہے کہ کوئی بنگالی صاحب ہیں انھوں نے قحط زدہ علاقہ خصوصاً چٹگاؤں کا دورہ کیا۔ اور انھوں نے چشم دید واقعات قلمبند کیے ہیں۔ وہ یہ کہ اول تو بہت سے گھرانے اور آبادیاں صاف ہی ہو گئی ہیں اور اب جو کچھ گھرانے ہیں وہ صرف جنگلوں کی شکل میں ہیں۔ فوجی طبقہ اس قسم کے لوگ عورتوں کی دلالی کرتے ہیں، پیشہ کرواتے ہیں۔ اور یہ سب بلائیں مسلمانوں کے اوپر نازل ہو رہی ہیں! اللہ تیری پناہ! زیادہ کیا عرض کروں۔ آپ سے زیادہ مسلمانوں کا درد کس کو ہوگا؟ اس وقت مسلم حالات کو جھنجھوڑنے کی ضرورت سب سے زیادہ اہم ہے"

مراسلہ نگار کی دردمندی بالکل ظاہر ہے۔ لیکن اپنے حسن ظن سے وہ صدق و مدیر صدق کے اثر و اقتدار سے متعلق شاید اپنی شاعرانہ تخیل کا مبالغہ نام لیے ہوئے ہیں! اس کمبخت کا اثر اتنا بھی تو نہیں ہے کہ وہ اپنی تحریریں ہزار ڈیڑھ ہزار قسم کے لوگوں تک پہنچا سکے کہ اس کے اثر و نفوذ کا کیا ہے پڑھوا سکے! دہلی ہی کے ایک نیکدل بزرگ نے اپنے حضرات کے نام شاید ۲۰ کی تعداد میں صدق کے پرچے جاری کرا رکھے ہیں۔ وہ حضرات جہاں تک معلوم ہوا ہے، پرچہ کھولتے اور پڑھتے تک نہیں! ایسا طبقہ تک رسائی کی صورت ہی آخر کیا ہے؟ عملی اثر پڑنے کا سوال تو بہت بعد کا ہے، پہلے پہنچ تو کسی طرح ہو۔ اور یہیں کے سب دروازے بند ہیں!

ناچ کی تو نہیں، لیکن گانے کی تو یہ مشہور درسگاہ خود صوبہ کے گورنر بہادر کی قائم کرائی ہوئی، لکھنؤ میں عرصہ سے موجود ہے، اور اب ایک اسی "گویئے" کے نام پر "یونیورسٹی" بھی بن چکی ہے! یونیورسٹی وہ بنتی تو کیا قال اللہ و قال الرسول کا ندوہ بنتا؟ ——— اور پھر وہ بڑی قیامت خیز خبر اپنے لیے مقدر ہی تھا کہ اپنی بہنوں کی یوں عزتیں لٹتے عصمتیں تباہ ہوتے، ہم اور آپ جیسے بھائی، لاکھوں بلکہ کروڑوں کی تعداد میں موجود ہوتے ہوئے، بجائے خود، کانوں سے سنتے رہیں، آنکھوں سے دیکھتے رہیں، اور صرف خون جگر پی کر رہیں! زمین اگر نہیں پھٹ جاتی اور آسمان اگر نہیں ٹوٹ پڑتا، تو کاش ہم بھائیوں ہی کا احساس غیرت اتنا قوی ہوتا کہ ہمارا ہی جگر پھٹ گیا ہوتا!

ملحد کی تردید

ایک مذہبی درسگاہ کے معلم صاحب کی طرف سے سوال آیا ہے:-

"یہ درست ہے کہ کوئی شے، کرسی، میز، گھڑی وغیرہ عالم محسوس و مشاہد میں خود بخود نہیں ہو رہی ہے۔ اسی طرح اجزائے عالم بھی خود بخود نہیں ہوئے لیکن اس پر آخر کیا دلیل عقلی ہے کہ سورج، چاند، زمین، پہاڑ، دریا، چشمے، ستارے ایک یا چند سلطنتوں نے مل کر دنیا کے لیے کبھی کسی وقت میں نہیں بنا لیا تھا یا یہ کر دہ نہیں بنا سکتے تھے۔ بلکہ اسے صرف ایک ایسی برتر ہستی نے بنایا جس کی طاقت تمام سلطنتوں کی مجموعی طاقت سے بھی زیادہ ہے۔ اور یہی خدا ہے۔ اگر کوئی ملحد دعویٰ کرے کہ سورج، ستارے، چاند، زمین خود بخود تو نہیں ہوئے لیکن اسے خدا نے بھی نہیں بنایا ہے، بلکہ جس طرح عجائبات سائنس و اختراعات عالم میں ہزاروں چیزیں ارباب ہنر و اصحاب کمال بناتے ہیں اور سلطنتوں کی پشت پناہی و امداد سے یہ چیزیں تیار ہوتی رہتی ہیں۔ بجلی، لہر، ریڈیو، وائرلیس وغیرہ، اسی طرح اہل دنیا کے نفع کے لیے کسی وقت میں ان چیزوں کو

بانڈ کو خریدا جائے - اور نیلام کی بولی ہوئی تو اس فنسٹر کے کارندوں نے دس لاکھ کی بولی دی - اس دس لاکھ کی بولی کے بعد دوسرے ایک شخص نے یکبارگی بارہ لاکھ روپیہ کی بولی دے دی - فنسٹر کے کارندوں کو حیرت ہوئی کہ بارہ لاکھ روپیہ کی بولی دینے والا کوئی بڑی جائداد والا مشہور آدمی نہیں - بارہ لاکھ روپیہ کی رقم بہت ہوتی ہے پتہ تو لگایا جائے کہ یہ کون نیا مرد شخص ہے جس نے دس لاکھ سے یکلخت بارہ لاکھ روپیہ کہہ دیا - چنانچہ فنسٹر کے کارندوں نے پتہ لگایا کہ بولی کس کے لیے دی جا رہی ہے - تو معلوم ہوا کہ ایک بنگالی آئی سی ایس ہیں جو پہلے مہاجرین کے کیمپ کے انچارج تھے - فنسٹر نے یہ معاملہ سی آئی ڈی کو تحقیقات کے لیے بھیج دیا - تحقیقات ہوئی تو پتہ چلا کہ اس بنگالی آئی سی ایس کا دس بارہ لاکھ روپیہ تو بنک میں جمع ہے - دس بارہ لاکھ بیوی کے نام ہے - اور پانچ چھ کوٹھیاں پہلے خریدی جا چکی ہیں - چنانچہ آئی سی ایس معطل کر دیا گیا - اور اب اس پر تغلب کا مقدمہ چلنے کی تیاریاں ہو رہی ہیں - یہ تو واقعہ صرف اس ایک افسر کے متعلق ہے جو فنسٹر کے گریڈ کا تھا اور جو اڑھائی ہزار روپیہ سے زیادہ تنخواہ پاتا تھا - ایسے واقعات دو چار دس نہیں سینکڑوں ہیں - اور اسوقت تک کروڑوں روپیہ رشوت اور تغلب کے ذریعہ لوگوں کی جیب میں جا چکا ہے - (ریاست)

(بقیہ صفحہ ۵)

... محاورہ ... کر دی گئی ہے

احتشام صاحب نے ایک سرگرم وکیل کی حیثیت سے ترقی پسند ادب کو دلپسند بنانے کی کوشش کی ہے - انھوں نے نوجوانوں کے جذبات سے بھی اپیل کی ہے اور بار بار ان رجحانات کو تشکیک کے ساتھ پیش کیا ہے - اور کہیں کہیں استدلال و منطق کو بھی کام میں لائے ہیں - انکی مارکسیت کا اثر اسلوب تحریر سے بھی نمایاں ہے اور لازمی طور پر انکی عبارت کچھ خشک سی ہو گئی ہے - پڑھنے سے کوئی دیرپا ادبی مسرت بلکہ کوئی فرحت و شگفتگی مشکل ہی سے حاصل ہوتی ہے -

احتشام صاحب کی تنقید میں جو فرق پایا جاتا ہے وہ کیا یا نہ تنقید کی طرح ... البتہ ان کی ... سے محروم ہیں - نئی اور اکثر نامانوس ترکیبوں ... فقروں کی ... اپنا مافی الضمیر بھی شاید دوسروں پر ... نہیں کر سکتے ہیں - بعض جگہ یہ دھوکا ہونے لگتا ہے کہ احتشام صاحب نظیر اکبر آبادی، میر حسن دہلوی، چکبست لکھنوی کے شعر و ادب پر کچھ فرما رہے ہیں یا کسی علمی انجمن کے سامنے ابعد الطبیعیات کے کسی بحث پر کوئی مقالہ سنا رہے ہیں!

بہر حال کتاب ایک خاص قسم کے طرز ادب کی ترجمانی کی سنجیدہ و مخلصانہ کوشش ہے - اور جو لوگ ترقی پسندی کی تحریک کو خود اس تحریک کے کسی وکیل و علمبردار کی زبانی سمجھنا چاہتے ہیں انھیں یقیناً اس کتاب کے مطالعہ سے مدد مل جائیگی -

کتاب کا بہترین مضمون فانی بدایونی مرحوم پر ہے - کاش مصنف کا عام رنگ بیان یہی ہوتا!

(ح - ا - ق)

"صدق" کے ایک اسیر نواز مخلص

دہلی کے ایک مخیر و عالی ہمت تاجر کو جو "صدق" کے ساتھ انتہائی خلوص رکھتے ہیں، سال گذشتہ سے سکا ظاہرہ بیس خریداروں کا چندہ اپنے پاس سے اس ہدایت کے ساتھ بھیجکر رہے ہیں کہ اس سے بیس امرا اور دولتمند صاحبان حیثیت و استطاعت کے نام پرچے جاری کر دیے جائیں - چنانچہ سال گذشتہ و امسال اسکی تعمیل کر دی گئی اور دہلی کے تاجرین خود وزراء و اعلیٰ ارکین حکومت کے نام پرچے جاری کیے گئے - ہمارے مخلص نے غالباً یہ اس لیے کیا تھا کہ اس طرح یہ "صدق" کی آواز ان کانوں میں پہونچ جائیگی کہ جن میں دنیاوی تقریبوں چہچہوں کی گونج شبانہ روز بھرا کرتی ہے اور ممکن ہے کہ ایک سال تک مفت پرچہ پڑھنے کے بعد اسکی خریداری کی طرف متوجہ ہو سکیں - لیکن اسوقت تک اُن حضرات میں سے کوئی ایک بھی اسکی خریداری کے لیے مائل نہ ہوا - کہیں سے نامہ آیا ہے کہ انھوں نے اسکو پڑھنے کی زحمت ہی نہیں گوارا کی - انا للہ

ادارہ "صدق" اسکے ہفتہ میں دو مرتبہ شائع ہونے کے اعلان کے بعد منتظر ہے کہ اپنے ان مخلص کے رشحات کرم کی بارش اسکے اوپر اب کس شکل میں ہوتی ہے - "اسیر نوازی" تو ہو چکی اب "غریب پروری" آتی ہے -

مہتمم "صدق"

بزم ہمدردان صدق

کرمی - السلام علیکم - یہ معلوم کر کے بہت ہی افسوس ہوا کہ آپ نے ہمدردان صدق کی خدمت میں جو اپیل پیش کیا تھا وہ بے نتیجہ نکلی - مسلمانوں کو دینی باتوں سے اتنی بے رغبتی کیوں پیدا ہوتی چلی جاتی ہے - پرچہ اتنا مفید اور اسکے خریدار اتنے کم - بہت ہی تعجب کی بات ہے - سچی بات تو یہ ہے کہ اس پایہ کا اخبار ہندوستان بھر میں شاید ہی نکلتا ہو - آپ نے جس تحریک کو اُٹھایا ہے خدا کرے وہ کامیاب ہو - بہت ہی ہو کر ہرگز اسکو نہ چھوڑیے - مجھے امید ہے کہ اس کلمۃ الحق کے بلند کرنے والے اخبار کی حق ہی مدد کریگا - اور اگر وہ مددگار ہو جائے تو بہت کافی ہے - میں اپنے وعدہ کے مطابق آج پھر چھ نئے خریدار مہیا کر کے انکے پتے آپ کے پاس بھیج رہا ہوں - میرا یہ خط ملتے ہی آپ اُنکے نام تازہ اخبار وی پی کر دیجیے، وصول کر لینگے - والسلام علیکم - احقر محی الدین [illegible]

۱۲ - مارچ [illegible]

(شیخ شوکت حسین پرنٹر نے حسن پرنٹنگ پریس میں طبع کرا کے دفتر اخبار صدق - گولہ گنج لکھنؤ سے شائع کیا)

نمبر ۴۵ | دوشنبہ - ۱۱ - ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۲۶ - مارچ ۱۹۴۵ء | جلد ۱۰

سچی باتیں

لکھنؤ - ۱۱ - مارچ - آپ دیکھ رہے ہیں کہ یہ ہزار ہا مخلوق - بات - بے - گومتی کے کنارے، کوریا گھاٹ کی طرف یعنی کہاں چلی جا رہی ہے؟ بوڑھے، بچے، جوان، عوام، خواص، امیر، غریب، مرد، عورت سبھی - لیکن سب کے سب ہندو - کوئی میلہ ہے؟ کوئی نہان ہے؟ کوئی تیرتھ یاترا ہے؟ ---- وہ دیکھیے نا، سامنے وہ عظیم الشان شامیانہ یا پنڈال بنے ہوئے ہیں، اور درگا کوٹھی سے لیکر کتنی دور تک دونوں طرف چھپروں کی قطار، پچاسوں کی تعداد میں نظر آ رہی ہے! ایک منڈپ میں کوئی تیگہ مقدس آگ روشن ہے، ہر صبح سے سہ پہر تک جلتی رہتی ہے - اور ان مقدس چولھوں میں سیروں نہیں، منوں کی مقدار میں غلہ اور گھی برابر ڈالا جا رہا ہے! پنڈت اور پروہت بھی تو کیسے کیسے، اور متھرا، بندرابن، کاشی، ہردوار، پراگ کہاں کہاں سے جمع ہوئے ہیں۔ کہتے ہیں کہ انہیں کی تعداد کوئی دو ہزار کی ہے؟ اشلوک ہیں کہ برابر پڑھے اور منتر ہیں کہ برابر جپے جا رہے ہیں! اور سب کے سرگروہ "تقدس مآب" انت شری جگت گرو شنکر اچاریہ مہاراج ہیں - ہمالہ پہاڑ کی چوٹیوں سے، جیوتری مٹھ، بدری کا آشرم سے، خاص اسی تقریب کے لیے آئے ہیں! اور دوسرے منڈپ میں ہزارہا زائروں اور تماشائیوں کا جمگھٹا ہے۔ ایسے ایسے پنڈتوں کے درشن، اور ایسے ایسے شاستریوں کے اپدیش روز روز نصیب کب ہوتے ہیں؟

یہ تھا "یگ" نہیں، مہا یگ ہے اسکا پورا نام مکش مہا چنڈی مہا یگیہ ہے - یہ ایک ہندو دیوی کی پوجا ہے کہ دیوی جی اب بندوں پر رحم کرکے اس جنگ عظیم کو بند کرا دیں۔ انسانوں کے ہاتھ سے انسانوں کی اس بے مثال و بے نظیر خونریزی کو ختم کرا دیں۔ یہ دیوی مشہور و معروف دیوی ہیں، جنکے اور بھی نام نامی ہیں - درگا، کالی، بھوانی وغیرہ - یہ بڑی پرقوت ماتا ہیں ملکہ بڑے بڑے ہاتھ ہیں اسکے ہاتھ میں سب کچھ ہے - آخر شیو جی (ہندو تثلیث کے تیسرے عنصر، اقنوم، دروش، یا ثالث کے دیوتا) کی منظور نظر اور بیوی ہیں - دس دن تک جب انکی پوجا پاٹ اور انکے نام پر ہوَن کرنے میں بے لے اندازہ غلہ، گھی، اتنا گھی پھونک دیا جائیگا تو انہیں کہاں تک رحم نہ آئیگا، اور انکا ادل پسیجتے ہی دنیا میں امن و صلح کی حکومت پھر سے قائم ہو جائیگی! ---- آپ بے اعتقادی کی ہنسی ہنس رہے ہیں لبوں پر مسکراہٹ آئے جاتی ہے، لیکن خدا نخواستہ اگر ہم آپ بھی بجائے مسلمان کے کسی ہندو گھرانے میں پیدا ہوئے ہوتے، تو آج ہمارے آپ کے بھی یہی عقیدے ہوتے یا نہیں جو لکھو کھا پڑھے لکھے، تعلیم یافتہ فاضل ہندوؤں کے ہیں؟

جاہلی مذہبوں میں اصلی زور انسان کی اپنی اندرونی اصلاح پر، اصلاح نفس پر، فرد و جماعت کی صالحیت پر نہیں، بلکہ جنتر منتر اشلوکوں کی خارجی قوت پر ہے، کہ فلاں عمل اگر اتنی تعداد میں، اتنی بار، اتنے لوگ پڑھ ڈالیں، تو بڑے سے بڑے قہار و جبار دیوی دیوتا بھی موکلوں اور جنات کی طرح مسخر ہو جائینگے، اپنے پجاریوں کے آگے جھک جانے پر مجبور ہو جائینگے ---- سوچیے اور بار بار سوچیے، کہ کہیں آپ کے قدم بھی 'نادانستہ سہی'، خدا نخواستہ غیروں ہی کے نقش قدم پر تو نہیں پڑ رہے ہیں، اور کہیں آپ کے بیٹھے بٹھائے آپکی نذر و نیاز، آپ کے عرس اور فاتحے بھی تو یہی روش نہیں اختیار کرتے جا رہے ہیں؟

حسب دستور وہی ایک تقریر جسے وہ میرے علم میں پچیس سال سے مسلسل کر رہے تھے یعنی کلمۂ دعوت لا الٰہ الا اللہ کی تشریح۔ اسی پر تقریر فرماتے رہے۔ تین بجے کے قریب ظہر کی نماز پڑھی، کھانا تناول فرمایا جو تینوں سے صرف گلشتی تھی، اور لیٹ گئے۔ گھنٹہ سوا گھنٹہ کے بعد بیدار ہوئے دل میں درد محسوس ہوا، پانی مانگا۔ شاید چند گھونٹ فرو ہوئے کہ فرمایا "بابا میرا آخری وقت ہے" اور اشہد ان لا الٰہ الا اللہ و اشہد ان محمد رسول اللہ اسکا تین دفعہ بالجہر اعادہ فرمایا، دیکھا گیا اب روح اس دنیا میں موجود نہ تھی۔ میرے علم میں مسلسل ۲۵ سال سے جو آن کے دم ہر لحظہ منتظر رہتے تھے وہی وقت آ گیا۔ انا للہ۔ کیا عرض کروں کہ مجھے ان سے کیا کیا ملا۔ میں دار العلوم دیوبند کے دینی ماحول سے، جہاں سب بیہاتک مدرکہ ایک ایسے ماحول میں آ گیا تھا جہاں تقریر ترقی تھا یا گریڈ، ڈگری، ملکیت کے سوا کوئی دوسرا ذکر نہ تھا، لیکن الرحمن الرحیم کے فضل کا شکر ان الفاظ میں ادا کروں کہ حیدرآباد پہنچنے کے ساتھ ہی مجھے شفقت کے ایسے آغوش میں ڈال دیا گیا، جس نے میرے ایمان کی نہ صرف حفاظت ہی فرمائی بلکہ اپنے نزدیک تو یہی سمجھے بیٹھا ہوں کہ مجھے اس راہ میں بہت کچھ مل گیا۔ اور میں کہاں تھا اور پچیس سال کی اس درویش بابا کی صحبت و شفقت نے مجھے کہاں سے کہاں پہنچا دیا گیا۔ مرحوم نے ہمیشہ اپنے کو ایک معمولی دنیادار انسان کی حیثیت سے رکھا۔ ۳۵ سال تک دہفرتی سٹیٹ میں جج اور مجسٹریٹی کے فرائض انجام دیتے رہے، لیکن چند دیوانوں کو انھوں نے پہچان لیا تھا یا دیوانوں نے انکو پہچانا تھا۔ ان ہی کے ساتھ وہ بھی بیٹھے رہے اور یہ دیوانے بھی ان ہی کے ساتھ لپٹے رہے۔ ڈاکٹر سر ولی الدین پی ایچ ڈی، بھی آج چند میں ایک ہیں۔ میں خدا کا شکر ادا کرتا ہوں کہ حضرت کے قدموں میں اگر نہ پہونچا یا جاتا تو استفادہ بالقرآن کے ایک پہلو سے قطعًا نا آشنا رہتا۔ موقع ملا، تو آئندہ صدق میں حضرت والا کے ارشادات کو مرتب کر کے بھیجتا رہونگا۔ آپ سے دعائے مغفرت کا طالب ہوں۔ عجب آدمی تھے۔ حضرت تھانوی کے بعد یہ دوسری چوٹ ہے۔ ایک زخم اچھا بھی ہونے نہ پایا تھا کہ دوسرا لگا۔ ویفعل اللہ ما یشاء و یحکم ما یرید۔

توحید تثلیث کے دیس میں

"کل ہز مجسٹی شاہ انگلستان بہ نفس نفیس لندن میں نئی جامع مسجد اور اسلامی کلچرل سنٹر کے موقع پر گئے اس سے کروڑوں مسلمانوں کے دل ضرور مسرور ہوئے ہوں گے۔ جنھیں اسکا علم ہے کہ برطانوی دولت عامہ وہ سب سے بڑی اسلامی آبادی ہے جو اسلام کی تاریخ آغاز سے اب تک موجود رہ سکی ہے۔ ہز مجسٹی کی رعایا میں مسیحیوں سے زیادہ شمار مسلموں کا ہے! اور لندن میں مسلم آبادی ہر یورپی دار السلطنت سے زیادہ ہے۔ شہر لندن میں دو چھوٹی مسجدیں اب بھی موجود ہیں اور ایک بڑی عبادت گاہ اسکے مضافات یعنی ووکنگ میں ہے، اور برطانیہ کے دوسرے شہروں میں بھی مسجدیں ہیں تاہم ابتک لندن کے شایان شان کوئی جامع مسجد موجود نہ تھی۔

اب یہ ضرورت بھی پوری ہوئی جا رہی ہے اور اسکے پورا کرنے میں دولت عامہ کے اندر کے مسلمان بھی نہ کیک عمل ہو رہے ہیں اور باہر کے بھی۔ ۱۹۴۰ء میں جو کمیٹی اس مسجد کی تعمیر کے لیے قائم ہوئی اسکے کام نیا بڑا دخل سفیر مصر کے صدر، سفیر مصر اور دوسرے اسلامی ملکوں کے نمائندوں کو ہے، اور سلطنت کے مسلم نمائندوں کو اور لارڈ لائڈ جیسے مسلم دوست برطانویوں کو۔ گو نمٹ بہت موزوں جگہ دے کر اپنی عملی ہمدردی کا ثبوت دے چکی ہے۔ یہ جگہ ریجنٹ پارک کے قریب ہی ہے۔ مسجد تو ظاہر ہے کہ جنگ ختم ہونے کے بعد ہی تعمیر ہوسکیگی، لیکن کلچرل سنٹر (تمدنی مرکز) اسی وقت سے کھل گیا ہے۔ اور مسجد کے نقشے تیار ہو چکے ہیں امید ہے کہ عنقریب لندن میں اسلامی عبادت و تہذیب کے لیے اسکے شایان شان عمارت تیار ہو جائیگی۔" (ٹائمز۔ لندن ۲۴۔ نومبر ۱۹۴۴ء)

یہ برطانیہ کے سب سے زیادہ معزز روزنامہ ٹائمس نے اپنے مقالۂ افتتاحیہ میں کہا ——— اللہ جس سے جو کام جس زمانہ میں چاہے لے لے۔ دین کی خدمت وہ جس طرح دین کے پرستاروں سے لیتا رہتا ہے اس پر بھی قادر ہے کہ وہی کام بے دینوں بلکہ دین کے دشمنوں سے بھی لیلے۔ برطانیہ کے پیش نظر اپنا جو کچھ مصلحتیں ہوں، بہر حال توحید کا ایک بڑا مرکز عین تثلیث، مادیت اور بے دینی کے وسط میں قائم ہوا جا رہا ہے۔

وحدت یا کثرت

ایک مولوی صاحب کا مراسلہ:۔

"اگر کوئی ملحد یہ کہے کہ مواد عالم اور سورج چاند ستارے خود بخود اسی طرح ہوگئے جس طرح تمہارے نزدیک خدا خود بخود ہے اور جس طرح کسی موثر و خالق کا خدا محتاج نہیں۔ اسی طرح یہ مواد عالم بھی قدیم ہیں اور اپنے وجود میں کسی موثر کے محتاج نہیں ہیں۔ اسکا جواب صاف اور سیدھا مرحمت ہو جو عامی کی سمجھ میں بھی آ جائے"

مغالطہ بہت پرانا ہے۔ اسوقت سے چلا آتا ہے جب سے دہریت کا وجود دنیا میں قائم ہے۔ لیکن اسقدر فرسودہ ہو چکا ہے کہ اب کسی کو اسکے پیش کرنے کی ہمت ہی مشکل سے ہوتی ہے۔ سوال کا حل صرف اسقدر ہے کہ ممکنات یا مخلوقات میں بھی وہی صفات کیوں نہ فرض کرلیے جائیں جو واجب یا خالق میں تسلیم کیے گئے ہیں؟ ——— عالم اور موجودات عالم (بڑی سے بڑی ہوں یا چھوٹی سے چھوٹی) کا تغیر پذیر ہونا، گھٹنا، بڑھنا، متاثر ہونا، غرض یہ کہ انکا حادث ہونا، فانی ہونا، تو براہ راست مشاہدہ کی بھی چیز ہے اور دلیل عقلی سے بھی ثابت۔ اب کھلی ہوئی بات تو یہ ہے۔ ان بیشمار موجودات میں سے ایک ایک ذرہ کا اپنی اپنی جگہ خود آفریدہ ہونا، اپنا ایک مستقل و غیر فانی وجود رکھنا، اپنے کو بیشمار قوانین طبیعی و میکانکی کا پابند رکھنا، زمان و مکان کی بیشمار قیود کو اپنے اوپر عائد رکھنا، ہر موجود کا شعور، قدرت و ارادہ سے متصف ہونا، کائنات میں حسن و جمال اور باہم نظم و ارتباط قائم رکھنا، اور معلول ہونے کے لحاظ سے ایک نا تناہی سلسلۂ اسباب میں شامل رہنا!

نئی کتابیں

(۱) **تفسیر سورۂ قیامہ** — از مولانا فراہیؒ۔ مترجم مولوی امین احسن صاحب اصلاحی۔ ۸۰ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ: دائرۂ حمیدیہ، مدرسۃ الاصلاح سرائے میر، ضلع اعظم گڈھ۔

اس دور میں قرآن مجید کی خدمت کی سعادت جن خوش نصیبوں کے حصہ میں آئی، مولانا حمید الدین فراہیؒ کو ان میں ایک درجۂ امتیاز حاصل ہے۔ قرآن سے متعلق مولانا کی تمام خدمات عربی میں ہیں۔ افادۂ عام کی نیت سے مولانا کے لائق شاگرد مولوی امین احسن صاحب اصلاحی عرصہ سے اس ذخیرہ کو اردو میں منتقل کر رہے ہیں۔ تفسیر سورۂ قیامہ اسی سلسلہ کی ایک کڑی ہے۔ ترجمہ بہت اچھا، نہایت شگفتہ ہے۔

آیات قرآنیہ سے متعلق مولانا کی جو تشریحیں ہوتی ہیں ان کی حیثیت زیادہ تر تفسیری لطائف و نکات کی ہوتی ہے، جن سے عموماً اہل علم ہی نفع اندوز ہو سکتے ہیں۔ تفسیر سورۂ قیامہ بھی انہیں لطائف کا ایک مخزن ہے۔ بالخصوص نظم آیات کے معنوی ربط پر جو کچھ لکھا گیا ہے وہ اس تحریر کا حاصل ہے۔

جو لوگ نظم آیات کے قائل ہیں انکے نزدیک اس سورہ کی آیات لا تحرک به لسانك الخ کا ماقبل و مابعد سے ربط مشکلات قرآنی میں سے ہے۔ مصنف نے اس سلسلہ میں جو کچھ ارشاد فرمایا ہے انشاء اللہ ایک طبقہ کی اس سے تسلی و تشفی ہو جائیگی گو تبصرہ نگار کیلئے یہ مشکل اپنی جگہ پر باقی ہے۔

اس سورہ کی پوری تفسیر میں ایک آیت کی تفسیر پر طبیعت بار بار رکی، وہ آیت یہ ہے: وجوه يومئذ ناضرة الى ربها ناظرة۔ بجز معتزلہ کے عام مفسرین نے اس آیت سے یہ مراد لیا ہے کہ قیامت کے دن اہل ایمان دیدار خداوندی کی نعمت سے سرفراز ہونگے، لیکن مصنف نے یہاں "نظر" کو انتظار کے معنی میں لیا ہے، اور قرآن مجید سے اسکی نظیریں پیش کی ہیں کہ نظر بمعنی انتظار بھی آتا ہے۔ لیکن یہ استشہاد خود محل نظر ہے (ملاحظہ ہو روح المعانی جزء ۲۹ صفحہ ۱۴۵) اور اگر بعض اہل تفسیر کی رائے کے مطابق نظر کو انتظار کے معنی ہی میں تسلیم بھی کر لیا جائے تب بھی الی ربها ناظرة سے مسئلہ رویت باری پر استدلال کرنے والوں کو اس زمرہ میں شامل کرنا جیسا کہ ہوا ہے اور جو لغت عرب اور اسالیب کلام سے بے خبر ہیں، بڑی جرأت ہے۔ صحابہ، تابعین اور سلف صالحین کا ذکر نہیں، بعض آثار میں خود نبی کریمؐ سے مروی ہے کہ آپ نے رویت باری تعالیٰ کا ذکر فرمایا ہے، اور پھر استشہاد میں اسی آیت کی تلاوت فرمائی۔ (ملاحظہ ہو روح المعانی جزء ۲۹ صفحہ ۱۴۵، طبری جزء ۲۹ صفحہ ۱۰۴)

مترجم نے اس آیت کا ترجمہ غالباً مصنفؒ کے مذاق کو پیش نظر رکھکر فرمایا ہے۔ ترجمہ کے الفاظ یہ ہیں: "اپنے پروردگار کی رحمت کے منتظر (ص ۶)"۔ مناسب تھا کہ لفظ "رحمت" کو قوسین میں درج فرمایا جاتا، تاکہ الفاظ قرآن کے ترجمہ اور مصنف و مترجم کے مذاق کے درمیان فرق و امتیاز باقی رہتا۔ (م۔ ا۔ ن)

(۲) **ذکر جمیل** — از جناب ماہر القادری۔ ۱۲۴ صفحے۔ قیمت عہ۔ پتہ: نفیس اکیڈمی، حیدرآباد دکن۔

ماہر القادری صاحب کا کلام اب کسی تعارف کا محتاج نہیں۔ انکا کلام یوں بھی اچھا اور پڑھنے کے قابل ہوتا ہے اور پھر یہ تو نعتیہ نظموں اور غزلوں کا مجموعہ ہے، تمام تر دل کی گہرائیوں سے نکلا ہوا۔ بعض نظموں کے عنوانات دوسروں سے بالکل اچھوتے ہیں۔ اور کلام بحیثیت مجموعی ایسا ہی ہے، جیسا ایک بیسویں صدی عیسوی کے مومن شاعر کے قلم سے ادا ہونا چاہیے۔ دیباچہ کے بعض فقرے اور منظومات کے بعض بعض شعر موثر و دلگداز ہیں۔ البتہ کہیں کہیں جوش عقیدت، احتیاط اور دیباچہ کے باوجود ہوش و علم پر غالب آگیا ہے۔ لکھائی، چھپائی، کاغذ، جلد، سب ایک سے ایک نفاست کے باوجود پسندیدہ ہیں۔

(۳) **اقبال نامہ (مکاتیب اقبال)** — حصہ اول۔ از شیخ عطاء اللہ صاحب ایم۔ اے (مسلم یونیورسٹی)۔ ضخامت ۵۰۰ صفحات مجلد۔ قیمت للعہ۔ پتہ: شیخ محمد اشرف تاجر کتب، کشمیری بازار، لاہور۔

یہ حضرت اقبالؒ کے ۲۷۰ خطوط کا مجموعہ ہے، جو اپنی عمر کے مختلف حصوں میں انہوں نے اپنے ۵۴ دوستوں، بزرگوں، خوردوں، رفیقوں کے نام وقتاً فوقتاً لکھے تھے۔ اقبال کے ہزارہا ہزار خطوط کا یہ ایک بہت ہی چھوٹا حصہ ہے۔ تاہم یہ بھی بہت ہے۔ جن حضرات کے نام یہ خطوط ہیں، ان میں قابل ذکر نام مولانا سید سلیمان ندوی، نواب مسعود جنگ بہادر، مولانا حبیب الرحمن شروانی (صدر یار جنگ بہادر)، پروفیسر الیاس برنی، مولانا شوکت علی کے ہیں۔ چند خطوط مدیر صدق کے نام کے بھی ہیں۔

متعدد خطوط انگریزی زبان میں تھے، انکے صرف ترجمے درج ہوئے ہیں۔ خطوط کا تعلق چونکہ عمر کے مختلف حصوں سے اور زندگی کے مختلف شعبوں سے ہے، قدرۃً ان میں یکسانیت اور ہم رنگی نہیں۔ اسکی توقع و تلاش ہی ایسے مجموعہ میں بے محل ہے۔ پڑھنے والوں کا مذاق اگر سلیم ہے اور طبیعت میں توازن و اعتدال اگر قائم ہے، تو ہر فانی کی خطا کے سبب عیوب جاننے میں کوئی مضائقہ نہیں۔ ہر بڑے سے بڑے انسان پر بھی فکر و اسلوب کے کتنے دور گزرتے رہتے ہیں۔ لیکن مصیبت یہ ہے کہ عام معتقدوں کا گروہ عقیدت میں غلو کرکے اپنے ہر معظم و بزرگ کو عملاً پیمبر کے مرتبہ پر رکھ دیتا ہے اور اسے بشریت کے ہر عنصر سے ماوراء دیکھنے پر اصرار کرنے لگتا ہے۔ ایسے غالیوں کے سامنے جب انکے سارے جزئیات زندگی آنے لگتے ہیں، تو قدرتاً انکے جذبات کو دھکا لگتا ہے۔ اس مذاق اور بے امتیازی کا کوئی علاج کسی کے ہاتھ میں نہیں ۔۔۔۔ ورنہ ۱۸۹۲ء کے طالب علم اقبال اور ۱۹۰۲ء، ۱۹۰۳ء کے نوجوان اقبال کو ۱۹۳۶ء کے پختہ مغز حضرت علامہ اقبال سے ظاہر ہے کہ کیا مناسبت ہو سکتی ہے! لیکن اندھی عقیدت بچے اور بوڑھے میں کوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

والذی جاء بالصدق وصدق بہ اولئک ھم المتقون | اور جو سچی بات لیکر آیا اور جس نے اسکو سچ مانا یہی لوگ پرہیزگار ہیں

ایڈیٹر:- عبدالماجد
پتہ:- دریاباد ضلع بارہ بنکی
نائب:- حکیم عبدالقوی بی اے
مضامین کے بارے میں خط وکتابت ایڈیٹر سے کی جائے

صدق

چندہ اور انتظامی امور
کے متعلق مراسلت اس پتہ پر ہو:-
محمد عبدالرؤف عباسی مہتمم "صدق"
مرشد آباد دبلیس - گولہ گنج - لکھنؤ
چندہ سالانہ: پانچ روپیہ
ششماہی ر
بیرون ہند سالانہ ۸ شلنگ
قیمت فی پرچہ ۲ ر
(ٹیلیفون نمبر ۱۴۹)

نمبر ۴۶	دوشنبہ - ۱۸ ربیع الثانی ۱۳۶۴ھ مطابق ۲ - اپریل ۱۹۴۵ء	جلد ۱۰

سچی باتیں

فلاں شاعر اور فلاں ادیب نے فلاں فلم کمپنی کے فلاں تماشے کیلیے جو گانے اور مکالمات تیار کیے، انکے معاوضے میں اُنھیں ۱۲ ہزار کی رقم وصول ہوئی! —— اُردو کا غریب شاعر اور غریب ادیب، اور ۱۲ ہزار کی رقم!

اس حوصلہ کو دیکھیے اور ہم کو دیکھیے!

فلاں فلم کمپنی کے فلاں ڈائرکٹر کو ماہوار مشاہرہ ۵ ہزار کا مل رہا ہے!
فلاں بائی صاحبہ یا فلاں مس صاحبہ کو فلاں تصویر میں ہیروئن کا پارٹ کرنے پر ایک لاکھ روپیہ مل گیا!
فلاں تصویر لکھنؤ میں ۲۵ ہفتوں سے چل رہی ہے، اور فلاں تماشا کلکتہ میں پچھتروں ہفتہ ہے! مالک کو آمدنی ایک ۱۰ لاکھ کی ہو چکی ہے!

—— معلوم نہیں آپ فلمی رسالوں، پرچوں کا دیکھنا، پڑھنا جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز، بہر حال آپ کی اطلاع، واقفیت معلومات کے لیے یہ چند خبریں انھیں رسالوں سے لیکر نمونہ کے طور پر درج کر دی گئیں!

اور اب یہ اشتہار، جو فلمی رسالوں سے قطع نظر بڑے بڑے موقر انگریزی روزناموں میں نکل رہا ہے، بہت نمایاں جگہ پر، اور دو کالمی سرخی کے ساتھ ...

"۵۰ ہزار روپیہ
۵۰ ہزار نقد کی رقم کی پیشکش
... فلم کمپنی کی طرف سے اُن نوجوان حسین جسین نازک اندام لڑکیوں میں سے ہر ایک کی خدمت میں
نئے تماشہ ... میں اعلیٰ زنانہ پارٹ اداکرنے کے معاوضہ میں!
درخواست اپنی تازہ تصویر کے ساتھ فوراً بھیجیے
ساری مراسلت صیغۂ راز میں رہیگی"

فرمائیے، اس قسم کی خبروں اور اس قسم کے اشتہاروں کے بعد کتنوں کا تقوے، کتنوں کا پائے عزم و استقلال اپنی جگہ پر قائم رہیگا؟ کتنیوں کی عزت، شرافت، عصمت اپنے میں تزلزل، تذبذب، ضعف، جنبش نہ محسوس کریگی؟ —— کالج کی لڑکیوں کی ذہنیت اور ماحول کو پیش نظر رکھ کر جائزہ لیجیے اچھے اچھے شریف خاندانوں اور اونچی اونچی ناک رکھنے والوں کی بے نوا لیے!

شیطان کی سادگی و پرکاری ملاحظہ ہو، اور ہوسکے تو اسکی داد دیجیے۔ اشتہار میں ذکر نہ گانے کا نہ ناچنے کا، نہ ہزاروں لاکھوں کے سامنے بولتی چالتی، چلتی پھرتی تصویر کے بعض حصوں کو عریاں اور نیم عریاں حالت میں لانے کا، نہ اسکا کہ ایکٹرس کو اپنی متحرک تصویر تیار کرانے میں جسمانی تعب و مشقت اور پابندیوں کی کن کن دشوار گزار منزلوں سے کتنے تک گزرتے رہنا پڑتا ہے! ان حقیقتوں کا ذکر نہ جلی نہ خفی، نہ تصریحًا نہ اشارۃً، نہ تفصیل نہ اجمال! —— شہرت کو منظوری کیسے کر پڑھنے والے یا پڑھنے والی کا ذہن بھی کسی اور طرف جانے! —— تصریح

در تصریح مسرت۔ کہ ہزار ترقی قوم کی! ہندوستان میں بھی عبارت نیا بنی۔ جلی بھی خفی بھی! اور کیا! اعلا، علا یا، خوبصورت، دلکشا، جاذب نظر" اعلیٰ نمونہ آرٹ! —— شیطان اس درجہ قبل کب اپنے ایجنٹوں کے کارناموں پر اتنا خوش، اتنا نازاں ہوا ہوگا! اپنے کن شتوں کی کارگزاریوں پر کب تالیاں بجا بجا کر اتنا اُچھلا کودا ناچا ہوگا!

جوش و ہوش

عقیل جعفری ملیح آبادی صاحب، صدق ۲۳ جنوری کے 'ملحد کو جواب' کے حوالہ سے لکھتے ہیں:-

"آپ کے ایک ہی مبارک اور لطیف و بلیغ فقرہ نے میرے خلوص کی پوری داد دیدی۔ لیکن میں نے تو انھیں چند رباعیوں کا نہیں، بلکہ جوش کی پوری پوری الحادی نظموں کا جواب اسی رنگ میں لکھا ہے۔ افسوس یہ ہے کہ چھپنے تو ممکن نہیں، اور نا ہو سکے لکر حیدرآباد تک کوئی ناشر شایع کرنے پر آمادہ نہیں۔ اور صدق کی تنگیٔ صفحات اسکی متحمل نہ ہو سکیگی، دو رباعیاں اس سلسلہ کی جناب کے ملاحظہ کے لیے اور تحریر کرتا ہوں۔

رباعی جوش	جوابی رباعی
(۱) اے نوعِ بشر عقدہ کشاے فردا	اے جوش زبان بے نوائے فردا
اے مشعل محراب سراے فردا	یکھو! گزشتہ کو بجائے فردا
مردانہ قدم اٹھا تو اوج ملکی	بندہ تھا نہ بھول اپنی حقیقی تاریخ
اے بندۂ امروز! خداے فردا	اے بندۂ امروز! خداے فردا!
(۲) قدرت غیظ و غضب میں آئی کیا کیا	اُمید خدائی کی بر آئی کیا کیا
کی عقل نے انگشت نمائی کیا کیا	فطرت نے کی رہنمائی کیا کیا
مذہب کو گھٹنے لگا جب آئین حیات	اسلام کو کھانے لگا جب شیخ حیات
انسان کی سرشت مسکرائی کیا کیا	دوزخ کی سرشت تلملائی کیا کیا"

عقیل مشہور شاعر، ریاض خیرآبادی کے نواسے ہیں، اور سرزمین شعر و ادب (ریاض، مضطر، تسنیم، کوثر وغیرہ کے وطن) خیرآباد ہی میں پلے اور بڑھے ہیں، اس لیے انکا کلام، مضمون سے قطع نظر، شعری و ادبی اعتبار سے بھی جوش کے الحادی کلام سے قدرۃً کچھ گھٹ کر نہیں، عجب نہیں کچھ بڑھ ہی کر ہو۔ اس لیے حیرت ہے کہ انکے اس جوابی مجموعہ کلام کی اشاعت میں کوئی بھی مسلمان ناشر تردد و تامل سے کام لے۔ لاہور، حیدرآباد، دہلی وغیرہ میں اچھے اور حوصلہ مند مسلمان ناشر اب تک بھی، انشاء اللہ متعدد موجود ہیں، انھیں تو خود بڑھ کر ایسے دلچسپ و شگفتہ مجموعہ کو ہاتھوں ہاتھ لینا چاہیے۔ شعر و ادب اور دین دونوں کی یہ بیک وقت جامع خدمت ہوگی —— اور نام 'جوش و ہوش' سے بڑھ کر لطیف و بلیغ اور ہو کیا سکتا ہے؟

دین کی نصرت

ایک ندوی عزیز، نگار کے جنوری و فروری و مارچ نمبروں کا حوالہ دے کر لکھتے ہیں

"مشکل کی پوری کتاب تدلیس و تلبیس کا پشتارہ ہے۔ پہلے ایک مضمون عمومی تبصرہ کے طور پر لکھ رہا ہوں۔ اس میں یہ دکھلانا کہ نفس تصنیف تصنیفی حیثیت سے بہت ناکام ہے۔ اسی کے ضمن میں ان شاء اللہ لیکے مضمون کی تردید بھی اچھی خاصی آجائیگی۔ نیاز صاحب کے انداز سے ایسا معلوم ہوتا ہے کہ وہ غیر علماء سے برسرپیکار ہونا چاہتے ہیں۔ اگر مناسب ہو تو انکو اس سے مطلع فرمائیں۔ حالانکہ وہ دیکھ چکے ایسا جو آنکا بھی جواب ہے۔"

اسی طرح بمبئی سے ایک خط ایک انگریزی تعلیم یافتہ کی طرف سے اس مضمون کا موصول ہوا تھا کہ دیکھیے نگار نے پھر شرارت شروع کردی۔ خواہ مخواہ ایک سوتے ہوئے فتنہ کو بیدار کر دیا۔ مسلم پریس کو توجہ دلائیے کہ ستیارتھ پرکاش کی طرح اس فتنہ انگیز مضمون کی اشاعت بند کرائے۔

کتاب ماخذ القرآن کی نسبت سے متعلق جو کچھ تحریر ہوا ہے، بالکل صحیح ہے۔ کتاب واقعی یوں ہی سی ہے، اور محققانہ و فاضلانہ کسی معنی میں بھی نہیں۔ لیکن اسکے شایع ہو چکنے کے بعد اب نیاز صاحب کی نیت اور محرکات عمل پر بحث کرنا بالکل عبث ہے۔ اب تدبیر و علاج صرف یہ ہے کہ اسکے مکمل و شافی جوابات لکھے جائیں اور خود نگار ہی میں شایع کر دیے جائیں۔ ایک ایک مغالطہ، ایک ایک غلط بیانی کی پردہ دری تفصیل سے کی جائے۔ حملہ کی زد براہ راست مذہب پر ہے، دفاع بھی اللہ و رسول کے دین ہی کی طرف سے ہونا چاہیے۔ —— علماء سے سلسلہ پکار، تو اسکی فکر ہم کو آپ کو کیا۔ کیا مولوی صاحبان کو آپ نے انکے اپنے معاملہ میں کچھ ایسا کمزور یا مجہول بے زبان سمجھ رکھا ہے؟ وہ قطعاً ہماری آپ کی نصرت کے محتاج نہیں۔

نیا قانون غنیمت

انگریزی ہی اخبارات کے واسطہ سے یہ تفصیلات ہندوستان پہونچی ہیں:-

"جب مارشل اسٹالن اپنی فوج کے کسی جرنیل کے اعزاز میں دعوت کرتے ہیں تو نہایت ہی عمدہ قسم کے کھانے سونے کی پلیٹوں میں پیش کیے جاتے ہیں۔ یہ دعوتیں کریملین میں ہوتی ہیں، اور دس بجے شب سے شروع ہو کر قریب صبح تک جاری رہتی ہیں۔ ان دعوتوں میں شمپین (شراب کی ایک اعلیٰ قسم) خوب استعمال میں آتی ہے۔ اور روس کے بہترین و لذیذ ترین اور قیمتی کھانے پیش ہوتے رہتے ہیں۔ جسکے اعزاز میں یہ دعوت ہوتی ہے وہ اسے عمر بھر نہیں بھولتا۔ دعوت کے بعد افسر، روسی فوجی کلب (جسکا شمار دنیا کے بہترین کلبوں میں ہے) میں چلا جاتا ہے۔ اسکا ایک حصہ عورتوں کے لیے وقف ہے۔ اور ہر روسی افسر کے لیے اس میں ایک یا دو کمرے مقرر ہیں۔

فوجی تھیٹر میں ہر جرنیل کے لیے اسکی سیٹ مخصوص اور محفوظ رہتی ہے اور اس پر ایک سنہرا نشان بنا رہتا ہے۔ روسی فوج کے [illegible]

سپہ سالار و مارشل دو سو شلنگ پنشن اپنے رقم میں پاتے ہیں۔ جب وہ ناچتے ہیں تو سارا مجمع مسحور ہو کر رہ جاتا ہے۔ لیکن گراؤ کے سپہ سالار مارشل گومو کلات بھی بڑے رنگیلے افسر ہیں۔ انکی انگلیاں جواہرات سے بھری رہتی ہیں۔ وہ انگوٹھیوں کے بڑے شوقین ہیں۔ انکے استعمال کے لیے خاص تیل انجہانی روس سے آتا ہے۔

ہر روسی مارشل کو ۳ سو سے لیکر ۵۰۰ پونڈ ماہوار تک تنخواہ ملتی ہے اور ہر جنرل کو ۲۰۰ پونڈ ماہوار۔ حکومت انکے مکانات کا کرایہ، ٹیکس اور دوسرے اخراجات خود ادا کرتی ہے"

یہ باتیں اگر صحیح ہیں، تو اس اشتراکیت (سوشلزم) اس مثالیہ اکیوزم سے آخر زیادہ بڑھی ہیں اور سرمایہ دار سلطنتیں اتنی ڈری ہوئی سہمی ہوئی کیوں ہیں؟ یہ تو عین وہی چیز نکلی اپنی خوب جانی بوجھی پہچانی ہوئی! ——— ناموں اور اصطلاحوں کے بدل دینے سے کیا کہیں حقائق اشیاء بھی بدل جایا کرتے ہیں! ——— منطق مادیہ کا نیا قانون طبیعت!

عقیدۂ نزولِ مسیح

مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی، صدق ۲۳ کے ایک عالم کے حوالہ سے تحریر فرماتے ہیں:—

"جو پمفلٹ سے لکھی ہوئی کسی نامعلوم عالم کی چند سطریں شایع کی گئی ہیں، حیرت انگیز امر ہے کہ ایسے مسئلہ میں جہاں اس امر کی تحقیق کیے کہ کاتب کون ہے، کس درجہ کا ہے، مسلمانوں کے سامنے اُسکا قول شایع کردیا جائے۔ بھلا اُن سے کوئی پوچھے کہ مسئلہ حیات و نزول مسیح کی بابت یہ کہنا کہ عام مسلمانوں کو اسکا دین اسلام سے ہونا معلوم نہیں۔ ان عوام سے کون مراد ہیں، یا وہ جو علماء سے ملتے رہتے ہیں اور کچھ دین سے تعلق رکھتے ہیں، یا جو دین سے سروکار ہی نہیں رکھتے۔ پہلی قسم کے عوام سب اس سے واقف ہیں۔ اور دوسری قسم کے عوام تو کلمہ اور نماز کو بھی دین اسلام میں نہیں جانتے۔ ملکانے اور میواتی ہمارے سامنے ہیں۔ میں نے علماء کے اقوال تفصیل سے آپ کے سامنے رکھدیے ہیں جس میں تصریح ہے کہ یہ مسئلہ عقائد اہل سنت میں مقرر شدہ ہے۔"

نفس مسئلہ کا جواب تو اُن عالم صاحب کے ذمہ ہے جنکی وہ تحریر تھی۔ البتہ دو ایک باتیں صدق سے بھی سُن لینے کی ہیں:—

(۱) اُن عالم صاحب کا نام تحریر میں درج نہ تھا، لیکن مدیر صدق کو علم تھا کہ وہ وقت کے ایک مستند و ممتاز اہل علم میں سے ہیں۔ اور اُن بیچارہ نے خود اتنی احتیاط برت لی تھی، کہ اس خاص جزء کو اُردو میں لکھا بھی نہ تھا۔ صرف خواص کے سمجھنے کے لیے عربی میں ادا کیا تھا۔ اُردو میں تو اُسے خود مولانا لائے ہیں ——— یوں بھی یہ ذرا مشکل ہی ہے۔ کہ جو بیان، مضامین صدق میں آئے پہلے انکی منظوری مولانا یا اُنکے ہم خیالوں سے حاصل کرلی جایا کرے۔

(۲) مولانا کا یہ حسن ظن یا سوء ظن بہت ہی زیادہ نظر ثانی کا محتاج ہے۔ کہ جو مسلمان حیات و نزول مسیح کے عقیدہ کو نماز اور کلمہ کی طرح جزو دین نہیں جانتے، وہ دین سے کوئی سروکار ہی نہیں رکھتے۔ اور اُنکا شمار ملکانوں اور میواتیوں کی قسم کے مسلمانوں میں ہے! ——— گفتگو اس مسئلہ کے حق ہونے نہ ہونے میں نہیں۔ کلمہ و نماز کی طرح اسکے جزو دین ہونے میں ہے۔ اور اس پر دلیل کا کام علماء کے اقوال نہیں دے سکتے۔ صرف کتاب مبین کے نصوص دے سکتے ہیں، یا پھر نبی معصوم کا قول صریح قطعی۔ اُن تک پہونچا ہوا۔

ایک فقہی تحقیق

عورت کے افساد صوم کے کفارہ کے سلسلہ میں صدق کے دو نمبروں میں شذرے اور گزارشوں کے ذیل میں گفتگو آچکی ہے۔ اور ۲۳ میں فقہی حوالے بھی خاصی تفصیل سے نقل ہوچکے ہیں۔ اب مولانا ظفر احمد صاحب تھانوی کا مراسلہ ذیل اس سے متعلق موصول ہوا ہے:—

"مسئلہ کفارہ صوم میں مطاوعت بمقابلہ اکراہ کے ہے۔ اور اکراہ کے معنی زبردستی کے ہیں۔ جسکی تفصیل فقہاء نے اصول میں کردی ہے۔ ملاحظہ ہو نور الانوار باب الاکراہ۔ یعنی عورت کا محض رضامند ہونا اس کفارہ کو ساقط نہ کریگا جب تک اکراہ اور زبردستی کی تحقیق نہ ہو۔ اس مسئلہ میں تنقیح کرنا چاہیے کہ خاتون مذکورہ نے اپنے شوہر کو صرف زبان سے منع کرنے پر اکتفا کیا تھا یا اس حد تک روکتی رہی کہ اسکی طرف سے زبردستی کا تحقق ہوگیا۔ صورت اولی میں دونوں پر کفارہ لازم ہے۔ صورت ثانیہ میں عورت پر صرف قضا ہے اور مرد پر کفارہ و قضا دونوں"

مولانا کا شکریہ، کہ اُنھوں نے ٹھیٹھ فقہی جواب سے مطلع فرمایا! جملہ حالات پر نظر کرکے اب تک جو عرض کیا جاچکا ہے، مدیر صدق کو اپنی جگہ پر اپنی فہم و بصیرت کے لحاظ سے اطمینان ہے کہ کافی اور صحیح ہے۔ تاہم بہتر ہوا کہ یہ خالص فقیہانہ پہلو بھی نظر کے سامنے آگیا۔ ایک دو مراسلے اور بھی اسی سلسلہ میں آئے ہوئے رکھے ہیں، لیکن انکی اشاعت غیر ضروری ہے۔ اور نہ آیندہ کوئی صاحب مزید زحمت اٹھائیں۔

ایک بات اور اس سلسلہ میں کان میں پڑی رہے تو اچھا ہے۔ مدیر صدق خود بہت ناقص قسم کا مقلد واقع ہوا ہے۔ خالص فقیہانہ فتوے نہ دیتا ہے نہ اُسے اسکا منصب حاصل ہے اور نہ کوئی اس غرض سے اُس سے سوال کرتا ہے۔ بڑے بڑے مرکز افتاء و اشاعت دہلی، لکھنؤ، دیوبند، سہارنپور میں اب بھی قائم ہیں۔

ناظرین صدق کو مژدہ

مئی ۱۹۴۵ء سے صدق ہفتہ وار کے بجائے ہفتہ میں دو مرتبہ شایع ہوگا۔ شرح چندہ سالانہ ملے ششماہی صہ سہ ماہی سے فی پرچہ ۲؍

منیجر صدق

نئی کتابیں

(۱) مقالاتِ محمد علی - مرتبہ مولوی سید رئیس احمد جعفری ندوی حصہ دوم، ۳۰۰ صفحے - مجلد مع گرد پوش و تصویر مولانا۔ قیمت ۲؍ پتہ: ادارۂ اشاعت اردو۔ حیدرآباد دکن۔

حصہ اول پر تبصرہ صدق ۱۹۴۳ء جلد ۹ (جنوری ۱۹۴۴ء) میں نکل چکا ہے۔ تعجب ہے کہ حصہ دوم کی بھی طبع و اشاعت کی نوبت آگئی۔

اس جلد میں کوئی ۶۰ مضمون ہیں، چھ بابوں کے اندر تقسیم کیے ہوئے۔ یہ تحریریں سب کی سب ہمدرد سے منقول ہیں۔ لیکن جو مضمون محمد علی نے خاص اپنے قلم سے لکھے تھے، ان کی شان ہی کچھ اور رہتی۔ ان کی تعداد بس دو ہی ہے۔ باقی مضامین یا تو محمد علی کی کسی تقریر کا محض خلاصہ ہیں اور یا محمد علی کے کسی انگریزی بیان کا محض ترجمہ۔ بہرحال اس جلد کا مطالعہ ان لوگوں کے لیے ناگزیر ہے جو ۱۹۲۰ء سے ۱۹۳۰ء تک کی اسلامی و ہندی سیاسیات کو صحیح طور پر سمجھنا چاہتے ہیں۔ بعض بڑی دلچسپ حقیقتیں ان صفحات میں نظر آئیں گی، مثلاً

"یہ حقیقت ہمیشہ فخر کے ساتھ یاد رہے گی کہ سب سے جلیل القدر ہندو رہنما مہاتما گاندھی ہمیشہ خلافت کے سرمایہ سے دورہ کرتا رہا ... ہماری قید کے بعد بھی مہاتما جی کے دورے کے مصارف خلافت کے سرمایہ سے ہی رہے۔ حتیٰ کہ کانگرس کے لیے ایک کروڑ روپیہ جمع کرنے کے لیے آپ کے دوروں کے مصارف بھی مجلس خلافت نے ادا کیے۔ جس سے ثابت ہوتا ہے کہ کانگرس کی روحِ رواں تحریکِ خلافت و مجلس خلافت تھی۔"
(ص۲۰۱)

اسی طرح جب شروع ۱۹۳۰ء میں مریض و زار و نزار محمد علی آرام لینے کے لیے ہندوستان سے باہر یورپ میں تھے، اور مسلمان بحیثیت قوم ۱۹۲۸ء کی نہرو رپورٹ سے بیزاری ظاہر کر رہے تھے، عین اس حال میں کہ کانگرس بیسوں اور جلسوں کے ذریعے اس کی موافقت و تائید میں پروپیگنڈا کر رہی تھی، جواہر لال نہرو جنرل سکرٹری آل انڈیا کانگرس کمیٹی نے اعلان شائع کیا، کہ افسوس اور حیرت ہے کہ کانگرسی جلسوں کے مخالف دستخط کرنے والوں میں ایک سابق صدر کانگرس مولانا محمد علی بھی ہیں۔ مولانا محمد علی کو اب تاب کہاں تھی۔ اپنی علالت کے باوجود یورپ ہی سے انگریزی اخبارات میں بیان شائع کیا، کہ جن صاحب کو میں نے ہی اپنی صدارت کانگرس کے زمانہ میں کانگرس کا سکرٹری مقرر کیا تھا، وہ آج مجھ سابق صدر کے طرز عمل پر حیرت کر رہے ہیں، وہ دوسرے سابق صدر، مالوی جی کے طرز عمل کو بھول گئے، جنھوں نے فلاں اور فلاں موقعوں پر ترک موالات کی، عدم تشدد کی، ہندو مسلم اتحاد کی، اچھوت ادھار غرض کانگرس کے ایک ایک فیصلہ کی مخالفت کر دکھائی۔ اور انھیں اکیلا اور سابق صدر یعنی اپنے والد ماجد (موتی لال نہرو) بھی نہ یاد آسکے، جنھوں نے داخلۂ کونسل سے متعلق کلکتہ کانگرس اور گیا کانگرس کے دو بڑے دو بڑے فیصلوں کی مخالفت کی، یہ دو دو دونوں سابق صدر ہیں انھیں بھولے رہے، جن میں سے ایک (موتی لال نہرو) نے دوسرا کانگرس کے فیصلہ ہندو مسلم اتحاد کے خلاف نہرو رپورٹ مرتب کی، اور دوسرے (ڈاکٹر انصاری) نے اسے قبول کر لیا! اور وہ چند اور مسلم صدر کانگرس بھی انھیں نہ یاد پڑے، جو کانگرس کے فیصلہ ترک شراب نوشی کی عملی مخالفت ہر شب کیا کرتے ہیں۔" وغیرہ وغیرہ
(ص۲۰۳ الخ)

ہر مضمون کے شروع میں مرتب (رئیس جعفری) صاحب کے قلم سے ایک مختصر تمہیدی نوٹ ہے۔ مگر سب سے زیادہ دلچسپ ان کی وہ مفصل تمہید ہے، جو پوری کتاب کے شروع میں ہے، اور جس میں انھوں نے محمد علیؒ کو ایک نئے فن جرح و تعدیل اور نئے اسماء رجال کے بانی کی حیثیت سے پیش کیا ہے۔

قیمت ۲؍ شاید کسی کو گراں معلوم ہو، لیکن کاغذ و سامان طباعت کی موجودہ گرانیوں اور دشواریوں کے مقابلہ میں کچھ بھی گراں نہیں۔

(۲) نگارشاتِ محمد علی - از مولوی سید رئیس احمد جعفری ندوی۔ حصہ اول ۴۰۰ صفحے۔ قیمت ۲؍ پتہ: ادارۂ اشاعت اردو۔ حیدرآباد دکن۔

مقالات محمد علی کے مرتب اور سیرت محمد علی کے مؤلف مولوی رئیس احمد جعفری، سیاسی تو بہت بعد کو ہوئے، ندوی بہت پہلے تھے۔ محمد علی کی ذات اور کارناموں سے انھیں جو شغف و انہماک ہے، اس کے لحاظ سے انھیں بالکل "محمد علیات" کا ماہر کہنا چاہیے۔ ان کے اسی جذبۂ عقیدت نے مقالات کے بعد، اسی طرز و انداز پر ان سے نگارشات کی جلد اول مرتب کرائی ہے۔ اور جلد دوم بھی غالباً صبح و شام میں نکل ہی رہی ہوگی۔

جلد تین بابوں پر شامل ہے۔ باب اول ارمغانِ پاک ہے۔ اس کے تحت میں ۱۹۲۵ء و ۱۹۲۶ء کے افسوسناک واقعات حجاز اور وفد خلافت کی مفصل رپورٹ، موتمر اسلامی کے اجلاس اول پر تبصرہ وغیرہ درج ہیں۔ باب دوم کا عنوان کانگرس اور مسلمان ہے، اور اس کے ذیل میں مجلس خلافت کی مجلس عمل کے (۱۹۲۸ء یا ۱۹۲۹ء میں) پیش کیے ہوئے انگریزی بیان کا ترجمہ درج ہے۔ یہ مفصل بیان تمام تر محمد علیؒ کا لکھا ہوا تھا۔ تیسرے باب حرف آخر کے تحت میں ایک مضمون مولانا شوکت علی مرحوم کے قلم سے محمد علی کے آخری کام پر ہے۔ اور اس کے بعد وزیر اعظم برطانیہ کے نام محمد علی کے لکھے مشہور و مفصل انگریزی مکتوب کا ترجمہ ہے۔ ترجمے بہرحال ترجمے ہیں۔ اصل جاندار حصہ وہ ہے جو محمد علی کے اپنے قلم سے اردو میں نکلا ہے۔ اس جلد میں مرتب کی تحریریں بھی درمیان درمیان میں اچھی خاصی شامل ہیں۔ یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ علی برادران سے متعلق ایک چلی ہوئی عام غلط فہمی میں فاضل مرتب تک شریک ہیں۔ دوسروں کی طرح وہ بھی یہ سمجھ رہے ہیں کہ ۱۹۲۶ء میں "سوامی" شردھانند سے جامع مسجد دہلی کے منبر سے جن مسلمانوں نے

...کر راقم بھی ان میں علی برادران بھی تھے (صفحات ۲۲۵، ۲۲۶)۔ یہ بالکل خلاف واقعہ ہے۔ علی برادران تو اُس وقت جیل میں تھے۔ انھیں مدتوں کو اسکی خبر تک نہیں۔ اور شوکت علی تو شاید حسنہ گوارا کر بھی لیتے، لیکن محمد علی ہرگز اسے روا نہ رکھتے۔

کتاب کے شروع میں ۱۰ صفحہ کا دیباچہ خطیبانہ مدیر صدق کے قلم سے خوب ہے۔ محمد علی کی شخصیت اور کارناموں دونوں کے سمجھنے کے لیے مقالات کی طرف [illegible] کا مطالعہ بھی ضروری ہے

(۳) **کلید معرفت**۔ از منیژہ بانو کاؤس جی۔ ۲۲ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ غالباً مصنفہ کے پاس سے ۱۲۸ باغ عامہ، حیدرآباد دکن کے پتہ سے مل سکے۔

آوستا مجوسیوں یا دین زرتشت کے ماننے والوں کا مشہور صحیفہ مقدس ہے۔ اُردو خواں اب تک صرف اسکے نام ہی سے واقف تھے۔ پیش نظر رسالہ میں اُسکی منتخب دعاؤں کا خلاصہ آگیا ہے اور اس طرح اُردو خواں شاید پہلی بار آوستا کے توحیدی و تمجیدی مضامین سے روشناس ہو سکتے ہیں۔ ان دعاؤں کی زبان صاف، سادہ، سلیس، اور بڑی حد تک صحیح ہے ——— دکن کی ایک پارسی خاتون کے قلم سے اتنی شستہ اُردو یقیناً قابل داد ہے

۱۴ - ۱۵ صفحہ کی ان دعاؤں کے بعد ۶ - ۷ صفحوں میں مختلف پارسی علماء اور پیشوایان مجوس کے قلم سے سہل و سلیس فارسی میں مناجاتیں ہیں۔ عام طور پر نظم کی بندشیں سست ہیں، تاہم دو چار شعر ایسے بھی ہیں کہ اُن پر پہلی نظر میں گمان ہوتا ہے کہ کہیں سعدی کی بوستان یا نظامی و جامی کی مناجاتوں سے بعینہ اُٹھا کر تو یہاں نہیں رکھ دیے گئے ہیں۔

شروع میں ۲ صفحہ کا "تعارف" مرتب خاتون کی طرف سے سلجھی ہوئی زبان میں ہے جس میں مجوسیت کو ایک دین توحید اور جناب زرتشت کو ایک پیمبر برحق کی حیثیت سے پیش کرنے کی دلچسپ اور مستحق تبریک کوشش کی گئی ہے۔

کتاب "بہ قامت کہتر" ہونے کے ساتھ یقیناً "بقیمت بہتر" ہے۔ اردو کے سرمایۂ مذہبیات میں ایک خوش آیند اضافہ۔ اور مصنفہ کی مخلصانہ کوشش ہمت افزائی کے قابل۔

(۴) **اُردو اور اسکا رسم الخط**۔ از مسعود حسن ریاض ماہروی صاحب۔ ۴۰ صفحے۔ قیمت درج نہیں۔ پتہ:۔ دفتر نئی اُردو، اٹاوہ۔ (یو۔پی)

"نئے ادب" اور "ترقی پسندی" کے بعد "نئی اُردو"! اس نئی اُردو کا خلاصہ یہ ہے کہ اُردو رسم الخط کو مٹا کر اسکے بجائے رومن رسم الخط اختیار کرلیا جائے! دعوے پہ دلیل یہ کہ اتا ترک بھی ترکیہ میں قانوناً حکومت کی رو سے کرچکے ہیں! رسالہ اول سے آخر تک مغالطوں اور صرف ظاہر فریب نظریوں کا مجموعہ ہے۔ جنکی تردید اور مفصل پردہ دری کے لیے خود ایک اسی حجم کے رسالہ کی ضرورت ہے! ——— اور افسوس ہے کہ یہ سب ایک مسلمان اور بظاہر اُردو کے دوست و ہوا خواہ کے نام سے!

(۵) **اسلام اور سود**۔ از ڈاکٹر انور اقبال قریشی، ایم اے پی ایچ ڈی۔ ۲۸۰ صفحے۔ مجلد۔ قیمت [illegible]۔ پتہ، ادارۂ معاشیات فاطمہ منزل، حمایت نگر، حیدرآباد دکن۔

سرورق پر کتاب اور مصنف کا نام دیکھ کر معاً خیال یہ گزرا کہ یہ کوشش جواز سود کی کی گئی ہوگی، اور نصوص میں خواہ مخواہ کھینچ تان کر کے گنجایش سود یا کم از کم تجارتی سود کے لیے ضرور ہی نکال لی گئی ہوگی۔ لیکن فوراً ہی بعد نظر اس پر جا پڑتی ہے کہ مقدمہ مولانا گیلانی مدظلہ کے قلم سے ہے۔ اور اس لیے کم از کم وہ بدگمانی تو ضرور کم ہو جاتی ہے۔ اور پھر آگے بڑھ کر مولانا کے مقدمہ کے مطالعہ اور اصل کتاب پر سرسری نظر کے بعد تو رہی سہی بدگمانی بھی ایک حیرت انگیز خوشگواری میں بدل کر رہتی ہے۔ کتاب کا خلاصہ یہ ہے کہ سود کسی مرض کا علاج ہونا، اور ترقی تہذیب و تمدن کے لیے اسکا ناگزیر ہونا تو الگ رہا، خود ایک مستقل معاشی و معاشیاتی جرم ہے، اور قرآن مجید نے جو حرمت سود کے باب میں اتنی شدت برتی ہے، اور رسول اسلام کے رازدار عمر فاروقؓ نے جو سود کے ساتھ ساتھ مماثل معاملات کے بھی ترک کا جو حکم دیا ہے، یہ عین حکمت اور عدل و اعتدال اور انسانیت کے حق میں سرتاسر خیر و مصلحت ہی ہے! ——— یہ تحقیق ایک "صاحب" دیدہ از ولایت" رسیدہ، ماہر فن، عثمانیہ یونیورسٹی کے صدر شعبۂ معاشیات، اور حکومت آصفیہ کے مشیر معاشی کے قلم سے!

مصنف کے دیباچہ اور مولانا کے مقدمہ کے بعد کتاب چھ ابواب میں تقسیم ہے:۔

(۱) سود کے مغربی نظریے۔ (۲) سود کا اسلامی نظریہ۔ (۳) سود اور ربٰو (۴) اسلام اور بنک کاری (۵) معاشرت پر ربٰو کے اثرات (۶) سنگین شرح کے قرضوں کے بُرے اثرات

گنجایش نہیں ورنہ کتاب کے متعدد اقتباسات درج کرنے کے قابل تھے۔ کتاب بہرحال فن ہی کی ہے صاحب فن کے قلم سے۔ اس لیے قدرۃً اتنی عام فہم نہیں کہ عوام کے پوری طرح سمجھ میں آجائے۔ اصطلاحات کی شرح اگر کردی جاتی تو بہتر ہوتا۔ بعض اور پہلو بھی نظر ثانی کے محتاج ہیں۔ بحیثیت مجموعی کتاب اب بھی بہت قابل قدر ہے۔ اور یقیناً اسکی مستحق ہے کہ فاضل مصنف اسکے ایڈیشن انگریزی بلکہ ممکن ہو تو فرنچ اور جرمن زبانوں میں بھی شائع کریں۔ اور اگر اسکا عربی و ترکی ترجمہ بھی ہو سکے تو عجب نہیں کہ مصر و ترکیہ وغیرہ میں بہت سے تجدد زدہ دماغوں کی اصلاح ہو جائے!

"صدق" کی فائل

"صدق" کی سال گذشتہ کی فائل تیار ہے۔ جن صاحب کو ضرورت ہو فی الفور دفتر صدق سے طلب فرمالیں۔ قیمت فی فائل ۶ر (محصول ڈاک ملاکے ۷ر) مہتمم

شذرات

(از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہٗ)

عبد اللہ یوسف علی صاحب مترجم و معبر قرآن کی ایک کتاب الٰہ آباد اکاڈیمی کی شایع کردہ "انگریزی عہد میں ہندوستان کے تمدن کی تاریخ" اتفاقاً حال ہی میں اس پر نظر پڑ گئی۔ بعض باتیں اس میں عجیب نظر آئیں۔ صدق کے لیے مرسل ہیں۔

(۱)

ہدایہ کے انگریزی ترجمہ کا ذکر کیا ہے لکھا ہے کہ ۱۷۹۱ء میں دو انگریز فاضلوں جیمز اینڈرسن اور چارلس ہملٹن نے براہ راست عربی سے بھی نہیں بلکہ ہدایہ کے فارسی ترجمہ سے ۱۰ سال میں ترجمہ کیا۔ عبد اللہ صاحب نے لکھا ہے کہ خود فارسی ترجمہ میں چونکہ نقائص تھے اس لیے انگریزی میں بھی کافی کوتاہیاں رہ گئی ہیں۔ خیر یہ تو ترجمہ کا قصہ ہوا۔ آگے انھیں عبد اللہ یوسف علی صاحب نے اپنا ایک مشاہدہ یہ بیان کیا ہے کہ آکسفورڈ یونیورسٹی کی باڈلین لائبریری میں اسی ترجمہ جسے "ہملٹن کا ہدایہ" کہتے ہیں اسکے ایک نسخہ پر نظر پڑی جس پر مشہور آنش بیان مقرر ایڈمنڈ برک کے ہاتھ سے لکھے ہوئے یہ الفاظ تھے

"اس کتاب میں دماغ کی ایک بڑی طاقت نظر آتی ہے،

یہ ایسا فلسفۂ قانون ہے جس میں بہت باریکیاں پائی جاتی

ہیں۔ (ص۱۲)

اسی کتاب سے معلوم ہوا کہ فتاویٰ عالمگیری تک کا مکمل ترجمہ ابھی انگریزی میں نہیں ہوا ہے، لیکن اس پر بھی غور کرنے والے یہی مشہور کرتے رہتے ہیں کہ یورپ والوں نے کس چیز کی تحقیق نہیں کی ہے، ہر چیز کو وہ کھنگال چکے ہیں یہی کھنگال ہے کہ ہدایہ کا بھی ترجمہ کیا تو ایسا ناقص۔ اور معمولی مشہور کتاب فتاویٰ عالمگیری بھی ہنوز ان لوگوں کے سامنے نہیں ہے جو باوجود عربی نہ جاننے کے انگریزی زبان ہی میں اسلامی قانون کا مطالعہ کرنا چاہتے ہیں۔ مگر دعوے سب کا یہی ہے کہ سب کچھ دیکھا جا چکا ہے۔ ملا اور اسکے علم پر تنقید جب فرمائی جاتی ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ایک ایک حرف ان صاحب کی نظر سے اس ذخیرہ علم کا گزر چکا ہے۔ جسکے جاننے والے کو ملا کہتے ہیں۔

(۲)

اس زمانہ کے جدید فتنوں میں ایک فتنہ "مومن برادری" اور انکی فرضی تحقیر و توہین کا اٹھایا گیا ہے۔ ہو سکتا ہے کہ بعض جاہلی طبیعت رکھنے والے مسلمانوں سے کبھی ایسی حرکت سرزد ہو جاتی ہو جس سے قوم کی تحقیر کا پہلو پیدا ہو، لیکن جہاں تک خود اسلام کا تعلق ہے، اسلام کے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق ہے۔ ظاہر ہے کہ ان کے لیے کسی حیثیت سے کسی مسلمان کی تحقیر محض اس لیے کہ وہ کسی خاص نسل سے ہے، اگر کفر نہیں ہے تو "جاہلیت" ہونے میں اسکے کیا شبہ ہے۔

صحیح بخاری کی مشہور حدیث ہے کہ سیدنا حضرت بلال رضی اللہ تعالیٰ عنہ کو حضرت ابوذر غفاری رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے ایک دفعہ یا ابن الامۃ (باندی کے بیٹے) کہدیا تھا۔ سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے جب یہ بات پہونچی، تو ابوذر بلائے گئے اور دیکھا گیا کہ نبوت کبریٰ کی زبان مبارک پر غیظ و غضب کے ساتھ

انک امرؤ فیک جاہلیۃ تم ایک ایسے آدمی ہو جس میں جاہلیت ہے

کے الفاظ جاری ہیں۔ حضرت ابوذر جیسے خاص مزاج کے آدمی سہمے، عرض کرنے لگے کہ اسلام لانے کے بعد بھی یا رسول اللہ مجھ میں جاہلیت ہے۔ فرمایا ہاں! (او کما قال)

بہر حال اسی عبد اللہ یوسف علی کی کتاب میں بولٹ کے جو یہ الفاظ نقل کیے گئے ہیں یعنی کمپنی بہادر جو باوجود کمپنی ہونے کے بہادر بھی بن گئی تھی۔ اسکی بہادری کے مظاہر کو گنواتے ہوئے بولٹ لکھتا ہے

"ملک کے کاریگر اور دستکار ایک لاذوق الاوراک ظلم و ستم کے شکار ہیں، درحقیقت کمپنی نے انھیں اپنا زرخرید غلام سمجھ لیا ہے" ....

اس تمہید کے بعد الفاظ قابل غور ہیں، وہی بولٹ لکھتا ہے

غریب جولاہوں پر طرح طرح کے بے شمار طریقوں سے ظلم کیا جاتا ہے اور اس ظلم کا آلۂ کار کمپنی کے نمایندے اور گماشتے ہیں۔ ان بیکسوں پر جرمانے کیے جاتے ہیں، انھیں قید کی سزائیں دی جاتی ہیں، انھیں کوڑے لگوائے جاتے ہیں، اور صرف اسی پر اکتفا نہیں کیا جاتا، بلکہ ان سے جبراً تمسک لکھوا لیے جاتے ہیں۔ (ص۱۱)

دیکھا آپ نے "کہ کردہ کہ یافت" وہ تو وہی بات ہوئی کہ گناہ کریں عیسائی اور صلیب دی جائے (العیاذ باللہ) حضرت مسیح علیہ السلام کو۔ کیا کس نے اور پکڑے جا رہے ہیں کون۔ اصل یہ ہے کہ اگلے ہی تو بجائے خود وہ تھی ہی، اب اس تباہی کو ارادہ کیا جا رہا ہے کہ مسلمانوں کی دوسری تباہیوں کا ذریعہ بنایا جائے۔ حکومت کی جانب سے اسی بنگال و بہار میں جہاں کمپنی بہادر کے زمانے میں یہ سب کچھ گزر رہا تھا، اب اس فتنہ کی خاص سرپرستی کا نظم کیا جا رہا ہے۔ فقد اردنا کا نظارہ

آخر ہیں بہ دل نرم تو کہ از بہر ثواب

کشتۂ غمزۂ خود را بہ نماز آمدہٗ

محشر خیال

ایک پرانی کتاب پر نیا تبصرہ

(۲)

(از جناب عقیل جعفری خیرآبادی)

ایک اور جگہ خامہ فرسائی کی گئی ہے:-

"مذہب حسن میں معصوم اور غیر معصوم کا امتیاز تمام مذاہب سے بالکل مختلف ہے۔ حرکات رنگین کتنے ہی مذموم و ممنوع ہوں شرع حسن میں مستحسن قرار دیے جا چکے ہیں ——— جیسے آپ اتفاقاً کہنے پر

حقیقت و دعا کا مجموعہ ہے جس سے خیالات میں ایک مجرمانہ بزدلی پیدا ہو جاتی ہے۔ جوان صدق کو دیکھ کر ہر خوش مذاق انسان کو عبرت حاصل کرنا چاہیے۔"

سوال یہ ہے کہ ان نعروں میں سے مذہبی اصطلاحوں کو بدل کر اگر انکی جگہ وطن پرستی، آزادی پسندی اور بالشویزم وغیرہ کی ان نئی و عامی اصطلاحوں کو جنکے ماتحت آج بڑے بڑے لامذہب بھی پیروینے کی کوشش کرتا ہے جیسا رکھ دیا جائے تو کیا یہ وہی جرم نہ ہوگا جسکو ہم ازم و سیاست کے خلاف سمجھتے ہیں جبکہ اور جوان بھی جوش وحشت میں اور بیکی پاداش ہر ناکامی میں پھانسی کا تختہ ہے پھر یہ جہالت اور تعصب نہیں تو اور کیا ہے کہ انسانی آئین توڑنے کی یہ غفلت کی جائے اور الٰہی شریعت و طریقت کا یوں مضحکہ اڑایا جائے!

معشر خیال کے مقدمہ نگار صاحب اس خیال سے اتفاق کرتے ہوئے مضمون حقیقت عریاں

"سجاد کے طرز تحریر کا سب سے اچھا نمونہ ہے۔ اس میں خیالات صاف اور واضح، منطقی استدلال انوکھا اور منفرد اور انداز بیان نیرو کے مانند ترشا ہوا ہے۔"

ہم اس رائے پر اتنا اور اضافہ کرتے ہیں کہ تخلیق کائنات اور بیگ ہستی کے حل کا ایک طریقہ تو وہ ہے جسے ہبل نے "علم الاصنام" کا خطاب دے رکھا ہے اور دوسرا طریقہ وہ ہے جو "علم" کے نام سے سائنس کی گود میں ابھی پرورش پا رہا ہے۔ "حقیقت عریاں" معنًا پہلے طریقہ کی دوسری شکل اور لفظاً دوسرے طریقہ کا اقتباس کرتا ہے پہلے کی اور بعد کی۔ ہبل کی اور علم کی اور سائنس کی خدا اور خدائی کے متعلق تمام تحقیقات ذہن اور دماغ کو اس سے زیادہ فائدہ نہیں پہنچا سکتیں کہ الجھن میں کچھ اور اضافہ ہو جائے — آفرینش اور طریق آفرینش کی ہر توجیہ کو ایک دوسرا "کیوں؟" پھر ایک نئی تاویل کا محتاج بنا دیتا ہے۔ البتہ اگر خدا کو "مالک" مان کر قرآن کی "الاست" کی جائے تو نہ صرف یہ کہ تسکین حاصل ہو جاتی ہے۔ بلکہ یہ پُرپیچ مسائل بھی حقایق کی طرح واضح ہو کر رہتے ہیں — افسوس حقیقت آفتاب کے مانند سامنے جلوہ گر ہے، لیکن ہم ہیں کہ آنکھیں بند کیے اندھیرا اندھیرا پکار رہے ہیں۔

"گدیونی"[1] کو بحث کے اندر خدا ملتا نہیں
ڈور کو سلجھا رہا ہے اور سرا ملتا نہیں

حقیقت میں سجاد کی لامذہبیت کا اعلان حقیقت عریاں ہی سے نہیں بلکہ اس "دعا" سے ہوتا ہے جو شوخیِ تحریر کے بارے میں شوخیِ تقدیر کا بلا ہر ایک نقش کا مجرا ہے۔

یہ دعا خاصی طویل ہے۔ لیکن چونکہ آگے چل کر اس سے ایک فائدہ اٹھانا ہے۔ اس لیے بغیر صبر سے ہاتھ اٹھائے، اسے ایک دفعہ سن ضرور لیجیے

"مضمون تمام دعا سے مقبول ہے برگزیدہ تر ہے۔ کوششوں میں عظمت انسانی مضمر ہے لیکن دعا نامردیت کا اعلان شکست ہے۔ جسکے ذریعے انسانی مجبوریوں کا راز فرشتوں پر بھی منکشف ہو جاتا ہے۔ جو کسی طرح اس انکشاف کے اہل نہیں — دست بدعا ہو کر انسان تضاد قدرت کے سامنے اپنی بےبسی اور ناچارگی کا اعتراف کرتا ہے — انسانی رسوائیوں کی ذمہ دار آدم کی نافرمانیاں نہیں بلکہ وہ مبتلا بلائیں ہیں جنھوں نے انکو دعا کی ترغیب دی تھی — آدم استقلال کے ساتھ اگر اپنی سزا بھگت پر قائم رہتے تو فرشتے بھی انکی عظمت تسلیم کر لیتے اور شیطان بھی قائل ہو جاتا۔ یہ صحیح ہے کہ خدا نے آدم کی گریہ وزاری سے متاثر ہو کر انکی لغزشوں کو نظر انداز کر دیا لیکن اس کے نتائج دنیا والوں کے لیے قابل فخر ہرگز نہیں — ایک خوددار انسان اس شکست کو جو خود اس کی جدوجہد کا نتیجہ ہو اس فتح سے بہتر سمجھتا ہے جو ارباب تضاد قدرت کی امداد سے اسے حاصل ہو سکے — شیطان آج انسان کی بعض کامیابیوں پر ہنستا ہے انسان کی سب دعائیں اگر مقبول ہو جائیں اسکی شخصیت برباد ہو جائے — جس ہستی کو خدا برگزیدہ بنانا چاہتا ہے اسکی دعائیں ہمیشہ ناکام رکھتا ہے صرف اس غرض سے کہ اسکی ناچیز خود اعتمادی اور خودداری کو برباد نہ کر سکے۔ اسکے علاوہ قدرت کی ستم ظریفیوں سے اکثر دعائیں ایسے نتائج خطرناک ہو جاتے ہیں ارباب عقل و عقیدت دیکھتے ہیں کہ انسان بے ارادہ تباہ ہو گیا انکا ذوق تفریح ابھر آتا ہے۔ وہ انسانی بےبسی کا تماشہ دیکھنا چاہتے ہیں۔ اکثر دعا کرنے والے کو وہ اس طرح مایوس کر دیتے ہیں کہ وہ ہمیشہ کیلیے دعاؤں سے خائف ہو جاتا ہے پھر اسکی دستگیری کے لیے نہ کوششیں باقی رہتی ہیں اور نہ دعائیں — خدا کے فرشتے اسکی ناچارگی پر مسرور ہوتے ہیں اور محض اتفاقاً انھیں وہ دن یاد آ جاتا ہے جب انسان کو ان پر نیابت الٰہی کے لیے ترجیح دی گئی تھی۔ انسان کی دیرینہ عظمت اسکی متقاضی ہے کہ محض فرشتوں کی ضد میں وہ دعا سے باز رہے۔"

"رعنائی خیال" کے ماتحت جس بیباکی سے اظہار خیال کیا گیا ہے یوں تو اسکی اہمیت ان اشعار سے زیادہ نہیں جو ہمارے بہت سے غالب جیسے آزاد نہیں بلکہ مومن جیسے "مجاہد" شاعروں کے دواوین میں بھرے پڑے ہیں۔ البتہ یہ سوال کہ نثر میں اس قسم کے بے قید اظہار خیال پر کیوں کفر کے فتوے لگنے لگتے ہیں جب نظم میں انھیں خیالات کی بڑے بڑے متشرع ہونے سے لے کر داد دیتے ہیں، بلکہ ہمت افزائی کرتے ہیں اہم ہے۔ میرے خیال میں اس سوال کا ایک ہی جواب ہے کہ وہاں صرف "قال" تھا اور وہ بھی رعنائی خیال کی حد تک اور یہاں "حال" ہے اور وہ بھی مستقبل کی بے پناہ انتہا تک!

---

[1] گدیونی (بروزن افیونی) سجاد مرحوم کا وطن گدیہ (ضلع بارہ بنکی)

صدق

کے اس دعوے میں اگر صداقت کا کوئی خفیف سا بھی شائبہ ہے کہ ؎

در پس آئینہ طوطی صفتم داشتہ اند
آنچہ استادِ ازل گفت ہماں میگویم

تو آپ کا بحیثیت ایک حق پرست اور صدق دوست مردِ مومن کے یہ فرض ہے کہ آپ "دنیا کے نقارخانہ" میں اس "طوطی" کی آواز کی گونج پیدا کرنے میں اسکی مدد کیجیے۔

کیا آپ نے اپنے اس فرض کو ادا کیا ہے؟
کیا آپ اپنے اس فرض کو ادا کر رہے ہیں؟
اگر نہیں، تو ؎

خیرے کن اے فلاں و غنیمت شمار عمر
زاں پیشتر کہ بانگ برآید فلاں نماند

الداعی الی الخیر مہتمم صدق لکھنؤ

خریداران صدق کی خدمت میں

مندرجۂ ذیل خریداروں کی میعاد ماہ اپریل ۱۹۴۵ء میں تمام ہو رہی ہے براہ عنایت اپنا سالانہ چندہ آٹھ روپیہ یا ششماہی مبلغ پانچ روپیہ چہار آنہ سے پہلے پہلے دفتر کو روانہ فرما دیں۔ یا اگر آئندہ خریداری منظور نہ ہو تو دفتر کو مطلع کر دیں۔ اگر چندہ نہ آیا اور اطلاع بھی نہ آئی تو یکم مئی کو سب صاحبوں کی خدمت میں وی پی سالانہ نے یا ششماہی مد کے حساب سے روانہ ہونگے۔

خریدار نمبر ۲، و ۶، و ۹، و ۱۹
و ۲۷، و ۳۱، و ۴۶، و ۵۶
و ۸۷، و ۳۳، و ۹۳، و ۱۲۷
و ۲۶۰، و ۳۵۵، و ۳۷۹، و ۵۵۹
و ۹۹۱، و ۹۹۷، و ۱۱۶۳، و ۱۲۲۹
و ۱۲۳۲، و ۱۲۳۳، و ۱۲۳۵، و ۱۲۳۶
و ۱۲۳۷، و ۱۲۳۸، و ۱۲۳۹، و ۱۲۵۴
و ۱۲۶۰، و ۱۲۴۴، و ۱۳۳۲۔

مہتمم صدق لکھنؤ

آزادی و الحاد اور اس جاہلی انسانیت کا جسکی ابتدا شیطنت اور انتہا خود پرستی ہے یہ نمونہ مندرجہ بالا "دعا" میں آپ نے دیکھا اب ایک مسلمان کی تعین میں انسان کی دعا سنیے جو عزازیلیت اور ملکوتیت دونوں کا اعتدال اور اصلاح ہے — میں نے وہ پوری دعا اس لیے پیش کی تھی تاکہ یہ مقابلہ کی میری دعا زیادہ لطف دے سکے ؎

"سعی مسلسل دعائے ناقبول کا خمیازہ ہے۔ کوشش اس بات کا ثبوت ہے کہ انسان خود مختار نہیں ہے لیکن دعا خدا اور انسان کے درمیان وہ رشتہ ہے جسنے فرشتوں پر اسکا مرتبہ واضح کر دیا۔ اس فرشتہ پر بھی جو کسی طرح انسان کی عظمت کا قائل ہونے پر تیار نہیں تھا۔ بہت یہ دعا ہو کہ کارکنان قضا و قدر کے سامنے اپنے اور خدا کے ازلی تعلق کو اور مستحکم کرتا ہے۔ انسانی معراج کی ذمہ دار آدم کا سجدہ نہیں بلکہ وہ فطرت صحیحہ ہے جس نے اسے پہلے پہلے دعا کی ترغیب دی تھی — آدم استغفار کے ساتھ سجدہ کرتے رہے نتیجہ یہ ہوا کہ وہ خلیفۃ الارض بنائے گئے اور انکا حریف مردود ابدی ہوا۔

یہ سچ ہے کہ آدم سے لغزش ہوئی لیکن توبہ سے نہ صرف یہ لغزش نظر انداز کر دی گئی بلکہ ابن آدم کو تمام کائنات پر بلا شرکت غیرے حق حکمرانی بھی بخشدیا گیا۔ ابو البشر نے اس اطاعت کو جو انکے ایمان کا نتیجہ تھی اس عبادت سے بہتر سمجھا جس میں سلطان الملکوت کی امداد یعنی شیطان کا احسان شامل تھا — انھوں نے ایک خدا کو معبود مانکر ساری خدائی کو اپنے قدموں پر جھکا لیا — ابن آدم آج آدم کی اس انجام بینی پر فخر کرتا ہے۔

انسان کی سب دعائیں اگر مقبول ہو جائیں تو آفرینش کا مقصد برباد ہو جائے۔ بعض اوقات جس بندہ کو خدا برگزیدہ بنانا چاہتا ہے اسکی دعاؤں کی قبولیت کا رخ بدل دیتا ہے۔ صرف اس غرض سے کہ اسکا فانی مفاد اسکے باقی مراتب میں کمی نہ کرائے — اسکے علاوہ انسان کی نادانی سے اکثر دعاؤں کے نتائج خطرناک ہو سکتے ہیں۔ ارباب قضا و قدر جب دیکھتے ہیں کہ انسان اپنی دعاؤں کی مقبولیت سے مغرور ہو جاتا ہے تو انکا ذوق اعتدال ابھرتا ہے اور وہ انسان کی عارضی کامیابی کا تماشہ دیکھنے کے بجائے خدا کے حکم سے کبھی کبھی دعا کرنے والے کو اس طرح مایوس کر دیتے ہیں کہ انسان کا جذبۂ الحاح و زاری پھر عود کر آتا ہے۔ فرشتے یہ دیکھ کر شرم سے سرنگوں ہو جاتے ہیں۔ انکو وہ دن یاد آ جاتا ہے جب انسان کو ان پر نیابت الٰہی کے لیے ترجیح دی گئی تھی۔

انسان کی اولیں عظمت اسکی متقاضی ہے کہ فرشتوں پر اپنی افضلیت کی یادگار میں وہ دعا سے کبھی غافل نہ رہے۔ (باقی آئندہ)

ناظرین صدق کو مژدہ

مئی ۱۹۴۵ء سے صدق ہفتہ وار کے بجائے ہفتہ میں دو مرتبہ شائع ہوگا شرح چندہ ۷ روپے سالانہ ۴ روپے ششماہی ۲ روپے سہ ماہی سے

منیجر صدق

مشورے اور گزارشیں

نمبر (۳۵)

(س علامت سوال کی ہے، ج علامت جواب کی)

س - اول مرتبہ دوران نماز میں جناب والا کی برزخ اس وقت قائم ہوئی کہ جب جناب کی طرف بالکل خیال نہ تھا۔ اسکے بعد سے باوجود کوشش کے یہ صورت کسی طرح نہیں پیدا ہوئی۔ یعنی میں نماز کے بہت پہلے سے آپ کا خیال دل میں پیدا کرتا ہوں۔ مسدس کی چوالی جلدیں پڑھتا ہوں، تب نماز کے لیے کھڑا ہوتا ہوں، لیکن اسکے باوجود نہ تو نماز میں اب وہ حضور قلب ہے جو اس دن افزود ہوا تھا اور نہ جناب کی برزخ قائم ہوتی ہے۔ اگر وہ یہ قول جناب کے میرا خیال دامن ظن تھا، تو اب کیوں بے تاثیر ہوگیا؟ دوسرے خیال کے خیال میں اتنی قوت کہاں سے آئی کہ نماز میں وہ حضور قلب پیدا ہو جو دو دو عمر میں نہیں ہوا تھا۔

ج - کیفیات، وجد، حال کا پیدا ہونا اگر تمامتر اختیار کے اندر آ جائے، تو انھیں کیفیت، وجد، حال کہا ہی کیوں جائے؟ اکثر تو یہ تمامتر اختیار سے باہر، اور کمتر اپنے جزو اعظم و اسی لحاظ سے مقصود اختیار سے باہر ہوتی ہیں۔ خواب سے زیادہ انکی حیثیت نہیں ہوتی، اور اسی لیے نہ انکے وارد ہو جانے پر کوئی اجر اور قرب الٰہی میں ترقی ہے، اور نہ ان سے محروم ہو جانے پر کوئی عتاب اور اندیشۂ تنزل و انحطاط ہے۔ یہ واردات و کیفیات محمود و مستحسن ہیں، انکی مثال بھی بس خوش آیند و دل خوش کن خواب کی سی ہے کہ بس تھوڑی دیر کے لیے جی خوش ہوگیا اور حقیقت و ثبات کچھ بھی نہیں! —— خواب بہتر سے بہتر بھی ہوں، جنت میں لیجانے، اور قرب الٰہی کے لیے کافی نہیں۔ اور بدتر سے بھی بدتر اگر ہوں، تو ان پر کوئی مواخذہ نہیں۔

یہ تمامتر حق تعالیٰ کی رحمت ہے۔ ورنہ قلب انسانی میں نہایت خفی و دقیق، دور دور از اثرات کے ماتحت جو تغیرات و تصرفات ہوا کرتے ہیں کہ عالم خیال میں کہیں اعلیٰ علیین کی سیر ہوا کی ہے اور کبھی اسفل سافلین کی، ان پر اگر کہیں عذاب و ثواب مرتب ہوا کرتے تو انسان تو کہیں کا بھی نہ رہتا۔ اور نظام کائنات میں ایک فتنۂ عظیم برپا ہو جاتا۔

تصدق کی تحریریں پڑھنے تک مضائقہ نہیں۔ لیکن نماز میں قصداً کسی کا تمثل سامنے لانے کی کوشش ہرگز صحیح طریق عمل نہیں۔ بہتر سے بہتر صالحین و ابرار کے بھی برزخ قائم کرنے میں مفاسد زیادہ ہیں اور مصالح کم، چہ جائیکہ ایسی شخصیت کا تصور، جو خود ہی گیرگندہ ہے۔ یہ خیال تو اس قابل ہے کہ لاحول پڑھ کر اسے دل سے نکال جائے نہ یہ کہ ذوق و شوق کے ساتھ اسکی ہمت افزائی کی جائے۔

س - اب کیا کروں کہ وہی صورت پیدا ہو اور نماز میں وہی لذت نصیب ہو۔ اگر یہ صورت نہ ہوئی تو میرے لیے نماز کی گنڈو داروائی بھی دشوار ہو جائیگی (یہ جملہ میں نے یوں گوشگذار کر دیا کہ طبیب سے مرض کی جزوی تفصیلات بتا دینا ضروری ہے) کیونکہ میری افتاد طبیعت ہی یوں ہے۔

ج - بندہ صرف نماز پڑھنے کا مکلف ہے، نماز بالذات کا مکلف نہیں۔ مقصود و مطلوب صرف نماز ہے جس طرح بھی بن پڑے۔

ہاں تمنا و شوق کی چیز نماز کی لذت بھی ہے، اور اسکا اہتمام اگر کیا جائے تو نماز میں حلاوت محسوس ہونے لگے، اور یہ یقیناً ایک بڑی نعمت ہے۔ لیکن اسکے شرائط دوسرے ہیں۔ عام زندگی میں طہارت و تقویٰ، معاصی سے اجتناب، لایعنی اور حضور قلب میں مخل ہونے والی صحبتوں اور مشغلوں سے کنارہ کشی، نماز کی فرضیت کا عمیق احساس وغیرہ۔ بہرحال اسے کسی کے نقش اور برزخ سے تعلق نہیں، اور کسی پست اور گندی شخصیت سے تو اور بھی نہیں، ہزار بار نہیں۔

س - کوئی شخص حضرت حاجی امداد اللہؒ کے ایک خلیفہ سے بیعت تھا، اب حضرت مولانا تھانویؒ کے کسی خلیفہ سے تجدید بیعت کرنا چاہتا ہے تو کر سکتا ہے؟

ج - تجدید بیعت میں غرض صحیح کے ساتھ، تو شیخ کی زندگی میں بھی مضائقہ نہیں، چہ جائیکہ وفات کے بعد۔ بیعت محض ایک رسم ہے۔ اصل مقصود استفادہ ہے۔

س - یعنی جن سے بیعت ہوا تھا، انہوں نے دو دو ازدہ تسبیح بتائی تھی لیکن بدقسمتی کہ اب تک کسی روز اس پر عمل کی توفیق نہ ہوئی تو کیا اسکے علاوہ کوئی مختصر تسبیح پڑھ سکتا ہوں؟ اگر اجازت ہو تو کوئی تسبیح بتلائی جائے۔

ج - سوال اپنے شیخ ہی سے کرنا چاہیے یا پھر انکے جانشین سے۔ باقی عام جواب یہ ہے کہ قرب حق کسی خاص ذکر یا خاص شغل پر موقوف نہیں۔ یہ دواؤں کی طرح مشائخ کے صرف تجربہ کی چیزیں ہیں۔ البتہ مریضوں کے حق میں رائے صائب انکے معالج ہی کی ہو سکتی ہے نہ کہ خود مریض کی۔

س - ریڈیو پر قرآن مجید کا محض لہجہ کی غرض سے سننا اور سنانا کیسا ہے؟

ج - موجودہ حالات اور ماحول میں کوئی مضائقہ نہیں بلکہ تبلیغی مصالح کے اعتبار سے بہتر ہی ہے۔ تاہم دوسرے پہلو بھی بالکل نظر انداز کرنے کے قابل نہیں۔

س - میں جب ایف۔ اے میں پڑھتا تھا تو نیت کی تھی کہ اگر بی۔ اے ہوگیا تو قرآن مجید حفظ کرونگا۔ خدا نے کامیابی عطا کی۔ چنانچہ حسب نیت کوئی ۲ ماہ سے میں نے حفظ قرآن کا کام شروع کر رکھا ہے، اور تقریباً ایک پارہ حفظ کر چکا ہوں۔ آپ سے التجا ہے کہ تکمیل کے لیے دعا فرمائیں۔

ج - دعا تو خیر دل سے نکل رہی ہے۔ لیکن ...

دل مخلصانہ مبارکباد پیش کرنے کو جی چاہ رہا ہے۔ اللہ ہر طرح مبارک فرمائے بہت رقت آفریں ہے۔ اللہ ہر مسلمان کو ایسی ہی ہمت سے سرفراز فرمائے۔ وفی ذلک فلیتنافس المتنافسون۔ اس ہمت کے بعد تکمیل کر لینا کچھ بھی مشکل نہیں رہ جاتا۔

س۔ اسی سلسلہ میں عرض ہے کہ نیت یہ بھی کی تھی کہ ہر ماہ کی تنخواہ پر علاوہ اشاعت قرآن کے کسی کام میں بطور امداد پیش کرتا رہونگا۔ مولانا ... صاحب کے مشورہ پر خود آپ کی تفسیر و ترجمہ کا پروگرام یاد آیا۔ جسکا ذکر کام کی رفتار کے زیر عنوان بعض کبھی ہوتا رہتا ہے۔ لیکن یہ بھی خیال میں ہے کہ آپ کسی کسی صاحب کی رقم کسی وجہ سے واپس کر چکے ہیں، اس لیے آپ سے اجازت طلب کرنی ضروری خیال کی۔ اجازت مرحمت فرمائی جائے۔

ج۔ اپنے مخلص کی شرکت تو خود باعث برکت ہے۔
البتہ معطی کو دین میں مخلص ہونے کے ساتھ خود تفسیر نویس کے ساتھ بھی خلوص درجۂ کمال کا ہونا چاہیے۔ ایسا کہ اگر اسکی پیش کی ہوئی رقم اسی کے سامنے اگر آگ یا دریا میں پھینک دی جائے، جب بھی اسے بدگمانی نہ پیدا ہو — اور اپنی رقم کے ضائع ہونے پر حسرت و افسوس نہ کرے۔ جبھی جا کر وہ پورے انشراح قلب کے ساتھ اپنے روپیہ سے شریک ہو سکتا ہے۔ جن حضرات کے اس درجہ خلوص میں، بہ شہادت قلب و وجدان، شبہ رہ جاتا ہے، انکا عطیہ واپس کر دیا جاتا ہے۔

س۔ برزخ کے متعلق میری الجھن عجیب حالت ہے۔ آخر یہ کیوں ہوتا ہے کہ ذہن کے سامنے ایک شکل بلا وہم و گمان ایک مرتبہ قائم ہو، اور پھر باوجود مسلسل کوششوں کے نہ قائم ہو۔ میں تصور کروں جناب والا کا اور برزخ قائم ہو میرے والد ماجد کی، اور کبھی کچھ بھی نہ ہو۔

ج۔ جواب اسی قسط کے شروع میں درج ہے۔
جتنے واردات قلب غیر اختیاری ہیں، سب کا یہی حال ہے۔ جن اسباب طبعی سے پیدا ہوتے ہیں، وہ بڑی حد تک ارادہ و شعور کے دسترس سے بھی باہر ہوتے ہیں۔ سہل ترین مثال خوابوں کی ہے۔ اپنے خوابوں پر خود قابو کر لیا جائے۔ کیسے کیسے ناخوش، غیر متوقع خواب نظر آ جایا کرتے ہیں، اور جس قسم کے خوابوں کی تمنا و کوشش ہوتی ہے، اکثر اُسے محرومی ہی رہتی ہے۔

س۔ کیا برزخ کا تعلق جسم مثالی سے ہے؟ اور کیا اس عمل سے (اگر برزخ قائم ہونے لگے تو) کوئی روحانی یا دینی منفعت حاصل کی جا سکتی ہے؟ اگر کی جا سکتی ہے تو اسکی کیا صورتیں ہیں؟

ج۔ (الف) ایک معنی کر کے ہے۔ لیکن بہت کچھ ذیل بحث کے تابع ہے۔ (ب) کچھ ایسا نفع یقیناً نہیں۔ جیسے مسمریزم ہپناٹزم والے حاصل کیا کرتے ہیں (خود ان سطور کے راقم کو بھی ہپناٹزم کا شوق کسی زمانہ میں، جیسے ۳۰ - ۳۲ سال قبل، اچھا خاصہ رہ چکا ہے) لیکن کوئی معتد بہ روحانی، اخلاقی، دینی نفع اس سے متصور نہیں، ورنہ تو وہ جامع و پیدا از حکمت شریعت اسے اپنے اندر لے لیتی۔ جن بزرگوں سے اس قسم کی مشقیں یا تعلیمات منقول ہیں، وہ مخصوص حالات و خصوصی مواقع کے لیے تھیں۔ عام طالبین و سالکین کو ان پیچیدہ، خطرناک راستوں کے تجربوں کی ضرورت ہی کیا ہے۔ انکے لیے قرآن و سنت کی صاف، سیدھی، بے خطر شاہراہ موجود ہے۔ وہی صحیح معنی میں "راہ نکلنا" ہے، اور اسکے سامنے مخصوص بزرگوں کے مخصوص طریقے سب "دراز و دور رہ و بیم گیرسائی" کے مصداق ہیں۔

(ج) اب اسکے جواب کی ضرورت نہیں۔

س۔ صوت سرمدی سننے کا کیا طریقہ ہے۔ اور یہ نفس الارض کیا شے؟

ج۔ یہ لفظ جب پڑھا کسی صوفی شاعر کے کلام ہی میں پڑھا۔ اسکی تشریح نہ کسی مستند کتاب میں یاد ہے اور نہ کسی محقق کی زبان سے سنا۔ فارسی اور اسکی تقلید میں اردو کے صوفی شاعر خدا معلوم کتنے الفاظ ایسے بول گئے ہیں جو عام مومنین کے لیے ناقابل فہم ہیں یا مشکل سے قابل فہم۔ بعض خوش عقیدہ حضرات نے محنت و مشقت کرکے ان اصطلاحات کی شرحیں لکھ ڈالی ہیں۔

یہ نامہ سیاہ اپنے کسی مخلص کو ان زوائد میں پڑنے کا مشورہ نہیں دیتا۔ جو اپنے لکھے ہوئے فرائض ہیں، اور بندہ جنکے لیے مکلف ہے، وہی کیا کم ہیں۔ اور ان سے عہدہ برآ ہونا کب آسان ہے، جو ان زوائد کے پیچھے پڑا جائے، اور انکے لیے وقت نکالا جائے۔

ایک حدیث صحیح میں حضرت عمرؓ کی زبان سے یہ مضمون نقل ہوا ہے کہ حضور انورؐ پر نزول وحی کے وقت چہرۂ مبارک کے قریب شہد کی مکھیوں کی بھنبھناہٹ سی سنی جاتی تھی۔ بعض اہل علم نے اسی کو اسکی اصل قرار دیا ہے۔ کہ بعض ذاکرین و شاغلین کو ذکر و شغل کے وقت غیبی آوازیں سنائی دیتی ہیں۔ واللہ اعلم

فیثا غورث ایک یونانی حکیم و مہندس ہوا ہے۔ (متوفی ... ق م) اسکی بابت منقول ہے کہ وہ رات کے سناٹے میں کرۂ ارض اور دوسرے حرکت کرتے ہوئے اجرام سماوی کی سرسراہٹ سنا کرتا تھا۔ واللہ اعلم۔

بہرحال مومن کا کام یہ ہے کہ اپنے کام میں لگا رہے۔ جنت کی بشارتیں، رضاء الٰہی کا انعام، قرب حق کا مژدہ سب اسی پر موعود ہیں۔ غیب کی آواز کان میں پڑ جائے تو خیر، ورنہ زیادہ اسکے درپے ہونا وقت عزیز و عمر مختصر کو ضائع کرنا ہے۔

روشن خیال مسلم لڑکیاں

ہمارے ہفتہ جنگ کا انتظام ہوا اور کامیاب ہوا۔ مسٹر قمر طیب جی صدر مجلس ہفتۂ جنگ کے اس بیان سے جو بتوسط اسپ شایع ہوا ہے یہ معلوم ہوا ہے کہ "ہفتۂ جنگ کی کمیٹی نے یہ طے کیا ہے کہ اس سال کم از کم دس لاکھ روپیہ جمع کرے۔۔۔ کم از کم دو لاکھ علاوہ ۲۰ لاکھ بطور ریفیٹ، موسیقی کے مقابلے، کھیلوں کے مقابلوں، فوجی تماشوں اور رقص ناچ سے مزید ایک لاکھ کی وصولی ہوگی۔

آمدنی کی جو مدات اوپر دکھائی گئی ہیں ان میں چند اسلامی نقطۂ نگاہ سے ناجائز ہیں، مگر چونکہ ہمارے ہاں غیر مسلم فرقے بھی ہیں جن کی اخلاقیات نے انھیں جائز رکھا ہے اس لیے گوارا کی جا سکتی ہیں۔ مگر سنا یہ گیا کہ بعض روشن خیال مسلم گھرانوں کی لڑکیاں اپنے نو آموز "سوشل سروس" کے جوش و خروش کو "جنگی خدمت" میں اس زور شور سے تبدیل کر چکی ہیں کہ انکے رقص کی فنی کمالیت کی بلاغت نے بڑے بڑے رقص کے ماہروں کو بھی انکی تعریف و توصیف میں تر زبان کر دیا اور بعض پرانی وضع کے مسلمان ایسے بھی ہیں جو دانتوں میں انگلی دبائے پھر رہے ہیں کہ یہ کیا ہوا!

ہمیں چونکہ اس بات کا یقین ہے کہ اسلام ان چیزوں کو جائز نہیں رکھتا، نہ رقص و سرود کو، نہ نامحرموں کے ساتھ مسلم لڑکیوں کے میل جول کو اس لیے ہمیں ان مسلم لڑکیوں اور انکے بزرگوں پر جنھوں نے انکو اسکی اجازت دی افسوس کرنا پڑ رہا ہے۔ ان خاندانوں کے بزرگوں کی نظر سے ضرور انگریزی اخبار گزرتے رہتے ہونگے اور ان میں انھوں نے انگلو انڈین طبقہ کی ان لڑکیوں کی زبوں حالی و خودکشی کا حال بھی پڑھا ہوگا جنھوں نے جنگی خدمات کے جوش و خروش میں امریکی سپاہیوں سے اپنے تعلقات اس درجہ بڑھا لیے تھے کہ انھیں ان سے شادی کے بغیر چارہ نہ تھا اور حکومت امریکہ نے اپنے سپاہیوں کو باہر شادی کرنے سے اس لیے روک دیا ہے کہ جنگ کے بعد خود رکھے! ان لاکھوں لڑکیاں شادی سے محروم رہنے والی ہیں۔ غور کرنے کی بات ہے کہ انگلو انڈین طبقہ کی لڑکیوں کی اس قسم کی "خدمت" نے اس پورے طبقے میں ایک نمایاں نفرت پیدا کر دی ہے اور وہ اب صاف صاف کہہ رہے ہیں کہ ہماری لڑکیاں امریکیوں کی شہوانی تفریح کا آلہ بنی ہوئی ہیں اور اپنا مستقبل تاریک کر چکی ہیں! یہ اس قوم کی فریاد ہے جسکا معیار زندگی سے معاشرتی مسلم قوم سے بہت مختلف ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ "اس سوشل خدمت" یعنی نامحرم نوجوانوں کے ساتھ ناچ گانے اور شراب نوشی سے لڑکیوں اور لڑکوں کے جنسی جذبات ہیجان میں آجاتے ہیں اور ہمارے لیے رقص میں حصہ لینے والی ان مسلم لڑکیوں کے فعل کو برا سمجھنے کے لیے یہ تازہ شہادت بہت کافی ہے۔۔۔۔

مسلم طبقہ میں جب تک حرارت ایمانی باقی ہے وہ اس قسم کے مظاہروں کے خلاف احتجاج کیے بغیر نہیں رہ سکتا۔ اس سلسلہ میں صدر مجلس علمائے دکن کی یہ قرارداد ارباب حکومت اور ان روشن خیال مسلم گھرانوں کی توجہ کے قابل ہے جو جنگ کے نام سے سارے مسلمانوں کی فضیحت کا باعث ہو رہے ہیں:

"اسلام میں نامحرموں کے مخلوط رقص اور شراب نوشی کی جو ممانعت ہے وہ کسی سے پوشیدہ نہیں۔ مخلوط رقص کا وہ چاہے جنگی اغراض ہی کے لیے کیوں نہ ہو، اور مسلمان خواتین کی سرپرستی میں منعقد ہونا اور شراب و کباب کی محافل میں انکا اور ذمہ دار مسلم عہدہ داروں کا مدعو ہونا مملکت آصفیہ اسلامیہ کے لیے اندرون و بیرون ہر جگہ فضیحت کا باعث بن رہا ہے۔ مجلس علما دست بستہ نواب حافظ احمد سعید خاں صاحب صدر المہام سرکار عالی اس مفاسد کے فوری انسداد پر متوجہ ہوں" (رہبر دکن)

<u>مراسلہ</u>

مدرسہ جھنڈے نگر

(علاقہ نیپال)

مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر میں ایک درسگاہ ہے اور قرب و جوار میں اقامت خانوں کی سخت ضرورت عرصہ سے درپیش تھی۔ چند سال ہوئے شہری و مقامی اعانت سے تقریباً دس چار ہزار ہوگئی۔ اسی رقم سے چار بڑے وسیع کمروں کی تعمیر ہمت کرکے شروع کر دی گئی۔ چنانچہ اب وہ چھت تک آدمی سے اونچی ہیں۔ اسکی امداد بالکل عام حضرات کے کندھوں پر ہے۔ ریاست نیپال کو کچھ دلچسپی نہیں۔ چونکہ پوری گرانی خرچ تقریباً چھ ہزار سے کچھ زائد ہی ہوگا۔ اس لیے امید ہے کہ اسی کے پیش نظر یہ اعلان حق کرتا ہوں کہ ناظرین صدق میں جو اصحاب ایسے دینی ادارہ کی اعانت کو سعادت اور اخروی ذخیرہ سمجھتے ہوں، وہ پورے شرح قلب کے ساتھ امداد فرمائیں۔ بڑی خوشی کی بات ہے کہ بذریعہ صدق اس مدرسہ کو ۱۱ للعہ کا وصول شدہ رقم جو کسی صاحب خیر کا عطیہ تھا آج اس نیک کام میں لگ چکا ہے۔

جو صاحب چشم دید ملاحظہ کرنا چاہیں وہ سیدھے گورکھپور سے گونڈہ اور پھر گونڈہ سے بڑھنی اسٹیشن آجائیں اس سے مدرسہ بالکل قریب واقع ہے۔ للہ للہ امداد فرما کر چھت و لکڑی کا سامان کر دیں۔ جزاکم اللہ حق الجزاء۔ پتہ:۔ عبد الرؤف ناظم مدرسہ سراج العلوم جھنڈا نگر۔ (واقع راج نیپال) براستہ ڈاکخانہ رادت گنج۔ ضلع بستی۔

نمبر ۴۴ دوشنبہ جمادی الاول ۱۳۶۴ھ مطابق ۱۶ - اپریل ۱۹۴۵ء جلد ۱۰

سچی باتیں

(از عبدالماجد)

کلیاتِ اکبر، حصہ اول، اگر موجود ہو، تو سامنے کھول لیجیے۔ صبح چہارم (۱۹۱۳ء) کے صفحہ ۲۰ و صفحہ ۲۱ پر ایک فارسی قطعہ تاریخ تعزیت ملیگا۔ (اکبر کبھی کبھی فارسی میں کہہ لیا کرتے تھے) وفات کسی نوعمر و نوتمیز حسینہ خاتون کی ہوئی تھی ـــ

آں نو نہالِ خوبی او دو ہفتہ سن درنوبہار عمرش رفت از فنا اہستی

باقی اشعروں میں بھی ذکر اسی مرحومہ کے حسن و جمال کا اور محبوبیت کا ہے مقطع ہے ـــ

تاریخ فوت گفتم در مصرع سجع بود نا بروں شد اکبر از گلباغ ہستی

بوٹا نام تھا ـــ کلیات میں سرسری اچٹتی نظر پڑ جاتی اس قطعہ پر پڑی تھی ابکی جو الہ آباد جانا ہوا، تو مزار اکبر پر جا کر، اکبرؒ کے خاندانی قبرستان میں چل پھر کر یہ راز بھی حل ہو کر رہا۔

نگاہ کو ۵۰ سے ستر سال قبل کی طرف پھینکیے۔ نظر کے سامنے اس وقت کا مسلمانی تمدن، اور کھاتے پیتے مسلمان گھروں کی معاشرت سے آئیے۔ عہد کے ممتاز شاعر، حکیم اور عارف حضرت اکبرؔ اُس وقت کے محض ایک کامیاب وکیل سید اکبر حسین ہیں۔ مستِ شباب۔ سال ولادت ۱۸۴۶ء تھا۔ ۱۸۸۱ء میں تیس ہی سال کے تو ہوے۔ لغزشوں سے سفر بھلے مختلف دوروں میں اچھے اچھے عابدین صالحین کو نہیں، اور معصوم و محفوظ ذات تو صرف حضرات انبیاء کی ہوئی ہے۔ تو یہ پہلو سے تو ایک شان عمر تو ذوا تعلقات رکھنے والے وکیل ہی تھے۔ شہر میں ایک بالکل کمسن

چھوکری، کچھ ۱۳، ۱۴ سال کی عمر کی لڑکی، صورت و شکل میں بہت ممتاز، بوٹا ہوتے (رشک حسینان جہاں" فسق و عصمت فروشی کی دکان پر لاکر بٹھا دی جاتی ہے۔ نظر سید اکبر حسین سے چار ہوتی ہے۔ اور نفس نفس کی جانب کھنچتا ہے! ـــ اب آگے دیکھیے۔ شیطان کس طرح ڈھکیلتا ہے اور خیر الماکرین کی حکمت دلفقت کدھر لے جانا چاہتی ہے! ـــ عین اسی کمسنی کی بہار، اور تندرستی کے شباب میں شیطان کی سیلی بیمار پڑتی ہے، اور مشاغل دنیا سے آخرت کی جانب پھر جاتا ہے۔ اور جو قدم ہولناک گڑھے کی طرف اُٹھ رہے تھے، وہ یک بیک جنت کی گل و گلزار شاہراہ پر پڑنے لگتے ہیں!

مرینہ کو موت کا یقین ہو جاتا ہے، وہ اب مسلمان گھرانے کی پیدائش اپنا رنگ دکھاتی ہے۔ درخواست نکاح کی کرتی ہے۔ اور عین مرض الموت کے بستر پر، جب نفس کی لذتوں کا کوئی لگاؤ نکاح میں بھی باقی نہیں رہ جاتا، سید اور سید زادہ اپنی زوجیت میں باقاعدہ لاتا ہے۔ شہر کے ایک چشتی بزرگ کے ہاتھ پر کسی نوعمر توبہ کرتی ہے، بیعت کرتی ہے، اور گناہوں سے دُھل دھلا، پاک و صاف، کلمۂ توحید پڑھتی ہوئی جولائی ۱۸۸۱ء (مطابق شوال ۱۲۹۸ھ) کو جنت کے سفر پر روانہ ہو جاتی ہے! ـــ قبر پر جو لوح کتبہ ہے، اُس میں بسم اللہ الرحمن الرحیم اور کلمۂ شہادت اور آیۂ کریمہ کل من علیہا فان ویبقیٰ وجہ ربک ذو الجلال والاکرام کے بعد یہ شعر بھی درج ہے کہ

برکلمۂ توحید جاں بحق تسلیم کرد | توحید کا کلمہ پڑھتے ہوے جان دی

اللہ اللہ ـــ ساری ریاضتیں اور سارے مجاہدے اسی دن اور اسی وقت کے لیے تو ہوتے ہی ہیں! جس بندہ اور جس بندی کو وہ جس مرتبہ پر چاہیں، پہنچا دیں! کسی کے بھی ایمان کی تحقیر کا حق کسی کو حاصل ہے؟

مگر دعا کس چیز کی مانگوں؟ صحت و عافیت کی؟ یہ خیال آتا ہے کہ دنیا کے لاکھوں انسان اور بھی تو ہیں، جو مرض و مصیبت کی بلائیں سہہ کر ختم ہوتے رہے۔ اُن پر ہر چیز کا قیاس فرما لیجیے۔ دل کا یہ کانٹا میرے نکالے نہیں نکلتا — وہ ایک کرب و مصیبت کا سبب بنا ہوا ہے۔ ممکن ہے میرا فی الحقیقت دماغ خراب ہو — اس لیے گزارش ہے کہ معلوم یہ کرنا چاہتا ہوں کہ دنیا کی کس چیز کو راحت اور کس چیز کو مصیبت قرار دوں — اہل دنیا کی خوشی، راحت و مصیبت کا جو تصور ہے، اُسکی تطبیق مذہبی عقیدہ سے کس طرح ہو سکتی ہے؟ کیا یہاں کی شدائد کا کچھ معاوضہ وہاں مل کر رہیگا!

"کچھ" نہیں، بہت کچھ معاوضہ یقیناً ملیگا۔ کوئی بشر یہ بندہ کو اس دنیا میں جو کچھ دکھ درد ہوتے ہیں، اُن سب کا معاوضہ اُسکے اندازہ و گمان سے بھی زیادہ یقیناً اُسے مل کر رہیگا، اور ہر تکلیف جو آتی ہے اس میں بھی تو اندر حکمت و مصلحت ہے۔ خدا معلوم کتنوں کے درجے بڑھائے جائیں گے، اور کتنوں کے گناہ اسی سے دھل جائیں گے۔ احادیث میں بڑی تفصیل سے یہ ذکر آیا ہے۔ یہ آیا ہے کہ مومن کے پیر میں جو کانٹا چبھ جاتا ہے اُسکا بھی اجر ہے۔ یہ آیا ہے کہ بخار گناہوں کا کفارہ کرتا ہے۔ یہ آیا ہے کہ حشر میں اہل بلا جب اپنے اجر و صلہ کو دیکھینگے، تو تمنا کریں گے کہ کاش دنیا میں اس سے زیادہ مصائب پڑ گئے ہوتے۔ وقس علی ہذا — بس شرط یہ ہے کہ صحت کو کر کے مصائب کو اپنے ہاتھوں اپنے سر پر نہ لائے۔ اور کوئی مصیبت جب آ پڑے، تو اُسے برداشت صبر جمیل کے ساتھ کرے، اور حد سے زیادہ بے صبری نہ کھائے۔

مصیبتوں کا نزول ہمیشہ بندہ پر اُسکے ظرف و بساط کے مطابق اور بقدر حاجت ہی ہوتا ہے۔ اور "ظرف" و "حاجت" دونوں کا فیصلہ، محدود منظر رکھنے والا بندہ نہیں، بلکہ وہی حسن علیم و عالم کر سکتا ہے جس کی نظر میں بندہ کا نامۂ اعمال شروع سے آخر تک اور سارے کائناتی اسباب، نتائج، خفی سے خفی، نازک سے نازک، اور بعید سے بعید رہتے ہیں۔ حشر میں جب روز تمام ہوگا، جب سارے مخفیات بے نقاب نظر آنے لگینگے، اُس وقت ہر دیکھنے والے پر روشن ہو جائیگا کہ کائنات میں جو کچھ بھی ہوتا رہا، عین عدل ہی ہوتا رہا۔ حقیقۃً نہ کسی پر ظلم ہوا، نہ کوئی ذرہ بھر بھی بے محل واقع ہوئی — ظلم اور زیادتی جو کچھ بھی نظر آ رہی ہے، سب بندوں کے محدود اور محدود نقطۂ نظر سے ہے۔

انسان کو اپنے حق میں طلب کیا کرتے رہنا چاہیے؟ اسکا جواب ہر بشر کی فطرت سلیم میں منقوش ہے۔ صحت و عافیت، بھوک کے وقت کھانا، پیاس کے وقت پانی، رات کو نیند، بیوی سے محبت، اولاد کی چاہ، عزیزوں سے الفت، اور اس قسم کی اور ساری رغبتیں اور خواہشیں سرشت کا جزو بنا کر طبیعت میں داخل کر دی گئی ہیں — بے تکلف ان ساری نعمتوں کی، اور انکے برعکس سے بچنے کی دعا کی جا سکتی ہے۔ قرآن اور حدیث دونوں میں بڑی بڑی جامع دعائیں تعلیم ہوئی ہیں انکے بعد پھر کسی اور دعا کی ضرورت بھی مشکل سے باقی رہ جاتی ....

محمد علیؒ کا بُت

"بیلگام ۱۰ اپریل۔ بیلگام میونسپلٹی نے طے کیا ہے کہ ۱۰ ہزار روپیہ کی لاگت سے شیواجی اور مولانا محمد علی کے مجسمے تعمیر کیے جائیں۔" (خلافت، بمبئی)

مولانا کی یادگار، سنگین مجسمہ اور بُت کی صورت میں! اناللہ۔

—— اسکے بعد بھلا کوئی درجہ ستم ظریفی کا باقی رہ گیا ہے! "مارے گئے مرے ہاتھوں سے لیا کیا میں"! آتش کا ایک مصرعہ ہے

"... نے بت شکن کو بت ہی بنا کے چھوڑا"

شاعری کو اس سے بڑھ کر حقیقت بنتے ہوئے کب اور کس نے دیکھا ہوگا؟

مولانا کا مجسمہ شیواجی کے ساتھ ساتھ! اللہ اکبر! کیا خوب قدر دانی اور جوہر شناسی ہے!

عشق و مزدوری عشرت گہ خسرو، کیا خوب!

شہر اور صوبہ کے مسلمان کیا خاموشی کے ساتھ اس درد ناک تماشے کو دیکھتے رہیں گے؟

فاسقوں کی فوج

"برسلز (بلجیم) ۲ فروری۔ حکومت بلجیم نے فیلڈ مارشل منٹگمری اور جنرل ایسنہاور کو لکھا ہے کہ برطانوی ویلفیر (welfare) کے کارکنوں نے بلجیم میں جو رقاصی کے کلب کھول رکھے تھے انھیں بند کر دیا جائے، تاکہ امراض خبیثہ کا سد باب ہو سکے۔

سب سے زیادہ بدنام اس خصوص میں "۲۱ کلب" ہے، جسکے بانی مشہور برطانوی کارکن مسٹر بٹلن ہیں۔ مسٹر ... ہی وہ ہیں کہ سب سے پہلے برطانیہ نے برسلز میں امراض خبیثہ کی کثرت پر حکومت بلجیم کو توجہ دلائی۔ حکومت بلجیم کے محکمۂ صحت عامہ نے ۲۶ جنوری کو ایک اعلامیہ جاری کیا کہ ہر مرض زدہ شخص پر لازم ہے کہ فوراً اپنے کو ڈاکٹر کے سامنے پیش کرے، اور یہ بھی بتلائے کہ مرض لگا کہاں سے۔ اسی کے ساتھ حکومت مذکور نے اس سلسلہ میں خاص ذمہ داری فوج کے رقاصی کے کلبوں (آرمی ڈانس کلب) پر رکھی ہے۔ برسلز کی کوئی ۲ ہزار عورتیں اور لڑکیاں "اسی کلب ۲۱" کی باضابطہ ممبر ہیں، اور بظاہر سب پاک و صاف ہیں۔ لیکن انھیں میں سے ہزار ڈیڑھ ہزار عورتوں کو ہر شب تخلیہ کی خصوصاً برطانوی سپاہیوں سے اختلاط کے مواقع حاصل رہتے ہیں، اس لیے خطرات بہر حال موجود ہیں۔

حکومت بلجیم کے جواب میں برطانوی حکام نے کہا ہے کہ رقاصی کے کلب بھی بدستور کھلے رہ سکتے ہیں، اور بلجیم کے ویلفیر انجمنوں کی پوری نگرانی بھی جاری رہ سکتی ہے۔

یہ خلاصہ ہے برطانیہ کے مشہور و معزز روزنامہ مانچسٹر گارڈین (لندن و مانچسٹر) کے وقائع نگار خصوصی متعینہ برسلز کی ایک رپورٹ کا!

(اخبار سور فرد ۳- فروری ۴۶ء)

—— مسلمان کا دماغ تو فوجیوں کے ساتھ رقص ونشاط کا تصور بھی نہیں کرسکتا تھا۔ لیکن اب جب خود یورپ کی ایک حکومت (برطانیہ کی نہ سہی بلجیم کی سہی) رقاصی کے کلبوں کو سوزاک و آتشک وغیرہ کی کثرت کا ایک سبب قرار دے رہی ہے، اور ہر شب صرف ایک شہر میں ہزار ہزار، ڈیڑھ ڈیڑھ ہزار کی تعداد میں کسی بدنام چکلے کی نہیں بلکہ گھرگرست عورتوں کے فوجیوں سے اختلاط کا ذکر کر رہی ہے، تو اب کسی مشرقی کو حسن ظن کی گنجایش باقی رہ جاتی ہے؟

ڈانیوں کی یہ فوج اور ستم گاروں کی یہ پلٹنیں، جو تہذیب جو تمدن، جو نظام زندگی، بغیر کسی تردد اور ہچکچاہٹ کے، گویا اضطرارًا پیدا کر رہا ہو، اُسکے لیے عقل کا نہیں، عقل کا فتوئے کیا ہے؟ آپ کی طب، آپ کی حس اخلاق، آپ کی آل اندیشی کا کیا فیصلہ ہے؟

طلاقوں کا ٹاک

"لندن ۱۱- جنوری- برطانیہ میں ۱۹۴۴ء میں طلاقوں کی تعداد بہ مقابلہ ۱۹۴۳ء کے ۹ ہزار زائد رہی! اور جسٹس سر ارنسٹ پیاکس نے برمنگھم میں بیان کیا کہ عنقریب برطانیہ میں نکاحوں سے بڑھ کر تعداد طلاقوں کی ہو جائیگی"۔ (گلوب ایجنسی)

یہ حال اُس ملک کا ہے، جسکے عقلاء کا نظام شریعت اسلامی پر اب تک ایک بڑا اعتراض یہ چلا آرہا تھا کہ اس میں طلاق جیسی گندی چیز جائز ہے —— الیوم الذین آمنوا من الکفار یضحکون کے وقت سے پہلے ہی- ہل ثوب الکفار ما کانوا یفعلون کا ظہور!

نااہلی کی رُوداد

ایک مشہور اہل قلم و عالم دین نے ایک فقہی مسئلہ کی تحقیق کے سلسلہ میں صدق ۴۶ کا حوالہ دے کر مدیر صدق کو مشورہ دیا ہے:-

"کیا اچھا ہو کہ آپ فقہی فتووں کا جواب ہی نہ دیا کریں- تاکہ آپ کو زحمت نہ اُٹھانی پڑے- فتوے نویسی بڑی ذمہ داری اور فہم سلیم اور مشق کی چیز ہے- میں بھی اسکا اہل نہیں ہوں"۔

مشورہ اپنی جگہ پر بالکل صحیح ہے۔ لیکن مُدیر غریب کی مصیبت تو یہیں ختم نہیں ہو جاتی- عالم، فاضل، مفتی ہونے کا ذکر نہیں اُس نے تو کسی دینی درسگاہ میں اتنا عارضہ تعلیم ایک دن کے لیے بھی نہیں پایا ہے اور نہ تفسیر نہ حدیث نہ فقہ نہ کلام نہ تصوف، غرض دین کے کسی شعبہ کے کسی ایک جزء میں بھی اُسے بولنے کا حق نہیں۔

کئی سال ہوئے ایک اور بزرگ نے بھی اسے صاف لکھ دیا تھا کہ تفسیر قرآن کے کام میں کیوں پڑتے ہو- اسکی اہلیت بس کچھ انگلوں ہی میں تھی- اس ارشاد کا بھی ایک پہلو تو یقینًا صحیح تھا-

اتنا ہی نہیں، دنیوی علوم میں بھی اسکا یہی حال ہے۔ البشریٰ مالمز (لاہور) نے لکھا کہ آپ کے انگریزی کا ترجمہ، تفسیر کی زبان نہایت غلط اور لغو ہے۔ اور دہلی سے ایک نیم گمنام خط اس مضمون کا آیا، کہ تم نے انگریزی میں قرآن لکھ کر انگریزی خوانوں کے دل میں قرآن کی طرف سے نفرت پیدا کر دی۔ اسکے مواخذہ کے لیے تیار رہو —— ہوسکتا ہے کہ یہ سب رائیں ٹھیک ہوں- لیکن اس ساری نااہلی کے باوجود بھی کیا عجب جو کوئی کام کسی درجہ میں مقبولیت سے نوازدیا جائے- اور کوئی بات کام کی، ایک بہت ہی محدود حلقہ میں سہی، کسی کے کان میں پڑ ہی جائے-

یہ محض کسی کی شان ستاری ہے، جو ہر عیب کی پردہ پوش ہوسکتی ہے- یہاں تک کہ اہل نظر کی نظروں کو بھی حیران بنا سکتی ہے —— اور مریض کو نفع ہمیشہ حاذقوں اور ماہروں ہی کی دواؤں سے نہیں ہوتا، کبھی کبھی اناڑیوں، نامیوں، عطائیوں اور پھر اپنے مریضوں ہی کی تدبیریں کارگر ہو جاتی ہیں۔

مسائل فقہ اور فتوے نویسی کے مرکز دیوبند، سہارنپور اور فرنگی محل وغیرہ کے مشہور ہیں- طریقت وسلوک کے لیے بھی مشہور بزرگوں کے بہت سے خلفاء و مجازین موجود ہیں- تفسیر، حدیث، کلام سب کے معلوم و معروف مرکز ایک نہیں، بہت سے ہیں، کسی ایک جگہ نہیں، جابجا ہیں- ماشاء اللہ ثم ماشاء اللہ ان میں کسی آستانہ سے بھی یہاں مقابلہ و مسابقت کا خیال تک نہیں- کچھ مریضوں نے اپنے ہی جیسے ایسے بھی مفرور رہیں، جو ہر طرف سے اعراض کرکے، ایک حقیر ہی کے کلبۂ احزان کا رخ کرتے ہیں۔ جو حاضر ہوتا ہے بے تکلف اُنکے لیے چُن دیا جاتا ہے —— جو بزرگ اس حد تک بھی اجازت دینے کو تیار نہیں- بہتر کہ اب وہ دعا سے کام لیں، اور سمجھ کر صبر کرلیں، کہ

ٹیڑھا لگا ہے قط قلم سرنوشت کو!

ایک کار خیر

اس عنوان سے جو شذرہ مدت ہوئی صدق میں نکلا تھا، نو مسلم یورپین فاضل محمد اسد کے انگریزی ترجمۂ بخاری سے متعلق- اُس پر جن حضرات نے عطیہ سے اشتراک کی توجہ کی تھی، اُنکا ذکر اُسی زمانہ میں ان صفحات میں آچکا ہے- اب فاضل موصوف کے کارپرداز خان صاحب نیاز علی صاحب نے حال میں اطلاع دی ہے کہ صدق کے ایک مخلص معظم دہلی کے پاس سے ۵۰۰ کی رقم فاضل موصوف کتابوں کی اشاعت کی مد میں موصول ہو چکی ہے۔

پادری ٹسڈل کی کتاب کا جواب

رسالہ نگار نے پادری ٹسڈل کی کتاب "ماخذ القرآن" کا ترجمہ شائع کیا ہے اور مدیر نگار نے علماء اسلام کو اسکا جواب لکھنے کی دعوت دی ہے اسکا جواب آج سے ۲۵ سال پیشتر مکمل دیا جا چکا ہے جو حضرت امیر ایدہ اللہ کے قلم سے نکلا ہوا ہے- "حیات محمد اور قرآن" کو ریویو آف ریلیجنز سے لیکر علٰحدہ کتابی صورت دی ہے- یہ کتاب

نئی کتابیں

المنبہات - از علامہ ابن حجر مکی (عربی) ۱۵۰ صفحات، قیمت مجلد ۸؍، غیر مجلد ۶؍، پتہ:- اقبال اکیڈمی ظفر منزل، تاجپورہ لاہور۔

کتاب کا پورا نام المنبہات علی الاستعداد لیوم المعاد ہے۔ عربی کی ایک مشہور و متداول درسی کتاب ہے۔ زبان بہت سادہ و سلیس ہے، اور باتیں سب کام کی ہیں۔ حکیمانہ اقوال اور بعض میں بہت سی احادیث نبویہ بھی آگئی ہیں۔ کتاب ثنائی ثلاثی وغیرہ ۱۰ بابوں میں تقسیم ہے۔ اور ہر باب میں دو دو، اور تین تین، اور چار چار، یہاں تک کہ دس دس تک، ایک ہی قسم کی سب چیزیں بیان کی گئی ہیں۔ جو لوگ قرآن مجید اور احادیث نبوی کو اصل عربی میں سمجھنا چاہتے ہیں، اور ابھی بالکل مبتدی ہیں وہ اس کتاب کو ضرور پڑھیں۔ چونکہ یہ مشکّل چھپی ہے، یعنی اس پر سب اعراب لگے ہیں، اسکا پڑھ لینا بالکل آسان ہے۔ اور اس سے اچھی خاصی استعداد قرآنی اور حدیثی عربی کی بڑھ جائیگی۔ کتابت طباعت، سب صاف و خوشنما ہے۔

(۲) **نظام تعلیم و تربیت** - از مولانا سید مناظر احسن صاحب گیلانی، جلد اول، ۲۰ × ۲۶ تقطیع، ضخامت ۳۸۶ صفحات، قیمت مجلد ۴؍ غیر مجلد للعہ، پتہ کتاب پر درج نہیں، لیکن ہے یہ :- ندوۃ المصنفین - قرول باغ، دہلی۔

کتاب کا پورا نام ہندوستان میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت ہے۔ اور امید ہے کہ اس سے کتاب کا موضوع واضح ہو گیا ہوگا۔ لیکن سچ یہ ہے کہ مولانا گیلانی کی کسی کتاب پر تبصرہ کرنا سب سے بہت دشوار، اور تبصرہ تو خیر بڑی چیز ہے، یہی بتانا آسان نہیں کہ موضوع کیا ہے اور کتاب کے اندر ہے کیا کیا! حد یہ ہے کہ فاضل مصنف نے ۴۰۔۵۰ صفحہ کے ایک مختصر سے مضمون کے ارادہ سے قلم اٹھایا، ہوتے ہوتے مضمون نہیں، پوری کتاب تیار ہو گئی ساڑھے آٹھ سو صفحہ کی ضخامت کی! پھر انداز بیان ایسا مستانہ اور البیلا کہ تبصرہ نگار غریب بار بار ترتیب و تحلیل کا ارادہ کرتا ہے، اور بار بار خود مضمون کی دلآویزی میں گم ہو کر کہیں سے کہیں پہنچ جاتا ہے! دھارے کی رَو اس زور کی ہے، کہ اُس میں بہتا چلا جاتا ہے، اور ہاتھ پیر مارنے کا بھی ہوش نہیں باقی رہ جاتا! —— "روشنی طبع" اور کسی کے حق میں "بلا" ہوتی ہو یا نہ ہوتی ہو، مولانا کے حق میں تو انکی غیرمعمولی ذہانت و ہمہ جہتی اور انکے قلم کی بے تکان روانی یقیناً کچھ "بلا" سی ہو کر رہی ہے!

بہرحال سرورق پر تصریح ہے کہ اس کتاب میں نہایت تحقیق و تفصیل کے ساتھ یہ واضح کیا گیا ہے کہ ہندوستان میں قطب الدین ایبک کے زمانہ سے لیکر اب تک تاریخ کے مختلف ادوار میں مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت کیا رہا ہے۔ اسی کے ساتھ جگہ جگہ اہم اور معرکۃ الآراء مباحث آگئے ہیں" اور ناشر صاحب نے اپنے پیش عنوان کے ذیل لفظوں میں کتاب کا تعارف یوں کرایا ہے:۔ "مولانا موصوف نے نہایت جامعیت اور تفصیل سے اپنے مخصوص طرز انشاء میں یہ بتایا ہے کہ ہندوستان میں شروع سے لیکر اب تک مسلمانوں کا نظام تعلیم و تربیت کیا رہا ہے۔ نصاب تعلیم میں کن کن علوم و فنون کا درس شامل ہوتا تھا۔ طریق تعلیم کیا تھا، طلبا کے قیام و طعام کا کیا انتظام ہوتا تھا، اساتذہ اور طلبہ کے آپس کے تعلقات کس قسم کے ہوتے تھے، عام لوگ اور امراء و اعیان ملک ان طلبا کو کس نگاہ سے دیکھتے تھے۔ پھر تعلیم کے ساتھ اخلاقی تربیت اور تزکیۂ نفس کا بھی کتنا اہتمام ہوتا تھا۔ غرض یہ کہ تعلیم و تعلم سے متعلق بحث کا کوئی گوشہ ایسا نہیں ہے جو تشنہ رہ گیا ہو۔ اور جس پر مصنف نے سیر حاصل کلام نہ کیا ہو۔ بے شبہ اردو لٹریچر میں یہ پہلی کتاب ہے، جس میں اس جامعیت سے ہمارے گذشتہ نظام تعلیم و تربیت پر بحث کی گئی ہے"

یہ دو بڑے سہارے مل گئے، تیسرا سہارا خود حضرت مصنف علام کا بیان ہے۔ دیباچہ میں فرماتے ہیں:—

"مقصد میرا صرف عہد ماضی کے تعلیمی نظام کا ایک سرسری خاکہ پیش کرنا تھا، لیکن واقعات کو درج کرتے ہوئے بہت سے خیالات بھی پیدا ہو ہو کر ادھر ادھر بھٹکتے چلے گئے ہیں۔ اسی لیے اب اس کتاب کی حیثیت نہ کسی تجویزی مضمون کی باقی رہی، نہ کسی تحقیقی مقالہ کی، ... ایک تو یوں ہی میرا دماغ کچھ غیر مربوط سا واقع ہوا ہے۔ اسی کے ساتھ پندرہ بیس دن میں نئی ترتیب آسان بھی نہ تھی، اب جو کچھ ہے پیشکش ہے۔ دل صدپارہ کی چند ٹوٹی ہوئی قاشیں ہیں، شاید کہ انکا بھی کوئی خریدار نکل آئے"

خریدار کوئی ایک نہیں، یقیناً سیکڑوں ہزار نکل آئینگے، اور وہ سب کے سب خوش قسمت ہی ہونگے۔ بدنصیب وہ ہوگا جو خریداری سے محروم رہیگا —— دعوت میں مہمان کو کھانا جب اتنا لذیذ مل گیا کہ وہ ہونٹ چاٹتا رہ گیا، اور پیٹ بھر گیا لیکن نیت نہ بھری، تو پھر اُسے اس سے کیا بحث کہ کھانے کا نام وہ نہ جان سکا، یا اُسے کسی قسم معین کے اندر نہ رکھ سکا!

مصنف کو تو جو کچھ کہنا تھا، خدا معلوم وہ ان تقریباً ۹۰۰ صفحوں کے اندر کہہ بھی سکے یا نہیں، لیکن بہرحال انکے ہاتھوں اردو میں ایک عجیب و غریب علمی کشکول یا زنبیل تیار ہو گئی، جسکے اندر معقول، منقول، مذہب، تاریخ، تعلیم، ادب، تصوف، کلام، سب ہی کے جلوے موجود ہیں، اور کتاب عوام و خواص دونوں میں اور مختلف المذاق طبقوں میں مقبول ہونے اور پڑھے جانے کے لائق ہے —— سنا ہے کہ بعض مجذوبوں کی بڑ اور غیرمربوط کلمات میں بھی تاثیر، کشش، دلآویزی غضب کی ہوتی ہے، اور کام کی باتیں سب کو اپنے اپنے ظرف و استعداد کے مطابق مل جاتی ہیں،

آیندہ ایڈیشن میں اگر مصنف مدظلہ کے کوئی شاگرد یا مخلص اتنا کام اور کردیں تو کتاب کی حیثیت افادی بہت چار چاند لگ جائیں کہ جا بجا فارسی عبارتیں جو غیر مترجم رہ گئی ہیں، انکے ترجمے اردو میں درج کردیں، اور کتاب کو بابوں اور فصلوں میں اور زیادہ تقسیم کرکے انکی فہرست شروع میں دیدیں۔

(۳) حقیقت شرک۔ از مولانا امین احسن اصلاحی۔ ۱۰۵ صفحے قیمت عہ پتہ:۔ دائرۂ حمیدیہ۔ فردوس باغ، دہلی۔

اسلام کی کسی ایک ہی مد سے بڑی خصوصیت سنیں کہنے پر کوئی اگر کوئی منحصر ہو، تو وہ شرک کا کامل استیصال ہی ہوسکتی ہے۔ حیرت ہے کہ مسلمان اس اہم عقیدہ و ایمان سے باوجود انکی تفصیلات خصوصاً عملی تفصیلات کی طرف سے بلکل غافل ہیں۔ صرف ایک لفظ 'شرک' تو پکڑے ہوئے ہیں۔ باقی آگے اسطرف توجہ ہی نہیں کرتے کہ یہ آخر ہے کیا چیز؟ اسکے معنی و مفہوم کیا ہیں؟ اور اسکا عملی ظہور کن کن صورتوں میں ہوتا ہے؟ مولانا امین احسن نے اس اہم اور ضروری موضوع پر قلم اٹھایا، اور بڑی حد تک تحقیق و تفصیل دونوں کے ساتھ، لکھنے کا حق ادا کردیا ہے۔ حقیقت شرک، اقسام شرک، مشرکین کا شرک، اہل کتاب کا شرک، منافقین کا شرک، وغیرہا۔ ان عنوانات کے ماتحت انھوں نے بہت کچھ لکھ ڈالا ہے۔ خصوصاً فرنگی نظریات شرک کے مقابلہ میں انھوں نے جو کچھ لکھا ہے، وہاں تو انکی پختگی فکر و حسن استدلال کی داد بیساختہ دینی پڑتی ہے البتہ جہاں انھوں نے اقسام شرک کو موجودہ مسلمانوں پر چسپاں کرنا چاہا ہے وہاں ان تک کا قلم محتاط و متوازن نہیں رہا ہے، اور نادانستہ سہی، غلو اور مبالغہ کا رنگ اس میں پیدا ہوگیا ہے۔ کہیں کہیں انگریزی کے الفاظ بھی بے ضرورت آگئے ہیں۔

کتاب اپنے اکثر و بیشتر مباحث کے لحاظ سے بہت قابل قدر ہے۔

(۴) ہندوستان کی آبادی۔ از ڈاکٹر انور اقبال قریشی ایم اے، پی ایچ ڈی۔ ۳۰۰ صفحے۔ مجلد۔ قیمت ے۔ پتہ:۔ ادارۂ معاشیات۔ فاطمہ منزل۔ حمایت نگر حیدرآباد دکن۔

کتاب فن کی کتاب ہے، ایک ماہر فن کے قلم سے۔ اور مخاطب اصلی صرف طلبۂ فن ہیں۔ تبصرہ کا حق تو کوئی صاحب فن ہی ادا کرسکتا ہے۔ ایک عامی کے نقطۂ نظر سے کتاب دلچسپ بھی ہے اور معاشیات کی متعدد بحثوں سے متعلق سبق آموز و بصیرت افروز بھی۔ اور یہ سب کچھ مصطلحات کے باوجود بھی! ابواب کے عنوانات حسب ذیل ہیں:—

(۱) آبادی کے قدیم نظریے (۲) مالتھس کا نظریۂ آبادی (۳) متوازن آبادی کا نظریہ (۴) ہندوستان کی آبادی (۵) ۱۹۴۱ء کی مردم شماری (۶) آبادی اور خوراک (۷) کیا ہندوستان کثیر آبادی ملک ہے؟

کتاب کے خاتمہ پر ملک میں "بچے کم پیدا کرو" کی مہم شروع ہونے کا جو مشورہ دیا گیا ہے، اور جا بجا "ضبط تولید" کے مرکز قائم کرنے کی جو سفارش کی گئی ہے، یہ مصنف اسلام اور سود کے اسلامی قلم سے بہت ہی خلاف توقع اور تعجب انگیز ہے۔ خدا کرے دوسرے ایڈیشن کی نوبت آنے تک مصنف خود اس خیال سے رجوع کریں۔

(۵) اخبار مجموعہ۔ مترجم مولوی محمد زکریا صاحب مائل ۱۹۳ صفحے۔ تقطیع ۲۲×۱۸ قیمت مجلد ۲ غیر مجلد ۱ پتہ:۔ انجمن ترقی اردو، دریاگنج، دہلی۔

اسلامی اندلس کی تاریخ پر اردو میں یہ کتاب عرصہ کے بعد آئی ہے۔ اصل کتاب عربی میں تھی۔ مصنف کا نام نامعلوم، لیکن کتاب بجائے خود اچھی ہے، اور بڑی حد تک جامع۔ یہ اسی کا سلجھا ہوا ترجمہ ہے۔ اور انجمن ترقی اردو کے خصوصی مطبوعات مفیدہ میں شمار ہونے کے قابل۔

قابل مترجم نے ترجمہ کے متن کے علاوہ بھی بہت کچھ کردیا ہے بلکہ کہنا چاہیے کہ کتاب کو ایڈیٹ کرنے کا حق ادا کردیا ہے۔ شروع میں ایک مفصل مقدمہ کے علاوہ، جو بجائے خود ایک دلچسپ مقالہ تاریخ اندلس پر ہے۔ آخر میں بہ کثرت تاریخی اور جغرافی حاشیے کل متن کتاب پر دیے ہیں۔ اور نقشہ اور شجرہ ان پر مستزاد۔ فہرست میں حوالہ اشاریہ (انڈکس) کا بھی ہے۔ لیکن جو نسخہ تبصرہ کے لئے موصول ہوا ہے، اس میں تو اشاریہ موجود نہیں۔

زبان کتاب میں نظر ثانی کی کسر کہیں کہیں رہ گئی ہے۔ مثلاً "تعقب" کے بجائے "تعاقب" ہونا چاہیے اور "موخر" کے بجائے صرف "آخر"۔

(۶) اسلام، دی رلیجن آف ہیومینیٹی (انگریزی) از مولوی محمد علی ایم اے۔ امیر جماعت احمدیہ۔ مع دیباچہ از لارڈ ہیڈلی۔ ۲۶ صفحے۔ قیمت ۴ر

(۷) نمبر (۶) کا مرہٹی ترجمہ۔ دونوں کا پتہ:۔ مولوی محمد انعام الحق صاحب۔ محلہ اعظم پورہ، ملک پیٹھ، حیدرآباد دکن۔

مولوی محمد علی صاحب احمدی۔ انگریزی زبان میں اسلام کے مشہور و کہنہ مشق مبلغ ہیں۔ اور یہ مختصر سی کتاب انکی شہرت و مرتبہ تجربہ کے عین مطابق ہے۔ خصوصیات اسلام، وجود باری، توحید، رسالت، معاد، ملائکہ، نماز، روزہ، حقوق اللہ، اخلاق و آداب وغیرہ تقریباً ہر اہم و ضروری عنوان پر اختلافی مسائل کو چھیڑے بغیر اس مقالہ میں جامع و بلیغ گفتگو آگئی ہے۔

انگریزی رسالہ کی تصنیف کو اب عرصہ ہوچکا ہے۔ یہ اس کا پانچواں ایڈیشن ہے۔ احمدی مشن میں انگریزی اور دوسری یورپی زبانوں کے علاوہ اب ہندوستان کی بھی دوسری زبانوں ہندی، گورمکھی، تلنگی وغیرہ میں بھی کام شروع کردیا ہے۔ اور یہ مرہٹی ترجمہ بھی

اجداد محمد علیؒ

(از حضرت مولانا مناظر احسن صاحب گیلانی مدظلہ)

..... اس وقت خط لکھنے کا خیال بھی نہ تھا۔ لیکن ایک ضرورت سے "تذکرہ کاملان رامپور" نامی کتاب پر نظر پڑ گئی۔ ایک ایسی چیز اس میں نظر آئی کہ بے ساختہ آپ یاد آ گئے۔ جب تک آپ کو لکھ نہ بھیجوں گا، دماغ میں خواہ مخواہ شورش رہے گی۔ بات کچھ نہیں ہے، مولانا محمد علی نور اللہ مرقدہ کے جد امجد علی بخش خاں کے تذکرہ میں جہاں اور باتیں لکھی ہیں، اُن میں یہ بھی ہے کہ ۱۸۵۷ء کے فتنۂ ہندیہ میں نواب رامپور کی طرف سے انھوں برٹش گورنمنٹ اور انگریز حکام کی بڑی مدد کی۔ بریلی کا کمشنر نینی تال میں چلا گیا، الگزنڈر نام تھا، لکھا ہے کہ مولانا محمد علی کے دادا علی بخش خاں ہی نے اس زمانہ میں دہلی، لکھنؤ، مراد آباد، نجیب آباد، بجنور، میرٹھ اور بریلی کی روزانہ خبر نینی تال بھیجنے کا نظم کیا تھا، وہی نینی تال روپیہ روانہ کرتے تھے۔ اور راز کے سارے کاروبار کو انجام دیتے تھے۔ حتیٰ کہ الگزنڈر صاحب کا کتا بریلی میں چھوٹ گیا، صاحب بہادر اُس کتے کے لیے غدر کے اس ہنگامہ میں بھی بے چین تھے۔ خاں صاحب کو لکھا، اور کتا بھی نینی تال پہونچا دیا گیا۔ خیر، اس سلسلہ کی دلچسپ بات یہ ہے کہ یہی علی بخش خاں رامپور سے اشرفیاں لے کر خود نینی تال پہونچانے کے لیے روانہ ہوئے۔ راستہ میں نواب بریلی والے جو خود باغی تھے، اُنکی باغی فوج کا سامنا ہو گیا۔ لکھا ہے کہ مغرب کے بعد کا وقت تھا یقین تھا کہ باغیوں کی نظر پڑی اور قتل ہوئے۔ بہت پریشان ہوئے۔ اُسوقت عجب ترکیب انکو سوجھی، گھوڑے کی پشت سے اُچک کر ایک درخت کی شاخ سے لپٹ گئے اور اسی کو پکڑ کر درخت کی کسی گنجان اور بلند شاخ پر جا کر بیٹھ گئے۔ گھوڑا بھاگ کر گھر پہونچ گیا، اور مولانا محمد علی مرحوم کے ان ہی دادا صاحب نے رات بھر اسی درخت پر بسیرا لیا۔ باغی آگے نکل گئے تب جان میں جان آئی۔ اور صبح کو پھر نینی تال اپنے ایک سپاہی کے گھوڑے پر بالآخر پہونچ ہی گئے۔ اشرفیاں پہونچا ہی دیں۔

میں اس کتاب میں جس وقت اس واقعہ کو پڑھ رہا تھا، خیال گزرا کہ قدرت کا یہ کیسا عجیب تماشا تھا، نہ معلوم جانے مولانا محمد علی مرحوم اُسوقت تک اپنے دادا صاحب ہی کے صلب میں تھے، یا ان سے الگ ہو چکے تھے، جس وقت درخت پر بیٹھے ہوئے حکومت برطانیہ کی بہی خواہی کا وہ حق ادا کر رہے تھے!

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ مولانا محمد علی میں دلیری اور شجاعت کے جذبات موروثی تھے، صرف ان جذبات کے استعمال کا رخ بدل گیا تھا۔ اسی خاندان کے ایک رکن حافظ مبارک علی بھی تھے جو مولانا محمد علی کے چچا تھے۔ انکے حالات میں لکھا ہے کہ نواب کلب علی خاں مرحوم کے سفر حج میں ساتھ تھے۔ صاحب کتاب نے لکھا ہے کہ جب واپس آئے تو میں نے دریافت کیا کہ خانۂ کعبہ میں آپ نے کیا دعا مانگی؟ جواب انکو ملا وہی سننے کے قابل ہے، یعنیہ اُنکے الفاظ میں "کوئی اور خیال ہی نہیں آیا، صرف شہادت کی دعا مانگی"۔ دیکھا آپ نے، مولانا محمد علی کے اندر ایمان کا جو زور تھا، وہ بھی کہاں سے اُنکے اندر منتقل ہوا تھا، کعبہ کی دعا رد نہیں ہوتی، اسکا ثبوت حافظ مبارک علی مرحوم کی یہ دعا بھی ہے۔ لکھا ہے کہ جنرل اعظم الدین خاں جب بدمعاشوں نے بندوق سے فیر کیا، اُسوقت حافظ مبارک علی صاحب پیدل گھر کو جا رہے تھے۔ آواز سن کر پلٹے اور بدمعاشوں کا گروہ انھیں پر ٹوٹ پڑا۔ تلوار کھینچے سے مل کر انکا خاتمہ کر دیا۔ لکھا ہے گردن پر ایسے تام جبار کے ساتھ الجھی ہوئی تھی، اور جو دعا کعبہ میں کی گئی تھی وہ یوں پوری ہوئی۔ "حافظ شہید" انکی شہادت کی تاریخ نکلی۔ اسی خاندان کی دلیری اور قوت قلب کا ایک واقعہ اسی کتاب میں یہ نقل کیا ہے، کہ مولانا محمد علی صاحب کے چچا زاد بھائی عظمت علی خاں عظمت جو بیگم محمد علی کے والد ماجد تھے اور اسی طرح مولانا کے خسر ہوئے، ریاست اندور میں بڑے بڑے عہدوں سے سرفراز تھے، ان ہی کا ایک عجیب و غریب واقعہ یہ ہے کہ ریاست اندور کے ایک مقام سنادو نامی میں ایک شخص شیر لے کر آیا، وہ پنجرے میں شیر کے ساتھ بند ہو کر لڑتا تھا، اور اسی کا تماشا دکھاتا تھا۔ تماشا دکھلانے لگا۔ عظمت علی خاں کرسی پر بیٹھے تھے، اتفاقاً شیر بگڑا، اور خدا جانے کیا صورت پیش آئی کہ پنجرے سے باہر نکل پڑا۔ تماشبینوں میں تو بھگدڑ مچ گیا، ہر ایک بھاگا جا رہا تھا، لیکن عظمت علی خاں کرسی پر اطمینان سے بیٹھے رہے، اور طرفہ ماجرا یہ ہوا کہ شیر پنجرے سے نکل کر انکی کرسی کے آگے بیٹھ گیا، لیکن انکے چہرے پر شکن بھی نہ پڑی۔ بیگم محمد علی شیر سے نہ ڈرنے والے باپ کی بیٹی ہیں۔ ونعم ما قیل

کذٰلک تنشأ لینۃ ہو عودہا
ومنبت الارض من کرم البذر

بے پردگی کی وبا!

ایک اخبار لکھتا ہے، کہ کراچی میں مسلمان عورتوں کا جلسہ ہوا جسکی صدارت ایک خاتون مسماۃ عالم بیگم نے کی۔ مسماۃ مذکورہ نے عورتوں کی آزادی کے مسئلہ پر بہت زور شور کی تقریر فرمائی اور مسلمان عورتوں کی پسماندگی کا ذمہ دار پردے کو بتایا۔ آپ نے تنک کر کہا۔ "کیا ہم چوری کا مال ہیں کہ ہم کو چھپا کر رکھا جاتا ہے۔ عورت کو سر سے پاؤں تک پارسل بنا دیا جاتا ہے، جسکی وجہ سے ہم بیماریوں کا شکار ہو جاتے ہیں۔ آج ہم فیصلہ کرتے ہیں کہ اس لعنت کو اتار پھینکیں گے۔" اس پر چند عورتوں نے پردہ شکنی کی مخالفت کی، لیکن باقی سیکڑوں عورتوں نے برقعے اُتار دیے، اور ایک بڑی تحریک جاری کی گئی۔
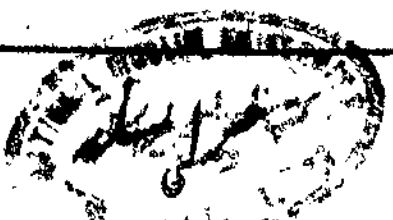
"پردہ اُٹھا ہے ترقی کے یہ سامان تو ہیں" معلوم نہیں اس خبر کی صحت کس قدر ہے۔ اگر یہ خالص عورتوں کا جلسہ تھا، تو اس میں برقعے اُتار دینا کیا معنی رکھتا ہے؟ اگر یہ وہ شکن عورتوں کو برقعے اُتارنے ہی تھے تو بیچ بازار میں بہنچ کر اُتارتیں گھر ہی میں کیوں چھوڑنے سے کیا حاصل؟

ہمیں اس برقع بیزاری پر اعتراض نہیں۔ اگر برقع کے بعد یہ بیبیاں اپنے دوسرے کپڑے بھی اُتار پھینکیں، جب بھی ہمیں عرض کا حق نہ تھا۔ جب اُنکے باپ اور بھائی اور شوہر ہی اعتراض نہ کرینگے تو فکر کاہے۔ لیکن ان جوشیلی آزادی پسند عورتوں کی یہ بات سمجھ نہیں آتی کہ عورت پردے میں کمزور ہی جاہل رہتی ہے۔ یا اُس کی صحت ضرور ہی خراب ہو جاتی ہے۔

دنیا کی مسلمان قوموں میں عورتیں ہمیشہ پردہ ہی کرتی رہیں۔ اور آج بھی مغربی پنجاب۔ صوبۂ سرحد۔ افغانستان کی عورتیں پردے کی سخت پابند ہیں۔ لیکن یہ مائیں وہ ہیں جو شیر جنتی ہیں۔ افغان اور سرحدی پٹھان اور مغربی پنجاب کے مسلمان کی شجاعت سے کون انکار کر سکتا ہے بلکہ ان علاقوں کی پردہ دار مسلمان خواتین کی ثابت قدمی۔ بہادری، قربانی۔ اور حق پرستی بھی مسلم ہے۔ انکا مقابلہ شہروں کے اعلیٰ تعلیم یافتہ گھرانوں سے کرو، جن کی عورتیں پردہ نہیں کرتیں۔ اور جن میں مائیں اپنے جوان بیٹوں کے سامنے پاؤڈر کریم اور سرخی استعمال کرکے اپنے ڈھلتے ہوئے حسن کی کند چھری کو تیز کرنے کی ناکام کوشش کرتی ہیں۔ جیسی مائیں ویسے بچے۔ یہ مائیں شیر نہیں، بلکہ بزدل اور غلام جنتی ہیں۔ اور کسی نے بڑا تیر مارا تو جج یا مجسٹریٹ ہو گیا۔ لیکن ماں بھی پیلی اور بیٹا بھی دق۔ جیسے تپ دق کے مریض ہوں۔

تعلیم نسواں کی ضرورت مسلم۔ حریتِ نسواں بالکل صحیح۔ لیکن جس آزادی کے لیے ہماری بعض نیم تعلیم یافتہ شوقین عورتیں مری جاتی ہیں۔ وہ بعض دوسری قوموں کو جہنم واصل کر رہی ہے اور کرکے رہیگی۔

عورت کی حریت کیا ہے؟ اُسکے حقوق کیا ہیں؟ حق نفقہ۔ حق خلع۔ حق وراثت۔ حق جائداد وغیرہ۔ اصل چیز یہ ہے جو مسلمان عورت کو حاصل ہے۔ لیکن بعض نادان عورتیں حق و حریت کا طول عرض اسی کو سمجھتی ہیں کہ انھیں اپنے سر و سینہ۔ اور عارض و گیسو کا نظارہ عام کر دینے کا حق دے دیا جائے۔ (انقلاب)

[illegible] مسئلہ

محترم المقام۔ السلام علیکم۔ ایک مراسلہ ارسال خدمت کیا تھا۔ جسکو آپ نے "مسلموں کی مسلمی" کا عنوان دے کر صدق میں شائع فرمایا ہے۔ لیکن آخر میں آپ کی چند سطروں نے نفس مضمون پر پانی پھیر دیا ہے۔ اسی لیے یہ عریضہ ارسال کرنے کی ضرورت محسوس ہوئی۔

مجھے بالذات کسی فرد یا ادارہ کی اہانت مقصود نہیں۔ بلکہ سوال اطمینان نفس کے لیے کر رہا ہوں۔

جیسا کہ آپ نے تحریر فرمایا ہے کہ طلباء کی اتنی سخت گرفت صحیح نہیں جب تک کہ یہ نہ معلوم ہو جائے کہ وہ کسی فسق کے مرتکب ہوئے ہیں۔ صرف جلسہ ہی تھا ہیں ایک ٹی پارٹی بھی ہوئی تھی۔

"کسی مسلمان کا ایسی جگہ پر کھانا پینا جہاں بالاعلان شراب نوشی ہوتی ہو جائز ہے یا نہیں —— جبکہ یہ یقین ہو کہ ان برتنوں کو بدست شرابیوں نے بھی استعمال کیا ہے —— نیز جبکہ یہ بھی احتمال ہو کہ یہ برتن لحم خنزیر کے لیے بھی استعمال کیے گئے ہونگے۔

یہاں بحث کو طول دینا یا صدق کے صفحات کو ضایع کرنا ہرگز مقصود نہیں۔ اگر آپ اس سوال کا شافی جواب صدق میں شایع فرما دینگے تو میرے خیال میں بہت سے لوگوں کی غلط فہمیاں رفع ہو جائیں گی فقط والسلام۔ ثناء الدین (ابو الحسن) امیر منزل، نظر باغ لکھنؤ

صدق ۔ استفتا اگر سانچے میں ڈھلا ہوا فقہی جواب مقصود ہے تو اسکے لیے لکھنؤ، دہلی، دیوبند، سہارن پور وغیرہ میں جو دار الافتاء ہیں، اُنکے دروازے کھلے ہوئے ہیں۔ صدق کی راہ تو کچھ الگ تھلگ ہی ہے۔

سوال جن زور دار الفاظ میں مرتب کرکے پیش کیا گیا ہے ایسے ہی الفاظ میں خدا معلوم کتنے سوالات مرتب کیے جا سکتے ہیں۔ مثلاً خود صدق ہی سے متعلق سوال یوں پیش کیا جا سکتا ہے کہ ایسے اخبار کا پڑھنا اور خریدنا اور اُسکی مدد کرنا کہاں تک جائز ہے، جسکے ذریعہ کی آمدنی اکل حلال کے حکم میں داخل نہ ہو، اور جسکے خریداروں کے بھی بیشتر حصہ کی آمدنیاں تا جائز و مشتبہ ہوں؟ وقس علی ہذا

اس دور فتن و ظلمات میں، یہی کیا کم ہے کہ پڑھے لکھے مسلمان شراب پینے پلانے اور حرام کھانے کھلانے سے بچے رہیں۔ ان سوالات کو زیادہ آگے چلانا کہ جہاں شراب بھی پی جاتی ہے، وہاں مسلمانوں نے بیٹھ کر چائے کیوں پی؟ اور جہاں حرام جانور بھی کھائے جاتے ہیں، وہاں کیک اور پیسٹری کیوں کھائی گئی؟ کچھ اچھا احساس تو اذہان میں پیدا نہیں کرتا۔ حلت و حرمت کا تعلق احتمالات سے نہیں۔ رویت و شہادت سے ہے۔

(مسلم پرنٹنگ پریس لکھنؤ باہتمام شیخ شوکت حسین پرنٹر)

(ب) مقاصد کے خاتمہ میں جس کی توضیح شرح مقاصد میں ہو، مہدی اور نزول عیسیٰ اور خروج دجال کے متعلقہ حدیثوں میں صرف خروج دجال کے متعلق حدیث کے متواتر المعنی ہونے کو قرین صواب بتایا ہے، جس سے بظاہر یہی مستفاد ہوتا ہے کہ خروج مہدی و نزول عیسیٰ علیہ السلام کے بارے میں کسی حدیث متواتر یا احادیث متواترہ کا ہونا تو درکنار، علامہ تفتازانی کے نزدیک ان کے بارے میں تواتر معنوی بھی نہیں۔ شرح مقاصد کی عبارت یہ ہے (تحت قول: وتتمۃ خاتمۃ وردت الاحادیث الصحیحۃ فی ظہور امام من ولد فاطمۃ" الیٰ ان قال "وفی نزول عیسیٰ وخروج الدجال") ما ملخصہ باب انہ امۃ بحث خروج المہدی ونزول عیسیٰ صلی اللہ علیہ وسلم وہما من اشراط الساعۃ وقد وردت فی ہذا الباب اخبار صحاح وان کانت احاداً ویشبہ ان یکون خروج الدجال متواتر المعنی۔ (باقی)

مراسلہ

مکرمی و مرشدی جناب قبلہ مولانا صاحب دامت برکاتہم

تسلیم۔ عرض ایں کہ مدت سے دل میں ایک بات کھٹک رہی ہے۔ ہندوستان بھر میں قریب قریب یہ رواج عام ہو گیا ہے کہ کسی بڑی ہستی کے لیے "ڈے" منائے جاتے ہیں یا کسی تحریک کے تحت "ڈے" منائے جاتے ہیں۔ مثلاً اقبال ڈے۔ محمد علی ڈے۔ جناح ڈے۔ حسین ڈے۔ پاکستان ڈے۔ وغیرہ وغیرہ ہزاروں ڈے منائے جاتے ہیں۔ اس میں دینی و دنیوی دونوں مضرت نمایاں معلوم ہوتی ہے۔ دینی تو ظاہر ہے کہ رسمی منانا بدعت ہے۔ اور یہ رسمی نہیں تو اور کیا ہے اور دنیوی یہ کہ مسلمانوں کے سیکڑوں بلکہ ہزاروں بلکہ بیشمار اوقات لاکھوں روپے فضول خرچ اور برباد ہو جایا کرتے ہیں۔ ابھی ۲۱ اپریل کو بمبئی میں اقبال ڈے کے سلسلہ میں مشاعرہ منعقد ہونے والا ہے۔ جس میں قریب قریب ہندوستان کے نامور مشہور شاعر تشریف لانیکے۔ ظاہر ہے کہ شاعروں کی گزر اوقات انھیں مشاعروں سے ہوتی ہے۔ بلا قیمت کے تو آئیں گے نہیں۔ اور قیمت بھی معمولی نہ ہوگی۔ اور پھر ایسے مشاعرہ میں جوش جیسے الحاد پرست شاعر کو اپنے ملحدانہ اقوال پیش کرنے اس سے بہتر موقع کونسا ہاتھ آ سکتا ہے۔ غرض یہ کہ ساری کی ساری خرابیاں ہی خرابیاں ہیں۔ اس قسم کے ڈے منانے کی رسم کو مٹانے کی اگر کوشش کی جائے تو ممکن ہے مسلمانوں کی مذہبی و معاشرتی حالت درست ہو کر اسراف سے بھی بچ جائیں گے۔ امید کہ اس کی خرابی کو ملاحظہ فرما کر اپنی رائے عالی سے مشرف فرمائیں گے کہ میرے دل میں جو بات ہے آیا یہ صحیح ہے یا غلط۔ فقط۔ والسلام

طالب دعا عبدالحی اسمٰعیل۔ تسم اللہ
ارڈا، بھیں۔ ضلع سورت

صدق۔ سالانہ یاد منانے میں بجائے خود تو کوئی مضائقہ نہیں، سالانہ عرس و فاتحہ کو "بدعت" کے حکم میں جس چیز نے داخل کر دیا ہے وہ ان رسوم کے دوسرے لوازم مادی ہیں۔

"یوم" منانے کی فیشن ایبل رسم میں مصالح و مفاسد دونوں ہیں۔ مکرر گزارش: اگر منتظم روشن فہم ہیں تو غیر صالح عنصر سے بچ کر صرف صالح پہلوؤں کو لے سکتے ہیں اور انھیں پر زور دے سکتے ہیں۔ ملحد شاعر کو اگر دعوت دی جائے تو یہ صاف طے کر دیا جائے کہ ملحدانہ کلام کی اجازت نہ دی جائیگی —— رسم اگر صالح ہے تو اس کی چیزوں کی اصلاح بہت آسانی سے خود بخود ہو سکتی ہے لیکن جب وبائی کیفیت ہوا میں پھیلی ہوتی ہے تو تندرست سے تندرست کو بھی سانس لینی مشکل ہو جاتی ہے۔

اسلامی قوانین کا نفاذ

مولوی ابوالحسن سید علی صاحب صدر مجلس نے مسلم تاجران مصطفیٰ بازار کے جلسۂ میلاد مبارک کی صدارتی تقریر میں یہ بتاتے ہوئے کہ مسلمان اس دنیا میں اس لیے گر گئے ہیں کہ انھوں نے اسلامی احکام کی تعمیل کرنی چھوڑ دی اور ان کے بجائے وہ دوسرے عقلی قوانین و ضوابط کے تحت زندگی بسر کرنے لگے۔ مسلمانوں کو مشورہ دیا کہ انھیں "حکومت سے مطالبہ کرنا چاہیے کہ وہ اسلامی قوانین کو ہم پر نافذ کرے، تاکہ مسلمان اسلامی زندگی بسر کر سکیں ——" مولوی صاحب موصوف کا یہ نیک مشورہ ممکن ہے آج کی ہماری حکومت اور خود مسلمانوں کو بھی جو یہ غلغلے سن رہے ہیں کہ فلاں ملک کے مسلمانوں نے فلاں ملک کے غیر اسلامی دیوانی قوانین اور فلاں ملک کے فوجداری قوانین اختیار کر لیے اور فلاں اسلامی ملک میں یہ غیر اسلامی عمل ہو رہا ہے اور فلاں اسلامی ملک میں وہ ہو رہا ہے، کوئی بہت ہی بوسیدہ مشورہ معلوم ہو، لیکن اگر ایک مسلم کی حیثیت سے اس دنیا میں ترقی کرنا چاہتے ہیں تو انھیں اس مشورہ کو ماننا ہی پڑیگا۔ اسکے بغیر انکی ترقی بحیثیت مسلم اس لیے نہیں ہو سکتی کہ اسلام صرف چند مجموعۂ عبادات ہی کا نہیں ایک ضابطۂ حیات کا نام ہے اور یہ وہ ضابطۂ حیات ہے کہ جسکو اختیار کیے بغیر دنیا کو کبھی امن و چین نصیب نہیں ہو سکتا۔ دنیا کے جتنے دوسرے مسالک ہیں وہ انسانی عقلوں کی پیداوار ہیں اور ان میں وہ خامیاں موجود ہیں جو عقل انسانی سے ممکن ہیں۔ اگر عقلی مسالک کی ان جو خوبیاں ہیں غور کرکے تقابلی مطالعہ سے کام لے کر دیکھیے تو ظاہر ہوگا کہ وہ وہی ہیں جو اسلام میں موجود ہیں۔ اسلام کا ضابطۂ حیات اس لیے مکمل اور بے خطا ہے کہ اس کو خدا نے اور انسان کے خالق نے اس کو مدون فرمایا ہے۔ اور خالق سے بہتر مخلوق کی فطرت کو بھلا کون جان سکتا ہے۔ اسکی فطرت کو صالح رکھنے کے اصول و قوانین اس سے بہتر کون وضع کر سکتا ہے ... اب تک بھی ان عقلوں نے جن امور کو بطور اصول تسلیم کیا ہے وہ وہی ہیں جن کی تعلیم سب سے پہلے اسلام نے دی تھی۔ مثلاً ان دونوں انسانی مساوات و اخوت و حریت کا معاشرت میں اور

...دنیت کا سیاست میں ہر طرف بڑا غلغلہ ہے اور اٹھارہویں صدی عیسوی میں انکو یورپ میں بطور اصول اختیار کر لیا۔ مگر علمائے مغرب جانتے ہیں اور اس کا انھوں نے اپنی کتابوں میں اعتراف بھی کیا ہے انھوں نے اسلام ہی سے لیے۔ صلیبی جنگوں میں اہل یورپ کو مسلمانوں سے اتصال قائم کرنے اور پھر انکے اداروں میں تعلیم حاصل کرنے کا انھیں موقع ملا تو انھیں معلوم ہوا کہ زندگی جسے کہتے ہیں وہ یہاں کچھ اور ہی چیز ہے یہی لوگ یورپ کی نشأۃ ثانیہ کے باعث ہوئے مگر چونکہ ساتھ ہی ساتھ مغربی یورپ کی اسلام دشمنی بھی بڑی شدت کے ساتھ جاری تھی انھوں نے ان اسلامی اصولوں کو اپنی ذہنیت کے مطابق ڈھال لینے کی کوشش کی اور انھیں مسخ کر دیا ۔ بعد میں جو ترقی ہوئی وہ انھیں مسخ شدہ نمونوں کی اصلاح کا نام ہے جو ابھی تک اپنی اصل کو نہیں پہونچ سکی ہے۔

ہمیں یاد پڑتا ہے کہ قائد ملت مرحوم نے اپنی کسی تقریر میں یہ کہا تھا کہ ملک کی مجلس قانون ساز کے مسلم اراکین سے یہ کام لیا جائیگا کہ وہ اسلامی قانون مسلمانوں پر بذریعہ حکومت نافذ کرائیں اور لوی صاحب نے اس جلسہ میں صدارت کرتے ہوئے مسلمانوں سے یہ درخواست کر کے گویا اپنے ارادہ کا اعلان فرمایا ہے کہ آپ اس مقصد کو حاصل کرنا چاہتے ہیں تو کوئی وجہ نہیں کہ حکومت مسلمانوں کے اس ارادہ میں حائل ہو۔ اسلام میں دیوانی و فوجداری قوانین کے اصول مدون ہیں اور اس کے سوا انفرادی زندگی کو نیکی کی راہ پہ قائم کرنے کے متعدد ضوابط موجود ہیں اور مسلمانوں کو اپنی حکومت کے توسط سے اپنے اوپر ان سب کو نافذ کرانے کا پورا پورا حق ہے۔

(رہبر دکن)

فلم سازی اور موجودہ نسل

دریا آباد (یوپی) سے مسلمانوں کا ایک ہفتہ وار اخبار "صدق" جاری ہے۔ یہ اخبار گو چھوٹے سائز کے صرف آٹھ صفحہ پر شایع ہوتا ہے مگر مسلمانوں کے اخلاق کی رہبری و رہنمائی اور سچی آواز بلند کرنے کے اعتبار سے اسے ملک کے بہترین پرچوں میں شمار کیا جا سکتا ہے۔ یہ معاصر فلموں کے موجودہ اثرات کے متعلق لکھتا ہے:۔

"فلاں شاعر اور فلاں ادیب نے فلاں فلم کمپنی کے فلاں فلم کے لیے جو گانے اور مکالمے تیار کیے اسکے معاوضہ میں انھیں ۱۲ ہزار کی رقم وصول ہوئی! اردو کا غریب شاعر اور غریب ادیب' اور ۱۲ ہزار کی رقم! اس حوصلے کو دیکھیے اور رقم کو دیکھیے

فلاں فلم کمپنی کے فلاں ڈائرکٹر کو پانچ ہزار ماہوار مل رہا ہے۔ فلاں بی صاحبہ یا فلاں مس صاحبہ کو فلاں تصویر میں ہیروئن کا پارٹ ادا کرنے پر ایک لاکھ روپیہ مل گیا۔ فلاں تصویر لکھنؤ میں ۲۰ ہفتوں سے چل رہی ہے۔ اور فلاں تصویر کا کلکتہ میں کچھ ذکر نہیں ہے۔ ...مالک کو آمدنی اب تک ۸ لاکھ ہو چکی ہے۔

معلوم نہیں آپ فلمی رسالوں' پرچوں کا دیکھنا' چھونا' پڑھنا جائز سمجھتے ہیں یا ناجائز' بہرحال آپ کی اطلاع' واقفیت معلومات کے لیے یہ چند خبریں انھیں رسالوں سے لیکر نمونہ کے طور پر درج کر دی گئیں۔ اور اب یہ اشتہار' جو فلمی رسالوں سے قطع نظر بڑے بڑے معزز انگریزی روزناموں میں نکل رہے ہیں بہت نمایاں جگہ پر اور دو کالمی سرخی کے ساتھ:۔

"۵۰ ہزار نقدی انعام .... پکچرز فلم کمپنی کی طرف سے اُن تین نوجوان حسین و جمیل نازک اندام لڑکیوں میں سے ہر ایک کی خدمت میں جنکے تماشہ میں زنانہ پارٹ ادا کرنے کے معاوضہ میں۔ درخواست اپنی تازہ تصویر کے ساتھ فوراً بھیجیے۔ ساری مراسلت صیغہ راز میں ہوگی"

فرمایئے' اس قسم کی خبروں اور اس قسم کے اشتہاروں کے بعد کتنوں کا تقوے' کتنوں کا پاسے عزم و استقلال اپنی جگہ پر قائم رہیگا؟ کتنیوں کی عزت' شرافت' عصمت' اپنے میں تزلزل' تذبذب اور جنبش نہ محسوس کریگی؟"

"صدق" کے ایڈیٹر مولانا عبد الماجد کسی زمانہ میں فلاسفر اور ملحد رہ چکے تھے۔ مگر آجکل مولویوں سے زیادہ مذہب کے پابند ہیں۔ اور ہمارا خیال ہے کہ آپ شاید فلم کو دیکھنا یا فلمی دنیا سے دلچسپی لینا بھی مذہب کے خلاف سمجھتے ہیں۔ ورنہ آپ کو علم ہونا چاہیے تھا کہ فلم سازی کا اثر صرف روپیہ لیکر ڈرامے لکھنے' گانے تیار کرنے' فلم کو ڈائرکٹ کرنے' پروڈیوسروں اور ڈسٹری بیوٹروں کے لیے لاکھوں روپیہ پیدا کرنے اور شریف لڑکیوں کے فلم ایکٹرس بننے تک محدود نہیں۔ یہ "انڈسٹری" بہت آگے جانا چاہتی ہے' اور فلم سازی کی چوکھٹ پر شریف اور معزز خاندانوں کی لڑکیوں کی عصمت و شرافت اس طرح نذر کی جا رہی ہے' جس طرح قوالی کی مجلس میں پیر کے مرید ساز کی ہر آواز اور گت پر اپنے پیر کو چڑھ چڑھ کر نذر دیتے ہیں۔ چنانچہ ابھی پچھلے ہفتہ کا ذکر ہے' ہمارے دوست سردار امر سنگھ ایڈیٹر "شیر پنجاب" لاہور کے صاحبزادے سردار بخت بہادر سنگھ بمبئی سے واپس آئے۔ دفتر "ریاست" میں مقیم ہوئے۔ اور ایڈیٹر "ریاست" نے بمبئی کے حالات دریافت کیے تو آپ نے باتوں باتوں میں بتایا کہ پنجاب اور دوسرے صوبجات کے اعلیٰ خاندان کی درجنوں گریجویٹ لڑکیاں فلم ایکٹرس بننے کے شوق میں امید واری کی حالت ہی میں اپنی عصمت ڈائرکٹروں کی نذر کر رہی ہیں۔ عصمت خراب کرنے کے بعد بھی انکو کامیابی نصیب نہیں ہوتی۔ ایک کمپنی سے دوسری میں اور دوسری سے تیسری میں ماری ماری پھرتی ہیں۔ اور چونکہ مارکیٹ میں روپیہ بہت ہے' آخر پیشہ ور عورتوں کی طرح گر کر انھوں سے زیادہ فیس لے کر فیشن اور دوسری ضروریات کے لیے اخراجات بہم پہونچاتی ہیں۔ چنانچہ آپ نے بتایا کہ ایک بڑے مسلمان خاندان کی